كتاب الفقه

عبدالرحمٰن الجزیری

ترجمہ: منظور احسن عباسی

علی المذاہب الاربعۃ

شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب

Marfat.com

کِتَابُ الفقه

علی المذاہب الاربعہ

85929

جزءاول

عبادات

تالیف: عبدالرحمٰن الجزیری

ترجمہ: منوراحسن عباسی

علماءاکیڈمی

شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب

۲۰۱۳ء

Marfat.com

297.3
کت 32
18547
جلد1

جملہ حقوق محفوظ

ISBN NO. 978-969-28-0296-3

DATA ENTERED

ناشر : محمد حسن رضوی
ڈائریکٹر جنرل مذہبی امور و اوقاف، پنجاب، لاہور
نگرانِ طباعت : عبدالحمید چودھری
ڈپٹی ڈائریکٹر۔علماء اکیڈیمی اوقاف پنجاب، لاہور
اشاعت ہشتم : دسمبر 2012ء (طباعت جدید)
تعداد : ایک ہزار
طابع : آغا امیر حسین
کلاسیک۔42 شاہراہ قائداعظم، لاہور
ملنے کا پتہ: : (i) شعبہ مطبوعات علماء اکیڈیمی اوقاف، بادشاہی مسجد لاہور
فون:042-37657115
(ii) سیل پوائنٹ۔مطبوعات اوقاف دربار حضرت داتا گنج بخشؒ، لاہور
فون:042-37113464

Marfat.com

مقدمہ طبع جدید ہشتم

محمد حسن رضوی

ڈائریکٹر جنرل مذہبی امور

واوقاف پنجاب

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سیّد الانبیاء والمرسلین وعلی الہ واصحابہ اجمعین۔

دین اسلام کے احکام کو سمجھنے کے لیے قرآن وسنت کے بعد فقہ کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔ فقہ دراصل ان مضبوط دلائل کا نام ہے جن کی روشنی میں قرآن وسنت کے مطابق انسانی زندگی میں درپیش مسائل کے حل اور احکام دین کو سمجھنے کا کام کیا جاتا ہے اور ان انسانی زندگی کے مسائل کا حل فقہ کے دلائل کے ذریعے قرآن وسنت کی روشنی میں اخذ کیا جاسکتا ہے۔ فقہ ایک ایسا علم ہے جس کے تحت انسانی زندگی کے شعبہ ہائے جات میں روزمرہ پیش آمدہ مسائل واعمال بیان کئے جاتے ہیں۔ ارکان اسلام نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور مسلمانوں کے دیگر روزمرہ کے معاملات جیسا کہ نکاح وطلاق، خرید وفروخت، حلال وحرام، مزارعت ومساقات اور مضاربت، کرایہ داری وعاریت، ہدیہ ومیراث، شرکت وبٹائی، چوری وڈکیتی، شراب خوری وحرام کاری، حدود وتعزیرات وغیرہ تمام عبادات وانسانی معاملات کی شرعی تفصیلات اس علم کے تحت آتی ہیں۔ اسلام ایک مکمل دستور حیات اور جامع نظام حیات ہے اس لئے اس کے زیر اثر فقہ کے علم کو بھی نہایت وسعت وعظمت حاصل ہے اور انسانی زندگی کا کوئی بھی عملی پہلو اس علم کے احاطے سے باہر نہیں رہ سکتا۔

Marfat.com

بلاشبہ شعبہ ہائے زندگی میں اختلاف انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔اس لئے ان فقہی مسائل کے بارے میں حضور ﷺ کے بعد بعض علمی اختلافات سامنے آئے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علمی اختلافات کے بعض اسباب جو کہ دور تک اثر انداز ہوئے ان کا ذکر زندگی گزارنے کے لیے اس دور میں اشد ضروری ہے۔

نبی کریم ﷺ کے فرمانِ ذی شان کا ہر صحابی کے علم میں نہ ہونا۔مختلف اوقات میں حضور ﷺ کے اقوال واعمال کا مختلف ہونا،حضور ﷺ کے فرمان،اقوال واعمال کی پیروی سنت ہے یا واجب یا کیا ہے؟،اس میں اختلاف،حضور ﷺ کے قول وفعل کو پورے طریقے سے نہ سمجھ سکنا،تحصیل علم کی صلاحیت کا مختلف ہونا،پھر مسائل کے اخذ کرنے کے طریق کار کا مختلف ہونا،کسی نے صرف نقل کو ضروری سمجھا اور کسی نے عقل کی رو سے مسئلہ کے حل کو جائز مانا،کسی حکم کی علت کو سمجھنے میں اختلاف،سہو ونسیان اور حفظ ویادداشت کا اختلاف۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد اس قسم کے اسباب کے علاوہ دوسرے بھی بہت سے ایسے اسباب رونما ہوئے جن کی بناء پر فقہی مسائل میں علمی اختلاف بڑھتا گیا جن میں ہر قول کسی نہ کسی دلیل پر مبنی ہے اور شرعی اصول وحدود کے مطابق ہے،اسی لئے اس اختلاف کو کبھی بھی ناپسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا بلکہ بنظر تحسین دیکھا گیا کہ بسا اوقات اسی علمی اختلاف اقوال کی بدولت انسان کسی بڑی مشکل اور الجھن سے نجات پالیتا ہے۔

فقہی مسائل میں امت مسلمہ کے درمیان اختلاف کا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ امت میں فقہی مذاہب بھی کثیر مقدار میں پیدا ہوگئے،اگر چہ تمام کے تمام زیادہ مدت باقی نہ رہ سکے۔البتہ ایسے مذاہب جو باقی رہے،خوب پھلے پھولے اور پھیلے،وہ پورے طور پر جمع بھی گئے گئے اور مشہور بھی ہوئے،حسب ذیل ہیں:حنفی،مالکی،حنبلی،شافعی،ظاہری،اثنا عشری۔ظاہریہ مذہب کے علاوہ اہل السنۃ والجماعۃ کے باقی چاروں مذہب حنفی،مالکی،شافعی،حنبلی قرآن وحدیث واجماع کے ساتھ ساتھ قیاس سے بھی استدلال پر متفق ہیں اگرچہ بے شمار مسائل کے حق میں طریق استدلال اور نتائج میں اختلاف رکھتے ہیں۔اس لیے امت کا بڑا حصہ ہر عہد میں انہیں چاروں مذاہب کا پابند رہا ہے۔

Marfat.com

پیش نظر "کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه" مصر کے مشہور جلیل القدر عالم وفقیہ شیخ عبدالرحمٰن الجزیری کی مایہ ناز تصنیف ہے۔ جسے ممالک اسلامیہ کے علمی وفقہی حلقوں میں بے حد پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ مصنف موصوف نے اپنی اِس ضخیم کتاب میں جملہ مسائل فقہ از قسم عبادات، معاملات، شخصی قوانین اور حدود وتعزیرات مذکورہ مذاہب اربعہ کی روشنی میں بڑی شرح وبسط سے بیان کیے ہیں۔ علامہ موصوف نے اس کتاب کی ترتیب میں جس نہج کو اختیار کیا ہے اس کی اہم نکات درج ذیل ہیں:

1۔ ہر مسئلہ کو ایک خاص عنوان کے تحت درج کیا ہے تاکہ قاری مطلوبہ مسئلہ کو فہرست مضامین کی مدد سے باآسانی معلوم کر لے۔

2۔ متن میں وہ مسائل دیئے گئے ہیں جن پر حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے یا پھر کم از کم دو مذاہب کا اتفاق ہے۔ بقیہ مذاہب کی تفصیل حاشیہ میں دے دی گئی ہے۔

3۔ جن مسائل میں حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ کا مسلک الگ الگ ہے۔ ان کا ذکر حاشیہ میں کر دیا گیا ہے۔

4۔ ہر مسئلہ میں آئمہ اربعہ کے دلائل کو قرآن وسنت کی رو سے اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا نقطۂ نظر واضح ہو جائے۔

5۔ جملہ مسائل کی وضاحت اور صراحت میں بھرپور کوشش کی گئی ہے، تاکہ جو شخص اس کتاب کا مطالعہ کرے وہ باآسانی اپنی مطلوبہ معلومات حاصل کر سکے۔

6۔ جن مسائل کے متعلق کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی نص نہیں بلکہ ان کے متعلق تمام مسالک کی بنیاد اجتہاد پر ہے ان کا ذکر بھی حاشیہ میں کر دیا گیا ہے۔ الا یہ کہ ایسے مسائل جن میں آئمہ اربعہ کا اجماع، یا کم از کم دو آئمہ کا اتفاق ہو تو ان کا ذکر متن ہی میں کیا گیا ہے۔

7۔ پوری کتاب میں ممکن حد تک احکام شریعہ کی حکمت ومصلحت کو بیان کیا گیا ہے۔

8۔ اس پوری کتاب میں جہاں تک ہو سکا ہر جگہ احکام شریعہ کی حکمت کو بیان کر دیا گیا ہے۔

الغرض اس کتاب کے قارئین جہاں اپنا مسلک اور اُس کا ماخذ معلوم کریں گے وہاں انہیں

Marfat.com

دوسرے مسالک اور اُن کے مآخذ و دلائل کا بھی علم ہوگا۔

اس کتاب کا اُردو ترجمہ مولانا منظور احسن عباسی نے پوری دیانت، محنت اور مہارت سے کیا ہے اور پوری کوشش کی ہے کہ عبارت عام فہم ہو۔ جہاں کہیں اصل متن میں اس قدر ایجاز تھا کہ اُس کا محض ترجمہ کر دینے سے زیر بحث مسئلہ کی وضاحت نہ ہو سکی وہاں توضیح مقصد کی خاطر بعض عبارات کا اضافہ خطوط وحدانی کر دیا گیا ہے۔

کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ: اپنی پانچوں جلدوں کے ساتھ اسلامی احکام و مسائل کی ایسی جامع اور مستند کتاب ہے جس کا ہر گھر، دفتر، لائبریری اور علماء، فقہا، مفتیان، قانون کے طلباء اور وکلاء کے پاس ہونا انتہائی ضروری ہے تاکہ روزمرہ پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرنے میں اس فقہی انسائیکلوپیڈیا سے رجوع کیا جا سکے۔ علمی، دینی اور قانونی حلقوں میں یہ عظیم کام بے حد پذیرائی حاصل کر چکا ہے۔

اہل علم اور دانش اور دینی و تدریسی حلقوں کے مسلسل تقاضوں کی بناء پر اس کتاب کے کئی ایڈیشن طبع کیے جا چکے ہیں۔ زیر نظر کتاب 1999 میں کمپیوٹر کمپوزنگ کی شکل میں عوام الناس کے سامنے آئی جس کا سراہا جانا ایک فطری امر تھا۔ سال 2006ء میں نئے ایڈیشن کی طباعت کے مرحلے پر پروف ریڈنگ اور رموز و اوقاف کی درستگی کو یقینی بنایا گیا۔

زیر نظر آٹھویں ایڈیشن کی اشاعت پر ہم، طارق محمود پاشا، سیکرٹری / چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف و مذہبی امور پنجاب کے تہہ دل سے ممنون اور شکر گزار ہیں جن کی بدولت ہم اس ضخیم اور عظیم کتاب کی پانچ جلدوں کو شائع کر کے قارئین کرام کی ضرورت کو پورا کرنے کے قابل ہوئے ہیں۔

زیر نظر ایڈیشن کمپیوٹرائزڈ کمپوزنگ سے مزین کتابت، اعلیٰ طباعت، خوبصورت سرورق، عمدہ کاغذ اور بہترین جلد بندی کے ساتھ پیش خدمت ہے جو یقیناً قارئین و محققین اور ریسرچ سکالرز کے لئے انتہائی مفید ہوگا۔

اللہ تعالیٰ قارئین کرام کو اس سے بھرپور استفادہ کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے! آمین۔

ربیع الاول ١٤٣٤ھ بمطابق جنوری 2013ء

Marfat.com

(دیباچہ از مترجم)

یہ کتاب جامعہ ازہر (مصر) کے مایہ ناز عالم، عبدالرحمٰن الجزیری کی نہایت قابل قدر کتاب 'الفقہ علی المذاہب الاربعۃ' کی پہلی جلد کا اردو ترجمہ ہے۔

اصل کتاب کے چار حصے طبع ہو چکے ہیں۔ حصہ چہارم مسائل حضانت (یعنی حق پرورش اطفال صغیرالسن) پر ختم ہو جاتا ہے۔ چوتھے حصے کے دیباچہ سے عیاں ہے کہ مؤلف علام کا ارادہ تھا کہ اس کتاب کی پانچویں جلد جو فقہ کے اہم مسائل حدود (تعزیرات)، وقف، قضا (عدلیہ) جہاد اور دوسرے متفرق مسائل پر مشتمل ہے تحریر فرمائیں گے۔ لیکن وہ حصہ راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزرا مبادا کہ وہ حصہ تالیف ہی نہ ہوا ہو۔

جلد اول کی تالیف و ترتیب میں علامہ موصوف کے علاوہ علماء کی ایک جماعت شریک تھی، لیکن باقی حصص کی تکمیل صرف علامہ الجزیری کے ہاتھوں ہوئی۔ اس کتاب کے علاوہ ان کی چند اور تصانیف ہیں جن کے نام یہ ہیں: توحید العقائد، الاخلاق الدینیہ والحکم الشرعیہ، ادلۃ الیقین فی الرد علی بعض المبشرین اور دیوان خطب۔ یہ تمام کتابیں چھپ چکی ہیں۔

مؤلف کتاب الفقہ کا پورا نام 'عبدالرحمٰن بن محمد عوض الجزیری' ہے۔ جامعہ ازہر (مصر) کے علما اور فقہا میں سے تھے۔ جزیرۂ موسومہ 'سندویل' میں جو مملکت مصریہ کے زیر نگین اور علاقہ 'سوہاج' کا مرکزی مقام ہے ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۱۳ھ سے ۱۳۲۶ھ یعنی ۱۳ سال کی عمر سے ۲۶ سال کی عمر تک جامعہ ازہر (مصر) میں تعلیم پائی۔ تکمیل تعلیم کے بعد وزارت اوقاف مملکت مصریہ نے ان کو اصلاح مساجد کے متعلق تحقیقات کے کام پر مامور کیا۔ پھر ارباب تحقیقات علمیہ کے سربراہ ہوئے۔ اس کے بعد جامعہ ازہر کے شعبہ اصول دین کے استاد مقرر ہوئے اور بالآخر 'لجنۃ العلماء' کے رکن بنا دیے گئے۔ ۱۳۶۰ھ ۱۹۴۱ء میں بمقام 'حلوان' وفات پائی۔

محکمہ اوقاف حکومت پنجاب نے کتاب الفقہ کے ہر چہار حصص کے ترجمہ و اشاعت کا کام اپنے ذمہ لے کر دین کی ایک گراں قدر خدمت انجام دینے کا ارادہ کیا ہے۔ اس کے ترجمہ کا کام جو اس عاجز کے سپرد فرمایا گیا تھا اس میں سے پہلی جلد کا ترجمہ پایہ تکمیل کو پہنچ کر مطبوعہ شکل میں ناظرین کے سامنے ہے۔ دوسری جلد کا ترجمہ ہو رہا ہے۔

ترجمہ کے باب میں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ اس ترجمہ میں نیاز مند مترجم نے پوری دیانت سے کام کیا ہے اور بحد امکان کوشش کی ہے کہ عبارت عام فہم ہو۔ جہاں کہیں اصل متن عربی میں اس قدر

Marfat.com

ایجاز تھا کہ اس کا محض ترجمہ وضاحت مدعا سے قاصر رہنا، بعض عبارات کا اضافہ محض توضیح مقصد کی خاطر کر دیا ہے اور اس اضافی عبارت کو خطوط وحدانی میں درج کیا ہے۔ وہ مشکلات جو بالعموم ترجمہ اور بالخصوص ایسی کتاب کے ترجمہ میں جو فنی اصطلاحات سے پر ہو، پیش آتی ہیں وہ اصحاب تحریر و تالیف کو بخوبی معلوم ہیں، لہٰذا اگر ایسی فروگزاشت، سہو یا خطا سے سرزد ہوئی ہو تو اس کی اصلاح اس عاجز کے لیے موجب امتنان ہوگا۔

اللہ تعالیٰ مؤلف کتاب الفقہ کی اس دینی خدمت کو مشکور اور عاجز مترجم کو نجات اُخروی سے بہرہ مند فرمائے۔

منظور احسن عباسی

۲۰ مئی ۱۹۷۱ء لاہور

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	باب طہارت	
۱۔	طہارت کی تعریف	۱
۲۔	طہارت کی قسمیں	۵
۳۔	اعیان طاہرہ کا بیان	۶
۴۔	اعیان نجسہ اور نجاست کی تعریف	۱۰
۵۔	کس قدر نجاست معاف ہے؟	۱۷
۶۔	خون کی وہ مقدار جو معاف ہے	۲۲
۷۔	کس چیز سے نجاست زائل کی جا سکتی ہے؟	۲۳
۸۔	پانی کی قسمیں	۳۳
۹۔	پاک کرنے والے پانی کے مسائل اور تعریف	۳۳
۱۰۔	پاک کرنے والے پانی اور پاک پانی کا فرق	۳۴
۱۱۔	آب طہور کے مسائل	۳۴
۱۲۔	ان امور کا بیان جن سے پانی طہوریت سے خارج نہیں ہوتا	۳۹
۱۳۔	پانی کی دوسری قسم	۴۱
۱۴۔	طاہر غیر طہور پانی کی قسمیں	۴۱
۱۵۔	پانی کی تیسری قسم	۴۹
۱۶۔	نجاست آلود پانی، تعریف اور اقسام	۴۹
۱۷۔	طاہر پانی اور نجس پانی کا بیان	۵۲
	وضو کے مسائل	
۱۸۔	وضو کی تعریف	۵۵
۱۹۔	وضو کا حکم	۵۵
۲۰۔	وضو کی شرائط	۵۹
۲۱۔	وضو کے فرائض	۶۴
۲۲۔	فرائض وضو کی تفصیلات کا خلاصہ	۷۶
۲۳۔	وضو کی سنتیں	۷۸
۲۴۔	سنت کی تعریف اور مستحب کا بیان	۷۸
۲۵۔	وضو کی سنتوں اور دوسرے مندوبات کا بیان	۷۹
۲۶۔	مندوب اور مستحب کا بیان	۹۰
۲۷۔	وضو کے مکروہات	۹۳
۲۸۔	کراہت کی تعریف	۹۳
۲۹۔	نواقض وضو	۹۶
۳۰۔	استنجا اور رفع حاجت کے آداب	۱۰۸
۳۱۔	استنجا کی تعریف	۱۰۹
۳۲۔	استنجا کا حکم	۱۱۰
۳۳۔	پانی یا پتھر وغیرہ سے استنجا کرنے کی شرطیں	۱۱۹
۳۴۔	مرض سلس البول میں مبتلا مریض کی پاکی کا بیان	۱۲۳
	غسل کے مسائل	
۳۵۔	غسل کی تعریف	۱۲۸
۳۶۔	موجبات غسل کا بیان	۱۲۹
۳۷۔	غسل کی شرطوں کا بیان	۱۳۴
۳۸۔	غسل کے فرائض	۱۳۵
۳۹۔	فرائض غسل میں متفق علیہ اور مختلف فیہ امور کا بیان	۱۳۹
۴۰۔	غسل کی سنتیں، مستحبات اور مکروہات	۱۴۰
۴۱۔	کن باتوں کے لیے غسل کرنا سنت یا مستحب ہے	۱۴۱
۴۲۔	ان امور کا بیان، جو حالت جنابت میں غسل سے پہلے واجب ہیں	۱۴۷
۴۳۔	مسجد میں داخل ہونے اور قرأت قرآن کا بیان	۱۴۷
	حیض کا بیان	۱۵۸
	نفاس کا بیان	
۴۴۔	نفاس کی تعریف	۱۵۸
۴۵۔	حیض اور نفاس والی عورتوں پر جو باتیں حرام ہیں، ان کا بیان	۱۶۰
	موزوں پر مسح کرنے کے مسائل	
۴۶۔	مسح علی الخف کی تعریف اور متعلقہ مسائل	۱۶۳
۴۷۔	اس موزہ کی تعریف جس پر مسح کرنا درست ہے	۱۶۴
۴۸۔	موزوں پر جواز مسح کی دلیل	۱۶۵

Marfat.com

۴۹۔ موزوں پر مسح درست ہونے کی شرطیں ۱۶۶
۵۰۔ موزے کے کس قدر حصے کا مسح فرض ہے ۱۷۰
۵۱۔ موزوں پر موزہ پہننے کا بیان ۱۷۱
۵۲۔ مسح مسنون کا طریقہ ۱۷۳
۵۳۔ موزوں پر مسح کی میعاد ۱۷۳
۵۴۔ موزوں پر مسح کرنے میں کون سے امور مکروہ ہیں؟ ۱۷۴
۵۵۔ مسح کو باطل کرنے والے امور ۱۷۵

تیمّم کے مسائل

۵۶۔ تیمّم کی تعریف ۱۷۷
۵۷۔ تیمّم کی قسمیں ۱۸۰
۵۸۔ تیمّم کی شرطیں ۱۸۱
۵۹۔ تیمّم کے شرعی اسباب ۱۸۳
۶۰۔ تیمّم کے ارکان ۱۸۹
۶۱۔ تیمّم کی سنتوں کا بیان ۱۹۶
۶۲۔ تیمّم کے مستحبات ۱۹۸
۶۳۔ تیمّم کے مکروہات ۱۹۸
۶۴۔ تیمّم کو توڑنے والے امور ۱۹۹
۶۵۔ وضو اور تیمّم دونوں سے معذور ہونے کا بیان ۲۰۰

جبیرہ (پٹی) کے مسائل

۶۶۔ جبیرہ کی تعریف ۲۰۲
۶۷۔ جبیرہ پر مسح کے صحیح ہونے کی شرطیں ۲۰۳
۶۸۔ وہ امور جو پٹی کے مسح کو باطل کرتے ہیں ۲۰۵
۶۹۔ پٹی پر مسح کر کے نماز پڑھنے کے مسائل ۲۰۶

باب صلوٰۃ

۷۰۔ نماز کے مشروع ہونے کی حکمت ۲۰۷
۷۱۔ نماز کی تعریف ۲۱۲
۷۲۔ نماز کی قسمیں ۲۱۳
۷۳۔ نماز کی شرطیں ۲۱۳
۷۴۔ نماز کے فرض ہونے کی دلیل، فرض نمازوں کی تعداد ۲۱۶
۷۵۔ فرض نمازوں کے اوقات ۲۱۸
۷۶۔ نماز کے اوقات پہچاننے کا طریقہ ۲۱۹
۷۷۔ ظہر کا وقت ۲۲۱
۷۸۔ عصر کا وقت ۲۲۲
۷۹۔ مغرب کا وقت ۲۲۲
۸۰۔ نماز فجر کا وقت ۲۲۳
۸۱۔ اول وقت میں نماز پڑھنے کا بیان ۲۲۴
۸۲۔ نماز کے اوقات مکروہہ کا بیان ۲۲۴
۸۳۔ حالت نماز میں ستر ڈھانپنے کا بیان ۲۲۸
۸۴۔ حالت نماز کے علاوہ ستر ڈھانپنے کا بیان ۲۳۱
۸۵۔ نماز میں قبلہ رو ہونے کا بیان ۲۳۴
۸۶۔ قبلہ کی تعریف ۲۳۵
۸۷۔ نماز میں قبلہ رخ ہونا صحت نماز کی شرط ہے ۲۳۶
۸۸۔ قبلہ کا رخ متعین کرنا ۲۳۷
۸۹۔ سورج یا قطب تارے سے قبلہ کا رخ متعین کرنے کا طریقہ ۲۴۵
۹۰۔ استقبال قبلہ کے واجب ہونے کی شرطیں ۲۴۸
۹۱۔ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کے مسائل ۲۴۸
۹۲۔ کشتی یا سواری وغیرہ میں فرض نماز ادا کرنے کے مسائل ۲۵۰
۹۳۔ نماز کے فرائض کا بیان ۲۵۱
۹۴۔ فرض اور رکن کے معنی ۲۵۲
۹۵۔ نماز کے ارکان کی تعداد ۲۵۳
۹۶۔ فرائض نماز ۲۵۴
۹۷۔ فرض نمازوں کی نیت کے مسائل ۲۵۶
۹۸۔ فرض نمازوں کی نیت کا طریقہ ۲۵۷
۹۹۔ نیت کی شرطوں کا بیان ۲۵۹
۱۰۰۔ نیت کے الفاظ، اور نیت میں ادا اور قضا کی صراحت ۲۶۰
۱۰۱۔ ادا اور قضا کی نیت ۲۶۱
۱۰۲۔ فرض کے علاوہ، دوسری نمازوں کی نیت ۲۶۱
۱۰۳۔ نماز کی نیت کرنے کا وقت ۲۶۲
۱۰۴۔ امام اور مقتدی کی نیت ۲۶۴
۱۰۵۔ تکبیر تحریمہ ۲۶۵
۱۰۶۔ تکبیر تحریمہ کے فرض ہونے کا ثبوت ۲۶۷

Marfat.com

۱۰۷۔ تکبیر تحریمہ کا طریقہ ۲۶۷
۱۰۸۔ تکبیر تحریمہ کی شرطیں ۲۶۸
۱۰۹۔ نماز کے تیسرے فرض "قیام" کا بیان ۲۷۵
۱۱۰۔ نماز کے چوتھے فرض "قرأت فاتحہ" کا بیان ۲۷۶
۱۱۱۔ نماز کے پانچویں فرض "رکوع" کا بیان ۲۷۹
۱۱۲۔ نماز کے چھٹے فرض "سجود" کا بیان ۲۸۰
۱۱۳۔ نماز کے ساتویں، آٹھویں، نویں اور دسویں فرض کا بیان ۲۸۲
۱۱۴۔ نماز کے گیارھویں فرض "قعدۂ اخیرہ" کا بیان ۲۸۴
۱۱۵۔ نماز کے بارھویں فرض "تشہد اخیرہ" کا بیان ۲۸۵
۱۱۶۔ نماز کے تیرھویں اور چودھویں فرض کا بیان ۲۸۶
۱۱۷۔ نماز کے پندرھویں فرض کا بیان ۲۸۸
۱۱۸۔ نماز کے واجبات ۲۸۹
۱۱۹۔ نماز کی سنتوں کی تعداد ۲۹۲
۱۲۰۔ سنت کی تعریف ۲۹۲
۱۲۱۔ نماز کی سنتوں کی مجموعی تعداد ۲۹۳
۱۲۲۔ نماز کی بعض سنتوں کی تشریح ۳۰۴
۱۲۳۔ رفع یدین کے مسائل ۳۰۴
۱۲۴۔ آمین کے مسائل ۳۰۴
۱۲۵۔ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر رکھنا ۳۰۵
۱۲۶۔ تحمید اور تسمیع کا بیان ۳۰۵
۱۲۷۔ امام کا تکبیر اونچی آواز سے کہنا ۳۰۶
۱۲۸۔ امام کے پیچھے تبلیغ کا بیان ۳۰۶
۱۲۹۔ نماز کی تکبیرات مسنونہ ۳۰۸
۱۳۰۔ نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی اور سورت پڑھنا ۳۰۸
۱۳۱۔ دعائے افتتاح کا بیان ۳۰۹
۱۳۲۔ تعوذ کا بیان ۳۱۱
۱۳۳۔ تسمیہ کا بیان ۳۱۱
۱۳۴۔ قرأت لمبی کرنے، یا نہ کرنے کا بیان ۳۱۲
۱۳۵۔ پہلی رکعت میں طویل قرأت کرنا ۳۱۳
۱۳۶۔ حالت قیام میں، دونوں قدموں کا درمیانی فاصلہ ۳۱۳
۱۳۷۔ رکوع اور سجود کی تسبیحوں کا بیان ۳۱۴
۱۳۸۔ دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا ۳۱۵
۱۳۹۔ حالت رکوع میں پیٹھ اور گردن کو برابر رکھنا ۳۱۵
۱۴۰۔ سجدہ کے لیے جھکنے اور اٹھنے کا طریقہ ۳۱۶
۱۴۱۔ سجدہ کی حالت میں دونوں ہاتھ رکھنے کا طریقہ ۳۱۶
۱۴۲۔ نماز میں بلند آواز سے قرآن پڑھنا ۳۱۷
۱۴۳۔ نماز میں کتنی اونچی آواز یا نیچی آواز سے قرآن پڑھا جائے ۳۱۷
۱۴۴۔ نماز میں بیٹھنے کا طریقہ ۳۱۸
۱۴۵۔ تشہد میں انگلی اٹھانے اور سلام پھیرنے کا بیان ۳۲۰
۱۴۶۔ دونوں طرف سلام پھیرتے وقت نیت کا بیان ۳۲۱
۱۴۷۔ آخری تشہد میں درود بھیجنے کا بیان ۳۲۱
۱۴۸۔ آخری تشہد میں دعا مانگنا ۳۲۲
۱۴۹۔ نماز کے مستحبات ۳۲۳
۱۵۰۔ نمازی کے آگے سترہ قائم کرنا ۳۲۶
۱۵۱۔ نمازی کے آگے سے گزرنا ۳۲۹
۱۵۲۔ مکروہات نماز کا بیان ۳۳۱
۱۵۳۔ نماز میں انگلیاں چٹخانا ۳۳۱
۱۵۴۔ پہلو پر ہاتھ رکھنا ۳۳۱
۱۵۵۔ نماز میں کولھے کو زمین پر ٹکانا ۳۳۲
۱۵۶۔ ہاتھ بچھا کر بیٹھنا ۳۳۲
۱۵۷۔ نماز میں اشارہ کرنا ۳۳۲
۱۵۸۔ سر کے پیچھے بالوں کا جوڑا باندھنا ۳۳۳
۱۵۹۔ حالت نماز میں کپڑے سمیٹنا ۳۳۳
۱۶۰۔ جسم پر کپڑا لپیٹ لینا ۳۳۳
۱۶۱۔ نماز میں مونڈھے پر چادر لٹکا لینا ۳۳۴
۱۶۲۔ رکوع میں پہنچ کر قرأت ختم کرنا ۳۳۴
۱۶۳۔ تکبیر بے موقع کہنا ۳۳۴
۱۶۴۔ نماز کے دوران آنکھیں بند کر لینا یا آسمان کی طرف دیکھنا ۳۳۵
۱۶۵۔ قرآنی ترتیب کے خلاف سورتیں پڑھنا ۳۳۵
۱۶۶۔ آتش دان کے سامنے نماز پڑھنا ۳۳۶
۱۶۷۔ تصویر والے گھر میں نماز پڑھنا ۳۳۶

Marfat.com

۱۶۸۔ اگلی صف میں جگہ ہوتے ہوئے پچھلی صف میں نماز پڑھنا ۳۳۷
۱۶۹۔ گزرگاہ وغیرہ پر نماز پڑھنا ۳۳۷
۱۷۰۔ قبرستان میں نماز پڑھنا ۳۳۷
۱۷۱۔ مکروہات نماز کا مجموعی شمار ۴۴۸
۱۷۲۔ مسجد میں جو افعال مکروہ ہیں اور جو مکروہ نہیں ان کا بیان ۳۴۷
۱۷۳۔ مسجد میں سونے اور کھانے کا بیان ۳۴۷
۱۷۴۔ مسجد میں اونچی آواز سے بولنا ۳۴۸
۱۷۵۔ مسجد میں خرید وفروخت ۳۴۹
۱۷۶۔ مسجد کو منقش کرنا ۳۵۰
۱۷۷۔ مسجد میں بچوں اور فاتر العقل لوگوں کا داخل ہونا ۳۵۱
۱۷۸۔ مسجد میں تھوکنا ۳۵۲
۱۷۹۔ مسجد میں گم شدہ اشیاء کی بابت پوچھ گچھ کرنا ۳۵۲
۱۸۰۔ مسجد میں اشعار پڑھنا ۳۵۲
۱۸۱۔ مسجد میں سوال کرنا ۳۵۳
۱۸۲۔ مسجد کی دیواروں پر لکھنا، مسجد کو بند کرنا ۳۵۳
۱۸۳۔ نماز کے لیے ایک مسجد کو دوسری مسجد پر ترجیح دینا ۳۵۴
۱۸۴۔ نماز کن چیزوں سے باطل ہو جاتی ہے ۳۵۵
۱۸۵۔ محاذاۃ کا بیان ۳۶۴
۱۸۶۔ مبطلات صلوٰۃ کی تشریح ۳۶۵
۱۸۷۔ نماز کے دوران بھول کر یا ناواقفیت سے کلام کرنا ۳۶۵
۱۸۸۔ اصلاح صلوٰۃ کے لیے نماز میں بولنا ۳۶۶
۱۸۹۔ کسی نابینا کو آگاہ کرنے کے لیے نماز میں بولنا ۳۶۷
۱۹۰۔ نماز میں کھنکھارنا ۳۶۷
۱۹۱۔ نماز میں ایسی دعا کرنا جو خارج صلوٰۃ باتوں سے مشابہ ہو ۳۶۹
۱۹۲۔ مقتدی کا اپنے امام کے سوا کسی اور کی غلطی بتانا ۳۶۹
۱۹۳۔ امام کی بھول جتانے کے لیے سبحان اللہ وغیرہ کہنا ۳۷۰
۱۹۴۔ چھینکنے والے کو نماز میں دعا دینا ۳۷۲
۱۹۵۔ نماز میں سلام کا جواب دینا ۳۷۴
۱۹۶۔ نماز میں جمائی لینے کا بیان ۳۷۴
۱۹۷۔ نماز میں عمل کثیر کرنا ۳۷۴
۱۹۸۔ نماز میں قبلہ کی سمت سے پھر جانا ۳۷۵
۱۹۹۔ نماز پڑھتے میں ناقص وضو کا لاحق ہونا ۳۷۷
۲۰۰۔ کسی رکن صلوٰۃ میں مقتدی کا امام سے مسابقت کرنا ۳۷۸
۲۰۱۔ عصر کی نماز میں یاد آئے کہ ظہر کی نماز نہیں پڑھی ۳۷۹
۲۰۲۔ نماز کے اندر آیت سیکھنے کا بیان ۳۸۰
۲۰۳۔ نماز ختم ہونے سے پہلے سلام پھیرنا ۳۸۰
۲۰۴۔ اذان کا بیان ۳۸۱
۲۰۵۔ اذان کی تعریف اور اس کا ثبوت ۳۸۱
۲۰۶۔ اذان کب مشروع ہوئی ۳۸۲
۲۰۷۔ اذان کے الفاظ ۳۸۳
۲۰۸۔ اذان میں ترجیع کا بیان ۳۸۳
۲۰۹۔ اذان کا حکم ۳۸۴
۲۱۰۔ اذان کی شرطیں ۳۸۵
۲۱۱۔ کئی آدمیوں کا مل کر اذان دینا ۳۸۷
۲۱۲۔ اذان کی سنتیں ۳۸۹
۲۱۳۔ اذان کا جواب دینا ۳۹۰
۲۱۴۔ فوت شدہ نماز کے لیے اذان دینا ۳۹۲
۲۱۵۔ اذان میں ترسل کرنا ۳۹۲
۲۱۶۔ مکروہات اذان ۳۹۳
۲۱۷۔ اذان میں قبلہ سے منہ پھیرنا ۳۹۳
۲۱۸۔ عورتوں کی نماز کے لیے اذان دینا ۳۹۴
۲۱۹۔ اذان دیتے وقت بولنا ۳۹۴
۲۲۰۔ اذان میں راگ پیدا کرنا ۳۹۵
۲۲۱۔ اقامت کا بیان ۳۹۵
۲۲۲۔ حکم اقامت کی شرعی حیثیت ۳۹۶
۲۲۳۔ اقامت کی شرطیں ۳۹۶
۲۲۴۔ اقامت ہوتے وقت مقتدیوں کا نماز کے لیے کھڑا ہونا ۳۹۷
۲۲۵۔ اقامت کی سنتیں ۳۹۷
۲۲۶۔ قضا نماز کے لیے اذان ۳۹۸
۲۲۷۔ اذان اور اقامت کا درمیانی وقفہ ۳۹۹
۲۲۸۔ اذان کی اجرت لینا ۳۹۹
۲۲۹۔ نومولود بچہ کے کان میں اذان دینا ۴۰۰

Marfat.com

۲۳۰۔ اذان کے بعد درود بھیجنا ۴۰۰
۲۳۱۔ نفلی نماز کا بیان ۴۰۱
۲۳۲۔ نماز کے بعد کے اذکار ۴۰۲
۲۳۳۔ جہاں جماعت سے نماز پڑھی گئی ہو، وہاں نفل نماز پڑھنا ۴۰۵
۲۳۴۔ نماز چاشت کا بیان ۴۰۷
۲۳۵۔ تحیۃ المسجد ۴۰۸
۲۳۶۔ تحیۃ الوضوء ۴۱۰
۲۳۷۔ نماز تہجد ۴۱۱
۲۳۸۔ نماز حاجت ۴۱۲
۲۳۹۔ نماز وتر ۴۱۳

نماز تراویح

۲۴۰۔ تراویح کی شرعی حیثیت ۴۱۹
۲۴۱۔ تراویح کے مستحبات ۴۲۲
۲۴۲۔ نماز تراویح میں پورا قرآن پڑھنا ۴۲۳

عیدین کی نماز

۲۴۳۔ عید کی نمازوں کا حکم ۴۲۴
۲۴۴۔ نماز عیدین کی جماعت ۴۳۰
۲۴۵۔ عیدین کی سنتیں ۴۳۰
۲۴۶۔ عیدگاہ کے مسائل ۴۳۳
۲۴۷۔ نماز عید کی مکروہات ۴۳۴
۲۴۸۔ نماز عیدین کے لیے اذان اور اقامت کا غیر مشروع ہونا ۴۳۴
۲۴۹۔ عیدین کے خطبوں کا بیان ۴۳۵
۲۵۰۔ عیدین کے خطبوں کے ارکان ۴۳۵
۲۵۱۔ خطبہ عیدین کی شرطیں ۴۳۷
۲۵۲۔ ایام عید کی تکبیرات ۴۳۷

نماز استسقاء کا بیان

۲۵۳۔ استسقاء کی تعریف ۴۴۱
۲۵۴۔ نماز استسقاء کا طریقہ ۴۴۱
نماز استسقاء کا حکم اور وقت ۴۴۶
۲۵۵۔ وہ امور جو نماز استسقاء کو جانے سے پہلے امام کو مستحب ہیں ۴۴۷
۲۵۶۔ نماز کسوف کا حکم ۴۴۸
۲۵۷۔ نماز کسوف کا طریقہ ۴۴۹
۲۵۸۔ نماز کسوف کی سنتیں ۴۵۰
۲۵۹۔ نماز کسوف کا وقت ۴۵۲
۲۶۰۔ نماز کسوف میں خطبہ ۴۵۲
۲۶۱۔ صلوٰۃ خوف کا بیان ۴۵۲
۲۶۲۔ جن اوقات میں نماز شرعاً ممنوع ہے ۴۵۴
۲۶۳۔ نوافل کی قضا کا بیان ۴۵۹
۲۶۴۔ نفل نماز گھر میں پڑھی جائے یا مسجد میں ۴۵۹
۲۶۵۔ سواری پر نفل پڑھنا ۴۶۰
۲۶۶۔ نماز جمعہ کے مسائل ۴۶۴
۲۶۷۔ جمعہ کا حکم ۴۶۴
۲۶۸۔ جمعہ کا وقت ۴۶۵
۲۶۹۔ جمعہ کی دوسری اذان ۴۶۶
۲۷۰۔ جمعہ کی شرائط ۴۶۸
۲۷۱۔ نماز جمعہ میں عورتوں کا آنا ۴۷۶
۲۷۲۔ جمعہ کی نماز متعدد مسجدوں میں ہونا ۴۷۶
۲۷۳۔ میدان میں نماز جمعہ ۴۷۹
۲۷۴۔ جماعت کے بغیر جمعہ درست نہیں ۴۷۹
۲۷۵۔ خطبات جمعہ کے ارکان ۴۸۲
۲۷۶۔ نماز جمعہ کے دونوں خطبوں کی شرائط ۴۸۳
۲۷۷۔ کیا خطبہ اور نماز کے درمیان فاصلہ درست ہے؟ ۴۸۵
۲۷۸۔ خطبہ جمعہ کی سنتیں ۴۸۷
۲۷۹۔ خطبہ کے مکروہات ۴۸۹
۲۸۰۔ خطیب کے سامنے ترقیہ ۴۹۰
۲۸۱۔ خطبہ کے دوران کلام کرنا ۴۹۱
۲۸۲۔ نماز جمعہ میں حاضرین کو پھاند کر جانا ۴۹۳
۲۸۳۔ ظہر کی نماز صحیح نہ ہونے کا بیان ۴۹۴
۲۸۴۔ جس نے جمعہ کی نماز نہ پڑھی ہو، کیا اسے ظہر پڑھنا جائز ہے؟ ۴۹۶

Marfat.com

۲۸۵۔ نماز جمعہ کی ایک رکعت یا اس سے کم میں شامل ہونا ۴۹۶
۲۸۶۔ جمعہ کے مستحبات ۴۹۸
۲۸۷۔ امامت کی تعریف ۴۹۹
۲۸۸۔ نماز پنجگانہ کے لیے امامت کا حکم ۴۹۹
۲۸۹۔ جمعہ، جنازہ اور نفل نمازوں کی امامت ۵۰۳
۲۹۰۔ امام بننے کی شرائط ۵۰۵
۲۹۱۔ قاری کا، امی کی اقتدا کرنا ۵۰۶
۲۹۲۔ امام کا معذوری کی حالت سے مبرا ہونا ۵۰۷
۲۹۳۔ امام کا حدث سے پاک ہونا ۵۰۷
۲۹۴۔ ہکلے شخص کا امام بننا ۵۰۸
۲۹۵۔ مقتدی کی امامت ۵۱۰
۲۹۶۔ مختلف المسلک کے پیچھے نماز پڑھنا ۵۱۱
۲۹۷۔ مقتدی کا امام سے آگے بڑھ جانا ۵۱۲
۲۹۸۔ مقتدی کو اقتدا کی، اور امام کو امامت کی نیت کرنا ۵۱۳
۲۹۹۔ فرض پڑھنے والے کا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا ۵۱۶
۳۰۰۔ افعال صلوٰۃ میں امام کی پیروی کرنا ۵۱۸
۳۰۱۔ سیدھی کمر والے کا کمر خمیدہ کی اقتدا کرنا ۵۲۵
۳۰۲۔ امام اور مقتدی کا ادائے فریضہ میں متحد ہونا ۵۲۶
۳۰۳۔ ان معذوریوں کا بیان جن سے نماز ساقط ہو جاتی ہے۔ ۵۲۸
۳۰۴۔ امامت کے لیے کون زیادہ مستحق ہے؟ ۵۲۸
۳۰۵۔ امامت کے مکروہات کا بیان۔ ۵۳۰
۳۰۶۔ وضو والے کا تیمم والے کے پیچھے نماز پڑھنا۔ ۵۳۱
۳۰۷۔ امام کے ساتھ مقتدی کے کھڑے ہونے کا طریقہ۔ ۵۳۳
۳۰۸۔ جماعت کے ساتھ دوبارہ نماز پڑھنا۔ ۵۳۶
۳۰۹۔ ایک مسجد میں کئی بار جماعت ہونا۔ ۵۳۸
۳۱۰۔ جماعت پانے، اور گھر میں جماعت کرنے کا بیان۔ ۵۳۹
۳۱۱۔ مقتدی کا کسی ایک رکعت میں یا کل رکعتوں میں جماعت سے رہ جانا۔ ۵۴۰
۳۱۲۔ نماز میں کسی کو خلیفہ، امام بنانے کے مسائل۔ ۵۴۸
۳۱۳۔ استخلاف کے اسباب۔ ۵۴۹
۳۱۴۔ نماز میں خلیفہ، امام بنانے کے مسائل۔ سجدۂ سہو کا بیان ۵۵۱
۳۱۵۔ سجدۂ سہو کی تعریف، وقت اور نیت۔ ۵۵۵
۳۱۶۔ سجدۂ سہو کے اسباب۔ ۵۵۸
۳۱۷۔ سجدۂ سہو کی شرعی حیثیت۔ ۵۶۹
۳۱۸۔ سجدۂ تلاوت کے مسائل ۵۷۱
۳۱۹۔ سجدۂ تلاوت کی شرعی حیثیت ۵۷۱
۳۲۰۔ سجدۂ تلاوت کی شرطیں۔ ۵۷۲
۳۲۱۔ سجدۂ تلاوت کے اسباب ۵۷۵
۳۲۲۔ سجدۂ تلاوت کا طریقہ۔ ۵۷۶
۳۲۳۔ کن آیات پر سجدۂ تلاوت کیا جاتا ہے؟ ۵۷۸
۳۲۴۔ سجدۂ شکر کا بیان۔ ۵۷۹
۳۲۵۔ چار رکعت والی نماز میں قصر کی شرعی حیثیت۔ ۵۸۰
۳۲۶۔ نماز قصر کا ثبوت ۵۸۲
۳۲۷۔ قصر کے صحیح ہونے کی شرطیں۔ ۵۸۳
۳۲۸۔ سفر کی نیت کا بیان۔ ۵۸۴
۳۲۹۔ حرام یا مکروہ سفر میں نماز سفر۔ ۵۸۵
۳۳۰۔ جہاں سے مسافر پر نماز قصر واجب ہوتی ہے۔ ۵۸۶
۳۳۱۔ مسافر کا مقیم کے پیچھے نماز پڑھنا۔ ۵۸۸
۳۳۲۔ نماز قصر کی نیت کرنا ۵۸۹
۳۳۳۔ مانع قصر امور۔ ۵۸۹
۳۳۴۔ وہ امور جن سے قصر باطل ہوتا ہے۔ ۵۹۲
۳۳۵۔ وطن اصلی کی تعریف۔ ۵۹۲
۳۳۶۔ دو نمازوں کے جمع کرنے کا بیان ۵۹۵
۳۳۷۔ جمع صلوٰۃ کی شرعی حیثیت ۵۹۶
۳۳۸۔ فوت شدہ نمازوں کی قضا۔ ۶۰۲
۳۳۹۔ نماز ساقط کرنے والے عذر۔ ۶۰۲
۳۴۰۔ ان معذوریوں کا بیان جن میں نماز مؤخر کرنا درست ہے۔ ۶۰۵
۳۴۱۔ فوت شدہ نمازوں کی قضا۔ ۶۰۶
۳۴۲۔ قضا نماز کا طریقہ۔ ۶۰۷
۳۴۳۔ فوت شدہ نمازوں میں ترتیب قائم کرنا۔ ۶۰۸
۳۴۴۔ قضا نمازوں کی تعداد معلوم نہ ہونا۔ ۶۱۱
۳۴۵۔ قضا نمازوں کو اوقات ممنوعہ میں پڑھنے کا طریقہ۔ ۶۱۱
۳۴۶۔ مریض کی نماز کا بیان۔ ۶۱۲

Marfat.com

۳۴۷۔ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا طریقہ۔ ۶۱۴
۳۴۸۔ رکوع اور سجدہ سے معذوری کا بیان۔ ۶۱۴
۳۴۹۔ جنازے کا بیان۔ ۶۱۶
۳۵۰۔ میت کو نہلانے سے پہلے کیا کرنا چاہیے۔ ۶۱۹
۳۵۱۔ مردہ کو غسل دینے کا بیان۔ ۶۲۰
۳۵۲۔ مردہ کو غسل دینے کی شرطیں۔ ۶۲۰
۳۵۳۔ مردہ کا ستر دیکھنا۔ ۶۲۲
۳۵۴۔ غسل میت کے مستحبات۔ ۶۲۴
۳۵۵۔ غسل کے پانی میں خوشبو ملانا۔ ۶۲۵
۳۵۶۔ غسل کا پانی گرم کرنا۔ ۶۲۵
۳۵۷۔ میت کے سر اور ڈاڑھی میں خوشبو لگانا۔ ۶۲۶
۳۵۸۔ میت کے پاس دھونی دینا۔ ۶۲۶
۳۵۹۔ غسل سے پہلے میت کو وضو کرانا۔ ۶۲۷
۳۶۰۔ غسل دینے والے میں کن صفات کا ہونا مستحب ہے۔ ۶۲۷
۳۶۱۔ میت کے ساتھ کن باتوں کا کرنا مکروہ ہے۔ ۶۲۸
۳۶۲۔ غسل دینے کے بعد میت سے نجاست خارج ہونا۔ ۶۲۸
۳۶۳۔ میت کو غسل دینے کا طریقہ۔ ۶۲۹
۳۶۴۔ کفنانے کا بیان ۶۳۲

نماز جنازہ کے مسائل

۳۶۵۔ نماز جنازہ کی شرعی حیثیت۔ ۶۳۶
۳۶۶۔ نماز جنازہ کے ارکان۔ ۶۳۷
۳۶۸۔ نماز جنازہ کی شرطوں کا بیان۔ ۶۴۲
۳۶۹۔ نماز جنازہ کی سنتیں۔ ۶۴۳
۳۷۰۔ نماز جنازہ کے اولین حق دار کا بیان۔ ۶۴۵
۳۷۱۔ نماز جنازہ میں امام کا چار تکبیریں یا کم کہنا۔ ۶۴۶
۳۷۲۔ ایک یا زیادہ تکبیروں میں امام سے پیچھے رہ جانا۔ ۶۴۷
۳۷۳۔ نماز جنازہ مکرر پڑھنے کا بیان۔ ۶۴۷
۳۷۴۔ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا۔ ۶۴۹
۳۷۵۔ شہید کا بیان۔ ۶۴۹
۳۷۶۔ جنازہ اٹھانے کا بیان۔ ۶۴۹
۳۷۷۔ جنازہ کے ساتھ چلنا، اور اس کے متعلقہ مسائل۔ ۶۵۴
۳۷۸۔ میت پر رونا۔ ۶۵۶
۳۷۹۔ میت کو دفن کرنا ۶۵۷
۳۸۰۔ قبروں پر عمارت بنانا۔ ۶۵۹
۳۸۱۔ قبروں پر بیٹھنا، سونا رفع حاجت کرنا اور چلنا۔ ۶۶۰
۳۸۲۔ جہاں موت واقع ہوئی وہاں سے میت کو کہیں اور لے جانا۔ ۶۶۰
۳۸۳۔ قبر کھول کر میت نکالنا۔ ۶۶۱
۳۸۴۔ ایک قبر میں کئی میتوں کو دفن کرنا۔ ۶۶۲
۳۸۵۔ تعزیت کا بیان۔ ۶۶۳
۳۸۶۔ ماتم کدوں پر جانور ذبح کرنا، اور کھانا کھلانا۔ ۶۶۴
۳۸۷۔ قبروں کی زیارت۔ ۶۶۴

باب صیام

۳۸۸۔ صیام کی تعریف۔ ۶۶۶
۳۸۹۔ روزے کی قسمیں۔ ۶۶۶
۳۹۰۔ رمضان کا روزہ۔ ۶۶۸
۳۹۱۔ روزے کے ارکان۔ ۶۶۹
۳۹۲۔ روزے کی شرائط۔ ۶۷۰
۳۹۳۔ ماہ رمضان کے تحقق کا بیان۔ ۶۷۴
۳۹۴۔ کسی ایک علاقہ میں رویت ہلال کا ثبوت۔ ۶۸۰
۳۹۵۔ رویت ہلال کے بارے میں منجم کا اعتبار نہ کیا جائے۔ ۶۸۰
۳۹۶۔ چاند دیکھنے کی کوشش کرنا۔ ۶۸۱
۳۹۷۔ روزے کے بارے میں حاکم کا فیصلہ۔ ۶۸۱
۳۹۸۔ ماہ شوال کے تحقق ہونے کا بیان۔ ۶۸۲
۳۹۹۔ مشکوک دن کا روزہ۔ ۶۸۳
۴۰۰۔ ممنوع روزوں کا بیان۔ ۶۸۶
۴۰۱۔ نفلی روزے۔ ۶۸۷
۴۰۲۔ یوم عرفہ کے روزے کا بیان۔ ۶۸۷
۴۰۳۔ جمعرات اور دوشنبہ کے روزے۔ ۶۸۸
۴۰۴۔ ماہ شوال کے چھ روزے۔ ۶۸۸
۴۰۵۔ رجب اور شعبان کے روزے۔ ۶۸۸
۴۰۶۔ نفلی روزہ رکھ کر توڑ دینا۔ ۶۸۹
۴۰۷۔ مکروہ روزوں کا بیان۔ ۶۹۰
۴۰۸۔ مفسدات صوم کا بیان۔ ۶۹۲
۴۰۹۔ قضا اور کفارہ واجب کرنے والے امور۔ ۶۹۲

Marfat.com

۴۱۰۔ وہ امور جن سے قضا واجب ہوتی ہے۔ ۶۹۹
۴۱۱۔ وہ امور جو روزہ دار کے لیے مکروہ ہیں، اور وہ امور جو مکروہ نہیں۔ ۷۰۴
۴۱۲۔ رمضان کا روزہ رکھ کر توڑ دینا۔ ۷۰۷
۴۱۳۔ روزہ توڑنے کے لیے جائز عذر۔ ۷۰۸
۴۱۴۔ روزہ سے حاملہ اور دودھ پلانے والی کو اندیشہ۔ ۷۰۹
۴۱۵۔ بحالت سفر روزہ ترک کرنا۔ ۷۱۱
۴۱۶۔ حالت حیض یا نفاس میں روزہ رکھنا۔ ۷۱۲
۴۱۷۔ روزہ کی حالت میں سخت بھوک یا پیاس کا غلبہ ہونا۔ ۷۱۲
۴۱۸۔ ضعیف العمری کے باعث ترک صوم۔ ۷۱۲
۴۱۹۔ روزہ دار پر جنون طاری ہونا۔ ۷۱۳
۴۲۰۔ روزہ کے مستحبات۔ ۷۱۴
۴۲۱۔ رمضان کے روزہ کی قضا۔ ۷۱۵
۴۲۲۔ تارک روزہ پر کفارہ واجب ہونے اور روزہ رکھنے سے معذور ہونے کا بیان۔ ۷۱۷

اعتکاف کا بیان

۴۲۳۔ اعتکاف کی تعریف اور ارکان۔ ۷۲۱
۴۲۴۔ اعتکاف کی قسمیں۔ ۷۲۱
۴۲۵۔ اعتکاف کی شرطیں۔ ۷۲۲
۴۲۶۔ مفسدات اعتکاف۔ ۷۲۴
۴۲۷۔ مکروہات اور آداب اعتکاف۔ ۷۲۹

باب زکوٰۃ

۴۲۸۔ زکوٰۃ کی تعریف ۷۳۱
۴۲۹۔ زکوٰۃ کا حکم۔ ۷۳۱
۴۳۰۔ زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرطیں۔ ۷۳۲
۴۳۱۔ کافر پر کہاں تک زکوٰۃ واجب ہے؟ ۷۳۲
۴۳۲۔ کیا عورت کے مال مہر پر زکوٰۃ واجب ہے؟ ۷۳۳
۴۳۳۔ زکوٰۃ کے نصاب اور ایک سال کی مدت گزر جانے کا بیان۔ ۷۳۵
۴۳۴۔ صاحب مال کے آزاد ہونے اور قرض سے بری ہونے کا بیان۔ ۷۳۷
۴۳۵۔ کیا رہنے کے مکان اور پہننے کے کپڑوں میں زکوٰۃ ہے؟ ۷۳۸
۴۳۶۔ جن اقسام کی اشیا پر زکوٰۃ واجب ہے۔ ۷۳۹
۴۳۷۔ گائے، بیل اور بکری پر زکوٰۃ واجب ہونے کی شرطیں۔ ۷۴۰
۴۳۸۔ اونٹوں کی زکوٰۃ کی مقدار۔ ۷۴۱
۴۳۹۔ گائے، بیل وغیرہ کی زکوٰۃ کا بیان۔ ۷۴۳
۴۴۰۔ بھیڑ بکریوں کی زکوٰۃ۔ ۷۴۴
۴۴۱۔ سونے چاندی کی زکوٰۃ۔ ۷۴۵
۴۴۲۔ قرض میں دیئے ہوئے مال کی زکوٰۃ۔ ۷۴۷
۴۴۳۔ کاغذ کے نوٹوں پر زکوٰۃ ۷۵۰
۴۴۴۔ مال تجارت کی زکوٰۃ ۷۵۱
۴۴۵۔ کیا زکوٰۃ، خود مال تجارت میں سے ادا کرنا واجب ہے؟ ۷۵۷
۴۴۶۔ سونے چاندی کی مخلوط اشیاء کی زکوٰۃ ۷۵۸
۴۴۷۔ کان اور دفینوں کا بیان۔ ۷۵۹
۴۴۸۔ کھیتی اور پھلوں کی زکوٰۃ ۷۶۳
۴۴۹۔ مصارف زکوٰۃ۔ ۷۶۹
۴۵۰۔ صدقۂ فطر کا بیان۔ ۷۷۶

باب حج

۴۵۱۔ حج کی تعریف۔ ۷۸۲
۴۵۲۔ حج کے مسائل۔ ۷۸۲
۴۵۳۔ حج کب فرض ہوتا ہے؟ ۷۸۳
۴۵۴۔ حج واجب ہونے کی شرطیں ۷۸۴
۴۵۵۔ حج واجب ہونے کی مزید شرطیں۔ ۷۸۴
۴۵۶۔ حج کی استطاعت، نیز عورت اور نابینا کے مسائل متعلقہ حج۔ ۷۸۴
۴۵۷۔ حج کے صحیح ہونے کی شرطیں۔ ۷۸۹
۴۵۸۔ ارکان حج کا بیان۔ ۷۹۱
۴۵۹۔ احرام کی تعریف۔ ۷۹۱
۴۶۰۔ احرام کے مقامات۔ ۷۹۲
۴۶۱۔ احرام باندھنے سے پہلے جو امور مطلوب ہیں، ان کا بیان۔ ۷۹۴
۴۶۲۔ حالت احرام میں جو امور ناجائز ہیں، ان کا بیان۔ ۷۹۷
۴۶۳۔ حالت احرام میں عورت کے لیے منہ اور سر ڈھانپنے کا بیان۔ ۷۹۹
۴۶۴۔ رنگدار اور خوشبودار کپڑے پہننا۔ ۸۰۰
۴۶۵۔ حالت احرام میں خوشبو سونگھنے اور خوشبو پاس رکھنے کا بیان۔ ۸۰۰

Marfat.com

۴۶۶۔ حالت احرام میں سر وغیرہ کے بال کاٹنا۔ ۸۰۱
۴۶۷۔ حالت احرام میں مہندی کا خضاب لگانا۔ ۸۰۱
۴۶۸۔ کیا حالت احرام میں خوشبودار کھانے پینے کی چیز کا استعمال کرنا جائز ہے؟ ۸۰۲
۴۶۹۔ خوشبودار سرمہ لگانے اور بال یا بدن میں تیل لگانے کا بیان۔ ۸۰۲
۴۷۰۔ حرم کی گھاس اور درخت وغیرہ کاٹنے کا بیان۔ ۸۰۳
۴۷۱۔ حالت احرام میں مباح امور کا بیان۔ ۸۰۵
۴۷۲۔ سر اور بدن دھونے اور اپنے اوپر سایہ کرنے کا بیان ۸۰۶
۴۷۳۔ احرام والے کو، مکہ میں داخل ہوتے وقت کیا باتیں کرنی چاہئیں؟ ۸۰۷
۴۷۴۔ ارکان حج میں سے دوسرے رکن کا بیان۔ ۸۰۷
۴۷۵۔ طواف افاضہ کی تعریف۔ ۸۰۸
۴۷۶۔ طواف افاضہ کا وقت۔ ۸۰۸
۴۷۷۔ طواف کی شرطوں کا بیان۔ ۸۰۹
۴۷۸۔ طواف کی سنتوں اور واجبات کا بیان۔ ۸۱۱
۴۷۹۔ حج کے تیسرے رکن، سعی بین الصفا والمروہ کا بیان۔ ۸۱۵
۴۸۰۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کی شرائط۔ ۸۱۵
۴۸۱۔ حج کے چوتھے رکن، عرفات میں جانے اور وہاں وقوف کرنے کا بیان۔ ۸۱۹
۴۸۲۔ حج کے واجبات کا بیان۔ ۸۲۳
۴۸۳۔ حج کی سنتوں کا بیان۔ ۸۲۷
۴۸۴۔ ممنوعات حج کا بیان ۸۳۱
۴۸۵۔ مفسدات حج کا بیان۔ ۸۳۲
۴۸۶۔ جن باتوں پر فدیہ واجب ہوتا ہے، ان کا بیان۔ ۸۳۵
۴۸۷۔ حالت احرام میں شکار کے تاوان کا بیان۔ ۸۴۱

عمرہ کا بیان

۴۸۸۔ عمرہ کی حیثیت اور اس کے مسائل۔ ۸۴۷
۴۸۹۔ عمرہ کی شرائط۔ ۸۴۷
۴۹۰۔ عمرہ کے ارکان۔ ۸۴۷
۴۹۱۔ عمرہ کا میقات۔ ۸۴۹
۴۹۲۔ عمرہ کے واجبات، سنن اور مفسدات۔ ۸۵۰
۴۹۳۔ حج قران، تمتع، اور افراد کے مسائل۔ ۸۵۱
۴۹۴۔ ہدی کا بیان، ہدی کی تعریف۔ ۸۵۲
۴۹۵۔ ہدی کی قسمیں۔ ۸۶۳
۴۹۶۔ قربانی کے وقت اور قربانی کی جگہ کا بیان۔ ۸۶۳
۴۹۷۔ قربانی وغیرہ کے جانور میں سے کچھ کھانے کا بیان۔ ۸۶۵
۴۹۸۔ ہدی کی شرطوں کا بیان۔ ۸۶۸
۴۹۹۔ احصار کا بیان۔ ۸۶۸
۵۰۰۔ حج بدل کا بیان۔ ۸۷۴
۵۰۱۔ نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کا بیان ۸۸۱
۵۰۲۔ قربانی کا بیان۔ ۸۸۹
۵۰۳۔ ذبح کے وقت ترک تسمیہ کا بیان۔ ۸۹۷
۵۰۴۔ قربانی کے مستحبات اور مکروہات۔ ۸۹۷
۵۰۵۔ طریق ذبح۔ ۹۰۱

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب طہارت

طہارت کی تعریف

طہارت کے لغوی معنی نجاست و کثافت سے پاک صاف ہونے کے ہیں، خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی۔ حدیث صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مریض کی مزاج پرسی کو جاتے تو فرماتے کہ

لا باس طهور إن شاء الله.[۱]

طہور کا لفظ قطور کے وزن پر ہے جس کے معنی ہیں گناہوں سے پاک کرنے والا۔ حضور ﷺ فرماتے تھے کہ مرض ذنوب سے پاک کرنے والا ہوتا ہے اور ذنوب نجاست باطنی کو کہتے ہیں۔ طہارت ضد ہے نجاست کی جس کے معنی گندگی کے ہیں۔ خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی۔ لہٰذا گناہ کو بھی نجاست کہا جاتا ہے، اگرچہ وہ باطنی نجاست ہے۔

یہ لفظ باب نجس (ہر سہ حرکات جیم) ینجس (بفتح جیم و بضم) **نجاسةً فهو نجس** (بکسر جیم وفتح) سے ہے۔ قرآن میں بفتح آیا ہے: **انما المشركون نجس** یعنی مشرکین نجس ہیں۔

فقہا کی اصطلاح میں ''طہارت'' کی تعریف تفصیل طلب ہے۔[۲]

۱۔ یعنی کوئی بات نہیں یہ مرض ان شاء اللہ گناہوں سے پاک کرنے کا سبب ہوگا۔ (مترجم)

۲۔ حنفیہ کے نزدیک شرع کی اصطلاح میں طہارت کہتے ہیں 'حدث' یا 'خبث' سے پاک ہونے کو۔ یہ پاکیزگی یا نظافت، کسی شخص کے شرعاً پاک ہونے کو بھی کہتے ہیں اور گندگی دور کر دینے کو بھی، بایں طور کہ پانی بہا کر دور کر دی جائے۔ حدث کے مفہوم میں حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں شامل ہیں اول الذکر سے مراد وہ امور ہیں جو وضوء کے منافی ہیں مثلاً ہوا کا خارج ہونا وغیرہ اور ثانی الذکر سے جنابت مراد ہے جس سے غسل واجب ہوتا ہے۔ حدث کی تعریف یوں بھی کی گئی ہے کہ وہ ایک کیفیت کا نام ہے جو کسی حصۂ بدن پر یا تمام بدن پر طاری ہو اور عملِ طہارت سے زائل ہو جائے۔ اسی کو نجاست حکمیہ کہتے ہیں، کیونکہ صاحب شریعت نے حدث کو نجاست اس جہت سے قرار دیا ہے کہ نماز سے وہ بھی اسی طرح مانع ہے جس طرح گندگی۔ شرع میں 'خبث' کے معنی ہیں وہ گندگی جس کو زائل کرنے کا حکم شارع نے دیا ہو۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ 'نجاست' کا لفظ 'طہارت' کی ضد ہے اور اس کا اطلاق حدث اور خبث دونوں پر ہوتا ہے لغت کی رو سے ہر گندگی نجاست ہے، خواہ وہ ظاہری ہو جیسے خون، پیشاب، پاخانہ، یا باطنی جیسے گناہ۔ لیکن فقہاء نے

Marfat.com

اسے باطنی یا معنوی امور میں منحصر رکھا ہے اور شرع میں ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جس کی بابت شرع کا تصور یہ ہے کہ وہ تمام بدن میں جاری ہوتی ہے جیسے 'جنابت'، اور بے وضو ہونے کی حالت میں صرف اعضائے وضو میں، جیسے ہوا کا خارج ہو، نا خبث کے مفہوم کو اہل شرع نے ظاہری محسوس گندگی کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔

اب کہا جا سکتا ہے کہ اس صورت میں وضو ہوتے ہوئے بہ نیت ثواب وضو کرنے پر لفظ طہارت کا اطلاق نہیں ہوتا، کیونکہ وضو پر وضو کرنے سے نہ حدث کا زائل کرنا مقصود ہے نہ خبث کا دور کرنا، حالانکہ اس وضو کو بھی طہارت کہتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ بہ نیت ثواب وضو پر وضو حدث کو زائل کرنے کے لیے نہیں ہوتا، لیکن صغیرہ گناہوں کو زائل کرتا ہے، اور یہ گناہ بھی معنوی گندگی کے مترادف ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ لغت میں بھی 'خبث' کا اطلاق باطنی امور پر ہوتا ہے۔ فقہا کے نزدیک اگرچہ ''خبث'' کا انحصار امور حسیہ پر ہے تاہم وہ کہتے ہیں کہ باطنی گندگی سے پاک ہونا ''طہارت'' ہے۔ اس لحاظ سے وضو پر وضو کرنا بھی طہارت ہی ہے۔

یہاں پر ایک عام اعتراض یہ ہے کہ مثلاً ہوا خارج ہونے یا بدونِ انزال مباشرت فاحشہ کو نواقض وضو میں شمار کیے جانے اور مادۂ تولید کے نکلنے سے غسل واجب ہونے کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ ریح وغیرہ تو نجاست محسوسہ میں ہیں ہی نہیں، رہا مادۂ تولید سو وہ نجس نہیں، اور بالفرض اگر اسے نجاست ہی مان لیا جائے تو بہر حال پیشاب پاخانہ سے زیادہ نجس نہیں۔ پس عقل کا تقاضا یہ ہے کہ محض اس جگہ کو صاف کر دینے سے طہارت حاصل ہو جائے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ ایسی بات وہی کہتا ہے جو 'عبادت' اور 'عبادت کی خصوصیات' سے بے خبر ہے، کیونکہ 'عبادت' یہ ہے کہ دل اور اعضا کو اللہ عزوجل کے سامنے اسی طرح جھکا دیا جائے جس طرح اس کا حکم ہے۔ لہٰذا کسی کو یہ زیبا نہیں کہ عبادت کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو طریقے مقرر فرمائے ہیں، ان سے تجاوز کرے۔ عبادت کے مقررہ طور طریقوں میں مخلوق کی اپنی رائے کو دخل نہیں ہے۔ البتہ مرض یا مجبوری کی حالت ایک حد تک مستثنیٰ ہے۔ بندہ یہ تو کر سکتا ہے کہ متعلقہ فرائض کی بجا آوری میں طاقت بشری کو مرعی رکھے، باقی عبادت کے طور طریقوں کا تعین صرف معبود حقیقی کا حق ہے۔ اور اس واضح امر میں کوئی کلام نہیں۔ انسانوں میں باہم ایک دوسرے کی تعظیم کے عام طریقوں کا بھی یہی حال ہے۔ چنانچہ کوئی شخص بادشاہوں کے مقرر کردہ طور طریقوں کی بابت، جن پر لوگ عمل کرتے ہیں، بے سبب باز پرس نہیں کر سکتا۔ پس اگر شارع ﷺ نے حکم دیا کہ حدث اصغر یا حدث اکبر (چھوٹی ناپاکی، یا بڑی ناپاکی) کی حالت میں نماز نہ پڑھو تو ہم پر تعمیل حکم واجب ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ حکم کیوں ہے؟ ورنہ یہ بھی کہہ سکتے کہ آخر نماز ہی کیوں پڑھی جائے؟ بحیثیت حکم ان دونوں میں کوئی فرق نہیں، کیوں کہ دونوں ہی باتیں اللہ کی عبادت میں داخل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس کو خضوع (سر تسلیم خم کرنے) کی علامت قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ اگر وضو یا غسل یا نماز کی قدرت نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ اس کی بابت اللہ تعالیٰ نے تیمم کا طریقہ مقرر فرمایا ہے۔ اور نماز کو بیٹھ کر یا لیٹ کر، جس طرح بھی ممکن ہو ادا کرنے کی اجازت دی۔ غرض ایسی ہی صورتوں میں ہم سوال کر سکتے اور سبیل کار نکال سکتے ہیں۔ لیکن وہ امور جو محض اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں، ہم بلا چون و چرا اسے تسلیم کریں گے۔

ان تمام امور کا تعلق ان معاملات یا شخصی حقوق کے مسائل سے نہیں ہے جو ہمارے زندگی کے حالات سے متعلق ہیں جن کی بابت ہم کو حق ہے کہ ہر معاملہ کی حکمت کو پہچانیں اور ہر جزوی امر کی تحقیق کریں۔

Marfat.com

یہ عقلی نظریہ بعض مفکرین علمائے اسلام کے خیالات کی بنا پر ہے جو یہ کہتے ہیں کہ شرع اسلام کا ہر فیصلہ ایک معقول حکمت اور واضح نکتہ کا حامل ہے جس کو جاننے والے ہی جانتے ہیں اور ناواقف بے خبر ہیں۔ ان کے نزدیک عبادات اور معاملات میں کوئی فرق نہیں ہے۔

بہر حال پہلے اعتراض کا جواب ایک اور طریقے سے اس طرح بھی دیا گیا ہے کہ اس میں کوئی کلام نہیں کہ ریح (گوز) ایک محسوس نجاست ہے، گو یہ نظر سے محسوس نہ ہو، قوت شامہ تو محسوس کرتی ہے۔ مزید براں ریح خارج ہونے سے پہلے نجاست حسیہ کے راستے سے گزرتی ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ ریح خارج ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور پیشاب پاخانہ ہو تو اس کی جگہ کو محض دھو دینا واجب ہے۔ اس کے یہ معنے ہوں گے کہ انسان کے لیے عمر بھر میں صرف ایک بار وضو کرنا لازم ہے، کیونکہ نیند کا آجانا یا ہوا کا خارج ہونا تو سرے سے نجاست ہے ہی نہیں، رہا پیشاب پاخانہ تو وہ صرف اپنی جگہ پر نجاست ہے۔ اس بات کا مہمل ہونا ظاہر ہے اور اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وضو کو مشروع فرمانے میں بکثرت منافع رکھے ہیں۔ ایک نفع تو ظاہری ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس سے اعضاء بالخصوص منہ اور ناک جن میں غلاظت کا گزر ہوتا ہے، وہ صاف ہو جاتے ہیں۔ دوسرا باطنی نفع اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت اور اس کے آگے خضوع ہے کہ اس طرح بندہ اپنے پروردگار کی عظمت پہچانتا اور بے حیائی کے کام اور ناپسندیدہ باتوں سے باز رہتا ہے، جس کے باعث دنیا اور آخرت دونوں سنورتے ہیں۔ اگر وضو ٹوٹنے کی صورت ہی نہ رہے تو اس کی مشروعیت اور فائدہ سب رائگاں ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ پیشاب پاخانہ کو مادۂ تولید پر قیاس کرنا فاسد ہے جس کی خرابی عیاں ہے، کیونکہ مادۂ تولید مسلمہ طور پر تمام اجزائے بدن سے نچڑ کر نکلتا ہے اور اکثر مخصوص مشقت کے بدون خارج نہیں ہوتا۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ اس کے اخراج کے بعد انسان کمزوری محسوس کرتا ہے اور یہ بدیہی امر ہے کہ نہانے کے بعد خاص نشاط محسوس ہوتا ہے جو اس کمی کی تلافی کر دیتا ہے۔ نیز بعض فضلات جو بہت ممکن ہے کہ جسم سے چپک گئے ہوں، ان سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ ان باتوں کے علاوہ جنابت کے بعد لازمی طور پر غسل کرنے کا حکم شریعت اسلامیہ کے محاسن میں سے ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان عورت کے لیے مجبور ہے۔ اسے اپنا جسم صاف ستھرا رکھنا پڑتا ہے۔ اگر غسل ضروری نہ ہوتا تو وہ کاہل الوجود ہو جاتا اور گندگی اس پر چھا جاتی اور اس کی عفونت سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی۔ جنابت کو پیشاب پر کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے جو بار بار عادتاً ایک خاص مقام سے بے مشقت خارج ہوتا ہے۔ پس یہ قیاس کسی طرح بھی درست نہیں ہے، بہر حال یہی لازم ہے کہ عبادت کو محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے بجالایا جائے اور کسی دنیوی مفاد کو پیش نظر نہ رکھا جائے، ہر چند کہ اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ 'طہارت' ایک صفت حکمیہ (ایسی صفت مان لی گئی) ہے کہ جس میں یہ موجود ہو وہی نماز پڑھ سکتا ہے۔ ساتھ ہی اس کا لباس اور نماز کی جگہ بھی پاک ہو۔ صفت حکمیہ سے مراد صفت اعتباری یا صفت معنوی ہے جسے صاحب شریعت ﷺ نے نماز وغیرہ کی صحت کے لیے شرط قرار دیا ہے۔ یہ صفت (طہارت) اگر نماز پڑھنے والے میں ہو کہ وہ حدث

Marfat.com

اصغر واکبر سے پاک ہو تو وہ نماز پڑھ سکتا ہے، اور نماز کی جگہ میں ہو تب اس پر نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ اور پاک کپڑے پہنے ہوئے ہو تو اس کے ساتھ نماز ہو سکتی ہے اور بہر صورت طہارت ایک معنوی شے ہے، محسوس یا نظر آنے والی چیز نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں دو امور ہیں: ایک 'نجاست' کہ یہ بھی ایک صفت حکمی ہے کہ کسی شخص یا اس کے لباس یا جائے نماز میں ہو تو نماز روا نہیں، نہ اس شخص کو نہ اس لباس میں نہ اس جگہ پر۔ دوسرا امر 'حدث' ہے کہ اس حال میں بھی نماز سے باز رہنا واجب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ 'نجاست' ایک صفت تقدیریہ (متعین کیفیت) ہے۔ کبھی لباس میں ہوتی ہے تو اس لباس کے ساتھ نماز ممنوع ہے۔ کبھی جگہ میں ہوتی ہے تو اس جگہ پر نماز روا نہیں اور کبھی کسی شخص میں ہوتی ہے، جسے 'حدث' کہتے ہیں تو اس حال میں نماز منع ہے، اور بہر حال 'حدث' صاحب شریعت ﷺ کی مقرر کردہ کیفیت کا نام ہے۔ حدث کا اطلاق کبھی وضو توڑنے والی چیزوں پر ہوتا ہے جس کا ذکر آگے آئے گا اور نجاست کا اطلاق کبھی مخصوص اشیاء پر ہوتا ہے جیسے خون پیشاب وغیرہ۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ شرع کی رو سے 'طہارت' کا اطلاق دو معنوں میں ہے: ایک تو ایسا عمل جس کے بعد نماز جائز ہو، مثلاً وضو، غسل، تیمم، اور نجاست کو دور کرنا یا ایسا ہی عمل جو معنوی اعتبار سے ہو اور صورۃً اسی جیسا ہو جیسے تیمم یا غسل مسنون، یا وضو ہوتے ہوئے تازہ وضو کرنا، یعنی چہرے اور دوسرے اعضا پر بہ نیت وضو پانی بہانا، اسے بھی طہارت کہتے ہیں۔ غرض طہارت نام ہے ایک عمل کا، جو کرنے والا کرے۔ اور ایسے عمل یعنی وضو پر وضو، یا غسل مسنون کا معناً طہارت ہونا اس لحاظ سے ہے کہ شرع میں اس کو بھی طہارت کہتے ہیں، باوجود اس کے کہ اس کی غرض یہ نہیں ہوتی کہ نماز پڑھنا روا ہو جائے کیونکہ نماز تو پہلے ہی وضو اور بغیر غسل مسنون کے روا تھی۔ جنابت کی صورت میں جو غسل ہوتا ہے وہ واجب ہے، سنت نہیں ہے۔ اس کو طہارت کی تعریف میں داخل کرنا اس لیے ضروری ہوا کہ جو امر داخل طہارت ہے وہ خارج نہ ہو جائے۔

دوسرے معنی، جس پر طہارت کا اطلاق ہوتا ہے حدث کو دور کرنا یا نجاست کو زائل کرنا ہے، یا ایسا ہی کوئی عمل جو معناً اور صورۃً اسی جیسا ہو مثلاً تیمم اور غسل مسنون۔ پس 'طہارت' ایک معنوی وصف ہے جو کسی عمل پر مترتب ہوتا ہے، جیسے وضو حدث اصغر کو اور غسل حدث اکبر کو دور کرتا ہے، اور حدث کا دور ہونا وضو یا غسل کرنے والے کے عمل پر موقوف ہے۔ اسی طرح نجاست جب دور ہوتی ہے کہ اس کو دھو دیا جائے، طہارت کا یہی مطلب ہے۔ اور جب یہ لفظ مطلق بولا جائے تو اس کے یہی معنی ہوتے ہیں، البتہ لفظ طہارت کا اطلاق عمل طہارت پر مجاز کے طور پر ہوتا ہے۔ جیسے مسبب (یعنی نجاست دور ہونے) کا اطلاق سبب (نجاست دور کرنے والے عمل) پر☆۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اصطلاح شرع میں طہارت حدث کو یا حدث کی ہم معنی کیفیت کو دور کرنا اور نجاست حقیقی، یا نجاست حکمی کو زائل کرنا ہے۔ اس قول کے مطابق حدث دور کرنے کے یہ معنے ہیں کہ اس بات کو دور کر دیا جائے جو نماز وغیرہ سے مانع ہے۔ ''حدث'' عبارت اس خاص حالت سے ہے جو تمام بدن یا بعض اعضا کو لاحق ہو، اور پاک ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس حالت کو زائل کر دیا گیا۔ ''ہم معنے'' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ فعل ویسا ہی فعل ہے جس سے 'حدث' دور ہوتا ہے۔ مثلاً میت کو غسل دینا معناً حدث کا زائل کرنا ہے، کیونکہ فی الواقع 'حدث' نہیں ہوتا، بلکہ وہ غسل ایک حکم شریعت کی تعمیل ہے، حدث سے پاک ہونا نہیں ہے۔ یہی حال وضو کے ہوتے ہوئے وضو کرنے اور غسل مسنون کا ہے کہ

☆ واضح ہو کہ اس مجاز کو مجاز مرسل کہتے ہیں (مترجم)

Marfat.com

طہارت کی قسمیں

طہارت کی تعریف کے سلسلے میں ہم نے مسالک کی تفصیلات بیان کر دی ہیں ہر چند کہ ان میں بعض جہت سے اختلاف پایا جاتا ہے، تاہم یہ ممکن ہے کہ ہم ان میں سے طہارت کا ایک ایسا مفہوم اخذ کر لیں جس پر سب کا اتفاق ہو، اور وہ یہ ہے کہ شرع کی اصطلاح میں طہارت ایک خاص صفت سے عبارت ہے، جس کا حکم شارع علیہ السلام نے اس لیے دیا ہے کہ نماز درست ہو اور ظروف وطعام کا استعمال جائز ہو۔ گویا شارعؑ نے کسی شخص کی نماز درست ہونے کے لیے یہ شرط لگا دی ہے کہ اس کا بدن طہارت کی صفت رکھتا ہو اور نماز کی جگہ اور نمازی کا لباس طہارت کی صفت سے موصوف ہو۔ اسی طرح خوردنی اشیاء کے حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ طاہر ہوں وغیرہ۔ دراصل طہارت کا مفہوم بذات خود ایک ہی ہے لیکن 'حدث' یا 'خبث' کی نسبت سے یا اس کی صفات کے اعتبار سے کئی اقسام ہو گئی ہیں۔ اول الذکر کے لحاظ سے طہارت کی دو قسمیں ہیں: خبث (گندگی) سے طہارت اور حدث (ناپاکی) سے طہارت۔ صاحب شریعت نے نمازی کے لیے واجب کر دیا ہے کہ اس کا جسم اور لباس خبث سے اور بدن حدث سے پاک ہوں۔ چونکہ ان دونوں سے پاکی لازم ہے لہٰذا اس کی دو قسمیں ہو گئیں۔ اب سمجھنا چاہیے کہ 'خبث' وہ ہے جسے شریعت نے گندگی قرار دیا ہے، جیسے خون اور پیشاب وغیرہ۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ گندگی انسان کے جسم اور لباس اور جگہ میں ہوتی ہے۔ پھر طہارت (گندگی سے پاک ہونا) ذاتی خصوصیات کے لحاظ سے دو طرح پر ہے: اصلی اور عارضی۔ اصلی طہارت تو وہ ہے جو پاکیزہ اشیا کی قدرتی صفت ہے مثلاً مٹی، پانی، لوہا اور اشیائے معدنی وغیرہ جس کی تفصیل اعیان طاہرہ (پاک اشیاء) کے بیان میں آگے آئے گی۔ پس یہ اشیاء تو قدرتی طور پر صفت طہارت کی حامل ہیں۔ عارضی طہارت کے معنے ہیں اس گندگی سے پاک ہونا جو اشیائے طاہرہ کو لاحق ہو۔ اس طہارت کو عارضی کہتے ہیں، کیونکہ یہ پانی یا مٹی

یہ دونوں عمل ہیں تو وہی وضو اور غسل جن سے حدث دور ہوتا ہے، اگرچہ ان صورتوں میں حدث کا دور کرنا نہیں ہوا۔

نجاست زائل ہونے کی صورت ان کے نزدیک یہ ہے کہ لگی ہوئی نجاست کو دھو دیا جائے، یا پھر یہ کہ نجاست از خود دور ہو جائے، جیسے کہ شراب سرکہ بن جائے۔ اور نجاست، حکم دور ہونے سے ان کا مطلب یہ ہے کہ حدث یا حدث کے ہم معنے جو امر ہے، وہ جاتا رہے۔ یا نجاست کا اطلاق اس پر سے ختم ہو جائے، جیسے تیمم کہ اس سے حدث اور خبث جو مانع صلوٰۃ ہیں دور ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

وغیرہ کے ذریعہ جو گندگی کو دور کرنے والی اشیاء ہیں حاصل ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل ازالہ ءنجاست کے بیان میں آئے گی۔

اب حدث کو لیجئے، یہ بھی ایک اعتباری کیفیت ہے جس سے اس شخص کا تمام بدن متکیف ہوتا ہے جو حالت جنابت میں ہو، یا بدن کے بعض اعضا متکیف ہوتے ہیں جب مثلاً ریح خارج ہو یا پیشاب آنے سے وضوٹوٹ جائے۔ پہلی صورت کو حدث اکبر کہتے ہیں اور اس سے پاک ہونے کا طریقہ غسل ہے۔ حیض اور نفاس کی حالت بھی ایسی ہی ہے۔ صاحب شریعت نے ان حالات کو انسان کے پورے بدن سے متعلق بتایا ہے، اور غسل کے بغیر نماز وغیرہ کی ممانعت اسی طرح ہے جیسے حدث اکبر کی حالت میں۔ دوسری صورت کو حدث اصغر کہتے ہیں جس سے پاک ہونے کا طریقہ 'وضوٗ ہے۔ پانی نہ ہو یا دستیاب نہ ہوسکتا ہو تو غسل اور وضو کی بجائے تیمّم کیا جا سکتا ہے۔

اب ہم ان تمام امور کو بالترتیب بیان کرتے ہیں۔

اعیان طاہرہ (پاک اشیاء) کا بیان

اقسام طہارت کے سلسلے میں یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ اس کی دو قسمیں ہیں: خبث سے پاک ہونا، اور حدث سے پاک ہونا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ فقہاء کے نزدیک خبث اصل گندگی (العین النجسه) کو کہتے ہیں۔ اب ہم اصل نجس اور اس کے مقابلے میں اصل پاک اشیاء کی مثالیں بیان کرتے ہیں اور یہ بتانا ہے کہ کس قدر نجاست قابل درگزر ہے اور اس سے پاک ہونے کا کیا طریقہ ہے؟

اب ہم اس بیان کا آغاز اعیان طاہرہ (پاک اشیاء) سے کرتے ہیں، کیونکہ اصل میں ہر شے پاک ہے جب تک اس کا نجس ہونا کسی دلیل سے ثابت نہ ہو۔

پاک اشیاء کے منجملہ انسان ہے، زندہ ہو یا مردہ۔ خدا فرماتا ہے، لقد کرمنا بنی آدم (ہم نے انسان کو مکرم بنایا) اور یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انما المشر کون نجس (یعنی مشرک نجس ہیں) تو مراد اس سے معنوی نجاست ہے، یعنی شریعت نے ان کو نجس مانا ہے۔ یہ مراد نہیں ہے کہ مشرک کا وجود دراصل سور کی طرح گندا ہے۔ اسی طرح پاک اشیاء میں 'جماد' ہے۔ اس سے ہر وہ جسم عبارت ہے جس میں نہ جان ہو اور نہ کسی جاندار سے نکلا ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں: جامد (غیر سائل) اور مائع (سائل)۔ جامد میں تمام زمینی اجزا اور معدنی اشیا شامل ہیں، مثلاً سونا، چاندی، تانبا، لوہا اور سیسہ وغیرہ۔ اسی طرح نباتات کی تمام قسمیں منجملہ پاک اشیاء کے ہیں، خواہ وہ نشہ آور ہوں۔ ایسی اشیا کو 'مفسد' کہا جاتا ہے یعنی جو عقل کھودے حواس نہ

Marfat.com

کھوئے اور اس میں نشہ یا وارفتگی نہ ہو جیسے حشیش اور افیون اور خواہ خواب آور ہو جس سے عقل اور حس دونوں جاتی رہیں، جیسے دھتورا اور بھنگ، اور خواہ مضر بدن ہو جیسے سستی لانے والی نباتات۔ غرض یہ تمام اشیاء پاک ہیں۔ اگر چہ ان میں وہ اشیاء جو عقل وحواس وغیرہ کو خراب کرنے والی ہیں حرام ہیں۔

مائع اشیاء میں مثلاً پانی، تیل، گنے کا رس، پھولوں کا عرق، عطر اور سرکہ، یہ اشیا جماد طاہر میں سے ہیں، بشرطیکہ اس میں کسی ایسی شے کی آمیزش نہ ہو جو اسے ناپاک کر دے۔ اسی میں باختلاف مسالک ہر جاندار کا آنسو، اس کا پسینہ، لعاب دہن اور جھاگ سب شامل ہیں [1] اور منجملہ پاک جمادات کے انڈا ہے جو گندا نہ ہوا ہو۔ یہی حال دودھ کا ہے، انسان کا ہو یا کسی حلال جانور کا۔ ہر زندہ جاندار، انسان ہو یا کوئی اور فطری طور پر پاک ہے، سوا ان کے جن کی تفصیل مختلف اہل مسالک نے کر دی ہے۔ [۲]

منجملہ پاک مائع اشیا کے بلغم، صفرا اور رینٹ بھی ہے، اور ایسے حلال جانور کا پت بھی پاک ہے جس کو ذبح کیا گیا ہو۔ پت سے مراد وہ زرد رنگ کا مائع ہے جو کھال کی پوٹلی میں ہوتا ہے۔ یہ سیال مادہ اور وہ کھال بھی پاک ہے۔ [۳] کیونکہ وہ ذبح شدہ حلال جانور کا ایک حصہ ہے اور اس کا بھی وہی حکم ہے جو پاک

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ پاک جاندار کی تمام چیزیں پاک ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ وہ جاندار حلال ہو یا نہ ہو۔ ان کے نزدیک سانپ اور بچھو کا زہر بھی پاک ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ لعاب دہن جو بیداری یا خواب میں منہ سے بہ نکلے اس کے پاک ہونے میں تو کوئی کلام نہیں، البتہ معدہ کا لعاب جو منہ تک آ جاتا ہے، وہ نجس ہے۔ اس کی تمیز رنگت اور بو سے ہو سکتی ہے۔ یہ زرد رنگ اور بدبودار ہوتا ہے، تاہم اگر وہ مسلسل بہتا رہے تو معاف ہے ورنہ نہیں۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ہر جاندار کا آنسو، پسینہ، لعاب اور جھاگ سب پاک ہے خواہ حلال ہو یا نہ ہو۔ لیکن جو حلال نہیں اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ جانور بلی کے برابر یا اس سے چھوٹا ہو اور گندگی سے پیدا نہ ہوا ہو۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ پاک یا نجس ہونے کے بارے میں جاندار کے پسینہ کا وہی حکم ہے جو ان کے پس خوردہ کا، جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔

۲۔ شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ وہ کتا اور سور ہیں اور وہ جو ان دونوں کے اشتراک سے یا ان میں سے کسی ایک کے دوسرے کسی جانور کے اشتراک سے پیدا ہوں۔ حنابلہ نے اس میں ان جانوروں کو بھی شامل کیا ہے جن کا گوشت حلال نہیں، بشرطیکہ وہ بلی سے بڑے ہوں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ سور کے سوا کوئی جانور نجس نہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جاندار کی کوئی چیز نجس العین ہے ہی نہیں، لہٰذا کتا اور سور اور جو ان سے پیدا ہو سب پاک ہے۔

۳۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ پت کا پانی، جس کا ذکر ہوا ناپاک ہے اور وہ کھال اس پانی سے ناپاک ہو جاتی ہے، البتہ دھولی جائے تو اوجھ کی طرح پاک ہو جاتی ہے۔ اوجھ میں جو غلاظت ہوتی ہے وہ نجس ہے، جس کے باعث اوجھ بھی ناپاک

Marfat.com

جانور کا۔ اسی طرح مردہ دریائی جانور بھی پاک ہے، جیسے کیکڑا[1]، مینڈک اور دریائی کچھوا، اگرچہ ان کی شکل کتے یا سور یا انسان کے مشابہ ہو، خواہ وہ دریا میں مرے ہوں یا خشکی میں، اور خواہ اپنی طبعی موت مرے ہوں یا کسی کے مارنے سے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: **احلت لنا میتتان و دمان السمک و الجراد و الکبد و الطحال** (یعنی دو مردار اور دو خون ہمیں حلال ہیں: مچھلی اور ٹڈی اور جگر اور تلی) اور ایسے مرے ہوئے جانور بھی پاک ہیں جن میں بہتا ہوا خون نہ ہو، جیسے مکھی، دیمک، ٹڈی چیونٹی اور پسو۔[2] نیز وہ شراب جو سرکہ بن جائے۔ اس کے پاک ہونے کے بارے میں اہل مسالک کے نظریات تفصیل طلب ہیں۔[3] اور منجملہ پاک اشیاء کے وہ حلال جانور ہیں جن کو شرع کے مطابق ذبح کیا گیا ہو۔ بال، روئیں، اون اور پر حلال جانور کے ہوں یا حرام کے، اور زندہ کے ہوں یا مردہ کے، پاک ہیں، خواہ

ہوتا ہے، لیکن دھونے سے پاک ہو جاتا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ ہر جانور کے پت کا حکم وہی ہے جو اس کے پیشاب کا ہے۔ حرام جانور کا پیشاب نجاست مغلظہ ہے اور حلال کا نجاست خفیفہ اور جس کھال میں وہ ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

۱۔ شافعیہ اور حنابلہ نے مردہ دریائی جانوروں میں سے کیکڑا، مینڈک اور سانپ کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ ناپاک ہیں، ماسوا ان کے پاک ہیں۔

۲۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ ٹڈی کے سوا تمام مرے ہوئے جانور نجس ہیں۔ حنابلہ نے ان مردہ جانوروں کے پاک ہونے کی یہ شرط لگائی ہے کہ وہ نجاست میں پیدا نہ ہوئے ہوں۔

۳۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ شراب اگر سرکہ بن جائے یا منجمد ہو جائے تو پاک ہے، خواہ کسی شخص کے کرنے سے ایسی ہوئی ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ سرکہ بننے سے پہلے اس میں کوئی نجاست نہ پڑ گئی ہو۔ ایسی شراب کا برتن بھی ساتھ ہی پاک ہو جاتا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ شراب کی ماہیت ہی بدل جائے تو پاک ہو جاتی ہے اور اس کا برتن بھی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ شراب سرکہ بن جائے کہ تلخی اور نشہ، جو شراب کی خصوصیات میں سے ہے، جاتا رہے اور وہ شراب ہو بھی ایسی کہ اس کا سرکہ بن سکے، خواہ اس میں کچھ ملا کر، جیسے نمک، پانی یا مچھلی سے، یا آگ پر رکھ کر، اگر شراب سرکہ میں ملا دی جائے اور کھٹی ہو جائے تو پاک ہے، اگرچہ شراب کی مقدار زیادہ ہو۔ اگر شیرہ میں کوئی چوہا گر گیا اور پھولنے پھٹنے سے پہلے نکال لیا گیا اور بعد میں وہ شراب تیار ہوئی اور بعد ازاں سرکہ بن گئی، یا بنا دی گئی، تو پاک ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ شراب پاک نہیں ہوتی جب تک کہ وہ خود ہی سرکہ نہ بن جائے، بشرطیکہ سرکہ بننے سے پہلے اس میں کوئی گندگی نہ پڑ گئی ہو، بصورت دیگر وہ پاک نہیں ہے، اگرچہ اس نجاست کو فوراً ہی نکال لیا گیا ہو۔ نیز وہ پاک نہ ہوگی بشرطیکہ سرکہ بنانے کے لیے کسی پاک چیز کی آمیزش نہ کی گئی ہو۔ خاص کر اس صورت میں کہ اس کی آمیزش سے بچنا دشوار نہ ہو۔ کیونکہ اگر پاک چیز ملائی گئی تو اسے بھی شراب ناپاک کر دے گی اور وہ شے بھی ناپاک ہو جائے گی۔ لیکن اگر پاک چیز کی

Marfat.com

جڑے ہوئے ہوں یا بکھرے ہوئے، لیکن نُچے ہوئے نہ ہوں۔ اس باب میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

آمیزش کے بغیر سرکہ بننے میں دشواری ہو، جیسے کسی قدر انگور کے بیج، تو اس صورت میں وہ (بیج) بھی شراب کے ساتھ پاک ہوجائیں گے، جیسے شراب کے پاک ہونے سے برتن بھی پاک ہوجاتا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ شراب اگر ازخود سرکہ بن جائے، دھوپ سے سائے میں لانے یا سائے سے دھوپ میں لے جانے کے باعث، یا سرکہ بنانے کے ارادہ سے نہیں، بلکہ یوں ہی ایک برتن سے دوسرے برتن میں منتقل کیے جانے کے باعث، تو وہ پاک ہوجاتی ہے۔ ساتھ ہی اس کا برتن بھی پاک رہتا ہے۔ تاوقتیکہ سرکہ بنانے والی شے کے علاوہ کسی اور شے شراب وغیرہ سے ناپاک نہ ہوجائے ایسی صورت میں وہ شراب پاک نہیں ہوگی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مالکیہ اور حنفیہ اس امر میں متفق ہیں کہ اگر شراب سرکہ بن جائے تو پاک ہوجاتی ہے، خواہ ازخود بن جائے یا کسی کے بنائے سے بنے۔ ان میں اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ سرکہ بننے سے پہلے اس میں نجس شے کی آمیزش ہوجائے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اس طرح شراب سرکہ بنے تو پاک نہیں ہے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر نجاست کو سرکہ بننے سے پہلے ہی نکال لیا جائے اور سرکہ بعد میں بنے تو شراب پاک ہوجاتی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کا اس امر میں اتفاق ہے کہ شراب پاک نہیں ہوتی جب تک کہ وہ ازخود سرکہ نہ بن جائے۔ اگر شراب کو سرکہ بنایا جائے تو پاک نہ ہوگی۔ اس امر میں بھی اتفاق ہے کہ اگر سرکہ بننے سے پہلے اس میں نجاست مل جائے تو وہ شراب سرکہ بننے سے پاک نہ ہوگی۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ سب (بال وغیرہ) کسی کے بھی ہوں پاک ہیں، خواہ زندہ ہو یا مردہ، حلال ہو یا حرام، کتا ہو یا سور، اور خواہ جڑے ہوئے ہوں یا بکھرے ہوئے، لیکن نُچے ہوئے نہ ہوں، بلکہ ان کو تراشا گیا یا مونڈا گیا یا کاٹا گیا ہو، یا بال صفا اشیاء سے اتارا گیا ہو۔ کیونکہ یہ زندہ ہونے سے حلال نہیں ہوجاتے، لیکن اگر نچا ہوا ہو تو اس جڑ نجس ہے، باقی پاک ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ غیر ذبح شدہ جانور کے پروں کا گچھا نجس ہے، البتہ اس کے اوپر کا رواں بال کی مانند ہے اور بالکل پاک ہے۔

ان تمام اشیاء متذکرہ بالا کے باب میں حنفیہ مالکیہ سے متفق ہیں، البتہ سور کے باب میں وہ کہتے ہیں کہ اس کے بال نجس ہیں، زندہ کے ہوں یا مردہ کے، جڑے ہوئے ہوں یا منتشر، کیوں کہ سور نجس العین (خالص نجس) ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اشیائے مذکورہ اگر زندہ حرام جانور کی ہوں تو نجس ہیں لیکن آدمی کا بال پاک ہے۔ آدمی کے علاوہ دوسرے مردار جانور کے بال بھی پاک ہیں۔ پس اگر اشیائے مذکورہ زندہ حلال جانور کی ہوں تو پاک ہیں سوا اس صورت کے کہ وہ نچے ہوئے ہوں اور ان کی جڑوں کے ساتھ لگی ہوئی رطوبت یا خون یا گوشت کی کوئی پھٹکی نوچنے سے بلا ارادہ نکل آئی ہو جس کی بالعموم کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں ان کی جڑیں نجس ہوں گی اور باقی حصہ پاک ہے۔ اور اگر نوچنے سے گوشت کا کوئی ٹکڑا نکل آئے اور کچھ مقدار بھی رکھتا ہو، وہ ٹکڑا بھی جڑ کے ساتھ نجس ہی متصور ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اشیائے مذکورہ اگر حلال جانور کی ہوں تو پاک ہیں خواہ وہ جانور زندہ ہو یا مردہ اور ایسے حرام

Marfat.com

اعیان نجسہ (گندی اشیا کا بیان) اور نجاست کی تعریف

طہارت کی تعریف کے سلسلے میں نجاست کی تعریف بھی، جو بعض مسالک کے نزدیک ہے، مجملاً بتائی جا چکی ہے، کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل کی اشیا ہیں۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ پاک اشیاء کے مقابلے میں جو نجس اشیاء ہیں ان کو بیان کر دیں۔ لہٰذا مناسب ہے کہ نجاست کے لغوی معنی اور مختلف مسلکوں میں جو اس کے اصطلاحی معنی ہیں وہ بیان کر دیے جائیں۔

لغت کی رو سے نجاست ہر گندگی کو کہتے ہیں اور لفظ نجس (بکسر و بفتح و بسکون جیم) کے یہی معنی ہیں۔ فقہا کے نزدیک اس کی دو قسمیں ہیں: نجاست حکمی اور نجاست حقیقی۔ ان کی تعریف میں اہل مسالک کا اختلاف ہے۔ [1] اس بنا پر کہ فقہا 'نجَس' (بفتح جیم) نفس گندگی کو کہتے ہیں، لہٰذا اس لفظ کا اطلاق عارضی نجاست پر نہیں ہوتا۔ لیکن نجِس (بکسر جیم) کا اطلاق ان کے نزدیک نجاست پر ہوتا ہے،

جانور کی بھی پاک ہیں جو زندہ حالت میں پاک سمجھے جاتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ بلی جیسے یا بلی سے چھوٹے ہوں اور گندگی سے پیدا نہ ہوئے ہوں۔ ان اشیاء (بال وغیرہ) کی جڑیں جو مردار کے جسم میں اگی ہوں، ناپاک ہیں۔ اگرچہ ان کو جدا نہ کیا گیا ہو۔ لیکن اگر یہ جڑیں پاک جانور کی کھال میں لگی ہوئی ہوں تو پاک ہیں، بشرطیکہ انہیں نوچ کر جدا نہ کیا گیا ہو۔ اس صورت میں ان کی جڑیں ناپاک ہوں گی، باقی حصہ پاک ہے۔

ایسے جانور وہ ہیں جو بلی کے برابر یا بلی سے چھوٹے ہوں، اور غلاظت سے پیدا نہ ہوئے ہوں۔ اشیاء متذکرہ (بال وغیرہ) کی جڑیں جو مردار کی کھال میں اگی ہوئی ہوں نجس ہیں، اگرچہ ان کو علیحدہ نہ کیا گیا ہو۔ لیکن زندہ پاک جانور کی ان اشیاء کی جڑیں پاک ہیں، بشرطیکہ انہیں نوچا نہ گیا ہو۔ نچی ہوئی کی جڑ ناپاک ہے باقی پاک ہے۔

۱۔ حنابلہ نے نجاست حکمیہ کی تعریف اس طرح کی ہے کہ نجاست حکمیہ وہ گندگی ہے جو ایسی جگہ پر لگ جائے جو پہلے پاک تھی۔ اس میں دونوں شامل ہیں، جسامت والی بھی اور بے جسامت بھی۔ اور نجاست حقیقیہ اصل (نجس بفتح جیم) گندگی کو کہتے ہیں۔ شافعیہ نے نجاست حقیقیہ کی تعریف اس طرح کی ہے کہ نجاست حقیقیہ وہ گندگی ہے جس میں جسامت، ذائقہ، رنگت یا بو ہو۔ العین النجاستہ (اصل گندگی) کا مطلب ان کے نزدیک یہی ہے۔ نجاست حکمیہ کی تعریف یہ کی ہے کہ نہ اس میں جسامت ہو نہ، ذائقہ، نہ رنگت نہ بو، جیسے پیشاب جو خشک ہو گیا ہو اور اس کی کوئی خصوصیت محسوس نہ ہو۔ ایسی گندگی نجاست حکمیہ ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ نجاست عینیہ اصل گندگی ہے اور نجاست حکمیہ وہ نجاست ہے جو کسی جگہ لگ کر اسے گندا کر دے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ نجاست حکمیہ نام ہے حدث اصغر اور حدث اکبر کا اور یہ شریعت کی رو سے ایک عارضی کیفیت ہے جو اعضا پر یا تمام بدن پر لاحق ہوتی ہے اور طہارت سے دور ہو جاتی ہے۔ اور نجاست حقیقی گندگی کو کہتے ہیں جسے شرع میں اصل نجس قرار دیا گیا ہے۔

Marfat.com

عارضی ہو یا ذاتی۔ لہٰذا خون نجس بھی ہے اور نجَس بھی ہو (بفتح وبکسر جیم) اور کپڑا جو (نجاست لگنے سے) ناپاک ہو گیا ہو اسے صرف نجِس (بکسر جیم) کہتے ہیں۔ نجس اشیاء کی تعداد بہت ہے۔ [1] منجملہ ان کے ماسوائے انسان خشکی کے تمام مردہ جاندار ہیں جن میں خون ہو اور زخم لگنے سے بہتا ہو۔ برخلاف دریائی جانوروں کے کہ وہ پاک ہیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ھو الطھور، ماؤہ الحل میتتہ [2] اور برخلاف مردہ انسان کے کہ وہ پاک ہے جیسا کہ سابقاً بیان ہوا، نیز برخلاف خشکی کے ایسے جانوروں کے جن میں بہتا ہوا خون نہیں ہے کہ زخم لگنے سے بہنے لگے، جیسے ٹڈی کہ وہ پاک ہے۔

اور منجملہ ناپاک اشیاء کے مردار جانور کے وہ حصے ہیں جو زندہ ہونے کی صورت میں حلال ہوتے ہیں۔ اس کے متعلقہ مسائل تفصیل طلب ہیں۔ [3] یہی حکم ان اشیاء کا ہے جو ان سے خارج ہوں، مثلاً

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ مردار جانور جس میں بہتا ہوا خون نہ ہو نجس ہے سوا مری ہوئی ٹڈی کے۔ لیکن اگر ایسا جانور یا اس کا کچھ حصہ پانی یا کسی مائع شے میں خود گر جائے تو وہ قابل درگزر ہے۔ اس سے وہ مائع ناپاک نہ ہوگا، بشرطیکہ اس مائع کی خاصیت نہ بدلی ہو۔ البتہ اگر کسی شخص یا جانور نے لا کر ڈالا، یا اس مائع کی خاصیت میں تغیر ہوا تو وہ نجس ہو جائے گا اور معاف نہیں ہے۔

۲۔ یعنی جس پانی میں پڑ جائے وہ پاک ہے اور مر جائے تو حلال ہے۔

۳۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ مردہ جانور کے وہ اجزائے بدن جو اس کی زندگی میں حلال قرار دیے جاتے ہیں، وہ گوشت، کھال، ہڈی اور پٹھا وغیرہ ہیں۔ برخلاف بال، اون، ببری اور پر بال کے کہ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا پاک ہونا ان کے زندہ ہونے پر موقوف نہیں ہے۔ یہ کسی حال میں ناپاک نہیں ہیں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مردار جانور کے تمام اجزا ہڈی، گوشت، بال، پر، اون وغیرہ نجس ہیں، کیوں کہ ان کے حلال ہونے کا سبب ان کے نزدیک زندگی ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ مردہ جانور کا گوشت اور کھال ایسی اشیاء ہیں جو صرف زندگی میں حلال متصور ہوتی ہیں، لہٰذا یہ دونوں ناپاک ہیں، برخلاف ہڈی، ناخن، چونچ، پنجے، ٹاپ، سینگ، کھر اور بال (بہ استثنائے سور کے بال) کہ یہ سب پاک ہیں، کیونکہ زندگی ان کے حلال ہونے کا سبب نہیں۔ چنانچہ حضرت میمونہؓ کی بکری کے باب میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "انما حرم اکلھا" (یعنی اس کا کھانا حرام ہے) اور ایک روایت میں (اکلھا کی بجائے) 'لحمھا' کا لفظ ہے (یعنی اس کا گوشت حرام ہے) اس ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ مردہ جانور کے گوشت کے سوا کوئی چیز حرام نہیں ہے۔ لہٰذا وہ تمام اشیائے مذکورہ پاک اشیاء میں داخل ہیں، بشرطیکہ ان پر چربی نہ ہو۔ اگر چربی ہوئی تو اس کے ساتھ وہ اشیاء بھی ناپاک ہوں گی۔ اور پٹھے کے بارے میں دو خیال ہیں، مشہور یہی ہے کہ وہ پاک ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ صحیح تر یہ ہے کہ وہ ناپاک ہے۔

Marfat.com

خون، رینٹ، انڈا، دودھ اور پنیر مایہ (انفحہ)[1] بہ موجب تفصیل مسالک[2] اور منجملہ ناپاک اشیاء کے کتا اور سور[3] ہے اور وہ جو ان سے یا ان میں سے کسی ایک سے دوسرے جانور کے ساتھ مل کر پیدا ہو۔

کتے کے نجس ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں نبی ﷺ سے روایت کی گئی ہے: اذا ولغ الکلب فی اناء احد کم فلیرقه ثم لیغسله (یعنی اگر تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو لازم ہے کہ اسے خشک کر لو پھر سات بار دھولو)۔ رہا سور کا نجس ہونا سو اسے بھی کتے پر قیاس کیا گیا، کیونکہ وہ اس سے بھی زیادہ برا ہے۔ صاحب شریعت نے اس کو اور اسے ذریعۂ معاش بنانے کو بھی حرام قرار دیا ہے۔

منجملہ نجس اشیاء کے وہ مادہ ہے جو کتے اور سور سے خارج ہو، مثلاً لعاب، رینٹ، پسینہ[4] اور

حنابلہ کہتے ہیں کہ مردہ جانور کے وہ تمام اجزا جو زندہ جانور کے حلال متصور ہوتے ہیں ناپاک ہیں۔ ماسوا، اون، بال اور ببری اور پر کے کہ یہ پاک ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول: "ومن اصوافها و اوبارها و اشعارها اثاثاً و متاعاً الی حین" عمومیت کا حامل ہے، کیونکہ یہ عام ہے جانور کی زندگی اور موت دونوں حالتوں کے لیے۔ حنابلہ نے پر کو بھی اسی پر قیاس کیا ہے۔

۱۔ صاحب مصباح اللغات ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی نے لکھا ہے کہ اس کو 'مجبنة' بھی کہتے ہیں۔ یہ بکری کے دودھ پیتے بچے کی اوجھ ہے جو دودھ کو پنیر بنانے کے کام میں آتی ہے۔ نیاز مند مترجم نے 'انفحہ' ترجمہ اسی قیاس پر پنیر مایہ کیا ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مردہ جانور سے جو کچھ خارج ہو، مثلاً دودھ، پنیر مایہ اور انڈا (خواہ اس کا چھلکا نرم ہو یا سخت) یا اس قسم کی اور چیز جو زندہ کی پاک متصور تھی مردہ کی بھی پاک ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مردہ سے نکلنے والی تمام اشیاء ناپاک ہیں، سوا انڈے کے جو حلال جانور کے پیٹ سے نکلے اور اس کا چھلکا سخت ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ تمام چیزیں جو نکلیں ناپاک ہیں سوا انڈے کے جس کا چھلکا سخت ہو، خواہ وہ ایسے مردہ جانور کا ہو جو حلال ہے یا حلال نہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں مردہ جانور سے جو کچھ بھی خارج ہو سب ناپاک ہے۔

۳۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ تمام زندہ جانور اصل میں پاک ہیں خواہ کتا ہو یا سور۔ حنفیہ نے بنا بر قول راجح زندہ کتے کے پاک ہونے کے بارے میں ان سے اتفاق کیا ہے۔ البتہ اس کا لعاب نجس بتایا گیا ہے، اس لحاظ سے کہ مردہ کتے کا گوشت نجس ہوتا ہے۔ پس اگر وہ کنوئیں میں جا پڑے اور زندہ نکل آئے لیکن پانی اس کے منہ کو نہ لگا ہو تو پانی ناپاک نہ ہوگا۔

۴۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ سب پاک ہیں کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر زندہ جاندار اور جو کچھ اس سے نکلے پاک ہوتا ہے۔

Marfat.com

آنسو۔ اوران ہی کے منجملہ تمام اقسام کا خون ہے، سوا جگر اور تلی کے کہ وہ دونوں پاک ہیں جیسا کہ حدیث متذکرہ سابقہ میں آیا ہے۔ شہدا کا خون بھی جب تک ان کے جسم پر ہے، پاک ہے۔ شہید سے مراد وہ شخص ہے جو جہاد میں قتل ہو جائے۔ اس کی تفصیل 'جنازہ' کے بیان میں آئے گی۔ اسی طرح وہ خون بھی پاک ہے جو ذبیحہ کے گوشت اور اس کی رگوں میں رہ جائے۔ مچھلی، چیچڑی، پسو کا خون اور کنان کا خون (یہ ایک سرخ رنگ کا رینگنے والا جانور ہے جس کا ڈنگ بڑا تیز ہوتا ہے) یہ تمام خون پاک ہیں۔ ان کے علاوہ بھی اور خون جو بعض مسالک میں پاک ہیں۔[1]

اور منجملہ ناپاک اشیاء کے قیح ہیں یعنی پیپ جس میں خون کی آمیزش نہ ہو اور صدید (کچ لہو) یعنی زخم وغیرہ سے بہنے والا پتلا پانی، جس میں خون کی آمیزش ہو، اور جو مادہ زخم وغیرہ سے بہہ کر نکلے۔[2] نیز ناپاک اشیا کے منجملہ آدمی کا فضلہ پیشاب، پاخانہ ہے۔ اگرچہ خوراک کی حالت نہ بدلی ہو اور خواہ وہ فضلہ کسی بچے کا ہو جو کھانا نہ کھاتا ہو۔ اور اسی میں شامل ہے ایسے حرام جانور کا فضلہ جس میں بہتا ہوا خون ہو جیسے گدھا اور خچر۔[3] لیکن حلال جانور کے فضلہ کے باب میں مسالک کے درمیان

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ دم مسفوح بغیر کسی استثناء کے ناپاک ہے، خواہ مچھلی کا ہو۔ اور دم مسفوح وہ خون ہے جو جانور کے جسم سے بہے اور جو نہ بہے، جیسے وہ خون جو ذبیحہ کے گوشت اور رگوں میں رہ جاتا ہے، پاک ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ان چار کے سوا تمام خون ناپاک ہیں: حلال جانور کا دودھ جو خون کا رنگ رکھتا ہو۔ اور خون کے رنگ کی منی جو خارج ہو لیکن اسی طرح سے نکلے جو معتاد ہے۔ اور انڈا جس کا رنگ خون جیسا ہو اور اس میں بچہ بننے کی صلاحیت باقی ہو۔ اور پاک جانور کا خون جو پھٹکی یا بچے کی شکل اختیار کرلے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ انسان یا جانور کا خون جو نہ بہتا ہو، پاک ہے، اور خون اگر بچے کی شکل میں ہو تو پاک ہے، پھٹکی کی صورت میں ناپاک ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ پیپ اور کچ لہو کے سوا کوئی اور مادہ جو انسان کے جسم سے کسی مرض کے باعث بہے، وہ ناپاک ہے، خواہ اس میں تکلیف نہ محسوس ہو۔ بصورت دیگر پاک ہے۔ اس ناپاک مادہ میں چھالا یا چیچک کا وہ دانہ شامل ہے جو بھر جائے اور اس کا چھلکا پک جائے۔ اسی میں آنول نال (یا ناف) کا اور کان اور آنکھ کا پانی بھی شامل ہے۔ لہٰذا مریض آنکھ سے جو پانی بہے وہ ناپاک ہے خواہ اس میں تکلیف نہ ہو، مثلاً وہ پانی جو مرض 'غرب' کے باعث آنکھ سے بہے۔ غرب آنکھ کی ایک رگ کا نام ہے جس سے بغیر تکلیف کے پانی بہتا رہتا ہے۔

شافعیہ پیپ اور خون کے علاوہ زخم سے بہنے والی صرف اس رطوبت کو ناپاک کہتے ہیں جس کی رنگت یا بُو تبدیل ہو جائے، بصورت دیگر پسینہ کی طرح پاک ہے۔

۳۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ حرام جانور کے فضلہ کے مسائل تفصیل طلب ہیں: اگر وہ پرندہ ہے جو ہوا میں اڑتا ہو، جیسے کوا تو اس کا فضلہ نجاست خفیفہ (کم درجہ کا نجس) ہے، بصورت دیگر وہ نجاست مغلظہ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اسے اس لحاظ

Marfat.com

اختلاف ہے۔ (۱)

اور منجملہ ناپاک اشیاء کے انسان اور دوسرے جاندار کا مادۂ تولید (۲) ہے۔ یہ ایک سیال مادہ ہے جو مباشرت وغیرہ کی لذت کے ساتھ خارج ہوتا ہے۔ صحت مند مرد کا مادہ سفید اور گاڑھا ہوتا ہے اور عورت کا زرد اور نیلا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ عورت سے خارج نہیں ہوتا اور شرمگاہ میں رہ جاتا ہے اور بعض اوقات مرد

سے نظر انداز کر دیا جائے کہ راستوں میں خچر اور گدھے کی لید اکثر پڑی رہتی ہے اور اس سے بچنا مشکل ہے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ حرام جانور کا فضلہ بھی بغیر کسی تفصیل کے نجس ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ حلال جانور کا فضلہ نجس ہے لیکن وہ نجاست خفیفہ ہے۔ پرندوں کے فضلہ کے بارے میں ان کی تفصیل یہ ہے کہ اگر بیٹ ایسے پرندے کی ہے جو ہوا میں بیٹ کر دیتے ہیں، جیسے کبوتر یا چڑیا، ان کا فضلہ پاک ہے، ورنہ نجس (بنجاست خفیفہ) ہے، جیسے مرغی، پالتو بطخ اور مرغابی کی بیٹ کہ صاحبین (امام محمدؒ اور امام یوسفؒ) کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ بھی مغلظہ ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ حلال جانور کا فضلہ پاک ہے، جیسے گائے اور بھیڑ بکری، بشرطیکہ وہ غلاظت کھانے کے عادی نہ ہوں۔ اگر ان کے عادی ہونے کا یقین یا گمان غالب ہو تو ان کا فضلہ ناپاک ہوگا۔ اور اگر کسی جانور کے عادی ہونے میں شک ہو تو دیکھنا چاہیے کہ اس کا رجحان کس طرف ہے۔ غلاظت کی جانب ہو جیسے مرغی تو اس کا فضلہ ناپاک ہے اور اگر ایسا جانور ہے کہ اس کا رجحان غلاظت کی جانب نہیں ہے، جیسے کبوتر تو اس کا فضلہ پاک ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ حلال جانور اگرچہ نجاست کھا لیتا ہو لیکن بیشتر غذا اس کی غلاظت نہ ہو تو اس کا فضلہ پاک ہے، بصورت دیگر نجس ہے۔ یہی حکم اس کے گوشت کا ہے۔ البتہ اگر نجاست کھانے سے اسے تین دن تک باز رکھا گیا اور صرف پاک غذا دی جاتی رہی تو تین دن کے بعد اس کا فضلہ اور گوشت دونوں پاک ہوں گے۔

۲۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ آدمی کی منی زندہ کی ہو یا مردہ کی، اور نو سال کی عمر کامل ہونے کے بعد نکلی ہو تو پاک ہے، یہی حکم اس منی کا ہے جو خون کی شکل میں اسی حالت اور معروف طریقہ سے خارج ہوئی ہو، بصورت دیگر وہ ناپاک ہوگی۔ اس کے پاک ہونے کی دلیل وہ روایت ہے جو بیہقیؒ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے اس مادۂ تولید کے متعلق دریافت کیا گیا جو کپڑے میں لگا ہوا تھا، جواب میں حضور ﷺ نے جو کچھ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ "انما ہو کا لبصاق او کا لمخاط" یعنی یہ ایسی ہی چیز ہے جیسے تھوک یا رینٹ۔ اسی پر آدمی کے علاوہ اور جاندار کے مادۂ تولید کو قیاس کیا جاتا ہے، کیونکہ پاک جاندار کے متعلق جو اس کے مسائل ہیں ان کی اصل یہی ہے۔ لیکن انہوں نے کتے اور سور اور ان سے پیدا ہونے والے جانوروں کے مادہ کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا ہے۔ اور ان جانوروں کے مادہ کو بھی ان کی طرح ناپاک قرار دیا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ آدمی کا مادۂ تولید پاک ہے بشرطیکہ عام عادی طریقہ سے خارج ہوا ہو، یعنی اچھل کر اور لذت کے ساتھ اور ۹ سال سے زیادہ کی عورت، اور دس سال سے زیادہ کے مرد کی ہو، اگرچہ وہ خون کی صورت میں ہو۔ انہوں نے

Marfat.com

کے عضو مخصوص پر اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن وہ لوگ جو یہ تسلیم نہیں کرتے کہ عورت کا مادۂ تولید ہوتا ہے ان کا خیال ہے کہ وہ جو عورت سے محسوس کیا جاتا ہے وہ شرمگاہ کی رطوبت ہے۔ لہٰذا وہ لوگ نمایاں طور پر اس کے محسوس ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ اور منجملہ ناپاک اشیاء کے مذی اور ودی ہے اور مذی وہ رقیق مادہ ہے جو ملاعبت (شہوانی حرکات) وغیرہ سے آگے کے راستے خارج ہو، اور ودی سفید گاڑھا مادہ ہے جو بالعموم پیشاب کے بعد خارج ہوتا ہے۔ (۱)

منجملہ ناپاک اشیا کے 'قے' اور قلس (اچھالا) ہے۔ اس کے متعلقہ مسائل تفصیل طلب ہیں۔ (۲)

اس کے پاک ہونے کا استدلال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے کیا ہے کہ "كنت افرك المنى من ثوب رسول الله صلى الله وسلم ثم يذهب فيصلى فيه" (یعنی میں آنحضرت ﷺ کے کپڑے سے مادۂ تولید کو رگڑ کر جھاڑ دیا کرتی تھی، پھر آپ جاتے اور اس میں نماز پڑھتے تھے) آدمی کے علاوہ اگر حلال جانور کا مادہ تولید ہے تو وہ پاک ہے ورنہ نجس ہے۔

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ مذی اور ودی اگر حلال جانور کی ہوں تو پاک ہیں۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ قے اگر منہ بھر کر آئے کہ اس کا روکنا ممکن نہ ہو تو وہ نجاست غلیظہ ہے۔ خواہ وہ صفرا ہو یا خوراک یا پانی یا چارہ، اور خواہ وہ معدہ میں نہ ٹھہرا ہو، اور خواہ وہ دودھ پیتے بچے کا ہو۔ برخلاف اس مائع کے جو سوتے ہوئے انسان کے منہ سے بہے کہ یہ پاک ہے۔ اور اگر قے میں کیڑے نکلیں، تھوڑے ہوں یا بہت اور چھوٹے ہوں یا بڑے تو وہ قے پاک ہے۔ اچھالے کا حکم بھی وہی ہے جو قے کا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: "واذا قاء احدكم فى صلوته اوقلس فلينصرف و ليتوضا" (یعنی اگر تم میں سے کسی کو نماز پڑھنے میں قے آجائے یا اچھالا ہو تو چاہیے کہ چلا جائے اور وضو کر کے آئے)۔ جس صورت میں کہ بلغم اور خون تھوک میں آئے تو اس کے متعلقہ مسائل کی تفصیل یہ ہے کہ اگر بلغم خالص ہے اور اس میں کسی چیز کی آمیزش نہیں ہے تو پاک ہے۔ اگر غذا بھی ساتھ ہو اور زیادہ حصہ غذا کا ہو تو وہ نجس ہے، اور اگر برابر ہے تو دونوں کے احکام جدا جدا ہیں، یعنی اگر غذا منہ بھر کر آئی ہے تو اس کا حکم وہی ہے کہ جو 'قے' کا ہے، لیکن اگر تھوک میں خون ملا ہوا ہو اور تھوک غالب ہو کہ خارج شدہ مادہ زرد ہو تو پاک ہے، اور خون غالب ہو کہ رنگت سرخ ہو، خواہ یہ سرخی خون اور تھوک کے برابر ہونے کے باعث ہو یا خون کے زیادہ ہونے کے باعث تو وہ نجس ہے، گو منہ بھر کر نہ ہو۔ اونٹ اور بھیڑ بکری کی جگالی نجس ہے کم ہو یا زیادہ۔

واضح رہے کہ اگر ایک ہی وقت میں چند بار قے آئی۔ گو منہ بھر کر کسی دفعہ نہ تھی لیکن وہ سب مل کر مقدار میں منہ بھر کر قے کرنے کے برابر ہو تو یہ قے نجس ہے۔ قے کی تعریف مالکیہ نے یہ کی ہے کہ قے وہ غذا ہے جو معدے میں جا کر پھر منہ سے نکل آتی ہے۔ یہ ان کے نزدیک نجس ہے، بشرطیکہ غذا کی حالت بدل گئی ہو، خواہ صرف اسی قدر کہ اس میں کھٹاس آگئی ہو۔ بخلاف 'قلس' (اچھالے) کے، اچھالا اس پانی کو کہتے ہیں جسے معدہ متلی کے ساتھ الٹ دے۔ وہ پاک ہے

Marfat.com

ناپاک اشیاء میں زندہ جانور کا گندا انڈا ہے۔ اس کے متعلق مسائل تفصیل طلب ہیں۔ [۱]

ایسے زندہ جانور جو مرنے کے بعد نجس قرار دیے جاتے ہیں، ان کے بدن کا کوئی حصہ جو جسم سے الگ کر لیا جائے وہ ناپاک اشیاء کے ہے۔ [۲] اس حکم سے جو اجزاء مستثنیٰ ہیں ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ لیکن مشک جو زندہ ہرن سے نکالا جائے اور اس سے وابستہ کھال کا ٹکڑا (غالباً نافہ مراد ہے) دونوں پاک

بشرطیکہ وہ اچھالا غلاظت کے مشابہ نہ ہو گیا ہو۔ خواہ یہ مشابہت غلاظت کی کسی ایک خصوصیت ہی میں ہو۔ فقط کھٹاس آجانے سے اس کا حکم نہیں بدلتا۔ پس اگر معدہ پانی اچھال دے جو کھٹا کھٹا ہو لیکن اس میں کوئی تبدیلی نہ آئی ہو تو وہ نجس نہ ہو گا، کیونکہ کھٹاس معمولی چیز ہے اور یہ کیفیت بار بار ہوتی رہتی ہے۔ مالکیہ نے اس پانی کو جو زرد رنگ کا اور بدبودار معدہ سے نکلے 'قے' کی طرح نجس قرار دیا ہے، البتہ اگر یہ کیفیت قائم رہے تو معاف ہے، اور یہ حکم دشواری کے پیش نظر ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ 'قے' نجس ہے گو تغیر نہ ہوا ہو۔ (غذا ویسی کہ ویسی ہی نکل آئی ہو) اس طرح کہ کھاتے ہی ڈال دیا ہو۔ ڈالا ہوا مادہ غذا ہو یا پانی یہ نجس اسی حال میں متصور ہو گا کہ اس کا معدہ سے خارج ہونا متحقق ہو۔ اگر معدہ سے خارج ہونے میں شک ہو تو اصولاً پاک ہے۔ انہوں نے اس مائع کو بھی جو سونے والے کے منہ سے بہے اور زرد رنگ کا بدبودار ہو، اسی میں شامل کیا ہے۔ لیکن جو لوگ اس کیفیت میں مبتلا ہوں انہیں معاف ہے۔ ان کے نزدیک اونٹ اور بھیڑ بکری کی جگالی بھی نجس ہے، تھوڑی ہو یا بہت۔

حنابلہ کہتے ہیں اچھالا ہو یا قے (بلا تشریح) یکساں نجس ہیں۔

۱۔ مالکیہ کے نزدیک انڈا اس صورت میں گندا ہوتا ہے کہ اس میں بدبو یا نیلاہٹ کے باعث تبدیلی ظاہر ہو، یا خون بن گیا ہو، یا بچہ بن جائے، یا مردہ چوزہ برآمد ہو۔ ایسا انڈا جس کی سفیدی اور زردی مخلوط ہو جائے گندا نہیں ہے۔ ایسے انڈے کو 'معروق' کہتے ہیں۔ اور وہ انڈا بھی جس میں منجمد خون کا ایک نقطہ ہو گندا نہیں ہے۔ مرے ہوئے جانور کا انڈا نجس ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

شافعیہ کے نزدیک گندا انڈا وہ ہے جس میں خرابی پیدا ہونے کے باعث بچہ بننے کی صلاحیت نہ رہی ہو۔ سفیدی اور زردی کے باہم گھل مل جانے سے گو اس میں بدبو بھی پیدا ہو گئی ہو انڈا گندہ متصور نہیں ہوتا۔ رہا مردہ جانور کا انڈا سو اس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جس انڈے کی سفیدی زردی کے ساتھ گھل مل جائے اور بدبو بھی پیدا ہو جائے وہ گندا ہے، لیکن اسے پاک قرار دیتے اور کہتے ہیں کہ نجس انڈا وہ ہے جو خون بن جائے۔ علی ہذا القیاس زندہ جانور کا وہ انڈا جس کا چھلکا سخت نہ ہوا ہو ان کے نزدیک نجس ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ انڈا خون بن جائے تو نجس ہے، اگر صرف بدبو پیدا ہوئی ہو تو بسے ہوئے (بدبودار) گوشت کی طرح پاک ہے۔

۲۔ حنابلہ نے ایسے زندہ جانور (جو مرنے کے بعد نجس شمار ہوتے ہیں) کے جدا کیے ہوئے حصۂ بدن کے مجملہ دو چیزوں کو حرام ہونے سے مستثنیٰ قرار دیا ہے: ایک تو انڈا جس کا چھلکا سخت ہو گیا ہو اور دوسرے ایسے زندہ جانور کے جسم

Marfat.com

ہیں انسان کے دودھ کے سوا حرام جانوروں کا دودھ نجس ہے۔ (۱)

جلی ہوئی نجس اشیاء کی راکھ اور دھواں ناپاک ہیں (۲) اور منجملہ ناپاک اشیاء کے نشہ آور سیال شے ہے، خواہ وہ انگور کے شیرے تیار کی جائے یا کشمش اور کھجور کے آبشورے سے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شراب کو 'رجس' فرمایا ہے' اور 'رجس' کے عام معنے نجس کے ہیں۔ اور یہ امر کہ ہر نشہ آور مائع شراب میں داخل ہے، مسلم کی روایت کردہ اس حدیث کی بنا پر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: **کل مسکر خمر و کل خمر حرام** (یعنی ہر نشہ آور شے شراب ہے اور ہر شراب حرام ہے)۔ حقیقت یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے نشہ آور مائع کا پینا حرام کرنے کے باوجود جو اسے نجس فرمایا ہے، اس سے غرض یہ ہے کہ اس سے نفرت ہو اور اس کے پاس پھٹکنے تک کو سختی سے منع کیا جائے۔

بیان اس امر کا کہ کس قدر نجاست معاف ہے

واضح ہو کہ نماز پڑھنے والے کے بدن، اس کے لباس اور جگہ سے نجاست کو زائل کرنا واجب ہے (۳) لیکن بعض صورت ایسی ہے کہ تنگی اور شفقت کے پیش نظر کچھ معاف کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وما جعل علیکم فی الدین من حرج** (یعنی اللہ تعالیٰ نے احکام دین کی بجا آوری میں تم

سے علیحدہ شدہ حصہ جو ذبح اضطراری کی صورت میں بدن سے کٹ کر الگ ہو گیا ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ بال، ببری، اون اور پر اگر کسی زندہ حلال جانور سے لے لیا جائے تو پاک ہے، بشرطیکہ جدا کرتے وقت گوشت کا ایسا ٹکڑا بھی ساتھ نہ آ گیا ہو جو کسی مصرف میں لایا جا سکے۔ ایسی صورت میں اس گوشت کے ساتھ وہ چیز بھی نجس شمار ہوگی، جس کے ساتھ وہ لگا ہوا نکل آیا۔ اگر بال وغیرہ کے کچھ حصے کے بارے میں یہ شک ہے کہ پاک ہے، یا ناپاک تو اصولاً اسے پاک قرار دینا چاہیے۔ اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مردار کے تمام اجزا نجس ہیں، اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ دودھ زندہ جانور کا ہو یا مردہ کا، حلال کا ہو یا حرام کا سب پاک ہے، سوا سور کے دودھ کے کہ وہ زندہ ہو یا مردہ دونوں کا نجس ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ دونوں اشیاء پاک ہیں اور یہ ایسی ہی ہیں جیسے نجس شے جو بغیر جلائے مٹی بن جائے تو پاک ہو جاتی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ راکھ پاک ہے، لیکن دھواں بقول راجح نجس ہے۔

۳۔ نجاست کو زائل کرنے کے بارے میں مالکیہ کے دو قول مشہور ہیں: ایک تو یہ کہ نماز کی صحت کے لیے یہ شرط لازم (واجب) ہے دوسرے یہ کہ یہ سنت ہے۔ لیکن اس کا واجب یا سنت ہونا اسی صورت میں ہے جب کہ نجاست کا علم ہو

Marfat.com

پر تنگی روا نہیں رکھی)۔ معافی کس حد تک ہے؟ اس کے متعلقہ مسائل تفصیل طلب ہیں۔[1]

اور اسے دور کرنے کی قدرت ہو۔ لہٰذا اگر کسی شخص نے ناپاکی کے ساتھ نماز پڑھ لی اور اسے وہ ناپاکی یاد نہ تھی یا اسے زائل کرنے سے عاجز تھا، تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ تاہم اس بارے میں دو رائیں ہیں: مستحب تو یہ ہے کہ ظہر اور عصر کی صورت میں آفتاب میں زردی آنے سے پہلے اور مغرب وعشاء کی صورت میں صبح نمودار ہونے سے پہلے، اور نماز فجر کی صورت میں طلوع آفتاب سے پہلے وہ نماز دہرالی جائے۔ اب اگر جان بوجھ کر یا مسئلے سے ناواقفیت کی بنا پر وہ نماز پڑھ لی ہے تو ایک قول کے مطابق وہ نماز نہیں ہوئی اور دوسرے قول کے مطابق ہو گئی۔ پس قول اول کے پیش نظر نماز کے وقت کے اندر اس کا دہرا لینا واجب ہے، اور وقت گزرنے کے بعد کسی وقت بھی واجب ہے، کیونکہ وہ نماز ہوئی ہی نہ تھی۔ دوسرے قول کے مطابق اس نماز کو کسی وقت بھی دہرا لینا مستحب ہے۔

ا۔ مالکیہ مندرجہ ذیل صورتوں کو قابل درگزر شمار کرتے ہیں:

ا۔ دودھ پیتے بچے کا وہ پیشاب یا پاخانہ جو دودھ پلانے والی کے بدن یا لباس پر لگ جائے، اگرچہ اس کے اپنے بچے کا نہ ہو، بشرطیکہ پیشاب پاخانہ کرتے وقت اس سے بچنے کی اس نے کوشش کی ہو۔ تاہم مستحب یہ ہے کہ وہ نماز کے لیے ایک اور لباس تیار رکھے۔

۲۔ بواسیر کی رطوبت جو ہر روز مریض کے بدن یا اس کے کپڑوں پر لگ جاتی ہے، خواہ وہ دن میں ایک ہی بار کیوں نہ ہو۔ لیکن اگر ہاتھ ملوث ہو تو اسے دھونے سے معافی نہیں۔ البتہ ہاتھ کو کثرت سے استعمال کرنا پڑے کہ دن میں دو بار سے زیادہ ہو تو معاف ہے۔ کپڑے اور بدن کے باب میں تو یہ رعایت دن میں ایک بار کی صورت میں بھی ہے، لیکن ہاتھ کی صورت میں دو بار سے زیادہ کی قید اس لیے ہے کہ ہاتھ کا دھونا کچھ مشکل نہیں ہے، تاوقتیکہ اس کی بار بار ضرورت نہ پڑے، برخلاف بدن اور کپڑے کے۔

۳۔ حدث کا تسلسل، مثلاً پیشاب پاخانہ یا مذی، ودی اور منی کا از خود رستے رہنا۔ ایسی صورت ہو تو بدن، کپڑے اور نماز کی جگہ کو جہاں سے ہٹنا ممکن نہ ہو دھونا واجب نہیں۔ خواہ یہ کیفیت دن میں ایک ہی بار ہو۔

۴۔ وہ نجاست جو ذبح کرنے والوں، پاخانہ وغیرہ صاف کرنے والوں اور زخموں کا علاج کرنے والوں کے کپڑے یا بدن پر لگ جائے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ ایسے اشخاص نماز کے لیے ایک اور لباس رکھا کریں۔

۵۔ کسی شخص کے بدن یا لباس پر اس کا اپنا خون یا کسی اور شخص یا جانور کا خون، خواہ وہ جانور سور ہی کیوں نہ ہو، لگ جائے اور اس کا حجم درہم بغلی سے زیادہ نہ ہو تو معاف ہے۔ درہم بغلی سے مراد وہ سیاہ بھنوری ہے جو خچروں کے بازو پر ہوتی ہے۔ واضح ہو کہ نجاست کی مقدار کو وزن کے اعتبار سے نہیں دیکھا جاتا، اور پیپ اور کچ لہو کا وہی حکم ہے جو خون کا ہے۔

۶۔ گھوڑے، خچر اور گدھے کا پیشاب یا لید جو مویشیوں کے چرانے، چارہ ڈالنے یا انہیں باندھنے والوں یا اسی قسم کا کام انجام دینے والوں کے کپڑے یا بدن یا نماز کی جگہ پر لگ جائے تو معاف ہے، اس لحاظ سے کہ اس سے بچنا مشکل ہے۔

۷۔ اسی طرح مکھی، مچھر یا چیونٹی اگر اپنے منہ یا پاؤں میں لگی ہوئی نجاست لے کر آئے اور کسی کے بدن یا کپڑے پر اس کا اثر چھوڑ جائے تو وہ معاف ہے، کیونکہ اس سے بچنا دشوار ہے۔ لیکن اگر بڑا چیونٹا ہو تو وہ معاف نہیں، کیونکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے۔

Marfat.com

۸۔ پچھنا لگنے کی جگہ پر خون کا اثر باقی رہے اور اسے دھجی وغیرہ سے پونچھ دیا جائے تو وہ معاف ہے، یہاں تک کہ وہ جگہ ٹھیک ہو جائے، پھر اسے پانی سے دھو دیا جائے۔

۹۔ بارش کا وہ پانی یا کیچڑ جس میں نجاست کی آمیزش ہو اور بارش کے دوران یا بارش کے بعد کسی راستے میں موجود ہو اور کسی شخص کے لباس یا پیروں میں لگ جائے تو اس کے معاف ہونے کے چند شرطیں ہیں:

اول یہ کہ فی الواقع یا بگمان غالب نجاست کا حصہ پانی یا کیچڑ سے زیادہ نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ نجاست پانی یا کیچڑ کے سوا کسی اور طرح سے نہ لگی ہو۔ تیسرے یہ کہ اس کیچڑ یا پانی سے ملوث ہونے میں خود اس شخص کو دخل نہ ہو، مثلاً یہ کہ اس نے صاف رستہ چھوڑ کر نجاست والا راستہ اختیار کیا ہو۔

واضح ہو کہ سڑکوں پر چھڑکاؤ کے پانی کا بھی وہی حکم ہے جو بارش کے پانی یا کیچڑ کا۔ یہی حال تالاب وغیرہ کا ہے جہاں نہانا دھونا ہوتا ہے۔

۱۰۔ وہ پیپ جو ایک سے زائد پھوڑوں سے بہے۔ یہ اپنے آپ بہے یا دبانے سے بہے، اور خواہ بے ضرورت دبایا جائے، کیونکہ پھوڑے زیادہ ہوں تو بھینچنے یا دبانے کی ضرورت پڑتی ہی رہتی ہے، جو مادہ اس سے خارج ہو وہ معاف ہے، اگرچہ مقدار درہم سے زیادہ ہو۔ صرف ایک پھوڑا ہو تو جو مادہ اس سے خود بہے یا ضرورتاً دبا کر نکالنا پڑے وہ معاف ہے اگر بلا ضرورت دبا کر نکالا جائے تو ایک درہم کی مقدار سے زیادہ معاف نہیں ہے۔

۱۱۔ مچھروں کی بیٹ معاف ہے۔ خواہ زیادہ ہو، لیکن اگر اس میں بہتا ہوا خون ہے تو اس کی بیٹ نجس ہے، لیکن معاف ہے، البتہ اس کے خون کا حکم دوسرے خون کی مانند ہے، اور ایک درہم بغلی سے زیادہ کی مقدار معاف نہیں ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

۱۲۔ سوتے ہوئے آدمی کے منہ سے معدہ کا جو پانی زرد رنگ والا بدبودار بہتا ہے، وہ نجس ہے، لیکن معذوری کے باعث معاف ہے۔

۱۳۔ مری ہوئی چیچڑی تھوڑی تعداد میں، یعنی تین یا اس سے کم ہو تو معاف ہے۔

۱۴۔ نجاست کا کچھ اثر جو پیشاب یا پاخانے کے مقام پر ڈھیلے یا پتھر وغیرہ سے پاک کرنے کے بعد باقی رہے وہ معاف ہے۔ اگر پھیل نہ گیا ہو تو اسے پانی سے دھونا واجب نہیں، اگر پھیل گیا ہو تو پانی سے دھونا لازم ہے۔ عورتوں کی شرم گاہ سے نجاست زائل کرنے کے لیے پانی کا استعمال لازم قرار دیا گیا ہے، اس کی تفصیل استنجا کے باب میں آئے گی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ نجاست کی دو قسمیں ہیں: مغلظہ اور مخففہ (امام موصوف کے نزدیک) مغلظہ تو وہ نجاست ہے جس کے نجس ہونے کے بارے میں تصریح وارد ہو اور اس کے خلاف کوئی اور صراحت نہ ہو۔ اور مخففہ (ان کے نزدیک) وہ نجاست ہے جس کے نجس ہونے کی نص آئی ہو، لیکن دوسری نص اس کے خلاف بھی موجود ہو، جیسے حلال جانور کا پیشاب کہ اس کے متعلق حدیث استنزھوا من البول (یعنی پیشاب کو دھوڈالا کرو) سے ثابت ہوتا ہے کہ پیشاب تمام ہی گندے ہیں۔ اور اہل عرینہ کے متعلق جو حدیث ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حلال جانور کا پیشاب پاک ہے۔ ان دونوں نصوص کے تعارض کے باعث اس کو نجاست خفیفہ قرار دیا گیا۔

Marfat.com

حدیث عرینیین کی تفصیل یوں ہے کہ قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ مدینہ منورہ میں آئے۔ وہاں کی آب و ہوا انہیں موافق نہ آئی۔ ان کے رنگ زرد پڑ گئے اور پیٹ میں نفخ ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ یہ لوگ جائیں اور صدقہ کے اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پئیں۔ چنانچہ وہ گئے اور پیا، اس سے انہیں شفا حاصل ہوئی۔

نجاست مغلظہ میں چند امور کو درگزر کیا جاتا ہے، چنانچہ ایک درہم کی مقدار نجاست معاف ہے۔ نجاست کثیفہ (غیر مائع) کی صورت میں معافی کی مقدار بیس قیراط وزن تک ہے۔ اور مائع نجاست ہتھیلی کے گڑھے کی مقدار تک معاف ہے۔ یہ مقدار صحت نماز کے لیے معاف ہے، اس کے باوجود اگر نماز پڑھی جائے تو مکروہ تنزیہی ہوگی۔ اور اسے مکروہ تحریمی قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ معافی کا تقاضا یہ ہے کہ اس عمل میں گناہ متصور نہ ہو۔ البتہ ایک درہم کی مقدار نجاست ہو تو اس کے زائل کرنے کی تاکید بہ نسبت اس سے کم مقدار کی نجاست کے زیادہ ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ وہ مکروہ تحریمی ہے۔

بلی اور چوہے کے پیشاب اور ان کے فضلے کا جو ظاہر ہو جائے بحالت مجبوری یہی حکم ہے۔ پس چوہے کی مینگنی اگر گندم میں پڑ جائے اور اتنی زیادہ نہ ہو کہ اس کا اثر نمایاں ہو جائے تو معاف ہے۔ اور اس کا پیشاب کنوئیں میں پڑ جائے تو وہ بھی مجبوری کے پیش نظر معاف ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب کہ مثلاً ان دونوں میں سے کوئی شے کپڑے یا برتن کو لگ جائے تو وہ معاف نہ ہوگی کیونکہ اس سے بچنا ممکن ہے۔ اسی طرح بلی کا پیشاب کپڑے جیسی چیز پر لگ جائے تو مجبوری کی حالت میں معاف ہے، برخلاف اس کے جب کہ اس کا پیشاب پاخانہ کپڑے جیسی شے کے علاوہ کسی اور چیز پر لگ جائے تو وہ معاف نہ ہو گا۔ ناپاک چیز کا دھواں اور غبار معاف ہے، چنانچہ اگر ہوا غلاظت پر سے گزر کر آئے اور کپڑوں کو لگے تو مضائقہ نہیں، اگرچہ ہوا کے ساتھ اس کی بو بھی آ رہی ہو۔ اسی طرح اگر کھاد کا غبار اڑ کر کسی چیز پر پڑ جائے تو حرج نہیں۔ پیشاب کی پھوار اگر نہایت باریک سوئی کی نوک کی طرح ہو کہ نظر نہ آتی ہو، تو معاف ہے، خواہ بدن یا کپڑے پر لگ جائے، کیونکہ مجبوراً یہ سمجھا جائے گا کہ گویا وہ نہیں ہے۔ اسی طرح خون جو قصاب یعنی ذبح کرنے والے پر ضرورۃً لگے صرف اس کے حق میں معاف ہے۔ اگر پیشاب کی پھوار سے کپڑا متاثر ہوا اور وہ تھوڑی مقدار پانی میں جا پڑے تو پانی ناپاک ہو جائے گا کیونکہ یہ صورت مجبوری کی نہیں ہے۔ مجبوری کی صورت یہ ہے کہ کوئی مکھی نجاست سے اڑ کر نمازی کے کپڑے پر اس کا اثر چھوڑ جائے تو یہ معاف ہے۔ میت کو نہلانے کے دوران غسل کے پانی سے نہلانے والے کا محفوظ رہنا ممکن نہیں، لہٰذا وہ پانی قابل درگزر ہے۔ ایسا ہی حکم راستوں کی کیچڑ کا ہے جس میں نجاست غالب ہو، مگر نظر نہ آتی ہو۔ نجاست خفیفہ کپڑے اور بدن کے ایک چوتھائی حصے تک معاف ہے۔ نجاست خفیفہ جب ہی نظر آتی ہے کہ غیر مائع اشیاء پر لگے، کیونکہ مائع اشیاء میں نجاست پڑ جائے تو وہ تمام نجس ہوتا ہے۔ وہاں مخففہ اور مغلظہ میں فرق نہیں رہتا اور اس میں وزن یا پیمائش کا اعتبار ہی نہیں رہتا۔

اونٹ اور بھیڑ بکری کی مینگنی کسی کنوئیں یا برتن میں پڑ جائے تو معاف ہے، بشرطیکہ اس کی مقدار بہت زیادہ نہ ہو، یا چورا چورا ہو کر اس شے کی رنگت نہ بدل گئی ہو جس میں وہ جا پڑی۔ تھوڑی سی نجاست وہی معاف ہے جو دیکھنے میں تھوڑی نظر آئے، ورنہ اسے زیادہ سمجھا جائے گا۔

گدھے کی لید اور گائے اور ہاتھی کا گوبر، خشک ہو یا تر، صرف مجبوری اور ناگزیر حالات میں معاف ہے۔

Marfat.com

شافعیہ کہتے ہیں کہ معافی کی صورتیں یہ ہیں: وہ نجاست جو عام طور پر نظر نہ آئے، خواہ وہ مغلظہ ہی کیوں نہ ہو۔ وہ دھواں جو نجس چیز کے آگ میں جلنے سے نکلے۔ برخلاف اس ابخرے کے جو بغیر آگ کے اس سے خارج ہو، وہ پاک ہے۔ نجاست کا وہ اثر جو ڈھیلے سے استنجا کرنے کے بعد باقی رہ جائے۔ یہ صرف استنجا کرنے والے کے لیے معاف ہے، دوسرے کے لیے نہیں۔ چنانچہ اگر ایسا شخص کم مقدار پانی میں داخل ہوا اور نجاست کا وہ اثر پانی میں شامل ہو جائے تو وہ پانی ناپاک ہو جائے گا۔ راستے کی کیچڑ جس میں نجاست کے شامل ہونے کا یقین ہو تو وہ معاف ہے۔ اگر اس کیچڑ میں نجاست کا ہونا مشکوک ہو یا گمان ہو تو وہ پاک ہوگی، اسے قابل درگزر نجس کے زمرہ میں شمار نہ کیا جائے گا۔ لیکن راستہ کی کیچڑ معاف ہونے کی چار شرطیں ہیں:

اول یہ کہ اصل نجاست عیاں نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ چلنے والے نے اس سے بچ کر چلنے کی کوشش کی ہو، بایں طور کہ دامن کو سمیٹ رکھے اور چھکڑ کاؤ وغیرہ کے سامنے سے نہ گزرا ہو۔ تیسرے یہ کہ وہ نجاست پیدل یا سواری پر چلتے ہوئے لگی ہو، کیونکہ اگر وہ زمین پر گر پڑا اور اس کے کپڑے آلودہ ہو گئے تو یہ معاف نہیں ہے، کیونکہ ایسا کم ہی ہوتا ہے۔ اور چوتھی شرط یہ کہ نجاست اسی کے کپڑے پر یا بدن پر لگی ہو۔ وہ روٹی جس کو نجس شے کی راکھ پر سینکا گیا ہو یا اس کی گرم راکھ میں دیا گیا ہو اگر چہ کچھ راکھ اس میں لگی رہ جائے، معاف ہے، گو اس کا جھاڑ دینا آسان ہو۔ اسی طرح اگر وہ راکھ دودھ وغیرہ میں پڑ جائے اور اس کا اثر ظاہر ہو یا کسی کپڑے پر لگ جائے تو معاف ہے۔

میووں اور پنیر کا کیڑا اگر اسی میں مرجائے تو وہ نجس ہے لیکن معاف ہے۔ یہی حکم پنیر مایہ کا ہے جس سے پنیر تیار ہوتا ہے۔ اور وہ مائع نجس جو دواؤں اور عطریات میں ان کی اصلاح کے لیے ملایا جاتا ہے، وہ اتنی ہی مقدار میں جس سے اصلاح ہو سکے، معاف ہے۔ اسی طرح جس طرح پنیر مایہ (جو بذات خود نجس شے ہے) پنیر کی تیاری کے لیے کام میں آتا ہے۔ وہ کپڑا جو ناپاک راکھ سے بنائی ہوئی دیوار پر پھیلایا جائے اور کچھ راکھ اس پر لگ جائے تو معاف ہے کیونکہ اس سے بچنا دشوار ہے۔ مری ہوئی جوؤں کے گچھے (پنچڑی کے انڈے) اور مکھی کی بیٹ خواہ زیادہ ہو معاف ہے۔ پرندوں کی بیٹ، فرش پر ہو یا زمین پر، تو اس کے معاف ہونے کی چند شرطیں ہیں: اول یہ کہ عمداً اس پر نہ چلا جائے۔ دوم یہ کہ دونوں میں سے ایک جانب سے تر نہ ہو، سوا اس کے کہ ایسا ہونا ناگزیر ہو۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ راستے میں تری پائی جائے اور اس پر سے گزرنا طے کر لیں تو رطوبت ہونے اور قصداً اس پر چلنے کے باوجود معاف ہے۔ سوم یہ کہ اس سے بچنا دشوار نہ ہو۔ مقبرہ کی مٹی جہاں سے میت کو کھود کر نکالا گیا ہو اور ناپاک جانور کے بال تھوڑی مقدار میں معاف ہیں، بشرطیکہ وہ بال کتے یا سور کے یا ان سے پیدا ہونے والے یا ان کا جوڑ کسی اور جانور کے ساتھ لگنے سے پیدا ہونے والے جانور کے نہ ہوں۔ کتے اور سور کے بال تھوڑی سی مقدار میں بھی اسی طرح معاف نہیں جس طرح کتے اور سوری کے ناپاک بال زیادہ مقدار میں معاف نہیں۔ لیکن بال تراشنے والے اور سوار کرنے والے کے لیے معاف ہیں، کیونکہ اس سے بچنا دشوار ہے۔

مچھلی کا فضلہ پانی میں مل جائے اور پانی کا رنگ نہ بدلا ہو اور بے ضرورت اس فضلے کو پانی میں نہ ڈالا گیا ہو، تو معاف ہے۔ وہ خون جو گوشت یا ہانڈی پر لگ ہوا ہو اور اس ہڈی یا گوشت کو دھوئے بغیر ہانڈی میں چڑھا دیا جائے تو معاف ہے، اگر چہ شوربے کے رنگ میں تبدیلی آ گئی ہو۔ اگر گوشت یا ہڈی کا خون انڈی میں دھو یا جائے یہاں تک کہ پانی صاف نچڑنے لگے

Marfat.com

تو وہ پانی پاک ہے۔ اگر پانی صاف نہ ہو تو وہ نجس ہے اور معاف نہیں ہے۔ البتہ اگر پانی میں معمولی سا رنگ باقی ہو تو کوئی حرج نہیں کیونکہ بالکل ہی اس کا رنگ جاتا رہنا ممکن نہیں ہے، لہٰذا عام طور پر جس طرح دھویا جاتا ہے دھو لینا چاہیے زیادہ دھونا معاف ہے۔

سوتے ہوئے شخص کے منہ سے جو لعاب بہے اگر یقین ہو کہ وہ معدہ سے خارج ہوا ہے، بدیں جہت کہ اس کا رنگ زرد اور اس میں بدبو ہے، تو یہ محض اس شخص کے لیے معاف ہے اگرچہ وہ زیادہ اور رقیق ہو۔ اگر اس کے معدہ سے خارج ہونے کی بابت شک ہو تو پاک ہے۔

اونٹ وغیرہ حیوانات کی مینگنی اور فضلہ ان کے لیے معاف ہے جن کو ان جانوروں سے کام پڑتا ہے، مثلاً رسی باندھ کر اپنے پیچھے چلانا یا کوئی اور کام۔ یہی حکم مویشی کے گوبر اور پیشاب کا ہے جو گاہنے کے وقت اناج پر پڑ جاتا ہے۔ چوہے کی مینگنی اگر غسل خانہ کے حوض میں، جس سے استنجا کیا جاتا ہے، پڑ جائے، اور اس کی مقدار زیادہ نہ ہو، کہ پانی کی خصوصیات میں سے کسی خصوصیت میں فرق آجائے تو معاف ہے۔ اور مرحمہ جس کو علاج کے لیے نجس عضو پر رکھا جائے تو معاف ہے، بشرطیکہ علاج کے لیے یہ ناگزیر ہو۔ گوبر یا نجاست کا اثر جو دودھ دینے والے جانور کے تھن سے دوہنے کے وقت دودھ میں آجائے، یا گوبری مٹی سے شہد کی مکھی کا مصنوعی چھتہ بنایا جائے اور شہد میں اس کا اثر ہو تو معاف ہے۔ بچے کے منہ کی نجاست دودھ پلانے میں پلانے والی کی پستان کو لگ جائے یا بچے کا تر منہ چومتے ہوئے چومنے والے کے منہ میں لگ جائے تو معاف ہے۔ ایسا جاندار جس میں بہتا ہوا خون نہ ہو جیسے چیونٹا، بھڑ یا شہد کی مکھی وغیرہ کسی رقیق شے میں گر کر مر جائے اور اسے نجس کر دے تو اس شے کا کھانا روا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس مرے ہوئے جاندار سے اس شے میں کوئی تبدیلی نہ آئی ہو، اور اس جانور کو کسی شخص یا کسی جانور نے قصداً نہ اس میں ڈالا ہو، بلکہ ہوا کے جھونکے سے از خود آن پڑا ہو۔ گودنے (وشم) کا داغ جو کسی عضو پر خون نکلنے کے باعث پڑ جائے اور نیل وغیرہ کوئی چیز لگانے سے نیلا یا ہرا ہو جائے یہ نیلا یا ہرا نشان جو باقی رہتا ہے معاف ہے، بشرطیکہ یہ عمل کسی ایسی ضرورت سے کیا گیا ہو کہ اس کے بغیر کوئی اور عمل کارآمد نہ ہو۔ (وشم کے معنی جلد میں سوئی وغیرہ چبھونے کے ہیں جس سے خون نکل آئے) گودنے کا داغ اس حالت میں بھی معاف ہے کہ وہ اس وقت کا ہو جب کہ وہ شخص غیر مکلف (مذہبی احکام کی پابندی سے مستثنیٰ تھا) یا پھر ایسی صورت ہو کہ وہ شخص مکلف تو ہو لیکن داغ کے مٹانے میں ایسی مضرت لاحق ہو جائے کہ جس سے تیمم روا ہو جاتا ہے۔

خون کی وہ مقدار جو معاف ہے اس کی تفصیل یہ ہے

اول وہ معمولی سا خون جو عام نظر سے دکھائی نہ دے، خواہ وہ خون نجاست مغلظہ ہو، جیسے کتے یا سور کا۔ دوسرا خون وہ ہے جس کو عام نظر دیکھ سکے۔ ایسا خون کتے یا سور کا ہو تو معاف نہیں، کسی اور کا ہے تو اب یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ خون اپنا ہے یا غیر کا، اگر غیر کا ہے اور اس کی مقدار بہت تھوڑی ہے تو معاف ہے، بشرطیکہ خود ہی اس سے آلودہ نہ ہوا ہو اور اس خون میں کسی اور شے کی آمیزش نہ ہوئی ہو۔ لیکن یہ حکم پسو وغیرہ کے خون کا نہیں ہے جس میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا۔ پسو وغیرہ کا خون زیادہ مقدار میں بھی معاف ہے، لیکن اس معاف کی تین شرطیں ہیں: اول یہ کہ یہ خون خود اس نے یا اس کی رضامندی سے کسی اور نے (خواہ وہ غیر مکلف ہو) نہ نکالا ہو، ورنہ صرف اس صورت میں معاف ہے جب کہ وہ زیادہ مقدار میں نہ ہو۔ دوم یہ کہ اس

۱۲۵۴۷۱

Marfat.com

اس امر کا بیان کہ کس چیز سے نجاست زائل کی جاسکتی ہے؟ اور زائل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

نجاست دور کرنے والی چند چیزیں ہیں۔ ان میں سے ایک پاک کرنے والا پانی ہے۔ نجاست دور کرنے کے لیے پانی کا محض پاک ہونا کافی نہیں ہے۔[1] پاک کرنے والے پانی اور پاک پانی کی

خون میں کسی اور چیز کی، جس سے بچنا دشوار نہ تھا، آمیزش نہ ہوگئی ہو، ورنہ صرف اسی صورت میں معاف ہے جس کی مقدار تھوڑی ہو۔ سوم یہ کہ یہ خون جس لباس پر لگا ہے اس کا استعمال ضروری ہو، خواہ زیب وزینت ہی کے لیے کیوں نہ ہو۔

اب وہ صورت لیجیے جب کہ خون اپنا ہی ہو۔ اس صورت میں دیکھنا چاہیے کہ آیا وہ خون جسم کے قدرتی راستوں سے خارج ہوا ہے۔ مثلاً ناک، کان یا آنکھ سے، اور مقدار بھی معمولی سی ہے، تو بقول معتبر معاف ہے۔ لیکن اگر قدرتی راستوں سے نہیں نکلا، مثلاً پھوڑے، پھنسی یا پچھنا لگانے سے نکلا ہے اور زیادہ مقدار میں ہے تو اس کے معاف ہونے کی تین شرطیں ہیں: اول یہ کہ یہ خون پھوڑے کو دبا دبا کر قصداً نہ نکالا گیا ہو۔ ایسا خون صرف تھوڑی مقدار میں معاف ہے، البتہ فصد اور پچھنے کی صورت میں زیادہ مقدار بھی معاف ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ خون اپنی جگہ سے تجاوز نہ کر گیا ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس خون میں کسی اور جز مثلاً پانی کی بے ضرورت آمیزش نہ ہوئی ہو۔ واضح ہو کہ معافی کی یہ رعایت صرف اسی شخص کے لیے ہے۔ چنانچہ اگر وہ خون کسی دوسرے شخص کو یا اس شخص سے پیوستہ کسی چیز کو لگ جائے تو معاف نہیں۔ اور یہ جو کہا گیا کہ اپنی جگہ سے تجاوز نہ کرے، اس شرط میں اپنی جگہ سے مراد ہاتھ وغیرہ (عضو) ہے، صرف پھوڑے سے متاثرہ جگہ مراد نہیں ہے۔ اور لفظ کم یا زیادہ کا مطلب یہ ہے کہ جس کو عام طور پر کم یا زیادہ سمجھا جاتا ہے۔ اگر اس کی مقدار کو کم یا زیادہ قرار دینے میں شبہ ہو تو اصولاً اس مقدار کو معاف سمجھنا چاہیے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ معافی ان چند صورتوں میں ہے: خون، کچ لہو یا پیپ کی مقدار ادنیٰ سی ہو، اور ادنیٰ سی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان خود اس کو معمولی سمجھتا ہو۔ لیکن یہ معمولی سی مقدار معاف اس صورت میں ہے جب کہ یہ کسی رقیق شے یا غذا کو نہ لگے۔ اگر ایسی شے کو لگ جائے تو معاف نہیں ہے۔ اگر یہ خون وغیرہ اشیائے مذکورہ کسی کپڑے پر جا بجا لگ جائے اور ان سب کا مجموعہ معمولی ہی سا ہے تو معاف ہے، ورنہ نہیں۔ البتہ دو یا زیادہ کپڑوں میں لگے تو ان سب کے مجموعے کا لحاظ نہیں بلکہ ہر کپڑے کو جدا جدا تصور کیا جائے۔ نجاست دور کرنے (استنجا) کے لیے جتنے ڈھیلے درکار ہیں ان کو پورا کرنا کے بعد ڈھیلے کا کچھ اثر محل نجاست پر باقی رہے تو معاف ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ پیشاب اگر مسلسل آتا ہے اور اس سے بچنے کی پوری احتیاط کی گئی ہو تو دشواری کے پیش نظر معاف ہے۔ نجس شے کا دھواں اور غبار بھی معاف ہے، بشرطیکہ اس نجس شے کی خصوصیات نمایاں نہ ہوں۔ قابل درگذر نجاست سے ملا ہوا پانی بھی اگر معمولی سا ہو تو معاف ہے۔ آنکھ میں کوئی نجاست لگ جائے اور اس کو دھونا نقصان دہ ہو تو معاف ہے۔ راستہ کی معمولی سی کیچڑ بھی جو نجاست پڑنے سے ناپاک ہوگئی ہو معاف ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ پاک پانی پاک کرنے والا نہیں ہوتا، پاک کرنے والی شے کی مانند ہوتا ہے، جیسا کہ اوپر بیان

Marfat.com

تفصیل اس بحث کے بعد پانی کی اقسام کے بیان میں آئے گی۔ پانی سے نجاست آلودہ جگہ کو کس طرح پاک کیا جائے اس کی بابت مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

ہوا۔ اسی طرح پاک رقیق شے جو نچوڑنے سے نچڑ جائے جیسے سرکہ اور عرق گلاب یہ تینوں اشیاء لباس، بدن اور جگہ کو جو نجاست مرئی اور نجاست غیر مرئی نیز نجاست غلیظہ سے آلودہ ہو، پاک کر سکتی ہیں۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ کپڑے کو ایک بار دھو لیا جائے تو پاک ہو جاتا ہے، بشرطیکہ نظر آنے والی نجاست غائب ہو جائے۔ لیکن یہ جبھی ہوگا کہ بہتے پانی میں دھویا جائے، یا اس پر پانی بہایا جائے۔ اگر کسی برتن میں دھویا جائے، یا اس پر پانی بہایا جائے۔ اگر کسی برتن میں دھویا جائے تو تین بار دھونے اور ہر بار نچوڑنے کے بغیر پاک نہ ہوگا۔ ناپاک رنگ والے پانی سے کپڑا رنگا جائے تو صاف پانی میں اس طرح نکالنے سے کہ پانی صاف آنے لگے وہ پاک ہو جائے گا، گو رنگ باقی رہے، کیونکہ ناپاکی کا اثر باقی رہ جانے سے کوئی حرج نہیں ہوتا۔ چنانچہ ناپاک جگہ پر (صاف کرنے کے بعد) نجاست کی بو یا رنگ باقی ہے اور اس کا دور کرنا دشوار ہو تو وہ جگہ پاک ہی متصور ہوگی۔ یہاں پر اس امر کو دشواری میں داخل سمجھا جائے گا کہ اس کو صاف کرنے کے لیے پانی کے علاوہ صابن وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ نجاست آلود مہندی سے خضاب کرنے کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر کسی نے ناپاک پانی سے گندھی ہوئی مہندی سے خضاب کر لیا تو اسے پانی سے اتنا دھویا جائے کہ صاف پانی آنے لگے تو وہ جگہ پاک ہو جائے گی۔ یہی صورت گودنے (یا پچھنے) کے داغ کی ہے۔ چنانچہ اگر ہاتھ یا ہونٹ پر سوئی چبھوئی گئی اور خون آ گیا، پھر اسی جگہ رنگ رکھ دیا اور زخم بھر گیا تو وہ رنگ نجس ہے لیکن پانی سے اس کا دھوڈالنا ممکن نہیں، لہٰذا اس کی تطہیر کا یہی طریقہ ہے کہ پانی سے دھویا جائے کہ صاف پانی آنے لگے۔

ناپاک تیل کی چکنائی (دھونے کے بعد) کچھ باقی رہے تو کوئی حرج نہیں۔ برخلاف مردار کی چربی کے کیونکہ وہ خالص نجاست ہے۔

جس صورت میں نظر نہ آنے والی نجاست کسی شے پر لگ جائے تو دھونے سے وہ شے پاک ہو جاتی ہے۔ کتنی بار دھونا چاہیے؟ اس کی تعداد مقرر نہیں ہے۔ دھونے والے کو یہ گمان غالب ہو جانا چاہیے کہ وہ نجاست دور ہو گئی ہے۔ البتہ وسوسہ مٹانے کے لیے تین بار نچوڑ نچوڑ کر دھونے کی تعداد مقرر کی گئی ہے۔ جگہ یعنی (فرش یا) زمین پاک کرنا ہو تو اس پر تین بار پانی بہایا جائے اور ہر بار پاک کپڑے سے پونچھ لیا جائے۔ لیکن اگر اس پر خوب پانی بہا دیا جائے کہ نجاست کا کوئی اثر بظاہر باقی نہ رہے تو وہ جگہ پاک ہو جائے گی۔ خشک ہو جانے سے بھی زمین پاک ہو جاتی ہے، پانی بہانا ضروری نہیں۔ بدن پر سے نجاست مرئیہ (جو دکھائی دیتی ہو) دور کر دی جائے تو بدن پاک ہو جاتا ہے۔ بدن کے علاوہ دوسری اشیاء کا پاک ہونا گمان غالب پر موقوف ہے۔

ظروف تین طرح کے ہوتے ہیں: مٹی کے یا لکڑی کے اور لوہے وغیرہ کے۔ برتن ناپاک ہو جائے تو اس کے پاک کرنے کے چار طریقے ہیں: آگ پر گرم کرنا، چھیلنا، رگڑنا اور دھونا۔ اگر مٹی یا پتھر کا برتن ہے اور نیا ہے کہ نجاست اس کے اندر سرایت کر گئی ہے تو اسے آگ پر تپا کر پاک کیا جائے لیکن پرانا ہے تو بہ طریق مذکورہ بالا دھوڈالنے سے پاک ہو جائے گا۔

Marfat.com

لکڑی کا ہو اور نیا ہو تو چھیلنے سے اور پرانا ہو تو اسی طرح دھونے سے پاک ہوگا۔ اگر لوہے، پیتل، تانبے یا شیشے کا ہے اور شفاف ہے تو رگڑنے، پونچھنے سے پاک ہو جائے گا، اور اگر کھردرا ہے تو دھونے سے پاک ہوگا۔

ناپاک مائع شے، مثلاً تیل یا گھی پانی بہانے سے پاک ہو جاتی ہے، تین بار بہانا ضروری نہیں۔ یا اسے ایسے برتن میں رکھا جائے جس کے نیچے سوراخ (بند) ہو پھر اس میں پانی ڈالا جائے تو تیل اوپر آ جائے گا۔ پہلے اس کو ہلا دیں، پھر اس کے بعد سوراخ کھول دیں کہ پانی بہہ جائے۔ یہ عمل اس صورت میں ہے جب کہ وہ (تیل یا گھی) رقیق ہو۔ لیکن اگر جما ہوا ہو تو نجس شے کو اس کے اوپر سے اٹھا کر پھینک دیں۔ شہید کو پاک کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ اس پر پانی ڈال کر جوش دے لیں۔ یہاں تک کہ پہلی حالت ہو جائے۔ تین بار اسی طرح کیا جائے۔

پانی اگر ناپاک ہو گیا ہو تو بہا دینے سے وہ پاک ہو جاتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک طرف سے پانی ڈالا جائے اور دوسری طرف سے بہہ جائے۔ چنانچہ اگر کسی نالی (یا تھملے) میں نجس پانی ہو، پھر اس پر صاف پانی ایک سمت سے ڈالا جائے کہ وہ نالی بھر جائے اور اس کا پانی دوسری جانب سے بہہ جائے تو اب وہ ماء جاری (بہتے ہوئے پانی کے زمرے میں) ہوگا اور پاک ہو جائے گا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ جس قدر پانی پہلے سے تھا اس کے برابر پانی باہر بہہ جائے اسی طرح اگر ناپاک پانی کسی تھالی یا پیالے میں ہو پھر اس میں صاف پانی ڈالا جائے اور وہ پانی اس کے کناروں سے بہہ جائے تو راجح قول کے مطابق وہ پاک ہو جائے گا، اگرچہ اتنی مقدار میں پانی نہ نکلا ہو جتنا کہ اس میں پہلے سے موجود تھا۔ کنوئیں اور حمام کا حوض بھی اس طرح پاک ہو جاتا ہے اور اسی طرح وہ پانی پاک کرنے والا ہو جاتا ہے۔ حنفیہ نے کچھ اور چیزوں کو بھی پاک کرنے والی اشیاء قرار دیا ہے، مثلاً ''رگڑنا'' اور وہ یہ ہے کہ نجس آلودہ اشیاء کو خوب اچھی طرح زمین پر رگڑ کر صاف کیا جائے اسی طرح 'کھرچنا' بھی ہے کہ ہاتھ سے یا لکڑ سے۔ کھرچ کر نجاست کو دور کر دیا جائے۔ اسے 'حک' کہتے ہیں۔ اس عمل سے موزہ یا جوتا پاک ہو جاتا ہے، بشرطیکہ نجاست جسم والی ہو، خواہ گیلی ہو جو خشک ہونے پر بھی نظر آئے جیسے غلاظت اور خون۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ''**اذا اتی احدکم المسجد فلیقلب نعلیه فان کان بهما اذی یمسحهما بالارض لهما طهور**'' (یعنی تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو پہلے اپنے جوتے کو پلٹ کر دیکھے، اگر اس میں نجاست لگی ہوئی ہو تو اسے چاہیے کہ زمین پر رگڑ کر صاف کر لے، کیونکہ زمین انہیں پاک کرنے والی چیز ہے)۔ اگر نجاست جسم رکھنے والی نہیں ہے تو اسے پانی سے دھونا واجب ہوگا، خواہ وہ سوکھ گئی ہو۔ نجاست دور کرنے کا ایک طریقہ 'پونچھنا' بھی ہے۔ نجاست لگی ہوئی شفاف اشیاء جیسے تلوار، آئینہ، ناخون، ہڈی، شیشہ اور روغنی ظروف وغیرہ جو کھردر نہ ہوں پونچھنے سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح پچھنے کی جگہ کو تین بار صاف اور تر کپڑے سے پونچھ دیا جائے تو وہ جگہ پاک ہو جائے گی۔ پاک کرنے کا ایک طریقہ دھوپ یا ہوا میں خشک کرنا بھی ہے۔ چنانچہ خشک ہونے سے زمین اور جو کچھ اس کے ساتھ قائم ہے پاک ہو جاتی ہے، جیسے درخت اور گھاس۔ بخلاف فرش، بوریا، یا دوسری منقولہ اشیاء کے کہ یہ اشیاء بغیر دھوئے نجاست سے پاک نہ ہوں گی۔ زمین کا سوکھ کر پاک ہو جانا آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے ثابت ہے: ''**ذکاۃ الارض یبسها فتصح الصلوٰۃ علیها ولکن لا یجوز منها التیمم**'' (یعنی نجس آلودہ زمین خشک ہونے سے پاک ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس پر نماز پڑھنا درست ہے، لیکن تیمم جائز نہیں) اس کا سبب یہ ہے کہ جو شے پاک ہو جائے تو ضروری نہیں کہ وہ پاک کرنے والی بھی ہو۔ تیمم کے لیے لازم ہے کہ وہ مٹی پاک کرنے والی ہو، جس طرح وضو کے لیے

Marfat.com

پاک کرنے والا پانی ضروری ہوتا ہے۔ پاک کرنے کا ایک اور طریقہ مَل کر صاف کر دینا ہے، چنانچہ اس طرح خشک منی کو صاف کیا جاسکتا ہے لیکن اگر گیلا ہو تو اس کا دھونا واجب ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: "فاغسلیه ان کان رطبا و افرکیه ان کان یا بسا" (یعنی گیلا ہو تو اسے دھو ڈال اور اگر سوکھا ہے تو اسے مل کر جھاڑ دو) کھرچنے مسلنے کے بعد اگر کچھ نشان رہ بھی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ کھرچنے سے وہ مادۂ تولیہ پاک ہو سکتا ہے جو پانی سے استنجا کرنے والے کا ہو۔ جس نے ڈھیلے سے استنجا کیا ہے اس کا نہ ہو۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ڈھیلے سے استنجا کی صورت میں وہ پیشاب جو پیشاب کے مقام سے خارج ہوتا ہے زائل نہیں ہوتا۔ پس اگر پیشاب نہ کیا ہو اور منی اس پر سے خارج میں نہیں آئی تو وہ کھرچنے سے پاک ہو جائے گی۔ منی داخل میں پیشاب (کی راہ) سے گزرے تو کوئی حرج نہیں۔ مرد کی منی اور وہ منی جو عورت کے اندر سے خارج ہو ایک ہی حکم میں ہیں، کیونکہ عورت کی منی مرد کی منی میں مخلوط ہوتی ہے۔ اور یہ حدیث سے ثابت ہے کہ مسلنے سے صاف ہو جاتی ہے۔ آدمی کے سوا کسی اور جاندار کی منی مسلنے سے صاف نہیں ہوتی۔ کیونکہ مسل کر پاک کرنے کی اجازت صرف آدمی کی منی کے بارے میں کسی اور کی منی کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

پاک کرنے کے طریقوں میں سے "دھنکنا" بھی ہے۔ چنانچہ (ناپاک) روئی دھنکنے سے پاک ہو جاتی ہے۔

سہولت کے پیش نظر کچھ اور باتوں کو بھی پاک کرنے والے طریقوں میں شمار کیا گیا ہے، مثلاً یہ کہ جما ہوا روغن ہو تو (نجاست لگے ہوئے حصے کو) نوچ کر پھینک دینے سے (باقی) پاک ہو جائے گا، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ اس عمل کو پاک کرنے والا مان لیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نجاست آلودہ حصہ کو پاک حصے سے علیحدہ کرنا پاک کرنا نہیں ہے، بلکہ یہ تو پاک شے سے ناپاک جزو کو نکال کر پاک اور ناپاک کو الگ الگ کر دینا ہے۔ چنانچہ کوئی نجس آلودہ شے اگر ایسے شخص کو دے دی جائے جو اس کی نجاست کو نہ دیکھ سکے (تو گو بظاہر اس شخص کے لیے پاک ہے) لیکن درحقیقت کسی کو دے دینا پاک کرنے والے اعمال میں نہیں شمار کیا جاسکتا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ نجاست لگی ہوئی جگہ کو پاک پانی سے دھو لیا جائے کہ پانی اس جگہ سے صاف آنے لگے، تو وہ جگہ پاک ہو جاتی ہے۔ اگرچہ یہ عمل ایک ہی بار کیا جائے۔ پانی میں میل کچیل کے باعث اگر کوئی تبدیلی آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ البتہ پاک ہونے کے لیے لازم ہے کہ نجاست کا ذائقہ زائل کر دیا جائے، خواہ اس میں دشواری ہو، کیونکہ ذائقہ کا باقی رہنا نجاست کے برقرار رہنے کی دلیل ہے۔ اسی طرح نجاست کی رنگت اور اس کی بو کا دور کرنا بھی اگر مشکل نہ ہو تو واجب ہے کہ اسے دور کیا جائے لیکن اگر اس میں دشواری ہو، جیسے ناپاک رنگ (کا چھڑانا) تو اسے پاک قرار دیا جائے گا۔ ناپاکی چھڑانے کے لیے گرم پانی لازمی شے نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ٹھنڈے پانی کے استعمال سے کوئی معذور ہو۔ اسی طرح غسل (کی تکمیل) کے لیے اشنان ☆ اور صابون کا استعمال ضروری نہیں ہے۔ نہانے کا پانی جس میں نجاست کی آمیزش سے تبدیلی آگئی ہو نجس ہے۔ البتہ اگر پانی کا صرف رنگ بدلا ہے یا میل کچیل سے تبدیلی آگئی ہو تو وہ پانی ناپاک نہ ہوگا۔ اگر کسی کپڑے، چٹائی، موزہ، یا جوتی کے نجس آلودہ ہونے کا شک ہو تو اس پر ایک بار "نضح" (پانی چھڑکنا) پاک کرنے کے لیے کافی ہے ("نضح" سے مراد پانی چھڑک دینا ہے) اگرچہ یہ پانی اس کی تمام جگہ پر نہ پہنچا ہو۔ لیکن اگر بدن یا زمین

☆: اشنان ایک قسم کی گھاس کی پتیاں ہیں جو ہاتھ وغیرہ کے دھونے کے کام آتی ہے۔

Marfat.com

کے نجاست آلود ہونے میں شک ہو تو بغیر دھوئے وہ پاک نہ ہوں گے۔ کیونکہ کسی شے کا محض پانی چھڑکنے سے پاک ہو جانا عام قاعدہ کے خلاف ہے، لہٰذا اس کی اجازت صرف انہی اشیاء کے لیے مخصوص ہوگی جن کی تصریح آ گئی ہے اور وہ اشیاء یہی چار چیزیں: کپڑا، چٹائی، موزہ اور جوتی ہیں۔ ان اشیاء کو بھی اگر پانی سے دھو ہی لیا جائے تو اس میں زیادہ احتیاط ہے، کیونکہ اصل طریقہ پاک کرنے کا یہی ہے اور چھڑکنے کا حکم محض سہولت کے لیے ہے۔

وہ زمین جس کے نجاست آلود ہونے کا یقین یا گمان غالب ہو تو وہ بکثرت پانی بہانے ہی سے پاک ہو سکتی ہے تاکہ اصل ناپاکی اور اس کی خصوصیات زائل ہو جائیں، جیسا کہ اس حدیث اعرابی سے ثابت ہوتا ہے جو مسجد میں پیشاب کرنے لگا۔ بعض صحابی چیخے، حضور علیہ السلام نے اسے اپنے حال پر چھوڑ دینے جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جس جگہ پر اس نے پیشاب کیا ہے وہاں پر پانی کے متعدد ذنوبؔ (ڈول) بہا دیے جائیں۔ (بروایت شیخین) ذنوب بفتح ذال کے معنے ڈول ہیں۔

نجاست آلودہ پانی میں اتنا پانی ڈالا جائے کہ نجاست کی تمام خصوصیات زائل ہو جائیں تو وہ پاک ہو جائے گا۔ پانی کے علاوہ دوسری رقیق اشیاء مثلاً تیل، گھی اور شہد کو تھوڑی مقدار میں نجاست ہو تب بھی ناپاک کر دیتی ہے اور پھر اس کو کسی صورت پاک نہیں کیا جا سکتا۔

حنابلہ نے زمین وغیرہ کے علاوہ اور اشیاء کو، جن کا ذکر آگے آئے گا، پانی سے پاک کرنے کا جو طریقہ بتایا ہے وہ یہ ہے کہ نجاست آلودہ اشیاء کو سات بار بہت صفائی ستھرائی کے ساتھ دھویا جائے۔ اس طرح کہ سات بار دھونے کے بعد نجاست کا نہ رنگ باقی رہے، نہ ذائقہ اور نہ بو، اگرچہ وہ نجاست ایسی تھی کہ سات بار دھوئے بغیر زائل نہیں ہوئی۔ اگر نجاست کتے کی یا سور کی یا ان میں سے کسی ایک سے پیدا ہونے والے جانور کی ہو، لگ جائے تو لازم ہے کہ سات بار میں سے کسی ایک مرتبہ پاک مٹی یا صابون وغیرہ لگا کر دھویا جائے اور بہتر یہ ہوگا کہ پہلی ہی بار دھوتے وقت مٹی وغیرہ کا استعمال کیا جائے۔ اگر سات بار دھونے پر بھی کسی نجاست کا اثر باقی رہے تو اس سے زیادہ اتنی بار دھویا جائے کہ نجاست بالکل جاتی رہے۔ تاہم اگر ذائقہ اب بھی نہ گیا ہو تو (وہ نجس آلود شے) پاک نہ ہوگی، لیکن قابل درگذر سمجھا جائے گا، البتہ رنگت یا بو ایسی چیزیں ہیں کہ ان دونوں کا یا ان میں سے کسی ایک کا زائل کرنا دشوار ہو تو (ان کی موجودگی میں بھی) سات بار دھونے سے نجاست آلود جگہ پاک ہو جائے گی۔

اگر کوئی ایسی شے ہے جس میں نجاست کو جذب کرنے کی خاصیت ہے اور اس کو نجاست لگ جائے تو اسے پاک کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ پانی میں نکال کر اگر نچوڑی جا سکتی ہے تو ہر بار خوب نچوڑا جائے۔ نچوڑنا اتنا ہو کہ کپڑے کو نقصان نہ پہنچے۔ اگر ایسی شے ہے جو نجاست کو جذب نہیں کرتی، مثلاً برتن، تو اسے سات دفعہ پانی میں دھونے اور ہر بار پانی پھینک دینے سے وہ چیز پاک ہوگی۔ نجاست جذب کرنے والی چیز اگر ایسی ہے جس کو نچوڑا جا سکتا تو اسے کوٹنا یا کسی بھاری چیز سے دبانا یا اس طرح الٹ پلٹ کرنا کہ سات دفعہ دھوتے وقت ہر بار اس پر سے پانی بہہ جائے اسے پاک کرنے کے لیے کافی ہے۔

نجاست آلودہ زمین یا اسی جیسی اور چیز مثلاً پتھر کی اینٹ یا بڑے حوض یا چھوٹے حوض جو گھروں میں ہوتے ہیں،

Marfat.com

ان کو پاک کرنے کے لیے اس کثرت سے پانی بہایا جائے کہ وہ لگی ہوئی نجاست دور ہو جائے۔

دودھ پیتا بچہ جو شوق سے کھانا نہ کھاتا ہو اس کے پیشاب سے پاک ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ آلودہ شے پر پانی ڈال دیا جائے، اگرچہ بہایا نہ گیا ہو۔ ایسے بچے کی قے کا بھی وہی حکم ہے جو پیشاب کا ہے۔

شافعیہ کے نزدیک پاک کرنے والے پانی سے نجاست مغلظہ کو دھونے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر نجاست کتے یا سور کی ہے یا اس جانور کی جو ان سے یا ان میں سے کسی ایک سے پیدا ہوا ہو تو واجب ہے کہ نجاست آلودہ جگہ کو سات بار دھویا جائے۔ سات بار میں سے کسی ایک مرتبہ پاک کرنے والی مٹی یعنی ایسی مٹی جو ناپاک نہ ہو اور جو تیمم میں استعمال نہ ہو سکتی ہو لگا کر دھویا جائے۔ مٹی سے مراد وہ عام مٹی ہے جس میں تیمم کی مخصوص مٹی کے علاوہ عام پاک مٹی بھی داخل ہے۔ چنانچہ اس میں بھوری، زرد، سرخ، سفید اور گیلی مٹی اور وہ مٹی جس میں کوئی اور پاک شے مثلاً آٹا کی آمیزش ہو سب شامل ہیں۔

مٹی لگا کر دھونے کی تین صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ نجاست آلود شے پر پانی ڈالنے سے پہلے پانی میں مٹی ملائی جائے۔ دوسری صورت ہے کہ پہلے پانی ڈالا جائے پھر مٹی لگائی جائے۔ تیسری صورت ہے کہ پہلے مٹی لگا کر پھر پانی ڈالا جائے۔ مٹی لگانے کے ان تین طریقوں میں سے کسی طریقے کو استعمال نہ کرنا چاہیے جب تک کہ پہلے لگی ہوئی جسم والی نجاست کو دور نہ کر لیا جائے۔ البتہ اگر نجاست جسم والی نہیں ہے اور نجاست آلودہ جگہ خشک ہے تو ان تینوں میں سے کسی بھی طریقے کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر نجس آلود جگہ گیلی ہے تو اس پر پہلے مٹی لگانا روا نہ ہوگا کیونکہ مٹی (نجاست کو زائل کرنے کی صفت میں) پانی کی بہ نسبت کمزور شے ہے۔ لہٰذا گندی جگہ پر پڑتے ہی وہ خود بھی گندی ہو جائے گی۔ ایسی صورتوں میں مٹی لگانے کے باقی دو طریقوں میں سے کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ اگر نجاست مغلظہ زمین پر کسی ایسی جگہ ہے جہاں ناپاک مٹی کے سوا اور مٹی بھی ہے تو وہاں پر وہی مٹی کافی ہے، سات بار پانی بہانے سے وہ جگہ پاک ہو جائے گی۔ (مزید مٹی کے استعمال کی ضرورت نہیں)۔

یہ امر ملحوظ رہے کہ دھوتے وقت سب سے پہلے لگی ہوئی نجاست کو دور کرنا چاہیے خواہ اس لیے کئی بار دھونا پڑے۔ اس کے بعد چھ بار اور دھونا ہو چاہیے۔ چنانچہ اگر پہلے نجاست کو دور کرنے کے لیے چھ بار دھونا پڑا تو اسے ایک بار شمار کیا جائے گا، اس کے بعد چھ بار اور دھونا ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ نجاست سات دفعہ یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ دھونے میں دور ہوئی تب بھی اس کو ایک ہی بار سمجھا جائے گا اور چھ بار مزید دھونا پڑے گا۔ لگی ہوئی گندگی کی خصوصیات ذائقہ، رنگت یا بو کے دور ہو جانے پر سات بار دھونے کی تعداد موقوف نہیں ہے۔ چنانچہ اگر یہ خصوصیات مثلاً سات بار دھوئے بغیر زائل نہ ہوئیں تو بھی اس کو سات بار دھونا شمار کر لیا جائے گا۔

نجاست خفیفہ کو زائل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ نجاست لگی ہوئی جگہ پر پانی چھڑک دیا جائے، اس طرح کہ تمام نجاست پر پھیل جائے، خواہ بہایا نہ جائے۔ واضح ہو کہ نجاست خفیفہ سے مراد ایسے بچے کا پیشاب ہے جو دو سال کا نہ ہوا ہو اور سوائے دودھ کے دوسری غذا نہ کھاتا ہو۔ ''دودھ'' میں ہر قسم کا دودھ ملائی اور مکھن شامل ہے، خواہ وہ آدمی کا دودھ ہو یا کسی اور کا۔ اس حکم کا اطلاق دودھ پیتی بچی اور خنثی مشکل کے پیشاب پر نہ ہوگا۔ ان کے پیشاب کا دھونا واجب ہے (چھڑکانا کافی نہیں) کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ''یغسل من بول الجاریة و یرش من بول الغلام'' (یعنی لڑکی کا

Marfat.com

پیشاب دھویا جائے اور لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑکا جائے)۔ اس باب میں مخنث اور مونث کا ایک ہی حکم ہے۔ اگر بچہ دو سال سے زیادہ کا ہو تو (پاک ہونے کے لیے) اس کے پیشاب کو دھونا واجب ہوگا، خواہ وہ دودھ کے سوا اور غذا نہ کھاتا ہو۔ اس بچے کے پیشاب کو دھونا واجب ہے جو دودھ کے سوا اور غذا بھی کھاتا ہو، خواہ ایک ہی بار کھائی ہو۔ البتہ اس صورت میں جب کہ اسے کوئی شے غذا کے طور پر نہ دی گئی ہو (مثلاً دوائی وغیرہ) اور وہ شے غذا نہ گنی تب بھی پانی چھڑک کر پاکی حاصل کرنے سے منع نہیں کیا جائے گا۔ یاد رہے کہ پانی چھڑکنے سے پہلے لگی ہوئی نجاست کو دور کر دینا لازم ہے۔ مثلاً کپڑا ہے تو اسے نچوڑ لیا جائے یا پہلے خشک کر لیا جائے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ پانی چھڑکنے کے ساتھ اس نجاست کی علامت بھی دور کر دی جائیں۔ (ان مسائل میں) پیشاب کا ذکر خصوصیت سے اس لیے کیا گیا ہے کہ اس حکم سے نجس نطفے کو خارج سمجھا جائے کیونکہ نطفے کا دھونا واجب ہے۔ اب نجاست متوسطہ (اوسط درجہ کی نجاست کا ذکر کیا جاتا ہے) نجاست متوسطہ سے وہ نجس اشیاء مراد ہیں جن کا ذکر اوپر نہیں ہوا۔ ان کی دو قسمیں ہیں: "حکمیہ" اور "عینیہ" (یعنی غیر واضح نجاستیں اور واضح نجاستیں) حکمیہ نجاست وہ ہے جس کا نہ جسم ہو، نہ ذائقہ، نہ رنگت اور نہ بو جیسے بچے کے علاوہ کسی اور (جاندار) کا پیشاب جو خشک ہو گیا ہو۔ عینیہ نجاست وہ ہے جس کا جسم ہو، ذائقہ، رنگت یا بو ہو۔ نجاست حکمیہ کو زائل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جہاں پر وہ لگی ہو اس جگہ ایک بار پانی بہایا جائے، خواہ بغیر قصد ہی کے ہو۔ نجاست عینیہ سے پاک ہو جانے کا بھی یہی طریقہ ہے، لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اصلی نجاست کو پہلے دور کر دیا جائے۔ رہ گئیں اس کی علامات تو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر نجس شے کا ذائقہ باقی رہ گیا اور اس کا ازالہ دشوار نہیں تھا، تو اس سے طہارت کو نقصان ہے۔ دشوار ہونے کا معیار یہ ہے کہ جب تک اس نجاست کو کاٹ کر دور نہ کر دیا جائے آلودہ شے پاک متصور نہ ہوگی۔ ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ نجاست آلودہ شے تو (دراصل) نجس ہی رہے گی البتہ معاف ہے۔ لہٰذا اگر بعد میں اس کے زائل کرنے کی قدرت میسر آ جائے تو اس کا زائل کرنا واجب ہے۔ لیکن اس کے ساتھ جو نماز پڑھ لی گئی اس کا دہرانا ضروری نہیں۔ واضح ہو کہ اگر ذائقہ کا زائل کرنا دشوار ہو اور صابون وغیرہ کا استعمال متعذر نہ ہو تو اس سے کام لینا چاہیے۔

اب وہ صورت لیجیے کہ نجاست کی علامات میں سے اس کی رنگت اور بو دونوں باقی رہ جائیں تو ان کا بھی یہی حکم ہے۔ لیکن صرف رنگت یا صرف بو باقی رہے اور اس کا دور کرنا مشکل ہو تو نجاست آلودہ جگہ پاک متصور ہوگی۔ دشوار ہونا یہ ہے کہ تین بار پانی میں مسل کر صاف کرنے سے بھی بو زائل نہ ہو۔ اس صورت میں اگر اس بو کو بعد میں دور کرنے کی قدرت حاصل ہو تب بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ وہاں سے بو کو دور ہی کیا جائے۔

ازالہ نجاست کے تین مذکورہ بالا طریقوں میں سے کسی پر عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ اگر پانی تھوڑا ہو تو اس پانی کو نجاست لگی ہوئی جگہ پر ڈالا جائے۔ اس تھوڑے پانی میں نجس شے کو ڈالا گیا تو اس میں پڑتے ہی وہ پانی خود نجس ہو جائے گا۔

نجس پانی تھوڑی مقدار میں ہو اور (نجاست پڑنے سے) اس میں کوئی تبدیلی نہ آئی ہو تو اس میں صاف پانی اتنا ملایا جائے کہ دو ڈولچی کے برابر ہو جائے تو وہ پانی پاک ہو جائے گا۔ اگر پانی میں تبدیلی آ گئی ہے خواہ وہ پانی کم ہو یا زیادہ تو وہ پاک نہ ہوگا جب تک کہ اس میں اتنا پانی نہ ملایا جائے کہ اس میں جو تبدیلی آئی تھی وہ دور ہو جائے۔ اس پانی کی مقدار کم از کم دو ڈولچی ہونی چاہیے۔

Marfat.com

پاک کرنے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ اصل نجس شے کی حالت کو بدل کر ستھری شے بنالی جائے۔ مثلاً شراب کو سرکہ بنالیا جائے یا ہرن کا خون مشک بن جائے۔ نجس شے کو تپا کر پاک کرنے کے باب میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

مردار جانور کی مدبوغ کھال (یعنی رنگے ہوئے چمڑے) کے پاک ہونے یا پاک نہ ہونے کے متعلق مسالک کا اختلاف تفصیل طلب ہے۔ (۲)

وہ زمین جو متوسط درجہ کی رقیق نجاست مثلاً پیشاب یا شراب سے ناپاک ہو اس سے پاک ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر زمین نے نجاست کو جذب کرلیا ہے تو اس پر تمام طرف سے خوب پانی بہایا جائے۔ اگر نجاست جذب نہ ہوئی ہو تو لازم ہے کہ پہلے اسے خشک کرلیا جائے اور پھر اس پر پانی ڈالا جائے۔ خواہ ایک ہی بار کیوں نہ ہو۔ اگر زمین پر جامد نجاست لگی ہوئی ہو تو پاک کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ صرف اس نجاست کو دور کردیا جائے، بشرطیکہ وہ زمین میں جذب نہ ہوئی ہو۔ اگر وہ نجاست گیلی ہے اور کچھ زمین میں سرایت کرگئی ہو تو اسے دور کرنے کے بعد اس جگہ پر پانی بھی بہانا چاہیے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ آگ پر تپانے سے نجاست دور ہوجاتی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ اس عمل کو پاک کرنے والا خیال نہیں کرتے، ان کا کہنا ہے کہ نجس شے کی راکھ اور اس کا دھواں ناپاک ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ آگ سے نجاست دور نہیں ہوتی لیکن نجس شے کی راکھ بقول مشہور اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

۲۔ حنفیہ کے نزدیک دباغت حقیقی اور دباغت حکمی میں کوئی فرق نہیں (دونوں کے مسائل یکساں ہیں) حقیقی دباغت (یعنی چمڑے کا رنگنا) یہ ہے کہ چمڑے میں (دباغت کا مسالا) قرظ اور شب ☆ وغیرہ لگا کر چمڑے کو مدبوغ کیا جائے اور حکمی دباغت یہ ہے کہ مٹی لگا کر یا دھوپ اور ہوا میں چمڑے کو خشک کرلیا جائے۔ دباغت سے مردہ جانور کی کھال پاک ہوجاتی ہے بشرطیکہ وہ کھال ایسی ہو جسکی دباغت کی جاسکتی ہے۔ اگر وہ کھال ہے جس کی دباغت نہیں کی جاسکتی جیسے سانپ کی کھال سو وہ مسالا لگانے سے پاک نہ ہوگی۔ سور کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی، لیکن کتے کی کھال دباغت سے پاک ہوجاتی ہے، کیونکہ کتا بقول اصح نجس العین (اصلی نجس) نہیں ہے۔ اگر اس کی کھال (دباغت سے) پاک ہو جائے تو اس کے ساتھ نماز وغیرہ پڑھنا درست ہے، البتہ کھانا منع ہے اور بال وغیرہ جو کھال پر ہوتے ہیں، پاک ہیں، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

شافعیہ دباغت کے لیے ایسا مسالا ضروری قرار دیتے ہیں جس کو زبان پر رکھنے سے چرمراہٹ اور سوزش محسوس ہو، تاکہ اس سے چمڑے کی رطوبت اور فضلات دور ہوجائیں، یہاں تک کہ دباغت کے بعد بدبو باقی نہ رہے۔ دباغت کا مسالا اگر نجس بھی ہو جیسے کسی پرندے کا فضلہ (یا کھاد وغیرہ) تو مضائقہ نہیں۔ البتہ اس صورت میں وہ مدبوغ چمڑا نجاست

☆ قرظ درخت سلم (کیکر جیسا ایک درخت) کی پتیاں اور شب پھٹکری جیسی ایک شے۔ یہ دونوں چیزیں چمڑے کی دباغت میں کام آتی ہیں۔ کیکر کی کھال اور نمک لگا کر جو چمڑا رنگا جاتا ہے وہ بھی اسی حکم میں ہے۔

Marfat.com

واضح رہے کہ نجاست آلودہ اشیا کو پاک کرنے کے لیے نیت شرط نہیں ہے۔ پانی کے سوا دوسری رقیق اشیاء مثلاً نجس آلودہ تیل، گھی اور شہد کو پاک نہیں کیا جاسکتا۔[۱] لیکن جامد اشیاء کو نجاست سے پاک کیا جاسکتا ہے جب کہ نجاست کے اجزاء اس میں جذب نہ ہوئے ہوں۔ اس بارے میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔[۲]

آلود کپڑے کی طرح نجس متصور ہوگا۔ لہٰذا دباغت کے بعد اسے دھولینا واجب ہے۔ کتے اور سور کی کھال یا ایسے جانور کی کھال جو ان دونوں کے جوڑ سے یا ان میں سے کسی کا دوسرے پاک جانور کے ساتھ جوڑ لگنے سے پیدا ہوا ہو، دباغت کے عمل سے پاک نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح کھال کے اوپر جو اون، ببری، بال اور رونگٹے ہیں وہ بھی دباغت سے پاک نہیں ہوتے۔ لیکن امام نووی کا کہنا یہ ہے کہ اگر یہ چیزیں تھوڑی سی ہوں تو معاف ہیں، کیونکہ ان کا دور کرنا مشکل ہے۔

مالکیہ دباغت کو پاک کرنے والا عمل قرار نہیں دیتے اور حدیث میں ایسی اشیاء (مدبوغ کھال) کے پاک ہونے کا جو ذکر ہے اس کی بابت ان کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد (کھال کا) صاف ستھرا ہو جانا ہے۔ چنانچہ انہوں نے مدبوغ چمڑے کو پاک کرنے والی اشیاء کے لیے اور خشک اشیاء کے لیے استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔ شرط یہ ہے کہ (خشک اشیاء کو) اس پر رگڑا نہ جائے اور وہ کھال سور کی نہ ہو۔ سور کی کھال کے استعمال کی اجازت نہیں ہے۔ خشک اشیاء کے لیے اس کو استعمال کی جو اجازت دی گئی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ کھال کی نجاست اس میں نہیں لگتی۔ پاک کرنے والی اشیاء میں اس کے استعمال کی اجازت اس لیے ہے کہ ایسی اشیاء میں نجاست کو دور کرنے کی جو قوت ہوتی ہے اس کے باعث وہ اپنے اوپر نجاست کا اثر نہیں ہونے دیتیں۔

مدبوغ کھال کی اون وغیرہ جو اس پر ہوتی ہے وہ پاک ہے، کیونکہ (بال وغیرہ میں) زندگی تو ہوتی نہیں لہٰذا جاندار کے مرجانے وہ ناپاک نہ ہوگا۔ مالکیہ کے ہاں قول مشہور تو یہی ہے کہ دباغت سے کھال پاک نہیں ہوتی لیکن ان میں جو اہل تحقیق ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ دباغت سے کھال پاک ہو جاتی ہے۔

حنابلہ اس کے قائل نہیں ہیں کہ مردار کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے تاہم مدبوغ کھال کو صرف سوکھی چیزوں کے لیے استعمال کرنا جائز قرار دیتے ہیں۔ (ان کے نزدیک) مردار کا اون، بال ببری اور رواں پاک ہیں۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ رقیق اشیائے مذکورہ کو پانی سے پاک کیا جاسکتا ہے اس کا طریقہ مطہرات کے سلسلے میں اوپر آچکا ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ منجملہ ایسی جامد اشیاء کے جن کے اجزا میں نجاست رچ گئی ہو اور اس کا دور کرنا ممکن نہیں وہ گوشت ہے جس کو نجس شے میں پکایا جائے بخلاف پکے ہوئے گوشت کے کہ اگر وہ نجاست آلودہ ہو جائے تو اسے پاک کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح وہ انڈا جسے گندے پانی میں ابالا جائے اور زیتون جس پر گندا نمک لگایا گیا ہو، اور کوری ٹھیکری (یا کورا برتن) جس میں نجاست پیوست ہوگئی ہو، کبھی پاک نہیں ہوسکتے۔

حنابلہ کو امور متذکرہ بالا میں مالکیہ سے اتفاق ہے۔ لیکن ابالے ہوئے انڈے کے متعلق ان کی رائے یہ ہے کہ وہ

Marfat.com

انڈا پاک ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اس کا چھلکا سخت ہوتا ہے جو نجاست جذب کرنے سے مانع ہے۔ ان کے نزدیک ابالے ہوئے اور پکائے ہوئے گوشت میں فرق نہیں ہے، وہ اگر نجاست آلود ہو گیا تو پاک نہیں ہوسکتا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جامد اشیاء اگر نجاست جذب کرلیں تب بھی ان کو پاک کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اگر گوشت نجس پانی میں پکایا گیا، یا گندم میں نجاست جذب ہوگئی یا چھری پر نجس چیز بہائی گئی تو یہ سب اشیاء پانی میں دھونے سے ظاہر و باطن ہر دو لحاظ سے پاک ہو جائیں گی۔ لیکن اینٹ (کچی اینٹ) جو جامد نجاست کے ساتھ گوندھ کر بنائی گئی ہو وہ پاک نہ ہوگی خواہ اس کو تپایا اور پانی سے دھویا جائے۔ بخلاف اس کے رقیق نجاست سے آلودہ شے پانی میں ڈال کر دھونے سے پاک ہو جاتی ہے۔

حنفیہ کے نزدیک مختلف جامد اشیاء کے احکام جدا جدا ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر (نجاست آلودہ شے) برتن وغیرہ ہے تو اسے پاک کرنے کا وہی طریقہ ہے جو پہلے بیان ہوا۔ اگر وہ ایسی شے ہے جسے پکایا جاسکتا ہے جیسے گوشت یا گیہوں، ایسی چیزیں اگر نجاست آلودہ ہو جائیں اور اسی حال میں ان کو پکایا جائے تو ابلنے کے بعد ان کو کبھی پاک نہیں کیا جاسکتا۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ کیونکہ اس طرح اس کے اجزا میں نجاست سرایت کر جاتی ہے۔ چنانچہ اگر مرغی کو اس کا پیٹ چاک کرنے سے پہلے جوش دیا جائے تو وہ کبھی پاک نہ ہوگی کیونکہ نجاست اس کے اجزا میں پیوست ہو چکی ہے۔ لہٰذا واجب ہے کہ ابالنے سے پہلے (مرغی کے) پیٹ کو چاک کر کے غلاظت نکال دی جائے اور دھو کر صاف کر لیا جائے۔ جانوروں کی سری اور اوجھڑی کے گوشت کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر دھونے اور صاف کرنے سے پہلے اس کو جوش دیا گیا تو وہ کبھی پاک نہ ہوگا۔

Marfat.com

پانی کی اقسام

اس لحاظ سے کہ کس پانی سے نجاست دور کرنا درست ہے اور کس پانی سے درست نہیں ہے، پانی کی تین قسمیں ہیں:

طہور، طاہر اور غیر طہور متنجس (یعنی پاک کرنے والا پانی، پاک پانی اور پاک نہ کرنے والا گندا پانی) واضح ہو کہ ان تینوں اقسام کے پانی کے مسائل جدا جدا ہیں۔

پہلی قسم کے پانی 'طہور' (یعنی پاک کرنے والے پانی) کے متعلق چند امور قابل ذکر ہیں۔ اول اس کی تعریف، دوم یہ کہ پاک کرنے والے پانی اور پاک پانی میں کیا فرق ہے؟ سوم یہ کہ اس کا (شرع میں) کیا حکم ہے۔ چہارم یہ کہ وہ کون سی باتیں ہیں جو اس کو پاک کرنے کی صفت سے خارج کرتی ہیں اور کون سی باتیں نہیں کرتیں؟ پنجم ان اشیاء کا بیان جو اسے نجس کر دیتی ہیں۔

دوسری قسم کا پانی طاہر (یعنی جو خود پاک ہے لیکن پاک کرنے والا نہیں ہے) اس کے متعلق بھی چند امور ہیں:

نمبر۱: اس کی تعریف، نمبر۲: اس کی اقسام، نمبر۳: یہ کہ وہ کون سی اشیاء ہیں جو اس کو پاک ہونے سے خارج کر دیتی ہیں۔

پانی کی تیسری قسم ناپاک پانی ہے، اس کے متعلق دو امور قابل ذکر ہیں: ایک تو اس کی تعریف دوسرے اس کی اقسام۔

طہور (پاک کرنے والے پانی) کے مسائل

تعریف

پاک کرنے والا پانی وہ ہے جو آسمان سے نازل ہوا ہو یا زمین کی سوت سے نکلا ہو اور اس کی تین علامتوں میں سے کسی علامت میں فرق نہ آیا ہو، یعنی اس کی رنگت، ذائقہ اور بو میں سے کسی علامت میں نجس شے کی شمولیت نے فرق نہ ڈال دیا ہو۔ اور نہ وہ استعمال شدہ ہو۔[1] ایسی اشیاء جن کی آمیزش سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے، اور ایسی باتیں جن میں پانی کا استعمال واجب ہو جاتا ہے کون سی ہیں؟ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ استعمال میں آیا ہوا پانی اس کو پاک کرنے کی صفت سے مانع نہیں ہوتا، چنانچہ استعمال شدہ پانی سے وضو اور غسل دونوں جائز ہیں البتہ وہ پانی مکروہ ہے۔

Marfat.com

پاک کرنے والے پانی اور پاک پانی کا فرق

پاک کرنے والے پانی اور پاک پانی میں فرق یہ ہے کہ پاک کرنے والا پانی عبادتوں اور روزمرہ کے معمولی کاموں میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ اس سے وضو کرنا اور جنابت وحیض کا غسل کرنا جائز ہے۔ اسی طرح اس پانی سے نجاست کو دھویا جاسکتا ہے، ظاہری میل کچیل سے بدن اور کپڑے کو پاک صاف کیا جاسکتا ہے بخلاف پاک پانی کے (جو پاک کرنیوالا نہ ہو) کہ اسے امور عبادت مثلاً وضو کے لیے یا جنابت وغیرہ کے غسل میں استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح اس پانی سے نجاست کو بھی دھویا نہیں جاسکتا۔[1] البتہ معمولی روزمرہ کے کاموں میں اس کا استعمال درست ہے، مثلاً پینے، بدن اور کپڑے کو صاف کرنے اور گوندھنے کے کام میں لانا۔

آب طہور (پاک کرنے والے پانی) کے مسائل

پاک کرنے والے پانی سے متعلقہ مسائل کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: پہلا حصہ اس نتیجے کے بیان میں ہے جو ازروئے شریعت اس کے استعمال سے مترتب ہوتا ہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے کہ حدث اصغر (بے وضوئی) اور حدث اکبر (جنابت) کو اس پانی کے استعمال سے دور کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا اس سے وضو کرنا اور جنابت اور حیض کا غسل صحیح ہے۔ اور اس کے ذریعہ نجاست محسوسہ وغیرہ کو دور کرنا اور فرائض ونوافل ودیگر اعمال تقرب مثلاً جمعہ اور عیدین جیسی عبادات کے لیے غسل کرنا صحیح ہے۔ اسی طرح اس کا استعمال عام امور میں جائز ہے، مثلاً پینا، پکانا، گوندھنا، کپڑوں اور بدن کا دھونا اور زراعت کا سینچنا وغیرہ۔

دوسرا حصہ پانی کے استعمال کے شرعی حکم سے تعلق رکھتا ہے۔ حکم سے مراد پانی کے استعمال کا واجب ہونا یا حرام ہونا ہے۔ اسی سے احکام خمسہ یعنی وجوب، حرمت، ندب، اباحت اور کراہت پیدا ہوتے ہیں۔

''ندب'' سے مراد وہ امور ہیں جو سنت میں شمار ہوتے ہیں، کیونکہ بعض اماموں کے نزدیک 'مندوب' اور 'مسنون' کے ایک ہی معنے ہیں۔ بعض اماموں کے نزدیک ان دونوں میں فرق ہے۔ اس کی تفصیل وضو کے مندوبات (وضو کی سنتوں) کے سلسلے میں بیان ہوگی۔ اب یہ سمجھنا چاہیے کہ جوامر پانی کے

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ وہ پانی جس کا استعمال جائز نہیں ہے اس سے حدث کو دور نہیں کیا جاسکتا، بشرطیکہ طہارت (وضو وغیرہ) کرنے والا جان بوجھ کر ایسا پانی استعمال کرے۔ اگر بھولے سے وضو کرلیا اور نماز پڑھ لی تو نماز درست ہوگی۔ البتہ اس پانی سے نجاست دور کی جاسکتی ہے۔

Marfat.com

استعمال کو واجب کر دیتا ہے وہ ایسا فریضہ ہے جس کی ادائیگی حدث اصغر اور حدث اکبر سے پاک ہونے پر موقوف ہے، جیسے نماز۔ پس اگر ادائیگی فریضہ کے وقت میں گنجائش ہے تو اس واجب کے بجالانے میں بھی گنجائش ہے اور اگر وقت تنگ ہے تو اس کے بجالانے میں بھی تنگی ہے۔

جن صورتوں میں پانی کا استعمال حرام ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ پانی دوسرے کی ملکیت ہو اور اس کے استعمال کی اجازت نہ ہو۔ اور وہ پانی جو پینے کے لیے ہی مخصوص کیا گیا ہو، لہٰذا سبیلوں کا پانی جو صرف پینے کے لیے ہوتا ہے اس سے وضو کرنا حرام ہے۔ اسی طرح اگر پانی کا استعمال نقصان دہ ہو جیسے وضو کرنے یا نہانے سے مرض لاحق ہو جائے یا مرض میں اضافہ ہو جائے تو ممنوع ہے۔ اس کی تفصیل مسائل تیمم کے ضمن میں آئے گی۔

اسی طرح سخت گرم یا سخت سرد پانی جس کا استعمال یقینی طور پر نقصان دہ ہو۔ نیز وہ پانی جس کے خرچ کرنے سے کوئی جانور جس کا ضائع کرنا جائز نہیں ہے، پیاسا رہ جائے، اس پانی کا استعمال وضو یا غسل کے لیے حرام ہے۔ پس اگر کسی نے ایسی سبیل کے پانی سے وضو کیا جو محض پینے کے لیے ہے یا اس پانی سے کیا جس کی ضرورت ایسے جانور کے لیے تھی جس کو تلف کرنا درست نہ تھا، یا ایسے مرض میں وضو کیا کہ وضو کرنے سے وہ مرض بڑھ جاتا ہے، تو ان سب صورتوں میں وضو کا پانی حرام ہے لیکن وضو درست اور جو نماز پڑھی گئی وہ صحیح ہوگی۔

اب وہ صورت لیجیے جس میں پانی کا استعمال موجب ثواب (مندوب) ہے، مثلاً وضو پر تازہ وضو کرنا یا جمعہ کے روز کا غسل کرنا۔ اور پانی کا استعمال مباح ہونے کی صورت یہ ہے کہ پانی جائز کاموں میں استعمال کیا جائے، مثلاً پینا یا گوندھنا وغیرہ۔

جن صورتوں میں پانی کا استعمال مکروہ ہے ان میں سے ایک ہے کہ پانی سخت گرم یا سخت سرد ہو، لیکن اتنا نہ ہو کہ بدن کو نقصان پہنچائے۔ کراہت کا پہلو یہ ہے کہ وضو کرنے والے کی توجہ طاعت الٰہی سے مڑ کر پانی کی گرمی یا سردی کی شدت کی طرف مبذول ہو جاتی ہے، اور بسا اوقات وضو اور غسل میں جلد بازی کے باعث اس کی تکمیل خاطر خواہ نہیں ہو پاتی۔

دھوپ میں گرم کیے ہوئے پانی سے وضو کرنا بھی مکروہ ہے۔ یہ کراہت دو صورتوں میں ہوگی: اول یہ کہ وہ پانی تانبے یا سیسے کے برتن میں یا چاندی سونے کے علاوہ کسی اور دھات کے برتن میں گرم ہوا ہو۔ اگر وہ پانی چاندی یا سونے کے برتن میں دھوپ سے گرم ہوا ہے تو مکروہ نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ

Marfat.com

شہر گرم علاقہ میں ہو اور پانی کو کسی تانبے کے برتن (جگ یا دیگچہ) میں ڈال کر دھوپ میں رکھ دیا جائے تاکہ وہ گرم ہو جائے تو اس پانی سے وضو یا غسل مکروہ ہے۔ [1] اسی طرح یہ بھی مکروہ ہے کہ کسی کپڑے کو اس پانی سے دھو کر اس تر کپڑے کو بدن کی جلد سے لگایا جائے۔ [2]

بعض لوگوں نے اس عمل کے مکروہ ہونے کا یہ سبب بتایا ہے کہ یہ بدن کے لیے نقصان دہ ہے، لیکن یہ توجیہ واضح نہیں ہے کیونکہ اگر یہ معلوم ہو کہ یہ امر نقصان دہ ہے تو اس کا استعمال حرام ہوگا نہ کہ مکروہ اور حقیقت یہ ہے کہ بظاہر اس میں مضرت نہیں ہے جب تک کہ برتن سر بند نہ ہو اور اس کے اندر سے پانی لیا جائے۔ بعض لوگوں نے اس پانی کے مکروہ ہونے کا یہ سبب بیان کیا ہے کہ اس میں گونہ تعفن پایا جاتا ہے جو طبیعت کو ناگوار ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر اور (اچھا) پانی میسر ہے تو اس (دھوپ میں گرم کیے ہوئے) پانی کا استعمال مکروہ ہے۔، ورنہ مکروہ نہیں ہے۔ اور یہی حال ہر قسم کے مکروہ پانی کا ہے کہ اگر اس کے علاوہ اور پانی میسر ہی نہ ہو تو اس کا استعمال مکروہ نہیں رہتا۔

ان کے ساتھ فقہا نے پانی کی مکروہات میں کچھ اور امور کا بھی ذکر کیا ہے اس باب میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔ [3]

۱۔ شافعیہ نے دھوپ سے گرم کیے ہوئے پانی کے مکروہ ہونے کی بابت ایک تیسری بات کا اضافہ کیا ہے کہ وہ پانی بُو دار (تیلیا) ہو جاتا ہے۔ اگر یہ بو نہ پائی جائے تو مکروہ نہ ہوگا۔ کراہت کی علت کے بارے میں شافعیہ کا جو مسلک ذکر کیا گیا وہ واضح ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ دھوپ میں گرم کیے ہوئے پانی کا استعمال کسی حال میں مکروہ نہیں ہے۔

۲۔ غالباً اس سے مراد ٹکور کرنا یا مساج کرنا ہے۔ (مترجم)

۳۔ مالکیہ نے پانی کے مکروہ ہونے کے متعلق تین اور امور کا اضافہ کیا ہے: امر اول پانی میں نجاست کا پڑ جانا ہے۔ ایسے پانی کا مکروہ ہونا پانچ شرطوں پر موقوف ہے:

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ نجاست ایسی (بے حقیقت سی) ہو کہ پانی کی اپنی تین خصوصیات یعنی ذائقہ، رنگت اور بو میں سے کسی میں اس کے پڑنے سے کوئی فرق نہ آیا ہو۔ اگر ان میں سے کسی خصوصیت میں فرق آ گیا تو اس کا استعمال مطلقاً جائز نہ ہوگا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ پانی جاری (بہتا ہوا) نہ ہو، اس میں کوئی نجاست جا پڑے تو گو وہ نجس نہ ہوگا لیکن اس کا استعمال مکروہ ہے۔

Marfat.com

تیسری شرط یہ ہے کہ اس پانی میں اضافہ کرنے والا عنصر شامل ہو، جیسے کنوئیں کا پانی کہ اگرچہ وہ بہتا ہوا پانی نہیں ہے، لیکن اس لحاظ سے کہ بغیر اس میں باہر سے پانی ڈالا جائے وہ از خود بڑھتا گھٹتا رہتا ہے۔ ایسے پانی میں کوئی نجاست جا پڑے تو وہ گندا نہیں ہوتا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ نجاست کی مقدار بارش کے معمولی قطرہ کے برابر یا زیادہ ہو۔ اگر اس سے کم ہو تو کوئی حرج نہیں ایسے پانی کا استعمال مکروہ نہ ہوگا۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ مکروہ پانی کے علاوہ وضو کے لیے عمدہ پانی دستیاب ہو، اگر صاف پانی دستیاب ہی نہ ہو تو وہ پانی مکروہ نہیں ہوگا۔

امر دوم جو پانی کو مکروہ بناتا ہے وہ پانی کا استعمال شدہ ہو جانا ہے۔ استعمال شدہ پانی وہ ہے جسے ایسے کام میں لایا جائے جس کے لیے پاک کرنے والا پانی درکار رہتا ہے، جیسے وضو میں استعمال ہونے والا پانی۔ پس اگر کسی شخص نے وضو کیا تو اس کے اترے ہوئے پانی سے پھر وضو کرنا مکروہ ہے۔ لیکن اس کراہت کے لیے بھی تین باتیں ضروری ہیں:

اوّل یہ کے وہ پانی تھوڑی مقدار میں ہو، کیونکہ اگر وضو کا پانی زیادہ تھا اور اسی میں اس کے اعضاء وضو سے اترا ہوا پانی مل گیا تو کوئی مضائقہ نہیں (وہ پانی مکروہ نہیں ہوا)۔

دوم یہ کہ اس (استعمال شدہ پانی کے علاوہ اور پانی وضو کے لیے دستیاب ہو، اگر نہ ہو تو وہ پانی مکروہ متصورہ نہ ہوگا (بلکہ روا ہے)۔

سوم یہ کہ اس (مستعمل) پانی کا استعمال اس وضو کے لیے کیا گیا جو واجب تھا (یعنی رفع حدث کے لیے استعمال ہوا) اگر وہ پانی مستحب وضو کے لیے استعمال کیا گیا تھا، مثلاً سونے کے لیے وضو کرنا یا اسی طرح کا کوئی اور وضو جس کی تفصیل آگے آئے گی تو اس طرح کا (استعمال شدہ) پانی مکروہ نہیں ہے۔

مالکیہ نے مستعمل پانی سے وضو مکروہ ہونے کا یہ سبب بتایا کہ بعض اماموں کے نزدیک استعمال شدہ پانی سے وضو درست ہوتا ہی نہیں۔ اس اختلاف کے پیش نظر انہوں نے اسے مکروہ قرار دے دیا۔ ان کے نزدیک یہ امر ثابت ہے کہ اسلاف میں سے کسی نے استعمال شدہ پانی سے کام نہیں لیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں کراہت نہیں ہے۔

امر سوم جس کا ذکر مکروہ پانی کے ضمن میں آتا ہے اس کے منجملہ وہ پانی ہے جس میں سے کتے نے ایک بار یا کئی بار پیا ہو۔ اس پانی کی مقدار اگر تھوڑی ہے تو اس کا استعمال مکروہ ہے۔

اسی طرح وہ پانی ہے جس میں سے ایسے شخص نے پیا ہو جسے نشہ پینے کی لت ہے یا جس میں اس نے اپنا کوئی عضو دھویا ہو۔ پس جس پانی میں سے کسی نشہ باز نے پیا ہو وہ ان صورتوں میں مکروہ ہے:

ایک تو یہ کہ اس پانی کی مقدار تھوڑی ہو، اگر وہ پانی زیادہ ہو تو وہ مکروہ نہ ہوگا۔ کم اور زیادہ سے کیا مراد ہے اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

دوم یہ کہ اس پانی کے علاوہ اچھا پانی موجود ہو۔

سوم یہ کہ جس نے وہ پانی پیا یا اس میں کوئی عضو دھویا، اس کے منہ یا عضو کے پاک ہونے میں شبہ ہو۔ اب اگر

Marfat.com

واقعی اس کے منہ میں نجاست باقی تھی اور اس کے پینے سے پانی کی کسی صفت میں فرق آ گیا تو اس پانی سے وضو نہ ہوگا۔ کیونکہ اس طرح وہ پانی نجس ہو گیا ہے۔ اگر پانی کی کسی صفت میں فرق نہیں آیا تو اس کا استعمال صرف مکروہ ہوگا۔ یہی حکم اس پانی کا بھی ہے جس میں سے کسی ایسے جانور نے پیا ہو جو نجاست سے پرہیز نہیں کرتا۔ کوئی پرندہ ہو یا درندہ یا مرغی۔ البتہ اگر وہ ایسا جانور ہے جس سے بچنا دشوار ہے جیسے بلی یا چوہا تو دشواری اور تنگی کے پیش نظر ایسے پانی کا استعمال میں لانا مکروہ نہیں ہے۔

حنفیہ نے پانی کو مکروہ کرنے والی صورتوں میں تین امور کا اضافہ کیا ہے: ایک تو ایسا پانی جس میں سے کسی شرابی نے شراب پینے کے بعد پانی کے پیالے یا جھجری کو منہ لگا کر پیا ہو۔ ایسے پانی سے وضو کر لینا صرف ایک صورت میں مکروہ ہے کہ اس نے شراب پینے کے اتنے عرصہ بعد وہ پانی پیا ہو کہ اس کے منہ کا لعاب، جس میں شراب کی آمیزش تھی، وہ دور ہو گیا، مثلاً شراب پینے کے بعد اس نے تھوک نگل لیا یا تھوکتا رہا، اس کے بعد پانی کے کوزے یا صراحی سے منہ لگا کر پیا (تو اس کا پانی مکروہ ہو گیا)۔ لیکن اگر باقی شراب پی اور اس کے منہ میں رہ گئی اور نہ کچھ نگلا اور نہ اگلا اور اسی حال میں پانی کے کوزے یا صراحی میں سے پانی پیا تو اب وہ پانی جو رہا وہ نجس ہوگا اور اس کا استعمال جائز نہ ہوگا۔

دوسرا وہ پانی مکروہ ہے جس میں سے کسی درندے یا پرندے نے جیسے چیل، کوا یا ایسے دوسرے پرندے مثلاً آزاد پھرنے والی مرغی نے پیا ہو۔ حنفیہ نے اس پانی کے مکروہ ہونے کی یہ علت بیان کی ہے کہ ممکن ہے کہ اس کی چونچ میں نجاست لگی ہوئی ہو۔ اس کے برخلاف درندہ جانوروں اور دوسرے حرام جانوروں کا جھوٹا پانی (مکروہ نہیں بلکہ) نجس ہے کیونکہ ان کے منہ کا لعاب (رال) نجاست آلود ہوتا ہے۔

حرام جانوروں کے پسینے کا حکم وہی ہے جو ان کے جھوٹے پانی کا ہے۔ لہٰذا اگر بجو یا کسی درندہ جانور کا پسینہ کپڑے میں لگ جائے یا وہ جانور پانی میں (جس کی مقدار کم ہو) داخل ہو تو وہ پانی نجس ہو جائے گا۔

تیسرا خانگی بلی کا جھوٹا پانی ہے کہ اگر خانگی بلی تھوڑی مقدار کے پانی میں سے پی لے تو اس کا استعمال مکروہ ہوگا، کیونکہ بلیاں نجاست سے پرہیز نہیں کرتیں۔ اگرچہ بلی حرام جانوروں میں سے ہے لیکن اس کا جھوٹا مکروہ ہے نجس نہیں، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس کے نجس نہ ہونے کی بابت تصریح فرمائی ہے کہ: "**انها ليست نجسة انها من الطوافين عليكم و الطوافات**" (یعنی بلے بلیاں نجس نہیں ہیں، یہ تو تمہارے اردگرد پھرتی پھراتی رہتی ہیں) ظاہر ہے کہ اس ارشاد سے جواز معلوم ہوتا ہے۔

اب رہا خچر اور گدھے کا جھوٹا، سو واضح ہو کہ اس کے ماء طہور (یعنی پاک کرنے والا پانی) ہونے میں شبہ ہے۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ پاک ہے جس میں کلام نہیں۔ لہٰذا اگر گدھے یا خچر نے جس تھوڑی مقدار پانی میں سے پیا ہے اس کا استعمال معمولی کاموں مثلاً دھونے یا پینے کے لیے کراہت سے خالی ہے لیکن ان کی طہوریت یعنی وضو کے قابل یا نہانے کے لائق ہونے میں شبہ ہے، البتہ اگر اس کے سوا کوئی اور پانی دستیاب نہ ہو تو اس کا استعمال غسل اور وضو میں بھی بغیر کراہت کے درست ہوگا۔ اگر اس کے علاوہ اور پانی دستیاب ہو تو گو اس پانی کو وضو اور غسل میں استعمال کیا جا سکتا ہے تاہم زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ (اس کو چھوڑ کر) دوسرے پانی سے وضو یا غسل کیا جائے۔

Marfat.com

ان امور کا بیان جن سے پانی
طہوریت (پاک کرنے کی صلاحیت) سے خارج نہیں ہوتا

واضح ہو کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ پانی کا رنگ، ذائقہ اور بو میں فرق آجانے پر بھی پاک کرنے (طہوریت) کی صلاحیت باقی رکھے، بشرطیکہ اس کا استعمال نقصان دہ نہ ہو۔ اگر اس متغیر شدہ پانی کے استعمال سے انسان کے کسی عضو کو نقصان پہنچتا ہو تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔

جنگلوں اور صحراؤں میں رہنے والوں کو ایسا پانی (ماء متغیر) استعمال کرنا پڑتا ہے۔ وہاں اس کے سوا اور پانی دستیاب نہیں ہوتا، لہٰذا شریعت اسلامیہ نے ایسے لوگوں کو اس پانی کا استعمال روا قرار دیا ہے بشرطیکہ وہ نقصان دہ نہ ہو، اس کی اجازت بخاری کی اس روایت سے ثابت ہوتی ہے جس کا مضمون یہ ہے:

شافعیہ نے پانی کی مکروہات کے سلسلے میں اس پانی کا اضافہ کیا ہے جس کے ساتھ کسی چیز کے لگ جانے سے اس پانی کی صفات میں فرق آگیا ہو۔ وہ چیز سخت (جامد) ہو یا رقیق (مائع) مثلاً پانی کے ساتھ جما ہوا روغن (تیل یا گھی) تھا اور اس کے باعث پانی میں تغیر آگیا تو اس کا استعمال مکروہ ہے۔ رقیق شے کی مثال عرق گلاب وغیرہ ہے کہ اگر یہ رقیق شے پانی کے ساتھ مل گئی اور اس کے باعث پانی میں تبدیلی آگئی تو اس کا استعمال مکروہ ہوگا۔ لیکن یہ کراہت اسی صورت میں ہوگی کہ اس پر "پانی" کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہو۔ اگر اس پانی میں گلاب کی خوشبو غالب آگئی اور یا پانی بھی اس منجمد روغن سے مل کر جم گیا کہ اس کی رقت اور بہاؤ باقی نہ رہا اور پانی کا لفظ اس پر نہیں بولا جاتا تو غسل یا وضو کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں رہا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ پانی کے مکروہات میں سات امر اور ہیں:

۱: وہ پانی جس کے نجس ہونے کا گمان غالب ہو۔ ایسے پانی کا استعمال مکروہ ہے۔

۲: وہ پانی جو نجس شے سے گرم ہوا ہو، خواہ اس نجس شے کو گرم کرتے وقت استعمال کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔

۳: وہ جو غیر واجب طہارت (مثلاً نفلی وضو) کے لیے استعمال میں آچکا ہو۔ ایسے پانی سے پھر وضو کرنا مکروہ ہے۔

۴: وہ پانی جس کی صفات میں گاڑھے نمک کی آمیزش سے فرق آگیا ہو۔

۵: اس کنوئیں کا پانی جو ناجائز قبضہ کی ہوئی زمین میں واقع ہو یا زبردستی کھودا گیا ہو، خواہ اس کی مملوکہ زمین ہی میں کیوں نہ ہو۔ مثلاً یہ کہ اس کے کھودنے پر لوگوں کو بے سبب مجبور کیا گیا ہو۔ اور ایسی ہی وہ صورت ہے جب کہ ناجائز اجرت دے کر کھدوایا گیا ہو۔ ان تمام صورتوں میں اس کنوئیں کے پانی سے وضو کرنا مکروہ ہے۔

۶: وہ پانی جو کسی مقبرہ میں ہو۔

۷: ناجائز طور پر چھینے ہوئے ایندھن سے گرم کیا ہوا پانی۔ اس کا استعمال مکروہ ہے۔

Marfat.com

مسلمانوں نے جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو ان میں سے بیشتر اصحاب کو بخار آنے لگا۔ اس وقت بعض سمجھدار مسلمانوں نے یہ رائے دی کہ اس جوہڑ کے منفذ کو جسے بطحان کہتے تھے، بند کر دیا جائے۔ چنانچہ اسے بند کر دیا گیا تو بخار جاتا رہا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ 'بطحان' میں متعفن پانی بہتا تھا، یعنی وہ پانی ایسا تھا جس کی صفت میں فرق آ گیا تھا۔ غرض جس نل سے پانی آتا ہے اسے کاٹ دینا اور وضو کرنے یا غوطہ لگانے کی جگہ کو ڈھا دینا تاکہ پانی میں بگاڑ نہ پیدا ہو اور مضر اشیاء سے ملوث نہ ہو، یہ سب کچھ دین اسلام کے حقیقی اغراض میں سے ہے۔ غرض اس کے تمام احکام فائدہ حاصل کرنے اور نقصان کو دفع کرنے کے لیے ہیں۔

فقہاء نے ایسے پانی کی مثالیں بتائی ہیں جن میں تغیر پیدا ہو جانے کے باوجود پاک کرنے کی صفت باقی رہتی ہے۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ پانی کے تمام یا بعض اوصاف میں فرق صرف اس جگہ کی وجہ سے آئے جہاں وہ پانی ہے یا جس جگہ سے وہ پانی بہتا ہے، مثلاً کسی پرانے وضوخانہ کا پانی یا اس حوض کا پانی جو کسی بیابان وغیرہ میں ہے۔ اسی طرح وہ پانی جو کسی کان، مثلاً نمک یا گندھک کی کان میں سے ہو کر بہتا ہو۔ ایسے پانی کی صفات میں اگر فرق آ جائے تو وہ پاک کرنے کی صلاحیت سے خارج نہیں ہوتا۔ اسی طرح وہ پانی جو دیر تک رکا رہنے کے باعث متغیر ہو جائے۔ مثلاً کسی مشک یا مٹکے میں عرصہ تک پڑا پڑا متغیر ہو جائے تو یہ پانی پاک کرنے کی صفت سے خالی نہ ہوگا۔ اسی طرح وہ پانی جو پانی ہی میں پیدا ہونے والی شے سے تغیر پذیر ہوا ہو جیسے مچھلی یا کائی سے جو پانی کے اوپر جم جاتی ہے۔ کائی کو اگر اس پانی میں پکایا نہ گیا ہو یا پکا کر اس میں ڈال دیا گیا ہو تو اس سے پانی میں کوئی خرابی نہیں ہوتی۔ [1] اسی طرح وہ پانی جس میں کسی ایسی چیز سے تغیر آ گیا ہو جو دباغت کے لیے برتن میں لگائی جائے مثلاً تارکول یا قرظ وغیرہ، پس اگر ایسے مدبوغ مٹکے (یا کپے) میں پانی بھرا گیا اور اس مسالہ کے باعث اس پانی کے کسی وصف میں فرق آ گیا تو کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح وہ پانی جس میں کسی ایسی شے کی آمیزش سے تغیر آ گیا جس سے بچنا متعذر ہے جیسے آندھی کا گرد و غبار اور بھوسا اور پتے جو ہوا کے جھکڑ سے کنوئیں میں آ پڑیں۔ اسی طرح وہ پانی جس میں ساتھ لگی ہوئی شے سے تغیر آ گیا ہو، مثلاً کوئی مردار پانی کے کنارے پڑا ہے اور اس سے پانی متعفن ہو گیا تو اس

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ کائی سے پانی کو نقصان پہنچتا ہے، اگر کسی بالغ سمجھدار آدمی نے قصداً پانی میں کائی ڈالی ہے تو وہ پانی پاک کرنے والا نہ رہے گا، خواہ کائی پکا کر ڈالی جائے یا بغیر پکائے ڈال دی جائے۔ البتہ اگر پانی میں کائی از خود پیدا ہو گئی یا ہوا وغیرہ سے اس میں آن پڑی تو مضائقہ نہیں۔

Marfat.com

تبدیلی سے وہ پانی پاک کرنے کی صفت سے خارج نہ ہوگا۔ایسی خراب حرکتیں دہقانی جہلا سے سرزد ہوتی رہتی ہیں کہ کوئی مردار جانور اس پانی کے کنارے بلکہ پانی کے اندر ڈال جاتے ہیں حالانکہ وہ پانی خود ان کے استعمال میں آتا ہے۔اس مردار سے سخت بدبو پھوٹ پڑتی ہے اور دور دور تک پہنچتی ہے۔ ہر چند کہ شریعت نے اس سے وضو اور غسل جائز قرار دیا ہے، لیکن اور خرابیوں کے باعث اس کا استعمال سختی سے منع کیا گیا۔وہ خرابیاں یہ ہیں کہ ایسا پانی مضرِ صحت ہے اور جانے آنے والوں کے لیے باعث اذیت ہوتا ہے۔

پانی کی دوسری قسم کا بیان

طاہر غیر طہور (یعنی وہ پانی جو پاک ہوتا ہے لیکن پاک کرنے والا نہیں ہوتا)

ایسے پانی کی تعریف

اوپر یہ بیان ہو چکا ہے کہ کوئی پانی طہور (پاک کرنے والا) ہوتا ہے اور کوئی پانی صرف طاہر (پاک) ہوتا ہے، طہور نہیں ہوتا۔طہور کی تعریف پہلے بیان ہو چکی ہے۔طاہر (پاک پانی) کی تعریف یہ ہے کہ یہ وہ پانی ہے جو استعمال میں آچکا ہو لیکن نجس نہ ہو۔ایسے پانی کا معمولی کاموں، مثلاً پینے اور پکانے وغیرہ میں استعمال صحیح ہے، عبادت کے کاموں مثلاً وضو یا غسل میں استعمال کرنا صحیح نہیں ہے۔

طاہر غیر طہور پانی کی قسمیں

طاہر غیر طہور پانی (جو پاک ہو لیکن پاک کرنے والا نہ ہو) کی تین قسمیں ہیں:[1] پہلی قسم وہ پانی ہے جس میں کوئی پاک شے شامل ہو جائے چنانچہ مثلاً اگر ماءِ طہور (پاک کرنے والا پانی) میں گلاب کا عرق آٹے کا دھوون وغیرہ شامل ہو جائے تو اس پانی کا وصفِ طہوریت جاتا رہے گا۔اس کا استعمال وضو یا غسل میں صحیح نہیں ہے۔معمولی کاموں میں، مثلاً پینے یا کپڑے دھونے میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔واضح رہے کہ اس پانی کی پاک کرنے والی صفت زائل نہ ہوگی جب تک کہ یہ دو باتیں نہ ہوں: ایک تو یہ کہ پانی کے تین

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ طاہر غیر طہور پانی کی صرف ایک ہی قسم ہے اور یہ وہی پہلی قسم کا پانی ہے، یعنی وہ پانی جس میں پاک چیز کے شامل ہونے سے پانی کے اوصاف ثلاثہ میں سے کسی ایک صفت میں فرق آ گیا ہو۔اور شامل ہونے والی شے ایسی شے ہو جو طہوریت کی صفت کو زائل کر دیتی ہے تو ایسے پانی کو "طاہر غیر طہور" پانی کہا جاتا ہے۔اور دوسری قسم کا پانی جس سے مراد استعمال شدہ قلیل مقدار پانی ہے وہ "طہور" ہوتا ہے، بشرطیکہ مستعمل ہو جانے کے باعث اس کے کسی ایک وصف میں فرق نہ آیا ہو۔اور تیسری قسم کا پانی جو نباتات سے نکلا ہو جیسے گلاب اور تربوز کا پانی، اس کو فقہاء نے ایسے پانی میں

Marfat.com

اوصاف: ذائقہ رنگ اور بو میں سے کوئی وصف اس شے کے شامل ہونے کے باعث بدل جائے دوسری یہ کہ شامل ہونے والی شے ان اشیاء میں سے ہو جو پانی کی صفت طہوریت کو ختم کر دیتی ہیں، ان اشیاء کے بارے میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

شمار نہیں کیا جس کو پاک کرنے کے کام میں لایا جا سکے، کیونکہ یہ خالص پانی نہیں ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ وہ اشیاء جو پانی کی صفت طہوریت کو ختم کر دیتی ہیں اور پانی صرف طاہر رہ جاتا ہے، ان کی دو قسمیں ہیں: ایک جامد (بستہ)، دوسری رقیق (پتلی)۔ جامد اشیاء کے پانی میں ملنے سے پانی کی طہوریت دو صورتوں میں ختم ہوتی ہے: پہلی صورت یہ ہے کہ اس شے کی آمیزش سے پانی کے پتلا پن اور روانی میں فرق آجائے۔ مثلاً اگر پانی میں مٹی مل جائے تو وہ پانی نہ پتلا رہے گا اور نہ روانی باقی رہے گی، لہٰذا ایسے پانی سے پاک کرنے کا کام نہیں لیا جا سکتا۔ چنانچہ حوض کے پانی کی تلچھٹ جو کیچڑ کی طرح حوض کی تہ میں پانی سوکھنے کے بعد رہ جاتی ہے اس کا بھی یہی حکم ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس پانی میں کوئی چیز پکائی گئی ہو۔ ایسے پانی کو پاک کرنے کے کام میں نہیں لایا جا سکتا، مثلاً پانی میں پکانے کے لیے مسور ڈال کر دو ایک بار اس کو جوش دیا اور پانی کی حالت بدل گئی لیکن مسور گلی نہیں، تب بھی اس پانی کی طہوریت باقی نہ رہے گی، اگرچہ اس پانی کا پتلا پن اور روانی باقی ہو۔ ایسی صورت بعض اوقات بیابانوں میں جہاں پانی کی قلت ہوتی ہے پیش آجاتی ہے۔

صابون وغیرہ اشیاء سے بھی جو میل اتارنے کے لیے استعمال ہوتی ہیں، پانی کے اوصاف میں تغیر آجاتا ہے لیکن وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے، یعنی اگر ان اشیاء کا اثر پانی میں غالب ہو کہ پانی کا رنگ، ذائقہ اور بو بدل جائے تو اس سے پانی کی طہوریت میں فرق نہیں آتا جب تک کہ ان چیزوں کو پانی میں جوش نہ دیا جائے اور پانی کے پتلا پن اور اس کی روانی میں فرق نہ آجائے۔

اب ایسی رقیق اشیاء کو لیجیے جو پانی کے ساتھ مل کر اس کی طہوریت پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس کی تین صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ پانی میں ملنے والی رقیق شے پانی کی صفات ثلاثہ یعنی ذائقہ، رنگت اور بو میں اس پانی کے موافق ہو، جیسے وہ گلاب کا عرق جس کی خوشبو جاتی رہی ہو، یا ایسا پانی جو پہلے استعمال میں آچکا ہے (ماء مستعمل)، اس صورت میں حکم یہ ہے کہ دیکھا جائے کون سی شے غالب ہے، اگر پانی غالب ہے تو وہ طہور ہے اگر ملنے والی شے غالب ہے تو پانی طاہر غیر طہور ہے۔ اگر دونوں برابر ہیں تو اس کو بھی اسی غالب شے کے حکم میں شامل سمجھا جائے گا اس کی مثال یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے وضو کرنے کے چھوٹے سے حوض (میقاۃ) میں وضو کیا اور وضو کا پانی اعضا سے بہہ کر حوض کے پانی میں مل گیا، لیکن وضو کے پانی کی مقدار اس حوض کے غیر مستعمل پانی سے کم ہے تو اس پانی میں کوئی خرابی نہیں آئی۔ لیکن اگر وضو کا استعمال شدہ پانی اس کے برابر یا زیادہ ہے، تو اس حوض کا تمام پانی استعمال میں آیا ہوا پانی متصور ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آب طہور کے ساتھ کوئی ایسی رقیق شے شامل ہو، مثلاً جو رنگ، ذائقہ اور بو میں سرکہ کی طرح اس پانی سے مختلف ہے بایں طور کہ اس رقیق شے کا الگ ذائقہ، رنگت اور الگ بو ہے، اب اگر مثلاً سرکہ کی کوئی

Marfat.com

مقدار پانی میں پڑی اور سرکہ کے بیشتر اوصاف جیسے ذائقہ اور رنگ پانی میں نمایاں ہو گئے تو پانی طاہر رہے گا طہور نہ رہے گا، لہٰذا اس کو عبادت کے کاموں میں استعمال کرنا صحیح نہیں، پکانے وغیرہ کے کام میں درست ہے۔ لیکن اگر پانی میں سرکہ کا کوئی ایک وصف نمایاں ہو تو اس پانی میں طہوریت کی صلاحیت باقی سمجھی جائے گی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ پانی میں شامل ہونے والی رقیق شے بعض صفات میں اس پانی کے مطابق ہے اور بعض میں نہیں ہے، جیسے دودھ کہ اس کا ذائقہ اور رنگ اپنا جداگانہ لیکن پانی کی طرح بو سے خالی ہے، پس اگر کسی قدر دودھ پانی میں مل جائے اور اس کی اپنی دو صفات میں سے کوئی صفت پانی میں نمایاں ہو جائے تو پانی طاہر ہو گا لیکن پاک کرنے والا (طہور) نہ رہے گا۔ ایسی صورت بعض کسانوں کو پیش آتی ہے کہ وہ دودھ والے برتن کو دھوئے بغیر اس میں پانی ڈال لیتے ہیں جس سے دودھ کا اثر پانی میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ یہ پانی صرف طاہر ہے، طہوریت کے وصف سے خارج ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ تین صورتیں ایسی ہیں جن سے پانی کی طہوریت ختم ہو جاتی ہے وہ صرف طاہر رہ جاتا ہے:

ایک یہ کہ پانی میں کوئی پاک شے شامل ہو کر اس کی صفات ثلاثہ، یعنی ذائقہ، رنگت اور بو (خواہ وہ بو پانی میں نمایاں نہ ہو) میں سے کسی ایک وصف میں تغیر پیدا کر دے۔ لیکن پانی کی طہوریت ختم ہونے کے لیے چند شرائط کا ہونا ضروری ہے:

اوّل یہ کہ جو شے پانی میں شامل ہوئی ہے وہ اس پانی کا لازمی عنصر نہ ہو بلکہ ایسی شے ہو جو بیشتر پانی سے جدا رہتی ہے۔

دوسری شرط یہ کہ وہ چیز زمین کے اجزاء میں سے نہ ہو۔

تیسری شرط یہ کہ وہ ایسا مسالہ نہ ہو جس سے برتن کی دباغت کی جاتی ہو۔

چوتھی شرط ایسی چیز نہ ہو جس سے بچنا دشوار ہو۔

ان کی مثالیں: جیسے صابون ایسی شے ہے جو لازمی طور پر پانی کے ساتھ شامل نہیں ہوتا۔ اسی عرق گلاب اور دوسری رقیق عطریات جو پانی کو خوشبودار کرتی ہیں۔ پانی استعمال کرنے والے کو بیشتر اس کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اسی طرح مویشی کا گوبر کہ اگرچہ وہ بعض اوقات اس پانی میں شامل ہوتا ہے جسے لوگ پیتے ہیں، لیکن اس سے بچنا دشوار نہیں ہے۔ اسی طرح کسی جلتی ہوئی چیز کا دھواں، خواہ وہ چیز زمین کے اجزا میں سے ہو۔ اسی طرح ان درختوں کے پتے جو ایسے کنوئیں یا پنسال کے قریب ہوں جن کا ڈھکنا ممکن ہے۔ یا گرد و غبار، بھوسا اور درختوں کے گابھے۔ اسی طرح مچھلی جو پانی میں مر جائے یا پانی میں ڈال دی جائے یا غرض تمام پاک اشیاء اگر پانی میں شامل ہوں اور مذکورہ شرائط پر پوری ہوتی ہوں تو پانی کی طہوریت سلب کر لیں گی اور وہ پانی صرف طاہر رہ جائے گا لیکن شرط وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی کہ ان سے پانی کے کسی ایک وصف میں فرق آ جائے۔

دوسری بات جو پانی کی صفت طہوریت کو ختم کرنے والی ہے۔ یہ ہے کہ پانی میں جو تغیر آیا ہے وہ اس برتن ہی کی وجہ سے ہو جس میں وہ پانی ہے۔ اس کے لیے دو شرطیں ہیں: اول یہ کہ وہ برتن زمینی اجزا سے نہ بنا ہو، مثلاً کسی چمڑے کے برتن یا لکڑی کے برتن میں ہو اور اس برتن کی وجہ سے اس کی کسی صفت میں فرق آ گیا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ تغیر جو پانی میں آیا، وہ ایسا ہو جسے عام طور پر نمایاں (بڑا) تغیر خیال کیا جاتا ہے۔ پس اگر پانی مٹی کے کورے گھڑے میں رکھا گیا اور

Marfat.com

اس میں کوئی معمولی سی تبدیلی آ گئی ☆ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح اگر پانی میں کتان کی ڈور یا کھجور کی چھال سے تبدیلی آئی تو اس تبدیلی میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ واضح اور بڑا تغیر نہ پیدا ہوا ہو۔

تیسری بات جو پانی کی طہوریت کو زائل کرتی ہے، یہ ہے کہ پانی میں تارکول یا قرظ وغیرہ (دباغت کے مسالوں) سے فرق آ گیا ہو۔ ایسی صورت میں پانی طہوریت سے خارج ہو گا جب کہ اس کا ذائقہ یا رنگ بدلا ہو، اگر صرف بو میں فرق آیا ہے تو اس پانی میں طہوریت کی صلاحیت باقی رہے گی اور اس تغیر سے کوئی حرج نہ ہو گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ پانی کی صفت طہوریت کا زائل ہونا اور صرف طاہر رہ جانا چار شرطوں پر موقوف ہے:

ایک یہ کہ وہ پاک چیز جو پانی میں ملی وہ ایسی ہے جس کا شامل کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ اگر اس پانی میں کوئی اور پانی ایسا ملایا گیا کہ بغیر اس کے ملائے وہ پانی بھی ختم ہو جاتا، اب اگر اس کے ملانے سے اس پانی میں تغیر آ گیا یا پانی میں تغیر اس جگہ کے باعث آیا جہاں سے پانی کی سوت (چشمہ) پھوٹی تو اس تغیر سے اس پانی میں کوئی خرابی نہ ہو گی (یعنی اس کی طہوریت باقی رہے گی)۔

دوسری شرط یہ ہے کہ پانی میں پاک شے کی آمیزش سے جو تغیر ہوا ہے وہ یقینی ہو۔ اگر اس کے متغیر ہونے میں شبہ ہو تو پانی میں خرابی متصور نہ ہو گی۔

تیسری شرط یہ ہے کہ پانی میں وہ تغیر مٹی پڑ جانے کے باعث نہ ہو خواہ وہ مٹی اس میں قصداً ڈالی گئی ہو۔ پانی میں گاڑھے نمک کے شامل ہونے کی صورت میں بھی وہی حکم ہے جو مٹی کا ہے۔ پس اگر ان اشیائے متذکرہ کے علاوہ کسی اور (پاک) چیز کے پڑ جانے سے پانی میں تبدیلی آ جائے تو اس کی صفت طہوریت جاتی رہے گی اور وہ محض طاہر رہ جائے گا، مثلاً اس پانی میں زعفران یا کھجور ڈالا جائے یا اسی طرح کی کوئی اور شے ڈالنے سے پانی میں نمایاں تبدیلی آ جائے یا پانی میں درخت کا پتہ پڑ جانے سے اس کی حالت بدل جائے یا کسی اور شے کی اس میں تحلیل ہو جانے کے باعث تغیر آ جائے جیسے السی یا ملیٹھی وغیرہ حل ہو جائے اور یہ تغیر نمایاں ہو، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا تو ایسا پانی طہور نہ رہے گا۔ تارکول کی آمیزش سے اگر پانی میں نمایاں اور یقینی فرق آ جائے تو پانی طہور نہ رہے گا۔ بشرطیکہ تارکول میں چکنائی نہ ہو اور پانی کے مشکیزہ (یا کپے) کو اصلاح کے لیے نہ لگایا گیا ہو، بصورت دیگر کوئی حرج نہیں (اور وہ طہور ہی ہو گا) اسی طرح اس صورت میں جب کہ پانی میں ایسے نمک سے جو پانی سے نہ بنا ہو بلکہ پہاڑی نمک ہو تغیر آ جائے تو وہ پانی صرف طاہر ہے (طہور نہیں ہے)۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ نمک اس پانی کے ٹھہرنے کی جگہ پر یا پانی کی گزرگاہ پر نہ ہو۔ اگر ایسا ہو تو پانی کی طہوریت میں فرق نہ آئے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ پانی کی طہوریت کو سلب کرنے والی چند اشیاء ہیں: اول یہ کہ اس میں کسی ایسی پاک چیز کی آمیزش ہو جائے جس سے بچنا دشوار نہ ہو۔ ایسی صورت میں دو باتیں دیکھنی ہوں گی: ایک تو یہ کہ اس آمیزش سے پانی کے اوصاف میں سے کوئی وصف نمایاں طور پر بدل گیا ہے، معمولی تبدیلی سے کوئی حرج نہیں ہے۔ دوم یہ کہ وہ طاہر شے اس جگہ پر نہ ہو جسے پاک کرنا ہے، مثلاً اگر وضو کرنے والے کے ہاتھ میں زعفران ہو اس نے پانی کا چلو بھرا اور پانی میں تبدیلی آ گئی

☆ غالباً اسی سے مراد سوندھی خوشبو ہے۔

Marfat.com

ماءِ طاہر غیر طہور کی دوسری قسم ماءِ قلیل [1] (کم مقدار پانی) ہے جو استعمال میں آچکا ہو۔ کم مقدار پانی سے مراد یہ ہے کہ وہ پانی دو قلوں (دو کوزوں) سے مقدار میں کم ہو۔ (استعمال شدہ پانی کی کیا تعریف ہے؟)

تو اس جگہ پر جہاں زعفران ہے پانی میں تبدیلی آنے سے اس کی طہوریت میں فرق نہ آئے گا۔

واضح ہو کہ پانی میں ملنے والی (پاک) شے مثلاً ترمس☆ یا چنا پانی میں جوش دیا جائے یا نہ دیا جائے دونوں کا ایک حکم ہے۔

اگر پانی میں شامل ہونے والی شے ایسی ہے جس سے بچنا مشکل ہے، جیسے گرد وغبار اور درختوں کے پتے تو اس شے کی آمیزش سے پانی کی طہوریت میں فرق نہیں آتا۔ البتہ اگر کسی شخص نے اپنے ہوش وحواس میں قصداً اس کو ڈالا ہے (تو طہوریت میں فرق آجائے گا)۔

طہوریت کو سلب کرنے والی دوسری صورت یہ ہے کہ (صاف) پانی میں استعمال شدہ پانی شامل ہو جائے اور شامل ہونے والا پانی وہ ہو جو رفع حدث یا گندگی کو زائل کرنے کے لیے استعمال میں آیا ہو اور اس کے استعمال سے وہ جگہ پاک ہو گئی ہو۔ (لہٰذا اگر وہ پانی کسی شخص کے ہاتھ پر سے بہا، اس طرح کہ اس کے بہنے سے ہاتھ پاک نہیں ہوا تو اس صورت میں وہ پانی استعمال شدہ تصور نہ کیا جائے گا)۔ نیز استعمال میں آئے ہوئے پانی میں کوئی تغیر نہ آیا ہو اور وہ پانی جس میں اس پانی کی آمیزش ہوئی دو قلہ (کوزہ) سے کم ہو۔

طہوریت کو سلب کرنے والی تیسری چیز یہ ہے کہ طہور پانی میں کوئی ایسا رقیق عرق شامل ہو جائے جو اپنے اوصاف میں اس پانی کے مخالف نہ ہو۔ مثلاً عرق گلاب، عرق نازبو یا عرق پودینہ جس کی خوشبو جاتی رہی ہو اگر پانی میں شامل ہو جائے، اور مقدار میں پانی سے زیادہ ہو، تو اس پانی کی صفت طہوریت جاتی رہے گی۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ کم مقدار پانی استعمال میں آنے سے خراب نہیں ہوتا اور اس کی طہوریت نہیں جاتی۔ لہٰذا اگر کسی شخص نے کم مقدار پانی سے وضو کیا اور استعمال شدہ پانی (دوبارہ) اس برتن میں چلا گیا جس برتن سے پانی لے کر وضو کیا تھا تو اس پانی سے پھر وضو کرنا روا ہے۔ استعمال شدہ پانی کی تفصیل مالکیہ کے مطابق آگے آتی ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ کم مقدار پانی جس کی طہوریت استعمال میں آنے کے بعد سلب ہو جاتی ہے، اس سے مراد وہ پانی ہے جو ایسی جگہ میں ہو جس کا رقبہ دہ در دہ ذراع عامہ (۱۰۰ سو مربع ہاتھ) سے کم ہو، یا کسی ایسے گول حوض میں ہو جس کا دور چھتیس (۳۶) ہاتھ ہو۔

زیادہ مقدار جس کو استعمال میں لانے سے اس کی طہوریت سلب نہیں ہوتی وہ پانی ہے جو اس مقدار سے زیادہ ہو، جیسے دریاؤں، نہروں، نالوں، کھیتی کی نالیوں اور بڑے بڑے مربع حوضوں کا پانی جو ہاتھ کی پیمائش سے دہ در دہ (۱۰×۱۰) ہوں، یا وہ پینسالیس جن کا محیط چھتیس (۳۶) ہاتھ یا زیادہ ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ گہرائی بہت زیادہ ہو۔ گہرائی کا انحصار اس امر پر ہے کہ اس میں موجود پانی کے استعمال سے زمین کھل جائے۔ پس اگر انسان کا استعمال شدہ پانی اس سے کم ہے تو وہ پانی استعمال شدہ قرار دیا جائے گا۔ استعمال شدہ پانی کے مسائل بعد میں بیان ہوں گے۔

☆ کڑوے ذائقے کے دانوں کی ایک قسم جسے جوش دے کر اس کی کڑواہٹ دور کی جاتی ہے۔

Marfat.com

اس باب میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ استعمال میں آجانے سے پانی کی طہوریت سلب نہیں ہوتی، لہٰذا استعمال شدہ پانی سے وضو اور غسل وغیرہ جائز ہے۔ البتہ اگر اس کے علاوہ دوسرا (غیر مستعمل) پانی موجود ہو تو اس (مستعمل پانی) کا استعمال کرنا مکروہ ہے۔ غرض (مالکیہ کے نزدیک) استعمال سے پانی کی طہوریت نہیں جاتی خواہ اس کی مقدار کم ہو۔

واضح ہو کہ (مالکیہ کے نزدیک) استعمال شدہ پانی کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ آب طہور جس کی مقدار تھوڑی ہو، اور حدث اصغر یا حدث اکبر دور کرنے کے لیے استعمال میں آچکا ہو، جیسے غسل یا وضو کے کام میں لایا گیا یا حکمی نجاست کو دور کرنے میں استعمال ہوا جس سے نجاست کو دور کیا جاتا ہے، یہ نجاست خواہ حسی ہو یا معنوی جن کی تفصیل اوپر آچکی ہے۔

دوسری قسم ماء مستعمل کی یہ ہے کہ پانی ایسے کام میں استعمال کیا گیا ہو جس میں استعمال کے لیے پاک کرنے والا پانی شرط ہے، خواہ وہ استعمال واجب ہو، جیسے میت کا غسل یا کسی ذمیہ کا غسل جو حیض ونفاس کا خون بند ہونے کے بعد کیا جائے کہ نکاح کے بعد اس سے مباشرت حلال ہو۔ خواہ وہ استعمال واجب نہ ہو جیسے وضو پر وضو کرنا، یا جمعہ، عیدین کا غسل، یا وضو کے وقت دوسری یا تیسری بار (اعضائے وضو کا) دھونا۔

ان میں سے کسی کام میں بھی پانی استعمال میں لایا جاچکے تو اس کا دوسری بار استعمال مکروہ ہے، مگر کراہیت کی دو شرطیں ہیں: پہلی شرط یہ ہے کہ وضو یا غسل کی صورت میں وہ پانی کسی عضو پر ڈالنے کے بعد بہہ کر آیا ہو۔ نجاست دور کرنے کی صورت میں یہ شرط نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ پانی کو ایک جگہ سے لے کر عضو پر بہایا گیا ہو۔ اگر پانی اپنی جگہ پر رہا اور اسی میں عضو کو ڈال کر ڈبویا تو وہ استعمال شدہ نہیں ہوا۔ البتہ اگر عضو کو پانی میں ڈبو کر ملا جائے تو وہ استعمال شدہ ہو جائے گا۔ پس اگر کسی اجنبی نے (یعنی جس کو نہانے کی حاجت تھی) کسی مغطس (غوطہ لگانے کی جگہ یعنی ٹب وغیرہ) میں غوطہ لگایا اور اس میں بدن کو مسلا وسلا نہیں تو وہ پانی استعمال شدہ متصور نہ ہوگا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ طہور پانی جب استعمال میں آچکے تو وہ صرف طاہر رہتا ہے، طہور نہیں رہتا۔ لہٰذا اس کو معمولی کاموں مثلاً پینے، پکانے وغیرہ میں استعمال کیا جاسکتا ہے، عبادات، مثلاً وضو یا غسل میں اس کا استعمال صحیح نہیں ہے۔

حنفیہ کے نزدیک استعمال شدہ پانی کی چار قسمیں ہیں:

پہلی قسم میں وہ پانی ہے جس کے استعمال پر عبادت کا ادا کرنا موقوف تھا، جیسے نماز، حج کی نیت اور قرآن شریف کو ہاتھ لگانا وغیرہ۔

دوسری قسم میں وہ پانی ہے جس کے استعمال پر حدث کا دور کرنا موقوف تھا، جیسے حدث اصغر والے کے لیے پورا وضو کرنا۔

تیسری قسم میں وہ پانی ہے جس کے استعمال سے کوئی فریضہ (طہارت) پورا ہوا، اگرچہ حدث دور نہیں ہوا، مثلاً اعضائے وضو میں سے کوئی عضو دھولیا اور کوئی باقی رہا۔ پس اگر صرف منہ دھویا ہے تو وہ پانی جس سے منہ دھولیا، استعمال شدہ ہوگیا، یعنی چہرہ کا دھونا لیکن (حدث کی) ناپاکی دور نہیں ہوئی، کیونکہ حدث کا دور ہونا وضو مکمل ہونے پر موقوف ہوتا ہے۔

چوتھی قسم میں وہ پانی ہے جو عبادت کی یاد دلانے کے لیے استعمال کیا جائے، جیسے کسی حائضہ عورت کا وضو کرنا کہ

Marfat.com

واضح ہو کہ دو قلہ (دو کوزہ) پانی کی مقدار وزن میں چار سو چھیالیس پورے مصری رطل اور ایک رطل کے سات حصوں میں سے تین حصے (یعنی ۴۴۶،۴/۳) کے برابر ہے۔ اور اس جگہ کا رقبہ جس میں دو قلہ پانی آتا ہے، مربع ہونے کی صورت میں انسان کے معیاری سوا ہاتھ مکعب کے برابر ہوتا ہے۔ اور گول مثل کنواں کے ہو تو اس کی پیائش یہ ہوگی: چوڑائی (قطر) ایک ہاتھ گہرائی ڈھائی ہاتھ اور دور تین ہاتھ اور ایک ہاتھ کا ساتواں حصہ (یعنی ۱/۷ ۱ ہاتھ) اور اگر وہ جگہ مثلث ہو تو اس کی پیائش ڈیڑھ گز چوڑائی اور اتنی ہی لمبائی اور دو گز گہرائی ہوگی۔

اس کے لیے ہر نماز کے وقت میں وضو کرنا مستحب ہے تا کہ اسے نماز کی یاد آتی رہے جس کے بجالانے کی عادت ہے۔

اب یہ سمجھنا چاہیے کہ ان تمام حالات میں پانی استعمال شدہ متصور نہ ہوگا جب تک کہ عضو سے جدا نہ ہو۔ پس اگر پانی ہاتھ پر ڈالا گیا اور اس سے ٹپکا نہیں تو وہ پانی (جو عضو پر رہے گا) قدرتی طور پر مستعمل نہیں ہے، ورنہ عضو کے باقی حصہ کا پاک کرنا ممکن ہی نہ رہے گا۔ (کیونکہ عضو پر لگا ہوا پانی مستعمل متصور ہوا تو گویا عضو پاک ہی نہیں ہوا)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ استعمال شدہ قلیل پانی وہ ہے جس کو استعمال کرنے والا اپنے نقطۂ نظر سے رفع حدث یا ناپاکی دور کرنے کے لیے حقیقۃً یا صورۃً ناگزیر جانتا ہو۔ اس تعریف کی تشریح یہ ہے کہ یہاں پر قلیل سے مراد یہ ہے کہ وہ دو قلہ سے کم ہو۔ قلہ کی تفصیل اسی کے متن میں اوپر ہو چکی ہے۔ پس اگر کسی نے قلیل پانی سے وضو کیا یا غسل کیا یعنی پانی سے منہ دھونے کے بعد ہاتھوں کو دھونے کے لیے چلو بھرا تو اب وہ پانی مستعمل ہو گیا۔ لیکن اسے مستعمل قرار دینے کے لیے چند شرطیں ہیں:

شرط اوّل یہ ہے کہ اس کا استعمال ادائے فرض کی خاطر پاک ہونے کی غرض سے کیا گیا ہو۔ لہٰذا اگر نفلی نماز کے لیے وضو کیا یا قرآن حکیم کو ہاتھ لگانے یا کسی اور ایسے ہی کام کے لیے کیا تو پانی میں چلو بھرنے سے وہ استعمال شدہ نہ ہوگا۔

شرط دوم یہ ہے کہ وہ پانی (اسی غرض کے لیے) پہلی بار استعمال کیا گیا ہو۔ لہٰذا اگر کسی اور پانی سے پہلے منہ دھو لیا اور پھر دوسری یا تیسری بار منہ دھونے کے لیے برتن میں سے چلو بھرا تو وہ پانی مستعمل نہ ہوگا (کیونکہ منہ دھونے کا فریضہ تو پہلی ہی بار دھونے سے ادا ہو چکا تھا)

شرط سوم یہ ہے کہ پانی کی مقدار ابتدا ہی سے قلیل ہو، اگر شروع استعمال میں دو قلہ کے برابر یا زیادہ تھی اور پھر اس کو کسی اور برتن میں الگ الگ کیا تو اب چلو بھرنے سے وہ پانی مستعمل نہیں ہوگا، اسی طرح اگر تھوڑا تھوڑا استعمال شدہ پانی جمع کیا اور وہ دو قلہ کے برابر ہو گیا تو اس کی مقدار زیادہ ہو گئی اور اس سے چلو بھرنے میں حرج نہیں۔

شرط چہارم یہ ہے کہ وہ پانی عضو سے بہہ کر آیا ہو۔ لہٰذا اگر پانی ہاتھ میں لگا لیکن بہہ کر گرا نہیں تو وہ مستعمل نہ ہوگا۔

اب یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر کم مقدار پانی سے وضو یا غسل کیا اور پھر اسی پانی سے (وضو یا غسل کی) نیت سے چلو بھرا تو وہ استعمال شدہ پانی نہیں ہوا۔ یاد رہے کہ وضو کے باب میں (وضو کی نیت سے) چلو میں پانی لینے کا وقت منہ دھو لینے کے بعد ہے، بایں طور کہ یہ نیت ہاتھوں کو دھونے کے وقت ہو، اگر کلی کرنے یا ناک میں پانی ڈالنے کے وقت یا منہ دھونے کے

Marfat.com

محض طاہر (یعنی طاہر غیر طہور) پانی کی تیسری قسم وہ پانی ہے جو سبزیات میں سے نکلے خواہ وہ عرق کشی کے طریقہ سے نکالا جائے' جیسے عرق گلاب' یا بغیر کسی طریقہ (عرق کشی) کے نکلا ہو' جیسے تربوز کا پانی۔

وقت نیت کی تو وہ جائز نہ ہوگی۔ اور غسل کے لیے چلو میں پانی لینے کا وقت وہ ہے جب پہلے غسل کی نیت ہو اور بدن سے پانی لگے۔ اگر (غسل کے لیے) پانی لینے کی پہلے کی نیت نہیں کی، بلکہ پانی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کا ارادہ کیا کہ غسل کرنے کے لیے بدن کو دھونا ہے، یا وضو کے لیے اعضائے وضو کو دھونا ہے تو وہ قلیل پانی مستعمل متصور ہوگا۔

(استعمال شدہ قلیل پانی کی) تعریف میں لفظ حقیقۃً یا صورۃً جو آیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وضو کرنے والا شخص مکلف انسان ہو جس پر حقیقۃً (فی الواقع) وضو واجب ہو یا وہ غیر مکلف ہو جس کا وضو صرف صورۃً (بظاہر) ہوتا ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں (یعنی دونوں کا حکم یکساں ہے)۔

''استعمال کرنے والے کے نقطہء نظر'' کے الفاظ کا یہ مطلب ہے کہ مثلاً وضو کرنے والے کے نزدیک اپنے عقائد کی رو سے وضو صحیح ہو تب ہی وضو میں استعمال شدہ پانی مستعمل متصور ہوگا۔ اگرچہ وہ مذہب شافعی کی رو سے صحیح نہ ہو۔ چنانچہ اگر کسی حنفی نے نیت کے بغیر وضو کیا تو حنفیوں کے نزدیک وہ وضو درست ہوا (کیونکہ ان کے نزدیک وضو کے لئے نیت شرط نہیں ہے) لیکن شافعیوں کے نزدیک وہ وضو صحیح نہیں کیونکہ ان کے نزدیک وضو کے لیے نیت شرط ہے باوجود اس کے شافعیہ کے نزدیک بھی اس وضو کا پانی استعمال شدہ متصور ہوگا کیونکہ وضو کرنے والے حنفی کے اپنے نقطہء نظر سے وہ وضو صحیح تھا۔

تعریف میں ''یا گندگی دور کرنے'' کا جو لفظ آیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ جو پانی نجاست زائل کرنے کے کام میں لایا جا چکا ہے وہ استعمال شدہ پانی ہوگا لیکن نجس نہ ہوگا (یعنی وہ پانی طاہر غیر طہور ہوگا) لیکن اس کا طاہر ہونا چند امور پر موقوف ہے:

اوّل یہ ہے کہ مثلاً کسی نجس کپڑے کو دھونے سے جو پانی نکلے وہ صاف ہو' بایں طور کہ کپڑے سے نجاست دور ہونے کے بعد جو پانی نچڑا ہے اس کے اوصاف میں سے کسی وصف میں اس نجاست کے باعث فرق نہیں آیا۔ دوم یہ کہ نجاست کو دھونے کے بعد جو استعمال شدہ بچا ہے' اس کا وزن اس سے زیادہ نہ ہو جتنا کہ دھلی ہوئی شے میں جذب ہونے اور میل کچیل کے پانی میں تحلیل ہونے کے بعد بالعموم ہونا چاہیے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھیے کہ نجس آلود کپڑے کو صفیحہ☆ یا حلہ سے جس میں دس رطل پانی آتا ہے دھویا گیا اس پانی کا دسواں حصہ صیعنی (ایک رطل) کپڑے نے چوس لیا اور ایک چوتھائی رطل میل کچیل پانی میں تحلیل ہو گیا' اب اگر استعمال شدہ کا وزن نو رطل اور ایک چوتھائی رطل ہے یا اس سے کم ہے تو پانی 'طاہر' ہوگا' ورنہ نجس شمار ہوگا۔

سوم یہ کہ دھونے کے وقت وہ پانی نجس جگہ سے لگ کر آیا ہو، اگر نجس جگہ سے لگ کر نہیں آیا تو وہ پانی غیر مستعمل ہے۔

اب رہی یہ بات کہ اس قسم کے مسائل کی موجودہ وقت میں ضرورت ہی نہیں ہے جبکہ بالعموم یہ ممکن ہے کہ پانی کے

☆لوہے کا ٹین/ڈبہ

Marfat.com

پانی کی تیسری قسم

نجاست آلود پانی، اس کی تعریف اور اقسام

نجاست آلود پانی وہ ہے جس میں کوئی گندگی شامل ہو جائے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم ماء کثیر (زیادہ مقدار میں پاک کرنے والا پانی): یہ پانی نجاست کی آمیزش سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے اوصاف ثلاثہ یعنی رنگ، ذائقہ یا بو میں فرق نہ آئے۔

دوسری قسم ماء قلیل (کم مقدار پاک کرنے والا پانی): یہ پانی نجس شے کی آمیزش سے ناپاک

نلکے ہر طرف لگے ہوئے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کسی خاص وقت یا جگہ کے لئے محدود نہیں ہے۔ یہ احکام ایسے صحراؤں میں رہنے والوں اور ان علاقوں کے لئے ہیں جہاں پانی کی قلت ہے۔ لہٰذا شافعی عقیدے کے جو لوگ ایسے علاقوں میں رہتے ہیں، انہیں بہرحال ان احکام سے واقف ہونا ضروری ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ استعمال شدہ پانی کی تعریف یہ ہے کہ (استعمال شدہ پانی) وہ قلیل مقدار پانی ہے جس سے حدث کو دور یا نجاست کو زائل کیا جائے اور سات بار دھونے کے بعد نجاست والی جگہ سے بہہ کر آئے لیکن اس کی صفات میں کوئی فرق نہ آیا ہو۔ لہٰذا سات بار دھونے سے پہلے کا استعمال شدہ ناپاک ہے۔ اس کے بعد کا استعمال شدہ مستعمل پانی ہے۔

اس تعریف میں "قلیل مقدار پانی" کا جو لفظ ہے اس نے کثیر مقدار پانی کو خارج کر دیا۔ کثیر مقدار پانی وہ ہے جو دو "قلے" کے برابر یا اس سے زیادہ ہو۔

"حدث کو دور کرنے اور نجاست کو زائل کرنے" کے الفاظ سے وہ پانی خارج ہو گیا جو مذکورہ امور کے علاوہ کسی اور پاک کام میں استعمال کیا جائے۔

اور یہ جو قید لگائی گئی کہ "سات بار دھونے کے بعد نجاست والی جگہ سے بہہ کر آیا ہو" اس سے یہ جتانا مقصود ہے کہ نجس کپڑا یا برتن سات بار پانی سے دھوئے بغیر پاک نہیں ہوتا۔ یعنی حنابلہ کے نزدیک نجس شے کو جب تک سات بار نہ دھویا جائے پاک نہ ہوگی۔

استعمال شدہ پانی میں وہ پانی بھی داخل ہے جس سے میت کو نہلایا گیا اور وہ پانی بھی جس میں کسی شخص نے وضو توڑنے والی نیند سے بیدار ہو کر اپنا سارا ہاتھ ڈبو دیا ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ نیند رات کی ہو اور وہ شخص مسلمان عاقل و بالغ ہو اور تین بار ہاتھ دھونے سے پہلے اسی پانی میں ہاتھ دھونے کی نیت سے اور بسم اللہ کہہ کر ہاتھ ڈالا ہو۔ اور یہی حکم اس پانی کا ہے جو بغیر کسی برتن میں ہاتھ ڈالے پورے ہاتھ پر سے بہہ کر آیا ہو، مثلاً یہ کہ اس کے پاس کوئی لوٹا ہے اور اس کی ٹوٹی سے اس نے اپنے پورے ہاتھ پر پانی بہایا تو جو پانی اس سے ٹپکا وہ استعمال شدہ پانی ہے۔

یاد رہے کہ کوئی پانی استعمال شدہ نہیں ہوتا جب تک کہ وہ محل استعمال سے الگ ہو کر نہ آیا ہو۔

Marfat.com

ہو جاتا ہے' خواہ اس کے کسی وصف میں فرق آیا ہو نہ آیا ہوا۔ [1]

کنوئیں کے پانی کے مسائل

کنوئیں کے پانی کے مخصوص احکام ہیں' اس لیے اس کا بیان مستقل عنوان کے تحت کیا جاتا ہے۔ اس کے احکام سے متعلقہ مسالک تفصیل طلب ہیں۔ [2]

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ ماءطہور (پاک کرنے والا پانی) نجاست کی آمیزش سے گندا نہیں ہوتا بشرطیکہ نجاست سے اس کے اوصاف ثلاثہ میں سے کسی میں فرق نہ آیا ہو لیکن بدیں لحاظ کہ اس خیال سے بعض فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کنوئیں میں کوئی ایسا جاندار گر پڑے جس میں بہتا ہوا خون ہو جیسے کوئی انسان یا بکری یا خرگوش، تو ان کی تین حالتیں ہوں گی:

پہلی حالت یہ ہے کہ وہ جاندار سڑ گل گیا ہو' بایں طور کہ اس کے اعضاء بکھر گئے ہوں یا بال جھڑ گئے ہوں' ایسی حالت میں کنواں نجس ہو جائے گا' نیز اس کا ڈول جو جانور کے گرنے کے بعد اس کنوئیں میں ڈالا گیا' اور اس کی رسی بھی۔ اب اگر یہ ممکن ہو کہ اس کنوئیں کا تمام پانی نکالا جا سکے تو تمام پانی نکالے بغیر وہ پاک نہ ہوگا۔ اگر تمام پانی نکالنا ممکن نہیں تو دو سو ڈول پانی نکالنے سے کنواں پاک ہو جائے گا۔ ڈول وہ ہونا چاہیے جو بالعموم استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ خیال رہے کہ جب تک کہ اس مردار کو پہلے نکالا نہ جائے پانی نکالنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ جب اس طرح پانی نکال دیا جائے تو تمام کنواں' اس کی دیواریں اور ڈول اور پانی نکالنے والے کے ہاتھ سب اشیاء پاک ہو جائیں گی۔

دوسری حالت یہ ہے کہ وہ جانور جس کے جسم میں بہتا ہوا خون ہے کنوئیں میں مر گیا' لیکن ہنوز سڑا گلا نہیں یا اس کے بال نہیں جھڑے تو اس کی تین صورتیں ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ مرنے والا جاندار آدمی ہے یا بکری ہے' خواہ ان کا قد بڑا ہو یا چھوٹا' اس کا حکم وہی ہے جو اوپر بیان ہوا کہ کنوئیں کا پانی اور اس کی متعلقہ اشیاء دیوار' ڈول اور رسی سب نجس ہیں اور جب تک سارا پانی بشرط ممکن یا اگر یہ ناممکن ہو تو دو سو ڈول نکالا جائے وہ پاک نہ ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کنوئیں میں گرنے والا جانور چھوٹا ہو جیسے کبوتر یا مرغی یا بلی۔ اب اگر کنوئیں میں کوئی بلی گری اور مر گئی لیکن سڑی گلی نہیں' یا اس کے بال نہیں جھڑے تو کنوئیں کا پانی نجاست آلود متصور ہوگا جب تک اس میں سے چالیس ڈول پانی نہ نکالا جائے وہ پاک نہ ہوگا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ گرنے والا جانور ان سے چھوٹا ہو جیسے چڑیا یا چوہا تب بھی کنوئیں کا پانی نجاست آلود ہو جائے گا اور بیس ڈول پانی نکالے بغیر پاک نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ ان تمام صورتوں میں گرنے والا جاندار چھوٹا ہو یا بڑا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آدمی' مرغی اور چوہے کے باب میں نص (صراحت) وارد ہے۔ باقی چھوٹے جانور بڑے جانور کے حکم میں شامل ہیں۔

(کنوئیں میں کسی جانور کے جا پڑنے کی) تیسری حالت یہ ہے کہ جو جانور کنوئیں میں گرا اسے زندہ نکال لیا گیا۔

Marfat.com

اس کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ جانور نجس العین یعنی سور ہے ایسی صورت میں یہ حکم ہے کہ اگر ممکن ہو تو سارا پانی نکالا جائے ممکن نہ ہو تو دو سو ڈول نکالے جائیں جیسا کہ اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ کنوئیں میں گر کر کوئی جانور سڑ گل گیا ہو اور اس کے بال جھڑ گئے ہوں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ جانور نجس العین نہ ہو جیسے بکری وغیرہ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس جانور کے بدن پر نجاست غلیظہ فضلہ وغیرہ لگا ہو تو کنواں نجاست آلود ہو جائے گا۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کنوئیں میں نجس العین جانور گر گیا ہو۔ لیکن اگر اس کے بدن پر نجاست نہ تھی تو کنوئیں کا پانی نکالنا واجب نہیں ہے لیکن مستحب (پسندیدہ طریقہ) یہ ہے کہ بیس ڈول پانی نکال دیا جائے تا کہ دل کو اطمینان ہو جائے۔ اگر اس جانور کا جسم تو نجاست آلود نہ تھا لیکن اس کے منہ میں نجاست لگی ہوئی تھی اس کا حکم سابقاً بیان کیا جا چکا ہے یعنی اس کا بھی وہی حکم ہے جو نجس جانور کے پس خوردہ کا ہے۔ تفصیل گزشتہ صفحات میں پیش کی جا چکی ہے۔

واضح ہو کہ ایسا جانور جس میں بہتا ہوا خون نہ ہو جیسے بچھو مینڈک یا مچھلی وغیرہ اگر کنوئیں میں مر جائے تو حرج نہیں۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کنوئیں میں کوئی ایسی شے جا پڑے جس سے بچنا ممکن نہیں مثلاً اتنی سی لید جو دیکھنے والے کی نظر میں زیادہ نہ ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی جاندار کنوئیں میں مر جائے اور یہ تین باتیں ہوں تو کنواں نجس ہو جائے گا:

ایک بات یہ ہے کہ وہ جاندار خشکی کا ہو، اس میں انسان ہو یا جانور۔ اگر دریائی جانور ہے جیسے مچھلی وغیرہ تو اس سے پانی نجس نہ ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ خشکی کا جانور ایسا ہو جس میں بہتا ہوا خون ہو۔ اگر اس میں بہتا ہوا خون نہیں ہے جیسے جھینگر یا بچھو وغیرہ تو وہ کنواں نجس نہ ہوگا۔

تیسری بات یہ ہے کہ کنوئیں کے پانی میں اس جانور کے مرنے سے کوئی تبدیلی نہ آئی ہو اگر اس کے مرنے سے تبدیلی آ گئی ہے خواہ وہ جانور چھوٹا ہو یا بڑا تو کنوئیں کا پانی نجس ہو جائے گا۔ تاہم مستحب یہی ہے کہ کنوئیں سے اتنا پانی نکال دیا جائے کہ (اس کی پاکی کی طرف سے) دل مطمئن ہو جائے۔ پانی کی کوئی خاص مقدار مقرر نہیں ہے۔ کنوئیں کے پانی کے متعلق یہ حکم ایسا ہی جیسا ٹھہرے ہوئے پانی کے متعلق جہاں پانی میں اضافہ کا عنصر (چشمہ وغیرہ) موجود نہ ہو جیسے چھوٹا سا حوض جس میں پانی باہر سے نہ آتا ہو (یا بہت زیادہ مقدار میں نہ ہو)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ کنوئیں کا پانی یا تو قلیل ہوگا یعنی دو قلوں (مٹکوں) سے کم جس کی تشریح بیان ہو گئی ہے یا پانی کثیر ہوگا یعنی دو مٹکوں کے برابر یا زیادہ۔ اگر پانی قلیل ہے اور اس میں کوئی انسان یا جانور جس میں بہتا ہوا خون ہے مر گیا تو پانی نجس ہو جائے گا بشرطیکہ دو باتیں ہوں: پہلی بات یہ ہے کہ وہ نجاست قابل درگزر نہ ہو۔ قابل درگزر (یعنی معاف) نجاست کی تفصیل گزر چکی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کو پانی میں ڈالا گیا ہو اگر نجاست از خود کنوئیں میں گر گئی یا ہوا کے جھونکے سے آ پڑی اور قابل درگزر تھی تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ اگر کسی نے قصداً ڈالا تو وہ پانی خراب ہو گیا۔

Marfat.com

طاہر (پاک) پانی اور نجس (ناپاک) پانی کا بیان

طہور (پاک کرنے والے) پانی کے مسائل اور اس کے متعلقہ احکام صفحہ ۳۳ پر اور اس کے آگے بیان ہو چکے ہیں۔ باقی رہیں پانی کی آخری دو قسمیں یعنی طاہر (پاک) اور نجس (ناپاک) پانی۔

طاہر پانی (جو پاک تو ہو لیکن پاک کرنے والا نہ ہو) کا حکم یہ ہے کہ امور عبادات میں اس کا استعمال درست نہیں ہے۔ لہٰذا نہ اس سے وضو ہو سکتا ہے اور نہ غسل جنابت وغیرہ امور عبادات میں کام آ سکتا ہے۔ نہ اس سے بدن، کپڑے یا کسی جگہ کی نجاست دھوئی جا سکتی ہے۔ نہ حدث دور کیا جا سکتا ہے اور نہ نجاست زائل کی جا سکتی ہے۔(1)

نجاست آلود پانی کا حکم یہ ہے کہ نہ اس کو امور عبادات میں استعمال کرنا جائز ہے اور نہ معمول کے کام میں۔ چنانچہ جس طرح اس پانی سے وضو اور غسل درست نہیں ہے اسی طرح اس کا استعمال کھانے، گوندھنے اور ایسے ہی دوسرے کاموں میں بھی ناجائز ہے۔ اگر نجس پانی کو استعمال کیا گیا تو وہ چیز بھی نجس ہو

اگر کنوئیں میں کوئی جانور جس میں بہتا ہوا خون ہے، مر گیا اور اس میں پانی کی مقدار کثیر ہے، یعنی دو مٹکوں سے زیادہ ہے تو وہ نجس نہ ہوگا، جب تک کہ اس پانی کے اوصاف ثلاثہ میں سے کسی میں فرق نہ آ گیا ہو۔ اسی طرح اگر کنوئیں میں نجاست گر جائے اور اس میں پانی کثیر ہو تو وہ بھی جب تک کہ پانی کے اوصاف ثلاثہ میں سے کسی میں فرق نہ آ جائے (ناپاک نہ ہوگا) اگر پانی قلیل ہو تو نجاست پڑتے ہی نجس ہو جائے گا اگرچہ اس میں تغیر نہ آیا ہو۔ اسی طرح نجس ہونے کے بھی وہی دو امور ہیں جو اوپر بیان ہوئے۔

حنابلہ اس باب میں وہی کہتے ہیں جو شافعیہ کہتے ہیں، لیکن قلیل پانی میں کسی جاندار کے مر جانے سے نجس متصور ہونے کے لئے شافعیہ نے دو مذکور شرطیں لگائی ہیں کہ: وہ نجاست قابل درگزر نہ ہو اور اس نجاست کو دانستہ ڈالا گیا ہو، حنابلہ یہ شرطیں نہیں لگاتے۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ طاہر (غیر طہور) پانی کو نجاست دور کرنے کے کام میں لایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا جائز ہے کہ کپڑے، بدن یا کسی جگہ سے طاہر پانی یا دوسری پاک رقیق اشیاء مثلاً عرق گلاب، عرق ناز بو وغیرہ خوشبودار مائعات کو نجاست دور کرنے کے لئے کام میں لایا جائے۔ لیکن یہ عمل مکروہ ہے کیونکہ اس میں بلا ضرورت مال کا اسراف ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے عرق گلاب سے کپڑے کی نجاست کو دھویا تو یہ فعل درست تو ہے لیکن مکروہ ہے، البتہ اگر مقصد یہ ہے کہ کپڑے کو خوشبودار کیا جائے تو مکروہ نہیں ہے، اور محض طاہر (غیر طہور) پانی سے دھونے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

Marfat.com

جائے گی جس میں استعمال کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے' اور یہ ایسا ہی ہے جیسے شراب ناپاک کا استعمال کہ سخت مجبوری کے بغیر جائز نہیں ہے۔ مثلاً کوئی شخص احیاناً صحرا میں راستہ بھول جائے اور اس کی زندگی کا انحصار اس ناپاک پانی کے پینے ہی پر ہو تو ایسی صورت میں اس کا پینا جائز ہوگا۔ اسی طرح مجبوری کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کچھ کھا رہا ہو اور غذا اس کے حلق میں پھنس جائے اور پاک پانی (فی الوقت) میسر نہ ہو تو ناپاک پانی یا شراب سے اس کی تکلیف دور کی جاسکتی ہے۔

ناپاک پانی سے بعض ایسے امور میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جن کا تعلق انسان کی ذات سے نہ ہو۔ اس باب میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نجاست آلود اشیاء یا تو رقیق ہوتی ہیں' جیسے پانی یا دوسری رقیق چیزیں یا خون کہ وہ بھی رقیق ناپاک اشیاء کے شمار میں ہے۔ یا پھر جامد ہوں گی' جیسے سور' مردار یا نجس کھاد۔

اگر نجاست آلود شے پانی ہے تو اسے استعمال کرنا اور کام میں لانا حرام ہے۔ دو صورتیں مستثنیٰ ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ اس پانی کو مٹی کے گوندھنے یا چونا' گچ یا سیمنٹ میں استعمال کیا جائے' یہ جائز ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اسے مویشی کو پلایا جائے۔ دونوں صورتوں میں جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ (نجاست کے باعث) پانی کی بو' رنگت یا ذائقہ میں فرق نہ آیا ہو۔

نجس شے جو جامد (غیر مائع) ہو اسے کام میں لانا حرام ہے مثلاً سور' مردار جانور' گلا گھونٹا ہوا (منخنقہ) یا ضرب کاری سے مارا ہوا (موقوذہ) یا ایسا ہی کوئی جانور جس کے حرام ہونے کی (نص میں) صراحت آئی ہے۔ نیز ایسے تمام وہ جانور جنھیں کام میں لانا حرام ہے، ان کی کھال باستثناء سور کی کھال کے بغیر دباغت کیے استعمال میں لانا حلال نہیں ہے۔ سور کی کھال دباغت سے بھی پاک نہیں ہوتی۔

ان کے علاوہ دوسری منجمد اشیاء' مثلاً نجاست آلود جما ہوا تیل' کھانے کے علاوہ دوسرے کاموں میں لانا جائز ہے۔ مثلاً دباغت کے مسالے کے طور پر یا مشینی آلات میں تیل دینے کے لئے۔ نیز مسجد کے علاوہ دوسرے مقامات پر پالش کرنا بھی اس سے جائز ہے۔ لیکن مردار کی چکنائی اس حکم سے مستثنیٰ ہے' اس کا استعمال بالکل حلال نہیں ہے۔ پاک جانور کے جسم کی چکنائی جو نجاست آلود ہو جائے' اسے جب تک کہ اس طریقے سے جو سابقاً بیان ہوا پاک نہ کرلیا جائے کام میں لانا حلال نہیں ہے۔ اسی طرح فضلات سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا جب تک کہ وہ خشک ہو کر پھسپھسا (بھر بھرا) نہ ہو جائے۔ گوبر کو بھی جسے سوگین یا سرجین کہتے ہیں' اسی طرح کام میں لایا جاسکتا ہے۔ یہی حال مینگنی کا ہے کہ اس سے فائدہ اٹھانا اور ایندھن کے طور پر استعمال کرنا درست ہے۔

کتے کی خرید و فروخت روا ہے' بشرطیکہ شکار اور حفاظت کا کام لینا مقصود ہو۔ بھیڑیا' ہاتھی اور دوسرے جانوروں کا ماسوائے سور کے یہی حکم ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس باب میں اس قول کو سب پر ترجیح ہے کہ کتا نجس العین نہیں ہے۔ اس کا لعاب اور منہ ناپاک ہیں اور جہاں تک ان سے یا ان کی کھال سے فائدہ اٹھانے کا تعلق ہے' سور کے علاوہ شیر' بھیڑیا'

Marfat.com

ہاتھی اور دوسرے جانور بھی کتے ہی کی مانند ہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ نجس پانی کو پینے وغیرہ کے کام میں لانا حرام ہے' اس کے علاوہ دوسرے کاموں میں استعمال جائز ہے۔ نیز مالکیہ کے نزدیک نجس پانی کو مسجد کی تعمیر کے کام میں لانا حرام ہے۔ ان کا مشہور قول یہ ہے کہ نجس شدہ مائعات تیل' شہد' گھی اور سرکہ کام میں لانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ایسی اشیاء کا نجاست آلود ہو جانے کے بعد پاک کرنا ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا نجس ہونے کے بعد ان کو تلف کر دینا واجب ہے۔ اور بقول معتمد نجاست آلود پانی کو جسم پر ڈالنا مکروہ ہے' بلکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حرام ہے۔ اگر نماز وغیرہ کسی عبادت کا' جس میں طہارت شرط ہے' ادا کرنا ہو تو بدن کو ایسے پانی کے اثر سے پاک کر لینا واجب ہے۔ اس وجوب کے بارے میں بعض لوگوں کو اختلاف ہے۔ وہ اس پانی کے اثر سے پاک ہونے کو سنت کہتے ہیں۔ یہ دونوں قول مشہور ہیں۔

پانی کے علاوہ دوسرا نجس مائع' جیسے شراب' کا حکم یہ ہے کہ اسے کام میں لانا بعض جامد نجس اشیاء کی طرح ناجائز ہے۔ جامد نجس اشیاء میں سور ہے' اور حلال جانور اور حرام جانور جیسے گھوڑے' خچر' گدھے کا فضلہ' اور بلی کا فضلہ' ان تمام جانوروں کے فضلہ کو کام میں لانا جائز نہیں ہے۔ واضح ہو کہ مالکیہ کے نزدیک کتا اگرچہ پاک ہے' لیکن اس کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ حفاظت اور شکار کے لئے ہو تو کتے کی خرید و فروخت جائز ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آنحضرت نے کتے کی بیع سے جو منع فرمایا ہے اس سے وہ کتا مراد ہے جس سے یہ فوائد حاصل نہ کیے جا سکیں۔ ایسے ہی اور لوگ (غیر مالکیہ) بھی جو اس کی بیع کی قائل ہیں' کہتے ہیں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نجاست آلودہ رقیق اشیاء' پانی وغیرہ کو کام میں لانا' بجز دو امور کے' جائز نہیں ہے: پہلا امر آگ بجھانا جیسے تنور وغیرہ میں آگ ہو (اور نجس پانی سے بجھائی جائے تو جائز ہے) دوسرا امر جانور کو پلانا یا کھیت میں ڈالنا۔ مائع اشیاء میں سے شراب اور غیر منجمد خون کا استعمال کسی حال میں درست نہیں ہے۔

نجس جامد اشیاء جیسے فضلہ' گوبر وغیرہ کی نہ خرید و فروخت جائز ہے اور نہ کام میں لانا جائز ہے۔ اگر اس میں کوئی پاک چیز مل جائے اور اس پاک چیز کو اس میں سے نکالنا دشوار ہو تو اسے کام میں لایا جا سکتا ہے۔

پاک مسالہ (قلعی چونا وغیرہ) کو ناپاک پانی میں ملایا گیا اور اس سے مکان کی تعمیر کی گئی تو اس مکان سے فائدہ اٹھانا' مثلاً خرید و فروخت وغیرہ' روا ہے۔ اسی طرح اگر کھاد کے طور پر کسی جگہ گوبر ڈالا جائے یا ناپاک مٹی سے برتن بنائے' مثلاً گھڑے' لوٹے جھجر وغیرہ' تو ان کی خرید و فروخت اور ان کا استعمال صحیح ہے۔ اور کوئی رقیق شے جو اس میں رکھی گئی وہ معاف ہے۔

اگر پاک شے سے نجاست کو دور کرنا اور اس کو پاک کر لینا دشوار نہ ہو مثلاً چنے نجس گوبر میں مل جائیں' تو نجاست پاک کیے بغیر کام میں لانا درست نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نجس پانی کا استعمال مٹی یا چونا گچ مسالہ وغیرہ کو بھگونے یا سوندھنے یا ایسے ہی کسی اور کام کے علاوہ جائز نہیں ہے۔ لیکن اس سے مسجد یا نماز کا چبوترہ نہ بنایا جائے۔ اس طرح تمام نجس رقیق اشیاء مثلاً شراب اور خون کو

Marfat.com

وضو کے مسائل

وضو کے متعلقہ مسائل یہ ہیں:

(۱) وضو کی تعریف (۲) اس کا حکم (۳) وضو کب واجب ہوتا ہے اور اس کی صحت کن باتوں پر موقوف ہے؟ (۴) وضو کے فرائض کیا ہیں؟ جنھیں ارکان وضو کہا جاتا ہے (۵) اس کی سنتیں (۶) اس کے مستحبات (۷) اس کے مکروہات (۸) وضو توڑنے والی چیزیں (۹) استنجا: وضو توڑنے والی چیزوں سے طہارت حاصل کرنے کا طریقہ۔

اب ان تمام امور کی تفصیل بالترتیب بیان کی جاتی ہے۔

۱۔ پہلی بحث: وضو کی تعریف

لغت کی رو سے اس لفظ کے معنے خوبی اور پاکیزگی کے ہیں۔ قواعد میں یہ اسم مصدر ہے' کیونکہ اس کا فعل اگر تَوَضَّا ہے تو اس کا مصدر اَلتَّوَضُّوْ ہے اور اگر فعل ''وَضُوء'' ہے تو اس کا مصدر ''اَلوِضَاءَ ۃ'' ہے (بکسر واو) ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے وَضُوءَ (بروزن کَرُمَ) وَضَاءَ ۃً یعنی وہ اچھا ہو گیا اور پاک ہو گیا۔ غرض وضو کا لفظ بہر حال پاکیزگی (یعنی نظافۃ یا وَضَاءَ ۃً) کا اسم ہے (اسی کو اسم مصدر کہتے ہیں)۔ وضو کے یہ معنی عمومیت کے حامل ہیں جس میں اس کے شرعی معنی بھی شامل ہیں' کیونکہ اس لفظ کے شرعی معنے ایک خاص طریق پاکیزگی کے ہیں جس کے بجالانے سے ظاہری (حسی) اور (باطنی) معنوی پاکیزگی (یعنی وِضَاءَ ۃ) حاصل ہوتی ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں وضو سے مراد خاص خاص اعضاء مثلاً چہرہ اور ہاتھ وغیرہ پر خاص طریقے سے پانی کا استعمال کرنا ہے۔

۲۔ دوسری بحث: وضو کا حکم اور اس سے متعلقہ امور قرآن شریف کو ہاتھ لگانا وغیرہ

اس سے پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ ''حکم'' کے کیا معنے ہیں، کبھی اس سے مراد وہ نتیجہ ہوتا ہے جو ایک فعل کے انجام دینے پر از روئے شرع مترتب ہوتا ہے۔ یہاں پر اسی امر کی وضاحت مقصود ہے۔

کام میں لانا حلال نہیں ہے۔

جامد نجس اشیاء جیسے سور اور ناپاک فضلہ کا بھی یہ حکم ہے۔ البتہ پاک فضلہ جیسے کبوتر کی بیٹ اور درندہ جانور کی خرید و

Marfat.com

شارع علیہ السلام نے بتایا ہے کہ فعلِ وضوء سے حدث دور ہو جاتا ہے اور تب ہی فرض اور نفل نمازیں، سجدۂ تلاوت، سجدۂ شکرانہ (بقول بعض ائمہ) اور خانہ کعبہ کا طواف، فرض ہو یا نفل [1] ادا کیا جاسکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: الطواف حول البیت مثل الصلوٰۃ الا انکم تتکلمون فیہ فمن تکلم فیہ فلا یتکلمن الا بخیر (ترمذی بسند حسن و بروایت حاکم) (یعنی کعبہ کے گرد طواف کرنا نماز کی مانند ہے سوا اس کے کہ (طواف کے دوران) تم باتیں کرتے رہتے ہو۔ تو دیکھو جب کوئی کلام کرے تو بھلائی کے سوا کلام نہ کرے۔ معلوم ہوا کہ وضو (نماز کی طرح) ان اعمال کے لیے لازم ہے لہٰذا بغیر وضو کے ان اعمال کی ادائیگی حلال نہیں ہے۔ قرآن شریف کو ہاتھ لگانے کا بھی یہی حکم ہے کہ اس کے لیے باوضو ہونا واجب ہے۔ خواہ پورے قرآن شریف کو ہاتھ لگانا ہو یا اس کے کچھ حصہ کو یا ایک آیت کو۔ اس باب میں اہل مسالک کی شرائط تفصیل طلب ہیں۔ [2]

فروخت اور ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ مردار جانور اور اس کی چکنائی کو کام میں لانا حلال نہیں ہے۔ زندہ پاک جانور کی چکنائی جیسے گھی میں اگر نجاست گر جائے تو اسے کھانے کے سوا اور کام میں لانا حلال ہے، مثلاً اس سے چراغ جلایا جاسکتا ہے، لیکن مسجد میں نہیں۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر خانہ کعبہ کا طواف بغیر وضو کر لیا جائے تو وہ طواف صحیح ہوگا لیکن یہ فعل (طواف بے وضو) حرام ہے، کیونکہ طواف کے لئے حدث سے پاک ہونا واجب ہے گو صحت طواف کے لئے شرط نہیں ہے اور واجب کا ترک کرنا گناہ ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ پورے قرآن شریف کو یا اس کے کچھ حصے کو بغیر وضو ہاتھ لگانے کے لئے چند شرطیں ہیں۔
پہلی شرط یہ ہے کہ قرآن عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں لکھا ہوا ہے۔ عربی تحریر میں ہو تو کسی حال میں اسے ہاتھ لگانا حلال نہیں ہے، خواہ وہ کوفی خط ہو یا مغربی خط یا اسی طرح کا کوئی اور خط۔
دوسری شرط یہ ہے کہ درہم یا دینار وغیرہ پر جو عوام کے کاروبار میں رائج ہیں، آیات قرآن منقوش ہوں۔ ایسا حکم زحمت اور تکلیف دور کرنے کے پیش نظر ہے۔
تیسری شرط یہ ہے کہ پورے قرآن شریف یا اس کے کچھ حصے کا تعویذ بنایا جائے۔ اس صورت میں بغیر وضو اس کو اٹھانا جائز ہے۔ بعض مالکیہ کے نزدیک اگر بعض مصحف کا تعویذ ہو تو (بدون وضو) ہاتھ لگانا جائز ہے، اگر مکمل مصحف کو تعویذ ہو تو بغیر وضو جائز نہیں ہے۔ تعویذ کی صورت میں اسے رکھنے کے لئے بھی دو باتیں ضروری ہیں: ایک تو یہ کہ لینے والا مسلمان ہو، دوسرے یہ کہ قرآن شریف کو اس طرح ڈھجی (کپڑا) میں لپیٹا گیا ہو کہ نجاست اس میں سرایت نہ کرے۔
چوتھی شرط یہ ہے کہ قرآن شریف کو لینے والا معلم ہو یا متعلم ہو۔ ان دونوں کے لیے بغیر وضو قرآن شریف کو ہاتھ لگانا جائز ہے۔ اس حکم میں مکلف اور غیر مکلف برابر ہیں، یہاں تک کہ حائضہ عورت کو بھی اجازت ہے

Marfat.com

ان حالات کے علاوہ کسی حال میں قرآن شریف کو ہاتھ لگانا جائز نہیں۔ غلاف کے اندر رکھے ہوئے یا اس کے ٹکن (تھیلی) کو پکڑ کر اٹھانا بھی ناجائز ہے۔ اسی طرح یہ بھی حلال نہیں ہے کہ صندوقچہ، تکیہ یا کرسی جس پر قرآن رکھا ہو (بے وضو) اٹھایا جائے۔ البتہ اگر کسی گھریلو سامان پر رکھا ہو تو اس سامان کے ساتھ اٹھالینا جائز ہے۔ اس صورت میں بھی اگر مقصود قرآن کا اٹھانا ہو اور سامان کا اٹھانا مقصود نہ ہو تو حلال نہ ہوگا۔

بغیر وضو کے منہ زبانی قرآن پڑھنا جائز ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ وضو کر لیا جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ بغیر وضو قرآن شریف کو اٹھانا یا ہاتھ لگانا اس صورت میں جائز ہے جب وہ ایسے غلاف کے اندر ہو جو اس کے ساتھ پیوستہ نہیں ہے۔ پس اگر ایسے غلاف میں ہے جو اس کے ساتھ جڑا ہوا نہیں ہے، مثلاً یہ کسی جزدان میں ہے یا رومال میں، یا کاغذ میں لپٹا ہوا یا کسی صندوقچہ میں رکھا ہوا، کسی سامان پر ہو جس کے ہٹانے کا ارادہ کیا جائے، خواہ قرآن کا چھونا مقصود ہو یا نہ ہو، ان تمام صورتوں میں قرآن شریف کو ہاتھ لگانا یا اٹھانا جائز ہے۔ اسی طرح قرآن کا تعویذ بنانا جائز ہے بشرطیکہ اسے پاک دھجی (کپڑا) وغیرہ میں لپیٹ دیا جائے۔

دراصل قرآن شریف کا اٹھانا اسی شرط پر جائز ہے کہ انسان باوضو ہو، خواہ کوئی مکلف ہو یا غیر مکلف۔ لیکن بچہ جو غیر مکلف ہے، گو وضو کرنا اس پر واجب نہیں، لیکن اس کے سرپرست پر واجب ہے کہ قرآن شریف اٹھانے کے وقت اسے وضو کر لینے کا حکم دے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ پورے قرآن شریف یا اس کے کسی حصے کو (بلا وضو) ہاتھ لگانا یا اس کا لکھنا چند شرطوں کے ساتھ جائز ہے:

پہلی شرط ناگزیر صورت حال ہے، مثلاً قرآن شریف کے (پانی میں) ڈوب جانے یا آگ میں جل جانے کا اندیشہ ہے تو اس کو اس سے بچانے کے لیے (بے وضو ہی) اسے اٹھالینا جائز ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ قرآن ایسے غلاف میں ہو جو اس سے جڑا ہو نہ ہو، مثلاً وہ کسی تھیلے میں ہو یا چمڑے میں یا کاغذ میں یا رومال میں لپٹا ہوا وغیرہ۔ ان حالات میں اس کو ہاتھ لگانا اور اٹھانا جائز ہے۔ لیکن اس کی بندھی ہوئی جلد اور ہر وہ شے جو فروخت کی صورت میں بغیر وضاحت کے اس کے ساتھ شامل متصور ہوتی ہے اسے ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے۔ اگرچہ وہ شے (قرآن سے) جدا ہو۔ اسی قول پر فتویٰ ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ (ہاتھ لگانے والا) نابالغ ہو اور پڑھنے کی غرض سے ہاتھ لگائے۔ یہ حکم زحمت اور دشواری سے بچنے کی غرض سے ہے۔

بالغ اور حائضہ عورت کو خواہ معلم ہو یا متعلم ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ ہاتھ لگانے والا مسلمان ہو۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ غیر مسلم کو ہاتھ لگانے کا موقع دے (تابمقدور ایسا موقع نہ دینا چاہیے)۔ امام محمد کہتے ہیں کہ غیر مسلم کے لیے ہاتھ لگانا جائز ہے، بشرطیکہ ہاتھ دھولے۔ غیر مسلم کو قرآن شریف یاد کرانا (بھی) جائز ہے۔

اگر شرائط مذکورہ نہ پائی جائیں تو ناپاک، بے وضو شخص کے لیے قرآن شریف کو ہاتھ لگانا یعنی جسم کے کسی حصے سے

Marfat.com

چھونا حلال نہیں ہے۔

کتاب اللہ کو ہاتھ لگائے بغیر قرآن شریف کی تلاوت بغیر وضو کے جائز ہے۔ جس شخص کو نہانے کی حاجت ہو یا عورت حائضہ ہو اس کے لیے حرام ہے۔ کوئی بے وضو ہو تو قرآن شریف پڑھنے کے وقت مستحب یہ ہے کہ وضو کر لیا کرے۔

واضح ہو کہ بغیر وضو کے تفسیر کو ہاتھ لگانا مکروہ ہے۔ اس کے علاوہ فقہ اور حدیث وغیرہ کی کتابوں کو بے وضو ہاتھ لگانا جائز ہے۔ یہ ایسے امور ہیں جن کی اجازت دے دی گئی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ پورے قرآن شریف یا اس کے کچھ حصے کو ہاتھ لگانا چند شرطوں کے ساتھ جائز ہے:

ایک شرط یہ ہے کہ اس کا تعویذ بنایا جائے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ (قرآن) درہم یا اس کی مشابہ اشیاء پر منقوش ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ قرآن شریف کا کچھ حصہ حوالے (یا دلائل) کے طور پر کتابوں میں لکھا ہوا۔ یہ آیتیں تھوڑی ہوں یا زیادہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا (سب کا حکم یکساں ہے)۔

تفسیر کی کتابوں کا چھونا بغیر وضو کے جائز ہے' بشرطیکہ تفسیری حصہ قرآنی (متن) سے زیادہ ہو۔ اگر قرآن کا حصہ زیادہ ہو تو (بے وضو) ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ آیات قرآنی کپڑے پر لکھی ہوئی ہوں جیسے غلاف کعبہ وغیرہ جس کو آیات قرآنی سے مزین کیا جاتا ہے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ پڑھنے کے لیے ہاتھ میں لیا جائے۔ ایسے (بچوں) کے سرپرست کو جائز ہے کہ قرآن کی تعلیم دینے کے لیے اسے ہاتھ میں لے رکھے' اگرچہ خود حافظ قرآن ہو۔

ان شرائط متذکرہ میں سے کوئی بھی شرط نہ ہو تو قرآن شریف کو چھونا جائز نہیں ہے' خواہ ایک ہی آیت ہو اور خواہ قرآن سے جدا کوئی شے' مثلاً جلد وغیرہ حائل ہو۔

اگر قرآن شریف کو کسی چھوٹے سے صندوق میں رکھا جائے' جیسے وہ صندوق جو قرآن کے پاروں کو رکھنے کے لئے بنایا گیا ہو (جسے رابعہ کہتے ہیں) یا چھوٹی سی چوکی پر رکھا ہو جیسے وہ چوکی (رحل) جو اس لیے بنائی جاتی ہے کہ پڑھنے کے وقت اس پر قرآن شریف رکھ لیا جائے۔ پس جب تک کہ قرآن شریف اس پر رکھا ہو تو اس صندوق یا رحل کو بھی ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر قرآن کسی بڑے صندوق یا کسی بڑے تھیلے میں رکھا ہو تو اس صندوق یا تھیلے کو ہاتھ لگانا حرام نہیں ہے' سوا اس حصہ کے جو قرآن سے لگا ہوا ہو۔

اگر کتاب اللہ کی جلد الگ ہو جائے اور اس میں قرآن شریف کا کچھ حصہ نہ ہو تب بھی اس کو ہاتھ لگانا حرام ہے جب تک کہ اس کو قرآن کے سوا کسی اور کتاب کی جلد سازی میں استعمال نہ کیا گیا ہو۔ یہ (جدا شدہ) جلد جب تک کہ اس قرآن کی جلد کہی جاتی ہے جس سے الگ ہوئی ہے' اس کا چھونا جائز نہیں ہے، اسی طرح جیسے کہ قرآن کا چھونا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح ہر شے جس پر قرآن تحریر ہو' جیسے کوئی تختی' اس کا چھونا (بے وضو) حرام ہے۔ اس کے کسی حصہ کا بغیر وضو چھونا یہاں تک کہ تحریر مٹ جائے تب بھی جائز نہیں ہے۔

Marfat.com

شروط وضو کا بیان

شرائط وضو کی تین قسمیں ہیں:

اول: واجب ہونے کی شرطیں

دوم: صحتِ وضو کی شرطیں

سوم: واجب ہونے اور صحیح ہونے کی مشترکہ شرطیں

واجب ہونے کی شرطوں سے مراد وہ شرطیں ہیں جن کی موجودگی میں مکلّف انسان پر وضو کرنا واجب ہوتا ہے، بایں طور کہ اگر یہ شروط یا ان میں سے کچھ شرطیں نہ ہوں تو وضو واجب نہ ہوگا۔ صحت وضو کی شرطوں سے مراد وہ شرائط ہیں کہ ان کے بغیر وضو ہو ہی نہیں سکتا۔

وجوب وصحت وضو کی مشترکہ شرطوں سے یہ مراد ہے کہ اگر ان میں سے کوئی شرط پوری نہ ہو تو وضو واجب نہیں ہوتا، اور اگر کر لیا جائے تو درست نہیں ہوتا۔

اب اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

وضو کے واجب ہونے کی شرائط کے منجملہ ''بالغ ہونا ہے''۔ پس جو شخص بلوغ کو نہیں پہنچا اس پر وضو واجب نہیں ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ لیکن اگر کوئی نابالغ وضو کرے تو وضو صحیح متصور ہوگا۔ چنانچہ اگر مثلاً اگر بالغ ہونے سے گھڑی بھر پہلے وضو کیا اور اب بالغ ہو گیا تو اس کا وضو بحال رہا۔ روا ہے کہ اسی وضو سے نماز پڑھے۔ یہ صورت حال اگرچہ نادر الوقوع ہے لیکن مسافروں کے لیے اور صحراؤں میں جہاں پانی کی قلت ہو زندگی بسر کرنے والوں کے لیے مفید ہے۔

ایک شرط ''نماز کا وقت آجانا ہے''۔ اوقات نماز فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی تفصیل نماز کے بیان میں آئے گی۔ نماز کے ان اوقات میں سے کسی نماز کا وقت آجائے تو مکلّف پر اس وقت کی نماز کا ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے اور چونکہ نماز بغیر وضو یا اس کے متبادل عمل تیمّم کے ادا نہیں کی جا سکتی، لہٰذا وضو بھی ساتھ کے ساتھ فرض ہوگا۔ چونکہ نماز وقت کے آتے ہی فرض ہوتی ہے اور اس کی ادائیگی کے لیے دوران

مکلّف انسان کے لیے جائز ہے کہ وضو کے بغیر قرآن شریف کو کسی تختی وغیرہ پر لکھے، بشرطیکہ اس تختی کو ہاتھ نہ لگائے۔
واضح ہو کہ اگر قرآن شریف گھریلو سامان میں سے کسی شے پر رکھا ہوا ہو مثلاً صندوق یا پہننے کی چیز یا کسی اور ایسے ہی سامان پر تو ان اشیاء کو بغیر وضو ہاتھ لگانا حلال نہیں ہے، سوا اس کے کہ صرف اسی شے کا اٹھانا مقصود ہو۔ اگر اس سامان کے ساتھ قرآن شریف کا اٹھانا یا محض قرآن کا اٹھانا پیش نظر ہو تو بغیر وضو کے ایسا کرنا حرام ہے۔

Marfat.com

وقت تک کی گنجائش ہے' اسی طرح وضو میں بھی گنجائش وقت ہے۔ ادائے فریضہ میں وسعت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مکلّف انسان کو یہ اجازت ہوتی ہے کہ وہ اول وقت میں نماز ادا کرے یا درمیان میں یا آخر وقت میں۔ پس اگر اتنا ہی تنگ وقت ہے کہ اس میں صرف وضو اور نماز کی گنجائش ہے تو وجوب وضو کے وقت میں بھی تنگی ہوگی چنانچہ واجب ہوگا کہ فوراً وضو کیا جائے اور نماز پڑھی جائے، تاخیر ہوئی تو گناہ ہوگا۔

واضح ہو کہ جس طرح فرض نماز کی ادائیگی کے لیے وضو فرض ہے' اسی طرح نفل نماز کی ادائیگی کے لیے بھی وضو فرض ہے۔ پس جب بھی نماز نفل کا ارادہ کیا جائے گا اسی وقت سے وضو بھی واجب ہو جاتا ہے۔ بغیر وضو نماز پڑھنا حرام ہے۔

یہ تو معلوم ہو گیا کہ وضو واجب ہونے کے لیے وقت نماز کا آجانا شرط ہے اب یہ بھی جاننا چاہیے کہ اگر وقت سے پہلے وضو کر لیا جائے تو وضو صحیح ہوگا' کیوں کہ وقت (وجوب وضو کے لیے شرط ہے) صحت وضو کے لیے شرط نہیں۔ سوا اس کے کہ وضو کرنے والا کوئی معذور انسان ہو۔[1] مثلاً وہ شخص جسے سلسل بول (مسلسل پیشاب آتے رہنے کا مرض) لاحق ہو۔ اس صورت میں جب تک نماز کا وقت نہ آجائے وضو درست نہ ہوگا اس کی تفصیل معذور انسان کے مسائل کے تحت آئے گی۔

وجوب وضو کی ایک شرط یہ ہے کہ پہلا وضو باقی نہ ہو۔ لہٰذا اگر کسی نے مثلاً ظہر کی نماز کے لیے وضو کیا اور دن بھر وضو نہ ٹوٹا تو اگلی نماز کا وقت آجانے پر وضو کرنا واجب نہیں ہے' کیوں کہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ وقت سے پہلے وضو کر لیا جائے تو درست ہوگا۔

ایک شرط یہ ہے کہ وضو کرنے پر قادر ہو۔ پس اگر کوئی شخص کسی مرض وغیرہ کے باعث وضو کرنے سے عاجز ہے تو اس پر وضو واجب نہیں ہے۔ اس کی تفصیل مسائل تیمّم کے تحت بیان ہوگی۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ معذور انسان وقت نماز سے پہلے وضو کرے یا وقت آنے پر کرے وضو صحیح ہوگا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ معذور کا وضو وقتِ نماز سے پہلے بھی درست ہے' مثلاً اگر ظہر کا وقت آنے سے پہلے وضو کر لیا' پھر ظہر کا وقت آیا تو وضو بحال رہا۔ جائز ہے کہ اسی وضو سے ظہر کی نماز ادا کرے۔ یہ وضو اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ نماز ظہر کا وقت نہیں گزر جاتا۔ نماز کا وقت ختم ہوتے ہی صاحب عذر کا وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ لہٰذا جب تک کہ نیا وضو نہ کیا جائے اس وضو سے عصر کی نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔

نماز کا وقت گزرتے ہی وضو ٹوٹ جانے کا کیا سبب ہے؟ اس کی تفصیل اپنی جگہ پر بیان ہوگی۔

مندرجہ بالا بیان سے یہ واضح ہے کہ اس کتاب کے متن میں اوپر جو مسائل بیان کیے گئے ہیں وہ شافعیہ اور حنابلہ کا مسلک ہے۔

Marfat.com

مریض کی مثال ایسی ہی ہے جیسے وہ شخص جسے پانی دستیاب نہ ہو۔ صحت وضو (اور وجوب) کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ (وضوکا) پانی طہور (پاک کرنے والا) ہو۔ طہور پانی کی تفصیل پانی کے متعلقہ مسائل کے تحت بیان ہو چکی ہے۔ پانی کے پاک متصور ہونے کی لئے یہ کافی ہے کہ وضو کرنے والا اس پانی کو پاک تصور کرتا ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ وضو کرنے والا صاحب تمیز ہو۔ جو بچہ سن تمیز کو نہ پہنچا ہو اس کا وضو صحیح نہیں ہے۔ یہ ایک مفروضہ صورت ہے۔ یہ مسئلہ اس کے لیے ہے جو یہ کہتا ہے کہ اگر بچہ باوضو نہ ہو تو اسے قرآن شریف کو ہاتھ لگانے سے منع کرنا چاہیے۔

ایک شرط یہ ہے کہ اعضائے وضو پر کوئی ایسی شے حائل نہ ہو جو وضو کا پانی بدن پر پہنچنے سے مانع ہوتی ہے۔ پس اگر ہاتھ، چہرہ، پاؤں یا سر پر کوئی شے چمٹی ہوئی ہے کہ جلد تک پانی کو پہنچنے نہیں دیتی تو وضو صحیح نہ ہوگا۔ مثلاً آنکھ پر پٹی بندھی ہے کہ جلد تک پانی نہیں پہنچتا تو وضو صحیح نہیں ہوا۔ اسی طرح اگر چہرہ یا ہاتھ پر جمے ہوئے روغن کی پھٹکی چپکی ہوئی ہے یا کچھ موم یا آٹا جم کر رہ گیا ہے تو وضو صحیح نہ ہوگا۔

ایک شرط یہ ہے کہ دوران وضو کوئی امر منافی وضو پیش نہ آیا ہو۔ یعنی وضو کرتے ہوئے کوئی امر ناقض وضو صادر ہو گیا' مثلاً اگر منہ اور دونوں ہاتھ دھو لیے پھر حدث لاحق ہو گیا' تو لازم ہوگا کہ پھر سے وضو شروع کرے۔ معذور ہونے کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے۔ جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ پس اگر کوئی شخص سلسل البول میں مبتلا ہے اور وضو کرتے ہوئے دو ایک قطرے پیشاب کے آ گئے تو ایسے شخص کے لیے پھر شروع سے وضو کرنا واجب نہیں ہے' جیسا کہ اس کے متعلقہ مسائل کے تحت آگے معلوم ہوگا۔

اب وضو کے صحیح اور واجب ہونے کی مشترکہ شرطوں کا بیان کیا جاتا ہے (یعنی جب تک کہ یہ شرائط نہ پائی جائیں نہ وضو واجب ہوتا ہے نہ صحیح ہوتا ہے)۔

ان شرائط کے منجملہ ایک ''عقل'' ہے' کہ مجنون'[1] مرگی زدہ، مدہوش اور مخبوط الحواس (معتوہ)[2] پر وضو واجب نہیں ہے اور وضو کرے تو صحیح نہ ہوگا' چنانچہ اگر کسی فاتر العقل نے وضو کر لیا

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جنون اور مرگی وغیرہ کو نواقض وضو میں سے بتایا گیا ہے، لہٰذا وہ صحت وضو کے منافی ہے۔ اس بنا پر (عقل) صحت وضو کی شرائط میں سے ہے اور یہ معلوم ہے کہ ان کے نزدیک یہ وجوب وضو کی بھی شرط ہے، لہٰذا یہ وجوب وصحت وضو دونوں کی معا شرائط میں سے ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ معتوہ (مخبوط الحواس) وہ ہے جس کی باتوں میں فتور اور ذہن میں خرابی پیدا ہو جائے۔ ایسا

Marfat.com

اور تھوڑی دیر بعد اس مرض سے نجات ہوئی تو اس وضو سے نماز درست نہ ہوگی۔ جنون زدہ انسان کا بھی یہی حکم ہے۔

واضح ہو کہ حواس باختہ، مرگی زدہ اور بے ہوش انسان سے تو یہ توقع ہی نہیں کی جاسکتی کہ وہ وضو کی تکمیل کر سکے، تاہم یہاں پر ان مسائل کے بیان کرنے سے غرض یہ جتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حالات میں بہمہ وجوہ انسان کو غیر مکلّف قرار دیا ہے، بایں طور کہ اگر اس کو ضروری سمجھ لیا اور ان میں سے کچھ اعمال ان سے سرزد بھی ہوں تو وہ صحیح نہ ہوں گے۔ یہاں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ عبادات کے سلسلہ میں امور شرعیہ کا انجام دینا ایسا ہے جیسے معاملات کے سلسلے میں دوسرے امور کا انجام دینا۔ (یعنی جو شخص عقل و ہوش سے عاری ہے نہ اس کے شرعی اعمال درست ہیں اور نہ معاملاتی امور)۔

وجوب وصحت وضو کی شرائط میں عورت کا حیض ونفاس سے پاک ہونا بھی ہے۔ لہٰذا حیض ونفاس کی حالت میں عورت پر نہ وضو واجب ہے نہ درست ہے۔

چنانچہ اگر حیض کی حالت میں کسی عورت نے وضو کیا اور پھر پاک ہوگئی تو اس وضو کا اعتبار نہیں، کیوں کہ وہ سرے سے درست ہی نہ تھا۔ البتہ حائضہ عورت کے لیے مستحب یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت وضو کرلیا کرے اور اپنی جانماز پر بیٹھ جایا کرے۔ جیسا کہ مسائل حیض کے بیان میں بتایا جائے گا۔

واضح ہو کہ یہ وضو محض ظاہری وضو ہے، اس کی غرض صرف یہ ہے کہ نماز کے چھوٹ جانے کی حالت میں اس سے غفلت نہ ہو جائے۔

ایک شرط یہ ہے کہ نیند اور غفلت کی حالت نہ ہو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ایسی حالت میں غیر مکلّف (پابندی احکام سے آزاد) رکھا ہے۔ یہی حکم اس شخص کا ہے جسے اپنا ہوش نہ ہو۔ لہٰذا اگر ان میں سے کسی نے ضروری سمجھا اور وضو ہو گیا تو بے کار رہا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نیند میں ہونے سے مراد یہاں پر وہ شخص ہے جو اپنے پلنگ وغیرہ پر لیٹا ہوا ہو۔ لیکن اس حالت میں وضو ممکن ہی نہیں، لہٰذا نیند میں ہونے سے یہ مراد نہیں ہوسکتی، بلکہ اس سے غرض وہ سویا ہوا شخص مراد ہے جو نیند میں کھڑا ہو جاتا ہے اور حرکت کرتا ہے یہاں تک کہ اپنے گھر سے باہر چلا جاتا

شخص فاتر العقل ہونے کے باوجود نہ کسی کو گالی دیتا ہے، نہ بکواس کرتا ہے، اور نہ مار پیٹ کرتا ہے۔ لہٰذا اس کی عبادت صحیح ہے گو اس پر واجب نہیں ہے، جیسے بچہ کی عبادت۔ پس فاتر العقل نہ ہونا وضو کے واجب ہونے کی شرط تو ہوسکتا ہے لیکن صحت وضو کی شرائط میں سے نہیں ہے۔

Marfat.com

ہے حالانکہ سویا ہوتا ہے۔ پس ایسے شخص کا وضو کرنا صحیح ہے حالانکہ وہ سو رہا ہے اور بے خبر ہے۔ (مؤلف کتاب کہتے ہیں کہ) میں نے اپنے ایک پڑوسی کو اسی حالت میں خود دیکھا ہے۔

وجوب وصحت وضو کی ایک شرط اسلام [1] (مسلمان ہونا) ہے۔

وضو کے واجب ہونے کی شرط اسلام اس لحاظ سے ہے کہ جو مسلمان نہیں ہے اس سے وضو کا مطالبہ نہیں۔ وہ کافر ہے، لیکن حالت کفر میں بھی نماز اور اس کی شرائط کو پورا کرنے کا حکم ہے۔ چنانچہ ترک وضو پر اسے عذاب ہوگا۔ گو اس کا وضو کرنا درست نہ ہو۔ وجوب وصحت وضو کی ایک شرط پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا پہنچنا ہے۔ [2] بایں طور کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اپنا پیغمبر بنا کر تمام جہان کے انسانوں کی طرف بھیجا ہے کہ وہ سب کو اللہ کی توحید کی طرف بلائیں اور اس کی صفات کمالیہ سے آگاہ کریں اور خاص طریقہ سے عبادت الٰہی بجالانے کا حکم دیں۔ پس جن لوگوں کو اسلام کی یہ دعوت نہیں پہنچی ان پر ان میں سے کوئی شے واجب نہیں ہے۔ لہٰذا وضو بھی اس پر واجب نہیں جسے یہ دعوت نہیں پہنچی اور اس کا وضو درست نہ ہوگا۔ بایں طور کہ اگر دعوت اسلام پہنچنے سے گھڑی بھر پہلے ضروری جانا اور وضو

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ "مسلمان" ہونا صرف صحت وضو کی شرط ہے (وجوب کی شرط نہیں) کیونکہ ان کے نزدیک کافروں کو بھی شریعت کے ضمنی احکام بجالانے کا حکم ہے، لہٰذا ان پر عبادتیں واجب ہیں اور اس کے ترک پر عذاب ہوگا اور یہ عبادتیں مسلمان ہونے کے بعد ہی صحیح ہوں گی، کفر کی حالت میں صحیح نہیں ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک تمام عبادتوں کا انحصار نیت پر ہے اور آگے یہ معلوم ہوگا کہ نیت کے صحیح ہونے کی شرط اسلام ہے۔

حنفیہ مالکیہ کے برعکس کہتے ہیں کہ مسلمان ہونا صرف واجب ہونیکی شرط ہے، وجوب وصحت دونوں کی شرط نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک جو کافر ہے وہ شریعت کے ضمنی احکام کا مخاطب نہیں ہے، لہٰذا حنفیہ اسلام لانے کو صحت وضو کے شرائط میں شمار نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک وضو نیت پر منحصر نہیں ہے، کیونکہ نیت وضو کے فرائض میں سے نہیں ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ برخلاف تیمم کے کہ کافر کا تیمم صحیح نہ ہوگا اس لیے کہ تیمم کا صحیح ہونا 'نیت' پر موقوف ہے۔ تیمم کے لیے نیت فرض ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ صحت وضو کے لیے دعوت اسلام کا پہنچنا شرط نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کسی نے دعوت اسلام پہنچنے سے پہلے وضو کر لیا اور پھر دعوت اسلام پہنچی اور اس کا وضو باقی تھا تو وہی وضو صحیح ہوگا۔

حنفیہ دعوت اسلام کا پہنچنا وجوب وضو کی شرائط میں شمار نہیں کرتے۔ وجوب وضو کے لیے اسلام کی شرط کافی سمجھتے ہیں کیونکہ اسلام ثابت ہی جب ہوگا کہ پہلے دعوت اسلام پہنچے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ وجوب وصحت وضو دونوں کے لیے اسلام کو شرط قرار دیتے ہیں وہ شافعیہ اور حنابلہ ہیں۔

Marfat.com

کیا، پھر دعوت اسلام پہنچی تو اس کا وہ وضو صحیح متصور نہ ہوگا۔

بعض اہل مسالک نے کچھ اور شرطوں کا بھی اضافہ کیا ہے جس کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

وضو کے فرائض کا بیان

فرض کے لغوی معنی کاٹنے یا شگاف کرنے کے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں فرضت الحبل (یعنی میں نے رسی کاٹ دی) جب کہ رسی کاٹی ہو اور کہتے ہیں فرضت الخشبة (میں نے لکڑی میں چیر ڈالا) جب کہ شگاف ڈالا ہو لیکن کاٹ کر الگ الگ نہ کیا۔

شریعت میں فرض ایسے عمل کو کہتے ہیں جس کے کرنے میں ثواب اور نہ کرنے میں عذاب ہو۔ فقہا کی اصطلاح میں فرض (کا حکم) رکن کے برابر ہے۔ یعنی رکن اور فرض دونوں ایک ہی شے ہیں اس میں اور

۱۔ شافعیہ نے صحت وضو کی مذکورہ شرائط میں تین امور کا اضافہ کیا ہے: ایک تو یہ کہ وضو کرنے والا وضو کرنے کا طریقہ جانتا ہو، یعنی اس کو معلوم ہو کہ وضو کہتے ہیں منہ دھونے، اور کہنیوں تک ہاتھ دھلانے، اور دوسری باتوں کو جس کی تفصیل آگے آئے گی، پس اگر اس نے منہ دھویا اور ہاتھ دھو لیے اور سب کچھ کر لیا اور اسے خبر بھی نہیں کہ یہ وہی وضو ہے جس کا بجالانا شرعاً اس کے ذمہ ہے تو وہ وضو صحیح نہ ہوگا۔

دوم یہ کہ اگر وہ عوام میں سے نہیں ہے تو فرض اور غیر فرض میں امتیاز کرتا ہو۔ اگر وضو کرنے والا کوئی عامی شخص ہے تو اس کا وضو صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ فرض کو نفل نہ سمجھتا ہو۔ البتہ اگر یہ خیال کرتا ہو کہ تمام وضو فرض ہے تو وضو صحیح ہوگا۔ اسی طرح اگر یہ عقیدہ ہو کہ وضو میں فرض بھی ہے اور سنت بھی، لیکن یہ امتیاز نہیں کیا کہ فرض کیا ہے اور سنت کیا، تو وضو صحیح ہوگا۔

سوم یہ کہ وضو کرنے کی نیت شروع سے ہو اور جب تک وضو پورا نہ ہو یہی نیت رہے۔ لہٰذا اگر صرف منہ دھوتے وقت تک وضو کی نیت رہی اور ہاتھ دھونے کے وقت وضو کی نیت نہ رہی بلکہ ہاتھ صاف کرنے اور ٹھنڈک پہنچانے کی نیت ہوئی تو وضو صحیح نہ ہوگا۔

شافعیہ اس کی تعبیر یوں کرتے ہیں کہ صفائی یا ٹھنڈک کی غرض سے ہاتھ دھونے کے ساتھ حکماً وضو کی نیت بھی رہتی ہے، یہاں تک کہ انسان وضو سے فارغ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر وضو کی نیت تھی اور ساتھ ہی ہاتھ صاف کرنے کی بھی نیت تھی تو اس صورت میں وضو باطل نہ ہوگا۔

حنابلہ نے محض صحت وضو کی شرائط میں تین شرطوں کا اضافہ کیا ہے:

اول یہ کہ پانی مباح ہو۔ ناجائز طور پر حاصل کیے ہوئے پانی سے وضو درست نہ ہوگا۔

دوسری یہ کہ وضو کی نیت ہو۔ اگر وضو کی نیت نہ کی تو وضو صحیح نہ ہوگا۔ ان کے نزدیک صحت وضو کے لیے نیت شرط ہے۔ لیکن حنفیہ کے ہاں نیت سنت ہے، جیسا کہ بتایا جا چکا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ''نیت'' نہ رکن ہے نہ شرط، مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ ''نیت'' ارکان وضو میں سے ایک رکن ہے۔

شرط اور رکن کا فرق نیت کے بیان میں معلوم ہوگا۔

Marfat.com

شرط میں فرق یہ ہے کہ فرض یا رکن تو کسی شے کی ماہیت میں داخل ہوتا ہے اور شرط (ماہیت میں داخل نہیں ہوتی لیکن) اس شے کے لیے لازم ہوتی ہے کہ جب تک شرط نہ پائی جائے وہ شے بھی نہیں ہو سکتی۔ مثلاً تکبیر، رکوع، سجدہ وغیرہ نماز کے فرائض میں سے ہے، اور نماز کا وقت اس کی شرائط سے ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے وقت آنے سے پہلے نماز پڑھ لی تو نماز کی ماہیت پوری ہوگئی، لیکن شرع کی رو سے وہ باطل ہوگی کیونکہ اس کے صحیح ہونے کے لیے وقت کی شرط تھی (اور وقت ہنوز آیا نہ تھا)

ان مسائل کی تفصیل نماز کے بیان میں معلوم ہوگی۔

اس کے بعد معلوم ہونا چاہیے کہ وضو کے فرائض کی تعداد کے بارے میں چاروں اماموں میں اختلاف ہے۔ البتہ کتاب اللہ سے فرائض کی تعداد چار ثابت ہے۔

اول چہرے کا دھونا

دوم دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا

سوم سر یا کچھ حصہ سر کا مسح کرنا

چہارم ٹخنوں تک پاؤں کا دھونا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **یا ایھا الذین آمنوا اذاقمتم الی الصلوۃ فاغسلو وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم و ارجلکم الی الکعبین** (یعنی اے ایمان والو جب تم نماز کو کھڑے ہو تو پہلے اپنے چہروں کو اور کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کو دھولو اور سر کا مسح کرو، اور دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھولو)

یہاں تک چاروں امام متفق ہیں اور ان امور کی فرضیت میں کسی کو اختلاف نہیں، البتہ سر کا مسح کرنے کے طریقے میں اختلاف ہے۔ کسی کا کہنا ہے کہ پورے سر کا مسح کیا جائے اور کسی نے کہا کہ کچھ حصہ سر کا مسح کیا جائے۔ جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔

بعض آئمہ نے ان چار فرائض پر کچھ اضافہ کیا ہے اور بعض نے نہیں کیا۔

یہاں پر ہم الگ الگ مسالک کے مطابق تمام فرائض وضو کا ذکر اکٹھا کرتے ہیں، تا کہ مسائل متعلقہ کا ذکر متفرق نہ ہو کہ ان کا ذہن میں رکھنا مشکل ہو جائے۔ اس کے بعد وہ امور بیان کیے جائیں گے

تیسری شرط یہ ہے کہ ڈھیلے کا استعمال یا پانی سے استنجا وضو کرنے سے پہلے کر لیا گیا ہو، اس کے بغیر وضو نہ ہوگا۔ اس کے متعلقہ مسائل کی تفصیل استنجا کے بیان میں آئے گی۔

Marfat.com

جن میں سب متفق ہیں۔ ان کی تفصیل حاشیہء ذیل میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ وضو کے فرائض صرف یہی چار ہیں، چنانچہ اگر کسی مکلف انسان نے اس پر کچھ اضافہ کیے بغیر ان چاروں کو کرلیا تو وہ باوضو ہو جائے گا' اور اس کے لیے نماز اور ایسی تمام باتیں جن کے لیے وضو کرنا ضروری ہے' مثلاً قرآن شریف کو ہاتھ لگانا' درست ہوگا۔

ترک سنت کے بارے میں شرعی حکم وضو کی سنتوں کے ضمن میں بیان کیا جائے گا۔

اب ہم وضو کے فرائض اربعہ کی تفصیل' جو حنفیہ کے نزدیک معتبر ہے' بیان کرتے ہیں:

پہلا فرض چہرے کا دھونا ہے۔ اس کے متعلقہ چار مسائل یہ ہیں:

اول چہرے کی حدود اربعہ' لمبائی اور چوڑائی میں' کیا ہیں؟

دوم یہ کہ داڑھی' مونچھ اور پلکوں کے بال کو کہاں تک دھونا چاہیے؟

سوم یہ کہ آنکھوں کا ظاہر اور باطنی کون سا حصہ دھونا واجب ہے اور کون سا واجب نہیں ہے؟

چہارم یہ کہ ناک کے نتھنوں کو کہاں تک دھونا چاہیے؟

چہرے کی حدود اربعہ یہ ہیں:

بے ریش آدمی کا چہرہ لمبائی میں اس جگہ سے جہاں بالعموم بال اگتے ہیں' ٹھوڑی کے نیچے تک ہے۔ بال اگنے کی جگہ پیشانی کے اوپر ہے' جسے عامہ یا القورۃ ☆ کہتے ہیں۔ پس بالعموم انسان کا چہرہ پیشانی کے اس کنارے سے شروع ہوتا ہے جہاں بال اگتے ہیں۔

بال اگنے کی غیر معمولی صورت یہ ہے کہ یا تو انسان ''اصلع'' ہوگا یا ''افرع'' [یعنی ماتھا ننگا (گنجا) ہوگا یا کوتہ پیشانی زیادہ بالوں والا]۔ اصلع (چوڑے ماتھے والا) وہ شخص ہے جس کے سر کے بال آگے کی جانب سے اڑ گئے ہوں' یہاں تک کہ وہ ایسا ہو جائے کہ گویا اس کے بال پیدا ہی نہیں ہوئے۔ ایسی صورت میں یہ حکم ہے کہ وہ تمام جگہ جہاں گنج ہے (جو بال سے خالی ہے) دھونا واجب نہیں ہے' بلکہ صرف وہاں تک دھونا واجب ہے جہاں بالعموم سر کے بال پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی پیشانی سے کسی قدر اوپر کا حصہ۔

''افرع'' (یعنی کوتہ پیشانی) وہ شخص ہے جس کے بال اتنے بڑھ جاتے ہیں کہ اس کی پیشانی پر آ جائیں۔ اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ پلکوں کے قریب تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس کو 'اغم' (یعنی بادل کی طرح چھائے ہوئے بال والا) کہتے ہیں۔ ایسی صورت میں وہی حکم ہے جو 'اصلع' کا ہے' یعنی اس کو بھی پیشانی سے کسی قدر اوپر تک دھونا واجب ہے۔ کیونکہ اکثر اشخاص کے سر کے بال اسی جگہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں اکثریت ہی کی پیروی کی جائے گی۔ اگر کوئی شخص خلقی طور پر بیشتر انسانوں سے مختلف ہو تو اس شخص پر عام انسانوں سے ہٹ کر کوئی حکم عائد نہیں کیا جاتا۔

اب سمجھنا چاہیے کہ چوڑائی میں چہرے کی حد ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک ہے جس کو بعض لوگ 'وتد' کہتے ہیں (وتد: کان کی لو کے اوپر چھوٹا سا ابھرا ہوا حصہ یا پرہ گوش)

☆ عامہ جسے القورۃ بھی کہتے ہیں، پیشانی کی وہ جگہ ہے جہاں عمامہ باندھا جاتا ہے۔

Marfat.com

واضح ہو کہ ٹھوڑی اور کان کے درمیان کی جو خالی جگہ ہے وہ بھی قدرتی طور پر چہرے میں شامل ہے' لہٰذا اس کا دھونا بھی واجب ہے۔

حنفیہ کے نزدیک چہرے کی تعریف اس کی لمبائی اور چوڑائی کے اعتبار سے یہی ہے۔

چہرے پر جو بال ہوتے ہیں' ان میں سے سب سے زیادہ قابل ذکر داڑھی اور مونچھ کے بال ہیں۔ داڑھی کے بال کے متعلق حکم یہ ہے کہ چہرے کی جلد کے ساتھ جو بال ہیں اوپر سے لے کر ٹھوڑی کی نچلی جلد تک' جس کو "بشرہ" کہتے ہیں' ان کا دھونا واجب ہے۔ اور جو اس کے آگے بڑھے ہوئے بال ہیں' ان کا دھونا واجب نہیں ہے۔ لہٰذا ایسے اشخاص جن کی داڑھیاں لمبی ہیں' انہیں صرف وہ بال جو چہرے کی جلد پر ہیں اور وہ بال جو ٹھوڑی کی اوپری سطح پر ہیں دھونا واجب ہے۔ اس کے علاوہ زائد بال کا دھونا واجب نہیں ہے۔ اگر بال چھدرے ہیں کہ چہرے کی جلد کی سطح تک پانی پہنچایا جا سکے تو اس میں خلال کرنا (یعنی پنجہ دست سے کنگھی کرنا) واجب ہے' بصورت دیگر بال کو اوپر ہی سے دھونا کافی ہے۔

مونچھ کے بال کے متعلق مسائل میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر مونچھیں گنجان اور گھنی ہوں' کہ پانی ڈالنے سے جلد تک نہ پہنچے' تو وضو باطل ہوگا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وضو باطل نہ ہوگا بلکہ داڑھی کی طرح صرف اوپر سے دھو لینا کافی ہے۔ جہاں تک وضو کا تعلق ہے قول مفتیٰ بہ یہی ہے۔ لیکن غسل کے باب میں گھنی مونچھوں کو یہ رعایت نہیں ہے (یعنی اگر محض اوپر سے دھو لینے پر اکتفا کیا تو) غسل باطل ہو جائے گا۔ غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے مونچھیں بڑھانے سے منع فرمایا ہے' کیونکہ اس میں غذا کی کثافت چمٹ کر رہ جاتی ہے' اس لیے سختی کے ساتھ حکم ہے کہ اسے دھویا جائے اور بے فائدہ اس کو بڑھنے نہ دیا جائے۔

اب رہے وہ بال جو پلکوں کے اوپر ہوتے ہیں (یعنی موئے ابرو یا بھنویں) سو اس کی بابت حکم یہ ہے کہ اگر بال چھدرے ہوں کہ پانی سطح جلد تک پہنچ جائے' تو اس کو ہلانا واجب ہے' تاکہ پانی اس کے نیچے پہنچ جائے۔ اگر گھنے ہوں تو خلال کرنا واجب نہیں ہے۔

ناک کی بابت یہ حکم ہے کہ اس کی تمام نمایاں سطح کو دھونا چاہیے کیونکہ وہ چہرے کا ایک حصہ ہے۔ اگر ذرا سا حصہ بھی خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو دھونے سے رہ گیا تو وضو فاسد ہو جائے گا۔

دونوں نتھنوں کے درمیان کا جو پردہ ہے اس کا نچلا حصہ ناک میں شامل ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ناک کے اندرونی حصہ کا دھونا فرض نہیں ہے۔ البتہ اگر چہرے پر زخم ہو اور گہرائی تک اس کا اثر ہو تو اس میں پانی پہنچانا واجب ہے۔ جس طرح چہرے کے تکامیش (جھریوں) میں پانی پہنچانا واجب ہے۔ عوام اس کو کرامیش کہتے ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے ان وجہ فلان کو مش (یعنی فلاں نے کے چہرے پر جھریاں پڑ گئیں)۔

واضح ہو کہ وضو کے بعد اگر داڑھی منڈائی تو وضو باطل نہیں ہوتا۔

فرائض وضو میں سے دوسرا فرض کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کا دھونا ہے۔ کہنی سے مراد جوڑ کی وہ ابھری ہوئی ہڈی ہے جو ہاتھ کے نچلے سرے پر ہوتی ہے۔ اس کے متعلق چند مسائل ہیں:

ایک یہ کہ اگر انسان کی انگلیاں (پانچ سے) زائد ہوں تو ان کا دھونا بھی واجب ہے۔ لیکن اگر پورا ہاتھ زیادہ ہو اور

Marfat.com

وہ زائد ہاتھ اس کے قدرتی ہاتھ کے برابر ہے' تو اسے دھونا واجب ہے۔ اگر اس سے نکلا ہوا ہے تو صرف وہاں تک دھونا واجب ہے جہاں تک برابر ہے' اور زائد حصے کا دھونا واجب نہیں ہے' لیکن مستحب یہی ہے کہ اسے بھی دھولیا جائے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر ہاتھ میں کوئی چیز چپک جائے' یا ناخنوں میں کوئی شے مثلاً مٹی یا آٹا جم جائے تو لازم ہے کہ پہلے اس کو نکال دیا جائے اور پانی ناخنوں کی جڑ تک پہنچایا جائے' ورنہ وضو باطل ہوگا۔ ناخنوں کی جڑ سے مراد وہ حصہ ہے جو انگلیوں کے گوشت سے پیوستہ ہے۔ اگر ناخن اتنا بڑھا ہوا ہے کہ انگلی سے آگے نکل گیا ہے تو اس کا دھونا واجب ہے' ورنہ وضو باطل ہوگا۔ اور وہ میل کچیل جو ناخن کے نیچے ہو اس کی بابت قول مفتی بہ یہ ہے کہ اس سے وضو میں کوئی خلل نہیں پڑتا' خواہ وضو کرنے والا شہر کا باشندہ ہو یا دیہات کا۔ یہ حکم دشواری اور تکلیف سے بچانے کی خاطر ہے۔ لیکن اہل تحقیق حنفیہ کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ بڑھے ہوئے ناخن کے نیچے جو میل کچیل چمٹ گیا ہو' اسے دھو ڈالنا چاہیے۔ اگر یہ نہ کیا تو وضو باطل ہوگا۔ یوں بھی یہ کام باعث پسندیدہ ہے کیونکہ ناخن کے نیچے جو بہت سی گندگی جم جاتی ہے وہ مرض کا باعث ہوتی ہے۔ تاہم روٹی پکانے والوں کو جن کے ناخن لمبے ہوں اور ان کے نیچے کچھ آٹا جم کر رہ جائے' ان کے پیشے کے تقاضوں کے پیش نظر معاف قرار دیا ہے۔

مہندی لگانے یا رنگنے سے جو رنگ لگا رہ جائے اس سے وضو میں خلل نہیں آتا' البتہ بستہ مہندی اگر ہاتھ پر جمی رہ گی تو اس سے وضو میں خلل پڑے گا کیونکہ وہ جسم پر پانی پہنچنے سے مانع ہوتی ہے۔

کسی شخص کے ہاتھ کا کچھ حصہ کٹا ہوا ہے تو واجب ہے کہ جو حصہ باقی ہے اس کو دھویا جائے۔ اگر وہ پورا عضو جس کا دھونا فرض ہے کٹ گیا تو اس کو دھونا بھی ساقط ہو گیا۔

فرائض وضو میں سے تیسرا فرض دونوں پیروں کو ٹخنوں تک دھونا ہے۔ ٹخنہ اس ہڈی کو کہتے ہیں جو پنڈلی کے نچلے کنارے پر پیر کے اوپر ابھری ہوئی ہوتی ہے۔ وضو کرنے والے پر واجب ہے کہ ایڑی کی ڈھلوان کی طرف خاص دھیان دے اسی طرح قدم کے نچلے حصے میں جو پھٹن ہو اس کے دھونے کی طرف خاص توجہ دی جائے۔

اگر پیر کا کچھ حصہ یا تمام کا تمام کٹ جائے تو اس کا حکم وہی ہے جو کٹے ہوئے ہاتھ کے متعلق اوپر بیان ہوا۔

اگر ہاتھ یا پیر میں تیل لگایا اور پھر وضو کیا' پانی اس کے اوپر سے بہہ گیا اور چکنائی کے باعث عضو میں جذب نہ ہوا تو اس سے وضو میں کوئی خلل نہیں ہوگا۔

اگر پاؤں پھٹ گیا ہے اور اس پر مرہم وغیرہ لگا لیا اور اس کے نیچے پانی پہنچانا نقصان دہ ہے تو دھونا واجب نہیں ہے۔ نقصان دہ نہ ہو تو لازم ہے کہ اس پٹی وغیرہ کو اتار کر نیچے کی جگہ کو دھویا جائے۔

اگر پاؤں میں پھٹن...... بوائی...... وغیرہ ہو کہ اس کا دھونا یا (کم از کم) پاؤں کو پانی میں ڈبو کر بغیر مسلے جلدی سے نکال لینا مضر ہو تو فریضۂ غسل ساقط ہو جائے گا۔ اور چاہیے کہ تر ہاتھ اس پر پھیر لے (یعنی مسح کر لے)۔ اگر اس سے بھی عاجز ہو تو مسح بھی ساقط ہو جائے گا اور صرف اس حصے کا دھونا واجب ہوگا جو نقصان دہ نہ ہو۔

فرائض وضو میں سے چوتھی چیز ایک چوتھائی سر کا مسح کرنا ہے' اور چوتھائی سر کی مقدار ہتھیلی کے برابر قرار دی گئی ہے۔ لہٰذا واجب ہے کہ پوری ہتھیلی کے برابر سر کے حصے کا مسح کیا جائے۔ لہٰذا اگر ہاتھ میں پانی لگا ہوا ہے اور اس ہاتھ کو سر پر

Marfat.com

پیچھے یا آگے سے' یا کسی بھی طرف سے ہتھیلی کے برابر جگہ پر پھیر لیا تو مسح جائز ہوگا۔ اس بنا پر کہ مسح کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہتھیلی ہی سے مسح کیا جائے۔ بلکہ چوتھائی سر پر (ہتھیلی کے برابر جگہ پر) تر ہاتھ کا پانی پہنچ جائے تو کافی ہے۔ ہاتھ سے مسح کرنے کے لیے یہ شرط ہے کہ کم از کم تین انگلیوں کو استعمال کیا جائے تا کہ خشک ہونے سے پہلے چوتھائی سر تک پانی پہنچ جائے۔ اگر صرف دو انگلیوں کو مسح کرنے کے لیے استعمال کیا گیا تو بسا اوقات چوتھائی سر تک ہاتھ پہنچنے سے پہلے ہی (انگلیاں) خشک ہو جائیں گی اور پانی وہاں تک نہ پہنچ سکے گا جہاں تک پہنچانا مقصود ہے۔ اگر انگلیوں کے سرے سے مسح کیا' جن سے اتنا پانی ٹپک رہا تھا کہ پانی وہاں تک پہنچ گیا جہاں تک پہنچانا مطلوب تھا تو مسح صحیح ہوگا' ورنہ نہیں۔ بدیں جہت کہ نئے پانی سے سر کا مسح کرنا شرط صحت نہیں ہے، لہٰذا اگر ہاتھ تر تھا تو مسح جائز ہوگا۔ لیکن یہ جائز نہیں ہے کہ دوسرے تر عضو کی تری لے کر اس سے مسح کیا جائے۔ مثلاً کہنی دھونے کے بعد ہاتھ خشک ہو گیا پھر ہاتھ کو کہنی کے پانی سے تر کیا اور اس سے (سر کا) مسح کر لیا تو یہ کافی نہیں ہے۔

جس شخص کے سر کے بال لمبے ہوں کہ پیشانی یا گردن تک لٹک رہے ہوں اور اسی (لٹکے ہوئے حصہ) پر مسح کر لیا تو جائز نہ ہوگا' کیونکہ غرض چوتھائی سر کا مسح کرنے سے ہے۔ پس اگر سر منڈا ہوا ہے تب تو کوئی بات ہی نہیں (سر کا مسح ہو ہی سکتا ہے' لیکن) اگر سر پر بال ہیں تو اس بال پر مسح لازم ہے جو سر کے کسی حصے کے اوپر اُگے ہوئے ہیں (یعنی جو بال لٹک رہا ہے وہ تو سر پر ہے ہی نہیں' لہٰذا اس کا مسح کرنے سے سر کا مسح نہیں ہو سکتا) اگر سر کا کچھ حصہ منڈا ہوا ہے' اور کچھ نہیں ہے' تو جس حصہ پر بھی مسح کر لیا جائے وہ صحیح ہوگا۔

سر پر مسح کرنے کے بعد بال منڈانے سے وضو باطل نہیں ہوتا۔

اگر برف کا ٹکڑا لے کر سر پھیرا گیا تو مسح ہو جائے گا۔

اگر سر اور چہرے کو ایک ساتھ دھو ڈالا تو مسح ہو جائے گا لیکن مکروہ ہے۔ عمامہ وغیرہ پر بغیر معذوری کے مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ رومال یا اوڑھنی وغیرہ سے ڈھکے ہوئے سر کا اوپر سے مسح کرے' البتہ اگر وہ اتنی پتلی شے ہے کہ پانی اس سے جذب ہو کر بال تک پہنچ جاتا ہو تو جائز ہے۔

اگر سر پر خضاب یا مہندی یا کوئی رنگ لگا ہوا ہے' اور اس پر مسح کرنے سے پانی میں وہ رنگ آ جائے اور پانی کی سابقۃ الذکر تعریف سے وہ خارج ہو جائے' تو مسح صحیح نہ ہوگا' ورنہ جائز ہے۔

حنفیہ کے نزدیک وضو کے فرائض یہی ہیں، اس کے علاوہ باقی اور باتیں سنت ہیں جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ وضو کے فرائض سات ہیں:

پہلا فرض ''نیت'' ہے جس کے متعلق چند امور تفصیل طلب ہیں:

۱۔ نیت کی تعریف اور اس کا طریقہ

۲۔ اس کا موقع ومحل

۳۔ اس کی شرطیں اور

۴۔ اس کی باطل کرنے والی اشیاء

Marfat.com

نیت کی تعریف اوراس کا طریقہ:

نیت کسی کام کے مقصدوارادے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ اگر کسی نے کوئی کام کرنے کا ارادہ کیا تو کہا جاتا ہے کہ **نوی ذالک الفعل** (یعنی اس نے اس کام کا ارادہ کیا)۔

وضو کی نیت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بے وضو انسان یہ ارادہ کرے کہ جو امور حدث اصغر کی حالت میں ممنوع تھے وہ روا ہو جائیں۔ یا یہ ارادہ ہو کہ فریضہ وضو ادا کرنا ہے۔ یا یہ ارادہ ہو کہ چھوٹی ناپاکی (حدث اصغر) کو دور کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ نیت کا تعلق دل سے ہے۔ لہٰذا ان مذکورہ ارادوں میں سے کوئی بھی ارادہ ہو اس سے وضو کی نیت ہو جائے گی۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ زبان سے نیت کے (مخصوص) الفاظ ادا کیے جائیں۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وضو کے انجام پا جانے تک اسی ارادہ کا تصور قائم رکھا جائے۔ یعنی یہ تصور ذہن سے اتر جائے تب بھی وضو باطل نہ ہوگا۔

نیتِ وضو کا وقت وہ ہے جب وضو شروع کیا جائے۔ اگر بغیر نیت کے کچھ اعضا دھو لیے تھے تو وضو باطل ہوگا۔ اگر وضو کی نیت اور وضو شروع کرنے کے درمیان بہت تھوڑا سا وقفہ ہوا ہو وہ معاف ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص وضو کی نیت سے بیٹھا اور خادم پانی کا لوٹا لے کر آیا تب دونوں ہاتھ پر پانی ڈالا اور پھر وضو کی نیت نہ کی تو (اس پہلی نیت ہی سے) وضو صحیح ہوگا' کیونکہ وضو اور نیت کے درمیان زیادہ عرصہ نہیں لگا اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ نیت دل سے ہوتی ہے۔

وضو کی شرطیں تین ہیں: اسلام' تمیز اور یقین۔

چنانچہ اگر کوئی غیر مسلم عبادت کا کوئی کام کرے تو اس کا نیت کرنا درست نہ ہوگا۔ یہی حال اس بچہ کا ہے جس کو نہ دینی ذمہ داریوں کی تمیز ہو اور نہ وہ اسلام کا مطلب جانتا ہو۔ دیوانہ کا بھی یہی حکم ہے۔ لیکن بچہ میں اگر تمیز (یا شعور) پیدا ہو گیا ہے تو اس کا نیت کرنا صحیح ہوگا۔

تردد کے ساتھ نیت صحیح نہیں ہوتی۔ چنانچہ دل میں یہ خیال کرنا کہ اگر میں بے وضو ہوں تو وضو کی نیت کر رہا ہوں' ایسی نیت صحیح نہیں ہے' بلکہ ضروری ہے کہ نیت کے ساتھ یقین بھی ہو۔

وہ امر جو نیت کو باطل کر دیتا ہے وہ یہ ہے کہ اثنائے وضو میں وضو کا ارادہ چھوڑ دیا جائے' یعنی وضو کو باطل کرنے کا ارادہ ہو جائے اور اس وضو کے کام کو وضو میں شمار نہ کیا جائے' وضو پورا کرنے کے بعد ایسا خیال وضو میں خلل انداز نہیں ہوتا' کیونکہ وضو جب تکمیل کو پہنچ جائے تو پھر وضو باطل نہ ہوگا' جب تک کہ وضو توڑنے والا کوئی امر پیش نہ آئے، ایسے امور کا بیان آگے آرہا ہے۔

فرائض وضو میں سے دوسرا فرض ''چہرے کا دھونا'' ہے۔ چہرے کی حدود طولاً و عرضاً وہی ہیں جس کے حنفیہ قائل ہیں۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ وہ خالی حصہ جو دونوں کان کے ''وتد'' (کان کے اگلے حصہ کا ابھرا ہوا سرا) کے اوپر سر سے ملحق ہے' اس کا دھونا واجب نہیں' بلکہ اس کا مسح کرنا واجب ہے' کیونکہ یہ سر کا حصہ ہے' چہرے کا حصہ نہیں۔ اسی طرح کنپٹی کے بال بھی سر میں شامل ہیں' چہرے میں شامل نہیں ہیں۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ چہرے کا حصہ ہے' لہٰذا اس کا دھونا فرض ہے اور ناگزیر ہے۔

وضو کا تیسرا فرض کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کا دھونا ہے۔ مالکیہ کے نزدیک اس کو بھی وہاں تک دھونا واجب ہے'

Marfat.com

جہاں تک حنفیہ کے نزدیک واجب ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک انگلیوں کی تکا میش اور بڑھے ہوئے ناخنوں کے نچلے حصے کو جو انگلیوں کے سرے کو ڈھکے ہوئے ہوتا ہے دھونا واجب ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ناخنوں کا میل کچیل اگر زیادہ اور گاڑھا نہ ہو تو معاف ہے۔

چوتھا فرض پورے سر کا مسح کرنا ہے' مسح سامنے کی اس جگہ سے جہاں بالعموم سر کے بال اگتے ہیں' پیچھے کی جانب گدی کے گڑھے تک ہونا چاہیے اور اس میں کنپٹی کا بال اور وہ خالی جگہ جو کنپٹی کے پیچھے دونوں کانوں کے پہلو میں ہے' شامل ہے۔ اسی طرح وہ خالی جگہ بھی جو دونوں کانوں کے اوپر سر تک ہے (سر میں شامل ہے)۔

سر کے بالوں پر مسح کرنا واجب ہے' خواہ وہ زیادہ ہوں یا کم۔

اگر کسی نے بالوں کو گوندھ رکھا ہے تو مالکیہ کے نزدیک واجب ہے کہ (مسح کے لیے) بال کھول دے' بشرطیکہ وہ دھاگے کی تین لڑیوں میں گندھے ہوئے ہوں۔ اگر دو لڑیوں یا اس سے کم میں ہوں' لیکن کس کر گندھا ہو تو کھولنا واجب ہے۔ ہلکے گندھے ہوں تو اس سے کوئی حرج نہیں ہوتا۔ اسی طرح بغیر دھاگے کے گندھے ہوئے بال' خواہ مضبوطی سے (کس کر) گندھے ہوں یا نہ ہوں (مسح میں اس سے کوئی حرج نہ ہوگا)۔ غرض مسح کے لیے بال کھولنا اسی حالت میں ضروری ہے جب کہ دھاگے سے گندھا ہو' جیسا کہ بعض دیہاتی کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ صورت جو عام طور پر شہر کے باشندوں کا طریقہ ہے کہ بغیر گوندھے بالوں کو اکٹھا کر لیتے ہیں (بٹ لیتے ہیں) اس سے بغیر دھاگے سے گندھے ہوئے بال کی طرح کوئی حرج نہیں ہوتا۔

یہ بتایا جا چکا ہے کہ حنفیوں کے نزدیک صرف چوتھائی سر کا مطلقاً مسح کر لینا کافی ہے۔ شافعیہ کا مسلک آگے بیان ہو رہا ہے۔ ان کے ہاں اس سے زیادہ سہولت ہے کہ وہ سر کے کسی بھی حصے کا' خواہ چھوٹا ہو یا بڑا' مسح کر لینا کافی خیال کرتے ہیں۔

سر کے دھو لینے سے مسح ہو جاتا ہے' لیکن مکروہ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسح کرنے کا حکم دیا ہے' دھونے کا نہیں دیا۔

مسح کرنے کے بعد سر کے بال اتروا دیے تو دوبارہ مسح کرنا واجب نہیں ہے' خواہ مسح کے بعد سر کو بالکل ہی مونڈ دیا گیا ہو۔ اس مسئلے میں سب کا اتفاق ہے۔

کانوں کی اوپری سطح کا مسح کرنا واجب نہیں ہے' کیونکہ وہ سر میں شامل نہیں ہے۔ اس میں بھی اختلاف نہیں ہے' لیکن حنابلہ اس کو سر میں شامل سمجھتے ہیں' چنانچہ ان کے مسلک کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

وضو کا پانچواں فرض ''دونوں پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا'' ہے۔ مسلک حنفیہ کے ذکر میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ ٹخنے ان ہڈیوں کو کہتے ہیں جو انسان کی پنڈلی کے نچلے حصے میں قدم کے اوپر ابھری ہوئی ہوتی ہیں۔

پیروں کے اوپر اور نیچے جہاں جہاں پھٹن ہو اس کا دھونا واجب ہے' جیسا کہ حنفیہ کے مسلک میں ہے۔ اگر واجب الغسل عضر سارا کٹ گیا ہو تو اس کا دھونا بھی فرض نہ رہا' جیسا کہ مسلک حنفیہ میں سابقاً بیان ہوا۔

چھٹا فرض 'موالاۃ' (یعنی یکے بعد دیگرے جلدی جلدی دھونا) ہے۔ اس کو 'فور' (یعنی پھرتی) کہا جاتا ہے' اور وضو میں پھرتی کرنا یہ ہے کہ وضو کرنے والا ایک عضو کے خشک ہونے سے پہلے اگلے عضو کو دھونا اپنے اوپر فرض کر لے۔ بایں طور

Marfat.com

کہ دوسرے عضو کو دھونے میں اتنی دیر نہ ہو کہ پہلا عضو خشک ہو جائے۔ اس کے لیے وضو کی جگہ اور وقت' اور وضو کرنے والے کے مزاج کا معمول کے مطابق (معتدل) ہونا شرط ہے۔ جگہ کے معتدل ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جہاں وضو کیا جا رہا ہے وہاں سخت گرمی یا سخت ٹھنڈک نہ ہو کہ پانی کو سکھا دے۔ اور وقت کا معتدل ہونا یہ ہے کہ ایسا موسم نہ ہو کہ جس کے اثر سے پانی خشک ہو جائے اور مزاج کا اعتدال یہ ہے کہ وضو کرنے والے کی جسمانی کیفیت ایسی نہ ہو کہ جلد پر پانی پڑتے ہی جلد خشک ہو جایا کرے۔

واضح ہو کہ مالکیہ کے نزدیک ہر عضوِ وضو کے عمل میں پھرتی ضروری ہے خواہ اس کو دھونا ہو یا مسح کرنا' جیسے سر کہ سر کا مسح کرنے کے بعد فوراً ہی پاؤں کا دھونا واجب ہے' اور اس میں دیر سے مراد اتنا عرصہ ہے جتنا کہ عضو کے خشک ہونے میں لگتا ہے (یعنی مسح سر کے بعد پاؤں دھونے میں اتنی دیر نہ ہونی چاہیے جتنی دیر دھوئے ہوئے عضو کے خشک ہونے میں لگتی ہے)۔ پھر یہ سمجھنا چاہیے کہ مالکیہ کے نزدیک اس پھرتی کے واجب ہونے کی دو شرطیں ہیں: پہلی شرط یہ ہے کہ وضو کرنے والے سے بھول نہ ہوئی ہو مثلاً اگر کسی نے بھول کر چہرہ دھونے سے پہلے ہاتھ دھو لیا اور اب چہرہ دھونا یاد آیا تو (اگرچہ اس صورت میں موالاۃ نہ رہی تاہم) وضو صحیح ہو جائے گا۔ لیکن لازم یہ ہے کہ تکمیل وضو کے لیے پھر سے نیت کرے کیونکہ پہلی نیت بھول کی وجہ باطل ہو گئی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وضو کرنے والا کسی بے اعتدالی کے بغیر موالاۃ سے عاجز نہ ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ وضو کے لیے کافی پانی لایا گیا اور یہ یقین تھا کہ وہ پانی کافی ہو گا۔ بعد میں ناکافی ثابت ہوا کہ بعض عضو' مثلاً ہاتھ اور منہ دھونے میں پانی ختم ہو گیا' اب وضو پورا کرنے کو مزید پانی کی ضرورت ہوئی اس کے لیے کچھ مدت انتظار کرنا پڑا' اتنے میں دھوئے ہوئے اعضاء خشک ہو گئے۔ اس صورت میں ''موالاۃ'' کا فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جب پانی آ جائے تو جہاں تک وضو ہو چکا ہے اس کے آگے کر لیا جائے' یعنی سر کا مسح کر کے پاؤں دھو لیے جائیں' خواہ اس میں کتنی ہی دیر ہوئی ہو۔ البتہ اگر ابتدا ہی سے بے اعتدالی کی گئی' بایں طور کہ وضو کے لیے جو پانی لایا گیا اس کے کافی ہونے میں شبہ تھا (کچھ وضو کرنے کے بعد پانی کم ہو گیا) اور اب مزید پانی کے لانے میں زیادہ دیر لگی ہو تو وضو باطل ہو جائے گا۔ ہاں اگر کچھ ہی دیر لگی ہو تو باطل نہ ہو گا' اور جہاں تک وضو ہو چکا ہے اس کے آگے کر لیا جائے۔

ساتواں فرض ''اعضا کا ملنا'' یعنی اعضائے وضو پر (پانی ڈال کر) ہاتھ پھیرنا۔ یہ فرض ایسا ہی ہے جیسا کہ داڑھی کے بال اور انگلیوں کا خلال۔

تفصیل بالا سے عیاں ہے کہ مالکیہ کے کے نزدیک وضو کے فرائض سات ہیں: نیت' چہرے کا دھونا' دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھونے' پورے سر کا مسح کرنا' دونوں پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا' دھونے میں پھرتی کرنا اور دھونے کے ساتھ ہاتھ سے ملنا۔

واضح ہو کہ مالکیہ نے ''ملنا'' فرائض میں شمار کیا ہے حالانکہ ملنا ان کے نزدیک دھونے کے فریضہ میں (پہلے ہی) داخل ہے۔ اس سے غرض یہ ہے کہ مل کر دھونے کی ترغیب و تاکید ہو جائے۔ اور دھونے میں ملنا داخل ہونے کا مطلب مالکیہ کے نزدیک یہ ہے کہ دھونا یہ نہیں ہے کہ جسم پر پانی کو محض بہا دیا جائے بلکہ لازم ہے کہ اس کو ملا بھی جائے (تب وہ

Marfat.com

دھونا کہلائے گا)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ وضو کے فرائض چھ ہیں:

پہلا فرض نیت ہے۔ اس کی تعریف اور شرائط اور باقی متعلقہ مسائل' جو مسلک مالکیہ میں اس سے پہلے بیان ہوئے' ان میں سے دو امور کے سوا کسی میں اختلاف نہیں ہے:

ایک امر تو یہ ہے کہ مالکیہ کہتے ہیں کہ اعمال وضو کے متصل نیت کرنا شرط لازم نہیں' بلکہ اگر وضو شروع کرنے سے کسی قدر پہلے نیت کر لی جائے تو قابل درگزر ہے۔ لیکن شافعیہ کہتے ہیں کہ اجزائے وضو میں سے پہلے جزو کے ساتھ ہی نیت کرنا ضروری ہے' اور چونکہ فرائض وضو میں سے پہلا فرض چہرے کا دھونا ہے' لہٰذا فرض ہے کہ چہرہ کا پہلا جزو دھوتے وقت ہی نیت کی جائے' اگر بغیر نیت کے ایسا کیا تو وضو باطل ہوگا۔ اگر چہرے کا پہلا جزو دھوتے وقت نیت وضو کر لی اور اس کے بعد نیت سے غافل رہا تو وہی نیت کافی ہے' کیونکہ یہ لازم نہیں ہے کہ جب تک پورا چہرہ نہ دھل جائے وضو کی نیت بھی جاری رہے۔

ہتھیلی دھونے کے وقت (یعنی وضو شروع کرنے سے پہلے) نیت کی' یا کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالتے وقت نیت کی تو صحیح نہ ہوگی۔ ہاں اگر کلی کے دوران لبوں کے بیرونی حصے کا کوئی جزو دھونے کے وقت وضو کی نیت کر لی گئی تو وہ صحیح ہوگی کیونکہ وہ بھی چہرہ کا ایک جزو ہے۔ پھر اگر چہرے کے ایک جزو کے طور پر اسے دھونے کا ارادہ کیا تھا تو اب چہرہ دھونے کے وقت اسے دوبارہ دھونا لازم نہیں ہے' لیکن اگر سنت کے طور پر دھونے کی نیت تھی یا کوئی نیت نہ تھی تو قول معتبر یہی ہے کہ دوبارہ دھونا چاہیے۔

اگر چہرے پر زخم ہے جو دھونے سے مانع ہے تو وہ نیت (جو وضو کے لیے چہرہ دھونے کی نیت تھی) ہاتھوں کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

دوسرا امر (جس میں شافعیہ کو مالکیہ سے) اختلاف ہے' یہ ہے کہ شافعیہ کہتے ہیں کہ حدث دور کرنے کی نیت سے وضو کرنا ہر حال میں صحیح نہیں ہے' جیسا کہ مالکیہ کا خیال ہے بلکہ یہ نیت صحیح جب ہوگی کہ وضو کرنے والا ''معذور'' مثلاً سلسل بول کا مریض نہ ہو۔ ایسے شخص کے لیے لازم ہے کہ نماز کے صحیح ہونے' یا قرآن کو ہاتھ لگانے' یا ایسے ہی کسی اور کام کے لیے جو وضو پر موقوف ہو یا محض فرضِ وضو ادا کرنے کی غرض سے وضو کی نیت کرے۔ یہ قید اس لیے ہے کہ ایسے شخص کا حدث وضو کرنے سے دور نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر حدث دور کرنے کی نیت سے وضو کیا تو حدث دور نہ ہوگا۔ شارع علیہ السلام نے معذور انسان کو وضو کا حکم اس لیے دیا ہے کہ نماز اس کی صحیح ہو جائے یا کوئی اور ایسا کام کر سکے جس کا انجام پانا طہارت پر موقوف ہے۔

وضو کا دوسرا فرض چہرے کا دھونا ہے۔ چہرے کی حدود طولاً عرضاً وہی ہیں جو حنفیہ کے مسلک میں اوپر بیان ہوئیں اتنا فرق ہے کہ شافعیہ کہتے ہیں کہ ٹھوڑی کا نچلا حصہ دھونا فرض ہے۔ شافعیہ اس مسئلہ میں منفرد ہیں' کیونکہ شافعیہ' مالکیہ اور حنابلہ سے اس امر میں متفق ہیں کہ لمبی داڑھی چہرے کے تابع ہے لہٰذا اس کے اخیر تک دھونا واجب ہے' بخلاف حنفیہ کے جیسا کہ بتایا گیا' اور شافعیہ اس امر میں حنفیہ سے متفق ہیں کہ دونوں کنپٹیوں کے بال اور وہ خالی جگہ جو کان کے وتد سے اوپر ہے چہرہ کا حصہ ہے۔ لہٰذا ان کا دھونا واجب ہے بخلاف مالکیہ اور حنابلہ کے۔ داڑھی کے بالوں کے متعلق شافعیہ

Marfat.com

دوسرے ائمہ سے اس امر میں متفق ہیں کہ اگر بال چھدرے ہیں' کہ دیکھنے والا بالوں کے نیچے کی جلد (بشرہ) کو دیکھ سکے' تو اس کا خلال کرنا واجب ہے' تاکہ پانی جلد کی سطح تک پہنچ جائے' اور اگر بال گھنے ہیں تو اوپر سے دھو لینا واجب ہے اور خلال کرنا سنت ہے۔ لیکن مالکیہ کہتے ہیں کہ اگرچہ گھنے بال میں خلال کرنا واجب نہیں ہے' تاہم ہاتھ سے ہلانا جلانا واجب ہے تاکہ پانی بالوں کے درمیان چلا جائے خواہ جلد تک نہ پہنچے۔ ہاں خلال کرنا واجب نہیں ہے۔ غرض اماموں کا تو اس پر اتفاق ہے کہ بال ہلکے ہوں جن سے پانی جلد تک پہنچ جائے تو خلال کرنا واجب ہے' لیکن گھنے بالوں کی صورت میں تین آئمہ تو بالوں کو اوپر سے دھو لینا کافی سمجھتے ہیں' مگر مالکیہ ہاتھ سے ہلانا جلانا بھی لازم قرار دیتے ہیں اس لیے نہیں کہ پانی جلد تک پہنچایا جائے' بلکہ اس لیے کہ جہاں تک ممکن ہو بال دھل جائیں۔ اس کے علاوہ غلطی ہو گی۔

وضو کا تیسرا فرض کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کا دھونا ہے۔ شافعیہ نے اس بارے میں حنفیہ کی ان تمام تفصیلات سے اتفاق کیا ہے جن کا ذکر اوپر ہوا' البتہ یہ کہتے ہیں کہ ناخونوں کے نیچے کا میل کچیل اگر نیچے کی جلد تک پانی پہنچانے سے مانع ہو تو اس میل کچیل کا دور کرنا واجب ہے۔ ہاں ان لوگوں کو جو مٹی گارا وغیرہ کا کام کرتے ہیں' معاف ہے' بشرطیکہ زیادہ نہ ہو کہ انگلیوں کے سرے پر لگی رہے۔

چوتھا فرض سر کے کچھ حصے کا مسح کرنا' خواہ کتنا ہی تھوڑا حصہ کیوں نہ ہو۔ یہ شرط نہیں ہے کہ ہاتھ سے مسح کیا جائے' بلکہ اگر سر کے کسی حصہ پر پانی چھڑک دیا جائے تو جائز ہے۔

سر پر بال ہوں تو اس کے کچھ حصہ کا مسح کرنا صحیح ہوگا' اگر بال لمبے ہیں اور سر سے باہر لٹکے ہوئے ہیں' تو اس بال کے کچھ حصے پر جو سر سے باہر لٹکا ہوا ہے' مسح کر لینا کافی نہ ہوگا' یہاں تک کہ اگر ان کو اکھٹا کر کے سر پر جوڑا بنا لیا جائے تب بھی (شافعیہ کے نزدیک) ضروری ہے کہ بال کے اس حصے کا مسح کیا جائے جو سر سے ملا ہوا ہے۔ پھر ان کا یہ کہنا ہے کہ اگر مسح کی بجائے سر کو دھو لیا جائے تو جائز ہے' لیکن خلاف اولیٰ (بہتر طریقہ کے خلاف) ہے' تاہم مکروہ نہیں ہے' جیسا کہ دیگر آئمہ کہتے ہیں۔

پانچواں فرض ٹخنوں تک دونوں پیروں کا دھونا ہے۔ اس بارے میں شافعیہ نے حنفیہ وغیرہ کے ان احکام سے اتفاق کیا ہے جو اوپر بیان ہوئے۔

چھٹا فرض وضو کے ان اعضائے اربعہ میں ترتیب کا لحاظ رکھنا ہے جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔ یعنی پہلے چہرہ دھویا جائے' پھر کہنیوں تک دونوں ہاتھ دھوئے جائیں' پھر سر کا مسح کیا جائے' پھر ٹخنوں تک دونوں پاؤں دھوئے جائیں۔ پس اگر اس ترتیب کے خلاف ان میں سے کسی میں تقدیم یا تاخیر کی تو وضو باطل ہوگا۔ حنابلہ نے اس امر میں شافعیہ سے اتفاق کیا ہے' لیکن مالکیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ ان اعضا میں ترتیب کا ملحوظ رکھنا سنت ہے' فرض نہیں ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شافعیہ کے نزدیک وضو کے چھ فرض ہیں' یعنی نیت' چہرے کا دھونا' کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کا دھونا' سر کے کچھ حصے کا مسح کرنا اور دونوں پیروں کا ٹخنوں تک دھونا اور ترتیب کا ملحوظ رکھنا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ وضو کے فرائض چھ ہیں:

Marfat.com

اول چہرے کا دھونا۔ اس کے طول وعرض کی تفصیل میں مالکیہ سمیت سب متفق ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ کنپٹیوں کے بال اور وہ خالی حصہ جو دونوں کانوں کی (بڑ پڑی) وتد (یعنی وہ جز و جو لو کے متصل مسے کی طرح ابھرا ہوا ہے) کے اوپر ہے' سر کا حصہ ہے' چہرے کا حصہ نہیں ہے۔ لہذا ان کا مسح واجب ہے' دھونا واجب نہیں ہے۔

حنابلہ نے منہ اور ناک کے اندرونی حصے کے بارے میں تمام دوسرے ائمہ سے اختلاف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ چہرے میں شامل ہیں لہٰذا ان کا دھونا' کلی کر کے یا ناک میں پانی ڈال کر فرض ہے۔ اسی طرح ان کو اور اماموں کے ساتھ نیت کے بارے میں بھی اختلافات ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ نیت وضو کے لیے شرط ہے' اگر نیت نہ کی جائے تو وضو صحیح نہ ہوگا' گو فرائض وضو اور وضو کی ماہیت میں داخل نہ ہو۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ (نیت) فرض ہے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ سنت ہے۔

دوسرا فرض کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کا دھونا ہے' لہٰذا واجب ہے کہ ہاتھ کو سرے سے لے کر کہنی کی ابھری ہوئی ہڈی تک دھویا جائے' جیسا کہ حنفیہ وغیرہ نے بیان کیا ہے' نیز انگلیوں کی شکنوں اور بڑھے ہوئے ناخون جس سے انگلیوں کے سرے ڈھکے ہوتے ہیں کے نیچے کی جگہ کا دھونا واجب ہے۔ ناخون کا میل اگر معمولی سا ہو تو معاف ہے۔

تیسرا فرض ''پورے سر کا مسح کرنا'' ہے۔ اس میں دونوں کان شامل ہیں' لہٰذا سر کے ساتھ ان کا مسح بھی فرض کیا گیا ہے۔ حنابلہ' مالکیہ کے اس خیال سے متفق ہیں کہ پورے سر کا' یعنی جہاں سے بالعموم بال اگتے ہیں گدی کے گڑھے تک مسح کرنا ضروری ہے۔ اگر بال اتنے لمبے ہوں کہ گردن پر یا شانوں پر لٹک جائیں تو سوا ان بالوں کے جو سر سے لگے ہوئے ہیں اور بالوں کا مسح واجب نہیں ہے۔ بخلاف مالکیہ کے جو کہتے ہیں کہ سب کا مسح ضروری ہے۔ نیز حنابلہ کو دوسرے مسالک کی طرح اس بارے میں مالکیہ سے اختلاف ہے کہ کانوں کو سر کا حصہ تصور کیا جائے۔ حنابلہ کے نزدیک مسح کے لیے سر کا دھو لینا کافی ہے' جیسا کہ اور اماموں کا خیال ہے' بشرطیکہ اس پر ہاتھ پھیر لیا جائے' لیکن یہ مکروہ ہے' جیسا کہ بتایا گیا۔

چوتھا فرض دونوں پیروں کا ٹخنوں تک دھونا ہے۔ ٹخنہ اس ہڈی کو کہتے ہیں جو پنڈلی کے نچلے حصے میں پیر کے اوپر ابھری ہوئی ہوتی ہے۔ (حنابلہ کے نزدیک) اس بارے میں دوسرے مسالک کی جو تفصیل ہے اس پر عمل واجب ہے۔

پانچواں فرض ترتیب ہے' چنانچہ واجب ہے کہ دونوں ہاتھ دھونے سے پہلے چہرے کو دھونا جائے' اور پیروں کو دھونے سے پہلے سر کا مسح کیا جائے۔ اگر اس ترتیب کے خلاف کیا گیا تو وضو باطل ہوگا۔ اس امر میں ان کو شافعیہ سے اتفاق ہے۔ چنانچہ یہ بتایا جا چکا ہے کہ شافعیہ ''ترتیب'' کو فرض شمار کرتے ہیں' لیکن مالکیہ اور حنفیہ فرائض وضو کی ترتیب کو سنت قرار دیتے ہیں۔ پس اگر چہرہ دھونے سے پہلے ہاتھ دھو لیے یا ہاتھوں سے پہلے پیروں کو دھویا وغیرہ تو مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک وضو ہو گیا' لیکن کراہت کے ساتھ' مگر شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ وضو قطعاً باطل ہے۔

چھٹا فرض 'موالاۃ' ہے۔ موالاۃ کی تفصیل مسلک مالکیہ میں بتائی جا چکی ہے۔ اس سے مراد وضو کے اعمال بجا لانے میں جلدی کرنا یا لگاتار بجالانا ہے' یعنی ایک عضو کے خشک ہونے سے پہلے دوسرا عضو دھویا جائے۔

مسلک مالکیہ میں موالات کے بارے میں بڑی تفصیل ہے' لیکن شافعیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ اعضائے وضو میں موالات سنت ہے' فرض نہیں ہے۔ لہذا دوسرے عضو کو پہلے عضو کا پانی خشک ہونے پر دھونا مکروہ ہے۔ سنت یہ ہے کہ مثلاً

Marfat.com

فرائض وضو کی تفصیلات کا خلاصہ

قرآن حکیم میں وضو کے جو چار فرائض بیان کیے گئے ہیں ان پر ائمہ کا اتفاق ہے۔ وہ چار فرائض یہ ہیں:

۱: چہرے کا دھونا

۲: کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کا دھونا

۳: پورے سر یا کچھ حصے کا مسح کرنا

۴: ٹخنوں تک دونوں پاؤں کا دھونا

حنفیہ نے اس پر کچھ اضافہ نہیں کیا' بخلاف باقی تین اماموں کے پھر چہرے کی تعریف میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ شافعیہ' مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ چہرہ وہاں سے لے کر جہاں بالعموم سر کے بال پیدا ہوتے ہیں' ٹھوڑی کے اخیر تک بے ریش انسان کا، اور باریش کا داڑھی کے سرے تک ہے' خواہ وہ داڑھی لمبی ہو۔ مگر شافعیہ کا کہنا ہے کہ ٹھوڑی کا نچلا حصہ چہرے میں داخل ہے' لہٰذا اس کا دھونا واجب ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ چہرے کی حد وہاں سے لے کر جہاں بالعموم سر کے بال اگتے ہیں' اس جگہ تک ہے جہاں تھوڑی ختم ہوتی ہے۔ لہٰذا جسکی داڑھی تھوڑی کی جلد سے نیچے تک پہنچی ہوئی ہو اس کا دھونا واجب نہیں ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ اس امر میں متفق ہیں کہ ٹھوڑی سے نچلے حصہ کا دھونا واجب نہیں ہے۔

شافعیہ اور حنفیہ اس امر میں متفق ہیں کہ وہ خالی حصہ جو دونوں کانوں کی پُڑپُڑی سے اوپر ہے' وہ چہرے میں شامل ہے' لہٰذا اس کا دھونا واجب ہے۔ بخلاف مالکیہ اور حنابلہ کے جو کہتے ہیں کہ وہ خالی جگہ سر کا

چہرہ دھولیا تو فوراً ہی ہاتھوں کو دھویا جائے' اور ہاتھوں کے خشک ہونے سے پہلے سر کا مسح کیا جائے وغیرہ۔ پس اگر چہرہ دھوکر اتنا توقف کیا کہ چہرے پر جو وضو کا پانی تھا خشک ہوگیا تو وضو صحیح ہو جائے گا' لیکن کراہت کے ساتھ۔ اس بنا پر کہ شافعیہ کہتے ہیں کہ سلسل بول کے مریض اور معذور پر عذر واجب ہوتا ہے۔ ان کے مسلک کی تفصیل سنن وضو کے بارے میں آئندہ بیان ہوگی۔

حنابلہ کے نزدیک جو فرائض وضو ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

چہرے کا دھونا' اس میں منہ اور ناک کا اندرونی حصہ داخل ہے' دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت دھونا' پورے سر کا مسح کرنا' اس میں دونوں کان شامل ہیں' دونوں پاؤں کا دھونا' ترتیب اور موالاۃ۔

Marfat.com

حصہ ہے' لہٰذا اس کا مسح کیا جائے' دھویا نہ جائے۔

اس مسئلے میں ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر داڑھی کے بال کم ہوں کہ دیکھنے والے کو بالوں کے نیچے کی سطح نظر آتی ہو تو اس کا خلال کرنا واجب ہے' تاکہ پانی جلد (بشرہ کھال کی سطح) تک پہنچ جائے۔ اور اگر بال گھنے ہوں تو اس کی صرف اوپری سطح کا دھونا واجب ہے' بالوں میں خلال کرنا واجب نہیں' بلکہ سنت ہے۔ مگر مالکیہ کہتے ہیں کہ گنجان بالوں کا خلال کرنا تو واجب نہیں ہے لیکن اس کا ہاتھ سے ہلانا جلانا واجب ہے تاکہ پانی بالوں کی درزوں میں پہنچ جائے خواہ جلد تک نہ پہنچے۔

تین آئمہ اس امر میں متفق ہیں کہ کان چہرے میں شامل نہیں ہیں، حنابلہ کو اس سے اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ کان چہرے کا حصہ ہیں' لہٰذا انہیں پانی سے دھونا واجب ہے۔

حنابلہ اور مالکیہ اس بات پر متفق ہیں کہ پورے سر کا مسح واجب ہے۔ لیکن حنفیہ اور شافعیہ اس پر متفق ہیں کہ سر کے کچھ حصے کا مسح کرنا فرض ہے پورے سر کا مسح سنت ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ سر کے کچھ حصے کا مسح فرض ہے' خواہ وہ بہت تھوڑا سا ہو۔ لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ چوتھائی سر کا مسح فرض ہے جس کی مقدار ایک ہتھیلی کے برابر ہے۔

مالکیہ اور حنفیہ اس امر میں متفق ہیں کہ اعضائے وضو میں ترتیب ملحوظ رکھنا فرض نہیں ہے' بلکہ سنت ہے۔ مثلاً چہرے سے پہلے ہاتھوں کا دھونا صحیح ہے وغیرہ۔ شافعیہ اور حنابلہ کو اس سے اختلاف ہے' وہ کہتے ہیں کہ وضو میں ترتیب فرض ہے۔

مالکیہ اور شافعیہ اس امر میں متفق ہیں کہ نیت فرض ہے' البتہ نیت کرنے کے وقت کے بارے میں دونوں کا اختلاف ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر وضو شروع کرنے سے کچھ ہی دیر پہلے نیت کر لی تو وضو صحیح ہوگا۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ لازم ہے کہ چہرے کا دھونا شروع ہوتے ہی نیت کی جائے' یا اگر چہرہ دھونے سے معذور ہو تو جب کسی فرض کی ابتدا ہو اسی وقت نیت کی جائے۔

حنابلہ اور حنفیہ میں بھی اختلاف ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ نیت شرط ہے' فرض نہیں ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نیت سنت ہے۔

شافعیہ اور حنفیہ اس میں متفق ہیں کہ ''فور'' یعنی ایک عضو کے خشک ہونے سے پہلے دوسرے عضو کا دھونا سنت ہے' فرض نہیں ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ فرض ہے۔ اس کے متعلق مسلک مالکیہ کی تفصیل بتائی جا چکی ہے۔

Marfat.com

وضو کی سنتوں کا بیان

سنت کی تعریف اور مندوب و مستحب کا بیان

سنت' مندوب' مستحب اور فضیلت کے کیا معنی ہیں؟ اہل مسالک کی آراء اس باب میں مختلف ہیں۔

کچھ اصحاب کہتے ہیں کہ یہ الفاظ مترادف (ہم معنی) ہیں اور ان کا مطلب ہے: وہ کام جس کے کرنے والے کو ثواب ہو اور نہ کرنے والے پر عذاب نہ ہو۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سنت' مندوب اور مستحب سے مختلف شے ہے کیونکہ سنت کی مطلوبیت زیادہ قوی ہے۔ بہر حال اس پر عمل کرنے والا ثواب پائے گا اور جو ترک کرے وہ سزا کا مستوجب نہ ہوگا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سنت مندوب اور مستحب سے مختلف ہے۔ پھر یہ لوگ سنت کی دو قسمیں بتاتے ہیں: مؤکدہ اور غیر مؤکدہ۔ ان کا کہنا ہے کہ سنت مؤکدہ کو ترک کرنے والا سزا کا مستوجب ہوگا کہ قیامت کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم رہے گا۔ گو اس کے تارک پر عذاب نار نہ ہو۔

یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختلف مسالک میں سنت اور سنت جیسے اعمال کی جو تعریف کی گئی ہے پہلے اس کو بیان کیا جائے' اس کے بعد ہر مسلک کی رو سے جن جن امور کو نماز کی سنت قرار دیا گیا ہے ان کی تفصیل اجتماعی طور پر بیان کی جائے۔ بعد ازاں وہ امور بیان ہوں گے جن پر سب متفق ہیں اور وہ امور جن میں اختلاف ہے' تاکہ ان کا بیان کرنا اور مختلف مسائل کا ذہن میں محفوظ کرنا آسان ہو۔ (۱)

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ سنت' مندوب' مستحب اور تطوع مترادف (ہم معنی) الفاظ ہیں۔ ان سے مراد وہ امور ہیں جن کے بجالانے کا مطالبہ مکلف اشخاص سے کیا جائے' لیکن مطالبہ سخت نہ ہو۔ لہٰذا اگر اس کو انسان بجالائے تو مستحق اجر ہوگا' اور اگر ترک کرے تو نہ کرنے پر عذاب نہ ہوگا۔ پھر شافعیہ نے سنت کی دو قسمیں کی ہیں: ایک 'سنت عین' ہے جس پر عمل کرنے کا مطالبہ خصوصیت کے ساتھ ہر ایک مکلف سے ہے لیکن تاکید کے ساتھ نہیں۔ یہ ایسا امر نہیں ہے کہ مکلف انسانوں میں سے کسی فرد واحد کے لیے مخصوص ہو اور دوسروں کے لیے نہ ہو' مثلاً فرائض نماز کے ساتھ کی سنتیں۔ دوسری قسم "سنت کفایہ" ہے۔ یہ وہ امور ہیں جن کے مخاطب مجموعی طور پر تمام مکلف انسان ہیں' بایں طور کہ اگر ان میں سے کوئی شخص ان کو انجام دے تو یہ دوسروں کی طرف سے بھی ادا ہو جائے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کچھ لوگ اکٹھے کھانا کھانے لگے ہوں اور ان

Marfat.com

وضو کی سنتوں اور دوسرے مندوبات وغیرہ کا بیان

یہ بتایا جا چکا ہے کہ سنت، مندوب، مستحب اور فضیلت کے باب میں اہل مسالک کی مختلف آراء ہیں، اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بعض ائمہ سنت، مندوب، مستحب اور تطوع ان تمام الفاظ کو مترادف متحد المعنی قرار دیتے ہیں۔ اور بعض اصحاب ان الفاظ کے معانی میں تفریق کرتے ہیں۔ لہٰذا ذیلی حاشیہ میں اندریں باب

میں سے کسی ایک نے بسم اللہ کہہ لیا تو دوسروں کی طرف سے بھی یہ سنت ادا ہو گئی۔ (سنت کفایہ میں) ثواب کا مستحق وہی شخص ہوتا ہے جو سنت بجالایا، دوسرا نہیں ہوتا (اگرچہ سب کی طرف سے ساقط ہو جاتی ہے)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ سنت وہ امر ہے جس کو شارع نے چاہا، اس کے کرنے کی تاکید فرمائی، اس کی قدر بڑھائی، اور سب پر اس کی فوقیت جتائی، لیکن اس کے واجب ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو۔ اس پر عمل کرنے والا ثواب کا مستحق ہوتا ہے لیکن اس کا تارک مستوجب عذاب نہیں ہوتا۔ مالکیہ کے نزدیک ''سنت'' مندوب سے مختلف ہے۔ مندوب وہ عمل ہے جس کو شارع نے پسند فرمایا ہو لیکن اس کے لیے تاکید نہ فرمائی ہو۔ لہٰذا اگر کوئی مکلف انسان اسے بجالائے تو ثواب ہوگا اور ترک کرے تو مستوجب عذاب نہ ہوگا۔ امر مندوب کو ''فضیلت'' سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کی مثال ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں اور ایسے ہی دوسرے اعمال ہیں جن کا ذکر نماز کے مندوبات میں آئے گا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ سنت کی دو قسمیں ہیں: اول ''سنت مؤکدہ'' ہے جو حنفیہ کے نزدیک واجب کی مانند ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ واجب کا درجہ فرض سے کم ہے۔ واجب کی تعریف یہ ہے: واجب وہ عمل ہے جو غیر قطعی دلیل سے ثابت ہو (یعنی ایسی دلیل جس کے قطعی ہونے میں شبہ ہو) چنانچہ واجب کو فرض عملی کہتے ہیں، یعنی ایسا کام جس پر عمل کرنا ایسا ہی ضروری ہو جیسے فرض پر عمل کرنا۔ لہٰذا اسے ترک کرنے سے گناہ ہوتا ہے اور اس میں ترتیب کا ملحوظ رکھنا اور اس کی قضا کرنا واجب ہے۔ اس کی مثال نماز وتر ہے کہ حنفیہ کے نزدیک عملاً فرض ہے، عقیدۃً فرض نہیں ہے۔ پس اس کا تارک گنہگار ہوگا لیکن اس کی فرضیت کا منکر کافر نہ ہوگا۔ بخلاف نماز پنج گانہ کے کہ وہ عملاً اور اعتقاداً ہر دو اعتبار سے فرض ہے۔ چنانچہ اس کا تارک گنہگار اور اس کا منکر کافر ہوتا ہے۔ واجب کا ترک کرنے والا حنفیہ کے نزدیک ایسا گنہگار نہیں ہوتا جیسا کہ فرض کا تارک۔ لہٰذا واجب کا تارک اہل تحقیق کے نزدیک عذاب دوزخ کا مستوجب نہ ہوگا، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم رہے گا۔

اس بیان سے واضح ہے کہ حنفیہ جب یہ کہتے ہیں کہ فلاں کام سنت مؤکدہ ہے تو اس سے ان کی مراد وہی واجب ہے جس کا ذکر کیا گیا۔ اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر امر واجب سہواً نماز میں رہ جائے تو اس کی تلافی سجدہ (سہو) سے کی جائے گی۔

سنت کی دوسری قسم ''غیر مؤکدہ'' ہے۔ اس کو وہ مندوب سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کا کرنے والا ثواب پاتا ہے اور تارک پر عذاب نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ سنت، مندوب اور مستحب ہم معنی الفاظ ہیں، ان کے بجالانے سے ثواب ہوتا ہے اور ترک کرنے

Marfat.com

ہر مسلک کی جدا جدا تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ (۱)

سے عذاب نہیں ہوتا' جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں البتہ حنابلہ بھی سنت کی دو قسمیں قرار دیتے ہیں: مؤکدہ اور غیر مؤکدہ۔ سنت مؤکدہ کی مثال وتر اور فجر کی سنتیں اور تراویح ہیں کہ ان ترک کرنا ان کے نزدیک مکروہ ہے لیکن سنت غیر مؤکدہ کا ترک کرنا مکروہ نہیں ہے۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ وضو کی سنتوں میں کچھ مؤکدہ ہیں جن کے کرنے میں ثواب اور نہ کرنے میں ترک واجب کی طرح گناہ ہوتا ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ ان کے نزدیک فرض اور واجب میں فرق ہے۔

وضوء میں چند امور سنت مؤکدہ ہیں:

منجملہ ان کے تسمیہ (بسم اللہ کہنا) ہے۔ یہ سنت لازمی ہے' خواہ وضو کرنے والا نیند سے بیدار ہو کر وضو کر رہا ہو یا پہلے سے بیدار ہو۔ نیت کا وقت وضو شروع کرنے کے وقت ہے۔ پس اگر بسم اللہ کہنا یاد نہ رہا اور کچھ اعضا دھونے کے بعد یاد آیا اور اب بسم اللہ کہہ لیا تو سنت ادا نہ ہوئی' اس لیے کہ بروقت فراموش ہوگئی۔ تاہم چاہیے کہ وضو مکمل کرنے سے پہلے جس وقت یاد آئے بسم اللہ کہہ لیں تاکہ وضو بسم اللہ سے خالی نہ رہے۔ اسی طرح استنجاء سے پہلے اور اس کے بعد "بسم اللہ" کہنا چاہیے۔ لیکن کپڑے اتارتے وقت اور نجاست کی جگہ پر نہ کہنا چاہیے' جیسا کہ استنجاء کے مسائل میں بیان ہوگا۔

بسم اللہ کہنا جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے یہ ہے کہ یہ الفاظ کہے جائیں: **بسم الله العظيم والحمد لله على دين الاسلام.** اگر وضو شروع کرتے وقت کہا "**لا الهٰ الا الله**" یا "**الحمدلله**" یا **اشهد ان لا الهٰ الا الله** تب بھی سنت ادا ہوگئی۔

منجملہ سنتوں کے "دونوں ہاتھ کا پہنچوں تک دھونا" ہے۔ "پہنچا" مشہور (عضو کا نام) ہے۔ یہ ایک نشیب ہے جو ہتھیلی میں سیدھی طرف درمیان کی انگلی اور اس کے ساتھ کی انگلی کے درمیان ہوتا ہے۔ بعض حنفیوں کا نظریہ ہے کہ برتن میں ڈالنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو پہنچوں تک تین بار دھو لینا فرض ہے۔ باقی اعمال وضو بجالانے سے پہلے یہ عمل سنت ہے۔ کسی برتن کے پانی سے ہاتھ دھونے کا طریقہ تفصیل طلب ہے۔

جاننا چاہیے کہ برتن یا تو کھلے منہ کا ہوگا' جیسے ہانڈی یا پیالہ' یا تنگ منہ کا جیسے لوٹا۔ اب اگر لوٹا ہے تو مستحب طریقہ یہ ہے کہ برتن کو بائیں ہاتھ میں لیا جائے اور دائیں ہاتھ پر تین بار پانی ڈالا جائے۔ پھر دائیں ہاتھ میں لے کر بائیں ہاتھ پر تین بار پانی بہایا جائے۔ برتن کھلے منہ کا ہو تو کسی کوزہ (مگ) وغیرہ سے پانی نکال کر بائیں ہاتھ پر تین بار ڈالا جائے۔ پھر اسی طرح جیسے کہ بتایا گیا دائیں ہاتھ پر ڈالا جائے۔ اگر کوئی ایسا چھوٹا برتن (مگ وغیرہ) نہیں ہے کہ جس سے پانی نکالا جا سکے تو مستحب طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو جوڑ کر اس طرح پانی میں ڈالا جائے کہ ہتھیلی نہ ڈوبنے پائے اور اس طرح چلو میں پانی نکالا جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ کی انگلیوں کو خوب بھینچ کر ملالیں۔ ہاتھ کھلا رہے' لیکن کسی قدر کمان کی طرح حلقہ بنالیا جائے' تاکہ چلو سے پانی گرنے نہ پائے۔ خیال رہے کہ ہتھیلی کو پانی میں ڈوبنے نہ دیا جائے۔ اگر پوری ہتھیلی پانی میں ڈوب گئی تو ہتھیلی سے لگنے والا پانی "استعمال شدہ" متصور ہوگا بشرطیکہ یہ معلوم ہو کہ وہ ماء قلیل یعنی (تھوڑی مقدار کا پانی) ہے۔ ہاں اگر وضو کرنے والے کا گمان غالب یہ ہو کہ جو پانی ہتھیلی سے لگا ہے وہ اس تمام پانی

Marfat.com

کے' جس سے چلو بھرا گیا ہے' نصف کے برابر نہیں ہے (تو وہ پانی استعمال شدہ نہ قرار دیا جائے گا) اگر وضو کرنے والا یہ چاہے کہ کم مقدار پانی میں ہاتھ ڈالے اور وہ بدستور آب طہور غیر مستعمل رہے تو چاہیے کہ صرف چلو بھرنے کی نیت سے ہاتھ ڈالے اور دھونے کی نیت نہ ہو' بایں طور کہ وہ اپنے دل میں کہے کہ اس پانی سے صرف چلو بھرنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ پھر (جب وہ پانی چلو میں آ جائے تو) اس پانی سے جس عضو کا دھونا مقصود ہے اسے دھولے۔ اس طرح کرنے سے وہ پانی استعمال شدہ (ماء مستعمل) نہ ہوگا' کیونکہ کوئی پانی استعمال شدہ اس وقت قرار دیا جا سکتا ہے جب کہ پہلے سے وضو کرنے کی نیت ہو۔ چنانچہ سابقاً یہ بتایا جا چکا ہے کہ جب تک پانی کے استعمال سے ادائے عبادت کی نیت نہ ہو وہ پانی مستعمل قرار نہیں دیا جا سکتا۔

یہ تمام احکام اس صورت میں ہیں جب کہ ہاتھ فی الواقع نجاست آلود نہ ہو' اگر ہاتھ نجاست آلود ہے اور پانی میں ڈالا تو وہ پانی نجس ہو جائے گا' خواہ محض چلو بھرنے کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔

اگر پانی کو برتن سے کسی پاک رومال وغیرہ کے ذریعہ نکالنا ممکن نہ ہو تو یہ ممکن ہوگا کہ اس کو منہ میں لے کر نجاست کو اس سے دھویا جائے۔ اس سے بھی عاجز ہو اور دوسرا پانی دستیاب نہ ہو تو اس پانی کو چھوڑ کر تیمم کر لینا چاہیے۔ اور اس طرح جو نماز پڑھی گئی اس کا دہرانا ضروری نہیں ہے۔

منجملہ سنن وضو کے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ دونوں سنت مؤکدہ ہیں جس سے مراد واجب ہونا ہے۔ لہٰذا اس کو ترک کرنا گناہ ہے۔ اس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ ہر بار نیا پانی لیا جائے' بلکہ اگر ایک بار چلو بھر کر کسی قدر پانی سے کلی کی اور کچھ ناک میں ڈالا تو جائز ہے۔ لیکن اگر چلو میں پانی لے کر ناک میں ڈالا اور اس پانی کو ہتھیلی پر لوٹا لیا اور اس سے کلی کر لی تو یہ ناجائز ہے' کلی سے مطلب یہ ہے کہ تمام منہ کو پانی سے دھویا جائے' اس کے لیے منہ میں پانی کا لینا کافی ہے۔ منہ میں پانی کا ہلانا (غلغلانا) ضروری نہیں۔ منہ میں پانی لے کر کلی نہ کی' بلکہ اسے پی لیا تو سنت ادا ہو گئی' بشرطیکہ تین بار منہ بھر کر کلی کی ہو' محض چسکی لگا لینا جائز نہیں ہے۔ ناک میں پانی ڈالنا (استنشاق) یہ ہے کہ سانس کے ساتھ پانی کو ناک میں کھینچا جائے' یہاں تک کہ پانی ناک کے نتھنوں تک پہنچ جائے۔ نتھنے سے مراد ناک کی نرم ہڈی کا کنارہ ہے۔ اس سے اوپر پانی پہنچانا سنت میں داخل نہیں ہے' البتہ اگر روزہ نہ ہو تو خوب اچھی طرح سے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا (یعنی اس کام میں مبالغہ کرنا) سنت ہے۔ روزہ کی حالت میں مکروہ ہے' تاکہ روزہ خراب نہ ہو۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ تین بار کلی اور تین بار ناک میں پانی ڈالنا سنت ہے۔ ناک میں پانی ڈالنے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ میں پانی لے کر ناک میں ڈالا جائے اور بائیں ہاتھ سے (ناک پکڑ کر) رینٹ جھاڑی جائے۔ مالکیہ کے نزدیک اس پوری کیفیت کا نام 'استنشاق' (ناک میں پانی ڈال کر صاف کرنا) ہے۔ وہ اس کو سنت مؤکدہ قرار دیتے ہیں جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

منجملہ سننِ وضو کے "ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں میں خلال کرنا" ہے اور خلال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بعض انگلیوں کو بعض انگلیوں کی گھائیوں میں پانی سے تر کر کے پھیرا جائے۔ ایسا کرنا سنت مؤکدہ ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ اس عمل کا سنت ہونا اس حال میں ہے جب انگلیوں کی گھائیاں تر ہوں اور انگلیاں بھنچی ہوئی ہوں۔ اگر پانی اندر نہ پہنچا ہو تو خلال کرنا سنت نہیں بلکہ وہ واجب ہوگا۔ ہاتھ کی انگلیوں میں خلال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی

Marfat.com

انگلیوں کو باہم ایک دوسرے کی گھائیوں میں داخل کیا جائے۔ پیر کی انگلیوں میں خلال یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی چھنگلیا کو پہلے دائیں پاؤں کی چھنگلی کی گھائی میں پھرایا جائے' اسی طرح کیے بعد دیگرے تمام انگلیوں میں پھرا کر بائیں پاؤں کی چھنگلی پر ختم کیا جائے۔ اس طرح خلال کرنا بہتر ہے باقی جس طرح جی چاہے خلال کر لیا جائے۔

منجملہ سنن وضو کے ''ہر عضو کو تین تین بار دھونا'' ہے۔

واضح ہو کہ ایک بار اعضائے وضو کا دھونا اور پورے عضو پر پانی پہنچانا تو فرض ہے۔ دوسری اور تیسری بار دھونا بقول صحیح سنت مؤکدہ ہے۔ پہلی بار جو دھونا فرض ہے اس میں لازم ہے کہ پورے عضو پر پانی پہنچ جائے اور پانی اس پر بہہ جائے۔ اگر کسی عضو کو پہلی بار دھونے سے پورے عضو پر پانی نہیں پہنچا' لیکن دوبارہ اور سہ بارہ دھونے سے تمام پانی پہنچ گیا تو فرض پورا ہو گیا لیکن سنت پوری نہیں ہوئی۔

منجملہ مؤکدہ سنتوں کے ''پورے سر کا مسح کرنا'' ہے۔ لہٰذا اگر صرف اسی حصے کا مسح کیا جو فرض تھا اور اسی طرح بار بار کیا تو گناہ ہے۔

پورے سر کا مسح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ (دونوں ہاتھوں کی) انگلیوں کو (سرے ملا کر) سر کے اگلے حصے پر رکھا جائے اور مسح کرتے ہوئے گردن کے پیچھے تک لے جایا جائے بایں طور کہ پورے سر کا مسح ہو جائے۔ پھر اگر تری باقی رہے تو چاہیے کہ مسلسل مسح کیا جائے' ورنہ نہیں' جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں۔

منجملہ سنن وضوء کے ''دونوں کانوں کا مسح کرنا'' ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں کانوں کے داخلی اور پچھلے حصے کا مسح کیا جائے اور اس پانی سے کیا جائے جس سے سر کا مسح کیا گیا۔ اگر تازہ پانی لے لیا جائے تو اچھا ہے۔ بعض حنفیہ نے نئے پانی سے کانوں کے مسح کرنے کو ترجیح دی ہے' یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ (انگلیوں سے) سر کا مسح کرنے کے بعد ہتھیلی پر تری باقی رہے۔ اگر پانی (سر کے مسح سے) خشک ہو گیا ہو تو اس کے لیے نیا پانی لینا چاہیے۔ کان کے بیرونی حصے کا مسح انگوٹھے کے اندرونی حصے سے اور داخلی حصے کا مسح انگوٹھے کے ساتھ والی (شہادت کی) انگلی سے کیا جائے۔

منجملہ سنن وضو کے ''نیت'' ہے' اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ دل میں حدث دور کرنے کی نیت یا محض وضو کرنے کی نیت یا پاک ہونے کی نیت یا نماز مباح ہونے کی نیت سے وضو کیا جائے۔ افضل طریقہ یہ ہے کہ اس طرح کہا جائے کہ نویت ان اتوضأ للصلواۃ تقرباً الی اللہ تعالیٰ (یعنی میں نیت کرتا ہوں وضو کی نماز کے لیے تاکہ قرب الٰہی حاصل ہو) یا یہ کہے کہ نویت رفع الحدث (یعنی میں نیت کرتا ہوں وضو کی تاکہ ناپاکی دور ہو) یا نویت الطھارۃ (پاک ہونے کی غرض سے وضوء کی نیت کرتا ہوں) یا نویت استباحتہ الصلواۃ (یعنی نماز روا ہونے کی غرض سے وضو کی نیت کرتا ہوں) نیت کے الفاظ کا منہ سے ادا کرنا مستحب ہے۔ اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ نیت کا تعلق دل سے ہے اور نیت کا وقت وہ ہے جب منہ دھویا جائے۔

واضح ہو کہ بعض حنفیوں نے نیت کو مستحب قرار دیا ہے' سنت مؤکدہ قرار نہیں دیا' لیکن صحیح یہی ہے کہ نیت سنت ہے۔

منجملہ سنن وضو کے ''ترتیب'' ہے' یعنی فرائض وضو انجام دینے کی ابتدا چہرہ دھونے سے کی جائے۔ اس کے بعد دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوئے جائیں' پھر سر کا مسح کیا جائے اور پھر دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے جائیں۔ (اسی ترتیب

Marfat.com

سے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین (یعنی اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ اور اپنے سروں کا مسح کرو اور دونوں پیروں کو ٹخنوں تک دھوؤ)۔ صحیح قول کے بموجب ترتیب سنن مؤکدہ میں سے ہے لیکن بعض حنفیہ نے اس کو مستحبات میں شمار کیا ہے۔

منجملہ سنن وضو کے ''اعمال وضو میں تسلسل سے کام لینا'' ہے اس کو ''موالات'' کہتے ہیں، یعنی یکے بعد دیگرے اعمال وضو کا انجام دینا۔ موالات کی تعریف یہ ہے کہ ایک عضو کے خشک ہونے سے پہلے دوسرے عضو کو دھویا جائے، بشرطیکہ جس وقت ضوء کیا جارہا ہے وہ (موسم کے اعتبار سے) معتدل ہو۔ اگر موسم نہایت سخت گرم یا نہایت ٹھنڈا ہے تو عضو کے جلد خشک ہو جانے سے (موالات) میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیوں کہ وضوء میں تسلسل (موالات) کی جگہ وہی ہے جب کہ ایسا کوئی عذر نہ ہو۔ مثلاً اگر چہرہ دھونے کے بعد پانی ختم ہو گیا اور پانی کا انتظار کرنا پڑا اور پانی آنے سے پہلے وضو کا پانی خشک ہو گیا تو اس سے کوئی حرج نہ ہوگا۔ اور وضو میں فور (پھرتی سے کام لینے) کی تفصیل فرائض وضو کے بیان میں جو مالکیہ وغیرہم کے نزدیک ہے بتائی جا چکی ہے۔

منجملہ سنن مؤکدہ کے ''مسواک کرنا'' ہے۔ اس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ مسواک مشہور درخت پیلو ہی کی ہو بلکہ بہتر یہ ہے کہ کسی بھی کڑوے درخت کی ہو، کیوں کہ وہ منہ کو خوشبودار کرنے کے لیے مفید ہے۔ مسواک کے فوائد مشہور ہیں۔ اس سے مسوڑھے مضبوط اور دانت صاف ہوتے ہیں اور معدہ قوی ہوتا ہے، کیوں کہ (مسواک کرنے سے) دانت کی جھریوں کا میل کچیل معدہ میں نہیں جانے پاتا۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ مسواک ہری ہو اور چھوٹی انگلی کے برابر موٹی اور بالشت بھر لمبی ہو۔ اگر مسواک دستیاب نہ ہو تو اس کی بجائے برش استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ انگلیوں سے مسواک کرنا چاہیے دانت سے لبان کا چبانا بھی مسواک کا قائم مقام ہو سکتا ہے۔

مسواک کرنے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ اس کو دائیں ہاتھ میں اس طرح پکڑیں کہ چھنگیا نیچے کی جانب اور انگوٹھا اوپر مسواک کے سرے سے نیچے رہے اور باقی انگلیاں مسواک کے اوپر رہیں۔ مسواک کلی کرنے کے وقت کی جاتی ہے۔ اگر مسواک کرنے کی طاقت نہ ہو تو مجبوراً اسے ترک کیا جا سکتا ہے۔ لیٹے لیٹے مسواک کرنا مکروہ ہے۔

واضح ہو کہ بعض امور ایسے ہیں جن کے سنت ہونے میں اختلاف ہے (یعنی تمام ائمہ اس کو سنت نہیں سمجھتے) مثلاً یہ کہ دونوں پاؤں دھوتے وقت برتن دائیں ہاتھ میں لیا جائے اور دائیں پاؤں کے پنجے پر پانی ڈال کر بائیں ہاتھ سے مسلا جائے اور پھر تین بار دھویا جائے۔ اس کے بعد بائیں پاؤں کے پنجے پر اسی طرح پانی ڈال کر مسلا جائے، اور یہ کہ ہاتھوں اور پیروں کے دھونے میں ابتدا انگلیوں سے کی جائے اور یہ کہ سر کا مسح آگے کی طرف کیا جائے اور یہ کہ کلی کرنے اور ناک کے اندر پانی ڈالنے میں ترتیب کا خیال رکھا جائے، یعنی پہلے کلی ہو پھر ناک میں پانی ڈالا جائے اور یہ کہ کلی کرنے اور ناک کی صفائی میں مبالغہ (ضرورت سے زیادہ کوشش) سے کام لیا جائے، بشرطیکہ روزہ نہ ہو۔ روزہ ہو تو (ایسا کرنا) مکروہ ہے اور یہ کہ پانی ناک میں لے کر سانس کے ساتھ کھینچا جائے تا کہ ناک کے اوپر تک پہنچ جائے۔ اور یہ کہ پانی فضول زیادہ نہ خرچ کیا جائے۔ اور یہ سنت اس حال میں ہے جب کہ یہ خیال ہو کہ تین بار سے زیادہ دھونا وضو میں مطلوب ہے اگر یہ خیال

Marfat.com

نہ ہو تو اسرافِ آب نہ کرنا مندوب ہوگا سنت نہ ہوگا۔ اور یہ کہ جب کہنیوں تک دونوں ہاتھ دھونے ہوں تو ساتھ ہی پھر سے ہتھیلی کو بھی دھویا جائے۔ یعنی (وضو سے پہلے) ہتھیلی کا دھونا تو سنت ہے ہی پورا ہاتھ کہنیوں تک دھونے کے وقت پھر ہتھیلی کا دھونا بھی سنت ہے۔ چنانچہ پہلے دونوں ہاتھ دھو لیے پھر منہ دھویا اور پھر دونوں ہاتھ صرف پہنچوں سے لے کر کہنیوں تک دھوئے تو فرض ادا ہوا لیکن یہ سنت ادا نہ ہوئی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ وضو کے سنت مئوکدہ وہ امور ہیں جن کے ادا کرنے پر مکلف انسان ثواب پاتا ہے، لیکن ترک کرنا مستوجب عذاب نہیں۔ اور وہ یہ ہیں:

(وضو سے پہلے) پہنچوں تک دونوں ہاتھ کا دھونا، پہنچا وہ جگہ ہے جہاں ہتھیلی کا جوڑ ہے۔ اور دونوں ہاتھوں کے دھونے کا طریقہ پانی کی کمی یا زیادتی پر موقوف ہے۔ پس اگر پانی کم ہے یعنی ایک صاع سے زیادہ نہیں ہے، جیسا کہ پانی کے بیان میں اوپر آچکا ہے، اور وہ پانی بہتا ہوا نہیں ہے اور اس قلیل پانی کے برتن جیسے کنستر سے انڈیلنا ممکن ہے تو اس برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اگر دونوں ہاتھ نہ دھوئے جائیں تو سنت ادا نہ ہوگی۔ بغیر دھوئے ہوئے اسی طرح دونوں یا ایک ہی ہاتھ ڈال دیا، خواہ ہاتھ پاک صاف ہوں، تو یہ عمل مکروہ ہوگا اور سنت ادا نہ ہوگی۔ اگر پانی کی مقدار زیادہ ہے یا پانی بہتا ہوا ہے تو ہاتھ دھونے سے سنت پوری ہو جائے گی، خواہ اس میں ڈال کر دھویا ہو یا باہر سے دھو کر ڈالا ہو۔ اگر پانی کی مقدار کم ہے اور اس کا انڈیلنا ممکن نہیں ہے، مثلاً کسی چھوٹے سے حوض (ٹینکی) میں ہے اور ہاتھ صاف ہیں یا میل کچیل معمولی سا ہے کہ ہاتھ ڈالنے سے پانی میں کوئی تبدیلی نہ آئے اور دونوں ہاتھ یا ایک ہاتھ کے چلو سے پانی نکال کر باہر ہاتھ دھولیا تو اس طرح سنت ادا ہو جائے گی۔ اگر ہاتھ پاک صاف نہیں ہیں اور پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پانی کے خراب ہو جانے کا گمان ہے تو منہ میں پانی لے کر یا پاک کپڑے کی دھجی تر کر کے پانی نکالنے کی ترکیب عمل میں لائی جائے۔ یہ بھی ممکن نہ ہو اور اس پانی کے سوا دوسرا پانی نہ ہو تو اسے چھوڑ کر تیمم کرنا چاہیے۔

وضو کی دوسری سنت ''کلی کرنا'' ہے، کلی سے مطلب منہ میں پانی بھر کر نکال دینا ہے۔ اگر منہ میں پانی بلا ارادہ داخل ہو گیا یا پانی کی کلی لی مگر منہ میں پانی کو پھرایا (یعنی غلغلایا) نہیں، اور یا یہ بھی کیا، لیکن کلی کا پانی باہر نہ پھینکا بلکہ نگل لیا تو سنت ادا نہ ہوگی۔ حنفیہ کا اس میں اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ منہ میں پانی بھرنے سے سنت ادا ہو جاتی ہے، خواہ پانی باہر نہ نکالا ہو یا منہ میں نہ پھرایا ہو۔

تیسری ''سنت ناک میں پانی ڈالنا'' ہے، یعنی سانس کے ساتھ پانی کو ناک کے اندر کھینچنا یہ سنت سانس کے ساتھ پانی جذب کیے بغیر ادا نہیں ہوتی، بخلاف حنفیہ کے (کہ ان کے نزدیک اس کے بغیر سنت ادا ہو جاتی ہے)۔

چوتھی سنت استنشاق ہے، یعنی ناک میں پانی ڈال کر سانس کے ساتھ جھاڑنا، اس کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور کلمہ کی انگلی کو ناک کے نتھنوں سے اوپر کی جانب رکھ کر ناک کو جھاڑا جائے۔ اگر ناک میں رینٹ کا میل ہو تو اسے بائیں ہاتھ کی چھنگلیاں سے نکالنا چاہیے۔

پانچویں سنت ''دونوں کانوں کے داخلی اور خارجی حصوں کا مسح کرنا'' ہے۔ اس میں دونوں کانوں کے سوراخ شامل ہیں۔

Marfat.com

چھٹی سنت ''کانوں کے مسح کے لئے نیا پانی لینا'' ہے، الہٰذا سنت ادا ہونے کے لئے یہ کافی نہ ہوگا کہ سر کا مسح کرنے کے بعد ہاتھ میں جوتری رہ گئی ہے اسی سے کانوں کا مسح کرلیا جائے۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے (یعنی ان کے نزدیک سر کے مسح کے بعد ہاتھوں میں جو تری رہ گئی ہے اسی سے کان کا مسح کرلیا جائے تو سنت ادا ہو جائے گی) مسح کرنے کا سب سے افضل طریقہ یہ ہے کہ شہادت کی انگلیوں کے پوروں کو دونوں کانوں کے سوراخ کے داخلی حصے میں ڈالا جائے اور دونوں انگوٹھوں کو خم دے کر پھیلایا جائے تاکہ کان کے داخل وخارج دونوں حصوں کا مسح مکمل ہو جائے۔ اس کے علاوہ اگر کسی اور طریقے سے بھی کانوں کا مسح کرلیا جائے تو جائز ہے۔ یہ پیش نظر رہے کہ پورے عضو کا مسح ہو جائے۔

ساتویں سنت ''اعضائے وضو میں ترتیب کا لحاظ رکھنا'' ہے، بایں طور کہ چہرے کو ہاتھوں سے پہلے اور ہاتھوں کو سر کے مسح سے پہلے دھویا جائے۔ اور سر کا مسح پاؤں دھونے سے پہلے کیا جائے۔ حنفیہ بھی یہی کہتے ہیں۔

آٹھویں سنت یہ ہے کہ اگر پہلی بار سر کا مسح کرنے کے بعد ہاتھ میں تری باقی رہ جائے تو پھر سر پر ہاتھ پھیرا جائے۔ اگر تری باقی نہ رہی ہو تو یہ مسح سنت نہیں ہے۔

نویں سنت ''ہاتھ کی انگوٹھی جسکے نیچے پانی پہنچ گیا ہو ہلانا جلانا'' ہے۔

اس باب میں مالکیہ نے بڑی تفصیل کی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ وہ انگوٹھی یا تو مباح ہوگی یا حرام یا مکروہ۔ اگر مباح ہے جس کا مطلب مردوں کے لئے یہ ہے کہ وہ انگوٹھی چاندی کی ہو اور اس کا وزن دو درہم سے زیادہ نہ ہو اور صرف ایک ہو کئی ایک نہ ہوں تو اس کا ہلانا واجب نہیں ہے۔ خواہ وہ تنگ ہو یا کشادہ (ڈھیلی) اور خواہ اس کے نیچے پانی پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو۔ یہ حکم وضو اور غسل دونوں کے لیے ہے۔ پس اگر وضو یا غسل کرنے کے بعد اسے اتارا اور وہ انگوٹھی تنگ تھی اور یہ گمان تھا کہ پانی اس کے نیچے نہیں پہنچا تو پانی کا پہنچانا واجب ہے۔ لیکن اگر وہ انگوٹھی حرام ہے یعنی سونے کی یا وزن میں دو درہم سے زیادہ یا کئی ایک انگوٹھیاں ہیں، کہ دو یا اس سے زیادہ پہن رکھی ہیں، اور وہ کشادہ ہیں تو اس کا ہلانا جائز ہے اور اس کے نیچے ہاتھ پھیرنا فرض نہیں ہے، بلکہ صرف انگوٹھی ہی سے نچلے حصے کا رگڑنا کافی ہے۔ لیکن اگر انگوٹھی تنگ ہے تو اس کو اپنی جگہ سے کھسکانا واجب ہے، تاکہ اس جگہ ہاتھ پھیرنا ممکن ہو۔ اس بارے میں جو حکم ناجائز انگوٹھی کا ہے وہی مکروہ انگوٹھی، یعنی تانبے، سیسے یا لوہے کی انگوٹھی کا ہے۔

واضح ہو کہ احکامات بالا کا تعلق مردوں سے ہے، عورتوں کے لئے ہر قسم کا زیور مباح ہے۔ خواہ سونے کا ہو یا کسی اور شے کا۔ پس اگر کسی عورت نے کڑے یا جھانجھر پہن رکھے ہیں تو انہیں ہلانا واجب نہیں ہے، خواہ پانی اس کے نیچے نہ پہنچا ہو اور خواہ تنگ ہو یا کشادہ ہو۔ البتہ اگر وضو یا غسل کرنے کے بعد اسے اتار دیا تو اس وقت واجب ہے کہ اس کے نیچے کی جگہ کو دھولیا جائے، بشرطیکہ وہ زیور تنگ رہا ہو اور یہ گمان ہو کہ پانی اس کے نیچے نہیں پہنچا۔ اس بارے میں حنفیہ کا کہنا ہے کہ ڈھیلی انگوٹھی کا ہلانا امر مندوب ہے، سنت نہیں ہے، جیسا کہ مندوبات کے ذکر میں بیان ہوگا۔ تنگ انگوٹھی اگر نیچے پانی پہنچنے سے مانع ہے تو اس کا ہلانا فرض ہے۔ اس کے مباح ہونے یا نہ ہونے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ غرض حنفیہ کے نزدیک عورتوں کو یہ چھوٹ نہیں ہے کہ وہ اس قدر تنگ انگوٹھی یا کنگن پہنیں کہ ان کے نیچے تک پانی نہ پہنچ سکے، اور اس بنا پر وہاں پر (صحت وضو کے لئے) ہاتھ پھیرنا شرط نہ ہو۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

Marfat.com

سنن وضو کا مندرجہ بالا بیان مسلک مالکیہ کے مطابق ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ سنن وضو کی تعداد بہت ہے۔ یاد رہے کہ شافعیہ کے نزدیک سنت، مندوب اور مستحب وغیرہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لہٰذا وضو کی سنتیں، اس کے مندوبات، مستحبات اور فضائل کی تعداد (ان کے نزدیک) بہت زیادہ ہے۔

منجملہ ان کے ''استعاذہ'' ہے یعنی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم وغیرہ کہنا اور وضو کے آغاز میں ''تسمیہ'' (یعنی اللہ کا نام لینا)۔

جاننا چاہیے کہ وضو کا آغاز دونوں ہتھیلیوں کے دھونے سے ہوتا ہے اور تسمیہ (اللہ کا نام لینا) کم سے کم یہ ہے کہ ''بسم اللہ'' کہا جائے اور افضل یہ ہے کہ پوری بسم اللہ پڑھی جائے اور بسم اللہ الرحمان الرحیم کہا جائے۔ بسم اللہ یا بسم اللہ الرحمان الرحیم کہے بغیر سنت ادا نہ ہوگی۔ ان الفاظ کے سوا اگر کچھ اور کہا تو سنت ادا نہ ہوئی کیونکہ شارع علیہ السلام کو خاص یہی تسمیہ مطلوب ہے۔ بخلاف حنفیہ کے جیسا کہ انکے مسلک میں پہلے بتایا گیا۔ بسم اللہ کہنا ضروری ہے، خواہ کوئی شخص ناپاکی حالت میں ہو۔ اگر وضو کے شروع میں دانستہ یا سہواً اگر اس کو ترک کر دیا تو چاہیے کہ درمیان (وضو) میں کہہ لیا جائے، اگر وضو پورا کر لیا جائے اور کلمہ شہادت پڑھ لیا جائے اور دعا کر لی جائے تو اس کا وقت نکل گیا۔ اب کہنے کی ضرورت نہیں، جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔

ایک سنت یہ ہے کہ بسم اللہ کہنے کے وقت دل میں وضو کی سنتیں ادا کرنے کی نیت کی جائے۔ اور یہ نیت حدث دور کرنے کی نیت سے مختلف ہے۔ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ (وضو میں) حدث دور کرنے کی نیت فرض ہے (سنت نہیں ہے) اور سوا غسل کرنے کے وقت کے یہ نیت (ادائے سنت کے لئے) کافی نہیں ہیں۔

ایک سنت یہ ہے کہ یہ نیت مسنونہ لفظوں سے (یعنی منہ سے بول کر) کی جائے، جس طرح نیت مفروضہ کی جاتی ہے جب کہ منہ دھونے لگتے ہیں۔

ایک سنت پہنچوں تک ہتھیلیوں کا دھونا ہے اور ہاتھوں کو دھونے کی ابتداء ادائے سنن کی نیت اور بسم اللہ سے کی جائے۔ اس طرح تین سنتیں جمع ہو جائیں گی۔ اور دونوں ہاتھوں کے دھونے کی سنت برتن سے باہر تین بار ہاتھ دھونے سے ادا ہوگی۔ بشرطیکہ برتن سے ہاتھ پر پانی ڈالنا ممکن ہو جیسے لوٹا وغیرہ کی صورت میں، اگر برتن کھلے منہ کا ہے اور اس میں پانی تھوڑا ہے، اور ہاتھ کے پاک ہونے کا یقین ہے تو اس برتن میں ہاتھ ڈال کر دھویا جا سکتا ہے۔ لیکن ہاتھ کے پاک ہونے میں شبہ ہو تو برتن میں ہاتھ ڈال کر اس کے پانی سے دھونا مکروہ ہے، اگر ہاتھ کے نجس ہونے کا یقین ہے تو برتن میں ہاتھ ڈالنا حرام ہے، واجب ہے کہ برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اس کو تین بار دھو لیا جائے اور یہ دھونا ہاتھ کو صاف کرنے کے لئے ہوگا لہٰذا اس سے ہاتھ دھونے کی جو سنت ہے وہ ادا نہیں ہوئی، اور وضو کی اس سنت کو ادا کرنے کے لئے پھر تین بار ہاتھوں کو دھونا ہوگا۔

ایک سنت یہ ہے کہ کلی کرنے سے پہلے دونوں ہاتھ دھوئے جائیں، اگر کلی پہلے کر لی اور ہاتھ بعد میں دھوئے تو ہاتھ دھونے کی سنت ادا نہ ہوئی۔

ایک سنت کلی کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ نتھنوں کو دھونے سے پہلے منہ بھر کر پانی کی کلی لی جائے یہ ضروری نہیں ہے کہ

Marfat.com

پانی منہ میں پھرایا جائے اور نہ یہ شرط ہے کہ کلی کا پانی باہر نکالا جائے (تب ہی کلی کی سنت پوری ہوگی)۔ پس اگر کلی کا پانی نگل لیا تب بھی سنت ادا ہوگئی، لیکن مکمل کلی یہی ہے کہ منہ میں پانی لے کر اس کو ہلایا جائے اور پھر پانی باہر نکال دیا جائے۔

ایک سنت کلی کے بعد ناک میں پانی ڈالنا ہے اور ناک میں محض پانی ڈال لینے سے سنت ادا ہو جاتی ہے خواہ اسے ناک کے اوپر تک کھینچ کر نکال دیا ہو یا اس طرح نہ کیا ہو۔ لیکن سب سے مکمل طریقہ یہی ہے کہ سانس کے ساتھ پانی کو اوپر کھینچا جائے اور اس کے بعد نکال دیا جائے۔ کلی کرنے اور ناک صاف کرنے کا افضل طریقہ یہ ہے کہ چلو میں پانی لے کر اس میں کچھ حصے سے کلی کی جائے اور باقی پانی کو ناک میں ڈالا جائے۔ اور یہی عمل تین بار کیا جائے۔ اس طرح تین چلو پانی میں کلی اور ناک کی صفائی دونوں کام ہو جاتے ہیں۔ ہر چلو میں پانی کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے لئے دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

ایک سنت (وضو کے وقت) قبلہ کی طرف منہ کرنا ہے، بشرطیکہ وضو ایسی جگہ پر کیا جائے جہاں قبلہ کی طرف رخ کیا جا سکے۔

ایک سنت یہ ہے کہ وضو کی جو دعائیں آئی ہیں وہ مانگی جائیں، چنانچہ بسم اللہ کے بعد یوں کہا جائے: "الحمد لله على الاسلام و نعمته الحمدلله الذى جعل الماء طهورا والاسلام نوراً رب اعوذبک من همزات الشياطين و اعوذبک رب ان يحضرون. اللّٰهم احفظ يدى من مَعَاصِيْکَ

کلی کے وقت: کلها اللّٰهم اعنى عن ذكرک و شكرک و حسن عطائک"۔

ناک میں پانی ڈالتے وقت: اللّٰهم ارحنى رائحة الجنة۔

چہرہ دھوتے وقت: اللّٰهم بيض وجهى يوم تبيض وجوه و تسود وجوه۔

دایاں ہاتھ دھوتے وقت: اللّٰهم اعطنى كتابى بيمينى وحاسبنى حساباً يسيرا۔

بایاں ہاتھ دھوتے وقت: اللّٰهم لا تعطنى كتابى بشمالى ولامن وراء ظهرى۔

سر کا مسح کرتے وقت: اللّٰهم حرم شعرى و بشرى على النار و اظلنى تحت عرشک يوم لا ظل الا ظلک۔

کانوں کا مسح کرتے وقت: اللّٰهم اجعلنى من الذين يستمعون القول فيتبعون احسنه.

دونوں پاؤں دھوتے وقت: اللّٰهم ثبت قدمى على الصراط يوم تذل فيه الاقدم۔

وضو پورا کرنے کے بعد: اشهد ان لا اله الاالله وحده لاشريک له واشهدان سيدنا محمدا عبده ورسوله. اللّٰهم اجعلنى من التوابين واجعلنى من المتطهرين. سبحانک اللّٰهم وبحمدک. اَشهَدُ ان لا اله الا انت. استغفرک واتوب اليک.

یہ دعا قبلہ رو ہو کر اور ہاتھ آسمان کی جانب اٹھا کر کی جائے اور اس کے بعد سورہ "قدر" پڑھ لی جائے۔

یہ دعائیں حنفیہ کی بعض دعاؤں کے مطابق ہیں، لیکن ان دعاؤں کو وہ سنت میں شمار نہیں کرتے، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ مستحب یا مندوب ہیں۔

Marfat.com

مالکیہ ان دعاؤں کو نہ سنت کہتے ہیں اور نہ فضائل میں شمار کرتے ہیں جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔

شافعیہ کے نزدیک (وضو کی) سنتوں کے منجملہ ''مسواک کرنا'' ہے، یعنی دانتوں کو کسی ایسی شے سے صاف کرنا جو نقصان دہ نہ ہو، خواہ وہ پیلو کے مشہور درخت کی ٹہنی ہو یا برش وغیرہ۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ انگلیوں سے دانتوں کو صاف کرنا کافی نہیں ہے۔ مسواک کا وقت ہتھیلی دھونے سے پہلے ہے اور سنت مسواک کی نیت کے ساتھ مسواک کی جائے۔

ایک سنت یہ ہے کہ مسواک کرتے وقت یہ دعا کی جائے:

اللهم بيض به أسناني، وشد به لثاتي، و ثبت به لهاني وبارک لي فيه يا ارحم الراحمين

مسواک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ منہ کے دائیں جانب سے شروع کی جائے پھر بائیں جانب کی جائے اور ڈاڑھ کے اوپر اور حلق کی چھت (تالو) اور زبان کی سطح پر پھیرا جائے' اور دانتوں پر چوڑی جانب سے پھیرنا سنت ہے۔ اور دائیں ہاتھ میں مسواک لے کر کرنا سنت ہے' بایں طور کہ چھنگلی نیچے کی جانب ہو اور اس کے ساتھ والی انگلی اور بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی اوپر رہے۔ اگر مسواک میلی ہو جائے' یا اس کی خوشبو جاتی رہے تو اسے تین بار دھو لینا سنت ہے' اور ایک بالشت سے زیادہ لمبی مسواک مکروہ ہے۔

شافعیہ کے نزدیک ایک سنت یہ ہے کہ اگر ایسی شے کے پانی سے وضو کرنا ہے جہاں سے چلو میں پانی لینا ہوتا ہے' مثلاً ہانڈی یا کونڈی وغیرہ تو سنت یہ ہے کہ وضو عضو کے اگلے حصے سے شروع کیا جائے۔ لیکن اگر ایسی شے سے وضو کیا جائے کہ اس سے بغیر چلو بھرے ہاتھ پر پانی انڈیلا جا سکتا ہو' مثلاً جگ یا لوٹے سے وضو کیا جائے یا کوئی دوسرا شخص (وضو کرانے کے لیے) اس پر پانی ڈال رہا ہو تو پہلی صورت کے برعکس ہاتھ دھونے کے وقت کہنیوں سے اور پاؤں دھوتے وقت ٹخنوں سے (دھونا) شروع کیا جائے' اور منہ دھونے کے لیے دونوں ہاتھوں سے اوک بنا کر پانی لیا جائے۔ منہ پر پانی سے چھینٹا نہ مارنا چاہیے۔

(ان کے علاوہ یہ امور سنت ہیں): گھنی داڑھی میں خلال کرنا' پورے سر کا مسح کرنا' اندر اور باہر سے مسح کرنے کے لیے نیا پانی لینا۔ وضو میں اعضا کو ملنا' دائیں طرف سے شروع کرنا' جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا۔ غرہ اور تحجیل کے لیے بڑھانا (منہ اور ہاتھ پاؤں کو مقدار واجب سے آگے تک دھو لینا)' وضو کے دوران ہر قول اور عمل کو تین بار کرنا۔ سوائے الفاظ نیت کے (کہ وہ صرف ایک بار منہ سے ادا کیے جائیں) اور موالاۃ (یعنی یکے بعد دیگرے مسلسل افعال وضو کا انجام دینا) بشرطیکہ سلسل بول کا مرض لاحق نہ ہو۔ اس حالت میں موالات (سنت نہیں بلکہ) واجب ہے' جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ (اثنائے وضو میں) اللہ کے ذکر کے سوا بلا مجبوری بولنے سے باز رہنا۔ بغیر مجبوری کے وضو میں کسی اور سے مدد نہ لینا' بلا ضرورت اعضائے وضو کو خشک نہ ہونے دینا' بے سبب پانی نہ بہانا' ڈھیلی انگوٹھی کو (ہاتھ دھوتے وقت) ہلانا۔ اگر انگوٹھی تنگ ہے کہ اس کے نیچے پانی نہیں پہنچتا تو اس کا ہلانا (سنت نہیں بلکہ) واجب ہے' تاکہ پانی اس کے نیچے پہنچ جائے۔ انگوٹھی کے مباح ہونے یا نہ ہونے سے اس حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حنفیہ کو اس سے اتفاق ہے لیکن مالکیہ کو اختلاف ہے۔

حنابلہ کے قول کے مطابق وضو کی سنتیں اور مندوبات حسب ذیل ہیں:

اول قبلہ کی طرف منہ کرنا۔

۲: کلی کے وقت مسواک کرنا اور مندوب یہ کہ دانتوں پر چوڑائی میں اور مسوڑوں اور منہ میں لمبائی کے رخ

Marfat.com

مسواک کی جائے اور یہ کہ دائیں ہاتھ سے مسواک کی جائے اور چاہیے کہ لکڑی نرم ہو اور نقصان دہ نہ ہو۔ خشک لکڑی سے مسواک کرنا مکروہ ہے۔ اور مسواک ہر وقت مسنون ہے' لیکن روزہ دار کے لیے زوال کے بعد (مسواک) مکروہ ہے' خواہ لکڑی تر ہو یا خشک ہو۔ زوال سے پہلے روزہ دار کے لیے خشک مسواک کرنا سنت ہے۔ تازہ مسواک بھی زوال سے پہلے مباح ہے۔ ان اوقات میں مسواک کرنے کی تاکید ہے:

ہر نماز کے وقت' نیند سے اٹھ کر' بوئے دہن میں تغیر آجانے پر' وضو کرتے وقت' قرآن پڑھتے وقت' مسجد میں آتے وقت' اپنے گھر واپس آتے وقت، خلوئے معدہ کے وقت' دانت زرد ہو جانے پر۔

سنت یہ ہے کہ منہ میں مسواک کرتے وقت شروع آگے کے دانتوں سے دائیں جانب کی ڈاڑھ تک کیا جائے۔

پھول کی ٹہنی، انار اور بانس وغیرہ کی لکڑی اور ہر ایسی چیز سے جو مسوڑوں کو نقصان دہ ہو مسواک کرنا مکروہ ہے۔

۳: دونوں ہتھیلیوں کو تین بار دھونا جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے۔

۴: چہرہ دھونے سے پہلے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا۔

۵: کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا۔ بشرطیکہ روزہ نہ ہو۔

۶: تمام اعضائے وضو کو پانی سے دھونے کے ساتھ ملنا۔

۷: چہرے پر بال ہوں اور اونچی نیچی اشیاء ہوں تو دھوتے وقت زیادہ پانی بہانا۔

۸: داڑھی کے گھنے بالوں کو دھوتے وقت خلال کرنا

۹: ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کی گھائیوں میں تر کرنے کے بعد خلال کرنا اگر پانی گھائیوں میں نہ پہنچا ہو تو خلال (سنت نہیں بلکہ) واجب ہوگا۔

۱۰: کانوں کا مسح کرنے کے لیے تازہ پانی لینا۔

۱۱: اعضائے وضو کو حد واجب سے زیادہ آگے تک دھونا (اس عمل کو اطالۃ الغرہ والتحجیل کہتے ہیں)

۱۲: دائیں عضو کو بائیں پر مقدم کرنا۔

۱۳: (اعضائے وضو پر) پہلی بار تمام جگہ پانی پہنچا کر دوسری اور تیسری بار دھونا۔

۱۴: وضو مکمل ہونے تک دل میں وضو کی نیت رکھنا۔

۱۵: پہنچوں تک ہاتھ دھوتے وقت سنن وضو الفاظ آہستہ سے کہنا' بایں طور کہ زبان اور لب میں جنبش ہو جس کی آواز وضو کرنے والا خود سن سکے' دوسرا نہ سن سکے۔ اور وضو میں کسی سے مدد نہ لی جائے۔

۱۶: سنن وضوء کی نیت کرنا۔

۱۷: وضو سے فارغ ہو کر آسمان کی جانب نظر اٹھا کر یہ کہنا: اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھد ان سیدنا محمداً عبدہ ورسولہ. اللّٰھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین واجعلنی من عبادک الصالحین سبحانک اللھم و بحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک و اتوب الیک.

Marfat.com

مندوب اور مستحب وغیرہ کا بیان

یہ بات سابقاً بتائی جا چکی ہے کہ بعض ائمہ مندوب، سنت، مستحب، تطوع، نفل اور فضیلت میں باہم فرق نہیں کرتے۔ اور بعض اصحاب سنت کو بقیہ دوسری اصطلاحات سے مختلف بتاتے ہیں۔

وضو کی سنتوں کا بیان ہو چکا ہے، اب ان اصحاب کے نظریات جو سنت اور مندوبات وغیرہ میں فرق خیال کرتے ہیں، ذیلی حاشیہ میں بیان کیے جاتے ہیں۔ (۱)

واضح ہو کہ غرہ کے معنی ہیں چہرے کو مقدار واجب سے زیادہ دھونا' بایں طور کہ کسی قدر سر کے اگلے حصے کو دھویا جائے۔ اور تحجیل کے معنے یہ ہیں کہ دونوں ہاتھ جہاں تک دھونا واجب ہے اس سے کچھ زیادہ دھولیا جائے' بایں طور کہ کچھ وہ حصہ جو کہنیوں سے اوپر ہے دھویا جائے۔ اسی طرح دونوں پاؤں دھوتے وقت کچھ زیادہ دھویا جائے' یعنی ٹخنوں سے اوپر پنڈلی کا کچھ حصہ یہ امور وہ ہیں جن پر احادیث کا مضمون دلالت کرتا ہے۔

۱۔ حنابلہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ سنت، مندوب، مستحب اور تطوع یہ تمام الفاظ مترادف ہیں اور ان کے ایک ہی معنے ہیں' اور وہ یہ کہ ان سے مراد ایسے امور ہیں کہ اگر مکلف اشخاص ان پر عمل کریں تو ثواب ہوگا اور نہ کریں تو مواخذہ نہ ہوگا، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ پس جو امور ان ائمہ کے نزدیک سنت ہیں' ان کا ذکر ہو چکا ہے (اور چونکہ ان کے نزدیک سنت اور مندوبات ایک ہی شے ہیں)' لہٰذا ان کے نزدیک کوئی ایسی شے نہیں ہے جو مندوب یا مستحب ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ وضو میں صرف سنتیں اور فضائل ہیں اور یہ امور ایسے ہیں کہ ان کے ترک پر مکلف انسان مستوجب عذاب نہیں ہوتا البتہ سنت (پر عمل کرنے) کا ثواب بہت ہے۔

سنن وضو کی تفصیل بیان ہو چکی ہے' اب فضائل کا ذکر کیا جاتا ہے۔ (فضائل سے یہاں مراد ایسے امور ہیں جن سے وضو میں خوبی پیدا ہوتی ہے۔ مستحب یا مندوب کا ہم معنی لفظ ہے)۔

۱: یہ کہ وضو پاک جگہ پر کیا جائے۔ پس اگر ایسی جگہ پر وضو کیا جائے جہاں غسلخانہ (یا پاخانہ وغیرہ کا پانی) بہہ کر آتا ہو' خواہ وہ جگہ (سردست) استعمال میں کیوں نہ آتی ہو اور پاک ہو تو وضو صحیح ہوگا' لیکن کراہت تنزیہی کے ساتھ۔ کیونکہ مالکیہ کے نزدیک ہر ایسی جگہ پر جو اغراض نجاست کے لیے بنائی گئی ہو وضو کرنا مکروہ ہے۔ خواہ اس جگہ کو استعمال نہ کیا گیا ہو۔

۲: یہ کہ حتی المقدور وضو میں پانی کی کفایت کی جائے۔ بایں طور کہ تمام اجزائے عضو پر پانی پہنچ جائے اور اس سے بہہ کر نہ گرے۔

۳: دائیں کو بائیں پر مقدم رکھنا۔ یعنی دائیں ہاتھ اور دائیں پاؤں کو بائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں سے پہلے دھونا۔

۴: کھلے منہ کے برتن کو جس سے چلو بھرنا ممکن ہے (وضو کرتے وقت) دائیں جانب رکھنا اور تنگ منہ کے برتن کو جس سے پانی ڈالنا ہے بائیں طرف رکھنا۔

۵: اعضائے وضو کو دھونے میں ابتدا اگلی طرف سے کرنا' مثلاً چہرہ کا بالائی حصہ اور انگلیوں کی نوک اور (مسح کے

Marfat.com

لیے) سر کا اگلہ حصہ۔

۶: ہر دھوئے ہوئے عضو کو دوسری اور تیسری بار دھونا۔ اس میں پاؤں بھی شامل ہیں۔ دوسری بار دھونا جبھی متصور ہوگا کہ پہلی بار تمام عضو پر پانی پہنچ گیا ہو۔ اسی طرح تیسری بار دھونا جب متحقق ہوگا کہ دوسری بار پانی تمام جگہ پہنچ گیا ہو۔ اگر تین بار دھونے میں پانی تمام عضو پر نہ پہنچا ہو تو ایک ہی بار سمجھا جائے گا' اور امر مندوب کی تکمیل اس کے بعد دوسری اور تیسری بار دھونے میں ہوگی۔

۷: وضو سے پہلے لکڑی جیسی شے سے مسواک کرنا اگر ایسی کوئی شے دستیاب نہ ہو تو انگلی سے مسواک کرنا کافی ہے' لیکن بہر حال یہ وضو سے پہلے ہونا چاہیے۔ دائیں ہاتھ سے مسواک کرنا مندوب ہے۔ اور منہ میں مسواک دائیں جانب سے شروع کی جائے۔ دانتوں پر چوڑان میں اور مسوڑوں پر لمبان میں مسواک پھیرنی چاہیے۔ اور مسواک ایک بالشت سے زیادہ لمبی نہ ہو اور نہ ایسی ہو کہ اسے پکڑا نہ جاسکے۔ اگر مسواک کیے دیر ہوگئی ہو تو نماز کے لیے مسواک کرنا مندوب ہے' اسی طرح قرآن کی تلاوت کے وقت اور نیند سے بیدار ہو کر اور کچھ کھانے یا پینے کے بعد منہ خراب ہو جانے پر مسواک کرنا مندوب ہے۔

۸: وضو سے پہلے اللہ کا نام لینا' بایں طور کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا جائے اور (وضو کے دوران) اللہ کے ذکر کے سوا اور کوئی بات بلاضرورت نہ کی جائے۔

۹: سنتوں اور فرائض کی بجا آوری میں ترتیب کا خیال رکھنا' بایں طور کہ پہلے دونوں پہنچوں تک ہاتھ دھو لیا جائے' اور کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا چہرہ دھونے سے پہلے ہو اور سر کے مسح کے لیے نیا پانی لیا جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ وضو کے مندوبات میں' جنہیں آپ فضائل و مستحباب و نوافل و آداب وضو بھی کہہ سکتے ہیں' (وضو کے ارادے سے) اونچی جگہ پر بیٹھنا ہے' تاکہ استعمال شدہ پانی کے چھینٹے نہ پڑیں۔ (نیز یہ امور بھی مندوبات وضو میں داخل ہیں):

کان کے سوراخ میں تر چھنگلیا کو ڈالنا۔

ہر عضو کی تطہیر کے وقت کلمۂ شہادت پڑھنا۔

وضو کے لیے پاک جگہ کا انتخاب کرنا۔

دھوپ میں گرم کیے ہوئے پانی سے وضو نہ کرنا' اس کا ذکر سابقاً پانی کے مکروہات میں آچکا ہے۔

ہر عضو وضو کے اوپر والے حصے کو نچلے حصے پر مقدم رکھنا۔

کلی اور ناک کا پانی وضو کے برتن میں نہ گرنے دینا۔

وضو کے وقت قبلہ رو ہونا۔

انگوٹھی کے نیچے پانی پہنچ گیا ہو تو اسے (اپنی جگہ سے) ہلانا وجلانا بصورت دیگر (یعنی اگر پانی نیچے نہ پہنچا ہو تو انگوٹھی کو ہلانا سنت نہیں' بلکہ) فرض ہے۔

اعضائے وضو کو پاک کرنے میں کسی سے مدد نہ لینا' البتہ پانی ڈلوانے اور (وضو کے لیے) پانی منگوانے سے کچھ

Marfat.com

نہیں ہوتا۔

وضو سے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہوکر اور قبلہ کی طرف منہ کر کے پینا، غرہ کو بڑھانا اور تجیل کرنا (یعنی چہرہ اور ہاتھ پاؤں کو حد ارجاجب سے کچھ بڑھا کر دھولینا)۔

دونوں پیروں کے تلووں کو بائیں ہاتھ سے دھونا' اس خیال سے کہ دائیں ہاتھ کو عظمت حاصل ہے۔

اعضائے وضو کو دھونے کے بعد تری کا رومال وغیرہ سے پونچھنا' لیکن مبالغہ (یعنی بہت زیادہ رگڑ رگڑ کر پونچھنا) نہ چاہیے۔

وضو کے پانی کو ہاتھ سے جھاڑ کر نہ گرانا۔

وضو سے فارغ ہونے کے بعد سورۂ قدر کا تین بار پڑھنا اور وضو کر کے قبلہ رو کھڑے ہونا اور یہ کہنا: ''**اشهد ان لا الٰه الا الله وحده لا شريک له واشهد ان محمداً عبده و رسوله اللّٰهم اجعلنی من التوابين واجعلنی من المتطهرين**''۔

اللہ کے ذکر کے سوا (دوران وضو) بلاضرورت کوئی اور بات نہ کرنا۔ دل میں نیت کے ساتھ زبان سے الفاظ نیت کا ادا کرنا۔

اعضائے وضو کو دھونے اور مسح سر کے وقت نیت کے ساتھ بسم اللہ کہنا

کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے لیے دائیں ہاتھ کا چلو استعمال کرنا۔

ناک جھاڑنے کے لیے بائیں ہاتھ سے ناک کا پکڑنا۔

اپنے لیے وضو کا کوئی برتن مخصوص نہ کرنا' بایں طور کہ کسی اور کو اس برتن سے وضو کرنے کی اجازت نہ ہو۔

وضو کے لوٹے (یا چھاگل) کو تین بار دھولینا۔

وضو کے ایسے برتن کو جس سے چلو میں پانی لینا ممکن ہو (وضو کے وقت) دائیں طرف رکھنا' کوئی اور برتن ہو تو اسے بائیں طرف رکھنا اور دھونے کے وقت آنکھوں کی حفاظت کا خیال رکھنا ہے۔

(وضو کے بعد) اگر مکروہ وقت نہ ہو تو دو رکعت نماز پڑھنا۔ مکروہ اوقات یہ ہیں: سورج نکلتے وقت' اور اس سے پہلے' اور عین دوپہر کے وقت' اور سورج ڈوبتے وقت۔

وضو سے پہلے ماء طہور کا بندوبست کر لینا اور وضو کے شروع میں ''**بسم الله والحمد لله علىٰ دين الاسلام**'' کہنا اور تشہد پڑھنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا (اور حسب ذیل دعائیں پڑھنا):

کلی کے وقت: **اللّٰهم اعنی علی تلاوة القرآن و ذکرک و شکرک و حسن عبادتک**۔

ناک میں پانی ڈالتے وقت: **اللّٰهم ارحنی رائحة الجنة و لا ترحنی رائحة النار**۔

چہرہ دھوتے وقت: **اللّٰهم بيض وجهی يوم تبيض وجوه و تسود وجوه**۔

دایاں ہاتھ دھوتے وقت: **اللّٰهم اعطنی کتابی بيمينی و حاسبنی حساباً يسيراً**۔

بایاں ہاتھ دھوتے وقت: **اللّٰهم لا تعطنی کتابی بيساری ولا من وراء ظهری**۔

Marfat.com

وضو کی مکروہات کا بیان

کراہت کی تعریف

منجملہ ان امور کے جو مکروہ ہیں، پانی کے استعمال میں اسراف کرنا ہے، بایں طور کہ ضرورت سے زیادہ پانی لنڈھایا جائے۔ یہ اسراف اس وقت سمجھا جائے گا جب کہ پانی مباح ہو، یا وضو کرنے والا اس پانی کا مالک ہو۔ اگر وہ پانی وضو کے لئے وقف شدہ ہے، جیسے مسجدوں میں جو پانی وضو کے لئے مہیا کیا جاتا ہے اس کو ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا (مکروہ نہیں بلکہ) حرام ہے۔

کراہت کی تعریف اور مکروہات وضو کے بارے میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

سر کا مسح کرتے وقت: اللّٰھم اظلنی تحت ظل عرشک یوم لاظل الاظل عرشک.

کانوں کے مسح کے وقت: اللّٰھم اجعلنی من الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه.

گردن کا مسح کرتے وقت: اللّٰھم اعتق رقبتی من النار۔

دایاں پاؤں دھوتے وقت: اللّٰھم ثبت قدمی علی الصراط یوم تزل الا قدام۔

بایاں پاؤں دھوتے وقت: اللّٰھم اجعل ذنبی مغفوراً وسعی مشکوراً و تجارتی ان تبور۔

گردن کا مسح ہاتھ کی پیٹھ سے کرنا' بشرطیکہ اس پانی کو جو اس پر ہو ہنوز استعمال نہ کیا گیا ہو۔ واضح ہو کہ گلے کا مسح کرنا بدعت ہے۔ (اور بالآخر)

تیامن یعنی افعال وضو کا دائیں ہاتھ سے شروع کرنا۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ کراہت کی دو قسمیں ہیں: کراہت تنزیہی اور کراہت تحریمی۔ مکروہ تحریمی وہ امر ہے جو حرام کے بہت قریب ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت اس طرح کی جا سکتی ہے کہ (مکروہ تحریمی) ایسا ہے جیسے کسی امر واجب کا' جو فرض سے کم ہے' ترک کرنا۔ حنفیہ سنت مؤکدہ کو واجب قرار دیتے ہیں۔ مکروہ تنزیہی وہ امر ہے جس کے کرنے سے عذاب نہیں ہے' لیکن اس کے ترک کر دینے سے ثواب ہے جو مندوب اور مستحب وغیرہ غیر مؤکدہ سنتوں کے بجا لانے کے برابر ہے۔

وضو کی مکروہات میں سے مکروہ تحریمی یہ ہے کہ سنن مؤکدہ میں سے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے' کوئی سنت ترک کر دی جائے۔ اور مکروہ تنزیہی یہ ہے کہ امور مندوب' مستحب یا فضیلت میں سے جن کا ذکر ان عنوانات کے تحت کیا گیا ہے' کوئی امر ترک کیا جائے۔ چنانچہ بعض حنفیہ نے چند مکروہات بتا دیے ہیں تا کہ دوسری مکروہات کو ان پر قیاس کر لیا جائے۔

مثلاً یہ کہ چہرے پر (دھوتے وقت) پانی کا چھینٹا زور سے مارنا' جیسا کہ بعض عوام الناس کرتے ہیں کہ اپنے ہاتھوں میں پانی لے کر اپنے منہ پر اس زور سے مارتے ہیں کہ گویا اپنے آپ سے کوئی انتقام لے رہے ہیں۔ ایسا کرنا مکروہ ہے۔

اور بائیں ہاتھ سے ناک میں پانی ڈالنا اور دائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا۔

Marfat.com

اور سر کا یا کان کا مسح تین تین بار پانی لے لے کر کرنا' حالانکہ مطلوب یہ ہے کہ سر کا مسح نئے پانی سے کیا جائے اور پھر بغیر نیا پانی لیے دونوں ہاتھوں سے دوبارہ مسح کر لیا جائے۔ اسی طرح دونوں کانوں کا مسح کیا جائے بغیر اس کے کہ نیا پانی لیا جائے۔ پس اگر نئے پانی سے دوبارہ مسح کیا جائے تو مکروہ ہوگا۔

اور یہ کہ اپنے لیے وضو کا کوئی برتن مخصوص کر لیا جائے اور (اس کے سوا) کسی اور برتن سے وضو نہ کیا جائے۔ یہ امر ایسا ہی مکروہ ہے جیسے کوئی شخص نماز کے واسطے اپنے لیے کوئی جگہ مخصوص کر لے۔ حنفیہ (مسلک) کی کتابوں میں اسی طرح بتایا گیا ہے' لیکن ان کے قواعد کی رو سے یہ حکم اس صورت میں نافذ العمل ہوگا جب کسی مرض کے لگ جانے کا اندیشہ نہ ہو' یا کسی برتن کو مخصوص کرنا گندگی سے بچنے کی غرض سے ہو یا کوئی اور شرعی مقصد پیش نظر ہو۔ اس صورت میں کوئی کراہت نہ ہوگی' بلکہ بعض اوقات جب کہ ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو' ایسا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

منجملہ مکروہات کے یہ ہے کہ چہرے اور ہاتھ کو تین بار سے زیادہ دھویا جائے۔ اگر تین بار سے زیادہ چار پانچ بار دھویا تو (دیکھنا چاہیے) کہ آیا اس خیال سے تھا کہ وضو میں اتنی بار (زیادہ) دھونا وضو کے لیے مطلوب ہے یا یہ خیال نہ تھا۔ اگر دل میں ہو کہ یہ زیادتی وضو کے لیے شرعاً مطلوب ہے تو یہ کراہت تحریمی ہے' اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ شرعاً مطلوب نہیں ہے' بلکہ اعمال وضو میں یہ زیادتی ایام گرما میں ٹھنڈک حاصل کرنے یا زیادہ صفائی کے لیے یا اسی طرح کے کسی اور مقصد کے لیے کی گئی تو یہ کراہت تنزیہی ہوگی' اور اس (کے مکروہ ہونے) کا سبب یہ ہے کہ صفائی' ستھرائی یا ٹھنڈک حاصل کرنے کا موقع اور ہے' عبادت کے وقت نہیں ہے۔

اور جس طرح وضو میں ضرورت سے زیادہ پانی خرچ کرنا مکروہ تنزیہی ہے' اسی طرح پانی میں تنگی بھی مکروہ تنزیہی ہے۔ تنگی سے مراد حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ دھلے ہوئے اعضاء سے نمایاں طور پر پانی نہ بہے۔ اس مسئلے میں مالکیہ کا اختلاف ہے' جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔

یہ تمام احکام اس صورت میں ہیں جب کہ وضو کرنے والا وضو کے پانی کا مالک ہو' لیکن اگر وہ پانی وقف ہے' جیسے مسجد وغیرہ کے نلکوں کا پانی' تو اس پانی کا اسراف بہر حال حرام ہے۔

اور منجملہ امور مکروہہ کے یہ ہے کہ گندی جگہ پر وضو کیا جائے یہ اس لیے ہے کہ وضو کا پانی وہاں پر گرنے اور پھر اس سے آلودہ چھینٹوں سے بچاؤ ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ وضو کی مکروہات میں اول تو یہی ہے کہ جن سنتوں کا اوپر بیان ہوا' ان میں سے کوئی ترک کر دی جائے' اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ ان کے نزدیک ترک سنت سے عذاب نہیں ہوتا۔ باوجود اس کے کچھ سنتیں مؤکدہ ہیں اور کچھ غیر مؤکدہ ہیں جن کو وہ فضیلت سے تعبیر کرتے ہیں۔ چونکہ مالکیہ مکروہات وضو کا ذکر مطلق حیثیت میں کرتے ہیں' (یعنی اس میں کوئی قید نہیں لگاتے) لہٰذا وہ ان کو مکروہ تنزیہی وغیرہ نہیں کہتے۔ ان کے مسلک میں قاعدہ یہ ہے کہ جب مطلق مکروہات کا ذکر کیا جائے تو اس سے کراہت تنزیہی مراد ہوتی ہے اور کراہت تنزیہی عبارت ہے خلاف اولیٰ سے (یعنی بہتر طریقے کو چھوڑ کر کوئی اور طریقہ اختیار کرنا)۔

مالکیہ نے زیادہ پانی لڈھانا' وضو کے مکروہات میں شمار کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنا پانی وضو کے لیے کافی

Marfat.com

ہے' اس سے زیادہ خرچ کیا جائے' یہ سمجھ کر کہ یہ وضو ہی کا حصہ ہے' لیکن اگر ضرورت سے زیادہ پانی صفائی کے پیش نظر یا ٹھنڈک حاصل کرنے کی غرض سے استعمال کیا جائے تو مکروہ نہیں' بشرطیکہ پانی وقف برائے وضو نہ ہو۔ اگر وہ پانی وضو کے لیے ہے یا اس کا مالک کوئی اور شخص ہے' جس کے استعمال کی اجازت حاصل نہیں کی گئی' تو اس میں اسراف حرام ہے۔ جیسا کہ پانی کی مکروہات میں پہلے ذکر کیا گیا۔

منجملہ مکرہات وضو کے پانی سے ہاتھ تر کر کے گردن کا مسح کرنا ہے کیونکہ اس طرح کرنا حد سے ایسی زیادتی (نیا پانی استعمال کر کے) کی گئی ہے جس کا حکم شریعت میں نہیں دیا گیا۔ اندریں باب گردن اور حلق (گردن کے اگلے حصے) میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے' وہ کہتے ہیں کہ کانوں کا مسح کرنے کے بعد بغیر نیا پانی استعمال کیے گردن کا مسح کرنا سنت ہے' لیکن حلق کا مسح حنفیہ کے نزدیک بدعت ہے۔ اس کے مکروہ ہونے کی تصریح نہیں کی گئی۔

منجملہ مکروہات کے یہ ہے کہ ایسی جگہ پر وضو کیا جائے جو نجس ہے یا جس کو نجاست (دور کرنے) کے لیے بنایا گیا ہے۔ اگرچہ سردست استعمال میں نہ آئی ہو جیسے نیا پاٹ (یا پیشاب پاخانے کا ظرف) جس سے کام نہ لیا گیا ہو۔

اثنائے وضو میں اللہ کے ذکر کے سوا اور کوئی بات چیت کرنا (مکروہ ہے) اس مسئلے میں تمام مسالک متفق ہیں' البتہ شافعیہ کہتے ہیں کہ مکروہ نہیں ہے' لیکن نہ بولنا بہتر ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مکروہ اس بات کا ترک کرنا ہے جو شارع نے پسند فرمایا ہو' لیکن تاکید نہ کی ہو۔ پس اگر اس بات کو مکلف انسان نہ کرے تو ثواب پائے گا اور اگر کرے تو مستوجب عذاب نہ ہوگا۔ شافعیہ کے نزدیک وضو کے مکروہات کا انحصار ایسی سنت کے ترک پر ہے جس کے واجب ہونے میں اختلاف ہے' یعنی جس کے متعلق بعض کہتے ہیں کہ وہ فرض ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ سنت ہے' جیسے سنت مؤکدہ۔ اس کے علاوہ کسی اور سنت کا ترک (مکروہ نہیں صرف) خلاف اولیٰ ہے۔ پس پانی کا زیادہ خرچ کرنا (اسرافِ ماء) مکروہ تنزیہی ہے۔ ہاں اگر وہ پانی وقف ہے تو زیادہ خرچ کرنا حرام ہے۔ بشرطیکہ وہ پانی کسی حوض یا ٹینکی میں نہ ہو۔ اس کے پانی میں (اسراف) حرام نہیں' کیونکہ پانی پلٹ کر اسی میں چلا جاتا ہے تاہم اس میں فقط کراہت ہے۔

مکروہات تنزیہی (یعنی خلاف اولیٰ) کے منجملہ وضو کے اندر بات کرنا ہے۔ اور

روزہ دار کا کلی میں مبالغہ کرنا یا ناک میں پانی ڈالنا۔

اور نجس جگہ پر وضو کرنا۔

گردن اور حلق کا مسح کرنا ان کے نزدیک مکروہ نہیں ہے' بلکہ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ وہ سنت ہے۔

تین بار سے زیادہ خواہ دھونا ہو یا مسح کرنا مکروہ ہے۔ شافعیہ اعضائے وضو کو دھونے کی طرح مسح میں بھی تین بار کرنے کو کہتے ہیں۔ البتہ موزہ پہننے والے کو ایک بار سے زیادہ موزے پر مسح کرنا مکروہ ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مکروہ یہ ہے کہ مؤکدہ سنتوں میں سے کوئی سنت ترک کر دی جائے۔ مثلاً وتر یا فجر کی دو رکعتوں یا تراویح کا ترک کرنا۔

Marfat.com

نواقض وضو

(وضوتوڑنے والی چیزوں کا بیان)

لفظ نواقض ناقضۃ یاناقض کی جمع ہے۔ چنانچہ جب کسی چیز کو فاسد (خراب) کیا جائے تو کہا جاتا ہے نقضت الشئی (یعنی میں نے اس چیز کو خراب کردیا)۔ کہا جاسکتا ہے کہ اگر ناقض (وضو) کا یہ مطلب ہے کہ وہ شے جو سرے سے وضو کو خراب کردے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وضو کو حدث کے طاری ہونے سے پہلے ہی خرابی کی صفت سے متصف کردیا گیا، اس طرح تو حدث کے لاحق ہونے سے پہلے ہی نماز باطل ہو جائے گی، اس واسطے کہ یہ مان لیا گیا ہے کہ وضو بنیادی طور پر فساد کی صفت سے متصف ہے۔ اسی لئے بعض اصحاب نے احداث کو حدث کی جمع سے تعبیر کیا ہے، تاکہ یہ اعتراض وارد نہ ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وضو کے باطل ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وضو اس وقت باطل ہوتا ہے جب وضو کو توڑنے والا حدث لاحق ہو۔ یہ معنے نہیں ہیں کہ حدث وضو کا وجود ہی جڑ سے ختم کردیتا ہے۔

نواقض وضو (وضو کو توڑنے والی چیزوں) کی چند قسمیں ہیں:

اول وہ شے (وضو کو توڑدیتی ہے) جو انسان کے آگے یا پیچھے (یعنی پیشاب یا پاخانے کے مقام) سے خارج ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں، کیونکہ خارج ہونے والی شے یا تو عادی ہوگی یا عادی نہ ہوگی (یعنی اس کا خارج ہونا عادت انسانی کے مطابق ہوگا یا نہ ہوگا)۔

سنت مؤکدہ کے ترک کے علاوہ کسی اور سنت کا ترک کرنا (مکروہ نہیں صرف) خلاف اولیٰ ہے۔ سوائے اس کے کہ کسی امر کی ممانعت سختی کے ساتھ نہ آئی ہو (یعنی جس امر کی ممانعت تاکید کے ساتھ نہ آئی ہو) اس کا ترک کرنا مکروہ ہے۔
پس (وضو کے اندر) ضرورت سے زیادہ پانی لڑھانا خلاف اولیٰ ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ پانی مباح ہو۔ اگر پانی وقف ہے تو پانی میں ''اسراف'' حرام ہوگا۔

اسی طرح تین بار سے زیادہ دھونا یا ایک بار سے زیادہ مسح کرنا ہے، البتہ اگر زیادہ دھونے میں صفائی یا ٹھنڈک پیش نظر ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ اور

گردن کا مسح نئے پانی سے کرنا۔ اور

روزہ دار کا کلی میں مبالغہ کرنا (یعنی دیر تک کلیاں کرتے رہنا)۔ اور

نجس جگہ پر وضو کرنا۔ اور

اثنائے وضو میں اللہ کے ذکر کے سوا کوئی اور بات کرنا۔

Marfat.com

دوم وہ امور (اسباب) جو ان دونوں مقامات سے وہ شے نکلنے کا موجب ہوتے ہیں۔ان کی چار قسمیں ہیں: اول عقل کا جاتے رہنا۔ دوم شہوت انگیز عورت کو مس کرنا۔اس میں بے ریش لڑکوں کو چھونا بھی داخل ہے۔ یہ امور چند شرائط کے ساتھ وضو توڑنے والے ہیں۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔سوم عضو مخصوص وغیرہ کا بلاواسطہ چھونا۔ یہ امر بعض مسالک میں ناقض وضو ہے، بعض میں نہیں ہے۔ چہارم وہ اشیاء جو آگے یا پیچھے کی راہ کے علاوہ کسی اور جگہ سے خارج ہوں، جیسے خون، اس کے مسائل تفصیل طلب ہیں جو آگے معلوم ہوں گے۔پس وضو توڑنے والی اشیاء کی چھ قسمیں ہیں۔ان کی تفصیل یہ ہے:

پہلی قسم: وہ مادہ جو دونوں راستوں میں سے کسی ایک سے خارج ہو۔اس میں وضو توڑنے والی شے بھی ہے اور وہ بھی جس سے غسل واجب ہوتا ہے۔ان اشیاء کے منجملہ جن سے وضو ٹوٹتا ہے لیکن غسل واجب نہیں ہوتا، پیشاب، مذی اور ودی ہیں۔ پیشاب تو سب جانتے ہیں مذی وہ رقیق (مادہ) ہے جس کا رنگ زرد ہوتا ہے اور بالعموم آگے کی راہ سے شہوانی لذت کے احساس کے ساتھ خارج ہوتا ہے۔اور ودی ایک گاڑھا سفید رنگ کا منی جیسا مادہ ہے جو اکثر پیشاب کے بعد خارج ہوتا ہے۔اسی طرح ''ودی ہادی'' وہ سفید مائع (پانی) جو (علامت قرب ولادت کے طور پر) حاملہ عورتوں کی آگے کی راہ سے بچے کی ولادت سے پہلے خارج ہوتا ہے۔اور وہ منی جو لذت شہوانی کے بغیر[1] خارج ہو جائے اور یہ بھی معروف ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ تمام اشیاء وہ ہیں جو آگے کی راہ سے خارج ہوتی ہیں۔

پیچھے کی راہ سے خارج ہونے والی اشیاء (جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے) پاخانہ اور گوز ہیں۔گوز سے وضو ٹوٹنے کا سبب طہارت کے بیان میں پہلے بتایا جا چکا ہے، چاہیے کہ اسے ملاحظہ کر لیا جائے۔

یہ تمام اشیاء وہ ہیں جن کے ناقض وضو ہونے کی بابت اجماع ہے۔دوسری قسم (وضو توڑنے والی

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ وہ مادۂ تولید جو عادی شہوانی لذت کے بغیر خارج ہو اس سے غسل واجب نہیں ہوتا' بلکہ اس سے صرف وضو ٹوٹتا ہے۔ائمہ ثلاثہ کو اس سے اختلاف ہے اور وہ اس کی مثال اس صورت سے دیتے ہیں جب کہ کوئی شخص گرم پانی میں اترے اور لذت شہوانی محسوس کرے اور مادہ تولید خارج ہو جائے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مادۂ تولید خارج ہونے سے غسل واجب ہو جاتا ہے' خواہ وہ شہوانی لذت کے ساتھ خارج ہو یا بغیر لذت کے۔ پس جب کبھی مادۂ تولید کا نکلنا ثابت ہو جائے، غسل واجب ہو جائے گا۔اس باب میں ائمہ کے مسالک غسل کے بیان میں آئیں گے۔شافعیہ کے نزدیک مادہ تولید خارج ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا' باوجود اس کے کہ اس سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

اشیاء کی) وہ ہے جو دونوں راستوں سے غیر عادی طور پر خارج ہوں، مثلاً کنکری [1] کیڑا، خون، پیپ اور کچ لہو۔ ان سے وضوٹوٹ جاتا ہے، خواہ آگے کی راہ سے خارج ہو یا پیچھے کی راہ سے۔

نواقض وضو میں سے یہ ان چیزوں کا بیان تھا جو دو مخصوص راستوں سے خارج ہوں: اب رہے وہ نواقض وضو جوان راستوں سے خارج نہیں ہوتے، یہ بتایا جا چکا ہے کہ ان کی چار قسمیں ہیں:

پہلی قسم یہ ہے کہ وضو کرنے والے کی عقل جاتی رہے۔ خواہ وہ جنون سے ہو یا مرگی سے یا بے ہوشی سے، یا ایسی شے کے استعمال سے جو عقل کھو دیتی ہے، مثلاً شراب، گانجا اور بھنگ وغیرہ تمام غافل کرنے والی اشیاء۔ نیند بھی ان ہی میں سے ہے جن سے وضوٹوٹ جاتا ہے، اس لئے نہیں کہ بذات خود ناقض الوضو ہے [2] بلکہ اس لئے کہ نیند کی حالت میں وضو توڑنے والی بات لاحق ہو سکتی ہے اور اس کے ناقض الوضو ہونے کے بارے میں مسالک مختلف تفصیل طلب ہیں۔ [3]

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ وضو نہیں ٹوٹتا جب تک کہ مقررہ راستے سے مقررہ شے بحالت صحت خارج نہ ہو' لہٰذا اگر کنکری' خون' پیپ یا کچ لہو دونوں راستوں میں سے کسی سے نکلے تو وضو نہیں ٹوٹتا' بشرطیکہ کنکری یا کیڑا معدہ میں پیدا ہو۔ لیکن اگر وہ معدہ میں نہیں پیدا ہوا' بلکہ کسی شخص نے مثلاً کنکری یا کیڑا نگل لیا اور وہ مخصوص راستے سے نکلا تو وضوٹوٹ جائے گا' کیونکہ اس صورت میں اس کو مقررہ (معتاد) شے تصور نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ نیند بذات خود وضو کو توڑنے والی شے ہے' یہاں تک کہ اگر کوئی اعضائے نشست (اپنی مقعد کو) کسی چیز پر اس طرح دبا کر رکھے کہ ہوا خارج ہونے سے محفوظ رہے تب بھی۔ ہاں اگر معمولی سی اونگھ آ گئی ہو (تو وضو نہیں ٹوٹتا)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نیند بذات خود وضو توڑنے والی شے ہے' اگر چہ کوئی شخص اپنی مقعد کو زمین وغیرہ پر ٹکائے بغیر سو جائے اور یہ یقین ہو کہ اس سے کوئی وضو توڑنے والی شے صادر نہیں ہوئی۔

۳۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ نیند بذات خود ناقض' وضو نہیں ہے۔ شافعیہ اور حنبلیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ نیند سے تین حالتوں میں وضو ٹوٹتا ہے: اول پیٹھ کے سہارے چت لیٹ کر سو جانے سے۔ دوم پیٹھ کا سہارا لگا کر سونے سے' سوم دونوں کولھوں میں سے کسی پر سہارا کر کے سونے سے' کیونکہ ان حالات میں اعضا کے جوڑ ڈھیلے پڑ جانے کے باعث سونے والے کو اپنے اوپر اختیار نہیں رہتا' لیکن اگر بیٹھے بیٹھے نیند آ گئی اور مقعد زمین وغیرہ سے ٹکی ہوئی ہے تو صحیح تر یہ ہے کہ اس پر وضو واجب نہیں۔ اگر اس حالت میں کہ کسی نے گدی یا تکیہ وغیرہ کا سہارا لگا رکھا ہو اور اس کے ہٹانے سے وہ گر جائے اور کولھے زمین سے ہٹ گئے تو وضوٹوٹ جائے گا۔ لیکن اگر وہ بیٹھا رہا اور اس کے کولھے جگہ سے نہیں ہٹے تو وضو نہیں ٹوٹا۔ اسی طرح کھڑے کھڑے یا رکوع کامل کی حالت میں جیسے نماز میں ہوتا ہے' یا سجدہ میں سو جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ ان حالات میں انسان اپنے تئیں سنبھالے ہوئے ہوتا ہے۔ اگر کسی کو لیٹے ہوئے ہلکی سی نیند آ جائے' بایں طور کہ

Marfat.com

نواقض وضو کی دوسری قسم جس کا تعلق جسم سے خارج ہونے والی اشیاء سے نہیں ہے، شہوت انگیز وجود کو چھونا ہے۔ اس باب میں فقہاء کی اصطلاح اس بنا پر ہے کہ (۱) "چھونا" کبھی ہاتھ سے ہوتا ہے اور کبھی بغیر ہاتھ کے اجزائے بدن میں سے کسی جزو سے (چھونا ہوتا ہے)، ہاتھ سے چھونے کے لئے خاص طور پر لفظ "مس" ہے۔ ان دونوں کے لئے جداگانہ احکام ہیں۔

اردگرد کے لوگوں کی باتیں سن رہا ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ ہاں اگر (نیند کی وجہ سے) آواز نہ سنائی دے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور اس بات کی دلیل کہ نیند آ جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا جب تک وہ شخص لیٹا ہوا نہ ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "ان الوضوء لایجب الا علی من نام مضطجعاً فانه اذا اضطجع استرخت مفاصله" (یعنی سونے سے وضو اس حالت میں واجب ہوتا ہے جب کوئی لیٹ کر سو جائے کیونکہ لیٹنے سے اعضائے بدن کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں) [ابوداؤد، ترمذی، احمد (در مسند) طبرانی در معجم]۔ حنفیہ کا قیاس یہ ہے کہ لیٹ کر سونے کی دو حالتیں ہیں۔ پیٹھ کے بل چت لیٹ کر سونا یا دونوں کولھوں میں سے کسی کے بل لیٹ کر سو جانا کیونکہ وضو ٹوٹنے کا جو اصل سبب ہے یعنی اعضائے بدن کے جوڑوں کا ڈھیلا پن وہ ان ہی حالتوں میں پایا جاتا ہے۔

معذور انسان سلسل بول کا مریض یا پیہم ریح خارج ہونے کے مرض میں مبتلا شخص کا وضو سونے سے نہیں ٹوٹتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ معذور انسان سے خارج ہونے والی شے جب بیداری کی حالت میں بھی وضو نہیں توڑتی تو نیند میں خارج ہونے سے بدرجہ اولیٰ وضو نہ ٹوٹے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ (سونے سے) وضو اس حالت میں ٹوٹتا ہے جب کہ سونے والے کی مقعد اپنی جگہ پر بھنچی ہوئی نہ ہو۔ بایں طور کہ بیٹھا بیٹھا سو گیا یا اس طرح جم کر سوار تھا کہ اس کی مقعد اور جائے نشست کے درمیان خلا نہ تھا۔ پس پیٹھ کے بل چت لیٹ کر یا پہلو کے بل لڑھک کر سونے سے یا اس طرح سونے سے کہ مقعد اور جائے نشست کے درمیان دبلا ہونے کے باعث خلا ہو تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اونگھ آ جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اونگھ سے مراد سماعت کی وہ گرانی ہے جس میں حاضرین کی بات تو کان میں آتی رہتی ہے لیکن اس کو سمجھ نہ سکے (ظاہر ہے کہ) یہ کیفیت نیند سے مختلف ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ گہری نیند سے بہرحال وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ تھوڑی دیر کی ہو یا لمبے عرصے کی اور لیٹے ہوئے آ جائے یا بیٹھے ہوئے یا سجدہ میں۔ البتہ ہلکی نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا، تھوڑی دیر کی ہو یا لمبے عرصے کی۔ لیکن اگر کوئی دیر تک ہلکی نیند میں رہے تو مستحب یہ ہے کہ وضو کر لے۔ تھوڑی دیر کی گہری نیند میں بھی وضو صرف اس حالت میں ٹوٹے گا جب کہ جائے اخراج (ریح) مسدود نہ ہو بایں طور کہ کپڑے کو لپیٹ کر اور کولھوں کے درمیان رکھ کر اس پر بیٹھا جائے اور اسی حالت میں بیدار ہو۔ یہ گہری نیند اگر لمبی ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا خواہ جائے اخراج مسدود ہو۔ گہری نیند سے یہ مراد ہے کہ سونے والے کو آواز نہ سنائی دے یا اگر حبوت☆ کر کے بیٹھا ہو تو وہ کھل جائے۔ یا کوئی شے ہاتھ سے گر جائے، یا منہ سے رال بہنے لگے یا ایسی ہی کوئی اور بات ہو۔

۱۔ شافعیہ اور حنابلہ کی اصطلاح میں مس کے احکام لمس کے احکام سے خلط ملط ہیں۔ بخلاف مالکیہ اور حنفیہ کے جنہوں نے لمس کے احکام جدا اور مس کے احکام جدا بیان کیے ہیں۔ انہوں نے لمس کا لفظ ہاتھ سے چھونے (یا ہاتھ لگانے)

☆ حبوت: کپڑے کا حلقہ جو اکڑوں بیٹھ کر کمر اور گھٹنے کے گرد اگرد باندھ لیتے ہیں۔

Marfat.com

واضح ہو کہ شہوت انگیز وجود کو مس کرنے (یعنی ہاتھ لگانے سے) وضو ٹوٹ جاتا ہے۔اس کے لئے چند شرطیں عائد کی گئی ہیں۔مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔اور اس طرح بات آسان ہو گئی ہے۔

ا۔شافعیہ کہتے ہیں کہ غیر عورت کو لمس کرنے (ہاتھ لگانے) سے جس کا نام ''مس کرنا'' ہے' مطلقاً وضو ٹوٹ جاتا ہے۔خواہ یہ مس شہوانی لذت کے بغیر ہو اور خواہ مرد ضعیف العمر ہو اور خواہ عورت بڑھیا بدشکل ہو۔شافعیہ مسلک اسی پر قائم ہے کہ مس کرنے والا بوڑھا ہو یا جوان ہو (ہر حال میں وضو ٹوٹ جاتا ہے)۔کہا جاتا ہے کہ بوڑھی بدشکل عورت کو ہاتھ لگانے سے تو شہوانی لذت نہیں ہوتی' اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ عورت جب تک قید حیات میں ہے شہوت انگیزی سے عاری نہیں ہوتی' لہٰذا اگر لمس کرنے والے اور ملموس (جس کو ہاتھ لگایا گیا ہو) کے درمیان کوئی شے حائل نہ ہو تو چھونے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ان کے نزدیک یہ حائل ہونے والی شے اگر باریک بھی ہے تو (وضو نہ ٹوٹنے کے باب میں) کافی ہے۔حائل ہونے والی شے گرد و غبار سے میل کچیل کی تہ بھی ہو سکتی ہے۔لیکن پسینہ کو حائل نہیں قرار دیا گیا۔

ایک مرد کا دوسرے مرد کو ہاتھ لگانا ناقض وضو نہیں ہے' خواہ بے ریش صاحب جمال لڑکے ہی کو ہاتھ لگایا ہو' لیکن اس صورت میں بھی وضو کر لینا سنت ہے۔اسی طرح عورت کسی عورت کو ہاتھ لگائے یا مخنث کسی مخنث کو یا کسی مرد یا عورت کو ہاتھ لگائے تو سلیم الطبع اشخاص کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا' جب تک کہ لامس اور ملموس (ہاتھ لگانے والا اور جسے ہاتھ لگایا گیا ہو دونوں) بالغ نہ ہوں۔عورت کے (اجزائے) بدن میں سے بال' دانت اور ناخون کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ یعنی ان اشیاء کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اگرچہ اس میں لذت حاصل ہو' کیوں کہ یہ اشیاء دراصل ایسی ہیں کہ ان کا چھونا حصول لذت کے لیے نہیں ہوتا۔ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ دانت منہ میں ہوتے ہیں اور لوگ دانت سے عاشقی کے تصورات وابستہ کرتے ہیں اور دوسرے اعضائے جسم سے زیادہ ان میں لذت ہوتی ہے تو کیسے سمجھا جائے کہ ان کا چھونا لذت کی چیز نہیں ہے؟ (جواباً) شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر منہ کے مس کرنے کو نظر انداز کیا جائے اور صرف دانت کو چھونے کی حد تک رہا جائے تو دانت تو محض ہڈی ہے' اس میں لذت نہیں ہے۔اور یہی مطلب ہے اس کا جو کہا جاتا ہے کہ دانت لذت کی چیز نہیں ہے۔

میت کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

محرم کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔محرم وہ ہے جس سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے' خواہ نسب سے ہو یا دودھ کے رشتے سے یا نکاح کے رشتے سے۔لیکن وہ جس سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام نہیں ہے' مثلاً بیوی کی بہن یا اس کی پھوپھی یا خالہ' ایسی عورتوں کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔اسی طرح ایسی عورت کے ساتھ بیوی کے شبہ میں عمل زوجیت کا مرتکب ہوا ہو' اس کی ماں یا بیٹی کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ہر چند کہ ان سے بھی نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہوتا ہے' لیکن یہ نسب یا دودھ یا نکاح کے رشتہ سے نہیں ہوتا۔

یہ بتایا جا چکا ہے کہ ان تمام صورتوں کو مس کہتے ہیں اور اسی کا نام لمس بھی ہے۔

حنابلہ کہتے کہ عورت کو بلا واسطہ شہوت کے ساتھ چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے' اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ

Marfat.com

وہ عورت اجنبی ہو یا محرم ہو، زندہ ہو یا مردہ ہو، جوان ہو یا بڑھیا ہو، بڑی ہو یا ایسی کم عمر جو عادۃً شہوت انگیز ہو۔

ان مسائل میں عورت کا مرد کو ہاتھ لگانے کا بھی یہی حکم ہے، چنانچہ اگر کوئی عورت مرد کو ہاتھ لگائے تو ان ہی شرائط کی موجودگی میں اس عورت کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

اجزائے بدن میں سے خواہ کسی عضو کے ساتھ بدن چھوا جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اس حکم میں بال، دانت اور ناخون مستثنیٰ ہیں۔ ان اجزائے ثلاثہ کے لمس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ ملموس (جس کو مس کیا جائے) کا وضو نہیں ٹوٹتا۔

مرد ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں تو وضو نہیں ٹوٹتا اس میں خواہ کوئی خوبصورت بے ریش لڑکا ہو۔

عورت کا عورت کو چھونا اور مخنث کا مخنث کو چھونا ناقض وضو نہیں اگرچہ ہاتھ لگانے والے نے اس میں لذت محسوس کی ہو۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حنابلہ اس مسئلے میں شافعیہ سے متفق ہیں کہ عورت کو بلا واسطہ ہاتھ لگانے سے، خواہ وہ بڑھیا بدشکل ہو، جب تک کہ عادۃً اس میں شہوت انگیزی کی صفت موجود ہے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

محارم کو مس کرنے کے بارے میں حنابلہ کو شافعیہ سے اختلاف ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ امر (یعنی عورت کو ہاتھ لگانا) مطلقاً ناقضِ تا وضو ہے یہاں تک کہ اگر باوضو شخص نے اپنی ماں یا بہن کو چھوا تو وضو ٹوٹ جائے گا، شافعیہ اس کے مخالف ہیں۔

اس مسئلے میں شافعیہ حنابلہ سے متفق ہیں کہ مرد ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں تو وضو نہیں ٹوٹتا، خواہ جس کو ہاتھ لگا یا وہ خوبصورت بے ریش لڑکا ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ شافعیہ کا کہنا ہے کہ اس کے بعد وضو کر لینا سنت ہے، اس باب میں بھی وہ متفق ہیں کہ عورت کے بال، ناخون اور دانت کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ غرض انہیں چند معمولی جزئیات کے سوا جن کا شافعیہ نے ذکر کیا ہے، کسی میں اختلاف نہیں ہے، اس بناء پر ہر مسلک کی تفصیل الگ الگ بیان کی گئی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ باوضو شخص جب کسی دوسرے کو ہاتھ سے یا کسی بدن کے حصے سے مس کرے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس بارے میں چند شرطیں ہیں۔ بعض شرطوں کا تعلق لامس (یعنی چھونے والے) سے ہے اور بعض کا تعلق ملموس (یعنی جس کو چھوا جائے اس) سے ہے۔ اس میں چھونے والے کا بالغ ہونا شرط ہے اور یہ بھی کہ اس نے لذت پانے کے ارادے سے چھوا ہو یا اگر ارادہ نہ بھی ہو تو اس نے فی الوقت (ہاتھ لگانے میں) لذت محسوس کی ہو۔ یہی حکم اس حالت میں ہے جب کہ لذت کا ارادہ نہ ہو، لیکن چھونے میں مزہ آیا ہو۔

ایک شرط یہ ہے کہ ملموس کا وہ بدن برہنہ ہو، یا اگر کوئی شے حائل ہو تو نہایت باریک ہو۔ اگر کوئی دبیز شے حائل ہے تو وضو (ہاتھ لگانے سے) نہیں ٹوٹتا۔ سوا اس کے کہ وہ لمس ہاتھ سے کسی عضو کو پکڑ لینے کی صورت میں ہو اور ارادہ لذت اٹھانے کا ہو، یا لذت محسوس کی ہو (گو ارادہ نہ کیا ہو)

ایک شرط یہ ہے کہ جس کو لمس کیا جائے وہ شہوت انگیز ہو۔ لہٰذا ایسی چھوٹی سی بچی کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا جس پر شہوت نہ ہوتی ہو، مثلاً کوئی پانچ سال کی بچی ہو، یا بڑھیا جس میں مرد کے لیے جاذبیت نہ رہی ہو اور طبیعتیں اس پر مائل نہ ہوں۔

بال عورت کے بدن کا جزو ہیں، لہٰذا اگر لذت کے ارادے سے بال چھوئے یا چھونے سے لذت محسوس ہوئی تو

Marfat.com

وضوٹوٹ جائے گا۔ لیکن عورت اگر اپنے بال سے کسی کا ہاتھ چھوئے تو اس عورت کا وضو نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح ایک مرد کے بال عورت کے بالوں سے اور مرد کے ناخون عورت کے ناخنوں سے مس ہو جائیں تو وضو نہیں ٹوٹتا' کیوں کہ ان میں احساس نہیں ہوتا۔ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ لمس (کے ناقض الوضو ہونے) کا انحصار لذت اٹھانے کے ارادے یا لذت کے احساس پر ہے۔ اب اس میں کوئی فرق نہیں خواہ اجنبی عورت ہو' یا بیوی ہو' یا کوئی بے ریش لڑکا' یا نوجوان سبزہ آغاز ہو جس کے لمس میں بالعموم لذت کا امکان ہو سکے۔

جس کو ہاتھ لگایا گیا اگر وہ محروم ہے جیسے بہن' بیٹی' پھوپھی یا خالہ' اور ہاتھ لگانے والا احساس شہوت رکھتا ہے' اور لذت کا ارادہ بھی رکھتا ہے' لیکن لذت شہوانی محسوس نہیں کی تو اس کا وضو محض ارادے سے (جب تک کہ فی الوقع لذت نہ ہوئی ہو) نہیں ٹوٹتا' بخلاف اس صورت کے جب کہ عورت غیر محرم ہو۔

منہ کا چومنا لمس میں داخل ہے جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے' ہر چند کہ چومنا لذت کی خاطر نہ ہو' یا لذت محسوس نہ کی ہو' یا مجبوراً چومنا پڑا ہو۔ رخصتی کے وقت یا از راہ شفقت بوسہ لیا' بایں طور کہ یہی مقصد تھا اور لذت کا ارادہ نہ تھا' تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس میں بھی اگر لذت محسوس ہوئی تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ یہ تمام مسائل وہ ہیں جن کا تعلق لامس (لمس کرنے والے) سے ہے۔ رہا ملموس (جس کو لمس کیا جائے) سو اگر وہ بالغ ہے اور اس میں لذت محسوس ہو تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ اگر لذت کی خواہش تھی تو ملموس لامس (ہاتھ لگانے والے) کے زمرہ میں ہو جائے گا۔ اس پر سابقہ احکامات منطبق ہوں گے۔

واضح ہو کہ محض خیال کرنے یا دیکھنے سے' اگر مس نہیں کیا' تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ البتہ اگر (دیکھنے میں) لذت کا ارادہ ہو یا لذت کا احساس ہو' یا خیال کرنے یا دیکھنے سے نعوظ (استادگی) ہو کر مذی خارج ہو، اس کے خارج ہونے کے باعث وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر مادۂ تولید خارج ہو جائے تو غسل واجب ہو جائے گا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ لمس (چھونا) اجزائے بدن میں سے کسی جز و بدن سے بھی ہو' ناقض وضو نہیں ہے' خواہ لامس اور ملموس دونوں برہنہ ہوں۔ چنانچہ اگر کوئی وضو کے ساتھ اپنی بیوی کے ساتھ ایک ہی پلنگ پر لیٹ گیا اور وہ دونوں برہنہ تھے' اور ایک کا وجود دوسرے سے لگ گیا' تو دونوں میں سے کسی کا وضو نہیں ٹوٹے گا' بشرطیکہ دو باتیں پیش نہ آئی ہوں: ایک یہ کہ مذی وغیرہ خارج نہ ہوئی ہو' دوسرے یہ کہ شرم گاہیں باہم نہ لگی ہوں۔ ایسی صورت میں مرد کا وضو ٹوٹ جائے گا' اگر اس کو ایستادگی ہوئی اور دونوں کے درمیان بدن کی حرارت کے احساس سے مانع ہونے والی کوئی شے حائل نہ رہی ہو۔ لیکن عورت کا وضو محض شرم گاہوں کے باہم مس کرنے ہی سے ٹوٹ جائے گا درانحالیکہ مرد کو ایستادگی ہوئی ہو۔

اگر دو عورتیں برہنہ حالت میں اکٹھی لیٹیں اور ان کی شرم گاہیں باہم مل جائیں تو دونوں کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ اب رہی وہ صورت کہ دو برہنہ مرد ایک دوسرے سے لگ گئے' جیسا کہ بالعموم حمام میں ہجوم کے اندر ایسا ہو جاتا ہے' تو ایسی صورت میں دونوں میں سے کسی کا وضو نہیں ٹوٹتا' بشرطیکہ لمس کرنے والے کو استادگی نہ ہوئی ہو۔

ان مسائل کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس میں حنفیہ دوسرے تمام ائمہ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ مالکیہ کے نزدیک وضو کا ٹوٹنا لذت کا ارادہ کرنے یا احساس لذت پر موقوف ہے۔ ان کو بوڑھی عورت (جو شہوت انگیز نہ ہو) سے مس کرنے کے مسئلہ میں شافعیہ اور حنابلہ سے اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ ٹوٹ

Marfat.com

نواقض وضو کی تیسری قسم میں وہ امور ہیں جو دونوں راستوں میں سے کسی سے اخراج کا سبب ہوتے ہیں۔ مثلاً ہاتھ سے مس کرنا۔ اس کے متعلقہ مسائل کی تفصیل یہ ہے کہ یہ چھونا یا تو خود اپنے تئیں مس کرنا ہے، یا کسی غیر کو مس کرنا ہے۔ اگر کسی غیر کو مس کیا تو وہ لامس (ہاتھ لگانے والے) کے زمرہ میں ہے۔ اور اس پر متذکرہ سابقہ تمام احکامات نافذ ہوں گے۔ لیکن اگر کسی نے خود اپنے تئیں مس کیا تو ایسی صورت میں یہ عام بات ہے کہ انسان خود اپنے اعضائے بدن میں سے کسی کو ہاتھ لگائے تو اس میں لذت نہیں ہوتی۔ لیکن اس باب میں ایسی احادیث وارد ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے عضو مخصوص کو ہاتھ لگائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ساتھ ہی بعض دوسری احادیث میں آیا ہے کہ اس کو مس کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ چنانچہ اس باب میں جدا جدا مسلک ہو گئے ہیں۔

جو اصحاب یہ کہتے ہیں کہ عضو مخصوص کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، وہ ان حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جنہیں ابن ماجہؒ کے سوا دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کی بابت (حکم) دریافت کیا گیا جو نماز کے دوران اپنے عضو مخصوص کو ہاتھ لگائے، حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ "هل هو إلا بضعة منک" (یعنی وہ بھی تمہارے جسم کا ایک حصہ ہونے کے سوا اور کیا ہے)؟ اس حدیث کو ابن حبان نے بھی اپنی "صحیح" میں روایت کیا ہے اور امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ اس باب میں جو روایات آئی ہیں ان میں یہ حدیث سب سے زیادہ حسن ہے۔

جو اصحاب یہ کہتے ہیں کہ عضو مخصوص کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، انہوں نے متعدد احادیث سے استدلال کیا ہے: منجملہ ان کے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے: "من مس ذکره

جاتا ہے۔ اسی طرح بے ریش خوبصورت لڑکے کو ہاتھ لگانے کے بارے میں بھی ان کو اختلاف ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور شافعیہ وحنابلہ کہتے ہیں کہ نہیں ٹوٹتا۔ البتہ اس امر میں متفق ہیں کہ لمس سے وضو نہیں ٹوٹتا بجز اس حالت کے جب کہ ملموس (جس کو ہاتھ لگایا گیا) برہنہ ہو یا محض پتلی سی کوئی شے حائل ہو۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی کپڑے پہنے ہوئے ہو اور باوضو شخص اس کو ہاتھ سے پکڑ لے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

بالوں کو مس کرنے کے بارے میں بھی ان کو اختلاف ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ جب کوئی مرد عورت کے بالوں کو ہاتھ لگائے تو وضو ٹوٹ جائے گا' بشرطیکہ مزے کی خاطر ہاتھ لگایا ہو'یا (ارادہ نہ ہو لیکن ہاتھ لگانے میں) مزہ آیا ہو' کیوں کہ بال ایسی چیز ہیں جس میں لذت ہونے کے متعلق بلانزاع سب کو اتفاق ہے۔ اس کے برخلاف عورت نے اگر اپنے بالوں سے کسی مرد کو مس کیا تو اس سے عورت کا وضو نہیں ٹوٹا کیوں کہ بال میں حس نہیں ہوتی۔ لیکن حنابلہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ بال مس کرنے سے وضو ٹوٹتا ہی نہیں۔

Marfat.com

فلیتوضأ" (یعنی جو شخص اپنے عضو مخصوص کو مس کرے اسے چاہیے کہ وہ وضو کر لے) چنانچہ ائمہ ثلاثہ کا اس پر اتفاق ہے کہ عضو مخصوص کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ صرف حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اندریں باب ان کا مسلک تفصیل طلب ہے۔ (۱)

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ عضو مخصوص کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا' اگر چہ شہوت کے ساتھ ہو' خواہ ہتھیلی سے مس کیا جائے یا انگلیوں کے اندرونی جانب سے' کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص جو غالباً بدوی (دیہاتی) تھا' آیا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اس شخص کی بابت کیا حکم ہے جو نماز میں اپنے عضو مخصوص کو ہاتھ لگائے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "هل هو إلا بضعة منك اور مضغة منك" (یعنی سوا اس کے کہ یہ تمہارے وجود کا ایک حصہ یا ایک لوتھڑا کے اور کیا ہے؟) تاہم (حنفیہ) کہتے ہیں کہ اختلاف علماء سے بچنے کے لیے مستحب یہ ہے کہ (ہاتھ لگایا ہو تو) وضو کر لیا جائے کیوں کہ وہ عبادت جس پر سب متفق ہوں اس عبادت سے بہتر ہے (جس کے عبادت ہونے) میں اختلاف ہے' بشرطیکہ اس میں اپنے مسلک کی رو سے کسی امر ناخوشگوار کا ارتکاب نہ ہو۔

واضح ہو کہ بعض حنفیہ نے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے کہ "من مس ذكره فليتوضأ" (یعنی جس نے اپنے عضو مخصوص کو مس کیا ہو اسے چاہیے کہ وضو کرے) معنے اس طرح قرار دیے ہیں کہ یہاں لفظ 'وضوء' سے مراد اس کے لغوی معنے یعنی ہاتھ کو دھو لینا ہے۔ چنانچہ (ان کے نزدیک) نماز کا ارادہ ہو تو ہاتھوں کو دھو لینا امر مندوب ہے۔

اسی طرح بدن کے کسی حصے کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا' چنانچہ اگر کسی نے اپنے پاخانے کے مقام کو ہاتھ لگایا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ لیکن اگر انگلی یا کوئی چیز' مثلاً حقنہ (دوائی چڑھانے کی نلکی) کا سرا داخل کیا گیا اور وہ چھپ گیا تو وضو ٹوٹ جائے گا کیوں کہ یہ عمل اندرونی حصے میں کچھ ڈالنے اور پھر نکالنے کے برابر ہے (جو ناقض وضو میں سے ہے) اگر کچھ حصہ داخل ہوا اور اندر غائب نہیں ہوا تھا کہ اسے نکال لیا گیا تو دیکھنا چاہیے کہ اگر وہ ہے یا اس میں بو ہے تو وضو ٹوٹ جائے گا' ورنہ نہیں۔ اسی طرح عورت اگر اپنی انگلی یا روئی وغیرہ اندام نہانی میں ڈالے اور تر برآمد ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا' ورنہ نہیں ٹوٹے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ عضو مخصوص کو ہاتھ لگانے سے وضو اس حالت میں ٹوٹے گا جب کہ یہ شرائط پائی جائیں: مثلاً یہ کہ اس نے اپنے ہی عضو مخصوص کو' جو اس کا جزو بدن ہے' مس کیا ہو۔ پس اگر کسی اور شخص کے عضو مخصوص کو مس کیا تو وہ "لامس" (ہاتھ لگانے والا) کے زمرے میں ہوگا اور اس پر لامس کے متعلقہ مسائل (جن کی تفصیل گزر چکی ہے) نافذ ہوں گے۔

اور یہ کہ وہ بالغ ہو اگر چہ مخنث ہو' لہٰذا بچہ اگر اپنے عضو مخصوص کو مس کرے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

اور یہ کہ لمس ہتھیلی یا ہتھیلی کے پہلو سے یا انگلیوں کے اندرونی جانب سے یا انگلی کے سرے سے کیا جائے' اگر چہ وہ انگلی زائد ہو' مگر حس سے خارج اور ناکارہ نہ ہو' بلکہ کام کرنے میں دوسری انگلیوں کے برابر ہو۔

اگر اعضائے جسم میں سے کسی اور حصہ مثلاً ران یا ہاتھ (کے اوپری حصے بازو کلائی وغیرہ) سے مس کیا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اسی طرح کسی لکڑی کے ساتھ مس کرنے یا (حائل کپڑا وغیرہ) کے اوپر سے مس کیا جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ غرض وضو جب ہی ٹوٹتا ہے کہ مذکورہ بالا تمام شرائط پائی جائیں۔ خواہ اس سے لذت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو' اور خواہ قصداً (ہاتھ لگایا)

Marfat.com

نواقض وضو کی چوتھی قسم وہ ہے جس کا تعلق دونوں راستوں کے علاوہ کسی اور راستے خارج ہونے والی اشیاء سے ہے، یعنی وہ مادہ جو انسان کے بدن کے کسی اور حصے سے، آگے یا پیچھے کے راستے سے خارج ہو، جیسے پیپ جو پھوڑے سے نکلے، یا خون جو اسی طرح یا زخم وغیرہ سے باہر آئے، یہ سب نجس اشیاء ہیں۔ ان (کے نکلنے) سے وضو جاتا رہتا ہے۔ بموجب تفصیل مسالک۔ (۱)

ہو یا بے خبری میں۔

عورت اگر اپنی شرم گاہ کو مس کرے تو اسکا وضو نہیں ٹوٹتا' خواہ اس میں انگلی داخل کرے اور لذت محسوس کرے۔

پاخانہ کے مقام کو نہ ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹتا ہے اور نہ بقول راجح انگلی داخل کرنے سے۔ اگرچہ بلا ضرورت ایسا کرنا حرام ہے۔

عضو مخصوص کے سرے کو جہاں سے کاٹا جاتا ہے' ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا' خواہ اس سے لذت کا احساس ہو۔

کسی دوسرے شخص کے پاخانہ کے مقام کو چھونا یا کسی عورت کی شرم گاہ کو مس کرنا "لمس" کے حکم میں ہے' اس کے متعلقہ احکام وہی ہیں' جو ملامسہ (یعنی باہم مس کرنے) کے ہیں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ عضو مخصوص کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے' خواہ وجود انسانی کے ساتھ جڑا ہوا ہو یا علیحدہ ہو' بشرطیکہ جسم سے علیحدہ ہو کر وہ ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو گیا ہو (کیونکہ اس صورت میں) عضو مخصوص کا اطلاق ہی اس پر نہ ہوگا۔

عضو مخصوص کی پھننگ کو جہاں سے کاٹا جاتا ہے' چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

(عضو مخصوص کو) چھونے سے جن حالات میں وضو ٹوٹتا ہے' وہ یہ ہیں:

ہتھیلی یا انگلی کے اندرونی جانب سے مس کیا جائے۔ ہتھیلی اور انگلیوں کا اندرونی حصہ وہ ہے جو دونوں ہاتھوں کو ذرا بھینچنے سے چھپ جاتا ہے۔ پس ہتھیلی کے پہلو یا انگلیوں کے کنارے یا ان کی درمیانی جگہ کے ساتھ مس کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

واضح ہو کہ شافعیہ اور حنابلہ وضو ٹوٹنے کے لیے یہ شرط تسلیم نہیں کرتے کہ اپنے عضو مخصوص کو مس کیا جائے (تب ہی وضو ٹوٹتا ہے)۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ حکم دوسرے شخص کے عضو مخصوص کو بھی شامل ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ عضو مخصوص کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے' خواہ اپنا ہو یا غیر کا یا کسی چھوٹے بچے کا یا میت کا۔ اور وضو جو ٹوٹتا ہے وہ مس کرنے والے کا ٹوٹتا ہے جس کو مس کیا جائے اس کا نہیں ٹوٹتا۔

عورت اگر اپنی اندام نہانی کو ہاتھ لگائے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ اسی طرح جس کسی نے اسے ہاتھ لگایا تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ اسی طرح جس کسی نے اپنے ہاتھ لگایا اس کا وضو بھی ٹوٹ جائے گا۔ ان کے نزدیک پاخانہ کے مقام (کو ہاتھ لگانے) کا بھی وہی حکم ہے جو اندام نہانی کا ہے۔ بخلاف خصیوں اور پیڑو کے کہ ان کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ آگے یا پیچھے کی راہ کے علاوہ' جس کے مسائل اوپر بیان ہوئے' تمام بدن کے کسی حصے سے کوئی نجس شے جو خارج ہو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ بشرطیکہ مقدار زیادہ ہو۔ اور مقدار کا زیادہ یا کم ہونا ہر شخص کے اپنے اپنے جسمانی حالات پر موقوف ہے۔ یعنی مقدار خون کا اندازہ قوت وضعف اور دبلا اور موٹا ہونے کے اعتبار سے لگایا جائے گا۔

Marfat.com

مرتد ہو جانے (۱) (مذہب اسلام سے پھر جانے) سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔ بسا اوقات اس صورت حال سے مغلوب الغضب جہلاء دوچار ہوتے ہیں کہ (غصے میں آکر) دین کو گالی دینے لگتے ہیں اور بے دھڑک کلمات کفر بکنے لگتے ہیں۔ بعد میں شرمندہ ہوتے ہیں۔ ایسے اشخاص باوضو ہوں تو ان کا وضو جاتا رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ارتداد کی ذلیل حرکت کی سزا ہے، تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ مرتد ہونے سے انسانی اعمال برباد اور باطل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں گے اور اپنی زبان کو ایسے الفاظ سے روک لیں گے جس کا نقصان بہت زیادہ ہے اور فائدہ کچھ بھی نہیں۔

نماز میں قہقہے (۲) (یعنی کھلکھلا کر ہنسنے) سے وضو نہیں ٹوٹتا اور نہ ذبح شدہ اونٹ خواہ بچہ ہو یا

مثلاً کسی ناتوان جسم سے کچھ خون نکلا جو اس کی ناتوانی کے پیش نظر زیادہ متصور ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا' ورنہ نہیں ٹوٹے گا۔ قے کے بارے میں ان کا یہی خیال ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مرتد ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا' اگرچہ مرتد ہونے سے بہت سے دینی اعمال اور مالی تصرفات وغیرہ باطل ہو جاتے ہیں' جیسا کہ اس کتاب کے آئندہ صفحات میں بیان ہوگا۔ اس کی تفصیل وہاں پر ملاحظہ کی جائے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مرتد ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا' بشرطیکہ وہ شخص مرض سلسل بول وغیرہ سے محفوظ ہو۔ سلسل بول کے مریض کا وضو مرتد ہونے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایسے (مریض) کی طہارت کمزور ہو جاتی ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز میں قہقہہ (کھلکھلا کر ہنسنے) سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں جو احادیث آئی ہیں منجملہ ان کے وہ حدیث ہے جو طبرانی نے حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں درانحالیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ نماز میں مصروف تھے اتنے میں ایک شخص مسجد میں آیا اور اس گڑھے میں جو مسجد کے اندر تھا' لڑھک گیا' کیونکہ اس کی بصارت میں کچھ ضعف تھا۔ اس پر بہت سے لوگ نماز کے دوران ہنس پڑے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہنسنے والوں کو حکم دیا کہ پھر سے وضو کریں اور دوبارہ نماز پڑھیں۔

قہقہہ (کھلا کھلا کر ہنسنا) یہ ہے کہ ہنسنے کی آواز پاس کے لوگ سن سکیں۔ اگر ایسی حرکت کسی سے سرزد ہو جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا' خواہ وہ ہنسی دیر تک نہ رہی ہو' بخلاف اس صورت کے جب کہ ہنسی ایسی ہو کہ صرف خود کو سنائی دے اور پاس کا آدمی نہ سن سکے۔ اس سے وضو تو نہیں جاتا لیکن نماز باطل ہو جاتی ہے۔ نماز میں قہقہہ سے صرف بالغ کا وضو ٹوٹتا ہے' مرد ہو یا عورت' اور ہنسی قصداً آئی ہو یا بھولے سے آگئی ہو۔ اگر (ہنسنے والا) بچہ ہے تو اس کا وضو ہنسنے سے نہیں ٹوٹتا۔ اس میں بھی یہ شرط ہے کہ یہ ہنسی رکوع اور سجدے والی نماز میں آئی ہو' سجدۂ تلاوت وغیرہ میں قہقہہ سے سجدہ تو باطل ہو جاتا ہے' وضو نہیں ٹوٹتا۔

اگر نماز سے خارج ہونے کے ارادے سے سلام کی بجائے قصداً قہقہہ لگا دیا تو وضو ٹوٹ جائے گا' لیکن نماز ہو جائے گی' کیونکہ حنفیہ کے نزدیک ''سلام'' کے علاوہ کسی اور طریقہ سے بھی خروج من الصلوٰۃ (نماز کو ختم) کیا جا سکتا ہے۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔ باوجود اس کے اللہ سے دعا مانگنے کی بجائے ایسا کرنا بے ادبی بھی ہے اور ایک امر واجب یعنی

Marfat.com

جوان، کا گوشت کھانے سے اور میت کو غسل دینے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (۱)

حدث کے لاحق ہونے کے شبہہ سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا (۲) اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ وضو کرنے کا تو یقین ہے، پھر یہ شک لاحق ہوا کہ اس کے بعد حدث ہوا یا نہیں۔ اس شک سے وضو نہیں ٹوٹتا، اس واسطے کہ یہ شک (وضو میں نہیں بلکہ) حدث کے لاحق ہونے میں ہے۔ اور شک سے طہارت زائل نہیں ہوتی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ (ایک شخص کو) وضو کرنے کا یقین ہے، اور حدث لاحق ہونے کا بھی یقین ہے۔ لیکن شک یہ ہے کہ آیا حدث سے پہلے وضو کیا تھا کہ اب وضو ٹوٹ گیا یا حدث کے بعد وضو کیا تھا کہ ابھی وضو باقی ہے۔ ایسی صورت میں یہ سوچنا چاہیے کہ اس وضو اور حدث سے پہلے، جس کے متعلق شبہہ لاحق ہے، اور یہ طے نہیں کیا جا سکا کہ وضو پہلے کیا تھا یا حدث پہلے ہوا تھا، وضو تھا یا نہیں، اب دو ہی باتیں ہوں گی، اول یہ کہ یاد ہو کہ اس وقت (یعنی اس شبہہ والے وضو اور حدث سے پہلے) وضو نہ تھا تو اب اس شخص کو باوضو تصور کیا جائے گا کیونکہ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ یہ وضو یقیناً پہلے حدث کے بعد کیا گیا اور شک اس امر میں ہے کہ دوسری بار حدث لاحق ہوا یا نہیں اور یہ قاعدہ معلوم ہے کہ حنفیہ کے نزدیک (حدث میں) شک سے وضو کو نقصان نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ (ایک شخص کو یقین ہے) کہ ظہر کے بعد اس نے وضو بھی کیا اور حدث بھی لاحق ہوا لیکن شک اس امر میں ہے کہ آیا پہلے حدث (ناقض وضو) لاحق ہوا کہ (اس کے بعد وضو کرنے سے) وضو باقی ہے، یا وضو پہلے کیا تھا کہ (اس کے بعد حدث واقع ہونے سے) وضو ٹوٹ چکا ہے، لہٰذا اسے دیکھنا چاہیے کہ ظہر سے پہلے اس کی کیا کیفیت تھی۔ اگر یہ یاد ہے کہ اسے ظہر سے

سلام کا ترک بھی ہے' جیسا کہ نماز کے باب میں معلوم ہوگا۔

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ شتر جزور کا گوشت کھانے اور میت کو نہلانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ حدث میں یا اسباب حدث کے لاحق ہونے میں اگر شک ہو تو وضو ٹوٹ جاتا ہے مثلاً وضو کے بعد یہ شبہ ہو جائے کہ کہیں ریح تو خارج نہیں ہوئی' یا عضو مخصوص کو ہاتھ تو نہیں لگایا۔ یا ناقض وضو کے پیش آنے کے بعد یہ شک رہا کہ وضو کر لیا یا نہیں' یا حدث پیش آنے اور وضو کرنے کے بعد یہ شبہ رہا کہ پہلے وضو کیا یا پہلے حدث ہوا۔ یا وضو توڑنے والی شے کے لاحق ہونے اور وضو کرنے کے بعد یہ شک ہوا کہ وضو کرنے اور حدث لاحق ہونے میں سے کون سی بات پہلے ہوئی۔ ان تمام صورتوں میں وضو ٹوٹ جائے گا' کیوں کہ جب تک یقین نہ ہو' کوئی شخص بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ اور شک ہو تو اسے یقین نہیں کہا جا سکتا۔

Marfat.com

پہلے حدث واقع ہونے کا یقین ہے اور اس امر کا بھی یقین ہے کہ ظہر کے بعد وضو کیا گیا اور شک اس دوسرے حدث میں ہے جو ظہر کے بعد واقع ہوا کہ آیا یہ وضو سے پہلے ہوا یا بعد میں ہوا۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ حدث میں شک ہو تو وضو نہیں جاتا، لہٰذا وہ باوضو متصور ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ یاد ہو کہ ظہر سے پہلے وہ باوضو تھا، اس کے بعد وضوء بھی کیا اور حدث بھی لاحق ہوا (جس میں شبہ ہے کہ دونوں میں سے پہلے کیا ہوا تھا) اس صورت میں مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اس شخص کو تجدید وضو کی عادت ہے [1] تو یہ سمجھا جائے گا کہ فجر کے بعد وہ یقیناً بے وضو تھا کیونکہ ظہر سے پہلے اس کو وضو کا یقین ہے، پھر اس نے حسب عادت تجدید وضوء کیا اور حدث بھی لاحق ہوا لیکن یہ معلوم نہیں کہ دونوں باتوں میں سے پہلے کیا ہوا۔ (صورت یہ ہوئی کہ) اس کو وضو میں تو شک نہیں کیونکہ وہ پہلے یقینی طور پر باوضو تھا ساتھ ہی حدث لاحق ہونے کا یقین ہے۔ اور دوسرا وضو اس پہلے وضو کی تجدید کے طور پر یقیناً سابقہ حدث کے بعد کیا گیا تھا۔ لہٰذا ب تجدید وضو سے وہ حدث دور نہیں ہو سکتا جس کے لاحق ہونے کا یقین ہے۔ البتہ اگر تجدید وضو کی (اس شخص کو) عادت نہ تھی تو اب وہ باوضو متصور ہوگا، اس لئے کہ دوسری بار کا وضو اس حدث کو جس کے واقع ہونے میں شبہ ہے (حسب قاعدہ) دور کر دیتا ہے۔

ظاہر ہے کہ مسائل علمی نکات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا ذکر اس خیال سے کیا گیا ہے کہ طالبان علم کو فائدہ پہنچے۔ عام اشخاص کے لئے ضروری نہیں ہے کہ ایسے مسائل میں پڑیں، جب تک کہ ایسی کوئی ضرورت نہ لاحق ہو جائے، مثلاً کوئی شخص ایسے علاقہ میں ہو جہاں پانی کی قلت ہے یا بڑھاپے، کمزوری یا سردی کے باعث تازہ وضو کرنا دشوار ہو اور تیمم مباح نہ ہو یا ایسی ہی کوئی اور بات ہو۔

غرض علماء نے کسی مسئلہ کو بیان کرنے میں کوتاہی نہیں کی خواہ اس سے عوام کو فائدہ پہنچے یا خواص کو۔

استنجا اور رفع حاجت کے آداب کا بیان

نواقضِ وضوء کے سلسلے میں پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ پیشاب، فضلہ، مذی اور ودی کے خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس میں سب کا اتفاق ہے۔ گندگی خارج ہونے کے بعد پیشاب پاخانے کے مقامات کو آلودہ رہنے دینا اور محض وضو کر لینا (حصول طہارت کے لئے) کافی نہیں، بلکہ یہ بھی لازم ہے کہ جہاں جہاں سے گندگی خارج ہوئی ہے اس جگہ کو خشک اور پاک کیا جائے۔ لہٰذا یہ مناسب ہے کہ اس

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اس پر عمل کیا جائے گا جو پہلی حالت کے برعکس ہو اگرچہ تجدید وضو کی عادت ہو۔

Marfat.com

کے متعلقہ مسائل کو نواقض وضو (کے مسائل) کے متصل ہی بیان کر دیا جائے کیونکہ یہ بھی اسی کا حصہ ہے۔

استنجا کے ارکان (یعنی جن امور پر استنجا کا انحصار ہے) وہ چار ہیں:

مستنجی (استنجا کرنے والا) شخص، مستنجی منہ (وہ گندگی) جس سے پیشاب یا پاخانہ کی جگہ آلودہ ہو، مستنجی بہ (وہ شے جس سے گندگی کو دور کیا جائے) یعنی پانی اور ڈھیلے، اور مستنجی فیہ (وہ جگہ جس کو صاف کرنا ہے) یعنی پیشاب پاخانہ کا مقام۔ یہ چار امور ہیں جن کے بغیر استنجا نہیں ہوسکتا۔

ظاہر ہے کہ اس کا تعلق دو امور سے ہے: استنجا اور رفع حاجت۔ استنجا میں دو باتیں قابل ذکر ہیں: اول استنجا کی تعریف، دوم اس کے متعلقہ مسائل۔ رفع حاجت (یعنی پیشاب پاخانہ) کا تعلق تین امور سے ہے، ایک تو اس کا حکم، دوسرے وہ مقامات جہاں پر رفع حاجت کرنا منع ہے، تیسرے وہ باتیں جن کی موجودگی میں رفع حاجت ممنوع ہے۔ اب ان تمام کا بیان بالترتیب کیا جائے گا۔

استنجا کی تعریف

استنجا سے مراد اس گندگی کو جو آگے یا پیچھے کی راہ، یعنی پیشاب پاخانہ کے مقام سے خارج ہوئی ہو، ان مقامات سے دور کرنا ہے جہاں سے وہ خارج ہوئی ہے۔ اس کو پانی سے یا ڈھیلے وغیرہ سے دور کیا جاسکتا ہے۔ اس عمل کو استطابت (راحت حاصل کرنا) بھی کہتے ہیں۔ استجمار بھی اسی کا نام ہے اس لئے کہ استجمار (یعنی ڈھیلے کا استعمال) کی اصطلاح ان ہی ڈھیلوں (یا پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں) کے لئے استعمال ہوتی ہے جن کے ذریعے اس جگہ کو جہاں سے گندگی خارج ہوئی ہے، صاف کیا جائے۔ استجمار کا لفظ ''جمار'' سے مشتق ہے۔ جمار کے معنے چھوٹی چھوٹی کنکریوں کے ہیں۔ استجمار کو استطابت اس لئے کہتے ہیں کہ گندگی دور ہو جانے سے طبیعت کو خوشی اور راحت محسوس ہوتی ہے، اور اس کا نام استنجا اس لئے ہے کہ استنجا کا لفظ عربی زبان کے ایک فقرے سے ماخوذ ہے۔ درخت کو جڑ سے کاٹ دیا جائے تو کہتے ہیں "نجوت الشجرة" (یعنی میں نے درخت کو جڑ سے کاٹ دیا) استنجا کا مفہوم بھی یہی ہے کہ پلیدی کو اس کی جڑ سے کاٹ دیا جائے۔

استنجا (یعنی طہارت) کا اصل طریقہ تو یہ ہے کہ پانی استعمال کیا جائے، چنانچہ موجودہ امتوں سے پہلے کی امتوں میں شرعاً صرف پانی سے طہارت کرنے کا حکم تھا۔ چنانچہ روایت ہے کہ سب سے پہلے جس نے پانی سے طہارت کی وہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام تھے۔ لیکن مذہب اسلام نے عنایت اور سہولتِ عوام کے پیش نظر ڈھیلے وغیرہ اشیاء سے جن میں کوئی ضرر نہ ہو، طہارت کی اجازت دے

Marfat.com

دی ہے۔ تفصیل استنجا کے طریقوں کے بیان میں آگے آرہی ہے۔

استنجا کا حکم

استنجا جن معنوں میں ذکر کیا گیا ہے فرض ہے۔[1] ہر نجاست جو انسان کے جسم سے خارج ہو، خواہ وہ غیر معمولی ہو، جیسے خون، ودی یا مذی اس سے استنجا (پاک ہونا) واجب ہے۔ اور یہ ضروری ہے کہ استنجا سے پہلے اس نجاست کا خارج ہونا بند ہو چکا ہو، ورنہ استنجا بے سود ہوگا۔ (شافعی و حنبلی)

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ طہارت کرنا یا پانی سے طہارت کی بجائے ڈھیلے سے صاف کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ مردوں کے لیے بھی اور عورتوں کے لیے بھی' چنانچہ اگر کوئی مکلف انسان نہ کرے تو بقول راجح یہ امر مکروہ ہے۔ سنت مؤکدہ کا یہی مطلب ہے۔ اور پانی سے طہارت کرنا یا چھوٹے چھوٹے ڈھیلوں سے استنجا کرنا سنت مؤکدہ ہے' بشرطیکہ گندگی مخرج (یعنی جس مقام سے نکلی ہے) اس سے آگے نہ لگ گئی ہو۔ حنفیہ کے نزدیک ''مخرج'' سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سے نجاست خارج ہو اور وہ جگہ جو اس میں شامل ہے۔ جیسے پاخانہ کے مقام کا وہ حلقہ جو کھڑے ہونے کے وقت سربستہ ہو جاتا ہے اور اس میں سے کچھ نظر نہیں آتا۔ اسی طرح مردوں کے عضو مخصوص کا وہ حلقہ جو سوراخ کے اردگرد ہوتا اور جہاں سے پیشاب خارج ہوتا ہے۔

جسم سے خارج ہونے والا نجس مادہ خواہ وہ معتاد طریقے سے نکلے یعنی معمول کے مطابق نکلنے والی شے ہو (جیسے پیشاب وغیرہ) یا غیر معتاد طریقے سے مثلاً خون پیپ وغیرہ، یہ نجاست نکلنے کی جگہ سے آگے پھیل جائے اور اس کی مقدار ایک درہم سے زیادہ ہو تو اس کا صاف کرنا فرض ہوگا اور اس کے لئے پانی استعمال کرنا ضروری ہوگا، کیونکہ اب یہ کام نجاست کا دور کرنا ہے، استنجا نہیں ہے۔ اور نجاست دور کرنے کے لئے پانی کا استعمال فرض ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ پیشاب عضو مخصوص کے سوراخ سے تجاوز کر کے ایک درہم کی مقدار سے زیادہ حصہ پر پھیل جائے تو اسے پانی سے دھونا فرض ہے، اور بقول صحیح ڈھیلے وغیرہ سے صاف کرنا کافی نہیں ہے۔ اسی طرح غیر مختون کے قلفہ کی کھال کو بھی پیشاب کی آلودگی سے پاک کرنا ہوگا۔ ڈھیلے وغیرہ سے رگڑنا کافی نہیں ہے، جیسا کہ صاحبین کا خیال ہے۔ لیکن امام محمدؒ کے نزدیک نجاست اگر مخرج سے تجاوز کر جائے تو اس کا دھونا واجب ہے، خواہ اس کی مقدار ایک درہم سے زیادہ نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اس تمام نجاست کا جو مخرج پر ہو پانی سے دھونا لازم ہوگا کیونکہ مخرج سے بڑھی ہوئی نجاست کو دھوتے وقت نجاست تمام ''جگہ'' پھیل جاتی ہے۔ اور احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے (کہ تمام جگہ کو پانی سے دھولیا جائے) اگرچہ قابل ترجیح عمل وہی ہے جو صاحبین نے اختیار کیا، کیونکہ بعض حالات میں ایسی صورت پیش آجاتی ہے، چنانچہ ایسے اطراف میں جہاں پانی بکثرت دستیاب ہے وہاں تو فی الواقع زیادہ محتاط طریقہ یہی ہے کہ پانی سے دھو کر طہارت حاصل کی جائے، کیونکہ اس سے نجاست بھی دور ہوتی ہے اور بدبو بھی جاتی رہتی ہے۔ البتہ ان اطراف میں جہاں پانی کی قلت ہے، مثلاً ریگستانی علاقہ، وہاں کے لئے صاحبین کی رائے نمایاں طور پر زیادہ کارآمد ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ انسان کے لئے پانی کا استعمال دشوار ہو۔

Marfat.com

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بقول حنفیہ جو نجاست مخرج کے عین اوپر ہے اس کا زائل کرنا سنت مئوکدہ ہے۔ یہ نجاست معمول کے مطابق خارج ہونے والی ہو، جیسے پیشاب پاخانہ، یا غیر معمولی جیسے مذی، ودی اور خون وغیرہ، خواہ اس کو پانی سے زائل کیا جائے، یا کسی اور طریقہ سے۔ اس کو استنجا اور استجمار یا استطابت کہتے ہیں۔ لیکن اگر نجاست مخرج سے تجاوز کر جائے تو اس کا ازالہ فرض ہوتا ہے اور اس کو استنجا نہیں بلکہ ازالۂ نجاست کہتے ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ اگر نجاست متجاوزہ مقدار درہم سے زیادہ ہے تو آیا اسے پانی سے دھونا لازم ہے؟ اس باب میں امام محمد اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے۔ امام محمد کہتے ہیں کہ (متجاوز نجاست کو) پانی سے دھونا واجب ہے، خواہ اس کی مقدار درہم کے برابر نہ ہو۔ اور صاحبین کہتے ہیں کہ جب تک وہ نجاست مقدار درہم سے زیادہ نہ ہو پانی سے دھونا واجب نہیں ہے۔

(طہارت کے مسائل) مرد اور عورت دونوں کے لئے یکساں ہیں۔ البتہ استبراء عورت پر واجب نہیں ہے۔ ''استبراء'' سے مراد یہ ہے کہ پیشاب کا قطرہ یا پاخانہ جو ہنوز مخرج پر رکا ہوا ہے اس کو پورے طور پر خارج ہونے دیا جائے، یہاں تک کہ یہ گمان غالب ہو جائے کہ اس جگہ کچھ باقی نہیں ہے۔ عورت پر یہ عمل واجب نہیں ہے، البتہ یہ واجب ہے کہ پیشاب پاخانے سے فارغ ہونے کے بعد تھوڑی دیر توقف کرے، اس کے بعد استنجا (پانی سے) یا ڈھیلے کا استعمال یا دونوں باتیں کرے۔

واضح ہو کہ ڈھیلا استعمال کرنے کے بعد اگر نجاست کا اثر باقی رہ گیا اور مقام براز کا پسینہ کپڑے کو لگ گیا تو کپڑا نجس نہ ہوگا، خواہ اس کی مقدار ایک درہم سے زیادہ ہو۔ بخلاف اس کے کہ اگر استنجے کا ڈھیلا تھوڑی مقدار پانی، مثلاً چھوٹے سے ٹب کے پانی میں جا پڑے تو وہ پانی نجس ہو جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ استنجا درحقیقت نام صرف اس نجاست کے دھونے کا ہے جو مخرج پر لگی ہو، اور یہ فرض نہیں ہے، کیونکہ فرض اس نجاست کا دھونا ہے جو مخرج سے تجاوز کر گئی ہو۔ اور یہ ازالہ نجاست ہے (استنجا نہیں)۔ استنجا تو کبھی محض مستحب ہوتا ہے مثلاً کسی نے پیشاب کیا اور پاخانہ نہیں کیا تو جہاں سے پیشاب نکلا ہے اس کو دھونا مستحب ہے۔ البتہ اگر پیشاب اپنے مخرج سے تجاوز کر کے پھیل جائے تو اس کا دھونا واجب ہوگا۔ اور یہ نجاست کا دھونا ہے (استنجا نہیں)۔ استنجا کرنا کبھی بدعت ہو جاتا ہے، مثلاً ریح خارج ہونے پر استنجا کرنا بدعت ہے۔

واضح ہو مقدار درہم منجمد نجاست ہو تو ۲۰ قیراط وزن کے برابر ہے اور مائع نجاست ہو تو اس کی مقدار ہتھیلی کے گڑھے کے برابر ہے۔ وزن کے اعتبار سے ایک قیراط پانچ بن چھلے جو کہ برابر ہوتا ہے۔ اور اس زمانے میں یہ مشہور ہے کہ قیراط کا وزن ایک 'خروبہ' ☆ کے برابر ہوتا ہے خروبہ سے مراد درخت خروب کے ایک اوسط درجہ کا دانہ ہے جس کا وزن شہری گندم کے چار دانوں کے مساوی ہوتا ہے، اور ایک درہم کی مقدار سولہ خروبہ کے برابر ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ انسان اس مقدار کا ایک تقریبی اندازہ ہی لگا سکتا ہے، لیکن اس میں احتیاط کا پہلو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ استنجا وغیرہ دراصل مستحب امور ہیں۔ لہٰذا قضائے حاجت کے بعد مستحب یہ ہے کہ جہاں سے نجاست خارج ہوئی ہے اس جگہ کو پانی یا ڈھیلے سے صاف کر لیا جائے۔ ان کا کہنا ہے کہ چند صورتوں میں پانی سے دھونا واجب ہے۔ منجملہ ان کے عورت کا پیشاب ہے، خواہ وہ کنواری ہو یا شادی شدہ۔ اس پر واجب ہے کہ تمام شرمگاہ کو، جو

☆ خروبہ ہسپانیہ میں پیدا ہونے والی ایک بوٹی کا نام ہے۔ بقیاس غالب اس کو خیار تلسر کہتے ہیں۔ اس کی پھلی خم کھائی ہوئی ہوتی ہے۔

Marfat.com

رفع حاجت کے آداب کا بیان

یہ بتایا جا چکا ہے کہ قضائے حاجت یعنی پیشاب وغیرہ کرنے کے متعلق شارع علیہ السلام نے چند طریقے مقرر فرمائے ہیں۔ منجملہ ان کے وہ احکام ہیں جن کا تعلق خصوصیت کے ساتھ ازالہء نجاست سے ہے۔ اگر نجاست کو پانی سے زائل کیا جائے تو اسے (استنجا) کہتے ہیں۔ اگر پانی کے علاوہ کسی اور چیز، مثلاً پتھر

بیٹھنے میں نمایاں ہوتی ہے، دھویا جائے، خواہ نجاست اپنے مخرج سے نکل کر پاخانے کے مقام کی جانب جائے یا نہ جائے۔ اگر نجاست مخرج سے بڑھ جاتی اور لازمی طور پر ایسا ہوتا ہے، بایں طور کہ دن میں ایک بار یا زیادہ بار ایسا ہی ہوتا ہے تو اس حالت میں سلسل بول کی طرح یہ بھی قابل درگزر ہوگا۔

اور (وجوب غسل کی صورتوں کے منجملہ) یہ ہے کہ اگر نجاست اپنے مخرج سے تجاوز کر کے بہت دور پھیل جائے، بایں طور کے جو جگہ بالعموم نجاست سے آلودہ ہوا کرتی ہے اس سے زیادہ جگہ پھیل کر نجس کر دے مثلاً یہ کہ فضلہ (خارج ہو کر) ٹھڈی تک پہنچ جائے یا پیشاب مقام مخصوص کے بالائی حصے (سپاری) کو آلودہ کر دے تو واجب ہو جاتا ہے کہ تمام عضو کو پانی سے دھویا جائے۔ لہذا محض اس حصے کو جو نجاست کے پھیل جانے سے آلودہ ہوا ہے، دھونا صحیح نہ ہوگا، یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ معمول کے مطابق لذت کے ساتھ مذی خارج ہو (کہ مخرج سے تجاوز کرے تو سارے عضو کو دھونا واجب ہے) اور بقول معتمد عضو مخصوص کا پورا دھونا طہارت کی نیت سے واجب ہے۔ اگر نیت کے بغیر پورا عضو دھو لیا اور نماز پڑھ لی تو بقول معتمد نماز صحیح ہوگی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں ہوگی۔

اس حالت میں جبکہ مادۂ تولید خارج ہو اور غسل جنابت واجب نہیں جس کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ وہ شخص ایسی جگہ ہو جہاں غسل کے لئے کافی پانی موجود نہیں تو اس پر تیمم فرض ہوگا، لیکن عضو مخصوص پر لگے ہوئے مادۂ تولید کو پانی سے دھونا واجب ہوگا، تمام عضو کو دھونا واجب نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی ایسا مرض لاحق ہے جو غسل سے مانع ہو اور تیمم فرض ہو (تب بھی بموجب سابق عمل واجب ہے) دوسری صورت (غسل جنابت واجب نہ ہونے کی) یہ ہے کہ مادۂ تولید کا انزال بطور مرض سلسل بول کے ہوتا ہو، بایں طور کے ہر روز دن میں (کم از کم) ایک بار انزال ہو جاتا ہو تو اسے معافی ہے، استنجا لازم نہیں، نہ پانی سے اور نہ ڈھیلے سے۔ یہی حکم صورت اول میں بھی ہے۔

یہ تمام مسائل اس حالت میں ہیں جبکہ کافی پانی دستیاب ہو، بصورت دیگر ان میں سے کوئی بات واجب نہیں ہے۔

اسی طرح حیض و نفاس کی صورت میں اگر عورت معذور ہو تو نہانے کا حکم اس پر سے جاتا رہتا ہے، ورنہ تمام بدن کا دھونا واجب ہے، جیسے (مردوں کے لئے) مادۂ تولید کے خارج ہونے پر واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر عورت حیض یا نفاس سے فارغ ہو جائے لیکن کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ پانی سے نہ نہا سکے یا ایسی جگہ پر ہو جہاں اتنا پانی دستیاب نہیں ہے جو غسل کے لئے کافی ہو، یا ایسا ہی کوئی اور امر (مانع ناگزیر) موجود ہو تو اس پر فرض ہے کہ تیمم کر لے۔ اگر صرف اتنا پانی ہو کہ استنجا ہو سکتا ہے (غسل نہیں ہو سکتا) تو واجب ہے کہ پانی سے استنجا کر لے، کنکری وغیرہ سے رگڑنا کافی نہ ہوگا۔ واضح ہو کہ ریح خارج ہونے پر استنجا کرنا ایک مکروہ عمل ہے۔

Marfat.com

وغیرہ سے کیا جائے تو اس کو "استجمار" کہتے ہیں۔ مختلف مسالک میں استنجا کرنے کے جو احکام ہیں وہ سابقاً بیان کیے جا چکے ہیں۔ باقی رہے رفع حاجت کے آداب (طریقے) اس مقام پر بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ رفع حاجت فطری اعمال میں سے ہے، جس کی بجا آوری ہر انسان اپنے مخصوص حالات اور ماحول کے مطابق کرتا ہے، اس پر شرعی پابندیوں کا عائد کرنا بغیر اس کے کہ اس کی ضرورت لاحق ہو انسان کو مشکلات میں ڈالنا اور تکلف اٹھانے پر مجبور کرنا ہے۔ یہ اعتراض بھی ان لوگوں کے دوسرے اعتراضات کی مانند ہے جو شرعی ذمہ داریوں سے آزاد ہونا چاہتے ہیں ورنہ حیض اور مباشرت وغیرہ کے بارے میں جو پابندیاں شارع علیہ السلام نے عائد فرمائی ہیں، اور ان پابندیوں میں جن کا ذکر آگے آرہا ہے، آخر کیا فرق ہے؟

بڑی خوبی کی بات یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں اس کے بارے میں جو کچھ آیا ہے وہ تمام امور ایسے ہیں جنھیں عقل تسلیم کرتی ہے اور جو حفظ صحت کے تقاضوں کے مطابق ہیں، اور پاکیزگی کا جو طریقہ لازمی قرار دیا گیا ہے معاشرتی نظام کی لابدیات میں سے ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے جن امور کا حکم دیا ہے اگرچہ اس حکم کی علت و مصلحت کے متعلق سوال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ تمام تکلیفات شرعیہ جو انسان کے لئے مخصوص ہیں، وہ سب اللہ کی بندگی (عبادت) میں داخل ہیں اور انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جب تک اس کی بجا آوری سے عاجز نہ ہو اس سے روگردانی کرے، جیسا کہ بحثِ طہارت کے آغاز میں بیان کیا گیا۔ اس کے باوجود یہ تمام امور عقل کے مطابق ہیں اور انسان کے لئے جو عبادتیں شریعت میں مقرر کی گئی ہیں وہ صحتوری اور معاشرتی تقاضوں کے موافق ہیں۔ آخر کون ہے جو یہ کہتا ہے کہ گندگی سے پاک صاف ہونا ضروری نہیں ہے اور وہ کون ہے جو یہ کہہ سکے کہ اس کے لئے جو طریقے بتائے گئے ہیں، وہ انسان کے لیے مفید نہیں ہیں۔ دراصل شریعتِ اسلامیہ کے احکام تمام معاشرہ کی بہبود اور انسان کی بھلائی کے لئے ہیں، یہ تمام پابندیاں سودمند ہیں، کسی کو اس پر اعتراض کی مجال نہیں ہے۔

اب رفع حاجت کے متعلقہ احکام واجب، حرام، مندوب اور مکروہ بالترتیب بیان کیے جاتے ہیں:

اول وہ امور ہیں جو استنجا کے لئے واجب ہیں، مثلاً:

"استبرا" یعنی پیشاب پاخانہ کے بعد جو کچھ رہ جائے اس کو خارج کرنا، یہاں تک کہ یہ گمان غالب ہو جائے کہ اب وہ وہاں کچھ باقی نہیں ہے۔ بعض اشخاص کی عادت میں داخل ہے کہ چلنے پھرنے، کھڑے ہونے یا کسی حرکت کرنے سے جس کے وہ عادی ہیں، پیشاب کے رکے ہوئے قطرے نکل جاتے

Marfat.com

ہیں۔ ایسے اشخاص کو حسب عادت بطور خود ''استبراء'' واجب ہے۔ چنانچہ اگر پیشاب کے قطروں کا آنا بند ہو جانے میں شبہ ہو تو وضو کرنا جائز نہ ہوگا، اگر (بغیر تسلی کے) اسی حالت میں وضو کرلیا اور پیشاب کا قطرہ آ گیا تو وضو بے سود ہوگا۔ غرض یہ واجب ہے کہ رکی ہوئی نجاست کا اگر شبہ ہو تو سب کو خارج کر دیا جائے، یہاں تک کہ یہ گمان غالب ہو جائے کہ اب کچھ باقی نہیں رہا۔ اس امر کے واجب ہونے میں سب کا اتفاق ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، سوائے اس کے کہ بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ جب تک کچھ باقی رہ جانے کا گمان غالب نہ ہو[1] استبرا واجب نہیں ہے، بعض اصحاب کہتے ہیں ''استبراء'' واجب ہے یہاں تک کہ یہ گمان غالب ہو جائے کہ اب مقام (نجاست) پر کچھ باقی نہیں ہے، اور یہ بات معمولی ہے۔

دوسری (قابل لحاظ) بات وہ جگہ ہے جہاں پر رفع حاجت کرنا حرام ہے:

قبر کے اوپر رفع حاجت کرنا حرام ہے۔[2] اس کا سبب ظاہر ہے کہ مقبرہ نصیحت کا اور عبرت حاصل کرنے کا مقام ہے، لہٰذا یہ بڑی بدتمیزی اور بداخلاقی ہوگی کہ وہاں پر انسان اپنی شرمگاہ کھولے اور اس کو خارج ہونے والی گندگی سے آلودہ کرے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کی حدیث صحیح میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے زیارت قبور کی ترغیب فرمائی ہے تاکہ آخرت کی یاد آئے۔ پس یہ تو جہالت اور حماقت ہی ہے کہ کوئی شخص ایسے مقام کو جہاں پر لوگ حصول عبرت اور یاد آخرت کے لئے آتے ہیں، پیشاب، پاخانہ کی جگہ بنالے۔ قبروں پر رفعِ حاجت کی ممانعت کی غرض یہی ہے۔ اسی مقصد کی وہ احادیث ہیں جن کو مسلم اور ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''**لان يجلس احد كم على جمرة فتحرق ثيابه فتخلص الى جلده خير له من ان يجلس على قبر**'' (یعنی وہ شخص جو انگارے پر بیٹھ جائے جس سے کپڑے جل جائیں اور کھال جھلس جائے تو اس کے لئے یہ اچھا ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ کسی قبر پر بیٹھے) بعض علماء نے اس حدیث میں بیٹھنے کے لفظ سے قضائے حاجت کے لئے بیٹھنا مراد لیا ہے۔ حدیث میں اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے، لیکن حدیث سے یہ مدعا ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں پر بیٹھنے سے مراد گپ شپ

واضح ہو کہ ریح خارج ہونے پر استنجا کرنا ایک مکروہ عمل ہے۔

۱۔ صرف شافعیہ اس امر کے قائل ہیں کہ جب تک یہ گمان غالب نہ ہو کہ نجاست کے مقام پر کچھ باقی ہے، تب تک 'استبراء' واجب نہیں ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ قبروں پر رفع حاجت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور بہر حال تمام حنفیہ اور دوسرے اہل مسالک اس امر میں متفق ہیں کہ ایسا کرنے والا گنہگار ہے۔ دوسرے مسلک والوں کا کہنا یہ ہے کہ یہ سخت گناہ ہے، اور ان اسباب کے

Marfat.com

کرنے یا جی بہلانے کے لئے بیٹھنا ہے۔ جیسا کہ بعض دیہاتی گنوار کیا کرتے ہیں۔ یہ لوگ کسی قبر پر بیٹھ جاتے تھے تاکہ سورج کی دھوپ کھائیں یا سائے میں بیٹھ کر بات چیت کریں۔ شہر والے بھی بعض مواقع پر اکٹھے ہو کر ایسا ہی کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا کرنا نصیحت پکڑنے اور خشیت الٰہی کے اس مقصد کے منافی ہے جو قبروں کی زیارت میں پیش نظر ہے۔ مزید براں ایسی حرکت سے مقبروں کی توہین ہے۔ چنانچہ اسی پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو ابن ماجہ میں بسند جید آنحضرت ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: " لان امشی علی جمرة او صیف او اخصف نعلی بر جلی احب الی من ان امشی علیٰ قبر " (یعنی اگر میں کسی انگارے پر یا شدت گرما میں چلوں یا جوتی کو پاؤں کی کھال سے گانٹھوں تو یہ مجھے زیادہ مرغوب ہوگا بہ نسبت اس کے کہ کسی قبر پر چلوں)۔ لفظ (صیف) سے مراد زمین کا شدت سے تپنا ہے اور "خصف النعل" سے مراد جوتی میں تھگلی لگنا ہے۔ اس میں جو شدت تکلیف ہے وہ ظاہر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بہتر سمجھتے ہیں کہ جوتی میں پیروں کی کھال سے تھگلی لگائیں، بہ نسبت اس کے کہ قبر پر چلیں۔

اس کے متعلقہ تفصیلی مسائل ان شاءاللہ جنازہ کے بیان میں مذکور ہوں گے۔

تیسرے یہ کہ ان مقامات میں سے جہاں رفع حاجت کرنا جائز نہیں ہے، ٹھہرا ہوا پانی ہے جس میں قضائے حاجت ممنوع ہے۔ ٹھہرا ہوا پانی وہ ہے جو بہتا نہ ہو۔ حضرت جابرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت فرمائی ہے کہ حضور ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے (بروایت مسلم و ابن ماجہ وغیرہ) پیشاب کی ممانعت میں پاخانہ کرنا بھی شامل ہے کیونکہ یہ اس سے بڑی برائی ہے، لہٰذا اس کی ممانعت زیادہ سختی سے ہے۔

ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت کے بارے میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔[1]

پیش نظر جو اوپر بیان کیے گئے، دوسرے اصحاب کا مسلک واضح تر ہے۔

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں رفع حاجت کرنا حرام ہے، بشرطیکہ پانی تھوڑا ہو۔ لیکن اگر پانی بہت زیادہ ہو، جیسے بڑے بڑے باغات کی جھیل ہو یا بڑا حوض تو اس میں پیشاب کرنا حرام نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ کسی غیر کی ملکیت ہے اور اس کے استعمال کی اجازت نہیں دی گئی یا استعمال کی اجازت ہے لیکن پیشاب کی اجازت نہیں تو اس میں پیشاب کرنا حرام ہے۔ اگر بہتا پانی ہو تو اس میں پیشاب کرنا جائز ہے، سوا اس صورت کے کہ وہ کسی اور کا مملوکہ ہو اور اس

Marfat.com

واضح ہو کہ فقہ کا یہ حکم ان بہترین احکام میں سے ہے جواز روئے علم مسلمہ اور عقل سلیم کے نزدیک پسندیدہ ہیں، کیوں کہ وہ پانی جو نفع رسانی کے لئے ہے اس کو گندہ کرنا خصائل ذمیمہ میں سے بدترین خصلت ہے۔ مزید برآں ایسا کرنے سے متعدی امراض ''بلہارسیا'' وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ غرض یہ بات مذہب اسلام کے محاسن میں سے ہے کہ اس کی جس قدر عبادتیں ہیں وہ انسانی بہبود کے تقاضوں پر پوری اترتی ہیں۔

چوتھے یہ کہ رفع حاجت ایسی جگہ کرنا حرام ہے جہاں سے پانی بہہ کر آتا ہو اور جہاں لوگوں کی آمدو رفت ہو، یا جہاں آرام کے لئے سایہ موجود ہو۔ [1] چنانچہ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اتقوا اللاعنین'' (یعنی لاعنین سے بچو) لوگوں نے سوال کیا کہ یارسول اللہ لاعنان سے کیا مراد ہے؟ ارشاد ہوا: ''الذی یتخلی فی طرف الناس او فی ظلھم''۔ مسلم (یعنی وہ جو لوگوں کی گزرگاہ یا سایہ کی جگہ

کے استعمال کی اجازت نہ دی گئی ہو، یا وہ پانی وقف ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ ٹھہرے ہوئے اور تھوڑے پانی میں رفع حاجت کرنا سخت حرام ہے اگر پانی زیادہ ہو تو اس میں پیشاب کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پانی زیادہ ہو تو حرمت (بہرحال ہے لیکن) کم ہے، اور اگر بہتا پانی ہو تو اس میں پیشاب کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ سوا اس صورت کے جب کہ وہ پانی کسی اور کی ملکیت ہو اور اس میں پیشاب کی اجازت نہ ہو تو اس میں پیشاب کرنا حرام ہے، خواہ وہ پانی زیادہ ہو۔ یہی حکم وقف شدہ پانی کا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ پانی میں رفع حاجت کرنا حرام ہے، خواہ پانی ٹھہرا ہوا ہو یا بہتا پانی ہو، کم ہو یا زیادہ ہو۔ البتہ دریاؤں کا پانی مستثنیٰ ہے۔ اس میں حرام نہیں ہے۔ اس واسطے کہ بعض اوقات ضروریات سفر کا تقاضا ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے دریا وسیع ہوتے ہیں اور نجاست کا اثر اس میں نمایاں نہیں ہوتا۔ (ان کے نزدیک) ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا مکروہ ہے، حرام نہیں ہے، جس طرح بہتے پانی اور زیادہ پانی میں پیشاب کرنا مکروہ ہے، بہتے ہوئے تھوڑے پانی میں مکروہ نہیں (بلکہ حرام ہے) یہ تمام مسائل اس صورت میں ہیں جب کہ پانی وقف کا نہ ہو اور نہ اس کا مالک کوئی اور ہو اور اس کے استعمال کی عام اجازت نہ ہو۔ بہ صورت دیگر اس میں رفع حاجت کرنا قطعاً حرام ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ پانی تھوڑا ہو، یا بہت ہو، اس میں قضائے حاجت حرام نہیں ہے، لیکن اگر اس پانی کا کوئی اور مالک ہو جس کے استعمال کی اجازت نہ ہو یا جاری ہو، لیکن بہت زیادہ مقدار میں نہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں اس پانی کے اندر رفع حاجت حرام ہے، لیکن شافعیہ کے ہاں کراہت کے متعلق رات اور دن کے جدا جدا احکام ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تھوڑا پانی ہو تو اس میں دن کے وقت رفع حاجت مکروہ ہے، خواہ ٹھہرا ہوا پانی ہو یا بہتا ہوا پانی ہو۔ لیکن رات کو پانی میں پیشاب کرنا مکروہ ہے، خواہ پانی قلیل ہو یا کثیر ہو۔

۱۔ شافعیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ ان تمام مقامات پر رفع حاجت کرنا مکروہ ہے، بشرطیکہ وہ جگہ آمدورفت کے لئے

Marfat.com

(شیڈز وغیرہ کو) بیت الخلاء بنائے) حضور علیہ السلام کے ارشاد میں لفظ "الـلاعنین" سے مراد وہ دو امور (یعنی پیشاب، پاخانہ) ہیں جن کے مرتکب مستوجب لعن وطعن ہو جاتے ہیں، کیوں کہ وہ شخص جو لوگوں کی راہ گزر میں پیشاب یا پاخانہ کرتا ہے وہ گویا اپنی اس ایذاء دہ حرکت سے اپنے آپ کو مورد سب وشتم بنالیتا ہے۔

حضرت معاذؓ ابن جبل سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: "اتـقـو الـملاعن الثلاث: البرازفی الموارد و قارعة الطريق والظل"۔ ابو داؤد (یعنی لعنت کے تین موارد سے بچو: پانی کے گھاٹ پر پاخانہ کرنا یا راستہ کے سرے پر کرنا یا اس سایہ کی جگہ پر جو آرام کے لئے ہے)۔ اس حدیث میں لفظ "ملاعن" سے مراد لعنت کے مواقع ہیں، کیوں کہ ان مقامات پر جس نے رفع حاجت کیا اس نے گویا خود اپنے آپ کو ہدف لعنت بنایا، اور لفظ "ظل" سے مراد سایہ دار جگہ ہے جو لوگوں کے لئے سائے میں بیٹھنے یا فروکش ہونے کے لئے ہو (مالکی وحنبلی)۔

پانچویں قبلہ کی جانب منہ یا پیٹھ کر کے رفع حاجت کرنا حرام ہے۔[1] یعنی پیشاب یا پاخانہ کرتے وقت اگر کسی کا رخ قبلہ کی جانب ہو، یا ادھر پیٹھ کر کے مقابل کی جانب منہ کر کے بیٹھے تو گناہ ہوگا، بشرطیکہ میدان میں ہو، لیکن اگر مکان میں ہو جیسے گھروں میں بیت الخلاء وغیرہ ہوتے ہیں تو حرام نہیں ہے۔ (مالکی، شافعی، حنبلی)

مخصوص نہ ہو یا کوئی اور اس کا مالک نہ ہو۔ اگر ایسا ہو تو وہاں رفع حاجت (مکروہ نہیں بلکہ) حرام ہے۔

غرض چاروں اماموں کا اس امر پر اجماع ہے کہ جہاں لوگوں کی آمد ورفت ہو، یا جہاں سے پانی گزرتا ہو، یا وہ سایہ کی جگہ جہاں لوگ ٹھہرتے یا بیٹھتے ہوں، رفع حاجت کرنا ممنوع ہے۔ شافعیہ اور حنفیہ نے اس کو مکروہ کہا ہے اور مالکیہ اور حنابلہ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ لیکن یہ دونوں آراء اس نتیجہ کے تابع ہیں جو ایسی حرکت سے ظاہر ہوتا ہے، یعنی اگر اس سے لوگوں کو سخت تکلیف ہو یا صحت عامہ پر برا اثر پڑتا ہو تو اس کے حرام ہونے پر سب کا اجماع ہے، کیوں کہ ضرر رسانی، ایذا دہی اور امراض کا موجب بننا ایسی باتیں ہیں جن کی سخت ممانعت آئی ہے۔ وہ لوگ جو اسے مکروہ کہتے ہیں ان کے پیش نظر وہ کشادہ خالی جگہ ہے جہاں رفع حاجت کے لئے کوئی متعین مقام نہیں اور جہاں اس سے کچھ زیادہ نقصان بھی نہیں ہے۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ قبلہ کی طرف رخ کر کے، یا ادھر پیٹھ کر کے رفع حاجت کرنا مکروہ تحریمی ہے، خواہ گھر کے اندر ہو یا میدان میں۔ اگر غلطی سے کوئی رفع حاجت کے لئے (قبلہ رخ) بیٹھ جائے اور پھر یاد آ جائے تو اب اگر ادھر سے مڑ جانا ممکن ہو تو فوراً مڑ جائے، ورنہ چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو پاخانہ میں سمت ممنوع کی جانب رخ نہ رکھے۔ استنجا کرنے اور ڈھیلے استعمال کرنے کے متعلق بھی وہی حکم ہے جو پیشاب اور پاخانہ کا ہے، یعنی یہ دونوں کام بھی (قبلہ رخ ہونے کی حالت میں) مکروہ تحریمی ہیں۔

حنفیہ کی دلیل (مسئلہ فوق کی بابت) یہ ہے کہ (اس باب میں) حدیث (کا مفہوم) عام ہے (وہ حدیث یہ ہے

Marfat.com

قضائے حاجت کے بعد استنجا کرنے یا ڈھیلے استعمال کرنے کے وقت ایسا کرنا مکروہ ہے، حرام نہیں ہے۔[1] (حنبلی۔ مالکی)

چھٹے یہ کہ رفع حاجت کے وقت ہوا کے رخ منہ کرنا مکروہ ہے۔ پس پیشاب کرنے کے لئے اس طرف منہ کر کے نہ بیٹھنا چاہیے جدھر سے ہوا کا جھونکا آ رہا ہو، مبادا پیشاب کی چھینٹیں الٹ کر ادھر آ جائیں اور نجس کر دیں۔ ظاہر ہے کہ اس حکم میں خود رفع حاجت کرنے والے کا فائدہ ہے۔ یہ امر انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ جسم اور لباس پر گندگی لگ جانے سے گھبراتا ہے۔ شارع علیہ السلام نے اسی مصلحت کے پیش نظر اور اس لئے کہ لوگوں کو پاک صاف رہنے کی ترغیب ہو، اس فعل کو مکروہ قرار دیا ہے۔

ساتویں یہ کہ رفع حاجت کی حالت میں بولنا مکروہ ہے، کیونکہ ایسا کرنا، خود کلام کی توہین ہے اور کچھ دھیان نہیں رہتا، بہت ممکن ہے کہ گفتگو کے دوران اللہ تعالیٰ کا نام یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام یا اور کوئی ایسا ہی مقدس لفظ آ جائے۔ مزید براں بے ضرورت بولنا یوں بھی مکروہ ہے، سوا اس کے کہ پانی کا لوٹا مانگنے یا رومال وغیرہ طلب کرنے کے لئے ہو، جو نجاست کی جگہ کو پونچھنے یا خشک کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یا بضرورت بولنا ہی پڑ جائے تو مکروہ نہیں ہے۔ مثلاً کسی بچے یا نابینا کو کسی ضرر سے محفوظ رکھنے، یا مال کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے، یا اسی طرح کسی اور کام کے لئے (بولنا)۔

آٹھویں یہ کہ سورج یا چاند کے سامنے بیٹھ کر (رفع حاجت کرنا) مکروہ ہے[2] کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ (کی قدرت) کی نشانیوں اور اس کی نعمتوں میں سے ہیں جن سے خلق خدا کو نفع پہنچتا ہے۔ اور یہ شریعت اسلامیہ کے اصولوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احترام اور ان کی قدر کی جائے۔

نویں یہ کہ استنجا بائیں ہاتھ سے کیا جائے کیونکہ دایاں ہاتھ بالعموم کھانا وغیرہ کے لئے ہے۔ یہ بھی مستحب ہے کہ (استنجا کے وقت) بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو نجاست لگنے سے پہلے تر کر لیا جائے، تا کہ نجاست

کہ) ''إذا اتيتمُ الغايط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها ببول ولا غايط'' (یعنی جب پاخانہ کیلئے جاؤ تو پیشاب یا پاخانہ کرتے ہیں نہ قبلہ کی جانب منہ کرو اور نہ پیٹھ کرو) حدیث میں جو لفظ 'غائط' ہے اس کے معنے پست زمین کے ہیں (اس سے مراد پاخانہ ہے) اور حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ رفع حاجت کی حالت میں قبلہ کی جانب نہ منہ کرنا روا ہے اور نہ پیٹھ کرنا۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ استنجا کرنے اور ڈھیلا لینے کے وقت قبلہ کی جانب رخ کرنے کی ممانعت ہر حال میں نہیں ہے، ممانعت صرف قضائے حاجت کے وقت کے لئے مخصوص ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ سورج یا چاند کی طرف منہ کر کے بیٹھنا مکروہ نہیں ہے، تاہم بہتر یہی ہے کہ ایسا نہ کیا جائے،

Marfat.com

اس سے زیادہ نہ لتھڑے۔ اسی طرح فراغت کے بعد بائیں ہاتھ کو کسی پاک کرنے والی شے سے دھو لینا بھی مستحب ہے۔ اور استنجا کے وقت اعضا کو ڈھیلا چھوڑ دینا مستحب ہے تاکہ آسانی کے ساتھ نجاست کو زائل کیا جاسکے۔[۱]

پانی یا پتھر وغیرہ سے استنجا کرنے اور ڈھیلا لینے کی شرطیں وغیرہ

پانی سے استنجا درست ہونے کی دو شرطیں ہیں: ایک تو یہ کہ پانی طہور (پاک کرنے والا) ہو، لہٰذا آب طاہر غیر طہور سے استنجا صحیح نہیں ہے اور ایسے پانی سے نجاست دور نہیں ہوسکتی۔[۲]

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ پانی نجاست کو دھونے کے لئے کافی ہو۔ لہٰذا اگر پانی تھوڑا ہے کہ نجاست کو اس کی جگہ سے زائل نہیں کیا جاسکتا، یعنی ایسا نہ کیا جاسکے کہ نجاست لگنے سے پہلے جو حالت تھی، وہ جگہ پھر ویسی ہی ہو جائے تو ایسی صورت میں وہ پانی استعمال نہ کیا جائے۔

ایک سوال یہ ہے کہ آیا پہلے آگے کو دھونا چاہیے یا پیچھے کی جگہ کو؟ اس بارے میں مسالک تفصیل طلب ہیں:[۳]

کیونکہ یہ خلاف اولیٰ ہے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ استرخاء (جسم کا ڈھیلا چھوڑ دینا) واجب ہے تاکہ استنجا کرنے والا، نجاست کو دور کرنے پر اچھی طرح قادر ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر روزہ ہو تو استرخاء (جسم کا ڈھیلا چھوڑنا، بوقت استنجا) مستحب ہے، تاکہ (روزے کی حالت میں استرخاء سے) روزہ نہ ٹوٹ جائے کیونکہ پانی اندر پہنچانے میں زیادہ مبالغہ سے کام لیا جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جیسا کہ روزے کے باب میں آئندہ آئے گا۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ استنجا کے لئے واجب نہیں ہے کہ آب طہور ہی سے کیا جائے آب طاہر سے کیا جائے تب بھی کافی ہے۔ آب طاہر اور آب طہور کا فرق پانی کے بیان میں مفصل بتایا جاچکا ہے۔ (حنفیہ کے نزدیک) آب طہور سے استنجا بہتر ہے، کیونکہ اس پر سب کو اتفاق ہے کہ نجاست زائل کرنے کا صحیح طریقہ یہی ہے اور حنفیہ کے نزدیک بہتر یہی ہے کہ اس طریقے کو اختیار کیا جائے جس پر سب متفق ہوں۔

۳۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ مستحب طریقہ یہ ہے کہ پہلے آگے کی جگہ (عضو مخصوص) کی نجاست دور کی جائے، لیکن اگر کسی شخص کی عادت یہ ہو کہ پاخانے کے مقام کو ہاتھ لگانے سے پیشاب کے قطرے نکل جاتے ہوں تو اس صورت میں عضو مخصوص کا پہلے دھونا مستحب نہ ہوگا۔

اس بارے میں حنفیہ کے دو اقوال ہیں اور فتویٰ امام ابوحنیفہ کے قول پر ہے کہ پہلے پاخانے کے مقام کو دھویا

Marfat.com

واضح ہو کہ ڈھیلے وغیرہ کا استعمال، پانی کے موجود ہونے پر بھی اس کا قائم مقام ہو سکتا ہے۔ تاہم پانی کا استعمال بہتر ہے اور سب سے بہتر یہ ہے کہ ڈھیلے اور پانی دونوں کا استعمال کیا جائے۔ جن صورتوں میں ڈھیلے کا استعمال پانی کے بغیر درست ہے اس کی بابت مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

جائے، کیونکہ وہ جگہ زیادہ گندی ہے اور اس لئے بھی کہ پاخانے کے مقام کے ساتھ کی جگہ کو ملنے سے پیشاب کے قطرے آجاتے ہیں۔ لہٰذا اگلے مقام کو پہلے دھونے سے کچھ فائدہ نہیں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جو شخص پانی سے استنجا کرنا چاہتا ہے اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ اگلے حصے کو پچھلے حصے سے پہلے دھوئے، لیکن اگر ڈھیلے سے استنجا کرنا ہو تو اگلے حصے سے پہلے پچھلے حصے کا دھونا مستحب ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ استنجا پانی سے ہو یا ڈھیلے سے، سنت یہ ہے کہ پہل اگلے حصے سے کی جائے، خواہ مرد ہو یا کنواری عورت ہو۔ شادی شدہ عورت کو اختیار ہے جس کو چاہے پہلے اختیار کرے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ڈھیلے کے طور پر پاک اشیاء کا استعمال سنت ہے' مثلاً خاک' دھجی' پتھر اور خشک مٹی کے ٹکڑے۔ اور مکروہ اشیاء سے استنجا کرنا مکروہ تحریمی ہے' مثلاً ہڈی یا گوبر' کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اشیاء سے استنجا کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اسی طرح انسان اور جانور کی خوردنی اشیاء اور وہ اشیاء جو شرعاً قابل احترام ہیں' ان سے استنجا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور اس مقصد کے لیے مال کا ضائع کرنا بھی ممنوع ہے۔ وہ اشیاء جو شرعاً قابل احترام ہیں ان میں یہ چیزیں ہیں: آدمی کے بدن کا کوئی حصہ' خواہ کسی کافر یا مردار کا ہو' اور لکھا ہوا کاغذ' اگرچہ اس پر کٹواں حروف لکھے ہوئے ہوں' کیونکہ حروف قابل احترام ہیں' اور ایسے اوراق جن پر گو کچھ تحریر نہ ہو' لیکن اس پر لکھا جا سکتا ہو۔ البتہ ایسا ورق جس پر لکھائی نہ کی جا سکے' اس پر استنجا کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ اسی طرح ایسی اشیاء کو ڈھیلے کے طور پر استعمال کرنا مکروہ ہے کہ جس کی بطور مال کے کوئی قیمت ہو اور استعمال کرنے سے وہ تلف ہو جائے' یا اس کی قیمت کم ہو جائے۔ ہاں اگر وہ شے ایسی ہے کہ استعمال کے بعد دھونے یا خشک ہونے کے بعد وہ پھر پہلے کی طرح ہو سکے تو اس کے استعمال میں کراہت نہیں ہے۔ پختہ اینٹ' ٹھیکری' شیشہ' کوئلہ اور چکنے پتھر کا استعمال کرنا مکروہ ہے۔ اگر اس کا استعمال نقصان دہ ہو تو وہ مکروہ تحریمی ہوگا' کیونکہ مضر اشیاء کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ کراہت تنزیہی رہے گی اگر اس کا استعمال مضر نہ ہو۔

ان اشیاء کے مکروہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان کے استعمال سے وہ جگہ صاف نہیں ہوتی اور سنت یہ ہے کہ اس جگہ کو صاف ستھرا کیا جائے۔ کسی اور کی مملوکہ دیوار سے (ڈھیلا لے کر) استنجا کرنا مکروہ تحریمی ہے' کیونکہ دوسرے کے مال پر دست درازی جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر اپنی ہی دیوار ہے تو اس میں کراہت نہیں ہے۔ کرایہ دار کی دیوار کا حکم اپنی ہی دیوار کی مانند ہے۔ غرض اشیائے مذکورہ میں سے اگر کسی سے استنجا کیا جائے تو استنجا ہو گیا' لیکن مکروہ تحریمی یا تنزیہی ہوگا' جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

واضح ہو کہ یہ بات ابتدا میں بتائی جا چکی ہے کہ کن صورتوں میں خصوصیت کے ساتھ پانی کا استعمال لازمی ہے' اور کن صورتوں ڈھیلا لینا کافی ہے وغیرہ۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جس شے کو ڈھیلے کے طور پر استعمال کیا جائے اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ جامد اور پاک ہو۔

Marfat.com

لہٰذا نجس اشیاء کو ڈھیلے کے طور پر استعمال کرنا صحیح نہیں ہے' اگر چہ وہ شے نجاست کی بیخ کنی کرنے والی ہو۔ جس شے میں نجاست کو جڑ سے دور کرنے کی صفت نہ ہو' جیسے چکنا شفاف پتھر یا سنگ مرمر تو اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔

اور یہ کہ وہ شے تر نہ ہو۔ پس اگر پسینے کے سوا کسی اور شے کی تری اس میں ہو تو اس سے استنجا جائز نہیں ہے۔

اور یہ کہ وہ شے شرعاً قابل احترام نہ ہو۔ قابل احترام شے جیسے روٹی یا ہڈی سے استنجا صحیح نہیں ہے۔ قابل احترام اشیاء میں وہ شے بھی ہے جس پر بعض علوم شرعیہ مرقوم ہوں۔ مثلاً فقہ یا حدیث یا ان علوم کے حصول کے ذرائع کا علم جیسے صرف' نحو' حساب' طب اور عروض۔ ان کے علاوہ کچھ اور تحریر ہو تو قابل احترام نہیں ہے' بشرطیکہ اس تحریر میں قرآن یا کوئی اور قابل احترام شے نہ ہو۔ قابل احترام تحریر میں باعظمت نام بھی ہے کہ اس نام سے وہی باعظمت ہستی مراد ہو جیسے ابوبکرؓ یا عمرؓ یا کوئی اور نام۔ قابل احترام اشیاء میں مسجد بھی ہے' لہٰذا اس کے کسی حصے کو' جیسے اس کی لکڑی یا پتھر' بطور ڈھیلے کے استعمال کرنا جائز نہیں ہے' خواہ مسجد سے الگ ہو۔ یہ احترام باقی رہے گا جب تک کہ اس شے کو اس مقدس شے سے منسوب کیا جاتا ہو (یعنی یوں کہا جاتا ہو کہ یہ مسجد کا پتھر یا مسجد کی لکڑی ہے وغیرہ)۔ قابل احترام اشیاء میں آدمی کے بدن کا کوئی حصہ ہے' خواہ وہ آدمی ایسا ہو جس کا خون مباح ہو۔ یہ حکم عضو انسانی کی ظاہری صورت (کے احترام) کے پیش نظر ہے' اگر چہ اس کا خون روا رہا ہو۔

(ڈھیلے کے استعمال کے سلسلے میں) چند شرائط وہ ہیں جن کا تعلق خارج ہونے والی نجاست سے ہے۔

منجملہ ان کے یہ ہے کہ نجاست خشک نہ ہوگئی ہو' کیونکہ اس صورت میں ڈھیلا وغیرہ استعمال کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

اور یہ کہ اس نجاست پر کوئی اور خارجی نجاست' یا پسینے کے سوا کوئی اور پاک شے نہ لگی ہو۔

اور یہ کہ پاخانہ آگے بڑھ کر صفحہ تک یا پیشاب آگے بڑھ کر حشفہ تک نہ پھیل گیا ہو۔ "صفحہ" دونوں کولھے کے وہ حصے ہیں جو کھڑے ہونے میں مل جاتے ہیں۔ اور حشفہ عضو مخصوص کا وہ حصہ ہے جو ختنہ کی جگہ کے اوپر ہے (یعنی سپاری)۔ یہ مسائل مرد کے متعلق ہیں۔ عورت ڈھیلے کا استعمال کرے تو اس کے لیے ڈھیلے سے استنجا جب صحیح ہوگا کہ کنواری کی نجاست اس حصے سے آگے نہ گئی ہو جو بیٹھنے کے وقت کھل جاتا ہے۔ اور شادی شدہ کی صورت میں نجاست اندرونی حصے سے آگے نہ پھیل گئی ہو بصورت دیگر دونوں کو خصوصیت کے ساتھ پانی استعمال کرنا ہوگا' جیسا کہ غیر ختنہ شدہ مرد کے لیے جب کہ پیشاب اگلی کھال پر لگ جائے تو پانی سے استنجا لازم ہو جاتا ہے۔

ڈھیلے سے استنجا کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ تین بار سے کم نہ ہو اور ہر بار پوری جگہ کو صاف کیا جائے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک ہی ڈھیلے کو مختلف اطراف سے (تین بار) استعمال کیا جائے۔ تین بار سے کم استعمال کرنا کافی نہیں ہے' خواہ وہ جگہ (تین بار سے کم میں) صاف ہو جائے۔ اگر تین بار استعمال سے بھی وہ جگہ صاف نہ ہو تو اس سے زیادہ مرتبہ استعمال کیا جائے' یہاں تک کہ استنجے کی جگہ بالکل صاف ہو جائے اور نجاست باقی نہ رہے' سوا اس کے کہ اس کا کچھ اثر ایسا باقی ہو جو پانی یا خزف ریزوں کے بغیر دور نہ ہوسکتا ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ڈھیلے سے استنجا جائز ہونے کے لیے یہ پانچ باتیں ہونی لازمی ہیں:

ایک یہ کہ (ڈھیلے کے طور پر استعمال ہونے والی شے) خشک ہو' جیسے ڈھیلا' روئی یا اون' جو جانور کے جسم پر نہ ہو'

Marfat.com

ورنہ اس سے استنجا مکروہ ہوگا۔خشک نہ ہو جیسے گیلی مٹی تو اس سے استنجا روا نہیں' کیونکہ اس طرح نجاست اور بھی پھیل جاتی ہے۔اگر اس سے استنجا کرلیا گیا ہو تو اس کے بعد پانی سے استنجا ضروری ہو جائے گا' لیکن اگر نماز پڑھ لی ہے تو وہ نماز نجاست کے ساتھ پڑھی گئی اور اس کے متعلق مسئلہ ازالہء نجاست کے سلسلے میں بیان ہو چکا ہے۔

اور یہ کہ وہ شے پاک ہو' نجس سے استنجا جائز نہیں ہے۔(ناپاک شے' جیسے) مردار کی ہڈی اور حرام جانور کا فضلہ' اگر ناپاک شے سے استنجا کیا گیا اور وہ شے منجمد تھی کہ اس میں کچھ تحلیل نہیں ہوا (کیونکہ وہ جگہ آلودہ ہو جاتی ہے) اور نجس جگہ کو اس نے صاف کر دیا تو استنجا جائز ہو گیا' لیکن ایسا کرنا گناہ ہے۔

اور یہ کہ وہ شے نجاست کو صاف کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو' لہٰذا چکنی اشیاء جیسے شیشہ یا ایرانی نرسل سے استنجا جائز نہیں ہے۔

اور یہ کہ اس سے ضرر کا اندیشہ نہ ہو' لہٰذا دھار دار اشیاء مثلاً چھری یا تیز کناروں والے پتھر یا شیشے کے ٹکڑوں سے استنجا روا نہیں ہے۔

اور یہ کہ وہ شے شرعاً قابل احترام نہ ہو۔شرعاً قابل احترام اشیاء کی مثال: جیسے آدمی کی غذا کہ اس میں نمک اور دوا شامل ہے اور پتے بھی اسی میں ہیں' کیونکہ ان سے اشیاء خوردنی حاصل ہوتی ہیں۔اسی طرح شرعاً قابل احترام وہ اشیاء ہیں جن کی عزت کی جاتی ہے' جیسے وہ شے جس پر کچھ لکھا ہوا ہو (یعنی کاغذ وغیرہ) کیونکہ حروف قابل احترام ہیں۔

اور یہ کہ اس شے پر کسی اور کا حق نہ ہو' خواہ وہ وقف ہو یا کوئی اس کا مالک ہو۔لہٰذا وقف عمارت کی یا مملوکہء غیر کی دیوار سے استنجا کرنا حرام ہے۔اگر وہ دیوار اس کی اپنی ہے تو اس دیوار سے استنجا فقط مکروہ ہے (حرام نہیں ہے) نیز ہڈی سے اور پاک جانوروں کے گوبر سے استنجا مکروہ ہے۔البتہ اگر اس سے پاکیزگی حاصل ہو جائے تو جائز ہے۔اور یہی حکم ہر ایسی شے کا ہے جو مکروہ یا حرام ہو۔ایسی صورتیں جن میں خاص طور پر پانی استعمال کرنے کا حکم ہے' اس کا ذکر استنجا کے بیان میں ابھی ہو چکا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ڈھیلے وغیرہ سے استنجا کے لیے چند امور (قابل لحاظ) ہیں' مثلاً یہ کہ وہ شے پاک ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ شے مباح ہو۔لہٰذا ناجائز طور پر قبضہ کی ہوئی اشیاء وغیرہ سے استنجا کرنا درست نہیں۔اور یہ کہ وہ شے ستھرا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو' اور ستھرائی کی صلاحیت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے استعمال سے نجاست کا کوئی اثر سوا اس کے جس کو پانی ہی سے دور کیا جا سکتا ہے' باقی نہ رہے۔لہٰذا شفاف اشیاء مثلاً شیشہ وغیرہ سے استنجا جائز نہیں ہے۔اور یہ کہ وہ شے منجمد ہو۔لہٰذا گیلی مٹی (گارے) سے استنجا نہ ہوگا۔اور یہ کہ گوبر یا ہڈی یا غذا' خواہ وہ جانور کی ہو' نہ ہونی چاہیے۔ اور یہ کہ شرعاً قابل احترام نہ ہو جیسے کاغذ جس میں اللہ کا نام یا حدیث یا شرع کی کوئی بات' یا ایسی بات جو شرعاً جائز ہے' مندرج ہو' لیکن اگر کوئی ایسی بات تحریر ہو جو شرع میں حرام ہے تو وہ شرعاً قابل احترام نہیں ہے۔اور یہ کہ وہ شے کسی جانور کے بدن کا حصہ نہ ہو' مثلاً اس کا ہاتھ' اور یہ کہ وہ شے جاندار کے جسم سے لگی نہ ہو' جیسے اون اور یہ کہ اس کا استعمال حرام نہ ہو' جیسے سونا یا چاندی۔

استنجا کے لیے یہ شرط ہے کہ تین بار صفائی کے ساتھ کیا جائے اور پوری نجس جگہ کو ہر بار مس کیا جائے۔استنجا تین

Marfat.com

مرض سلسل بول وغیرہ میں مبتلا مریض کی پاکی کا بیان

یہ تو معلوم ہے کہ شریعت اسلامیہ میں نہایت واضح طور پر یہ تصریح موجود ہے کہ اس (کے احکام) میں کوئی دشواری یا تنگی نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ماجعل علیکم فی الدین من حرج" (یعنی دینی احکام کی بجا آوری میں تم پر کوئی تنگی نہیں ہے)۔ چنانچہ ہر وہ شے جس میں حرج یا دشواری ہو مکلّف انسان پر واجب نہیں ہے۔ ان میں ایسے امراض کے مریض داخل ہیں جو مرض کے ہاتھوں مجبور ہو جاتے ہیں، مثلاً ضعف مثانہ کا مرض جس میں مسلسل ہمہ وقت یا بیشتر اوقات میں برابر پیشاب کے قطرے آتے رہتے ہیں۔ اسی طرح مذی وغیرہ کا مسلسل خارج ہوتے رہنا ہے۔ ایسے امراض کو "سلس" کہا جاتا ہے۔ اسی میں وہ مرض داخل ہے جس میں برابر دست چلے آتے ہیں، یا معدہ کا مرض جس کو Dysentery (پیچش) کہتے ہیں۔ اس میں (پاخانہ کے ساتھ) خون اور پیپ برابر آتی رہتی ہے۔ اس مرض اور ایسے ہی دوسرے امراض میں مختلف اقسام کی طہارت وضوء وغیرہ کا خاص شرعی طریقہ ہے جو ان امراض کے مناسب حال ہے۔ اس کے متعلقہ مسالک تفصیل طلب ہیں۔[1]

بار سے کم کرنا جائز نہیں ہے، اگرچہ اس سے کم مرتبہ ہی میں نجاست صاف ہو جائے۔

اور یہ بھی چاہیے کہ نجاست کی جگہ سے نکلی ہوئی نجاست کے علاوہ کسی خارجی نجاست سے وہ جگہ آلودہ نہ ہو۔ اور یہ کہ وہ نجاست غیر معمولی طور پر اپنی جگہ سے تجاوز نہ کر گئی ہو۔ اگر اس سے آگے تک پھیل گئی ہو تو اس کو پانی سے دھونا لازم ہوگا۔

اور یہ کہ وہ نجاست جو نکلی ہے وہ قلفہ میں رکی ہوئی نجاست (پیشاب کا قطرہ) نہ ہو ایسی صورت میں پانی کا استعمال لازمی ہے۔

اور یہ کہ خارج شدہ نجاست ڈھیلا لینے سے پہلے ہی نہ سوکھ گئی ہو اگر سوکھ گئی ہو تو پانی سے استنجا کرنا لازمی ہوگا۔

واضح ہو کہ حنابلہ نے شادی شدہ عورت کے داخلی حصہ شرم گاہ کو ظاہری حصہ قرار دیا ہے، لیکن وہ کہتے ہیں کہ استنجا میں اس کا دھونا واجب نہیں ہے، بلکہ اس حصے کا دھونا واجب ہے جو قضائے حاجت کے لیے بیٹھنے کے وقت کھل جاتا ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس کے متعلق چند امور ہیں:

اول سلس (حدث دائمی) کی تعریف۔

دوم اس کا شرعی حکم۔

سوم وہ امور جن کی بجا آوری معذور انسان پر واجب ہے۔

تعریف: سلس مرض کی ایک خاص کیفیت ہے جس میں مسلسل پیشاب چلا آتا ہے، یا بار بار ریاح خارج ہوتی رہتی ہے، یا استحاضہ یا دائمی پیچش یا اسی طرح کے اور مشہور امراض۔ پس جو شخص ان امراض میں سے کسی کا مریض ہوا سے

Marfat.com

معذور کہا جاتا ہے۔ لیکن معذور جب متصور ہوگا کہ نماز مفروضہ کا پورا وقت اسی وضو ٹوٹنے والی کیفیت میں گزر جائے۔ اگر (حدث کی) یہ کیفیت اتنے عرصہ جاری نہ رہے تو مریض معذور متصور نہ ہوگا۔ اسی طرح جب تک ایک نماز مفروضہ کا پورا وقت بغیر حالت حدث کے نہ گزر جائے اس کو عذر سے خالی نہیں تصور کیا جائے گا۔ البتہ عذر کی کیفیت لاحق ہو خواہ وقت صلوٰۃ کے کسی حصہ میں بھی ہو تو عذر مانا جائے گا۔ چنانچہ اگر ظہر کا وقت شروع ہوتے ہی اسے (مرض کا) پیشاب آ گیا تو ظہر کے ختم ہونے تک اسے معذور تصور کیا جائے گا۔ اور یہ معذوری جاری رہے گی جب تک کہ نماز کا پورا وقت نہ گزر جائے یعنی (وقت ظہر گزرنے کے بعد) عصر کا وقت آئے اور وہ پورا گزر جائے اور پیشاب کا قطرہ نہ آئے۔ اگر ابتدائی وقت ظہر سے اس کا وقت ختم ہونے تک کسی کا عذر جاری رہا اور وہ معذور رہا پھر وقت عصر کے دوران کسی حصے میں قطرہ آیا اور پھر بند ہو گیا خواہ ایک ہی بار آیا تو وہ (ہمہ وقت) معذور ہی متصور ہوگا۔

حنفیہ کے نزدیک معذور کی یہی تعریف ہے۔ اس صورت میں حکم یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت وضو کرنا چاہیے۔ اور اس وضو سے فرض اور نفل نمازیں جو بھی ہوں پڑھی جا سکتی ہیں۔ ہر فرض کے لیے وضو کرنا واجب نہیں ہے۔ نماز مفروضہ کا وقت ختم ہو جائے تو وقت ختم ہوتے ہی وضو جو عذر کے باعث حدث لاحق ہونے پر کیا گیا تھا ٹوٹ جائے گا یعنی اگر عذر کی حالت لاحق ہونے سے پہلے وہ باوضو تھا تو وقت کے ختم ہونے پر وہ وضو نہ جائے گا بلکہ اس وقت جائے گا جب عذر کے حدث کے علاوہ کوئی اور حدث لاحق ہو مثلاً ریح کا خارج ہونا یا کسی اور جگہ سے خون کا نکلنا وغیرہ۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ معذور شخص کا وضو ٹوٹنے کے لیے یہ قید ہے کہ صلوٰۃ مفروضہ کا وقت ختم ہو جائے۔ پس اگر سورج طلوع ہونے کے بعد عید کی نماز کے لیے وضو کیا اور ظہر کا وقت آ گیا تو وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ ظہر کی نماز کا وقت آ جائے اور عید کا وقت نکل جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ یہ وضو جس وقت کیا گیا وہ فرض نماز کا وقت نہیں تھا بلکہ ایسا وقت تھا جس میں کوئی نماز فرض نہ تھی۔ لہٰذا اس عید کے وضو سے جو نماز جی چاہے پڑھی جا سکتی ہے یہاں تک کہ ظہر کا وقت ختم ہو جائے۔ ظہر کا وقت ختم ہوتے ہی وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ وہ نماز مفروضہ کا وقت ہے۔ لیکن اگر سورج نکلنے سے پہلے وضو کیا تو سورج نکلتے ہی وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ فرض نماز (نماز فجر) کا وقت (سورج نکلنے پر) ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد وضو کیا پھر عصر کا وقت آ گیا تو وضو جاتا رہا کیونکہ ظہر کا وقت ختم ہو گیا تھا۔

اب وہ بات بیان کی جاتی ہے جو معذور انسان کو کرنا چاہیے۔ وہ یہ ہے معذور شخص کہ چاہیے کہ اپنی معذوری کی حالت کو دور کرنے یا اسے حتی المقدور کم کرنے کی کوشش کرے۔ اس طرح کہ ضرر نہ ہو یعنی لازم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو علاج کرائے۔ کیونکہ اگر یہ ممکن تھا کہ مرض سے نجات پانے کے لیے اطباء کی تجویز کے مطابق اپنا علاج کرا سکے اور ایسا نہ کیا تو گنہگار ہوگا۔ فقہا نے یہ تصریح کر دی ہے کہ ایسے مریضوں کو اپنا علاج کرانا واجب ہے اور تا بمقدور اس مرض کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

یہاں سے یہ مسئلہ نکلا کہ ایسے مریض جو علاج نہیں کرتے اور مرض بڑھ جاتا ہے حالانکہ اس کا علاج کرنے کے قابل ہیں تو گنہگار رہیں۔

واضح ہو کہ گدی وغیرہ بطور (علاج) واجب ہے جیسے استحاضہ کی حالت میں عورتیں حفاظت کے پیش نظر رکھتی

Marfat.com

ہیں جس کے باعث بہاؤ بند ہو جاتا ہے یا کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر نماز میں کھڑے ہونے سے پیشاب آ جاتا ہو یا خون بہنے لگتا ہو یا ایسی ہی کوئی اور بات ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھ لینی چاہیے۔ اور اگر رکوع یا سجدہ میں ایسی کیفیت ہوتی ہو تو رکوع اور سجدہ نہ کیا جائے بلکہ اشارے سے (نماز) پڑھی جائے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ اگر (مرض) عذر لاحق ہونے کے باعث کپڑوں پر نجاست لگ جائے اور خیال یہ ہو کہ اسے دھو بھی لیا جائے تو نماز سے پہلے وہ پھر نجس ہو جائے گا' تو اس کا دھونا واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ خیال ہو کہ نماز ادا کرنے سے پہلے نجس نہ ہو گا تو دھو لینا واجب ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جس کو دائمی حدث (کا مرض) لاحق ہو' مثلاً مرض سلسل بول کا مریض ہو' یا مذی' یا ریح پیہم خارج ہوتی رہتی ہو' یا ایسی ہی کوئی کیفیت ہو تو اس حدث دائمی سے وضو نہیں ٹوٹتا' بشرطیکہ ان امور کا خیال رکھا جائے:

اول یہ ہے کہ اس جگہ کو دھو کر کسی دھجی وغیرہ کی پٹی باندھ لی جائے۔ یا وہاں روئی وغیرہ بھر دی جائے تا کہ حتی المقدور حدث کو روکا جا سکے لیکن یہ بندش اس طرح کی جائے کہ نجاست آگے نہ پھیلے۔ اگر پھیل جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا' ورنہ نہیں ٹوٹے گا اور جب جگہ کو دھو کر اچھی طرح سے پٹی باندھ لی تو اب ہر نماز کے لیے ایسا کرنا ضروری نہیں ہے۔

دوسرا امر یہ ہے کہ حدث مسلسل (کا مرض) لاحق ہے اور اتنے عرصہ تک بند نہیں ہوتا کہ اس عرصہ میں وضو کر کے نماز ادا کی جا سکے تو دیکھنا چاہیے کہ اگر بالعموم وہ حدث مسلسل اتنی دیر کے لیے رک جاتا ہے کہ اس میں وضو کر کے نماز ادا کی جا سکے تو انہی عرصہ میں نماز ادا کر لی جائے' اور ایسے شخص کو معذور تصور نہ کیا جائے گا۔ اگر اسی حالت سے بالعموم وضو اور نماز کی مہلت نہیں حاصل ہوتی۔ لیکن اگر اتنی مہلت مل گئی تو وضو باطل ہو جائے گا۔

تیسرا امر وقت نماز کا آ جانا ہے۔ لہٰذا اگر نماز کا وقت ابھی نہیں آیا اور وضو کر لیا ہے تو معذور انسان کا وہ وضو صحیح نہ ہو گا۔ البتہ اگر وقت آنے سے پہلے قضا نماز پڑھنے یا نماز جنازہ کے لیے وضو کیا تو یہ وضو صحیح ہو گا۔

حدث مسلسل کے مریض پر واجب ہے کہ اگر وضو کو توڑنے والی چیز فی الوقع خارج ہو تو ہر نماز کے لیے تازہ وضو کیا جائے' لیکن اگر نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا جب تک کہ اور کسی حدث کے باعث وضو نہ ٹوٹے۔

وضو کرنے کے بعد معذور شخص کو فرائض ونوافل سب کچھ ادا کرنے کی اجازت ہے۔ اگر کھڑے ہونے سے حدث لاحق ہو جاتا ہے تو بیٹھ کر نماز پڑھی جائے' لیکن اگر رکوع اور سجدہ میں جانے سے وضو ٹوٹتا ہے تو چاہیے کہ رکوع وسجود کے ساتھ نماز پڑھے۔ اشارے سے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ امراض سلسل بول وغیرہ میں جو کچھ نکلتا ہے اس سے حسب ذیل حالات میں وضو نہیں ٹوٹتا:

اول یہ کہ (وضو توڑنے والی کیفیت) وقت نماز کے بیشتر حصے میں یا کم از کم آدھے حصے میں پیدا نہ ہو' چنانچہ مثلاً اگر کسی کو صبح ہونے پر سلسل بول جاری ہوتا ہے اور دو گھڑی کے بعد ختم ہو گیا تو وہ معذور نہ ہو گا۔ چاہیے کہ اتنی دیر انتظار کیا جائے کہ پیشاب آنا بند ہو جائے تب ظہر کی نماز کے لیے وضو کیا جائے۔ یہی حکم اس حالت میں ہے جبکہ پیہم ریح خارج ہوتی رہے۔ یا پیچش ہو کہ اگر یہ کیفیت نماز کے آدھے وقت یا اس سے زیادہ عرصے تک جاری رہے تو معذور تصور کیا جائے گا' ورنہ نہیں۔

دوسرے یہ کہ مرض کی کیفیت لاحق ہونے کا وقت متعین نہ کیا جا سکے۔ اگر یہ ممکن ہو کہ جن اوقات میں مرض

Marfat.com

لاحق ہوتا ہے اس کا وقت مقرر کیا جا سکے تو چاہیے کہ اس وقت وضو نہ کیا جائے۔ مثلاً اگر یہ معلوم ہو کہ ظہر کے اخیر وقت میں مرض کی حالت دور ہو جائے گی تو واجب یہ ہے کہ نماز ادا کرنے میں جلدی اختیار کرے اور یہ روا نہیں ہے کہ صحت مندوں کی طرح دیر کرتا رہے۔ لیکن اگر حدث دائمی کا مریض ظہر کے پورے وقت اور عصر کے بیشتر حصے میں حالت مرض میں رہتا ہو یعنی عصر کے اخیر وقت میں یہ کیفیت دور ہوتی ہو تو واجب ہے کہ وہ وقت ظہر کی نماز کو اس وقت تک کے لیے تاخیر میں ڈال دے اور پھر دونوں نمازوں کو اکٹھا ادا کرے جس طرح کہ نماز میں دیر ہونے کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر عصر کے پورے وقت مرض جاری رہتا ہو اور صرف ظہر کے اخیر وقت میں بند ہوتا ہو تو چاہیے کہ ظہر کے ساتھ عصر کی نماز ملا کر پڑھ لی جائے جیسے تقدیم (یعنی نماز کو وقت سے پہلے ادا کرنے) کی صورت میں کیا جاتا ہے۔

تیسرے یہ کہ معذور مریض کو مرض کے علاج کا' یا (بطور علاج) شادی کا مقدور نہ ہو یا مجبور ہو۔ اگر مقدور ہے اور (مرض کا سد باب) نہیں کیا تو ایسے شخص کو معذور تصور نہیں کیا جائے گا اور وہ علاج نہ کرانے کا گنہگار ہوگا۔ اگر علاج شروع کر دیا جائے تو علاج کے ایام اس کی مغفرت کا باعث ہوں گے۔

سلسل مذی کے مرض کی صورت میں کسی کو معذور تصور نہیں کیا جائے گا سوا اس کے جبکہ پیہم مذی کا اخراج کسی مرض کے باعث نہ ہو اور مذی کے نکلنے میں حسب معمول لذت نہ محسوس ہوتی ہو۔ اگر مرض کے باعث تو ایسا نہیں ہے لیکن شادی شدہ نہ ہونے کے باعث مذی کے خارج ہوئے میں لذت محسوس ہوتی ہے' بایں طور کہ محض دیکھنے یا خیال کرنے سے ہمیشہ مذی آ جاتی ہو تو بہر حال اس سے وضو ٹوٹ جائے گا' خواہ یہ کیفیت ہمہ وقتی ہو۔

واضح ہو کہ حدث دائمی کے مریض کا وضو جن حالات میں ٹوٹتا ہے وہ وہی ہیں جو مذہب مالکیہ میں مشہور ہیں۔

حنابلہ میں ایک اور قول بھی مشہور ہے جس میں مریضوں کو سہولت ہے۔ وہ یہ کہ حدث مسلسل کی حالت میں وضو نہیں ٹوٹتا خواہ یہ شرائط موجود نہ ہوں۔ تاہم وضو کر لینا مستحب ہے' بشرطیکہ مرض وقت (نماز) کے کسی حصے میں لاحق رہتا ہو۔ اگر ہر وقت کا ابتلا ہو تو وضو مستحب نہیں ہے۔ اس قول پر عمل کرنا جب ہی درست ہے کہ کوئی دشواری یا حرج ہو۔ یہ قول اگرچہ مشہور نہیں ہے لیکن (اس مرض کے) بکثرت مریضوں کے لیے بہت مناسب ہے اور اس پر عمل کرنے سے کوئی امر مانع بھی نہیں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ حدث دائمی کے مرض میں جو نجاست خارج ہوتی ہے اس کے متعلق مریض پر واجب ہے کہ اس سے بچنے کی کوشش کی جائے' بایں طور کہ اس جگہ پر کچھ رکھ کر پٹی باندھ دی جائے۔ ایسا کرنے کے بعد وضو کیا جائے اور پھر بھی کچھ نکل آئے تو اس وضو سے نماز وغیرہ کے مباح ہونے میں کوئی خلل نہیں پڑے گا' لیکن مباح ہونے کی چند شرائط ہیں:

اول کہ وضو سے پہلے استنجا کر لیا ہو۔

دوسرے یہ کہ استنجا اور متذکرہ سابقہ (احتیاطی) تدابیر میں اور ان تدابیر اور وضو کرنے میں توالی عمل (وضو کے اعضا کو پے در پے دھونا) کا خیال رکھا جائے۔ یعنی پہلے استنجا کیا جائے' پھر استنجا کے بعد ہی ساتھ کے ساتھ بلا توقف پیشاب پاخانہ وغیرہ کی جگہ پر پاک پٹی اس طرح کہ کوئی ضرر نہ ہو' باندھی جائے جس طرح کہ ڈاکٹر باندھتے ہیں۔ پھر پٹی باندھنے کے ساتھ ہی وضو بھی کر لیا جائے' بایں طور کہ پٹی باندھنے اور وضو کے درمیان کوئی دوسرا کام یا توقف نہ ہو۔ اسی طرح استنجا کرنے اور پٹی باندھنے کے درمیان بھی کوئی فاصلہ نہ ہونا چاہیے۔

Marfat.com

تیسرے یہ کہ وضو کے افعال بھی (بتوالی) پیہم انجام دیے جائیں' یعنی اول منہ دھوتے ہی بلاتوقف ہاتھ دھوئے جائیں۔

چوتھے یہ کہ وضو اور نماز میں بھی موالاۃ کی جائے' یعنی وضو سے فارغ ہوتے ہی ساتھ کے ساتھ نماز شروع کردی جائے۔ پس اگر وضو کے بعد (بجائے نماز کے) کوئی اور کام کرلیا تو وضو جاتا رہے گا۔ البتہ اگر ایسا کام ہو جس کا تعلق نماز ہی سے ہے تو معاف ہے' جیسے مسجد کو جانا۔ لہٰذا اگر متذکرہ امور کے بعد اپنے گھر میں وضو کیا اور پھر مسجد میں جا کر نماز پڑھی تو جائز ہے۔ اور وہ وقفہ جو مسجد تک جانے سے پیش آیا اس میں مضائقہ نہیں ہے۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ مذکورہ بالا طریقہ سے وضو کرنے کے بعد جماعت یا نماز جمعہ کا انتظار کیا تو روا ہے۔

پانچویں یہ کہ یہ تمام امور نماز کا وقت آنے کے بعد انجام دیے جائیں۔ اگر وقت آنے سے پہلے کیا تو وضو بے کار ہے۔

معذور کو چاہیے کو اس طریقے سے' جیسا کہ اوپر بیان ہوا' وضو کرنے کے بعد سوائے ایک فرض نماز کے دوسری نماز نہ پڑھی جائے' بلکہ لازم ہے کہ ہر فرض نماز کے لیے وضو کے متعلق ان تمام پیش بندیوں پر عمل کیا جائے۔ پھر اسی وضو سے نماز فرض کے ساتھ نوافل بھی جو جی چاہے پڑھی جا سکتی ہیں۔ خواہ نفل نماز فرض سے پہلے یا بعد میں پڑھی جائے۔ اور یہ بات نیت کے بیان میں بتائی جا چکی ہے کہ معذور اشخاص کے لیے واجب ہے کہ وضو کے وقت اباحت صلوۃ کی نیت کی جائے۔ بایں طور کہ اپنے دل میں یہ کہہ لے کہ اس وضو سے میری نیت یہ ہے کہ شارع علیہ کی طرف سے میرے لیے نماز ادا کرنا مباح ہے۔ اس طرح سے نیت کرنے کا حکم اس لیے ہے کہ یہ وضو حقیقی معنوں میں وضو نہیں ہے' کیونکہ وہ وضو پیشاب وغیرہ مسلسل آنے کے باعث باطل ہو جاتا ہے۔ یہ تو دین اسلام میں یہ سہولت رکھی گئی ہے کہ اس وضو سے نماز پڑھی جائے تو ثواب سے محرومی نہ ہوگی' کیونکہ شریعت کے تمام احکام میں لوگوں کی بہتری اور دنیا و آخرت دونوں جہان کی بھلائی مدنظر ہے۔

Marfat.com

غسل کے مسائل

مسائل غسل سے تعلق رکھنے والی چند باتیں:

اول: غسل کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

دوم: ایسے حالات کی تفصیل جن کے پیش آنے سے غسل واجب ہوتا ہے۔

سوم: غسل کی شرائط۔

چہارم: غسل کے فرائض جن کو ارکان غسل کہا جاتا ہے۔

پنجم: غسل کی سنتیں وغیرہ۔

ششم: وہ امور جو حدث اکبر (جنابت) کی حالت میں ممنوع ہیں۔

اب ان کی تفصیل ملاحظہ کیجئے۔

غسل کی تعریف

غُسل (بضم غین) کے معنی: وہ عمل جو کوئی شخص اپنے بدن پر پانی بہانے اور ملنے کی صورت میں کرتا ہے وغیرہ۔ اس عمل کو لغت میں ''غُسل'' کہتے ہیں اور کبھی لفظ ''غُسل'' کا اطلاق اس پانی پر کیا جاتا ہے جس سے کوئی شے دھوئی جائے۔ لفظ غِسل (بکسر غین) اس شے کے لیے بولا جاتا ہے جو دھونے کے لیے استعمال کی جائے' مثلاً صابون وغیرہ اور غَسل (بفتح غین) پانی کہتے ہیں۔ پس جب لفظ غُسل (بضم غین) بولا جائے تو اس سے وہی عمل مراد ہوتا ہے جو بتایا گیا' یعنی پانی کا بدن پر ڈالنا اور ملنا وغیرہ اور جب غِسل بالکسر کہا جائے تو اس سے مراد صابون وغیرہ ہے جس کے ساتھ کسی چیز کو دھویا جائے اور غَسل (بفتح) کہا جائے تو اس سے مراد وہ پانی ہے جو غسل میں استعمال کیا جائے۔

یہ تفصیل تو از روئے لغت ہے' شرع کی اصطلاح میں اس کے معنے آب طہور کا تمام بدن پر ایک خاص طریقے سے استعمال کرنا ہے۔ اور تمام بدن کا لفظ جو کہا گیا اس سے وضو کا عمل خارج ہو گیا' کیونکہ اس میں پانی کا استعمال بدن کے چند اعضاء پر ہوتا ہے' جیسا کہ بیان ہوا۔

امید ہے کہ اب ''قاری'' کو غسل کے لغوی اور اصطلاحی معنوں کے سمجھنے میں دشواری نہ ہوگی۔ یہ کتاب عام و خاص سب کے لیے ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہر شخص کو ضروری باتیں معلوم ہو جائیں۔ عوام کے لیے ان فنی اصطلاحوں کا جاننا ضروری نہیں ہے۔ انہیں تو صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ کون کون سی باتیں فرض'

Marfat.com

سنت اور مندوبات میں ہیں۔ان باتوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے۔

موجبات غسل کا بیان

موجبات ان اسباب کو کہتے ہیں جن (کے لاحق ہونے) سے غسل واجب ہوتا ہے۔ مکلّف انسان پر غسل واجب نہیں ہوتا جب تک کہ مندرجہ ذیل امور میں سے کوئی امر لاحق نہ ہو:

اول: عضو مخصوص کے سرے (نوک) کا قُبل یا دُبر (یعنی شرم گاہ زن یا پاخانے کے مقام) میں داخل ہونا۔ چنانچہ اس حصے کے داخل ہوتے ہی غسل واجب ہو جاتا ہے' خواہ مادۂ تولید وغیرہ خارج ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ اس ادخال سے غسل تب واجب ہوتا ہے کہ چند شرائط پائی جائیں جن کے متعلق مسالک (فقہاء) تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

۱۔حنفیہ کہتے ہیں کہ جب عضو مخصوص کا سرا (نوک) یا اس کے برابر حصہ ایسے شخص کی قبل یا دبر میں داخل ہو جائے جو جماع کرنے کے قابل ہو' اور درمیان میں کوئی دبیز شے ایسی حائل نہ ہو جو جسم کی حرارت محسوس نہ ہونے دے تو فاعل اور مفعول (یعنی داخل کرنے اور کرانے والے) دونوں پر غسل واجب ہو جائے گا' خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔

وجوب غسل کے لیے دونوں کا بالغ ہونا ضروری ہے' اگر دونوں میں سے ایک بالغ ہو اور دوسرا نابالغ ہو تو بالغ پر غسل واجب ہوگا۔ لہٰذا اگر دس سال کے کسی لڑکے نے بالغ عورت کے ساتھ یہ عمل کیا تو عورت پر غسل واجب ہوگا' لڑکے پر نہ ہوگا۔ البتہ اسے بھی غسل کرنے کا حکم دیا جائے گا جیسے نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ (حالانکہ نماز فرض نہیں ہوتی)۔ اس بارے میں نابالغ بچی کا بھی وہی حکم ہے جو نابالغ لڑکے کا ہے۔ بالغ شخص اپنے عضو مخصوص کا سرا کسی جانور یا میت کی شرمگاہ میں داخل کرے تو غسل واجب نہ ہوگا۔ اسی طرح خنثیٰ مشکل (یعنی جس کی جنس کا تعین نہ ہو سکے) کے ساتھ ایسی حرکت کرنے سے غسل واجب نہیں ہوتا' نہ اس فعل کے کرنے والے پر نہ کرانے والے پر۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کوئی مخنث کسی دوسرے کے قبل یا دبر میں داخل کرے۔ یعنی دونوں میں سے کسی پر غسل واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ شخص جو مخنث نہیں ہے' مخنث کے دبر میں داخل کرے تو ان دونوں میں سے جو بالغ ہو اس پر غسل واجب ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر عضو مخصوص کا سرا' یا مختون شخص کے عضو مخصوص کا سرے کے برابر حصہ قبل یا دبر میں داخل کیا گیا تو فاعل اور مفعول دونوں پر غسل واجب ہے' خواہ وہ بالغ ہوں یا نہ ہوں۔ لہٰذا بچے کے سرپرست پر واجب ہے کہ اس کو غسل کرنے کا حکم دے اور وہ نہالیا تو غسل ہو گیا' ورنہ بالغ ہوتے ہی اس پر غسل واجب ہوگا' (اور صورت بالا میں غسل واجب ہوگا) خواہ مفعول قابل جماع ہو یا نہ ہو' اور خواہ عضو مخصوص پر کوئی شے ایسی ہے جس سے جسم کی گرمی محسوس نہ ہو یا (ایسی کوئی شے) نہ ہو۔ اور خواہ مفعول آدمی ہو یا جانور' زندہ ہو یا مردہ' یا خنثیٰ مشکل (لیکن اس صورت میں غسل واجب اس صورت میں ہوگا) جب کہ دبر میں وطی کی جائے۔ اگر وطی مخنث کے قبل میں کی جائے تو دونوں میں سے کسی پر غسل واجب نہیں ہے، یہی حکم اس صورت میں جب کہ مخنث کسی غیر کی قبل یا دبر میں دخول کرے۔

Marfat.com

دوسری بات جس سے غسل واجب ہوتا ہے مرد یا عورت کی منی کا خارج ہونا ہے۔ واضح ہو کہ مادۂ تولید عورت کا بھی ہوتا ہے گو وہ شرم گاہ سے باہر نہیں آتا۔ جو شخص اس سے انکار کرتا ہے وہ امر محسوس کا منکر ہے۔

انزالِ منی کی دو حالتیں ہیں: ایک تو یہ کہ بیداری میں خارج ہو۔ بیداری میں جو انزال ہوتا ہے وہ کبھی تو لذت کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی بغیر لذت کے کسی مرض یا تکلیف کے باعث منی خارج ہو جاتی ہے۔ اب اگر منی بغیر جماع کے ملاعبت (یعنی چھیڑ چھاڑ) سے یا لپٹنے چمٹنے سے یا بوسہ لینے یا بغل گیر ہونے یا دیکھنے یا خیال کرنے یا اسی طرح کے کسی عمل سے لذت کے ساتھ خارج ہو تو غسل واجب ہو جائے گا' خواہ منی کا انزال عین لذت یا خیال کرنے کی حالت میں ہو یا لذت سکون میں آجانے کے بعد ہو۔ اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ میں مصروف ہو یا اس کا بوسہ وغیرہ لے اور لذت محسوس نہ کرے لیکن بعد میں منی آجائے تو غسل واجب ہوگا۔ لیکن ایسا انزال جو کسی مرض کے

وجوب غسل کی ایک شرط یہ ہے کہ عضو مخصوص کا دخول مجامعت کی جگہ میں ہو۔ اگر عضو مخصوص کا سرا شرم گاہ کی صرف لبلبیوں کے درمیان ہو تو غسل واجب نہ ہوگا جب تک کہ انزال نہ ہو جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جنابت کا لاحق ہونا اور غسل کا واجب ہونا تب ہوگا کہ عضو مخصوص کی نوک قبل یا دبر میں داخل ہو جائے' خواہ مرد ہو' یا عورت' مخنث یا جانور' خواہ یہ کام زندہ کے ساتھ کیا جائے یا مردہ کے ساتھ بشرطیکہ وطی کرنے والا جماع کے قابل ہو اور مکلف ہو' اور جس کے ساتھ وطی کی گئی وہ بھی قابل مجامعت ہو۔ اور جس کے ساتھ یہ فعل کیا جائے اس پر غسل واجب تب ہوگا کہ دونوں مکلف ہوں۔ پس جس عورت کے ساتھ بچے نے وطی کی ہو اس عورت پر غسل واجب نہیں جب تک کہ انزال نہ ہو جائے۔

بالغ شخص کو جنابت لاحق ہونے کی یہ شرط ہے کہ وطی کے وقت عضو مخصوص کے سرے پر کوئی شے جو مانع لذت ہو حائل نہ ہو' خواہ شرم گاہ میں داخل ہو جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''**اذا التقی الختانان فقد وجب الغسل**'' (یعنی جب دو ختنوں کی جگہ باہم پیوستہ ہو جائے تب غسل واجب ہوتا ہے)۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر عضو مخصوص کا سرا ایسے شخص کے قبل یا دبر میں داخل کیا جائے جو جماع کے قابل ہو' اور کوئی شے' خواہ وہ باریک ہو' حائل نہ ہو تو فاعل اور مفعول دونوں پر غسل واجب ہے' بشرطیکہ مرد دس سال سے اور عورت نو سال سے کم نہ ہو۔ اور غسل تب واجب ہوتا ہے کہ حشفہ (یعنی عضو مخصوص کا بالائی حصہ: سپاری) اندر داخل ہو جائے، خواہ مفعول جانور ہو یا مردہ ہو۔ لیکن اگر مخنث اپنا عضو مخصوص کسی دوسرے کے قبل یا دبر میں داخل کرے تو دونوں میں سے کسی پر غسل واجب نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص جو مخنث نہ ہو کسی مخنث کے دبر میں داخل کرے تو دونوں پر غسل واجب ہوگا کیونکہ اس سے اصل عمل ثابت ہے۔

Marfat.com

باعث، یا پیٹھ پر شدید چوٹ لگنے سے، یا کسی اور ایسے ہی سبب سے ہو جائے تو اس سے غسل واجب نہیں ہوتا۔ ان تمام مسائل کے متعلق مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

واضح ہو کہ ایسے مسائل کے بیان کرنے میں کوئی خاص فائدہ نہیں ہے کیونکہ بیشتر باتیں ایسی ہیں جن کا وقوع شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ خیال یہ تھا کہ ان مسائل کو نکال دیا جائے لیکن ان میں بعض باتیں ایسی ہیں جن کی ضرورت بعض مواقع پر پیش آتی ہے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ عام عادی طریقہ سے منی خارج ہو تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اس کی صرف ایک شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ خارج ہونے کے بعد یہ یقین ہو کہ منی ہی خارج ہوئی ہے۔ خواہ لذت کے ساتھ خارج ہوئی ہو، یا بغیر لذت کے اور لذت کا سبب خواہ معمولی ہو یا کوئی غیر معمولی سبب ہو، بایں طور کہ پیٹھ پر چوٹ کھانے سے انزال ہو گیا یا ایسا مرض لاحق ہوا جس سے منی خارج ہوئی۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے مباشرت کی لیکن انزال نہیں ہوا اور غسل کر لیا، پھر غسل کے بعد بغیر لذت کے منی خارج ہوئی تو دوبارہ غسل کرنا ہوگا، کیونکہ غسل منی کے خارج ہونے پر واجب ہوتا ہے۔

اس باب میں عورت کے متعلقہ احکام کی تفصیل یہ ہے کہ جماع کے بعد غسل کیا اور غسل کے بعد منی خارج ہوئی تو دیکھنا چاہیے کہ نہانے سے پہلے انزال ہوا تھا یا نہیں اگر انزال ہوا تھا تو دوبارہ غسل واجب ہوگا کیونکہ اس کا پانی مرد کے پانی کے ساتھ مل گیا تھا (اور اب جو کچھ نکلا ہے اس میں اس کی منی بھی شامل ہے اس لیے غسل واجب ہے) لیکن اگر نہانے سے پہلے اس کا انزال نہیں ہوا تھا تو اب دوبارہ غسل کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ یہ تری جو اب دیکھی گئی وہ صرف مرد کی تھی جو غسل کرنے کے بعد نکلی ہے لہٰذا عورت پر غسل (دوبارہ) واجب نہ ہوا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ غسل واجب ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ منی اسی وقت نکل جائے بلکہ شرط یہ ہے کہ مرد یہ محسوس کرے کہ مادۂ تولید اس کی صلب (ریڑھ) سے حرکت میں آ گیا ہے اور عورت یہ محسوس کر لے کہ مادۂ تولید اس کی ترائب (پسلیوں) سے نکلی ہے۔ ترائب کے معنے ہیں سینے کی وہ ہڈیاں جن کے اوپر عورت کے گلے کا زیور، ہار وغیرہ پڑتا ہے۔ غرض حنابلہ کے نزدیک منی کا اپنی جگہ سے انفصال غسل واجب کرتا ہے، خواہ منی قبل تک نہ پہنچی ہو۔ پس اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے جماع کیا، انزال نہیں ہوا اور غسل کر لیا، پھر غسل کے بعد منی خارج ہوئی اور یہ انزال لذت کے ساتھ ہوا ہے تو غسل از سر نو واجب ہوگا۔ اور اگر بغیر لذت کے انزال ہوا تو صرف وضو جاتا رہے گا اور غسل واجب نہ ہوگا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ چوٹ لگنے یا مرض کے باعث منی خارج ہو جائے۔

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ حنابلہ (وجوب غسل کے لیے) اگر بغیر جماع کے خارج ہو تو لذت کے ساتھ خارج ہونا ضروری قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ ضروری نہیں کہ منی قبل کے باہر نکل آئے، بلکہ شرط صرف یہ ہے کہ منی اپنے مقام سے حرکت میں آ گئی ہو۔ اور یہ ایک ایسی کیفیت ہے جو سب کو معلوم ہے۔ شافعیہ کا مسلک اس کے برعکس ہے کہ ان کے نزدیک لذت کا آنا مطلقاً شرط نہیں ہے، بلکہ شرط یہ ہے کہ مرد کی منی عضو مخصوص کے باہر نکل آئے، اور عورت کی منی شرم گاہ کے اندرونی حصہ میں پہنچ جائے۔ لیکن منی کا ہونا یقینی ہو۔

Marfat.com

حنفیہ کہتے ہیں کہ جماع کے علاوہ دوسرے لذت انگیز اسباب سے جو منی نکلتی ہے اس کی دو حالتیں ہیں: ایک حالت یہ ہے کہ شہوت کے ساتھ اچھل کر عضو مخصوص کی راہ سے خارج ہو لہذا اگر کوئی شخص بیوی سے ہمکنار ہوا اور اسی حالت میں منی نکل آئی تو غسل واجب ہوگا اور یہ مسئلہ بتایا جاچکا ہے کہ (عضو مخصوص کے) داخل کرنے سے غسل واجب ہوجاتا ہے اگرچہ انزال نہ ہوا ہو۔ اور شہوت سے منی خارج ہونا اس وقت تسلیم کیا جائے گا جب کہ منی کے اپنی جگہ سے جدا ہوتے وقت لذت محسوس ہوئی ہو، لہٰذا اگر منی لذت کے ساتھ اپنی جگہ سے حرکت میں آئی اور اسے (خارج ہونے سے) روک لیا گیا' لیکن بعد میں وہ بغیر لذت کے نکلی تو غسل واجب ہوگا۔ لیکن یہ جبھی واجب ہوگا کہ اپنی جگہ سے جدا ہوکر عضو مخصوص سے خارج بھی ہوئی ہو پس اگر اپنی جگہ سے حرکت میں آتو گئی لیکن عضو مخصوص سے خارج نہیں ہوئی تو غسل واجب نہ ہوگا۔

دوسری حالت یہ ہے کہ جماع وغیرہ سے کسی قدر منی نکلی اور پیشاب کیے بغیر یا اتنا عرصہ توقف کیے بغیر کہ بقیہ منی خارج ہوجاتی غسل جنابت کرلیا اور غسل کے بعد اسی حال میں باقی منی نکلی، لذت کے ساتھ نکلی ہو یا بغیر لذت کے تو ایسی صورت میں امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دوبارہ غسل کرنا واجب ہے لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک واجب نہیں ہے۔ تاہم امام ابوحنیفہ اور محمد رحمہما اللہ غسل کا واجب ہونا اسی شرط پر قرار دیتے ہیں کہ نہانے سے پہلے نہ پیشاب کیا گیا ہو' نہ چلا پھرا گیا ہو اور نہ (پہلی) منی نکلنے کے بعد باقی کے نکلنے کا انتظار کیا گیا ہو۔ اگر ان باتوں میں سے کوئی بات ہوگئی ہو اور تب غسل کیا تھا اور اس کے بعد منی نکلی تو بالاتفاق غسل واجب نہیں ہے۔

رہا اس منی کا مسئلہ جو بغیر لذت کے خارج ہوئی' مثلاً ریڑھ پر کوئی چوٹ لگی اور منی نکل آئی' یا کوئی ایسا مرض لاحق ہوا کہ انزال منی (بغیر لذت کے) ہوگیا' تو غسل واجب نہیں ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ حنفیہ کو ان مسائل میں شافعیہ اور حنابلہ سے اختلاف ہے' کیونکہ حنفیہ کے نزدیک تو غسل اسی صورت میں واجب ہوتا ہے جب کہ منی (پیشاب کے مقام سے) باہر نکل آئے اور حنابلہ کے نزدیک (وجوب غسل کے لیے) یہ کافی ہے کہ مرد کی منی اپنی جگہ (ریڑھ کی ہڈی) سے اور عورت کی منی ترائب (یعنی سینے کی پسلیوں) سے حرکت میں آجائے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ اس میں لذت کا احساس ہوا ہو' اگرچہ یہ لذت منی کے خارج ہونے تک جاری نہ رہی ہو۔ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ خارج ہونا شرط ہے' اگرچہ لذت کے ساتھ نہ ہو۔ پس حنفیہ اس امر میں شافعیہ سے متفق ہیں کہ (وجوب غسل کے لیے) منی کا آگے کی راہ سے نکلنا ضروری ہے۔ اور حنابلہ کے اس خیال سے اختلاف ہے کہ منی کا اپنی جگہ سے حرکت کرنا (وجوب غسل کے لیے) کافی ہے۔ خواہ وہ سردست خارج نہ ہوئی ہو۔ اس امر میں حنفیہ حنابلہ سے متفق ہیں کہ غسل واجب نہیں ہوتا جب تک کہ (انزال) لذت کے ساتھ نہ ہو۔ اور شافعیہ سے (جو لذت کی شرط نہیں لگاتے) اختلاف ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر جماع کے بغیر شہوانی عادی لذت کا احساس ہو' لیکن منی اس وقت نکلی جب کہ لذت جاچکی تھی تو غسل واجب ہوگا' خواہ اس کے نکلنے سے پہلے غسل کرلیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔ لیکن اگر لذت جماع سے ہوئی تھی بایں طور کہ ادخال کیا' لیکن انزال نہیں ہوا اور پھر لذت ختم ہوجانے کے بعد انزال ہوا تو اس صورت میں اگر انزال سے پہلے

Marfat.com

تیسرا امر جس سے غسل واجب ہوتا ہے یہ ہے کہ حالتِ خواب میں انزال ہو جائے۔ اس کو احتلام کہتے ہیں۔ اب اگر کسی کو احتلام ہوا اور اس نے نیند سے بیدار ہو کر اپنے کپڑوں یا بدن پر یا عضو مخصوص کے اوپر تری پائی تو اس پر واجب ہے کہ غسل کرے۔ سوا اس صورت کے جب کہ یہ یقین ہو جائے کہ وہ تری منی کی نہیں ہے۔ اگر اس کے منی یا مذی وغیرہ ہونے میں شبہ ہو تب بھی غسل واجب ہے، قطع نظر اس کے کہ حالت خواب کی کوئی لذت انگیز بات یاد ہو یا نہ ہو۔(۱)

چوتھا امر جس سے غسل واجب ہوتا ہے، حیض یا نفاس کا خون آنا ہے۔ اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے۔ لہٰذا کسی عورت کو اگر حیض یا نفاس آیا تو اس کے بند ہونے پر غسل کرنا واجب ہے۔ اگرچہ بچہ خون آئے بغیر(۲) ہی پیدا ہو تو اس بچے کی ولادت ہی کو نفاس تصور کیا جائے گا جس سے غسل واجب ہوتا ہے۔ ایسی عورت کو بچہ کی ولادت کے بعد ہی غسل کر لینا واجب ہے۔

پانچواں امر جس سے غسل واجب ہوتا ہے، مسلمان آدمی کی وفات ہے۔(۳) سوائے اس صورت کے جب کہ وہ شہید ہوا ہو۔ شہید کو غسل دینا واجب نہیں ہے۔ شہید کی تعریف اور اس کے متعلقہ مسائل جنازہ کے باب میں معلوم ہوں گے۔

غسل کر لیا تھا تو اب غسل واجب نہیں ہے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد تری دیکھ کر منی یا مذی ہونے میں شبہ ہو تو قطعی طور پر غسل کا حکم نہیں ہے بلکہ چاہیے کہ اگر اپنی دانست میں وہ منی ہو تو غسل کیا جائے، اور اگر اپنی دانست میں وہ مذی ہے تو اسے دھو کر وضو کر لینا چاہیے۔ اگر پہلا خیال بدل جائے تو دوسری بار جو رائے قائم کی ہے اس کا جو تقاضا ہو اس پر عمل کیا جائے۔ اور وہ اعمال نماز وغیرہ جو بگمان خویش (صحیح سمجھ کر) انجام دیے جا چکے ہیں ان کو لوٹانا ضروری نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر بیدار ہونے کے بعد تری دیکھ کر اس کی منی یا مذی ہونے میں شبہ ہو تو دیکھنا چاہیے کہ آیا سونے سے پہلے کوئی ایسا سبب موجود تھا جس سے شہوانی لذت ہوئی ہو، مثلاً کوئی (لذت انگیز) خیال یا نظارہ تو غسل واجب نہیں ہے۔ یہ گمان کیا جائے گا کہ وہ تری جو (بیدار ہو کر) نظر آئی ہے مذی ہے۔ اگر سونے سے پہلے کوئی شہوت انگیز امر نہ تھا تو غسل واجب ہوگا (کیوں کہ اب اس تری کا سوائے احتلام کے اور کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا)۔

۲۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر بغیر خون آئے بچہ پیدا ہو جائے تو غسل واجب نہیں ہے۔

۳۔ مسلمان میت کا غسل واجب ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ (مرنے والا) باغی نہ ہو۔ حنفیہ کے نزدیک وہ لوگ باغی ہیں جو امام عادل کی طاعت سے باہر اور جماعت مسلماناں سے الگ ہو جائیں، تاکہ اپنی خواہشات نفسانی کے مدنظر نظم اجتماعی میں خلل انداز ہوں۔ پس ایسے لوگ جو کچھ قوت پا کر غلبہ حاصل کرنے کی ہوس میں اہل حق سے برسر جنگ ہوں، حنفیہ ان کو باغی قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا اگر چوروں کی کوئی جماعت کسی گاؤں پر دراز دستی کرے تو ان کو اس تعریف کی رو

Marfat.com

چھٹا امر جس سے غسل واجب ہوتا ہے کسی کافر کا مسلمان ہونا ہے۔ بشرطیکہ وہ حالت جنابت میں ہو[۱] (یعنی اس پر غسل کرنا لازم ہو) اگر کوئی شخص حالت جنابت میں نہ ہو اور مسلمان ہو جائے تو اس کے لیے غسل صرف مستحب ہے (واجب نہیں ہے)۔

غسل کی شرطوں کا بیان

غسل کی شرطیں تین طرح کی ہیں:

وہ شرائط جن سے غسل صرف واجب ہوتا ہے' چنانچہ غسل جنابت کے سبب اس پر واجب ہوتا ہے جس پر وضو (حدث کے سبب) واجب ہے۔

وہ شرائط جن سے غسل صحیح ہوتا ہے، سو غسل بھی اس شے سے صحیح ہوتا ہے جس سے وضو صحیح ہوتا ہے۔

غسل کے واجب ہونے اور صحیح ہونے کی مجموعی شرائط۔ ان تمام امور کا بیان شرائط وضو کی بحث میں آ چکا ہے' لہٰذا طالبان علم میں سے جو اصحاب اس کو بسہولت جاننا چاہتے ہیں وہاں پر دیکھیں۔

غسل کی بعض شرطیں وضو کی شرائط سابقہ سے مختلف ہیں' جن کے منجملہ ''اسلام'' ہے کہ مسلمان ہونا کتابیہ کا غسل صحیح ہونے کے لیے شرط نہیں ہے۔ مثلاً اگر ایک مسلمان نے کسی کتابیہ عورت سے شادی کی اور وہ حیض یا نفاس سے پاک ہوئی تو اس کے پاس جانا حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ نہا نہ لے۔ پس غسل کرنا اسکے لیے شرعی حکم ہے[۲] اگرچہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ بعض مسلکوں میں غسل کی چند ایسی شرطیں

سے باغی قرار نہیں دیا جا سکتا اور ان میں سے کوئی مرجائے تو اسے غسل دینا چاہیے۔

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی کافر مسلمان ہو جائے تو اس پر غسل واجب ہے' حالت جنابت میں ہو یا نہ ہو۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ حیض کی مدت زیادہ سے زیادہ دس روز ہے اور نفاس کی مدت چالیس یوم ہے۔ پس جب حیض کا خون دس روز کے بعد بند ہو جائے اور نفاس کا خون وقت ولادت سے چالیس روز کے بعد بند ہو جائے تب خاوند کے لیے حلال ہے کہ بیوی کے پاس جائے۔ اگرچہ (بیوی نے) غسل نہ کیا ہو' اور خواہ بیوی مسلمان ہو یا کتابیہ ہو۔ اگر حیض کا خون اس سے کم مدت میں مثلاً سات روز کے بعد بند ہو گیا' یا نفاس کا خون تیس روز یا اس سے کم عرصے میں ختم ہو گیا تو خاوند کے لیے بیوی کے پاس جانا حلال نہیں جب تک کہ وہ غسل نہ کر لے' یا یہ ہو کہ خون بند ہونے کے بعد ایک نماز کا پورا وقت گزر جائے۔ مثلاً اگر ظہر کا وقت آنے کے بعد خون بند ہوا تو بیوی کے پاس جانا حلال نہ ہو گا' البتہ اگر پورا ظہر کا وقت گزر جائے اور ظہر کی قضا واجب ہو گئی تو حلال ہے۔ اگر ظہر کے اخیر وقت میں خون بند ہوا اور صرف اتنا وقت باقی تھا کہ غسل اور تکبیر تحریمہ ہو سکے تو اس وقت کے گزرنے پر بیوی کے پاس جانا حلال ہے لیکن اگر وقت اتنا تھوڑا تھا کہ اس کی

Marfat.com

بیان کی گئی ہیں جو شرائط وضو کے علاوہ ہیں۔ تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

غسل کے فرائض کا بیان

(اس عنوان کے تحت بالوں اور دلہنوں کے سنگھار اور زیور پہننے کے متعلقہ مسائل آتے ہیں)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختلف مسالک میں غسل کے جو فرائض قرار دیے گئے ہیں پہلے ان کو یکجائی طور پر بیان کر دیا جائے۔ پھر ان امور کی نشاندہی کی جائے جن میں سب کا اتفاق ہے' یا باہم اختلاف ہے' کیونکہ یہ طریقہ مسائل کو یاد رکھنے کے لیے آسان اور زیادہ قریب الفہم ہے۔ (۲)

گنجائش نہ تھی اور خون بند ہوا تو بیوی کے پاس جانا حلال نہیں ہے' جب تک کہ وہ غسل نہ کر لے' یا یہ کہ عصر کا پورا وقت گزر جانے دیا جائے' بشرطیکہ اس دوران کچھ (خون) نہ آیا ہو۔ اس میں بیوی مسلمان ہو یا کتابیہ دونوں کا یکساں حکم ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ غسل (جنابت) سے پہلے پانی یا ڈھیلے سے استنجا کرنا ضروری نہیں ہے۔ بخلاف وضو کہ (اس سے پہلے استنجا کر لینا) ضروری ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ صحت وضو کے لیے یہ ضروری ہے کہ وضو کرنے والا صاحب تمیز ہو' مثلاً کسی دیوانی عورت نے (حالت جنون میں) وضو کر لیا تو اس کا وضو صحیح نہ ہوگا۔ لیکن غسل میں یہ شرط نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کسی دیوانی کو حیض آیا اور حالت جنون میں اس نے غسل کر لیا تو اس کے خاوند کو اس کے پاس جانا حلال ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ غسل کے تین فرض ہیں:

اول: کلی کرنا۔

دوم: ناک میں پانی ڈالنا۔

سوم: تمام بدن کو پانی سے دھونا۔

حنفیہ کے نزدیک یہی امور اجمالی طور پر فرائض غسل میں داخل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے متعلق جدا جدا احکام ہیں۔

کلی کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آب طہور کو منہ میں لے کر باہر نکالا جائے، اگرچہ منہ میں ہلایا نہ گیا ہو، پس اگر کسی نے منہ میں پانی ڈالا اور نگل لیا تو کلی کرنے کا فرضِ غسل ادا ہو گیا' بشرطیکہ وہ پانی تمام منہ میں پہنچ گیا ہو۔ اگر دانتوں میں جن کو دھونا ہے' خلا ہو یا جھری ہو اور اس میں غذا پھنس کر رہ گئی ہو' تو اس سے غسل باطل نہیں ہوتا۔ لیکن زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ دانتوں کے درمیان اور مسوڑھوں پر جو غذا یا میل کچیل ہو' اسے نکال دیا جائے' تاکہ پانی اس جگہ پر پہنچ جائے۔

یہ بتایا جا چکا ہے کہ اگر ناک میں رینٹ سوکھ گئی ہو یا میل کچیل خشک ہو کر جم گئی ہو تو جب تک کہ اسے نکال نہ دیا جائے اس کا دھونا صحیح نہ ہوگا۔ یہی وہ باتیں ہیں جو مسلمانوں کو ہمیشہ صاف ستھرا رکھ سکتی ہیں۔ گندگیوں کو اندر سے نکال

Marfat.com

کر اس کی جگہ کو دھونے کا حکم اس بات کی پوری پوری دلیل ہے کہ شارع علیہ السلام نے بدن کی ظاہری و باطنی صحت و پاکیزگی کے فائدہ بخش طریقوں کی طرف خاص توجہ دی ہے۔

واضح ہو کہ تمام بدن کا دھونا غسل جنابت کے لیے بالاتفاق فرض ہے۔ چنانچہ ایک ذرا سا حصہ بھی اگر دھونے سے رہ گیا تو غسل باطل ہوگا۔ لہٰذا غسل کرنے والے پر واجب ہے کہ بدن پر سے ہر ایسی شے کو جو سطح جسم تک پانی پہنچنے سے مانع ہو دور کر دیا جائے۔ اگر ناخنوں میں گندگی جمی رہ گئی کہ اس کے نیچے پانی پہنچنے میں رکاوٹ ہو تو غسل نہ ہوگا' خواہ نہانے والا شہری ہو یا دیہاتی۔ البتہ مٹی گارے وغیرہ کا میل اگر ناخنوں پر رہ جائے تو معاف ہے۔ ایسی صورتوں میں جو بعض پیشہ وروں کو پیش آتی ہیں' مثلاً باورچی کو جسے ہمیشہ آٹا گوندھنے کا کام رہتا ہے' یا جیسے رنگ ریز کہ اس کے ناخنوں میں گاڑھا رنگ چسپاں ہو جاتا ہے' اور اس کا چھڑانا دشوار ہوتا ہے' فقہا کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایسی صورت ہو تو غسل باطل ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ باطل نہ ہوگا' کیونکہ یہ مجبوری کی بات ہے اور حالت مجبوری میں شریعت حکم سے مستثنیٰ قرار دیتی ہے' لہٰذا اس حال میں غسل باطل نہ ہوگا۔ یہ قول مسلک حنفیہ کے اصول کے مطابق ہے۔

عورت کے لیے نہانے کے وقت اپنے بالوں کا جوڑا کھولنا ضروری نہیں ہے لیکن بالوں کی جڑوں تک پانی کا پہنچانا واجب ہے۔ اگر گیسو بالوں کے گچھے کنپٹیوں پر لٹک رہے ہوں تو انہیں اوپر سے دھونا واجب نہیں ہے۔ لیکن بال کھلے ہوئے ہوں اور گندھے ہوئے نہ ہوں تو ان میں پانی پہنچانا واجب ہے گو جلد تک نہ پہنچے۔ اگر عورت نے اپنے بالوں پر کوئی گاڑھی شے جسم والی لگائی ہوئی ہے جو پانی کو بالوں کی جڑوں تک نہیں پہنچنے دیتی تو لازم ہے کہ اس شے کو دور کر دیا جائے' تاکہ پانی بال کی جڑ تک پہنچ جائے۔ اگر تنگ کڑے یا بندا' بالی یا انگوٹھی پہن رکھی ہے تو (غسل کے دوران) اس کو ہلا لینا چاہیے تاکہ پانی اس کے نیچے تک پہنچ جائے۔ اگر کان چھدے ہوئے ہیں اور اس میں بندا بالی نہیں ہے تو لازم ہے کہ پانی چھید کے اندر پہنچایا جائے۔ اگر پانی خود ہی پہنچ جائے تو خیر ورنہ کسی شے کے ذریعہ جس طرح ممکن ہو پانی پہنچایا جائے ورنہ یہ ضروری نہیں کہ عورت شرمگاہ کے اندر انگلی سے پانی پہنچائے۔ مردوں کے لیے واجب ہے داڑھی کے اندر اور اس کی جڑ میں پانی پہنچائیں۔ خواہ بال بندھے ہوئے ہوں یا کھلے ہوئے۔ بدن میں جہاں گڑھا ہے وہاں بھی پانی پہنچانا لازم ہے' جیسے ناف کہ اس میں انگلی ڈال کر تر کرنا چاہیے۔ قلفہ (یعنی غیر مختون کی بڑھی ہوئی کھال) کے اندر پانی پہنچانا ضروری نہیں' لیکن مستحب ہے کہ ایسا کر لیا جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ غسل کے فرائض پانچ ہیں:

(۱) نیت کرنا۔

(۲) تمام جسم پر پانی ڈالنا۔

(۳) تمام جسم کو ملنا، پانی ڈال کر ساتھ کے ساتھ ملا جائے یا پانی ڈال کر خشک ہونے سے پہلے ملا جائے۔

(۴) اعضائے غسل کو جلدی جلدی یکے بعد دیگرے دھونا' بشرطیکہ یہ کام یاد ہو اور اس پر قادر ہو۔

(۵) تمام جسم کے بالوں میں پانی کے ساتھ خلال کرنا۔

مالکیہ کے نزدیک یہ تمام امور فرائض غسل میں شامل ہیں۔ وضو کے بیان میں نیت کے احکام بتائے جا چکے ہیں'

Marfat.com

اسی طرح غسل میں بھی مالکیہ کے نزدیک نیت فرض ہے۔ غسل میں نیت کرنے کا اصل وقت وہ ہے جب بدن کے کسی حصے پر سب سے پہلے پانی ڈالا جائے۔ نیت غسل شروع کرنے کے تھوڑی دیر بعد بھی ہو تو صحیح ہوگی۔ تھوڑی دیر سے مراد وہ وقفہ ہے جو عام طور پر تھوڑا خیال کیا جاتا ہے اور یہ بات فرائضِ وضو کی تفصیل میں سابقاً بتائی جا چکی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک نیت سنت مؤکدہ ہے۔ لیکن حنابلہ کہتے ہیں کہ نیت صحت غسل کے لیے "شرط" ہے کہ اس کے بغیر غسل نہیں ہو سکتا۔ ان کا مسلک آگے آرہا ہے۔ غرض (مالکیہ کے نزدیک) صحتِ غسل کے لیے نیت شرط ہے کہ اس کے بغیر غسل نہیں ہو سکتا' لیکن نیت غسل کی ماہیت میں داخل نہیں ہے۔ شافعیہ اس امر میں مالکیہ سے متفق ہیں کہ نیت فرض ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ نیت کرنے میں پہلا عضو بدن دھونے سے زیادہ تاخیر کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے۔ فرائض غسل میں دوسری چیز تمام جسم پر پانی بہانا ہے۔ (مالکیہ کے نزدیک) منہ' ناک' کان کے گڑھے اور آنکھ اس میں داخل نہیں ہیں۔ لہٰذا جسم کی تمام نمایاں سطح کا دھونا واجب ہے۔ باقی ایسے اعضا جن میں اندرونی حصوں کا دھونا' جیسے کلی کرنا یا ناک میں پانی ڈالنا سو یہ فرض نہیں ہے' بلکہ سنت ہے' جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ ہاں اگر جسم پر جھری ہو (یعنی کھال سکڑی ہوئی ہو) تو لازم ہے کہ اس جگہ کو ہلا لیا جائے تاکہ پانی اندر تک پہنچ جائے۔ تیسرا فرض "موالاۃ" ہے جو "فور" سے تعبیر کیا جاتا ہے (پیاپے اور عجلت سے کرنا) یعنی ایک عضو کو دھونے کے بعد اس کے خشک ہونے سے پہلے دوسرے عضو کو دھونا۔ بشرطیکہ (یہ حکم) یاد ہو اور ایسا کرنے کی قدرت ہو۔ اس (موالاۃ) کی تفصیل وضو کے بیان میں ہو چکی ہے۔ وہاں دیکھنا چاہیے۔ چوتھا فرض پانی کے ساتھ تمام بدن پر ہاتھ پھیرنا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ پانی ڈالتے ہی ملا جائے' بلکہ بدن پر پانی ڈالنے اور اس کے بہہ جانے کے بعد مل لینا کافی ہے' بشرطیکہ بدن کا وہ بھیگا ہوا حصہ خشک ہونے نہ پایا ہو۔ ملنے کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ ہاتھ ہی سے ملا جائے' پس بازوؤں سے ملا یا ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھ کر مل لیا تو جائز ہے۔ اسی طرح رومال یا انگوچھے (یا تولیہ) سے ملنا بھی کافی ہے چنانچہ اگر کسی نے انگوچھے (یا تولیے) کا ایک سرا دائیں ہاتھ میں اور دوسرا سرا بائیں ہاتھ میں پکڑ کر اپنی پیٹھ اور بدن کو خشک ہونے سے پہلے پونچھا' اگرچہ ہاتھ سے ملنا ممکن ہو تب بھی بقول معتمد جائز ہے۔ اسی طرح یہ صورت بھی بلا اختلاف جائز ہے کہ ہاتھ میں کپڑا باندھ کر جسم پر پھیرا جائے' کیونکہ یہ عمل ہاتھ ہی سے ملنا ہے۔ اگر کوئی شخص تمام بدن یا کسی حصہ بدن کو ہاتھ یا کپڑے سے نہ مل سکے تو بقول معتمد یہ فرض اس سے ساقط ہو جائے گا۔ یہ ضروری نہیں کہ کسی اور سے ملوایا جائے۔ فرائض غسل میں پانچواں فرض بالوں میں خلال کرنا ہے۔ ڈاڑھی اگر گنجان ہو تو اس میں خلال کرنے کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ واجب ہے' بعض کہتے ہیں کہ مستحب ہے۔ باقی جسم کے بالوں میں خلال کرنا بالاتفاق واجب ہے' خواہ چھدرے ہوں یا گنجان۔ اس حکم میں آنکھ کے پپوٹے اور پلکیں اور بغل اور پیڑو وغیرہ کے بال داخل ہیں۔ ان تمام احکام میں مردوں اور عورتوں کے درمیان فرق نہیں ہے، بالوں کی چٹیا یا تو چٹلے کے ساتھ گندھی ہوئی ہوگی یا بغیر چٹلے کے۔ اگر چٹلے کے ساتھ گندھی ہوئی ہو تو لازم ہے کہ اسے ہٹا دیا جائے۔ چٹیا کھول لی جائے' بشرطیکہ (چٹلے کی) لڑیاں تین یا اس سے زیادہ ہوں۔ اگر تین سے کم ہوں تو کھولنا واجب نہیں ہے۔ بجز اس صورت کے جب کہ چٹیا اس مضبوطی سے بندھی ہوئی ہو کہ جلد تک پانی پہنچانا دشوار ہو تو۔ اس صورت میں اس کا کھولنا واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر خالی بال بھی مضبوطی سے گندھے ہوئے ہوں کہ پانی کھوپڑی تک پہنچنا دشوار ہو تو بالوں کو کھول لینا واجب ہے ورنہ نہیں۔ الغرض بالوں تین یا زیادہ

Marfat.com

لڑیوں کے چٹلے سے گندھے ہوئے ہوں تو ان کا کھول لینا بالوں اتفاق واجب ہے' کیونکہ اس طرح گندھے بالوں سخت بھینچے ہوئے ہوتے ہیں کہ سطح تک پانی پہنچنے میں رکاوٹ ہوتی ہے اور یوں بھی بالوں اگر خوب مضبوطی سے گندھے ہوئے ہوں خواہ چٹلے کے ساتھ ہوں یا بغیر چٹلے کے ان کا کھول لینا واجب ہوگا۔ ہاں بھینچ کر چٹیا نہ بندھی ہو تو کھولنا واجب نہیں ہے۔

ان تمام احکام سے دلہنوں کے بالوں مستثنیٰ ہیں جبکہ بالوں کو سنوارا گیا ہو یا سنگھار کے لیے خوشبودار مسالہ وغیرہ لگا ہوا ہو۔ اس صورت میں سر کا دھونا واجب نہیں ہے' کیونکہ اس طرح مال کا ضیاع ہے۔ دلہنوں کو بدن کا دھولینا اور ہاتھ سے سر کا مسح کر لینا کافی ہے' کیونکہ مسح کرنے سے کوئی حرج نہ ہوگا۔ اگر دلہن کے تمام جسم پر خوشبو وغیرہ لگی ہوئی ہو اور نہانے میں پیسے کا ضیاع کا اندیشہ ہو تو غسل کی فرضیت ساقط ہو جائے گی' تیمم کر لینا چاہیے۔

واضح ہو کہ وضو کے بیان میں ڈھیلی اور تنگ انگوٹھی کے متعلقہ احکام پہلے بیان ہو چکے ہیں' وہی احکام غسل میں بھی لاگو ہیں۔ اگر انگوٹھی تنگ ہے اور اس کا پہننا مباح ہے تو اس کا اتارنا واجب نہیں ہے' خواہ پانی اس کے نیچے نہ پہنچا ہو۔ اوپر سے دھو لینا کافی ہے۔ اس کے متعلقہ تمام مسائل سابقہ کو یہاں بھی لاگو سمجھنا چاہیے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ غسل کے فرائض صرف دو ہیں:

نیت کرنا اور تمام بدن پر پانی پہنچانا۔ سو نیت سب سے پہلے جس عضو کو غسل میں دھویا جائے اس کے ساتھ ہی ہونی چاہیے۔ اگر نیت پہلے کر لی اور غسل ابھی شروع نہ ہوا تھا تو غسل باطل ہوگا' جیسا کہ سابقاً وضو کے بیان میں بتایا گیا' وہاں دیکھ لیا جائے۔ رہا تمام بدن پر پانی پہنچانا' اس حکم میں تمام جسم کے بالوں خواہ چھدرے ہوں یا گھنے ہوں' اندر اور باہر سے سب شامل ہیں۔ بالوں کے درمیان پانی پہنچانا واجب ہے' البتہ اگر بالوں اتنے گھنے ہیں کہ پانی جلد تک نہ پہنچتا ہو تو پانی کا جلد تک پہنچانا واجب نہیں ہے۔ گندھے ہوئے بالوں کے اندر پانی نہ پہنچ سکے تو کھول لینا واجب ہے۔ اس حکم میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ اگر بالوں بغیر گوندھے قدرتی طور پر باہم چسپیدہ ہوں تو اندر پانی پہنچانا معاف ہے۔ (تاہم) واجب یہ ہے کہ جہاں جہاں پانی بے تکلف پہنچ سکتا ہو' پہنچایا جائے۔ یہاں تک کہ اگر ایسی تھوڑی سی جگہ بھی باقی رہ گئی جہاں پانی نہیں پہنچا تو غسل باطل ہو جائے گا۔ اور جسم میں جہاں گڑھے ہیں ان میں بھی پانی پہنچانا ضروری ہے۔ اس امر پر انسان کو مجبور نہیں کیا گیا کہ ان خلاؤں میں سلائی وغیرہ سے پانی پہنچائے' بلکہ مقصد یہ ہے کہ جہاں تک پہنچ سکتا ہے وہاں تک پانی ڈالا جائے' اور ہر ایسی شے کو جو سطح جسم پر پانی پہنچانے سے مانع ہو ہٹا دیا جائے۔ مثلاً آٹا' یا موم یا آنکھ کا میل' چیپڑ۔ اسی طرح ایسی تنگ انگوٹھی کو اتار دینا بھی واجب ہے جس کے نیچے پانی نہ پہنچ سکتا ہو۔ عورت پر واجب ہے کہ اگر کان کی بالوں ی کے چھید تنگ ہوں تو اس کو پھرا لے۔ اگر کان میں بالوں ی نہ ہو اور چھید ہو تو اس کے اندر پانی پہنچانا واجب نہیں ہے کیونکہ شافعیہ کے نزدیک اس حصہ بدن پر پانی پہنچانا واجب ہے جو ظاہر ہے اور سوراخ (کا اندرونی حصہ) ظاہر نہیں ہوتا' بلکہ چھپا ہوتا ہے۔ دونوں کانوں کے 'صماخ' کو دھونا واجب ہے۔ 'صماخ' کان کے خلائی حصے کو کہتے ہیں۔ کان کے اندرونی حصہ (سوراخ) کا دھونا واجب نہیں ہے۔ قلفہ کے اندر پانی پہنچانا واجب ہے۔ قلفہ اس کھال کو کہتے ہیں جو ختنہ ہونے سے پہلے مرد کے عضو مخصوص کی نوک پر ہوتی ہے۔ اگر بغیر اس کو ہٹائے اندرونی حصے میں

Marfat.com

پانی پہنچانا ممکن نہ ہوتو اس کا ہٹانا واجب ہے۔ اگر وہ کھال ہٹائی نہ جاسکتی ہوتو ایسے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے جسے نہ پانی میسر آئے اور نہ مٹی جس سے تیمم کر سکے۔ ایسے شخص کو ''فاقد الطہورین'' (یعنی پاک کرنے والی دونوں چیزوں سے محروم انسان) کہتے ہیں۔ ایسا شخص اگر بغیر ختنہ کرائے مرجائے تو بقول معتمد اس کو بغیر نماز جنازہ پڑھے دفن کر دینا چاہیے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ کوئی شخص تیمم کر کے کھڑا ہو اور اس کی نماز جنازہ پڑھ لے اس سے معلوم ہوا کہ شافعیہ کے نزدیک ختنہ کرانا واجب ہے۔ اس زمانے میں تو ختنہ حفظان صحت کے تقاضوں میں سے خیال کیا گیا ہے۔ پس جو شخص ختنہ نہیں کرواتا وہ نادان اور گندا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ غسل میں صرف ایک بات فرض ہے اور وہ ہے تمام جسم پر پانی پہنچانا۔ جسم میں منہ اور ناک داخل ہے' لہٰذا انکا اندر سے دھونا واجب ہے جس طرح کہ وضو میں واجب ہے۔ اور جسم کے اوپر جو بالوں ہیں ان کو اندر اور باہر سے دھونا واجب ہے' بایں طور کہ پانی بالوں کے درمیان پہنچ جائے' اگرچہ گنجان ہونے کے باعث جلد تک نہ پہنچ سکے۔ مردوں پر واجب ہے کہ اگر بالوں گوندھ رکھے بالوں وں ہیں تو غسل کے لیے ان کو کھول دیں۔ عورتوں پر واجب نہیں ہے کہ گندھے ہوئے بالوں وں کو غسل جنابت کے لیے کھولا جائے کیونکہ اس میں دشواری اور حرج ہے لیکن بالوں وں کو ہلانا واجب ہے تا کہ پانی جڑوں تک پہنچ جائے۔ تاہم چٹیا کھول کر نہانا صرف مستحب ہے۔

واضح ہو کہ یہ رعایت صرف غسل جنابت کی صورت میں ہے۔ غسل حیض میں چٹیا کھولنا واجب ہے' کیونکہ یہ غسل بار بار نہیں ہوا کرتا۔ لہٰذا اس کو حرج اور مشقت نہ سمجھنا چاہیے' بدن کے نمایاں حصے (جن کا دھونا فرض ہے اس) میں قلفہ کا اندرونی حصہ شامل ہے۔ اگر اس (کھال) کا ہٹانا دشوار نہ ہوتو اس کا حکم اوپر بیان ہوا کہ (اس کو کھول کر دھونا چاہیے) اگر دشوار ہوتو اندر پانی پہنچانا واجب نہیں ہے۔ انگوٹھی وغیرہ کے نیچے پانی پہنچانا واجب ہے۔ یاد رہے کہ حنابلہ کہتے ہیں کہ غسل کے وقت بسم اللہ کہنا (اللہ کا نام لینا) فرض ہے' بشرطیکہ نہانے والا عالم ہو، جاہل پر فرض نہیں ہے اور دوم یہ کہ (اللہ کا نام لینا) یاد رہا ہو۔ بھولنے والے پر فرض نہیں ہے۔ لیکن یہ حکم صرف حنابلہ کے ہاں ہے کوئی اور امام اس میں ان کا ہم خیال نہیں ہے۔

فرائض غسل میں جو امور متفق علیہ یا مختلف فیہ ہیں ان کا خلاصہ

جملہ ائمہ اس امر میں متفق ہیں کہ تمام بدن پر پانی پہنچانا فرض ہے' لیکن منہ اور ناک کے اندرونی حصہ کے بارے میں اختلاف ہے۔

حنابلہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ بدن کے حصے ہیں' لہٰذا غسل میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا دونوں کے نزدیک فرض ہے۔ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ حنابلہ کہتے ہیں کہ منہ اور ناک کا اندر سے دھونا وضو میں بھی فرض ہے۔ لیکن حنفیہ اس سے متفق نہیں ہیں کہ یہ باتیں وضو میں فرض ہیں۔

شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ صرف اس حصہ جسم کا دھونا فرض ہے جو ظاہر ہو' لہٰذا کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا نہ وضو میں فرض ہے نہ غسل میں۔ اس امر میں باہم متفق ہیں کہ بدن کے تمام حصے میں جہاں جہاں پانی پہنچانا ممکن ہو وہاں پہنچانا ضروری ہے' خواہ وہ حصہ گہرا ہو' جیسے ناف کا گڑھا یا وہ جگہ جہاں عمل جراحی سے گڑھا پڑ گیا ہو۔

Marfat.com

غسل کی سنتوں مستحبوں اور مکروہات کا بیان

مختلف مسلکوں میں سنت، مندوب اور مکروہ کی جو تعریف معتبر ہے، وضو کے بیان میں وہ بتائی جا چکی ہے، چاہیے کہ وہاں پر دیکھ لیا جائے۔ اس مقام پر غسل کی سنتوں اور مندوبات (مستحبات) کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ رہ گئی مکروہات سو مکروہات سے مراد سنتوں میں سے کسی سنت کا ترک کر دینا ہے۔ اب ذیلی حاشیہ

اسی طرح اس امر میں سب کا اتفاق ہے کہ جسم میں اگر کہیں سوراخ ہو تو یہ ضروری نہیں ہے کہ نلکی یا سلائی وغیرہ سے وہاں پانی پہنچانے پر مجبور کیا جائے۔ مثلاً کسی شخص کے جسم پر گولی لگنے سے گہرا سوراخ ہو جائے تو چاروں اماموں کے نزدیک واجب یہ ہے کہ صرف اس حصہ تک دھویا جائے جہاں تکلیف اور دشواری نہ ہو۔ لیکن شافعیہ کان کے چھیدوں کو جس میں بندا یا بالوں ی ہو ظاہر جسم نہیں' بلکہ باطن تصور کرتے ہیں' لہٰذا اس میں پانی ڈالنا ضروری نہیں جانتے' خواہ ایسا کرنا ممکن ہو اور اس امر میں متفق ہیں کہ ہر ایسی شے کو ہٹا دینا چاہیے جو اس کے نیچے پانی پہنچنے میں حارج ہو' جیسے آٹا' موم اور کان کا چیپڑ۔ لیکن حنفیہ نے دشواری سے بچنے کے لیے ایسے پیشہ وروں کو معذور قرار دیا ہے جن کی انگلیوں کی نوک پر ناخنوں کے نیچے کچھ جم کر رہ جائے اور اس کا چھڑانا دشوار ہو۔ دوسروں کے لیے اس کو دور کرنا لازم ہے' جیسا کہ دوسرے تینوں امام بھی کہتے ہیں۔

اس امر میں سب کا اتفاق ہے کہ اگر بالوں چھدرے ہوں تو ان میں خلال کرنا چاہیے' تا کہ پانی نچلی جلد تک پہنچ جائے' لیکن باقی تین ائمہ کہتے ہیں کہ پانی بالوں وں کے اندر پہنچانا واجب ہے لہٰذا لازم ہے کہ بالوں اوپر دھوئے جائیں اور ان کو ہلایا جائے تا کہ پانی اندر پہنچ جائے۔ جسم کی سطح پر پانی پہنچنا ضروری نہیں ہے۔

گندھے ہوئے بالوں وں کے مسائل میں تمام اماموں کا باہم اختلاف ہے:

حنفیہ کہتے ہیں کہ چٹیا کھولنا واجب نہیں ہے' البتہ بالوں وں کی جڑوں تک پانی پہنچانا واجب ہے۔ اگر بالوں گندھے ہوئے نہ ہوں تو انہیں ہلا لینا واجب ہے' تا کہ پانی بالوں وں کے اندر داخل ہو جائے۔

عورت کو یہ اجازت نہیں دی گئی کہ سر پر ایسا مسالہ لگا رہنے دیا جائے جو بالوں وں کی جڑوں تک پانی پہنچنے میں مانع ہو' بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اس کو دور کرنا واجب ہے' خواہ دلہن ہی کیوں نہ ہو۔ اس مسئلہ میں حنفیہ اور حنابلہ اور شافعیہ متفق ہیں' صرف مالکیہ کو اختلاف ہے۔ چنانچہ انہوں نے دلہنوں کو اجازت دی ہے کہ وہ مسالہ اور سنگھار کی اشیاء لگائے رکھیں اور سر کو نہ دھوئیں اور یہ اچھی رعایت ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر چٹیا کھولے بغیر پانی اندر تک نہ پہنچ سکے تو اسے کھولنا واجب ہے' ورنہ نہیں۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مردوں کو تو ہر حال گندھے ہوئے بالوں کھول دینے چاہئیں۔ لیکن عورتوں کو چٹیا کھولنا حیض و نفاس کے غسل میں واجب ہے صرف غسل جنابت میں واجب نہیں ہے' تا کہ تکلیف حرج سے بچا جا سکے۔

مالکیہ غسل کے پانچ فرائض قرار دینے میں منفرد ہیں۔ چنانچہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ شافعیہ کے نزدیک بھی نیت فرض ہے اور نیت کے فرض ہونے میں وہ مالکیہ سے متفق ہیں لیکن حنابلہ کہتے ہیں کہ فرض نہیں' شرط ہے' جیسا کہ وضو کے

Marfat.com

میں ہر مسلک کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ (۱)

ان باتوں کا بیان جن کے لئے غسل کرنا سنت یا مستحب ہے

اس سے پہلے جو کچھ بتایا گیا اس سے موجبات غسل معلوم ہوئے، یعنی وہ امور جنسے غسل واجب، فرض لازم الادا ہو جاتا ہے۔

اب وہ امور بیان کیے جاتے ہیں جن کے لئے غسل کرنا سنت یا مستحب ہے۔ اس کے متعلقہ مسالک تفصیل طلب ہیں۔ (۲)

بیان میں پہلے بتایا گیا ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نیت سنت ہے۔ نیت کے علاوہ مالکیہ نے جن امور کو فرض قرار دیا ہے وہ سب امور دوسرے اماموں کے نزدیک سنت ہیں۔

۱۔ حنابلہ نے غسل کی حسب ذیل سنتیں بتائی ہیں:

(۱) غسل سے پہلے وضو کر لینا۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ان کے نزدیک (وضو میں) فرض ہے۔

(۲) غسل کرنے والے کا پہلے بدن سے نجاست کو دور کرنا۔

(۳) اعضائے بدن کو تین بار دھونا۔

(۴) دھونے کے وقت دائیں جانب کو بائیں جانب پر ترجیح دینا۔

(۵) موالاۃ کرنا' یعنی بلا تاخیر کیے بعد دیگرے اعضا کا دھونا۔ مطلب یہ ہے کہ ایک عضو کے خشک ہونے سے پہلے دوسرے عضو کو دھونے لگنا۔

(دھلے ہوئے حصہ کو) مسلنا۔

(۶) غسل کی جگہ سے ہٹ کر پاؤں کو دوبارہ دھونا۔ ٹب میں غسل کیا ہو اور پانی پاؤں پر بہہ گیا ہو تو ٹب سے نکل کر پاؤں کو دھونا (صرف) مستحب ہے (سنت نہیں ہے)۔

(۷) آغاز غسل میں بسم اللہ کہنا، بشرطیکہ غسل وغیرہ کے احکام معلوم ہوں اور بسم اللہ کہنا یاد رہا ہو۔ یہ حکم بے علم یا بھول جانے والے سے ساقط ہو جاتا ہے، اس لئے (فقہاء نے) اسے فرائض وضو میں بیان نہیں کیا۔

حنابلہ کے نزدیک مندوب اور سنت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس میں وہ شافعیہ سے متفق ہیں، جیسا کہ وضو کے بیان میں پہلے آ چکا ہے۔

۲۔ حنفیہ حسب ذیل امور کو غسل کی سنتوں میں شمار کرتے ہیں:

(۱) دل میں نیت کر کے غسل کرنا اور زبان سے یوں کہنا کہ میں نیت کرتا ہوں غسل جنابت کی یا کوئی اور غسل جس کا ارادہ ہو۔

(۲) غسل کے آغاز میں تسمیہ (بسم اللہ کہنا)۔

Marfat.com

(۳) دونوں ہاتھوں کا پہنچوں تک تین بار دھونا۔

(۴) اس کے بعد اعضائے مخصوص کو دھونا، خواہ وہاں نجاست نہ لگی ہوئی ہو۔

(۵) (اس کے علاوہ بھی) بدن پر جہاں کوئی نجاست ہو پہلے اس کو دھو ڈالنا۔

(۶) غسل سے پہلے وضو کرنا جس طرح نماز کا وضو ہوتا ہے۔ البتہ اگر ایسی جگہ ہو جہاں پانی جمع ہوا اور اس میں وضو کیا ہے، جیسے ٹب وغیرہ تو پاؤں کو بعد میں دھویا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر کسی پتھر (یا پٹڑے وغیرہ) پر غسل کیا ہے یا پاؤں میں لکڑی کا پاپوش (کھڑاؤں) پہن رکھا ہے تو پھر پاؤں کو بھی دھو کر مکمل) وضو کر لینا چاہیے۔ یہ حکم اس لیے ہے کہ اول الذکر صورت میں تو اس جگہ غسل ہوتا ہے جہاں بدن کا پانی بہہ کر آتا ہے اور بسا اوقات بدن نجاست آلود ہوتا ہے (جس سے پاؤں نجس ہو جاتے ہیں) لہٰذا اس صورت میں دونوں پاؤں کا دھونا (وہاں سے ہٹ کر) سنت ہے۔

(۷) غسل کا آغاز پہلے تین بار سر دھونے سے کرنا۔ اس میں پہلی بار دھونا فرض ہے باقی دو بار سنت ہے۔

(۸) اعضائے غسل کو مسلنا (ہاتھ پھیرنا)۔

(۹) غسل میں دھونے کے وقت دائیں جانب کو بائیں جانب پر مقدم رکھنا۔

(۱۰) غسل میں اس ترتیب بیان کا خیال رکھنا جو اوپر مذکور ہوئی ہے۔

ان کے علاوہ وہ تمام باتیں جو وضو میں سنت ہیں غسل میں بھی سنت ہیں۔ تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔

باقی رہے غسل کے مستحبات سو وہ تمام باتیں جو وضو میں مستحب ہیں، غسل میں بھی مستحب ہیں، بجز دعائے ماثورہ کے (یعنی وہ دعا جس کا ذکر حدیث میں ہے) کہ یہ دعا وضو میں مستحب ہے، غسل میں نہیں ہے، کیوں کہ نہاتے ہوئے استعمال شدہ پانی پڑتا رہتا ہے جو بسا اوقات نجاست آلود ہوتا ہے (اس حال میں دعا مناسب نہیں ہے)۔

شافعیہ حسب ذیل امور کو سنن غسل میں شمار کرتے ہیں:

(۱) غسل کی نیت کے ساتھ اللہ کا نام لینا۔

(۲) دونوں ہاتھوں کا پہنچوں تک دھونا، جس طرح وضو میں دھوتے ہیں۔

(۳) غسل سے پہلے پورا وضو کرنا، جس میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا شامل ہے۔ اگر غسل سے پہلے وضو کر لیا ہے اور پھر حدث لاحق ہو گیا (وضو ٹوٹ گیا) تو دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ وضو کی سنتوں میں سے ہے۔ بعض شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر غسل سے پہلے وضو ٹوٹ گیا ہے تو چاہیے کہ دوبارہ کر لیا جائے۔

(۴) جہاں تک ہاتھ پہنچ سکتا ہے ہر بار بدن کو ملنا۔

(۵) موالات کرنا (یعنی اعضائے غسل کو یکے بعد دیگرے دھونا)۔

(۶) سب سے پہلے سر کا دھونا۔

(۷) تیامن (یعنی دائیں جانب کو بائیں جانب پر دھونے میں مقدم رکھنا)۔

(۸) ایسی ناپاک شے جو پانی کو جسم تک پہنچنے سے مانع نہ ہو، بدن سے دور کرنا۔ اگر مانع ہو تو اس کا پہلے اس کو دھو لینا واجب ہے۔

Marfat.com

(۹) ستر کو ڈھکا رکھنا، اگرچہ کوئی (دیکھتا) نہ ہو۔

(۱۰) ہر حصہ کو تین تین بار دھونا۔

(۱۱) بالوں میں اور انگلیوں میں خلال کرنا۔

(۱۲) سر منڈانے اور ناخن ترشوانے کو غسل کے انتظار میں موقوف رکھنا۔

(۱۳) وضو کی جو دعائیں ہیں ان کا پڑھنا۔

(۱۴) مجبوری کے بغیر دوسرے سے مدد نہ لینا۔

(۱۵) ایسی جگہ پر نہانا جہاں پانی کے چھینٹے (اڑکر) نہ پڑیں۔

(۱۶) بدن کی تری کو ہاتھ سے نہ سونتنا۔

(۱۷) بلا ضرورت کلام نہ کرنا۔

(۱۸) عورت کو اندام نہانی میں مشک اور عطر وغیرہ خوشبودار اشیاء کا پھویا رکھنا، بشرطیکہ احرام کی حالت میں نہ ہو اور روزہ نہ ہو۔ اور اپنے فوت شدہ خاوند کے سوگ میں نہ ہو۔ ایسی صورت میں یہ نہ کرنا چاہیے۔

(۱۹) اعضائے تناسل کے علاوہ بدن کے اوپر والے حصہ کو نچلے حصوں سے پہلے دھونا۔ ان اعضاء کو تو وضو کرنے سے پہلے ہی اچھی طرح دھو لینا چاہیے، تاکہ (دوران غسل) مس کرنے سے وضو نہ ٹوٹے (غسل کے وقت) خاص طور پر رفع حدث کی نیت کرنی چاہیے۔

یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ شافعیہ کے نزدیک سنت اور مندوب ایک ہی چیز ہے، (لہذا یہاں مستحبات کا ذکر علیحدہ نہیں کیا گیا)

مالکیہ کے نزدیک غسل کی چار سنتیں ہیں:

(۱) پہنچوں تک دونوں ہاتھوں کا دھونا، جیسا کہ وضو میں دھوتے ہیں۔

(۲) کلی کرنا۔

(۳) ناک میں پانی ڈالنا اور ناک سنکنا، یعنی ناک سے پانی باہر نکالنا۔

غسل کے مستحبات کی تعداد ان کے ہاں دس ہے اور وہ یہ ہیں:

شروع میں بسم اللہ کہنا۔ پہلے مقام مخصوص کو اور جسم پر لگی ہوئی نجاست کو دھونا۔ ایسی غلاظت کو جو بدن تک پانی پہنچنے میں حارج نہ ہو دور کرنا، حارج ہو تو اس کا دور کرنا واجب ہوگا (محض مستحب نہیں)۔ غسل پاک جگہ پر کرنا۔ اس کے بعد اعضائے وضو کا تین بار دھونا۔ جسم کے اوپر والے حصہ کو نچلے حصے سے پہلے دھونا، سوائے عضو مخصوص کے جس کا دھونا غسل سے پہلے مستحب ہے، تاکہ بعد میں ہاتھ لگنے سے وضو نہ ٹوٹ جائے۔ اس حکم میں مرد و عورت دونوں یکساں ہیں اگرچہ عورت کا وضو شرم گاہ کو مس کرنے سے نہیں ٹوٹتا۔ سر کا تین بار دھونا اور ہر بار تمام جگہ پانی پہنچانا۔ دائیں جانب کو دھوتے وقت بائیں جانب ظہراً اور بطناً (اوپر یا نیچے سے دھونے میں) مقدم رکھنا، ہاتھ کو کہنی تک دھوتے وقت بائیں پر مقدم رکھنا۔ پانی کم بہانا جس کی کوئی تحدید نہیں ہے، بایں طور کہ صرف اتنا پانی استعمال کیا جائے جو اعضاء کو دھونے کے لئے

Marfat.com

کافی ہو۔ نہانے کے دوران غسل کی نیت قائم رکھنا۔ اور ذکر الٰہی کے سوا اور مجبوری کے بغیر کلام نہ کرنا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ غسل مسنون تین ہیں:

اول: جمعہ کی نماز کے لئے نمازی کا غسل کرنا، اگر چہ یہ غسل اس کے لئے لازم نہیں ہے، یہ غسل (سنت ہے کہ) طلوع فجر کے بعد جامع مسجد کو جانے کے وقت سے متصل کیا جائے۔ اگر طلوع فجر سے پہلے غسل کیا اور جامع مسجد کو روانہ ہونے سے متصل نہیں کیا تو سنت ادا نہ ہوگی۔ سنت ادا کرنی ہے تو دوبارہ غسل کرنا چاہیے۔

دوم عیدین کے لئے غسل کرنا۔ یہ غسل بقول راجح سنت ہے، اگر چہ مشہور مستحب ہونا ہے۔ اس کا وقت رات کا چھٹا حصہ باقی رہنے کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ عید کی صبح طلوع ہونے کے بعد غسل کیا جائے۔ اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ روانگی عیدگاہ کے وقت سے متصل ہو کیوں کہ یہ عید کے دن کا غسل ہے، نماز کا نہیں ہے۔

سوم احرام (حج کی نیت) باندھنے کا غسل۔

حیض ونفاس والی عورت کے لئے بھی غسل مستحب آٹھ ہیں اور وہ یہ ہیں:

جس نے مردہ کو نہلایا ہو اس کا غسل کرنا۔

مکہ میں داخل ہوتے وقت غسل کرنا۔ یہ غسل طواف کے لئے ہوتا ہے لہٰذا یہ حیض ونفاس والی کے لئے مستحب نہیں ہے۔

عرفات میں قیام کے لئے غسل کرنا اور حیض ونفاس والی کو صرف مسح کر لینا۔

مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے لئے غسل کرنا۔

اسلام لانے کے لئے غسل کرنا۔ بشرطیکہ کوئی امر موجب غسل پیش نہ آیا ہو۔

اس (نابالغ) بچی کا غسل کرنا جسے نماز کے لئے کہا جا سکتا ہو اور جس سے بالغ شخص نے وطی کر لی ہو۔

اس (نابالغ) بچے کا غسل کرنا جسے نماز کے لئے کہا جا سکتا ہو اور اس نے وطی کے قابل لڑکی سے وطی کی ہو۔

استحاضہ کی مریضہ کا خون بند ہونے پر غسل کر لینا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ غسل مسنون یہ چار ہیں:

جمعہ کے روز اس شخص کا غسل کرنا جسے نماز جمعہ پڑھنا ہے۔ یہ غسل نماز کے لئے ہوتا ہے، روز جمعہ کے لئے نہیں ہوتا، چنانچہ اگر نماز فجر کے بعد غسل کیا گیا، پھر حدث لاحق ہوا اور وضو کیا گیا اور نماز جمعہ پڑھی گئی تو سنت پوری نہ ہوئی۔

عیدین کے لئے غسل کرنا۔ یہ بھی جمعہ کے غسل کی مانند نماز عیدین کے لئے ہوتا ہے، یوم عید کے لئے نہیں ہے۔

حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے لئے غسل کرنا۔

عرفات میں ٹھہرنے کے لئے غسل کرنا۔

جن حالات میں غسل کرنا مستحب ہے وہ یہ ہیں:

جنون یا بیہوشی یا نشہ سے افاقہ کے بعد (غسل اس صورت میں مستحب ہے) جب کہ کپڑے (یعنی تہبند وغیرہ) میں تری محسوس نہ کی ہو، اگر تری محسوس کی گئی ہے اور یہ یقین کیا گیا کہ یہ منی کی تری ہے اور یا اس میں شبہ ہے کہ وہ تری منی

Marfat.com

کی ہے یا مذی کی تو غسل واجب ہو جائے گا (محض مستحب نہ ہوگا) لیکن اگر اس کے ودی یا مذی ہونے میں شبہ ہو تو غسل واجب نہ ہوگا۔ یہی حکم نیند سے بیدار ہونے کی صورت میں ہے۔

پچھنے لگوانے کے بعد۔

شعبان کی پندرھویں رات کو۔

عرفہ کی رات اور شب قدر میں۔

مزدلفہ میں قیام کے وقت یوم نحر کی طلوع صبح پر۔

یوم نحر کے روز رمی جمار کے لئے منٰی میں داخل ہونے کے وقت۔

مکہ میں طواف زیارت کے لئے داخل ہوتے وقت۔

نماز کسوف وخسوف واستقا کے لئے۔

نہایت اضطراب، سخت اندھیرے اور تیز آندھی کے وقت۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر (مدینہ) میں داخل ہونے کے وقت۔

مجلسوں میں شرکت کے لئے۔

نیا لباس پہننے کے لئے۔

میت کے نہلانے پر۔

گناہ سے توبہ کرنے پر۔

سفر سے واپس آکر۔

استحاضہ کا خون بند ہونے پر۔

اسلام لانے کے وقت بشرطیکہ جنابت کی حالت نہ ہو، ایسی حالت ہو تو غسل واجب ہوگا (مستحب نہ ہوگا)

بعض اصحاب حنفیہ نے غسل کی ایک اور قسم بتائی ہے یعنی غسل واجب اور میت کو غسل دینا واجب بتایا ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ غسل مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔

اسی طرح بعض اصحاب نے اسلام لانے والے یا احتلام ہونے پر بالوں غ ہونے والے کے لئے غسل واجب قرار دیا ہے، حالانکہ دراصل یہ غسل فرض ہے۔ البتہ اگر کوئی عورت (خون) حیض بند ہونے کے بعد مسلمان ہو تو اس کے لئے غسل مستحب ہے جیسے اس شخص کا غسل جو حالت جنابت میں نہیں تھا اور مسلمان ہوا، کیوں کہ جنبی ہونے اور جنبی نہ ہونے کے حالتوں میں مسلمان ہونے میں فرق ہے۔ جنابت ایسی حالت ہے جو مسلمان ہونے سے دور نہیں ہوتی اور حیض کی حالت تو مسلمان ہونے سے پہلے ہی (خون بند ہو جانے کے باعث) دور ہوگئی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ فرض غسل کے علاوہ ہر قسم کا غسل سنت ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک سنت اور مندوب میں فرق نہیں ہے۔ ان کی تعداد بہت ہے جن کی تفصیل یہ ہے:

جمعہ کا غسل۔ اس کے لئے جسے نماز جمعہ پڑھنی ہے۔ اس کا وقت طلوع فجر سے امام جمعہ کے سلام پھیرنے تک

Marfat.com

ہے۔ اگر غسل کے بعد حدث لاحق ہو جائے تو اس کا دوبارہ کرنا مسنون نہیں ہے۔

میت کو نہلانے والے کا غسل۔ خواہ نہلانے والا پاک ہو یا نہ ہو۔ اس غسل کا وقت میت کو نہلانے کے بعد شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ اس کو نظر انداز نہ کر دیا جائے۔ میت کو تیمم کرانا بھی نہلانے کے برابر ہے۔

عیدین کا غسل۔ اگر چہ نماز کے ارادہ سے نہ ہو، کیوں کہ اس غسل کا مقصد زینت ہے اور اس کا وقت آدھی شب عید گزر جانے کے بعد آتا ہے اور عید کے دن کا سورج غروب ہونے تک رہتا ہے۔

اس شخص کا غسل کرنا جو اسلام لائے اور حدث اکبر کی حالت میں نہ ہو۔ اگر حدث اکبر کی حالت میں ہے تو غسل واجب ہوگا (نہ کہ سنت)، اسلام لانے کے وقت غسل کرنا سنت ہے اگر چہ حالت کفر میں اس نے غسل کر لیا ہو۔ کیوں کہ غسل سنت کا وہ عادی ہی نہ تھا۔ اس غسل کا وقت مسلمان ہونے کے بعد آجاتا ہے۔ اس کو نظر انداز کر دینے یا زیادہ مدت گزر جانے پر یہ غسل ساقط ہو جاتا ہے۔

نماز استسقا (بارش کی دعا) کے لئے غسل کرنا۔

کسوف وخسوف (یعنی سورج یا چاند گرہن) کے لئے غسل کرنا۔ (یہ سنت) اس کے لئے ہے جو (اس نماز کا) ارادہ کرے، اگر چہ اپنے گھر ہی میں ہو۔ نماز استسقا کی صورت میں غسل کا وقت وہ ہے جب نماز استسقا کا ارادہ کیا جائے۔ خواہ تنہا نماز کا ارادہ ہو یا جماعت کے ساتھ شامل ہو کر نماز ادا کرنے کا ارادہ ہو۔ کسوف وخسوف کی نماز کی صورت میں (اس کے لئے غسل کا وقت) سورج یا چاند میں گرہن نمایاں ہونے کے وقت سے پورا گرہن ہٹنے تک ہے۔

جنون یا بیہوشی دور ہونے پر غسل کرنا۔ خواہ افاقہ کو ایک لحظہ ہی گزرا ہو، بشرطیکہ اس اثنا میں انزال نہ ہوا ہو، ایسا ہو تو غسل واجب ہوگا (محض مستحب نہیں ہوگا)۔

مقام عرفات پر ٹھہرنے کے لئے غسل کرنا۔ اس کا وقت یوم عرفہ کی صبح سے آجاتا ہے اور سورج غروب ہونے پر ختم ہوتا ہے۔

مزدلفہ میں ٹھہرنے کے لئے غسل کرنا، جب کہ عرفات میں ٹھہرنے کے لئے غسل نہ کیا گیا ہو اگر کر لیا ہے تو وہی غسل کافی ہے۔ اس کا وقت سورج غروب ہونے پر آجاتا ہے۔

مشعر حرام میں ٹھہرنے کے لئے غسل کرنا۔ اس کا سبب حج کے بیان میں آرہا ہے۔

تینوں جگہ کنکریاں پھینکنے کے لئے غسل کرنا، جب کہ ایام نحر نہ ہوں۔

بدن میں پسینہ یا میل کچیل وغیرہ کی وجہ سے بدبو ہو جانے پر غسل کرنا۔

مجالس خیر میں شرکت کے لئے غسل کرنا، یہ امر شریعت اسلامیہ کی خوبیوں میں سے ہے، کیونکہ (اسلام میں) کسی شخص کے لئے یہ مناسب نہیں سمجھا گیا کہ اپنے گندے جسم کی بدبو سے لوگوں کو اذیت رسائی کا باعث ہو۔

پچھنے لگوانے اور فصد کھلوانے کے بعد غسل کرنا۔ اس سے جسم میں تازگی آجاتی ہے اور خون جو نکلا ہے اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔

اعتکاف کے لئے غسل کرنا، کیونکہ جو شخص اپنے مولا کے حضور مصروف مناجات ہونا چاہتا ہے اس کے لئے بہتر

Marfat.com

ان امور کا بیان جو حالت جنابت میں غسل سے پہلے واجب ہیں

مسجد میں داخل ہونے اور قرأت قرآن وغیرہ کا بیان

کوئی ایسا شرعی کام جو بغیر وضو کے نہیں کیا جا سکتا، حالت جنابت میں اور غسل کرنے سے پہلے اس کا کرنا حرام ہے۔ لہٰذا ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھنا حلال نہیں ہے، خواہ نفل نماز ہو یا فرض ہو۔ بجز اس صورت کے جبکہ پانی دستیاب نہ ہو، یا کسی مرض وغیرہ کے باعث، جس کی تفصیل تیمم کے بیان میں آئے گی، پانی استعمال کرنے سے معذوری ہو۔ البتہ حالتِ جنابت میں روزہ فرض ہو یا نفل صحیح ہوتا ہے، چنانچہ اگر

یہ ہے کہ پہلے صاف ستھرا ہو جائے۔

مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے لئے غسل کرنا۔

رمضان شریف میں ہر رات غسل کرنا۔

بچہ کا سن بلوغ کو پہنچنے پر غسل کرنا: اگر (بلوغ کو پہنچنا) احتلام سے ہو تو وہ غسل واجب ہوگا (سنت نہیں) جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔

وادی میں بارش کا پانی بہنے یا دریائے نیل کی روانی پر غسل کرنا۔ اس میں خدائے تعالیٰ کے شکر یہ کا اظہار ہے۔

عدت ختم ہونے پر عورت کا غسل کرنا، کیونکہ اس کے بعد ہی (بیوہ عورت) پیغام شادی کے قابل ہو سکتی ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ (عورت) صاف ستھری ہو جائے۔

حنابلہ نے صرف سولہ غسلوں کو مسنون غسلوں کی حد قرار دیا ہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے لئے غسل کرنا۔

عید کے دن عید کی نماز کے لئے جس میں اسے شامل ہونا ہے غسل کرنا۔ یہ غسل عید کی نماز کے لئے ہوتا ہے، یوم عید کے لئے نہیں ہوتا، لہٰذا طلوع فجر سے پہلے اور نماز کے بعد یہ غسل روا نہ ہوگا۔

سورج اور چاند گرہن کی نماز کے لئے غسل کرنا۔

نماز استسقا کے لئے غسل کرنا۔

میت کو نہلانے پر غسل کرنا۔

جنون سے افاقہ ہونے پر غسل کرنا۔

بیہوشی سے افاقہ پانے پر غسل کرنا، بشرطیکہ اس دوران موجب غسل کوئی امر لاحق نہ ہوا ہو۔

استحاضہ والی عورت کا ہر نماز کے لئے غسل کرنا۔

حج اور عمرہ کا احرام باندھنے کے وقت غسل کرنا۔

مکہ میں داخل ہونے کے لئے غسل کرنا۔

Marfat.com

کوئی شخص ماہ رمضان میں کسی دن طلوع صبح سے پہلے اپنی بیوی کے پاس گیا اور غسل نہیں کیا تو اس کا روزہ درست ہوگا، جیسا کہ روزہ کے بیان میں بتایا جائے گا۔

ایسے شرعی امور جو حالت جنابت میں حلال نہیں ہیں، یہ ہیں۔

قرآن شریف کا پڑھنا، جنبی کے لئے حرام ہے کہ وہ حالت جنابت میں قرآن شریف پڑھے۔ قرآن پاک کو ہاتھ لگانا تو بدرجہ اولی حرام ہے، کیونکہ قرآن کو بغیر وضو کے ہاتھ لگانا منع ہے، خواہ کوئی شخص جنبی نہ ہو، تو جنابت کی حالت میں تو بہ طریق اولی اس کا چھونا حرام ہوگا۔

مسجد میں داخل ہونے کے متعلق بھی یہی حکم ہے کہ جنبی کو مسجد کے اندر جانا حرام ہے۔ تاہم شارع نے (بعض صورتوں میں) حالت جنابت میں کسی قدر قرآن پڑھنے اور مسجد میں جانے کی اجازت دی ہے۔ اس کے لئے چند شرطیں ہیں۔ ازروے مسالک مختلفہ ان کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (1)

وقوف عرفات کے لئے غسل کرنا۔

وقوف مزدلفہ کے لئے غسل کرنا۔

رمی جمار (حج میں کنکریاں پھینکنے) کے لئے غسل کرنا۔

طواف زیارت کے لئے غسل کرنا، اس کو طواف رکن بھی کہتے ہیں۔

طواف وداع (یعنی واپسی حج کے طواف) کے لئے غسل کرنا۔

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ حالت جنابت میں قرآن پڑھنا حلال نہیں ہے، جب تک کہ یہ دو شرطیں نہ پائی جائیں:
اول یہ کہ کوئی مختصر سی ایک آدھ آیت پڑھی جائے اور وہ بھی ان دو حالتوں میں سے کسی حالت میں: اول یہ کہ اس آیت کا پڑھنا دشمن وغیرہ سے تحفظ کے لئے ہو، اور دوم یہ کہ اس وقت جبکہ احکام شرعیہ میں سے کسی حکم کی دلیل کے طور پر پڑھی جائے۔ ان کے علاوہ کسی اور صورت میں قرآن شریف کا کچھ بھی پڑھنا حلال نہیں ہے، نہ زیادہ نہ کم۔

رہا مسجد میں داخل ہونا، سو یہ بھی جنبی پر حرام ہے کہ اس حال میں مسجد کے اندر ٹھہرا جائے یا اس کے اندر سے گزرا جائے۔ البتہ دو صورتوں میں (ایسا کرنا) مباح ہے: پہلی صورت یہ ہے کہ غسل کے لئے پانی مسجد کے اندر گئے بغیر دستیاب نہ ہو سکے، یا مسجد کے سوا (پانی کی) اور کوئی سبیل نہ ہو۔ ایسی حالت میں مسجد کے اندر سے گزر کر جانا جائز ہے تاکہ غسل کیا جائے۔

اس میں وہ صورت داخل ہے کہ ڈول یا رسی جس سے پانی نکالنا ہے مسجد کے اندر ہو، اور کوئی دوسری صورت پانی نکالنے کی بن نہ پڑے تو اس کو لانے کے لئے مسجد کے اندر جانا ہوگا۔ یہ کیفیت دیہاتوں میں اکثر پیش آتی ہے۔ جہاں پانی کے نلکے نہیں ہیں۔ آج کل تو یہ حالت ہے کہ ہر جگہ پانی کی نلکیاں لگی ہوئی ہیں۔ وضو خانے اور طہارت خانے ختم ہو گئے ہیں اور پانی تک پہنچنے کے مخصوص راستے ہیں، لہٰذا جنبی شخص کو چاہیے کہ اسی راہ سے جائے، مسجد کے اندر سے نہ جائے۔ اگر کوئی مسجد ایسی ہے جہاں پانی کے نلکے نہیں ہیں اور نہ پانی تک جانے کا کوئی خاص راستہ ہے، بلکہ غسل کے لئے پانی مسجد

Marfat.com

کے اندر ہی سے مل سکتا ہے، تب ہی مسجد کے اندر جانا چاہیے، تا کہ غسل کیا جائے۔ مسجد میں جانے سے پہلے تیمم کر لینا واجب ہے۔

دوسری صورت (دخول مسجد کے جواز کی) یہ ہے کہ کوئی خطرہ درپیش ہو اور مسجد کے سوا پناہ کی جگہ نہ ہو۔ ایسی حالت میں تیمم کر کے مسجد کے اندر جانا چاہیے، یہاں تک کہ وہ خطرہ جس کا خوف تھا ٹل جائے۔

واضح ہو کہ یہ احکام اس حالت میں ہیں جبکہ کوئی شخص اپنے شہر میں ہو اور یا مریض نہ ہو۔ لیکن اگر کوئی سفر میں ہے یا مریض ہے اور جنابت کی حالت میں پانی کا استعمال نہ کر سکتا ہو تو چاہیے کہ تیمم کر کے مسجد کے اندر جائے اور اسی تیمم سے نماز پڑھے، لیکن بلا ضرورت وہاں نہ ٹھہرے۔ اگر کسی شخص کو مسجد میں احتلام ہو جائے تو لازم ہے کہ جلدی سے باہر آ جائے ممکن ہو تو تیمم کر کے فوراً باہر آ جانا بہتر ہوگا۔

الغرض جنابت کی حالت میں ناگزیر حالات کے بغیر مسجد کے اندر جانا جائز نہیں ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جنبی کو قرآن کی تلاوت کرنا حرام ہے، تھوڑا ہو یا بہت، سوائے دو حالتوں کے: ایک تو کسی اہم اور قابل قدر کام کو اللہ کے نام سے شروع کرنا ہے۔ اس صورت میں جنبی شخص کے لئے جائز ہے کہ بسم اللہ پڑھ لے۔ اگرچہ یہ بھی قرآن ہی کی آیت ہے۔ دوسرے یہ کہ کوئی چھوٹی موٹی آیت کسی کے حق میں دعا کے لئے کسی امر کی تحسین کے طور پر، مثلاً یہ کہنا کہ "رب اغفرلی ولوالدی" (یعنی اے پروردگار میری اور میرے ماں باپ کی مغفرت فرما)، یا مثلاً یہ کہنا کہ "اشداء علی الکفار رحماء بینهم" (یعنی وہ لوگ کافروں کے لئے سخت اور باہم نرم رو ہیں)۔ اسی طرح حالت جنابت میں بلا ضرورت مسجد کے اندر داخل ہونا حرام ہے۔ ایسے حالات میں ضرورت کا تعین حالات پر موقوف ہو گا، مثلاً یہ کہ مسجد کے سوا کہیں سے غسل کو پانی دستیاب نہ ہو، جیسا کہ بعض علاقوں میں ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں مسجد کے درمیان سے گزرنا پانی کی جگہ تک پہنچنے کے لئے جائز ہے۔ لیکن جانے سے پہلے تیمم کرنا واجب ہے۔ اسی میں وہ صورت داخل ہے کہ کسی خطرے کے خوف سے مسجد میں بھی داخل ہونا پڑے، جیسا کہ مالکیہ نے بیان کیا۔ اس حالت میں لازم ہے کہ تیمم کر لیا جائے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جنابت کی حالت میں مسجد کے اندر جانے کے لیے تیمم کرنا کبھی واجب ہوگا اور کبھی مستحب ہوگا۔ واجب ہونے کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ مسجد کے باہر جنابت کی حالت لاحق ہوئی اور مسجد میں جانا ناگزیر ہے تو تیمم کرنا واجب ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص، مسجد میں سو گیا، اس وقت وہ پاک ہے، لیکن احتلام ہو گیا اور کسی خطرے کے اندیشہ سے مسجد ہی میں ٹھہرنا لازم ہوا تو تیمم کر لینا واجب ہے۔ ان دو صورتوں کے علاوہ اور صورتوں میں تیمم مستحب ہے۔ چنانچہ اگر کسی کو مسجد کے اندر جنابت لاحق ہوئی تو باہر آنے سے پہلے تیمم کر لینا مستحب ہے۔ یا کوئی شخص جنابت کی حالت میں ہے اور مسجد میں جانے کی مجبوری پیش آئی اور تیمم کرنے کا موقع نہ ملا پھر وہ مجبوری دور ہو گئی اور باہر آنا ہے۔ تو مستحب یہ ہے کہ تیمم کر لے تا کہ تیمم کی حالت میں باہر آنا ہو۔ لیکن ان حالات میں اس تیمم سے قرآن پڑھنا یا نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

یاد رہے کہ ان تمام مسائل میں لفظ مسجد کے اندر مسجد کا صحن داخل ہے، البتہ مسجد کے میدان اور باڑھ کے اندر

Marfat.com

حالت جنابت میں تیمّم کے بغیر داخل ہونا جائز ہے۔

عیدگاہ، جنازہ گاہ، خانقاہ اور صوفیوں کی عبادت گاہ ان سب کا وہی حکم ہے جو مسجد کا ہے۔ مدرسوں سے ملحقہ مسجدیں، جبکہ وہ عوامی حیثیت کی ہوں، اور اس میں کسی کو بھی نماز پڑھنے کی ممانعت نہ ہو، یا مسجد بند ہو جس میں صرف اندر والوں کو نماز کی اجازت ہو، تب بھی یہ دوسری مسجدوں کی طرح ہے اور اس پر مسجد کے احکام لاگو ہوں گے۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ حالت جنابت میں تلاوت کے ارادہ سے قرآن پڑھنا حرام ہے، خواہ ایک ہی حرف ہو، لیکن اگر (تلاوت کے طور پر نہیں بلکہ) محض ذکر الٰہی مقصود ہو، یا بلا ارادہ زبان سے (آیت قرآن) نکل جائے تو حرام نہیں ہے، مثلاً کھانے کے وقت 'بسم الله الرحمان الرحیم' کہا جائے یا سواری کے وقت کہا، "سبحان الذی سخرلناھذا وما کناله مقرنین" (یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے اس (سواری) کو ہمارے لئے مسخر فرمایا، ورنہ ہم اسے قابو میں کہاں سے لاسکتے تھے!) اس (جواز) کی مثال ایسی ہے، جیسے فاقد الطهورین (یعنی وہ شخص جسے نہ وضو یا غسل کے لئے پانی دستیاب ہو نہ تیمم کے لئے مٹی ملے) ایسے شخص کو مجبوری کے پیش نظر (بغیر وضو یا تیمم کے) نماز فرض مباح ہے اور نماز میں قرآن پڑھنا جائز ہے۔ یہی حکم حیض ونفاس والی عورت کے لئے ہے۔

مسجد کے اندر سے گزر کر جانا بغیر اس کے کہ اس میں توقف کیا جائے، یا چلا پھرا جائے، جنبی مرد اور حیض ونفاس والی عورت کے لئے جائز ہے، بشرطیکہ مسجد کے نجس آلود ہونے کا اندیشہ نہ ہو، لہٰذا اگر کوئی جنبی شخص ایک دروازہ سے داخل ہو کر اسی دروازے سے باہر آجائے تو حرام ہے، کیونکہ ایسا کرنا مسجد کے اندر چلنے پھرنے کے مترادف ہے اور یہ ممنوع ہے۔ البتہ اس صورت میں جبکہ ارادہ تو دوسرے دروازے ہی سے نکلنے کا رہا ہو، لیکن اتفاق کچھ ایسا ہوا کہ اسی دروازے سے نکلنا پڑا، تو حرام نہیں ہے۔ حدث اکبر والے کو اگر مجبوراً مسجد میں توقف کرنا پڑے، مثلاً کسی شخص کو مسجد میں احتلام ہو گیا اور دروازہ مقفل ہے کہ نکلنا دشوار ہے، یا باہر نکلنے میں جان مال کا خطرہ ہے، تو یہ (توقف) جائز ہے، لیکن واجب ہے کہ کافی پانی موجود ہو تو وضو کر لیا جائے اور اگر نہ ہو تو تیمم کر لیا جائے۔ لیکن تیمم مسجد کی خاک سے نہ ہونا چاہیے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ حدث اکبر کی حالت میں قرآن کی کوئی چھوٹی سی آیت یا کسی لمبی آیت کا اس کے برابر ٹکڑا پڑھنا جائز ہے۔ اس سے زیادہ پڑھنا حرام ہے البتہ ایسے الفاظ جو قرآن کے مطابق ہوں، ذکر الٰہی کے طور پر زبان سے ادا کیے جائیں تو روا ہے، مثلاً کھانے کے وقت بسم اللہ پڑھنا اور سواری کرنے کے لئے "سبحان الذی سخرلنا هذا وما كناله مقرنين" کہنا۔

جنبی مرد اور حیض ونفاس والی عورت کو اگر چہ ادرار کی حالت میں ہو، مسجد میں سے گزر جانا اور بغیر توقف کیے چلنا پھرنا جائز ہے، بشرطیکہ مسجد کے نجس ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ جنبی آدمی اگر وضو کر کے مسجد میں توقف کرے تو جائز ہے، لیکن حیض ونفاس والی عورت کو وضو کر کے بھی مسجد میں توقف کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر خون بند ہو گیا ہو (تو جائز ہے)۔

Marfat.com

حیض کے متعلقہ مسائل

حیض کے متعلق چند مسائل ہیں:

اول اس کی تعریف۔ اس میں خون حیض کے معنے، اس کا رنگ اور اس کی مقدار جس سے کسی عورت کو حایضہ تصور کیا جاسکے اور اس عمر کا بیان جس میں کسی عورت کا حائضہ ہونا صحیح ہو یا صحیح نہ ہو۔ اور اس امر کی وضاحت کہ حاملہ عورت کو حیض آتا ہے یا نہیں؟ اس کے علاوہ اور امور جن کی تفصیل ضروری ہے۔

دوسرے حیض کی مدت اور پاک رہنے کی مدت۔

تیسرے استحاضہ کے معنی اور اس کی تفصیل۔

اب علی الترتیب ان کا بیان کیا جاتا ہے۔

حیض کی تعریف

لغت میں حیض کے معنے "بہنے" کے ہیں۔ چنانچہ جب کسی وادی میں پانی بہنے لگے تو "حــاض الــــوادی" (یعنی وادی بہنے لگی) اسی طرح جب درخت سے سرخ رنگ کی گوند نکلے تو کہتے ہیں کہ "حاضت الشجرة" (یعنی درخت بہ نکلا) اسی طرح جب عورت کو حیض کا خون آئے تو کہا جائے گا حاضت **المرأة تحیض حیضاً محیضاً فھی حایض او حایضة۔**

حیض کو طمث، ضحک اور اعصار وغیرہ بھی کہتے ہیں۔

فقہاء کی اصطلاح میں اس (لفظ حیض) کے جو معنے ہیں اس کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں دیکھنی چاہیے، تاکہ بآسانی یاد رہے اور اس کے متعلقہ مسائل معلوم ہو جائیں۔ [1] اس ضمن میں خون حیض کے معنے اور یہ کہ حاملہ عورت کو حیض آتا ہے یا نہیں، اور یہ کہ کس عمر میں حیض کا آنا ممکن ہے اور یہ کہ کس مقدار خون کو حیض سمجھا جائے اس کے علاوہ اور باتیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ حیض وہ دم (خون) ہے جو از خود (قدرتی طور پر) عورت کی شرم گاہ سے اس عمر میں نکلتا ہے جب کہ اس میں استقرار حمل کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ اور خون (حیض) وہ ہے جس کا رنگ سرخ، نرا سرخ یا زرد رنگ یا مٹیالا رنگ ہو اور مٹیالا رنگ وہ ہے جو سیاہ اور سفید کے درمیان میں ہو۔ غرض حیض کا خون ان ہی تین رنگوں کا ہو سکتا ہے، اگر چہ فی الحقیقت خون وہ ہے جو خصوصیت کے ساتھ سرخ رنگ کا ہو اور سرخی خالص ہو۔ مسلک مالکیہ میں حیض کی یہی تعریف مشہور ہے۔ اگر بالفرض عورت کی اندام نہانی سے حیض کی عمر کو پہنچ کر زرد یا مٹیالا پانی خارج ہو تو وہ اسی طرح حیض متصور ہوگا جیسا کہ سرخ رنگ کا خون آنے پر۔ بعض اصحاب مالکیہ کہتے ہیں کہ صرف سرخ رنگ کا خون حیض ہے، باقی

Marfat.com

زرد یا مٹیالے رنگ کا پانی اگر ایام حیض میں نکلے تو حیض ہوگا، ورنہ نہ ہوگا۔اور بعض اہل تحقیق کی رائے یہ ہے کہ یہی قول سب سے زیادہ صحیح ہے اور اندام نہائی سے از خود نکلنا جو کہا گیا ہے، اس سے مقصد یہ ہے کہ حیض کا خون دراصل وہی ہے جو کسی اور سبب کے بغیر خارج ہو۔ چنانچہ ولادت کے وقت جو خون نکلتا ہے وہ حیض نہیں ہے، بلکہ نفاس ہے۔ نفاس کے مسائل آگے آرہے ہیں۔اور اگر پردہ بکارت کے ٹوٹنے سے خون نکلے تو ظاہر ہے کہ وہ ایسا ہے جیسے کسی شخص کے ہاتھ یا ناک یا جسم کے کسی اور حصے سے خون نکلا۔ایسی صورت میں عورت پر سوا اس کے اور کچھ واجب نہیں ہے کہ جو جگہ خون سے آلودہ ہوئی ہے اسے دھولیا جائے۔اگر حیض کا خون کسی دوا سے وقت مقرر سے ہٹ کر نکلا تو مالکیہ کے نزدیک بظاہر اسے حیض نہ کہا جائے گا۔لہٰذا ایسی عورت کو روزہ رکھنا اور نماز پڑھنا لازم ہے، البتہ چاہیے کہ احتیاطاً روزہ کی قضا رکھ لے، کیونکہ ممکن ہے وہ (خون جو دوا سے آیا) حیض ہی کا خون رہا ہو۔لیکن ایسے خون سے عدت کی میعاد ختم نہ ہوگی۔اس کے برعکس اگر دوا کے استعمال سے حیض کا خون مقررہ میعاد سے پہلے بند ہو جائے تو اس کو پاکی کی حالت تصور کیا جائے گا اور اس کے بہ موجب عدت کی مدت ختم ہو جائے گی۔

واضح ہو کہ عورت کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ حیض کے خون کو روک لے، یا مقررہ وقت سے پہلے آنے کی کوشش کرے، جب کہ ایسا کرنا صحت کے لئے مضر ہو، کیونکہ صحت کی حفاظت واجب ہے۔اس قید سے مقصد یہ ہے کہ حیض (متصور ہونے) کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ قبل (آگے کی راہ) سے خارج ہو، اگر پیچھے کی راہ سے یا بدن کے کسی اور حصہ سے خون نکلا تو وہ حیض نہیں ہے۔غرض یہ ضروری ہے کہ خون از خود نکلا ہو جس کا اور کوئی سبب نہ ہو، ورنہ وہ حیض نہیں ہے۔

اور یہ جو کہا گیا کہ ایسی عمر میں نکلے جس میں حمل کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، اس قید سے وہ خون خارج ہو گیا جو چھوٹی عمر کی لڑکی، جسے حیض نہیں آتا، محسوس کرے، یا وہ خون جو عمر رسیدہ عورت (آیسہ) جس کا حیض آنا بند ہو چکا ہو، محسوس کرے کہ وہ بھی حیض نہیں ہے۔(مالکیہ کے نزدیک) صغیر سن لڑکی وہ ہے جو نو سال سے کم عمر کی ہو۔ایسی لڑکی کا خون قطعی طور پر حیض نہیں ہے، لیکن اگر نو سال کی لڑکی (خون) محسوس کرے تو اس کی بابت واقف کار ہوشیار عورتوں یا کسی صاحب ایمان طبیب سے دریافت کرنا چاہیے، اگر وہ کہہ دیں کہ وہ حیض ہے تو اسے حیض تصور کیا جائے، ورنہ نہیں۔دس سال سے لے کر تیرہ سال تک کی لڑکی کا حکم وہی ہے جو نو سال کی لڑکی کا ہے کہ اس کی بابت ماہرین سے دریافت کر لیا جائے۔تیرہ سال کی لڑکی کو ''مراہقہ'' کہتے ہیں۔تیرہ سال سے زیادہ عمر کی عورت کا خون یقیناً حیض ہے۔عمر رسیدہ عورت جو پچاس سال کی عمر کو پہنچ جائے اور اسے خون آئے تو اس کی بابت ماہر عورتوں سے دریافت کیا جائے گا اور ان کی رائے کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ستر سال کی عمر تک کے لئے یہی مسئلہ ہے اگر اس عمر کی پہنچ کر خون آئے تو وہ قطعاً حیض نہیں ہے۔ کیونکہ مالکیہ ستر سال کی عمر کے بعد جو خون آئے اسے (حیض نہیں) استحاضہ کہتے ہیں۔اور وہ صغیر سن لڑکی جو ہنوز نو سال کی نہیں ہوئی اس کا خون کسی مرض یا خرابی صحت کا خون ہے۔بہ خلاف حنفیہ کے کہ یہ اصحاب اس پر استحاضہ کا اطلاق کرتے ہیں اور صغیر سن یا عمر رسیدہ عورت میں (ان مسائل کے متعلق) فرق نہیں سمجھتے۔

ان ضابطوں سے معلوم ہوا کہ مالکیہ کے نزدیک حمل والی عورت کو خون آسکتا ہے۔چنانچہ اگر کوئی حاملہ عورت دو ماہ کے حمل میں خون دیکھے اور یہ وہ عرصہ ہے جس میں بالعموم حمل ظاہر ہو جاتا ہے تو ایسی عورت کے ایام حیض بیس دن

Marfat.com

مدت حیض کا بیان

مدتِ حیض سے مراد وقت کا وہ عرصہ ہے جس کے دوران عورت حایضہ متصور ہوتی ہے۔ یعنی اس عرصہ سے زیادہ یا کم مدت ہو تو اس کو حالتِ حیض میں نہیں سمجھا جائے گا، اگرچہ خون آیا ہو۔ ایام حیض کے شروع ہونے اور ختم ہونے کا وقت خاص ہوتا ہے۔ اس کی کم سے کم مدت ایک دن اور ایک رات ہے۔ بشرطیکہ خون ایام حیض میں اور عادت کے مطابق آیا ہو، بایں طور کہ اگر (اندام نہانی میں) روئی کا پھویا رکھا جائے تو خون آلود ہو جائے۔ ایک دن اور ایک رات سے مراد نظام فلکی کے اعتبار سے چوبیس گھنٹے ہیں۔

چنانچہ اگر خون آیا اور اس مدت سے پہلے بند ہو گیا تو اس کو حالت حیض نہیں مانا جائے گا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ خون دن کے ابتدائی حصے سے لے کر تمام دن اور تمام رات جاری رہے (تب ہی اس کو حیض شمار کیا جائے) بلکہ حیض کی مدت کا انحصار اس امر پر ہے کہ خون ظاہر ہونے کے بعد چوبیس گھنٹے گزر جائیں۔

حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن اور پندرہ راتیں ہیں۔ اگر اس عرصے کے بعد خون آئے تو وہ حیض نہیں ہے۔ اس تعین مدت میں عورت کی عادت ایام کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ لہٰذا اگر تین دن یا چار دن یا پانچ دن وغیرہ کی عادت ہے کہ اتنے دن اس کو حیض آتا ہے' پھر وہ عادت بدل گئی اور خون اس مدت کے بعد بھی آیا تو وہ حائضہ شمار ہوگی' لیکن یہ مدت حیض پندرہ یوم تک ہو سکتی ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کی رائے بھی یہی ہے اور متعدد احادیث اسی مدت کے تعین پر دلالت کرتی ہیں' لیکن وہ تمام احادیث صحیح نہیں ہیں۔ ان ہی میں وہ حدیث بھی ہے جو کتب فقہ میں متداول ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "النساء ناقصات عقل و دین" (یعنی عورتوں میں عقل اور دین کی کمی ہے) عرض کیا گیا کہ دین میں کمی ہونے کی کیا صورت ہے؟ ارشاد ہوا "تمکث احداهن شطر عمرها لا تصلی" (یعنی عورت کی عمر کا آدھا حصہ ایسا ہوتا ہے جس میں وہ نماز نہیں پڑھ سکتی)۔ اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ وہ نصف ماہ تک حائضہ رہتی ہے' لیکن یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ ابن الجوزی کہتے ہیں کہ اس حدیث کا پتہ نہیں چلتا' اور بیہقی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں سے کچھ بھی کتب احادیث میں نہیں ملتا۔ ان کے علاوہ دوسرے اصحاب کا کہنا ہے کہ یہ حدیث کسی طرح سے بھی ثابت نہیں ہے اور فی الوقع اس سے کوئی مطلب نہیں نکلتا' کیونکہ شارع علیہ السلام نے خود ہی حائضہ عورتوں کو نماز سے منع فرمایا ہے تو آخر اس میں عورتوں کی کیا خطا ہے جس کے باعث انہیں اس

تک شمار کیے جا سکتے ہیں بشرطیکہ اس عرصہ میں خون آتا رہے، ایام حیض کی مدت (دوران حمل) چھ ماہ تک تسلیم کی جائے گی۔

Marfat.com

ظالم صفت سے موصوف کیا جائے۔ اس مسئلے میں شافعیہ اور حنابلہ نے جس پر بھروسا کیا ہے وہ صرف وہ روایت ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو فرماتے ہیں کہ پندرہ یوم سے زائد جو خون آئے وہ استحاضہ ہے۔ اس باب میں مالکیہ اور حنفیہ کی جو رائے ہے وہ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

اگر (حمل کے) چھ ماہ گزرنے پر خون آیا تو ایام حیض کی میعاد تیس دن تک شمار کی جائے گی۔ بشرطیکہ خون آتا رہے اور یہی میعاد وضع حمل تک متصور ہوگی۔ ہاں اگر حمل کے پہلے یا دوسرے مہینے میں خون آ گیا تو ایام حیض کی مدت (اس عورت کی) عادت ایام کے مطابق متصور ہوگی۔ اس کی تفصیل ایام حیض و پاکی کی میعاد کے بیان میں آئے گی اور (حیض کے باب میں) جو دفقہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ سو دفقہ (بضم و بفتح دال) کہتے ہیں کسی شے کے یک دم ابل پڑنے کو اور مراد اس سے یہ ہے کہ عورت کو اس صورت میں بھی حائضہ تصور کیا جائے گا جب کہ آمد خون کی مدت قلیل ہو۔ چنانچہ ایسی عورت کا نماز پڑھنا درست نہ ہوگا جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائے۔ اس حالت (یعنی دفقہ) میں اگر روزہ ہو تو وہ ٹوٹ جائے گا اور قضا واجب ہوگی۔

واضح ہو کہ آمد خون کی مدت اگر قلیل ہو تو عدت ختم نہ ہوگی بلکہ (عدت ختم ہونے کے لیے) لازم ہے کہ خون ایک روز تک جاری رہے (ملاحظہ ہو جلد چہارم کتاب ہذا)

حنابلہ کہتے ہیں کہ "حیض" طبعی (قدرتی طور پر) خارج ہونے والا خون ہے جو جنس اناث کے رحم کے اندر سے تندرستی کی حالت میں نکلتا ہے' بشرطیکہ حمل نہ ہو۔ اس کے اوقات مقررہ ہوتے ہیں اور اس کے نکلنے کا سبب ولادت نہیں ہوتا۔ حنابلہ کی اصطلاح میں "دم" (خون حیض) اس کو کہتے ہیں جس کا رنگ اکثر سیاہ یا سرخ یا مٹیالا ہو۔ اور لفظ "طبعی" سے یہ مراد ہے کہ یہ فطری طور پر عورت کے لیے لازم ہے اور یہ خصوصیت تمام مسالک فقہیہ میں متفق ہے۔ اور صنف اناث کے رحم کے اندر نکلنے کی جو قید لگائی ہے اس (قید کے لگانے) سے وہ خون (تعریف سے) خارج ہو گیا جو بدن کے کسی اور حصے سے نکلے' کیونکہ وہ حیض نہیں ہے۔ اور حاملہ نہ ہونے کی شرط لگانے سے وہ خون (تعریف سے) نکل جائے گا جو حالت حمل میں دیکھا جائے۔ وہ حیض نہیں ہے۔ اور یہی حنفیہ کی رائے ہے۔ لیکن مالکیہ اور شافعیہ کی رائے اس سے مختلف ہے' جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔ مقررہ اوقات کی قید لگانے سے صغیر سن بچی کا خون جو نو سال سے کم عمر کی ہو' اور اس عورت کا خون جو عمر رسیدہ (آیسہ) عورت جس کو حیض آنا بند ہو گیا ہو یہ دونوں (تعریف سے) خارج ہو گئے۔ حنابلہ کے نزدیک 'آیسہ' وہ عورت ہے جو پچاس سال کی ہو چکی ہو۔ ایسی عورت کو خون آ جائے تو وہ حیض نہیں ہے' خواہ وہ عورت قوی ہو۔ اور یہ قید کہ وہ خون ولادت کے سبب نہ نکلا ہو اس لیے ہے کہ نفاس کا خون اس سے خارج سمجھا جائے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور تین راتیں ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن اور دس رات ہے۔ پس اگر کسی عورت کے ایام عادت میں دس یوم کے اندر زیادتی ہوئی تو زائد مدت حیض میں شمار ہوگی۔ مثلاً اگر کسی کو ایام حیض کی عادت تین دن ہے' لیکن چار دن خون آتا رہا ہو تو چوتھا دن بھی حیض میں شمار ہوگا۔ اور ایام عادت کا تحقق ایک ہی بار میں ہو جاتا ہے' یعنی اگر ایام حیض کی عادت چار دن ہے اور پانچویں دن بھی خون آ گیا تو اب ایام عادت پانچ دن شمار ہوں گے' اور پانچواں دن بھی ایام حیض میں شمار ہوگا' اور یہی صورت دس دن کی مدت تک رہے گی۔ البتہ

Marfat.com

طہر (پاک رہنے) کی مدت

(حیض سے) پاک رہنے کی مدت کم سے کم پندرہ یوم ہے۔[1] مثلاً کسی عورت کو حیض آیا اور تین دن کے بعد بند ہو گیا اور (صرف) چودہ یوم تک یا اس سے کم عرصہ بند رہا اور پھر خون آ گیا تو یہ حیض نہیں ہے۔

پاک رہنے (طہر) کا زمانہ دو حیضوں کے درمیان کا ہوتا ہے' مثلاً حیض آیا اور بند ہو گیا۔ اور مدت مذکورہ (پندرہ یوم) گذرنے کے بعد پھر حیض آیا (تو یہ درمیانی عرصہ طہر ہے) اسی طرح حیض اور نفاس کے درمیان کی مدت طہر ہے۔ مثلاً نفاس کے بعد پندرہ یوم کی مدت گزر گئی[2] اور تب حیض آیا تو یہ درمیانی عرصہ پاکی کی حالت (یعنی طہر) ہے۔

حالت طہر کے لیے زیادہ سے زیادہ مدت کی کوئی حد نہیں ہے' چنانچہ لا اگر حیض کا خون بند ہو گیا اور

اگر (خون) دس دن سے زیادہ تک رہا تو عورت مستحاضہ خیال کی جائے گی۔ اور دس دن سے زائد عرصہ کو ایام حیض میں نہ مانا جائے گا' بلکہ صرف ایام عادت ہی کو حیض کے (دنوں میں) شمار کیا جائے گا۔ اور حیض کے ایام اتنے ہی ہوں گے جو عادت کے ہیں' اور زیادہ دن (جن میں خون آیا ہے) وہ استحاضہ ہے' اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جہاں تک عبادت کا تعلق ہے اس کے لیے حیض کی کم سے کم مقدار یا کم سے کم وقت مقرر نہیں ہے۔ پس اگر ایک ہی لحہ میں یک بارگی خون آ گیا تو عورت کو حالت حیض میں شمار کیا جائے گا (یعنی یہ نہ دیکھا جائے گا کہ کس مقدار میں خون آیا اور یا کتنے عرصے تک آیا۔ لیکن عدت (کے تعین) اور استبراء (کے تحقق) کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ کم سے کم مدت ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ہے' لیکن زیادہ سے زیادہ نہ مدت مقرر ہے اور نہ مقدار خون مقرر ہے کہ مثلاً ایک رطل ہو یا زیادہ یا کم ہو۔ البتہ جس کو پہلی بار حیض آیا ہو' اور حاملہ نہ ہو' اس کی مدت زیادہ سے زیادہ پندرہ یوم ہے۔ اور ایام عادت سے کچھ زیادتی ہو جائے تو احتیاطاً مزید تین دن کی میعاد مقرر ہے۔ چنانچہ اگر کسی کو پانچ دن ایام حیض کی عادت ہے اور اس سے زیادہ دن لگ گئے تو آٹھ دن تک ٹھہرنا چاہیے۔ اگر تیسری بار بھی خون جاری ہوا تو اب اس کی (پہلی عادت پانچ دن کی بجائے) ایام عادت آٹھ دن قرار پائیں گے' کیونکہ ایک بار حیض میں جتنے دن لگ جائیں (آئندہ کے لیے) وہی ایام عادت قرار پاتے ہیں۔ اس صورت میں گیارہ دن ٹھہرنا چاہیے۔ اب چوتھی بار بھی خون آنے کے دن بڑھ جائیں تو (گیارہ دن پر تین دن احتیاطی اضافہ کر کے) چودہ دن ٹھہرنا چاہئے۔ اگر اس کے بعد دن بڑھ جائیں تو اب پندرہ دن سے زیادہ (مدت کو) حیض میں شمار نہ کیا جائے گا۔ غرض پندرہ یوم کے بعد جو خون آیا یا ایام عادت پر تین دن کے اضافے کے بعد پندرہ دن سے پہلے بھی جو خون آیا وہ سب استحاضہ شمار ہو گا۔

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ دو حیضوں کے درمیان پاک رہنے کی کم سے کم مدت تیرہ یوم ہے۔

۲۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ ایام طہر (کم سے کم) پندرہ یوم ہیں۔ حنفیہ اور مالکیہ کا کہنا بھی یہی ہے' لیکن وہ ایام طہر یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ دو حیضوں کے درمیان ہو واقع' لیکن اگر (یہ وقفہ) خون حیض اور خون نفاس کے درمیان

Marfat.com

اس کے بعد پھر نہ آیا تو اس عورت کو تمام عمر طہر کی حالت میں شمار کیا جائے گا۔

اگر کسی عورت کو ایک دن خون آ کر بند ہو گیا اور پھر ایک دن آ گیا تو وہ عورت ان دنوں میں بھی جن میں خون نہیں آیا شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک (۱) حائضہ متصور ہو گی۔

استحاضہ کا بیان

استحاضہ وہ خون ہے، جو حیض اور نفاس کے علاوہ رحم سے خارج ہو لہٰذا زیادہ سے زیادہ یا کم سے کم مدت حیض سے ہٹ کر خون آئے یا حیض کی عمر سے جو سابقاً تعریف حیض میں بتائی گئی پہلے آئے تو وہ استحاضہ ہے (۲) اور یہ ضروری نہیں ہے، کہ استحاضہ وہی خون ہے جو سن حیض کو پہنچ جانے والی عورت سے خارج ہو بلکہ اگر صغیر سن لڑکی کو جس کی عمر باختلاف مسالک، جس کی تفصیل تعریف حیض میں آ چکی ہے، سات یا نو سال سے کم ہو، خون آ جائے تو وہ بھی استحاضہ ہے اور استحاضہ والی عورت صاحب عذر ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو

ہو تو کم سے کم (مدت طہر) کی کوئی حد مقرر نہیں کرتے۔ چنانچہ اگر نفاس کو بند ہوئے ایک ہی دن گزرا ہو اور پھر خون آ گیا تو یہ حیض کا خون (متصور) ہو گا۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی عورت کو ایک لحظہ کے لیے بھی خون آیا اور پھر بند ہو گیا تو اسے اگلی بار خون حیض آنے تک پاک تصور کیا جائے گا اور جب تک خون نہ آئے وہ تمام اعمال بجا لا سکتی ہے جو حیض سے پاک عورتیں بجا لاتی ہیں۔

حنابلہ (اس مسئلے میں) مالکیہ سے متفق ہیں کہ دو حیضوں کے درمیان کا عرصہ طہر مانا جائے گا۔ بجز اس کے کہ ان کے نزدیک حیض کی کم سے کم مدت ایک دن اور ایک رات ہے، جیسا کہ بتایا جا چکا ہے۔ لہٰذا اگر صرف دن دن میں یا دن کے کسی حصے میں خون آیا تو وہ حیض متصور نہ ہو گا۔

۲۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ پہلی بار استحاضہ والی عورت اگر خون میں امتیاز کر سکی ہے کہ وہ قوی قسم کا ہے، ضعیف قسم کا نہیں ہے تو وہ قوی قسم کے خون کو حیض قرار دے، بشرطیکہ کم از کم مدت حیض سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت حیض سے زیادہ نہ ہو۔ کمزور قسم کا خون ''طہر'' ہوتا ہے۔ بشرطیکہ ایام ''طہر'' کی کم سے کم مدت سے کم نہ ہو اور یہ کہ متواتر خارج ہو لہٰذا اگر کسی دن سرخ اور کسی دن سیاہ آیا تو امتیاز کی شرائط میں سے ایک شرط جاتی رہے گی۔ پس اگر دونوں صورتوں کی شرط میں خلل ہو (یعنی شرط پوری نہ ہو تو) صرف ایک دن اور ایک رات حیض اور مہینے کے باقی ایام طہر ہوں گے۔ یہی حکم اس عورت کا ہے جو پہلی بار استحاضہ سے دوچار ہوئی اور اسے قوی وضعیف خون میں امتیاز کی صلاحیت ہو۔

اگر عورت حیض کی عادی ہے اور (قوی وضعیف) خون میں امتیاز کر سکتی ہے تو بنا بر امتیاز نہ کہ باعتبار عادت قوی خون حیض ہو گا۔ اور اگر عورت دونوں میں امتیاز نہ کر سکتی ہو لیکن اپنے ایام حیض کی عادت یعنی اس کی مقدار اور وقت سے باخبر ہے تو اس کی عادت کے مطابق (مدت حیض کو) طے کیا جائے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ استحاضہ والی عورت یا تو عادی ہو گی یا اس کا پہلا سابقہ ہو گا۔ اگر عادی ہے تو (حیض کا تعین)

Marfat.com

سلسل بول یا دائمی پیچش کے مریض یا اسی طرح کی اور معذوریوں میں' جن کا ذکر مسائل معذور میں ہوا ہے' میں مبتلا اشخاص کا ہے۔ استحاضہ کی حالت میں ان امور کی ممانعت نہیں ہے جو حیض و نفاس کی حالت میں منع ہیں۔ مثلاً قرآن شریف کا پڑھنا یا ہاتھ لگانا' مسجد میں داخل ہونا اور کعبہ کا طواف کرنا جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ البتہ استحاضہ کی حالت میں نماز وغیرہ کا ادا کرنا وضو پر منحصر ہے غسل پر نہیں ہے' جیسا کہ معذور اشخاص کے بیان میں مذکور ہوا۔

عادت کے مطابق کرلیا جائے' اگر وہ (حیض و استحاضہ کا) امتیاز کرسکتی ہو۔ لیکن اگر اس کو پہلی بار استحاضہ لاحق ہوا ہے' تو دیکھنا چاہیے کہ اس میں امتیاز کی صلاحیت ہے یا نہیں۔ اگر صلاحیت ہے تو اپنے امتیاز کی بنا پر عمل کرنا چاہیے۔ کہ اگر خون قوی ہے اور اس میں حیض بننے کی صلاحت ہے یعنی اس کی مدت ایک دن اور ایک رات سے کم اور پندرہ دن سے زیادہ نہیں ہے تو اسے حیض تصور کیا جائے گا۔ اور اگر عورت امتیاز نہیں کرسکتی تو وہ صرف ایک دن اور ایک رات کو مدت حیض قرار دے اور اس کے بعد غسل کرلینا چاہیے اور پاک عورتوں کی طرح تمام کام انجام دیے جاسکتے ہیں۔ اور یہی طریقہ پہلے' دوسرے اور تیسرے مہینے میں جاری رہے گا۔ اور چوتھے مہینے میں ایام حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت کی طرف منتقل ہوجانا چاہیے۔ یہ مدت چھ دن یا سات دن ہوتی ہے جسے خود اپنی رائے اور گمان غالب سے مقرر کرنا چاہیے (یعنی ان دنوں سے زائد ایام کو استحاضہ میں شمار کیا جائے گا)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر استحاضہ والی عورت کو خون آیا اور اس کی دانست میں وہ حیض ہے بایں طور کہ اس کی بُو' رنگت' گاڑھے پن یا درد سے پہچان لیا تو اسے حیض ہی تصور کیا جائے گا' بشرطیکہ اس سے پہلے مدت طہر گزر چکی ہو۔ یہ مدت پندرہ یوم ہے۔ اگر اپنے خون کو امتیاز نہ کرسکی ہو یا اس کی پہچان میں وہ خون حیض ہی ہو لیکن ہنوز ایام طہر کی کم سے کم مدت پوری نہ ہوئی تھی تو اسے استحاضہ کی حالت سمجھا جائے گا۔ یعنی طہر کی حالت باقی رہے گی' خواہ یہ کیفیت عمر بھر جاری رہے۔ مرتابہ عورت (جس کا خون بند نہ ہو) کی عدت ایک سال ہے۔

وہ عورت جو خون میں امتیاز کی صلاحیت رکھتی ہے' اسے چاہیے کہ احتیاطاً ایام عادت پر تین دن سے زیادہ کا اضافہ نہ کرے' بلکہ ایام عادت ہی پر توقف کرے جب تک کہ اس خون کو حیض کے خون کی صفات کی بنا پر پہچانا نہ جاسکا ہو (یعنی اگر وہ خون اپنی صفات کے لحاظ سے حیض ہی معلوم ہو تو ایام عادت سے تجاوز کیا جاسکتا ہے تاہم) خون جاری رہنے کی صورت میں احتیاط لازم ہے (کہ مدت حیض زیادہ نہ ہونے پائے)۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ استحاضہ والی عورت کی (تین صورتیں ہیں) یا تو پہلی بار اس سے سابقہ پڑا ہوگا۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ پہلے ہی حیض یا نفاس میں خون جاری ہو (اور بند نہ ہو)۔ یا وہ عورت عادی ہے یعنی پہلے اس پر ایام حیض و ایام طہر آچکے ہیں یا پھر وہ عورت ''متحیرہ'' (غیر یقینی حالت والی ہوگی) یعنی اس کو عادت کے مطابق حیض آتے تھے لیکن ایام عادت یاد نہیں اور خون آرہا ہے۔ (ان تینوں صورتوں کے مسائل حسب ذیل ہیں):

Marfat.com

نفاس کا بیان

اس کی تعریف

نفاس وہ خون ہے جو بچہ جننے میں یا اس سے کسی قدر پہلے یا ولادت کے دوران یا اس کے بعد عورت کو آتا ہے۔ مختلف مسالک میں اس کی جو تفصیل بتائی گئی ہے وہ ذیلی حاشیہ میں مندرج ہے۔ [1] اگر کسی عورت کے پیٹ سے آپریشن کر کے بچہ نکالا جائے تو اس کو نفاس کی حالت میں نہیں سمجھا جائے گا' اگرچہ اس سے عدت پوری ہو جائے گی۔

نفاس کا خون آنے پر عدت ختم ہو جاتی ہے۔

پہلی بار استحاضہ کی صورت میں جتنے ایام خون جاری رہا تو اس میں سے ہر مہینے کے دس دن حیض کے متصور ہوں گے اور باقی بیس یوم طہر کے۔ اور نفاس کی صورت میں چالیس یوم نفاس کے' پھر بیس یوم پاکی کے' اس کے بعد کے دس یوم حیض کے ہوں گے اور آئندہ (کے مہینوں میں) بھی اسی طرح (یعنی دس یوم حیض کے اور بیس یوم طہر کے)۔

معتادہ عورت (یعنی جس کو حیض کی عادت ہے) اور اس کو اپنے ایام عادت یاد ہیں تو (حالت استحاضہ میں) اسی کے بموجب (حیض اور طہر کے ایام کا تعین) طے کر لیا جائے بجز اس کے کہ ایام طہر کی عادت چھ ماہ کی ہو تو اس صورت میں اسی کے مطابق ایام طے کیے جائیں' ساتھ ہی انقضائے عدت کی نسبت سے وقت کم کر لیا جائے اور عدت کے علاوہ اور صورتوں میں ایام عادت جو ہیں اسی کے مطابق تعین ایام کر لیا جائے۔

متحیرہ عورت یعنی جو اپنی عادت ایام بھول گئی ہو مسلک حنفیہ میں اس کے مسائل مشکل ہیں، اس کے متعلقہ احکامات کے لیے اس کتاب کے علاوہ دیگر کتب کا ملاحظہ کرنا چاہیے۔

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ نفاس وہ خون ہے جو ولادت کے ساتھ یا اس کے بعد نکلے۔ اسی طرح وہ خون بھی نفاس ہے جو جڑواں بچوں کی پیدائش کے وقت پہلے لڑکے کی ولادت کے ساتھ یا اس کے بعد یا دوسرے بچے کی ولادت سے پہلے نکلے۔ لیکن وہ خون جو ولادت سے پہلے نکلے وہ مالکیہ کے نزدیک حیض ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ولادت سے دو یوم پہلے تک جو خون نکلے یا تین دن پہلے پیدائش کی علامت' مثلاً دردزہ کے ساتھ نکلے وہ نفاس ہے اور ایسا ہی ہے جیسے وقتِ ولادت کا خون۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نفاس کا خون قرار دیے جانے کے لیے یہ لازم ہے کہ جب رحم ولادت سے فارغ ہو جائے تب خارج ہو۔ اور فراغت کا مطلب یہ ہے کہ تمام بچہ باہر آ گیا ہو۔ لہٰذا کچھ حصہ یا بیشتر حصہ باہر آنے پر جو خون نکلے وہ نفاس کا خون نہیں ہے۔ اور ولادت کے بعد کا مطلب یہ ہے کہ ولادت اور خون نفاس کے درمیان پندرہ یوم یا اس سے زیادہ کی صورت میں وہ خون حیض کا ہو گا۔ لیکن وہ خون جو ولادت کے ساتھ اور دردزہ سے پہلے نکلے تو نفاس نہیں ہے' بلکہ وہ حیض کا خون ہے' بشرطیکہ وہ حیض والی عورت ہو' کیوں کہ شافعیہ کے نزدیک حاملہ عورت کو بھی کبھی کبھی حیض آ جاتا ہے' جیسا کہ

Marfat.com

اب اسقاط حمل (حمل گر جانے) کے مسائل بیان کیے جاتے ہیں:

اگر ساقط شدہ حمل کے بعض اجزا نے شکل اختیار کر لی تھی مثلاً انگلی ناخن یا بال وغیرہ (کچھ بن گیا تھا) تو وہ بچہ تصور کیا جائے گا۔ اس کی ولادت پر اگر خون نکلا تو عورت نفاس والی قرار پائے گی۔ [۱] اگر کوئی شکل اختیار نہیں کی اور وہ صرف "علقہ" (یعنی لیس دار پھٹکی) یا مضغہ (یعنی لوتھڑے کی شکل میں) ہے تو دیکھنا چاہیے کہ اس وقت جو خون آیا اگر وہ ایام عادت کے اندر ہے تو وہ حیض ہے ورنہ وہ مرض یا فساد مادہ ہے۔

اگر کسی عورت کے دو بچے (جڑواں) پیدا ہوئے تو اس کے نفاس کی مدت پہلے بچے کی ولادت سے شروع ہوگی۔ [۲] نہ کہ دوسرے بچے کی ولادت سے۔ اگر دونوں بچوں کی ولادت کے درمیان کچھ وقفہ رہا تو نفاس کی مدت پہلے بچے کی ولادت سے شمار کی جائے گی اگر یہ وقفہ زیادہ سے زیادہ مدت نفاس سے آگے بڑھ گیا' مثلاً بالفرض دوسرا بچہ پہلے بچے کی ولادت کے چالیس روز بعد پیدا ہوا تو اس کے بعد جو خون آیا وہ مرض یا فساد مادہ کا خون ہوگا' نفاس کا خون نہیں۔ نفاس کی کم سے کم مدت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ ایک لحظہ کی بھی ہوسکتی ہے' چنانچہ اگر بچہ کی ولادت کے بعد ہی خون بند ہوگیا یا ولادت میں خون مطلق آیا ہی نہیں تو نفاس پورا ہوگیا' اور عورت پر وہ تمام فرائض عائد ہوں گے جو پاکی کی حالت میں ہوتے ہیں' لیکن

پہلے بیان ہوا۔ اگر عورت حیض والی نہیں ہے تو وہ مرض کا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ بچے کا بیشتر حصہ باہر آنے پر جو خون نکلے وہ نفاس کا خون ہے اور ایسا ہی ہے جیسے بعد میں نکلنے والا خون لیکن وہ خون جو بچے کا کچھ حصہ نکلنے پر آئے یا اس سے بھی پہلے خارج ہو تو وہ مرض کا خون ہے اور یہ نفاس کی حالت نہ سمجھی جائے گی۔ لہٰذا وہ سب کام کیے جاسکتے ہیں جو پاک عورتوں کے کرنے کے ہیں۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اس خون کے نفاس ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ بچے کے وجود کے کچھ حصہ نے شکل اختیار کر لی ہو' بلکہ "علقہ" یا "مضغہ" نکلے اور دائیاں اس کو آدمی کی بنا قرار دیں تو اس کے بعد جو خون بھی نکلے گا وہ نفاس متصور ہوگا۔

۲۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ جڑواں بچے کی ولادت کی صورت میں نفاس کی مدت دوسرے بچے کی پیدائش کے بعد سے مانی جائے گی۔ اور وہ خون جو پہلے بچے کی پیدائش کے بعد نکلا وہ نفاس کا خون نہیں' بلکہ حیض کا خون ہے' بشرطیکہ ایام عادت کے موافق ہو۔ اگر ایام عادت میں نہیں آیا ہے تو وہ مرض یا فساد مادہ ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر جڑواں بچے پیدا ہوں اور دونوں کی ولادت کے درمیان ساٹھ دن' جو کہ شافعیون کے نزدیک زیادہ سے زیادہ مدت نفاس ہے' کا فاصلہ ہے تو دونوں بچوں کی پیدائش کا خون جداگانہ مستقل نفاس ہے۔ اور اگر اس مدت سے کم فاصلہ ہو تو دونوں بچوں کی ولادت کا خون (یک جائی طور پر) نفاس ہوگا اور اس کی ابتدا پہلے بچے کی ولادت سے لگائی جائے گی۔

Marfat.com

نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے۔ [1]

جس صورت میں کہ نقائے متخلل ہو (یعنی نفاس کے خون کے دوران خلا واقع ہو جائے) مثلاً کسی دن خون آ جائے اور کسی دن نہ آئے' اس کے متعلقہ مسائل تفصیل طلب ہیں۔ [2]

حیض اور نفاس والی عورتوں پر پاک ہونے سے پہلے جو باتیں حرام ہیں ان کا بیان

حیض اور نفاس کی حالت میں ان تمام امور دینی کا انجام دینا حرام ہے جو حالت جنابت میں حرام ہیں۔ مثلاً نماز' قرآن شریف کو ہاتھ لگانا اور قرآن کا پڑھنا۔

ان کے علاوہ حیض اور نفاس کی حالت میں اور باتیں بھی منع ہیں مثلاً روزہ' کہ حالت حیض و نفاس

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت ساٹھ دن ہے' اور بالعموم چالیس دن ہوتی ہے۔
مالکیہ کہتے ہیں کہ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت ساٹھ دن ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نقائے متخلل (یعنی دوران نفاس کا خلا) ایام نفاس ہی میں شمار ہوگا' اگرچہ اس کی مدت پندرہ یوم یا اس سے زیادہ ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ دوران نفاس نقائے متخلل لاحق ہو (یعنی درمیان میں خون بند ہو جائے) تو اگر اس کی مدت پندرہ روز یا اس سے زیادہ ہو تو وہ پاکی کی حالت ہے۔ اس سے پہلے کا خون نفاس ہے اور اس کے بعد کا خون حیض ہے۔ اگر پندرہ یوم سے کم مدت (خون بند ہونے کی) ہو تو بقول راجح تمام مدت نفاس ہے۔ اور اگر ولادت کے بعد مطلق خون نہ آیا اور پندرہ روز تک نہ آیا تو وہ تمام عرصہ طہر ہے اور اس کے بعد میں جو آئے وہ حیض ہے' اس حال میں نفاس نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ''نقائے تخلل'' جو نفاس کے دوران لاحق ہو اگر نصف ماہ تک رہے وہ تو ''طہر'' ہے اور اس کے بعد جو خون آئے وہ حیض ہے۔ اگر (یہ عرصۂ طہر) نصف ماہ سے کم ہو تو وہ سب مدت نفاس ہے۔ (اس صورت میں) نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت کو جوڑا جائے گا' بایں طور کہ جن ایام میں خون آیا ان کو جمع کیا جائے اور پاکی کے دنوں کو نکال دیا جائے یہاں تک کہ ایام خون ساٹھ دن ہو جائیں اور جب اتنے دن ہو جائیں تو مدت نفاس پوری ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں عورت پر واجب ہے کہ خون بند رہنے کے ایام میں پاک عورتوں کی طرح تمام اعمال نماز روزہ وغیرہ انجام دیتی رہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ خون نفاس کے دوران ''نقائے متخلل'' طہر میں شمار ہوگا اور ان ایام میں وہ تمام امور واجب ہیں جو پاکی کی حالت میں واجب ہوتے ہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ استحاضہ کے لیے یہ شرط ہے کہ اس عورت کو لاحق ہو جو حیض کی عمر کو پہنچ چکی ہو اور وہ حیض' نفاس کا خون نہ ہو۔ اگر صغیر سن لڑکی کو خون آ جائے تو وہ مرض یا فساد مادہ کا خون ہے۔

Marfat.com

میں حرام ہے کہ فرض یا نفل روزہ کے لیے نیت کی جائے۔ اگر روزہ رکھا گیا تو وہ صحیح نہ ہوگا۔ پس اگر رمضان کے مہینے میں کوئی عورت اس حال میں روزہ رکھے تو اپنے آپ کو مشقت میں ڈالے گی اور گناہ الگ ہوگا۔ یہ تو احمقانہ جہالت ہے۔

عورت پر واجب ہے کہ ایام حیض ونفاس میں جو اعمال فوت ہوئے ان کی قضا ادا کی جائے' مثلاً ماہ رمضان کا روزہ لیکن فوت شدہ نماز کی قضا واجب نہیں ہے' کیونکہ نماز ہر روز کئی بار پڑھی جاتی ہے' اس کی قضا کا پورا کرنا دشوار ہے' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر سختی ودشواری ڈالنا نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " **و ما جعل عليكم في الدين من حرج** "(یعنی امور دینی کی بجا آوری میں ہم نے تم پر کوئی سختی روا نہیں رکھی)

منجملہ ممنوعات ان حالات میں عورت کا اعتکاف کرنا ہے' لہٰذا حیض و نفاس کی حالت میں اعتکاف صحیح نہیں ہے۔

یہ حکم فطری طور پر مردوں سے تعلق نہیں رکھتا۔

یہی حال طلاق کے جواز کا ہے۔ یعنی وہ عورت جو ''اَقراء'' کے لحاظ سے عدت گزار رہی ہو اس کو طلاق دینا حرام ہے۔ ''اقراء'' قرء کی جمع ہے۔ اس لفظ کے معنی حیض کے بھی ہیں اور طہر کے بھی۔ واضح ہو کہ حیض ونفاس کے دوران عورت کو طلاق دینا اگرچہ حرام ہے لیکن طلاق (اگر اس حال میں دی جائے تو) پڑ جاتی ہے۔ لہٰذا حکم ہے کہ اگر طلاق رجعی ہے (یعنی ایسی طلاق ہے جس سے رجوع کیا جا سکتا ہے) تو چاہیے کہ رجوع کر لیا جائے۔

حالت حیض میں طلاق دینے کے مسائل اور اس کی ممانعت کے بارے میں جو کچھ آیا ہے اور طلاق کی اقسام کہ کون سی طلاق سنت یا بدعت یا حرام یا جائز وغیرہ ہے اس کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ کی چوتھی جلد میں ملاحظہ فرمائیں۔

حیض ونفاس کی حالات میں جن امور کی ممانعت ہے ان میں سے عورت کے ساتھ مقاربت ہے۔ لہٰذا عورت پر حرام ہے کہ وہ حالت حیض ونفاس میں خاوند کو مقاربت کا موقع دے۔ اسی طرح مرد پر بھی حرام ہے کہ خون حیض کے بند ہونے اور اس کے غسل کر لینے سے پہلے عورت کے پاس جائے۔ (۱) اگر

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر زیادہ سے زیادہ مدتِ حیض یعنی کامل دس دن اور زیادہ سے زیادہ مدتِ نفاس یعنی چالیس دن پورے کر کے خون بند ہوا ہے تو عورت سے مقاربت حلال ہے' اگرچہ اس نے غسل نہ کیا ہو۔ یہ مسئلہ پہلے بیان ہو چکا ہے وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

Marfat.com

عورت کو غسل کرنے سے مجبوری ہے تو واجب ہے کہ پہلے تیمّم کرلے۔ اسی طرح عورت کی ناف سے لے کر گھٹنے تک کے حصہء جسم سے (ایسی حالت میں) کسی طرح کا استفادہ حرام ہے' لہٰذا (ایسی حالت میں) عورت کے لیے حلال نہیں ہے [1] کہ خاوند کو اس حصہء جسم سے استفادہ کا موقع دے۔ اسی طرح مرد کے لیے بھی حلال نہیں ہے کہ بیوی کو اس پر مجبور کرے۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ مرد ناف سے گھٹنے تک تہبند سے ڈھکا ہو یا عورت نے اپنے اس حصہء بدن پر کپڑا ڈال رکھا ہو۔ اس حالت میں بھی (مباشرت کے جائز ہونے کی) شرط یہ ہے کہ ایک دوسرے کے بدن کی حرارت محسوس نہ ہو۔ اگر کپڑا باریک ہے کہ دونوں کے جسم باہم ملنے سے ایک دوسرے کے بدن کی گرمی محسوس ہو تو یہ حائل کافی نہیں ہے۔ اس حصہء بدن کے سوا باقی تمام حصوں سے استفادہ بلا اختلاف [2] جائز ہے۔ لیکن خون بند ہونے سے پہلے عورت سے مقاربت حرام ہے' خواہ حائل درمیان میں ہو' مثلاً تھیلی (فرنچ لیدر وغیرہ) جو مشہور ہے۔ پس اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے (حیض ونفاس کے) دوران وطی کرے گا تو وہ گنہگار ہوگا اور فوراً توبہ کرنا لازم ہے۔ اسی طرح وہ عورت بھی گنہگار ہے جو مرد کو اس کا موقع دے۔ (اس کے ارتکاب پر) سنت یہ ہے کہ ایک آدھ دینار صدقہ کرے۔ دینار کی مقدار زکوٰۃ کے بیان میں بتائی گئی ہے۔ حنفیوں اور شافعیوں کو وہاں ملاحظہ کرنا چاہیے۔

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ حیض ونفاس کی حالت میں بھی عورت کے ہر حصہء بدن سے کسی حائل کے بغیر نفع اٹھانا حلال ہے اور وطی کے سوا کچھ حرام نہیں ہے۔ ان کے نزدیک (اس حالت میں استمتاع) گناہ صغیرہ ہے۔ (تاہم ان کا کہنا ہے کہ) اگر اس میں کوئی مبتلا ہوجائے تو لازم ہے کہ وہ اپنے اس گناہ کا کفارہ دے' یعنی مقدور ہو تو ایک آدھ دینار صدقہ کردے۔ اگر مقدور نہ ہو تو کفارہ ساقط ہوجائے گا۔ لیکن اس کام سے توبہ کرنا واجب ہے۔ اس فعل کا ارتکاب (گناہ صغیرہ کی حد تک) اس حالت میں ہے جب کہ اس سے کسی مرض کے لاحق ہونے یا سخت اذیت کا اندیشہ نہ ہو' ورنہ یہ فعل متفقہ طور پر سخت حرام ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ خون حیض کے دوران عورت سے مقاربت بالوں اتفاق حرام ہے۔ رہا یہ سوال کہ آیا خاوند کے لیے جائز ہے کہ ناف سے گھٹنے تک کے حصہء بدن سے استفادہ کیا کرلے یا جائز نہیں ہے۔ بعض اصحاب نے اس کے جواز کو ترجیح دی ہے' جیسا کہ حنابلہ کہتے ہیں' لیکن مالکیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ ایسا کرنا منع ہے۔ خواہ درمیان میں کوئی شے (کپڑا وغیرہ) حائل ہو' کیوں کہ اس کی اجازت اس اندیشہ سے خالی نہیں ہے کہ انسان بعض اوقات ایسا بے خود ہوجاتا ہے کہ اپنے نفس کو روک نہیں سکتا' اور مسلک مالکیہ کے قواعد اس اصول پر مبنی ہیں کہ حرام تک پہنچانے والے اسباب سے دور رہنا چاہیے۔ وہ اس حکم کو سد باب ذرائع (گناہ کا دروازہ بند کردینے) سے تعبیر کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ حیض کی حالت میں عورت کے پاس جانا جو حرام ہے اس کے فائدے ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ تمام اطباء اس پر اتفاق ہے کہ حیض کی حالت میں عورت سے مقاربت دونوں کے اعضائے مخصوص کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔

Marfat.com

موزوں پر مسح کرنے کے مسائل

موزوں پر مسح کے متعلق چند امور تفصیل طلب ہیں:

۱: مسح کی تعریف۔ ۲: لغت اور اصطلاح کی رو سے موزے کی تعریف، جس پر مسح کرنا صحیح ہے۔ ۳: مسح کا حکم۔ ۴: اس کا ثبوت۔ ۵: اس کی شرطیں۔ ۶: کس قدر حصہ کا مسح فرض ہے۔ ۷: مسح کا مسنون طریقہ۔ ۸: مسح میں کونسی باتیں مکروہ ہیں؟ ۹: کتنے عرصہ تک مسح باقی رہتا ہے۔ ۱۰: موزوں کے مسح کو توڑنے والی اشیاء۔ اب اسی ترتیب سے تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

مسح علی الخف (موزوں پر مسح) کی تعریف اور متعلقہ مسائل

مسح کے معنی لغت کی رو سے ''کسی چیز پر ہاتھ پھیرنا''۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کسی شے پر ہاتھ پھیرے تو کہتے ہیں کہ مسح علیه (یعنی اس نے فلاں شے پر مسح کیا)۔ شریعت کی اصطلاح میں مسح سے مراد تری پہنچانا ہے۔ یہاں ''تری پہنچانا'' کا مقصد موزوں کو خاص طریقے سے جو آئندہ بیان کردہ شرائط کے مطابق ہو، معینہ وقت میں تری پہنچانا ہے۔

بنیادی طور پر موزوں کے اوپر مسح کرنا ایک امر جائز ہے، یعنی شارع علیہ السلام نے مردوں اور عورتوں کو اجازت دی ہے کہ سفر اور حضر میں موزوں پر مسح کر سکتے ہیں۔ یہ حکم (دراصل) ایک رخصت ہے جو شارع علیہ السلام نے مکلّف اشخاص کے لیے روا رکھی ہے۔ رخصت کے معنی لغت میں سہولت (یا آسانی) کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں وہ امر ہے جو کسی دلیل شرعی سے ہٹ کر ایک اور دلیل سے جو اس کے مقابل کی ہو، ثابت ہو۔ اس کے مقابلے میں ''عزیمت'' کا لفظ ہے، یعنی وہ امر جو ایسی دلیل سے

اس کے ساتھ (فقہا نے بھی) وہ طریقے بتا دیے ہیں جن سے برائی دور ہو جاتی ہے۔ حنفیہ نے (قربت کی) اجازت اس وقت دی ہے جب کہ خون بند ہو جائے اور ایک نماز کا پورا وقت، مثلاً ظہر سے عصر تک بند رہے تو اس کے بعد مقاربت ہو سکتی ہے اگرچہ غسل نہ کیا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ بیشتر عورتوں کو پوری مدت حیض میں خون جاری نہیں رہتا۔ مالکیہ انقطاع خون کے بعد بیوی سے مقاربت مباح بتاتے ہیں خواہ ایک لحظہ ہی گزرا ہو، بشرطیکہ اس نے غسل کر لیا ہو۔ بیشتر عورتوں کا خون مختلف اوقات میں بند ہوتا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جب خون بند ہو جائے، خواہ کسی دوا سے ہو تو عورت سے مقاربت روا ہے، یعنی خون کا از خود بند ہو جانا ضروری نہیں ہے۔ اسی لیے بے صبر انسان کو جو رک نہ سکے، چاہیے کہ مقاربت سے پہلے عورت کا خون روکنے کی کوشش کرے۔

Marfat.com

ثابت ہو جس کے خلاف کوئی دلیل نہ ہو۔

موزوں پر مسح کرنا کبھی واجب ہو جاتا ہے۔اس کی صورت یہ ہے کہ اگر موزے کو اتار کر پاؤں دھونے میں نماز کا وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں فرض ہو جاتا ہے کہ (وضو میں پاؤں دھونے کی بجائے) موزے پر مسح کر لیا جائے۔اسی طرح نماز کے علاوہ کوئی اور فرض' مثلاً وقوف عرفہ (یعنی حج کے موقع پر عرفات میں ٹھہرنے کا فریضہ) فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو یہ فرض ہو جاتا ہے کہ موزہ نہ اتارا جائے (بلکہ اسی پر مسح کر لیا جائے) اسی طرح اگر اتنا پانی نہ ہو جو پاؤں کو دھونے کے لیے کافی ہو سکے تو واجب ہے کہ موزوں پر مسح کیا جائے۔ان صورتوں کے علاوہ موزوں پر مسح کرنا محض رخصت یا امر جائز ہے۔اور (یہ تو ظاہر ہے کہ) پاؤں کو دھونا مسح کرنے سے بہتر ہے۔[1]

اس موزے کی تعریف جس پر مسح کرنا درست ہے

جس موزے پر مسح کرنا درست ہے' اس سے مراد وہ موزہ ہے جو دونوں پاؤں میں ٹخنوں تک پہنا جائے۔ٹخنہ سے مراد وہ ابھری ہوئی ہڈی ہے جو قدم کے اوپری حصے میں ہوتی ہے۔یہ موزہ خواہ چمڑے کا ہو یا نمدہ کا یا اون کا یا ببری کا یا کتان (السی) وغیرہ کا[2]۔اور وہ جو چمڑے کا بنا ہوا نہیں ہوتا اس کو 'جراب' کہتے ہیں اور عوام میں 'شراب' مشہور ہے۔شراب (یعنی جراب) کو خُف (یعنی موزہ) نہیں کہا جا سکتا' جب تک اس میں تین باتیں نہ ہوں: ایک تو یہ کہ وہ دبیز (سخت) ہو کہ پانی اس کے نیچے نہ پہنچ سکے۔دوم یہ کہ قدموں پر بغیر تسمے سے باندھے ہوئے قائم رہے۔سوم یہ کہ شفاف نہ ہو کہ اس کے اندر سے پاؤں یا پاؤں کی شے (پٹی وغیرہ) نظر آ جائے۔پس اگر جراب ایسی سخت نہیں ہے کہ پاؤں وں پر از خود قائم رہے' لیکن وہ

۱۔حنابلہ کہتے ہیں کہ موزوں پر مسح کرنا' موزے اتار کر پاؤں دھونے سے افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس کی دی ہوئی سہولت سے لوگ فائدہ اٹھائیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں احسان ہو اور اس کا شکر بجا لائیں۔بعض حنفیہ بھی اس سے متفق ہیں۔

۲۔مالکیہ کہتے ہیں کہ موزے جب تک چمڑے کے نہ ہوں ان پر مسح درست نہیں۔ہاں اگر اس کے اطراف نمدہ یا کتان وغیرہ کے ہوں' یعنی اوپر کا حصہ اور تلا چمڑے کا ہونا چاہیے جیسا کہ بعض پاپوش نعل والے ہوتے ہیں۔ان کا اوپری حصہ چمڑے کا ہوتا ہے اور پہلو سخت کپڑے (کینوس وغیرہ) کے ہوتے ہیں اور آگے معلوم ہوگا کہ مالکیہ چمڑے کے بارے میں یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس پر کفش دوزی کی گئی ہو۔اگر کفش دوزی کے بغیر ہی پاپوش کے اجزاء کو باہم جوڑ کر موزے بنا لیا ہو تو وہ موزے کی تعریف سے خارج ہوگا۔

Marfat.com

کسی ایسی شفاف شے کی بنی ہوئی ہو کہ اس کے نیچے کی شے نظر آتی ہو تو اسے خُف (یعنی موزہ) قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ موزوں کے احکام اس پر لاگو ہوں گے۔ پس اگر کسی جراب میں یہ شرائط موجود ہوں تو اسے ایسا ہی موزہ سمجھا جائے گا جیسے کہ چمڑے کا بنا ہوا اور دونوں میں (احکام کے لحاظ سے) کوئی فرق نہ ہوگا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس میں نعل لگی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جراب اگر دبیز اون کی ہو جس میں متذکرہ آئندہ شروط پائی جائیں اس کو موزہ قرار دیا جائے گا۔

موزوں پر جواز مسح کی دلیل

موزوں پر مسح کرنا بکثرت صحیح احادیث سے جو تواتر کی حد کو پہنچی ہوئی ہیں، ثابت ہے۔ کتاب "استذکار" میں ہے کہ موزوں پر مسح کرنے کی احادیث کو تقریباً چالیس صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے روایت کیا ہے اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ستر صحابہ نے مجھ سے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے موزوں پر مسح فرمایا۔ پس منجملہ احادیث صحیحہ کے جو اس بارے میں آئی ہیں، حضرت جریرؓ بن عبداللہ البجلی کی روایت ہے جس کو ائمہ ستہ (اصحاب صحاح ستہ) نے اعمش سے روایت کیا، انہوں نے ابراہیم سے انہوں نے ہمام سے اور انہوں نے جریرؓ سے روایت کیا کہ حضرت جریرؓ نے پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور اپنے موزوں پر مسح کر لیا۔ جب لوگوں نے کہا: "آپ اس طرح (وضو) کیا کرتے ہیں؟" انہوں نے فرمایا: "ہاں! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور ﷺ نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور موزوں پر مسح کر لیا۔ امام زیلعی نے اس حدیث کا ذکر اپنی کتاب "نصب الرایہ" میں کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس حدیث سے ان کو تعجب ہوا۔ اس واسطے کہ حضرت جریرؓ سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ سورہ مائدہ وہ سورۃ ہے جس میں پانی سے وضو کرنے کا حکم نازل ہوا ہے، یعنی: "یا ایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلٰوۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین. (یعنی اے مسلمانو! جب نماز پڑھنے کا وقت ہو تو اپنے چہروں کو اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھو لیا کرو اور اپنے سروں کا مسح کیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں دھویا کرو) یہ آیت صراحتاً دونوں پاؤں کا پانی سے دھونا ضروری قرار دیتی ہے، لیکن بکثرت احادیث صحیحہ اس کے خلاف ہیں۔ اور یہ احادیث اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کی ہیں۔ لہٰذا ان احادیث سے یہ امر مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پاؤں کا دھونا اس صورت میں فرض کیا ہے جب کہ موزہ نہ پہن رکھا ہو۔ اگر پاؤں میں موزہ ہو تو دھونا فرض نہیں ہے، بلکہ دھونے کی

Marfat.com

بجائے موزوں پر مسح کرنا فرض ہے۔ ایسی ہی احادیث کے منجملہ وہ حدیث ہے جو امام بخاریؒ نے مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ رفع حاجت کے لیے نکلے اور حضرت مغیرہؓ ایک چرمی ظرف میں پانی لے کر آپ کے پیچھے روانہ ہوئے۔ پھر جب حضور ﷺ حاجت سے فارغ ہوئے تو حضرت مغیرہؓ نے پانی ڈالا اور آپ ﷺ نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا۔ امام بخاریؒ نے ایک اور حدیث حضرت مغیرہؓ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک سفر میں حضور ﷺ کے ہمراہ تھا تو میں نے ارادہ کیا کہ آپ ﷺ کے موزے اتار دوں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انہیں رہنے دو میں نے پاؤں پاک کر کے (یعنی وضو کر کے) ان میں ڈالے تھے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اوپر ہی مسح کر لیا۔ اسی طرح کی اور بھی صحیح احادیث ہیں جن کو بخاریؒ' مسلمؒ اور دوسرے راویان احادیث صحیحہ نے روایت کیا ہے۔

موزوں پر مسح درست ہونے کی شرطیں

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ موزہ وہ ہوتا ہے جو چمڑے یا اون وغیرہ کا بنایا جائے اور اس میں وہ تینوں باتیں جن کا ذکر سابقاً ہو چکا ہے' پائی جائیں۔ لہٰذا (اگر پاؤں میں وہ شے ہے) جس پر موزے کا اطلاق صحیح ہو تو ٹخنوں تک دھونے کی بجائے اس پر مسح کر لینا درست ہوگا۔ اس کے لیے چند شرطیں ہیں:

اول یہ کہ موزے نے پاؤں کو ٹخنوں تک ڈھک لیا ہو۔ ٹخنوں سے اوپر کے حصے کا موزوں سے ڈھکنا یا چھپانا ضروری نہیں ہے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ موزے کی ساخت ایسی ہو کہ (پہنتے ہی) تمام پاؤں ڈھک جائے' بلکہ اصل بات یہ ہے کہ گو اوپر سے کھلا ہوا ہو' لیکن اس کو گھنڈی یا کلپ وغیرہ سے بند کیا جا سکے۔ اس شرط کا مقصد یہ ہے کہ پاؤں ڈھک جائیں' خواہ وہ موزہ ایسا ہو کہ پہلے ہی سے بند ہو یا کچھ حصہ کھلا ہوا' لیکن اس میں گھنڈیاں یا کلپ ایسے ہوں کہ موزے کو پہن کر اس کو بند کیا جا سکے۔ موزہ ایسا ہو تو وہ درست ہے۔

دوسری شرط یہ کہ موزہ ایسا نہ ہو کہ ٹخنوں تک پاؤں پورا نہ ڈھکا جا سکے' یعنی تھوڑا سا پاؤں بھی کھلا نہ رہ جائے۔ پس اگر موزہ کچھ پھٹا ہوا ہے کہ اس سے پاؤں کا کچھ حصہ نظر آتا ہو، تو اس پر مسح کرنا درست نہیں ہے۔ یہ حکم اس لیے ہے کہ ٹخنوں تک پورے قدم کا دھونا واجب ہے' یہاں تک کہ اگر تھوڑی سی جگہ بھی دھونے سے رہ گئی تو وضو باطل ہو جائے گا۔ لہٰذا موزہ بھی ایسا ہونا چاہیے کہ وہ پورے پاؤں کو ڈھک لے۔ پس اگر اس میں سے کچھ رہ گیا تو وہ پورا پاؤں نہ ہوا۔ حنابلہ اور شافعیہ کی یہی رائے ہے۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر موزے سے ٹخنوں سمیت پورا پاؤں نہ ڈھکا جائے' مثلاً کوئی موزے پھٹا ہوا ہو کہ اس

Marfat.com

تیسری شرط یہ کہ اس کو پہن کر چلنا پھرنا اور قطع مسافت ممکن ہو لیکن موزہ اگر ڈھیلا ہو جس سے پاؤں کا اگلہ حصہ کل یا بیشتر نظر آئے تو اس سے کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ چلنا پھرنا ممکن رہے۔ بقول حنفی و شافعی۔ (۱)

چوتھی شرط یہ کہ موزہ پہننے والا شریعت کی رو سے اس موزے کا مالک ہو۔ اگر وہ چوری کا ہے یا ناجائز قبضہ کیا ہوا (غصب کیا ہوا) ہے یا اس کی ملکیت کے حرام ہونے کا شبہ ہے تو اس پر مسح درست نہیں ہے۔ حنابلہ اور مالکیہ کی یہی رائے ہے۔ (۲)

پانچویں یہ کہ موزہ پاک ہو اگر ناپاک موزہ ہو تو اس پر مسح درست نہیں ہے۔ اگر چہ گندگی اس کے

سے پاؤں کا کچھ حصہ نظر آنے لگے اور وہ پھٹن پاؤں کی تین چھنگلیوں کے برابر ہو تو یہاں تک مضائقہ نہیں اس پر مسح کرنا صحیح ہوگا لیکن اس سے زیادہ ہو تو (مسح کو) نقصان دہ ہے اور مسح صحیح نہ ہوگا۔ اگر دونوں موزے (تھوڑا تھوڑا) پھٹے ہوئے ہوں تو دونوں کی پھٹن کو جمع نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اگر ایک ہی موزے کئی جگہ سے پھٹا ہوا ہے جو مجموعی حیثیت سے اتنا ہو جائے جس کا ذکر کیا گیا تو مسح جاتا رہے گا۔ اگر کم ہو تو حرج نہیں ہے خواہ دونوں موزوں کے پھٹے ہوئے حصے مجموعی طور پر اس مقدار کو پہنچ جائیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی موزے کا تہائی حصہ یا زیادہ پھٹا ہو تو اس پر مسح درست نہیں ہے ورنہ درست ہے۔ غرض حنفیہ اور مالکیہ اس میں متفق ہیں کہ موزے پھٹ گیا ہو اور پاؤں نظر آنے لگے تو مضائقہ نہیں لیکن پھٹے ہوئے حصے کی مقدار کے بارے میں باہم اختلاف ہے یعنی مالکیہ تو پاؤں کے ایک تہائی حصے کی مقدار تک پھٹے ہوئے موزے کو نظر انداز کرتے ہیں اور حنفیہ پاؤں کی تین چھوٹی انگلی یعنی چھنگلیا کی مقدار تک پھٹا ہوا موزے معاف سمجھتے ہیں۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر موزے اتنا ڈھیلا ہو کہ اس سے قدم کا کچھ حصہ یا پورا نظر آئے تو مضائقہ نہیں۔ نقصان جب ہے کہ اس میں تمام پاؤں یا پاؤں کا بیشتر حصہ ٹک نہ سکے یعنی اتنا زیادہ کھلا ہوا ہو کہ اس کے اندر پورا قدم نہ آسکے تو اس صورت میں اس موزے پر مسح کرنا درست نہیں ہے گو چلنا پھرنا ممکن ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر موزے اتنا ڈھیلا ہو کہ اوپر سے قدم کا وہ حصہ جس کا دھونا وضو میں فرض ہے نظر آنے لگے تو اس پر مسح درست نہیں ہے۔

۲۔ حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ ناجائز قبضہ کیے ہوئے یا چوری وغیرہ کسی اور طریقے سے حاصل کیے ہوئے موزے پر مسح کرنا صحیح ہے اگر چہ اس کا پہننا حرام ہو کیونکہ اگر پہننا یا قبضے میں لینا حرام ہو تو یہ امر مسح کے صحیح ہونے کے منافی نہیں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ناجائز طور پر حاصل کیا ہوا یا چوری کا پانی کہ اگر وہ پانی طہور ہے تو وضو کرنا صحیح ہے۔ اگر چہ ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو چوری اور مغصوب وغیرہ اشیاء کا استعمال ایسی عبادتوں میں جن کا مقصد تقرب الی اللہ ہو درست نہیں جانتے اس کا سبب واضح ہے۔

Marfat.com

کسی حصے میں لگی ہوئی ہو۔اس مسئلے میں مسالک تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

چھٹی شرط یہ کہ موزے کو پوری طہارت کے بعد پہنا گیا ہو، یعنی پہلے پورا وضو کیا جائے، پھر موزہ پہنا جائے۔ لہٰذا اگر دونوں پاؤں پہلے دھو لیے، پھر موزے پہنے اور پہننے کے بعد وضو پورا کیا تو درست نہیں ہے۔ یہاں تک مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ متفق ہیں۔ (۲)

ساتویں یہ کہ پانی سے وضو کر کے موزہ پہنا گیا ہو۔ لہٰذا تیمّم کے بعد جو موزہ پہنا جائے اس پر مسح صحیح نہیں ہے۔ خواہ تیمّم پانی دستیاب نہ ہونے یا مرض کے باعث یا کسی اور سبب سے کیا گیا ہو۔ اس مسئلے میں

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ جب تک موزے پاک نہ ہوں ان پر مسح کرنا درست نہیں ہے۔ پس اگر موزے نجاست آلود ہو جائے تو اس پر مسح کرنا باطل ہے۔ اگر چہ کپڑے یا بدن سے نجاست کو دور کرنا سنت ہے (اور اس طرح وہ پاک ہو جاتا ہے)، لیکن موزے کے لیے مخصوص حکم ہے کہ اس پر جو نجاست لگ جائے وہ کسی صورت معاف نہیں ہے (یعنی اس کو اتارنا ہی پڑے گا)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر موزے کو نجاست لگ جائے تو وہ معاف ہے، اس سے (مسح کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں) اور جس قدر نجاست جہاں جہاں قابل درگزر ہے اس کی تفصیل اوپر ہو چکی ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ موزوں پر مسح کے درست ہونے کے لیے موزوں کا (نجاست سے) پاک ہونا شرط نہیں ہے۔ اگر موزوں پر نجاست لگ جائے تب بھی اس پر مسح کرنا صحیح ہے۔ البتہ اس کے ساتھ نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے اگر وہ نجاست معاف (قابل درگزر) نہ ہو۔ چنانچہ استنجا کے بیان میں بہ سلسلۂ نجاست معاف اس کی تفصیل بتائی جا چکی ہے کہ کس قدر نجاست معاف ہے۔ پس اس حصے پر مسح کرنا چاہیے جو نجاست سے پاک ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نجاست آلودہ موزے پر مسح کرنا دو شرطوں پر جائز ہے: پہلی شرط یہ کہ وہ نجاست موزے کے نچلے حصے میں جو زمین سے مس کرتا ہو لگی ہو، یا اس کے اندر ہو۔ اگر نجاست اگلے اوپری حصہ میں یا پہلوؤں میں ہو تو وہ (مسح کے لیے) مضر ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ نجاست ایسی ہو کہ جب تک موزے کو اتارہ نہ جائے اس کو دور کرنا پہننے والے کے لیے دشوار ہو۔ پس اگر پہنے پہنے دھوڈالنے میں نقصان نہ ہو تو واجب ہے کہ اسے زائل ہی کر دیا جائے۔ اگر پہنے پہنے نجاست زائل کرنا ممکن تو ہے لیکن وہ شے دستیاب نہیں جس سے زائل کیا جا سکے تو اسی (موزے) کے ساتھ نماز پڑھ لینا یا قرآن شریف کو ہاتھ لگانا اور دوسرے اعمال جن کے لیے طہارت لازم ہے انجام دینا صحیح ہوگا۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ موزوں پر مسح کرنا صحیح ہونے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ پورا وضو پہلے کر لیا گیا ہو، بلکہ اگر صرف پاؤں کو جن کا دھونا فرض ہے دھولیا اور حدث ہونے سے پہلے موزے پہن لیا، اس کے بعد وضو پورا کیا تو صحیح ہوگا، بشرطیکہ وضو پانی کے ساتھ کیا گیا ہو اور وضو میں جن اعضاء کا دھونا فرض ہے ان میں سے کوئی عضو دھونے یا مسح کرنے سے نہ رہ گیا ہو، یعنی پانی وہاں تک نہ پہنچا ہو۔

Marfat.com

سب متفق ہیں اور شافعیہ (۱) کے سوا کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

آٹھویں یہ کہ جس جگہ کا مسح کرنا فرض ہے، وہاں کوئی ایسی شے حائل نہ ہو جو موزے تک پانی پہنچنے سے مانع ہو، مثلاً گندھا ہوا آٹا وغیرہ ایسی اشیا کہ اگر کہیں پاؤں پر جم جائیں تو اس جگہ پانی نہ پہنچ سکے۔

نویں یہ کہ موزہ ایسا ہو کہ پہننے والا ایک خاص فاصلہ تک چل سکے۔ چنانچہ اگر چلتے ہوئے پاؤں سے اتر جائے یا اسے پہن کر انسان مقررہ فاصلہ تک پہنچنے سے پہلے ہی رہ جائے تو ایسے موزہ پر مسح درست نہیں ہے۔ اس فاصلہ کے تعین کے باب میں مسالک تفصیل طلب ہیں۔ (۲)

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ موزے پہن رکھا ہے تو تیمم کے بعد اس پر مسح کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ تیمم مرض وغیرہ سے ہو، پانی دستیاب نہ ہونے کے باعث نہ ہو۔ پانی دستیاب نہ ہونے کے باعث اگر تیمم کیا اور تیمم کے بعد موزے پہن لیا ہو تو آئندہ پر مسح جائز نہیں ہے۔ مطلب یہ ہوا اگر پانی دستیاب ہو تو اب روا نہیں ہے کہ موزے پر مسح کیا جائے، بلکہ لازم ہے کہ موزے اتار کر پورا وضو کیا جائے۔ لیکن اگر کسی مرض وغیرہ کے باعث تیمم کر کے موزے پہنا گیا اور وہ عذر جاتا رہا تو اجازت ہے کہ وضو کرے اور موزے پر مسح کر لے۔ اب یہ نہ کہنا چاہیے کہ پاؤں کو تیمم سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ تیمم کے وقت اس پر مسح نہیں کیا جاتا جیسا کہ تیمم کے بیان میں معلوم ہوگا۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ایسے موزے پر مسح درست نہیں ہے جسے پہن کر انسان سے ایک فرسخ یا زیادہ دور تک نہ چلا جا سکے، یعنی اگر پاؤں میں موزے نہ ہوتا تو وہاں تک جوتی پہن کر یا ننگے پاؤں جا سکنا ممکن ہوتا۔ ایک فرسخ تین میل یا بارہ ہزار قدم کا فاصلہ ہوتا ہے۔ اگر موزے ایسا ہو کہ اسے پہن کر یہ صلاحیت نہ رہے تو موزوں پر مسح درست نہ ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ موزے پہننے والا یا تو مسافر ہوگا یا مقیم ہوگا۔ اگر مسافر ہو تو موزوں پر مسح صحیح نہ ہوگا جب تک کہ وہ موزے اتنا مضبوط نہ ہو کہ جوتی پہنے بغیر تین رات دن تک برابر اس کے ساتھ کام چلتا رہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے لیے قضائے حاجت کے لیے جانے آنے اور آرام کرنے کے درمیان اور اس عرصہ میں سفر کی حالت میں اس کو پہنے رہنا ممکن ہو۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اتنے لمبے عرصہ تک کوئی مسلسل چلتا رہے (تب ہی وہ موزے صحیح مانا جائے) اگر موزہ پہننے والا مقیم ہو تو اس کے لیے موزوں پر مسح درست نہیں ہے جب تک کہ (وہ موزہ ایسا نہ ہو) کہ ایک مسافر ایک دن اور ایک رات تک اپنا ضروری کام انجام دینے کے قابل ہو۔ غرض یہ ہے کہ موزے پہن کر کام چالو ہونے کا اندازہ مسافر ہونے کی حیثیت سے لگایا جائے گا، گو پہننے والا مقیم ہو۔ بہر حال مدعا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص فی الواقع مسافر ہے تو اس کے موزے کی پائداری کا اندازہ اس طرح لگایا جائیگا کہ تین دن اور تین رات تک مسلسل اسے پہن کر اپنی تمام ضروریات انجام دے سکے۔ سوار ہونے کی حالت میں بھی اور اترنے کی حالت میں بھی۔ اور اگر مقیم ہے تب بھی موزے کی پائداری کا اندازہ مسافر کی حالت سے لگایا جائیگا۔ لیکن اس پر مسح صرف ایک دن اور ایک رات کیا جا سکے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ موزے پر مسح کے بارے میں ایسی کوئی شرط نہیں لگائی جائے گی کہ اس کو پہن کر خاص فاصلہ تک چلایا جائے۔ مالکیہ ایسا اس لیے کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک ضروری ہے کہ موزے چمڑے کا ہو۔ (ظاہر ہے کہ)

Marfat.com

واضح ہو کہ موزوں پر مسح کے لیے اور شرائط بھی ہیں جن کی تفصیل مختلف مسالک میں کی گئی ہے۔ (۱)

بیان اس امر کا کہ موزے کے کس قدر حصے کا مسح فرض ہے

شارع علیہ السلام نے پورے موزے کا مسح، جس سے تمام پاؤں ڈھکا ہو، ضروری قرار نہیں دیا، حالانکہ موزہ پر مسح کرنا پاؤں دھونے کا قائم مقام ہے اور پاؤں پورے کا پورا دھونا فرض ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ موزے پر مسح کرنے کا حکم ایک خاص رعایت ہے۔ شارع علیہ السلام نے اس بارے میں سہولت رکھی

قدرتی طور پر وہ موزے ایسا ہوگا جو اتنا عرصہ چل سکے۔ ان کے نزدیک شرط یہ ہے کہ موزے اتنا ڈھیلا نہ ہو کہ وہ پورا یا اس کا بیشتر حصہ پاؤں سے پیوستہ نہ ہو۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اتنا تنگ نہ ہو کہ اسے پہن کر انسان اپنی معمولی چال سے نہ چل سکے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ موزے کے لیے یہ شرط ہے کہ اسے پہن کر چلنا پھرنا ممکن ہو۔ اس کے لیے کوئی خاص فاصلہ کا تعین نہیں ہے۔ بلکہ ان کا کہنا ہے کہ اس کا فیصلہ عام حالات پر چھوڑ دینا چاہیے۔ اگر عام حالات میں موزے پہن کر چلنا پھرنا ممکن ہے تو اس موزے پر مسح درست ہے۔

ا۔ حنفیہ نے جو شرائط بڑھائی ہیں ان کے منجملہ یہ ہے کہ موزے ایسا پھٹا ہوا نہ ہو کہ اس پر مسح نہ کیا جا سکے۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ پھٹنے کی (زیادہ سے زیادہ مقدار) پاؤں کی تین سب سے چھوٹی انگلی کے برابر ہے۔ موزے کا تلا جو زمین سے لگتا ہے اس پر مسح جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اگر موزے ڈھیلا ہو کہ اس کے اندر انگلیاں ڈال کر مسح کر لیا تو درست نہ ہوگا۔ اسی طرح موزے کے کناروں پر یا پیچھے (ایڑی کی جانب) یا پنڈلیوں (یعنی ٹخنوں سے اوپر کی جانب موزے پر مسح) درست نہیں ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ مسح ہاتھ کی تین انگلیوں سے کیا جائے، اگر ایک انگلی سے مسح کیا تو درست نہ ہوگا کیونکہ (اس طرح ایک انگلی سے مسح کرنے میں) یہ اندیشہ ہے کہ مسح کی مقدار پوری کرنے سے پہلے ہی انگلی کا پانی خشک ہو جائے گا تاہم اگر ایک ہی انگلی سے مسح کیا لیکن موزے پر تین جگہ کیا اور ہر بار نیا پانی لیا تو مسح درست ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر انگلی کی نوک سے مسح کیا اور مقدار مفروض پر کر لیا اور پانی انگلی سے ٹپک رہا تھا تو مسح صحیح ہو جائے گا ورنہ نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ موزے پر ہاتھ سے مسح کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر بارش کا پانی اس حصے پر بہہ گیا جس پر مسح کرنا فرض تھا، یا اس پر پانی وغیرہ بہا دیا تو (مسح کے لیے) یہ کافی ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ موزے کے اس حصے پر مسح کیا جائے جس میں پاؤں ہوں پس اگر موزے اتنا لمبا ہے کہ اس کا کچھ حصہ پاؤں سے زائد ہے اور اس حصہ پر مسح کر لیا گیا تو درست نہ ہوگا۔

ایک شرط یہ ہے کہ پاؤں اگر کٹ گیا ہو تو کم از کم تین انگلی کی مقدار باقی رہ جائے اگر اتنا حصہ بھی باقی نہ رہا اور موزہ

Marfat.com

ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ نرمی برتی جاسکے۔ رہی یہ بات کہ موزے کے کس قدر حصہ کا مسح فرض ہے، اس کے متعلقہ مسالک تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

موزوں پر موزہ پہننے کا بیان

اگر کسی نے ایسی دبیز جراب کے اوپر جو موزے ہی کے برابر ہو یا موزے کے اوپر ایک اور موزہ پہن لیا ہو اس طرح کہ دونوں موزے نرم کھال کے ہوں، یا موزے کے اوپر جرموق پہن لی۔ جرموق ایک قسم کا پاپوش ہے جو چمڑے کا ہوتا ہے اور اس پاپوش کی مانند ہوتا ہے جو جوتے کے اوپر پانی اور کیچڑ سے

چڑھالیا تو اس پر مسح درست نہ ہوگا۔ لیکن اگر ٹخنے کے اوپر کا حصہ کٹا ہے یا دوسرا پاؤں سالم ہے تو موزے پر مسح کرنا صحیح ہوگا۔

شافعیہ نے جن شرطوں کا اضافہ کیا ہے وہ یہ ہیں کہ وہ موزے پٹی بندھے پر نہ پہنا گیا ہو۔ چنانچہ اگر پاؤں پر پٹی بندھی ہے اور وضو میں اس پٹی پر مسح کیا ہو اور موزے پہنا ہو تو اس پر مسح درست نہیں ہے اور یہ کہ موزے میں جو گھنڈی پھندنا وغیرہ ہو، وہ پاک ہو، اور یہ کہ موزے ایسا ہو کہ اگر اس پر پانی پڑے تو اندر پاؤں تک نہ پہنچے، لیکن اگر اس میں سوراخ ہوں تو معاف ہے جن سے پانی اندر جا سکتا ہے۔

مالکیہ نے بھی چند شرطیں بڑھائی ہیں، مثلاً یہ کہ موزہ تمام چمڑے کا ہو جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ دوم یہ کہ وہ سلا ہوا ہو۔ اور یہ کہ اس کے پہننے کا مقصد پاؤں کی سجاوٹ یا اظہار دولت نہ ہو بلکہ مقصد صرف سنت کی پاؤں وی یا گرمی، سردی یا کانٹے بچھو وغیرہ سے بچاؤ کے لیے ہو۔ لیکن بچھو سے بچنے یا دھونے کی زحمت سے بچنے کے لیے یا مہندی وغیرہ کو پاؤں پر جمائے رکھنے کے لیے موزے پہنا تو اس پر مسح صحیح نہ ہوگا، کیونکہ یہ تمام امور عیش پسندی میں داخل ہیں۔ لیکن آئمہ فقہاء میں سے کسی کو ان شرائط سے اتفاق نہیں ہے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ موزے کے تمام اوپری حصہ کا مسح واجب ہے، نچلے حصہ کا مسح مستحب ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ نچلے حصہ کا بھی کہ واجب ہے۔ پس اگر مسح نہیں کیا گیا تو جو نماز اس کے ساتھ پڑھی گئی ہو اس کا دہرانا وقت مختار میں واجب ہے۔ اس کی تفصیل اوقات نماز کے بیان میں آرہی ہے۔ یہ قول اس بنا پر ہے کہ (نچلے حصہ کا) مسح کرنا واجب قرار دیا گیا ہے۔ موزے کے نچلے حصہ سے مراد موزے کا تلا ہے جو زمین سے لگتا ہے۔ بعض اس کو ''باطن خف'' کہتے ہیں، لیکن باطن سے ان کی مراد موزے کا تلا ہے جس سے زمین کچلی جاتی ہے، اس سے موزے کا اندرونی حصہ مراد نہیں ہے۔ پس اگر موزے کھلا ہوا ہو اور اس میں ہاتھ ڈالا جا سکے تب بھی اندر سے مسح کرنا مکروہ ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ موزے کے اوپر تین انگلی کی مقدار مسح کرنا فرض ہے۔ انگلی کی چوڑائی ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی کے برابر ہونی چاہیے اور شرط یہ ہے کہ موزے کی اس جگہ پر مسح ہو جس میں پاؤں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ موزے کے اوپر کی جانب کسی حصہ پر بھی مسح کر لینا فرض ہے، یعنی مسح ہو جائے گا خواہ تر انگلی اس پر رکھ دی گئی ہو، اس کو پھیرا بھی نہ گیا ہو۔ اس مسئلہ میں موزوں پر مسح کرنے کو سر کے مسح پر قیاس کیا گیا ہے۔ پس اس

Marfat.com

حفاظت کے لیے پہنا جاتا ہے۔ ان تمام صورتوں میں سب سے اوپر والی چیز پر مسح کر لینا کافی ہے جس کی شرائط از روئے مسالک تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

کے سوا کسی اور حصہ پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً پنڈلی سے لگتے ہوئے حصہ پر یا پچھلے حصہ پر یا کناروں پر یا نیچے کی جانب یا پہلو پر (کسی جگہ بھی مسح درست نہیں ہے) البتہ وہ حصہ جو ٹخنوں کے سامنے ہے اس پر مسح جائز ہے۔ اگر موزے کے چمڑے پر بالوں ہوں اور اوپر اس طرح پڑے ہوئے ہوں کہ (مسح کرنے میں) پانی کی تری جلد تک نہ پہنچے تو مسح درست نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر بالوں وں پر مسح کرنے کا ارادہ کیا اور پانی کی تری جلد تک پہنچ گئی تب بھی مسح درست نہ ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ موزے کے اگلے اوپر والے حصے اور بیشتر حصے پر مسح کرنا فرض ہے، اور نچلے حصہ کا مسح مستحب ہے۔ اگر بھولے سے رہ گیا ہو تو (یاد آنے پر) صرف اسی کا مسح کر لینا چاہیے، اگر چہ دیر ہوگئی ہو، یعنی اعضائے وضو کے دھونے میں جو موالات کی مدت ہے اس سے زیادہ دیر نہیں ہوئی تو مسح کر لینا چاہیے۔ زیادہ دیر گزر گئی ہو تو مستحب یہ ہے کہ پورا وضو دوبارہ کر لیا جائے۔ اسی طرح اس نماز کا دہرا لینا بھی مستحب ہے جو موزے کے نچلے حصہ کا مسح کرنے سے پہلے پڑھی گئی ہو، بشرطیکہ اس کا وقت مختار باقی ہو۔

۱۔ حنفیہ نے سب سے اوپر والے موزے پر مسح کرنے کی تین شرائط صحت قرار دی ہیں: اول یہ کہ وہ کھال کا بنا ہو، اگر کھال کا نہیں ہے اور پانی اس موزے تک پہنچ جاتا ہے جو اس کے نیچے ہے تو کافی ہے اور پانی موزے تک نہیں پہنچتا تو (صحتِ مسح کے لیے) کافی نہیں ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اوپر والا موزہ ایسا ہو کہ فقط اس کو پہن کر چلا پھرا جا سکے۔ اگر وہ ایسا نہ ہو تو اس پر مسح کرنا صحیح نہ ہوگا، جب تک کہ تری نچلے والے موزے تک نہ پہنچ سکے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ وہ اوپر والا موزے بھی اسی طہارت کے بعد پہنا گیا ہو جس کے بعد نچلا موزے پہنا گیا، بایں طور کہ اوپر والے موزے کو حدث لاحق ہونے اور نچلے موزے پر مسح کرنے سے پہلے پہن لیا گیا ہو۔

شافعیہ نے اس بارے میں تفصیل سے کام لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر اوپر اور نیچے کے دونوں موزے کمزور ہوں کہ مسح کے قابل نہ ہوں تو پاؤں کا دھونا واجب ہے اور مسح درست نہیں ہے۔ اگر نچلا موزے کمزور ہو اور مسح کے قابل نہ ہو تو اوپر والے کو دیکھا جائے گا اور نیچے والے کو موزے نہ شمار کیا جائے گا۔ اگر نچلا موزے مضبوط ہو اور اوپر والا کمزور ہو یا دونوں مضبوط ہوں تو اوپر والے پر مسح کرنا صحیح ہے، بشرطیکہ یقینی طور پر پانی کی تری نچلے موزے پر پہنچ جائے اور نیت اوپر والے موزے کے مسح سے نیچے والے موزے کے مسح کی ہو یا دونوں کے مسح کا ایک ساتھ ارادہ ہو۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ مطلق مسح کا ارادہ ہو۔ (اوپر والے یا نیچے والے کا خیال نہ ہو) لیکن اگر اوپر والے کے مسح کا ارادہ کیا یا نیچے والے کا ارادہ کیا اور نچلے موزے تک تری نہیں پہنچی تو مسح درست نہیں ہوا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ حدث سے پہلے اگر کسی نے موزے پر موزے پہن لیا تو اوپر والے موزے پر مسح کرنا درست ہے، اگر چہ ان دونوں میں سے ایک پھٹا ہوا ہو، اگر دونوں پھٹے ہوئے ہوں تو درست نہ ہوگا، اگر چہ ان دونوں موزوں نے مجموعی طور پر پاؤں کو ڈھک لیا ہو۔ اگر کسی نے اوپر والے موزے میں ہاتھ ڈال کر نچلے موزے کا مسح کیا تو درست ہے بشرطیکہ نچلا موزے سالم ہو۔ نیز حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر اوپر والے موزے پر مسح کیا اور اسے اتار دیا تو نیچے والے کو بھی اتار کر پاؤں دھونا واجب ہے۔

Marfat.com

مسح مسنون کا طریقہ (۱)

مسح کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو دائیں پاؤں کے موزے کے اگلے حصہ پر رکھا جائے اور بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو بائیں پاؤں کے موزے کے اگلے حصے پر رکھا جائے اور دونوں ہاتھوں کو پنڈلی کی طرف دونوں ٹخنوں کے اوپر سے کھینچا جائے۔ ہاتھ کی انگلیاں کسی قدر کھلی رہیں، بایں طور کہ دونوں پاؤں پر لکیر کی طرح کھنچ جائیں۔

موزوں پر مسح کی معیاد کا بیان

مقیم شخص (جو مسافر نہ ہو) وہ ایک دن اور ایک رات تک (۲) موزوں پر مسح کرسکتا ہے۔ اور مسافر تین دن اور تین رات تک مسح کرسکتا ہے۔ اس کا سفر خواہ وہ ہو جس میں قصر واجب ہے یا نہ ہو، اور خواہ

مالکیہ کہتے ہیں کہ اس حالت میں (جب کہ موزے پہنا ہو) اوپر والے کو مسح کرنے کا حکم ہے۔ اگر اسے اتار ڈالا تو فوراً نچلے موزے پر مسح کرلینا چاہیے، بایں طور کہ وضو میں ملحوظ رکھنے والی موالات (یعنی عمل پے در پے) حاصل ہو، جس کے لیے یاد ہونا اور قادر ہونا شرط ہے (یعنی دو اعمال کے درمیان توقف نہ ہونا دو باتوں پر موقوف ہے: ایک تو یاد ہونا دوم قدرت ہونا۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ مسح کا طریقہ مستحب ہے، مسنون نہیں ہے، اور وہ مستحب طریقہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کو دائیں پاؤں کی انگلیوں کے سرے پر رکھا جائے اور بائیں ہاتھ کو انگلیوں کے نیچے رکھا جائے اور دونوں ہاتھوں کو دائیں پاؤں کے ٹخنوں تک کھینچا جائے۔ بائیں پاؤں کے موزے پر مسح کے لیے اس کے برعکس عمل کیا جائے، یعنی بائیں ہاتھ کو بائیں پاؤں کی انگلیوں کے سرے پر رکھا جائے اور دائیں ہاتھ کو اس کے نیچے رکھ کر اس طرح کھینچا جائے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو کھلا رکھ کر ان کے سروں کو اپنے پاؤں کے پچھلے حصہ کے نیچے رکھا جائے اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو کھلا رکھ کر ان کے پوروں کو پاؤں کی انگلیوں کی پشت پر رکھا جائے۔ پھر دائیں ہاتھ کو نیچے کی طرف سے انگلیوں کے سرے تک کھینچا جائے۔ اس طرح مسح لکیریں بناتا ہوا ہوگا۔

۲۔ حنابلہ اور شافعیہ نے سفر کی شرط کے ساتھ یہ قید بھی لگائی ہے کہ وہ سفر قصر والا ہو، اور مباح ہو۔ لہٰذا اگر سفر قصر کی مسافت سے کم ہو یا سفر کسی معصیت کی غرض سے ہو تو مسح کی مدت اتنی ہی ہوگی جتنی مقیم کے لیے ہوتی ہے۔ یعنی ایک دن اور ایک رات تک مسح کی اجازت ہے۔ شافعیہ نے اس پر اس شرط کا اضافہ کیا ہے کہ سفر با مقصد ہو۔ اس قید سے آوارہ کا بے مقصد سفر اس حکم سے خارج ہوگیا، کیونکہ اس کے پیش نظر کوئی خاص جگہ نہیں ہوتی، لہٰذا اس کے لیے مقیم کی طرح ایک دن اور ایک رات سے زیادہ عرصہ تک مسح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

Marfat.com

سفر مباح ہو یا نہ ہو[۱] اور مسح کرنے والا معذور ہو یا نہ ہو۔[۲] اس کی دلیل وہ روایت ہے جو شریح بن ہانی سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے موزوں پر مسح کا مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھو کیونکہ وہ حضور کے ساتھ سفر میں رہتے تھے، چنانچہ میں نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافروں کو تین دن اور تین رات تک مسح کرنے کی اجازت دی ہے، اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات کی۔ (بروایت مسلم)

یہ میعاد اس وقت سے شروع ہوگی جب موزہ پہننے کے بعد پہلی بار حدث لاحق ہو۔[۳] مثلاً ظہر کے وقت وضو کر کے موزہ پہنا اور نماز عشاء کے وقت تک وضو باقی رہا اور اس وقت حدث ہوا تو مسح کے جائز ہونے کے میعاد مدت اسی وقت سے شروع ہوگی نہ کہ اس وقت سے جب کہ موزہ پہنا تھا۔ (یعنی ظہر کا وقت)۔

موزوں پر مسح کرنے میں کون سے امور مکروہ ہیں؟

موزوں پر مسح کرنے میں چند امور مکروہ تنزیہی ہیں، منجملہ ان کے یہ ہے کہ ایک بار سے زیادہ مسح

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ موزوں پر مسح کے لیے کسی خاص مدت کی قید نہیں ہے، لہٰذا جائز ہے کہ جب تک غسل واجب نہ ہو موزے کو نہ اتارا جائے البتہ جو شخص جمعہ کی نماز میں شامل ہونا چاہتا ہے اسے جمعہ کے دن موزا اتارنا مستحب ہے اگرچہ غسل کا ارادہ نہ ہو۔ اگر جمعہ کے دن نہ اتارنا ہو تو ہر ہفتہ میں اس روز جس روز کہ پہنے تھے موزوں کو اتارنا مستحب ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ مدت اس کے لیے ہے جو معذور نہیں ہے۔ پس ایک شخص نے اگر وضو کر کے موزے پہنا جب کہ معذوری لاحق نہ تھی، تو اس کا حکم تندرست انسان جیسا ہے (کہ عذر ختم ہو جانے سے) مسح ختم نہ ہوگا جب تک کہ مسح کی مقررہ مدت جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ختم نہ ہو جائے۔ لیکن اگر اجرائے حدث کی حالت پیدا ہوگئی یا اجرائے حدث میں موزے پہنا تو وقت (نماز) کے ختم ہونے کے ساتھ مسح بھی ختم ہو جائے گا اور موزوں کو اتار کر صرف پاؤں کو دھو لینا چاہیے بشرطیکہ معذوری کی حدث کے علاوہ کسی اور وجہ سے وضو نہ ٹوٹا ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ یہ مدت اس کے لیے ہے جو معذور نہیں ہو۔ معذور انسان کو ہر نماز فرض کے لیے موزے اتار کر وضو کرنا چاہیے، البتہ نوافل کے لیے موزوں پر مسح کر لینا جائز ہے۔

۳۔ شافعیہ نے حدث کے بارے میں تفصیل سے کام لیا ہے۔ انہوں نے مسح کی مدت کا آغاز پہلی بار حدث واقع ہونے سے اس شرط پر قرار دیا ہے کہ حدث اختیاری ہو، مثلاً (شرمگاہ وغیرہ کو) ہاتھ لگانا یا سونا۔ لیکن اگر حدث غیر اختیاری ہو مثلاً وضو توڑنے والی شے کا دونوں راستوں میں سے کسی سے خارج ہونا تھا اس صورت میں مدت مسح کا آغاز حدث کے بعد سے شروع ہوگا۔

Marfat.com

کیا جائے اور یہ کہ مسح کی بجائے موزے کو دھویا جائے۔[1] (یہ کراہت اس صورت میں ہے) جب کہ اس کو دھونے کا مقصد حدث کو دور کرنا ہو (یعنی وہ مقصد جو مسح سے حاصل ہوتا) لیکن اگر دھونے کا مقصد موزے کی صفائی یا لگی ہوئی نجاست کو دور کرنا ہو اور حدث کو دور کرنے کا خیال نہ ہو تو وہ مسح نہ ہوگا اگرچہ دھونے کے بعد مسح کر لیا جائے۔

مسح کو باطل کرنے والے امور

چند امور کے پیش آنے سے موزوں پر کیا ہوا مسح باطل ہو جاتا ہے۔ ان کے منجملہ یہ ہے کہ غسل واجب کرنے والی کوئی شے لاحق ہو جائے۔ مثلاً جنابت یا حیض یا نفاس۔ اور یہ کہ موزہ پاؤں سے اتر جائے، اگرچہ پاؤں کا کچھ ہی حصہ موزہ کی پنڈلی سے باہر آیا ہو[2] اور یہ کہ موزہ پھٹ جائے۔ اس کے متعلقہ مسائل تفصیل طلب ہیں[3]

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر موزے کو دھولیا اور مسح کی نیت نہ تھی، مثلاً یہ کہ موزے کی صفائی ستھرائی وغیرہ پیش نظر تھی یا کوئی بھی نیت نہ تھی تب بھی مسح ہو جائے گا، اگرچہ موزہ دھونا امر مکروہ ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ بقول صحیح جب تک پاؤں کا بیشتر حصہ موزے کی پنڈلی سے باہر نہ آجائے مسح نہیں ٹوٹتا۔ اگر کچھ حصہ پاؤں کا کسی قدر باہر آ گیا تو مسح باطل نہ ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ بقول معتبر مسح باطل نہیں ہوتا جب تک کہ پورا پاؤں موزے کی پنڈلی تک باہر نہ آجائے۔ اب اگر اسی وقت پاؤں کو دھولیا تو وضو سالم رہ گیا۔ اور اگر بھولے سے نہ دھویا تو اب دھولینا چاہیے، زیادہ دیر ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اگر عمداً توقف کیا اور زیادہ دیر نہیں ہوئی تو اب بھی (وضو کو باقی رکھنے کے لیے) پاؤں کو دھولیا جائے۔

۳۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر موزے کہیں سے پھٹ جائے اور پاؤں کا کچھ حصہ، جس کا دھونا فرض ہے، نظر آنے لگے، گو جوتے کے پھندنے یا زبان کفش وغیرہ سے وہ جگہ چھپی ہوئی ہو تب بھی مسح ٹوٹ جائے گا۔ پس اگر وضو سالم رہنے کی حالت میں موزے پھٹ گیا ہو تو واجب ہے کہ دونوں پاؤں بہ نیت وضو دھو لیے جائیں۔ وضو از سر نو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر دورانِ نماز موزے پھٹ گیا تو مسح ٹوٹ جانے کے باعث نماز بھی باطل ہو جائے گی، اور لازم ہے کہ دونوں پاؤں کو دھو کر نماز از سر نو پڑھی جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر موزے پھٹا ہوا ہو جس سے کچھ حصہ پاؤں کا کھل جائے تو اس پر مسح درست نہیں ہے۔ خواہ وہ حصہ تھوڑا سا ہی ہو، اور خواہ سلائی کے ادھڑ جانے سے کھلا ہو، بجز اس صورت کے جب کہ چلنے میں وہ جگہ بند ہو جاتی ہو، کیونکہ اس طرح وہ جگہ جس کا دھونا فرض ہے ڈھک گئی ہے۔ پس اگر موزے پھٹ گیا، یا اور کوئی امر جس سے مسح باطل ہو جاتا ہے، پیش آجائے، مثلاً مدت مسح ختم ہو جائے، یا جنابت لاحق ہو، یا معذوری کی حالت دور ہو جائے تو معذوں کو اتار کر پورا وضو پھر سے کرنا واجب ہے۔ دونوں پاؤں کا دھولینا کافی نہیں، اس واسطے کہ مسح حدث کو دور کرنے والی شے ہے، اور

Marfat.com

اور یہ کہ مسح کی جو مدت ہے وہ گزر جائے۔ اگر چہ مدت کا گزرنا مشکوک ہو۔ (۱)

جب مسح جاتا رہا تو حدث پورا لاحق ہوگا کیونکہ حنابلہ کے نزدیک حالت حدث نا قابل تقسیم ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر موزے ایک تہائی پاؤں کے برابر یا زیادہ پھٹا ہو تو مسح باطل ہو جائے گا۔ اگر اس طرح موزے پھٹا اور اس وقت مسح کے بعد وضو باقی تھا تو صرف مسح جاتا رہا، وضو نہیں ٹوٹا۔ لہٰذا لازم ہے کہ اس موالات کا خیال رکھتے ہوئے، جو وضو میں واجب ہے، موزوں کو اتار کر فوراً پاؤں کو دھولیا جائے۔ تاہم اگر بھولے سے یا کسی مجبوری کے باعث توقف ہو گیا تو وضو باطل نہ ہوگا اور صرف پاؤں کو دھو لینا لازم ہوگا۔ اگر قصداً توقف روا رکھا اور دیر زیادہ ہو گئی تو وضو جاتا رہے گا، اگر زیادہ دیر نہیں ہوئی تو صرف مسح باطل ہوا اور محض پاؤں کا دھو لینا واجب ہے۔ اگر نماز پڑھنے میں موزے پھٹ گیا تو نماز کی نیت توڑ کر موزے اتارنے کے بعد فوراً دونوں پاؤں کو بموجب سابق دھو لینا چاہیے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ موزوں پر مسح درست نہ ہوگا اگر کہیں سے اتنا پھٹا ہوا ہے کہ مسح نہیں ہو سکتا۔ اس کی مقدار پاؤں کی سب سے چھوٹی والی تین انگلیوں کے برابر ہے۔

واضح ہو کہ پھٹے ہوئے موزے پر مسح کی ممانعت اس حالت میں ہے جب کہ موزے پہننے والا چلے تو پھٹی ہوئی جگہ سے پاؤں کی تین چھوٹی انگلیاں کی مقدار جگہ کھل جائے۔ لیکن اگر شگاف لمبوترا ہو کہ چلتے وقت نہ کھلے اور اتنی جگہ ظاہر نہ ہو تو (مسح میں) مضائقہ نہیں۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ موزے کا استر چمڑے کا ہو یا کوئی دھجی اس میں سلی ہوئی ہو، اگر چہ وہ باریک ہو یا اس استر سے تین انگلیاں کی مقدار جگہ کھلی ہوئی ہو۔ لیکن اگر استر چمڑے کا نہ ہو یا موزے کا اندرونی استر سلا ہوا نہ ہو، جیسے کوئی پھندنا ہو یا پٹی ہو اور اس میں اتنی ہی مقدار پھٹ کر کھل جائے تو مسح باطل ہو جائے گا۔

موزہ کی دریدگی باطن خف یعنی موزے اردگرد ہو، یا اس کے اگلے حصہ میں ہو یا پیچھے کی جانب ہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، البتہ اگر موزے پنڈلی پر سے جو ٹخنوں سے اوپر کا حصہ ہے، پھٹا ہوا ہو تو اس سے مسح کے درست ہونے میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔

اگر دونوں موزوں میں سے کوئی ایک موزے کئی جگہ سے پھٹا ہوا ہو اور پھٹے ہوئے حصوں کی مجموعی مقدار تین انگلی کے برابر ہو جائے تو اس پر مسح صحیح نہ ہوگا، بصورت دیگر صحیح ہوگا۔ اگر دونوں موزے کئی جگہ سے پھٹے ہوئے ہیں، بایں طور کہ ایک میں تو صرف ایک انگلی پھٹن ہے اور دوسرے موزے میں دو انگلی کے برابر ہے تو مسح میں مضائقہ نہیں۔

واضح ہو کہ (موزے کے) پھٹے ہوئے حصوں کو مجموعی حیثیت سے دیکھنا جب ہی ممکن ہے کہ پھٹا ہوا حصہ نظر آتا ہو، اگر اس سے کم پھٹا ہوا ہے تو اس کی طرف توجہ کی ضرورت نہیں۔

واضح ہو کہ اگر موزے ایسا ہے کہ اس کے پھٹے ہوئے حصے معاف ہیں تو اس پر مسح درست ہے۔ لیکن مسح موزوں ہی پر ہونا چاہیے، اس جگہ پر نہیں جو موزوں کی درز سے نظر آتی ہے، لہٰذا اگر موزے مسح کرنے کے بعد تین انگلیوں کے برابر جس کی تفصیل اوپر ہو چکی، پھٹ گیا تو مسح باطل ہو جائے گا۔

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ مسح کی مدت گزرنے پر مسح باطل نہیں ہوتا کیونکہ ان کے نزدیک مسح کے باب میں مدت کا کوئی اعتبار نہیں ہے جیسا کہ سابقاً بیان ہوا۔

Marfat.com

تیمّم کے مسائل

تیمّم سے تعلق رکھنے والے مسائل حسب ذیل ہیں:

۱: تیمّم کی تعریف، ثبوت اور شرعی حکم۔

۲: تیمّم کی اقسام۔

۳: تیمّم کی شرائط۔

۴: وہ اسباب جن کی بنا پر تیمّم ایک شرعی حکم قرار پایا۔

۵: تیمّم کے ارکان (اجزا) یا فرائض۔

۶: تیمّم کی سنتیں۔

۷: تیمّم کے مستحبات اور مکروہات۔

۸: تیمّم توڑنے والے امور۔

ان میں سے ہر ایک کی تفصیل درج ذیل ہے:

تیمّم کی تعریف، اس کا ثبوت اور اس کی مشروعیت کی حکمتیں

تیمّم کے معنے لغت کی رو سے ''ارادہ'' کے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''لا تیمموا الخبیث منه تنفقون'' یہاں پر لفظ ''تیمموا'' کے معنی ''تقصدوا'' کے ہیں (یعنی اس میں سے بری چیز کے خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو)۔

شرع کی اصطلاح میں تیمّم کے معنی چہرے اور بازو پر پاک صاف مٹی کے ساتھ ہاتھ پھیرنا ہے۔[1] اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام منہ اور ہاتھ پر مٹی مل لی جائے، بلکہ غرض یہ ہے کہ پاک مٹی یا ریت پر یا ایسی ہی کسی اور شے جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے، ہاتھ رکھا جائے (اور پھر اس ہاتھ کو منہ اور ہاتھوں پر پھیر لیا جائے)۔ شرع میں تیمّم کا حکم اس حالت میں ہے جب کہ پانی دستیاب نہ ہو، یا متذکرہ آئندہ وجوہ میں سے کوئی وجہ پانی استعمال کرنے سے مانع ہو۔

اس کا مشروع ہونا قرآن، حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔

۱۔ مالکیہ اور شافعیہ نے تیمّم کی تعریف میں ایک لفظ ''بنیۃ'' کا اضافہ کیا ہے (یعنی ہاتھ پھیرنا نیت تیمّم کے ساتھ)۔ یہ اضافہ اس لیے ہے کہ ان کے نزدیک نیت کرنا بھی تیمّم کا ایک رکن ہے۔

Marfat.com

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وان کنتم مرضیٰ او علیٰ سفر او جاء احد منکم من الغائط اولا مستم النساء فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیداً طیباً فامسحوا بوجوھکم و ایدیکم منه ما یرید الله لیجعل عَلَیْکُمْ من حرج" (یعنی اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو، یا رفع حاجت کر کے آئے ہو، یا عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو اور پانی دستیاب نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمّم کر لیا کرو۔ یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں کو مٹی (لگے ہاتھوں) سے مسح کر لو۔ کیونکہ اللہ نہیں چاہتا کہ تمہیں تنگی میں ڈالا جائے)۔ اس آیۂ کریمہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شریعت نے پانی نہ ہونے یا اس کے استعمال سے معذور ہونے کی صورت میں انسان کو (ادائے عبادت کے لیے) تیمّم کرنے کا حکم دیا ہے۔

اس حکمِ شریعت میں یہ مصلحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جن عبادتوں کی بجا آوری کا مکلّف بنایا ہے، ان کے بجالانے میں تنگی اور مشقت نہ ہو۔ اور یہ کہنا کہ تنگی دور کرنے کا اقتضا تو یہ تھا کہ اگر پانی دستیاب نہیں ہے یا اس کے استعمال سے معذوری ہے تو سرے سے تیمّم ہی کا حکم نہ ہوتا، کیونکہ تیمّم کی پابندی میں بھی تو تنگی ہے، محض فضول بات ہے، کیونکہ تنگی دور کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایسی باتوں کا حکم دیتا ہے جو ان کے بس میں ہوں، لہٰذا اگر کوئی شخص وضو کرنے سے معذور ہے اور تیمّم کر سکتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ اللہ کا حکم بجالائے اور اس حکم کی ادائیگی نہیں ہو سکتی جب تک کہ اسی طریقہ سے جیسا کہ بیان ہوا، بجانہ لایا جائے، کیونکہ جملہ عبادتوں کی غرض یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اسی طرح بجالایا جائے۔ اور قلب اس (حکم) کی عظمت سے آشنا ہو اور بلاشبہ عبادت کا مقصد صرف ایک ہے اور وہ اس (اللہ) کی خوشنودی ہے۔ بایں ہمہ بعض امور عبادات کو جس طرح بجالانے کا حکم دیا گیا ہے اسی میں ایک کھلی مصلحت ہے مثلاً غسل، وضو، اور نماز میں جو کچھ کیا جاتا ہے اور روزے میں جو مرغوبات سے کنارہ کش رہنے کا حکم ہے، اور ایسے ہی دوسرے امور جسم کے لیے صحت بخش ہیں۔ ساتھ ہی ان احکام میں بعض باطنی خوبیاں بھی ہیں۔ مثلاً طاعت الٰہی سے دل کی پاکیزگی کا حاصل ہونا۔ اس میں ظاہری فوائد بھی ہیں، کیونکہ جو شخص اپنے اور اس کے احکام بجالائے گا اس کے تعلقات دوسرے ابنائے نوع کے ساتھ اچھے ہوں گے، لوگ اس کی برائیوں سے محفوظ رہیں گے اور اس کی نیکیوں سے بہرہ اندوز ہوں گے۔ انسان اپنی دنیوی زندگی میں بھی کچھ چاہتا ہے۔ غرض احکام الٰہی کی بجا آوری ہی میں انسانی معاشرے کی ہر گونہ فلاح و بہبود ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تیمّم خدائے بزرگ و برتر کے حکم کی بجا آوری کے لیے ہے، لہٰذا یہ طاعت الٰہی کا ایک وسیلہ ہے جو اسبابِ سعادت میں سے ہے۔

Marfat.com

کچھ لوگ جو احکام شریعت اسلامیہ کے مقاصد کو نہیں سمجھتے کہ اسی میں سب کا بھلا ہے اور اسی سے لوگوں کے اخلاق سدھرتے ہیں، یہ خیال کرتے ہیں کہ بعض اوقات مٹی میں نقصان دہ جراثیم موجود ہوتے ہیں، ایسی صورت میں اس طرح چہرے پر ملنے سے نقصان ہوتا ہے اور کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ لیکن جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ جانتے ہی نہیں کہ تیمم کے معنی کیا ہیں اور نہ اس کی غرض سے آشنا ہیں۔ کیونکہ شارع علیہ السلام نے (تیمم کے لیے) یہ شرط لگادی ہے کہ تیمم کی مٹی پاک اور صاف ستھری ہونی چاہیے۔ نیز یہ شرط نہیں ہے کہ (تیمم کے لیے) خاک کو اٹھا کر اپنے منہ پر ڈال لیا جائے، بلکہ جو کچھ فرض کیا گیا ہے وہ ایک خاص طریق کار پر عمل کرنا ہے، جس سے وہ عبادت جو وضو اور غسل کے بغیر ادا نہ ہوسکتی، مباح ہوجاتی ہے، پس اگر کوئی کہتا ہے کہ صاف ستھری خاک یا صاف ستھرے پتھر یا کنکریوں وغیرہ پر ہاتھ رکھنے سے نقصان دہ جراثیم منتقل ہوجاتے ہیں تو اس کو چاہیے کہ روٹی، پھلوں یا سبزیوں پر بھی ہاتھ نہ رکھے اور مناسب یہ ہے کہ لوگوں کو کان میں کام کرنے، چمڑا رنگنے، پاپوش سازی اور نجاری کا ہنر اختیار کرنے سے بھی باز رکھے، بلکہ چاہیے تو یہ کہ وہ کسی چیز کو بھی ہاتھ نہ لگائے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ وہاں بھی کچھ جراثیم چمٹے ہوئے ہوں۔ دراصل ایسی باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جو چاہتے ہیں کہ شرعی ذمہ داریوں سے الگ ہوجائیں اور آزادی کے ساتھ اپنی من مانی کرتے رہیں جن کی طرف بری طبیعتیں مائل ہوتی ہیں اور اس کا نتیجہ تباہی بربادی ہوتا ہے۔ ورنہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ غیر آباد زمینوں پر مشقت کرتے ہیں اور زراعتوں کو خراب ہونے سے محفوظ رکھنے میں مصروف ہیں وہ لوگ ان سے جو صحت کی خاطر دین کی مذمت کرتے ہیں، زیادہ تنومند ہیں اور ان کی زندگی زیادہ خوشگوار ہے۔ آخر جراثیم مرض کو کیا ہوا کہ ان لوگوں پر ان کا قابو نہیں چلتا۔

حقیقت یہ ہے کہ دین اسلام ہمیشہ پاکی اور ستھرائی کی ترغیب دیتا ہے اور لوگوں کو غلاظت سے بچنے اور اسباب امراض سے دور رہنے کا حکم دیتا ہے۔ اسی واسطے تیمم کی مٹی کے لیے جس پر تیمم کرنے والا ہاتھ رکھتا ہے، یہ شرط لگادی گئی ہے کہ وہ بھی لباس اور رومال کی طرح صاف ستھری ہو۔ اگر ناپاک اور آلودہ ہو تو اس پر تیمم ہی درست نہیں ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ تیمم اعضائے وضو میں سے صرف دو عضو کے لیے کیوں مشروع ہے، یعنی محض چہرے اور ہاتھ کا تیمم ہوتا ہے، باقی اعضا کا نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تیمم کی اجازت سہولت کے پیش نظر ہے۔ لہٰذا اس میں وضو کا کچھ حصہ کافی خیال کیا گیا۔ علاوہ اس کے یہ دونوں اعضا وہی ہیں جن کا وضو میں دھونا ہمیشہ واجب ہوتا ہے، یعنی چہرہ اور دونوں ہاتھ۔ اور سر کا تو بہرحال مسح ہوتا ہے۔ اور دونوں پاؤں کبھی دھوئے جاتے ہیں، اور کبھی جب موزہ پہن رکھا ہو، مسح کرلیا جاتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے

Marfat.com

صرف ان دو اعضا کا، جن کو دھونا ہمیشہ فرض ہوتا ہے، تیمّم واجب فرمایا اور ظاہر ہے کہ اس میں سہولت ہوگئی۔

تیمّم کی اقسام

تیمّم کی دو قسمیں ہیں:[1] ایک فرض تیمّم اور دوسرا مستحب تیمّم۔ پس تیمّم ہر ایسی بات کے لیے فرض ہے جس کے لیے وضو یا غسل فرض ہے۔ مثلاً نماز یا قرآن شریف کو ہاتھ لگانا وغیرہ۔ اسی طرح تیمم ہر اس کام کے لیے مستحب ہے جس کے لیے وضو مستحب ہے، مثلاً اگر نفل نماز پڑھنے کا ارادہ ہو اور وضو کے لیے پانی نہ ہو تو روا ہے کہ تیمّم کر کے نفل نماز پڑھی جائے۔ چونکہ نفل نماز مندوب ہے اس لیے تیمم بھی مندوب (مستحب) ہے۔ یعنی اس تیمّم کا وہی ثواب ہے جو امر مستحب کے بجا لانے کا ہے۔ اگر چہ نماز بغیر تیمّم کے صحیح نہیں ہوتی۔ غرض تیمّم امر مستحب ہونے کے بجائے صحت نماز کے لیے شرط کی حیثیت رکھتا ہے، بایں لحاظ کہ اگر تیمّم نہ کیا گیا اور وہ نفلی نماز ترک کر دی گئی، جو تیمّم سے پڑھنی تھی، تو اس پر کوئی شرعی مواخذہ نہیں ہے۔ (واضح ہو کہ مستحب کی یہی تعریف ہے)

تیمّم کے مشروع ہونے کا ثبوت بکثرت احادیث سے ملتا ہے، منجملہ ان کے وہ حدیث ہے جو بخاری اور مسلم میں عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک الگ تھلگ شخص کو دیکھا جس نے لوگوں کے ساتھ جماعت میں شامل ہو کر نماز نہ پڑھی۔ حضورﷺ نے استفسار فرمایا: "وما یمنعک یا فلان ان تصلی فی القوم؟" (یعنی اے فلانے کیا بات ہے کہ تو نے لوگوں کے ساتھ نماز نہ پڑھی؟) اس نے کہا یا رسول اللہﷺ میں ناپاکی کی حالت میں ہوں اور (وضو یا غسل کے لیے) پانی نہیں ہے، ارشاد ہوا: "فعلیک بالصعید فانہ یکفیک" (یعنی تجھے مٹی استعمال کرنا تھی وہی تجھے کافی ہے)۔

اس باب میں تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ تیمّم وضو اور غسل کا قائم مقام ہے۔ اگر چہ تیمّم روا ہونے کے اسباب میں اختلاف ہے۔

واضح ہو کہ تیمّم ہر اس شے پر ہوسکتا ہے جو زمین کے اجزا میں سے ہے۔ اس کی تفصیل عنقریب اپنی جگہ پر بیان ہوگی۔

۱۔ حنفیہ نے تیمّم کی ایک تیسری قسم بتائی ہے یعنی واجب تیمّم۔ سننِ وضو کے بیان میں سابقاً یہ بتایا جا چکا ہے کہ بقول حنفیہ امر واجب کی حیثیت فرض سے کم ہے۔ چنانچہ (وہ کہتے ہیں کہ) طواف کے لیے تیمّم واجب ہے۔ بایں طور کہ اگر بغیر وضو یا تیمّم کے طواف کر لیا تو عمل طواف پورا ہو جائے گا۔ لیکن گناہ ہوگا اور یہ گناہ ترک فرض کے گناہ سے کم حیثیت کا ہے۔ اس کی پوری تفصیل وضو کے بیان میں ہو چکی ہے، چاہیے کہ وہاں پر دیکھا جائے۔

Marfat.com

تیمّم کی شرائط

تیمم کے صحیح ہونے کی چند شرائط ہیں۔ منجملہ ان کے نماز کا وقت آ جانا ہے[1] چنانچہ وقت آنے سے پہلے تیمم کر لینا صحیح نہیں ہے اور منجملہ شرائط کے نیت ہے۔[2] اور مسلمان ہونا اور پانی موجود نہ ہونے کی صورت میں اس کی تلاش کرنا ہے۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ ایک شرط یہ ہے کہ جس عضو کا تیمم کیا جائے، اس پر کوئی شے حائل نہ ہو مثلاً روغن یا موم جو مسح اور جسم کے درمیان میں حائل ہو۔ ایک شرط یہ ہے کہ عورت حیض اور نفاس کی حالت میں نہ ہو۔ ایک شرط یہ ہے کہ منجملہ اسباب متذکرہ آئندہ کے کوئی سبب وضو سے معذوری کا موجود ہو۔

واضح ہو کہ تیمّم کے واجب ہونے کی بھی شرطیں ہیں[3] جس طرح وہ شرطیں جو وضو اور غسل کو واجب کرنے والی ہیں۔ شرائط تیمّم کا تفصیلی ذکر ہر مسلک کے مطابق ذیلی حاشیہ میں کیا جاتا ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ وقت آنے سے پہلے بھی تیمم ہو سکتا ہے۔

۲۔ مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ تیمم کے لیے نیت رکن ہے، شرط نہیں ہے۔

۳۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ کچھ شرطیں تیمم کو صرف واجب کرنے والی ہیں۔ اور کچھ ایسی ہیں جو صحتِ تیمم کے لیے لازم ہیں اور کچھ شرطیں وجوب وصحت دونوں کے لیے لازم ہیں۔

تیمم کو واجب کرنے والی چار شرطیں ہیں:

انسان بالغ ہو، نہ کرنے پر مجبور نہ ہو، تیمم کرنے پر قادر ہو۔ اگر عاجز ہو تو (حکم) تیمم ساقط ہو جاتا ہے۔ کوئی امر ناقض (وضو یا تیمم) لاحق ہوا ہو۔ اگر (وضو یا تیمم) ٹوٹا ہی نہ ہو تو لامحالہ تیمم واجب نہ ہوگا۔

تیمم کے صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں:

مسلمان ہونا، (تیمم کے لیے) کسی شے کا حائل نہ ہونا اور منافی تیمم کسی امر کا لاحق نہ ہونا، یعنی ایسی کوئی بات نہ ہو جو دوران تیمم اس کو باطل کر دے۔

تیمم کے واجب اور صحیح ہونے کی مجموعی شرائط چھ ہیں:

وقت کا ہونا، عقل کا قائم ہونا، دعوت اسلام کا پہنچنا، یعنی اسے معلوم ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے فرستادہ پیغمبر ہیں۔ حیض ونفاس سے (عورت کا) پاک ہونا۔ نیند اور نسیان کی حالت میں نہ ہونا اور پاک مٹی کا موجود ہونا۔ مالکیہ نے پانی نہ ہونے کی شکل میں اس کا تلاش کرنا شرائط تیمم میں شمار نہیں کیا۔ اگرچہ بعض حالات میں (پانی کا تلاش کرنا) ضروری بتایا ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔ اور ان شرائط میں عذر کے موجود ہونے کا بھی ذکر نہیں کیا۔ اسباب (وجوب)

Marfat.com

کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔ یہ وہی شرائط ہیں جن کا ذکر وضو کے بیان میں ہوا ہے۔ البتہ یہاں پر "وقت" کو وجوب وصحت کی شرط بتایا گیا ہے بہ خلاف وضو کے کہ وہاں پر اس کو صرف واجب ہونے کی شرط بتایا گیا ہے۔

حنفیہ صرف صحت تیمم کی شرائط بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح جیسے پانی سے طہارت کے بارے میں صرف صحت وضو کی شرطوں کا ذکر۔ وضو کے بیان میں یہ بتایا جاچکا ہے کہ ان شرائط کو تین اقسام کے اندر تقسیم کرنے میں جیسا کہ مالکیہ نے کیا ہے، کوئی امر مانع نہیں ہے۔ یعنی ان کو صرف وجوب کی شرائط، صرف صحت کی شرائط اور وجوب وصحت کی مجموعی شرائط میں دو مختلف اعتبارات سے تقسیم کیا جاسکتا ہے، مثلاً حیض ونفاس کی حالتوں سے پاک ہونا واجب ہونے کی شرط ہے باعتبار خطاب کے۔ یعنی حیض ونفاس والی عورت وضو کے حکم میں مخاطب نہیں ہے، لہٰذا اس پر واجب بھی نہیں اور یہی چیز (یعنی پاک ہونا) اس اعتبار سے شرط صحت بھی ہے کہ اس کے بغیر واجب ادا نہیں ہوتا کیونکہ حائضہ عورت کا وضو مقصد وضو کو پورا نہیں کرتا، یعنی نماز وغیرہ، جو وضو پر موقوف ہے اس حالت میں وضو کر کے ادا نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے کہ کسی امر کا صحیح ہونا یہ معنے رکھتا ہے کہ اس کے کرنے کا جو مقصد ہے وہ برآئے، ہاں حیض ونفاس کی حالت میں وضو کرنا مستحب ہے تاکہ (ادائے عبادت مفروضہ کی) جو عادت ہے وہ تازہ رہے۔ لیکن اس وضو سے ایسے عمل کا ادا کرنا صحیح نہیں ہے جس کے لیے شریعت نے وضو کا حکم دیا ہے۔

اس تفصیل کے مطابق شرائط (تیمم) کی اقسام حسب ذیل قرار دی جاسکتی ہیں:

صرف واجب ہونے کی شرطیں۔ یہ تین ہیں: بالغ ہونا، مٹی کے استعمال پر قادر ہونا، حدث ناقض (طہارت) کا لاحق ہونا۔ رہا وقت کا موجود ہونا سو یہ امر واجب کے بجالانے کی شرط ہے، مطلق واجب ہونے کی شرط نہیں ہے۔ چنانچہ عمل تیمم بجا نہیں لایا جاسکتا جب تک کہ وقت نہ آجائے۔ وقت کے شروع ہونے پر اس واجب کے بجالانے کے لیے گنجائشِ وقت ہوتی ہے اور اخیر وقت میں تنگی ہوجاتی ہے۔ یہی حال وضو اور غسل کا بھی ہے اور اس سے پہلے "وقت" کو وضو کے واجب ہونے کی جو شرط قرار دیا گیا ہے اس میں چوک ہوگئی ہے۔

صرف صحت کی شرائط، یہ سات ہیں: نیت، پانی کا دستیاب نہ ہونا یا پانی کے استعمال سے معذوری، اعضائے تیمم پر کسی شے، مثلاً روغن یا موم کا چسپاں نہ ہونا۔ اور تیمم کے دوران کسی امر منافی تیمم کا موجود نہ ہونا بایں طور کہ دوران تیمم حدث لاحق ہو۔ ہاتھ سے مسح کے لیے تین یا زیادہ انگلیوں سے کام لینا۔ واضح ہو کہ ہاتھ ہی سے مسح کرنا ضروری نہیں ہے، اگر ہاتھ کے علاوہ بھی کسی اور طرح مسح کرلیا تو روا ہے، جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔ اگر پانی کے حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ خیال میں ہو تو پہلے پانی کا تلاش کرلینا۔ اور پورے چہرے اور پورے ہاتھوں کا مسح کرنا۔

وجوب وصحت تیمم کی مجموعی شرائط یہ ہیں: (یعنی ان میں سے اگر کوئی شرط نہ ہو تو تیمم نہ واجب ہوگا اور نہ صحیح ہوگا): مسلمان ہونا۔ کافر پر تیمم صحیح نہیں ہے، کیونکہ احکام شرع کا وہ مخاطب ہی نہیں ہے، اور نہ اس کا تیمم صحیح ہوگا کیونکہ وہ نیت تیمم کا اہل نہیں ہے۔ حیض ونفاس سے پاک ہونا، (تیمم کرنے والے کا) عقل سے خارج نہ ہونا۔ اور پاک مٹی کا دستیاب ہونا، چنانچہ اگر پاک مٹی موجود نہیں ہے تو نہ تیمم واجب ہے اور نہ تیمم کرنا صحیح ہے۔ ناپاک مٹی اگر پاک ہوجائے، مثلاً نجاست آلودہ زمین خشک ہوجائے تو وہ پاک ہوگی اور اس پر نماز درست ہوگی، لیکن وہ مٹی پاک کرنے والی صفت سے خالی

Marfat.com

تیمّم کرنے کے شرعی اسباب

جن اسباب (یا جن حالات میں) تیمم کیا جاتا ہے ان کی دو صورتیں ہیں:

اول پانی کا نہ ہونا، بایں طور کہ سرے سے پانی موجود ہی نہ ہو، یا ہو لیکن طہارت کے لیے کافی نہ ہو۔ (۱)

ہوگی، اس لیے اس زمین پر تیمم صحیح نہ ہوگا، جیسا کہ طہارت کے بیان میں پہلے بیان ہوا۔

شافعیہ نے (تیمم کی) تمام شرائط کو مجموعی طور پر ذکر کیا ہے اور شرائط وجوب وصحت کی قسموں کو الگ الگ نہیں بتایا۔ یہ شرطیں آٹھ ہیں:

۱۔ سبب کا موجود ہونا، یعنی پانی دستیاب نہ ہو، یا استعمال سے معذوری ہو۔

۲۔ وقت کے موجود ہونے کا علم ہونا، چنانچہ نماز کا وقت آنے سے پہلے تیمم صحیح نہیں ہے۔ ۳۔ تیمم سے پہلے جسم کو ایسی نجاست سے پاک کر لینا جو معاف نہیں ہے۔ اگر نجاست دور کرنے سے پہلے تیمم کر لیا تو صحیح نہ ہوگا۔ ۴۔ مسلمان ہونا، سوائے اس صورت کے جب کہ کوئی کتابیہ (اہل کتاب عورت) حیض ونفاس سے پاک ہو۔ ایسی عورت کو تیمم ضروری ہو تو وہ کر لے، تاکہ اس کا (مسلمان) خاوند اس سے مقاربت کر سکے۔ ۵۔ حیض ونفاس سے پاک ہونا، بجز اس صورت کے جب کہ حیض ونفاس والی عورت احرام والی ہو۔ ایسی عورتوں کو احرام کا غسل مسنون کرنے کی بجائے مجبور اور صاحب تمیز ہونے کے باعث تیمم کر لینا صحیح ہے۔ ۶۔ البتہ فاتر العقل عورت کا تیمم مقاربت کے حلال ہونے کے لیے ہوگا۔ ۷۔ اور کسی شے کا مسح کی مٹی اور مسح کیے جانے والے عضو کے درمیان حائل نہ ہونا۔ ۸۔ اور پانی موجود نہ ہو تو اس کا تلاش کرنا جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

حنابلہ نے بھی (تیمم کی) شرائط کو مجموعی طور پر شمار کیا ہے اور شرائط وجوب وشرائط صحت کے درمیان فرق نہیں کیا۔ وہ شرائط یہ ہیں: نماز کا وقت ہونا، خواہ وہ نماز فرض نہ ہو لیکن اس کا وقت مقرر ہو، (اگرچہ وقت نہ ہو بلکہ) حکمی ہو، مثلاً نماز جنازہ جس کا وقت (حقیقی نہیں بلکہ حکمی ہے کہ) میت کو نہلانے یا تیمم کرانے کے بعد ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر اس سے پہل تیمم کر لیا گیا تو وہ تیمم جائز نہ ہوگا۔ پانی کے استعمال سے معذوری کا ہونا جو معذوری کے اسباب متذکرہ آئندہ میں سے کسی سبب سے ہوئی ہو۔ اور پاک مباح مٹی کا دستیاب ہونا۔ یہ مٹی جلی ہوئی نہ ہو، اور یہ شرط ہے کہ وہ گرد آلود ہو کہ بدن سے لگ جائے۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اور تیمم کی نیت، عقل، تمیز اور اسلام والا ہونا۔ اور کسی حائل کا (اعضائے تیمم پر موجود) نہ ہونا، اور منافی تیمم کسی امر کا نہ پایا جانا، اور تیمم سے پہلے (تیمم کرنے والے کا) ڈھیلے یا پانی سے استنجا کیے ہوئے ہونا۔

۱۔ شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر طہارت کے لیے کافی پانی موجود نہ ہو (بلکہ غیر کافی ہو) تو جن اعضا پر استعمال کیا جا سکے ان پر استعمال کر لیا جائے اور باقی اعضا کا تیمم کر لیا جائے۔

Marfat.com

دوم یہ کہ پانی کے استعمال سے معذوری ہو یا اس پانی کو رکھ چھوڑنا ضروری ہو، بایں طور کہ پانی حصول طہارت کے لیے کافی موجود ہے، لیکن اس کا استعمال کرنا بس میں نہیں ہے۔ یا بس میں تو ہے لیکن پینے کے لیے یا کسی ایسے ہی کام کے لیے اس کا اٹھا رکھنا ضروری ہے۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ ان کے علاوہ اور اسباب جن کا ذکر آئندہ کیا جا رہا ہے وہ سب پانی کے استعمال سے معذوری کے اسباب ہیں۔

بہر حال پانی دستیاب نہ ہو تو ہر ایسے عمل کے لیے جس کا ادا کرنا پانی سے طہارت کرنے پر موقوف ہے تیمّم کر لینا چاہیے، مثلاً فرض نماز یا نماز جنازہ [۱] و نماز جمعہ و نماز عید و طواف کعبہ اور نفلی نماز اگرچہ فرض کے بغیر خالی نفل نماز ہی کا ارادہ ہو۔ [۲]

پانی نایاب ہونے کی صورت میں سب کے لیے ایک ہی حکم ہے۔ خواہ کوئی صحتمند ہو یا مریض ہو، مسافر ہو یا مقیم ہو۔ اور سفر خواہ صلوٰۃ قصر واجب کرنے والا ہو یا نہ ہو۔ سفر کسی معصیت کے لیے کیا گیا ہو یا سفر میں گناہ ہوا ہو [۳] حکمِ تیمّم کے اعتبار سے ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر پانی دستیاب ہو، لیکن اسبابِ شرعیہ میں سے کسی سبب سے پانی کے استعمال میں معذوری ہو تو اس کے لیے وہی حکم ہے جو پانی موجود نہ ہونے کی صورت میں ہے۔ لہٰذا ہر ایسے کام کے لیے جس کے لیے طہارت (وضو) لازم ہے تیمّم کر لینا چاہیے۔

پانی استعمال کرنے سے معذور ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ پانی کے استعمال سے کسی مرض کے لاحق ہو جانے یا بڑھ جانے کا اندیشہ یا شفا پانے میں تاخیر کا گمان غالب ہو، یا کسی مسلمان

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ پانی دستیاب نہ ہونے کی صورت میں اگر کوئی مسافر یا مریض نہیں ہے تو اسے جنازے کے لیے تیمم نہیں کرنا چاہیے۔ البتہ اس صورت میں تیمم کر لینا روا ہے جب کہ کسی شخص کو تیمم کر کے ہی نماز پڑھنا لازم ہو جائے یعنی کوئی اور باوضو ایسا نہ ہو جو جنازے کی نماز پڑھے۔ البتہ اگر نماز فریضہ ادا کرنے کے لیے تیمم کیا ہے تو اس نماز کے ساتھ اسی تیمم سے نماز جنازہ بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ مسافر اور مریض نماز جنازہ کے لیے مستقل تیمم کر کے جنازہ کی نماز پڑھ سکتا ہے، خواہ نماز اس کے لیے لازم ہو یا نہ ہو۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ جو شخص مسافر یا مریض نہ ہو اس کو پانی دستیاب نہ ہونے کی صورت میں نفل نماز کے لیے تیمم کرنا جائز نہیں ہے، البتہ فرض کے ساتھ کی نوافل کے لیے کر سکتا ہے بخلاف مسافر اور مریض کے (کہ وہ بہر حال نوافل کے لیے تیمم کر سکتا ہے)۔

۳۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص گناہ کے لیے سفر میں ہو (مثلاً چوری یا ڈاکہ وغیرہ کے لیے) اور پانی نہ ہو اور دستیاب نہ ہو سکے تو تیمم کر کے نماز تو پڑھ لے بعد میں اس نماز کو دہرا لے۔ لیکن اگر کسی مرض وغیرہ کے باعث پانی کے استعمال سے معذوری ہو تو جب تک کہ اس گناہ سے توبہ نہ کی جائے تیمم درست نہ ہوگا۔ ہاں اگر (توبہ کر کے) بعد میں تیمم

Marfat.com

طبیب حاذق نے ایسا بتایا ہو۔اسی طرح جب کہ کوئی دشمن (درندہ جانور ہو یا آدمی) پانی اور اس شخص کے درمیان حائل ہو اور ڈر ہو کہ (پانی حاصل کرنے میں) جان یا مال یا آبرو کا ضرر ہوگا (تب بھی معذوری سمجھی جائے گی)۔اور منجملہ معذوری کے یہ ہے کہ گو پانی موجود ہے، لیکن سر دست یا آخر کار اس کی حاجت پڑنے والی ہے کہ بگمان غالب نہ کہ شبہ کے طور پر یہ ڈر ہے کہ (اگر اس پانی کو وضو میں استعمال کر لیا گیا) تو اسے پیاسا مرنا پڑے گا، یا کوئی دوسرا آدمی یا کوئی جانور، خواہ وہ کتا ہی ہو، بشرطیکہ کٹ کھنا نہ ہو، پیاس سے مر جائے گا یا سخت اذیت ہوگی، ان حالات میں تیمّم کر لینا اور پانی کو بچا کر رکھ لینا چاہیے۔اسی طرح یہ صورت بھی مجبوری کی ہے کہ (مثلاً) وہ پانی آٹا گوندھنے یا کھانا پکانے کے لیے مطلوب ہے۔یا اس پانی کی اس لیے ضرورت ہے کہ ایسی نجاست کو جو معاف نہیں ہے دور کیا جائے۔اسی طرح یہ بھی مجبوری کی حالت ہے کہ پانی (تو ہے لیکن) اس کے حاصل کرنے کا سامان مثلاً ڈول رسی نہیں ہے، کیونکہ ایسی صورت میں کنوئیں یا جوہڑ میں جو پانی موجود ہے وہ "ناموجود" ہونے کے برابر ہے۔نیز پانی کا اس قدر زیادہ ٹھنڈا ہونا کہ اس کے استعمال سے ضرر کا قوی اندیشہ ہو تو یہ بھی معذوری ہے، بشرطیکہ اسے گرم کر لینے کی سبیل میسر نہ ہو۔غرض ان تمام حالات میں تیمّم کر لینا چاہیے۔(۱)

پانی موجود نہ ہو تو اس کی تلاش کے متعلق اہل مسالک کی آراء تفصیل طلب ہیں۔(۲)

کیا اور نماز پڑھی تو اس نماز کو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

۱۔حنفیہ کہتے ہیں کہ پانی کی ٹھنڈک سے ڈر کر تیمّم کرنا درست نہیں ہے بجز اس صورت کے جب کہ حدث اکبر لاحق ہو (یعنی نہانا واجب ہو)، کیونکہ اسی صورت میں مضرت کا اندیشہ ہو سکتا ہے، (لہٰذا نہانے کی بجائے تیمّم کر لینا روا ہے) لیکن اگر حدث اصغر ہو تو جب تک یقینی طور پر مضرت کا اندیشہ نہ ہو تیمّم نہ کرنا چاہیے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ٹھنڈے پانی کو گرم کر لینا یا اعضا کو گرمی پہنچانا ممکن نہ ہو اور ٹھنڈے پانی کے استعمال میں نقصان کا ڈر ہو تو تیمّم کر لینا چاہیے، خواہ حدث اکبر ہو یا حدث اصغر، لیکن نماز کا دہرانا واجب ہے۔

۲۔مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر یقین ہو یا غالب گمان ہو کہ پانی دو میل یا اس سے زیادہ فاصلہ پر ہے تو اس کی تلاش ضروری نہیں ہے۔ہاں اگر یقین ہو یا گمان غالب ہو یا شبہ ہو کہ پانی دو میل کی مسافت سے کم میں موجود ہے تو اس کی تلاش ضروری ہے، بشرطیکہ اس میں دشواری نہ ہو، اگر دشواری ہو تو اس کی تلاش ضروری نہیں ہے خواہ پانی دو میل سے کم فاصلہ پر واقعی موجود ہو اور خواہ وہ شخص سواری پر ہو (جسے پانی نہ ملا ہو)۔اسے یہ بھی لازم ہے کہ اپنے ساتھیوں سے پانی مانگے، بشرطیکہ پانی ملنے کی امید ہو یا گمان ہو یا شبہ ہو یا وہم ہی ہو کہ وہ دینے سے بخل نہ کریں گے۔اگر یہ خیال تھا کہ مانگنے سے پانی مل جائے گا اور پانی نہ مانگا اور تیمّم کر لیا (اور نماز پڑھ لی) تو اس نماز کا اعادہ اس پر دائمی طور پر لازم رہے گا (یعنی جب

Marfat.com

بھی وضو کا موقع مل جائے اس نماز کو دہرالینا چاہیے جو تیمم سے پڑھی تھی) اگر صرف شک تھا (کہ شاید پانی مل جائے) تو صرف وقت کے اندر اندر (پانی مل جائے) نماز کو دہرالینا چاہئے۔ لیکن اگر محض وہم ہی تھا (پانی مل جائے گا اور پانی مانگے بغیر تیمم کر کے نماز پڑھ لی ہے) تو درست ہے اور نماز کے دوبارہ پڑھنے کا جو حکم ہے وہ صرف اسی حالت میں ہے جبکہ (بعد میں) یہ معلوم ہوا ہو کہ فی الواقع (رفقا کے پاس) پانی موجود تھا یا کچھ نہ معلوم ہوا ہو۔ اگر یہ معلوم ہوا کہ ان کے پاس پانی نہیں تھا (یعنی اگر مانگا جاتا تب بھی نہ ملتا) تو اب اعادۂ نماز کی ضرورت نہیں۔

(واضح ہو کہ وضو کے لیے) واجبی قیمت پر پانی خریدنا بھی ضروری ہے، بشرطیکہ رقم کی احتیاج نہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی شہر میں زیادہ عرصہ رہنا ہو تو وہاں پانی قرض بھی لیا جاسکتا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ پانی نہ ہو تو واجب ہے کہ اس کی تلاش اپنی قیام گاہ میں اور قرب وجوار میں اور رفقائے سفر کے درمیان کی جائے، یہاں تک کہ دست یاب نہ ہو سکنے کا یقین ہو جائے۔ اگر تلاش سے پہلے ہی تیمم کر لیا گیا تو وہ تیمم درست نہ ہوگا۔ البتہ اگر پانی دور دراز کے فاصلہ پر ہو تو اس کے لیے سرگرداں ہونا واجب نہیں ہے۔ دور ہونے سے مراد وہ فاصلہ ہے جو بالعموم دور خیال کیا جاتا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شہر میں ہے اور پانی دستیاب نہیں تو واجب ہے کہ تلاش کرنے سے پہلے ہی تیمم کر لے، کہیں قریب پانی کے موجود ہونے کا احتمال ہو یا نہ ہو۔ لیکن اگر کوئی شخص سفر میں ہے، اور گمان یہ ہے کہ ایک میل سے کم کے فاصلہ پر پانی موجود ہے تو اس کا تلاش کرنا ضروری ہے، بشرطیکہ جان ومال کے کسی نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر اس سے زیادہ فاصلہ پر پانی ہونے کا گمان ہو، مثلاً ایک میل یا اس سے زیادہ فاصلہ پر پانی موجود ہو تو اس صورت میں پانی کی تلاش مطلق واجب نہیں ہے۔

پانی کا خود تلاش کرنا یا کسی سے تلاش کرانا دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اپنے ساتھیوں سے پانی مانگنا واجب ہے بشرطیکہ یہ گمان ہو کہ وہ مانگنے پر دے دیں گے۔ بغیر مانگے تیمم کرنا درست نہیں ہے۔ اگر اس شبہ کی بنا پر کہ وہ پانی نہ دیں گے تیمم کر کے نماز پڑھ لی اور اس کے بعد طلب کیا اور پانی انہوں نے دے دیا تو نماز دوبارہ پڑھ لینی چاہیے۔ اگر نماز سے پہلے پانی دینے سے ان لوگوں نے انکار کیا اور نماز کے بعد دے دیا تو نماز دہرانے کی ضرورت نہیں۔ اگر وہ لوگ پانی قیمتاً دینا چاہیں اور قیمت واجبی ہو جو بالعموم ایسے مقامات پر جہاں پانی کی قلت ہے ہونی چاہیے، یا اس سے کسی قدر زیادہ طلب کریں تب بھی پانی خرید لینا چاہیے، بشرطیکہ مقدور ہو، یعنی پانی کی قیمت ضروریات سے فالتو ہو۔ لیکن اگر پانی کی قیمت بہت زیادہ طلب کی جائے تو پانی کا خریدنا واجب نہیں ہے، تیمم کر لینا چاہیے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ پانی دستیاب نہ ہو تو لازم ہے کہ نماز کا وقت آتے ہی تیمم کرنے سے پہلے پانی کی تلاش کی جائے، قیام گاہ میں بھی اور اپنے رفقا میں بھی۔ پانی کی تلاش خود نمازی کرے یا کسی معتبر آدمی کو پانی کی تلاش کے لیے کہے اور تلاش پورے طور پر کی جائے۔ البتہ اگر وقت تنگ ہو تو وقت کا خیال مدنظر رکھتے ہوئے تلاش کرنے اور پورے طور پر (ہمہ جہتی) جستجو کے بغیر ہی (تیمم سے) نماز پڑھ لینی چاہیے۔ لیکن ایسی صورت میں جبکہ اس جگہ پانی کے موجود ہونے کا گمان غالب ہو (اور تنگی وقت کے پیش نظر تیمم سے نماز پڑھ لی ہے) تو (پانی ملنے پر) نماز کا اعادہ واجب ہے۔ ایسی صورت

Marfat.com

اگر پانی دستیاب ہو اور اس کے استعمال کرنے کی قدرت بھی حاصل ہو لیکن اس کے استعمال کرنے میں نماز کا وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو[1] یعنی اگر تیمم کیا جائے تو نماز پڑھی جا سکے گی اور وضو کرنے لگے تو نماز نہ ملے گی، اس صورت میں تیمم ہونے یا نہ ہونے کے متعلق مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔

نہ ہو تو اعادۂ صلوٰۃ ضروری نہیں۔

اگر پانی نہیں ملا تو اس کی تین صورتیں ہوں گی: یا تو یہ ہوگا کہ وہ پانی ''حد غوث'' میں ہوگا، یعنی وہ پانی اس کے ساتھیوں سے اتنے فاصلہ پر ہوگا کہ اگر ساتھیوں سے اس بارے میں مدد مانگی جاتی تو وہ اپنے مشاغل میں مصروف ہونے کے باوجود اس کی مدد کرتے۔ اس فاصلہ کی حد فقہا نے یہ بتائی ہے کہ پانی اتنی دور ہو کہ وہاں تک معمولی نگاہ کام کرتی ہو، اس طرح کہ اس جگہ کے لوگوں کو دیکھا اور پہچانا جا سکے۔

یا وہ پانی ''حد قرب'' میں ہوگا، یعنی وہاں سے نصف فرسخ یا اس سے کم فاصلہ پر پانی ہوگا۔ نصف فرسخ چھ ہزار قدم کا فاصلہ ہوتا ہے۔

یا وہ پانی ''حد بعد'' میں ہوگا، یعنی چھ ہزار قدم سے زیادہ فاصلہ پر۔ اب ''حد الغوث'' کی بابت دیکھنا چاہیے کہ اتنے فاصلہ کے اندر پانی کے موجود ہونے کا یقین ہے یا اس میں تردد ہے، اگر پانی کے ہونے کا یقین ہے تو اس کی جستجو واجب ہے بشرطیکہ جان و مال، عضو اور مفاد کی طرف سے اطمینان ہو۔ اس میں وقت کے نکل جانے کا اندیشہ نہ ہونے کی شرط نہیں ہے۔ اگر پانی کے دستیاب ہونے میں تردد ہو (یعنی پانی کے موجود ہونے یا نہ ہونے دونوں باتوں کا امکان ہو) تب بھی پانی کی جستجو واجب ہے بشرطیکہ جان، مال عضو اور مفاد کے تحفظ کی طرف سے اطمینان ہو اور اس مال کی طرف سے بھی اطمینان ہو جو اس کے لیے مخصوص ہے اگر چہ اس کا مالک ہونا بوجہ اس مال کے نجس ہونے کے صحیح نہ ہو جیسے گوبر (کہ گو انسان کا مملوکہ نہیں ہوتا لیکن وہ اس کے لیے مخصوص ہو سکتا ہے) نیز اس کا بھی ڈر نہ ہو کہ (پانی کی تلاش میں) ساتھیوں سے دور ہونا پڑے گا، اور یا یہ کہ نماز کا وقت جاتا رہے گا۔

''حد القرب'' کی صورت میں پانی کی تلاش واجب نہیں ہے جب تک کہ پانی کے موجود ہونے کا یقین نہ ہو۔ یہاں بھی یہ شرط ہے کہ جان و مال، عضو یا مفاد کی طرف سے اطمینان ہو لیکن اس حالت میں وقت کے نکل جانے کا اندیشہ نہ ہونا ضروری نہیں ہے، بشرطیکہ پانی کے وہاں موجود ہونے کا پہلو زیادہ قرین قیاس ہو۔ بصورت دیگر وقت کی طرف سے بھی اطمینان کا ہونا شرط ہے (یعنی اگر پانی کا موجود ہونا زیادہ قرین قیاس ہو تو پانی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، خواہ نماز کا وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو)۔

''حد البعد'' کی صورت میں دوریٔ فاصلہ کے پیش نظر پانی کی تلاش واجب نہیں ہے، اگر چہ پانی کے موجود ہونے کے یقین ہو۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ پانی موجود ہو تو نماز کا وقت نکل جانے کے اندیشہ سے تیمم کرنا درست نہیں، کیونکہ یہ تو شرط تیمم کے موجود نہ ہونے کے باوجود تیمم کرنا ہے۔ تیمم کے لیے شرط یہ ہے کہ پانی موجود نہ ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نماز کا وقت نکل جانے کے اندیشہ سے تیمم کر لینا جائز نہیں ہے، سوا اس حالت کے جب کہ تیمم

Marfat.com

کرنے والا مسافر ہو اور جانتا ہو کہ کہیں نزدیک ہی پانی موجود ہے، لیکن ڈر یہ ہے کہ اگر اس کے حاصل کرنے کا ارادہ کیا اور وضو کیا تو وقت نکل جائے گا۔ ایسی صورت میں تیمّم کر کے نماز پڑھ لینی چاہیے۔ اس نماز کا اعادہ ضروری نہیں ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ مسافر پانی تک پہنچ گیا، لیکن طہارت کے لیے نماز کا وقت تنگ ہے یا وقت تو تنگ نہیں ہے لیکن یہ معلوم ہے کہ پانی باری سے ملے گا اور باری آنے تک نماز کا وقت نکل جائے گا تو ایسی صورت میں تیمم کر کے نماز پڑھ لینا چاہیے اور اس نماز کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ ان حالات میں احکامات نماز تین قسموں پر منحصر ہوں گے: ایک تو وہ نماز جس کا وقت نکل جانے کا مطلق اندیشہ نہیں ہے، کیونکہ وہ نماز ہی ایسی ہے جس کا کوئی مقررہ وقت نہیں ہے، جیسے وہ نفل نمازیں جن کے لیے وقت کا تعین نہیں ہے۔

دوسری قسم کی نماز وہ ہے جس کی فوت ہو جانے کا ڈر ہے اور اس کی متبادل کوئی نماز نہیں ہے، مثلاً جنازہ یا عید کی نماز۔

تیسری قسم کی وہ نماز ہے جس کی فوت ہونے کا ڈر ہے، لیکن اس کی متبادل ہے، مثلاً جمعہ کی نماز کہ اس کی بدل ظہر کی نماز ہے، یا دوسری فرض نمازیں جن کے بدلے میں کسی دوسرے وقت قضا پڑھی جا سکتی ہے۔

اب اگر نفل نماز کا سوال ہے تو پانی کی موجودگی میں تیمم نہ کرنا چاہیے بشرطیکہ وہ نمازیں مقررہ اوقات کی نہ ہوں جیسے ظہر، مغرب یا عشا کے بعد کی سنتیں۔ ایسی صورت ہو تو ان نمازوں میں تاخیر کرنا چاہیے، یہاں تک کہ وضو کر کے ادا کرنے میں فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو چاہیے کہ اب تیمم کر کے ان نفل نمازوں کو ادا کر لے۔

نماز جنازہ و عید کے بارے میں یہ ہے کہ اگر پانی موجود ہو اور وضو کرنے میں ان کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو چاہیے کہ تیمّم کر کے نماز ادا کر لی جائے۔

جمعہ کی نماز کے لیے (فوت ہونے کے اندیشے سے) تیمم نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اسے فوت ہو جانے دیا جائے اور وضو کر کے ظہر کی نماز ادا کر لی جائے۔ یہی حکم دوسری فرض نمازوں کا ہے۔ اگر تیمم کر کے نماز پڑھ لی گئی ہے تو اس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر یہ اندیشہ ہے کہ حدث اصغر کی صورت میں (وضو کے لیے) چاروں اعضائے وضو کو دھونا، یا حدث اکبر کی صورت میں تمام بدن پر پانی ڈالنے میں وقت نکل جائے گا، تو چاہیے کہ تیمم کر کے نماز پڑھ لی جائے اور بہ قول معتمد اس نماز کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

پانی سے وضو کرنے میں جمعہ کے نکل جانے کا اندیشہ ہو تو تیمم کے صحیح ہونے کے متعلق دو اقوال ہیں اور قول مشہور یہ ہے کہ نماز جمعہ کے لیے تیمم نہ کیا جائے۔ جنازہ کی نماز اگر کسی شخص پر موقوف ہو تو اس کو پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم نہ کرنا چاہیے جیسا کہ سابقاً بیان ہوا۔

Marfat.com

تیمّم کے ارکان کا بیان

ارکان تیمّم کے منجملہ ایک رکن نیت [1] ہے۔ تیمّم کیلئے نیت کرنے کی خاص کیفیت ہے جس کی تفصیل مختلف مسالک میں کی گئی ہے۔ [2]

۱۔ حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ تیمّم اور وضو میں نیت ''شرط'' ہے، ''رکن'' نہیں ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ (نیت کی مختلف صورتیں ہیں)۔ نیت کی جائے نماز کے روا ہونے کی یا قرآن شریف کو ہاتھ لگانے کی، یا کسی اور ایسے کام کی جس کی ادائیگی کے لیے پاک ہونا شرط ہے۔ یا نیت ہو ہر اس کام کے روا ہونے کی جو حالت حدث میں ممنوع ہے۔ یا نیت ہو فریضہ تیمّم کی۔

اب اگر نیت ہے صرف حدث دور کرنے کی تو تیمّم باطل ہوگا کیونکہ مالکیہ کے نزدیک تیمّم کرنے سے حدث دور نہیں ہوتا۔ اگر تیمّم اس نیت سے ہے کہ حالت حدث میں جو امور منع ہیں وہ روا ہو جائیں، یا یہ نیت ہو کہ نماز کا ادا کرنا روا ہو جائے، تو اس کے لیے یہ شرط (لازم) ہے کہ حدث اکبر اور حدث اصغر کا امتیاز ذہن میں رہے۔ چنانچہ اگر کسی جنبی شخص نے اسی نیت سے تیمّم کیا (کہ حدث میں جو امور منع ہیں وہ روا ہو جائیں یا یہ نیت ہے کہ نماز روا ہو جائے) اور حدث اکبر کو دور کرنے کا کوئی خیال نہیں ہے تو تیمّم جائز نہ ہوگا، اور اگر نماز پڑھ لی ہے تو اس کا اعادہ واجب ہے، لیکن اگر فرض تیمّم کرنے کی نیت سے تیمّم کیا ہے تو وہ تیمّم جائز ہوگا، اگر چہ حدث اکبر کا تصور ذہن میں نہ ہو، کیونکہ جملہ حدث اکبر اور حدث اصغر سے پاک ہونے کی نیت سے تیمّم کرنے کی بجائے فرض تیمّم کی نیت کر لینا جائز ہے۔

اگر کسی فرض (نماز) کو ادا کرنے کی نیت سے تیمّم کیا گیا تو اس تیمّم سے صرف ایک فرض اور اس کے ساتھ کی سنتیں اور نوافل پڑھی جا سکتی ہیں، اور طواف بھی کا کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ وہ طواف واجب نہ ہو۔ اسی تیمّم سے طواف کی دو رکعتیں بھی ادا کی جا سکتی ہیں جو واجب نہیں ہیں۔ اور قرآن کو ہاتھ بھی لگایا جا سکتا ہے اور وہ جنبی قرآن بھی پڑھ سکتا ہے، اگر چہ وہ تیمّم کرنے والا مسافر یا مریض نہ ہو۔

اگر اسی تیمّم سے دوسری فرض نماز پڑھ گئی تو وہ باطل ہوگی، اگر چہ دو وقت کی نماز مثلاً ظہر اور عصر کی اکٹھی پڑھی گئی ہو۔

جو شخص فرض نماز کے تیمّم کے ساتھ نفل بھی پڑھنا چاہتا ہے اس پر لازم ہے کہ پہلے فرض نماز پڑھ کر نفل پڑھے۔ اگر نفل نماز پہلے پڑھی گئی تو وہ نفل نماز تو ہو جائے گی، لیکن اس کے بعد فرض نماز کا پڑھنا جائز نہ ہوگا، بلکہ فرض کے لیے دوسری بار تیمّم کرنا لازم ہوگا۔ اگر نماز نفل یا سنت ہی پڑھنے کے لیے مستقلاً تیمّم کیا ہے اور فرض کے ساتھ پڑھنے کا خیال نہیں تھا تو اس تیمّم سے ہر عمل جس کا ذکر کیا گیا، یعنی قرآن شریف کو ہاتھ لگانا، اور قرآن کا پڑھنا، اور وہ تمام اعمال جن کی ادائیگی طہارت پر موقوف ہے، جائز ہیں۔ البتہ اس تیمّم سے فرض نماز ادا نہیں کی جا سکتی۔

یہ مسائل اس مریض کے متعلق ہیں جو مسافر نہیں ہے۔ اگر مریض اور مسافر نہیں ہے تو اس کے لیے نفل پڑھنے کے لیے مستقل تیمّم کرنا صحیح نہیں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا۔

اگر قرآن پڑھنے، یا بادشاہ کے حضور حاضر ہونے کے لیے، یا ایسا ہی کوئی اور کام جس کی ادائیگی طہارت پر

Marfat.com

موقوف نہیں ہے، کرنے کے لیے تیمم کیا تو اس تیمم سے کوئی ایسا عمل کرنے کی اجازت نہیں ہے، جو طہارت پر موقوف ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جس تیمم سے نماز روا ہے اس کی نیت کے لیے ان تین امور میں سے کسی ایک امر کا پایا جانا شرط ہے:

اول یہ کہ تیمم کے وقت جو حدث لاحق ہے، اس سے پاک ہونے کی نیت کی جائے۔ یہ ضروری نہیں کہ جنابت یا حدثِ اصغر میں سے کسی کی تعیین کی جائے، لہٰذا اگر کسی جنبی نے حدث اصغر سے پاک ہونے کی نیت سے تیمم کر لیا تو جائز ہے۔

دوم یہ کہ نماز مباح ہونے یا رفعِ حدث کی نیت سے تیمم کیا جائے (تو اس سے بھی نماز پڑھنا جائز ہوگا) کیونکہ حنفیہ کے نزدیک تیمم سے حدث دور ہو جاتا ہے۔

سوم یہ کہ کسی مطلوبہ عبادت کے لیے، جو پاک ہوئے بغیر ادا نہیں کی جاسکتی، تیمم کی نیت کی جائے، مثلاً نماز پڑھنے کے لیے یا سجدۂ تلاوت کے لیے نیتِ تیمم کرنا۔

(ان تین شرائط کو چھوڑ کر) اگر کسی نے محض تیمم کی نیت کی اور نماز کے روا ہو جانے یا حدث کو دور کرنے کا خیال نہ تھا تو اس تیمم سے نماز درست نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر تیمم کسی اور ایسے کام کے لیے کیا گیا جو عبادت میں داخل نہیں ہے یا کسی ایسی عبادت کیلئے تیمم کیا گیا جو مطلوب نہیں ہے یا کوئی ایسی عبادت ہے جو بغیر طہارت بھی درست ہوتی ہے۔ صورت اول کی مثال قرآن شریف کو ہاتھ لگانا ہے کہ یہ فعل فی نفسہ عبادت نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی ثواب ہے۔ کیونکہ ثواب تو تلاوت سے ہوتا ہے۔ ایسی باتوں کے لیے کئے گئے تیمم سے نماز درست نہ ہوگی۔

صورت ثانی کی مثال یہ ہے کہ اذان یا اقامت کے لیے تیمم کیا گیا، یہ دونوں امور گو عبادت میں داخل ہیں لیکن یہ بذات خود مطلوب نہیں ہیں۔ پس ان امور کے لیے تیمم کیا گیا تو اس تیمم سے نماز درست نہیں ہے، کیونکہ (اذان اور اقامت) دونوں سے غرض اطلاع عام ہے۔ علاوہ اس کے کہ یہ دونوں امور طہارت کے بغیر بھی درست ہیں۔ لہٰذا اگر ان کے لیے تیمم کیا گیا تو اس تیمم سے نماز درست نہ ہوگی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ لازم ہے کہ تیمم نماز وغیرہ کے مباح ہو جانے کی نیت سے کیا جائے۔ اگر حدث دور کرنے کی نیت سے تیمم کیا جائے تو درست نہ ہوگا، کیونکہ ان کے نزدیک تیمم کرنے سے حدث دور نہیں ہوتا۔ اسی طرح محض تیمم کی نیت سے یا فرض تیمم کی نیت سے تیمم کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ ایک مجبوری کی طہارت ہے۔ لہٰذا وہ مقصود (بالوں ذات عمل) نہیں ہے۔ پس اگر نماز وغیرہ روا ہو جانے کی نیت سے تیمم کیا تو اس کی تین قسمیں ہیں: ایک تو یہ کہ تیمم کسی فریضہ کی ادائیگی کے لیے ہو، مثلاً فرض نماز، فرض طواف یا خطبہ جمعہ۔ دوسری یہ کہ نفل ادا کرنے کے لیے نیت ہو جیسے نفلی نماز، غیر فرض طواف یا نماز جنازہ۔ تیسری یہ کہ سجدۂ تلاوت یا سجدۂ شکرانہ یا حالت جنابت میں قرآن کو ہاتھ لگانے کے لیے تیمم کیا گیا۔

اگر پہلی قسم کا تیمم ہے تو اس تیمم سے ایک فرض نماز کا پہلی مرتبہ پڑھ لینا جائز ہے۔ اگرچہ وہ نماز نہ ہو جس کے لیے تیمم کیا تھا۔ اس کے ساتھ نفل نماز اور تمام وہ امور جو طہارت پر موقوف ہیں اور جن کا ذکر دوسری اور تیسری قسم کے تیمم میں کیا گیا، ادا کیے جاسکتے ہیں۔

اگر دوسری قسم کی نیت ہے تو اس تیمم سے صرف ان امور کا انجام دینا جو طہارت پر موقوف ہیں، اور جن کا ذکر

Marfat.com

دوسری اور تیسری قسم میں کیا گیا ہے، ادا کیے جاسکتے ہیں، لہٰذا اس تیمم سے جس قدر جی چاہے نفلی نماز پڑھی جاسکتی ہے اور قرآن کو ہاتھ لگایا جاسکتا ہے، لیکن اس تیمم سے نہ فرض نماز ہوسکتی ہے، نہ جمعہ کا خطبہ نہ طواف فرض۔

اگر تیسری قسم کی نیت ہے تو اس تیمم سے صرف وہی امور روا ہیں جن کا ذکر تیسری قسم کے امور میں ہے، خواہ سب کی نیت نہ کی ہو۔ لیکن جن امور کا ذکر دوسری اور تیسری قسم کی نیتوں میں ہے ان میں سے کوئی امر اس تیمم سے نہیں ہو سکتا۔

شافعیہ کے نزدیک تیمم کی نیت میں حدث اصغر یا حدث اکبر کی تعیین سے کوئی بحث نہیں۔ اگر کسی نے تعین کر بھی دیا، مثلاً کوئی شخص حالت جنابت میں تھا، یہ کہا کہ میں تیمم اس نیت سے کر رہا ہوں کہ حدث اصغر جو مانع صلوٰۃ ہے وہ دور ہوجائے اور اس کے ذہن میں بھی یہی ہے کہ اسے حدث اصغر لاحق ہے گو بعد میں اس کے خلاف پتہ چلا کہ (اسے حدث اکبر ہے) تب بھی اس کا وہی تیمم جائز ہے۔ لیکن اگر عمداً یہ جانتے ہوئے کہ جنابت کی حالت ہے صرف حدث اصغر سے پاک ہونے کی نیت سے تیمم کیا تو یہ جائز نہ ہوگا، کیونکہ یہ تو (احکام شرعیہ سے) مذاق ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ تیمم صحیح ہونے کے لیے نیت شرط ہے، اور نیت یہ ہے کہ جس امر کے لیے تیمم کیا جارہا ہے اس کے مباح ہوجانے کی نیت کی جائے۔ مثلاً فرض، یا نفل نماز، یا طواف کے لیے، یا حدث اصغر یا حدث اکبر یا بدن کی نجاست سے نکلنے کے لیے۔

واضح ہو کہ بدن کی نجاست سے نکلنے کے لیے بھی تیمم ہوسکتا ہے، لیکن اس کے بعد جب کہ حتی المقدور نجاست کا اثر کم سے کم کردیا جائے، تاہم کپڑے اور جگہ کو تیمم سے پاک نہیں کیا جاسکتا۔

اگر صرف اس لیے تیمم کیا گیا کہ حالت حدث دور ہوجائے تو تیمم صحیح نہ ہوگا، کیونکہ تیمم دراصل کسی کام کو (جو ناپاکی کی وجہ سے مباح نہ تھا) مباح کرنے کے لیے ہوتا ہے، حالت حدث کو دور کرنے کے لیے نہیں ہوتا۔ لہٰذا تیمم اگر ان تین باتوں یعنی حدث اصغر یا حدث اکبر یا نجاست جسمی سے پاک ہونے کے لیے کیا تو یہ تیمم دوسرے امور کے لیے کافی نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص جنابت کی حالت میں ہے، اور اس نے تیمم اس نیت سے کیا کہ حالت جنابت سے نکل کر ظہر کی نماز ادا کرسکے، لیکن اس نیت میں حدث اصغر سے نکل کر نماز ادا کرنے کی نیت نہیں تھی، تو اس تیمم سے نماز پڑھنا روا نہیں ہے، کیونکہ اس تیمم سے صرف جنابت کا اثر دور ہوا ہے۔ اور اس سے وہی امور روا ہوئے ہیں جو حالت جنابت میں ممنوع ہیں۔ مثلاً قرآن شریف کا پڑھنا۔ اس سے حدث اصغر نہیں گیا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ ایسے کام کے روا ہونے کی نیت سے تیمم کیا جو حدث اصغر کی صورت میں منع ہیں، اور جنابت کے لیے تیمم نہیں تھا تو ایسی حالت میں اس تیمم سے جنابت نہیں جائے گی۔ اگر تیمم اس نیت سے کیا کہ ہر طرح کی حدث اصغر و اکبر اور بدن کی ناپاکی زائل ہوکر نماز ادا کی جائے تو سب سے پاک ہوجانے کی یہ نیت جائز ہوگی، ہر کام کے لیے جداگانہ نیت کا مکلف نہ سمجھا جائے گا۔ اگر کسی کام کے روا ہونے کے لئے تیمم کی نیت کی گئی تو اس تیمم سے وہی کام یا اسی حیثیت کا کوئی اور کام یا اس سے کم حیثیت کا کام ہوسکتا ہے۔

اونچی حیثیت کا کام جس کے لیے تیمم کیا جائے وہ تو فرض (کی ادائیگی) ہے جو (تیمم کرنے والے پر عائد

Marfat.com

اور (تیمّم کی) نیت اس وقت (۱) کی جائے جب اس (مٹی) پر جس کے ساتھ تیمّم کرنا ہے ہاتھ رکھا جائے۔

منجملہ ارکان تیمّم کے طہور (پاک کرنے والی) مٹی ہے۔ (۲) اس سے مراد ایسی مٹی ہے جو نجاست آلودہ نہ ہو۔ اگر نجاست آلود ہو تو تیمّم صحیح نہ ہوگا، اگرچہ نجاست اور اس کا اثر جاتا رہا ہو۔ مختلف مسالک میں

ہے)۔ اس کے بعد سنت کی عبادت ہے، پھر فرض کفایہ پھر نفل نماز، پھر نفل طواف، پھر قرآن شریف کو ہاتھ لگانا، پھر قرآن شریف کا پڑھنا، پھر حالت جنابت میں مسجد کے اندر ٹھہرنا، پھر حیض کا خون بند ہونے کے بعد مباشرت کرنا ہے۔

اگر مطلق نماز یا طواف کے لیے تیمّم کیا تو صرف نفل نماز یا نفل طواف کے سوا (کوئی دوسری عبادت اس تیمّم سے) جائز نہیں ہے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ مٹی پر ہاتھ رکھنے کے وقت نیت کرنا کافی نہیں ہے، بلکہ نیت اس وقت کرنا واجب ہے جب کہ مٹی (ہاتھ میں) لگا کر اس کے ساتھ چہرے کے کچھ حصہ کو مسح کیا جائے، کیونکہ مسح کی ابتدا چہرے سے ہوتی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ عین تیمّم کے وقت نیت کرنا شرط نہیں ہے، بلکہ مسح کرنے سے تھوڑا عرصہ پہلے نیت کرنا صحیح ہے، جیسا کہ دوسری عبادتوں میں کیا جاتا ہے۔

۲۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ طہور مٹی سے مراد وہ مٹی ہے جس میں گرد ہو چنانچہ ریت اس میں شامل ہے، بشرطیکہ اس میں غبار ہو۔ اگر (مٹی یا ریت) پر غبار نہ ہو تو ان سے تیمّم درست نہیں ہے۔ مٹی جلی ہوئی ہو یا نہ ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، بشرطیکہ جل کر وہ راکھ نہ ہو گئی ہو۔ اسی طرح اس میں بھی کوئی فرق نہیں کہ وہ مٹی قابل روئیدگی ہو یا کھار ہو جہاں کچھ پیدا نہیں ہوتا۔ خشک گارا بھی مٹی میں شمار کیا جاتا ہے جب کہ اسے جھاڑ لیا جائے اور اس میں غبار ہو۔ اگر مٹی یا ریت کے ساتھ کوئی اور شے مثلاً رال یا آٹا مل جائے، خواہ اس کی مقدار تھوڑی ہو، اس مٹی سے تیمّم درست نہیں ہے۔ (تیمّم کی مٹی کے لیے) یہ شرط ہے کہ وہ استعمال میں نہ آ چکی ہو۔ استعمال میں آئی ہوئی مٹی سے مراد وہ مٹی ہے جو مسح کیے ہوئے عضو پر باقی رہے، یا مسح سے جھڑی ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مٹی سے مراد صرف پاک کرنے والی مٹی ہے اور اس (کا استعمال روا ہونے) کی شرط یہ ہے کہ مٹی حلال ہو، مغصوب (ناجائز طور پر حاصل کی ہوئی) نہ ہو اور سوختہ نہ ہو، چنانچہ ٹھیکری وغیرہ سے جو مٹی جھڑے اس سے مسح جائز نہیں ہے، کیونکہ جو مٹی پک جائے اس پر مٹی کے لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ یہ بھی شرط ہے کہ وہ غبار آلود ہو، کیونکہ جس شے پر غبار نہ ہو اس سے مسح نہیں کیا جا سکتا۔ مٹی کے ساتھ کوئی غبار والی شے مل جائے، جیسے چونا قلعی، تو اس کا حکم اس آب طہور کی مانند ہے جس میں پاک شے کی آمیزش ہو جائے یعنی اگر مٹی غالب ہے تو اس پر تیمّم جائز ہے، اور اگر ملی ہوئی شے کی مقدار زیادہ ہے اور اس میں غبار نہیں ہے تو اس مٹی سے تیمّم منع ہے۔ اور یہی حکم گیہوں اور جو کا بھی ہے اگر مٹی زیادہ ہو، اور گیلی مٹی سے جس کا خشک کرنا ممکن نہ ہو تیمّم درست نہیں ہے۔ اگر وقت نکلنے سے پہلے اس کے ساتھ تیمّم کر لیا جائے تو جائز ہے اس کے بعد جائز نہیں۔

Marfat.com

تیمم کی مٹی کی کیفیت تفصیل طلب ہے۔اور منجملہ ارکان تیمّم کے، پورے چہرے کا مسح کرنا ہے،[1] اگرچہ

حنفیہ کہتے ہیں کہ طہور مٹی وہ ہے جو جنس زمین میں سے کوئی شے ہو، چنانچہ مٹی، ریت، کنکریلی زمین اور پتھر کے ساتھ تیمم جائز ہے، اگرچہ پتھر چکنا ہو، اور زمین کا کھاد جو بستہ ہو گیا ہو لیکن منجمد پانی یعنی برف سے تیمم جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ زمین کے اجزا میں سے نہیں ہے۔اسی طرح درخت، شیشہ اور معدنی منقولہ اشیا پر تیمم جائز نہیں ہے۔البتہ وہ معدنی اشیاء جو اپنی جگہ پر (کان میں) ہیں تو ان کے اوپر جو مٹی ہے اس سے تیمم جائز ہے۔خود معدنی اشیاء کے ساتھ تیمم جائز نہیں ہے۔اسی طرح موتیوں پر تیمم جائز نہیں ہے اگرچہ وہ سفوف کی شکل میں ہوں۔آٹا، راکھ، چونا، قلعی، ہرتال، گیرو، سرمہ، گندھک اور بیروزہ پر تیمم جائز نہیں ہے۔پختہ اینٹ پر تیمم جائز ہے۔اگر مٹی وغیرہ کے ساتھ کوئی اور شے جو زمین کے اجزا میں سے نہ ہو، مل جائے اور مقدار میں زیادہ ہو جائے تو اس پر تیمم جائز نہیں ہے۔اگر اس کا حصہ زیادہ نہ ہو بایں طور کہ مساوی ہو یا مٹی زیادہ ہو تو تیمم صحیح ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ لفظ ''صعید'' (مٹی) سے مراد وہ شے ہے جو اجزائے زمین سے صعود کرے (ابھرے)۔اس میں سوکھی مٹی شامل ہے۔اور مٹی دستیاب ہو تو اس کے لیے تیمم دوسری اشیاء کی بہ نسبت سب سے بہتر ہے۔اس میں ریت اور پتھر بھی شامل ہے اور برف بھی، کیونکہ اگرچہ وہ منجمد پانی ہوتا ہے، لیکن وہ پتھر سے بہت مشابہ ہے جو زمین کے اجزا میں سے ہے۔تر یتلی مٹی بھی اس میں شامل ہے، لیکن وہ ایسی ہو کہ ہاتھ میں لگنے سے سوکھ جائے یا مسح کرنے سے پہلے سکھا لیا جائے، یہاں تک کہ عضو پر نہ لتھڑ جائے۔یہی حکم جس کا ہے، جس سے مراد وہ پتھر ہے جو جلنے کے بعد گچ بن جاتا ہے۔جلنے کے بعد اس پر تیمم جائز نہیں ہے۔یہی حکم معدنی اشیاء کا ہے کہ ان پر تیمم مباح ہے۔البتہ سونا، چاندی اور جواہرات اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کہ ان پر تیمم جائز نہیں ہے۔اسی طرح ان معدنی اشیاء پر جو کان سے باہر نکال لی گئی ہوں تیمم جائز نہیں ہے، جیسے پھٹکری، نمک اور پختہ اینٹ پر تیمم جائز نہیں ہے، اگر پختہ نہ ہو تو اس پر تیمّم جائز ہے، بشرطیکہ نجاست سے آلودہ نہ ہو، یا کوئی پاک شے مثلاً بھوسا اس میں زیادہ مقدار میں ملا ہوا نہ ہو۔زیادہ مقدار سے مراد یہ ہے کہ مٹی سے اس کی مقدار زیادہ ہو، لہٰذا اگر بھوسا اتنا ہی ہے جتنا مٹی تو اس پر تیمم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

ایسی چیز پر تیمم کرنا جائز نہیں ہے جو اجزائے زمین میں سے نہیں ہے، مثلاً لکڑی، گھاس وغیرہ، اگرچہ وقت تنگ ہو اور کوئی دوسری شے تیمم کے لیے دستیاب نہ ہو۔بعض اصحاب نے اس خیال سے رجوع کر لیا ہے اور ان اشیاء پر تیمّم کو جائز قرار دیا ہے، بشرطیکہ وقت تنگ ہو اور کوئی دوسری چیز دستیاب نہ ہو۔

واضح ہو کہ (تیمم کے لیے) طہور مٹی کے ''استعمال'' سے یہ مراد ہے کہ اس پر پہلی بار ہاتھ مارا، یعنی مٹی پر دونوں ہتھیلیاں رکھیں (تو گویا مٹی کا استعمال تیمم کے لیے کیا گیا)۔

۱۔حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر مسح ہاتھ سے کیا جائے تو اس کے لیے شرط یہ ہے کہ پورے ہاتھ سے یا ہاتھ کے بیشتر حصہ سے مسح کیا جائے۔

واضح ہو کہ مسح کرنا، (تیمم میں) فرض ہے، خواہ ہاتھ سے ہو یا ہاتھ کی قائم مقام کسی اور شے سے۔اور پورے چہرے اور دونوں ہاتھوں کا مسح تیمم کے لیے شرط ہے، رکن نہیں ہے۔مسح دوبار (مٹی پر) ہاتھ مار کر یا اس کے بجائے کسی اور

Marfat.com

ایک ہاتھ یا محض انگلیوں سے کیا جائے۔اور چہرے میں داڑھی داخل ہے اگرچہ لمبی ہو۔[1] اسی طرح بانسہ یعنی ناک کے دوسوراخوں کے درمیان جو پردہ ہے اور پلکوں اور چہرے کے درمیان جو گڑھا ہے اور کان کی وتد (پڑپڑی کے پیچھے کی جگہ) جو چہرے اور کان کے درمیان میں ہے (چہرے میں داخل ہے) اور بدن میں جہاں سوراخ ہوں ان کا تتبع نہ کیا جائے۔

منجملہ ارکان تیمّم کے دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کرنا ہے۔[2] اس کے لیے لازم ہے کہ اگر کوئی شے اس پر حائل ہے، مثلاً انگوٹھی اور کنگن تو اسے اتار کر مسح کرنا واجب ہے۔تیمّم کے لیے اس کا ہلانا کافی نہیں ہے[3] بخلاف وضو کے (کہ وہاں پانی پہنچانا فرض ہے۔)

بعض مسالک میں ان کے ساتھ کچھ اور فرائض کا اضافہ کیا گیا ہے۔[4]

طرح جو اس (عمل) کا قائم مقام ہو، کیا جاسکتا ہے۔چنانچہ اگر چہرہ غبار آلود ہے اور چہرہ کا مسح کرلیا تو یہ پہلی بار ہاتھ مارنا ہے۔غرض دوبار ہاتھ مارنا یا ایسا ہی کوئی اور عمل جو اس کا قائم مقام ہو کر لینا تیمّم کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔اگرچہ ''ضرب'' (ہاتھ مارنے) کا ذکر آیت کریمہ میں نہیں ہے، لیکن حدیث میں یہ الفاظ ہیں التیمم ضربتان یعنی تیمّم دوبار (مٹی پر) ہاتھ مار کر کیا جاتا ہے۔

۱۔حنفیہ کہتے ہیں کہ وضو میں جن بالوں کو دھونا واجب ہے (تیمّم میں) اس کا مسح واجب ہے۔اور وہ بالوں (جن کا وضو میں) دھونا واجب ہے وہ ہیں جو چہرے کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔لہٰذا لمبی لٹکی ہوئی ڈاڑھی کا مسح کرنا واجب نہیں ہے۔

۲۔مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ (تیمّم میں) دونوں ہاتھوں کا پہنچوں کے موڑ تک مسح کرنا فرض ہے، اور کہنیوں تک سنت ہے، جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔

۳۔حنفیہ کہتے ہیں (وضو کی طرح) تیمّم میں بھی تنگ انگوٹھی اور کنگن کو ہلا لینا کافی ہے، کیونکہ اس کے ہلانے ہی سے اس کے پیچھے کی جگہ کا تیمّم ہو جاتا ہے۔اور فرض صرف مسح کرنا ہے، گرد کا وہاں پہنچانا فرض نہیں ہے۔

۴۔مالکیہ نے تیمّم کے فرائض میں ترتیب اور موالات کا اضافہ کیا ہے، بشرطیکہ حدث اصغر کا تیمّم ہو، لیکن اگر حدث اکبر کا، یا بدن پر لگی نجاست کا تیمّم ہو، تو اس میں نہ ترتیب فرض ہے اور نہ موالات فرض ہے۔اس لحاظ سے ان کے نزدیک تیمّم کے چار فرائض ہیں: (۱) نیت (۲) ضرب اول (یعنی پہلی) بار مٹی (پر ہاتھ مار کر اس کا) استعمال کرنا، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا (۳) پورے چہرے کا مسح اور پہنچوں تک پورے ہاتھ کا مسح کرنا اور (۴) موالات (یعنی اعمال تیمّم کی بجا آوری میں جلدی کرنا)۔

حنابلہ نے تیمّم کے فرائض میں ترتیب اور موالاۃ کا اضافہ کیا ہے، بشرطیکہ حدث اصغر کا تیمّم ہو۔لیکن اگر حدث اکبر یا بدن کے نجاست آلود ہونے کا تیمّم ہو تو اس میں نہ ترتیب فرض ہے اور نہ موالاۃ۔لہٰذا تیمّم کے فرائض ان

Marfat.com

کے نزدیک چار ہیں:

۱۔ پورے چہرے کا مسح کرنا۔ اس میں منہ اور کان کا اندرونی حصہ اور ہلکے بالوں والی کا نچلا حصہ داخل نہیں ہے۔

۲۔ دونوں ہاتھوں کا پہنچوں کے خم تک مسح کرنا۔

۳۔ ترتیب۔

۴۔ موالات۔

یہ فرائض حدث اصغر کے تیمم کی صورت میں ہیں۔

شافعیہ نے تیمم کے فرائض میں ترتیب کا اضافہ کیا ہے، اس طرح کہ چہرے (کے مسح) سے شروع کیا جائے۔ پھر ہاتھ (کا مسح ہو)، خواہ یہ تیمم حدث اصغر کا ہو یا حدث اکبر کا۔ اور مٹی کا چہرہ اور ہاتھ (اعضائے تیمم) کی طرف منتقل کرنا، لہٰذا اگر چہرہ یا ہاتھ غبار آلود ہو جائیں اور چہرے پر ہاتھ پھیر لیا اور تیمم کی نیت کر لی تو یہ کافی نہیں ہے، کیونکہ مٹی منتقل نہیں کی گئی (یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں لے جایا گیا)۔ اور (فرائض تیمم میں یہ بھی ہے کہ) پاک کرنے والی (طہور) مٹی میں غبار ہو اور اس کو منتقل کرنے کا ارادہ ہو اور مقصد یہ ہو کہ اعضائے تیمم پر مٹی پہنچ جائے، اور مٹی کے منتقل کرنے کی شرط یہ ہے کہ دو بار (مٹی پر) ہاتھ مارا جائے۔ پس ان کے نزدیک تیمم کے سات فرائض ہوئے:

۱۔ نیت۔

۲۔ دونوں کہنیوں تک ہاتھوں کا مسح۔

۴۔ ترتیب۔

۵۔ مٹی کا اعضائے تیمم تک منتقل کرنا۔

۶۔ طہور مٹی کا غبار آلودہ ہونا۔

۷۔ اور مٹی کو اعضائے تیمم پر لے جانے کا ارادہ

حنفیہ (فرائض میں) کوئی اضافہ نہیں کرتے، کیونکہ (ان کے نزدیک) تیمم کے دو رکن ہیں (۱) مسح اور (۲) ضربتان (یعنی دو بار مٹی پر ہاتھ مارنا) مسح کرنا تو آیت کی رو سے تیمم کی ماہیت میں داخل ہے؛ اور دو بار مٹی پر ہاتھ مارنا حدیث مذکورہ سابقہ کی رو سے (تیمم کا جزو) ہے۔ ان کے علاوہ اور باتیں شرائط تیمم میں شمار کی گئی ہیں یعنی یہ باتیں تیمم کے لیے لازم ہیں اگر چہ تیمم کی ماہیت میں داخل نہیں ہیں۔

Marfat.com

تیمّم کی سنتوں کا بیان

تیمّم کی سنتوں کے منجملہ تسمیہ (بسم اللہ کہنا) ہے۔اس کی بابت مسالک تفصیل طلب ہیں [۱] اور ترتیب (سنت) ہے [۲] ان کے علاوہ مختلف مسالک کی رو سے (تیمّم کی) اور بھی سنتیں ہیں جن کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں درج ہے۔ [۳]

۱۔حنابلہ کہتے ہیں کہ تسمیہ (بسم اللہ کہنا) واجب ہے۔اگر قصداً اسے ترک کیا تو تیمم باطل ہو جائے گا۔اگر بھولے سے یا نادانستہ طور پر رہ جائے تو (وجوب) ساقط ہو جائے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ تسمیہ امر مندوب ہے، سنت نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ 'تسمیہ' سنت ہے، لیکن اگر تیمّم کرنے والا حالت جنابت میں ہو تو (آیت) بسم اللہ تلاوت کے ارادہ سے نہ پڑھے، بلکہ محض ذکر (خدا کا نام لینا) مقصود ہو یا کوئی مقصد نہ ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ تسمیہ سنت ہے، خواہ ذکر کے ارادہ سے ہو، یا تلاوت کے ارادے سے یا کوئی ارادہ نہ ہو۔

۲۔شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ ترتیب فرض ہے، جیسا کہ سابقاً بیان ہوا۔

۳۔حنفیہ نے جن امور کو سنت میں شمار کیا ہے ان کی تفصیل یہ ہے:

دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے ضرب (مٹی پر مارنا)۔

ان کے آگے پیچھے لانا لے جانا۔

دونوں ہاتھوں کا جھاڑنا۔

انگلیوں کا کشادہ رکھنا۔

بسم اللہ کہنا۔

ترتیب کا خیال رکھنا۔

موالات (یعنی اعمال تیمم پے در پے بلاتوقف انجام دینا)۔

داڑھی اور انگلیوں کا خلال کرنا۔

انگوٹھی کا (تیمم میں) ہلانا۔

دائیں طرف سے شروع کرنا۔

مٹی پر ضرب (ہاتھ مارنے) کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے حکم ہے کہ مٹی انگلیوں کے درمیانی خلا میں داخل ہو جائے۔اور یہ کہ مسح خاص طریقہ سے کیا جائے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو مٹی پر مارا جائے، پھر انہیں جھاڑ لیا جائے پھر باہم آگے پیچھے رگڑا جائے، پھر چہرے کا مسح کیا جائے اور پورے طور پر اس طرح کیا جائے کہ کوئی جگہ باقی نہ رہے۔پھر دوسری بار مٹی پر ہاتھ مارا جائے اور پہلے کی طرح جھاڑا جائے پھر دونوں ہاتھوں اور بازوؤں کو کہنیوں تک مسح کیا جائے اور مسواک کی جائے۔

Marfat.com

شافعیہ نے ان امور کو تیمم کی سنتوں میں شمار کیا ہے: پہلے تسمیہ (بسم اللہ کہنا) جس طرح اوپر بتایا گیا ہے، پھر مسواک کرنا۔ مسواک کا وقت بسم اللہ کے بعد اور مٹی ہاتھ میں لینے سے پہلے ہے۔ دونوں ہاتھوں کا جھاڑنا، یا ان پر پھونک مارنا، تا کہ غبار جھڑ جائے۔ دائیں جانب سے شروع کرنا بایں طور کہ دائیں ہاتھ کا مسح بائیں ہاتھ کے مسح سے پہلے کیا جائے۔ تیمّم کے وقت روبقبلہ ہونا۔ چہرہ کا مسح اوپر کی جانب سے شروع کرنا۔ ہاتھ کا مسح انگلیوں سے شروع کرنا۔ انگوٹھے کے سوا بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو انگوٹھا چھوڑ کر دائیں ہاتھ کی انگلیوں کی پشت پر اس طرح رکھنا کہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں ہاتھ کی کلمہ کی انگلی سے باہر نہ رہیں اور ان کو دائیں ہاتھ پر سے پھیریں۔ جب ہاتھ کلائی کے جوڑ پر پہنچے تو اپنی انگلیوں کے کناروں کو دست بند (کلائی) کے نچلے حصہ کے گرد پیوست کریں اور کہنی تک کھینچیں لیکن انگوٹھا جدا رکھیں۔ جب ہاتھ کلائی تک پہنچ جائے تو بائیں ہاتھ کا انگوٹھا دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کی پشت پر پھیرا جائے۔ اسی طرح بائیں ہاتھ کا مسح کیا جائے۔ اس کے بعد ہتھیلیوں کو ایک دوسرے پر رکھنا مستحب ہے۔ اگر تیمّم کرنے والا صحتمند ہے تو منہ اور ہاتھ کا مسح کرنے میں موالاۃ کا خیال رکھنا وضو کی طرح واجب ہے۔ (مٹی پر) ہاتھ مارنے سے پہلے انگلیوں کا کھلا رکھنا اور پہلی بار ہاتھ مارنے کے وقت انگوٹھی کو اتار دینا (سنت ہے) لیکن دوسری بار ہاتھ مارنے کے وقت (انگوٹھی کا اتار دینا) واجب ہے۔ ہاتھوں سے مسح کرنے کے بعد انگلیوں میں خلال کرنا (سنت ہے)، بشرطیکہ ضرب ثانی کے وقت انگلیاں کشادہ رہی ہوں۔ اگر کشادہ نہ رہی ہوں تو خلال کرنا واجب ہے۔ غرہ اور تحجیل ☆ سنت ہے جب تک عضو کا تیمّم پورا نہ ہو جائے ہاتھ نہ اٹھانا اور چہرے اور ہاتھوں کے مسح کے وقت مقررہ دعاؤں کا پڑھنا اور جو دعا وضو سے پہلے کی جاتی ہے اس کو تیمّم کے اخیر میں پڑھنا (سنت ہے)۔

مالکیہ نے تیمّم کی سنتوں کی تعداد چار بتائی ہے: 'ترتیب' بایں طور کہ ہاتھ سے پہلے منہ کا مسح کیا جائے۔ اگر اس کے برعکس کر لیا ہے اور ہنوز نماز نہیں پڑھی تو دوبارہ مسح کیا جائے، لیکن اگر پڑھ لی ہے تو نماز ہو گئی۔ ہاتھ کا مسح کلائی سے لے کر پہنچنے تک کرنا اور دوسری بار ضرب کا دونوں ہاتھوں سے ہونا، اور گرد جو ہاتھوں پر آ جائے اسے اعضائے مسح پر منتقل کرنا، بایں طور کہ چہرے یا ہاتھ پر مسح کرنے سے پہلے کسی اور شے کو ہاتھ نہ لگایا جائے (یہ سب سنت ہے)۔

حنابلہ نے کسی امر کو سنت میں شمار نہیں کیا، سوا اس کے کہ تیمّم کرنے میں آخر وقت تک جس میں نماز پڑھنے کا اختیار ہے، توقف کرنا سنت ہے، بشرطیکہ تیمّم کرنے والا یہ جانتا ہو کہ وقت نماز کے اندر پانی دستیاب ہو جائے گا یا اس کے دستیاب ہونے کا گمان ہو یا دونوں باتوں کا امکان ہو، تاہم اگر اول وقت میں تیمّم کر کے نماز پڑھ لی ہے تو نماز درست ہے، اگرچہ وقت کے اندر ہی پانی دستیاب ہو جائے (اس نماز کو) دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

حنابلہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ مسنون اور مندوب ایک ہی چیز ہے، لہٰذا وہ تمام امور جو تیمّم کی سنتوں کے تحت بیان کیے گئے ان کو مندوب کہا جاتا ہے اور سنت اور مستحب بھی۔

☆ احتیاطاً حد واجب سے کچھ زیادہ حصہ کا وضو یا تیمم غرہ تحجیل کہلاتا ہے۔

Marfat.com

تیمّم کے مندوبات (مستحبات)

تیمّم میں جو امور مندوب ہیں ان کے متعلق مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

تیمّم کی مکروہات کا بیان

مسالک مختلفہ کی رو سے تیمّم کے مکروہات تفصیل طلب ہیں۔ (۲)

۱۔ مالکیہ تیمّم کے مندوبات یوں بیان کرتے ہیں کہ جو چیزیں تیمم میں مندوب ہیں وہ یہ ہیں: بسم اللہ کہنا، مسواک کرنا، بجز ذکر الٰہی کے اور کچھ نہ بولنا، قبلہ رخ ہونا، اور یہ کہ دائیں عضو کے اوپری حصہ کو بائیں سے مسح کیا جائے، بایں طور کہ دائیں ہاتھ کی اُوپری جانب کی سطح پر بائیں ہاتھ کے نچلے حصہ (ہتھیلی) کو رکھا جائے پھر اس کو اسی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے لگائے ہوئے کہنی تک مسح کیا جائے۔ اگر پانی دستیاب ہونے یا وقت اختیاری (یعنی ایسا وقت جس میں تاخیر کی گنجائش ہو) کے اندر مانع استعمال آب کے دور ہو جانے کی امید نہ ہو تو اول وقت ہی میں تیمم کرنا (اور نماز پڑھ لینا) مستحب ہے۔ اگر پانی کے دستیاب ہونے یا مانع کے دور ہو جانے میں شک ہو تو وقت مختار (جس کے دوران نماز پڑھنے کی رخصت ہے) کے وسط میں تیمّم کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ ایک طرف اول وقت کی فضیلت ہے اور دوسری طرف پانی سے طاہر ہو کر (وضو کر کے) نماز پڑھنے کی فضیلت ہے، لہٰذا دونوں پہلوں کا خیال رکھتے ہوئے درمیانی وقت میں (تیمم کرنا) مستحب قرار دیا گیا۔ اسی طرح وقت مختار کے آخر اور اس کے ختم ہونے سے قبل تک انتظار کرنا ایسے شخص کے لیے مستحب ہے جس کو وقت اختیاری کے اندر پانی دستیاب ہونے یا مانع استعمال آب، مثلاً مرض کے دور ہو جانے کی امید ہو۔ کیونکہ پانی ملنے کی امید ہے اور پانی سے وضو کرنے کی فضیلت کو فوقیت حاصل ہے۔ لیکن بہر حال نماز کے وقت ضروری میں (جس کے اندر تاخیر کا اختیار نہیں رہتا) تیمم میں توقف کرنا حرام ہے، اگر چہ متوقع پانی سے وضو کرنے کی امید ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ تیمم میں تاخیر کرنا اس کے لیے مستحب ہے جسے گمان غالب ہو کہ نماز کا مستحب وقت ختم ہونے سے پہلے پانی کا دستیاب ہونا ممکن ہوگا۔

اگر کسی شخص نے پانی بہم پہنچانے کا وعدہ کیا تو تیمم میں تاخیر کرنا واجب ہوگا، اگر چہ وقت کے نکل جانے کا اندیشہ ہو۔

۲۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ تیمّم میں بار بار مسح کرنا اور منہ اور ناک میں مٹی ڈالنا اور دو بار سے زیادہ (مٹی پر) ہاتھ مارنا، اور (ہلکے سے نہیں بلکہ زور سے) پھونک مارنا کہ پھونک سے مٹی اڑ جائے (یہ سب باتیں) مکروہ ہیں۔ اگر ایسے زور سے پھونک ماری کہ غبار (ہاتھ میں) باقی نہ رہا اور اسی طرح مسح کر لیا تو دوبارہ ہاتھ مار کر مسح کرنا واجب ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ تیمّم میں بہت زیادہ مٹی کا استعمال کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ تیمم سے غرض مٹی پر ہاتھ رکھ کر شارع علیہ السلام کے ارشاد کی تعمیل ہے۔ لہٰذا ہاتھ کو بہت سی مٹی سے بھر لینا مکروہ ہے، اسی طرح عضو کا بار بار مسح کرنا اور تیمم کی تجدید کرنا اگر چہ کوئی نماز پڑھ کر کی جائے۔ اور تیمّم کے بعد ہاتھوں کو جھاڑنا (مکروہ ہے)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ تیمم میں ایک بار سے زیادہ مسح کرنا اور اللہ کے ذکر کے سوا زیادہ باتیں کرنا اور کہنی سے آگے

Marfat.com

تیمّم کو باطل کرنے (توڑنے والے) امور کا بیان

وضو توڑنے والے جن امور کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، وہی امور تیمم کو بھی باطل کر دیتے ہیں۔ لیکن حدث اکبر کا تیمّم جس نے کیا ہے اس کا تیمّم ٹوٹنے سے حدث اکبر کا حکم اس پر عائد نہیں ہوتا، جب تک کہ غسل واجب کرنے والا کوئی امر پیش نہ آئے، حالانکہ وضو میں ایسا ہوتا ہے کہ اگر وضو جاتا رہے تو پھر حدث اصغر لاحق ہو جاتا ہے۔ پس اگر کسی نے حالت جنابت کے لیے تیمّم کیا اور اس کا تیمّم ٹوٹ گیا تو وہ پھر جنبی نہ ہو جائے گا بلکہ اسے حدث اصغر کی حالت میں قرار دیا جائے گا، لہٰذا ایسے شخص کو قرآن پڑھنا، مسجد میں داخل ہونا[1] اور وہاں ٹھہرنا جائز ہوگا، وضو کو توڑنے والے امور کے علاوہ ایک اور امر ہے جو تیمّم کو باطل کر دیتا ہے۔ اور وہ امر اس عذر کا دور ہو جانا ہے جس کی بنا پر تیمّم مباح ہوا تھا۔ مثلاً یہ کہ پانی دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے تیمّم کیا تھا اور پانی دستیاب ہو گیا[2] یا پانی کے استعمال کرنے سے معذور تھا، لیکن اب قادر ہو گیا۔[1]

تک مسح کرنا جس کو وضو میں غرہ اور تحجیل سے تعبیر کیا جاتا ہے، مکروہ ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ مسح کا بار بار کرنا اور متذکرہ سابقہ سنتوں میں سے کسی کا ترک کرنا مکروہ ہے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے جنابت کا تیمّم کیا اور اسے حدث اصغر لاحق ہو گیا تو اس کا تیمم حدث اکبر اور حدث اصغر دونوں کا ٹوٹ گیا۔ چنانچہ وضو توڑنے والی شے کے لاحق ہونے سے گو غسل باطل نہیں ہوتا لیکن غسل کی بجائے جو تیمّم کیا گیا ہے وہ اگر ٹوٹ جائے تو غسل بھی باطل ہو جاتا ہے اور وہ باتیں حرام ہو جاتی ہیں جو حالت جنابت میں حرام ہوتی ہیں۔ (اس کے لیے) دوبارہ تیمم کرنا چاہیے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ پانی کے دستیاب ہونے یا اس کے استعمال پر قادر ہو جانے سے تیمم اس صورت میں ٹوٹتا ہے جب کہ کوئی شخص نماز نہ پڑھنے لگا ہو اور وقت اختیاری میں اتنی گنجائش ہو کہ پانی کو تمام اعضا پر استعمال کرنے کے بعد ایک رکعت نماز ادا کی جا سکے۔ اگر نماز شروع کر دینے کے بعد پانی دستیاب ہو گیا تو تیمم نہیں ٹوٹے گا، بلکہ واجب ہے کہ نماز جاری رکھی جائے، اگر چہ وقت میں گنجائش ہو۔

درآنحالیکہ پانی قیام گاہ میں موجود ہو اور اس کا موجود ہونا دھیان سے اتر گیا ہو اور (اس خیال سے کہ پانی نہیں ہے) تیمّم کر کے نماز شروع کر دی اور نماز پڑھتے میں خیال آیا کہ پانی تو موجود ہے اور وقت بھی اتنا باقی ہے کہ پانی استعمال کرنے کے بعد ایک رکعت نماز پڑھی جا سکے گی تو تیمم باطل ہو جائے گا، بصورت دیگر نہ ہوگا۔ لیکن اگر صورت یہ ہے کہ نماز پڑھنے کے بعد پانی یاد آیا اور وقت باقی ہے تو (وضو کر کے) دوبارہ نماز پڑھ لینی چاہیے، کیونکہ ایسا نہ کرنے میں گونہ کوتاہی پائی جاتی ہے۔

Marfat.com

تو ان صورتوں میں تیمّم ٹوٹ جائے گا۔

وضو اور تیمّم دونوں سے معذور ہونے کا بیان

ایسے شخص کو ''فاقد الطھورین'' کہتے ہیں

جو شخص کسی شدید مرض کے باعث یا کسی ایسی جگہ مقید ہونے کے باعث جو تیمّم کے قابل نہ ہو کہ وہ نہ وضو کر سکے اور نہ تیمّم تو اس پر واجب ہے کہ وقت کے اندر بغیر وضو یا تیمّم کے نماز پڑھ لے، کیونکہ مریض کے لیے حکم ہے کہ اگر کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھ لے، اگر اس سے بھی عاجز ہو تو اشارے سے نماز ادا کرے، جیسا کہ اشارے سے نماز پڑھنے کے بیان میں بتایا جائے گا۔ اس (تاکید) کا مقصد یہ ہے کہ ہر حال میں اللہ عزوجل کے سامنے خشوع وخضوع کا اظہار کیا جائے۔ لہٰذا جب تک انسان کسی طرح بھی خشوع وخضوع کے ظاہر کرنے پر قادر ہے، لازم ہے کہ اس پر عمل کرے اعمال خشوع وخضوع کے بجا لانے پر معذور کو بھی بغیر کسی فرق کے وہی ثواب ملے گا جو صحت وروں کو ملتا ہے، بلکہ بسا اوقات اس سے زیادہ ثواب ملے گا۔ کیونکہ جس کا دل اپنے مولا کی جانب جھکتا ہے اور جو فروتنی کا اظہار حالتِ مرض اور شدت کرب میں بھی کرتا ہے وہ ان شاء اللہ رضائے الٰہی اور اس کی رحمت کے بہت قریب ہوگا۔

پانی یا قابل تیمّم شے کے دستیاب نہ ہونے کی صورت میں طہارت کے لیے کیا طریق کار اختیار کیا

ا۔ حنابلہ نے تیمّم توڑنے والی اشیا میں ''وقت کا نکل جانا'' زیادہ کیا ہے، یعنی وقت (نماز) نکل جانے سے تیمم جاتا رہتا ہے، خواہ وہ تیمم حدث اکبر کا ہو یا نجاست بدن کا۔ لیکن اگر نماز جمعہ کا تیمّم ہے تو اس کا وقت نکل جانے سے تیمم باطل نہیں ہوتا، نیز موزے وغیرہ جس پر مسح کیا جاتا ہے، اس کے اتر جانے سے تیمّم جاتا رہتا ہے، بشرطیکہ موزے پوش نے حدث کے بعد تیمّم کیا ہو، خواہ اس سے پہلے موزے پر مسح کیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔

شافعیہ نے تیمم باطل کرنے والے امور میں ''ارتداد'' کا اضافہ کیا ہے، اگرچہ (حقیقی معنی میں نہیں، بلکہ) بظاہر ارتداد ہو، جیسے کسی نابالغ کا مرتد ہونا۔ اگر وہ عذر جاتا رہے جس کی وجہ سے تیمم کیا گیا تو تیمم بھی جاتا رہے گا، بشرطیکہ وہ عذر نماز میں تکبیر تحریمہ کے مکمل ہونے کے بعد نہ گیا ہو، یعنی اگر (کسی نے کسی عذر سے تیمّم کیا اور نماز کے لیے کھڑا ہوا اور تکبیر تحریمہ پوری کر لی اور تب) وہ عذر جس کی وجہ سے تیمّم کیا تھا جاتا رہا اور وہ حالت نماز میں ہے، تو تیمم نہیں جائے گا۔ وہ نماز صحیح ہوگی۔ لیکن سلام پھیرتے ہی تیمّم ٹوٹ جائے گا۔ اگر وہ نماز ایسی ہے جس کا اعادہ واجب ہے (اور اس کے دوران عذر جاتا رہا) تو تیمم بھی گیا اور نماز بھی۔

Marfat.com

جائے، مختلف مسالک میں اس کے مسائل تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ فاقد الطہورین، یعنی جسے پاک کرنے والی دونوں چیزیں، پانی اور پاک مٹی وغیرہ، دستیاب نہ ہو، اسے چاہیے کہ نماز کی ظاہری صورت عمل میں لائے، بایں طور کہ قبلہ رخ ہو کر سر بسجود ہو۔ نہ قرأت کرے نہ تسبیح پڑھے، نہ تشہد وغیرہ کہے اور نہ نماز کی نیت کرے۔ خواہ حالت جنابت میں ہو یا حدث اصغر لاحق ہو۔

واضح ہو کہ اس ظاہری عمل صلوٰۃ سے (عائد شدہ) فرض ساقط نہیں ہو جاتا، بلکہ اس کی ادائیگی انسان کے ذمہ باقی رہتی ہے اور فرض اس پر قائم رہتا ہے، یہاں تک کہ وضو کے لیے پانی یا تیمم کے لیے مٹی دستیاب ہو جائے۔ اگر حالت جنابت ہو تب بھی نماز کی یہ ظاہری صورت جائز ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ "فاقد الطہورین" یعنی جسے پانی اور پاک مٹی دستیاب نہ ہو، بقول معتمد نماز کا فریضہ اس سے ساقط ہو جاتا ہے۔ لہٰذا نہ اس پر نماز واجب ہوتی ہے، نہ اس کی قضا۔ غالباً انہوں نے یہ مسئلہ اس حدیث سے اخذ کیا ہے کہ: "لایقبل اللہ صلوۃ بغیر طہور" (یعنی اللہ بغیر پاک ہوئے نماز قبول نہیں کرتا)۔ اس حدیث میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے نماز کو دوبارہ پڑھنا ظاہر ہوتا ہو۔ حنفیہ یہ نہیں کہتے کہ بغیر پاک ہوئے نماز قبول ہو جاتی ہے، بلکہ ان کا کہنا ہے کہ ایسی نماز کا دہرانا ضروری ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جس کو پانی اور پاک مٹی دستیاب نہ ہوئی ہو یا ان کے استعمال سے معذوری ہو، وہ شخص یا تو جنابت کی حالت میں ہوگا یا پھر اسے حدث اصغر لاحق ہوگا۔ پس اگر حدث اصغر لاحق ہے تو ایسے شخص کو حقیقی (پوری) نماز نیت اور قرأت کے ساتھ ادا کرنی چاہیے، لیکن صرف سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہیے۔ اور پانی دستیاب ہونے پر اس نماز کو دوبارہ پڑھ لینا ضروری ہے۔ اور اگر وہ جنبی شخص ہو اور اس کو پانی مل جائے تو اسے غسل کرنا اور پھر وضو کرنا واجب ہے۔ اس کے بغیر وضو اور تیمم کے پڑھی ہوئی نماز کو دہرانا چاہیے۔ اگر حدث اصغر والے کو پانی مل جائے تو وضو کر کے اس نماز کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ اگر ان دونوں طرح کے اشخاص میں سے کسی کو پاک مٹی وغیرہ قابل تیمم شے دستیاب ہوگئی (یعنی پانی نہیں ملا) تو اسے وضو اور تیمم کے بغیر پڑھی ہوئی نماز کو دوبارہ تیمم کر کے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اگر گمان غالب ہے کہ وہ ایسی جگہ ہے جہاں پانی موجود نہیں ہے یا پانی کے موجود ہونے یا نہ ہونے میں تردد ہے کہ دونوں خیالوں میں سے کسی کو ترجیح نہیں دی جا سکتی (تو تیمم کر کے نماز دوبارہ پڑھنی چاہیے)۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ فاقد الطہورین کو حقیقی نماز ادا کر لینی چاہیے اور اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ صرف فرض نمازوں کو ادا کرنا اور محض ان امور کو پورا کرنا واجب ہے جن کے بدون نماز صحیح نہیں ہوتی۔

Marfat.com

جبیرہ (پٹی) کے متعلقہ مسائل

جبیرہ کی تعریف

فقہا کی اصطلاح میں جبیرہ اس دھجی کو کہتے ہیں کہ جو مریض عضو پر باندھی جائے یا وہ دوا جو اس عضو پر لگائی جائے۔ اس کی بندش کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ لکڑی کی کھپچیوں یا کھجور کی چھال وغیرہ کے ساتھ باندھی جائے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ جس عضو پر پٹی باندھی گئی ہے، وہ شکستہ (یا زخمی ہو) بلکہ پٹی کا حکم اس صورت میں عائد ہوتا ہے کہ جبکہ پٹی بندھے ہوئے عضو کو کوئی مرض لاحق ہو، خواہ زخم ہو یا شکستگی یا جوڑوں کے درد کی قسم کا مرض ہو وغیرہ۔ غرض جبیرہ فقہا کی اصطلاح میں اس بندش کو کہتے ہیں جو مریض عضو پر باندھی جائے یا دوائی عضو کے اوپر لگی ہوئی ہو۔

پٹی پر پانی استعمال نہ کی جاسکے تو کیا کرنا فرض ہے؟

اگر کسی مکلف انسان کے ایسے عضو پر جس کا دھونا وضو یا غسل میں ضروری ہے، کوئی دھجی بندھی ہوئی ہو، یا دوائی لگی ہو، اور اس عضو کا دھونا نقصان دہ یا موجب اذیت ہو تو اس پر مسح کر لینا فرض ہے۔ اس جگہ پٹی بندھی ہوئی ہو یا پٹی نہ ہو، بلکہ دوائی لگی ہوئی ہو (کیونکہ یہ بھی پٹی ہی کے حکم میں ہے)۔ اگر دوائی پر مسح کرنا نقصان دہ ہو تو اس پر کوئی دھجی لپیٹ کر اس کے اوپر مسح کر لیا جائے۔ مریض کے عضو پر بندھی ہوئی بندش کو ہٹانا نہیں چاہیے۔ یہ حکم اس کے لیے ہے جس کے اعضائے وضو و غسل میں سے کسی پر بوجہ مرض کے پٹی بندھی ہوئی ہو۔ غرض جہاں پانی لگنا نقصان دہ ہے اس مریض کیلئے عضو پر مسح کر لینا فرض ہے۔ اگر مسح بھی نقصان دہ ہو تو اس پر پٹی لپیٹ کر پٹی کے اوپر مسح کر لیا جائے۔ اس مسئلے میں بجز شافعیہ اور بعض حنفیہ کے اور کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ ان کے مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں کر دی گئی ہے۔ (1)

ا۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ (مرض سے متاثر) عضو پر یا تو پٹی بندھی ہوگی، یا دوا وغیرہ لگی ہوگی، یا کچھ نہ ہوگا۔ اگر پٹی بندھی ہے تو اس صورت میں مریض کے لیے تین باتیں واجب ہیں:

اول یہ کہ صحت مند عضو کو دھویا جائے۔

دوم یہ کہ مرض کی جگہ پر بندھی ہوئی صرف پٹی پر مسح کر لیا جائے اور یہ مسح اس صحت مند حصہ عضو کو بھی دھونے کے برابر ہوگا جو بسا اوقات پٹی کے نیچے آجاتا ہے۔ اگر پٹی محض اس حصہ پر ہو جو مرض سے متاثر ہے اور پٹی کے نیچے صحت مند حصہ کا کوئی جزو نہیں آیا تو اس حالت میں اس پھائے پر مسح کرنا واجب نہیں ہے اور یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ پٹی کے نیچے کے صحت مند حصہ عضو کو دھونا ممکن ہو۔

Marfat.com

جبیرہ پر مسح کے صحیح ہونے کی شرائط

پٹی بندھی ہو یا دوائی وغیرہ لگی ہو تو اس پر مسح کے صحیح ہونے کی دو شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ متاثرہ عضو کا دھونا نقصان دہ ہو، یعنی (دھونے سے) یک لخت تکلیف بڑھ جانے یا تندرست ہونے میں دیر لگ جانے کا ڈر ہو وغیرہ۔ اب اگر متاثرہ عضو پر دوائی لگی ہوئی ہے اور پٹی نہیں ہے اور اس پر مسح کرنا نقصان دہ ہے تو اس صورت میں واجب یہ ہے کہ اس عضو پر دھجی اس طرح رکھی جائے کہ نقصان دہ نہ ہو، پھر اس پر مسح کرلیا جائے۔ جیسا کہ ذکر ہوا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ پورے جبیرہ پر مسح

سوم یہ کہ متاثرہ حصہ عضو پر دھونے کی بجائے تیمّم کیا جائے اور پٹی وغیرہ پر مسح کرلیا جائے بایں طور کہ ان دونوں میں سے جونسا کام جی چاہے پہلے کیا جائے، لیکن اگر جنابت کی حالت نہیں ہے تو واجب ہے کہ صرف دھونے اور تیمّم میں ترتیب کا خیال رکھا جائے، یعنی تیمّم سے پہلے صحت مند حصے کو دھولیا جائے۔ لیکن دھجی وغیرہ کی پٹی پر مسح کرنا ہو تو (جزو صحت مند کو) دھونے اور تیمّم سے پہلے اس کا مسح کرلینا درست ہے۔ واضح ہو کہ اگر متعدد اعضا کو مرض لاحق ہو تو ان اعضا کی تعداد کے مطابق تیمّم کیا جائے گا۔ البتہ اگر مرض تمام اعضا کو لاحق ہے تو سب کے لیے ایک بار ہی تیمّم کافی ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ ترتیب وار دو اعضا، مثلاً چہرے اور ہاتھ میں مرض ہو تو اس صورت میں صحت مند جز کو دھونے کے بعد ان دونوں اعضا پر ایک ہی بار تیمّم کافی ہے اور پٹی کے نیچے صحت مند حصہ کو دھونے کی بجائے اس پر مسح کرنا چاہیے۔ یہ حکم اس حالت میں ہے جبکہ متاثرہ عضو پر پٹی بندھی ہو۔ اگر وہ عضو بندھا ہوا نہیں ہے تو اس صورت میں صحت مند عضو کو دھونا اور متاثرہ عضو کو دھونے کی بجائے تیمّم کرنا فرض ہے۔ مرض کی جگہ پر پانی سے (ہاتھ تر کرکے) مسح نہ کرنا چاہیے اس واسطے کہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ ان کے نزدیک مسح کرنا کوئی امر مشروع نہیں بجز اس صورت کے جبکہ یہ مسح اس صحت مند عضو کو دھونے کی بجائے جو متاثرہ حصہ پر پٹی باندھنے سے ڈھک گیا ہو۔ اس کی صورت ایسی ہوگی جیسے موزے پر مسح کرنے کی۔ لیکن اگر متاثرہ عضو کھلا ہوا ہے اور اس کو دھونا ممکن نہیں ہے تو اس پر مسح بے معنی ہے، لہٰذا اس کو دھونے کی بجائے اس پر تیمّم کرنا چاہیے۔ اس حال میں مسح کرنے کے کچھ معنی نہیں ہیں۔ اگر اعضائے تیمّم میں سے کسی عضو کو مرض لاحق ہو اور اس کو تیمّم کی مٹی سے مسح کرنا ممکن نہ ہو، یا اس مسح سے نقصان کا اندیشہ ہو تو اس حال میں مسح ساقط ہو جائے گا (یونہی نماز ادا کی جائے) اور آرام ہونے کے بعد نماز کو دوبارہ پڑھ لینا واجب ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ پٹی پر مسح کرنے کے متعلق دو اقوال ہیں: ایک تو یہ کہ مسح واجب ہے، فرض نہیں ہے۔ احناف کے نزدیک فرض اور واجب میں جو فرق ہے وہ وضو کے باب میں بتایا جا چکا ہے۔ اس وجہ سے اگر کسی مریض نے متاثرہ عضو پر مسح نہ کیا اور نماز پڑھ لی تو نماز کا پڑھنا صحیح ہوگا لیکن اسے دوبارہ پڑھ لینا واجب ہے، ورنہ ترک واجب کا گناہ ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محرومی کا باعث ہے اگرچہ بقول معتمد (یہ امر) مستوجب عذاب نہیں ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ پٹی پر مسح کرنا فرض ہے، یعنی اگر اسے ترک کردیا گیا تو نماز درست نہ ہوگی، جیسا کہ مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں۔ حنفیہ ان دونوں اقوال کو صحیح مانتے ہیں، لہٰذا مکلف انسان جس قول پر جی چاہے عمل کرے۔

Marfat.com

کیا جائے، بایں طور کہ غیر متاثرہ جزو کو پہلے دھولیا جائے، پھر متاثرہ حصے کا پورے طور پر مسح کیا جائے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ جبیرہ (یعنی پٹی یا پھایا) صرف اسی جگہ پر ہو۔ مرض سے متاثر ہے۔ اگر پٹی کی بندش مجبوراً متاثرہ حصے سے آگے تک ہو تو پٹی کا مسح کرنا واجب ہے، خواہ وہ پٹی متاثرہ عضو کے اوپر ہو یا (اس سے ہٹ کر) صحت مند حصہ پر ہو۔[1] اگر مرض لاحق ہونے والی جگہ وہ ہے جہاں پر وضو میں مسح کیا جاتا ہے تو اس کے مسائل مسالک مختلفہ کی رو سے تفصیل طلب ہیں۔[2]

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ پوری پٹی پر مسح کرنا شرط نہیں ہے، بلکہ اکثر حصہ پر مسح کر لینا کافی ہے۔ مثلاً زخم اگر پورے ہاتھ پر ہو اور اس پر پٹی رکھی گئی ہو تو جس حصے پر پٹی ہے اس کے نصف سے زائد حصے پر مسح کرنا کافی ہے۔

اگر پٹی مرض سے متاثرہ حصے سے زیادہ حصے پر بندھی ہے تو دو صورتیں ہوں گی: یا تو اس پٹی کا کھولنا نقصان دہ ہو گا یا نہ ہوگا۔ اگر نقصان دہ نہ ہو تو اسے کھول لینا واجب ہے اور اس کے نیچے کے حصہ عضو کو دھونے میں مضرت کا اندیشہ نہ ہو تو اسے دھولیا جائے۔ اگر دھونا مرض کے لیے نقصان دہ ہے تو صرف مرض کی جگہ پر مسح کرنا اور اس کے ارد گرد صحت مند حصے کو دھونا وجب ہے اگر پھائے کی جگہ کا مسح کرنا بھی مضر ہو تو ارد گرد کی جگہ کو دھولیا جائے اگر پٹی کا کھولنا نقصان دہ ہو تو پٹی کے اوپر ہی مسح کرنا واجب ہے۔ پٹی کو کھولنے کی زحمت نہ دی جائے گی اگر چہ اس کے نیچے کا حصہ دھونا یا مسح کرنا ممکن ہو، کیونکہ اس حالت میں اس پٹی ہی پر مسح کرنا واجب ہے جو مرض سے متاثر اور غیر متاثر حصہ کو ڈھکے ہوئے ہے۔ مسح پٹی کے بیشتر حصہ پر کیا جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر پٹی پاک ہونے کی حالت میں رکھی گئی ہے اور وہ متاثرہ حصے سے آگے تک ہے تو اس پر پانی سے مسح کیا جائے اور زائد حصہ پر تیمّم کر لیا جائے۔ اگر پٹی پاک ہونے کے حالت میں نہیں رکھی گئی یعنی وضو کرنے سے پہلے ہی پٹی رکھی گئی ہے تو اس پر صرف تیمّم واجب ہے اور مسح کرنا درست نہیں ہے۔ اگر مرض سے متاثر اعضا کی تعداد زیادہ ہے تو (اس کے مطابق) تیمّم بھی زیادہ مرتبہ کرنا چاہیے۔ ہاں اگر زخم وضو یا غسل کے تمام اعضا پر پھیلا ہوا ہو تو اس صورت میں صرف ایک ہی بار تیمّم واجب ہے اور حدث اصغر سے طہارت حاصل کرنے کے لیے ترتیب اور موالات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر زخم تمام سر میں ہے تو اس کا حکم وہی ہے جو دھلنے والے اعضا کا ہے۔ اگر تمام سر میں نہیں ہے اور کچھ حصے کا مسح کرنا آسان ہے تو اس حصہ کا مسح کر لیا جائے اور پورے عمامہ پر ہاتھ پھیر لیا جائے۔ اگر آسان نہیں ہے تو اس کا وہی حکم ہے جو تمام عضو پر زخم ہو جانے کی صورت میں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر سر کا کچھ حصہ مرض سے محفوظ ہے تو اس پر مسح کر لینا واجب ہے، ورنہ مسح کی بجائے تیمّم کرنا چاہیے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر سر کے کچھ حصہ پر مرض نہیں ہے و راس حصہ کی مقدار اتنی ہے جس پر مسح واجب ہے، یعنی ایک چوتھائی تو اس پر مسح کر لینا فرض ہے اور جبیرہ پر مسح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر زخم تمام سر پر ہے تو اس کا وہی حکم ہے جو (ایسی صورت میں) دھلنے والے اعضا کا ہے۔ یعنی اگر مضر (ہونے کا اندیشہ) نہ ہو تو اس پر مسح واجب ہے۔ اگر ضرر

Marfat.com

ان امور کا بیان جو پٹی کے مسح کو باطل کرتے ہیں

پٹی اگر اپنی جگہ سے گر جائے یا اتر جائے تو اس پر جو مسح کیا گیا وہ باطل ہو جائے گا۔ اس کے متعلقہ مسالک کی تفصیل مختلف مسلکوں میں کی گئی ہے۔ (۱)

کا اندیشہ ہو تو پٹی وغیرہ پر مسح کر لینا چاہیے

حنابلہ کہتے ہیں کہ زخم تمام سر پر ہے اور مسح کرنا ممکن نہیں ہے، تو سر کی پوری پگڑی (یا پٹی) پر مسح کر لیا جائے۔ اگر وہ طہارت کی حالت میں نہ باندھی گئی ہو تو اس پر تیمم کیا جائے، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔ اگر تمام سر متاثر نہیں ہے تو محض صحت مند حصہ پر مسح کیا جائے اور تمام پگڑی پر ہاتھ پھیر لیا جائے، کیونکہ جس کے سر میں مرض ہو اس کی پگڑی سر کی جگہ متصور ہو گی اور صحت مند حصہ کی حیثیت بدستور وہی رہے گی۔

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر پٹی زخم بھر جانے کی وجہ سے گر جائے تو مسح باطل ہو جائے گا اور اصل حکم کی طرف رجوع کرنا واجب ہو گا، یعنی پٹی کے نیچے والی جگہ کو پاک کرنے کے لیے دھونا ہو گا یا اگر وہ پاک حالت میں باندھی گئی تھی تو اس کا مسح کرنا ہو گا اور باقی حصہ بدستور پاک متصور ہو گا۔ طہارت کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ غسل یا مسح کرنے میں، جیسی بھی صورت ہو تعجیل سے کام لینا چاہیے، یعنی موالات پر عمل دانستہ فوت نہ ہونے پائے۔ اگر بھولنے سے تاخیر ہو جائے تو وہ عمل صحیح ہو جائے گا۔ اگر زخم مندمل ہوئے بغیر ہی پٹی اتر گئی تو اسے پھر اس کی جگہ پر رکھ کر جلد ہی مسح کر لینا چاہیے کہ موالات میں فرق نہ آئے۔ اگر پٹی دوران نماز گر جائے یا ہٹ جائے تو نماز جاتی رہے گی۔ اور اگر پٹی زخم بھر جانے کے باعث اتر گئی ہے تو اس کے نیچے کی جگہ کو پاک کر کے دوبارہ نماز پڑھنا واجب ہے۔ لیکن اگر پٹی زخم مندمل ہونے کے علاوہ کسی اور سبب سے اتری ہے تو اس پر پھر مسح کر کے دوبارہ نماز پڑھنی چاہیے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر (دوران نماز) زخم بھر جانے کے باعث پٹی اتر گئی تو نماز اور طہارت باطل ہو جائے گی اور اگر بغیر زخم بھرنے کے (کسی اور سبب سے) اتر گئی تو صرف نماز جاتی رہے گی، طہارت باطل نہ ہو گی، لہٰذا پٹی کو اپنی جگہ پر رکھ کر صرف پٹی پر مسح کر لیا جائے۔ لیکن اس کے علاوہ جو جگہ ہے تو بشرط ممکن پہلے اس جگہ کو پاک کر لیا جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر پٹی زخم اچھا ہوئے بغیر ہی اتر گئی تو مسح باطل نہ ہو گا، خواہ نماز کے اندر اترے یا باہر۔ اگر دوران نماز زخم بھر جانے کی وجہ سے پٹی اتر جائے اور قعدۂ اخیرہ بقدر تشہد سے پہلے اتری تو نماز جاتی رہے گی اور اس صورت میں صرف اس جگہ کو جہاں پٹی بندھی تھی پاک کر لینا چاہیے اور نماز کو دوبارہ پڑھ لیا جائے۔ لیکن اگر وہ پٹی قعدۂ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد اتر گئی ہے تو اس کے متعلق امام ابوحنیفہؒ کا کہنا یہ ہے کہ نماز جاتی رہی۔ لیکن صاحبین کہتے ہیں کہ نماز ہو گئی، کیونکہ نماز اس وقت پوری ہو چکی تھی اور پٹی کا گرنا نماز ختم کرنے کے بعد بول پڑنے یا حدث لاحق ہو جانے کے برابر ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ پٹی کے اتر جانے سے وضو بالکل ٹوٹ جاتا ہے، خواہ وہ پٹی زخم کے بھر جانے سے اتر گئی ہو، یا بغیر زخم بھرے اتری ہو، البتہ اگر زخم بھر کر اتری ہے تو صرف وضو کر لینا کافی ہے اور زخم بھر جانے کی وجہ سے نہیں اتری،

Marfat.com

پٹی پر مسح کر کے نماز پڑھنے کے مسائل

متذکرہ بالا شرائط کو پورا کرتے ہوئے اگر پٹی پر مسح کر کے نماز پڑھی جائے تو وہ درست ہوگی اور جس نے اس طرح نماز کو پڑھا ہے اسے (پٹی بندھے ہوئے) عضو کو آرام ہو جانے کے بعد اس نماز کو دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے۔[1]

بلکہ کسی اور وجہ سے اتر گئی ہے تو وضو یا تیمم (جیسی بھی صورت ہو) دوبارہ کرنا چاہیے۔

ا۔شافعیہ کہتے ہیں کہ تین صورتیں ایسی ہیں جن میں (پٹی پر مسح کر کے پڑھی جانے والی) نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ایک تو یہ کہ جبیرہ اعضائے تیمم میں سے کسی پر ہو۔دوم یہ کہ گو اعضائے تیمم پر نہ ہو لیکن صحت مند حصہ عضو کو اس سے زیادہ گھیر لیا ہو جہاں تک بندش کو روکا جا سکتا تھا۔سوم یہ کہ گو جبیرہ اعضائے تیمم کے علاوہ کسی اور جگہ پر ہو، صحت مند عضو کا صرف اسی قدر حصہ اس میں آیا ہو جس سے بندش کو باقی رکھا جا سکتا ہے، لیکن یہ بندش حدث کی حالت میں ہوئی ہو۔

Marfat.com

باب صلوٰۃ

نماز کے مشروع ہونے کی حکمت

''طہارت'' جس کے بارے میں اس سے پہلے بیان ہوا وہ ادائے نماز کا ایک وسیلہ ہے۔ اور یہ واضح ہے کہ یہ تمام وسائل انسانی معاشرے کے لیے نفع بخش ہیں، کیونکہ ان کی بنیادی غرض جسم کو صاف ستھرا رکھنا اور عبادت کی جگہ کو گندگی سے، جو امراض اور تعفن پیدا کرتی ہے، پاک کرنا ہے۔ ہاں نماز میں بعض باتیں ایسی ہیں جو بظاہر ان فوائد سے تعلق نہیں رکھتیں، لیکن ان میں بھی ایک نمایاں حکمت کارفرما ہے۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ عبادت کی غرض اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جانا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جن امور کا حکم ہے اس کی پاؤں وی کی جائے اور جو منع ہے اس سے پرہیز کیا جائے۔

نماز دین کے ارکان میں سب سے زیادہ اہم رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے بندوں پر فرض کیا ہے کہ خدائے واحد کی عبادت کریں اور اس کی عبادت میں کسی مخلوق کو شامل نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إن الصلوة كانت على المؤمنين كتاباً موقوتاً" یعنی نماز ایک ایسا فریضہ ہے جس (کو بجالانے) کے لیے اوقات مقرر ہیں، ان سے ہٹنا جائز نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''خمس صلوٰة كتبهن الله علىٰ العباد، فمن جآءَ بِهِنّ ولم يضع منهن شَيئًا استَفافًا بحقِهِنَّ كان له عندالله عهداً ان يدخله الجنة'' (یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، پس جو شخص انہیں ادا کرتا رہا اور ان کا حق پورا پورا ادا کرتے ہوئے کچھ ضائع نہ کیا تو ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ جنت میں جائے گا)۔ نماز کی خوبیوں اور اس کو مقررہ اوقات میں ادا کرنے کی ترغیب اور اس حکم کی بجا آوری میں کوتاہی اور اسے بخوبی انجام دینے میں سستی سے باز رہنے کے بارے میں بکثرت احادیث آئی ہیں۔ منجملہ ان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ: "مثل الصلوٰة الخمس كمثل نهر عذب غمر بباب احد كم يقتحم فيه كل يوم خمس مرات فما ترون ذالک يبقى من درنه قالوا لا شيء قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فان الصوٰة الخمس تذهب الذنوب كما يذهب الماء الدرن." (یعنی پانچ نمازوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے دروازے پر شیریں پانی کی لبریز نہر بہہ رہی ہو اور وہ شخص ہر روز پانچ بار اس میں غوطہ لگاتا ہو تو کیا تم سمجھتے ہو کہ اس کا میل کچیل کچھ باقی رہے گا؟ سب نے کہا کچھ بھی نہیں رہے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ پانچ نمازیں بھی گناہوں کو اسی طرح

Marfat.com

دور کرتی ہیں جس طرح پانی میل کچیل کو دور کرتا ہے)۔اس کا مطلب یہ ہے کہ (روزانہ کی) پانچ نمازیں انسانی نفوس کو پاکیزہ بناتی اور نافرمانیوں اور گناہوں سے اسی طرح پاک کر دیتی ہیں جس طرح صاف ستھرے پانی میں روزانہ پانچ بار غسل کرنے سے جسم صاف ستھرا اور گندگی سے پاک ہو جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ تمام اعمال میں کون سا عمل سب سے بہتر ہے؟ ارشاد ہوا: "الصلوۃ لمواقیتھا" (یعنی نماز کا اس کے اوقات میں ادا کرنا)۔غرض نماز اعمال انسانی میں سب سے بہتر عمل ہے۔اس کا رتبہ سب پر فائق اور اس کی شان سب سے بڑی ہے۔(یہ ارشادات) نماز کو اس کے اوقات میں ادا کرنے کی ترغیب کے لیے کافی ہیں۔

اب رہا یہ امر کہ تارک صلوٰۃ کو کیسی کیسی ترہیب وتخویف کی گئی ہے، اس کو سمجھنے کے بارے میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد کافی ہے: "لا سھم فی الاسلام لمن لا صلوٰۃ لہ" (یعنی جو نماز نہیں پڑھتا اس میں اسلام کا کوئی شائبہ نہیں ہے) نیز ارشاد ہے: "بین الرجل وبین الکفر ترک الصلوٰۃ" (یعنی نماز ترک کرنے سے آدمی کفر تک پہنچ جاتا ہے) اس حدیث میں ایسے مسلمانوں کے لیے سخت تنبیہ ہے جن پر سستی غالب ہو، اور وہ نماز جو کفر سے علیحدہ ہونے کی علامت ہے، ترک کردے۔ائمہ مالکیہ میں سے بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جو شخص عمداً نماز ترک کرے وہ کافر ہے۔

بہرحال اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ نماز اسلام کے ستونوں میں سے ایک ستون ہے۔اگر کسی نے اسے ترک کیا تو گویا اسلام کے مستحکم ترین ستونوں میں ایک ستون کو ڈھا دیا۔

انسان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ نماز کا اصل مقصد یہ ہے کہ دل پر خالق کائنات کی عظمت کا نقش مرتسم ہو جائے، یہاں تک کہ (عذاب الٰہی سے) ڈرتے ہوئے اس کے احکامات کی تعمیل اور ممنوعات سے پرہیز کیا جائے۔اس میں تمام بنی نوع کا فائدہ ہے، کیونکہ جو شخص نیکیوں پر عمل پاؤں اور برائیوں سے کنارہ کش ہے اس سے بھلائی اور نفع کے سوا اور کوئی بات سرزد نہیں ہو سکتی۔اور وہ شخص جو نماز پڑھ لیتا ہو لیکن اس کا دل خدا سے غافل ہو اور خواہشات نفسانی ولذات جسمانی میں لگا ہوا ہو اس کی نماز سے گو بقول بعض ائمہ ادائے فرض تو ہو جائے گا لیکن درحقیقت مطلوبہ مقصد حاصل نہ ہوگا۔نماز کامل (دراصل) وہ ہے جس کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "قد افلح المومنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون" (یعنی وہ مسلمان جو نماز میں خشوع سے کام لیتے ہیں فلاح پا گئے)۔

نماز کا حقیقی مقصد نیازمندی کے ساتھ خدائے خالق زمین وآسمان کی برتری کا اعتراف اور اس کی

Marfat.com

لازوال عظمت اور غیر فانی عزت کے آگے سرنگوں ہونا ہے۔ لہٰذا حقیقی معنوں میں کوئی شخص نمازی نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا دل حاضر، خدائے واحد کے خوف سے پُر، باطل وسوسوں اور ضرر رساں خیالات سے خالی ہو کر طالب نجات نہ ہو۔ پس اگر انسان اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہو اور اس حال میں اس کا دل خشوع و خضوع سے پُر ہو اور اپنے پروردگار، قادر وقاہر، صاحب سطوت لامتناہی و مالک قدرت بے پناہ کے سامنے عاجزی وفروتنی سے حاضر ہو وہی شخص اپنے گناہوں سے تائب اور اپنے رب کی جانب مائل ہوگا۔ تب ہی اس کے ظاہری و باطنی اعمال کی اصلاح ہو سکے گی۔ اس کا رابطہ اس کے پروردگار کے ساتھ مضبوط ہوگا، اور وہی بندگان حق تعالیٰ کے زمرہ میں شامل اور دین کے قائم کردہ حدود پر قائم ہوگا اور وہی ان امور سے باز رہے گا جن سے رب العالمین نے منع فرمایا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: "ان الصلوٰۃ تَنْہیٰ عن الفحشاء و المنکر" (یعنی بلاشبہ نماز بے حیائی کی باتوں اور ناپسندیدہ کاموں سے باز رکھتی ہے) اور حقیقی معنوں میں مسلمان ہونے کی یہی صورت ہے۔

غرض جو نماز بے حیائی کی باتوں اور ناپسندیدہ امور سے مانع ہے وہی نماز ہے جس میں بندہ اپنے رب کی عظمت کا اعتراف کرے، اس (کے عذاب سے) ڈرے اور اس کی رحمت کا امیدوار ہو۔ اور ہر شخص کو نماز سے اسی قدر فیض ملتا ہے جتنا کہ اس کے دل میں اللہ کا خوف ہو اور اس کا قلب اللہ کی جانب مائل ہو۔ کیونکہ اللہ پاک اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھتا ہے، ان کی ظاہری صورت پر نہیں جاتا۔ اسی لیے ارشاد باری ہے: "و اقم الصلوٰۃ لذکری" (یعنی نماز کو ذکر الٰہی میں منہمک ہو کر پوری طرح ادا کرنا چاہیے) جس کا دل اپنے رب کی یاد سے غافل ہو وہ اللہ کا عبادت گزار نہیں ہے۔ لہٰذا حقیقی معنوں میں ایسا شخص نمازی نہیں ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "لا ینظر اللہ الی صلوٰۃ لا یحضر الرجل فیھا قلبہ مع بدنہ" (یعنی جب تک کوئی شخص تن من کے ساتھ حاضر نہ ہو اللہ اس کی نماز کی طرف نہ دیکھے گا) دین کی نگاہ میں نماز یہی ہے، اور اسی نماز کو نفوس انسانی کے سنوارنے اور اخلاق کے درست کرنے میں دخل ہے، کیونکہ نماز کے ہر جزو میں انسانی فطری فضائل کی برتری کا دستور العمل اور انسانی پسندیدہ خصائل میں سے کسی نہ کسی خصلت کی مشق ہے۔

اب ہم کسی قدر اعمالِ صلوٰۃ کا ذکر کرتے ہیں کہ نفوس انسانی کے سنوارنے میں ان کا کیا اثر ہے۔

(ان اجزا میں سے) ایک جزو "نیت" ہے۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے حکم ادائے نماز کی پوری پوری بجا آوری کا تہ دل سے ارادہ کرنا، یعنی اس طرح جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ اور چاہیے کہ وہ محض خوشنودی

Marfat.com

مولا کے لیے ہو۔ اب اگر کوئی شخص یہی عمل دن رات میں پانچ بار انجام دے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ کیفیت اس کی طبیعت میں جم جائے گی اور یہ اس کی صفات فاضلہ میں سے ہو جائے گی جس کا بہترین اثر اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر پڑے گا۔ انسانی معاشرے کے لیے قول و فعل میں خلوص نیت سے زیادہ سود مند کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ اگر لوگ اپنے قول و فعل میں باہم پر خلوص ہوں تو یقیناً ان کی زندگی نہایت دل پسند اور خوشگوار ہوگی۔ ان کے حالات دنیا و آخرت میں بہتر ہوں گے اور کامیابی سے ہم کنار ہوں گے۔

(نماز کا) دوسرا جز و اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا ہونا ہے۔ نماز پڑھنے والا تن من سے اپنے پروردگار کے سامنے آنکھیں جھکائے کھڑے ہو کر نجات کا طالب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ (بندہ کی) رگ جان سے زیادہ قریب ہے' لہٰذا جو کچھ بندہ کہتا ہے پروردگار اس کو سنتا ہے اور جو کچھ اس کے دل میں ہے اس کو جانتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر کوئی شخص اس عمل کو رات دن میں متعدد بار کرتا رہے تو یقیناً اس کے دل میں اپنے پروردگار کی جگہ ہوگی اور وہ اللہ کے حکم کی فرمانبرداری کرے گا اور جن امور سے اللہ نے منع فرمایا ہے ان سے باز رہے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اس شخص سے انسانیت کے خلاف کوئی امر سرزد نہ ہوگا۔ کسی کی جان پر تعدی اور کسی کے مال پر ظلم نہ کرے گا اور کسی کے دین اور آبرو کو اس سے ایذا نہ پہنچے گی۔

تیسرا جزو قرأت (یعنی نماز میں قرآن کا پڑھنا) ہے۔ ائمہ کے نزدیک اس کے متعلقہ احکام کی تفصیل آگے آئے گی۔ قرآن پڑھنے والے کو چاہیے کہ ایسا نہ ہو کہ زبان پڑھے اور دل غافل ہو، بلکہ لازم ہے کہ جو کچھ پڑھے اس کے مطالب پر غور و فکر کرے، اور جو کچھ کہتا ہے اس سے خود بھی نصیحت پکڑے۔ پس جب زبان پر اللہ تعالیٰ پروردگار عالم کا ذکر جاری ہو تو اس کی عظمت اور قدرت کی ہیبت اس کے قلب پر طاری ہونی چاہیے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم و اذا تلیت علیھم آیاتہ زادتھم ایماناً" (یعنی ایمان والوں کی نشانی یہ ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دلوں پر اس کی ہیبت طاری ہو، اور جب آیات قرآنی ان کے سامنے پڑھی جائیں تو ان کے ایمان میں اور پختگی پیدا ہو) اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کی صفات رحمت و احسان کا بیان ہو تو واجب ہے کہ انسان دل میں سوچے کہ ان صفات کریمہ سے وہ کس طرح خود کو آراستہ کر سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تخلقو باخلاق اللہ فھو سبحانہ کریم عفو غفور عادل لا یظلم الناس شیئا" (یعنی لوگو! تم اپنے اندر خلق الٰہی پیدا کرو، وہ ذات پاک بخشش کرنے والی، معاف کرنے والی، مغفرت کرنے والی اور عادل ہے، اور کسی پر مطلق ظلم نہیں کرتی) لہٰذا انسان مکلّف ہے کہ اپنے آپ میں یہ اخلاق پیدا کرے اب اگر

Marfat.com

کوئی شخص قرآن حکیم کی ایسی آیت پڑھے گا جن میں اللہ تعالیٰ کی صفات کریمہ کا بیان ہے، اور اس کے مطالب کو سمجھے گا، اور یہ عمل دن رات میں بکثرت بار بار کیا جائے گا تو لامحالہ اس کی طبیعت اس سے متاثر ہوگی ، اور جب طبیعت پر ان صفات جمیلہ کا اثر ہوگا تو اس کی طبیعت ان صفات سے خود بخود متصف ہونے کی جانب مائل ہوگی۔ غرض تہذیب نفس واخلاق کے لیے یہ عمل سب سے زیادہ کارگر ہے۔

چوتھا جزو ''رکوع وسجود'' (یعنی اللہ تعالیٰ کے آگے جھکنا اور سجدہ کرنا) ہے۔ یہ اعمال اس مالک الملک خالق ارض وسماو مافیہا کی تعظیم کا نشان ہیں۔ لیکن نماز پڑھنے والا جو اپنے رب کے حضور (نماز میں) جھکتا ہے، اس کے لیے صرف یہ کافی نہیں ہے کہ خاص کیفیت کے ساتھ اپنی پیٹھ کو دہری کر لے، بلکہ ضروری ہے کہ اس کا دل اس امر سے آگاہ ہو کہ وہ ایک ادنیٰ بندہ ہے، اپنے خدائے بزرگ و برتر کے آگے جھکتا ہے، جس کی قدرتوں کا کچھ شمار نہیں، اور اس کی عظمتوں کی کوئی انتہا نہیں۔ نمازی کے دل میں جب یہ تصور دن رات کے اندر متعدد بار پیدا ہوگا، تو اس کا قلب ہمیشہ اپنے پروردگار (کے عذاب) سے خائف رہے گا اور کوئی ایسا کام جو رضائے الٰہی کے خلاف ہو، اس سے سرزد نہ ہوگا۔ اسی طرح نمازی جو اپنے خالق کے آگے سربسجود ہو کر اپنی پیشانی کو زمین پر رکھتا ہے تو گویا اپنے پروردگار کی بندگی کا اظہار کرتا ہے، لہٰذا اس کا دل بندگی کی بے چارگی اور خالق و پروردگار عالم کی عظمت سے آگاہ ہوتا ہے۔ اس سے لازم ہے کہ اس کے دل میں خوف وخشیت الٰہی پیدا ہو، اور اس کے نفس کی تہذیب ہو، اور گناہوں اور ناپسندیدہ باتوں سے باز رہے۔

ان امور کے علاوہ نماز میں اور بھی عظیم الشان اجتماعی مفید باتیں ہیں، منجملہ ان کے ایک ''جماعت'' ہے۔ اسلام میں نماز باجماعت کا حکم ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب فرمائی ہے کہ ''صلوٰۃُ الجماعة افضل من الصلوٰة الفذ بسبع و عشرين درجة '' (یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں اکیلے نماز پڑھنے سے ستر درجے زیادہ فضیلت ہے)۔

سیدھی اور پیوستہ صفوں میں اکٹھا ہو کر نماز پڑھنے سے اس امر کا اظہار ہے کہ ان کے جدا جدا قلوب باہم ایک دوسرے کے قریب ہیں اور کینہ وحسد سے دور ہیں۔ اتحاد واتفاق کے لیے، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں دیا ہے، یہ عمل سب سے زیادہ کارگر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''واعتصموا بحبل الله جميعاً و لا تفرقوا'' (یعنی لوگو! اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور باہم پھوٹ نہ ڈالو) نیز نماز باجماعت اس اخوت کی یاد دلاتی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''انما المومنون اخوة'' (یعنی تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں)۔ پس وہ مسلمان

Marfat.com

جو پروردگار واحد کی عبادت کے لیے جمع ہوتے ہیں انہیں یہ بات فراموش نہ کرنی چاہیے کہ وہ بھائی بھائی ہیں۔ لہٰذا لازم ہے کہ جو ''بڑے'' ہیں وہ چھوٹوں پر رحم کریں، اور جو ''چھوٹے'' ہیں وہ اپنے بڑوں کی توقیر کریں۔ جو امیر ہیں وہ غریبوں کی حاجت روائی، اور جو قوی ہیں وہ کمزوروں کی اعانت کریں، اور صحت مند اشخاص مریضوں کی تیمارداری کریں، تاکہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر عمل ہو کہ: ''المسلم اخوا المسلم ،لا یظلمه و لا یسلمه، من کان فی حاجة اخیه کان الله فی حاجته، و من فرج عن مسلم کربة من کرب الدنیا فرج الله بما عنه کربة من کرب یوم القیامة و من ستر مسلماً ستره الله یو م القیامة'' (یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، پس چاہیے کہ نہ اس پر ظلم کرے، نہ اسے نقصان پہنچائے۔ جو شخص ضرورت پڑنے پر اپنے بھائی کے کام آئے گا اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پر اس کے کام آئے گا۔ جس نے کسی مسلمان کی کوئی مشکل حل کر دی، اللہ تعالیٰ قیامت کی مشکلات میں سے اس کی مشکل کو حل کر دے گا۔ جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی پردہ پوشی فرمائے گا)۔ غرض اگر نماز کی تمام خوبیوں کو بیان کیا جائے تو اس کے لیے دفتر کے دفتر درکار ہوں گے، لہٰذا اسی قدر پر اکتفا کیا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو دین حنیف پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے! بلاشبہ وہ دعا ؤں کا سننے والا ہے۔

صلوٰۃ (نماز کی تعریف)

لفظ ''صلوٰۃ'' کے لغوی معنی: دعائے خیر کے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وصل علیهم'' یعنی ان کے لیے دعا کر۔ اور (دوسرے معنی ہیں) اپنی رحمت ان پر نازل فرما۔ اصطلاحِ فقہ میں اس کے معنی ان اقوال وافعال (کے مجموعے) کے ہیں جو تکبیر (تحریمہ) سے شروع ہوتے اور سلام پر ختم ہوتے ہیں۔ اور اس کے لیے خاص شرائط ہیں۔ یہ تعریف ہر نماز کو شامل ہے جو تکبیر تحریمہ سے شروع ہو کر سلام پر ختم ہو، لہٰذا اس کے مفہوم سے سجدۂ تلاوت خارج ہے۔ سجدۂ تلاوت تو وہ سجدہ ہے جو قرآن کی آیتِ سجدہ سننے پر بغیر تکبیر و سلام کیا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ اس سجدے کو حنفیہ اور شافعیہ نماز سے تعبیر نہیں کرتے۔ (۱)

۱۔ مالکیہ اور حنابلہ نے نماز کی تعریف اس طرح کی ہے کہ نماز ''قربت فعلیہ'' ہے جس میں نیت اور سلام اور سجدہ شامل ہے۔ لفظ ''قربت'' کے معنی وہ عمل جو قرب الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ ہو۔ اور لفظ فعلیہ میں وہ اعمال شامل ہیں جو اعضائے جسم سے انجام دیے جائیں، مثلاً رکوع وسجود، اور زبان سے، مثلاً قرآن اور تسبیح کا پڑھنا، اور قلب سے، مثلاً خشوع وخضوع۔

Marfat.com

نماز کی اقسام

نماز کی چند قسمیں ہیں جن کی تفصیل مختلف مسالک میں کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو ذیلی حاشیہ۔ (۱)

نماز کی شرائط

نماز کے صحیح ہونے کی چند شرائط ہیں کہ ان کے بغیر نماز درست نہیں ہو سکتی۔ نیز نماز کے واجب ہونے کی بھی چند شرائط ہیں کہ ان کے بغیر نماز واجب نہیں ہوتی۔ مختلف مسالک کی اصطلاح میں ان شرائط اور ان کی تعداد کے بارے میں اختلافات ہیں۔ تفصیل ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

حنفیہ اور شافعیہ نے مالکیہ کی اس تعریف سے اختلاف نہیں کیا، البتہ صرف اس امر میں اختلاف ہے کہ سجدۂ تلاوت کو وہ صلوٰۃ شرعی قرار دیتے ہیں، اور یہ معمولی بات ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز کی چار قسمیں ہیں: ایک نماز فرض عین، جیسے پنج وقتہ نمازیں۔ دوسری نماز فرض کفایہ، جیسے نماز جنازہ۔ تیسرے نماز واجب جیسے ''نماز وتر'' اور ان نوافل کی قضا جس کو شروع کرنے کے بعد ٹوٹ گئی ہو۔ اور عیدین کی نماز۔ چوتھی قسم نماز نفل، خواہ وہ سنت ہو یا مندوب ہو۔ رہا سجدۂ تلاوت سو یہ ان کے نزدیک نماز کے زمرے میں نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ نماز کی پانچ قسمیں ہیں، اور صورت تقسیم یہ ہے کہ نماز یا تو رکوع، سجود، قرأت احرام اور سلام والی ہوگی، یا ان کے بغیر ہوگی۔ پہلی صورت کی نمازوں کی تین قسمیں ہیں: اول پنج وقتہ فرض نمازیں، دوم نوافل اور سنتیں، سوم ''رغیبہ'' یعنی فجر کے وقت کی دو رکعت نماز۔

اور دوسری صورت کی نماز کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جس میں صرف سجدہ ہو، جیسے سجدۂ تلاوت، اور دوسری وہ جس میں تکبیر وسلام ہو اور رکوع وسجود نہ ہوں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نماز کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو رکوع، سجود اور قرأت پر مشتمل ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں: پنج وقتہ فرض نمازیں اور نفل نمازیں۔ دوسری وہ نماز جس میں رکوع وسجود نہیں ہوتا، لیکن تکبیر، قرأت اور سلام پر مشتمل ہوتی ہے جیسے نماز جنازہ۔ ان کے نزدیک نماز واجب کوئی نہیں ہے، جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں، اور نہ صلوٰۃ رقیبہ ہے جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں۔ شافعیہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت نماز نہیں ہے، جیسا کہ حنابلہ اور مالکیہ کہتے ہیں۔ لہٰذا شافعیہ کے نزدیک نماز کی صرف تین قسمیں ہیں۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نماز کی چار قسمیں ہیں۔ وہ نماز جو رکوع، سجود، احرام اور سلام پر مشتمل ہے۔ اس کے تحت دو قسمیں ہیں: پنج وقتہ فرض نمازیں اور مسنونہ نمازیں۔ تیسری قسم وہ ہے جو تکبیر، سلام اور قرأت پر مشتمل ہے۔ اس میں رکوع وسجود نہیں ہوتا۔ یہ نماز جنازہ ہے۔ چوتھی قسم کی وہ نماز ہے جس میں صرف سجدہ ہے۔ یہ سجدۂ تلاوت ہے، اور سجدۂ تلاوت حنابلہ کے نزدیک (نماز کی ایک قسم) ہے جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ شرائط صلوٰۃ کی تین قسمیں ہیں: شرائط وجوب فقط، شرائط صحت فقط، شرائط وجوب و

Marfat.com

صحت معا۔

پہلی قسم کی شرائط یعنی (نماز کو) واجب کرنے والی شرطیں۔ ان میں دو امور ہیں: ایک تو بالوں غ ہونا کہ نابالوں غ پر نماز واجب نہیں ہے، لیکن سات سال کی عمر ہی سے بچے کو نماز کے لیے کہنا چاہیے اور دس سال کا ہو جائے تو اسے نماز کا عادی بنانے کے لیے کچھ مار پیٹ بھی کرنی چاہیے۔ ہر چند کہ تمام شرعی احکامات کی غرض نیکی کا حصول اور بدی سے احتراز پر مبنی ہے اور مکلف ہونے کے بعد اس پر عمل کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ تاہم اس کی عادت ڈال لینے کا مستقل حکم ہے۔ انسان اتنا تو جانتا ہے کہ نماز میں جو مادی اور اخلاقی فوائد ہیں اس کے لیے نماز کا ادا کرنا کافی ہے، لیکن اگر اس پر عمل کرنے کی عادت نہ ہو تو انسان اس کی ادائیگی پر قائم رہنے سے رہ جاتا ہے۔

(وجوب نماز کے لیے) دوسرا امر یہ ہے کہ "ترک صلوٰۃ" پر کسی کو مجبور نہ کیا گیا ہو۔ مثلاً کوئی ظالم نماز پڑھنے پر جبر کرے کہ اگر نماز کو ترک نہ کیا تو قید کر دیا جائے گا، یا مارا پیٹا جائے گا، یا قتل کر دیا جائے گا، یا ہاتھ باندھ دیے جائیں گے، یا منہ پر تھپڑ مارنے سے لوگوں میں اس کی ہتک عزت کا اندیشہ ہو۔ ان حالات سے مجبور ہو کر اگر کسی نے نماز نہ پڑھی تو گناہ نہیں ہے، بلکہ جب تک یہ مجبوری کی حالت رہے نماز واجب ہی نہیں ہوتی، کیونکہ مجبور انسان غیر مکلف ہوتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "رفع عن امتی الخطاء و النسیان و ما استکر ھوا علیه" (یعنی اللہ تعالیٰ نے میری امت کی بھول چوک کو اور ایسے کام کو جو جبراً کرائے جائیں، معاف فرما دیا ہے) اور وہ امور جو مجبور انسان پر مالکیہ کے نزدیک واجب نہیں رہتے وہ اعمال کا ظاہری صورت میں انجام دینا ہے۔ مگر یہ کہ اگر طہارت ممکن ہو جائے تو جس طرح ممکن ہو اسی طرح کیا جائے، مثلاً نیت باندھ کر قرأت کرنا اور اشارے کے ساتھ نماز پڑھ لینا۔ مجبور کی مثال ایسے معذور مریض کی سی ہے کہ (اعمال صلوٰۃ میں سے) جو کچھ کر سکتا ہے اس کو بجالائے، جو نہیں کر سکتا وہ اس سے ساقط ہے۔

دوسری قسم کی شرائط یعنی شروط صحت فقط کی تعداد پانچ ہے: حدث سے پاک ہونا، گندگی سے پاک ہونا، مسلمان ہونا، قبلہ رو ہونا اور ستر ڈھانپنا۔

تیسری قسم شرائط یعنی وجوب وصحت کی متفقہ شرطیں چھ ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا کسی شخص تک پہنچنا، جس کو دعوت نہیں پہنچی اس پر نماز واجب نہیں، اگر بالوں فرض پڑھ لی تو درست نہیں ہے۔ صاحب عقل ہونا (یعنی انسان عقل باختہ یا پاگل نہ ہو) اور نماز کا وقت ہو اور فاقد الطہورین نہ ہو، یعنی ایسا نہ ہو کہ نہ پانی دستیاب ہو اور نہ ایسی چیز جس پر تیمم کیا جا سکے، اور حالت خواب یا حالت غفلت نہ ہو، اور حیض ونفاس کی حالت نہ ہو۔

اس (تفصیل) سے معلوم ہوتا ہے کہ مالکیہ نے صحت نماز کی شرائط میں اسلام کا اضافہ فرمایا ہے اور اس کو نماز کے واجب ہونے کی شرط قرار نہیں دیا۔ لہٰذا ان کے نزدیک کافروں پر نماز واجب ہے، گو ان کی نماز درست نہ ہوگی، جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہوں۔ دوسرے ائمہ کا اس سے اختلاف ہے، ان کے نزدیک مسلمان ہونا نماز کے واجب ہونے کی شرائط میں ہے۔ انہوں نے طہارت کی شرط کو دو شرطیں شمار کیا ہے: "حدث سے پاک ہونا" اور نجاست سے پاک ہونا" وجوب صلوٰۃ کی شرطوں میں انہوں نے ترک صلوٰۃ پر مجبور نہ کیا جانا، اضافہ کیا ہے۔

شافعیہ نے شرائط صلوٰۃ کی صرف دو قسمیں قرار دی ہیں: شروط وجوب" و "شروط صحت" شروط وجوب (واجب

Marfat.com

ہونے کی شرطیں) ان کے نزدیک چھ ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا پہنچنا، مسلمان ہونا، چنانچہ شافعیہ کے نزدیک کافر پر نماز واجب نہیں ہے، باوجود اس کے (ترک نماز کا) عذاب اس کو عذاب کفر کے علاوہ ہوگا۔ البتہ مرتد پر نماز واجب ہے، کیونکہ اس کو سابقہ حیثیت کے اعتبار سے مسلمان تصور کیا جائے گا۔ (نیز منجملہ شروط وجوب کے) عاقل ہونا، بالوں غ ہونا، حیض ونفاس سے پاک ہونا اور حواس کا قائم ہونا ہے۔ اس کے لیے صرف بصارت اور سماعت کا قائم ہونا کافی ہے۔

شروط صحت (نماز کے صحیح ہونے) کی شرطیں سات ہیں: اول بدن کا دونوں حدثوں سے پاک ہونا۔ دوم بدن، کپڑے اور نماز کی جگہ کا نجاست سے پاک ہونا۔ سوم ستر کا ڈھکنا۔ چہارم قبلہ رخ ہونا۔ پنجم اپنی دانست میں نماز کا وقت ہونا، خواہ یہ گمان ہی کی بنا پر ہو۔ واضح ہو کہ علم کے تین درجے ہیں: اول یہ کہ انسان کو خود معلوم ہو یا کسی معتبر سے درست گھڑی کے ذریعے وقت کا پتہ چل جائے، یا وقت آشنا مؤذن کی اذان سن کر، یعنی ان مساجد کے مؤذنین کی اذان سے جہاں گھنٹہ وغیرہ موجود ہو۔ وقت جاننے کا دوسرا طریقہ اجتہاد ہے، کہ تمام ممکن الحصول ذرائع سے انسان اپنے دل سے وقت کا اندازہ لگائے۔ تیسرا طریقہ اس شخص کی پاؤں وی ہے جس نے اپنی فراست سے کام لے کر وقت کا اندازہ لگایا ہو۔ اس طرح سے وقت کا تعین بینا اشخاص ہی کا کام ہے، نابینا کو تو صرف دوسروں کی پاؤں وی واجب ہے۔

صحت نماز کی چھٹی شرط نماز کے طریقے سے واقف ہونا ہے۔ ساتویں شرط نماز باطل کرنے والی شے سے کنارہ کش ہونا ہے۔

غرض شافعیہ نے صحتِ صلوٰۃ کی شرائط میں مالکیہ کی شرائط سے تین شرطیں زیادہ کی ہیں: یعنی طریقہ نماز سے واقف ہونا، بایں طور کہ عامی شخص نماز کے کسی فرض کو سنت نہ سمجھ لے، اور فرض اور سنت میں امتیاز کرتا ہو۔ اگر کچھ عرصہ بھی حصول علم کی کسی نے کوشش کی تو اتنا علم حاصل ہو ہی جاتا ہے۔ اور نماز توڑنے والی چیزوں سے کنارہ کش ہونا۔ بایں طور کہ نماز ختم کرنے تک کوئی ایسی بات نہ ہونے دے جو منافی صلوٰۃ ہو اور وقتی نمازوں کے لیے وقت سے واقف ہونا۔ (یہ تین امور تو صحت نماز کی شرائط میں اضافہ ہیں) اور وجوب کی شرطوں میں شافعیہ نے ''اسلام'' کا اضافہ کیا ہے، لیکن ان کا کہنا ہے کہ اگر کوئی کافر بھی اسلام سے واقف نہیں ہوا تو اس پر نماز واجب نہیں ہے۔ واجب نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس پر نماز کا مطالبہ عائد نہیں ہوتا۔ یہ اور بات ہے کہ آخرت میں عذاب کفر کے علاوہ ترک نماز کا عذاب بھی اس پر ہوگا، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ لیکن مرتد سے (جو اسلام سے پھر گیا ہو) دنیا میں بھی نماز کا مطالبہ ہے اور آخرت میں بھی عذاب کا مستحق ہو گا۔ مزید براں وہ کہتے ہیں کہ اگر کافر نماز پڑھے تو اس کی نماز باطل ہوگی۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ مسلمان ہونا (شرط وجوب کے ساتھ) شرط صحتِ نماز بھی ہے۔

حنفیہ نے شافعیہ کی طرح شرائط صلوٰۃ کی دو قسمیں بتائی ہیں: ''شروط وجوب'' و ''شروط صحت'' لیکن ان کے نزدیک نماز کے واجب ہونے کی پانچ شرطیں ہیں: بلوغ دعوت (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا پہنچنا)، مسلمان ہونا، عاقل ہونا، بالوں غ ہونا اور حیض ونفاس سے پاک ہونا۔ حنفیہ میں سے اکثریت ایسے اصحاب کی ہے جو بلوغ دعوت کو شرط وجوب قرار نہیں دیتے، اس لیے کہ مسلمان ہونا جو شرط ہے اسی کو کافی سمجھتے ہیں۔

شروط صحت (یعنی نماز کے صحیح ہونے کی شرطیں) چھ ہیں: بدن کا حدث اور نجاست سے پاک ہونا، کپڑے کا

Marfat.com

نماز کے فرض ہونے کی دلیل اور فرض نمازوں کی تعداد کا بیان

پنج وقتہ نمازیں، مکہ میں، مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے ایک سال پہلے، معراج کی رات کو فرض ہوئیں۔ ان کے اوقات وہی ہیں جو مشہور ہیں، یعنی ظہر عصر، مغرب، عشا اور فجر کا وقت۔

ان فرض نمازوں میں سب سے پہلے جو نماز حضور ﷺ نے پڑھی وہ ظہر کی نماز تھی۔ ان فرض نمازوں کا جن کے بغیر کسی کا اسلام ثابت نہیں ہو سکتا، فرض ہونا، کتاب، سنت اور ائمہ دین کے اجماع سے ثابت ہے۔ جو شخص ان کے فرض ہونے سے انکار کرے وہ بالاتفاق مرتد (دین اسلام سے پھرا ہوا) ہے۔

نجاست سے پاک ہونا، جگہ کا نجاست سے پاک ہونا، ستر ڈھکنا، نیت کرنا اور قبلہ رخ ہونا۔ وجوب صلوٰۃ کی شرطوں میں انہوں نے شافعیہ کی طرح ''اسلام'' کا اضافہ کیا ہے، لیکن وہ کہتے ہیں کہ کافر عذاب کفر کے علاوہ ترک نماز کے عذاب کا مطلقاً مستوجب ہوگا، لیکن ظاہر ہے کہ کفر کے عذاب سے زائد عذاب ایک خیالی نظریہ ہے، عملی نظریہ نہیں ہے، کیونکہ کفر کا عذاب سخت ترین عذاب ہے، اس سے ہٹ کر جس عذاب کا تصور بھی کیا جائے وہ اس سے کم تر درجے کا ہوگا۔ لہٰذا وہ عذاب یا تو اس میں داخل ہوگا یا اس سے کم ہوگا۔

حنفیہ نے (صحتِ صلوٰۃ کی شرائط میں) نیت کا اضافہ کیا ہے، بغیر نیت کے نماز صحیح نہیں ہوتی، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''انما الاعمال بالنیات'' (یعنی اعمال کے صحیح ہونے کا انحصار نیتوں پر ہے) اور اس لیے بھی کہ نیت ہی ایک ایسی شے ہے جس سے عادت اور عبادت میں یا ایک عبادت کو دوسری عبادت سے امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ نیت کو شرائط میں شمار کیے جانے سے حنابلہ کو اتفاق ہے۔ شافعیہ نے نیت کو نماز کا رکن قرار دیا ہے اور بقول مشہور مالکیہ نے بھی ایسا ہی کیا ہے، جیسا کہ ارکان صلوٰۃ میں بتایا جائے گا۔

شرط اور رکن کا فرق سابقاً نیت کے بیان میں بتایا جا چکا ہے کہ ان دونوں میں سے کسی کے بغیر عمل صحیح نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا چاروں آئمہ کا اس امر میں اتفاق ہوا کہ نیت کے بغیر نماز صحیح نہ ہوگی۔ نیت کا شرط ہونا یہ ہے کہ گویہ عمل نماز کی ماہیت سے خارج ہے لیکن نماز کی صحت اس پر موقوف ہے۔ اس کا رکن قرار دینا بھی یہی ہے کہ صحت صلوٰۃ اس پر موقوف ہے، کیونکہ نیت ماہیت صلوٰۃ کا ایک حصہ ہے۔ لیکن یہ مسائل ان طالبان علم کے لیے ہیں جو امور نظریہ کی باریکیوں کو سمجھنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔

واضح ہو کہ حنفیہ نے ''دخول وقت'' کو واجب ہونے کی شرط قرار دیا ہے نہ صحیح ہونے کی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ دخول وقت نماز کے ادا ہونے کی شرط ہے، نماز کے صحیح ہونے کی شرط نہیں، جیسا کہ تیمم کے بیان میں مذکور ہوا۔ مزید تفصیل ''دخول وقت'' کے بیان میں آئے گی۔

حنابلہ شروط صلوٰۃ کو شروط وجوب اور شروط صحت (کے دو حصوں) میں جیسا کہ دوسرے ائمہ نے کیا ہے، تقسیم نہیں کرتے، بلکہ انہوں نے نماز کی نو شرطیں قرار دی ہیں جو یہ ہیں: اسلام۔ عقل۔ تمیز۔ حدث اور نجاست سے پاک ہونا، ستر عورت بدن، لباس (نماز کی) جگہ کا نجاست سے خالی ہونا، قبلہ رخ ہونا، اور وقت کا موجود ہونا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ شرائط موجود ہوں تو نماز صحیح ہوگی۔

Marfat.com

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً "(یعنی بلاشبہ نماز مؤمنین پر فرض ہے جن کے اوقات مقرر ہیں)۔اس آیت میں لفظ کتاب بمعنی مکتوب مفروض کے ہیں، (یعنی وہ امر جس کو فرض قرار دیا گیا ہے)۔لفظ موقوت کے معنے ہی ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے اوقات کی حد مقرر ہے۔اس آیت میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ نماز مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے، اس کے اوقات کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا ہے کہ (اس باب میں) اللہ کی طرف سے جو کچھ ان پر نازل ہوا ہے وہ لوگوں کو بتا دیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی بکثرت آیات میں مسلمانوں کو اقامتِ صلوٰۃ کا مکلّف فرمایا ہے۔

ممکن ہے کہ بعض لوگ کہیں کہ قرآن حکیم سے تو صرف نماز کی فرضیت ثابت ہے، اس کی تعداد کے پانچ ہونے اور خاص طریقہ سے ادا کیے جانے کی بابت قرآن میں کوئی رہنمائی نہیں ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ہے کہ جو کچھ بھی ان پر (اللہ کی طرف سے) نازل ہوا وہ سب لوگوں بتا دیں، ساتھ ہی لوگوں کو یہ حکم ہے کہ رسول ﷺ جس طرح فرمائیں اس کی پاؤں وی کرو۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ما آتا کم الرسول فَخُذُوهُ و مانَهٰکُمْ عنه فانتهوا "(یعنی جو کچھ رسول ﷺ کا ارشاد ہے اس پر عمل کرو اور جس بات سے منع کیا گیا ہے اس سے باز رہو) لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بھی اللہ کی طرف سے فرمایا وہ گویا قرآن ہی سے ثابت ہے۔بکثرت صحیح احادیث ایسی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نمازوں کی تعداد پانچ ہے۔یہ احادیث تواتر کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہیں۔منجملہ ان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کا یہ ارشاد ہے " ارأیتم لو ان نَهَراً بباب احد کم، یغتسل فیه کل یو م خمس مرات هل یبقی من درنه شیء؟ قالوا لا یبقی من درنه شی، قال: فکذلک مثل الصلوۃ الخمس یمحو الله بهن الخطایا."بخاری، مسلم۔ترمذی۔نسائی۔ (یعنی لوگو! تمہارا کیا خیال ہے اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو اور وہ روزانہ پانچ بار اس میں نہاتا ہو تو کیا اس کا میل کچیل کچھ باقی رہ جائے گا؟ سب نے کہا کہ کچھ بھی میل کچیل باقی نہ رہے گا۔ارشاد ہوا کہ پانچوں نمازوں کی یہی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے گناہوں کو دور کر دیتا ہے)۔یہ حدیث پنج گانہ نماز کی واضح دلیل ہے۔اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الصلوٰۃ الخمس و الجمعه الی الجمعة کفارة لما بینهن مالم تغش الکبائر"، مسلم، ترمذی وغیرہ۔(یعنی پنج وقتہ نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کی نمازیں درمیانی عرصہ کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں، جب تک کہ کوئی گناہ کبیرہ میں ڈوبا نہ ہو) نیز حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

فرمایا: " مثل الصلوة الخمس كمثل نهر جار غمر على باب أحدكم يغتسل منه كل يوم خمس مرات. (مسلم) (یعنی پنج وقتہ نمازوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے دروازے پر بھرپور نہر ہو اور وہ ہر روز اس میں پانچ بار نہاتا ہو) اس حدیث میں لفظ غمر (بہ فتح غین وسکون میم) کے معنے کثیر کے ہیں۔ (اس باب میں) ان کے علاوہ بھی اور احادیث آئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ مسلمانان کا اس پر اجماع ہے کہ فرض نمازیں پانچ ہیں، یعنی ظہر عصر وغیرہ جیسا کہ ابھی بتایا گیا۔ لیکن ان اوقات کی حد بندی میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ مثلاً ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ وقت کی دو قسمیں ہیں: ضروری اور اختیاری۔ یہ قول مالکیہ کا ہے۔ اور کچھ کہتے ہیں کہ ظہر کا وقت کسی شے کا سایہ اس کے برابر ہو جائے تو ختم ہو جاتا ہے، اور بعض اصحاب کہتے ہیں کہ جب تک سایہ دگنا نہ ہو جائے ظہر کا وقت ختم نہیں ہوتا۔ اسی طرح کے اور بھی اختلافات ہیں جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

فرض نمازوں کے اوقات کا بیان

شرائط نماز کے بیان میں سابقاً بتایا جا چکا ہے کہ نماز کی شرائط میں سے یہ ہے کہ اس کا وقت آ گیا ہو۔ چنانچہ جب تک کہ وقت نہ آجائے مکلّف پر نماز فرض نہیں ہوتی۔ یہ معلوم ہے کہ حنفیہ وقت کے موجود ہونے کو نہ نماز کے واجب ہونے کی شرط قرار دیتے ہیں اور نہ نماز کے صحیح ہونے کی شرط قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کا کہنا یہ ہے کہ وقت کا موجود ہونا نماز ادا کرنے کی شرط ہے (وجوب یا صحت کی شرط نہیں ہے)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک نماز کو وقت آنے پر نہ ادا کیا جائے صحیح نہ ہوگی۔ لیکن یہ معمولی بات ہے، کیونکہ حنفیہ بھی دوسرے اصحاب سے اس بارے میں متفق ہیں کہ نماز وقت آنے سے پہلے واجب نہیں ہوتی۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ وقت آنے پر (نماز کی بابت) شارع علیہ السلام نے جو فرمایا ہے اس میں کافی گنجائش ہے۔ یعنی اگر اول وقت میں نماز ادا کر لی گئی تو فبہا، ذمہ سے فرض ادا ہو گیا، لیکن اگر اول وقت میں ادا نہ کی گئی تب بھی اس وقت تک گناہ نہ ہوگا جب تک کہ وقت اتنا تھوڑا نہ رہ جائے۔ کہ اس میں صرف وضو یا غسل (جیسی بھی صورت ہو) کیا جا سکے اور نماز وقت گزرنے ہی پر پڑھی جا سکے۔ اب اگر پوری نماز وقت کے اندر اندر پڑھ لی گئی تو شارع کا حکم جیسا کہ مطلوب تھا پورا ہو گیا اور نماز اسی طرح ادا ہو گئی، جیسے اول وقت یا درمیانی وقت میں ہوتی۔ لیکن اگر پوری نماز وقت گزرنے کے بعد ادا ہوئی تو نماز صحیح ہو گی، لیکن وقت میں تاخیر کرنے کا گناہ بہت ہے۔ اگر نماز کا کچھ حصہ وقت کے اندر اور کچھ وقت گزر جانے پر پڑھا گیا تو اس صورت میں بعض ائمہ کہتے ہیں کہ یہ گناہ ہے۔ (۱)

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر وقت اختیاری کے اندر ایک رکعت نماز پڑھ لی پھر وقت نکل گیا اور باقی نماز وقت ضروری میں مکمل ہوئی تو گناہ نہ ہوگا، لیکن اگر پوری ایک رکعت وقتِ اختیاری میں نہیں ادا ہوئی تو گناہ ہوگا، خواہ پوری نماز وقت ضروری میں پڑھی گئی ہو یا اس کا کچھ حصہ وقت ضروری میں ادا ہوا ہو۔ یہ تفصیل کہ مالکیہ نے وقت کو ضروری اور

Marfat.com

اور بعض کہتے ہیں کہ گناہ نہیں ہے، کیونکہ اس مسئلہ میں سب متفق ہیں کہ اگر کچھ حصہ نماز کا وقت کے اندر ادا ہو جائے تو ساری نماز ادا میں شمار ہوگی قضا میں نہ ہوگی۔ لیکن بعض ائمہ کے نزدیک ادا ہو جانے سے گناہ کی نفی نہیں ہوتی۔ اس باب میں ائمہ کی رائے ذیلی حاشیہ میں بیان کی گئی ہے۔ اب ہم پنج وقتہ نمازوں کے اوقات کی حد جو مسالک مختلفہ کے نزدیک ہے، بیان کرتے ہیں۔

سب سے پہلی نماز ''ظہر'' ہے، جیسا کہ بتایا گیا۔ اس کا وقت سورج ڈھلنے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔

نماز کے اوقات پہچاننے کا طریقہ

نماز کے اوقات جاننے کے پانچ طریقے ہیں:

اول: فلکی گھڑیوں کے ذریعہ جن کو باقاعدہ ٹھیک حساب لگا کر تیار کیا گیا ہو، اور اب تو یہ شہروں اور قریوں میں عام ہیں اور اعمال شرعیہ کے اوقات اسی کے ذریعے معلوم کیے جاتے ہیں۔

دوم: سورج کے وقت زوال اور زوال کے بعد اس کے سایہ کے ذریعہ جس سے ظہر اور عصر کے

اختیاری دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، آگے آ رہی ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر نماز کا کچھ حصہ بھی وقت نکلنے سے پہلے ادا ہو گیا خواہ صرف تکبیر تحریمہ ہو تو نماز ادا متصور ہوگی، تاہم ان کا کہنا ہے کہ اگر پوری نماز وقت ختم ہونے سے پہلے ادا نہیں ہو سکی تو گناہ ہوگا۔ یہ گناہ صغیرہ ہے، کبیرہ نہیں ہے۔ اور یہ آگے معلوم ہوگا کہ حنفیہ مالکیہ کی طرح وقت کو ضروری اور اختیاری دو حصوں میں تقسیم نہیں کرتے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر وقت کے اندر ایک رکعت پوری نہیں پڑھی جا سکی تو وہ نماز قضا متصور ہوگی، ادا نہ ہوگی۔ ہاں اگر ایک رکعت کامل پڑھنے کے بعد وقت گزر گیا تو اس کا گناہ ہوگا لیکن اس گناہ سے کم جو قضا کرنے کی صورت میں ہوتا۔ پس شافعیہ اس امر میں حنفیہ سے متفق ہیں کہ پوری نماز کا معینہ وقت کے اندر ادا کیا جانا ضروری ہے، نیز اس میں بھی ان کا اتفاق ہے کہ اختیاری اور ضروری کی کوئی تقسیم نہیں ہے۔ شافعیہ اس امر میں مالکیہ سے متفق ہیں کہ جب تک پوری رکعت وقت اختیاری کے اندر نہ پڑھ لی گئی ہو نماز ادا متصور نہ ہوگی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ (وقت کے اندر) مل جائے تو وہ نماز ادا ہو جائے گی۔ لہٰذا اگر اخیر وقت میں کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہوا اور تکبیر تحریمہ کہہ لے، اس سے فارغ ہونے کے بعد وقت نکل جائے تو نماز ادا متصور ہوگی جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر تکبیر تحریمہ وقت نکلنے سے پہلے کہی گئی تو نماز کا وقت مل گیا اور نماز ادا ہو گئی۔ لیکن حنابلہ یہ نہیں کہتے کہ اس کا گناہ ہوگا کیونکہ نماز ادا ہوئی ہے قضا نہیں ہوئی۔

مندرجہ بالا تفصیل سے ٹھیک ٹھیک اور واضح طور پر یہ معلوم ہو گیا کہ ائمہ میں باہم کن امور میں اتفاق اور کن میں اختلاف ہے۔

Marfat.com

اوقات معلوم ہوتے ہیں۔

سوم: سورج کے غروب ہونے سے کہ مغرب کا وقت معلوم ہوتا ہے۔

چہارم: ایک خیال کے بموجب سرخ اور سفید شفق کے غائب ہونے سے، اس سے عشا کا وقت پہچانا جاتا ہے۔

پنجم: وہ سفیدی جو افق پر نمایاں ہوتی ہے اس سے وقت ''فجر'' کا پتہ چلتا ہے۔

ان اوقات کی نشان دہی ان احادیث صحیحہ میں کی گئی ہے جو ترمذی اور نسائی میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ: "جاء جبریل الی النبی صلی الله علیه وسلم حین زالت الشمس، فقال: قم یا محمد فصل الظهر، حین ضالت الشمس ثم مکث حتی اذا کان فئی الرجل مثله جاءَهُ للعصر فقال قم یا محمد فصل العصر ثم مکث حتی اذا غاب الشمس جاءه فقال قم فصل المغرب فقام فصلاها حین غابت الشمس سواء ثم مکث حتی اذا غاب الشفق جاءَهُ فقال: قم فصل العشاء فقام فصلها ثم جاءَهُ حین سطع الفجر فقال: قم یا محمد فصل الصبح" (یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زوال آفتاب کے وقت آئے اور جب سورج جھک گیا تو انہوں نے کہا، اے محمد! اٹھیے اور ظہر کی نماز پڑھیے۔ پھر حضرت جبرئیل ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ انسان کے قد کا سایہ اس کے برابر ہو گیا، تو آپ کے پاس عصر کے وقت آئے اور کہا اے محمد اٹھیے اور عصر کی نماز پڑھیے۔ پھر توقف کیا، یہاں تک کہ سورج غائب ہو گیا تو پھر آئے اور کہا کہ مغرب کی نماز پڑھیے آپ اٹھے اور جب سورج اچھی طرح چھپ گیا تو مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر حضرت جبرئیل ٹھہرے رہے اور جب شفق غائب ہو گئی تو کہا کہ اٹھیے اور عشا کی نماز پڑھیے، تب آپ اٹھے اور نماز عشا پڑھی۔ اس کے بعد جب سپیدۂ صبح نمودار ہوا تو پھر آئے اور کہا اے محمد! اٹھیے اور صبح کی نماز پڑھیے۔ یہاں تک تو اس حدیث سے ہر نماز کے وقت کی ابتدا معلوم ہوئی اس کا کچھ حصہ وہ ہے جس سے وقت کی انتہا کا پتہ چلتا ہے اور مدعا اس (حصہ) کا یہ ہے کہ حضرت جبرئیل دوپہر ڈھلے آئے اور جب سایہ برابر کا ہوا تو نماز ظہر کے لیے کہا، اور جب سایہ دگنا ہو گیا تو نماز عصر کے لیے کہا، اور نماز مغرب اول وقت میں پڑھنے کے لیے کہا اور جب ایک تہائی رات گزر گئی تو رات کی نماز (عشا) پڑھنے کے لیے کہا، اور پھر جب صبح کی سفیدی اچھی طرح نمودار ہو گئی تو فجر کی نماز کو کہا، اور پھر یہ بتایا کہ (اول اور آخر وقت کا) درمیانی وقت کل نماز کے وقت میں داخل ہے......الخ

غرض اس حدیث سے اور ایسے ہی دوسری احادیث سے قدرتی علامات کے ذریعہ جن کا انحصار آسمانی تقویم، منضبط اوقات اور ہمیشہ پیش آنے والے وقتوں سے ہے، نماز کے اوقات معلوم ہوتے ہیں۔

Marfat.com

اب اوقات نماز کے تعین کے بارے میں ائمہ کی آراء تفصیل کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں، ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوگا کہ بعض ائمہ نے [1] وقت کو 'ضروری' اور 'اختیاری' دو قسموں میں تقسیم کیا ہے، اور بعض نے یہ تقسیم نہیں کی۔

ظہر کا وقت

ظہر کا وقت سورج کا زوال شروع ہوتے ہی آجاتا ہے۔ یعنی جس وقت بھی سورج وسط آسمان سے جھکا اسی وقت ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے [2] اور اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک کہ ہر چیز کا سایہ اس کی بلندی کے برابر نہ ہو جائے۔ اس کو جاننے کے لیے چاہیے کہ ایک سیدھی لکڑی یا ایسی ہی کوئی اور شے دوپہر سے پہلے زمین پر سیدھی گاڑ دی جائے۔ قدرتی طور پر اس کا سایہ ہوگا اور وہ سایہ آہستہ آہستہ کم ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ بہت تھوڑا سا سایہ رہ جائے گا۔ اس وقت سایہ (کا گھٹنا) ٹھہر جائے گا۔ اب اگر کچھ بھی سایہ باقی ہے تو جہاں تک وہ سایہ ہے اس پر نشان لگا دیا جائے، اگر سایہ بالکل نہ ہو تو جہاں لکڑی گڑی ہے وہی نشان ہے۔ یہ کیفیت ''استوائی'' علاقوں میں ہوتی ہے (جہاں دوپہر کو سایہ بالکل نیچے چھپ جاتا ہے) غرض جہاں پر (دوپہر کے وقت) سایہ ٹھہر جائے (یعنی کم سے کم ہی وہی استوا کا وقت ہے۔ اب سایہ پھر بڑھنے لگے تو جان لینا چاہئے کہ سورج ڈھلنے لگا۔ یعنی آسمان کے وسط سے جھک گیا۔ یہیں سے ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ جب اس لکڑی کا سایہ علاوہ اس سایہ کے جو استوا کے وقت تھا لکڑی کے لمبائی کے برابر ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جائے گا۔

۱۔ مالکیہ نے وقت کی ایک قسم اختیاری بتائی ہے۔ اس سے وہ وقت مراد ہے جو نماز ادا کرنے کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔ اور ایک قسم وقت کی ضروری ہے (یعنی مجبوری کا وقت) جو وقت نکلنے کے بعد کا ہے۔ اسے ضروری اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اہل ضرورت (یعنی مجبوری کی حالت والے) کا وقت ہے مجبوری کی حالت مثلاً فراموشی یا حیض یا بے ہوشی یا جنون کے باعث نماز سے معذوری ہو۔ ایسی حالت (مجبوری) نہ ہو تو ان اوقات میں نماز پڑھنا گناہ ہے، البتہ اگر ایک رکعت بھی وقت اختیاری میں پڑھ لی گئی تو گناہ نہ ہوگا۔ ضروری وقت کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

حنابلہ نے عصر کے وقت کی دو قسمیں بتائی ہیں: ضروری اور اختیاری۔ اختیاری وقت اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب ہر چیز کا سایہ دگنا ہو جائے اور ضروری وقت اس کے بعد غروب آفتاب تک ہے۔ ان کے نزدیک عصر کی نماز کو ضروری وقت پر ڈال رکھنا حرام ہے، اگرچہ نماز ادا پڑھنی ہو۔ ان کے نزدیک عشا کی نماز کی مثال عصر ہی جیسی ہے، جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ ظہر کا اختیاری وقت ہے اور اس کا ضروری وقت عصر کا اختیاری وقت آجانے پر شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب تک رہتا ہے۔

Marfat.com

عصر کا وقت

جب سایہ کسی شے کی اپنی لمبائی سے زیادہ ہو جائے، بغیر اس کے کہ اس میں اس سایہ کو شامل کیا جائے جو زوال کے وقت تھا، تو عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ عصر کا وقت سورج کے غروب ہونے پر جاتا رہتا ہے[1]

مغرب کا وقت

مغرب کا وقت جب شروع ہوتا ہے کہ سورج کی پوری ٹکیا غائب ہو جائے اور جب شفق کی سرخی غائب ہو جائے تو مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے[2] اور عشا کا وقت شروع ہوتا ہے جو شفق کے غائب ہونے

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ عصر کے دو وقت ہیں: ''ضروری'' اور ''اختیاری'' ضروری وقت وہ ہے جب دھوپ زمین اور دیوار پر پیلی سی معلوم ہو۔ یہ نہیں کہ دھوپ ہی پیلی پڑ جائے کیونکہ دھوپ میں زردی نہیں آتی جب تک کہ سورج کے ڈوبنے کا وقت نہ ہو۔ یہ زردی غروب آفتاب تک باقی رہتی ہے۔

عصر کا اختیاری وقت ایک مثل سایہ سے زیادہ ہو جانے سے شروع ہوتا اور سورج کے زرد پڑ جانے تک رہتا ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سورج اور عصر کے اتنے وقت تک مشترک رہتے ہیں کہ مقیم چار رکعت نماز اور مسافر دو رکعت نماز پڑھ سکے۔ یہ اشتراک یا تو ظہر کے اخیر وقت میں ہو سکتا ہے کہ عصر، ظہر کے آخر وقت میں داخل ہو۔ اور یا عصر کے اول وقت میں ہوتا ہے کہ ظہر عصر کے اول وقت میں داخل ہو اس باب میں یہ دونوں قول مشہور ہیں، لہٰذا جس نے عصر کی نماز ظہر کے اخیر وقت میں پڑھی اور اس وقت فارغ ہوا جب کہ سایہ اس شے کے برابر پہنچ گیا تو نماز پہلے قول کے مطابق صحیح ہو گی اور دوسرے قول کے مطابق صحیح نہ ہو گی اور جس نے ظہر کی نماز عصر کے اول وقت میں پڑھی تو قول اول کے مطابق گناہ ہو گا کیونکہ وقت اختیاری میں تاخیر کی گئی۔ لیکن قول ثانی کے مطابق گناہ نہ ہو گا، کیونکہ وہ نماز ایسے وقت اختیاری میں پڑھی گئی جو دونوں میں مشترک تھا۔ اور حنابلہ کے متعلق یہ ابھی بتایا گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ عصر کے وقت کی دو قسمیں ہیں: ''اختیاری'' اور ''ضروری''۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ آفتاب کے غروب ہونے کے بعد مغربی افق پر یکے بعد دیگرے تین حالتیں طاری ہوتی ہیں: پہلے سرخی، پھر سپیدی اور اس کے بعد سیاہی۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شفق سے مراد سفیدی ہے۔ اس کے جانے کے بعد سیاہی نمودار ہوتی ہے۔ پس جب یہ سفیدی جاتی رہے تو مغرب کا وقت نکل جاتا ہے لیکن صاحبینؒ کے نزدیک ائمہ ثلاثہ کی طرح شفق وہی ہے جس کا ذکر متن میں ہوا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مغرب کا اختیاری وقت لمبا نہیں ہوتا، بلکہ تنگ ہوتا ہے اور اس کی مقدار صرف اتنی دیر ہے کہ اس میں نماز پڑھی جائے اور شرائط نماز بجا لائی جا سکیں۔ یعنی دونوں طہارتوں کا ہونا یعنی حدث اور نجاست سے پاک ہونا اور ستر ڈھکنا۔ اس پر اذان اور اقامت (کا عرصہ) بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ پس اگر کسی کو یہ امور حاصل ہیں تو اسے اتنی دیر

Marfat.com

سے صبح صادق کے نمودار ہونے تک رہتا ہے۔ (۱)

نماز فجر کا وقت

نماز فجر کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور سورج کے طلوع ہونے تک باقی رہتا ہے۔ صبح سے مراد سورج کی وہ روشنی ہے جو اس کے طلوع ہونے سے پہلے مشرق کی جانب نمودار ہوتی ہے اور پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ تمام افق پر چھا جاتی ہے اور تمام آسمان پر پھیل جاتی ہے۔

فجر کاذب (جھوٹی صبح) کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اس سے مراد وہ روشنی ہے جو پھیلتی نہیں بلکہ ایک مستطیل سفید دھاری ہوتی ہے جس کی دونوں جانب تاریکی ہوتی ہے۔ اور کالے بھیڑے کی دم سے مشابہ ہوتی ہے، کیونکہ بھیڑے کی دم کا نچلا حصہ سفید اور کناروں سے کالا ہوتا ہے۔ (۲)

تاخیر جائز ہے جتنی دیر میں یہ باتیں معتدل طریقہ سے جیسا کہ اکثر لوگ کرتے ہیں کی جا سکیں، یعنی اس میں وہمی اشخاص کی طرح دیر تک لگے رہنے اور جلد باز کے جلدی کرنے کا اعتبار نہیں ہے۔ اس اختیاری وقت کے بعد مغرب کا ضروری وقت آتا ہے اور طلوع فجر تک رہتا ہے۔ اہل فلکیات کہتے ہیں کہ اوقات کا تعین اس اصول پر ہوتا ہے جو عام طور پر مقرر کر دیا گیا ہے، لہٰذا اگر کسی نے فلکیات کے قواعد کے مطابق مقرر کردہ وقت، جو گھڑی بتاتی ہے، سے پہلے نماز پڑھ لی تو وہ نماز باطل ہوگی، بہر حال احتیاط اسی میں ہے کہ وقت کے آ جانے یا اس کے آنے کے بعد تک انتظار کیا جائے (یعنی اس سے پہلے نماز نہ پڑھی جائے)

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ مغرب کی طرح عشا کے بھی دو وقت ہیں: وقت اختیاری شفق کے غائب ہونے سے اول شب کا ایک تہائی حصہ گزرنے تک رہتا ہے اور وقت ضروری رات کا ابتدائی ایک تہائی حصہ گزرنے کے بعد سے صبح صادق کے ظہور تک ہے۔ اگر نماز اس (ضروری) وقت میں پڑھی گئی تو گناہ ہوگا، اگرچہ نماز ادا ہو جائے گی۔

فجر، ظہر اور مغرب کا "ضروری وقت" نہیں ہے، جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ عشا کا اختیاری وقت شفق کی سرخی غائب ہونے سے شروع ہو کر اول شب کے ایک تہائی حصہ تک رہتا ہے اور ضروری وقت اس کے بعد طلوع فجر تک رہتا ہے۔ لہٰذا ضروری وقت میں عشا کی نماز پڑھی گئی تو گناہ ہوگا، البتہ اگر کوئی مجبوری ہو تو اور بات ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ نماز فجر کے دو وقت ہیں: اختیاری وقت صبح صادق کے ظہور سے صبح کی روشنی نمایاں ہو جانے تک ہے، یعنی جس وقت معمولی نظر سے کھلی ہوئی جگہ پر اچھی طرح چہروں کو پہچانا جا سکے، اور ستارے مدھم پڑ جائیں۔ ضروری وقت اس کے بعد سورج کے طلوع ہونے تک ہے اور یہی قول مشہور اور قابل وثوق ہے۔ مالکیہ کا ایک اور قول مشہور یہ ہے کہ نماز فجر کے لیے کوئی "ضروری وقت" نہیں ہے۔ لیکن زیادہ قابل وثوق پہلا ہی قول ہے۔

Marfat.com

اول وقت میں نماز ادا کرنے کا بیان اور

جن اوقات میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے ان اوقات کا بیان

ان اوقات (متذکرہ سابقہ) میں نماز ادا کرنے کے متعلق کچھ اور مسائل ہیں جن کا تعلق مستحب یا مکروہ اوقات سے ہے۔ مختلف مسالک میں یہ امر تفصیل طلب ہے۔ (۱)

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ (نماز کا) سب سے بہتر وقت ابتدا کا وقت ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''اول الوقت رضوان الله ''یعنی اول وقت (میں نماز ادا کرنا) رضائے الٰہی کا موجب ہوتا ہے، لہٰذا جب وقت آ جائے تو وقت مختار کے اول وقت ہی میں نماز پڑھ لینا مستحب ہے، خواہ موسم گرمی کا ہو یا سردی کا، نماز صبح کی ہو یا ظہر کی یا کوئی اور نماز اور خواہ نماز تنہا پڑھی جائے یا جماعت کے ساتھ۔ اول وقت میں نماز ادا کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نماز پڑھنے میں (وقت آ جانے پر) عجلت کی جائے اور ہرگز تاخیر روا نہ رکھی جائے، بلکہ تاخیر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت نماز پڑھی گئی اس پر اول وقت کا مفہوم صادق آتا ہو، لہٰذا یہ حکم نماز سے پہلے جو نوافل ادا کی جاتی ہیں ان کے مستحب ہونے کے منافی نہیں ہے۔ چنانچہ نماز ظہر کے لیے مستحب یہ ہے کہ گرمی اور سردی کے موسم میں چوتھائی سایہ ہو جانے تک لوگوں کے جمع ہو جانے کا انتظار کر لیا جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ ظہر کی نماز کے لیے ٹھنڈک کے لیے توقف کرنا مستحب ہے، بایں طور کہ سخت گرمی میں اتنی دیر تک انتظار کیا جائے کہ دھوپ کی تمازت ہلکی پڑ جائے اور دیواروں کے سائے پڑنے لگیں تاکہ مسجدوں تک لوگوں کے پہنچنے میں سہولت ہو۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''ابردوا بالظہر فان شدة الحرمن فیح جهنم'' (یعنی نماز ظہر کے لیے ذرا وقت کو ٹھنڈا ہو جانے دیا کرو، گرمی کی شدت جہنم کی جھلساہٹ ہے، سردی کے موسم میں اول وقت کے لیے کوشش کرنا بہتر ہے بشرطیکہ آسمان پر بادل نہ ہوں، اگر بادل ہوں تو اس ڈر سے کہ یہ بارش کے آثار ہیں تاخیر بہتر ہے۔ آج کل تو مسجدوں میں اول وقت ہی میں جلدی نماز پڑھا دی جاتی ہے خواہ جاڑے کا موسم ہو یا گرمی کا، بہرحال اس باب میں امام مسجد کی پاؤں وہی مقدم ہے کہ جماعت فوت نہ ہونے پائے۔ اگرچہ امام مسجد نے مستحب وقت کو نظر انداز کر دیا ہو۔

عصر کی نماز میں اول وقت سے تاخیر کرنا مستحب ہے، لیکن اتنی تاخیر نہ ہو کہ سورج کا رنگ بدل جائے ورنہ یہ تاخیر مکروہ تحریمی ہو جائے گی۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ آسمان پر بادل نہ ہوں، اگر بادل ہوں تو نماز بلا توقف پڑھنا مستحب ہے۔ اس خیال سے کہ مبادا کراہت کا وقت آ جائے اور پتہ نہ چلے۔

مغرب کی نماز کو بہرحال اول وقت ہی میں ادا کرنے کی کوشش کرنا مستحب ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''ان امتی لا یزالوا بخیر مالم یؤخروا المغرب الی باشتباک النجوم مضاهاة للیهود'' (یعنی بلاشبہ میری امت کے لوگ اچھے رہیں گے جب تک کہ نماز مغرب میں یہودیوں کی طرح اتنی دیر نہ کریں

Marfat.com

گے کہ ستاروں کا ہجوم ہو جائے) البتہ اگر مطلع ابر آلود ہو تو کسی قدر تاخیر کی جائے تا کہ مغرب کا یقین ہو جائے کہ مغرب کا وقت آ گیا ہے۔

عشاء کی نماز میں ایک تہائی رات گزرنے سے پہلے تک تاخیر کرنا مستحب ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "لو لا ان اشق علی امتی لأ خرت العشاء الی ثلث اللیل او نصفه" (یعنی اگر میری امت پر یہ امر گراں ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں عشاء کی نماز میں ایک تہائی یا نصف شب تک تاخیر کرتا) اور بہتر یہ ہے کہ اگر تاخیر میں جماعت ترک کرنا پڑے تو بہرحال جماعت کے ساتھ ہی نماز ادا کر لینا چاہیے۔

فجر کی نماز میں 'اسفار' (روشنی پھیلنے) تک تاخیر کرنا مستحب ہے۔ 'اسفار' کا مطلب یہ ہے کہ روشنی نمایاں ہو جائے، بایں طور کہ سورج کے طلوع ہونے میں صرف اتنا وقت رہ جائے کہ اگر احیاناً نماز فجر میں خرابی پیدا ہو جائے تو دوبارہ وضو کر کے بطریق سنت ادا کی جاسکے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اسفرو بالو ن فجر فانه اعظم للاجر" (یعنی نماز فجر کے لیے روشنی پھیلنے دیا کرو کیونکہ بلاشبہ اس میں اجر عظیم ہے)۔

غرض حنفیہ کے نزدیک نماز کے مکروہ اوقات پانچ ہیں: عین سورج نکلنے کے وقت، سورج طلوع ہونے سے قبل صرف اس قدر مختصر سا وقت جس میں نماز دہرائی نہ جاسکے۔ چنانچہ اگر نماز فجر سورج طلوع ہونے سے پہلے شروع کی گئی اور ہنوز نماز پوری نہ ہوئی تھی کہ سورج نکل آیا تو نماز جاتی رہے گی۔ عین دوپہر کا وقت جب کہ سورج ٹھہرا ہوا ہو (یعنی نہ عروج پر ہو نہ زوال پر)۔ سورج ڈوبنے کا وقت اور عصر کی نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک کا وقت۔ پس اگر عصر کی نماز پڑھ لی تو اس کے بعد غروب آفتاب تک نماز کا پڑھنا مکروہ تحریمی ہے لیکن نماز عصر سے پہلے جب کہ عصر کا وقت آ گیا سورج کا رنگ متغیر ہونے تک کسی نماز کا پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ رنگ متغیر ہونے سے یہ مراد ہے کہ سورج کی طرف دیکھنے سے آنکھ میں چکا چوند نہ پیدا ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نماز کے اوقات کی آٹھ قسمیں ہیں:

اول "وقت فضیلت" ہے۔ یہ وقت شروع سے لے کر اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ وقت کی اتنی مدت نہ گزر جائے جس میں نماز کی تیاری اور نماز کے اندر یا اس کے لیے جن امور کی ضرورت ہے ان کو مہیا کرنے یا ان کی تکمیل کے لیے جو امور مطلوب ہیں انہیں پورا کیا جاسکے (یعنی وقت فضیلت اس مقدار وقت کے بعد ختم ہو جاتا ہے) اس مدت کا اندازہ فلکی حساب سے پون گھنٹہ لگایا گیا ہے۔ (یعنی پون گھنٹے میں نماز اور اس کے متعلقہ لوازمات کی تکمیل ہو سکتی ہے)۔ اس کو "وقت فضیلت" اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس وقت کے اندر جو نماز پڑھی جائے گی وہ اس کے بعد پڑھی جانے والی نمازوں سے افضل ہوگی۔ یہ "وقت فضیلت" پانچوں نمازوں کے اوقات میں پایا جاتا ہے۔

دوسری قسم "وقت اختیار" ہے۔ یہ وقت شروع سے اس وقت تک باقی رہتا ہے جب کہ وقت کے ختم ہونے میں صرف اتنا عرصہ باقی رہے کہ نماز پڑھی جاسکے۔ اس "وقت اختیار" میں نماز پڑھنا اس کے گزر جانے پر پڑھنے سے افضل ہے۔ لیکن اس سے پہلے ہی پڑھ لینے سے درجہ میں کم ہے۔ اس کو وقت اختیاری اس لیے کہتے ہیں، کیونکہ اس وقت کو بعد کے وقت پر ترجیح دے کر اختیار کیا جاتا ہے۔ ظہر کی نماز کے لیے یہ وقت ختم ہو جاتا ہے جب کہ صرف اتنا وقت رہ جائے کہ اس میں محض نماز پڑھی جاسکے۔ عصر کی نماز کے لیے یہ وقت ختم ہوتا ہے کہ ہر شے کا سایہ اس سے دگنا لمبا ہو

Marfat.com

جائے۔ مغرب کی نماز کے لیے یہ وقت ''اختیاری'' ''فضیلت کا وقت'' گزر جانے پر ختم ہو جاتا ہے۔ عشاء کی نماز کے لیے یہ ''وقت اختیاری'' رات کا ایک تہائی حصہ گزر جانے پر اور فجر کی نماز کے لیے روشنی پھیل جانے پر ختم ہو جاتا ہے (شفق کی سرخی کھنڈ جانے تک رہتا ہے۔

تیسری قسم: ''وقت جواز بلا کراہت'' ہے، یہ بھی وقتِ اختیار کے برابر ہے، چنانچہ اس کا حکم بھی وہی ہے جو وقت ااختیاری کا ہے، البتہ نماز عصر کیلئے (وقتِ جواز کراہت) آسمان پر۔

چوتھی قسم ''وقت حرمت'' ہے اس سے مراد وقت کا اخیر حصہ ہے جب کہ صرف اتنا وقت باقی رہے کہ نماز پوری نہ پڑھی جا سکے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

پانچویں قسم ''وقت ضرورت'' ہے، یعنی وقت کا آخری حصہ جس میں سبب مانع نماز، مثلاً حیض، نفاس، یا جنون وغیرہ جاتا رہے اور صرف اتنا وقت رہا ہو کہ اس میں تکبیر تحریمہ کہی جا سکے۔ ایسی صورت میں نماز واجب ہو جاتی ہے اور وقت گزرنے پر اس کی قضا لازم ہے۔ اگر امر مانع صلوٰۃ وقت کے بالوں کل اخیر میں دور ہو کہ صرف تکبیر تحریمہ پڑھی جا سکے تو اس نماز کی اور اس سے پہلی نماز کی جو جمع کر کے پڑھی جاتی مثلاً ظہر اور عصر یا مغرب وعشاء دونوں کی قضا واجب ہوگی، بشرطیکہ دوسری نماز کے وقت میں جو مانع دور ہو اس کی مدت اتنی ہو کہ اس وقت کے لیے طہارت، نماز اور سابقہ دونوں نمازوں کے لیے طہارت اور نماز کی گنجائش ہو۔ مثلاً عصر کے اخیر وقت میں حیض بند ہو گیا تو واجب ہے کہ مغرب کے وقت میں ظہر اور عصر کی نماز بھی پڑھی جائے بشرطیکہ مانع دور ہونے کے بعد اتنا وقت رہا ہو کہ جس میں ظہر اور عصر کی نماز اور ان کے لیے طہارت اور نماز مغرب اور اس کے لیے طہارت کی تکمیل کی جا سکتی۔

چھٹی قسم ''وقت ادراک'' ہے۔ اس سے مراد وہ عرصہ ہے جو وقت شروع ہونے اور امر مانع نماز کے لاحق ہونے کے درمیان میں ہے۔ مثلاً نماز کا وقت آنے کے بعد اتنی مدت گزر گئی کہ اس میں نماز اور طہارت کی گنجائش تھی اور امر مانع صلوٰۃ ہنوز موجود نہ تھا لہٰذا نماز واجب ہوگئی اور اس کی قضا واجب ٹھہری۔

ساتویں قسم ''وقت عذر'' ہے۔ یعنی ظہر اور عصر یا مغرب وعشاء کا، مثلاً سفر کی حالت میں جمع کرنے کا وقت۔

آٹھویں قسم ''وقت جواز بکراہت'' ہے۔ ظہر میں یہ وقت نہیں ہوتا، لیکن عصر میں سورج کے زرد پڑ جانے سے شروع ہو کر اس وقت تک رہتا ہے جب کہ صرف اتنا وقت باقی رہ جائے جس میں نماز پڑھی جا سکے۔ اسی طرح فجر کی نماز میں یہ وقت آسمان پر سرخی شفق کھنڈنے سے لے کر اس وقت تک ہے جب کہ صرف اتنا وقت رہ جائے جس میں نماز پڑھ جا سکے۔

واضح ہو کہ وقت فضیلت میں ادائے نماز کے مستحب ہونے سے چند صورتیں مستثنیٰ ہیں، منجملہ ان کے شدت گرما میں ظہر کی نماز ہے کہ ایسا ہو تو نماز میں وقت فضیلت سے تاخیر کرنا مستحب ہے تا کہ دیواروں کے سائے پڑنے لگیں اور جو لوگ جماعت کے ساتھ یا مسجد میں جا کر منفرداً نماز ادا کرنا چاہیں انہیں سہولت ہو۔ لیکن یہ حکم اسی صورت میں ہے جب کہ مسجد دور ہو اور ''وقت فضیلت'' کے اندر پہنچنا دشوار ہو اور خشوع وکمال صلوٰۃ میں رکاوٹ ہو۔ اسی طرح جماعت کے انتظار میں تاخیر کرنا یا اول وقت میں پانی دستیاب نہ ہونے کے باعث وضو کے انتظار میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔

یاد رہے کہ بعض صورتوں میں نماز کا وقت نکال کر نماز پڑھنا واجب ہو جاتا ہے، مثلاً جب کہ حج کے فوت ہو

Marfat.com

جانے کا اندیشہ ہو، یا میت کے پھول کر پھٹ جانے کا ڈر ہو، یا کسی ڈوبتے کو بچانا ہو (یعنی ان صورتوں میں نماز کا وقت گزر جانے کی پروا نہ کرنا چاہیے)۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ظہر کی نماز کو اول وقت ہی میں ادا کرنے کی کوشش افضل ہے۔ تین صورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں:

اول یہ کہ شدت کی گرمی کا وقت ہو، ایسی صورت میں اتنی تاخیر نماز میں کرنی چاہیے کہ گرمی (کا زور) ٹوٹ جائے، خواہ جماعت سے نماز پڑھنا ہو یا مسجد میں، یا گھر میں تنہا پڑھنا ہو۔ دوسرے یہ کہ آسمان پر گھٹا چھائی ہو۔ اب اگر گھٹا میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ہے تو چاہیے کہ عصر کا وقت قریب آ جانے تک (ظہر میں) تاخیر کی جائے، تاکہ دونوں نمازوں کے لیے ایک ہی بار جانا ہو۔ تیسرے یہ کہ کوئی حج میں ہے اور مقام ''جمرات'' پر کنکریاں پھینکنے کا ارادہ ہے تو سنت یہ ہے کہ ظہر کی نماز میں تاخیر کر دی جائے اور پہلے کنکریاں پھینک کر پھر نماز پڑھی جائے، لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ جمعہ کا وقت نہ ہو، اگر جمعہ ہو تو بہر حال اسے پہلے پڑھنا ہوگا۔

عصر کی نماز کو اول وقت اختیاری ہی میں ادا کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

نماز مغرب کا دیر کیے بغیر ادا کرنا افضل ہے، چند صورتوں کے سوا جن کے منجملہ ایک یہ ہے کہ آسمان پر بادل ہوں تو ایسی حالت میں اگر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا ہے تو سنت یہ ہے کہ نماز مغرب میں وقت عشاء کے قریب تک تاخیر کی جائے، تاکہ دونوں کے لیے ایک بار ہی نکلنا ہو۔ اسی طرح اس کو بھی مغرب میں دیر کرنا روا ہے، جسے دو نمازیں ملا کر پڑھنے کی اجازت ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو دو نمازیں ملا کر ہی پڑھنے میں سہولت ہے تو چاہیے کہ مغرب کی نماز تاخیر سے پڑھے، تاکہ مغرب اور عشاء دونوں جمع کر کے پڑھی جائیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حج میں ہے اور حالت احرام میں مزدلفہ پہنچنا ہے، اور اسے دو نمازوں کا جمع کرنا مباح ہے، تو غروب آفتاب سے پہلے مزدلفہ پہنچنے تک نماز مغرب میں تاخیر کر دے، تاہم اگر سورج غروب ہونے سے پہلے وہاں پہنچ جائے تو نماز مغرب وقت کے اندر ادا کر لی جائے۔ عشاء کی نماز میں ایک تہائی رات گذرنے تک تاخیر کرنا اس صورت میں افضل ہے جبکہ مغرب کی نماز میں تاخیر جائز ہونے کے باعث عشاء تک اسے مؤخر نہ کرنا پڑے۔ ایسی صورت ہو تو عشاء کی نماز مغرب کے ساتھ اول وقت ہی میں ادا کر لی جائے اسی طرح بعض نمازیوں کو اگر عشاء کی تاخیر میں دشواری ہو تب بھی اس میں دیر کرنا مکروہ ہے اور دشواری کی صورت میں بہتر یہی ہے کہ نماز بلا تاخیر ادا کی جائے۔

رہی فجر کی نماز تو بہر حال اس کا اول وقت ہی میں ادا کرنا افضل ہے۔ واضح ہو کہ فرض نمازوں میں تاخیر کبھی واجب ہوتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ باپ نماز میں توقف کرنے کو کہے، تاکہ اس کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرے، تو واجب ہے کہ توقف کیا جائے۔ ہاں اگر اس مقصد کے علاوہ کسی اور غرض سے تاخیر کو کہے تو تاخیر نہ کرنی چاہیے۔ اسی طرح اگر کسی کھانے کی خواہش ہو رہی ہو تو نماز میں توقف بہتر ہے (یعنی پہلے کھا لینا چاہیے)۔ سورج گرہن وغیرہ کی نماز کے لیے بھی نماز مفروضہ میں تاخیر افضل ہے بشرطیکہ وقت نکل جانے کا اندیشہ نہ ہو۔

Marfat.com

حالت نماز میں عورت (ستر) ڈھکنے کا بیان

شرائط نماز میں دوسری شرط ''ستر عورت'' (یعنی جسم کے متعین حصوں کا چھپانا) ہے۔ لہٰذا اگر بدن کا وہ حصہ جس کو نماز میں چھپانے کا حکم ہے، کھلا رہے تو نماز نہ ہوگی، البتہ اگر کوئی ناچار ہے کہ اس کے پاس تن ڈھانکنے کو کچھ نہیں ہے تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ (۱)

ستر کی حدود جو مرد ستر کی حدود مرد اور آزاد عورت اور لونڈی کیلئے جدا جدا ہیں۔ لونڈی اور آزاد عورت کے لیے مختلف مسالک میں قرار دی گئی ہیں وہ تفصیل طلب ہیں۔ (۲)

ا۔ یہاں پر مالکیہ نے بقول راجح یہ اضافہ کیا ہے کہ اگر بھولے میں ستر کھل جائے تو نماز صحیح ہوگی۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز کے لیے مرد کے ستر کی حد ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے۔ ان کے نزدیک گھٹنا (Knee) ستر میں داخل ہے، بخلاف کے (کہ وہ داخل نہیں ہے)، اس باب میں لونڈی اور مرد برابر ہیں، البتہ لونڈی کا تمام پیٹ اور اس کی پیٹھ ستر میں داخل ہے۔ پہلوؤں کو پیٹھ اور پیٹ میں شامل قرار دیا گیا ہے۔ آزاد عورت کا تمام بدن یہاں تک کہ کان کے نیچے کے بالوں سب ستر میں داخل ہیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''المرأۃ عورۃ '' (یعنی عورت تمام ستر ہے) البتہ ہتھیلیوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے کہ وہ ستر نہیں ہے، بخلاف پشت دست کے۔ اسی طرح دونوں پاؤں کی پشت مستثنیٰ ہے کہ وہ ستر میں داخل نہیں ہے، بخلاف تلوؤں کے کہ وہ ہتھیلیوں کے برخلاف ستر میں داخل ہیں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مرد اور لونڈی کے لیے ستر کی حد ناف اور گھٹنے کا درمیانی حصہ ہے۔ گھٹنا اور ناف ستر میں داخل نہیں ہیں، بلکہ صرف ان کے درمیان کا حصہ ستر ہے، لیکن چاہیے کہ (نماز میں) ان کا کسی قدر حصہ ڈھکا ہو، تاکہ وہ حصہ بدن جو ان سے ملحق ہے وہ ڈھکا رہے۔ آزاد عورت کا تمام بدن یہاں تک کہ کان کے نیچے کے بالوں سب ستر میں داخل ہیں۔ البتہ چہرہ اور دونوں ہاتھ اوپر اور نیچے دونوں طرف سے مستثنیٰ ہیں۔

حنابلہ کا قول ستر کی حد کے بارے میں وہی ہے جو شافعیہ کا ہے۔ البتہ انہوں نے آزاد عورت کا صرف چہرہ (ستر سے) مستثنیٰ قرار دیا ہے، اس کے سوا سب ستر ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مرد اور عورت کے لیے نماز میں جس کو ستر قرار دیا گیا ہے اس کی دو قسمیں ہیں: ستر مغلظہ اور ستر مخففہ۔ ان دونوں کے مسائل جدا جدا ہیں۔ مرد کے ستر مغلظہ میں صرف دونوں شرم گاہیں، یعنی آگے کے اعضائے مخصوص اور پیچھے کا حلقہ دبر شامل ہیں۔ ستر مغلظہ ان کے سوا نہیں ہے۔ ستر مخففہ میں بدن کے وہ حصے ہیں جو ان دونوں مقامات کے علاوہ گھٹنے اور ناف کے درمیان ہیں اور وہ حصے جو ان کے مقابل پیچھے کی طرف ہیں۔ آزاد عورت کے لیے پہلو اور سینہ اور اس کے مقابل کا پچھلا حصہ چھوڑ کر اس کا تمام بدن ستر مغلظہ میں داخل ہے۔ اور اس کے ستر مخففہ میں سینہ اور اس کے مقابل پیٹھ کا حصہ، دونوں کہنیاں، گردن، سر اور گھٹنے سے لے کر پاؤں کے سرے تک داخل ہیں، لیکن چہرہ اور دونوں

Marfat.com

یاد رہے کہ ستر کا ڈھکا رکھنا جو صحتِ نماز کی شرطوں میں سے ہے، نماز شروع ہونے سے فارغ ہونے تک ضروری ہے۔اس باب میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

ہاتھ اوپر اور نیچے دونوں طرف سے مطلقاً ستر میں داخل نہیں ہیں۔

لونڈی کے لیے ستر مخففہ وہی ہے جو مردوں کے لیے ہے سوا دونوں کولھوں اور اس کے درمیانی اندرونی حصوں کے کہ یہ حصے لونڈی کے ستر مغلظہ میں ہیں، اسی طرح شرمگاہ اور پیڑو کا اگلا حصہ بھی لونڈی کے لیے ستر مغلظہ ہے۔

اب اگر کسی نے نماز پڑھی اور ''ستر مغلظہ'' کا کل یا بعض حصہ، خواہ تھوڑا سا ہی، کھلا رہا، جسے وہ ڈھک سکتا تھا اور اس حصہ کا کھلا ہوا ہونا اسے معلوم تھا تو نماز باطل ہوگی، بشرطیکہ اس حصہ بدن کا ڈھکنا اس کے بس میں رہا ہو، خواہ ڈھکنے والی چیز (کپڑا وغیرہ) خرید کر، یا مانگ کر، یا عاریۃً نہ کہ ہبۃً کسی سے قبول کر کے۔

واضح رہے کہ (بغیر ستر ڈھکے جو نماز پڑھی گئی) اس کا اعادہ بہر حال یعنی وقت باقی ہو یا نکل گیا ہو، واجب ہوگا۔

ستر مخففہ کے پورے یا کچھ حصہ کے کھل جانے سے نماز باطل نہیں ہوتی، اگر چہ نماز میں اس کا کھلنا حرام یا مکروہ ہے، اس پر نظر کرنا حرام ہے۔تاہم جس نے ستر مخففہ کھلا ہونے کی حالت میں نماز پڑھی اور ہنوز وقت باقی ہے (کہ معلوم ہو گیا) تو اسے ڈھک کر پھر نماز پڑھ لینا مستحب ہے۔اس مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ کسی آزاد عورت نے نماز پڑھی اور اس کا سر، گردن، کندھا، بازو، پستان یا سینہ یا اس کے مقابل پیچھے کی جانب کا حصہ یا گھٹنا یا پنڈلی یا پاؤں کے سرے تک کا اوپری حصہ، نہ کہ تلوا (اگر چہ تلوا ستر مخففہ میں ہے)، کھلا رہ گیا اور (جب پتہ چلا تو ہنوز) نماز کا وقت باقی تھا تو وہ نماز دوبارہ پڑھنی چاہیے۔اسی طرح مرد بھی وقت باقی ہونے کی صورت میں نماز کو دہرائے گا جب کہ اس نے ایسی حالت میں نماز پڑھی ہو کہ اس کا پیڑو یا کولھا یا اس کے درمیان میں پاخانے کے مقام کے اردگرد کا حصہ کھلا رہا۔

رانوں کے کھل جانے، یا پیڑو کا بالوں ائی حصہ جو ناف تک ہے یا وہ حصہ جو دونوں کولھوں کا بالوں ائی پچھلا حصہ ہے، اس کے کھل جانے سے نماز دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۔حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر ستر کا کچھ حصہ بغیر ارادے کے کھل گیا، اور وہ حصہ تھوڑا سا ہو، تو نماز باطل نہیں ہوتی، اگر چہ اس کو کھلے دیر ہو گئی ہو، لیکن اگر زیادہ حصہ کھل گیا، مثلاً ہوا وغیرہ کے جھونکے سے کھلا اور پورا ستر کھل گیا، لیکن اسے فوراً ہی بغیر عمل کثیر (یعنی زیادہ حرکت کیے بغیر) ڈھک لیا گیا تو نماز باطل نہ ہوگی، لیکن اگر اتنے عرصے تک کھلا رہا، جس کو بالعموم زیادہ عرصہ خیال کیا جاتا ہے، تو نماز باطل ہو جائے گی۔لیکن اگر قصداً ستر کو کھولا گیا تو مطلقاً نماز جاتی رہے گی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر اثنائے نماز ستر مغلظہ یعنی آگے پیچھے کی شرم گاہ اور اس کے اردگرد کا حصہ، یا ستر مخففہ جو اس کے علاوہ ستر کا حصہ ہے، بغیر ذاتی عمل کے ایک چوتھائی کھل گیا، مثلاً ہوا کے جھونکے سے کپڑا ہٹ گیا اور اتنی دیر تک کھلا رہا کہ نماز کا ایک رکن ادا کیا جا سکے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔لیکن اگر اسی قدر حصہ ستر کا یا اس سے کم خود نماز پڑھنے والے کے عمل سے کھل گیا تو نماز معاً فاسد ہو جائے گی، اگر چہ ایک رکن ادا کرنے کی مدت سے کم عرصہ تک کھلا رہا ہو۔اگر نماز شروع کرنے سے پہلے ہی ستر کا حصہ کھلا ہو (اور اسی حالت میں نماز شروع کر دی) تو نماز کی نیت ہی نہ بندھے گی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر ستر مغلظہ نماز کے دوران کھل جائے تو نماز قطعاً باطل ہو جائے گی۔اگر ستر ڈھک کر نماز

Marfat.com

واضح ہو کہ کپڑا وغیرہ جس سے ستر کو ڈھکا جائے اس کا موٹا ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا یہ جائز نہیں ہے کہ ڈھکنے والی چیز ایسی باریک ہو کہ اس میں سے جسم کی رنگت نظر آ جائے۔ قطع نظر اس سے کہ ستر کو ڈھکنے والی چیز نہایت باریک ہو کہ پہلی ہی نظر میں ستر کا حصہ دکھائی دے یا کم باریک ہو کہ بغور دیکھنے سے نظر آئے۔ (۱)

اس میں کوئی حرج نہیں کہ کپڑا جسم سے اس قدر چسپاں ہو کہ ستر کی حدود کا امتیاز ہو سکے (۲) اگر کسی کے پاس تن ڈھانکنے کو کچھ نہ ہو کہ وہ ستر کو چھپا سکے تو اسے برہنہ حالت ہی میں نماز پڑھ لینا چاہیے۔ اس کی نماز درست ہوگی (۳) اگر کوئی ساتر (یعنی تن ڈھانکنے والی چیز "ستر پوش") مل گئی لیکن وہ نجس العین ہے، مثلاً سور کی کھال یا نجس آلود شے ہے جیسے کوئی کپڑا، جو نا قابل معافی حد تک نجس آلودہ ہے، تو اس صورت میں بھی برہنہ حالت میں نماز پڑھنی چاہیے۔ اس لباس کو پہن کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے (۴) اگر ایسا

شروع کی اور نماز کے دوران ڈھکنے والی چیز گر گئی تو نماز جاتی رہی، اور بقول مشہور بہر حال نماز کا دہرانا واجب ہو گیا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر نماز کے دوران ستر کھل گیا، حالانکہ اس کا ڈھکا رکھنا اختیار میں تھا تو نماز باطل ہو جائے گی، البتہ اگر ہوا سے کھلا اور اسے فوراً بغیر عمل کثیر کے ڈھک لیا تو باطل نہ ہوگی۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ سہواً ستر کھل جائے اور معاً اس کو ڈھک لیا جائے۔ لیکن اگر ہوا کے علاوہ کسی اور سبب سے یا کسی جانور (کی حرکت) سے ستر کھل گیا، یا یہ معلوم ہی نہ ہوا کہ کس طرح کھلا تب بھی نماز جاتی رہے گی۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ شرط یہ ہے کہ اس کے نیچے سے جسم نظر پڑتے ہی دکھائی دے۔ اگر بغور دیکھنے سے یا کسی اور طرح سے نظر آئے تو مضائقہ نہیں۔ تاہم ایسے ساتر (یعنی کپڑا وغیرہ) کے ساتھ نماز مکروہ ہوگی، لہٰذا وقت میں گنجائش ہو تو اسے دہرا لینا مستحب ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ ستر ڈھانکنے کی ایسی چیز جس سے حصہ ستر کی حدود بغیر تری یا ہوا کے حرام یا مکروہ حیثیت سے نمایاں ہو جائیں تو اس نماز کا اعادہ وقت کے اندر اندر واجب ہے، وقت نکل جانے کے بعد واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر ساتر (بدن ڈھکنے والی چیز) ہوا کے چلنے یا بارش سے تر ہو جانے کے باعث (بدن سے چمٹ کر) حصہ ستر کی حدود کو نمایاں کر دے تو اس میں کراہت نہیں ہے اور نہ نماز کا دہرانا ضروری ہے۔

۳۔ حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھی جائے اور رکوع و سجود میں اشارے سے کام لیا جائے، اور چاہیے کہ رانوں کو باہم ملا کر رکھا جائے اور حنفیہ نے اس بارے میں یہ اضافہ کیا ہے کہ ستر کو چھپانے کا بہت زیادہ خیال کر کے پاؤں کو قبلہ کی طرف پھیلا لیا جائے۔

۴۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ گندے یا نجاست آلود لباس ہی میں نماز پڑھ لینا چاہیے۔ اور اس نماز کا لازماً دہرانا واجب نہیں ہے، البتہ اگر وقت کے اندر اندر پاک کپڑا مل جائے تو (اسے پہن کر) دہرا لینا مستحب ہے۔ یہی حکم اس

Marfat.com

لباس وغیرہ دستیاب ہو جس کا استعمال حرام ہے، جیسے ریشم کا کپڑا، تو چاہیے اسے پہن کر مجبوراً نماز پڑھ لی جائے اور اس کو نہ دہرائے۔ اگر کوئی ستر پوش صرف اس قدر دستیاب ہو کہ ستر کا کچھ ہی حصہ ڈھکا جا سکے تو واجب ہے کہ جتنا ڈھکا جا سکے اس کو کام میں لائے، اور ڈھکنے میں اگلی اور پچھلی شرمگاہوں کو مقدم رکھے۔ اور یہ واجب نہیں ہے کہ کوئی ستر پوش نہ ملے تو اندھیرے ہی سے اپنے تئیں ڈھک لے۔ (۱) اگر کوئی ستر پوش دستیاب نہیں ہے، لیکن وقت نکل جانے سے پہلے اس کے دستیاب ہونے کی امید ہے، تو اخیر وقت تک نماز میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔ (۲)

ستر پوش کے لیے واجب یہ ہے کہ پہلے اوپر کی جانب سے اور پہلوؤں کی طرف سے ڈھکا جائے۔ نیچے کی جانب سے نہیں۔ یہ ڈھکنا خود اپنے سے بھی ہو اور غیروں سے بھی۔ پس اگر لباس اوپر سے یا پہلو سے اس طرح پھٹا ہوا ہے کہ وہ خود (۳) یا کوئی دوسرا (ستر کو) دیکھ سکتا ہے، تو (ایسے لباس میں) نماز باطل ہو گئی، اگرچہ سردست کسی کی نظر نہ پڑی ہو۔ ہاں اگر "ستر" کپڑے کے نیچے سے نظر آ سکے تو اس میں مضائقہ نہیں ہے۔

حالت نماز کے بغیر ستر ڈھکنے کا بیان

مکلف (پابند شریعت) انسان پر واجب ہے (۴) کہ بغیر حالت نماز کے بھی ستر کو خود اپنے سے اور دوسروں سے جنھیں بے ضرورت اس کی طرف دیکھنا حلال نہیں ہے، ڈھکا رکھے۔ البتہ اگر علاج وغیرہ کے لیے مجبوری ہو تو صرف ضرورت کے مطابق کھولنا جائز ہے، جیسے استنجا، غسل یا رفع حاجت وغیرہ کے لیے تنہائی میں کہ کسی کی نظر نہ پڑے جائز ہے۔

صورت میں ہے جب کہ ریشمی لباس میں نماز پڑھی گئی ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نجس آلودہ ستر پوش کے ساتھ نماز پڑھ لی جائے، لیکن اس کا دہرانا واجب ہوگا۔ بخلاف نجس العین شے کے کہ وہ ملے تب بھی نماز برہنہ حالت ہی میں پڑھ لینی چاہیے اور اعادہ کی ضرورت نہیں۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں اندھیرے ہی سے ستر پوشی واجب ہے کیونکہ مالکیہ کوئی اور ستر پوش نہ ہو تو تاریکی ہی کو ستر پوش خیال کرتے ہیں۔

۲۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ (نماز میں) تاخیر کرنا واجب ہے۔

۳۔ حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ ستر کا خود اپنے سے ڈھکنا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کسی نے خود اپنا ستر گریبان کے اندر سے دیکھ لیا تو نماز باطل نہ ہوگی، اگرچہ یہ فعل مکروہ ہے۔

۴۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر مکلف انسان تنہائی میں ہو تو اسے بلاضرورت اپنے ستر کو کھولنا مکروہ ہے، اور ستر سے

Marfat.com

آزاد عورت حالت نماز میں نہ ہو تو اس کا ستر (صرف) وہ حصہ بدن ہے جو ناف سے گھٹنے تک ہے، بشرطیکہ تنہائی میں ہو یا اس کے محرم (۱) اور مسلمان عورتیں موجود ہوں (۲) لہٰذا اس حصہ بدن کے علاوہ کسی اور حصہ کو کھولنا ان کی موجودگی میں یا تنہائی میں جائز ہے۔ لیکن اگر کوئی اجنبی مرد ہو یا غیر مسلم عورت موجود ہو تو ہاتھوں اور چہرے کے سوا عورت کا تمام جسم ''ستر'' ہے۔ یہ دونوں عضو ستر میں داخل نہیں ہیں۔ لہٰذا کسی خرابی کا اندیشہ نہ ہو تو ان کا دیکھنا حلال ہے۔ (۳)

واضح ہو کہ نماز کی حالت نہ ہو تو مرد کا ستر (چھپانے والا حصہ بدن) ناف سے لے کر گھٹنے تک (کا حصہ) ہے۔ پس اس کے علاوہ تمام بدن کا دیکھنا مطلقاً حلال ہے، بشرطیکہ خرابی کا کوئی اندیشہ نہ ہو۔ (۴)

واضح ہو کہ ستر پر نظر ڈالنا حرام ہے، مرد کا ہو یا عورت کا، اور ستر کا عضو جسم سے جڑا ہوا ہو یا علیحدہ ہو۔ چنانچہ اگر عورت کے بال یا مرد کے موئے زیر ناف اترے ہوئے ہوں، یا بازو یا ران کٹی ہوئی ہو تو کٹنے

مراد یہاں خصوصیت کے ساتھ صرف دونوں شرمگاہیں اور کولھے اور پیڑو (حصۂ زیر ناف) ہیں۔ لہٰذا ران کا کھولنا مرد و زن کسی کے لیے مکروہ نہیں ہے اور نہ عورت کا پیٹ کھولنا مکروہ ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ بلا ضرورت خود اپنے ستر کو دیکھنا مکروہ ہے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ محرم مرد کے سامنے چہرے اور اطراف جسم یعنی سر، گردن، دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کے علاوہ تمام جسم عورت کا ستر ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ مرد محرموں کے سامنے عورت کا تمام جسم ماسوا گردن، سر، دونوں ہاتھ قدم اور پنڈلی کے ''ستر'' ہے۔

۲۔ حنابلہ اس بارے میں مسلمان اور کافر عورت کے درمیان امتیاز نہیں کرتے، لہٰذا مسلمان عورت کے لیے عورتوں کے سامنے ناف اور گھٹنے کے درمیانی حصے کے علاوہ بدن کا کھولنا حرام نہیں ہے۔

۳۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اجنبی مردوں کے سامنے عورت کا چہرہ اور اس کے دونوں ہاتھ ستر ہیں، لیکن کافر عورت کے سامنے وہ ستر نہیں۔ اس طرح وہ حصہ جسم بھی مسلمان عورت کا ستر نہیں ہے جو گھریلو کام کاج میں کھل جاتا ہے۔ مثلاً گردن اور کہنیاں۔ یاد رہے کہ وہ عورت جو اخلاقی اعتبار سے گری ہوئی ہو کافر عورت جیسی ہے۔

۴۔ مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ نماز کی حالت میں نہ ہو تو مرد کے ستر کی حیثیت دیکھنے والے کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے۔ پس محرم عورتوں اور مردوں کے سامنے ناف سے گھٹنے تک کا حصہ ستر ہے اور غیر محرم عورت کے لیے مرد کا تمام بدن ستر ہے۔ البتہ مالکیہ نے چہرہ اور اطراف جسم یعنی سر، ہاتھ اور پاؤں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ لہٰذا اجنبی عورت کو اس پر نظر ڈالنا جائز ہے، بشرطیکہ شہوانی لذت سے خالی ہو، بصورت دیگر ممنوع ہے۔ بخلاف شافعیہ کے جو کہتے ہیں کہ اس پر نظر ڈالنا مطلقاً حرام ہے۔

Marfat.com

کے بعد بھی ان پر نظر ڈالنا حرام ہے۔[1] عورت کی آواز "ستر" نہیں ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج صحابہ سے کلام کرتیں اور ان سے احکام شریعت کو سنتی تھیں، تاہم اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو عورت کی آواز کا سننا حرام ہے، خواہ وہ قرآن حکیم کی تلاوت ہی کی آواز ہو۔ بے ریش لڑکے کو گھورنا بھی حرام ہے، بشرطیکہ وہ لڑکا گورا چٹا ہو اور قصداً اس کی طرف لذت یاب ہونے اور اس کی خوبصورتی سے آنکھیں سینکنے کی غرض سے دیکھا جائے۔ البتہ اگر لذت کے لیے نہ ہو اور فتنہ کا اندیشہ بھی نہ ہو تو دیکھنا جائز ہے۔

اب رہا کم عمر کا ستر سو اس کی تفصیل مسالک مختلفہ میں بیان کی گئی ہے۔[2]

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ ستر کے ایسے حصہ پر جو کٹ کر جدا ہو گیا ہو نظر ڈالنا حرام نہیں ہے، کیونکہ جسم سے جدا ہو کر اس کی حرمت جاتی رہتی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جسم سے جدا شدہ حصہ ستر کو دیکھنا جائز ہے۔ لیکن مرنے کے بعد اس کا دیکھنا ایسا ہی حرام ہے جیسے جڑے ہوئے حصہ کا ستر دیکھنا،

۲۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ کم سن اشخاص کا ستر حالت نماز میں وہی ہے جو مکلف بالوں غ کا ہے، خواہ وہ کم سن لڑکا ہو یا لڑکی، قریب البلوغ ہو یا نہ ہو۔ اگر حالت نماز نہ ہو تو قریب البلوغ لڑکے یا لڑکی کا ستر بقول صحیح وہی ہے جو نماز کے باہر بالوں غ انسان کا ہے۔ کم عمر لڑکا جو ہنوز بلوغ کے قریب نہ پہنچا ہو اس کا ستر محرموں کے ستر کی مانند ہے، بشرطیکہ اس کے اعضائے ستر کا دیکھنا بلا شائبہ خواہش نفس اچھا لگتا ہو۔ اگر اس کی خوش نمائی میں شائبہ نفس ہو تو ایسے اشخاص کے لیے اس کا ستر بالوں غ اشخاص کے ستر کی مانند ہے، اگر اس میں اچھا لگنے کی بات نہ ہو تو اس کا ستر نہ ہونے کے برابر ہے۔ لیکن اس شخص کو جس کے ذمہ اس بچے کی پرورش ہے اس کی اگلی پچھلی شرم گاہ پر نظر ڈالنا حرام ہے۔ اگر کوئی لڑکی قریب البلوغ نہ ہو لیکن طبع سلیم خیال کرتی ہے کہ اس سے برا خیال پیدا ہو سکتا ہے تو اس کا ستر بھی بالوں غ عورت کے ستر کی طرح قرار دیا جائے گا، ورنہ نہیں۔ تاہم اس کی شرمگاہ پر اس شخص کا جو اس کے پالنے کا ذمہ دار نہیں ہے، نظر ڈالنا حرام ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ حالت نماز کے باہر ہو تو کم عمر کے ستر کا تعین مرد ہونے یا عورت ہونے یا عمر کے اعتبار سے مختلف ہے۔ پس آٹھ سال یا اس سے کم عمر کا لڑکا ہو تو اس کا کوئی ستر نہیں ہے، لہٰذا عورت اس کے تمام جسم کو زندہ ہو تو دیکھ سکتی ہے اور میت ہو تو نہلا سکتی ہے۔ اسی طرح نو سال سے بارہ سال تک کے لڑکے کا تمام جسم دیکھ سکتی ہے۔ لیکن نہلانا جائز نہیں ہے۔ تیرہ سال سے اوپر کے لڑکے کا ستر مرد کے ستر کی مانند ہے۔ لڑکی دو سال اور آٹھ ماہ تک کی ہو تو اس کا کوئی ستر نہیں ہے

Marfat.com

یاد رہے کہ جس (حصہ ستر) کو دیکھنا حرام ہے اس کو بلا واسطہ ہاتھ لگانا بھی حرام ہے، خواہ بری خواہش سے نہ ہو۔

نماز میں قبلہ کی طرف رخ کرنے کا بیان

ہنوز ان شرائط کا کچھ بیان باقی ہے جن کا ذکر باب صلوٰۃ کے آغاز میں کیا گیا ہے۔ منجملہ شرائط صلوٰۃ کے وقت کا ہونا، ستر کا ڈھانکنا اور قبلہ کی طرف رخ کرنا ہے۔

وقت موجود ہونے اور ستر ڈھانکنے کے متعلقہ احکام کا بیان ہو چکا ہے۔ اب ان مسائل کا بیان کیا جاتا ہے جن کا تعلق قبلہ کی جانب رخ کرنے سے ہے۔ اندریں باب چند امور قابل ذکر ہیں:

اول قبلہ کی تعریف۔

دوم اس کے شرط نماز ہونے کی دلیل۔

سوم قبلہ کے تعین کا طریقہ۔

چہارم وہ صورتیں جن میں قبلہ کی طرف رخ کیے بغیر نماز صحیح ہے۔

پنجم کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کا مسئلہ۔

اب اسی ترتیب سے ان امور کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

اور تین سال سے چار سال تک کی لڑکی کو جہاں تک دیکھنے کا تعلق ہے اس کا کوئی ستر نہیں ہے، لہٰذا اس کے تمام جسم پر نظر پڑ سکتی ہے لیکن ہاتھ لگانے کے اعتبار سے اس کا ستر عورت کے ستر کی مانند ہے۔ لہٰذا مرد ایسی عمر کی لڑکی کو نہلا نہیں سکتا۔ ایسی لڑکی جس کے دیکھنے سے برا خیال پیدا ہو سکے جیسے چھ سال کی لڑکی تو (ستر کے باب میں) وہ عورت کے برابر ہے۔ لہٰذا مرد کو اس کی طرف دیکھنا یا اس کو نہلانا جائز نہیں ہے۔

حالت نماز میں کم عمر لڑکے کی دونوں شرم گاہیں اور حصہ زیر ناف اور کولھے ستر ہیں، اور ایسی لڑکی کا ستر ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے۔ لیکن اس کے سرپرست پر واجب ہے کہ وہ اس (لڑکے) کو ستر ڈھانکنے کے لیے بھی کہے، اسی طرح جیسے نماز کے لیے کہتا ہے۔ اس سے زیادہ جس حصہ کا ڈھانکنا آزاد عورت پر واجب ہے کم عمر لڑکی پر اس حصہ کا ڈھانکنا صرف مستحب ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ کم عمر بچوں کے لیے، لڑکا ہو یا لڑکی، کوئی ستر نہیں ہے۔ کم عمر بچہ کی تعریف چار سال کا یا اس سے کم عمر کا بچہ ہے۔ لہٰذا ایسے بچے کے جسم کو دیکھنا اور ہاتھ لگانا مباح ہے۔ اس عمر سے آگے جب تک کہ دیکھنے سے برا خیال نہ پیدا ہو تب تک بچے کا ستر صرف اس کی آگے اور پیچھے کی شرم گاہ ہے۔ لیکن اگر وہ اس حال کو پہنچ جائے کہ اس کے دیکھنے سے برا خیال پیدا ہو تو اس کا ستر بالغ مرد یا عورت کے ستر کی مانند ہے، حالت نماز میں بھی اور حالت نماز سے باہر بھی۔

Marfat.com

قبلہ کی تعریف

قبلہ کہتے ہیں کعبہ کی سمت کو یا خود کعبہ کو۔ لہٰذا جو شخص مکہ معظمہ میں یا اس کے قرب و جوار میں اقامت رکھتا ہے اس کی نماز نہ ہوگی جب تک کہ تا بحد امکان یقینی طور پر عین کعبہ سامنے نہ ہو۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو یہی کوشش لازم ہے کہ ٹھیک کعبہ کے سامنے رخ کیا جائے۔ کیونکہ مکہ میں رہتے ہوئے محض کعبہ کی سمت رخ کر لینا کافی نہیں ہے، ہاں کعبہ کے اوپر یا نیچے کے مقابل کی فضا کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا درست ہوگا، چنانچہ اگر کوئی شخص مکہ میں کعبہ سے اونچی کسی پہاڑی پر، یا کسی اونچی عمارت پر ہے، اور ٹھیک کعبہ کے سامنے ہونا ممکن نہیں ہے تو اس کے لیے کافی ہے کہ اس فضا (یا خلا) کی طرف جو اس سے متصل ہے رخ کر لیا جائے۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ کوئی شخص کعبہ سے نیچے نشیب میں ہو تو کعبہ کی بالائی اور زیریں فضا کی جانب جو کعبہ سے متصل ہے، رخ کر لینا آئمہ ثلاثہ کے نزدیک خود عمارت کعبہ کی جانب رخ کر لینا ہے۔ مالکیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

جو شخص مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہو اس پر واجب ہے کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے محراب کی جانب رخ کرے، کیونکہ مسجد نبوی کے محراب کی جانب رخ کرنا ٹھیک کعبہ کی طرف رخ کرنا ہے۔ اس واسطے کہ یہ محراب وحی سے تعمیر ہوئی تھی، لہٰذا بغیر انحراف کے وہ ٹھیک کعبہ کے رخ ہے۔ لیکن جو شخص مکہ سے دور دراز کے فاصلہ پر ہے اس کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ اس سمت کو رخ کرے جس سمت میں کعبہ واقع ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ٹھیک کعبہ کے مقابل ہو، بلکہ اگر عین کعبہ سے رخ دائیں یا بائیں جانب ہٹ جائے تو نماز صحیح ہوگی۔ نیز اگر سمت کعبہ سے بھی قدرے قلیل انحراف ہو جائے تب بھی حرج نہیں

حنابلہ کہتے ہیں کہ صغیر سن بچہ جو ہنوز سات سال کا نہیں ہوا اس کے لیے ستر کا کوئی حکم نہیں ہے، لہٰذا اس کے تمام بدن کو ہاتھ لگانا اور دیکھنا حلال ہے۔ اس سے آگے نو سال سے پہلے تک کی عمر کے لڑکے کا ستر حالت نماز اور خارج نماز دونوں حالتوں میں صرف آگے اور پیچھے کی شرمگاہ ہے، اور اگر لڑکی ہے تو اس کا ستر ناف سے گھٹنوں تک حالت نماز میں ہے لیکن نماز سے باہر محارم کے سامنے اس کا ستر ناف سے گھٹنے تک ہے اور اجنبی کے سامنے تمام بدن ستر ہے، ماسوا چہرہ گردن سر کہنیوں تک دونوں ہاتھوں، پنڈلی اور پاؤں کے۔

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ جو شخص مکہ یا اس کے قریبی علاقہ میں ہو اس پر واجب ہے کہ عمارت کعبہ کو قبلہ بنا کر ادھر رخ کرے، بایں طور کہ اس کا پورا جسم کعبہ کے رخ ہو، کعبہ کی فضا کی طرف رخ کرنا کافی نہیں ہے۔ تاہم وہ کہتے ہیں کہ جس نے جبل ابوقبیس پر نماز پڑھی تو اس کی نماز اس قول مرجوح کی بنا پر صحیح ہوگی کہ فضائے کعبہ کی جانب رخ کر لینا کافی ہے۔

Marfat.com

ہے۔ اس واسطے کہ شرط یہ ہے کہ چہرے کا کچھ حصہ کعبہ کی سمت باقی رہے۔ مثلاً اگر مصر میں نمازی نے (سیدھا) مشرق کی جانب رخ کیا اور دائیں جانب مائل نہیں رہا تو اس کا رخ قبلہ ہی کی طرف قرار دیا جائے گا۔ حالانکہ مصر میں قبلہ کا رخ (مشرق کی طرف) دائیں جانب جھکا ہوا ہے۔ اگر اس جھکاؤ کو نظر انداز کر دیا جائے تو (نماز میں) حرج نہیں ہوگا، کیونکہ بہر حال پورے طور پر کعبہ کے سامنے نہیں رہا جا سکتا۔ غرض قبلہ کی جانب رخ کرنا اس امر پر منحصر ہے کہ کسی قدر چہرے کی سطح سمت قبلہ کے مقابل ہو۔ ائمہ میں سے تین کی یہی رائے ہے۔ شافعیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

واضح ہو کہ کعبہ کا پتھر (حجر اسود) اور شاذ روان، جو مشہور ہیں اور ان کو جو لوگ مکہ گئے ہیں، جانتے ہیں، یہ کعبہ نہیں ہے اور ان کی تفصیل ان شاء اللہ حج کے باب میں کی جائے گی۔ پس جو شخص مکہ میں ہو اور "حجر" کی طرف یا شاذ روان کی طرف رخ کرے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ حنابلہ کو اس سے اختلاف ہے۔ ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

نماز میں قبلہ رخ ہونا صحت نماز کی شرط ہے

کتاب، سنت اور اجماع سے یہ امر ثابت ہے کہ نماز میں قبلہ رخ ہونا صحت نماز کی شرائط میں

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص، خواہ کعبہ کے قریب ہو یا دور ہو، اس پر واجب ہے کہ عین کعبہ کی طرف، یا کعبہ کے ساتھ جو فضا ہے اس کی جانب رخ کرے، جیسا کہ اوپر متن کتاب میں بیان ہوا۔ البتہ قریب والے پر واجب ہے کہ عین کعبہ کی جانب، یا فضائے کعبہ کی طرف رخ کرے اور دل کو یقین ہو کہ اس کو دیکھ رہا ہے یا چھو رہا ہے وغیرہ۔ لیکن جو شخص دور ہو وہ بقول معتبر اپنے گمان غالب میں یہ یقین رکھتا ہو (کہ وہ عین کعبہ کے سامنے ہے) نہ کہ (یہ یقین کہ) سمت کعبہ کے رخ ہے۔

یاد رہے کہ اگر سینہ کعبہ کے سامنے سے کسی قدر بھی ہٹا ہوا ہو تو کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر پڑھنے والے کی نماز نہ ہوگی لہٰذا کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کا سینہ (بہ دوران نماز) قبلہ سے پھر گیا تو نماز جاتی رہے گی۔ ہاں چہرہ ہٹ جائے تو نماز نہ جائے گی۔ لیکن کروٹ سے لیٹ کر نماز پڑھنے والے کا سینہ یا چہرہ کعبہ کی طرف سے ہٹ جائے تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اور جو شخص چت لیٹ کر نماز پڑھے اس کا چہرہ یا تلوے کعبہ کی طرف سے ہٹ جائیں تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

۲۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ شاذ روان اور حجر سے چھ گز تک اور تقریباً گز بھر اوپر تک کا فاصلہ کعبہ میں داخل ہے، لہٰذا اگر کسی نے اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی تو اس کی نماز درست ہوگی۔

Marfat.com

سے ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"قد نری تقلب و جهک فی السماء فلنولینک قبلة ترضاها فول و جهک شطر المسجد الحرام" (یعنی اے پیغمبر ﷺ! ہم تمہارا آسمان کی طرف مڑمڑ کر تکنا دیکھ رہے ہیں۔تو ہم ضرور وہی قبلہ تمہارے لیے مقرر کریں گے جو تمہاری پسند ہے۔اب اپنا رخ مسجد حرام کی طرف کرلو)۔

یہ تو ہوا قرآن،اور احادیث اس باب میں کثرت سے آئی ہیں،منجملہ ان کے وہ حدیث ہے جو بخاری اور مسلم نے مالک سے انہوں نے عبداللہ ابن دینار سے اور انہوں نے عبداللہؓ بن عمر سے تخریج کی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ اس دوران جب کہ لوگ مسجد قبا میں فجر کی نماز پڑھ رہے تھے،کسی نے آکر کہا کہ آنحضرت ﷺ پر رات کو وحی نازل ہوئی جس میں انہیں کعبے کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو اب تم سب لوگ اسی طرف رخ کرو۔لوگوں کا رخ اس وقت شام کی سمت میں تھا،سب نے مڑکر کعبہ کی طرف رخ کرلیا۔

امام مسلمؒ نے حضرت انسؓ سے تخریج کی ہے کہ آنحضرت ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھا کرتے تھے جب یہ آیت نازل ہوگئی:"قد نری تقلب وجهک فی السماء فلنولینک قبلة ترضاها فول وجهک شطر المسجد الحرام" تو قبیلہ بنی سلمہ کے ایک صاحب وہاں آئے جب کہ لوگ نماز فجر میں رکوع کے اندر تھے،ایک رکعت پڑھ چکے تھے،انہوں نے پکار کر کہا کہ"لوگو! آگاہ ہو جاؤ قبلہ بدل گیا ہے۔"تو وہ سب جس حال میں تھے اسی طرح کعبے کی طرف مڑ گئے اسی طرح کی اور بھی احادیث صحیحہ ہیں۔

اب رہا اجماع سو اس امر پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ قبلہ کی طرف رخ کرنا صحت نماز کی شرطوں میں سے ہے۔

قبلہ کا رخ متعین کرنے کے طریقہ کا بیان

قبلہ کا رخ جاننے کے لیے چند امور ہیں جن کی تفصیل اہل مسالک نے کی ہے۔ہم نے یک جائی طور پر ہر مسلک کو ذیلی حاشیہ میں بیان کردیا ہے۔(1) تاکہ اس کا یاد رکھنا اور قبلہ کا پہچاننا بغیر کسی غیر ضروری

۱۔حنفیہ کہتے ہیں کہ جسے قبلہ کا پتہ نہ ہو اور وہ چاہتا ہو کہ اس باب میں رہنمائی حاصل کرے تو دیکھنا چاہیے کہ آیا وہ کسی شہر یا دیہات میں ہے یا یہ کہ کسی جنگل وغیرہ میں کسی ایسی جگہ پر ہے جہاں کوئی مسلمان نہیں رہتا،ان دونوں حالتوں

Marfat.com

کے مسائل الگ الگ ہیں:

پہلی حالت ہوئی تو وہاں مسجدیں ہوں گی جن میں پرانی محرابیں ہوں گی جن کو صحابیوں یا تابعیوں نے تعمیر کیا ہو گا، جیسے شام کے ملک دمشق میں مسجد اموی اور مصر میں مسجد عمرو بن العاص۔ ایسی صورت میں واجب ہے کہ ان پرانی محرابوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے اور ان محرابوں کی موجودگی میں قبلہ کی جستجو صحیح نہیں ہے۔ اگر خود اپنے خیال سے قبلہ متعین کر کے اس رخ کے علاوہ کسی اور طرف رخ کر کے نماز پڑھی گئی تو نماز درست نہ ہوگی۔ بخلاف شافعیہ کے جو کہتے ہیں کہ پرانی محرابوں کی موجودگی میں بھی قطب وغیرہ سے رہنمائی حاصل کرنا چاہیے، لیکن مالکیہ کو اتفاق ہے، جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ پرانی محرابوں کی مثال ایسی ہے جیسے صحابہ اور تابعین کی بنائی ہوئی محرابیں اور وہ محرابیں جو اسی رخ پر تعمیر ہوئیں اور جن کو ان ہی پر قیاس کیا گیا ہے۔

دوسری حالت یعنی اس صورت میں جب کہ کوئی شخص ایسے مقام پر ہو جہاں پرانی محرابیں نہیں ہیں، ایسی صورت میں واجب ہے کہ سمت قبلہ کی بابت لوگوں سے دریافت کیا جائے۔ دریافت کی تین شرطیں ہیں: اول یہ کہ جس سے پوچھا جائے وہ اتنا قریب ہو کہ اگر اسے پکارا جائے تو آواز سنائی دے۔ لہٰذا یہ ضروری نہیں ہے کہ ایسے شخص کی جستجو کی جائے جس سے دریافت کرنا ہو۔ دوم یہ کہ جس سے پوچھا گیا وہ ایسا شخص ہو جس کی گواہی شرعاً قابل قبول ہوتی ہے، لہٰذا کافر، بدکار اور بچے سے دریافت کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان کی گواہی نہیں مانی جائے گی۔ اس طرح اگر وہ قبلہ کا رخ (بلا پوچھے) بتائیں تو وہ بھی نہ مانا جائے گا، البتہ اگر ان کی بات کے سچ ہونے کا گمان غالب ہو تو (مان لینا چاہیے) اور ایک ہی حق پسند شخص سے دریافت کر لینا کافی ہے۔ اب اگر ایسا شخص مل جائے جس سے دریافت کیا جا سکتا ہے تو اپنی رائے کا دوڑانا جائز نہیں ہے۔

تیسری حالت یہ ہے کہ نہ کوئی محراب نظر آئے اور نہ کوئی ایسا شخص ملے جس سے دریافت کیا جا سکے، تو اس صورت میں چاہیے کہ قبلہ کا تعین خود اپنی سوچ بچار سے کیا جائے کہ اس طرف رخ کر کے نماز پڑھ لی جائے جدھر قبلہ ہونے کا گمان غالب ہو۔ اس طرح نماز بہرحال درست ہوگی۔

یہ مسائل اس صورت میں ہیں جب کہ کوئی شخص کسی شہر یا بستی میں ہو، اگر کوئی مسافر ہے اور صحرا وغیرہ کسی ایسے مقام پر ہے جہاں کوئی مسلمان باشندہ نہیں ہے، تو اب اگر وہ ستارہ شناس ہے اور اس کے ذریعہ یا سورج یا چاند سے قبلہ کا رخ جان سکتا ہے تو فبہا، اگر وہ خود واقف نہیں ہے اور کوئی شخص جو قبلہ کا رخ جانتا ہے، اسے مل جائے تو واجب ہے کہ اس سے دریافت کیا جائے۔ اگر دریافت کرنے پر جواب نہ ملا تو چاہیے کہ حتی المقدور اپنی سوجھ بوجھ سے قبلہ کا رخ متعین کرنے کی کوشش کرے اور نماز پڑھ لے۔ اس نماز کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، خواہ وہ شخص جس نے دریافت کرنے پر کچھ نہ بتایا تھا اب بتا دیا ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر نمازی کسی ایسے مقام پر ہو جہاں قبلہ کا رخ معلوم نہیں ہے تو دیکھنا چاہیے کہ اس علاقہ میں کوئی مسجد ہے جس میں پہلے سے بنی ہوئی محراب ہو، تو ضروری ہے کہ اس محراب کی جانب رخ کر کے نماز پڑھ لی جائے۔
قدیم محرابوں کا انحصار ان چار محرابوں پر ہے:

Marfat.com

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا محراب۔
مسجد بنی امیہ کی محراب شام میں۔
مسجد عمرو بن العاص کی محراب مصر میں، اور مسجد قیروان کی محراب۔
اب اگر کسی نے اپنی رائے دوڑا کر اوران محرابوں سے پھر کر کسی اور طرف رخ کر کے نماز پڑھ لی تو نماز باطل ہو گی۔ ان محرابوں کے علاوہ اگر کوئی اور محراب شہر میں موجود ہو اور اس کو ماہرین کے مقرر کردہ قواعد کے مطابق ٹھیک طور سے بنایا گیا ہو تو جو شخص (اس کے صحیح ہونے کی بابت) اپنی رائے سے کام لینے کی قابلیت رکھتا ہے تو اسے ان محرابوں کی سمت رخ کر کے نماز پڑھ لینا جائز ہے، لیکن واجب نہیں ہے کہ اس کی تقلید کی جائے۔

وہ محرابیں جو دیہاتوں میں پائی جاتی ہیں ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا ایسے شخص کے لیے جائز نہیں ہے جو اپنی رائے سے کام لینے کی صلاحیت رکھتا ہے، بلکہ واجب ہے کہ نماز پڑھنے سے پہلے اس کی بناوٹ کے درست ہونے کی بابت اپنی رائے قائم کرے۔ ہاں اگر رائے قائم کرنے کی صلاحیت نہیں ہے اور کوئی ایسا شخص بھی نہیں ہے جو اس باب میں اجتہاد کرنے کی قابلیت رکھتا ہو جس کی تقلید کی جا سکے، تو اسی محراب کی جانب رخ کر کے نماز پڑھ لینا واجب ہے۔

الغرض جن علاقوں میں محراب پائے جاتے ہیں ان کی تین قسمیں ہیں: اول ان چار مسجدوں کے محراب جن کا اوپر ذکر کیا گیا۔ ان کی موجودگی میں کسی اور سمت رخ کر کے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

دوسری وہ محرابیں جو شہروں کی مسجدوں میں پائی جاتی ہیں، اور جن کو قاعدہ کے مطابق ٹھیک بنایا گیا ہے۔ ایسی صورت میں صاحب اجتہاد (جس کو رائے قائم کرنے کی صلاحیت ہے) پر واجب نہیں ہے کہ اس کی سمت رخ کر کے نماز پڑھے، بلکہ اس کو اختیار ہے کہ وہ رخ چھوڑ کر اپنے اجتہاد سے قبلہ کا رخ متعین کرے یا پھر اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لے۔

تیسری قسم کی وہ محرابیں ہیں جو حالیہ دیہاتوں کی مسجدوں میں پائی جاتی ہیں۔ اہل تحری کو (جسے اپنی رائے سے کام لینے کی صلاحیت ہے) اسی طرف نماز پڑھنا جائز نہیں ہے (جب تک کہ اس کو اپنی رائے کے مطابق نہ پائے)، ہاں ایسی صلاحیت نہ ہو تو اسی رخ نماز پڑھ لینا واجب ہے۔

یہاں تک تو ان علاقوں کا ذکر ہوا جہاں محرابیں پائی جاتی ہیں۔ اگر ایسا علاقہ ہو جہاں کوئی محراب نہیں ہے اور یہ ممکن ہے کہ قبلہ کا رخ اپنی فکری صلاحیت سے متعین کیا جا سکے تو لازم ہے کہ فکری صلاحیت سے کام لیا جائے اور کسی سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اگر سمت قبلہ کی علامتیں مخفی ہوں تو ایسی صورت میں لازم ہے کہ قبلہ کی جہت کی بابت کسی مکلف اور حق پسند سے جو قبلہ کے دلائل سے آگاہ ہو، دریافت کیا جائے خواہ وہ عورت ہو یا غلام۔

یہ حکم اس کے لیے ہے جو تحری اور اجتہاد (یعنی دریافت اور سعی) کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اگر اس کا اہل نہ ہو تو واجب ہے کہ کسی مکلف حق پسند اور قبلہ آشنا شخص سے دریافت کیا جائے۔ اگر ایسا شخص دستیاب نہ ہو جس سے دریافت کیا جا سکے تو جس طرف بھی رخ کر کے نماز پڑھی جائے تو نماز درست ہو گی۔

متذکرہ بالاں تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ پرانی محرابوں کی پاؤں وی کے مسئلے میں مالکیہ حنفیہ سے متفق ہیں،

Marfat.com

لیکن مالکیہ نے اس کو صرف چار (محرابوں) تک منحصر رکھا ہے، اور حنفیہ کہتے ہیں کہ وہ تمام محرابیں جو صحابہؓ اور تابعینؒ نے بنائی ہیں، وہ (سمت) قبلہ کی دوسری نشانیوں سے مقدم ہیں۔ دریافت کرنے یا اپنی رائے سے کام لینے کے باب میں ان میں اختلاف ہے۔ حنفیہ تو یہ کہتے ہیں کہ محرابیں موجود نہ ہوں تو پہلے دریافت کرنا لازم ہے۔ اگر ایسا شخص نہ ملے جس سے دریافت کیا جاسکے تو اپنی رائے سے (قبلہ کا رخ) طے کیا جائے۔ لیکن مالکیہ کہتے ہیں کہ جو شخص تحری (اپنی رائے سے کام لینے) کی صلاحیت رکھتا ہے اسے اپنی رائے سے کام لینا چاہیے، کسی اور سے دریافت نہ کرے، سوا اس صورت کے جب کہ تحری کی علامتیں مخفی ہوں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ تعین قبلہ کے چار درجے ہیں: پہلا درجہ تو یہ ہے کہ خود نمازی کو معلوم ہوسکتا ہو۔ لہٰذا جس شخص کے لیے ممکن ہے کہ وہ قبلہ کا رخ خود ہی جان سکتا ہے اس پر لازم ہے کہ قبلہ کا رخ خود ہی متعین کرے اور کسی دوسرے سے اس کی بابت دریافت نہ کرے۔ چنانچہ اگر کوئی نابینا مسجد میں ہو اور اسے مسجد کی دیوار سے (ٹٹول کر) قبلہ کا رخ معلوم کر لینا ممکن ہے تو اسے ایسا کرنا لازم ہے اور کسی سے دریافت نہ کرے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ کسی معتبر شخص سے جو قبلہ کا رخ جانتا ہو، دریافت کیا جائے، بشرطیکہ اسے معلوم ہو کہ قبلہ فلاں رخ ہے۔ یہ بتایا جاچکا ہے کہ معتبر شخص سے سوال کرنا بھی اسی حالت میں چاہیے جب کہ فطری طور پر بذات خود دریافت کرنے سے معذوری ہو۔ بصورت دیگر دریافت کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ واضح ہو کہ بیت ابرہ یا البوصلہ (یعنی قبلہ نما یا سمت نما) وغیرہ آلات جن سے قبلہ کا رخ متعین کیا جاسکے، جیسے قطب تارہ، سورج، چاند اور محرابیں وغیرہ جو مسلمانوں کے بڑے شہروں میں موجود ہیں یا چھوٹے شہروں کی محرابیں جس طرف بیشتر اشخاص رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں، یہ تمام امور معتبر شخص کے قائم مقام ہیں۔ غرض یہ کہ دریافت قبلہ کے دوسرے درجہ میں کسی معتبر سے دریافت کرنا یا بیت ابرہ یا قطب تارہ یا محرابوں کی موجودگی شامل ہے۔ اب یہ محرابیں صحابہؓ و تابعینؒ کی تعمیر کردہ پرانی محرابیں ہوں یا ایسی دوسری محرابیں ہوں جدھر رخ کر کے بکثرت نماز پڑھی جاتی ہو۔ لیکن ایسی محرابیں جو چھوٹی چھوٹی مساجد میں بنی ہوئی ہیں اور کشتواروغیرہ میں استعمال کی جاتی ہیں ان کا اعتبار نہ کرنا چاہیے۔

تیسرا درجہ اجتہاد (ذاتی رائے سے کام لینے) کا ہے۔ اس میں اجتہاد اسی حالت میں درست ہے جب کہ کوئی معتبر آدمی جس سے دریافت کیا جاسکے نہ ملے، یا دریافت قبلہ کے وسائل میں سے کوئی وسیلہ نہ ہو، یا کسی بڑی مسجد کی محراب یا اسی نہج پر بنی ہوئی چھوٹی مسجد کی محراب موجود نہ ہو۔ یہ باتیں نہ ہوں تب ہی اجتہاد سے کام لیا جاسکتا ہے۔ اور (اس طرح) اجتہاد کے بعد جس سمت کو قبلہ قرار دیا جائے، وہی اس شخص کا قبلہ ہوگا۔ پس اگر کسی نے نماز ظہر کے وقت اپنی رائے سے قبلہ کا تعین کیا۔ پھر عصر کے وقت وہ رخ یاد نہ رہا تو اب دوبارہ اجتہاد کرنا چاہیے۔

چوتھا درجہ مجتہد کی پاؤں وی ہے یعنی اگر کوئی شخص کسی معتبر سے دریافت نہ کرسکا، یا محراب وغیرہ سے قبلہ کی سمت نہ معلوم ہوسکی، تو اب چاہیے کہ ایسے شخص کی پاؤں وی کرے جس نے قبلہ کا رخ دریافت کرنے کے لیے اجتہاد کیا ہو اور اسی جانب رخ کر کے نماز پڑھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شافعیہ کو صحابہؓ اور تابعینؒ کی تعمیر کردہ ان محرابوں کے مسئلہ میں، جو مسجدوں میں موجود ہیں،

Marfat.com

مالکیہ اور حنفیہ سے اختلاف ہے۔ مالکیہ نے ان محرابوں میں سے بعض کو معتبر قرار دیا ہے کہ ان کی موجودگی میں (سمت قبلہ کے تعین کے لیے) کوئی اور وسیلہ نہ تلاش کیا جائے۔ حنفیہ نے (بعض کو نہیں بلکہ) ایسی تمام محرابوں کو معتبر قرار دیا ہے۔ شافعیہ کا کہنا ہے کہ تمام محرابیں سمت قبلہ معلوم کرنے کے وسائل میں دوسرے درجہ پر ہیں، جیسے قبلہ نما یا قطب تارہ وغیرہ۔ تاہم شافعیہ کو (ذرائع تعین قبلہ کی) ترتیب کے بارے میں حنفیہ سے اتفاق ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ جب قبلہ کی سمت معلوم نہ ہو تو واجب یہ ہے کہ پہلے دوسروں سے دریافت کیا جائے۔ اگر ایسا شخص جس سے معلوم ہو سکے موجود نہ ہو تو لازم ہے کہ اپنی فکر و رائے سے کام لیا جائے۔ البتہ شافعیہ نے حنفیہ کی اس ترتیب میں ایک اور امر کا اضافہ کیا ہے، یعنی مجتہد (اہل رائے کی تقلید)۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر قبلہ کا رخ معلوم نہ ہو تو دیکھنا چاہیے کہ آیا وہ ایسا شہر ہے جہاں مسلمانوں کی تعمیر کردہ محرابیں، جن سے سمت قبلہ کی رہنمائی ہو سکتی ہو، موجود ہیں۔ اس صورت میں واجب ہے کہ اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے۔ جب کہ یہ علم ہو جائے کہ وہ مسجد مسلمانوں ہی کی تعمیر کردہ ہے تو اس کے خلاف اور سمت کو رخ کرنا کسی حال میں جائز نہیں ہے۔ بلکہ اس رخ کو چھوڑ کر کسی اور جانب منہ کر کے (نماز پڑھنا) روا نہ ہوگا۔ اگر وہ محراب کسی ویران شدہ بستی میں ہے، جہاں آثار قدیمہ موجود ہیں تو اس کی پاؤں وی جائز نہیں جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ وہ محراب کسی ایسی مسجد کی ہے جو مسلمانوں کی تعبیر کردہ ہے مگر منہدم شدہ ہے۔ اگر ایسی محرابیں موجود نہ ہوں تو قبلہ کی بابت دوسروں سے دریافت کرنا ضروری ہے، خواہ اس کے لیے دروازوں پر دستک دینا پڑے، یا ایسے شخص کی جستجو کرنا پڑے جو اس کی رہنمائی کر سکتا ہو۔ اس باب میں بھروسہ صرف معتبر پر کرنا چاہیے خواہ وہ مرد ہو، یا عورت ہو یا غلام ہو، اب اگر بتانے والا یقینی طور پر سمت قبلہ سے واقف ہے تو اس کی بات پر عمل کرنا واجب ہے اور اپنی رائے سے کام لینا جائز نہیں ہے۔ اگر اس شخص کو یقینی طور پر نہیں، بلکہ ظنی طور پر علم ہو تو دیکھنا چاہیے کہ اگر وہ شخص (تعین سمت قبلہ) کے دلائل سے واقف ہے تو اس کی پاؤں وی فرض ہے، بشرطیکہ وقت تنگ ہو اور جستجو کی گنجائش نہ ہو، بصورت دیگر اسے واقفیت حاصل کرنا اور اپنے اجتہاد سے کام لینا لازم ہے۔ اگر کوئی شخص سفر میں ہے اور ایسا آدمی دستیاب نہ ہو (جو سمت قبلہ بتا سکے)، اور وہ خود سمت قبلہ متعین کرنے کے دلائل سے واقف ہو تو ان دلائل کے ذریعہ سمت قبلہ کا دریافت کرنا اور اس کو معلوم کرنے کی کوشش کرنا فرض ہے۔ اب اگر اجتہاد کے بعد کوئی سمت گمان غالب سے متعین کر لی گئی تو اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھنی چاہیے۔ یہ نماز درست ہوگی۔ اگر اس سمت کو چھوڑ دیا جدھر بگمان غالب قبلہ کا تعین کیا تھا اور کسی اور سمت رخ کر کے نماز پڑھ لی تو نماز درست نہ ہوگی یہاں تک کہ اگر قبلہ کی صحیح سمت میں نماز پڑھی تب بھی (نماز نہیں ہوئی)۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک اہم مسئلہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بہر حال مسلمانوں کی نظر میں اجتہاد کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اگر اجتہاد کی صلاحیت نہ ہو، مثلاً یہ کہ آنکھیں دکھ رہی ہوں، یا سمت قبلہ دریافت کرنے کی قدرت ہی نہ ہو تو جس طرف بھی جی چاہے (رخ کر کے) نماز پڑھ لی جائے، اس نماز کا دہرانا ضروری نہیں ہے۔

متذکرہ بالا امور سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قبلہ کا رخ معلوم نہ ہو تو واجب ہے کہ پہلے محرابوں کی پاؤں وی کی جائے، بشرطیکہ محراب موجود ہو۔ اگر نہ ہو تو واجب ہے کہ قبلہ کا رخ جاننے والے سے دریافت کیا جائے۔ ایسا شخص نہ

Marfat.com

اب یہ تو معلوم ہو گیا کہ ائمہ کے نزدیک سمت قبلہ (متعین کرنے) کے دلائل جن امور پر منحصر ہیں وہ یہ ہیں:

وہ محرابیں جو مساجد میں موجود ہیں، بموجب تفصیل متذکرہ۔

اگر محرابیں نہ ہوں تو معتبر آدمی کی شہادت۔

اگر معتبر شخص نہ ہو تو

اپنی رائے اور سعی فکر سے کام لینا، اور

یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ بعض ائمہ کہتے ہیں کہ رائے اور اجتہاد (سے کام لینا) کسی معتبر کی شہادت پر مقدم ہے، وغیرہ، دیگر تفصیلات جو ہر مسلک کے مطابق ہیں بتا دی گئی ہیں۔

اب اس سلسلے میں چند مسائل کی تفصیل باقی ہے۔

اول یہ کہ ایسے تحری (یعنی اپنی رائے قائم) کرنے والے کا کیا حکم ہے جو کسی جہت کو دوسری جہات پر ترجیح نہ دے سکے؟

دوم یہ کہ کسی شخص نے تحری کر کے کوئی جہت متعین کر لی، بعد میں یہ معلوم ہوا کہ اس فیصلے میں یقیناً غلطی ہوئی ہے، یا بگمان غالب وہ خیال غلط تھا، تو نماز کے دوران یا نماز سے باہر اسے کیا کرنا چاہیے؟

سوم یہ کہ کسی شخص نے تحری کی ہی نہیں حالانکہ اس میں یہ صلاحیت موجود تھی، اور بغیر تحری کے نماز پڑھ لی تو اس کا کیا حکم ہے؟

چہارم یہ کہ ایک شخص میں اجتہاد (یعنی اپنے رائے سے فیصلہ کرنے) کی قابلیت ہے اور اس نے کسی اور مجتہد کی تقلید کر لی اس کا کیا حکم ہے؟

پہلی صورت کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی نے اجتہاد کیا، لیکن کسی ایک سمت کو دوسری سمت پر ترجیح نہ دے سکا اور جدھر بھی بن پڑا نماز پڑھی تو اس کی نماز خواہ کسی سمت رخ کر کے پڑھی گئی صحیح ہوگی اور اس نماز کو

ملے اور وہ خود اپنی رائے سے کام لینے کی صلاحیت رکھتا ہے تو ایسا کرے، یا پھر کسی صاحب الرائے کے اجتہاد کی پاؤں وی کرے۔ اگر ایسا شخص بھی نہ ہو تو حتی المقدور اپنی رائے قائم کر کے نماز پڑھی جائے۔ ان مراتب کے خلاف کیا گیا تو نماز باطل ہوگی اور اس کا دہرانا ضروری ہوگا، یہاں تک کہ اگر فی لواقع قبلہ کی صحیح سمت میں نماز پڑھی گئی (تب بھی دہرانا واجب ہوگا) کیونکہ (ان مراتب کا خیال نہ رکھنا) دراصل اس فریضہ کا ترک کرنا ہے جو ان حالات میں عائد ہوتا ہے۔

Marfat.com

دوبارہ پڑھنا نہیں پڑے گا۔

ائمہ میں سے تین اصحاب اس رائے سے متفق ہیں، البتہ شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ ان کے مسلک کی تفصیل ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔(۱)

دوسری صورت کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اس طرف رخ کر کے نماز پڑھی جس طرف کو اجتہاد کیا تھا اور بعد میں دوران نماز یہ معلوم ہوا کہ اس فیصلے میں غلطی ہوئی ہے، بایں طور کہ اس غلطی کا یقین ہو گیا یا اس کا گمان غالب ہوا کہ قبلے کا رخ کوئی اور ہے تو چاہیے کہ جس سمت میں قبلہ ہونے کا یقین یا گمان غالب ہو اس سمت کو حالت نماز میں مڑ جائے اور جس قدر نماز پڑھ لی ہے اسی پر بقیہ کی بنا رکھے۔ مثلاً اگر ظہر کی ایک رکعت اس طرف رخ کر کے پڑھی جدھر اپنی رائے سے سمت قبلہ قرار دیا تھا، پھر ایک رکعت پڑھنے کے بعد یہ علم ہوا کہ قبلے کا رخ کچھ اور ہے تو اسی حالت نماز میں اس سمت مڑ جانا چاہیے اور جو رکعت پڑھ لی ہے اسی پر بقیہ نماز کی بنا رکھی جائے گی۔ حنفیہ اور حنابلہ کی یہی رائے ہے، لیکن شافعیہ اور مالکیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔(۲)

۱۔ شافعیہ یہ تو کہتے ہیں کہ اگر کسی نے قبلے کا رخ متعین کرنے کے لیے اجتہاد کیا، لیکن کسی ایک سمت کو اور سمت پر ترجیح نہ دے سکا تو جس طرف بھی جی چاہے رخ کر کے نماز پڑھ لے، جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کا قول ہے، لیکن ائمہ ثلاثہ کے برخلاف اس نماز کا اعادہ واجب قرار دیتے ہیں۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی رائے سے قبلے کا رخ متعین کر کے اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے لگا اور نماز شروع کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ رائے قائم کرنے میں غلطی ہوئی تو واجب ہے کہ نماز (کی نیت) توڑ دے (اور نئے سرے سے نماز پڑھے) لیکن اس کے لیے دو شرطیں ہیں: پہلی شرط یہ ہے کہ نمازی بینا ہے، اگر نابینا ہے تو نماز کی نیت توڑنا روا نہیں ہے، لیکن اسے واجب ہے کہ قبلے کی جانب مڑ جائے اور جس قدر نماز پہلے پڑھ چکا ہے اسی پر بقیہ کی بنا رکھے۔ ورنہ اس (نابینا) کی نماز باطل ہو جائے گی، جیسا کہ دوسرے مسالک میں ہے۔ غرض جہاں تک نابینا کا تعلق ہے، مالکیہ دوسرے ائمہ سے متفق ہیں اور بینا کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ رخ قبلہ سے بہت ہٹا ہوا ہو۔ اگر معمولی سا ہٹا ہوا ہے تو نماز باطل نہ ہوگی، خواہ نماز پڑھنے والا بینا ہو یا نابینا، لیکن نماز کے دوران صحیح قبلے کا علم ہونے پر ان دونوں طرح کے اشخاص کو قبلے کی طرف مڑ جانا واجب ہے۔ اگر نہیں مڑے گا تو نماز ہو جائے گی، لیکن گناہ ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر نماز کے دوران یہ معلوم ہو کہ تعین سمت قبلہ میں یقیناً غلطی ہوئی ہے تو نماز جاتی رہے گی اور دوبارہ نماز پڑھنا پڑے گی۔ بینا اور نابینا کا اس مسئلے میں کوئی امتیاز نہیں ہے لیکن اگر یقین نہیں بلکہ غلطی کا محض گمان ہے تو نماز کو نہ توڑنا چاہیے، مثلاً کوئی شخص اپنی رائے قائم کر کے نماز پڑھنے لگا اور کسی معتبر آدمی نے جو مشاہدے کی بنا پر سمت قبلہ

Marfat.com

ایک صورت یہ ہے کہ اپنی رائے سے سمت قبلہ کا تعین کرنے کے بعد پوری نماز پڑھ لی تب یہ معلوم ہوا کہ وہ رخ جدھر نماز پڑھی ہے یقینی طور پر یا بگمان غالب غلط تھا تو وہ نماز صحیح واقع ہوئی اور دوبارہ پڑھنا نہیں پڑے گا۔ شافعیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے اگرچہ اس باب میں مالکیہ کی رائے کسی قدر تفصیل طلب ہے، چنانچہ ان تمام امور کو ذیلی حاشیے میں بیان کر دیا گیا ہے۔ (۱)

تیسری صورت کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی نے اجتہاد اپنی رائے سے کام نہ لیا حالانکہ وہ ایسا کر سکتا تھا یعنی کسی اور مجتہد کی پاؤں وی کی یا اجتہاد کیے بغیر ہی تنہا نماز پڑھ لی تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ اگرچہ یہ تحقیق ہو جائے کہ سمت قبلہ کے تعین میں اس کا خیال صحیح تھا۔ اس مسلے میں تین امام متفق ہیں، لیکن حنفیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

چوتھی صورت کا جواب ان احکام سے حاصل کرنا ممکن ہے جو قبلے کے دلائل میں بیان کیے گئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ایسا شخص جو خود اجتہاد کر سکتا ہے تو اسے دوسروں کی پاؤں وی نہیں کرنی چاہئے، لیکن اگر

سے واقف ہو یہ بتایا کہ اس نمازی کا رخ قبلے کی جانب نہیں ہے، تو نماز جاتی رہے گی اور پہلی رائے جو قائم کی گئی تھی وہ کچھ فائدہ نہ دے گی، خواہ وہ شخص بینا ہو یا نابینا۔ مالکیہ جو بینا اور نابینا کے مسائل میں امتیاز کرتے ہیں، اس باب میں اختلاف رکھتے ہیں۔ حنفیہ اور حنابلہ کو اس امر میں اختلاف ہے کہ جب یہ علم ہو کہ یہ قبلہ ہے اُدھر مڑ جانا جائز ہے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر اپنی رائے سے سمت قبلہ متعین کر کے اسی طرف پوری نماز پڑھ لی اور نماز ختم کرنے کے بعد یقینی طور پر معلوم ہوا کہ وہ رخ غلط تھا تو نماز جاتی رہے گی اور دوبارہ پڑھنا لازم ہے ہاں اگر یقین نہیں بلکہ محض گمان ہے تو اس سے نماز میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر اپنی رائے سے سمت قبلہ متعین کر کے پوری نماز پڑھ لی اور نماز کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں غلطی ہوئی ہے اور نماز قبلہ رخ نہیں پڑھی گئی تو نماز درست ہوگی خواہ اس کا غلط ہونا یقینی ہو یا ظنی البتہ یہ بات کھل جائے کہ واقعی نماز قبلہ رخ نہیں پڑھی گئی تو ایک بینا شخص کے لیے مستحب یہ ہے کہ نماز دوبارہ پڑھ لے، بشرطیکہ نماز کا وقت باقی ہو۔ اس مسلے میں حنفیہ اور حنابلہ نے مالکیہ سے اختلاف کیا ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اجتہاد پر قادر ہے اور اس کے خیال میں جدھر قبلہ تھا اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لی اور بعد میں یہ ثابت ہوا کہ قبلہ اسی رخ تھا تو نماز صحیح ہوگی۔ البتہ اگر یہ معلوم ہوا کہ اس میں غلطی ہوئی ہے، خواہ یہ غلطی دوران نماز معلوم ہوئی یا اس کے بعد تو وہ نماز باطل ہو جائے گی اور دوبارہ پڑھنا لازم ہوگا۔ لیکن اگر قبلہ کے تعین میں شک رہا اور اپنی رائے سے کام نہیں لیا تھا اور نماز پڑھ لی، پھر علم ہوا کہ وہ نماز قبلہ کے رخ ہی پڑھی گئی ہے تو اگر یہ علم نماز پوری ہونے کے بعد ہوا تو نماز صحیح ہوگی اور اس کا دہرانا ضروری نہیں لیکن اگر یہ علم بہ دوران نماز ہوا تو وہ نماز جاتی رہی، پھر سے نماز پڑھنا واجب ہے۔

Marfat.com

قطعاً اجتہاد سے عاجز ہے تو کوئی اور مجتہد جس نے اپنی رائے سے قبلے کا رخ معلوم کر لیا ہو اس مجتہد کی تقلید کر لے۔ بصورت دیگر جس رخ چاہے نماز پڑھ لی جائے اور اس نماز کا دہرانا ضروری نہیں ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کی یہی رائے ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ کی رائے ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو[1]

سورج یا قطب تارے سے قبلے کا رخ متعین کرنے کا طریقہ

یہاں پر یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ ان باتوں کا مسائل فقہیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ امور بھی مسائل فقہ میں داخل ہیں، کیونکہ قبلے کی سمت کا جاننا ان امور کے جاننے پر موقوف ہے۔ اسی لیے بعض اصحاب فقہ نے کہا ہے کہ ان باتوں کا جاننا سنت ہے۔

واضح ہو کہ قبلے کا رخ جاننے کے وسائل بہت سے ہیں اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے۔ لہٰذا ضروری نہیں ہے کہ سورج یا ستارے ہی سے قبلے کی رہنمائی حاصل کی جائے۔ ہاں بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ ان امور کا جاننا ان لوگوں کے لیے جنہیں بحری سفر سے سابقہ رہتا ہے اور ان کے پاس ایسے ذرائع نہیں ہیں جن سے قبلے کی سمت معلوم ہو سکے، واجب ہے۔

بہر حال حقیقت یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں وہ تمام علوم سموئے ہوئے ہیں جن سے عوام کو فائدہ حاصل ہو خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر متضاد دلائل کی موجودگی سے اجتہاد کرنے والا کوئی رائے قائم کرنے سے عاجز ہو تو کوئی سی جہت اختیار کر کے اسی طرف نماز پڑھ لی جائے، لیکن کسی دوسرے مجتہد کی تقلید نہ کی جائے، بجز اس صورت کے جب کہ اس مجتہد کی رائے کا درست ہونا ثابت ہو۔ ایسی صورت میں اس کی پاؤں وی واجب ہو گی۔ جیسا کہ اس صورت میں واجب ہے جب کہ (سمت قبلہ) کا علم نہ ہو سکے اور وقت تنگ ہو رہا ہو۔ اگر قبلہ کے دلائل ابر یا قید میں ہونے کے باعث، یا ایسے ہی کسی سبب سے مخفی ہوں تو اس کا معاملہ مقلد جیسا ہے یعنی لازم ہے کہ کسی مجتہد یا محراب کی پاؤں وی کی جائے، اگر پاؤں وی کے قابل کوئی شے نہ ہو تو اب اختیار ہے کہ جدھر چاہے رخ کر کے نماز پڑھی جائے، نماز درست ہو گی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ایسی صورت ہو تو نماز میں تاخیر کرنی چاہیے، بشرطیکہ یہ گمان ہو کہ سمت قبلہ کے تعین میں جو مجبوری ہے وہ دور ہو جائے گی۔ بصورت دیگر اول وقت ہی میں نماز پڑھنی چاہیے، لیکن دونوں حالتوں میں نماز کا دوبارہ ادا کرنا لازم ہے۔

Marfat.com

یہ تو معلوم ہے کہ سورج اور ستارے ان ذرائع میں سے ہیں جن سے سمت قبلہ کی رہنمائی ہو سکتی ہے، لہٰذا ہر جہت میں سورج کے حساب سے قبلے کا رخ دریافت کیا جا سکتا ہے، کیونکہ جدھر سے سورج طلوع ہوتا ہے اس سے مشرق کی سمت متعین ہو جاتی ہے اور جدھر ڈوبتا ہے وہ مغرب ہے۔ اور جب مشرق اور مغرب معلوم ہو جائیں تو شمال وجنوب کے رخ بھی معلوم ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ہر سمت کے رہنے والے قبلہ کا رخ جان سکتے ہیں۔

Marfat.com

اب سمجھنا چاہیے کہ جو لوگ مصر میں ہیں ان کے لیے قبلے کا رخ مشرق کی سمت کسی قدر دائیں جانب مڑ کر ہے، کیونکہ کعبہ مصر سے مشرق اور جنوب کے درمیان اور مائل بہ مشرق ہے۔

اسی طرح قطب تارہ کہ نام ہے بنات النعش صغریٰ کے ایک چھوٹے ستارے کا، اس سے بھی ہر جہت میں قبلہ کے رخ کا پتہ لگایا جاتا ہے لہٰذا مصر میں لازم ہے کہ نمازی اس کو اپنے بائیں کان کے پیچھے رکھے۔ اسی طرح اسیوط، فوۃ، رشید، دمیاط اور اسکندریہ میں اور اسی طرح تیونس اور اندلس وغیرہ میں بھی۔

عراق اور ماوراء النہر میں چاہیے کہ نماز پڑھنے والا اس ستارے کو اپنے دائیں کان کے پیچھے رکھے۔

مدینہ منورہ، قدس، غزہ، بعلبک اور طرسوس وغیرہ میں اس ستارے کو بائیں مونڈھے کی جانب، اور الجزیرہ، ارمینیہ، موصل وغیرہ میں اس ستارے کو پشت پر ریڑھ کی ہڈی کے مقابل رکھے۔

بغداد، کوفہ، خوارزم، رے اور بلاد عجم میں حلوان وغیرہ میں وہ ستارہ نمازی کے دائیں رخسار کے مقابل ہونا چاہیے۔

بصرہ، اصفہان، فارس اور کرمان وغیرہ میں بائیں کان کے اوپر، اور طائف، عرفات، مزدلفہ اور منیٰ میں دائیں شانے کے مقابل رکھنا چاہیے۔

یمن میں وہ ستارہ سامنے کے رخ بائیں پہلو پر اور شام میں عقب کی جانب دائیں پہلو پر اور نجران میں پشت پر رکھا جائے۔

منجملہ دلائل تعین قبلہ کے بیت الابرۃ (کمپاس) ہے جسے بوصلہ بھی کہتے ہیں بشرطیکہ وہ صحیح بنا ہوا ہو۔

غرض قبلہ کا رخ مختلف مقامات پر تبدیل ہوتا رہتا ہے اور اس کا تعین ہر جہت میں ہندسی قاعدوں اور حساب کے ذریعہ کیا جاتا ہے، بایں طور کہ پہلے خط استوا سے اور مغرب کی جانب سے مکہ معظمہ کا فاصلہ دریافت کر لیا جائے، اس کے بعد اس مخصوص یا متعین شہر کا فاصلہ فاصلہ اسی طرح معلوم کیا جائے پھر انھیں بنیادوں پر قیاس کر کے قبلہ کی سمت دریافت کر لی جائے۔

یہ تمام امور اس مسئلہ کو مکمل کرنے کے لیے بیان کیے گئے ہیں۔ اگر عوام کے لیے اس کا سمجھنا مشکل ہو تو اس کو نظر انداز کر دیا جائے اور مشہور و معروف محرابوں کی طرف توجہ کی جائے، یا اور دوسری اہم علامات کو دیکھا جائے۔

Marfat.com

استقبالِ قبلہ کے واجب ہونے کی شرطیں

ہر نماز پڑھنے والے پر واجب ہے کہ قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے۔اس کے لیے دو شرطیں ہیں [1] اول قدرت، دوم تحفظ، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی مرض وغیرہ کے باعث خود قبلہ کی طرف نہیں مڑ سکتا اور ایسا کوئی شخص بھی نہیں ہے جو اس کا منہ قبلہ کی جانب موڑ دے [2] تو یہ فرض اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔لہٰذا جس طرف بھی بن پڑے اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لینی چاہیے۔یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ قبلہ رخ ہو جانے میں کسی انسان یا کسی اور شے سے جان یا مال کے ضرر کا اندیشہ ہو تو اس کا قبلہ وہی ہے جس طرف بن پڑے۔ان دونوں حالتوں میں پڑھی ہوئی نماز کا دہرانا واجب نہیں ہے۔

کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کے مسائل

سابقاً یہ بتایا جا چکا ہے کہ کعبہ کی عمارت مسلمانوں کا قبلہ ہے اور اس کی جانب رخ کیے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی خاص سمت کو مقدس قرار دیا گیا ہے، بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ یہ خدائے واحد کی عبادت ہے اور جس طرح اس کے ادا کرنے کا حکم ہے اسی طرح اس کو ادا کیا جانا چاہیے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: **سیقول السفهاء من الناس ما ولهم عن قبلتهم التی کانو علیها قل لله المشرق و المغرب یهدی من یشاء الی صراط مستقیم** یعنی کچھ احمق لوگ یہ کہنے لگیں گے کہ آخر کس نے ان مسلمانوں کو اس قبلہ سے جس پر وہ تھے پھیر دیا تو کہہ دو کہ مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ جسے چاہے راہ راست کی جانب رہنمائی کرتا ہے، غرض کسی خاص مکان کی جانب رخ کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانے کے لیے اس کے آگے جھک جانا ہے، تاہم اگر کوئی اس حکم کی حکمت کو جاننا چاہے تو اس کا جاننا آسان ہے کہ جس طرف رخ کر کے نماز کا حکم دیا گیا ہے اس طرف کعبہ ہے اور یہ وہ جگہ ہے جس کی زیارت کے لیے اللہ نے حکم دیا ہے، تاکہ وہاں لوگوں کے پہنچنے سے سب کو فائدہ پہنچے اور طاعت الٰہی سے تہذیب نفس ہو اور دل پر اللہ کی ہیبت طاری ہو۔اور وہاں کے باشندوں میں

۱۔مالکیہ نے ایک تیسری شرط کا اضافہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جسے قبلہ کی جانب رخ کرنا واجب ہے اسے یہ شعور بھی ہونا چاہیے کہ وہ قبلہ رخ ہے۔اگر بھول کر قبلہ رخ ہونے کی بجائے کسی اور طرف نماز پڑھ لی تو نماز درست ہو جائے گی تاہم مستحب یہ ہے کہ اگر وقت ہو تو فرض نماز کو دہرا لیا جائے۔

۲۔حنفیہ کہتے ہیں کہ جو مریض قبلہ کی جانب رخ نہ کر سکتا ہو اس سے قبلے کی جانب رخ کرنے کا فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔اگرچہ کوئی ایسا شخص موجود ہو جو اس کا منہ قبلہ کی جانب موڑ سکے۔

Marfat.com

جہاں نہ کھیتی باڑی ہے اور نہ کوئی دوسرے ذرائع یافت ہیں، زندگی پیدا ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر فرمایا کہ: ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی ذرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات الآیہ یعنی اے پروردگار میں نے اپنی نسل کے کچھ لوگوں کو تیرے بیت محترم کے قریب اس وادی میں بسایا ہے جو نا قابل زراعت ہے تاکہ اے پروردگار یہ لوگ نماز قائم کریں۔ پس ایسا کر دے کہ لوگ ان کی جانب راغب ہوں اور ان کو پھل کی پیداوار سے روزی بہم پہنچا دے۔ قطع نظر اس کے یہ مقام یوں بھی مقدس ہے کیونکہ یہیں پر سرور انبیا و مرسلین ﷺ کا ظہور ہوا جن کے وجود بابرکات سے لوگوں کو اخلاقی اور مادی منافع حاصل ہوئے، اور ان اطراف میں بتوں کی جو پرستش ہوتی تھی وہ ختم ہو گئی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی رضا کا اظہار فرمایا کہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے جو لوگ نماز پڑھتے تھے وہ کعبہ کی طرف رخ کرنے لگیں۔

بہر حال مذہب اسلام میں عبادت کا واحد مقصد یہ ہے کہ خدائے واحد کی عظمت اور پاکیزگی کا اظہار کیا جائے جس میں کوئی مخلوق اس کی شریک نہیں ہے۔ اس کی شان اور اس کا مرتبہ برتر اور اعلیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولله المشرق و المغرب فاینما تولوا فثم وجه الله ان الله واسع علیم یعنی (مشرق و مغرب کا مالک اللہ ہے، لہٰذا جس طرف بھی رخ کیا جائے اسی طرف اللہ ہے بلاشبہ اللہ سب پر محیط اور سب کچھ جاننے والا ہے۔)

تفصیل بالا سے یہ تو واضح ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز میں قبلہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا ہے، لہٰذا کعبہ کے اندر نماز فرض ہو یا نفل ادا کی جا سکتی ہے، درآنحالیکہ اس کے اندر قبلہ کی جانب رخ ہوتا ہے نماز درست ہو گی۔ لیکن چونکہ اس کے اندر پورے کعبہ کی طرف رخ نہیں ہوتا اس لیے کعبہ کے اندر نماز ادا ہونے کے بارے میں اہل مسالک کا اختلاف ہے۔ تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ فرض نماز نہ کعبہ کے اندر پڑھنا صحیح ہے اور نہ اس کے اوپر، ہاں اگر اس کے اندر کوئی شخص کنارے پر کھڑا ہو اور اس کے پیچھے کعبہ کا کوئی حصہ نہ ہو، یا یہ ہو کہ کعبہ کے باہر کھڑے ہو کر سجدہ کعبے کے اندر کیا جائے تو فرض نماز بھی ہو جائے گی۔ نفل نماز اور منت مانی ہوئی نماز کعبہ کے اندر اور اس کی سطح پر ہو سکتی ہے، بشرطیکہ سجدہ کنارے پر نہ ہو، اگر سجدہ کنارے پر کیا تو نماز قطعاً نہ ہو گی، کیونکہ ایسی صورت میں رخ کعبہ کی طرف نہ ہو گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ فرض نماز کعبہ کے اندر پڑھنا صحیح ہے لیکن سخت مکروہ ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ وقت باقی ہو تو

Marfat.com

کشتی یا سواری وغیرہ پر فرض نماز ادا کرنے کے مسائل

اگر کوئی شخص کسی جانور پر سوار ہو اور جان و مال کے خوف سے اتر کر نماز پڑھنا ممکن نہ ہو، یا یہ اندیشہ ہو کہ قافلہ سے بچھڑ کر نقصان ہوگا (۱) یا ایسی سواری ہو کہ اگر اس سے اترنا ہوا تو پھر سوار ہونا ممکن نہ ہوگا یا ایسی ہی کوئی بات ہو تو ان حالات میں چاہیے کہ سواری ہی پر جس طرف بھی رخ کر کے بن پڑے نماز فرض ادا کر لی جائے، اس نماز میں ان ارکان صلوٰۃ کی پابندی جن پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے، جاتی رہے گی۔ اور اس کو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص محفوظ ہے اور سواری پر نماز فرض ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہے (۲) تو جب تک کہ نماز باقاعدہ اس کی شرائط اور ارکان کے ساتھ زمین پر نماز کی طرح ادا نہ کی جائے صحیح نہ ہوگی۔ یعنی اگر ممکن ہو کہ سواری پر مکمل طور سے نماز پڑھی جائے تو نماز درست ہوگی اگرچہ سواری چل رہی ہو۔

اس نماز کو دہرا لیا جائے۔ رہی نفلی نماز سوا گروہ غیر مؤکدہ ہے تو اس کو اندر پڑھنا مستحب ہے، مؤکدہ ہے تو مکروہ ہے لیکن اس کا اعادہ نہ کیا جائے۔ کعبہ کی چھت پر فرض نماز پڑھنا باطل ہے۔ نفلی اور غیر مؤکدہ نماز درست ہے، اور مؤکدہ نفل کے بارے میں دو اقوال ہیں اور دونوں کی حیثیت یکساں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنا درست ہے، خواہ فرض ہو یا نفل، البتہ اگر کعبہ کا دروازہ کھلا ہو اور اس کی جانب رخ کر کے نماز پڑھی گئی تو درست نہ ہوگی۔ کعبہ کے اوپر نماز پڑھنا اس شرط پر صحیح ہوگا کہ سامنے کوئی ایسی شے ہو جو آدمی کے دو تہائی ہاتھ کے برابر اونچی ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ کعبہ کے اندر اور اس کی سطح پر نماز پڑھنا قطعاً صحیح ہے، البتہ کعبہ کے اوپر نماز پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ اس میں بے ادبی ہے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ سواری کی پشت پر فرض نماز صحیح ہونے کے لیے ضرر کا محض اندیشہ کافی نہیں ہے، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ سواری کے جانور کی پشت پر اشارہ سے فرض نماز پڑھنا جائز ہی نہیں ہے سوا اس صورت کے جب کہ کافروں کے ساتھ گھمسان کی جنگ ہو رہی ہو، یا دشمن چور وغیرہ کا ہجوم ہو، یا کسی درندہ جانور کا خوف ہو، یا کوئی ایسا مرض لاحق ہو کہ سواری پر سے اترا نہ جا سکے یا کسی گھنے جنگل سے گزر رہا ہو جہاں پر اترنا بس میں نہ ہو۔ تاہم اگر اندیشہ ضرر دور ہو جائے اور وقت باقی ہو تو نماز دوبارہ پڑھ لینی چاہیے۔

۲۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ سواری کے جانور پر فرض نماز جائز نہیں ہے، سوا اس صورت کے کہ سواری کا جانور کھڑا ہو یا چل رہا ہو، لیکن باگ کسی سمجھدار کے ہاتھ میں ہو اور نماز پورے طور پر باقاعدہ ادا کی جائے۔ اگر (ضرور سے) محفوظ ہو اور (اترنے کی) قدرت ہو تب بھی (وہ نماز درست ہوگی)۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ فرض نماز کا سواری کے جانور پر بغیر مجبوری کے ادا کرنا صحیح نہیں ہے، خواہ وہ نماز باقاعدہ پوری

Marfat.com

جو شخص کشتی میں نماز پڑھنا چاہے، خواہ فرض نماز ہو یا نفل [1] اس پر لازم ہے کہ حتی المقدور قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھے؛ کسی اور جانب رخ کر کے نماز پڑھنا درست نہیں ہے، یہاں تک کہ دوران نماز اگر کشتی گھوم جائے تو کشتی کے ساتھ ہی نمازی کو بھی قبلہ کی طرف مڑ جانا واجب ہے، ہاں اگر اس طرف رخ کرنے سے معذوری ہو تو جدھر بن پڑے رخ کر کے نماز پڑھی جائے ، اگر سجدہ کرنے سے معذوری ہو تو سجدہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ یہ تمام مسائل اس حالت کے ہیں جب کہ کشتی یا سٹیمر کو ایسی جگہ پہنچنے میں جہاں پوری طرح نماز پڑھی جاسکتی ہے وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو۔ اس نماز کا دہرانا واجب نہیں ہے۔ خشکی پر چلنے والی دخانی گاڑیوں اور ہوائی جہازوں پر اسی طرح پر نماز ادا کرنے کا حکم ہے جس طرح کشتی پر نماز کا ہے۔

نماز کے فرائض کا بیان

فرائض نماز کا تعلق چند امور سے ہے: ایک فرض اور رکن کے معنے دوم ہر مسلک میں فرائض نماز کی تعداد، سوم فرائض نماز کی تشریح اور فرائض متفق علیہ اور مختلف فیہ کی تفصیل ۔ چہارم واجب کا مطلب اور واجب اور فرض و رکن کے درمیان فرق اور واجبات نماز کی تعداد۔

اب چاہیے کہ ان تمام امور کو بخوبی سمجھ لیا جائے اور مطلب خلط ملط نہ ہو تا کہ ہر پڑھنے والے کو اپنا مسلک معلوم ہو جائے اور جو چاہتا ہو اسے متفق علیہ اور مختلف فیہ مسائل کا پتہ چل جائے۔ آئندہ کی تفصیلات سے یہ سب ممکن ہوگا۔

پڑھی گئی ہو اور خواہ جانور حرکت میں ہو یا کھڑا ہو۔ البتہ اگر کسی جانور پر محمل (کجاوہ) ہے اور جانور کھڑا ہے اور محمل کے دونوں پائے زمین پر جمے ہیں تو نماز جائز ہو گی لیکن معذور آدمی کو تو جس طرح بن پڑے نماز پڑھ لینا چاہیے۔ یہ نماز اشارہ سے پڑھی جائے کیونکہ معذوری کی حالت میں اشارہ فرض ہے۔ اگر جانور کے ٹھہرانے کا اختیار ہو تو چلتے ہوئے سواری کے جانور پر نماز صحیح نہ ہوگی۔ اس باب میں ہر قسم کی واجب نمازوں کا حکم فرض جیسا ہے۔

ا۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ کشتی کے اندر نفلی نمازوں کو قبلہ رخ ہو کر پڑھنا ضروری ہے۔ اگر اس طرف رخ کرنا ممکن نہ ہو تو اس نفل کو سرے سے ترک ہی کر دینا چاہیے۔ لیکن یہ حکم ملاح کے لیے نہیں ہے، اس کو تو حتی المقدور قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھنا ہی چاہیے بصورت دیگر بقول راجح جدھر بن پڑے رخ کر کے نماز پڑھ لی جائے اور فرض نماز ہو تو مطلقاً قبلہ رخ ہونا واجب ہے۔

Marfat.com

فرض اور رکن کے معنی

ان اصطلاحات کا مطلب فرائض وضو کے بیان میں بتایا جا چکا ہے اس بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ بالاتفاق فرض اور رکن کا مفہوم ایک ہی ہے۔ یہاں پر ان امور سے مراد شارع علیہ السلام کی مقرر فرمودہ عبادت کے اجزا ہیں۔ بایں طور کہ جب تک یہ نہ ہوں اس عبادت کا تحقق نہیں ہو سکتا۔ فرائض نماز سے مراد وہ اجزائے نماز ہیں جن کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ یعنی اگر ان اجزا میں سے کسی جزو کو نکال دیا جائے تو اس عمل کو نماز نہیں کہا جائے گا۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ تکبیر تحریمہ منجملہ فرائض نماز کے ایک فرض یا منجملہ ارکان کے ایک رکن ہے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ اگر نماز تکبیر تحریمہ سے خالی ہو تو وہ نماز ہی نہیں۔ اور نماز کے تمام اجزائے فرض کا یہی مطلب ہے جس پر عمل کرنے والا مکلّف انسان مستحق ثواب اور اس کا تارک مستوجب عذاب ہوتا ہے۔ اسی طرح نفلی نمازیں بھی جن کے ترک کرنے پر مواخذہ نہیں ہے، ان اجزا پر مشتمل ہوتی ہیں، کیونکہ جب تک یہ اجزا ان میں شامل نہ ہوں ان کو نماز نہیں کہا جا سکتا۔ لہٰذا اس نماز کے لیے بھی یہ اجزا ایسے ہی فرائض ہیں جیسے فرض نماز کے اجزا ہوتے ہیں۔ بحیثیت فرض ہونے کے ان میں باہم کوئی فرق نہیں ہے۔

غرض فرض کی تعریف فقہا کے قول کے مطابق یہ ہے کہ فرض وہ حکم ہے جس پر عمل کرنے میں ثواب ہے اور ترک کرنے میں عذاب ہوتا ہے۔ یہ امر خاص ہے ان احکام کے لیے جو شارع علیہ السلام کے نزدیک سختی سے مطلوب ہیں۔ خواہ وہ کسی عمل ثواب کا جزو ہوں یا کل ہو جیسے پنجگانہ نماز کہ اس کو اوقات مقررہ میں ادا کرنا فرض ہے۔ اس پر عمل کرنے والا ثواب کا مستحق ہے اور ترک کرنے والے کو عذاب ہوگا، نیز جن امور کو شارع علیہ السلام نے کسی عبادت کے اجزا قرار دیا ہے، وہ عبادت ان اجزا کے بغیر متحقق نہیں ہو سکتی، لہٰذا ان اجزا میں سے ہر جزو جس پر نماز کا انحصار ہے، اس کو نماز کے فرائض میں سے ایک فرض یا اس کے ارکان میں سے ایک رکن کہا جاتا ہے۔ اور مکمل نماز کو بھی فرض کہا جاتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ارکان اسلام میں سے ایک رکن نماز ہے اور یہ ارکان اسلام نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج اور ان سب پر مقدم لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کا اقرار ہے۔

رکن اور فرض (کی اصطلاحوں) کا واضح مطلب یہی ہے۔

Marfat.com

نماز کے فرائض یعنی اس کے ارکان کی تعداد کا بیان

یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ فرائض سے مراد یہاں پر نماز کے اجزا ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی جزو فوت ہو جائے تو سرے سے وہ نماز ہی متصور نہ ہوگی۔ اب مسالک اربعہ میں سے ہر ایک مسلک کی تفصیل ذیلی حاشیے میں بیان کی جاتی ہے۔[1]

۱۔ حنفیہ نے رکن کی دو قسمیں بیان کی ہیں: رکن اصلی اور رکن زائد۔ رکن اصلی تو وہ رکن ہے کہ اگر کوئی اس کے ادا کرنے سے معذور ہو تو بالکل اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے، بایں طور کہ مکلف پر اس کی بجائے کوئی اور عمل بجالانے کا مطالبہ نہیں ہوتا، اور فقہا کا یہ قول ہے کہ ''رکن اصلی'' وہ عمل ہے جو عاجز انسان سے ساقط ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ کوئی اور عمل نہیں لے سکتا۔ ''رکن زائد'' وہ عمل ہے جو بعض حالات میں نمازی کے ذمہ سے باوجود اس کے کرنے پر قادر ہونے کے ساقط ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال قرأت (قرآن کے کچھ حصہ کا نماز میں پڑھنا) ہے کہ یہ بھی نماز کے ارکان میں سے ایک رکن ہے لیکن مقتدی کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ شارع علیہ السلام نے (مقتدی کو امام کے پیچھے) قرات سے منع فرمایا ہے۔

ان تمام باتوں کا ماحصل یہ ہے کہ جس شے پر نماز کا صحیح ہونا موقوف ہے وہ اجزائے نماز میں سے کوئی جزو ہے یہ اجزا چار ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا۔ مزید براں اخیر میں اتنی دیر تک بیٹھنا بھی جس میں تشہد پڑھی جا سکے ایک جزو ہے، اس کو قعدہ اخیرہ کہتے ہیں۔ بقول راجح یہ رکن زائد ہے نیز اجزائے نماز میں وہ بھی ہے جو اگرچہ نماز میں داخل ہے لیکن اس کا جزو نہیں ہے جیسے کھڑے ہو کر (نماز میں) قرآن پڑھنا اس کو شرط الدوام الصلوٰۃ (نماز جاری رکھنے کی شرط) کہا جاتا ہے اسی طرح کا وہ امر جو نماز سے باہر ہو اس کو نماز کے صحیح ہونے کی شرط کہا جاتا ہے۔

غرض نماز کے متفق علیہ ارکان کی تعداد چار ہے، خواہ وہ اصلیہ ہوں یا زائدہ۔ ارکان اصلیہ قیام، رکوع اور سجود ہیں اور صرف قرأت ان کے نزدیک رکن زائد ہے۔ نماز کی حقیقت میں یہی چار ارکان داخل ہیں، کیونکہ اگر کسی شخص نے ان میں سے کسی ایک (رکن) کو بھی باوجود قادر ہونے کے ترک کیا تو نہ وہ نماز ہوگی اور نہ اس کے کرنے سے کسی کو نماز پڑھنے والا کہا جائے گا۔

ان کے علاوہ ایسے امور ہیں جن پر نماز کا درست ہونا موقوف ہے، اگرچہ وہ امور نماز کی حقیقت سے خارج ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں: اول وہ جو نماز کی ماہیت سے خارج ہیں، مثلاً حدث اور نجاست سے پاک ہونا اور ستر کا ڈھکنا اور قبلے کی طرف رخ کرنا اور نماز کا وقت ہونا اور نیت کرنا اور تکبیر تحریمہ کہنا۔ یہ وہ شرائط ہیں جو نماز میں داخل ہونے کے لیے ضروری ہیں۔ اسی طرح جیسے ان کے علاوہ وہ امور جن کا پہلے ذکر ہوا۔ دوسرے وہ امور جو گو نماز میں شامل ہیں، لیکن نماز کی حقیقت سے باہر ہیں، مثلاً قرأت کے وقت کھڑا ہونا (یعنی قیام) اور رکوع کا قیام کے بعد ہونا اور سجدہ رکوع کے بعد کرنا۔ یہ شرائط صحت نماز کو برقرار رکھنے کے لیے ہیں۔ ان کو فرائض صلوٰۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ فرض سے ان کی مراد شرط ہے قعدہ اخیرہ بمقدار تشہد (یعنی اخیر کی رکعت میں اتنی دیر بیٹھنا جس میں تشہد پڑھا جا سکے) ان کے نزدیک بالاتفاق فرض

Marfat.com

فرائض نماز کا ترتیب وار بیان

پہلا فرض ''نیت''

نیت کے بیان میں چند امور قابل ذکر ہیں: اول نیت کے معنے، دوم فرض نمازوں میں اس کی حیثیت، سوم فرض نمازوں کی نیت کا طریقہ، چہارم غیر فرض نمازوں میں اس کا حکم اور اس کا طریقہ، پنجم نیت کرنے کا وقت ششم جس نماز کی نیت کی ہے اس نماز کی نیت کا ذہن میں قائم رکھنا۔ ہفتم مقتدی کا امام کی پیروی کی نیت اور امام کا مقتدیوں کی امامت کی نیت۔

نیت کے معنے یہ ہیں کہ محض قرب الٰہی حاصل کرنے کے خیال سے دل میں افعال عبادت کے بجالانے کا ارادہ کیا جائے اور چاہیں تو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ نیت پختہ ارادہ کا نام ہے بایں طور کہ نماز پڑھنے والا محض طاعت الٰہی کے خیال سے ادائے نماز کا دل میں ارادہ کرے۔ پس اگر کوئی شخص اپنی زبان سے کہے بغیر اس کے کہ نماز کا ارادہ اس کے دل میں ہو تو اسے نمازی نہیں کہا جائے گا اور اس کی مثال یہ ہے کہ کسی نے دنیوی غرض سے نماز پڑھی کہ لوگ اس کی تعریف کریں یعنی تعریف کا خیال نہ ہوتا تو وہ نماز ہی نہ پڑھتا۔ ایسی نماز درست نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر نماز اس لیے پڑھی کہ کچھ مال یا عہدہ حاصل ہو یا نفسانی

ہے۔ لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا وہ رکن اصلی ہے، یا رکن زائد، گو رکن زائد قرار دیے جانے کو ترجیح دی گئی ہے کیونکہ اس کے بغیر بھی نماز کی ماہیت برقرار رہتی ہے۔ چنانچہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ نماز نہ پڑھوں گا (معاذ اللہ) تو سجدے سے سر اٹھاتے ہی (یعنی قعدہ اخیرہ سے پہلے ہی) اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اگرچہ (ہنوز قعدۂ اخیرہ میں وہ نہیں بیٹھا)۔ اس سے ثابت ہوا کہ نماز کا تحقق بغیر قعود کے بھی ہو جاتا ہے۔ نماز سے خارج ہونے کے عمل کو جو نماز کے منافی ہوتا ہے، مثلاً سلام یا کلام وغیرہ جس سے نماز ختم ہو جاتی ہے فرض میں شمار کیا ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ وہ فرض نہیں ہے، بلکہ واجب ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ نماز کے فرائض کی تعداد پندرہ ہے: نیت، تکبیر تحریمہ، قیام، صرف فرائض میں نوافل میں نہیں، کیونکہ نوافل بیٹھ کر بھی پڑھی جا سکتی ہیں، اگرچہ کھڑے ہونے کی طاقت ہو۔ اس حالت میں بیٹھ کر تکبیر تحریمہ کہنا صحیح ہے۔ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا، فرض نمازوں میں فاتحہ پڑھتے وقت کھڑا رہنا، رکوع کرنا، رکوع سے اٹھنا، سجدہ کرنا، سجدہ سے اٹھنا، سلام اور مقررہ مقدار تک بیٹھنا۔ اطمینان نیز رکوع و سجود میں اور ان سے اٹھنے کے وقت اعتدال (حرکت) سے کام لینا۔ ادائے ارکان میں ترتیب کا خیال رکھنا۔ اور امام کے پیچھے پڑھنے والے کو پیروی امام کی نیت کرنا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مالکیہ اور حنفیہ ان چار فرائض میں باہم متفق ہیں، یعنی قیام، بشرط قدرت، رکوع اور سجود، قرأت کے باب میں حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز میں مطلقاً قرآن کا پڑھنا فرض ہے، خصوصیت کے ساتھ سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے، لہٰذا اگر قصداً سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی تو نماز نہ ہوگی۔ شافعیہ اور

Marfat.com

خواہشات میں سے کوئی خواہش پوری ہو تو وہ نماز بے معنی ہے۔

لوگوں کو چاہیے کہ اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لیں اور جان لیں کہ اگر نماز میں کوئی بھی دنیوی غرض شامل ہوئی تو وہ نماز باطل ہوگی اور ایسے شخص کو مجرم ریاکاروں کی سی سزا بھگتنی پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ **ما امروا الا لیعبد وا اللہ مخلصین لہ الدین**[1] یعنی مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ خالص ایمان داری سے اللہ کی عبادت کریں۔ پس نماز کی خالص نیت کے بغیر خدائے واحد کی نماز کا

حنابلہ اس بارے میں مالکیہ سے متفق ہیں، جیسا کہ ان کے مسالک کے بیان میں اس کی وضاحت کردی گئی ہے۔ اس کی تفصیل قرأت کے بیان میں آئے گی۔

شافعیہ نے نماز کے فرائض کی تعداد تیرہ بتائی ہے۔ پانچ فرائض قولی ہیں جو منہ سے کچھ کہہ کر ادا ہوتے ہیں اور آٹھ فرائض فعلی ہیں (جن کا تعلق عمل یا حرکت سے ہے)۔ پانچ قولی فرائض یہ ہیں: **تکبیر تحریمہ، قرأت فاتحہ، تشہد قعدہ اخیرہ** اور درود نبی ﷺ پر اور پہلا سلام۔ باقی رہے فعلی فرائض سو وہ یہ ہیں: نیت، قیام (فرض نمازوں میں بشرط قدرت، رکوع، اعتدال اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھا رہنا۔ اور آخری رکعت میں تشہد، اور تشہد و سلام کے دوران بیٹھا رہنا اور اطمینان کے ساتھ ہر رکن فعلی کو انجام دینا۔ نیز فرائض کی انجام دہی اور دونوں سلام میں ترتیب کا لحاظ رکھنا۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نیت نماز کی ایک شرط ہے اور اس کا نماز کی شرط ہونا اجماع سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: **و ما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین** سے ثابت نہیں ہے، کیونکہ اس آیت میں عبادت سے مراد توحید ہے۔ اور نہ نیت کا فرض ہونا آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد **انما الاعمال بالنیات** (یعنی اعمال کا انحصار نیت پر ہے) سے ثابت ہے کیونکہ اس حدیث میں اعمال کا مقصد اعمال کے ثواب سے ہے رہا عمل کے صحیح ہونے کا سوال سو اس کا اس میں ذکر نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دلائل جس طرح اس مطلب کے حامل ہیں جو حنفیہ بیان کرتے ہیں اسی طرح وہ معنے بھی اس سے نکلتے ہیں جو دوسرے اصحاب نے بتائے ہیں۔ چنانچہ آیت محض بیان توحید پر محتوی نہیں ہے، بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں خلوص نیت (کے شامل ہونے) کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض مشرک اللہ کی عبادت میں دوسروں کو بھی شریک کرلیا کرتے تھے خاص کر اہل کتاب جن کا ذکر آیت میں مشرکین کے زمرہ میں کیا گیا ہے۔ یہ لوگ بعض انبیاء کو بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک کرلیتے تھے۔

اب رہی حدیث سو اگر اعمال کا ثواب ہی جاتا رہے تو پھر اس سے کیا فائدہ اور یہ کہنا کہ ثواب نہ ہونے پر بھی کوئی عمل صحیح ہوسکتا ہے کچھ معنی نہیں رکھتا۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس سے (گو ثواب نہ ہو) عذاب دور ہوتا ہے؛ لیکن حدیث میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس بظاہر حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ثواب اور صحت نماز کے لیے نیت کا ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا حدیث کے مفہوم کو ثواب کے لیے مخصوص کردینا محض ایک دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

Marfat.com

ارادہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہے، لہٰذا نماز درست نہ ہوگی۔ نیت کے اس مفہوم پر سب کو اتفاق ہے۔ اب رہے دل میں آنے والے خیالات کہ نماز پڑھ رہے ہیں اور دل دنیوی امور میں لگا ہوا ہے تو اس سے نماز نہیں جاتی، تاہم اللہ کے سامنے سر نیاز جھکانے والے پر واجب ہے کہ جہاں تک ہو سکے ان وسوسوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے اور نماز میں اللہ تعالیٰ سے دل لگانے کے سوا کسی اور طرف دھیان نہ دیا جائے۔ اگر انسان اس سے عاجز ہو اور یہ نہ ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہو کر دنیوی وساوس کو دل سے نکال دے تو اس مجبوری پر مواخذہ نہ ہوگا۔ لیکن بہر حال یہ لازم ہے کہ فاسد وسوسوں کے خلاف برابر جنگ کرتا رہے تاکہ اس اجر کا مستحق ہو جو خلوص نیت کے ساتھ اعمال بجالانے والوں کا حصہ ہے۔ اب یہاں پر دو باتیں قابل لحاظ ہیں: ایک تو نماز کی نیت اور اس کے ادا کرنے کا پختہ ارادہ جس کا مقصد محض طاعت الٰہی ہو اور اس کے سوا کوئی اور غرض پیروی دین کے سوا نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ حضور قلب ہو اور بحالت نماز امور دنیا میں سے کسی میں دل لگا ہوا نہ ہو۔ ان میں سے پہلی بات تو نماز کے لوازمات میں سے ہے (کہ اس کے بغیر نماز ہو ہی نہیں سکتی)، دوسری بات نماز کے صحیح ہونے کی شرط نہیں ہے، تاہم اللہ کے حضور کھڑے ہونے والے پر لازم ہے کہ دل سے ہر ایسے خیال کو نکال دے جس کا تعلق نماز سے نہ ہو۔ اگر مجبوراً ایسا نہ ہو سکے تب بھی نماز کا اجر کم نہ ہوگا کیونکہ جہاں تک اس کے بس میں تھا اس نے کوشش کی ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کو ایسا حکم نہیں دیتا جو اس کی بساط سے باہر ہو۔

فرض نمازوں کی نیت کے مسائل

اس پر تو جملہ ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ نیت کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی، اس نیت کو بعض اصحاب تو ارکان نماز شمار کرتے ہیں، بایں طور کہ اگر (یہ رکن) نیت نماز نہیں کی گئی اور (بغیر نیت کے نماز پڑھ لی) تو یہی کہا جائے گا کہ اس نے مطلق نماز پڑھی ہی نہیں۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ نیت رکن نہیں بلکہ صحت نماز کی شرط ہے، لہٰذا اگر کسی نے نیت نہیں کی تو یہ کہا جائے گا کہ اس نے غلط نماز پڑھی۔ اب اس بحث سے کہ نماز رکن ہے یا شرط اس کو خاص فائدہ نہیں ہو سکتا جو یہ جاننا چاہتا ہے کہ کن باتوں سے نماز ہو جاتی ہے اور کن باتوں سے نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں صرف یہی کہنا چاہیے کہ اگر نیت نہیں کی تو نماز نہ ہوگی۔ اس پر تمام اہل مسالک متفق ہیں۔ اب نیت کو نماز کے صحیح ہونے کی شرط قرار دیا جائے یا یہ نماز کا ایک جزو ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ البتہ اگر علم دین کے طلبا جو ہر طرح کی دینی اصطلاحوں سے واقف ہونا چاہتے ہیں

Marfat.com

انھیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ مالکیہ اور شافعیہ اس پر متفق ہیں کہ نیت ارکانِ نماز میں سے ایک رکن ہے، لہٰذا اگر نماز کی نیت نہیں تھی تو یہ ہرگز نہ کہا جائے گا کہ نماز پڑھی گئی۔ اور حنفیہ اور حنابلہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ نیت شرط ہے رکن نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ نماز تو پڑھی لیکن غلط۔

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ معنے اول کی رو سے نیت فرض ہو یا شرط بہر حال وہ ضروری ہے۔ اب اس کا بیان تفصیل سے کیا جاتا ہے۔

فرض نمازوں کی نیت کا طریقہ

واضح ہو کہ نماز یا تو فرض عین ہوگی جیسے نماز پنجگانہ یا فرض کفایہ ہوگی جیسے نماز جنازہ اور نذر کی نماز یا پھر نماز سنت موکدہ ہوگی یا غیر موکدہ ہوگی، جیسا کہ اس سے پہلے بتایا گیا۔

اب جاننا چاہیے کہ فرض نمازوں کی نیت کے طریقے مختلف مسالک میں تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس مسئلہ کا تعلق چند امور سے ہے: اول یہ کہ ہر مکلف انسان کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر نمازوں کے فرض ہونے کا اسے علم ہی نہیں ہے تو اس کی نماز درست نہ ہوگی اگرچہ مقررہ اوقات میں پڑھی جائے۔ سوا اس صورت کے جب کہ امام کے پیچھے ہو اور یہ نیت کی ہو کہ جو نماز امام پڑھ رہا ہے وہی میں بھی پڑھ رہا ہوں۔ اگر کوئی یہ تو جانتا ہے کہ اس پر نماز فرض ہے لیکن فرض واجب اور سنت میں امتیاز نہیں کر سکتا اور تمام نمازیں فرض ہی سمجھ کر ادا کرتا ہے تو اس کی نماز صحیح ہوگی۔ عوام میں بالعموم یہی کیفیت ہے۔ اگرچہ اس طرح کی نماز صحیح ہے تاہم یہ ضروری ہے کہ نماز فرض اور دوسری نمازوں کا فرق معلوم ہو اور دین کی ضروری معلومات سے ہمیشہ کے لیے بے خبری نہ رہے۔ خاص کر اس زمانے میں جب کہ مسلمانوں کے لیے مساجد وغیرہ کے اندر فقہی مسائل کے درس میں شمولیت آسان ہے۔

دوسری بات نیت کرنے کے طریقہ کو جاننا ہے۔ فرض نماز کی نیت کا طریقہ یہ ہے کہ نمازی اپنے دل میں یہ ارادہ کرے کہ ظہر، عصر، مغرب، عشاء یا فجر کی نماز پڑھنے کو ہے۔ اگر اتنا خیال ہو تو گویا نیت کی شرط جو صحت نماز کے لیے ضروری ہے پوری ہوگئی۔ پھر اگر نماز وقت کے اندر ہے تو صرف وقت کا تعین (نیت کے لیے) کافی ہے، جیسا کہ بیان کیا گیا اس پر کچھ زیادہ کرنا ضروری نہیں ہے چنانچہ اگر وقت ظہر یا عصر یا کسی اور وقت کی نماز کی نیت کر لی تو نماز صحیح ہو جائے گی یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ بھی کہا جائے کہ آج کی نماز ظہر یا اس وقت کی ظہر۔ بعض اصحاب کہتے ہیں نیت میں آج کی نماز ظہر یا اس وقت کی ظہر کا شامل ہونا ضروری ہے۔ ان کا یہ خیال اس بنا پر ہے کہ کسی نماز کے وقت میں یہ ممکن ہے کہ کسی اور فرض نماز کی قضا پڑھی جائے۔ لہٰذا اگر کسی نے محض نماز ظہر کی نیت کی تو اس میں احتمال ہے کہ اس سے مراد اسی دن کی نماز ظہر ہے یا کسی اور دن کی نماز ظہر جس کی قضا واجب تھی۔ ہر چند کہ دونوں طرح کی نیت میں نماز صحیح ہو جاتی ہے تاہم زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ نیت میں ظہر یا عصر کے ساتھ آج کی قید بڑھا دی جائے۔

Marfat.com

ان مسائل کا تعلق اس حالت سے ہے جب کہ نماز اپنے وقت میں ادا کی جائے۔ اگر وقت نکل گیا ہے اور نمازی کو یہ علم نہیں ہے کہ وقت نہیں رہا تو اس کے لیے بقول راجح ظہر یا عصر کی نماز کی نیت کرنا بغیر کسی تعین کے کافی ہے۔ ہاں اگر معلوم ہو کہ وقت جاتا رہا تو اس صورت میں بھی کہا جاتا ہے کہ اسی قدر کہنا کافی ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ کافی نہیں ہے۔ بہر حال زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ نیت دن کی تعیین کے ساتھ کی جائے اور مثلاً یوں کہا جائے کہ آج کے ظہر کی یا آج کے عصر کی نماز کی نیت کرتا ہوں۔

اگر محض فرض نماز کی نیت کی اور کوئی تعیین نہ کی گئی (کہ کس وقت کے فرض کی نیت ہے) تو یہ نیت ناکافی ہوگی جب تک کہ اس کے ساتھ وقت کا بھی ذکر نہ کیا جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ نیت موجودہ وقت کے فرض کی اور اگر فریضہ وقت کہہ کر نیت کی گئی تو نماز صحیح ہوگی، بشرطیکہ نماز وقت کے اندر ہوئی ہو۔ اگر وقت نکل جانے کا علم نہیں ہوا اور وقت کے بعد فریضہ وقت کی نیت سے نماز پڑھی گئی تو وہ نماز صحیح نہ ہوگی۔

غرض ضروری ہے کہ جس وقت کی نماز ادا کرنی ہے اس وقت کا تعین نیت میں کر لیا جائے۔ اگر وقت کے اندر نماز پڑھی جا رہی ہے تو محض فرض ظہر یا عصر وغیرہ کی نیت کرنے سے خود بخود وقت کا تعین ہو جائے گا۔ بعض اصحاب کی رائے ہے کہ اس طرح کی تعیین کافی نہیں ہے، بلکہ ضروری ہے یہ جان کر نیت کی جائے کہ آج کی نماز عصر یا آج کی نماز مغرب وغیرہ ہے۔

اگر کوئی شخص وقت نکل جانے کے بعد نماز پڑھے اور اسے یہ خبر نہ ہو کہ وقت نکل گیا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے وقت کے اندر نماز پڑھنے والے کی، لہٰذا اس کے لیے بقول راجح محض ظہر یا عصر کی نیت بغیر کسی مزید تعیین کے کافی ہے۔ ہاں اگر یہ معلوم ہو کہ وقت نکل گیا ہے تو اس میں بھی یہی کیفیت ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ محض نماز ظہر یا نماز عصر کی نیت کر لینا کافی ہے۔ کچھ زیادہ کرنے کی ضرورت نہیں، اور کچھ دوسرے اصحاب کے نزدیک ضروری ہے کہ آج کی قید کے ساتھ ظہر کی نیت کی جائے۔

اب جاننا چاہیے کہ اگر ظہر یا عصر کا تعین نہ کیا اور اس دن کا تقید بھی نہ کیا، بلکہ صرف نماز فرض کی نیت کی تو یہ نیت بالاتفاق کافی نہیں ہے۔ ہاں اگر فرض وقت کی نیت کی اور نماز وقت کے اندر پڑھی جا رہی ہے، تو یہ نیت صحیح ہوگی۔

تیسری بات (قابل ذکر) نماز جنازہ اور واجب نماز کی نیت ہے، یہ نیت بھی فرض نماز کی نیت کی طرح صحت نماز کے لیے شرط ہے۔ نماز جنازہ کی نیت درست ہونے کے لیے صرف نماز جنازہ کی نیت کرنا کافی ہے۔ لیکن نیت کامل ہونی چاہیے یعنی نماز جنازہ کے ساتھ میت کے لیے دعا کی نیت بھی ہو۔ اس کی تفصیل جنازہ کے بیان میں آئے گی۔

جمعہ کی نماز میں نماز جمعہ کی نیت کرنی چاہیے۔ حنفیہ کے نزدیک جس طرح فرض نماز کے صحیح ہونے کے لیے نیت شرط ہے اسی طرح واجب نمازوں کے صحیح ہونے کی بھی شرط ہے۔ مثلاً نماز وتر یا طواف کی دو رکعتیں ہیں کہ ان کے صحیح ہونے کے لیے نیت شرط ہے۔ بایں طور کہ نیت کی جائے وتر کی یا طواف کی دو رکعت نماز کی۔ یہی حکم اس نفل نماز کا ہے جو شروع کر کے توڑ دی جائے۔ مثلاً دو رکعت نفل نماز شروع کی اور نماز پوری ہونے سے پہلے وہ نماز ٹوٹ گئی تو اب اس نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے، لہٰذا نیت کرنا بھی واجب ہوگا، کیونکہ یہ نماز اب واجب ہوگئی ہے۔ الغرض نیت کرنا فرض نماز کے

Marfat.com

جس نماز کی نیت ہے اس نیت کا خیال دل میں قائم رکھنے اور نیت کی شرطوں کا بیان

نیت کی کیفیت کے بیان میں اوپر یہ بتایا جاچکا ہے کہ ائمہ میں سے تین اصحاب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ نیت کے وقت نماز کے قیام، قرأت، رکوع اور سجود کو یاد رکھنا نیت کے صحیح ہونے کی شرط نہیں ہے۔

لیے ضروری ہے۔ نماز فرض کفایہ ہو یا فرض عین۔ نفلی نماز میں نیت شرط نہیں ہے، جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ فرض نماز کے لیے نیت میں اس نماز کا تعین ضروری ہے یعنی یہ کہنا چاہیے کہ نیت نماز ظہر کی ہے یا نماز عصر کی وغیرہ۔ اگر نماز مفروضہ کی نیت نہیں کی گئی تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ نفل نمازوں کی نیت کا مسئلہ آگے آرہا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ فرض نمازوں میں نیت (کے صحیح ہونے) کی تین شرطیں ہیں:

ایک تو یہ کہ نیت میں اس نماز کے فرض ہونے کا تصور رہے بایں طور کہ نماز پڑھنے والا یہ نیت کرے کہ وہ نماز فرض ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ دوم یہ کہ نماز پڑھنے کا قصد ہو، یعنی ذہن میں نماز پڑھنے کا تصور ہو، خواہ یہ تصور اجمالی ہو۔ اور یہ ارادہ ہونا چاہیے کہ اعمال صلوٰۃ انجام دینے ہیں۔ شافعیہ نے اعمال صلوٰۃ کے ارادہ کی قید اس لیے لگادی ہے تاکہ عمل صلوٰۃ کو دوسرے متشابہ اعمال سے امتیاز کیا جاسکے۔ سوم جو نماز پڑھنی ہے اس کا تعین کہ وہ ظہر کی ہے یا عصر کی چوتھی شرط یہ کہ (نیت میں) نماز کے فرض ہونے، عمل صلوٰۃ کے انجام دینے اور نماز کے تعین کے ساتھ ان امور کا تکبیر کے کسی جزو کے متصل ہونا۔ اگر ان شرطوں میں سے کوئی شرط نہ ہوئی تو نیت باطل ہوگی اور نتیجۃً نماز بھی باطل ہوجائے گی، کیونکہ نیت فرائض نماز میں سے ایک فریضہ ہے۔

ممکن ہے کہ بعض لوگ اس میں دشواری محسوس کریں لیکن حقیقت یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا، جو اپنے پروردگار کے حضور کھڑا ہے، اس کے لیے یہ ٹھیک نہیں ہے کہ مناجاۃ شروع کردے اور اس عمل سے غافل ہو جسے اللہ کی عبادت میں انجام دینا ہے، لہٰذا لازم ہے کہ نماز کے فرض ہونے کا خیال ہو تاکہ آغاز کار ہی سے فرضیت نماز کا شعور پیدا ہوجائے۔ دوسرے یہ کہ جو نماز پڑھ رہا ہے اس کے اعمال سے آگاہ ہو، اگرچہ یہ ضروری نہیں اس کے تمام اجزا کا خیال دل میں ہو جیسا کہ بعض شافعیہ کہتے ہیں کیونکہ اس میں دشواری اور دقت ہے بلکہ صرف یہ کافی ہے کہ یہ خیال رکھے کہ اس نماز میں رکوع، سجود، قیام، جلوس اور قرأت (کے اعمال) ہیں۔ اگر یہ تصور آغاز کار ہی سے ضروری ہوگا تب ہی اسے پروردگار کے آگے خشوع کی توفیق ہوگی۔ رہا ان امور کا تکبیر تحریمہ کے کسی جزو سے متصل ہونا سو اس کی مصلحت بھی ظاہر ہے کہ اگر نماز کا خیال اس کے سب سے پہلے ہی جزو سے ہوجائے گا تو خشوع میں تقویت حاصل ہوگی۔

واضح ہو کہ اگر کوئی شخص فرض نماز تنہا ادا کرلیتا ہے اور پھر یہ ارادہ کرتا ہے کہ جماعت کے ساتھ دوبارہ ادا کرے تو اب اس کی تعیین پہلے کی طرح لازم ہوگی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ فرض نماز کی نیت میں نماز کا تعین ضروری ہے، بایں طور کہ یہ کہا جائے کہ یہ نماز ظہر کی ہے یا عصر کی یا مغرب یا جمعہ وغیرہ کی۔ یہ کافی نہیں ہے کہ صرف فرض کی نیت کی جائے اور نہ یہ ضروری ہے کہ اس پر کچھ اور اضافہ کیا جائے۔

Marfat.com

شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ نیت میں اگر تمام ارکان نماز کا ذہن میں رکھنا ممکن نہیں تو نماز کے بعض اجزا کا ذہن میں تصور رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ ان کے مسلک کی تفصیل وضاحت کے ساتھ پہلے بتائی جا چکی ہے۔ اب رہا نماز کے پورا ہونے تک نیت برقرار رکھنے کا بیان، سو وہ بایں طور ہے کہ اگر نماز سے خارج ہونے کی نیت کی اور نماز میں داخل ہونے کی نیت کو توڑ دیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اگرچہ نماز جاری رہے، کیونکہ اس صورت میں نماز بغیر نیت کے رہ جائے گی، مثلاً کسی شخص نے صحیح طریقہ سے نیت کر کے نماز شروع کی اور کسی نے اس کو آواز دی۔ اس کے بلانے کا جواب دینے کے لیے نماز توڑ دینے کا ارادہ کیا تو ایسا کرنے سے نماز باطل ہو جائے گی، اگرچہ سردست اس نے نماز نہ توڑی ہو۔ یہ اس لیے ہے کہ نماز کے شرائط میں سے یہ امر ہے کہ نمازی (دوران نماز) کوئی ایسا کام نہ کرے جو نماز کے منافی ہو، اور ظاہر ہے کہ نماز سے خارج ہونے کا ارادہ نماز میں داخل رہنے کی نیت کے خلاف ہے۔ نیت کی شرائط گزشتہ صفحات میں بتائی جا چکی ہیں، یعنی اسلام، تمیز، اور پختہ ارادہ کہ نیت سے پھر جانا یا اسے توڑ دینا نہ ہوگا۔ یہاں تک تو تمام مسالک کا اتفاق ہے لیکن جیسا کہ بتایا جا چکا ہے، شافعیہ نے نماز کی نیت میں یہ امر اضافہ کیا ہے کہ (نیت کے ساتھ) افعال نماز کے انجام دینے کا ارادہ اور نماز کے فرض ہونے کا خیال بھی ہو۔ اسی طرح وضو کی نیت میں یہ قید بڑھا دی ہے کہ جن اعضا کا دھونا فرض ہے ان میں سب سے پہلے عضو کے دھونے کے ساتھ ساتھ وضو کی نیت ہونی چاہیے۔ اور مسلمان ہونا بالاتفاق نیت کے صحیح ہونے کی شرط ہے، کیونکہ غیر مسلم کی نماز صحیح نہیں ہے، جیسا کہ شرائط صلوٰۃ کے بیان میں پہلے بتایا گیا۔

نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرنے اور نیت میں ادا یا قضا وغیرہ کی صراحت کرنے کا بیان

سنت یہ ہے کہ نیت کے الفاظ زبان سے ادا ہوں، بایں طور کہ زبان سے کہا جائے کہ مثلاً میں ظہر کی فرض نماز پڑھنے کی نیت کرتا ہوں۔ اس سے قلب بیدار ہوتا ہے۔ پس اگر دل میں نماز ظہر کی نیت کی اور زبان پر یہ الفاظ بھی جاری ہوئے کہ (مثلاً) میں نماز عصر کی نیت کرتا ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ تو معلوم ہے کہ نیت میں دل کی بات کا اعتبار ہے اور (محض) زبان سے کہنا دراصل نیت نہیں ہے، لیکن اس طرح کہنے سے دل کی بیداری میں تقویت ہوتی ہے۔ اور جب تک دل کی نیت صحیح ہے زبان کی لغزش سے کوئی حرج نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ مالکیہ اور حنفیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ

Marfat.com

میں ملاحظہ ہو۔(۱) رہانیت میں ''ادا'' یا ''قضا'' اور تعداد رکعت کی شمولیت کا بیان سو وہ آگے آرہا ہے۔

نماز ادا اور قضا کی نیت کا بیان

نماز پڑھنے والے کے لیے ضروری نہیں ہے کہ نماز ادا یا نماز قضا کہہ کر نیت کرے۔ چنانچہ اگر ظہر کی نماز وقت کے اندر پڑھی جارہی ہے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ نیت کرے کہ میں (نماز ظہر) ادا کی نیت کر رہا ہوں۔ اسی طرح وقت نکلنے کے بعد بھی نماز پڑھی جارہی ہے تو ضروری نہیں کہ قضا کی نیت کرے۔ اب اگر دل میں نیت کی اور دل کی نیت کے ساتھ زبان سے بھی کہہ دیا اور نماز فی الواقع نیت کے مطابق تھی تو نماز صحیح ہوگی۔ اگر نیت حقیقت کے مطابق نہ تھی، مثلاً ظہر کی نماز ''ادا'' پڑھنے کی نیت کی اور وقت نکل چکا تھا تو اس صورت میں (دیکھنا چاہیے کہ) اگر وقت کے نکل جانے کا علم تھا اور دانستہ اس کے خلاف نیت کی تو نماز باطل ہوگی، کیونکہ یہ تو کھلا مذاق ہے۔ لیکن اگر وقت کے نکل جانے کا علم ہی نہ تھا تو نماز صحیح ہوگی۔

یاد رہے کہ اگر چار رکعت نماز مغرب کی یا پانچ رکعت نماز عشاء کی نیت کی تو وہ نماز باطل ہوگی، اگرچہ غلطی سے یہ نیت کی ہو۔ شافعیہ اور حنابلہ کی یہی رائے ہے۔ مالکیہ اور حنفیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۲)

فرض کے علاوہ دوسری نمازوں کی نیت اور اس کے طریقہ کا بیان

نفلی نمازوں کی نیت کے مسائل مختلف مسالک کی رو سے تفصیل طلب ہیں۔(۳)

۱۔ مالکیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ نیتِ نماز کے الفاظ کا زبان سے ادا کرنا کوئی شرعی حکم نہیں ہے، سوا اس صورت کے جب کہ نماز پڑھنے والا وسوسہ (دبدھے) میں مبتلا ہو۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ جس شخص کے دل میں کوئی وسوسہ نہ ہو اس کو زبان سے نیت کے الفاظ کا ادا کرنا خلاف اولیٰ ہے، البتہ وسوسہ والے کے لیے مستحب ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ زبان سے الفاظ نیت کا ادا کرنا بدعت ہے، تاہم وسوسہ مٹانے کے لیے اچھی بات ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مثلاً پانچ اگر رکعت یا تین رکعت ظہر کی نیت کی اور چوتھی رکعت کے خاتمہ پر قعدہ کر کے نماز ختم کر دی تو نماز جائز ہوگی اور پانچ رکعت کی نیت فضول قرار دی جائے گی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ (ایسی نیت سے) نماز باطل نہیں ہوتی۔ بجز اس صورت کے جب کہ ایسا (یعنی تعداد مفروضہ سے کم و بیش کی نیت کرنا) قصداً کیا جائے۔ ہاں اگر پانچ رکعت کی نیت غلطی سے کی گئی تو نماز صحیح ہوگی۔

۳۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نفل نماز کا تعین (نیت کی صحت کے لیے) شرط نہیں ہے، خواہ وہ نماز سنت ہو یا نہ ہو، بلکہ اگر محض نماز کی نیت کر لی جائے تو کافی ہے تاہم زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ اگر وہ نماز سنت ہے تو نیت میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی نیت کی جائے، جیسا کہ تراویح کی صورت میں بھی زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ تراویح کی نیت یا سنت وقت یا قیام

Marfat.com

نماز کی نیت کرنے کا وقت

مسالک ائمہ میں سے تین یعنی مالکیہ، حنفیہ اور حنابلہ کا خیال یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ سے کسی قدر پہلے (نماز کی) نیت درست ہے۔ شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ نیت تکبیر تحریمہ سے متصل ہونی چاہیے۔ چنانچہ اگر تکبیر تحریمہ کہی اور ہنوز نیت نہ تھی تو نماز باطل ہوگی۔ وقت نیت کے بارے میں ہر مسلک

البیل کی نیت کی جائے۔

اگر لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہوں اور یہ معلوم نہ ہو کہ یہ نماز تراویح ہے یا نماز فرض ہے، اور اس نماز جماعت میں شریک ہونے کا ارادہ ہو تو چاہیے کہ فرض نماز کی نیت کر کے شامل ہوا جائے۔ اب اگر یہ پتہ چلا کہ وہ نماز فرض تھی تب تو نماز جائز ہو ہی گئی، لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ وہ تراویح تھی تو وہی نماز ادا ہوئی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مقررہ سنتوں کا ادا کرنا ہے تو سنت کی تعیین (یعنی مثلاً) عصر کی سنت یا ظہر کی سنت کی نیت کرنا شرط ہے، جس طرح کہ (نیت میں) تراویح کی سنت کی تعیین شرط (صحت نیت) ہے، ہاں اگر محض نفلی نماز ہے تو اس کی تعیین ضروری نہیں، بلکہ اس کے لیے صرف نماز کی نیت کر لینا کافی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نفلی نماز یا تو وہ ہوگی جس کے خاص اوقات ہیں جیسے (نماز کے ساتھ کی) مقررہ سنتیں یا نماز چاشت یا ایسی نماز جس کا وقت مقرر نہیں لیکن وہ کسی سبب کے پیش آنے پر پڑھی جاتی ہے، مثلاً استسقا کی نماز، یا پھر (ان کے علاوہ) محض نفل نماز ہے۔ اب اگر اوقات مقررہ کی یا کسی سبب کے پیش آنے پر پڑھی جانے والی نماز ہے تب تو لازم ہے کہ اسی کا قصد اور اس کی تعیین کی جائے، مثلاً ظہر کی سنت کی نیت کرنا اور یہ (تعیین) کہ فرض کے پہلے کی ہے یا بعد کی۔ یہ اسی طرح ضروری ہے کہ جیسے ارادہ اور تعین کا تکبیر کے کسی جزو کے ساتھ متصل ہونا۔ معروف اصطلاحات، مقارنت، استحضار سے یہی مراد ہے (یعنی نیت کا تکبیر کے ساتھ متصل ہونا اور ذہن میں ہونا) اس کی تفصیل نماز فرض کے بیان میں بتائی جا چکی ہے۔ نماز نفل کی نیتوں میں یہ امور ضروری نہیں البتہ مستحب ہیں۔ نفلی نمازوں میں بہ دوران تکبیر اس کے کسی جزو کے متصل محض نماز کا ارادہ کر لینا کافی ہے۔ نہ نماز کی تعیین ضروری ہے، اور نہ نیت میں نفل نماز کا تصور ضروری ہے۔

عام نفل میں وہ تمام نفلی نمازیں بھی شامل ہیں جو اگرچہ کسی سبب کے پیش آنے پر پڑھی جاتی ہیں، لیکن ان کے علاوہ کوئی اور نفل اس کی بجائے کافی ہوتی ہے، مثلاً تحیۃ المسجد کی نماز ہے کہ اس نماز کا اگرچہ سبب ہوتا ہے، یعنی مسجد میں داخل ہونا، لیکن تحیۃ المسجد کا مقصد اس نماز سے حاصل ہو جاتا ہے جو مسجد میں داخل ہوتے ہی پڑھ لی جائے (ایسی نماز بھی عام نفل نماز میں شامل ہے)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ فرض نماز کے علاوہ نمازیں یا تو سنت مؤکدہ ہوں گی جیسے وتر، عیدین اور استسقا کی نمازیں۔ ان نمازوں کی نیت میں نماز کی تعیین ضروری ہے، بایں طور کہ وتر کی نماز یا عید وغیرہ کی نماز کی نیت کی جائے۔ اور یا وہ نماز رغیبہ ہوگی (یعنی ایسی سنت جو خاص طور پر مطلوب و مرغوب ہے)، اور وہ نماز فجر کی سنت ہے، اس کے علاوہ کوئی اور نماز نہیں

Marfat.com

کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ [1]

ہے، اس میں بھی تعیین شرط (صحت) ہے، بایں طور کہ نماز (سنت) فجر کی نیت کی جائے۔ یا پھر نفلی نمازیں ہیں جیسے فرض نماز کے ساتھ کی مقررہ نمازیں۔ اور نماز چاشت وتراویح اور تہجد، ان نمازوں میں محض نماز کی نیت کر لینا کافی ہے اور متعین کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ اس کا وقت ہی تعین کے مقصد کو پورا کر دیتا ہے۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے نیت کرنا صحیح ہوگا بشرطیکہ درمیان میں کوئی امر خارج از صلوٰۃ حائل نہ ہو، مثلاً کھانا پینا، یا ایسا کلام کرنا جس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ لیکن ایسے امور کا حائل ہونا جو نماز سے تعلق رکھتے ہیں جیسے نماز کے لیے چلنا یا وضو کرنا سو اس کا مضائقہ نہیں ہے۔ مثلاً اگر کسی نے نماز ظہر کی نیت کی پھر وضو کرنے لگا اور وضو کے بعد مسجد کی طرف روانہ ہوا اور (وہاں پہنچ) کر نماز شروع کر دی، اور نیت یاد نہ رہی تو نماز صحیح ہوگی۔ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ نیت کہتے ہیں خدا کے لیے نماز کا ارادہ کرنے کو، بایں طور کہ اس میں امور دنیوی میں سے کوئی امر شامل نہ ہو۔ پس اگر نماز کی نیت کر لی گئی اور بغیر اس کے کہ کوئی غیر متعلقہ امر درمیان میں کیا ہو نماز شروع کر دی تو نیت کا مقصد پورا ہو گیا۔ پھر اسی نیک نیتی سے نماز شروع کی گئی، اتنے میں کوئی شخص آ گیا اور اس خیال سے کہ آنے والے کی نگاہ میں اس کی قدر ہو اس نے نماز لمبی کر دی تو اس سے اس کی نماز باطل نہ ہوگی، البتہ نماز لمبی کرنے کا کچھ ثواب نہ ملے گا، بلکہ صرف نماز پڑھنے کا ثواب مل جائے گا، کیونکہ (نماز شروع کرتے وقت) اس کی نیت خالص اللہ تعالیٰ کے لیے تھی۔ بعض حنفیہ جو یہ کہتے ہیں کہ نماز میں ریا کا دخل نہیں ہو سکتا اس سے یہی مراد ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ خلوص نیت سے نماز پڑھنے لگنا صحت نماز کے لیے کافی ہے اور بعد میں ریا کا شائبہ ہو جائے تو اس سے حرج نہیں ہوتا۔

اب یہ سوال ہے کہ آیا وقت آنے سے پہلے نماز کی نیت کر لینا صحیح ہے؟ جس کی صورت یہ ہوگی کہ کسی نے نماز کا ارادہ کیا اور وقت آنے سے کچھ پہلے ہی وضو کر لیا اور کوئی غیر متعلقہ بات کیے بغیر مسجد چلا گیا اور وہاں بیٹھا رہا یہاں تک کہ وقت آ گیا اور نماز پڑھ لی۔

اس کا جواب امام ابوحنیفہؒ سے یہ منقول ہے کہ وقت آنے سے پہلے نیت صحیح نہیں ہوگی اور بعض کا کہنا ہے صحیح ہوگی، کیونکہ شرط ہمیشہ مشروط پر مقدم ہوتی ہے، لہٰذا نیت کا مقدم ہونا قدرتی بات ہے۔

واضح ہو کہ علمائے حنفیہ کا اس امر میں اتفاق ہے کہ نیت کا تکبیر تحریمہ کے متصل ہونا افضل ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی اور کام نہ ہو، لہٰذا امام ابوحنیفہؒ کے مقلدوں کو چاہیے کہ اس کا خیال رکھیں اور تکبیر تحریمہ اور نیت کے درمیان فاصلہ نہ ہونے دیں، کیونکہ یہ امر افضل ہے اور اس طرح دوسرے فقہا سے اختلاف دور ہو جاتا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ سے کسی قدر پہلے نیت کر لینا درست ہے بشرطیکہ نیت نماز کا وقت آنے کے بعد کی گئی ہو۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے۔ اگر وقت آنے سے پہلے نیت کی گئی تو وہ صحیح نہ ہوگی۔ (نیت کا تقدم تو جائز ہے) کیونکہ نیت (نماز کی) شرط ہے، لہٰذا اس میں حرج نہیں ہے کہ نماز سے پہلے کر لی جائے، جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔ لیکن حنابلہ کہتے ہیں کہ اجنبی کلام (یعنی غیر متعلقہ باتیں کرنے) سے نیت نہیں ٹوٹتی۔ چنانچہ اگر نماز کی نیت کر کے بھی کچھ غیر متعلقہ باتیں کیں اور پھر تکبیر کہہ کر نماز پڑھ لی تو نماز صحیح ہوگی۔ حنفیہ نے (صحت نیت کے لیے) وقت کے آ جانے کی شرط ان

Marfat.com

امام کی نیت اور مقتدی کی نیت کا بیان

صحت نماز کے لیے یہ شرط ہے کہ مقتدی (امام کے پیچھے نماز پڑھنے والا) امام کی پیروی کی نیت کرے، بایں طور کہ نماز کے شروع میں متابعتِ امام کی نیت کرلی جائے۔ پس اگر کسی نے تنہا نماز پڑھنے کی نیت کی اور پھر کوئی امام آگے آگیا اور تب امام کی پیروی کی نیت اس نے کرلی تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک وہ نماز صحیح نہ ہوگی۔ باقی رہے شافعیہ اور حنابلہ سو ان کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (1)

امام کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ امامت کی نیت کرے بجز ان صورتوں کے جن کا بیان مسالک

اصحاب کے اختلاف کے خیال سے لگائی ہے جو کہتے ہیں کہ نیت رکن ہے۔

یاد رہے کہ حنابلہ کے نزدیک بھی نیت کا تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی کرلینا بہتر ہے، جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر نیت تکبیر تحریمہ سے صرف اتنی دیر پہلے کی جائے جس کو بالعموم مختصر وقفہ کہا جاتا ہے تو وہ نیت صحیح ہوگی، مثلاً مسجد کے قریب پہنچ کر نماز کی نیت کی اور پھر مسجد میں داخل ہوتے ہی تکبیر تحریمہ کہہ کر بھولے سے (بغیر نیت کیے) نماز پڑھ لی گئی ہو (تو درست ہے)۔ بعض مالکیہ کہتے ہیں کہ نیت کا تکبیر تحریمہ سے پہلے کرلینا بالکل درست نہیں ہے۔ اگر نیت پہلے کرلی گئی تو نماز جاتی رہے گی۔ تاہم ان کے نزدیک پہلی ہی بات زیادہ واضح ہے، کیونکہ تمام اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر نیت نماز سے اس قدر پہلے کی گئی جس کو لمبا عرصہ کہا جاتا ہے تو وہ نیت باطل ہوجائے گی۔

یہاں پر اس اختلاف کا ذکر اس لیے کیا گیا تاکہ ناظرین کو یہ معلوم ہوجائے کہ تکبیر تحریمہ کے متصل نیت کرنا مالکیہ کے نزدیک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ لہٰذا بے ضرورت، مثلاً بھول چوک وغیرہ کے بغیر اس سے قطع نظر کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نیت کا تکبیر تحریمہ کے متصل ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ اگر اس سے پہلے (نیت) کرلی یا اس کے بعد کسی قدر تاخیر سے (نیت) کی گئی تو نماز صحیح نہ ہوگی، جیسا کہ نیت کے طریقہ کے بیان میں ان کا مسلک پہلے بتایا جاچکا ہے۔

ا۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ نماز کے دوران اقتدا کی نیت کرنے سے نماز صحیح ہوگی، لیکن وہ جمعہ کی نماز نہ ہو اور نہ وہ نماز ہو جو لوگ بارش کے لیے اکٹھے ہو کر پڑھتے ہیں۔ نیز دہرائی گئی نماز میں بھی ضروری ہے کہ نماز شروع کرتے ہی امام کے اقتدا کی نیت کرلی جائے ورنہ نماز صحیح نہ ہوگی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مقتدی کی نماز صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ امام کی یا اس نماز کی پیروی کی نیت کی جائے۔ البتہ اگر مقتدی مسبوق ہو (یعنی ایسا شخص ہو جو دو ایک رکعت گزرنے کے بعد شریک جماعت ہوا ہے) تو مقتدی کو چاہیے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنے جیسے مسبوق کی پیروی کرے جس طرح کہ امام کی پیروی کی تھی، بشرطیکہ جمعہ کی نماز ہو۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ کوئی مقیم شخص قصر نماز پڑھنے والے مسافر کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو چاہیے کہ جب وہ امام نماز ختم کرے تو اپنے جیسے کسی مقتدی کی پیروی کرے اور بقیہ نماز (اپنے جیسے کسی مقتدی کے پیچھے) پوری کرے۔

Marfat.com

(مختلفہ) میں کیا گیا ہے۔[1]

نماز کے دوسرے فرض، تکبیر تحریمہ کا بیان اس کی حیثیت اور اس کی تعریف

تکبیر تحریمہ کے متعلق چند امور قابل ذکر ہیں:

اول اس کی حیثیت۔

ا۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ امام کو ہر نماز میں امامت کی نیت شرط ہے اور یہ نیت ہر نماز کے شروع میں ہونی چاہیے، بجز ان دو صورتوں کے جن کا ذکر سابقۃ الذکر مسائل میں کیا گیا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ہر ایسی نماز کے لیے جو جماعت کے بغیر نہیں ہو سکتی امامت کی نیت کرنا شرط ہے۔ مثلاً جمعہ کی نماز یا بارش کی شب میں مغرب اور عشا کی مجموعی نماز جو اول وقت پڑھی جائے اور خوف کی نماز (جو جہاد کے دوران دو گروہوں میں ادا کی جاتی ہے) اور استخلاف کی نماز (یعنی وہ نماز جس میں امام نے حدث لاحق ہونے کے باعث کسی کو اپنا خلیفہ بنایا ہو)۔

اب اگر امام نے جمعہ کی نماز میں امامت کی نیت نہیں کی تو اس کی اپنی نماز اور مقتدیوں کی نماز بھی باطل ہو جائے گی۔ اور اگر دو ایک ساتھ پڑھی جانے والی نمازوں میں نیت نہیں کی گئی تو دوسری نماز باطل ہو جائے گی اور پہلی صحیح ہوگی۔ صلوٰۃ خوف میں نیت امامت نہیں کی گئی تو صرف ان مقتدیوں کی نماز باطل ہوگی جو پہلے گروہ میں شامل تھے، کیونکہ جب وہ نماز سے علیحدہ ہوئے تو بے موقع ہوئے۔ البتہ امام کی نماز اور دوسرے گروہ کی نماز صحیح ہوگی۔ استخلاف کی نماز میں اگر خلیفۂ امام نے امامت کی نیت کر لی تو اس کی اور مقتدیوں کی، جو اس سے پہلے کے ہیں، سب کی نماز ہو جائے گی اور اگر امامت کی نیت نہیں کی تو صرف اس کی اپنی نماز صحیح ہوگی، مقتدیوں کی نماز جاتی رہے گی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ امامت کی نیت صرف ایک صورت میں لازم ہے جب کہ کوئی شخص عورتوں کی امامت کر رہا ہو، تاکہ محاذات (یعنی عورت کا مرد کے برابر کھڑے ہو جانے) کے مسئلہ میں گڑبڑ نہ ہو۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ امام کو چار مسائل میں امامت کی نیت کرنا واجب ہے: اول نماز جمعہ کی امامت میں۔ دوسرے بارش کے باعث جب دو نمازوں کو ایک ساتھ اول وقت میں پڑھا جانا ہو، اس کی امامت میں۔ چنانچہ اگر عصر کو ظہر کے ساتھ اور عشاء کو مغرب کے ساتھ ہی پڑھا جائے تو اس صورت میں امامت کی نیت صرف دوسری نماز میں واجب ہے پہلی نماز میں واجب نہیں ہے، کیونکہ وہ اپنے وقت میں پڑھی جائے گی (جس کے لیے نیت واجب نہیں ہے۔) تیسری وقت کے اندر دہرائی جانے والی نماز کی امامت میں جو جماعت سے پڑھی جا رہی ہے امام پر واجب ہے کہ امامت کی نیت کرے۔ چوتھی وہ نماز جس کے لیے امام بن کر جماعت کے ساتھ پڑھنے کی منت مانی گئی ہو۔ اس کے لیے واجب ہے کہ امامت کی نیت کی جائے، تاکہ (ادائے واجب سے) گناہ دور ہو سکے۔ اگر امامت کی نیت نہ کی گئی تو نماز صحیح ہو جائے گی

Marfat.com

دوم اس کے فرض ہونے کے دلائل۔

سوم اس کا طریقہ۔

چہارم اس کی شرائط۔

تکبیر تحریمہ کی حیثیت فرائض نماز میں سے ایک فرض کی ہے۔ اس پر تین ائمہ کا اتفاق ہے، لیکن امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ فرض نہیں ہے، بلکہ شرط ہے، لیکن بہر حال تکبیر تحریمہ کے بغیر نماز درست نہیں ہو سکتی، اس پر سب متفق ہیں، کیونکہ یہ بتایا جا چکا ہے کہ شرط بھی ایسا ہی ضروری عنصر ہے جیسے فرض۔

حنفیہ کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔(۱)

تکبیر تحریمہ کی تعریف: یہ وہ تکبیر ہے کہ اس کے کہنے کے ساتھ ہی آدمی پر وہ سب امور حرام ہو جاتے ہیں جو نماز کے دوران نہیں کیے جا سکتے، یعنی (تکبیر تحریمہ کے بعد) جو کام نماز کے منافی ہے اس کا کرنا حرام ہو جاتا ہے، چنانچہ جب کسی شخص پر کوئی شے اس طرح ممنوع ہو جائے کہ وہ اس ممانعت کو نہ توڑ سکے تو کہا جاتا ہے کہ احرم الرجل احراماً یعنی اس شخص نے اپنے اوپر قطعاً حرام کر لیا۔ اسی طرح جب کوئی شخص یہ تکبیر کہہ کر نماز میں داخل ہو جاتا ہے تو اس پر اعمال صلوٰۃ کے سوا تمام کام حرام ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اس کو تکبیر تحریمہ کہتے ہیں، اور "تکبیرہ تحرم" بھی کہا جاتا ہے (یعنی وہ تکبیر جو خارجی باتوں کو حرام کر دیتی ہے)۔ اس مسئلے میں تین اماموں کا اتفاق ہے کہ تکبیر تحریمہ یوں ہے کہ جو شخص نماز پڑھنے لگے وہ نماز کے شروع میں کہے "اللہ اکبر"۔ اس کی مخصوص شرائط ہیں جو آگے آرہی ہیں۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے، وہ

لیکن جب تک کہ دوبارہ امامت کی نیت کے ساتھ جماعت کی نماز نہ پڑھی جائے گی (عدم ادائے واجب کا) گناہ اس کے سر رہے گا۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ رکن (نماز) نہیں ہے، بلکہ وہ نماز کے درست ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط ہے۔ یہ سوال اٹھ سکتا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے لیے وہ باتیں ضروری ہیں جو نماز کے لیے ہیں، مثلاً پاک ہونا، ستر کا ڈھکنا وغیرہ۔ اگر یہ شرط ہوتی (اور فرض نہ ہوتی) تو اس کے لیے یہ امور لازم نہ ہوتے، جیسے آپ دیکھتے ہیں کہ نماز کی نیت کو جو لوگ شرط قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک نیت وہ شخص بھی کر سکتا ہے جس نے وضو نہ کیا ہو، اور وہ بھی جس نے ستر نہ ڈھکا ہو (حالانکہ تکبیر تحریمہ ان حالتوں میں نہیں ہو سکتی)۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ (نماز کے رکن) قیام سے متصل ہوتی ہے، لہٰذا اس کے لیے بھی وہی شرط ہے جو نماز کے لیے ہے، یعنی طہارت وغیرہ۔

اب یہ تو معلوم ہے کہ یہ فقہی فلسفہ ہے، جہاں تک عمل کا تعلق ہے اس سے کوئی فائدہ نہیں، البتہ ان طالب علموں کو اس سے فائدہ ہے جو ان اصول پر طلاق وغیرہ کے نازک احکام کی بنا رکھتے ہیں، ورنہ تکبیر تحریمہ تو ایک لازمی امر ہے جس

Marfat.com

کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے لیے یہی الفاظ شرط نہیں ہیں، چنانچہ ان کا مسلک تکبیر کہنے کے طریقے میں بیان ہوگا۔

تکبیر تحریمہ کے فرض ہونے کا ثبوت

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ نماز کی ابتدا کا اللہ تعالیٰ کے نام سے ہونا ایک ضروری اور لازمی امر ہے، جس کے بغیر نماز نہیں ہوسکتی۔ اس اجماع کی تائید احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے۔ منجملہ ان کے وہ حدیث ہے جو ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ: **مفتاح الصلوٰۃ الطھور و تحریمھا التکبیر و تحلیلھا التسلیم**" (یعنی پاک ہونے سے نماز کا راستہ کھلتا ہے، تکبیر تحریمہ سے خارج از صلوٰۃ باتیں حرام ہوتی ہیں اور سلام پھیرنے سے نماز ختم ہو جاتی ہے) یہ حدیث اس باب میں صحیح ترین اور احسن ہے۔

بعض اصحاب نے تکبیر تحریمہ کے فرض ہونے کا استدلال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے کیا ہے: "**وربک فکبر**" (یعنی اپنے پروردگار کی عظمت بیان کر یا اس کی تکبیر پڑھ)۔ طریق استدلال یہ ہے کہ "فکبر" صیغہ امر ہے اور جس امر کے لیے امر ہو وہ واجب ہو جاتا ہے۔ اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ "تکبیر" بجز نماز کے کسی اور موقع پر واجب نہیں ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ تکبیر تحریمہ فرض ہے۔ بہر حال علمائے اسلام میں سے کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا کہ تکبیر تحریمہ ایک ضروری اور لازمی عمل ہے کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوسکتی۔ اب اس کو فرض کہو یا شرط (نتیجے کے اعتبار سے ایک ہی شے ہے۔)

تکبیر تحریمہ کا طریقہ

یہ تو بتایا جا چکا ہے کہ تین امام اس پر متفق ہیں کہ تکبیر تحریمہ دو مقررہ الفاظ سے مرکب ہے، یعنی "اللہ اکبر" کہ اگر نماز اس جملے کے بغیر شروع کی گئی تو نماز نہ ہوگی۔ لیکن حنفیہ کا اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔(1)

کے بدون نماز نہیں ہوسکتی، جیسا کہ متعدد بار بیان کیا جا چکا ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ الفاظ اللہ اکبر ہی سے نماز کا آغاز صحت نماز کی شرط نہیں ہے، ہاں ان الفاظ سے شروع کرنا واجب ہے، اور ان الفاظ کو ترک کر دینے سے نماز تو باطل نہیں ہوتی، لیکن ترک واجب کا گناہ ضرور ہوتا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ واجب کا درجہ فرض سے کم ہے۔ گو اس کا تارک عذاب جہنم کا مستوجب نہ ہو، قیامت کے روز آنحضرت ﷺ کی شفاعت سے محرومی کا موجب ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی تنبیہ کے لیے یہی کافی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کا مطالبہ بھی

Marfat.com

تکبیر تحریمہ کی شرطیں

اب لازم ہے کہ مختلف مسالک میں تکبیر تحریمہ کی جو شرطیں ہیں انہیں یاد رکھا جائے، تا کہ ہر مسلک کو سمجھنا آسان ہو جائے۔ان مسلکوں کی تفصیل ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔[1]

یہی ہے کہ اسی طرح نماز شروع کی جائے جس طرح کہ دوسرے ائمہ کا مطالبہ ہے۔ پھر حنفیہ کہتے ہیں کہ اس کے ترک سے نماز باطل نہیں ہوتی، مگر اسے ترک کیا جائے تو نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ ہاں اگر دوبارہ نہ پڑھی گئی تب بھی فرض ادا ہو گیا، اور اس سے جو گناہ ہوا وہ مستوجب عذاب نہیں ہے۔

اب رہا کہ (حنفیہ کے نزدیک) وہ کون سا لفظ ہے جس پر صحت نماز موقوف ہے؟ (اس کا جواب یہ ہے کہ) ایسا لفظ وہ ہے جو خدائے واحد عزوجل کی عظمت پر دلالت کرتا ہو، بغیر اس کے کہ اس میں کوئی دعا وغیرہ شامل ہو، چنانچہ ہر ایسا لفظ جو یہ مفہوم رکھتا ہو اس سے نماز شروع کرنا درست ہے، مثلاً 'سبحان الله' کہنا یا 'الحمد لله' یا ' لا الہ الا الله ' یا یوں کہنا ہے کہ اللہ رحیم ہے، اللہ کریم ہے وغیر تمام الفاظ جو خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عظمت پر دلالت کرتے ہوں۔

اگر کہا استغفر الله یا اعوذ بالله، یا لا حول ولا قوة الا بالله، تو ان الفاظ سے نماز درست نہ ہوگی، کیونکہ یہ الفاظ تعظیم الٰہی کے خاص مفہوم کے علاوہ دوسرے معانی پر بھی مشتمل ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت یا اس کی پناہ وغیرہ کے لیے دعا ہے۔

یاد رہے کہ الفاظ (تکبیر) کا اللہ تعالیٰ کی عظمت شان کی صفت کا مظہر ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ لفظ کریم یا رحیم وغیرہ کہا تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ اگر کوئی ایسا نام لیا جو اس کی صفات کی بجائے اس کی ذات پر دلالت کرے، مثلاً اللہ، یا الرحمٰن، یا الرب، اگر اس پر کچھ اضافہ نہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ نماز ہو جائے گی، لیکن صاحبینؒ کہتے ہیں کہ نہیں ہوگی۔ چنانچہ ان دلائل سے جو اوپر ذکر کیے گئے یہی ثابت ہوتا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "و ربک فکبر" کے معنی خاص طور پر تکبیر (اللہ اکبر) کہنے کے نہیں ہیں، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کو یاد کیا جائے، خواہ کوئی بھی لفظ ہو جس میں اس کی عظمت کا مفہوم ہو۔

واضح رہے کہ تکبیر کے الفاظ حدیث میں اسی طرح آئے ہیں اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ (حنفیہ کے نزدیک) خصوصیت کے ساتھ تکبیر کے ان الفاظ کا استعمال کرنا واجب ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ یہی الفاظ ادا فرماتے تھے اور کبھی اس کو ترک (فرما کر کوئی اور لفظ استعمال) نہیں فرمایا۔

یہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے کا ذکر تھا، اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ تین امام اس امر میں متفق ہیں کہ تکبیر (نماز) الفاظ اللہ اکبر کے ساتھ ہونی چاہیے، جیسا کہ ان دلائل سے ثابت ہے اور جس کی تائید آنحضرت ﷺ نے اپنے عمل سے فرما دی ہے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے صحیح ہونے کی پندرہ شرطیں ہیں کہ ان میں سے کسی میں بھی خلل آئے تو نماز نہ ہوگی:

Marfat.com

۱۔ تو یہ کہ (یہ تکبیر) عربی زبان میں ہو، بشرطیکہ اس پر قدرت ہو۔ اگر اس سے معذور ہو اور اس کا سیکھنا ممکن نہ ہو تو ایسے شخص کے لیے کسی زبان میں بھی جو وہ جانتا ہو تکبیر کہہ لینا صحیح ہوگا۔

۲۔ یہ کہ فرض نماز ہو اور انسان کھڑا ہو سکتا ہو تو تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہنی چاہیے۔ ہاں نفل نماز میں بیٹھے بیٹھے کہہ لینا درست ہے، جس طرح کہ بیٹھ کر نماز پڑھنا درست ہے۔

اب اگر کسی نے جھکے ہونے کی حالت میں تکبیر تحریمہ کہی تو دیکھنا چاہیے کہ جھکنا قیام کے قریب ہے تو تکبیر صحیح ہوگی، اگر رکوع کے قریب ہے تو صحیح نہ ہوگی۔ اس میں حنفیہ اور حنابلہ متفق ہیں۔ مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ جھکی ہوئی کیفیت میں تکبیر تحریمہ صرف ایک ہی صورت میں صحیح ہوگی جب کہ مقتدی مسبوق ہو۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ امام رکوع میں ہو تو ضروری نہیں ہے جماعت میں شرکت حالت رکوع میں کی جائے بلکہ اگر امام رکوع میں جا چکا ہے اور اس وقت کسی نے نماز شامل ہونے کے لیے تکبیر کہی، اور علیحدہ ہی رکوع کر لیا تو درست ہوگا اس مسئلے کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

۳۔ یہ کہ تکبیر میں لفظ "جلالت" (یعنی عظمت الٰہی ظاہر کرنے والا لفظ اللہ) اور اس کے ساتھ لفظ اکبر استعمال کیا جائے۔

۴۔ یہ کہ لفظ جلالت (اللہ) کے الف کو کھینچ کر نہ ادا کیا جائے، یعنی "آللہ اکبر" نہ کہنا چاہیے، کیونکہ یہ استفہام کا مفہوم رکھتا ہے (یعنی کیا اللہ اکبر ہے؟) گویا اللہ کی (جلالت شان) کی بابت سوال کیا جا رہا ہے (یہ امر نمازی کی شان کے خلاف ہے)۔

۵۔ لفظ اکبر کی "ب" کو زیادہ کھینچ کر "الله اکبار" کہنا صحیح نہیں ہے۔ اگر اس طرح ادا کیا تو نماز درست نہ ہوگی، خواہ الف زبر سے پڑھا جائے یا زیر سے کیونکہ اکبار بفتح اول لفظ کبر کی جمع ہے جس کے معنی بڑے ڈھول کے ہیں اور الف کے زیر کے ساتھ اکبار حیض کو کہتے ہیں۔ اگر کسی نے دانستہ ایسی حرکت کی تو گویا اس نے اپنے معبود کو گالی دی، لہٰذا وہ مرتد (خارج از اسلام) ہو جائے گا۔

۶۔ اکبر کی ب پر تشدید نہ پڑھی جائے، یعنی الله اکبّر کہا تو نماز نہ ہوگی۔

۷۔ دونوں الفاظ کے درمیان واؤ ساکن یا متحرک نہ لایا جائے چنانچہ "الله واکبر" اور "الله واکبر" کہنے سے نماز نہ ہوگی۔

۸۔ لفظ اللہ سے پہلے واؤ نہ لایا جائے۔ پس "والله اکبر" کہا تو نماز کی نیت نہ ہوگی۔

۹۔ دونوں الفاظ کے درمیان توقف نہ ہو، خواہ تھوڑا ہو، یا بقول صحیح کم۔ چنانچہ اگر اللہ کہہ کر تھوڑی سی خاموشی اختیار کی اور پھر کہا اکبر تو نماز نہ ہوگی، اور اس صورت میں جب کہ زیادہ توقف ہو تو بطریق اولیٰ نماز نہ ہوگی۔ البتہ لفظ اکبر میں لام تعریف بڑھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ پس اگر کہا الله الاکبر، تو درست ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ اللہ کے ساتھ کوئی صفت جو اس کی شان کے شایاں ہے، بڑھا دی گئی۔ مثلاً الله العظیم اکبر یا الله الرحمن الرحیم اکبر کہا (تو تکبیر صحیح ہوئی) البتہ اگر صفت کے الفاظ دو سے زیادہ ہو جائیں تو تکبیر باطل ہو جائے گی۔ چنانچہ الله العظیم الکریم الرحیم اکبر، کہا تو نماز نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر اللہ اور اکبر کے درمیان کسی ضمیر کا اضافہ کیا یا حرف ندا بڑھایا، مثلاً الله هو اکبر، کہا یا الله یا رحمن اکبر کہا (تب بھی نماز نہ ہوگی)۔

Marfat.com

۱۰۔ تکبیر (اس طرح کہی جائے) کہ وہ خود سن سکے، اگر دل ہی دل میں اس طرح کہا کہ خود کو سنائی نہ دی تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ ہاں اگر گونگا یا بہرا ہو یا ایسی جگہ ہے جہاں شور اور غل غپاڑا ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں یہ ضروری نہ ہوگا کہ وہ سن سکے۔ تاہم گونگے شخص یا ایسے ہی کسی اور معذور انسان پر واجب ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس پر عمل کرے۔ بایں طور کہ اگر گونگاپن عارضی ہو اور لب وزبان کو تکبیر کے لیے ہلانا ممکن ہو تو واجب ہے کہ ایسا کرے۔

۱۱۔ وقت نماز کا آ گیا ہو۔ یہ اس حالت میں جب کہ فرض نماز یا اوقات مقررہ کی نفل نماز پڑھنا ہو یا ایسی نفل ہو جو کسی خاص وجہ سے پڑھی جاتی ہے، جس کا ذکر سابقاً کیا گیا ہے۔

۱۲۔ تکبیر تحریمہ قبلے رخ کھڑے ہو کر کہی جائے، بشرطیکہ قبلے کی طرف رخ کرنے کا فریضہ اس کے حق میں ساقط نہ ہوا ہو، جس کا ذکر سابقاً قبلہ رخ ہونے کے بیان میں کیا گیا ہے۔

۱۳۔ تکبیر تحریمہ امام کی تکبیر کے بعد کہی جائے۔ یہ اس صورت میں جب کہ امام کے پیچھے نماز پڑھی جا رہی ہو۔

۱۴۔ تکبیر ایسی جگہ پر پڑھی جائے جہاں قرآن کا پڑھنا درست ہو، اس کی تفصیل قرأت کی شرائط میں آئے گی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے صحیح ہونے کی بیس شرطیں ہیں، تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ یہ کہ نماز فرض کا وقت آ گیا ہو، یہ اس صورت میں جب کہ اس (وقت کی) نماز کی نیت کرنا ہو۔

۲۔ یہ کہ نماز پڑھنے والے کو یہ یقین ہو یا اس کو گمان غالب ہو کہ وقت نماز کا آ گیا ہے۔ اگر وقت کے آ جانے میں شک ہے اور نماز کی نیت باندھنے کے لیے تکبیر کہی تو وہ تکبیر صحیح نہ ہوگی، اگرچہ (بعد میں) یہ پتہ چلے کہ وقت آ گیا تھا۔

۳۔ یہ کہ ستر ڈھکا ہوا ہو۔ ستر ڈھکنے کے مسائل نماز کے بیان میں آ چکے ہیں۔ پس اگر ستر کھلا تھا اور تکبیر کہی اور پھر ستر بھی ڈھک لیا تو نماز درست نہ ہوگی۔

۴۔ یہ کہ حدث اکبر اور حدث اصغر سے پاک ہو اور نجاست آلود نہ ہو۔ چنانچہ اگر بدن، لباس یا نماز کی جگہ پر اس قدر نجاست ہو جو معاف نہیں ہے تو (ایسی حالت) میں تکبیر کہنا صحیح نہ ہوگا۔ جس قدر نجاست معاف ہے، اس کی تفصیل طہارت کے بیان میں ہو چکی ہے۔ پس اگر تکبیر کہنے والا یہ جانتا ہے کہ نجاست لگی ہوئی ہے تو وہ تکبیر باطل ہوگی، اگرچہ بعد میں یہ انکشاف ہو کہ وہ نجاست سے پاک تھا۔

۵۔ یہ کہ تکبیر قیام کی حالت میں ہو۔ یہ حکم فرض اور واجب نمازوں اور فجر کی سنتوں کے لیے ہے، باقی نوافل میں ضروری نہیں ہے کہ حالت قیام ہی میں تکبیر کہی جائے، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اگر بیٹھ کر نماز پڑھنا ہے تو بیٹھے بیٹھے ہی تکبیر کہنی چاہیے۔ اگر کسی نے جھک کر تکبیر کہی اور جھکاؤ کھڑے ہونے کے قریب قریب ہے تو اس سے کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اگر جھکاؤ رکوع کے قریب ہے تو یہ تکبیر درست نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ کھڑے ہونے کی طاقت ہو۔

اگر کوئی جماعت میں شامل ہوا جب کہ امام رکوع میں ہے، اور شامل ہونے والے نے کھڑے ہو کر پوری تکبیر تحریمہ کہہ لی ہے تو صحیح ہوگی، لیکن اگر اللہ کا لفظ حالت قیام میں اور اکبر کا لفظ حالت رکوع میں ادا ہوا تو نماز درست نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی امام کے ساتھ نماز میں کھڑا ہوا اور اللہ کا پورا لفظ امام کے ادا کرنے سے پہلے خود کہہ لیا تو تکبیر صحیح نہ ہوگی۔

۶۔ یہ کہ (تکبیر کے وقت) اصل نماز کی نیت ہو، مثلاً فرض نماز کی نیت۔

Marfat.com

۷۔ یہ کہ فرض کا تعین کیا گیا ہو، مثلاً ظہر کا فرض ہے یا عصر کا فرض، اگر تعین کے بغیر تکبیر کہی گئی تو صحیح نہ ہوگی۔
۸۔ یہ کہ واجب نماز کا تعین کیا گیا ہو، مثلاً طواف کی دو رکعتیں ہیں یا عید کی نماز یا وتر کی نماز یا نذر کی نماز یا کسی ایسی نفل کی قضا جو (پوری کرنے سے پہلے) توڑ دی گئی ہو۔ ان تمام صورتوں میں تکبیر کے وقت اس کا متعین کرنا واجب ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے نوافل میں تعین واجب نہیں ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔
۹۔ یہ کہ تکبیر اس طرح کہی جائے کہ وہ خود سن لے۔ اگر نہایت ہی چپکے سے اور دل ہی دل میں تکبیر کہہ لی گئی تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ یہی حکم نماز کے اندر دوسرے قولی افعال کا ہے، مثلاً ثنا، تعوذ، تسمیہ، یا قرأت، یا تسبیح اور آنحضرت ﷺ پر درود۔ یاد رہے کہ حنفیہ کے نزدیک طلاق اور قسم وغیرہ کا بھی کچھ اعتبار نہیں جب تک کہ منہ سے کہا اور خود نہ سنا ہو۔ چنانچہ اگر نہایت آہستہ سے کہا یا دل ہی دل میں کہہ لیا تو اس طرح کا کہنا کچھ مؤثر نہ ہوگا۔
۱۰۔ یہ کہ تکبیر اسی جملہ سے ادا کی جائے جس کا ذکر ہوا، یعنی اللہ اکبر یا سبحان اللہ یا الحمد للہ کہنا چاہیے۔ اگر (جملہ کی بجائے) صرف ایک لفظ کہا تو تکبیر نہ ہوگی۔ اس کی تفصیل تکبیر تحریمہ کے بیان میں پہلے ہی پورے طور پر ہو چکی ہے۔
۱۱۔ یہ کہ تکبیر محض اللہ تعالیٰ (کا حکم بجالانے) کے لیے ہو۔ اگر اس میں کوئی ذاتی مقصد مثلاً استغفار وغیرہ شامل ہو تو تکبیر صحیح نہ ہوگی، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔
۱۲۔ یہ کہ تکبیر کی بجائے بسم اللہ نہ ہو۔ بقول صحیح اس کے ساتھ نماز شروع کرنا صحیح نہیں ہے۔
۱۳۔ یہ کہ اللہ کے نام میں جو حرف ہ کا ہے وہ حذف نہ ہو۔ اگر وہ حذف ہوا تو نماز باطل ہو جائے گی۔
۱۴۔ یہ کہ لفظ اللہ کا دوسرا لام کھینچ کر پڑھا جائے۔ اگر کھینچ کر نہیں ادا کیا گیا تو تکبیر کے صحیح ہونے اور اس طرح کے ذبیحہ کے درست ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ لہٰذا دوسرے لام کو کھینچ کر پڑھنے کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔
۱۵۔ یہ کہ اللہ کے الف اور اکبر کے الف کو کھینچ کر نہ پڑھا جائے۔ اگر آللہ اکبر یعنی الف مدہ کے ساتھ پڑھا تو نماز نہ ہوگی، کیونکہ مد کے ساتھ پڑھنے سے استفہام کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے اور جو شخص ہستی باری تعالیٰ کے باب میں ہنوز استفسار کر رہا ہو اس کی نماز صحیح نہیں ہو سکتی۔ اگر کسی نے قصداً یہی مفہوم ادا کیا تو کافر ہو جائے گا، لہٰذا جو لوگ اللہ کا نام الف کو کھینچ کر لیتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں اور سخت غلطی۔ ہر چند کہ ان کی غرض محض اللہ تعالیٰ کو پکارنا ہے، تاہم اس میں ایہام (ہستی باری تعالیٰ کے باب میں شبہہ) پیدا ہوتا ہے۔ اگر کسی شخص کا مقصد فی الواقع استفہام ہی ہو تو ایسا شخص مرتد قرار دیا جائے گا۔ غرض بہر حال (اللہ کے) الف کو کھینچ کر پڑھنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ شافعیہ اس سے متفق ہیں۔
۱۶۔ یہ کہ اکبر کی ب کو کھینچ کر نہ پڑھا جائے یعنی اگر اللہ اکبار کہا تو نماز باطل ہو جائے گی، کیونکہ الف کے زبر کے ساتھ لفظ اکبار کے معنے بڑے ڈھول کے ہیں اور الف کے زیر کے ساتھ اکبار حیض کو کہتے ہیں۔ اگر جان بوجھ کر اس طرح کہا تو کفر ہے اور بہر صورت اس سے نماز جاتی رہے گی۔
۱۷۔ یہ کہ نیت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان خارج از نماز کوئی حرکت نہ ہو، چنانچہ اگر نیت نماز کرنے کے بعد کوئی

Marfat.com

خارج از صلوٰۃ کام کیا، مثلاً بات کر لی یا کچھ کھالیا، خواہ وہ دانت کی جھری میں پھنسی ہوئی کوئی شے ہو، بشرطیکہ چنے کے برابر ہو، یا پانی پیا، یا گفتگو کی، یا بلا سبب کھنکھارنے لگا۔ اور پھر دوبارہ نیت کی بغیر تکبیر تحریمہ کہی تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ البتہ نیت اور تکبیر کے درمیان مسجد تک چلنے کا کام کیا اور کوئی دوسری بات یا اور کام نہیں کیا تو تکبیر تحریمہ صحیح ہوگی، جیسا کہ نیت کے بیان میں ذکر کیا گیا۔

۱۸۔ یہ کہ نیت کرنے سے پہلے تکبیر نہ کہی جائے۔ اگر پہلے تکبیر کہہ کے نماز کی نیت کی تو تکبیر تحریمہ صحیح نہ ہوگی، اور اگر تکبیر ہی درست نہ ہوئی تو ساری نماز ہی جاتی رہی، کیونکہ یہ بتایا جا چکا ہے کہ (تکبیر) نماز کی شرط ہے

۱۹۔ یہ کہ تکبیر کے وقت فرض کا امتیاز کیا جائے۔

۲۰۔ یہ کہ پاک ہونے اور نجاست سے مبرا ہونے کا یقین ہو۔

حنفیہ تکبیر تحریمہ کا عربی زبان میں ہونا شرط صحت قرار نہیں دیتے۔ چنانچہ اگر کسی اور زبان میں تکبیر تحریمہ کہی گئی تو نماز صحیح ہوگی، خواہ عربی زبان میں کہنے کے قابل کوئی ہو یا اس سے عاجز ہو۔ تاہم اگر عربی زبان میں کوئی شخص تکبیر کہہ سکتا ہے تو کسی اور زبان میں تکبیر کہنا مکروہ تحریمی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کی صحت کے لیے چند شرائط ہیں:

۱۔ ایک تو یہ کہ عربی زبان میں ہو بشرطیکہ اس زبان میں کوئی ادا کر سکتا ہو۔ اگر کوئی عاجز ہو، بایں طور کہ وہ عجمی ہے اور عربی الفاظ کا ادا کرنا اسے دشوار ہے تو اس پر تکبیر کہنا واجب نہیں ہے، محض نیت کر کے نماز شروع کر دینا چاہیے۔ اگر تکبیر کا ترجمہ ایسی زبان میں جس سے واقفیت ہے کر لیا جائے تو بقول ظاہر نماز باطل نہ ہوگی، لیکن اگر کوئی عربی میں تکبیر کہنے پر قادر ہے تو اللہ اکبر کے خاص الفاظ میں تکبیر کہنا چاہیے۔ اس کے ہم معنے اور الفاظ کا استعمال جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ لفظ عربی زبان ہی کا ہو۔ اس باب میں شافعیہ اور حنفیہ کا اختلاف ہے، کیونکہ شافعیہ اللہ اور اکبر کے درمیان کوئی اور لفظ لانا مثلاً اللہ الرحمان اکبر کہنا جائز قرار دیتے ہیں اور اس امر کی اجازت دیتے ہیں کہ جو شخص عربی کا لفظ نہ بول سکتا ہو وہ عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں تکبیر کہہ لے، اور جو شخص عربی میں الفاظ تکبیر ادا کر سکتا ہے اگر عربی کے سوا کسی اور زبان میں تکبیر کہے تو نماز صحیح ہوگی، لیکن ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

۲۔ دوسری شرط (مالکیہ کے نزدیک) یہ ہے کہ فرض نمازوں میں تکبیر تحریمہ جہاں تک ممکن ہے کھڑے ہو کر کہی جائے۔ اگر جھکے جھکے تکبیر کہی تو باطل ہوگی۔ یہ جھکنا قریب قریب رکوع کے ہو یا قیام کے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا (یعنی دونوں حالت میں تکبیر صحیح نہ ہوگی)۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے امام کے پیچھے جماعت میں شامل ہونے کا ارادہ کیا، درآنحالیکہ امام قرأت سے فارغ ہو کر رکوع میں ہے، اب اس شخص نے حالت رکوع ہی میں امام کے پیچھے نماز میں شامل ہونے کا قصد کیا اور جھکنے کی حالت میں تکبیر کہی اور امام کے اٹھنے سے پہلے رکوع میں پہنچ گیا (ایسی صورت ہو) تو اس مقتدی کی تکبیر صحیح ہوگی، لیکن وہ رکعت اس کو نہیں ملے گی، لہٰذا چاہیے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس رکعت کو پھر سے پورا کرے۔ لیکن اگر تکبیر (جھک کر نہیں بلکہ) کھڑے کھڑے کہی اور امام ہنوز رکوع میں ہے یا رکوع کے لیے جھک رہا ہے تو دو قابل ترجیح اقوال کی بنا پر وہ رکعت نماز کے حساب میں آجائے گی۔ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ

Marfat.com

صرف تکبیر تحریمہ کی نیت یا رکوع کے ساتھ تکبیر تحریمہ کی نیت رہی ہو، اگر محض رکوع کا ارادہ کیا تھا تو نماز کی نیت نہیں بندھی۔ تاہم نماز توڑ دینا صحیح نہیں ہے، بلکہ امام کا احترام کرتے ہوئے امام کے ساتھ نماز میں شامل رہنا چاہیے، اور نماز کے بعد اس کو دہرا لینا چاہیے۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ لفظ الجلالۃ (یعنی لفظ اللہ) کو لفظ اکبر سے پہلے کہے، یعنی اللہ اکبر کہا جائے۔ اگر اکبر اللہ کہا تو تکبیر صحیح نہ ہوگی۔ اس پر سب متفق ہیں۔

۴۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ اللہ کے الف کو استفہام کے معنے کا ارادہ کر کے کھینچ کر نہ پڑھا جائے۔ اگر استفہام کا ارادہ نہیں ہے، بلکہ ندا کا ارادہ ہے یا کچھ ارادہ نہیں ہے (یونہی الف پر مدہ پڑھا تو مالکیہ کے نزدیک) اس میں حرج نہیں ہے۔

۵۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ لفظ اکبر کی ب کو لفظ کبر کی جمع تصور کر کے نہ کھینچے جس کے معنے بھاری ڈھول کے ہیں۔ اگر ایسا کیا تو گویا اللہ کو گالی دی (نعوذ باللہ) لیکن اگر یہ ارادہ نہیں تھا تو حرف ب کو کھینچ کر ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ان دونوں مسائل میں ائمہ ثلاثہ نے مالکیہ سے اختلاف کیا ہے۔ یہ تینوں ائمہ اس پر متفق ہیں کہ ایسی صورت میں (یعنی الف اللہ کو یا بائے اکبر کو کھینچ کر پڑھنے سے) تکبیر باطل ہو جاتی ہے، خواہ اس کے لغوی معنے کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، جیسا کہ ان کے مسالک کے بیان میں بتایا گیا ہے۔

۶۔ یہ کہ اللہ کے لفظ کو اس کے قدرتی مد کے ساتھ ادا کیا جائے۔ اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے۔

۷۔ یہ کہ لفظ اللہ کی ہ کو حذف نہ کیا جائے، بایں طور کہ الا اکبر بغیرہ کے ادا کیا جائے۔ اس پر بھی سب متفق ہیں۔ لیکن اگر اللہ کی ہ کو اس طرح کھینچ کر ادا کیا گیا کہ اس سے واؤ کی آواز پیدا ہوئی تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے، لیکن شافعیہ اور حنابلہ کو اس سے اختلاف ہے۔ چنانچہ شافعیہ کہتے ہیں کہ (لا کو واؤ کی طرح ادا کرنے والا) اگر عام لوگوں میں ہے تو اللہ اسے معاف کرے گا، اگر عام لوگوں میں سے نہیں (بلکہ خاص لوگوں میں سے ہے) تو اس کے لیے معافی نہیں ہے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو تکبیر باطل ہوگی۔ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ ایسا کرنے میں خرابی ہے۔ اس سے بہر حال تکبیر باطل ہو جائے گی۔

۸۔ آٹھویں شرط یہ ہے کہ لفظ اللہ اور اکبر کے درمیان خاموش رہ کر وقفہ نہ کیا جائے، یعنی اللہ کہہ کر اتنی دیر خاموش رہے جسے بالعموم لمبا عرصہ کہا جا سکتا ہے، تو تکبیر صحیح نہ ہوئی، ہاں اگر وقفہ مختصر ہو تو مضائقہ نہیں۔ اس باب میں تمام مسالک متفق ہیں کہ لفظ اللہ اور اکبر کے درمیان (بولنے میں) فاصلہ رکھنا برا ہے۔ ہاں یہ فاصلہ معمولی (تھوڑا) سا ہو تو حرج نہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ تھوڑے فاصلے سے کیا مراد ہے؟ سو مالکیہ نے اس کی بابت یہ کہا کہ جسے بالعموم لوگ تھوڑا تصور کرتے ہیں۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ تھوڑا سا فاصلہ جو نظر انداز کیا جا سکتا ہے وہ صرف اس قدر وقفہ ہے جو سانس لینے میں ہوتا ہے یا جو تکان کے باعث دوران کلام ہو جاتا ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ اس باب میں اس قدر وقفہ خارج قرار دیتے ہیں جس میں انسان کوئی سی بات خواہ وہ نہایت مختصر سی ہو، کہہ سکے۔

۹۔ نویں شرط یہ ہے کہ لفظ اللہ اور اکبر کے درمیان کوئی کلام نہ ہو، نہ تھوڑا نہ زیادہ یہاں تک کہ ایک ہی حرف بولا جائے تب بھی تکبیر صحیح نہ ہوگی۔ اس مسئلہ میں حنابلہ اور مالکیہ متفق ہیں، لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ ال (حرف تعریف

Marfat.com

) کا درمیان میں لانا جائز ہے۔ چنانچہ اگر الله الا کبر کہا یا الله الکبیر کہا تو تکبیر صحیح ہوگی جیسے الله کبیر کہنا صحیح ہے۔
شافعیہ کے متعلق یہ بتایا جاچکا ہے کہ انھوں نے دونوں لفظوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کا لانا جائز قرار دیا ہے، بشرطیکہ یہ اضافہ دولفظوں سے زیادہ نہ ہو، چنانچہ اگر الله الرحمان الرحیم اکبر کہا تو صحیح ہوگا، جیسا کہ سابقاً ان کے مسلک کی تفصیل میں بتایا گیا ہے۔

۱۰۔ دسویں یہ کہ تکبیر کے وقت زبان کو حرکت میں لانا چاہیے اگر زبان ہلائے بغیر دل ہی دل میں تکبیر کہی تو صحیح نہ ہوگی۔ لیکن اس طرح تکبیر کہنا کہ نمازی خود سن سکے (مالکیہ کے نزدیک) شرط نہیں ہے۔ گونگے انسان سے تکبیر کا فریضہ ساقط ہے اور صرف نیت کرنا کافی ہے۔ اس مسئلہ میں باقی تین مسالک کا اختلاف ہے، وہ صرف اس طرح ادا کرنے کو شرط صحت قرار دیتے ہیں کہ تکبیر کہنے والا خود سن سکے۔ اگر صرف زبان کو حرکت دی گئی تو نماز باطل ہو جائے گی، البتہ کوئی گونگا ہو تو اور بات ہے۔ اس کے حق میں حنابلہ اور حنفیہ کے نزدیک معافی ہے۔ لیکن شافعیہ کہتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو زبان اور لبوں کو (تکبیر کے لیے) حرکت میں لانا واجب ہے۔

واضح ہو کہ اس کے علاوہ وہ تمام امور جو صحت نماز کے لیے شرط ہیں۔ مثلاً قبلہ رخ ہونا، ستر کا ڈھکنا اور پاک صاف ہونا وغیرہ، جو اوپر مذکور ہوئے، وہی شرائط تکبیر کی صحت کے لیے بھی ہیں۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے (صحیح ہونے کے) لیے چند شرطیں ہیں:

۱۔ ایک تو یہ کہ تکبیر اللہ اور اکبر کے الفاظ سے مرکب ہو۔ اگر اس کے علاوہ اور الفاظ تکبیر میں استعمال کیے گئے تو نماز باطل ہو جائے گی۔ حنابلہ اور مالکیہ کو اس امر سے اتفاق ہے کہ ان الفاظ کو اسی ترتیب میں ادا کیے بغیر تکبیر تحریمہ نہیں ہو سکتی، چنانچہ اگر اکبر الله یا الله الا کبر یا الله الکبیر یا الله الجلیل وغیرہ دوسرے تعظیمی الفاظ ادا کیے تو تکبیر تحریمہ باطل ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر صرف اللہ کہا (تب بھی تکبیر نہ ہوگی) لیکن اگر اللہ اکبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کا اضافہ کر دیا، مثلاً الله اکبر و اعظم کہا یا الله اکبر اجل کہا تو نماز صحیح ہو جائے گی لیکن کراہت کے ساتھ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ الله اکبر کبیرا، کہا جائے۔ اور یہ بات بتائی جاچکی ہے کہ شافعیہ کہتے ہیں کہ اس میں حرج نہیں ہے کہ الفاظ اللہ اور اکبر کے درمیان ایک یا دو الفاظ منجملہ صفات باری تعالیٰ بڑھا دیے جائیں، مثلاً الله الرحمان الرحیم اکبر کہنا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ دونوں الفاظ کے درمیان ''ال'' حرف تعریف لانے سے کوئی حرج نہیں، جیسے الله الا کبر کہنا، اور الله کبیر کہنے کی صورت میں بھی حنفیہ کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ کھڑے ہونے کی قدرت ہو تو تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر ہی کہنی چاہیے۔ یہ ضروری نہیں کہ تکبیر کی حالت میں قد بالکل سیدھا رہے؛ اگر انسان جھکا ہوا ہو تب بھی تکبیر صحیح ہوگی۔ سوا اس صورت کے جب کہ جھکنا رکوع کے قریب ہو جائے۔ (یعنی اس قدر جھک کر تکبیر کہی جائے تو صحیح نہ ہوگی) تاہم رکوع کی حالت میں یا بیٹھے بیٹھے، یا کچھ حصہ (تکبیر کا) حالت قیام میں اور کچھ رکوع یا قعود کی حالت میں ادا کیا گیا تو وہ نماز نفلی ہو جائے گی۔ وقت میں گنجائش ہو تو اس نماز کو پورا کر لینا چاہیے، ورنہ اسے توڑ کر پھر سے حالت قیام میں تکبیر کہہ کے نماز پڑھ لی جائے۔ اس مسئلہ میں دوسرے مسالک کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔

Marfat.com

نماز کے تیسرے فرض ''قیام'' کا بیان

جملہ مسالک فقہیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز پڑھنے والے پر، فرض نماز کی تمام رکعتوں میں قیام کرنا (کھڑے ہو کر پڑھنا) فرض ہے، بشرطیکہ کھڑے ہونے کی طاقت ہو۔ اگر مرض وغیرہ کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھی جا سکے تو یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے، لہٰذا جس طرح بن پڑے اسی طرح نماز پڑھی جائے۔ اس کی تفصیل نماز مریض کے بیان میں آ رہی ہے۔

سنت اور نوافل وغیرہ میں کھڑے ہو کر قرأت کرنا فرض نہیں ہے، بیٹھ کر پڑھنا بھی درست ہے۔ اگرچہ کھڑے ہونے کی قدرت ہو۔ یہ مسئلہ بھی متفق علیہ ہے۔ البتہ فرض نمازوں کے علاوہ بعض نمازوں

۳۔ یہ کہ اللہ کے الف کو کھینچ کر نہ ادا کیا جائے۔

۴۔ یہ کہ اکبر کی ب کو کھینچ کر نہ ادا کیا جائے کہ اکبار بن جائے۔ اس لفظ کے معنی بتائے جا چکے ہیں کہ اس کے معنی بھاری ڈھول کے ہیں۔ اس مسئلہ میں مسلک مالکیہ میں اختلاف ہے۔

۵۔ یہ کہ تکبیر تحریمہ عربی زبان میں ہو۔ ہاں اگر کوئی اس کے سیکھنے سے عاجز ہے تو جو زبان بھی جانتا ہو اسی زبان میں تکبیر کہہ لے، جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں۔ پس جو زبان کوئی جانتا ہے اگر اس میں بھی تکبیر نہ کہی گئی تو نماز نہ ہوگی، کیونکہ نماز جس امر کی متقاضی ہے وہ امر ترک ہو گیا۔ اس مسئلہ میں مالکیہ کا اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص عربی یا دوسری کسی اور زبان میں تکبیر کہنے سے عاجز ہے تو تکبیر تحریمہ کا فریضہ اس سے ساقط ہو جائے گا، جیسے گونگے کے ذمہ سے ساقط ہے۔ ایسی صورت میں اگر ممکن ہے کہ صرف اللہ کا لفظ کہہ سکے اور اکبر نہ کہہ سکے یا لفظ اکبر کہے اور اللہ کا لفظ نہ بول سکے تو جو کچھ بن پڑتا ہے وہی کہہ لینا چاہیے۔ گونگے پر زبان کا ہلانا واجب نہیں ہے، کیونکہ شارع علیہ السلام نے اسے اس کا پابند نہیں بنایا، لہٰذا بے فائدہ ہوگا۔ شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے۔

۶۔ یہ کہ لفظ اللہ کی ہ کو اتنا نہ کھینچا جائے کہ واؤ کی آواز پیدا ہو جائے۔ اگر ایسا کیا تو تکبیر باطل ہو جائے گی۔

۷۔ یہ کہ اللہ کی ہ کو حذف نہ کیا جائے، اور اللا اکبر نہ کہنا چاہیے۔

۸۔ یہ کہ دونوں الفاظ تکبیر کے درمیان حرف واؤ نہ لایا جائے کہ تکبیر اللہ و اکبر ہو جائے۔ ایسا کرنے سے بھی تکبیر صحیح نہ ہوگی۔

۹۔ یہ کہ دونوں الفاظ کے درمیان اتنی خاموشی نہ ہو کہ اس کے دوران کوئی بات، خواہ مختصر ہی سی ہو، کہی جا سکے۔

اسی طرح وہ تمام امور جو نماز کے لیے شرط ہیں، تکبیر کے لیے بھی شرط ہیں۔ مثلاً قبلہ رخ ہونا، ستر ڈھکنا اور پاک ہونا وغیرہ۔

Marfat.com

کے بارے میں مسلک حنفیہ کے مسائل تفصیل طلب ہیں۔ ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (۱)

نماز کے چوتھے فرض ''قرأت سورۂ فاتحہ'' کا بیان

(نماز میں) سورۂ فاتحہ پڑھنے کے متعلق چند مسائل ہیں:

اول یہ کہ آیا یہ ہر مسلک (فقہیہ) کی رو سے فرض ہے؟

دوم کیا نماز کی تمام رکعتوں میں فرض ہے، قطع نظر اس کے کہ نماز فرض ہو یا نفل ہو؟

سوم یہ کہ کیا یہ ہر نماز پڑھنے والے پر فرض ہے خواہ وہ تنہا پڑھ رہا ہو یا امام یا مقتدی کی حیثیت میں ہو؟

چہارم یہ کہ جو شخص قرآن نہ پڑھ سکے اس کا کیا حکم ہے؟

پنجم یہ کہ آیا سورۂ فاتحہ کا اس طرح پڑھنا شرط ہے کہ پڑھنے والا خود سن سکے۔ یعنی اگر زبان (تو پڑھنے میں) ہلتی رہی اور جو کچھ پڑھا وہ خود کو سنائی نہ دیا تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ قیام کرنا صرف اتنی دیر تک فرض ہے جتنے عرصہ میں بمقدار فرض قرأت پڑھی جا سکے، یعنی ایک لمبی آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھنے کے عرصہ تک۔ اس کی تفصیل صورت فاتحہ پڑھنے کے بیان میں آگے آرہی ہے۔ (مقدار فرض سے) زیادہ عرصہ تک قیام یا تو واجب ہوگا جب کہ اس میں قرأت واجب پڑھی جائے جیسے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا یا قیام مستحب ہے جب کہ اس میں قرأت مستحب ہو۔ تاہم وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم قرأت میں مصروف ہونے سے پہلے پہلے ہے۔ اگر قرأت مقدار فرض سے زیادہ ہوگئی تو اب قیام اس وقت تک فرض ہوگا جب تک کہ وہ قرأت جاری رہے یہاں تک کہ چاہے پورا قرآن پڑھ لیا جائے (اس پورے وقت میں کھڑا رہنا یا قیام فرض ہے)۔ چنانچہ یہ ٹھیک نہیں ہے کہ کھڑے ہو کر صرف ایک (لمبی) آیت پڑھی جائے اور باقی قرأت بیٹھ کر پوری کی جائے۔ حنفیہ اور شافعیہ وحنابلہ کے درمیان اس اختلاف سے کوئی نتیجہ نہیں، سوائے اس کے کہ ترتب ثواب میں کچھ فرق ہے۔ یعنی شافعیہ اور حنابلہ تو کہتے ہیں کہ (مقدار واجب سے) لمبی قرأت پڑھنے میں فرض کا ثواب ہے۔ اگر نماز کی کوئی سنت نظر انداز کر کے نماز مختصر کی گئی تو قیام میں کمی کرنا موجب عقوبت ہوگا، اگر چہ ترک سنت کی عقوبت نہ ہوگی۔ لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر قیام بقدر مطلوب لمبا کیا گیا تو (پوری قرأت میں) فرض کا ثواب ہوا اور اگر سنت کو ترک کر کے قیام مختصر کیا تو موجب عقوبت نہیں ہے۔ پس جب کہ شافعیہ اور حنابلہ اس رائے میں بھی حنفیہ سے متفق ہیں (کہ ترک سنت میں عقوبت نہیں ہے) تو ان میں کوئی اختلاف نہ رہا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ نماز فرض کے اندر، تکبیر تحریمہ میں، سورۂ فاتحہ پڑھتے وقت اور مائل بر کوع ہونے کی حالت میں قیام کرنا بجائے خود مستقل فرض ہے۔ لیکن سورت پڑھتے وقت کھڑے رہنا سنت ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص سورۃ پڑھنے کے دوران کسی شے کے سہارے اس طرح کھڑا ہو کہ (اس سہارے کے ہٹانے سے) گر پڑے تو نماز باطل نہ ہوگی بخلاف اس

Marfat.com

ان تمام سوالات کا جواب یہ ہے:

پہلے اور دوسرے سوال کا جواب: ائمہ فقہا میں سے تین اصحاب کا اس امر میں اتفاق ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔ اگر نماز پڑھنے والے نے کسی ایک رکعت میں بھی قصداً قرأت کو ترک کیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ نماز فرض ہو یا کوئی اور نماز (یعنی واجب، سنت، نفل) ہو سب کے لیے یہی حکم ہے۔ ہاں اگر سہواً سورۂ فاتحہ رہ گئی تو اس رکعت کو جس میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی گئی، اسے پھر ادا کیا جائے، اسی طرح جس طرح کہ سجدۂ سہو کے بیان میں آگے بتایا جائے گا۔ حنفیہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کا نماز میں پڑھنا فرض نہیں ہے، واجب ہے، بلکہ اسے سنت مؤکدہ کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اگر قصداً اسے نظر انداز کر دیا گیا تب بھی نماز باطل نہ ہوگی۔ ان کے مسلک کی تفصیل اور اس کی دلیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

کے اگر سورۂ فاتحہ پڑھنے یا مائل بر کوع ہونے کے دوران ایسا سہارا لیا تو نماز باطل ہو جائے گی، کیونکہ مالکیہ اس مسئلہ میں دوسرے ائمہ سے متفق ہیں کہ اگر بیٹھ کر سورۃ پڑھی گئی تو نماز باطل ہو جائے گی، اگرچہ قیام اس وقت فرض نہیں ہے، کیونکہ ایسا کرنے سے نماز کی ہیئت بگڑ جاتی ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ (نماز میں قرأت) فرض جو ہے وہ صرف قرآن کا پڑھنا ہے خاص طور پر سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فاقرء واما تیسر من القرآن" (یعنی قرآن میں سے کچھ جس میں تمہیں سہولت ہو پڑھو) اس سے مقصد نماز میں قرأت کرنا ہے جس کا انسان مکلف ہے۔ نیز صحیحین میں آنحضرت ﷺ کا قول مروی ہے کہ **اذا قمت الی الصلواۃ فاسبغ الوضو ثم استقبل القبلۃ ثم اقرأ ما تیسر من القرآن** "یعنی جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو پہلے اچھی طرح وضو کرو، پھر قبلہ رخ کھڑے ہو اور قرآن کا کچھ حصہ جس میں تمہیں سہولت ہو پڑھو نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ **لا صلواۃ الا بقراۃ** یعنی جب تک کہ نماز میں (قرآن کا کچھ حصہ) نہ پڑھا جائے نماز نہ ہوگی۔ پس فرض نمازوں کے اندر دونوں رکعتوں میں قرأت (قرآن پڑھنا) فرض ہے اور ضروری ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں قرآن پڑھا جائے۔ اسی طرح دونوں رکعتوں میں خصوصیت کے ساتھ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔ چار رکعت والی نماز ہے تو ابتدائی دو رکعتوں میں قرأت کی جائے۔ اگر ابتدائی دو رکعتوں میں قرأت نہیں کی گئی اور بعد کی پچھلی دو رکعتوں میں کی گئی تو نماز صحیح ہو جائے گی، لیکن واجب کا ترک ہوگا۔ اگر بھولے سے واجب ترک ہو تو سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے۔ اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ کسی امر واجب کو قصداً ترک کیا جائے۔ تاہم اگر ایسا نہ کیا گیا تو نماز ہو جائے گی، لیکن گناہ ہوگا۔ فرض کی باقی رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھنا سنت ہے۔ لیکن نفل نمازوں میں ہر رکعت کے اندر سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے، کیونکہ نفل نمازوں میں ہر دو رکعت نماز مستقل نماز ہے اگرچہ (ایک دو) گانہ کو دوسرے کے ساتھ ملا دیا گیا ہو، مثلاً چار رکعت نماز ایک سلام سے پڑھی جائے۔

Marfat.com

لیکن جو لوگ کہتے ہیں کہ (سورۂ فاتحہ نماز میں پڑھنا) فرض ہے ان کی دلیل وہ روایت ہے جو صحیحین میں آئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "لا صلواۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب" (یعنی جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوگی۔)

تیسرا سوال یہ ہے کہ آیا سورۂ فاتحہ کا پڑھنا مقتدی پر فرض ہے؟ اس بارے میں مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

چوتھا سوال یہ ہے کہ جو شخص سورۂ فاتحہ پڑھنے سے عاجز ہو اس کا کیا حکم ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شافعیہ اور حنابلہ کا اس میں اتفاق ہے کہ جو شخص سورۂ فاتحہ پڑھنے سے عاجز ہے، لیکن دوسری آیات اتنی پڑھ سکتا ہے جو تعداد حروف و آیات میں سورۂ فاتحہ کے برابر ہوں تو ان ہی آیات کا پڑھنا اس پر واجب ہے۔ اگر صرف ایک آدھ آیت ہی یاد ہے تو جس قدر یاد ہے اسی کو بار بار اتنی دفعہ پڑھنا چاہیے کہ اس کی مقدار سورۂ فاتحہ کے برابر ہو جائے۔ یہ امر اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اتنی بار پڑھنے سے مطلوبہ مقدار پوری ہو

اگر وتر نماز نفل کے ساتھ ملا کر ادا کی جائے تو تمام رکعتوں میں قرأت واجب ہے۔ فرض قرأت کی مقدار (کم سے کم) تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت جو تین کے برابر ہو۔ یہی زیادہ محتاط طریقہ ہے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ مقتدی کو امام کے پیچھے بھی سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے، سوا اس صورت کے جب کہ مقتدی جماعت میں اس وقت شریک ہو کہ امام سورۂ فاتحہ پوری یا اس کا کچھ حصہ پڑھ چکا ہو۔ ایسی صورت میں اس کی جو قرأت رہ گئی ہے اس کا متحمل امام ہوگا۔ بشرطیکہ امام اس کا اہل ہو بایں طور کہ اسے یہ معلوم ہو کہ اس شخص کو حدث لاحق نہیں ہوا یا یہ کہ مقتدی کی شمولیت مقدار فرض سے زائد حصہ میں ہوئی ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ مقتدی کا امام کے پیچھے قرأت کرنا مکروہ تحریمی ہے خواہ نماز سری یعنی آہستہ پڑھی جانے والی ہو یا جہری یعنی اونچی آواز سے پڑھی جانے والی کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قراۃ (یعنی اگر کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کا پڑھنا مقتدی ہی کا پڑھنا ہوتا ہے)

یہ حدیث مختلف طریقوں سے مروی ہے۔

واضح ہو کہ مقتدی کے لیے (امام کے پیچھے) قرأت کرنے کی ممانعت اسی صحابہ کبارؓ سے مروی ہے جن میں حضرت مرتضیٰؓ اور عبادلہ (یعنی جن صحابہ کا نام عبداللہ ہے) شامل ہیں اور متعدد اماموں سے یہ مروی ہے کہ امام کے پیچھے قرآن پڑھنے سے مقتدی کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اس باب میں سب سے زیادہ محتاط اور صحیح قول یہی ہے کہ ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ سری نماز میں امام کے پیچھے مقتدی کا قرآن پڑھنا مستحب ہے اور جہری نماز میں مکروہ ہے۔ ہاں اگر اختلاف سے بچنے کا ارادہ ہو تو مستحب ہے۔

Marfat.com

جائے گی۔ اگر الفاظ قرآن میں سے کچھ بھی ادا نہیں کر سکتا تو لازم ہے کہ ذکر الٰہی میں لگا رہے، مثلاً اللہ اللہ اتنی بار کہے کہ یہ ورد سورۂ فاتحہ کے برابر ہو جائے۔ اس سے بھی عاجز ہو تو واجب ہے کہ چپ چاپ اتنی دیر تک کھڑا رہے جتنی دیر میں سورۂ فاتحہ پڑھی جا سکے۔ اگر یہ بھی نہ کر سکا تو ان دونوں مسالک کی رو سے اس کی نماز باطل ہوئی، کیونکہ ان کے نزدیک کسی اور زبان میں سورۂ فاتحہ کا ادا کرنا بہر حال ناجائز ہے۔ اگر اس کا خیال نہ رکھا تو نماز باطل ہوگی۔ رہے مالکیہ اور حنفیہ سو ان کے مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

پانچواں سوال کہ کیا یہ ضروری ہے کہ سورۂ فاتحہ اس طرح پڑھی جائے کہ نماز پڑھنے والا خود اس کو سن سکے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ائمہ میں سے تین اصحاب کا اس میں اتفاق ہے کہ اگر اس طرح نہ پڑھا کہ خود کو سنائی نہ دیا تو اس کو قاری ہی نہ کہا جائے گا۔ مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ زبان کا ہلانا لازمی ہے، خواہ اس کا پڑھنا خود کو سنائی نہ دے۔ ان کے مسلک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو (۲) اور یہ تو بتایا جا چکا ہے کہ حنفیہ کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے۔ پس اگر خود اپنا پڑھنا نہیں سنا تو نماز باطل نہ ہوگی، لیکن واجب کا تارک قرار پائے گا۔

نماز کے پانچویں فرض ''رکوع'' کا بیان

ہر نماز میں رکوع کرنا بالاتفاق فرض ہے، بشرطیکہ (نماز پڑھنے والا) قادر ہو۔ نماز کے اندر رکوع کرنے کی فرضیت قطعی دلیل سے ثابت ہے۔ البتہ مقدار رکوع یعنی کس قدر جھکنا چاہیے، اس کے باب میں اختلاف ہے۔ مختلف مسالک کی رو سے اس مقدار کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۳)

حنابلہ کہتے ہیں کہ سری نماز میں مقتدی کا قرأت کرنا اور جہری نماز میں امام کے سکتوں کے دوران قرأت کرنا مستحب ہے اور جب جہری نماز میں امام قرأت کر رہا ہو تو مقتدی کا پڑھنا مکروہ ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جسے عربی زبان نہ آتی ہو اور وہ سورۂ فاتحہ کسی اور زبان میں پڑھ لے تو نماز صحیح ہوگی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا اچھی طرح نہ آتا ہو تو جہاں تک ممکن ہو اس کا سیکھنا واجب ہے۔ اگر یہ نہ بن پڑے تو جو شخص اچھی طرح پڑھ سکتا ہو اس کی اقتدا واجب ہے۔ اگر ایسا شخص نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ اور رکوع کے درمیان وقفہ کیا جائے۔ اس وقفہ کے دوران مستحب یہ ہے کہ اللہ کا ذکر کرتا رہے۔ یہ امور اس کے لیے ہیں جو گونگا نہ ہوگا۔ گونگا ہو تو اس پر واجب نہیں ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ نمازی اپنی قرأت کو خود سن سکے، زبان ہلانا کافی ہے۔ ہاں اختلاف سے بچنے کے لیے بہتر یہی ہے کہ قرأت اس طرح ہو کہ انسان خود سن سکے۔

۳۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ سر نیچا کر لینے سے رکوع ہو جاتا ہے، بایں طور کہ اتنا جھکا جائے کہ رکوع (پشت خم کرنے) کے

Marfat.com

نماز کے چھٹے فرض سجود کا بیان اور اس کی شرطیں

''سجدہ'' نماز کے متفق علیہ فرائض میں سے ہے۔ چنانچہ ہر نمازی پر فرض ہے کہ ہر رکعت میں دو سجدے کرے۔ اب رہی اس کی حد کہ کس طرح سجدہ کرنے سے فرض ادا ہوتا ہے، اس بارے میں مسالک مختلف ہیں۔ تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(1)

قریب ہو۔ اتنے سے نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ لیکن پورے طور پر رکوع کا مطلب پشت کو اس قدر خم کرنا ہے کہ سر اور ٹھڈی (یا کولھا) ایک سطح پر آ جائیں۔ یہ اس کے لیے ہے جو کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا ہو، لیکن بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کا رکوع سر نیچا کرنے اور پیٹھ خم کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ البتہ کامل رکوع جب ہوگا کہ پیشانی گھٹنے کی چپنی (اگلے حصہ) کے مقابل آ جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ کھڑا انسان اتنا جھک جائے کہ اپنے ہاتھوں سے گھٹنے کو پکڑ سکے تو رکوع جائز ہو جائے گا بشرطیکہ اس کی جسمانی ساخت خلقی طور پر معتدل ہو یعنی ہاتھ نہ تو (غیر معمولی) لمبے ہوں اور نہ چھوٹے ہوں، اگر جسم غیر معتدل ہو تو رکوع میں جھکنا اتنا ہونا چاہیے جتنا ایک معتدل الخلقۃ انسان کو گھٹنا چھونے میں جھکنا پڑتا ہے۔ پورے طور پر رکوع کرنا یہ ہے کہ پیٹھ سیدھی ہو اور سر پیٹھ کی سطح پر ہو کہ نہ اس سے اونچا ہو اور نہ نیچا ہو اور بیٹھنے والے کا جھکنا کم سے کم یہ ہے کہ چہرہ دونوں گھٹنوں کی چپنی کے مقابل اور زمین سے مقابلتاً کم قریب ہو۔ پورے طور پر رکوع یہ ہے کہ چہرہ مکمل طور پر چپنی کے مقابل ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ کھڑے ہوئے انسان کا کم سے کم رکوع اس قدر جھکنا ہے کہ ایک معتدل الخلقۃ انسان کی دونوں ہتھیلیاں بدن سکیڑے بغیر گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔ بایں طور کہ کولھا نیچا ہو اور سر اونچا ہو، سینہ آگے ہو، نیز رکوع کا ارادہ بھی ہو۔ اور کامل ترین رکوع یہ ہے کہ انسان کی پیشانی سجدہ گاہ کے مقابل ہو لیکن اس سے لگ نہ جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ فرض کی حد تک رکوع کی کیفیت یہ ہے کہ انسان جھک جائے یہاں تک کہ اس کی دونوں ہتھیلیاں (بشرطیکہ ہاتھ خلقی طور پر معتدل ہوں) اس کے دونوں گھٹنوں کے قریب پہنچ جائیں، بایں طور کہ ہاتھ گھٹنے کے قریب ران پر رکھے جا سکیں اور مستحب یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھ کر پکڑ لیا جائے اور پیٹھ بچھی ہوئی ہو۔

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ پیشانی کے کسی ایک حصے سے، گو وہ کتنا ہی چھوٹا ہو، سجدہ کرنا فرض ہے۔ پیشانی مشہور (عضو) ہے یعنی دونوں پلکوں کے درمیانی حصہ سے لے کر سر کے اگلے حصہ تک، پس اگر پیشانی کے کناروں میں سے کسی سرے سے سجدہ کر لیا تو کافی نہ ہوگا۔ ناک کو سجدہ میں شامل کرنا مستحب ہے۔ اگر ایسا نہ کیا اور نماز کا وقت باقی ہے تو اس خیال کے مدنظر، کہ (ناک سے سجدہ کرنا) واجب کہا جاتا ہے، نماز کو پھر پڑھ لینا چاہیے، اس مقصد کے لیے ظہر اور عصر کا وقت سورج کے زرد پڑ جانے تک باقی رہتا ہے۔ سورج کے زرد پڑنے کے بعد نماز نہیں دہرانی چاہیے۔ مغرب، عشاء اور فجر کا وقت سورج کے غروب ہونے اور صبح ہو جانے تک ہوتا ہے۔ پس اگر سورج طلوع ہو تو اب نماز نہ دہرائی جائے۔ اگر سجدہ محض ناک پر کیا گیا اور پیشانی شامل نہیں تھی تو یہ کافی نہ ہوگا۔ پیشانی پر سجدہ کرنے سے معذوری ہو تو سجدہ کے لیے اشارہ کرنا فرض ہے۔

Marfat.com

صحت سجدہ کی شرائط میں ایک یہ ہے کہ خشک جگہ پر کیا جائے جہاں پیشانی اچھی طرح ٹک سکے، جیسے بوریا اور بچھونا۔ بخلاف دھنکی ہوئی روئی کے جس پر پیشانی نہیں ٹکتی، لہٰذا اس پر سجدہ درست نہیں ہے۔ یہی صورت بھوسا، چاول، مکئی اور نرم صوفہ سیٹ کے اوپر سجدہ کرنے کی ہے جب کہ اس پر پیشانی نہ ٹک سکے۔ اگر پیشانی ٹک جائے تو ان تمام اشیاء پر سجدہ کرنا صحیح ہوگا۔

ایک شرط یہ ہے کہ اپنی ہتھیلی پر پیشانی رکھ کر سجدہ نہ کیا جائے۔ اگر ہتھیلی پر پیشانی کو رکھا تو ائمہ میں سے تین کے نزدیک نماز باطل ہو جائے گی۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

اس میں بھی مضائقہ نہیں ہے کہ پیشانی کو اپنے ہی لباس پر یا کسی ایسی شے پر جو بدن پر ہو کہ بدن کے ساتھ وہ بھی حرکت کرتی ہو، رکھی جائے، تاہم ایسا کرنا مکروہ ہے اور اس پر تینوں امام متفق ہیں۔ شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنوں اور قدم کے سروں سے سجدہ کرنا سنت ہے، اور پوری پیشانی کا زمین (سجدہ گاہ) سے لگانا اور جمانا مستحب ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ فرض سجدہ کی حد یہ ہے کہ (پیشانی کا) کچھ حصہ رکھا جائے۔ اگرچہ یہ حصہ پیشانی کا (جس سے سجدہ ہوتا ہے) چھوٹا سا جزو ہو۔ ناک کا کچھ حصہ (سجدے میں) رکھنا کافی نہیں جب تک کہ معذوری نہ ہو۔ محض چہرے یا ٹھوڑی کا (سجدہ میں) رکھنا قطعاً کافی نہیں ہے، خواہ معذوری ہو یا نہ ہو۔ دونوں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ کو اور دونوں گھٹنوں میں سے ایک گھٹنے کو اور دونوں پیروں میں سے ایک پیر کے کچھ نہ کچھ سرے کے ساتھ سجدہ کرنا ضروری ہے، اگرچہ ان انگلیوں میں سے جن کے ساتھ سجدہ کیا جاتا ہے صرف ایک ہی انگلی ہو،

پیشانی کے بیشتر حصہ کا سجدہ میں رکھنا واجب ہے اور پورا سجدہ (دراصل) وہی ہے جس میں دونوں ہاتھ پورے اور دونوں گھٹنے اور دونوں پیروں کے سرے اور پیشانی اور ناک سجدہ میں رکھے جائیں۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ سجدہ کی حد یہ کہ ان سات اعضا میں سے کچھ نہ کچھ سجدہ میں رکھا جائے جن کا ذکر اس حدیث میں ہے "**امرت أن اسجد علىٰ سبعة اعظم: الجبهة واليدين والركبتيں واطراف القدمين**" (یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں سے سجدہ کروں: پیشانی، دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں پیروں کے سروں کی ہڈیاں)۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ سجدہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ مذکورہ اعضا کے علاوہ ناک کا کچھ حصہ شامل نہ ہو۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ سجدہ میں دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں اور دونوں پیر کی انگلیوں کا نچلا رخ شامل ہونا شرط لازم ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ پیشانی کو ہتھیلی پر رکھ کر سجدہ کرنے میں حرج نہیں، البتہ مکروہ ہے۔

۲۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ یہ ضروری ہے کہ مذکورہ اشیاء پر پیشانی نہ رکھی جائے ورنہ نماز باطل ہو جائے گی، سوا اس

Marfat.com

عمامہ کے گھیر پر سجدہ کرنے میں حرج نہیں ہے۔ چنانچہ اگر عمامہ کے اوپر کوئی بڑی شال اوڑھ لی کہ اس سے پیشانی کا کچھ حصہ ڈھک گیا اور اس پر سجدہ کیا تو تین اماموں کے نزدیک اس کی نماز صحیح نہ ہو گی۔ شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

ایک شرط یہ ہے کہ سجدہ میں پیشانی (رکھنے) کی جگہ گھٹنوں کی جگہ سے اونچی نہ ہو۔ اب اس باب میں کہ کس قدر اونچائی سے نماز باطل ہو جاتی ہے مسالک مختلف ہیں۔ تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

ساتویں، آٹھویں، نویں اور دسویں فرض یعنی رکوع سے اٹھنے، سجدہ سے اٹھنے، اعتدال کا خیال رکھنے اور اطمینان کا بیان

یہ چاروں فرائض بعض فرائض کے ساتھ وابستہ ہیں اور ان کے فرض ہونے پر ائمہ فقہا میں سے تین کا اتفاق ہے۔ حنفیہ کو ان کے فرض ہونے میں اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رکوع سے اٹھنا اور اطمینان

صورت کے جب کہ وہ لباس اتنا لمبا ہو کہ نمازی کے حرکت کرنے سے اس میں حرکت نہ ہو، جیسا کہ اس رومال پر سجدہ کرنے میں حرج نہیں جو ہاتھ میں ہو، (کیونکہ لباس نمازی کے ساتھ جنبش نہ کرے تو) اس کی حیثیت ایک جدا شے کی سی ہے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ عمامہ وغیرہ مثلاً سر بند پر جس سے تمام پیشانی ڈھکی ہوئی ہو، سجدہ کرنا خارج سجدہ ہے۔ اگر بن ڈھکی پیشانی سے سجدہ نہ کیا گیا تو نماز باطل ہوگی، بشرطیکہ اس طرح قصداً اور جان بوجھ کر کیا جائے۔ البتہ اگر عذر ہو مثلاً کوئی زخم ہے اور کپڑے کو ہٹانے سے شدید تکلیف کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں اس پٹی پر ہی سجدہ کر لینا درست ہوگا۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اونچائی کی مقدار جو اس صورت میں نماز کے لیے حارج ہوتی ہے، نصف ذراع سے زیادہ ہے۔ اس حکم میں وہ صورت مستثنیٰ ہے جب کہ ہجوم کی زیادتی کے باعث مجبوراً کسی نمازی کو اگلی صف کے نمازی کی پیٹھ پر سجدہ کرنا پڑے۔ اس صورت میں سجدہ کے صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں:

اول یہ کہ پیشانی رکھنے کی خالی جگہ زمین پر نہ ہو۔ دوم یہ کہ یہ کیفیت کسی ایک نماز میں ہو۔ سوم یہ کہ دونوں گھٹنے زمین پر ٹکے ہوئے ہوں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی پوری نہ ہوئی تو نماز باطل ہو جائے گی

حنابلہ کہتے ہیں کہ (سجدہ کی جگہ کا) اتنا اونچا ہونا کہ (سجدہ کرنے سے) نمازی کی ہیئت ہی بدل جائے نماز کو باطل کر دیتا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ (سجدہ میں) پیشانی رکھنے کی جگہ گھٹنے کی جگہ سے اونچی ہو جائے تو نماز باطل ہو جائے گی۔ ہاں اگر کوئی شخص کولھے اور ملحقہ اعضا کو اپنے سر اور مونڈھوں سے اونچا کر لے تو نماز صحیح ہوگی۔ دراصل سجدہ کے صحیح ہونے کا انحصار اس طرح اوندھا ہونے پر ہے کہ سجدہ کی حالت میں بدن کا نچلا حصہ اگلے حصہ سے اونچا ہو۔ یہ حکم اس صورت میں

Marfat.com

اوراعتدال (کوملحوظ رکھنا) نماز کے فرائض میں نہیں، بلکہ واجبات میں سے ہیں۔ چنانچہ اگران کونظرانداز کر دیا جائے تو نماز باطل نہ ہوگی، لیکن اس کو گناہ صغیرہ قرار دیا جائے گا۔اس کی تفصیل ایک بار سے زیادہ بتائی جا چکی ہے۔اور سجدہ سے اٹھنا وہ فرض بتاتے ہیں۔اب ہر مسلک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

ہے جب کہ معذوری نہ ہو، مثلاً حاملہ عورت ہے کہ بخوف ضرراس طرح اوندھا ہونا اس پر واجب نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر (سجدہ کی) زمین زیادہ اونچی ہو تو بقول معتمد اس پر سجدہ صحیح نہیں ہے۔اگر یہ اونچائی تھوڑی سی ہے، جیسے کنجی اور صندوقچہ کے درمیان تو سجدہ درست ہے، لیکن خلاف اولیٰ ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ رکوع سے اٹھنا اوراعتدال واطمینان نماز کے واجبات میں سے ہیں۔ (یہ امور) اس کے فرائض میں شامل نہیں ہیں۔ تاہم اس باب میں چند تفصیلات ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ طمانینت (اطمینان) سے مراد اعضا کا سکون (یا ٹکاؤ) ہے کہ مفاصل اعضا مطمئن ہو جائیں اور ہر عضو اپنی جگہ پر کم از کم اتنی دیر ٹکا رہے کہ ایک بار تسبیح کہی جاسکے۔ یہ کیفیت حالت رکوع وسجود میں واجب ہے اور یہی کیفیت ہر مستقل رکن میں قائم رہے۔اسی کو تعدیل ارکان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اور رکوع سے اٹھنا جس قدر واجب ہے وہ صرف یہ ہے کہ رکوع سے ہٹنے کا مفہوم پورا ہو جائے۔اس سے آگے یہ کہ انسان اچھی طرح معمولی حالت میں (رکوع سے اٹھ کر) کھڑا ہو جائے اعتدال کہلاتا ہے۔اور بقول معروف یہی سنت ہے۔

سجدہ سے اٹھنا فرض ہے۔اس فرض کی مقدار یہ ہے کہ انسان بیٹھنے کے قریب ہو، اس سے آگے یہ کیفیت کہ انسان اچھی طرح بیٹھ جائے بقول مشہور سنت ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ رکوع سے اٹھنا یہ ہے کہ انسان اپنی اس حالت میں آجائے جس میں رکوع سے پہلے حالت قیام یا قعود میں تھا۔ نیز رکوع سے اٹھنے اور مائل بسجدہ ہونے کے درمیان جو فاصلہ ہے اس میں اطمینان (یا ٹکاؤ) کا قائم رکھنا ان کے نزدیک اعتدال ہے۔اور سجدۂ اول سے اٹھنا جس کو دوسجدوں کے درمیان جلوس کہتے ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ اچھی طرح اطمینان کے ساتھ بیٹھا جائے، بایں طور کہ ہر عضو اپنی جگہ پر ٹک جائے، اگر یہ ٹکاؤ نہ ہوا تو نماز درست نہ ہوگی اگرچہ بیٹھنے کے قریب ہو اور یہ بھی شرط ہے کہ رکوع اور سجدے کے درمیان زیادہ طویل وقفہ نہ ہو۔اگر رکوع سے اٹھنے کے بعد اتنی دیر لگی کہ حالت اعتدال میں جو ذکر کیا جاتا ہے (یعنی ربنالک الحمد) وغیرہ اس کے علاوہ سورۃ فاتحہ پڑھی جا سکے تو نماز جاتی رہے گی۔اسی طرح جلوس (دونوں سجدوں کے درمیان کا وقفہ) میں اتنی دیر لگی جتنے میں حالت جلوس کے ذکر کے علاوہ کچھ تشہد بھی پڑھا جاسکے (تب بھی نماز جاتی رہے گی)۔

رکوع اور سجود سے اٹھنا صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ اسی ارادہ سے قصداً اٹھا جائے، اگر کوئی شخص (اچانک افتاد کے باعث) گھبرا کر رکوع یا سجدہ سے اٹھا تو فرض ادا نہ ہوگا۔ایسی صورت میں واجب یہ ہے کہ رکوع یا سجود کی جو حالت تھی اس میں پھر آجائے، بشرطیکہ ہنوز (رکوع یا سجدہ) اطمینان سے نہ ہوا ہو اگر اطمینان سے ہو چکا تھا تو اب معتدل حالت میں آجانا چاہیے۔

Marfat.com

نماز کے گیارھویں فرض ''قعدۂ اخیرہ'' کا بیان

واضح ہو کہ قعدہ اخیرہ (نماز کی آخری رکعت میں بیٹھنا) نماز کے فرائض میں سے ہے جس پر تمام ائمہ مسالک کا اتفاق ہے، لیکن قعدۂ اخیرہ کی مقدار کے بارے میں باہم اختلاف ہے، تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

مالکیہ کہتے ہیں کہ رکوع سے اٹھنے کی حد یہ ہے کہ انسان پشت خم کرنے کی حالت سے نکل کر اپنی معتدل حالت کی جانب مائل ہو۔ اور سجدے سے اٹھنا بقول معتمد زمین سے پیشانی ہٹانے کے ساتھ ہی متحقق ہو جاتا ہے، اگرچہ ہنوز دونوں ہاتھ ٹکے ہوئے ہوں۔ اعتدال سے مراد یہ ہے کہ انسان سجدے سے پہلے کی حالت میں آجائے۔ یہ اعتدال منجملہ ارکان نماز کے ایک مستقل رکن ہے جو رکوع و سجود کے بعد اور سلام پھیرنے اور تکبیر تحریمہ کی حالت میں واجب ہے۔ اسی طرح طمانینت (حالت اطمینان) بھی ایک مستقل رکن ہے اور اس کی حد یہ ہے کہ اعتدال اور خمیدگی کی حد واجب سے کچھ زیادہ عرصہ تک، اعضا کو ٹکائے رکھا جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ رکوع سے اٹھنے کی حد یہ ہے کہ جس قدر بھی خمیدہ ہونے کی حالت سے نکلنا جائز ہو اس قدر نکلا جائے۔ اس طرح کہ ہاتھ گھٹنے تک نہ پہنچ سکیں۔ اور اس کیفیت کا اعتدال یہ ہے کہ انسان اس طرح سیدھا کھڑا ہو جائے کہ تمام اعضا اپنی جگہ پر ٹک جائیں۔ اور سجدہ سے اٹھنا یہ ہے کہ پیشانی زمین سے جدا ہو جائے اور اس کا اعتدال یہ ہے کہ انسان اچھی طرح بیٹھ جائے کہ ہر عضو اپنی جگہ پر ٹک جائے۔ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ حنابلہ اس میں مالکیہ اور شافعیہ سے متفق ہیں کہ رکوع و سجود سے اٹھنا اور اطمینان اور اعتدال نماز کے فرائض میں سے ہے۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ (قعدہ اخیر) میں بیٹھنے کی فرض مقدار صحیح ترین قول کے مطابق اتنی دیر تک بیٹھنا ہے کہ اس میں تشہد پڑھی جاسکے، کیونکہ حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ **اذا رفعت رأسک من السجدۃ الا خیرۃ وقعدت قدر التشھد فقد تمت صلواتک** (یعنی آخری سجدہ سے سر اٹھا کر اگر بہ قدر تشہد بیٹھے تو تمہاری نماز پوری ہوگئی)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ حالت اعتدال کے ساتھ اتنی دیر بیٹھنا جس میں فریضۂ سلام ادا ہو جائے فرض ہے۔ اور اتنی دیر بیٹھنا جس میں تشہد پڑھا جا سکے سنت ہے۔ اور نبی ﷺ پر درود پڑھنے کی کی مقدار میں بیٹھنا صحیح ترین قول کے مطابق مستحب ہے۔ اور دعائے مستحب کی مقدار میں بیٹھنا مستحب ہے، اور دعائے مکروہ جیسے مقتدی امام کے سلام پھیرنے کے بعد کرتے رہتے ہیں کی مقدار میں بیٹھنا مکروہ ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ قعدہ اخیرہ میں اتنی دیر بیٹھنا جس میں تشہد اور درود اور سلام اول ہو سکے، فرض ہے۔ یہ بیٹھنا فرض اس لیے ہے کہ یہ تین فرضوں کا ظرف ہے (اس دوران تین فرض ادا کیے جاتے ہیں) یعنی تشہد اور درود بر نبی ﷺ اور پہلا سلام۔ لہٰذا اس کی وہی حیثیت ہے جو قیام نماز میں کھڑے ہونے کی ہے، البتہ اس سے زیادہ دعا اور سلام ثانی کے عرصہ تک بیٹھنا مستحب ہے۔

Marfat.com

نماز کے بارھویں فرض تشہد اخیر کا بیان

شافعیہ کے نزدیک نماز کے اخیر میں تشہد پڑھنا فرض ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

تشہد کی کیفیت کے باب میں مسالک مختلفہ کی تفصیل ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

حنابلہ کہتے ہیں کہ آخری بار نماز میں جلسہ (بیٹھنے) کی مقدار اتنی ہے جس میں تشہد اور دونوں سلام ہو سکیں۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ آخری تشہد واجب ہے، فرض نہیں ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ وہ سنت ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ تشہد کے الفاظ یوں ہیں:

"التحیات لله والصلوات و الطّیبٰت السلام علیک ایها النبی و رحمة الله و برکاته، السلام علینا وعلیٰ عبادالله الصالحین ، اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً عبده ورسوله۔"

(یعنی تمام قولی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ (کی فرمانبرداری) کے لیے ہیں، اے نبی تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔ سلامتی ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر ہو۔ میں اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا بھی اعتراف کرتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں)۔

تشہد کی یہ صورت وہ ہے جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کو اختیار کرنا اس روایت کے اختیار کرنے سے بہتر ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ تشہد کے الفاظ یوں ہیں:

"التحیات لله الزاکیات لله الطیبات الصلواة لله ، السلام علیک ایها النبی و رحمة الله و برکاته، السلام علینا وعلیٰ عبادالله الصالحین اشهد ان لآ الٰه الا لله وحده لاشریک له واشهد ان محمداً عبده و رسوله"۔

اس تشہد کا اختیار کرنا مستحب ہے۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور تشہد جو احادیث میں آیا ہے، اختیار کیا گیا تو سنت ادا ہو گئی، لیکن مستحب کے خلاف ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ تشہد کے الفاظ یوں ہیں:

"التحیات المبارکات الصلوات الطیبات لله ، السلام علیک ایها النبی ورحمة الله و برکاته، السلام علینا و علیٰ عبادالله الصالحین اشهد ان لا آله الا لله واشهد ان سیدنا محمداً رسول الله"۔

وہ کہتے ہیں کہ ادائیگی فرض کے لیے اس قدر کہنا کافی ہے کہ:

"التحیات لله سلام علیک ایها النبی ورحمة الله و برکاته، سلام علینا وعلی عباد الله الصالحین اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان سیدنا محمداً رسول الله"۔

Marfat.com

نماز کے تیرھویں فرض ''السلام'' اور

چودھویں فرض ''ترتیب ارکان'' کا بیان

ائمہ میں سے تین اصحاب اس پر متفق ہیں کہ نماز پوری کرنے کے بعد نماز سے باہر آنے کے لیے لفظ ''السلام'' ضروری ہے، ورنہ نماز باطل ہو جائے گی۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ نماز سے باہر آنا کسی بھی ایسے عمل سے ہوسکتا ہے جو منافی نماز ہو، خواہ وہ عمل (دانستہ) وضو کا توڑ دینا ہو۔ ہاں ''السلام'' کا لفظ واجب ہے، فرض نہیں ہے۔ واجب اور فرض کا فرق بتایا جاچکا ہے۔ لیکن لفظ ''السلام'' جو تینوں اماموں کے نزدیک مطلوب ہے، اس کے متعلقہ امور تفصیل طلب ہیں، جس کا ذکر ذیلی حاشیے میں

اس سے زیادہ الفاظ مندرجہ بالا جو کہے جاتے ہیں، وہ مکمل تشہد کی صورت ہے۔

فریضہ تشہد کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو تشہد عربی زبان میں ہو، اور ادائیگی الفاظ میں تسلسل قائم رہے اور یہ کہ اگر کوئی امر مانع سماعت نہ ہو تو خود اس کا نفس ان الفاظ کو سن سکے اور یہ کہ الفاظ تشہد اسی ترتیب سے ادا کیے جائیں۔ اگر یہ ترتیب نہ رہی اور ترتیب نہ رہنے کے باعث معنی میں فرق آ گیا، اور ایسا قصداً کیا گیا تو نماز باطل ہو جائے گی، ورنہ نہ ہوگی۔ نیز شافعیہ کا کہنا ہے کہ نبی ﷺ پر جو درود آخری تشہد کے بعد پڑھا جاتا ہے، وہ ارکان نماز میں سے ایک مستقل رکن ہے۔ اور کم سے کم مقدار اس کی یہ ہے کہ اللھم صل علی محمد یا (محمد کی بجائے) النبی کہا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان الفاظ میں سے بعض الفاظ کا ادا کرنا شافعیہ کے نزدیک فرض ہے، جیسا کہ بیان ہوا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ سنت ہے۔ چنانچہ اگر جلسہ اخیرہ میں کوئی اتنی دیر تک محض بیٹھا رہا اور یہ الفاظ نہ کہے تب بھی نماز صحیح ہوگی لیکن کراہت کے ساتھ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ تشہد کو ترک کرنے سے نماز ہو جاتی ہے، لیکن یہ ترک مکروہ تحریمی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ تشہد آخری یہ ہے:

''التحیات لله و الصلوٰة و الطیبات، السلام علیک ایھا النبی ورحمة الله و برکاته' السلام علینا و علیٰ عباد الله الصالحین، اشھد ان لآ الٰه' الاالله وحده لا شریک له و اشھد ان محمداً عبدہ و رسوله اللھم صل علی محمد۔''

اور ان ہی الفاظ کا استعمال بہتر ہے۔ اگرچہ ان کے علاوہ دوسرے الفاظ بھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، جائز ہیں، مثلاً حضرت ابن عباسؓ سے مروی تشہد۔

فرض تشہد کی مقدار یہ ہے:

''التحیات لله سلام علیک ایھا النبی و رحمة الله، سلام علینا و علیٰ عباد الله الصالحین۔''

Marfat.com

کیا گیا ہے۔[1] مذہب حنفیہ کی تفصیل اسی طرح بیان ہو چکی ہے۔

اب رہا ارکان نماز میں ترتیب کا لحاظ رکھنا، سو وہ ایک لازمی امر ہے، یعنی نمازی پر لازم ہے کہ پہلے قیام کرے پھر رکوع کرے اور اس کے بعد سجود کرے۔ اگر نمازی نے قیام سے پہلے ہی رکوع کر لیا یا رکوع سے پہلے سجدہ کیا وغیرہ تو نماز بالاتفاق باطل ہو جائے گی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ ترتیب (صحت نماز کے لیے) شرط ہے، فرض نہیں ہے۔ یہ (اختلاف) معمولی ہے۔ حنفیہ نے سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کے بارے میں بھی دوسرے ائمہ سے اسی طرح کا (معمولی) اختلاف کیا ہے، جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ بہرحال حنفیہ کا کہنا ہے کہ (ترتیب ارکان) رکن نہیں ہے لیکن ترتیب کے بارے میں ان کا ایک خاص حکم ہے۔ تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[2]

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ''السلام'' کہہ کر نماز سے خارج ہونا فرض نہیں ہے، بلکہ (یہ لفظ السلام) واجب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعودؓ کو تشہد کی تعلیم دے کر فرمایا کہ:

اذا قلت هٰذا فقد قضیت صلاتک، ان شئت ان تقوم فقم و ان شئت ان تقعد فاقعد''۔

(یعنی جب یہ (تشہد) کہہ لیا تو نماز تمہاری پوری ہو گئی، اب کھڑے ہو جانا چاہو تو کھڑے ہو جاؤ اور بیٹھنا چاہو تو بیٹھ جاؤ) مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے باہر آنے کے لیے لفظ 'السلام' کہنے کا حکم نہیں دیا۔

واضح ہو کہ صرف ''السلام'' کہنے سے، بغیر اس کے کہ ''علیکم'' کہا جائے انسان نماز سے باہر آ جاتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص بغیر ''السلام'' کہے نماز سے باہر آ جائے، خواہ کوئی امر وضو توڑنے والا ہی سرزد کر کے، تو نماز صحیح ہو گی، لیکن (ترک سلام) گناہ ہے، اور چاہیے کہ نماز دوبارہ پڑھ لی جائے۔ اگر دوبارہ نہ پڑھی تو اور بھی گناہ ہو گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ دوبار ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کے الفاظ کو بعینہ اسی ترتیب سے کہہ کر سلام پھیرنا فرض ہے۔ اگر ایسا نہ کیا تو نماز جاتی رہے گی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ''السلام'' کے لیے الفاظ کی یہ ترتیب فرض نہیں ہے، چنانچہ اگر علیکم السلام کہا تو نماز کراہت کے ساتھ ادا ہو گی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ نماز سے باہر آنے کے لیے ضروری ہے کہ الفاظ السلام علیکم اسی ترتیب اور بعینہ اسی طرح کہا جائے۔ ان کے نزدیک ایک بار کہنے سے فرض پورا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص بولنے سے معذور ہو تو یہ فریضہ مطلقاً ساقط ہو جائے گا۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز کے ارکان میں مذکورہ ترتیب صحت نماز کے لیے ''شرط'' ہے، فرض نہیں ہے، لیکن بہرحال وہ ایک لازمی شے ہے۔ البتہ وہ کہتے ہیں، کہ اگر کسی نے قیام سے پہلے رکوع کر لیا کا پھر سجدہ کر کے کھڑا ہو گیا تو اس کا یہ رکوع بے حقیقت ہو گا، پس جب کہ یہ پہلا رکوع لغو ہو گیا اور اس کے بعد پھر رکوع کیا اور سجدہ کیا تو وہ رکعت ادا ہو جائے گی لیکن لازم ہے کہ سجدۂ سہو کیا جائے، بشرطیکہ وہ حرکت (تقدیم رکوع والی) سہواً سرزد ہوئی ہو۔ ہاں اگر دانستہ ایسا کیا تو نماز

Marfat.com

نماز کے پندرھویں فرض ''جلوس بین السجدتین'' کا بیان

ائمہ فقہا میں سے تین اصحاب اس باب میں متفق ہیں کہ نماز پڑھنے والے پر فرض ہے کہ ہر دو سجدوں کے درمیان بیٹھے (اس کو جلسہ کہتے ہیں)، لہٰذا اگر ایک سجدہ کیا اور صرف سر اٹھا کر بغیر بیٹھے دوسرا سجدہ کرلیا تو نماز درست نہ ہوگی۔ حنفیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا فرض نہیں ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

واضح ہو کہ جن اصحاب نے دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کو اور اسی طرح کے دوسرے فرائض مذکورہ کو فرض قرار دیا ہے، انہوں نے بخاری و مسلم کی (روایت کردہ) اس حدیث کو (بطور دلیل) پیش کیا ہے کہ ''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رای رجلاً یصلی صلوٰۃً ناقصۃً فعلمہ کیف یصلی فقال: لہ اذاقمت الی الصّلوٰۃ فکبر ثم اقرأماتیسر معک من القرآن. و فی بعض الروایات فاقرأ بام القرآن وقال ثم ارکع حتی تطمئن راکعاً ثم ارفع حتی تعتدل قائماً ثم اسجد حتی تطمئن ساجداً ثم ارفع حتی تستوی قائماً. ثم افعل ذلک فی صلاتک کلھا. (یعنی حضور ﷺ نے ایک شخص کو ناقص نماز پڑھتے دیکھا، تو اسے آپ نے سکھایا کہ کس طرح نماز پڑھی جائے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اس شخص سے ارشاد فرمایا کہ جب نماز کو اٹھو تو تکبیر کہو، پھر قرآن میں سے جو کچھ تمہیں یاد ہے اپنی سہولت کے مطابق پڑھو-- بعض روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ام القرآن (یعنی سورۃ فاتحہ) پڑھو-- اور ارشاد ہوا کہ اس کے بعد رکوع کرو اور جب اطمینان سے رکوع ہو جائے تو پھر اٹھو، یہاں تک کہ ٹھیک طور سے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر سجدہ کرو، یہاں تک کہ اطمینان کیساتھ سجدہ ادا ہو جائے، پھر اٹھو یہاں تک کہ اچھی طرح سے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر اسی طرح اپنی نماز پوری کرو) یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ حنفیہ کو اس خیال سے اتفاق نہیں ہے کہ

جاتی رہے گی۔ مثلاً یہ کہ بغیر کھڑے ہوئے رکوع کرلیا۔ ہاں اگر کھڑے ہو کر بغیر قرأت پڑھے رکوع کرلیا تو نماز صحیح ہو جائے گی، کیونکہ قرأت ہر رکعت میں فرض نہیں ہے، بلکہ وہ صرف دو رکعتوں میں فرض ہے، لہٰذا اگر دو رکعتیں بغیر قرأت کے ادا ہوئیں تو اب باقی رکعتوں میں ترتیب فرض ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا فرض نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ پھر کیا وہ واجب ہے، جس کی حیثیت فرض سے کم ہوتی ہے، یا سنت غیر مؤکدہ ہے؟ سو بعض تو کہتے ہیں کہ وہ واجب ہے اور دلیل اسی کی متقاضی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سنت ہے۔

Marfat.com

''جلوس'' (دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا) فرض ہے۔ اسی طرح سورۂ فاتحہ کی قرأت کو فرض قرار دیے جانے سے بھی ان کو اتفاق نہیں ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ حدیث مذکور سے ان امور کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ اس حدیث کا مضمون اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس شخص کو مکمل نماز کی تعلیم دینا چاہتے تھے، جس میں فرائض، واجبات اور سنتیں سب شامل ہیں۔ اس کے لیے مزید تشریح اور وضاحت کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ حدیث مذکور میں نیت اور قعدۂ اخیرہ کا بھی ذکر نہیں ہے، حالانکہ اس کی فرض ہونے پر سب کو اتفاق ہے۔ اسی طرح آخری تشہد کا بھی ذکر نہیں ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ بعض ائمہ کے نزدیک فرض ہے، نیز اس حدیث میں اور بھی بہت سی باتوں کا ذکر نہیں ہے، مثلاً تعوذ وغیرہ۔ غرض ان تمام امور سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس ارشاد کی غرض محض یہ تھی کہ اس شخص کو نماز پڑھنے کا عملی طریقہ بتایا جائے، بایں خیال کہ جب ان سب کو سیکھ جائے گا تو اس کے لیے ان امور کا سمجھنا ممکن ہو جائے گا، کہ ان میں سے کون سی باتیں فرض، کون سی واجب اور کون سی سنت ہیں۔

(اس توجیہہ سے ہٹ کر) دوسرے ائمہ کا کہنا یہ ہے کہ اس شخص سے ان اعمال کا مطالبہ (جو حضور ﷺ نے فرمایا) وہ ان اعمال کے فرض ہونے کی دلیل ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اور فرائض کا ذکر آپ نے نہیں فرمایا، کیونکہ اس شخص نے وہ فرائض انجام دے لیے تھے۔ یہ توجیہ اچھی ہے، بشرطیکہ حدیث میں اس کی طرف کوئی اشارہ ہوتا۔ لیکن یہ اشارہ کہاں ہے؟ تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ ائمہ ثلاثہ کی رائے مانی جائے، خاص کر اس لیے کہ حنفیہ کہتے ہیں (دونوں سجدوں کے دمیان بیٹھنا) واجب ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے بغیر نماز تو ہو جاتی ہے لیکن (ترک واجب کا) گناہ ہوگا، جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔

نماز کے واجبات کا بیان

یہ بات کئی بار بیان کی جا چکی ہے کہ مالکیہ اور شافعیہ واجب اور فرض دونوں کے ایک ہی معنی قرار دیتے ہیں۔ ان دونوں اصطلاحوں میں جو معنی کا فرق ہے اس کا اثر صرف اعمال حج میں ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ حج کے سلسلے میں فرض کے یہ معنے ہیں کہ اس کے ترک کرنے سے حج باطل ہو جاتا ہے، لیکن واجب وہ امر ہے جس کے ترک سے حج باطل نہیں ہوتا، بلکہ اس کے ترک پر ایک قربانی لازم آتی ہے، اس کی تفصیل حج کے بیان میں آئے گی، وغیرہ۔

مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک نماز میں واجبات نہیں ہیں، بلکہ اعمال نماز میں یا تو فرائض ہیں یا

Marfat.com

پھر سنتیں ہیں۔ فرائض نماز کا ذکر پہلے آ چکا ہے، آئندہ اس کی سنتیں بیان کی جائیں گی۔

حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ نماز میں واجبات ہوتے ہیں۔ ان کے مسالک کی تفصیل ذیل حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز کا امر واجب ترک کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی، البتہ نمازی سے اگر سہواً ترک واجب ہوا ہے تو لازم ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کر لے۔ اگر قصداً ترک کیا ہے تو نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ اگر معیادہ نہ پڑھی گئی تو نماز ہو گئی لیکن (ترک واجب کا) گناہ لازم ہوگا۔

ان امور کے واجب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ ان پر عمل فرمانا ثابت ہے۔ حنفیہ کے نزدیک حسب ذیل امور نماز میں واجب ہیں:

۱۔ نفل کی ہر رکعت میں اور فرض کی ابتدائی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا اور دوسری سورۃ سے پہلے پڑھنا۔ اگر سہواً اس کے برعکس ہو گیا (یعنی سورہ پہلے اور فاتحہ بعد میں پڑھی) تو سجدۂ سہو کر لینا چاہیے۔

۲۔ نفل اور وتر کی (ہر رکعت میں) اور فرض نمازوں کی ابتدائی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کسی اور سورۃ کا پڑھنا۔ چھوٹی سے چھوٹی سورۃ یا اس کے برابر قرآن کی آیتیں، مثلاً تین چھوٹی چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت کے پڑھ لینے سے امر واجب ادا ہو جاتا ہے۔ چھوٹی آیات مثلاً ☆ثم نظر. ثم عبس و بسر. ثم ادبر و استکبر۔ اس میں دس الفاظ ہیں) اور مشدد حروف کو دو حرف شمار کر کے تیس حروف ہجا ہیں۔ پس اگر لمبی آیات میں سے ہر رکعت میں اس مقدار میں قرآن پڑھ لیا جائے تو واجب ادا ہو جائے گا۔ لہٰذا اگر آیت الکرسی میں سے صرف اتنا پڑھ لیا جائے کہ ''الله لآ الٰه الا هوا الحیی القیوم لا تاخذنه سنة و لانوم'' تو کافی ہے۔

۳۔ (منجملہ واجبات یہ ہے کہ) نماز کے کسی عمل میں اضافہ نہ کیا جائے، مثال جتنے سجدوں کا حکم ہے اس سے زیادہ سجدے نہ کیے جائیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو زائد سجدے لغو متصور ہوں گے، اگر سہواً ایسا ہوا تو سجدۂ سہو کر لینا چاہیے۔

۴۔ بنیادی ارکان صلوٰۃ رکوع، سجود وغیرہ کو اطمینان سے ادا کرنا اور اطمینان جو واجب ہے ان کے نزدیک یہ ہے کہ اعضا کو سکون حاصل ہو کہ ہر عضو اپنی جگہ پر کم از کم ایک بار تسبیح پڑھنے کی مقدار تک ٹکا رہے اس کی تفصیل اطمینان کے بیان میں آئے گی۔

۵۔ قعود کرنا، یعنی ہر نماز میں، خواہ وہ نفلی ہو، پہلی بار کھڑا ہونا۔

۶۔ تشہد کا پڑھنا جو حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔ نیز جوں ہی کہ تشہد ختم ہو فوراً تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جانا۔ اگر سہواً تشہد کے ساتھ درود بھی پڑھ لیا تو سجدۂ سہو کر لینا چاہیے۔ اگر قصداً ایسا کیا تو واجب ہے کہ دوبارہ نماز پڑھی جائے، اگرچہ وہ نماز بھی صحیح ہے۔

۷۔ نماز کے خاتمہ پر دو بار لفظ ''سلام'' کہنا۔

۸۔ وتر کی تیسری رکعت میں فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھنے کے بعد دعائے قنوت کا پڑھنا۔

☆ان آیات کے معانی: پھر دیکھا۔ پھر تیوری چڑھائی اور ترش رو ہوا، پھر پیٹھ موڑ کر چلا گیا اور غرور کیا .... (المدثر)

Marfat.com

۹۔نماز عیدین میں تکبیریں کہنا۔ ہر رکعت میں تین تکبیریں ہوتی ہیں۔اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

۱۰۔فجر،عیدین جمعہ،تراویح ماہ رمضان کے وتر اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں امام کا بلند آواز سے قرأت کرنا۔اکیلے نماز پڑھنے والے کو ہر نماز میں بلند آواز سے یا آہستہ پڑھنے کا اختیار ہے۔تاہم بہتر یہی ہے کہ منفرد (اکیلا نماز پڑھنے والا بھی) ان نمازوں میں جن میں امام کو اونچی آواز سے پڑھنا واجب ہے،اونچی آواز سے قرأت کرے،اور جن نمازوں میں امام کو آہستہ پڑھنے کا حکم ہے،انہیں تنہا پڑھنے والا بھی آہستہ پڑھے۔

۱۱۔مندرجہ ذیل نمازوں میں امام اور منفرد دونوں کو آہستہ قرأت کرنا واجب ہے۔دن کے نوافل،ظہر اور عصر کے فرض،مغرب کی تیسری رکعت،عشا کی دو آخری رکعتیں،سورج گرہن،چاند گرہن اور استسقا کی نمازیں۔

۱۲۔مقتدی کا امام کے قیام کی حالت میں قطعاً کچھ نہ پڑھنا۔

۱۳۔ناک کے سخت حصہ سے لے کر پیشانی کے حصہ کو سجدہ میں شامل کرنا۔

۱۴۔نماز کی ابتدا ''اللہ اکبر'' ہی کے خاص جملہ سے کرنا۔اگر اس کو ادا کرنے سے عاجز ہو،یا اچھی طرح ادا نہ کر سکتا ہو،تو نماز کی ابتدا اللہ تعالیٰ کے کسی نام سے کی جائے۔

۱۵۔نماز عیدین کی دوسری رکعت میں رکوع کے لیے جو تکبیر کی جاتی ہے وہ واجب ہے،کیونکہ یہ تکبیر نماز عیدین کی واجب تکبیروں کے ساتھ مل کر واجب ہو جاتی ہے۔

۱۶۔جس باب میں امام کو (نماز میں) اپنی رائے سے کام لینا جائز ہے،(مثلاً قرأت یا رکوع وسجود وغیرہ کا مختصر یا طویل کرنا) اس میں امام کی پیروی کرنا (واجب ہے)۔پیروی امام کی تفصیل امامت کے بیان میں آئے گی۔

۱۷۔رکوع سے اٹھنا اور ادائے ارکان میں اعتدال کو ملحوظ رکھنا،جیسا کہ سابقاً بیان ہوا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نماز میں واجب کی حیثیت فرض سے کم ہے۔یعنی اگر اس کو جان بوجھ کر قصداً ترک کیا جائے تو نماز باطل ہو جائے گی۔اور اگر سہواً یا بے خبری کی وجہ سے ترک ہو جائے تو نماز باطل نہ ہو گی،سہواً ترک ہونے کی صورت میں سجدۂ سہو واجب ہے۔

حنابلہ کے نزدیک نماز کے واجبات آٹھ ہیں:

تکبیر تحریمہ کے علاوہ،کہ وہ فرض ہے،نماز کی تمام تکبیریں واجب ہیں،لیکن اگر کوئی شخص (مسبوق) جماعت میں اس وقت شامل ہو جب کہ امام رکوع میں تھا اور اس نے رکوع کے لیے تکبیر کہی تو یہ تکبیر سنت ہو گی واجب نہیں ہے۔

امام اور منفرد کا (رکوع سے اٹھتے وقت) سمع الله لمن حمده کہنا۔

ہر نمازی کا ''ربنا ولك الحمد'' کہنا۔واضح ہو کہ احرام،تسمیع اور تحمید کے علاوہ تکبیر کہنے کا وقت ایک حالت سے نکل کر دوسری حالت میں پہنچنے تک کے دوران ہے،لہٰذا کچھ تکبیر اس سے پہلے کہنا جائز نہیں ہے۔

رکوع میں ایک بار سبحان ربی العظیم کہنا۔

سجدہ میں ایک بار سبحان ربی الأعلی کہنا۔

پہلا ''تشہد'' (یعنی اشهد ان لا اله الا الله) پڑھنا۔آخری تشہد کی جس قدر مقدار درود کے علاوہ (ادائے واجب

Marfat.com

نماز کی سنتوں کا بیان

نماز کی سنتوں کے متعلق چند مسائل ہیں:

اول سنت کی تعریف۔

دوم نماز کی سنتوں کی تعداد۔اس میں مجموعی طور پر ہر مسلک کی سنتوں کا جدا جدا بیان ہے، تا کہ اس کا یادرکھنا سہل ہو جائے۔

سوم ان سنتوں میں جوامور تشریح طلب ہیں ان کی تفصیل۔

چہارم وہ سنتیں جو نماز سے خارج ہیں ان کا بیان۔

اب نماز کی سنتوں کے مسائل اسی ترتیب سے بیان کیے جارہے ہیں۔

سنت کی تعریف

یہ امراس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک بالاتفاق سنت، مندوب، مستحب اور تطوع کے ایک ہی معنے ہیں، یعنی اس سے مراد وہ عمل ہے جس کے بجالانے پر مکلف انسان مستحق ثواب ہوتا ہے، اگر ترک کردے تو اس سے مواخذہ نہیں۔ پس اگر کسی نے نماز کی تمام سنتیں یا کچھ سنتیں ترک کر دیں تو اللہ تعالیٰ اس کے ترک پر کوئی مواخذہ نہیں کرے گا۔لیکن اس کے بجالانے میں جو ثواب ملتا اس سے محروم رہے گا۔ مالکیہ کو اس خیال سے تو اتفاق ہے لیکن وہ سنت اور دوسرے الفاظ میں فرق کرتے ہیں۔اس بارے میں مختلف مسالک کی تفصیل اپنی جگہ پر بتائی جا چکی ہے، وہاں دیکھ لینا چاہیے۔تاہم کسی مسلمان کو زیبا نہیں ہے کہ سنت کی بات کو بے حیثیت تصور کرے، کیونکہ نماز کا مقصد جناب الٰہی میں تقرب حاصل کرنا ہے، جس کا نتیجہ عذاب سے دور ہونا اور اللہ کی نعمتوں سے بہرہ یاب ہونا ہے۔ایسی صورت میں کوئی عاقل یہ مناسب نہ جانے گا کہ نماز کی سنتوں میں سے کسی سنت کی بے۔قدری کرے اور اسے ترک کردے، کیونکہ اس کا ثواب عمل سے محرومی کا باعث ہے اور یہ بات کسی دانش مند سے مخفی نہیں ہے کہ یہ محرومی ہی بجائے خود ایک عذاب ہے۔ایسا کرنے میں نعیم الٰہی سے محرومی ہے۔لہٰذا مکلف انسان کے لیے یہ امر خاص اہمیت رکھتا ہے کہ شارع علیہ السلام نے جن امور کے بجالانے کا ارشاد فرمایا ہے ان کی بجا آوری کی جانب توجہ کی جائے، خواہ وہ امور فرض ہوں یا سنت۔رہا یہ سوال کہ آخر اس کا کیا سبب ہے کہ شارع علیہ السلام نے نماز کی بعض باتوں کو فرض لازم اور بعض باتوں کو غیر ضروری قرار دیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے

Marfat.com

بندوں پر آسانی پسند کرتا ہے، اسی لیے اس نے بندوں کو بعض اعمال بجالانے کا اختیار دیا ہے، تاکہ ان کا ثواب عطا فرمائے۔ اب اگر کوئی شخص اسے چھوڑ دے تو ثواب سے محروم رہے گا لیکن اس پر عذاب نہ ہوگا۔ یہ بھی شریعت اسلامیہ کی خوبیوں میں سے ایک خوبی ہے کہ اس میں شرعی ذمہ داریوں کی دشواری دور کر دی گئی ہے اور نہایت خوبی کے ساتھ جزائے خیر حاصل کرنے کی ترغیب ہے۔

نماز کی سنتوں کی مجموعی تعداد

اب یہاں ہر مسلک کی رو سے نماز کی جو سنتیں ہیں ان کو یک جائی طور پر بیان کیا جاتا ہے، تاکہ قارئین کو ذہن میں محفوظ رکھنا آسان ہو جائے۔ ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (1)

کے لئے) کافی ہے اس کو سابقاً بیان کیا جا چکا ہے۔

تشہد کے لیے بیٹھنا واجب ہے، لیکن اس کے لیے واجب نہیں ہے جس کا امام بیٹھنے کی بجائے غلطی سے تیسری رکعت میں کھڑا ہو جائے۔ ایسی صورت میں مقتدی کو امام کی پیروی واجب ہے۔ تشہد اور جلسہ (بیٹھنا) دونوں امور اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائیں گے۔

ا۔ حنفیہ نے نماز کی سنتوں کی تعداد حسب ذیل بتائی ہے:

ا۔ مردوں اور لونڈیوں کے لیے نیت باندھنے کے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھانا اور آزاد عورتوں کے لیے صرف مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانا۔

۲۔ انگلیوں کو اپنی حال میں رہنے دینا، یعنی نہ ان کو الگ الگ رکھا جائے اور نہ ملایا جائے۔ یہ حکم حالت رکوع کے لیے نہیں ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۳۔ مرد کے لیے ناف کے نیچے اس طرح ہاتھ باندھنا کہ دایاں ہاتھ بائیں کے اوپر ہو۔ اور عورت کے لیے سینہ پر ہاتھ باندھنا۔

۴۔ ثنا پڑھنا (یعنی سبح اسم ربک الخ)۔

۵۔ قرآن پڑھنے کے لیے تعوذ کرنا (یعنی اعوذ باللہ الخ کہنا)

۶۔ تسمیہ یعنی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے آہستہ سے بسم اللہ الخ پڑھنا۔

۶۔ تامین (یعنی سورۂ فاتحہ کے خاتمہ پر آمین کہنا)

۸۔ تحمید (یعنی ربنا لک الحمد کہنا)

۹۔ ثنا، آمین اور تحمید آہستہ سے کہنا۔

۱۰۔ نیت باندھتے وقت اور اس کے بعد اعتدال کا خیال رکھنا۔

اا۔ امام کا تکبیر، تسمیع (یعنی سمع اللہ لمن حمدہ) اور سلام کا اونچی آواز سے کہنا۔

Marfat.com

۱۲۔ دونوں پاؤں کے درمیان بقدر چار انگلی کے فاصلہ رکھنا

۱۳۔ قرآن میں سے مفصل کی قرأت جو ہو وہ تفصیل متقدم کے مطابق ہو۔

۱۴۔ رکوع میں ''سبحان ربی العظیم'' تین بار کہنا۔

۱۵۔ رکوع اور سجود کے وقت تکبیر کہنا۔

۱۶۔ سجدہ میں ''سبحان ربی الاعلیٰ'' تین بار کہنا۔

۱۷۔ رکوع میں دونوں ہاتھ گھٹنے پر رکھنا۔

۱۸۔ مرد کے لیے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے وقت انگلیوں کو کھلا رکھنا۔

۱۹۔ پنڈلیوں کو سیدھا رکھنا۔

۲۰۔ رکوع میں پیٹھ کو بچھا دینا۔

۲۱۔ سر اور کولھے کو ایک سطح پر رکھنا۔

۲۲۔ رکوع سے پورے طور پر اٹھنا۔

۲۳۔ سجدہ سے پورے طور پر اٹھنا۔

۲۴۔ سجدہ کے وقت پہلے ہاتھ کو پھر گھٹنے کو اور پھر چہرے کو ٹکانا، اور سجدے سے اٹھتے وقت اس کے برعکس کرنا (یعنی پہلے چہرہ، پھر ہاتھ اور اس کے بعد گھٹنے اٹھائے جائیں)۔

۲۵۔ سجدہ کی حالت میں چہرے کو دونوں ہاتھوں کے درمیان اور دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں کے بالمقابل رکھنا۔

۲۶۔ مردوں کے لیے سجدے میں پیٹ کو ران سے، کہنیوں کو پہلو سے اور ہاتھوں (بازوؤں) کو زمین سے الگ رکھنا۔

۲۷۔ عورت کے لیے سجدے میں پیٹ کو ران سے ملائے رکھنا۔

۲۸۔ دونوں سجدوں کے درمیان جلوس کرنا (بیٹھنا)۔ اس کا طریقہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔

۲۹۔ دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے اور تشہد کے وقت دونوں ہاتھوں کا رانوں پر رکھنا۔

۳۰۔ مرد کے لیے تشہد وغیرہ کے وقت دائیں پاؤں کو بچھا کر بیٹھنا اور بائیں پاؤں کو اس طرح کھڑا رکھنا کہ انگلیاں قبلے کی جانب رہیں۔

۳۱۔ عورت اپنے کولھوں پر بیٹھے اور اپنی ایک ران کو دوسری ران پر رکھے اور بائیں پاؤں کو سرین کی نیچے کی جانب سے باہر نکال لے۔

۳۲۔ تشہد میں الفاظ شہادت ادا کرتے وقت کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرنا، جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے۔

۳۳۔ پہلی دو رکعتوں کے بعد کی رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا۔

۳۴۔ آخری جلوس (نشست) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان الفاظ میں درود بھیجنا جو پہلے بتائے گئے ہیں۔

۳۵۔ درود کے بعد ایسے الفاظ میں دعا مانگنا جو قرآن وحدیث کے الفاظ دعائیہ سے ملتے ہوں۔

۳۶۔ سلام پہلے دائیں جانب پھر بائیں جانب پھیرنا۔

Marfat.com

۳۷۔امام کا سلام میں اپنے پیچھے کے نمازیوں، محافظ فرشتوں اور صالح جنوں کی نیت کرنا۔

۳۸۔مقتدیوں کا سلام میں امام کی نیت کرنا۔امام دائیں جانب ہو تو بائیں طرف کے سلام میں اور بائیں جانب ہو تو دائیں جانب کے سلام میں، اور درمیان میں ہو تو دونوں سلام میں امام اور اس کے ساتھ اہل جماعت اور ملائکہ حفظہ اور صالح جنوں کی نیت کرنا۔

۳۹۔تنہا پڑھنے والا سلام میں صرف فرشتوں کی نیت کرے۔

۴۰۔سلام آہستہ آواز سے کہا جائے۔

۴۱۔مسبوق شخص کا (یعنی جو بعد میں جماعت میں شامل ہوا ہے) امام کے دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد قدرے توقف کرنا، یہاں تک کہ معلوم ہو جائے کہ امام کو سجدۂ سہو کرنا تو نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ نماز میں حسب ذیل چودہ سنتیں ہیں:

۱۔فرض نماز کی رکعت اول و رکعت دوم میں سورۂ فاتحہ کے بعد اس قدر قرآن پڑھنا کہ ام القرآن (سورۂ فاتحہ) سے زیادہ ہو، بشرطیکہ وقت میں گنجائش ہو۔

۲۔فرض نماز میں کھڑے ہو کر قرأت کرنا۔

۳۔جہری نمازوں میں اونچی آواز سے قرآن پڑھنا، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

۴۔سری نمازوں میں آہستہ قرآن پڑھنا، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

۵۔نماز کی تمام تکبیریں بجز تکبیر تحریمہ کے کہ وہ فرض ہے۔باقی ساری تکبیریں سنت ہیں

۶۔کل تسمیعہ (یعنی جتنی بار بھی سمع اللہ لمن حمدہ کہا جائے وہ سب سنت ہے)۔

۷۔کل تشہد (یعنی جتنی بار تشہد پڑھا جاتا ہے وہ سب سنت ہے)۔

۸۔کل جلوس برائے تشہد (جتنی بار تشہد کے لیے بیٹھا جائے وہ سب سنت ہے)۔

۹۔آخری تشہد کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا۔

۱۰۔قدموں کے اگلے حصہ اور گھٹنوں اور ٹخنے کے بل سجدہ کرنا۔

۱۱۔مقتدی کا امام کے سلام کا جواب دینا، اور جو امام کے دائیں جانب ہو اس پر سلام بھیجنا، بشرطیکہ امام کے ساتھ اس نے کم از کم ایک رکعت نماز جماعت میں شامل ہو کر پڑھی ہو۔

۱۲۔نماز کے خاتمہ پر اونچی آواز سے سلام پھیرنا۔

۱۳۔جہری نماز میں مقتدی کا خاموش رہنا۔

۱۴۔طمانیت (سکون) کی جو مقدار واجب ہے اس سے زیادہ اطمینان ہونا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نماز کے اندر جو سنتیں ہیں ان کی دو قسمیں ہیں: ایک کو 'ہیات'' کہتے ہیں (یعنی وہ سنتیں جن کا تعلق عمل سے ہے) اور دوسری کو 'ابعاض'' کہا جاتا ہے (یعنی وہ سنتیں جو نماز کا حصہ ہیں) وہ سنتیں جو 'ہیات'' کے نام سے موسوم ہیں ان کی تعداد مقرر نہیں ہے، تاہم وہ کہتے ہیں کہ نماز کے اندر ہر وہ فعل جو ارکان نماز یا 'ابعاض'' میں سے نہیں

Marfat.com

ہے وہ سب ''ہیات'' کی قسم میں ہے۔ وہ سنتیں جو نماز کے ''ابعاض'' میں سے ہیں (یعنی جن کو نماز کا بعض حصہ کہا جاتا ہے) اگر کوئی قصداً ترک کرے تو اس کی تلافی سجدۂ سہو سے ہو جاتی ہے۔

جن سنتوں کو ''ابعاض'' کہتے ہیں ان کی تعداد بیس ہے۔

۱۔ دعائے قنوت جو نماز فجر کی دوسری رکعت میں حالت اعتدال کے اندر (یعنی رکوع سے اٹھ کر کھڑے ہو جانے کے وقت) یا ماہ رمضان کے وتر کے نصف ثانی (یعنی تیسری رکعت) میں پڑھی جاتی ہے، لیکن قنوت نازلہ کو (یعنی وہ دعا جو بر اوقت اسلام پر آنے کے دنوں میں پڑھی جاتی ہے) علاوہ ان (اوقات کی ''قنوت'') کے جن کا ذکر ہوا، سنت ابعاض میں نہیں شمار کیا گیا۔

۲۔ قیام بوقت قنوت۔

۳۔ قنوت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود۔

۴۔ قیام بوقت درود (بہ دوران نماز)۔

۵۔ درود کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام۔

۶۔ قیام بوقت سلام

۷۔ صلوٰۃ برآل (رسول صلی اللہ علیہ وسلم)

۸۔ قیام بوقت صلوٰۃ

۹۔ درود بر صحابہؓ

۱۰۔ قیام بوقت درود بر صحابہؓ

۱۱۔ سلام بر نبی صلی اللہ علیہ وسلم

۱۲۔ قیام بوقت سلام۔

۱۳۔ سلام بر صحابہؓ۔

۱۴۔ قیام بوقت سلام بر صحابہؓ۔

۱۵۔ تین رکعتوں اور چار رکعتوں والی نماز میں پہلا تشہد۔

۱۶۔ جلوس بوقت تشہد۔

۱۷۔ درود بعد تشہد

۱۸۔ جلوس بوقت درود بعد تشہد۔

۱۹۔ درود برآل بعد تشہد

۲۰۔ جلوس بوقت درود برآل

یہ تمام وہ سنتیں ہیں جن کو ''ابعاض'' کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کو ارکان صلوٰۃ سے مشابہ کہا گیا ہے کہ اگر سہواً یہ ترک ہو جائیں تو ان کا اعادہ کیا جائے اور سجدۂ سہو سے اس کی تلافی کی جائے۔

Marfat.com

دوسری قسم کی سنتیں جن کو "ہیئات" کہا جاتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کوئی امر ایسا پیش آجائے جس پر تنبیہ مقصود ہو تو "سبحان اللّٰہ" کہا جائے۔ (غرض اصلاح ہو) محض تنبیہ مقصود نہ ہو، ورنہ نماز باطل ہو جائے گی۔

عورت تنبیہ کرنا چاہے تو تصفیق کرے (تھپکی لگائے یا تالی بجائے) لیکن بیکار یہ کام نہ کرے، ورنہ نماز باطل ہو جائے گی، ہاں اعلام (آگاہ کرنے) کا ارادہ ہو تو حرج نہیں۔ اور تین بار سے زیادہ تصفیق میں بھی حرج نہیں ہے، اگرچہ پیہم کی جائے۔ لیکن ایک ہاتھ کو دوسرے سے جدا کیے بغیر اس کا اعادہ کرے ورنہ نماز باطل ہو جائے گی۔

اور منجملہ سنن ہیئات کے پوری نماز میں خشوع یعنی حضور قلب اور اعضا کا سکون قائم رکھنا ہے، جیسے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے اور اللہ اس کی باتوں سے باخبر ہے۔

اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے لیے جلسہ استراحت کرنا، بایں طور کہ دوسرا سجدہ کرنے کے بعد کسی قدر بیٹھ جائے اور اسی طرح تیسری اور چوتھی رکعتوں کے لیے کھڑے ہونے سے پہلے (جلسہ استراحت کرنا) اور استراحت اس قدر ہونا سنت ہے کہ طمانیت حاصل ہو جائے، اور بقول معتمد دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی جو مقدار ہے اس سے زیادہ بیٹھنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ اگر امام ترک کردے تب بھی مقتدی کو "جلسہ" کرنا چاہیے۔

اور سلام اول کے شروع ہی سے نماز ختم کرنے کی نیت کرنا۔ اگر سلام سے پہلے نماز ختم کرنے کی نیت کی تو نماز باطل ہو جائیگی۔ اگر بدوران سلام یا بعد سلام ختم نماز کی نیت کی تو سنت ادا نہ ہوگی۔

اور دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھنا اور بائیں ہاتھ کے گٹوں اور کچھ کلائی اور پہنچوں کو دائیں ہاتھ سے پکڑ رکھنا۔ یہی عمل ان کے نزدیک قابل اعتماد ہے، تاہم اگر اس ہیئت کو ترک کر دیا اور ہاتھ ڈھیلے رکھے، جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں، تب بھی مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن انہوں نے اس ہیئت کو مستحب بتایا ہے۔ ایسا کرنے میں اس بات کا اشارہ ہے کہ انسان دل سے ہوشیار رہے، کیونکہ جب کسی شے کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے تو ہاتھ سے تحفظ کے لیے پکڑ رکھتا ہے۔

اور تکبیر تحریمہ کے بعد یہ کہنا: **وجهت وجهی للذی فطر السمٰوات والارض حنیفا مسلماً و ما انا من المشرکین، ان صلاتی و نسکی و محیایی و مماتی للّٰہ رب العٰلمین لا شریک له و بذالک امرت و انامن المسلمین** ۔ (یعنی اب میں متوجہ ہوتا ہوں اس ذات کی طرف جس نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا۔ یکسو ہو کر اور مسلمان ہونے کی حیثیت میں، اور میں مشرکوں کے زمرہ میں نہیں ہوں۔ میری نماز اور عبادت اور میرا مرنا اور جینا اللہ کے لیے ہے جو سارے جہان کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں اطاعت شعاروں میں ہوں)

اس دعا کا نام "دعاء الافتتاح" (یعنی آغاز نماز کی دعا) ہے۔ یہ دعا فرض اور نفل نمازوں میں تنہا پڑھنے والے اور امام اور مقتدی کے لیے مستحب ہے، اگرچہ امام نے سورۂ فاتحہ شروع کر دی ہو۔ لیکن اس دعا کے لیے پانچ شرطیں لازمی ہیں:

اول یہ کہ وہ نماز جنازے کی نہ ہو۔ نماز جنازہ میں یہ دعا نہ پڑھی جائے۔ البتہ تعوذ کیا جائے (یعنی اعوذ باللہ پڑھی جائے)۔

Marfat.com

دوسری شرط یہ کہ نماز کا وقت نکل جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر صرف اتنا وقت باقی ہو کہ اگر یہ دعا نہ پڑھی جائے تو ایک رکعت نماز پڑھی جا سکے گی تو یہ دعا نہ پڑھنی چاہیے۔

تیسری شرط یہ کہ اس دعا کے پڑھنے میں مقتدی کو یہ اندیشہ نہ ہو کہ سورۂ فاتحہ کا کچھ حصہ فوت ہو جائے گا۔ ایسا اندیشہ ہو تو یہ دعا نہ پڑھی جائے۔

چوتھی شرط یہ کہ امام قیام کے اندر حالت اعتدال (سکون تام) میں ہو۔ اگر حالت اعتدال میں نہ ہو تو یہ دعا نہ پڑھی جائے۔

پانچویں یہ کہ تعوذ یا سورۂ فاتحہ شروع نہ کیا ہو، اگر شروع کر دیا ہو خواہ قصداً یا سہواً تو پھر سے دعائے افتتاح کی جانب مائل نہ ہو۔

اور ہر رکعت میں استعاذہ کرنا یعنی دعائے افتتاح کے بعد جس کا ذکر اوپر کیا گیا، اعوذ باللہ پڑھ کر قرآن پڑھنا۔ واضح ہو کہ ہر ایسا لفظ جو تعوذ (یعنی اللہ کی پناہ مانگنے) کے مفہوم پر مشتمل ہو، اس کے ادا کر دینے سے استعاذہ کی سنت پوری ہو جاتی ہے، لیکن افضل یہی ہے کہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہا جائے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ الفاظ "السمیع العلیم" کا (درمیان میں) اضافہ کرنا بھی سنت ہے۔ یعنی یوں کہنا چاہیے کہ اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم' (یعنی میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں جو سب کچھ سنتا اور جانتا ہے)۔

اور قرأت کا اونچی آواز سے پڑھنا، خواہ امام ہو یا منفرد البتہ مقتدی کے لیے آہستہ پڑھنا سنت ہے۔

اگر کوئی غیر آدمی نہ سن رہا ہو تو عورت اور مخنث کا اونچی آواز سے پڑھنا سنت ہے۔ غیر آدمی کی موجودگی میں عورت اور مخنث کو اونچی آواز سے قرأت نہ کرنا چاہیے، بلکہ انہیں آہستہ پڑھنا سنت ہے، تاکہ غیر شخص آواز نہ سن سکے۔

شافعیہ کے نزدیک آہستہ پڑھنے کے معنے یہ ہیں کہ نماز پڑھنے میں خود سن سکے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ منفرد اونچی آواز سے قرآن ابتدائی دو رکعتوں میں پڑھے گا۔ مسبوق کے احکام آگے بیان ہوں گے۔

اور منجملہ سنن ہیات' کے تامین ہے، یعنی سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کے بعد "آمین" کہنا۔ اگر رکوع کر لیا اور آمین نہیں کہا تو "تامین" فوت ہو گیا۔ اس کا اعادہ نہیں ہے۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ سورۃ فاتحہ کے بعد اور قرأت شروع کر دی خواہ سہواً (آمین کے اعادہ کا حکم نہیں ہے)۔ البتہ وہ صورت مستثنیٰ ہے جب کہ امام رب اغفرلی یا اسی طرح کے اور الفاظ (دعائیہ) کہے (تو آمین کہی جا سکتی ہے)، کیونکہ نبی ﷺ سے ایسا ہی منقول ہے۔

سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد خاموش ہو جانے سے "امین" کا حکم ساقط نہیں ہوتا۔ جہری نماز میں مقتدی کا امام کے ساتھ آمین کہنا سنت ہے۔ سری نماز میں امام کے ساتھ مقتدی آمین نہیں کہے گا۔ اگر (امام نے) جہری نماز میں آمین نہیں کہا یا آمین کا جب مستحب وقت ہے یعنی امام کے ساتھ آمین نہیں کہا تو اکیلا ہی آمین کہہ لینا چاہیے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد "اذا امّن الامام فامنوا" (یعنی جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو) کے معنے یہ ہیں کہ امام کے آمین کہنے کا وقت آ جائے تو تم آمین کہو۔ اگر چہ اسی وقت اس نے نہ کہا ہو یا وقت گزار کر کہا ہو۔

اور منجملہ سنن ہیات کے کسی قدر قرآن کا پڑھنا ہے، خواہ پوری سورت نہ ہو۔ شافعیہ کے نزدیک ایک سورۃ کا کچھ

Marfat.com

حصہ پڑھنے سے پوری سورت کا پڑھنا بہتر ہے۔ اگر سورت کا حصہ جو پڑھا گیا سورت سے زیادہ ہو (یعنی اگر کسی سورت کا جو حصہ پڑھا گیا وہ کسی اور مکمل سورت سے زیادہ ہے تو اس حصہ کا پڑھنا ہی افضل ہوگا) چنانچہ اگر "آمن الرسول بما انزل الیه" سے سورۂ بقرہ کے اخیر تک پڑھ لیا تو یہ کسی چھوٹی سورت مثلاً سورۂ قریش یا سورۂ فیل یا سورۂ قل هو الله احد کے پڑھنے سے بہتر ہے۔ شافعیہ نے اسی قول کو تسلیم کیا ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ چھوٹی سی سورۃ کا پورا پڑھ لینا افضل ہے۔

واضح ہو کہ چھوٹی سے چھوٹی سورت تین آیات پر مشتمل ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ تین آیات ہی پڑھی جائیں، بلکہ شافعیہ کے نزدیک محض سنت تو کسی قدر بھی قرآن پڑھ لینے سے پوری ہو جاتی ہے خواہ ایک ہی آیت ہو، لیکن بہتر یہی ہے جو اوپر بیان ہوا کہ پوری سورۃ پڑھی جائے، یعنی کم از کم تین آیتیں اور اس سے بھی افضل یہ ہے کہ اس سے زیادہ پڑھا جائے۔

شافعیہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد جو سورۂ پہلی رکعت میں پڑھی جائے وہ دوسری رکعت میں پڑھی جانے والی سورۂ سے بڑی ہو، البتہ اگر وقت کا تقاضا ہو مثلاً مقتدیوں کا اژدہام ہو، جیسے جمعہ اور عیدین کے موقع پر ہوتا ہے تو امام کے لیے سنت یہ ہے کہ دوسری رکعت میں پہلی رکعت کی بہ نسبت زیادہ طویل قرأت کی جائے، تا کہ جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں وہ شامل ہو سکیں۔

سورۃ وغیرہ کا پڑھنا سنت اس صورت میں ہے کہ فاتحہ کے بعد پڑھی جائے، خواہ کوئی امام ہو یا تنہا گزار ہو۔ اگر کسی نے سورت پہلے پڑھ لی اور پھر سورۃ فاتحہ پڑھی تو وہ سورۃ قرأت کے شمار میں نہیں آئے گی اور فاتحہ کے بعد دوبارہ قرأت لازم ہوگی، بشرطیکہ سنت کا ادا کرنا مقصود ہو۔

اور منجملہ سنن ہیئات کے یہ ہے کہ جہری نماز میں امام سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد سکوت اختیار کرے اور دوسری سورۃ کے آغاز میں اتنا توقف کرے کہ مقتدی سورۃ فاتحہ پوری کر سکیں۔ اندریں حال امام کے لیے بہتر یہ ہے کہ کسی دعا میں یا آہستہ قرأت میں مصروف رہے۔

شافعیہ کے نزدیک اس کے علاوہ سکوت کے دوسرے مواقع بھی ہیں، لیکن وہ معمولی ہیں اور ان کو سکتات لطیفہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً تکبیر تحریمہ کے بعد تھوڑا سا وقفہ کر کے "توجہ" پڑھی جائے (یعنی انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض تا آخر)۔ دوم اس سے فارغ ہونے کے بعد پھر تھوڑا سا وقفہ اور تب اعوذ بالله من الشیطان الرجیم وغیرہ جو مذکور ہوا کہا جائے۔

سوم تعوذ کے بعد بھی تھوڑی سی خاموشی پھر "بسم اللہ" بہ طریق مذکور پڑھا جائے۔

چہارم تسمیہ کے بعد اسی طرح ٹھہر کر سورۂ فاتحہ شروع کی جائے،

پنجم سورۃ فاتحہ کے بعد تھوڑی سی خاموشی اور پھر آمین کہنا چاہیے۔

ششم آمین کے بعد بھی ذرا توقف کر کے سورۃ (دوسری) شروع کرنا چاہیے۔ سورت پڑھ کر قدرے توقف کے بعد رکوع کے لیے تکبیر کہنا چاہیے۔ ان سکتوں کے ساتھ وہ سکتہ مشروعہ جو امام سورۃ فاتحہ پڑھنے بعد کرتا ہے ملا لیا جائے تو ان تمام وقفوں کے تعداد آٹھ ہو جاتی ہے۔ لیکن شافعیہ کے نزدیک سکتوں کی تعداد چھ مشہور ہے، کیونکہ وہ اصحاب "تکبیر" اور

Marfat.com

"توجہ" کے درمیانی سکتہ اور توجہ و تعوذ کے درمیانی سکتہ کو ایک ہی سکتہ شمار کرتے ہیں، لیکن یہ معمولی بات ہے۔

اور منجملہ سنن ہیئات کے رکوع کے لیے جھکتے وقت تکبیر کہنا ہے۔ تکبیر کو اتنا کھینچنا چاہیے کہ (بدوران تکبیر) رکوع بخوبی ہو جائے۔ سجدہ کے وقت بھی اسی طرح تکبیر کہنا ان کے نزدیک سنت ہے اور اگر کوئی امام ہو تو یہ تکبیریں اونچی آواز سے کہنی چاہییں، تا کہ مقتدی سن سکیں، ایسا ہی اس صورت میں جب کہ کوئی اور شخص مبلغ (اس تکبیر کو بآواز بلند دہرانے والا) ہو۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت سمع اللہ لمن حمدہ کہنا امام ہو یا مقتدی یا منفرد (تنہا گزار)۔ امام سمع اللہ لمن حمدہ اونچی آواز سے کہے لیکن مقتدی آہستہ کہے۔

اور سیدھے کھڑے ہو جانے کے بعد "ربنالک الحمد" کہنا، خواہ امام ہو یا مقتدی یا منفرد۔ بیٹھ کر نماز پڑھنے والا یہ الفاظ جم کر بیٹھ جانے کے بعد کہے۔ سنت یہ ہے کہ امام ہو یا مقتدی یا منفرد "ربنا لک الحمد" آہستہ سے کہے۔ یہاں تک کہ "مبلغ" (یعنی امام کی تکبیرات کو بآواز بلند دوسروں تک پہنچانے والا) بھی آہستہ کہے۔ اگر 'ربنالک الحمد' اونچی آواز سے کہے تو جائز ہے۔

اور منجملہ سنتوں کے رکوع میں تسبیح یعنی "سبحان ربی العظیم" کہنا ہے۔ یہ امر شافعیہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے، یہاں تک کہ بعض اصحاب تو یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اس کو ہمیشہ ترک کرتا ہے تو اس کی گواہی نا قابل اعتبار ہے۔ تسبیح کی کم سے کم مقدار ایک مرتبہ کہنا ہے۔ پس محض سنت سبحان ربی العظیم کہنے سے ہو جاتی ہے، لیکن سنت کامل کا جو کم سے کم درجہ ہے وہ حاصل نہ ہوگا جب تک کہ تین بار نہ کہا جائے، خواہ امام ہو یا مقتدی یا منفرد۔ اس سے زیادہ مرتبہ تسبیح کہنا، منفرد کے لیے اور ایسے اصحاب کے امام کے لیے جو طویل تسبیح سے خوش ہوتے ہیں، سنت ہے۔ اس صورت میں گیارہ بار تسبیح کہنا سنت ہے۔ اس سے زیادہ بار نہ کہی جائے۔ ہاں تنہا گزار (منفرد) کو اس سے زیادہ کہنا بھی سنت ہے منفرد کے لیے ان الفاظ کا (تسبیح میں) اضافہ بھی سنت ہے "اللھم لک رکعت وبک آمنت ولک اسلمت. خشع لک سمعی وبصری ومخی وعظمی و عصبی وشعری وبشری وما استقلت بہ قدمی للہ رب العالمین" (یعنی خدایا میں تیرے آگے سرخمیدہ ہوں اور تجھ پر ایمان لایا۔ تیرا اطاعت گزار ہوں۔ میرے کان، آنکھ، گودا، ہڈی، پٹھے، بال اور بدن تیرے سامنے خمیدہ ہیں اور میرا جو قدم بھی اٹھا وہ سارے جہان کے رب اللہ (کی خوشنودی کے لیے ہے)۔ اسی طرح اگر کوئی شخص محصورین (گھرے ہوئے لوگوں) کا جو طویل تسبیح پسند کرتے ہوں، امام ہو تو اسے بھی اس دعا کا پڑھنا سنت ہے۔

اور منجملہ سنن ہیئات کے سجدہ کی تسبیح ہے، یعنی "سبحان ربی الاعلیٰ" کہنا۔ محض سنت ایک بار کہنے سے ادا ہو جاتی ہے، لیکن تکمیل کم سے کم تین بار کہنے سے ہوتی ہے۔ اور سب سے زیادہ کامل درجہ یہ ہے کہ گیارہ بار کہا جائے، جیسا کہ اوپر رکوع کی تسبیحات کے بارے میں بیان ہوا۔ اگر کوئی شخص محصورین (گھرے ہوئے مجبور لوگوں) کا امام ہو تو اس کے لیے ان الفاظ کا اضافہ کرنا سنت ہے: "اللھم لک سجدت وبک آمنت ولک اسلمت سجد وجھی للذی خلقه وصوره و شق سمعه وبصره تبارک اللہ احسن الخالقین" (یعنی اے اللہ میں تیرے سامنے

Marfat.com

سجدہ گزار ہوں اور تجھ پر ایمان لایا ہوں۔ میرا منہ اس ذات کے سامنے سجدہ میں ہے جس نے اس کی تخلیق کی اور شکل عطا فرمائی اور اس میں کان اور آنکھ لگا دیے گئے۔ اللہ سب سے بہتر پیدا کرنے والا اور بابرکت ہے)۔

اور سجدہ میں دعائے خیر کا مانگنا سنت ہے، جیسا کہ حدیث مسلم میں ہے کہ "اقرب مایکون العبد من ربه وهو ساجد فاکثروا الدعا" (یعنی بندہ حالت سجدہ میں اللہ سے نہایت ہی قریب ہوتا ہے۔ لہٰذا (اس حال میں) بکثرت دعا مانگا کرو)۔

اور پہلے اور آخری تشہد کے وقت بیٹھنے کی حالت میں دونوں ہاتھوں زانو پر رکھنا۔

اور بائیں ہاتھ کا کھول کر رکھنا، بایں طور کہ ہاتھ کی انگلیوں کے سرے گھٹنوں کی جانب ہوں۔ اور مسبحہ (دائیں ہاتھ کی کلمہ کی انگلی) کو چھوڑ کر باقی انگلیوں کی مٹھی بنالینا۔ کلمہ کی انگلی کو (جو انگوٹھے اور بیچ کی انگلی کے درمیان ہوتی ہے) مسبحہ کہتے ہیں، کیونکہ تسبیح کے وقت اسی سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ اور اسے سبابہ بھی کہتے ہیں، کیونکہ سب (گالی) کے وقت اس سے اشارہ کرتے ہیں۔ یہ عمل تشہد میں لفظ الا اللہ پر کرنا چاہیے۔ اور کلمہ کی انگلی کا ہلانا صحیح ترین قول کے مطابق مکروہ ہے، اور بعض تو یہ کہتے ہیں کہ نماز ہی باطل ہو جاتی ہے، کیونکہ یہ عمل (انگلی کا ہلانا) اعمال نماز سے خارج ہے، لیکن یہ ایک کمزور بات ہے، کیونکہ یہ معمولی سی حرکت ہے، اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

اور منجملہ سنتوں کے یہ ہے کہ نماز کی تمام نشستوں میں مفترش ہو کر بیٹھے۔ مفترش ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے بائیں پاؤں کے ٹخنوں پر اور پاؤں کی پشت کو زمین پر بچھا کر بیٹھا جائے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھا جائے۔ اس طرح کی انگلیوں کے سرے قبلہ کی جانب رہیں۔ اس طرح بیٹھنے کو افتراش اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں قدم کو بچھا کر اس پر بیٹھا جاتا ہے۔ یہ حکم اس کے لیے ہے جو کسی ایسے مرض میں مبتلا نہ ہو کہ اس طرح نہ بیٹھ سکے۔ اگر اس طرح بیٹھنے سے معذوری ہو مثلاً موٹے جسم والا انسان، تو اسے جس طرح بن پڑے اسی طرح بیٹھنا چاہیے۔

اور منجملہ سنتوں کے دوسرا اسلام ہے کہ شافعی کے نزدیک وہ سنت ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نماز میں اڑسٹھ سنتیں ہیں۔ ان سنتوں کی دو قسمیں ہیں: قولیہ اور فعلیہ

قولیہ سنتیں بارہ ہیں جو حسب ذیل ہیں:

نماز شروع کرنے کی دعا (یعنی انی وجهت تا آخر)

قرآن پڑھنے سے پہلے تعوذ اور بسملہ (یعنی اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنا)۔

آمین کہنا۔

سورۂ فاتحہ کے بعد کچھ قرآن پڑھنا، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ مقتدی کے لیے اونچی آواز سے پڑھنا مکروہ ہے۔

تحمید (یعنی سبحانک اللھم کے بعد) مل السموات اور مل الارض الخ پڑھنا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

رکوع و سجود کی پہلی تسبیح میں جو مزید الفاظ ایک بار پڑھے جاتے ہے وہ سنت ہے۔ اسی طرح دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کے وقت رب اغفرلی الخ میں جو الفاظ زیادہ کہے جاتے ہیں (وہ بھی سنت ہے)۔

آخری تشہد میں آنحضرت ﷺ کی آل اور ان کے اصحابؓ پر درود اور آنحضرت ﷺ پر نیز ان کے آل واصحابؓ پر

Marfat.com

برکت بھیجنا۔

اور وتر میں قنوت پڑھنا، یہ سب سنت ہے۔

باقی رہیں سنت "فعلیہ جن کو الہیات" بھی کہا جاتا ہے، وہ تقریباً چھپن ہیں:

تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کا اٹھانا۔

اٹھانے کے وقت دونوں ہاتھوں کا کھلا رکھنا۔

نیز اٹھتے وقت ہاتھوں کا ڈھیلا رکھنا۔

اسی طرح رکوع سے اٹھتے وقت کرنا۔

اس کے بعد ہاتھ کو چھوڑ دینا۔

قیام اور قرأت کے دوران دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا۔

دونوں ہاتھوں کا ناف کے نیچے رکھنا۔

حالت قیام میں نمازی کو اپنی نگاہ سجدے کی جگہ پر رکھنا۔

امام کا اونچی آواز سے تکبیر کہنا۔

ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھنا۔

امام کا نماز میں اختصار کرنا۔

پہلی رکعت کو دوسری کعت سے زیادہ لمبی کرنا۔

دوسری رکعت کو پہلی کی بہ نسبت مختصر رکھنا۔

حالت قیام میں دونوں قدموں کے درمیان کچھ فاصلہ رکھنا۔

رکوع کی حالت میں دونوں گھٹنوں کا ہاتھوں سے پکڑ رکھنا۔

رکوع میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کی حالت میں انگلیوں کو پھیلائے رکھنا۔

بیٹھ کر رکوع ہو تو ہاتھ کو بچھا کر سیدھا رکھنا۔

رکوع میں سر کو پیٹھ کے مقابل رکھنا۔

اس حال میں دونوں بازوؤں کو پہلو سے جدا رکھنا۔

سجدے کے وقت ہاتھوں سے پہلے گھٹنوں کا ٹکانا۔

گھٹنوں کے بعد ہاتھوں کا ٹکانا۔

پیشانی اور ناک کو ہاتھوں کے بعد ٹکانا۔

اعضائے سجدہ کو زمین پر جمانا اور ان اعضا کو سجدے کی جگہ پر چسپاں کرنا، جیسا کہ سابقاً بیان ہوا۔

سجدے کے دوران دونوں بازوؤں کو پہلو سے جدا رکھنا۔

پیٹ کو زانو سے جدا رکھنا۔

Marfat.com

زانو کو پنڈلیوں سے جدا رکھنا۔
دونوں گھٹنوں کے درمیان فاصلہ رکھنا۔
دونوں پاؤں کو کھڑا رکھنا۔
دونوں پاؤں کی انگلیوں کے نچلے حصے کو سجدے کے دوران زمین سے لگائے رکھنا۔
دونوں پاؤں کی انگلیوں میں فاصلہ رکھنا۔
دونوں ہاتھوں کو شانوں کے مقابل رکھنا۔
پورا ہاتھ زمین پر بچھا دینا۔
انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رکھنا، دونوں ہاتھ کی انگلیوں کو (سجدے میں) ملا کر رکھنا۔
سجدے سے اٹھ کر دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے وقت پہلے دونوں ہاتھوں کو اٹھانا، بایں طور کہ دوسری رکعت کے لیے قدموں کے سرے پر زور دے کر کھڑا ہوا جائے۔
تیسری رکعت کے لیے بھی اسی طرح کھڑا ہونا۔
چوتھی رکعت کے لیے بھی اسی طرح کھڑا ہونا۔
نماز میں جھکتے وقت ہمیشہ گھٹنوں کا سہارا لینا۔
دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے میں افتراش کرنا (یعنی بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنا اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھنا۔
اسی طرح تشہد اول میں افتراش کرنا، دوسرے تشہد میں کولھے کا سہارا لینا۔
تشہد اول میں ہاتھوں کو زانو پر بچھانا۔
دونوں سجدوں کی درمیان نشست میں دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ملائے رکھنا۔
تشہد اول اور تشہد ثانی میں دائیں ہاتھ کی خنصر اور بنصر (چھوٹی اور ساتھ والی انگلی) کو بھینچ لینا اور تشہد کے وقت بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنانا اور جب تشہد میں اللہ کا نام آئے تو کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرنا۔
تشہد میں بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو ملائے رکھنا اور ان انگلیوں کا رخ قبلے کی طرف رکھنا۔
سلام شروع کرتے وقت چہرے سے قبلے کی طرف اشارہ کرنا۔
سلام کہتے ہوئے دائیں اور بائیں جانب مڑنا۔
ایک ہی سلام کے ساتھ ہی نماز ختم کر دینے کی نیت کرنا۔
دائیں جانب کو بہ نسبت بائیں جانب کے زیادہ مڑنا۔
نماز میں خشوع سے کام لینا۔

ان تمام امور متذکرہ میں عورت کے لیے بھی وہی حکم ہے جو مرد کے لیے ہے۔ البتہ رکوع اور سجدہ میں مجافاۃ (یعنی بازو اور پہلو میں خلا رکھنا جس کا ذکر اوپر ہوا) عورت کے لیے سنت نہیں ہے۔ اس کے لیے سنت یہ ہے کہ اپنے تئیں سمیٹے رکھے اور اپنے دونوں پاؤں دائیں جانب کو جھکا کر اس پر بیٹھے اور اجنبی وغیر محرم شخص تک آواز جانے کا اندیشہ ہو تو قرآن

Marfat.com

نماز کی بعض سنتوں کی تشریح اور متفق علیہ ومختلف فیہ سنتوں کا بیان

رفع الیدین کے مسائل

نماز شروع کرتے وقت رفع یدین (دونوں ہاتھ اٹھا کر نیت کرنا) سنت ہے۔اس میں تو سب کا اتفاق ہے کہ نماز شروع کرنے کے وقت نمازی کے لیے دونوں ہاتھوں کو اٹھانا سنت ہے،لیکن ہاتھ اٹھانے کے طریقے میں اختلاف ہے۔تفصیل ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔[1]

آمین کہنے کے مسائل

یہ بھی نماز کی سنتوں میں سے ہے کہ سورۂ فاتحہ کے ختم ہونے پر نماز پڑھنے والا کہے آمین،اس کے لیے یہ شرط مسنون ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد زیادہ عرصے تک نہ خاموشی اختیار کی جائے،نہ دعا کے علاوہ کچھ اور کہا جائے۔یہ امام،مقتدی اور تنہا گزار سب کے لیے سنت ہے،یہاں تک تو ائمہ میں سے تین اصحاب کا اتفاق ہے۔مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ سنت نہیں،بلکہ مستحب ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ اس میں متفق ہیں کہ سری نمازوں میں اس کو آہستہ کہا جائے۔اور جہری نمازوں

آہستہ پڑھنا واجب ہے۔خنثیٰ مشکل (ان مسائل میں) عورت کی مانند ہے۔

ا۔حنفیہ کہتے ہیں کہ مرد کے لیے تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانا اور انگلیوں کو منتشر رکھنا سنت ہے،یعنی پنجہ کھلا رہے۔عیدین اور دعائے قنوت ہے۔لونڈی کے لیے بھی یہی حکم ہے،لیکن آزاد عورت کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ دونوں ہاتھ شانوں یعنی کندھوں تک اٹھائے عیدین اور دعائے قنوت کی تکبیروں کا وہی حکم ہے جو تکبیر تحریمہ کا ہے،یعنی سب (تکبیروں) میں دونوں ہاتھ اٹھائے جائیں،جیسا کہ اس کے متعلقہ مسائل میں تفصیل کی گئی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ کامل ترین سنت یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت اور رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت اور تشہد کے بعد کھڑے ہونے کے وقت دونوں ہاتھ اٹھائے جائیں،یہاں تک کہ انگلیوں کے سرے دونوں کانوں کے مقابل اور دونوں انگوٹھے کان کی لوؤں کے مقابل آجائیں،اور دونوں زانو شانوں کے مقابل رہیں۔یہ مسائل عورت اور مرد دونوں کے لیے یکساں ہیں۔صرف سنت ان افعال کا کچھ حصہ بجالانے سے حاصل ہو جاتی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ میں دونوں ہاتھوں کا مونڈھوں تک اٹھانا سنت ہے اور باقی اعمال میں مکروہ ہے،اور ہاتھ اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ کھلے ہوں۔اور مشہور ترین قول کے مطابق پشت دست آسمان کی جانب اور ہتھیلیاں زمین کی طرف رہیں۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مرد اور عورت دونوں کے لیے تکبیر تحریمہ کے وقت،رکوع کے وقت،اور رکوع سے اٹھنے کے وقت شانوں تک ہاتھوں کا اٹھانا سنت ہے۔

Marfat.com

میں اونچی آواز سے کہا جائے۔ لہٰذا فجر، مغرب اور عشاء کی نمازوں میں پہلی اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ جب اونچی آواز سے پڑھی جائے تو اونچی آواز سے آمین کہی جائے، باقی رکعتوں میں جو آہستہ پڑھی جاتی ہیں، آمین بھی آہستہ کہی جائے، دوسری نمازوں میں جو آہستہ پڑھی جاتی ہیں، یعنی ظہر اور عصر وغیرہ میں، جن کی تفصیل آگے آرہی ہے، اسی طرح کرنا چاہیے۔

مالکیہ اور حنفیہ کے مسالک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہوں۔ (۱)

دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر رکھنے کا طریقہ ناف کے نیچے یا اس سے اوپر؟

نیت باندھ کر دائیں ہاتھ کا بائیں ہاتھ کے اوپر رکھنا، ناف کے اوپر ہو یا نیچے، سنت ہے۔ ائمہ میں سے تین اصحاب کا اس پر اتفاق ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ مستحب ہے۔ ہاتھ باندھنے کا طریقہ ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

تحمید اور تسمیع کا بیان

تحمید سنت ہے تحمید یہ ہے کہ رکوع سے اٹھتے وقت ''اللھم ربنا لک الحمد'' کہا جائے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جہری اور سری دونوں نمازوں میں آمین آہستہ کہی جائے، خواہ نمازی خود سورۃ فاتحہ پڑھنے سے فارغ ہو تب، یا امام یا ساتھ کے نمازی سے سن کر معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ ختم ہوگئی۔ اگرچہ وہ آہستہ پڑھ رہے ہوں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ آمین کہنا منفرد اور امام دونوں کے لیے مستحب ہے، خواہ سورۃ فاتحہ اونچی آواز سے پڑھی گئی ہو، یا آہستہ۔ امام کے لیے صرف آہستہ پڑھی جانے والی نمازوں میں آمین کہنا مستحب ہے۔ جہری نمازوں میں جس وقت امام کہے ''ولا الضالین'' اور سری نمازوں میں جب خود کہے ''ولا الضالین'' تو آمین کہنا چاہیے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا ناف سے اوپر اور سینے سے نیچے مستحب ہے، بشرطیکہ نماز پڑھنے والا سنت پر عمل کرے، یعنی اس عمل سے نبی ﷺ کی پیروی کا ارادہ رکھتا ہو۔ اگر یہ ارادہ نہ ہو تو وہ فعل مستحب ہوگا۔ لیکن اگر محض تکیہ یا سہارا مقصود ہو تو خواہ کسی طرح بھی رکھا جائے مکروہ ہوگا۔ اگر ارادہ کچھ بھی نہ تھا، بلکہ یوں ہی اس طرح ہاتھ رکھ لیا، بغیر اس کے کہ پیروی سنت کی نیت ہو تو بظاہر وہ مکروہ نہیں، بلکہ مستحب فعل ہے۔

یہ مسائل فرض نماز کے متعلق ہیں۔ نفل نماز میں یہ تمام اعمال بغیر کسی مزید تفصیل کے مستحب ہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ (نماز میں) ہاتھ باندھنے کا طریقہ نماز پڑھنے والے کے اعتبار سے جدا جدا ہے۔ اگر وہ مرد ہے تو ناف کے نیچے اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے، اور چھوٹی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر کلائی پر حلقہ بنالے۔

Marfat.com

اور تسمیع یہ ہے کہ رکوع سے اٹھتے وقت "سمع الله لمن حمده" بھی کہا جائے۔ تسمیع اور تحمید کے متعلق تو سب کا اتفاق ہے، البتہ ان الفاظ مذکورہ میں جو اختلاف ہے وہ ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔(۱)

امام کا تکبیر اور تسمیع اونچی آواز سے کہنا

امام کے لیے تکبیر، تسمیع اور سلام میں آواز بلند کرنا سنت ہے۔ غرض یہ ہے کہ مقتدی جو اس کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں وہ سن لیں۔ اس کے سنت ہونے میں تین امام متفق ہیں، البتہ مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ سنت نہیں ہے مستحب ہے۔

امام کے پیچھے "تبلیغ" (اونچی آواز سے تکبیر کہنے کا) بیان

واضح ہو کہ تبلیغ کا تعلق تکبیر کے مسائل سے ہے۔ تبلیغ سے مراد یہ ہے کہ مقتدیوں میں سے کوئی شخص امام کے ساتھ اپنی آواز بھی تکبیر میں بلند کرے، تا کہ دوسرے مقتدیوں تک امام کی تکبیر پہنچائی جا سکے۔ ایسا کرنا جائز ہے بشرطیکہ مبلغ (مکبر) جب تکبیر تحریمہ کے لیے آواز بلند کرے تو ساتھ ہی نماز کی نیت

اور اگر (نمازی) عورت ہے تو اسی طرح سینے پر ہاتھ رکھے لیکن حلقہ نہ بنائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مرد اور عورت دونوں کے لیے سنت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر ناف کے نیچے رکھے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مرد اور عورت دونوں کے لیے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر سینے سے نیچے اور ناف سے اوپر مائل بہ چپ رکھنا سنت ہے۔ اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں کی بابت اختیار ہے کہ بائیں پہنچے کے جوڑوں پر بچھا دے یا کلائی کے کناروں پر پھیلا دے، جیسا کہ ان کے مسلک کی تفصیل میں اوپر بیان ہوا۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ رکوع سے اٹھتے وقت کہے "سمع الله لمن حمده" بقول معتمد اس سے زیادہ نہ کہے۔ اور مقتدی کہے "اللهم ربنا ولک الحمد" یہ سب سے بہتر الفاظ ہیں۔ اگر صرف "ربنا ولک الحمد" کہا یا "ربنا لک الحمد" کہا تب بھی سنت ادا ہوگئی، لیکن افضل وہی اول الذکر الفاظ ہیں۔ اس کے بعد ربنا ولک الحمد، اور اس کے بعد ربنا لک الحمد' ہے۔ تنہا گزار دونوں جملے کہے، یعنی سمع الله لمن حمده. اللهم ربنا ولک الحمد یا ربنا لک الحمد، الخ، جیسا کہ ذکر کیا گیا، اور جیسا کہ بتایا گیا یہ حنفیہ کے نزدیک سنت ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ "تسمیع" یعنی سمع الله لمن حمده، کہنا امام منفرد اور مقتدی (سب) کے لیے سنت ہے۔ اور "تحمید" یعنی 'اللهم ربنا ولک الحمد، کہنا مستحب ہے۔ منفرد اور مقتدی کے لیے سنت نہیں ہے۔ ہاں امام کے لیے 'سمع الله لمن حمده' کہنا سنت ہے، جیسا کہ ذکر ہوا۔ ان الفاظ میں (امام کو) کچھ اضافہ نہ کرنا چاہیے، جیسے مقتدی کو الفاظ 'اللهم ربنا ولک الحمد، یا ربنا ولک الحمد، میں اضافہ نہ کرنا چاہیے، لیکن اول الذکر جملہ بہتر ہے۔

Marfat.com

باندھنے کا ارادہ ہو۔ اگر محض دوسروں تک آواز پہنچانے کی نیت ہو تو یہ عقد نماز نہ ہوگا۔ یہ مسائل سب کے نزدیک متفق علیہ ہیں۔

اگر تکبیر تحریمہ کے ساتھ (مبلغ) اپنی آواز دوسروں تک پہنچانے کا ارادہ کرے یعنی نماز میں داخل ہونے اور آواز سنانے دونوں امر کی نیت ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔ تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسری تکبیروں میں اگر صرف صاف آواز سنانے کی نیت ہو تو نماز باطل نہ ہوگی، مگر تکبیر کا ثواب جاتا رہے گا۔ (۱)

شافعیہ کہتے ہیں کہ امام، مقتدی اور منفرد سب کے لیے سنت یہ ہے کہ "تسمیع" اور "تحمید" دونوں کو جمع کرے اور ہر ایک کہے "سمع الله لمن حمده. ربنا لک الحمد". امام کو "سمع الله لمن حمده" اونچی آواز سے کہنا چاہیے۔ مقتدی کا اونچی آواز سے کہنا سنت نہیں ہے، سوا اس صورت کے جب کہ (مقتدی) مبلغ (یعنی مکبر) ہو۔ "ربنا لک الحمد" کہنا سنت ہے، مگر آہستہ اگر چہ کوئی مقتدی مکبر ہو جیسا کہ ان کے مسلک میں بیان ہوا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ امام اور مقتدی تسمیع اور تحمید دونوں کو جمع کریں اور کہیں 'سمع الله لمن حمده. ربنا ولک الحمد' الفاظ کی یہ ترتیب حنابلہ کے نزدیک واجب ہے، لہٰذا یوں کہنا کہ 'من حمد الله سمع الله له جائز نہیں ہے۔ ربنا لک الحمد (امام کو) اچھی طرح کھڑے ہو کر کہنا چاہیے۔ اور مقتدی رکوع سے اٹھتے وقت ربنا ولک الحمد بغیر کچھ اضافہ کیے کہے۔ اگر ربنا لک الحمد کہا تب بھی کافی ہے، تاہم پہلا جملہ بہتر ہے اور یوں کہنا کہ اللّٰھم ربنا لک الحمد بغیر واؤ کے اس سے بھی اچھا ہے اور ربنا ولک الحمد کہنے کے بعد ان الفاظ کا اضافہ سنت ہے "ملء السموات وملء الارض وملء ماشئت من شی بعد"۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے تکبیر کہنے والا اگر تکبیر تحریمہ کے وقت صرف اپنی آواز دوسروں تک پہنچانے کی نیت کرے یا کچھ بھی نیت نہ کرے تو نماز باطل ہو جائے گی۔ لیکن اگر تکبیر تحریمہ کے ساتھ تبلیغ اور احرام دونوں کی نیت کی یا صرف احرام کی نیت کی ہے تو نماز منعقد ہو جائے گی۔ یہی صورت تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسری تکبیروں کی ہے کہ اگر اس میں محض تبلیغ (آواز پہنچانے) کا ارادہ تھا، اور کچھ اور ارادہ نہ تھا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ لیکن اگر تبلیغ کے ساتھ عبادت کا تصور بھی تھا، تو نماز صحیح ہوگی۔ ہاں اگر کوئی عامی آدمی ہو (یعنی جس کو مسائل سے واقفیت نہیں ہے) تو اس کی نماز باطل نہ ہوگی، اگر چہ اس نے دوسروں کو محض آگاہ کرنے کے لیے تکبیر کہی ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ امام کا تکبیر میں اتنا ہی آواز بلند کرنا جتنا ضروری ہو سنت ہے۔ ضرورت سے بہت زیادہ اونچی آواز نکالنا مکروہ ہے۔ اس میں تکبیر تحریمہ اور دوسری تکبیروں کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔

اب اگر امام یا تکبیر کہنے والا جو اس امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے، تکبیر تحریمہ کے وقت محض یہ ارادہ کرے کہ اپنی آواز دوسروں کو پہنچا دے اور نماز کی نیت نہ کرے تو یہ نماز باطل ہو جائے گی۔ ساتھ ہی اس کی نماز بھی باطل ہو جائے گی جو اس کی "تبلیغ" کے تحت نماز ادا کر رہا ہو، بشرطیکہ یہ معلوم ہو جائے کہ (مکبر نے نماز کی نیت نہیں کی تھی)۔ اگر احرام کے ساتھ تبلیغ کی نیت بھی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ ایسا ہی کرنا چاہیے۔

یہ حکم تکبیر تحریمہ کا ہے۔ باقی تکبیروں میں اگر چہ صرف دوسروں کو اطلاع دینا ہی مقصد ہو تو نماز باطل نہ ہوگی۔ یہی

Marfat.com

نماز کی تکبیرات مسنونہ کا بیان

تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز کی دوسری تکبیریں سنتوں میں سے ہیں۔ مثلاً رکوع کی تکبیر، سجدہ کی تکبیر، سجدہ سے اٹھنے کی تکبیر، قیام کی تکبیر، یہ سب تکبیریں سنت ہیں۔ اس مسئلہ میں مالکیہ اور شافعیہ کا اتفاق ہے، حنفیہ اور حنابلہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

نماز میں فاتحہ کے بعد کوئی سورۃ پڑھنے یا سورۃ کی بجائے کچھ قرآن پڑھنے کا بیان

سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد ظہر، عصر، مغرب، اور عشاء کی ابتدائی دو رکعتوں میں اور فجر کی دونوں رکعتوں میں کسی قدر قرآن پڑھنے کا حکم ہے جس پر سب کا اتفاق ہے۔ لیکن اس حکم کی حیثیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ ائمہ فقہا میں سے تین اصحاب تو اس کو سنت قرار دیتے ہیں۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ ان کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

اسی طرح قرآن کی مقدار مطلوب قرأۃ کے بارے میں بھی اختلاف ہے شافعیہ اور مالکیہ تو اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی چھوٹی سورۃ یا ایک آیت یا کسی آیت کا ایک ٹکڑا کافی ہے۔ اگر اس قدر پڑھ لیا گیا تو محض سنت ادا ہو جائے گی۔ اس کے متعلق حنفیہ اور حنابلہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو (۳) اور فرض

حکم تسمیع اور تحمید کا بھی ہے جب تک کہ اونچی آواز نکالنے کی غرض ''نغمہ'' نہ ہو کہ آواز کے ترنم سے لوگ حیران رہ جائیں۔ ایسی صورت میں بقول راجح نماز فاسد ہو جائے گی۔

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ تمام تکبیریں واجب اور ناگزیر ہیں۔ بجز اس مسبوق کی تکبیر کے جو بعد میں جب کہ امام رکوع میں تھا شامل جماعت ہوا۔ اس وقت رکوع کی تکبیر (واجب نہیں) بلکہ سنت ہوگی۔ چنانچہ اگر تکبیر تحریمہ کر کے رکوع میں چلا گیا ہے اور رکوع کی تکبیر نہیں کی تب بھی نماز صحیح ہوگی (کیونکہ صرف سنت ترک ہوئی واجب نہیں)۔
حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ تمام تکبیریں سنت ہیں۔ شافعیہ اور مالکیہ بھی یہی کہتے ہیں۔ ایک صورت مستثنیٰ ہے۔ وہ ہے نماز عیدین کی دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر کہ وہ واجب ہے۔ اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک واجب کا درجہ فرض سے کم ہے۔ چنانچہ بعض اصحاب نے اس کو سنت مؤکدہ سے تعبیر کیا ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ کوئی سورۃ یا تین چھوٹی آیتیں یا ایک لمبی آیت کا پڑھنا ضروری ہے۔ لہٰذا تمام فرض نمازوں کی ابتدائی دو رکعتوں میں اس کا پڑھنا واجب ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک 'واجب' کا جو مطلب ہے وہ بیان کیا جا چکا ہے۔

۳۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جب تک اتنی مقدار نہ پڑھی جائے جس کا ذکر کیا گیا، یعنی کوئی چھوٹی سورۃ، یا ایک لمبی آیت،

Marfat.com

نمازوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد امام، منفرد اور ایسے مقتدی کے لیے جو امام کی قرأت نہ سن رہا ہو سورۃ کا پڑھنا سنت ہے۔ اس پر شافعیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

ان مسائل کا تعلق فرض نماز سے ہے۔ نفل نماز جو ایک تسلیمہ سے پڑھی جائے اس کی تمام رکعتوں میں سورۃ وغیرہ پڑھنے کا حکم ہے۔ خواہ دو رکعت والی نماز ہو یا چار رکعتوں والی۔ اس کے متعلق مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

دعاء الافتتاح ''ثنا'' کا بیان

(یعنی وہ دعا جس سے نماز شروع کی جاتی ہے)

دعاء الافتتاح یعنی آغاز نماز میں پڑھی جانے والی دعا جس کو ثنا کہتے ہیں، تین اماموں کے نزدیک سنت ہے مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بقول مشہور یہ مکروہ ہے۔ اور بعض اصحاب کہتے ہیں کہ مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اس دعا کے الفاظ اور اس بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کی تفصیل ذیلی

یا تین چھوٹی آیتیں، واجب ادا نہ ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ کسی ایسی آیت کا پڑھنا ضروری ہے جو مستقل معنے رکھتی ہو اور پچھلی یا اگلی آیت سے مربوط نہ ہو، لہٰذا محض 'مدھا متان' یا ثم نظر وغیرہ کہہ دینا کافی نہیں ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مقتدی کو امام کے پیچھے مطلقاً کچھ پڑھنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ اس کے متعلق امام اور منفرد کے مسائل صفحات سابقہ میں بتائے جا چکے ہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جہری نمازوں میں مقتدیوں کا قرأت کرنا مکروہ ہے، اگرچہ امام کی آواز سنائی نہ دے یا امام خاموش ہو۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ نفلی نماز میں فاتحہ کے بعد حسب سہولت قرآن کا پڑھنا مستحب ہے، خواہ دو رکعتیں پڑھی جائیں یا چار رکعتیں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ ایک سورۃ یا اس کی بجائے کچھ آیتوں کا پڑھنا، جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے، نفل نماز کی تمام رکعتوں میں واجب ہے۔ نہ سنت ہے نہ مستحب ہے، جیسا کہ دوسرے اصحاب کہتے ہیں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر نفلی نماز دو رکعتوں سے زیادہ کی ہے تو اس کا حکم وہی ہے جو چار رکعتوں والی فرض نمازوں کا ہے۔ لہٰذا ابتدائی دو رکعتوں کے علاوہ کسی اور رکعت میں سورۃ ملانا مسنون نہیں ہے۔ زائد رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھنا کافی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نفل نماز کی ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد چھوٹی سی سورۃ کا پڑھنا یا کسی مستقل آیت کا پڑھنا سنت

Marfat.com

حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

ہے، خواہ دو رکعتیں پڑھی جائیں یا چار رکعتیں۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ "ثنا" کے الفاظ جو وارد ہیں وہ یہ ہیں۔ اس طرح کہنے چاہئیں: **سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الٰہ غیرک** "**سبحانک اللھم وبحمدک** کے معنے یہ ہیں کہ اے اللہ میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں جو تیری شان برتر کے لائق ہے، اور "وبحمدک" کے معنے یہ ہیں کہ میں تیری حمد جیسا کہ تیری شان پاک کے شایاں ہے، بیان کرتا ہوں اور "**تبارک اسمک**" کا مفہوم یہ ہے کہ ذات باری کی برکتیں دائمی اور اس کا خیر ہمیشہ رہے۔ اور "**تعالیٰ جدک**" کے معنے ہیں کہ (خدایا) تیری شان برتر اور تیرا رتبہ بلند ہے ۔حنفیہ کے نزدیک فرض اور نفل دونوں طرح کی نمازوں میں اس کا پڑھنا سنت ہے۔ ہاں اگر نماز پڑھنے والا مقتدی ہو اور امام نے قرأت شروع کردی ہو تو مقتدی "ثنا" نہ پڑھے۔ اگر کوئی ایک رکعت نکل جانے کے بعد جماعت میں شامل ہوا جب کہ امام دوسری رکعت میں تھا تو چاہیے کہ امام کے قرأت شروع کرنے سے پہلے ثنا پڑھ لے اور اسی طرح ہر رکعت میں اگر امام اپنی قرأت جہری یا سری شروع کردے تو مقتدی کے لیے "ثنا" کا پڑھنا مسنون نہیں ہے۔ اگر جماعت میں اس وقت شامل ہوا جب کہ امام رکوع یا سجود میں تھا تو اگر یہ توقع ہو کہ رکوع یا سجدہ سے اٹھنے سے پہلے امام کے ساتھ شامل ہوسکے گا تو ثنا پڑھ لینی چاہیے ورنہ نہیں (یعنی بغیر ثنا پڑھے شامل ہو جائے)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ دعائے افتتاح (ثنا) یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا تکبیر تحریمہ کے بعد یوں کہے: **وجھت وجھی للّذی فطر السمٰوات والارض حنیفاً مسلماً وماانا من المشرکین ان صلا تی ونسکی ومحیایی ومماتی للّٰہ رب العلیمین لاشریک لہ و بذالک امرت وانا من المسلین** ۔اور حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ الفاظ فرض نماز کی نیت سے پہلے کہے جائیں، جیسا کہ نیت کے بعد اور نفل نماز کی تکبیر تحریمہ کے بعد کہے جاتے ہیں۔ شافعیہ نے اس دعا (کے درست ہونے) کی پانچ شرطیں بتائی ہیں۔ ان کا ذکر سنن صلوٰۃ کے سلسلہ میں، جیسا کہ شافعیہ کے مسلک میں ہے، کیا جاچکا ہے۔ وہاں پر ملاحظہ کیا جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ دعائے افتتاح کے وہی الفاظ ہیں جو مسلک حنفیہ کے بیان میں مذکور ہوئے، اور ان الفاظ میں جن کا ذکر شافعیہ نے کیا ہے "ثنا" پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، بلکہ بہتر یہ ہے کہ دونوں طرح سے دعائے افتتاح وقتاً فوقتاً پڑھی جایا کرے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ دعائے افتتاح پڑھنا بقول مشہور مکروہ ہے، کیوں کہ صحابہؓ کا اس کو ترک کرنا ثابت ہے، اگرچہ جو حدیث اس باب میں آئی ہے وہ صحیح ہے اور حضرت مالک رضی اللہ عنہ سے اس کا مستحب ہونا منقول ہے۔ ثنا کے الفاظ یہ بتائے گئے ہیں: **سبحانک اللّٰھم و بحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الٰہ غیرک. وجھت وجھی للّذی فطر السمٰوات والارض حنیفاً الٰی آخر آیت** ۔اور یہ بتایا جاچکا ہے کہ بقول مشہور اس کا پڑھنا مکروہ ہے۔

Marfat.com

تعوذ (اعوذ باللہ) کہنے کا بیان

ائمہ فقہا میں سے تین اماموں کے نزدیک 'تعوذ' سنت ہے لیکن مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے۔
تعوذ کے باب میں ہر مسلک کے اقوال ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۱)

نماز میں تسمیہ (بسم اللہ الخ کہنے) کا بیان

حنفیہ کے نزدیک نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے تسمیہ سنت ہے۔ یعنی اس طرح کہنا:
بسم اللہ الرحمن الرحیم لیکن حنابلہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ یہ فرض ہے اور مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے۔ ان تمام اقوال کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ 'تعوذ' سنت ہے۔ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ اور ثناء مذکورہ کے بعد یوں کہنا چاہیے کہ ''**اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم**'' تعوذ پہلی رکعت کے علاوہ اور کسی رکعت میں نہ کہی جائے، خواہ کوئی امام ہو یا منفرد یا مقتدی، البتہ اگر مقتدی مسبوق ہو کہ امام کے قرأت شروع کرنے کے بعد جماعت میں شریک ہوا تو اب **اعوذ باللہ الخ** نہ پڑھنی چاہیے، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک قابل ترجیح قول یہ ہے کہ تعوذ قرآن پڑھنے کے لیے ہوتا ہے اور اس حال (مذکورہ) میں مقتدی کو قرآن پڑھنا ہی نہیں ہے (تو تعوذ کی کیا ضرورت؟)

شافعیہ کہتے ہیں کہ نماز کی ہر ایک رکعت میں 'تعوذ' سنت ہے اور اس کے لیے سب سے بہتر الفاظ ہیں: ''**اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم**۔'' اس کی تفصیل ان کے مسلک کے بیان میں ابھی ہو چکی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ فرض نماز میں تعوذ مکروہ ہے، آہستہ ہو یا اونچی آواز سے، البتہ نفل نماز میں آہستہ کہنا جائز ہے اور بقول مرجح اونچی آواز سے مکروہ ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں ''تعوذ'' سنت ہے اور سے طرح کہنا چاہیے: ''**اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم**''۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ امام اور منفرد ہر رکعت کے آغاز میں (**بسم اللہ الخ**) کہے، خواہ نماز سری ہو یا جہری۔ مقتدی تو قدرتی طور پر **بسم اللہ** نہ کہے گا کیونکہ حالت اقتدا میں اسے قرآن پڑھنا جائز ہی نہیں ہے۔

''**بسم اللہ الخ** 'دُعائے افتتاح (ثنا) اور تعوذ کے بعد پڑھنی چاہیے۔ اگر تعوذ یاد نہ رہا اور پہلے بسم اللہ پڑھ لی تو لازم ہے کہ تعوذ کے بعد پھر پڑھے۔ لیکن اگر بسم اللہ کہنا یاد نہیں رہا اور سورۃ فاتحہ شروع کر دی ہے تو اس کو جاری رکھے اور بقول صحیح پھر سے بسم اللہ نہ کہے۔ اور سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی سورۃ پڑھنے کے وقت بسم اللہ الخ کہنا مکروہ تو نہیں ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ نہ کہی جائے۔ نماز خواہ سری ہو یا جہری (سب کا یہی حکم ہے)۔ یاد رہے کہ بسم اللہ الخ نہ سورۃ فاتحہ کا جزو ہے اور نہ بقول صحیح کسی بھی سورۃ کا جزو ہے، البتہ یہ قرآن کا جزو ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ فرض نماز میں بسم اللہ کہنا مکروہ ہے، خواہ نماز سری ہو یا جہری۔ ہاں اگر نمازی کی نیت اختلاف کو

Marfat.com

قرأت لمبی کرنے یا نہ کرنے کا بیان

اور منجملہ سنتوں کے یہ ہے کہ نماز کے مختلف اوقات میں جیسا کہ بیان کیا جائے گا طوال مفصل (مفصل طویل سورتیں) یا قصار چھوٹی سورتیں یا اواسط درمیانہ درجہ کی سورتیں پڑھی جائیں۔ مسالک مختلفہ میں اس کی جو تعریف ہے ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

واضح ہو کہ طویل قرات اس کے لیے سنت ہے جو مقیم اور منفرد ہو۔ اگر کوئی حالت سفر میں ہے تو تین اماموں کے نزدیک طویل سورتوں کا پڑھنا سنت نہیں ہے۔ مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک

دور کرنا ہو (تو بسم اللہ کہہ لے)۔ اس صورت میں سورہ فاتحہ سے پہلے آہستہ سے بسم اللہ کہہ لینا مستحب ہے اور اونچی آواز سے کہنا مکروہ ہے۔ البتہ نفل نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے وقت ''بسم اللہ الخ'' پڑھنا جائز ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ بسم اللہ الخ قرآن شریف کی ایک آیت ہے، لہٰذا اس کا پڑھنا فرض ہے اور سری اور جہری نماز میں اس کا حکم وہی ہے جو سورۃ فاتحہ کا ہے۔ لہٰذا نماز پڑھنے والے کو چاہیے کہ جہری نماز میں اونچی آواز سے بسم اللہ الخ کہے، جیسا کہ سورۃ فاتحہ اونچی آواز سے پڑھی جاتی ہے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو نماز جاتی رہے گی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ بسم اللہ کہنا سنت ہے۔ اور ہر رکعت میں بسم اللہ آہستہ کہنی چاہیے۔ یہ سورۃ فاتحہ کی آیت نہیں ہے۔ اگر تعوذ سے پہلے بسم اللہ کہہ لیا تو اعوذ باللہ کہنا ساقط ہو جائے گا۔ اب اس کو حنفیہ کے قول کے مطابق پھر سے نہیں پڑھنا چاہیے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ''طوال مفصل'' (یعنی لمبی سورتیں) سورۃ الحجرات' سے سورۃ البروج تک ہیں اور درمیانی درجہ کی سورتیں سورۃ البرج سے سورۃ لم یکن تک ہیں اور چھوٹی سورتیں لم یکن سے سورۃ الناس تک ہیں۔ لمبی سورتیں فجر اور ظہر میں پڑھی جائیں۔ لیکن ظہر کی سورتیں فجر کی سورتوں سے چھوٹی ہوں۔ درمیانی درجہ کی سورتیں عصر اور عشاء میں اور چھوٹی سورتیں مغرب میں پڑھی جائیں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ طوال مفصل الحجرات سے لے کر سورۃ عم یتساءلون تک اور اواسط (درمیانی درجہ کی سورتیں) سورۃ عم سے والضحیٰ تک اور قصار (چھوٹی سورتیں) اس کے آگے ختم قرآن تک ہیں۔ لمبی سورتیں فجر اور ظہر کی نماز میں پڑھی جائیں، لیکن سنت یہ ہے کہ ظہر کی سورتیں فجر کی سورتوں سے چھوٹی ہوں۔ البتہ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں یہ سنت ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ (الم السجدہ) پڑھی جائے، اگرچہ یہ مفصل میں سے نہیں ہے۔ دوسری رکعت میں خاص طور پر سورۃ ھل اتی پڑھی جائے۔ عصر اور عشاء میں درمیانہ درجہ کی سورتیں اور مغرب میں چھوٹی سورت پڑھی جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ طوال مفصل سورۃ الحجرات سے اخیر والنازعات تک ہے۔ درمیانہ درجہ کی سورتیں اس کے بعد سے والضحیٰ تک اور چھوٹی سورتیں اس سے آگے ختم قرآن تک ہیں۔ طوال مفصل فجر اور ظہر میں پڑھی جائیں اور چھوٹی سورتیں عصر اور مغرب میں اور درمیانہ درجہ کی سورتیں عشاء میں پڑھی جائیں۔ مالکیہ کے نزدیک (سورتوں کا اس طرح

Marfat.com

ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱) امام کے لیے قرأت کا طویل کرنا ان شرائط پر موقوف ہے جس کی تفصیل مختلف مسلکوں میں کی گئی ہے۔ (۲)

پہلی رکعت کا دوسری رکعت سے زیادہ طویل قرأت کرنے اور حالت قیام میں دونوں قدموں کے درمیان فاصلہ رکھنے کا بیان

یہ بھی سنت ہے کہ ہر نماز کی پہلی رکعت میں بہ نسبت دوسری رکعت کے لمبی قرأت کی جائے۔ اگر دونوں رکعتوں میں برابر کی قرأت رکھی تو سنت فوت ہو جائے گی، اور اگر دوسری رکعت میں پہلے سے زیادہ طویل ہوئی تو مکروہ ہے۔ البتہ نماز جمعہ میں یہ سنت ہے کہ دوسری رکعت پہلی سے زیادہ لمبی ہو۔ زیادہ لمبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پہلی رکعت میں دوسری رکعت سے زیادہ آیتیں پڑھی جائیں۔ نماز جمعہ وعیدین اور مجمع کثیر کی حالت مستثنیٰ ہے۔ ان حالات میں دوسری رکعت کو پہلی سے زیادہ لمبی کرنا سنت ہے۔ حنفیہ اور

پڑھنا) مستحب ہے، سنت نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ طوال مفصل سورۂ ''ق'' سے سورۂ عم تک ہیں۔ درمیانی درجہ کی سورتیں اس کے آگے سورۃ والضحیٰ تک اور چھوٹی سورتیں اس کے آگے اخیر قرآن تک ہیں۔ طوال مفصل صرف فجر کی نماز میں پڑھی جائیں اور چھوٹی صرف مغرب میں اور درمیانہ درجہ کی سورتیں ظہر، عصر اور عشا میں۔ فجر وغیرہ میں بحالت عذر مثلاً سفر یا مرض کی حالت ہو تو اس سے زیادہ قرأت کرنا مکروہ ہے۔ اگر ایسا کوئی عذر نہ ہو تو محض فجر کی نماز میں مکروہ ہے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ منفرد کے لیے لمبی قرأت مستحب ہے، خواہ مسافر ہو یا مقیم۔

۲۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ امام کے لیے لمبی قرأت مسنون ہے، بشرطیکہ وہ محدود اشخاص کا امام ہو جو لمبی قرأت پر خوش ہوں اور اپنی خوشی کا اظہار کیا ہو۔ البتہ جمعہ کی صبح کو امام کے لیے طویل قرأت یعنی پوری سورۂ ''سجدہ'' اور سورۂ ھل اتی پڑھنا مسنون ہے خواہ مقتدی راضی نہ ہوں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ امام کا طویل قرأت کرنا چار شرطوں سے مستحب ہے:

اول یہ کہ وہ محصورین کا امام ہو۔

دوم یہ کہ لوگ طویل قرأت کا مطالبہ زبان سے کریں اور حال کا تقاضا بھی ہو۔

سوم یہ کہ امام کو یہ معلوم ہو کہ ان لوگوں میں برداشت کی طاقت ہے۔

چہارم یہ کہ امام کو یقین ہو کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی معذور نہیں ہے۔

اگر ان میں سے کوئی شرط نہ ہو مختصر قرأت ہی بہتر ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ لمبی قرأت جبھی مسنون ہے کہ امام جانتا ہو کہ مقتدیوں کو گرانی نہ ہوگی۔ لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ

Marfat.com

شافعیہ کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے، مالکیہ اور حنابلہ کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ [1]

حالت قیام میں دونوں قدموں کے درمیان فاصلہ رکھنا سنت ہے، بایں طور کہ نہ دونوں پاؤں باہم مل جائیں اور نہ بغیر کسی عذر کے، مثلاً مٹاپا وغیرہ فاصلہ درمیان میں زیادہ ہو۔ دونوں پاؤں کے درمیان فاصلہ کی مقدار متعین کرنے میں مسالک کا اختلاف ہے۔ [2]

رکوع اور سجود کی تسبیحوں کا بیان

منجملہ سنتوں کے یہ ہے کہ رکوع کی حالت میں "سبحان ربی العظیم [3] اور سجدے میں سبحان ربی الاعلی" کہا جائے۔ تسبیح کی کم سے کم تعداد جس سے سنت ادا ہو جائے کے بارے میں جو

انھیں گراں گزرے گا تو لمبی قرأت مکروہ ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے (ایک بار) فجر کی نماز معوذتین (اعوذ برب الفلق اور اعوذ برب الناس) کی سورتوں سے ادا فرمائی لوگوں نے تعجب سے سوال کیا کہ آپ نے نماز بہت مختصر کر دی؟ ارشاد ہوا: سمعت بکاء صبی فخشیت ان تفتتن امه" (یعنی میں نے ایک بچے کے رونے کی آواز سنی تو مجھے اندیشہ ہوا کہ مبادا اس کی ماں آزمائش میں پڑ جائے)۔ اس حدیث کے مفہوم میں کمزور، مریض اور اہل حاجت سب شامل ہیں۔

حنابلہ کہتے ہیں امام کا مقتدیوں کی حالت کے مطابق ہلکی نماز پڑھنا مسنون ہے۔

۱۔ مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ دوسری رکعت میں پہلی رکعت سے زیادہ دیر لگانا مستحب ہے، اگرچہ دوسری رکعت میں پہلی سے زیادہ (مقدار میں) قرأت کی گئی ہو۔ اس باب میں جمعہ اور دوسری نمازوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر دونوں رکعتوں میں برابر کا وقت لگا یا دوسری رکعت میں پہلے سے زیادہ دیر لگی تو یہ خلاف اولیٰ ہے۔ اس لیے کہ مالکیہ کے نزدیک مندوب (مستحب) اور سنت میں فرق ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا، بخلاف حنابلہ کے۔ اسی طرح شافعیہ مستحب اور سنت میں فرق نہیں کرتے۔ یہیں سے اتفاق اور اختلاف کا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔

۲۔ حنفیہ نے دونوں پیروں کے درمیان فاصلہ کی مقدار چار انگلی بتائی ہے کہ اگر اس سے کم یا زیادہ ہو تو مکروہ ہوگا۔

شافعیہ نے یہ مقدار ایک بالشت بتائی ہے۔ اور اس سے کم یا زیادہ فاصلہ رکھنا مکروہ بتایا ہے۔ اسی طرح ایک پاؤں کا دوسرے سے آگے ہونا بھی مکروہ ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ دونوں پیروں کے درمیان فاصلہ رکھنا مستحب ہے، سنت نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ دونوں پیروں کے درمیان موزوں فاصلہ ہونا چاہیے کہ نہ دونوں بالکل ملے ہوئے ہوں اور نہ دونوں میں اتنا فاصلہ ہو جسے عرف عام میں زیادہ قرار دیا جائے۔ حنابلہ اس بات میں مالکیہ سے متفق ہیں لیکن ان کے نزدیک اس کو مستحب کہا جائے یا سنت اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۳۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ رکوع اور سجود میں تسبیح کہنا مستحب ہے لیکن اس کے لیے الفاظ مقرر نہیں ہیں، تاہم بہتر یہی ہے کہ مذکورہ الفاظ میں تسبیح کہی جائے۔

Marfat.com

اختلاف مسالک ہے وہ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے اور اس کے متعلقہ اعمال کا بیان

سنت یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا رکوع کی حالت میں اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے۔ انگلیاں کھلی ہوں اور بازو پہلو سے جدا ہوں، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے حضرت انسؓ سے فرمایا کہ ''اذا رکعت فضع کفیک علی رکبتیک و فرج بین اصابعک و ارفع یدیک علی جنبیک '' (یعنی جب رکوع میں جاؤ تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھو۔ انگلیاں ایک دوسرے سے جدا اور اپنے ہاتھوں کو پہلوؤں سے اٹھائے رکھو۔ لیکن عورت کو بازو اور پہلوؤں کے درمیان خلا نہ رکھنا چاہیے، بلکہ چاہیے کہ دونوں بازو پہلو سے بھینچے رہیں، کیونکہ یہ عورت کے لیے زیادہ پردہ کا طریقہ ہے۔ یہ حکم تین اماموں کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

حالت رکوع میں پیٹھ اور گردن کو ایک سیدھ میں رکھنے کا بیان

سنت یہ ہے کہ نمازی حالت رکوع میں اپنی گردن اور پیٹھ کو ایک سیدھ میں رکھے کیونکہ آنحضرت ﷺ جب رکوع کرتے تھے تو پیٹھ ایسی سیدھی ہوتی تھی کہ اگر اس پر پانی ڈالے تو اس پر ٹھہرا رہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جب تک تین تسبیحیں نہ کہی جائیں سنت پوری نہیں ہوتی۔ اگر اس سے کم تعداد میں تسبیح کہی جائے تو سنت پوری نہ ہوگی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ان ہی (مذکورہ) الفاظ میں تسبیح کہنا واجب ہے۔ اس سے جو کچھ زیادہ کہا جائے گا وہ سنت ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ محض سنت تو تسبیح کے الفاظ، خواہ کچھ ہوں، ادا کرنے سے پوری ہو جاتی ہے، اگرچہ افضل یہی ہے کہ تسبیح مذکورہ بالا الفاظ میں کہی جائے۔ لیکن اس سے زیادہ گیارہ تسبیحوں تک جو کچھ زیادہ کہا جائے گا اس سے تسبیح زیادہ کامل ہوگی۔ البتہ امام بغیر کسی شرط کے تین تک اضافہ کر سکتا ہے، اس سے زیادہ نہ کہی جائے، سوا اس صورت کے جب کہ مقتدی اس پر راضی ہوں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ تسبیح کے لیے کوئی تعداد مقرر نہیں ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں کا گھٹنوں پر رکھنا اور بازوؤں کو پہلو سے دور رکھنا مستحب ہے، سنت نہیں ہے۔ رہا انگلیوں کا کھلا رکھنا یا بھینچنا اس کو نمازی کی اپنی مرضی پر چھوڑ دینا چاہیے۔ ہاں اگر گھٹنوں پر ہاتھ کا ٹکانا اسی پر موقوف ہو

Marfat.com

نیز سر کو ٹھوڑی کی سیدھ میں ہونا چاہیے، کیونکہ آنحضرت ﷺ جب رکوع کرتے تھے تو سر مبارک کو نہ اونچا فرماتے تھے اور نہ جھکا رکھتے تھے۔ اس کے سنت ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

سجدے کے لیے جھکنے اور اس سے اٹھنے کا طریقہ

سنت یہ ہے کہ سجدے کے لیے جھکے تو پہلے اپنا گھٹنا، پھر ہاتھ اور پھر چہرے کو ٹکائے، اور جب کھڑے ہونے کے لیے سجدے سے اٹھے تو اس ترتیب کے برعکس پہلے چہرے کو اٹھائے پھر ہاتھوں اور گھٹنوں کو اٹھائے۔ اس مسئلہ میں حنفیہ اور حنابلہ میں اتفاق ہے۔ شافعیہ اور مالکیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو (۱) لیکن یہ اسی صورت میں ہے کہ جبکہ کوئی معذوری نہ ہو۔ ہاں اگر ضعف لاحق ہو، یا موزہ پہن رکھا ہو یا ایسی ہی کوئی بات ہو تو سب اس پر متفق ہیں کہ جس طرح بن پڑے عمل کیا جائے۔

سجدے کی حالت میں دونوں ہاتھ رکھنے کا طریقہ اور اس کے متعلقہ امور

سجدہ کی حالت میں نمازی کو دونوں ہاتھ مونڈھوں کے مقابل رکھنے چاہیے۔ انگلیاں جڑی ہوئی ہوں اور ان کے سرے قبلہ کی جانب ہوں۔ اس مسئلے میں شافعیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے۔

مالکیہ اور حنفیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

اور یہ بھی سنت ہے کہ مرد سجدے میں اپنے پیٹ کو زانو سے کہنیوں کو پہلوؤں سے اور بازوؤں کو زمین سے جدا رکھے یہ اس صورت میں ہے کہ جب کہ ساتھ والے نمازی کو زحمت نہ ہو۔ ایسا ہوا تو یہ سنت کی بجائے حرام ہوگا۔ مندرجہ بالا حکم اس لیے سنت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب سجدہ کرتے تو ہاتھ اور پہلو

(تو کھلا رکھنا چاہیے)

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ سجدہ سے کھڑے ہونے کے لیے اٹھتے وقت ہاتھ سے پہلے گھٹنوں کو اٹھانا سنت ہے۔ پھر دونوں ہاتھوں پر سہارا دے کر کھڑا ہونا چاہیے۔ خواہ نماز پڑھنے والا قوت رکھتا ہو یا عورت ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ سجدہ میں جاتے وقت دونوں ہاتھوں (کے ٹکانے) سے پہلے گھٹنوں کو رکھنا چاہیے، اور اگلی رکعت کے لیے کھڑے ہوتے وقت ہاتھوں کو گھٹنے کے بعد اٹھانا چاہیے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ سجدے میں دونوں ہاتھوں کو کانوں کے مقابل یا ان کے قریب رکھنا سنت ہے۔ ساتھ ہی انگلیاں ملی رہیں اور ان کے سرے قبلہ کی جانب ہوں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ چہرے کو دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھا جائے، اگر شانوں کے مقابل رکھا تب

Marfat.com

کے درمیان خلار کھتے اور پیٹ کو زانو سے دور رکھتے تھے۔لیکن عورت کے لیے، پردہ کا لحاظ کرتے ہوئے یہی سنت ہے کہ پیٹ کو زانو سے بھینچ رکھے۔اس مسئلہ میں سنت ہونے کے متعلق بجز مالکیہ کے سب کو اتفاق ہے۔مالکیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

نماز میں اونچی آواز سے قرآن پڑھنے کا بیان

منجملہ سنتوں کے یہ ہے کہ مغرب اور عشاء کی ابتدائی دو رکعتوں میں اور فجر اور جمعہ کی دونوں رکعتوں میں قرآن اونچی آواز سے پڑھا جائے، خواہ کوئی امام ہو یا منفرد۔اس میں مالکیہ اور شافعیہ کا اتفاق ہے۔حنفیہ اور حنابلہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

نماز میں کس قدر اونچی آواز سے یا کس قدر آہستہ پڑھنا چاہیے

پنج وقتہ فرائض میں سے (جہری نماز کے علاوہ) باقی نمازوں میں ہر نمازی کے لیے آہستہ پڑھنا سنت ہے۔ائمہ فقہا میں سے تین امام اس کو سنت کہتے ہیں، مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ مستحب ہے سنت نہیں ہے باقی رہا یہ کہ فرائض کے علاوہ دوسری نمازوں مثلاً وتر وغیرہ نوافل میں کس قدر اونچی آواز سے یا کتنا آہستہ

بھی سنت ادا ہو جائے گی۔

۱۔مالکیہ کہتے ہیں کہ مرد کے لیے پیٹ کو زانو سے، کہنیوں کو گھٹنے سے اور بازوؤں کو پہلوؤں سے مناسب حد تک دور رکھنا مستحب ہے۔

۲۔حنفیہ کہتے ہیں کہ جہر (اونچی آواز سے پڑھنا) امام کے لیے واجب اور تنہا گزار کے لیے سنت ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔نیز جہری نمازوں میں منفرد کو اونچی آواز سے یا آہستہ پڑھنے کا اختیار ہے، یعنی چاہے تو اونچی آواز سے پڑھے اور چاہے تو آہستہ پڑھے۔تاہم اونچی آواز سے پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔یہی حکم جہری نماز کے اندر مسبوق (بعد میں شامل ہونے والے) کا ہے جو جمعہ کی یا فجر، عشاء یا مغرب کی ایک رکعت نکل جانے کے بعد جماعت میں شامل ہوا اور (امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھنے کے بعد) اپنی رکعت پوری کرنے کے لیے کھڑا ہوا تو اسے اختیار ہے کہ (اس رکعت میں) آہستہ پڑھے یا اونچی آواز سے پڑھے۔جہری نماز کی ادا ہو یا قضا بقول صحیح (اس حکم میں) کوئی فرق نہیں پڑتا۔مثلاً (کسی کی نماز عشاء جاتی رہی اور کسی اور وقت اسے ادا کرنا چاہا تو اختیار ہے چاہے قرأت آہستہ کی جائے اونچی آواز سے۔اگر سری نماز ہو تو منفرد کو اس میں اختیار نہیں ہے، بلکہ بقول صحیح اسے آہستہ پڑھنا واجب ہے، چنانچہ اگر عصر یا ظہر کی نماز اونچی آواز سے پڑھی تو اسے ترک واجب قرار دیا جائے گا اور سجدہ سہو واجب ہوگا، کیونکہ صحیح قول یہ مانا گیا ہے کہ آہستہ پڑھنا واجب ہے۔یاد رہے کہ مقتدی کو بہر حال خاموش رہنا واجب ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ منفرد کو اختیار ہے کہ جہری نماز کو آہستہ پڑھے یا اونچی آواز سے۔

Marfat.com

پڑھنا چاہیے؟ اس کی بابت فقہا کے مسالک تفصیل طلب ہیں۔ ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔[1] نیز یہ کہ مرد اور عورت کی آواز کس قدر اونچی اور کتنی نیچی ہو، اس کی بابت مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[2]

جلوس فی الصلوٰۃ (نماز میں بیٹھنے) کا طریقہ

سنت یہ ہے کہ نمازی بیٹھ کر نماز میں اپنے دونوں ہاتھ زانو پر رکھ لے اس طرح پر کہ بیٹھنے کی حالت میں ہاتھ کی انگلیاں گھٹنوں پر اور قبلہ کی جانب رہیں۔ اس مسئلے میں شافعیہ اور حنفیہ متفق ہیں مالکیہ اور

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ رات کی تمام نفلوں میں اونچی آواز سے اور دن کے نوافل میں آہستہ پڑھنا مستحب ہے۔ لیکن ایسے نوافل جن کے ساتھ خطبہ ہوتا ہے، جیسے عید یا استسقا کی نماز اس میں اونچی آواز سے پڑھنا مستحب ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ عید، استسقاء، سورج گرہن اور تراویح کے بعد کی وتر نمازیں اونچی آواز سے پڑھنا سنت ہے۔ ان کے علاوہ باقی نمازیں آہستہ پڑھی جائیں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ عیدین، چاند گرہن، استسقاء، تراویح، رمضان کے واتر اور طواف کی دو رکعتیں رات کی ہوں یا صبح کی، ان تمام نمازوں میں اونچی آواز سے پڑھنا، ان کے علاوہ تمام نوافل میں آہستہ پڑھنا سنت ہے بجز رات کے مطلق نوافل کے جس میں کبھی اونچی آواز سے اور کبھی آہستہ پڑھنے میں اعتدال ملحوظ رکھنا چاہیے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اونچی آواز کم سے کم یہ ہے کہ پاس کا آدمی سن سکے اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے۔ اور آہستہ پڑھنا کم سے کم یہ ہے کہ محض زبان ہلے، اور زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ فقط اپنے تئیں سنائی دے۔ عورت کی اونچی آواز کا ایک ہی درجہ ہے اور یہ ہے کہ صرف اپنے تئیں سنائی دے اور آہستہ آواز کا مطلب بقول معتمدیہ ہے کہ صرف زبان ہلے (اور آواز نہ نکلے)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ کم سے کم اونچی آواز یہ ہے کہ پاس کا آدمی سن لے، خواہ ایک ہی شخص ہو۔ اس (تعریف) میں مرد اور عورت کے درمیان فرق نہیں ہے، لیکن عورت کو غیر محرم کی موجودگی میں آواز اونچی نہ کرنی چاہیے۔ کم سے کم آہستہ آواز یہ ہے کہ اگر مانع سماعت کوئی امر نہ ہو تو صرف اپنے تئیں (وہ آواز) سنائی دے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اونچی آواز کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ پاس کا آدمی سن سکے، خواہ ایک ہی شخص ہو۔ اور کم سے کم سے آہستہ آواز یہ ہے کہ صرف اپنے آپ کو سنائی دے۔ عورت کے لیے اونچی آواز سے پڑھنا سنت نہیں ہے۔ تاہم اگر غیر محرم موجود نہ ہو تو اونچی آواز سے (نماز) پڑھنے میں حرج نہیں ہے، اگر غیر محرم سنتا ہو تو اسے اونچی آواز نکالنے سے منع کیا جائے گا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ کم سے کم درجہ اونچی آواز کا یہ ہے کہ دوسرا آدمی جو اس کے نزدیک نہیں ہے، مثلاً اگلی صف والا سن سکے۔ اگر محض دو ایک آدمی سن سکیں تو اسے اونچی آواز نہیں کہا جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ اونچی آواز کی کوئی حد نہیں

Marfat.com

حنابلہ کو اس سے اختلاف ہے۔ ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

نماز میں بیٹھنے کی ہیئت کیسی ہو؟ اس بارے میں مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[2]

ہے۔ کم سے کم ہلکی آواز یہ ہے کہ خود کو، یا قریب کے دو ایک آدمیوں کو سنائی دے۔ زبان کا صحت حروف کے ساتھ صرف ہلانا بقول صحیح جائز نہیں ہے۔ عورت کے متعلق ستر عورت کے باب میں بتایا جا چکا ہے کہ اس کی آواز بقول معتمد ''ستر'' میں داخل نہیں ہے۔ لہٰذا نماز میں قرأت اونچی کرنے کے مسئلہ میں مرد اور عورت کی درمیان کوئی فرق نہیں۔ تاہم شرط یہ ہے کہ آواز میں نہ تو نغمگی ہو، نہ نرمی نہ گنگری کہ اس کو سن کر مرد کے اندر بری خواہشات کا ہیجان ہو۔ اگر ایسی آواز ہوئی تو وہ ستر کے حکم میں ہے اور اس طرح کی اونچی آواز میں پڑھنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور عورتوں کو اذان دینے کی جو ممانعت ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ ہاتھوں کا زانو پر رکھنا مستحب ہے، سنت نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ زانو پر دونوں ہاتھ رکھنے سے سنت ادا ہو جاتی ہے، انگلیوں کے سرے کا گھٹنوں پر ہونا ضروری نہیں ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ مرد اور عورت دونوں کے لیے ''افضا'' مستحب ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ بائیں پاؤں کو بائیں کولھے کے ساتھ زمین پر ٹکایا جائے اور بائیں پاؤں کو دائیں پاؤں کی طرف موڑ لیا جائے۔ دایاں پاؤں اپنی جگہ پر قائم رہے۔ اس طرح کہ دائیں پاؤں کے انگوٹھے کا زیریں حصہ زمین پر رہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ مرد کے لیے سنت یہ ہے کہ بائیں پاؤں کو بچھادے اور دائیں کو کھڑا رکھے۔ اس کی انگلیاں قبلہ کی جانب ہوں، بایں طور کہ دائیں پاؤں کی انگلیوں کا نچلا حصہ حتی المقدور قبلہ کی جانب رہے۔

عورت کے لیے تورک کرنا سنت ہے۔ یعنی عورت کی نشست کولھوں کے بل ہونی چاہیے۔ ایک زانو کو دوسرے زانو کے اوپر رکھ کر پیروں کو دائیں سرین کے نیچے سے باہر کی جانب نکال دے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ افتراش سنت ہے یعنی بائیں پاؤں کے تلوے پر بیٹھے اور اپنے دائیں پاؤں کو نماز کی تمام نشستوں میں کھڑا رکھے بجز جلسہ (نشست) اخیرہ کے کہ اس میں تورک سنت ہے، اس طرح پر کہ بائیں سرین کو زمین پر ٹکا دے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھے۔ البتہ اگر سجدہ سہو کرنے کا ارادہ ہو تو آخری نشست میں تورک سنت نہیں ہے، بلکہ اس صورت میں افتراش سنت ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ دونوں سجدوں کے درمیان اور تشہد اول میں افتراش سنت ہے، یعنی بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھے اور اس کو اپنے نیچے سے باہر رکھے۔ اور انگلیاں ملا کر قبلہ کی جانب رکھی جائیں۔ لیکن تین اور چار رکعت والی نمازوں میں آخری تشہد کے وقت تورک سنت ہے (افتراش نہیں) یعنی بائیں پاؤں کو بچھالے اور دائیں

Marfat.com

تشہد میں کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرنے اور سلام پھیرنے کا بیان

تشہد میں کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرنا بموجب تفصیل مسالک سنت ہے۔(۱) نیز پہلا سلام پھیرتے وقت دائیں جانب مڑنا سنت ہے۔ مڑنا اس قدر چاہیے کہ دایاں رخسار نظر آ جائے۔ اور دوسرا سلام پھیرتے وقت بائیں جانب اتنا مڑنا چاہیے کہ بایاں رخسار دکھائی دے جائے۔ اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے بجز مالکیہ کے ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۲)

پاؤں کو کھڑا رکھے، یا دائیں طرف سے باہر نکال کر اپنے دونوں سرین زمین پر رکھ دے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ مستحب طریقہ یہ ہے کہ تشہد کے لیے بیٹھ کر انگوٹھے اور کلمہ کی انگلی چھوڑ کر باقی انگلیوں کو انگوٹھے کے نیچے بھینچ لیا جائے اور کلمہ کی انگلی اور انگوٹھے کو سیدھا رکھا جائے اور کلمہ کی انگلی کو دائیں بائیں معتدل جنبش دی جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ کلمہ کی انگلی صرف دائیں ہاتھ کی ہلائی جاسکتی ہے۔ اگر وہ انگلی کٹی ہوئی ہو یا اس میں کوئی مرض ہو تو اس کی بجائے دائیں ہاتھ یا بائیں ہاتھ کی کسی اور انگلی سے تشہد کے دوران اشارہ نہ کیا جائے۔ اشارہ کا طریقہ یہ ہے کہ (تشہد میں) اس وقت کلمہ کی انگلی کو اٹھایا جائے جب غیر اللہ کی الوہیت کی نفی کرنے والے الفاظ لا الٰہ کہے جائیں، اور جب الا اللہ کہا جائے تو انگلی جھکالی جائے۔ گویا انگلی کا اٹھانا (غیر اللہ کی) الوہیت سے انکار اور اس کا جھکا لینا اللہ کی الوہیت کے اقرار کی علامت ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ چھنگلیا اور ساتھ کی انگلی کو بھینچ لیا جائے اور بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر حلقہ بنالیا جائے، اور پھر تشہد اور دعا میں جب اللہ کا نام آئے تو کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرنا چاہیے اور ہلانا نہیں چاہیے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ کلمہ کی انگلی جو انگوٹھے کے ساتھ ہے اسے چھوڑ کر دائیں ہاتھ کی تمام انگلیوں کو بھینچ لینا چاہیے اور جب تشہد اور دعا میں الا اللہ کے لفظ پر پہنچے تو کلمہ کی انگلی سے اشارہ کیا جائے اور اس انگلی کو تشہد اول میں قیام کے لیے اٹھنے تک اور تشہد ثانی میں سلام پھیرنے تک بغیر ہلائے اسی طرح کھلا رکھے۔ اور نگاہ کلمہ کی انگلی پر ہو۔ اور بہتر یہ ہے کہ انگوٹھا اس کے اوپر جما رہے یا پھر یہ کہ جس طرح سہولت ہو اسی طرح رہنے دے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ مقتدی کے لیے سلام التحلیل (خاتمہ نماز کا سلام) دائیں طرف سے کرنا مستحب ہے۔ اور سلام التحلیل وہ ہے جس کے ساتھ نماز کو ختم کیا جاتا ہے، اور قبلہ کی طرف رخ رکھتے ہوئے امام کو سلام کرنا سنت ہے۔ اسی طرح اس مقتدی کو بھی سلام کرنا سنت ہے جو ایک یا ایک سے زیادہ رکعت میں بائیں جانب سے جماعت کے اندر شامل رہا ہو۔

منفرد اور امام دونوں صرف ایک بار سلام پھیریں جس کو تسلیمۃ التحلیل (یعنی نماز ختم کرنے والا اسلام) کہتے ہیں، اور مستحب یہ ہے کہ الفاظ سلام کی ابتدا قبلہ کی جانب رخ رکھتے ہوئے کی جائے اور دائیں جانب مڑ کر لفظ علیکم کے حرف ''ک م'' پر سلام ختم کیا جائے۔ مڑنا اتنا چاہیے کہ پیچھے والا ان کے چہرے کو دیکھ سکے۔ تسلیمۃ التحلیل کے علاوہ اور

Marfat.com

دونوں طرف سلام پھیرنے کے وقت نمازی کی نیت کا بیان

سنت یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا پہلے سلام میں دائیں جانب والوں کی نیت کرے اور دوسرے سلام میں بائیں جانب والوں کی نیت کرے۔ اس بارے میں مختلف مسلکوں کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

آخری تشہد میں نبی ﷺ پر درود بھیجنے کا بیان

آخری تشہد میں نبی ﷺ پر درود بھیجنا سنت ہے اور سب سے بہتر درود یوں ہے: "**اللّٰھم صلی علی محمد و علیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم و علیٰ آل ابراھیم و بارک علی محمد و علیٰ آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم فی العلمین انک حمید مجید**" (یعنی اے اللہ رحمت کاملہ نازل فرما محمد اور آل محمد پر جس طرح تو نے رحمت کاملہ نازل فرمائی "ابراہیم اور آل ابراہیم اور برکت نازل فرما محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ پر جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی

سلاموں میں سلام علیکم اور "علیک السلام" کہنا جائز ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ سلام میں الفاظ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کا اضافہ مطلق نہ کیا جائے۔ البتہ اگر حنفیہ کے اختلاف کو دور کرنے کا خیال ہو تو دائیں اور بائیں جانب مڑتے ہوئے ورحمۃ اللہ کے الفاظ کا اضافہ کرلیا جائے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ سلام پھیرنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے دائیں جانب اور پھر بائیں جانب سلام پھیرا جائے اور اتنا مڑا جائے کہ دائیں اور بائیں رخسار دکھائی دے جائیں۔ اگر بھولے سے پہلے بائیں جانب سلام پھیر لیا تو اب صرف دائیں طرف سلام پھیرا جائے، بائیں جانب سلام دوبارہ نہ پھیرا جائے۔ ہاں اگر منہ کو سامنے رکھے ہوئے سلام پھیرا تو اب دائیں اور بائیں جانب مڑ کر سلام پھیرنا چاہیے۔ اور سنت یہ ہے کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا جائے اور یہ کہ دوسرے سلام کی آواز پہلے کی بہ نسبت ہلکی ہو۔ پھر اگر امام ہو تو ضمیر مخاطب سے (جو السلام علیکم میں ہے) نماز پڑھنے والے مسلمانوں، جنوں اور فرشتوں کا ارادہ کیا جائے۔ اگر مقتدی ہو تو اپنے امام اور نمازیوں کی نیت کرے۔ اگر تنہا گزار ہو تو حفاظت کرنے والے فرشتوں کی نیت کرنا چاہیے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ سلام میں ان فرشتوں اور مومنین انس وجن کی نیت کی جائے جنہیں سلام نہیں بھیجا گیا۔ نیز ان اماموں اور مقتدیوں کے سلام کا جواب دینے کی نیت کی جائے جنہوں نے شروع سے اخیر تک اس پر سلام بھیجا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ سلام میں نماز سے فارغ ہونے کی نیت کرنا سنت ہے۔ فرشتوں اور دوسرے شریک جماعت نمازیوں کی نیت کرنا سنت نہیں ہے۔ لیکن اگر نیت ختم صلوٰۃ کے ساتھ ملائکہ حفظہ (حفاظت کرنے والے فرشتوں) اور نماز میں شریک ہونے والوں کی نیت کرلی تو مضائقہ نہیں۔

Marfat.com

ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر'' پر دونوں جہاں میں۔ بلا شبہ تیری ذات ستودہ اور باعظمت ہے)۔ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک یہ الفاظ عنت ہیں۔ شافعیہؒ اور حنابلہ کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۱)

آخری تشہد میں دعا مانگنے کا بیان

تشہد اخیرہ میں نبی ﷺ پر درود بھیجنے کے بعد دعا مانگنا سنت ہے۔ اس کے متعلقہ مسالک فقہا تفصیل طلب ہیں۔ (۲)

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر نمازی امام نہ ہو تو سلام اول میں نماز سے باہر آنے اور فرشتوں پر سلام بھیجنے کی نیت کرے۔ اگر امام ہو تو نماز ختم کرنے کی نیز فرشتوں اور مقتدیوں پر سلام بھیجنے کی نیت کرے۔ امام اور منفرد کو اس کے علاوہ اور کوئی نیت نہ کرنی چاہیے۔ بخلاف مقتدی کے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

۱۔ شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ تشہد ثانی میں نبی ﷺ پر درود بھیجنا فرض ہے، جیسا کہ ان میں سے ہر ایک کے مسلک کی تفصیل فرائض صلوٰۃ کے بیان میں بتائی جا چکی ہے۔

حنابلہ کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے ''اللّٰھم صلی علیٰ محمد و علی آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم انک حمید مجید و بارک علیٰ محمد و علیٰ آل محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید''۔

شافعیہ نے تشہد میں سیدنا کے لفظ کا اضافہ کیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں سیدنا محمد و سیدنا ابراھیم۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ایسے الفاظ میں دعا مانگنا جو الفاظ قرآن سے ملتے ہوں سنت ہے، مثلاً یوں کہا جائے ''ربنا لاتزغ قلوبنا '' (یعنی اے پروردگار ہمارے دلوں میں کجی نہ ڈال) یا پھر ایسے الفاظ میں دعا کی جائے جو الفاظ حدیث سے ملتے ہوں، مثلاً یوں کہنا کہ ''اللّٰھم انی ظلمت نفسی ظلماً کثیراً و انہ لا یغفر الذنوب الا انت فاغفرلی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم''۔ (یعنی اے اللہ میں نے اپنے اوپر بہت ظلم کیا اور حقیقت یہ ہے کہ تیرے سوا اور کوئی میری مغفرت نہیں کر سکتا۔ تو اپنے کرم سے میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما۔ بلاشبہ تو سب سے زیادہ بخشش کرنے اور رحم کرنے والا ہے)۔ ایسی دعا نہ مانگی جائے جو انسانوں سے گفتگو کے مشابہ ہو، مثلاً یوں کہنا کہ ''اللّٰھم زوجنی فلانۃ '' (یعنی اے خدا فلانی عورت سے میری شادی کر دے) یا ''اعطنی کذامن الذھب و الفضۃ و المنصب '' (یعنی مجھ کو اس قدر سونا، چاندی، یا عہدہ عطا فرما) اگر مقدار تشہد بیٹھنے سے پہلے ایسا کیا تو نماز جاتی رہے گی۔ اور اگر اس کے بعد سلام سے پہلے کیا تو واجب فوت ہو جائے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جلوس آخر (آخری نشست) میں نبی ﷺ پر درود بھیجنے کے بعد دعا مانگنا مستحب ہے اور چاہیے کہ دنیا و آخرت کی بھلائی کے لیے دعا مانگی جائے۔ اور بہتر وہ دعا ہے جو حدیث میں آئی ہے۔ منجملہ ان کے یہ ہے: ''اللّٰھم اغفرلنا و لو الدینا ولا نمتنا ولمن سبقنا بالایمان مغفرہ عزماً''. ''اللّٰھم اغفرلنا ما قدمنا و ما اخرنا و ما اسررنا وما اعلنا وما انت اعلم بہ منا ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃً و فی الاخرۃ حسنۃً و قنا عذاب

Marfat.com

مندوبات صلوٰۃ (نماز کے مستحبات) کا بیان

سابقاً یہ بتایا جا چکا ہے کہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مندوب سنت اور مستحب میں کوئی فرق نہیں۔ ان کے نزدیک ان تمام الفاظ کے ایک ہی معنی ہیں۔

نماز کی سنتوں کا ذکر تفصیلی اور اجمالی طور پر اس سے پہلے ہو چکا ہے ان سب کو وہ اصحاب مندوب اور مستحب کہتے ہیں اور اسی کو وہ سنتوں سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن مالکیہ اور حنفیہ مندوب اور سنت میں فرق کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک جو امور مندوب مستحب ہیں، ان کا بیان ذیلی حاشیے میں کیا گیا ہے۔ (۱)

النار "(یعنی اے اللہ مکمل طور پر ہماری مغفرت فرما دے۔ ہمارے والدین اور ہمارے اماموں اور ان کی بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں، خدایا ہماری اگلی پچھلی خطاؤں کو اور کھلی ڈھکی باتوں کو نیز ہماری ان کوتاہیوں کو جن کا علم ہم سے زیادہ تجھ کو ہے بخش دے۔ اے ہمارے رب ہمیں دنیا کی نیکیاں اور آخرت کی خوبیاں عطا فرما اور عذاب جہنم سے محفوظ رکھ)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ پر درود بھیجنے کے بعد اور سلام پھیرنے سے پہلے دین و دنیا کی بھلائی کے لیے دعا مانگنا سنت ہے۔ کسی ناجائز مقصد یا امر محال کی دعا یا مشروط کا مانگنا جائز نہیں ہے۔ اگر ایسی کوئی دعا مانگی تو نماز جاتی رہے گی۔ بہتر یہ ہے کہ ایسی دعا مانگی جائے جو آنحضرت ﷺ سے مروی ہے، مثلاً یوں کہنا کہ "اللّٰھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم به منی انت المقدم و انت المئوخر لا اله انت "۔ مسلم (یعنی اے خدا میرے اگلے پچھلے اور کھلے ڈھکے اعمال اور میری زیادتیوں کو اور ان تمام کوتاہیوں کو جن کا علم تجھ کو مجھ سے زیادہ ہے، معاف فرما دے تو اول بھی ہے اور آخر بھی۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے)۔ نیز سنت یہ ہے کہ امام اپنی دعا مقدار تشہد و درود سے زیادہ لمبی نہ کرے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ آخری تشہد میں درود کے بعد نمازی کا دعا مانگنا سنت ہے۔ یوں کہا جائے کہ: "اعوذ بالله من عذاب جهنم و من عذاب القبر و من فتنة المحيا و الممات و من فتنة المسيح الدجال "(یعنی میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں جہنم کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے اور زندگی و مرگ کی آزمائشوں سے اور مسیح دجال کے فتنے سے) غرض جن امور کے لیے دعا روایات میں آئی ہے، یا امور آخرت کی بھلائی کے لیے دعا مانگی جا سکتی ہے، اگرچہ اس کے الفاظ وہی نہ ہوں جو روایات میں آئے ہیں۔ نیز کسی خاص شخص کے لیے بھی دعا مانگی جا سکتی ہے، لیکن اس شخص کے حق میں ضمیر خطاب کا کاف استعمال نہ ہوا ہو، کیونکہ کاف خطاب والی دعا مانگنے سے نماز جاتی رہتی ہے، مثلاً یوں کہنا "اللّٰھم ادخلک الجنة یا والدی "(یعنی اے میرے باپ اللہ تجھے جنت میں داخل کرے)۔ اگر یوں کہا جائے اللّٰھم ادخله الجنة (یعنی خدایا اس کو جنت میں داخل کر) تو مضائقہ نہیں۔ ایسی دعا نہ مانگنی چاہیے جس کا مقصد دنیا کی لذتوں اور ان کی خواہشات کو پورا کرنا ہو، مثلاً یہ کہنا کہ "اللّٰھم ارزقنی جارية حسناء او طعاماً لذیذاً "وغیرہ (یعنی اے خدا مجھے حسین لڑکی یا لذیذ کھانا عطا فرما) ایسا کرنے سے نماز جاتی رہے گی۔ نیز اگر مقتدیوں پر گراں نہ ہو تو طویل دعا مانگنے میں مضائقہ نہیں ہے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ نماز میں اڑتالیس امور مستحب ہیں:

Marfat.com

ادا یا قضا جیسی بھی صورت ہو اس کی نیت کرنا۔

تعداد رکعت یعنی جتنی رکعت پڑھنی ہے اس کی نیت کرنا۔

خشوع یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت و ہیبت کا تصور اور یہ کہ اس کے سوا کسی کی عبادت مقصود نہیں ہے یہ مستحب ہے اور خشوع فی الجملہ واجب ہے۔

صرف تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کا مونڈھوں تک اٹھانا اور وقار کے ساتھ ان کا چھوڑ دینا۔

پوری سورۂ فاتحہ کا پڑھنا۔

نماز فجر و ظہر میں لمبی قرأت کرنا لیکن یہ خیال رہے کہ ظہر کی نماز میں فجر کی بہ نسبت قرأت کم کی جائے۔

عصر اور مغرب کی نمازوں میں مختصراً قرأت کرنا۔

عشاء کی نماز میں معتدل قرأت کرنا۔

دوسری رکعت میں پہلی رکعت کی بہ نسبت تھوڑا وقت لگانا۔

دونوں رکعتوں میں برابر کا وقت لگانا۔ دوسری رکعت کو پہلی رکعت کی بہ نسبت زیادہ طول دینا خلاف اولیٰ ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

سری نمازوں میں اس طرح قرأت کرنا کہ نمازی خود سن سکے۔

سری نمازوں میں مقتدی کا قرأت کرنا۔

مقتدی اور منفرد کا سری اور جہری دونوں نمازوں میں آمین کہنا۔

امام کا صرف سری نمازوں میں آمین کہنا۔

آمین کا آہستہ آواز سے کہنا۔

رکوع کی حالت میں نمازی کا پیٹھ کو سیدھا رکھنا۔

ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنا۔

نیز گھٹنوں کو ہاتھوں سے پکڑنا۔

گھٹنوں کو سیدھا رکھنا۔

رکوع کے اندر تسبیح میں **سبحان ربی العظیم** کہنا، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

مرد کا اپنی کہنیوں سے پہلو کو جدا رکھنا۔

منفرد اور مقتدی کا تحمید **سبحانک اللّٰھم** پڑھنا۔

جھکتے اور اٹھتے وقت تکبیر کہنا۔

البتہ دو رکعت کے بعد کھڑے ہوتے وقت تکبیر کے لیے پورے طور پر اٹھ جانے کا انتظار کرنا چاہیے۔

دو رکعت کے بعد مقتدی کا اس وقت تک تکبیر نہ کہنا جب تک کہ اس کا امام نہ اٹھ جائے۔

سجدے کے اندر پیشانی کو جما کر رکھنا۔

Marfat.com

سجدے میں جاتے وقت گھٹنوں سے پہلے دونوں ہاتھوں کا رکھنا۔

اور کھڑے ہوتے وقت گھٹنوں کے بعد ہاتھوں کو اٹھانا۔

دونوں ہاتھوں کو (سجدے میں) کانوں کے مقابل یا ان کے قریب رکھنا۔

دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو پیوستہ اور ان کے سروں کو قبلے کی جانب رکھنا۔

مرد کو سجدے کے اندر دونوں کہنیوں کو گھٹنوں سے، پیٹ کو زانو سے اور بازوؤں کو پہلوؤں سے دور رکھنا، لیکن فاصلہ نہ کم ہو نہ زیادہ۔

عورت کو اپنے تئیں بھینچ کر رکھنا چاہیے، تاکہ پردے کا خیال رکھا جا سکے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

سجدے میں ٹھڈی (ریڑھ کی نچلی ہڈی) کو اٹھا رکھنا۔

سجدے میں دعا کرنا اور تسبیح پڑھنا۔

تمام جلسوں (حالت نشست) میں کھل کر بیٹھنا، اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔

حالت نشست میں دونوں ہتھیلیوں کو ران کے سرے پر رکھنا اور بیٹھ کر دونوں زانوؤں کے درمیان فاصلہ رکھنا۔

تشہد کے لیے بیٹھنے کے وقت انگوٹھے اور کلمہ کی انگلی کو چھوڑ کر دائیں ہاتھ کی باقی انگلیوں کو انگوٹھے کے نیچے بھینچ لینا، اور کلمہ کی انگلی اور انگوٹھے کو کھلا رکھنا۔

کلمہ کی انگلی کو دائیں بائیں ہلاتے رہنا۔

خاص صبح کی نماز میں دعا پڑھنا۔ یہ دعا دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے پڑھنی چاہیے۔ اس کے مقررہ الفاظ یہ ہیں:

''اللّٰھم انا نستعینک و نستغفرک و نومن بک و نتوکل علیک و نخضع لک و نخلع و نترک من یکفرک . اللّٰھم ایاک نعبد و لک نصلی و نسجدو الیک نسعیٰ و نحفدو نرجو رحمتک و نخاف عذابک الجد. ان عذابک بالکافرین ملحق''۔

(یعنی خدایا ہم تیری مدد کے طالب ہیں اور تیری مغفرت کے خواہاں ہیں اور تجھ پر ایمان لاتے ہیں اور تجھ پر بھروسا کرتے ہیں۔ تیرے سامنے اپنی عاجزی کا اعتراف کرتے ہیں اور جو تیرا منکر ہو اس کو چھوڑنے اور اس سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ خدایا ہم صرف تیری عبادت کرتے اور صرف تیری رضا کے لیے نماز پڑھتے اور سجدہ گزار ہوتے ہیں۔ تیری ہی جانب بھاگتے دوڑتے ہیں۔ اور تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور تیرے عذاب ناگزیر سے خائف ہیں۔ بلاشبہ اہل کفر عذاب میں ڈالے جائیں گے)۔

یہ دعا امام مالک نے اسی طرح روایت کی ہے اور مستحبات نماز میں سے سلام پھیرنے سے پہلے دعا کرنا اور اس دعا کو آہستہ پڑھنا

تشہد کو آہستہ پڑھنا۔

دعا میں سب کو شامل کرنا۔

Marfat.com

نمازی کے آگے سترہ یعنی آڑ قائم کرنے کا بیان

اس مسئلے کے متعلق چند امور قابل ذکر ہیں:

اول سترہ کی تعریف۔

دوم اس کا حکم۔

سوم اس کے شرائط اور دیگر امور متعلقہ۔

تعریف اس کی یہ ہے کہ سترہ اس شے کو کہتے ہیں کہ نمازی اپنے آگے رکھ لے تاکہ نمازی کے آگے سے کوئی شخص دوران نماز نہ گزر سکے۔ وہ شے مثلاً کرسی، یا سوٹی، یا دیوار، یا تخت وغیرہ ہوسکتی ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک (آڑ کی چیز) قائم رہنے والی شے ہو، جیسے دیوار یا ستون وغیرہ، یا ایسی نہ ہو۔ شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

اور نماز سے فارغ ہونے والے سلام کو دائیں طرف سے پھیرنا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ مندوب ادب مستحب کے ایک ہی معنی ہیں، اس سے مراد وہ امور ہیں جو نبی ﷺ نے کیے لیکن ہمیشہ ان پر عمل نہیں فرمایا، جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ پس آداب صلوٰۃ میں سے یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا کسی ایسی شے پر نظر نہ رکھے جو اس کی توجہ کو نماز سے ہٹا دے۔ مثلاً کوئی عبارت جو دیوار پر لکھی ہوئی ہے اس کو پڑھنے میں لگ جائے، یا اس کے نقش ونگار میں محو ہو جائے، یا کھڑے ہو کر سجدے کی جگہ پر نظر رکھے یا رکوع میں اپنے پاؤں کی پیٹھ کو، سجدے میں ناک کے نتھنوں کو، اور بیٹھ کر اپنی گود کو اور سلام میں اپنے مونڈھوں کو دیکھنے میں لگ جائے۔ اور چاہیے کہ ''حتی المقدور کھانسی کو جبراً روکنے کی کوشش کرے، اور مصنوعی کھانسی جو بغیر کسی سبب کے ہو اگر اس میں کسی حرف کی آواز پیدا ہو جائے تو اس سے نماز جاتی رہے گی۔ یہی حکم ڈکار کا ہے جیسا کہ آگے بتایا جائے گا۔ اسی طرح جمائی کو روکنے کی کوشش کرنا ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

''التثائوب فی الصلوٰۃ من الشیطان فاذا تثاء ب احدکم فلیکظم ما استطاع''۔

(یعنی نماز کے اندر جمائی میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔ پس اگر تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو حتی المقدور اسے روکنے کی کوشش کرے) یعنی جمائی نہ آنے دے، بایں طور کہ اپنے نچلے ہونٹوں کو دانتوں سے بھینچ لے، اگر ایسا نہ کر سکے تو اپنی آستین یا بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے منہ ڈھک لے (اور منجملہ آداب صلوٰۃ کے) سورۂ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ کہنا ہے۔ اور مرد کا تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھوں کو آستین سے باہر رکھنا، لیکن عورت پردے کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسا نہ کرے۔ نماز پڑھنے والے کا اقامت کے الفاظ ''حی علی الصلوٰۃ'' پر کھڑے ہو جانا، اور تکبیر کہنے والا جب ''قد قامت الصلوٰۃ'' کہے تو امام کا فوراً نماز شروع کر دینا، تاکہ قول عمل کے مطابق ہو جائے۔ اور یہ بھی آداب نماز میں ہے کہ نمازی اپنے آگے سے گزرنے والے کو ہاتھ سے ہلکا سا اشارہ کر کے روک دے، اس سے زیادہ اور کچھ نہ کرے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ سترہ کے چار درجے ہیں۔ ان میں سے ایک درجے سے ہٹ کر دوسرے درجے پر آنا صحیح نہ

Marfat.com

ہوگا، بجز اس صورت کے جب کہ پہلا درجہ ''سہل الحصول'' نہ ہو۔

پہلے درجے میں وہ اشیاء ہیں جو قائم رہنے والی اور پاک ہوں، جیسے دیوار یا ستون۔ دوسرے درجے میں گڑی ہوئی سوئی یا ایسی ہی اور اشیاء مثلاً اسباب خانہ کو اس طرح سامنے اکٹھا رکھ دیا جائے کہ اس کی اونچائی سترہ کی (معیاری) اونچائی کے برابر ہوجائے۔ تیسرے درجے میں وہ مصلیٰ ہے جس کو نماز پڑھنے کے لیے لیا گیا ہو، مثلاً جائے نماز اور عبا وغیرہ، لیکن چاہیے کہ یہ اشیاء مسجد کے فرش میں سے نہ ہوں، ان کا سترہ بنانا ٹھیک نہیں ہے۔ چوتھے درجے میں زمین پر طولاً یا عرضاً لمبی یا چوڑی لکیر کا بنالینا ہے۔ لمبی لکیر ہو تو بہتر ہے۔

دوسری بات سترہ کے لیے یہ ہے کہ پہلے اور دوسرے درجہ کا سترہ دو تہائی ہاتھ یا اس سے زیادہ ہو اور کھڑے ہوئے نمازی کی انگلیوں کے سرے سے لے کر سترہ تک کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ تین گز یا اس سے کم ہو اور بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے گھٹنے سے سترہ تک اتنا فاصلہ ہو۔ تیسرے اور چوتھے درجہ کے سترہ میں یہ شرط ہے کہ اس کا پھیلاؤ قبلہ کی جانب دو تہائی ہاتھ یا اس سے زیادہ ہو اور درمیانی فاصلہ انگلیوں کے سرے سے سترے کے اس کنارے تک جو قبلہ کی جانب ہے تین ہاتھ سے زیادہ نہ ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ سترہ کے لیے چند امور کی شرط ہے ایک تو یہ کہ اس کی لمبائی ایک ہاتھ یا اس سے زیادہ ہو۔ موٹائی کی کم سے کم حد مقرر نہیں ہے۔ لہٰذا کسی شے کو بھی ستر بنایا جاسکتا ہے، خواہ وہ صرف قلم وغیرہ کے برابر موٹا ہو۔ دوسرے یہ کہ سترہ سیدھا ہونا چاہیے ٹیڑھی میڑھی چیز کو سترہ نہ بنانا چاہیے۔ تیسرے یہ کہ سترہ اور نمازی کے پیروں کے درمیان تین گز کا فاصلہ ہو۔ پس اگر کوئی ایسی شے دستیاب ہوجائے جیسے سترہ بنایا جاسکتا ہے لیکن وہ اتنی ضخیم ہے کہ اسے زمین میں گاڑنا ممکن نہیں تو اس شے کو اپنے سامنے لمبان یا چوڑان میں رکھ لیا جائے تو وہ سترہ ہوجائے گا، تاہم چوڑان میں رکھنا زیادہ بہتر ہے۔ اگر نمازی کو ایسی شے جسے سترہ بنایا جاسکے دستیاب نہ ہو تو چاہیے کہ زمین پر ایک لکیر ہلالی شکل کی بنالے۔ اگر سیدھی لکیر بنائی یا ٹیڑھی میڑھی بنائی تب بھی درست ہے، تاہم پہلی صورت بہتر ہے۔ نیز بیٹھے ہوئے آدمی کی پیٹھ کو سترہ بنالینا درست ہے۔ لہٰذا اگر نمازی کے سامنے کوئی شخص بیٹھا ہو تو اس کی پیٹھ کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے اور اس کو سترہ بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص بیٹھا ہو اور اس کا منہ نمازی کی جانب ہو تو اس کا (سترہ بنانا ٹھیک نہیں ہے۔ سترہ بنانے کے لیے) یہ شرط ہے کہ وہ شخص کافر یا اجنبی عورت نہ ہو۔ اگر سترہ غصب کی ہوئی یا نجس شے کا بنایا گیا تو صحیح ہوگا۔ اگرچہ غصب کرنا (ناجائز قبضہ کرلینا) اپنی جگہ حرام ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ سترہ کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ کم از کم دو تہائی ہاتھ لمبا ہو لیکن موٹائی کی کم سے کم مقدار مقرر نہیں ہے، جیسا کہ حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں۔ مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے، چنانچہ ان کا مسلک آگے آرہا ہے۔ اور چاہیے کہ سترہ کسی سیدھی اور ہموار شے کا بنایا جائے۔ حنفیہ اور حنابلہ بھی یہی کہتے ہیں۔ نیز سترہ سے نمازی کے قدم کی نوک تک بمقدار تین ہاتھ کا فاصلہ ہونا چاہیے جیسا کہ حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں۔ مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ نمازی اور سترہ کے درمیان رکوع اور سجود کے مقام سے اتنا فاصلہ ہو کہ بکری گزر سکے، بلکہ اس قدر کافی ہے کہ بلی گزر جائے۔ نمازی کے لیے سترہ کا قائم کرلینا درست ہے، خواہ کسی کے سامنے سے گزرنے کا اندیشہ ہو یا نہ ہو۔ حنابلہ اس سے متفق ہیں، لیکن مالکیہ

Marfat.com

اور حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے (یعنی یہ اصحاب ہمیشہ سترہ قائم کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے)۔ پس اگر کوئی ایسی شے دستیاب ہو جس کو سترہ بنایا جاسکے اور ضخامت کے باعث اس کا گاڑنا ممکن نہ ہو تو اسے لمبان یا چوڑان میں سامنے رکھ لینا بہتر ہے۔ جیسا کہ حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں، مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے، مالکیہ کہتے ہیں کہ لمبان یا چوڑان میں (کسی شے کا زمین پر) رکھ لینا سترہ بنانے کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ اس شے کو کھڑا کر کے رکھنا ضروری ہے۔ اگر ایسی کوئی شے مطلقاً دستیاب نہ ہو تو چاہیے کہ زمین پر ایک خط لمبائی یا چوڑائی میں یعنی عموداً یا مستقیماً کھینچ لیا جائے۔ اس خط کا (لمبان میں) عموداً ہونا بہتر ہے۔

شافعیہ نے باقی دوسرے ائمہ سے اختلاف کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ لکیر کا ہلال نما ہونا بہتر ہے۔ نیز شافعیہ کے نزدیک کسی شخص کا سترہ بنانا خواہ پیٹھ کی طرف سے ہو یا چہرے کی طرف سے مطلق درست نہیں ہے۔ مالکیہ اور حنفیہ کا اس سے اختلاف ہے جو کہتے ہیں کہ آدمی کا پیٹھ کی طرف سے سترہ بنالینا درست ہے، چہرے کی طرف سے درست نہیں ہے۔ اس کے برعکس حنابلہ کہتے ہیں کہ آدمی کو پیٹھ کی جانب سے یا چہرے کی جانب سے سترہ بنالینا صحیح ہے۔

غصب کردہ (ناجائز قبضہ کی ہوئی) شے کو سترہ بنانا درست ہے جیسا کہ حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں۔ حنابلہ کو اس سے اختلاف ہے جو کہتے ہیں کہ مغصوبہ شے کا سترہ بنانا درست نہیں ہے اور اس کی جانب رخ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے جس سے تمام اماموں کو ماسوائے مالکیہ کے اتفاق ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ نجس شے یا نجاست آلودہ شے مثلاً غلاظت صاف کرنے والے بانس کا سترہ بنانا درست نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ سترہ کا ایک ہاتھ یا زیادہ لمبا ہونا شرط ہے۔ نیز اس کی موٹائی نیزے سے کم نہ ہو۔ اور یہ کہ محل رکوع وسجود کی جگہ کو چھوڑ کر سترہ اتنے فاصلے پر ہو کہ بکری یا بلی گزر سکے، اور یہ ضروری ہے کہ سترہ گڑا ہوا ہو۔ اگر ضخامت کے باعث اس کا زمین میں گاڑنا ممکن نہ ہو تو اسکو عرضاً یا طولاً یونہی زمین پر سامنے رکھ لینا کافی نہ ہوگا۔ اور پیٹھ کی طرف سے کسی شخص کو سترہ بنالینا، بشرطیکہ وہ شخص کافر یا اجنبی عورت نہ ہو، درست ہے۔ چہرہ کی جانب سے درست نہیں ہے۔ مغصوبہ شے کا سترہ بنانا درست ہے، اگر چہ غصب کرنا اپنی جگہ پر حرام ہے۔ نجس شے کو سترہ بنانا درست نہیں ہے۔ اگر کوئی شے (سترہ کے لیے) دستیاب نہ ہو تو چاہیے کہ زمین پر ایک لکیر بنالی جائے۔ اور بہتر یہ ہے کہ وہ لکیر ہلال کی مانند قوسی ہو۔ سترہ خواہ دیوار کا ہو یا عصا کا یا کرسی وغیرہ کا بالاتفاق اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ (اس سلسلہ کے) متفق علیہ مسائل اور مسلک شافعیہ کے اختلافات کو سابقاً بیان کیا گیا ہے۔ وہاں ملاحظہ کرلیا جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ سترہ کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کی لمبائی ایک ہاتھ یا زیادہ ہو اور موٹائی کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے جیسا کہ حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں اور یہ کہ سترہ سیدھا اور ہموار ہو، لہٰذا ٹیڑھی میڑھی چیز کا سترہ صحیح نہیں ہے۔ اور یہ کہ سترہ اور نمازی کے قدموں کے درمیان بمقدار تین ہاتھ کے فاصلہ ہو۔ اگر یہ ممکن نہ ہو کہ ضخامت کے باعث سترہ کو زمین میں نہ گاڑا جاسکے تو اسے عرضاً سامنے رکھ لینا چاہیے۔ اس طرح رکھنا طولاً (یعنی عموداً) رکھنے سے بہتر ہے۔ اگر سترہ کے لیے کوئی شے قطعاً دستیاب نہ ہو تو زمین پر ہلال نما لکیر کھینچ لینی چاہیے۔ اس شکل کی لکیر اور کسی طرح کی لکیر سے بہتر ہے۔ آدمی کو پیٹھ یا چہرے کی طرف سے سترہ بنانا صحیح ہے، بشرطیکہ وہ مسلمان ہو اور اجنبی عورت نہ ہو۔ مغصوبہ اشیاء کا سترہ بنانا درست نہیں

Marfat.com

نمازی کے آگے سے گزرنے کا بیان

نمازی کے آگے سے گزرنا حرام ہے اگرچہ نمازی نے بغیر کسی عذر کے سترہ نہ رکھا ہو۔ اسی طرح نماز پڑھنے والے کے لیے بھی یہ حرام ہے کہ اپنی نماز سے لوگوں کے آنے جانے میں رکاوٹ ڈالے، بایں طور کہ بغیر سترہ رکھے ایسی جگہ پر نماز پڑھنے لگے جہاں اس کے سامنے سے لوگوں کی بکثرت آمدورفت ہو۔ ایسی صورت میں اگر نمازی کے آگے سے کوئی گزر جائے تو سردست اس بات کا گناہ ہوگا کہ اس جگہ نماز پڑھی جہاں لوگوں کو سامنے سے گزرنا پڑا۔ سترہ نہ رکھنے کا گناہ نہ ہوگا۔ اگر کوئی شخص سامنے سے نہیں گزرا تو کوئی گناہ نہ ہوگا، کیونکہ سترہ رکھنا بذات خود کوئی امر واجب نہیں ہے۔ اگر نمازی رکاوٹ کا باعث ہوا، لیکن گزرنے والے کو گنجائش تھی کہ اور طرف سے چلا جاتا پھر بھی نمازی کے آگے سے گزرا تو دونوں گنہگار ہوں گے۔ لیکن اس کے برعکس اگر نمازی کی وجہ سے رکاوٹ نہ تھی، لیکن جانے والے کو کسی اور جانب سے گزرنے کی گنجائش نہ تھی اور نمازی کے آگے سے گزرنا پڑا تو کسی کو گناہ نہ ہوگا۔ اور دونوں میں سے کسی ایک طرف سے کوتاہی ہوئی تو ایک ہی شخص گنہگار رہوگا۔ ان تمام مسائل میں حنفیہ اور مالکیہ کا اتفاق ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

اگر نمازیوں کی صف میں سے کہیں نکلنے کی جگہ نہ ہو تو نمازی کے آگے سے چلا جانا جائز ہے، خواہ نماز شروع ہونے کے پہلے سے کوئی شخص نمازیوں میں موجود رہا ہو یا نماز شروع ہو جانے کے وقت داخل ہوا ہو۔ اس مسئلے میں سب کا اتفاق ہے، بجز مالکیہ کے ان کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

ہے، البتہ نجس شے کا سترہ صحیح ہے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ نمازی کے آگے سے چلا جانا حرام نہیں ہے، البتہ اگر مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ سترہ رکھا گیا ہے تو سامنے سے گزرنا حرام ہے۔ اگر سترہ نہیں تھا تو (سامنے سے جانا) نہ حرام ہے نہ مکروہ ہے ہاں خلاف اولیٰ ضرور ہے۔ اگر نمازی آگے سے گزرنے میں مزاحم ہو کہ سترہ سامنے نہ رکھے اور کوئی آگے سے گزر جائے تو دونوں میں سے کوئی گنہگار نہیں ہے، البتہ نمازی کے لیے یہ امر مکروہ ہے کہ ایسی جگہ نماز پڑھنے لگے جہاں پر سامنے سے کسی کے جانے کی جگہ ہو، خواہ فی الواقع کوئی وہاں سے گزرے یا نہ گزرے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ پر نماز پڑھنے لگا، جو لوگوں کی گزرگاہ ہے تو یہ فعل مکروہ ہے، خواہ کوئی وہاں سے گزرے یا نہ گزرے، جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں۔ اور یہ کراہت محض نمازی کے حق میں ہے، گزرنے والا صرف اس صورت میں گنہگار رہوگا جب کہ کسی اور طرف سے چلے جانے کی گنجائش ہو اور (پھر بھی نمازی کے آگے سے گزرا ہو)۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اس آنے والے کو جو نماز کے شروع میں نہیں تھا، ایسا کرنا جائز نہیں ہے، بجز اس صورت کے

Marfat.com

اسی طرح خانہ کعبہ کے طواف کے دوران نمازی کے سامنے سے گزر جانا جائز ہے۔ اس کے متعلقہ مسائل تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

اس بارے میں اختلاف مسالک ہے کہ نمازی کے آگے کتنے فاصلے پر سے گزرنا حرام ہے۔ (۲)

واضح ہو کہ نمازی کے لیے یہ سنت ہے کہ سامنے سے گزرنے والے کو آنکھ، یا سر، یا ہاتھ کے اشارے سے روک دے، اگر نہ رکے تو جس طرح بن پڑے باز رکھے، لیکن پہلے سب سے زیادہ آسان، پھر اس سے کم آسان طریقے سے کام لینا چاہیے۔ شرط یہ ہے کہ گزرنے والے کو روکنے میں اتنا زیادہ کام نہ کرنا پڑے کہ نماز جاتی رہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کو اس سے اتفاق ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۳)

جب کہ اس کے لیے کوئی اور راستہ بجز نمازی کے سامنے سے گزرنے کے نہ ہو۔

۱۔ مالکیہ نے مسجد حرام کے اندر، سترہ نہ ہونے کے باوجود، نمازی کے آگے سے گزر جانے کی اجازت دی ہے، لیکن اگر آگے سترہ ہو تو سامنے سے گزرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی اور جگہ آگے سے گزرنا۔ اسی طرح طواف کرنے والے کا سترہ والے کے آگے سے گزرنا مکروہ ہے، لیکن سترہ نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ بیت الحرام کا طواف کرنے والے کو جائز ہے کہ نمازی کے آگے سے چلا جائے۔ اسی طرح کعبے کے اندر اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے نمازی کے آگے سے گزر جانا جائز ہے۔ اور یہ جائز ہے کہ نماز پڑھنے والے اور گزرنے والے کے درمیان سترہ نہ ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ تمام مکہ اور حرم میں نمازی کے سامنے سے گزرنا حرام نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ طواف کرنے والے کو نمازی کے آگے سے گزرنا مطلقاً جائز ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی بڑی مسجد یا صحرا میں نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے قدم اور سجدہ گاہ کے درمیان سے گزرنا حرام ہے۔ اگر کسی چھوٹی سی مسجد میں نماز پڑھ رہا ہو تو پیر کی جگہ سے قبلے کی جانب والی دیوار کے درمیان سے گزرنا حرام ہے جس کی مقدار بقول مختار چار ہاتھ ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی سترہ رکھ کر نماز پڑھ رہا ہو تو سترہ اور نمازی کے درمیان سے گزرنا حرام ہے، اس کے اوپر سے گزر جانا حرام نہیں ہے۔ اگر سترہ کے بغیر نماز پڑھ رہا ہو تو صرف رکوع اور سجود تک کی جگہ سے گزرنا حرام ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر نمازی نے سترہ رکھا ہے تو اس کے اور نمازی کے درمیان سے گزرنا حرام ہے، خواہ سترہ کتنی ہی دور رکھا گیا ہو۔ اگر سترہ نہیں رکھا تو پاؤں سے تین ہاتھ کے فاصلے تک آگے سے گزرنا حرام ہے۔

۳۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ (حالت نماز میں) ایسا کرنے کی صرف اجازت ہے، اس کو سنت میں شمار نہیں کیا گیا۔ نمازی کو یہ اجازت نہیں ہے کہ (روکنے کے لیے) اشارے کی حد سے تجاوز کرے۔ اشارہ سر سے ہو یا آنکھ سے یا تسبیح یعنی سبحان

Marfat.com

واضح ہو کہ ان مسائل کا تعلق سترہ سے ہے اور یہ ایسی سنتوں اور مستحبات میں سے ہے جو ہیئت نماز سے خارج ہے۔ ابھی اس قسم کی سنتوں میں سے اذان اور اقامت کا بیان باقی ہے، جو آگے آ رہا ہے۔

مکروہات نماز (یعنی جو باتیں حالت نماز میں ناپسندیدہ ہیں ان) کا بیان

ہاتھوں سے اپنے کپڑے یا داڑھی کے ساتھ عبث کام کرنا۔

اپنے ہاتھ سے لباس، داڑھی وغیرہ کے ساتھ بے فائدہ حرکتیں کرنا، یا اسی طرح کی بے ضرورت اور باتیں نماز میں مکروہ (ناپسندیدہ) ہیں۔ ہاں اگر کسی وجہ سے (اس طرح کا) کوئی کام کیا جائے تو مکروہ نہیں ہے، مثلاً پیشانی سے پسینہ یا لگی ہوئی تکلیف دہ مٹی کو صاف کرنا۔

نماز میں انگلیاں چٹخانا یا انگلیوں سے پنجہ بنانا

حالت نماز میں انگلیاں چٹخانا مکروہ ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ''لا تقعقع اصابعک وانت فی الصلوٰۃ'' (یعنی حالت نماز میں انگلیاں نہ چٹخاؤ۔۔۔ بروایت ابن ماجہ) اور ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پھنسا لینا (پنجہ بنا لینا) بھی فعل مکروہ ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے حالت نماز میں انگلیوں کا پنجہ بنا رکھا تھا، حضور ﷺ نے ان کو جدا جدا کر دیا۔ بروایت ترمذی و ابن ماجہ۔

پہلو پر ہاتھ رکھنے اور نماز میں رخ موڑنے کا بیان

نماز کی حالت میں ہاتھ کو پہلو (کمر) پر رکھنا اور بلا ضرورت، مثلاً سامان وغیرہ کی حفاظت کے لیے نہیں، بلکہ یونہی ادھر ادھر مڑنا مکروہ ہے۔ اس مسئلے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔[1]

اللہ کہہ کر۔ عورت کے لیے یہ ہے کہ وہ دو ایک بار ہاتھ پر ہاتھ مارے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ امر مستحب ہے کہ گزرنے والے کو نمازی سامنے سے ہٹا دے۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ صرف گردن موڑنا مکروہ ہے، البتہ آنکھ سے دائیں بائیں دیکھ لینا روا ہے، اور سینے کو قبلہ کے رخ سے ہٹا کر کسی اور جانب اتنی دیر تک موڑنے سے جتنی دیر میں ایک رکن نماز کا پورا ادا ہو سکے، نماز جاتی رہتی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ (نماز میں) کسی اور طرف منہ موڑنا مکروہ ہے۔ اور سینہ موڑنے سے نماز جاتی رہتی ہے، کیونکہ اس طرح تو قبلے سے پھر جانا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مڑنا مطلقاً فعل مکروہ ہے، خواہ سارا جسم مڑ جائے، لیکن پاؤں قبلے کی جانب رہیں۔ اگر پاؤں بھی مڑ گئے تو نماز باطل ہو جائے گی۔

Marfat.com

نماز میں کولھے کو زمین پر ٹکانا اور گھٹنے کا کھڑا رکھنا

واضح ہو کہ اقعاء (کتے کی سی نشست) مکروہات نماز میں سے ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے دونوں کولھوں کو زمین پر ٹکائے اور گھٹنوں کو اٹھائے رکھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مرغ کی طرح نقر (ٹھونگیں مارنے) اور اقعاء (کتے کی طرح کولھوں پر بیٹھنے) اور لومڑی کی طرح ''التفات'' (ادھر ادھر منہ موڑنے) سے منع فرمایا ہے۔ اس مسئلے میں سب کا اتفاق ہے، بجز مالکیہ کے جن کا مسلک ذیل حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

ہاتھ بچھا کر بیٹھنا اور آستین سمیٹنا

مکروہات کے منجملہ ''افتراش ذراع'' بھی ہے، یعنی ہاتھ کو بچھا کر بیٹھنا جیسے درندے کیا کرتے ہیں۔ اور آستین کا ہاتھ پر سمیٹنا متفقہ طور پر مکروہ ہے۔ اس بارے میں مالکیہ کی تفصیل ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

حالت نماز میں اشارہ کرنا

(نماز کی حالت میں) آنکھ یا ہاتھ وغیرہ سے اشارہ کرنا مکروہ ہے۔ بجز اس صورت کے جب کہ اشارہ ضروری ہو، مثلاً سلام کا جواب دینا وغیرہ۔ اس صورت میں اشارہ مکروہ نہیں ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ اس مسئلہ میں متفق ہیں۔ مالکیہ اور حنفیہ کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۳)

حنابلہ کہتے ہیں کہ (نماز میں) مڑنا فعل مکروہ ہے۔ اگر کوئی بالکل مڑ جائے یا قبلے کی طرف پیٹھ ہو جائے تو نماز باطل ہو جائے گی، بشرطیکہ یہ کیفیت کعبے کے اندر یا شدت خوف سے نہ ہو۔ اس صورت میں بالکل مڑ جانے سے بھی نماز باطل نہ ہوگی، اگر چہ سینہ اور چہرہ بھی مڑ گیا ہو، کیونکہ اس حال میں کعبہ کی طرف پیٹھ نہ ہوگی۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اقعاء (اس طرح کتے کی سی نشست) حرام ہے، لیکن اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ ان کے نزدیک کراہت کی یہ چار صورتیں ہیں: پنجے کو زمین پر ٹکانا، دونوں پیروں کو کھڑا کر لینا، کولھوں کو ایڑیوں پر ٹکانا یا دونوں پیروں پر اس طرح رکھنا کہ پاؤں کی پیٹھ زمین سے لگ جائے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ اس صورت میں مکروہ ہے جب کہ یہ کام نماز ادا کرنے کے لیے کیا جائے۔ اگر نماز سے پہلے کسی ضرورت سے آستین سمیٹ رکھی ہو اور اسی حالت میں نماز پڑھی جانے لگے، یا نماز کے دوران آستین کو سمیٹا لیکن نماز کے لیے نہیں (کسی اور غرض سے) تو اس میں کراہت نہیں ہے۔

۳۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اشارہ کرنا مطلق حرام ہے، خواہ سلام کا جواب دینے کے لیے ہو، بجز اس صورت کے جب کہ

Marfat.com

سر کے پیچھے بال کا جوڑا باندھنا

نماز میں داخل ہوتے وقت یا اس کے بعد

سر کے بال کا 'عقص' مکروہ ہے، یعنی سر کے پیچھے بال کا جوڑا باندھ کر نماز پڑھنا، بایں طور کہ نماز پڑھنے سے پہلے جوڑا باندھا جائے اور پھر اسی حالت میں نماز پڑھی جائے۔ اگر نماز پڑھتے میں عمل کثیر کے ساتھ ایسا کیا جائے تو نماز جاتی رہے گی۔ اس مسئلہ میں سب متفق ہیں، بجز مالکیہ کے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

حالت نماز میں پیچھے سے یا آگے سے کپڑے کو سمیٹنا

حالت نماز میں آگے یا پیچھے سے کپڑے کو اونچا کرنا مکروہ ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ''امرت ان اسجد علی سبعة اعظم وان لا اکف شعراً ولا ثوباً رواہ شیخان (یعنی مجھے حکم ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں اور یہ کہ بال یا کپڑے کو بحالت نماز اٹھایا نہ جائے)۔

جسم پر کپڑا لپیٹ لینا یا چادر وغیرہ سے خود کو ڈھکنا

مکروہات نماز میں سے یہ بھی ہے کہ کپڑے کے اندر جامہ احرام کی طرح خود کو ڈھک لیا جائے، بایں طور کہ ہاتھوں کو باہر نکالنے کی سبیل نہ رہے۔ فقہا کی اصطلاح میں اس کو ''اشتمال الصماء'' کہتے ہیں۔ پس اگر کسی کے پاس صرف ایک ہی کپڑا ہے تو اسے تہبند بنا کر باندھ لینا چاہیے۔ لیکن یہودیوں کی طرح جسم پر لپیٹنا نہ چاہیے۔ مالکیہ وحنفیہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے، حنابلہ اور شافعیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

نماز کے آگے سے گزرنے والے کو روکنے کے لیے اشارہ کیا جائے۔ سامنے سے گزرنے والے کو اشارہ سے روک دینا چاہیے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ سلام کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارہ سے واجب ہے اور سلام کے اشارہ سے پہل کرنا بقول راجح جائز ہے۔ نیز کسی ضرورت کے لیے بھی اشارہ جائز ہے، بشرطیکہ معمولی سا ہو، ورنہ منع ہے۔ چھینک کا جواب دینے کیلئے اشارہ کرنا مکروہ ہے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ بالوں کا جوڑا نماز کی غرض سے باندھنا مکروہ ہے، ورنہ نہیں۔

۲۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اشتمال الصماء مکروہ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ چادر کا درمیانی حصہ دائیں بازو کے نیچے

Marfat.com

نماز میں مونڈھے پر چادر لٹکا لینے اور اسی طرح کے اور لباس کا بیان

(نماز میں) 'سدل' بھی مکرہ ہے یعنی چادر کا کندھے پر لٹکا لینا، جیسے چادر احرام یا دوپٹہ اس طرح کہ اس کا پلو دوسرے کندھے پر نہ ہو (بلکہ لٹک رہا ہو) نیز یہ کہ مرد اپنا منہ (چادر وغیرہ میں) ڈھک لے، لیکن یہ فعل مکروہ جب ہے کہ بغیر کسی معذوری کے ایسا کیا جائے۔ معذوری ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ اسی طرح ''اضطباع'' بھی مکروہ ہے یعنی چادر کو دائیں بازو کے نیچے سے لاکر بائیں بازو کے اوپر ڈال لیا جائے اور دوسرے بازو کو کھلا رہنے دیا جائے۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے، مالکیہ اور شافعیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

رکوع میں پہنچ کر قرأت کا ختم کرنا

منجملہ مکروہات کے یہ بھی ہے کہ کوئی شخص سورت کی قرأت کو رکوع میں جا کر پورا کرے۔ لیکن سورۃ فاتحہ کو (پڑھتے پڑھتے) رکوع میں جا کر پورا کیا تو نماز جاتی رہے گی کیونکہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔ اس مسئلہ میں حنفیہ کے سوا سب متفق ہیں۔ حنفیہ کا مذہب ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

تکبیر وغیرہ بے موقع کہنا

ایک رکن کے بعد دوسرے رکن میں جانے کے لیے شرعی اذکار کا بے موقع استعمال مکروہ ہے۔ سنت یہ ہے کہ جب ایک رکن کے بعد دوسرا رکن شروع کیا جائے اس وقت (شرعی طریقہ سے) اللہ کا نام

رکھ کر دونوں کناروں کو بائیں کندھے پر ڈال لیا جائے اور نیچے کوئی لباس نہ ہو، ورنہ مکروہ نہیں ہے۔

شافعیہ نے اشتمال الصماء کو نماز کی مکروہات میں شمار نہیں کیا۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ چادر کے پلو کو دونوں کندھویں پر ڈالنا مستحب ہے، بلکہ امام مسجد کے لیے اس کی تاکید ہے۔ اور چاہیے کہ چادر چھ ہاتھ لمبی اور بہ شرط ممکن تین ہاتھ چوڑی ہو۔ اس کا قائم مقام لباس برنس ☆ ہے۔

شافعیہ نے چادر کو کندھے پر لٹکانا مکروہات نماز میں شمار نہیں کیا۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ رکوع میں پہنچ کر سورۂ فاتحہ کا تمام کرنا بھی اسی طرح مکروہ ہے جیسے قرأت سورۂ کا رکوع میں مکمل کرنا، اس لیے کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ان کے نزدیک فرض نہیں ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ تاہم سورۂ فاتحہ کا رکوع میں جا کر ختم کرنا مکروہ تحریمی ہے، بخلاف دوسری سورۃ کے (کہ وہ مکروہ ہے)۔

☆ بڑیا وگ جیسا اہل عرب کا ایک لباس ہے جس کا کچھ حصہ ٹوپی کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

Marfat.com

لیا جائے اور جب وہ انتقال پورا ہو تو وہ ذکر بھی ختم کیا جائے۔ چنانچہ مثلاً یہ صورت مکروہ ہوگی کہ کوئی شخص رکوع میں جاتے وقت کی تکبیر اس وقت کہے جب رکوع میں پہنچ جائے یا سمع اللہ لمن حمدہ جو رکوع سے اٹھتے وقت کہنا چاہیے پورے طور پر کھڑے ہو جانے کے بعد کہا جائے، حالانکہ حکم کا مقصد یہ ہے کہ تکبیر وغیرہ (ایک رکن سے دوسرے رکن میں) منتقل ہونے کے درمیانی عرصہ کے اندر ادا کی جائے۔ یہ حکم حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک ہے، باقی مالکیہ اور حنابلہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

نماز کے دوران آنکھیں بند کر لینا یا

آسمان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا

نماز میں آنکھیں بند کرنا بھی مکروہ ہے۔ ہاں کسی مصلحت سے ایسا ہو سکتا ہے، مثلاً ایسی چیز کے دیکھنے سے آنکھ بند کر لینا جو انسان کو محو یا غافل کر دے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔

اسی طرح آسمان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی مکروہ ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ: "**مابال اقوام یرفعون ابصارھم الی السماء...... ای فی الصلواۃ...... لینتھن او لتخطفن ابصارھم**" رواہ البخاری (یعنی کیسے ہیں وہ لوگ جو آنکھیں اونچی کر کے آسمان کی طرف دیکھتے ہیں...... یعنی نماز کی حالت میں۔ ان کی بصارت جاتی رہے گی یا آنکھ چندھی ہو جائے گی...... بروایت بخاری)

حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک یہ فعل مکروہ ہے، مالکیہ اور حنابلہ کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۲)

قرآنی ترتیب کے خلاف سورتوں کا پڑھنا

منجملہ مکروہات کے یہ ہے کہ جو سورت یا آیات پہلی رکعت میں پڑھی گئی ہیں دوسری رکعت میں ان سے پہلے کی پڑھی جائیں اس کو "تنکیس" کہتے ہیں، مثلاً پہلی رکعت میں سورۂ انشراح اور دوسری رکعت میں سورۂ والضحیٰ پڑھی جائے، یا پہلی رکعت میں "قد افلح من زکھا" اور دوسری رکعت میں والشمس

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ کام خلاف مستحب ہے، کیونکہ وہ اذکار جو ایک رکن سے دوسرے رکن میں منتقل ہونے کے وقت کے لیے مشروع ہیں ان کو منتقل ہوتے وقت شروع سے ہی کہنا مستحب ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر آیات سماوی سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لیے ایسا ہو تو مکروہ نہیں ہے۔
حنابلہ نے حالت جوش کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، اس حال میں اوپر دیکھنا مکروہ نہیں ہے۔

Marfat.com

و الضحاها پڑھا وغیرہ۔

اسی طرح ایک ہی سورت کا کسی رکعت میں بار بار پڑھنا یا دونوں رکعت میں ایک ہی سورت کا پڑھنا، بشرطیکہ اس کے علاوہ بھی یاد ہو فرض اور نفل دونوں میں مکروہ ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ اس کو مکروہ کہتے ہیں۔ حنابلہ اور حنفیہ کے مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۱)

آتشدان وغیرہ کے سامنے نماز پڑھنا

تنور یا آتشدان کے سامنے جس میں انگارے روشن ہوں، نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ مجوسیوں کی عبادت سے مشابہ ہے۔ شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

تصویر والے گھر میں نماز پڑھنا

منجملہ مکروہات کے یہ ہے کہ نمازی کے سامنے کسی جاندار کی تصویر وغیرہ ہو کہ انسان کی توجہ اس طرف بٹ جائے۔ اگر توجہ نہ بٹے تو نماز مکروہ نہ ہوگی۔ مالکیہ و شافعیہ کے نزدیک یہی حکم ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۳)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ حکم فرض نماز کے لئے خاص ہے، نفلی نماز میں سورۃ کی تکرار مکروہ نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ (تکرار سورت) مکروہ نہیں ہے، ہاں سورۂ فاتحہ کا ایک رکعت میں بار بار پڑھنا مکروہ ہے۔ اسی طرح کسی ایک فرض نماز میں پورا قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔ نفلی نماز میں مکروہ نہیں ہے۔

۲۔ شافعیہ نے تنور یا آتش دان کے آگے نماز کے مکروہ ہونے کا ذکر نہیں کیا ہے۔

۳۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ کسی جاندار کی تصویر کے سامنے نماز پڑھنا مکروہ ہے، خواہ اس کی طرف توجہ جاتی ہو یا نہ ہو۔ یہ تصویر خواہ نمازی کے سر کے اوپر، یا آگے، یا پیچھے، یا دائیں، یا بائیں، یا برابر میں ہو۔ نہایت شدید کراہت اس میں ہے کہ تصویر نمازی کے آگے ہو۔ اس سے کم مکروہ تصویر کا سر کے اوپر ہونا، پھر دائیں جانب، اس کے بعد بائیں جانب، اور پھر پیچھے ہونا ہے۔ ہاں اگر تصویر چھوٹی سی ہو کہ غور سے دیکھے بغیر نظر نہ آئے جیسے کہ سکہ پر ہوتی ہے (تو مکروہ نہیں ہے)۔ چنانچہ اگر نمازی کے پاس تصویر والے سکے ہوں تو نماز مکروہ نہیں ہے، اور اگر بڑی تصویر سر کٹی ہو تو نماز مکروہ نہ ہوگی۔ درخت کی تصویر سامنے ہو تو نماز مکروہ نہیں ہوتی۔ خواہ وہ تصویر جاذب توجہ ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ایسی تصویر کی جانب جو سامنے لگی ہوئی ہو نماز پڑھنا مکروہ ہے خواہ وہ اتنی چھوٹی ہو کہ غور سے دیکھے بغیر نظر نہ آئے۔ اگر تصویر سامنے لگی ہوئی نہ ہو۔ یا پیچھے یا اوپر، یا کسی پہلو میں ہو تو اس نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

Marfat.com

اگلی صف میں جگہ ہوتے ہوئے پیچھے نماز پڑھنا

اگلی صف میں خالی جگہ ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس مسئلہ میں بجز حنابلہ کے سب کا اتفاق ہے۔ حنابلہ کا مذہب ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

گزرگاہ اور کوڑی وغیرہ پر نماز پڑھنا

کوڑا کرکٹ پھینکنے یا ذبح کرنے کی جگہ پر، نیز گزرگاہ عام، نہانے کی جگہ اور اونٹوں کو سیراب کرنے، یعنی پانی پلانے کی جگہ پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، اگرچہ نجاست سے محفوظ رہے۔ اس مسئلہ میں شافعیہ اور حنفیہ کا اتفاق ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کا قول ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

قبرستان میں نماز پڑھنے کا بیان

قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ یہ مسئلہ از روئے مسالک تفصیل طلب ہے۔ (۳)

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر ایسی صف کے پیچھے جس کے درمیان (شامل ہونے کی) جگہ خالی تھی، کسی نے تنہا نماز پڑھی تو نماز باطل ہو جائے گی، لیکن اگر اور لوگ بھی اس کے ساتھ شامل تھے تو نماز مکروہ ہوگی۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ کوڑی، ذبح خانہ اور وسط گزرگاہ یعنی بیچ سڑک پر نماز پڑھنا جائز ہے، لیکن نجاست سے بچ کر؛ اگر نجاست کی طرف سے اطمینان نہ ہو اور یہ بے اطمینانی حقیقی یا گمان غالب کی بنا پر ہو تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اگر محض شک ہے تو وقت کے اندر اندر نماز دوبارہ پڑھ لی جائے۔ اگر مسجد میں جگہ نہ ملنے کے باعث عین گزرگاہ میں نماز پڑھی، جہاں کے پاک ہونے میں شک ہے تو نماز نہ دہرائی جائے۔ اونٹوں کو سیراب کرنے کی جگہ جہاں پانی پلانے کے لیے لایا جائے، جس کو علن (بنسال) کہتے ہیں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اگرچہ گندگی کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر نماز پڑھ لی ہے اور وقت باقی ہے تو نماز دوبارہ پڑھی جائے۔ قصداً ایسا کرنے کے باوجود دو اقوال میں سے ایک قول کے بہ موجب صرف مکروہ ہے۔ جہاں پر اونٹ سوتے ہوں یا جہاں انھیں نہلایا جاتا ہے وہاں بقول معتمد نماز مکروہ نہیں ہے: بشرطیکہ گندگی نہ ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ کوڑی اور مذبح میں، اور گزرگاہ پر، نیز حمام میں اور اونٹوں کی بنسال پر نماز پڑھنا حرام اور باطل ہے، سوا اس کے کہ معذوری ہو۔ مثلاً کسی کو وہیں پر قید کر دیا گیا ہو۔ اسی طرح ان (مقامات) کی چھتوں پر بھی نماز جائز نہیں ہے۔ البتہ جنازے کی نماز درست ہے، اور وہ قبرستان اور اس کی چھت کے اوپر بھی جائز ہے۔

۳۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر نماز پڑھنے والے کے سامنے قبر ہو تو نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔ (قبر کے سامنے ہونے کا) یہ مطلب ہے کہ خشوع کے ساتھ (نظریں جھکائے ہوئے) نماز پڑھنے کی حالت میں نظر قبر پر پڑتی ہو۔ اگر قبر پیچھے کی جانب، یا اوپر ہو، یا جہاں نماز پڑھی جا رہی ہے، اس کے نیچے ہو تو اس بارے میں تحقیق یہ ہے کہ کوئی کراہت نہیں ہے۔ واضح رہے کہ کراہت اسی صورت میں ہے جب کہ قبرستان میں نماز کے لیے کوئی مخصوص جگہ ایسی نہ مہیا ہو جو

Marfat.com

مکروہات نماز کا مجموعی شمار

اب نماز میں جو باتیں مکروہ ہیں ان کا بیان مجموعی طور پر ہر مسلک کے اعتبار سے جدا جدا کیا جاتا ہے، تاکہ ذہن میں رکھنا آسان ہو۔ اس کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

نجاست اور گندگی سے پاک ہو۔ اگر ایسا ہو تو نماز مکروہ نہیں ہے۔ لیکن انبیا علیہم السلام کے مقبرے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ وہاں پر (قبر سامنے ہو تب بھی) نماز مکروہ نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ قبرستان میں نماز پڑھنا مطلقاً باطل ہے۔ قبرستان سے مراد وہ جگہ ہے جہاں پر کم از کم تین قبریں ہوں اور وہ جگہ مردوں کو دفن کرنے کے لیے وقف ہو۔ اگر وہاں تین قبریں نہیں ہیں بلکہ صرف دو ایک قبریں ہوں تو وہاں نماز پڑھنا بغیر کراہت کے درست ہے، بشرطیکہ قبر سامنے نہ ہو، قبر سامنے ہو تو نماز مکروہ ہوگی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ قبرستان میں جہاں پر قبریں کھلی ہوئی نہ ہوں، نماز مکروہ ہوگی، خواہ قبریں پیچھے ہوں یا آگے، یا دائیں بائیں جانب یا نیچے کی جانب، البتہ شہدا اور انبیا کے قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے بشرطیکہ تعظیم کا اظہار مقصود نہ ہو، ایسا ہو تو نماز حرام ہوگی۔ اگر قبر کھلی ہوئی ہو اور کوئی آڑ نہ ہو تو بوجہ موجودگی نجاست کے نماز وہاں درست نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مقبرے پر نماز بلا کراہت جائز ہے، بشرطیکہ نجاست سے بچا جا سکے۔ اگر نجاست سے بچنا ممکن نہ ہو تو اس کے مسائل وہی ہیں جو گندگی وغیرہ پھینکنے کی جگہ پر نماز پڑھنے کے بارے میں سابقاً بیان ہوئے۔

۱۔ حنفیہ حسب ذیل امور کو مکروہات میں شمار کرتے ہیں:

کسی امر واجب یا سنت مئوکدہ کا قصداً ترک کرنا۔ ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، لیکن واجب کا ترک سنت مئوکدہ کے ترک سے زیادہ برا ہے۔

کپڑے یا بدن (کے کسی حصے) سے نمازی کا کھیلنا۔

آگے سے صرف ایک بار کنکریوں کا ہٹانا، ہاں سجدہ کے لیے ایسا کیا جا سکتا ہے۔

انگلیوں کا چٹخانا

ہاتھوں کے پنجے ایک دوسرے میں پھنسانا۔

تخصر (یعنی سہارا لینا یا کمر پر ہاتھ رکھنا)۔

گردن موڑ کر دیکھنا۔ کنکھیوں سے دیکھنا مباح ہے۔ سینہ موڑ کر نہ دیکھنا چاہیے، اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

اقعاء (یعنی کتے کی طرح کولھوں پر بیٹھنا)۔

دونوں کہنیوں کو بچھانا۔

آستینوں کا کلائیوں سے چڑھانا۔

محض پاجامے یا کسی ایسے ہی لباس میں نماز پڑھنا، درآنحالیکہ قمیص پہنی جا سکتی تھی۔

اشارہ سے سلام کا جواب دینا۔

Marfat.com

بغیر کسی مجبوری کے چارزانو ہو کر بیٹھنا۔

سر کے بالوں کا چٹا باندھنا۔

اعتجار کرنا (یعنی اس طرح سر پر رومال باندھنا کہ چندیا کھلی رہے)۔

سجدہ میں جاتے وقت ہاتھوں سے اپنے آگے یا پیچھے سے کپڑے کو سمیٹنا۔

چادر کو کندھے سے لٹکا کر رکھنا یعنی بکل نہ مارنا۔

کپڑے کو اس طرح اپنے اوپر لپیٹنا کہ ہاتھ باہر نہ نکالے جا سکیں۔

کپڑے کو دائیں یا بائیں پہلو میں رکھ کر اس کے دونوں پہلوؤں کو دوسری جانب کے بازو پر ڈال لینا۔

قرأت کو حالت قیام کے بعد پوری کرنا۔

نفل نماز کی ہر دو رکعت میں سے پہلی رکعت کو زیادہ طول دینا، بجز اس صورت کے جب کہ نبی ﷺ سے مروی ہو، یا آثار صحابہؓ میں آیا ہو۔ مثلاً نماز وتر میں کہ قرأت کے حق میں وہ بھی نوافل ہی میں شمار ہوتی ہے "سبح اور قل یا ایھا الکافرون او ر قل ھو اللہ احد" پڑھنا۔

دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے بہ قدر تین آیت یا زیادہ کے طول دینا۔ یہ حکم بالاتفاق تمام فرض نمازوں کی صورت میں ہے اور بہ قول صحیح نفل کی صورت میں بھی۔

فرض نمازوں میں ایک سورت کا بار بار کسی ایک رکعت میں پڑھنا، یا فرض کی دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت کا پڑھنا۔ نفل نمازوں میں ایک سورت کو بار بار پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

(اگلی رکعت میں) پڑھی ہوئی سورت یا آیت سے پہلے کی سورۃ یا آیت کا پڑھنا، دو سورتوں کا درمیان کی ایک سورۃ کو چھوڑ کر دونوں رکعتوں میں پڑھنا۔ مثلاً پہلی رکعت میں "قل ھو اللہ" اور دوسری میں "قل اعوذ برب الناس" پڑھی اور درمیان کی سورۃ "قل اعوذ برب الفلق" کو چھوڑ دیا کیونکہ ایسا کرنے سے ایک سورت کی ترجیح اور دوسری سورت سے اعراض مترشح ہوتا ہے۔

بالارادہ خوشبو سونگھنا۔

دو ایک دفعہ اپنے تئیں پنکھا یا کپڑا جھلنا۔ اس سے زیادہ جھلنے میں نماز ہی باطل ہو جائے گی۔

سجدے وغیرہ کی حالت میں ہاتھوں یا پیروں کی انگلیوں کو قبلے کے رخ سے ہٹانا۔

رکوع میں دونوں ہاتھوں کا گھٹنوں پر نہ رکھنا۔

سجدوں کی درمیانی نشست اور تشہد کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو زانو پر نہ رکھنا۔

حالت قیام میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر جس طرح بتایا گیا ہے نہ رکھنا۔

جمائی لینا۔ جمائی کا غلبہ ہو تو حتی الامکان اس کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مثلاً حالت قیام میں پشت دست یا آستین کو منہ پر رکھ لینا چاہیے۔ باقی حالتوں میں بائیں ہاتھ کی پشت سے منہ ڈھکنا چاہیے۔

آنکھیں بند کر لینا، بشرطیکہ کوئی خاص مصلحت نہ ہو۔

Marfat.com

آنکھیں اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنا۔

انگڑائی لینا۔

معمولی سی کوئی حرکت کرنا (اس حد تک) جو منافی نماز نہ ہو، اور جو حرکت نماز میں کرنے کے لیے کہا گیا ہے، وہ نماز ہی کا حصہ ہے، مثلاً (تشہد میں) انگلیوں کا ہلانا۔

بے سبب چیونٹی (وغیرہ) کو پکڑ کر مار ڈالنا۔ ہاں اس کے کاٹنے سے نماز میں خلل ہو تو اس کے مارنے میں مضائقہ نہیں، لیکن خون سے بچنا چاہیے۔ نہ گھلنے والی کسی چیز کا منہ میں رکھنا، جب کہ وہ چیز قرأت مسنونہ میں حارج ہو، یا دھیان اس کی طرف لگ جائے۔

عمامہ کے پیچ پر سجدہ کرنا۔

صرف پیشانی پر سجدہ کرنا، جب کہ کوئی معذوری، مثلاً ناک میں کوئی تکلیف وغیرہ نہ ہو۔ یاد رہے کہ ایسا سجدہ مکروہ تحریمی ہے۔

کسی گزرگاہ، حمام، بیت الخلا یا مقبرہ میں نماز پڑھنا۔

پرائی زمین میں مالک کی اجازت کے بغیر نماز پڑھنا۔

نجاست کے قرب و جوار میں نماز پڑھنا۔

پیشاب، پاخانہ، یا ریح خارج ہونے کی حاجت ہوتے ہوئے نماز پڑھنا۔ اگر نماز کے دوران یہ حالت ہو تو مستحب یہ ہے کہ نماز توڑ دی جائے اور فارغ ہونے کے بعد پڑھ لی جائے؛ ہاں اگر وقت کے نکل جانے یا جماعت سے رہ جانے کا اندیشہ ہو تو اور بات ہے۔

گھٹیا لباس میں جو میل کچیل سے بچا ہوا نہ ہو، نماز پڑھنا۔

بے پروائی سے ننگے سر ہی نماز پڑھ لینا۔ ہاں اگر اپنی عاجزی اور ذلت کے اظہار کی خاطر ایسا کیا جائے تو بلا کراہت جائز ہے۔

کھانا موجود ہو، اس کا دل چاہ رہا ہو تو نماز پڑھنا (مکروہ ہے) ہاں جماعت سے رہ جانے یا نماز کا وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو (تو مکروہ نہیں ہے)۔

ایسی شے کی موجودگی میں نماز پڑھنا جس کی طرف دھیان لگا ہو، جیسے زیور وغیرہ یا کوئی اور ایسی چیز جو دل لگانے میں مخل ہو، مثلاً لہو و لعب کا سامان، لہٰذا ہڑبڑاہٹ میں نماز پڑھنا منع ہے، بلکہ سنت یہ ہے کہ نماز سکون اور وقار کے ساتھ ادا کی جائے۔

انگلی پر آدمی یا تسبیح کا شمار کرنا۔

امام کی محراب کے اندر پورے طور پر کھڑا ہونا۔ اگر محراب سے باہر کھڑا ہو اور سجدہ محراب کے اندر ہو تو مکروہ نہیں ہے، تاہم اگر جگہ تنگ ہو تو (محراب کے اندر کھڑے ہونے میں بھی) مضائقہ نہیں ہے۔

صرف امام کا ایک ہاتھ اونچی جگہ پر کھڑا ہونا، (بقول معتبر) مکروہ ہے۔ یہ صورت بھی مکروہ ہے کہ صرف امام نیچے

Marfat.com

ہو اور مقتدی تمام کے تمام اونچی جگہ پر ہوں۔

کسی شخص کا اپنے لیے مسجد میں جگہ مخصوص کر لینا کہ ہمیشہ وہیں پر نماز پڑھے۔

اگلی صف میں گنجائش ہوتے ہوئے پیچھے کھڑا ہونا۔

تصویر دار کپڑوں میں نماز پڑھنا۔

تصویر کے موجود ہوتے ہوئے نماز پڑھنا، خواہ وہ سر کے اوپر ہو یا پیچھے ہو، یا سامنے ہو، یا برابر میں ہو۔ البتہ اگر تصویر بہت چھوٹی سی ہو یا اس کا سر کٹا ہوا ہو، یا تصویر کسی بے جان شے کی ہو (تو نماز مکروہ نہیں ہے)۔

کسی تنور انگیٹھی کے رخ جس میں دہکتی ہوئی آگ ہو، نماز پڑھنا۔ ہاں قندیل یا چراغ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔

جہاں پر لوگ سو رہے ہوں وہاں نماز پڑھنا۔

نماز کی حالت میں پیشانی سے مٹی کا جھاڑنا جب کہ نہ جھاڑنے میں کوئی حرج نہ ہو۔

نماز کے لیے کسی خاص سورۃ کا مقرر کر لینا۔ ہاں اگر سہولت اس میں ہو تو مضائقہ نہیں۔

شافعیہ نے حسب ذیل امور کو مکروہات میں شمار کیا ہے:

اگر کوئی شخص چت لیٹ کر نماز نہ پڑھ رہا ہو تو اسے بے ضرورت چہرے کو موڑ کر۔ سینہ موڑ کر نہیں۔ دیکھنا لیٹ کر نماز پڑھنے والے سے مراد وہ شخص ہے جو کسی معذوری کے باعث چت لیٹ کر نماز پڑھ رہا ہو۔ ایسا شخص چہرہ موڑ کر دیکھے تو اس کی نماز جاتی رہے گی۔

تکبیر تحریمہ، رکوع وسجود، تشہد اول کے بعد کھڑے ہوتے وقت، اور نشست اول ونشست اخیر کی حالت میں ہاتھ کو آستین کے اندر رکھنا۔ یہ مسئلہ مردوں کے لیے ہے، عورتوں کے لیے نہیں۔ (یعنی عورتوں کا ہاتھ آستین کے اندر رہے تو مکروہ نہیں ہے)۔

بلا وجہ آنکھوں یا پلکوں وغیرہ سے اشارہ کرنا، اگرچہ کوئی گونگا ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں اگر کسی ضرورت سے اشارہ کیا جائے، جیسے سلام کا جواب دینا وغیرہ تو مکروہ نہیں ہے۔ لیکن اس کو کھیل نہ بنا لینا چاہیے۔ (یعنی سنجیدگی کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیے) اگر محض تفریحاً ایسا کیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔

جہاں اونچی آواز سے پڑھنا چاہیے وہاں بے سبب آہستہ پڑھنا، یا اس کے برعکس کرنا۔

امام کے پیچھے مقتدی کا بلند آواز سے کچھ پڑھنا، بجز آمین کے۔ بلا وجہ ہاتھ کمر پر رکھنا۔

جلدی جلدی نماز پڑھنا (مکروہ ہے) تاوقتیکہ ادائے واجب میں نقص نہ واقع ہو، ایسا ہوا تو نماز جاتی رہے گی۔

جو مرد ننگے بدن نہ ہو اس کے لیے حالت رکوع وسجود میں بازوؤں کو پہلوؤں سے اور پیٹ کو زانوؤں سے بھینچ کر رکھنا (مکروہ ہے)۔ لیکن عورت اور ننگے بدن نماز پڑھنے والے کو بھینچ کر رکھنا چاہیے۔

اقعاء کرنا (یعنی کتے کی نشست بیٹھنا۔ اس کی تشریح پہلے ہو چکی ہے)۔

سجدے میں اطمینان سے جانے کے بعد پیشانی کو زمین پر رگڑنا۔ اگر حالت طمانینت کے بغیر ہی ایسا کیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔

Marfat.com

سجدہ میں درندوں کی طرح دونوں بازوؤں کو زمین پر بچھانا۔
امام کے علاوہ کسی شخص کا اپنی نماز کے لیے ایک جگہ مخصوص کر لینا۔
امام اپنے لیے محراب میں جگہ مخصوص کر لے تو بقول راجح مکروہ نہیں ہے۔
رکوع میں سر کو بہت زیادہ جھکا لینا۔
تشہد کے پڑھنے میں بہت دیر لگانا۔ اگر مقتدی نہ ہو تو تشہد کے بعد جو کچھ پڑھنا (دعا وغیرہ) مستحب ہے اس کو طول دینا بھی مکروہ ہے امام نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔
اضطباع کرنا (یعنی بغل کے نیچے سے چادر کو نکال کر پلوؤں کو کندھے پر ڈال لینا)، جس کی تشریح اوپر ہو چکی ہے۔
انگلیوں کو باہم ایک دوسرے میں پھنسا لینا۔
انگلیاں چٹخانا۔
چادر کو کندھوں پر لٹکا لینا یعنی زمین پر لٹکتی رہنے دینا۔ بغیر کسی عذر کے آنکھوں کو بند رکھنا، ورنہ تو کبھی آنکھوں کو بند کر لینا واجب ہو جاتا ہے جب کہ نقش ونگار والی دیوار کے سامنے نماز پڑھی جائے۔
آنکھ اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھنا۔ واضح ہو کہ آسمان کی جانب نظر اٹھا کر دیکھنا صرف وضو کے بعد مسنون ہے۔
اپنے بالوں یا کپڑے کو مروڑنا۔
بے ضرورت اپنے ہاتھوں، یا کسی اور چیز سے منہ کا ڈھکنا۔ اگر کسی ضرورت سے ہو، مثلاً جمائی کے وقت تو مکروہ نہیں ہے۔
آگے کے رخ یا دائیں جانب تھوکنا (مکروہ ہے) بائیں جانب نہیں۔
حدث کو روک کر نماز پڑھنا۔
مرغوب طبع اشیائے خورد ونوش حاضر ہونے کی حالت میں نماز پڑھنا۔
گزرگاہ عام مثلاً راستوں کے چوک اور طواف کی جگہ پر نماز پڑھنا۔ معصیت خانوں، مثلاً حمام وغیرہ میں نماز پڑھنا۔
معبد نصاریٰ (گرجا گھر) میں نماز پڑھنا۔
ایسی جگہ نماز پڑھنا جو دراصل گند وغیرہ ڈالنے کے لیے ہے، جیسے کوڑی یا ذبح خانہ اور اونٹوں کی پنسال۔
نماز میں قبر کا آگے ہونا۔
ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا۔
دونوں پیروں کو ملا کر نماز پڑھنا۔
نیند کے غلبہ کی حالت میں نماز پڑھنا۔
جماعت کھڑی ہو تو صف سے الگ ہو کر نماز پڑھنا، درآنحالیکہ جماعت کے ساتھ پڑھنا مقصود ہو؛ اگر یہ مقصود نہ ہو تو مکروہ نہیں۔

یہ تمام احکام اس صوت میں ہیں جب کہ وقت میں گنجائش ہو، ورنہ کوئی کراہت نہیں ہے۔
مالکیہ کہتے ہیں کہ نماز کی مکروہات حسب ذیل ہیں:

Marfat.com

اصل فرائض میں قرأت سے پہلے اعوذ باللہ کہنا۔

اسی طرح سورۃ پڑھنے سے پہلے بسم اللہ کہنا۔

نذر نفلی نماز میں بھی بہتر یہی ہے کہ تعوذ اور بسم اللہ کو ترک کر دیا جائے، ہاں اختلاف سے بچنے کے لیے ایسا کیا جا سکتا ہے۔ایسا خیال ہو تو فرض وغیرہ میں بھی بسم اللہ کہہ لینا بہتر ہے۔

قرأت سے پہلے یا اس کے درمیان میں دعا مانگنا۔

رکوع میں دعا مانگنا۔

تشہد سے پہلے دعا مانگنا۔تشہد کے بعد بھی دعا مکروہ ہے، اگر آخری تشہد نہ ہو۔

امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدی کا دعا مانگنا۔

نماز کے اندر اپنے کسی مدعا کے لیے اونچی آواز سے دعا مانگنا۔

تشہد اونچی آواز سے پڑھنا۔

پہنے ہوئے لباس پر سجدہ کرنا۔

عمامہ کے پھیر پر سجدہ کرنا۔اگر پھیر ہلکے ہوں، مثلاً دو ایک ہی پھیر ہوں تو نماز نہ دہرائی جائے۔اگر پھیر ہلکے نہ ہوں تو وقت کے اندر اندر دوبارہ نماز پڑھ لی جائے۔

ایسے کپڑے پر نماز پڑھنا جس کو کسی دوسرے نے پہن رکھا ہو۔

نرم اور ملائم فرش یا چٹائی پر سجدہ کرنا، بشرطیکہ وہ مسجد کا فرش نہ ہو؛ ایسا ہو تو مکروہ نہیں ہے۔

رکوع اور سجود میں قرأت کرنا۔البتہ سجدے میں دعا کرنا مقصود ہو تو مکروہ نہیں ہے۔

ہمیشہ کے لیے دعا کے یکساں الفاظ مخصوص کرنا۔

نماز میں بغیر کسی سخت ضرورت کے ادھر ادھر مڑنا۔

انگلیوں کا باہم ملا کر پنجہ بنانا۔

انگلیاں چٹخانا۔

اقعاء کرنا (یعنی کتے کی نشست بیٹھنا) اس کی تشریح اوپر ہو چکی ہے۔

تحضر کرنا (یعنی ٹیک لگانا یا کمر پر ہاتھ رکھنا) اس کی تشریح اوپر ہو چکی ہے۔

آنکھوں کا بند کرنا مکروہ ہے لیکن اگر کسی شے کی طرف مشغول ہو جانے کے اندیشہ سے آنکھ بند کر لی ہے تو مکروہ نہیں۔

آسمان کی جانب آنکھ اٹھا کر دیکھنا (مکروہ ہے) اگر عبرت حاصل کرنے کے لیے نہ ہو۔

ایک پاؤں اٹھا کر دوسرے پاؤں کے بل بلا ضرورت کھڑا ہونا۔

پاؤں کے اوپر پاؤں رکھنا۔

پاؤں سے پاؤں ملا کر رکھنا۔

دنیاوی امور کے دھیان میں رہنا

Marfat.com

آستین میں کسی شے کو اٹھائے رکھنا۔

منہ میں کچھ لے رکھنا، درآنحالیکہ حروف کو ان کے مخارج سے ادا کرنے میں حرج نہ ہو؛ اگر ایسا ہوا تو نماز باطل ہو جائے گی۔

داڑھی وغیرہ سے بے فائدہ شغل کرنا۔

چھینک آنے پر الحمد کہنا۔

ہاتھ یا سر کے اشارے سے چھینکنے والے کی حمد کا جواب دینا یعنی یرحمک اللہ کہنا۔

بلا ضرورت جسم کو مسلنا، بشرطیکہ یہ عمل عرفاً قلیل ہو، ضرورت پڑنے پر ایسا کرنا جائز ہے۔ اگر عمل کثیر کیا جائے گا تو نماز باطل ہو جائے گی۔

بالارادہ تبسم کرنا، لیکن ہلکا سا ہو، یعنی جسے عام طور پر معمولی کہا جائے۔ اگر غیر معمولی تبسم ہوا تو نماز (مکروہ نہیں) باطل ہو جائے گی۔ خواہ وہ تبسم بے اختیاری میں ہوا ہو۔

کوئی معمولی سنت مثلاً تکبیر یا سمع اللہ لمن حمدہ قصداً ترک کرنا۔ یاد رہے کہ سنت مؤکدہ کا ترک کرنا محض مکروہ نہیں بلکہ حرام ہے۔

فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں کے علاوہ اور کسی رکعت میں کوئی سورۃ یا آیت کا پڑھنا۔

کسی ایسی ضرورت سے ہاتھ بجانا جس کا تعلق خود نماز سے ہو (مکروہ ہے) بجانے والا مرد ہو یا عورت۔

بلا ضرورت سبحان اللہ کہنا۔

چادر کو اپنے اوپر لپیٹ لینا (اشتمال الصماء)۔

اضطباع کرنا (یعنی کپڑے کو پہلو سے نکال کر پلوؤں کو کندھے پر ڈالنا (دونوں امور کی تشریح پہلے آ چکی ہے)۔

اشارہ سے نماز پڑھنے والے کا کسی شے کو اونچا کر کے سجدہ کرنا وہ شے زمین سے لگی ہوئی ہو یا علیحدہ ہو۔

کنکریوں کو ہٹانا تاکہ وہاں سجدہ کیا جائے، سایہ ہو یا دھوپ

عربی جاننے والے کو کسی اور زبان میں دعا مانگنا۔

حنابلہ نے حسب ذیل امور کو نماز کی مکروہات میں شمار کیا ہے:

دھنسی ہوئی زمین پر نماز پڑھنا۔

وہاں پر نماز پڑھنا جہاں عذاب نازل ہو چکا ہو، جیسے ''ارض بابل''۔

چکی گھر میں نماز پڑھنا۔

چکی گھر کی چھت پر نماز پڑھنا۔

دلدلی زمین پر نماز پڑھنا۔

واضح ہو کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے عبادت خانوں میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے، اگرچہ ان میں تصویریں ہوں، لیکن وہ تصویریں نمازی کے آگے آویزاں نہ ہوں۔

Marfat.com

چادر کا کندھے پر سے لٹکا لینا اور بدن کا چادر میں لپیٹ لینا۔ دونوں باتوں کی تشریح پہلے ہو چکی ہے۔

چہرے کا ڈھانکنا۔

منہ اور ناک کا ڈھانکنا۔

بے ضرورت آستین کا سمیٹنا۔

کمر پر کوئی چیز زنار کی طرح باندھنا۔

کرتے کے اوپر سے کمر کو کسنا، اگر چہ وہ زنار جیسی کوئی چیز نہ ہو، جیسے انگوچھا وغیرہ مرد اور عورت دونوں کے لیے یہ مکروہ ہے۔ قفطان☆ کی طرح کمر بستہ ہونے میں مضائقہ نہیں ہے۔

وتر کے سوا کسی اور نماز میں دعائے قنوت کا پڑھنا۔ لیکن قنوت نازلہ کا پڑھنا جمعہ کے علاوہ تمام نمازوں میں بڑے امام کے لیے سنت ہے۔

بلا ضرورت معمولی سا ادھر اُدھر مڑنا، خواہ صرف چہرہ مڑا ہو، یا اس کے ساتھ سینہ بھی مڑ گیا ہو۔ لیکن اگر کوئی اتنا مڑا کہ ساری پیٹھ قبلہ کی طرف ہو گئی تو نماز جاتی رہے گی بشرطیکہ وہ کعبہ کے اندر نہ ہو یا خوف خدا کی شدت سے ایسا ہوا تو نماز باطل نہ ہو گی۔

آنکھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنا مکروہ ہے لیکن اگر کوئی جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو اور ڈکار کے لیے سر اوپر اٹھالے تا کہ لوگوں کو منہ کی بد بو سے اذیت نہ ہو تو اس میں کراہت نہیں ہے۔

سامنے لگی ہوئی تصویر کے آگے نماز پڑھنا۔

تصویر کے اوپر سجدہ کرنا۔

تصویر بنی ہوئی کوئی شے لے کر نماز پڑھنا، یہ تصویر خواہ چھوٹی ہی سی ہو، جیسے سکوں پر بنی ہوئی تصویر۔

کسی انسان یا جاندار کے چہرے کے سامنے نماز پڑھنا، ایسی شے کے سامنے نماز پڑھنا جس کی طرف دھیان چلا جاتا ہو جیسے نقش و نگار والی دیوار۔

ایسی شے لے کر نماز پڑھنا جس کی طرف دھیان لگا رہے۔

جلتی ہوئی آگ کا سامنے ہونا، خواہ چراغ ہو یا قندیل یا روشن شمع۔

زبان کا باہر نکالنا۔

کچھ ڈالنے کے لیے منہ کھولنا۔

جہاں لوگ بات چیت کر رہے ہوں وہاں پر نماز پڑھنا۔

سوئے ہوئے لوگوں کی طرف نماز پڑھنا۔

کافر کی طرف نماز پڑھنا۔

بے ضرورت کسی چیز سے ٹیک لگانا، بایں طور کہ اگر وہ چیز ہٹالی جائے۔ تو وہ شخص گرے نہیں۔ (یہ کیفیت تو مکروہ ہے)، اگر (اس طرح ٹیک لگائی کہ وہ چیز ہٹانے سے) گر جائے تو نماز ہی جاتی رہے گی۔

☆ قفطان سے مراد اورکوٹ یا پیٹی دار کوٹ وغیرہ ہے۔

Marfat.com

ایسی کیفیت سے نماز پڑھنا جو کامل طور پر نماز پڑھنے سے مانع ہو جیسے گرمی یا سردی (کی شدت میں)۔

سجدے میں بازوؤں کو درندوں کی طرح بچھالینا۔

''اقعاء'' کرنا جس کی تشریح اوپر ہو چکی ہے۔

بول و براز یا ریح کی حاجت کو دبا کر نماز پڑھنا۔

کھانے پینے یا مباشرت کی شدید خواہش میں نماز پڑھنا۔

کنکریوں کو الٹ پلٹ کرنا۔

بے فائدہ حرکت کرنا۔

کمر پر ہاتھ رکھنا۔

خود کو ہوا جھلنا مجبوری ہو تو خیر لیکن جھلنے میں زیادتی نہ ہونی چاہیے، ورنہ نماز باطل ہو جائے گی، جیسا کہ مفسدات نماز میں بیان ہوا۔

دونوں پیروں میں سے کبھی ایک پر اور کبھی دوسرے پر زور دے کر کھڑا ہونا۔

انگلیوں کا چٹخانا۔

انگلیوں کو باہم پھنسا کر پنجہ بنانا۔

بیٹھنے کے وقت ہاتھ پر سہارا دینا۔

بالارادہ بندھے ہوئے شانوں کے ساتھ نماز پڑھنا۔

بال کا چٹا بنانا۔ اس کی تفصیل اوپر آ چکی۔

بالوں یا کپڑے کو مروڑنا۔

سجدے میں جاتے وقت ہاتھوں سے اپنے لباس کو سمیٹنا۔

پیشانی کو کسی چیز پر سجدہ کے لیے مخصوص کرنا۔

سجدہ کرنے میں (ماتھے پر) اگر کچھ لگ جائے تو اس کو صاف کرنا۔

قبلہ کی جانب لکھی ہوئی کسی تحریر کی طرف سجدہ کرنا۔

قبلہ پر تلوار یا قرآن کو لٹکانا۔

بے فائدہ سجدہ کی جگہ کو ہموار کرنا۔

سورۂ فاتحہ کا کسی رکعت میں بار بار پڑھنا۔ ایک رکعت میں دو سورتوں کا پڑھنا، اگر چہ فرض نماز ہو، مکروہ نہیں ہے۔

ایک ہی فرض نماز میں پورا قرآن شریف ختم کرنا (بھی مکروہ ہے)۔

Marfat.com

مسجد میں جو افعال مکروہ ہیں اور جو مکروہ نہیں، ہیں ان کا بیان

مسجد کے درمیان سے گزرنا۔

مسجد کو راستہ بنالینا مکروہ ہے، لیکن ضرورت ہو تو جائز ہے۔ اس میں مسالک کی تفصیل ہے۔ (۱)

مسجد میں سونے اور کھانے کا بیان

مسجد کے اندر سونا بموجب تفصیل مسالک مکروہ ہے۔ ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (۲)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ بغیر کسی عذر کے مسجد میں سے راستہ بنانا مکروہ تحریمی ہے؛ کوئی مجبوری ہو تو جائز ہے۔ تحیۃ المسجد (احترام مسجد) کی نماز دن بھر میں صرف ایک دفعہ پڑھ لینا کافی ہے، اگرچہ مسجد میں جانے کا کئی بار اتفاق ہو۔

اگر کوئی شخص مسجد سے ہو کر گزرنے کا عادی ہے کہ بار بار مسجد میں سے ہو کر جاتا ہے تو وہ فاسق بدکار قرار دیا جائے گا۔ ہاں دو ایک بار مسجد سے ہو کر گزرنا فسق متصور نہ ہوگا۔ اگر اعتکاف کی نیت کر لی جائے تو فسق سے بری ہوگا، خواہ مسجد میں قیام نہ کیا جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مسجد کے اندر سے گزرنا کثرت سے نہ ہو تو جائز ہے۔ اگر کثرت سے گزرتا ہو اور مسجد کی عمارت راستے سے ہٹ کر ہے تو مکروہ ہے؛ اگر ایسا نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔

ایسی صورت میں اس طرف سے گزرنے والے سے تحیۃ المسجد ادا کرنے کے لیے نہیں کہا جائے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مسجد میں سے ہو کر گزرنا پاک اور ناپاک سب کے لیے جائز ہے البتہ حیض کی حالت میں عورت کو مسجد سے گزرنا مکروہ ہے، خواہ ضرورۃً ہو بشرطیکہ مسجد کی آلودگی کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر ایسا ہوا تو حرام ہے سنت یہ ہے کہ مسجد میں آنے والا اگر باوضو ہے، یا اسی وقت وضو کر سکتا ہے تو تحیۃ المسجد کی نماز ادا کرے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ کوئی پاک ہو یا ناپاک مسجد کو راستہ بنانا (سب کے لیے) مکروہ ہے، اور بلا وضو اس میں ٹھہرنا حرام ہے۔ اسی طرح حیض اور نفاس کی حالت میں بے ضرورت مسجد کے اندر جانا مکروہ ہے، بشرطیکہ مسجد کے گندا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ ہاں اگر کسی ضرورت سے جانا ہو تو کسی کے لیے بھی مکروہ نہیں ہے۔ مسجد میں سے ہو کر گزرنے میں راستہ قریب پڑتا ہو تو یہ بھی ایک ضرورت ہی ہے، لہٰذا اس صورت میں کراہت جاتی رہے گی۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مسجد میں سونا مکروہ ہے۔ ہاں کوئی مسافر ہو یا اعتکاف میں ہو تو اس کے لیے مکروہ نہیں ہے۔ اور جو کوئی بھی سونے کا ارادہ کرے اسے چاہیے کہ اعتکاف کی نیت کر لے، اور عبادت کا جو ارادہ کیا اسے ادا کر کے سو جائے تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مسجد میں سونا مکروہ نہیں ہے، بجز اس کے کہ اس کا سونا موجب اضطراب ہو، مثلاً یہ کہ سونے کی حالت میں خراٹے کی آواز نکالتا ہو (تو مکروہ ہوگا)۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ معتکف وغیرہ کے لیے مسجد میں سونا مباح ہے۔ البتہ نمازیوں کے آگے نہ سونا چاہیے، کیونکہ اگر

Marfat.com

اسی طرح اعتکاف کرنے والے کے علاوہ کسی اور کو مسجد کے اندر رکھانا بموجب تفصیل مسالک مکروہ ہے۔(۱)

مسجد میں اونچی آواز سے بولنا

مسجد میں بلند آواز سے بولنا یا ذکر الٰہی کرنا بموجب تفصیل مسالک مکروہ ہے۔ ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔(۲)

آگے لوگ سوئے ہوئے ہوں تو نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔ نیز ان لوگوں پر بھی لازم ہے کہ نماز کے وقت اٹھ بیٹھیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ قیلولہ کے طور پر (یعنی دن کے وقت) مسجد میں سونا جائز ہے، خواہ وہ مسجد جنگل میں ہو یا بستی میں، لیکن رات کو جنگل کی مسجد میں سونا جائز ہے۔ بستی کی مسجد میں جائز نہیں ہے۔ ہاں جس کا کوئی ٹھکانا نہ ہو، یا رات کو ٹھکانے پر پہنچنا دشوار ہو تو اس کے لیے (بستی کی مسجد میں سونا) مکروہ ہے۔ ہمیشہ کے لیے مسجد کو ٹھکانا بنا لینا جائز نہیں ہے، بجز اس کے جو صرف عبادت کے لیے مجرد رہتا ہو۔ عورت کو مسجد میں سکونت کرنا حلال نہیں ہے۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی بودار چیز نہیں ہے تو اس کا کھانا مکروہ تنزیہی ہے، لیکن بودار چیز جیسے لہسن، پیاز ہو تو اس کا کھانا مکروہ تحریمی ہے۔ ایسے شخص کو جس نے یہ کھا رکھا ہو، مسجد میں آنے کی ممانعت ہے، اور اسی زمرے میں ہے وہ شخص جسے گندہ ذہنی کا مرض ہو، جس کی بو سے نمازیوں کو تکلیف پہنچے۔ اسی طرح ہر ایذا رساں کو، خواہ وہ زبان سے ایذا پہنچائے، مسجد میں آنا منع ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ (غریب الوطن) لوگ جن کا مسجد کے سوا ٹھکانا نہیں ہے، ان کے لیے جائز ہے کہ مسجد میں ٹھہریں اور اس میں کھائیں، لیکن ایسی چیزیں جن سے گندنہ پھیلے، جیسے کھجور۔ ہاں ایسی چیز بھی کھا سکتے ہیں جن سے گندگی پھیلتی ہے، لیکن اس طرح کہ مسجد خراب نہ ہو، یعنی دستر خوان یا چمڑے وغیرہ کو بچھا کر۔ تاہم یاد رہے کہ اس میں بدبو والی کوئی شے نہ ہو؛ ایسی شے کا مسجد میں کھانا حرام ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مسجد میں کھانا مباح ہے، بشرطیکہ اس سے مسجد میں غلاظت نہ ہو، جیسے شہد یا گھی یا مرغن شے، ورنہ حرام ہوگا، کیونکہ مسجد کو اس قسم کی اشیاء سے ہر چند کہ وہ پاک ہوں، خراب کرنا حرام ہے۔ اگر ایسی شے ہو جس کے کھانے سے مسجد میں کوڑا کرکٹ ہو جائے گو وہ پاک ہو مثلاً پھلیاں وغیرہ تو اس کا کھانا مکروہ ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ معتکف وغیرہ کو مسجد میں ہر قسم کی خوردنی اشیاء کا کھانا مباح ہے، بشرطیکہ مسجد آلودہ نہ ہو۔ مسجد میں ہڈی وغیرہ نہ پھینکنا چاہیے۔ ایسا کرے تو پھینکنے والے پر واجب ہے کہ اس جگہ کو صاف کرے۔ یہ حکم صرف اس صورت میں ہے جب کہ اس میں کوئی ناگوار بو نہ ہو، جیسے لہسن، پیاز، ایسا ہو تو مکروہ ہے۔ ان اشیاء کے کھانے والے اور وہ لوگ جو اسی طرح کے ہیں، جیسے کوئی گندہ دہن ہے، ان کا مسجد میں جانا مکروہ ہے۔ اگر کوئی آ جائے تو اسے نکال دینا مستحب ہے، تاکہ لوگوں کو اذیت نہ ہو۔ اسی طرح مسجد میں ریح خارج کرنا مکروہ ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مسجد کے اندر اونچی آواز سے ذکر کرنا جس سے نمازیوں کو پریشانی ہو، یا سونے والوں کی نیند اُچاٹ ہو جائے، مکروہ ہے ورنہ مکروہ نہیں ہے، بلکہ بعض اوقات (اونچی آواز سے) عبادت کرنا افضل ہے، جس سے

Marfat.com

مسجد میں خرید وفروخت

مسجد میں خرید وفروخت کا سودا کرنا بموجب تفصیل مسالک مکروہ ہے۔ تفصیل ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔(۱)

ذاکرین الٰہی کا قلب بیدار ہو، نیند اڑ جائے اور طاعت الٰہی کے لیے چستی آجائے۔ رہا اونچی آواز سے بات چیت کرنا، پس اگر وہ ناجائز کلام ہے تو مکروہ تحریمی ہے، اور اگر جائز بات چیت ہے تب بھی مکروہ ہے۔ درآنحالیکہ نمازیوں کی بے اطمینانی وغیرہ کا باعث ہو، اگر ایسا نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ اور یہ عمل مکروہ اس صورت میں ہے جب کہ مسجد میں آنے کی اصل غرض عبادت ہو، اگر بات چیت کرنے کے لیے کوئی مسجد میں آیا تو مطلقاً مکروہ ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر نماز پڑھنے والے یا معلم، یا قاری یا مطالعہ کرنے والے، یا کسی سونے والے کے لیے جس کا جگانا سنت نہیں ہے، پریشانی کا باعث ہو تو اونچی آواز سے ذکر الٰہی کرنا مکروہ ہے، یہ نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ لیکن اونچی آواز سے بولنا اگر ناجائز کام کے لیے ہو، جیسے بناوٹی حدیثوں کا مطالعہ وغیرہ تو حرام مطلق ہے۔ ہاں اگر جائز بات چیت ہو تو مکروہ نہیں ہے بشرطیکہ اس سے لوگوں کو پریشانی وغیرہ نہ ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مسجد میں اونچی آواز سے بولنا مکروہ ہے، اگرچہ عبادت یا تعلیم کے لیے ہو۔ اس حکم کی کراہت سے چار صورتیں انھوں نے مستثنیٰ قرار دی ہیں:

ایک تو یہ کہ مدرس اپنے متعلمین کو سنانے کے لیے اونچی آواز نکالے تو یہ مکروہ نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اونچی آواز نکالنے میں نماز پڑھنے والے کو پریشانی ہو؛ اس صورت میں (مکروہ نہیں بلکہ) حرام ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ مکہ کی مسجد یا منیٰ میں اونچی آواز سے تکبیر کہی جائے، یہ مکروہ نہیں ہے۔

چوتھے یہ کہ تکبیر وغیرہ کہنے والے کے ساتھ آواز ملا کر اونچی آواز نکالی جائے، یہ مکروہ نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مسجد میں اونچی آواز سے ذکر کرنا مباح ہے، بشرطیکہ دوسرے نمازیوں کو پریشانی نہ ہو، ورنہ یہ فعل مکروہ ہے، لیکن عبادت کے علاوہ کسی اور غرض سے اونچی آواز نکالنا اگر امر مباح کے لیے ہو تو مکروہ نہیں ہے، لیکن اگر اس سے دوسروں کو پریشانی ہو تو وہ بھی مکروہ ہے۔ اگر امر مباح کے علاوہ کسی اور کام کے لیے اونچی آواز نکالی تو وہ بہرحال مکروہ امر ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مسجد کے اندر لین دین کا معاملہ، مثلاً خرید وفروخت یا مزدوری وغیرہ کا طے کرنا، مکروہ ہے، لیکن ہبہ وغیرہ کرنا مکروہ نہیں ہے، بلکہ عقد نکاح تو مسجد میں مستحب ہے۔ اور معتکف کے لیے کسی معاملے کا طے کرنا جس کا تعلق اس کی اپنی ذات یا اولاد سے ہو، جب تک کہ مال موجود نہ ہو مکروہ ہے۔ ہاں عقد تجارت اس کے لیے بھی ایسا ہی مکروہ ہے جیسا کہ دوسروں کے لیے۔

Marfat.com

مسجد کو منقش کرنا اور اس میں نجس شے کا داخل ہونا

مسجد میں نقش ونگار کرنا اور اس کو سجانا اگر سونے چاندی سے نہ ہو تو مکروہ ہے۔ سونے چاندی سے نقش ونگار کرنا حرام ہے۔ اس مسئلے میں شافعیہ اور حنابلہ متفق ہیں۔ مالکیہ اور حنفیہ کے مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہوں۔(1)

نجاست اور نجاست آلود شے کا مسجد میں داخل ہونا، اگر چہ وہ خشک ہو، حرام ہے۔ چنانچہ گندے تیل اور روغن سے چراغ جلانا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح ناپاک شے کا تعمیر میں استعمال کرنا یا ناپاک چونا لگانا جائز نہیں ہے۔

پیشاب وغیرہ مسجد میں کرنا جائز نہیں ہے، اگر چہ کسی برتن میں کیا جائے، بجز اس کے کہ ایسی ہی مجبوری آپڑے تو جائز ہے۔ اس حکم سے نجس جوتے لے کر مسجد میں داخل ہونا مستثنیٰ ہے۔ ضرورت پڑنے پر یہ جائز ہے، لیکن چاہیے کہ جوتی کی نجاست جھڑنے سے مسجد کو ناپاک نہ ہونے دیا جائے۔ مالکیہ اور شافعیہ

مالکیہ کہتے ہیں کہ خرید وفروخت وغیرہ مسجد میں مکروہ ہے، بشرطیکہ مال میں کچھ ہیر پھیر یا مہلت ہو، ورنہ مکروہ نہیں ہے۔ مسجد میں دلالی کے ذریعے خرید وفروخت حرام ہے۔ ہبہ وغیرہ کرنا اور عقد نکاح جائز ہے، بلکہ عقد نکاح تو مسجد میں مستحب ہے۔ عقد نکاح سے مراد ایجاب وقبول ہے۔ اس میں ایسی شرائط کا ذکر نہ ہو جو صحت نکاح کی شرائط میں سے نہیں ہیں اور نہ زیادہ گفتگو ہونی چاہیے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مسجد کو مقام خرید وفروخت بنانا حرام ہے، جب کہ مسجد میں سودا چکانے میں جھگڑا نہ کیا جائے، مسجد کے احترام کا خیال نہ کیا جائے، اگر ایسا نہیں کیا گیا تو مکروہ ہے۔ تاہم کوئی ضرورت آپڑے تو مکروہ نہیں ہے جب تک کہ نمازی تنگ نہ ہوں۔ ایسا ہوا تو حرام ہے، لیکن عقد نکاح معتکف کے لیے جائز ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مسجد میں خرید وفروخت اور اجارہ حرام ہے۔ اگر کیا جائے تو باطل ہے۔ لیکن عقد نکاح سنت ہے۔

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ مسجد میں نقش ونگار اور اس کی سجاوٹ سونے چاندی سے کرنا مکروہ ہے (حرام نہیں ہے)۔ نقش ونگار، خواہ مسجد کے محراب میں ہوں، یا کسی اور جگہ چھت اور دیوار پر ہوں۔ لیکن مسجد میں چونا گچ کرنا اور اسے مستحکم بنانا مستحب ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ محراب اور قبلہ رخ دیواروں کو سونے کے پانی سے منقش کرنا مکروہ ہے، بشرطیکہ مال حلال سے ہو مال وقف سے نہ ہو۔ اگر مال حرام یا مال وقف سے ہو تو حرام ہے، لیکن چھت اور باقی دیواروں کو ذاتی مال حلال سے منقش کرنا مکروہ نہیں ہے۔ ذاتی مال سے نہ ہو تو حرام ہے۔ اگر ظالموں کے ہاتھوں مال وقف کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو، یا اس طرح (خرچ کرنے میں) عمارت کی حفاظت ہوتی ہو، یا وقف کرنے والا خود کرے تو مضائقہ نہیں ہے۔

Marfat.com

کے نزدیک یہی حکم ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کے مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہوں۔ (۱)

مسجد کے اندر بچوں اور فاتر العقل اشخاص کا داخل ہونا

بچوں اور فاتر العقل اشخاص کا مسجد کے اندر آنا بموجب تفصیل مسالک مکروہ ہے۔ تفصیل ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

مسجد میں تھوکنا اور رینٹ پھینکنا

مسجد میں تھوکنے اور رینٹ پھینکنے کے احکام بموجب تفصیل مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۳)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نجس شے یا نجاست آلودشے کا مسجد میں لانا، نجس تیل سے چراغ جلانا، نجس سامان سے (مسجد کی) تعمیر کرنا اور اس کے اندر پیشاب کرنا، یہ سب باتیں جو ذکر کی گئیں، مکروہ تحریمی ہیں۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نجس شے یا نجاست آلود شے سے اگر مسجد میں کچھ گر رہا ہو تو اس کا مسجد میں لانا حرام ہوگا، ورنہ نہیں۔ ہاں نجس تیل سے چراغ جلانا حرام ہے۔ اسی طرح پیشاب کرنا بھی خواہ کسی برتن میں کیا جائے، حرام ہے۔ رہی نجس شے سے تعمیر یا لپائی، سو وہ (حرام نہیں) مکروہ ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر گمان غالب یہ ہو کہ یہ لوگ مسجد کو نجس کر دیں گے تو ان کا مسجد میں لانا مکروہ تحریمی ہے، ورنہ مکروہ تنزیہی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ بچے اگر بیہودہ باتیں نہ کرتے ہوں یا اگر منع کیا جائے تو وہ بیہودہ باتوں سے باز رہیں تو ان کو مسجد میں لانے کی اجازت ہے۔ ایسا نہ ہو تو انھیں مسجد میں لانا حرام ہے۔ اسی طرح بچوں اور دیوانوں سے اگر مسجد کے ناپاک ہونے کا اندیشہ ہو تو ان کا لانا حرام ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ بے شعور بچے اور دیوانے اشخاص سے مسجد کے گندا کرنے یا کسی اور طرح کا نقصان پہنچانے یا ستر کھولنے کا اندیشہ نہ ہو تو انھیں مسجد میں آنے دینا جائز ہے۔ باشعور بچہ اگر مسجد میں کھیلنے کودنے نہ لگے تو اس کا لانا جائز ہے ورنہ حرام ہے۔

۳۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر تھوک وغیرہ کے لیے کوئی گڑھا کھود کر اس میں تھوکا جائے اور اسے مٹی سے دبا دیا جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ گڑھا کھودنے سے پہلے اگر تھوکا تو گناہ کیا، تاہم اگر اس کے بعد اسے دبا دیا تو گناہ دور ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی نے مسجد کے سنگین چوکے پر تھوکا اور پھر اسے صاف کر دیا اور اس کا اثر جاتا رہا تو گناہ سر سے اتر گیا۔ لیکن اگر تھوک گرانے کے بعد ان میں سے کوئی بات نہ کی تو یہ فعل حرام کا ارتکاب ہوا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مسجد میں تھوکنا حرام ہے۔ اگر مسجد کا فرش مٹی کا ہو یا کنکریاں بچھی ہوئی ہوں اور تھوک کو دبا دیا ہو تو بار گناہ سر سے اتر جائے گا۔ اگر سل کا فرش ہے تو اس پر سے تھوک کو صاف کرنا واجب ہے۔ چٹائی سے ڈھک دینا کافی

Marfat.com

مسجد میں گم شدہ اشیاء کی بابت پوچھ گچھ کرنا

منجملہ مکروہات کے مسجد میں ''ضالہ'' گم شدہ شے کے متعلق پوچھ گچھ یا تلاش کرنا ہے۔ضالہ سے مرادوہ چیز ہے جوگم ہوگئی ہو۔آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:''اذا رایتم من ینشد الضالہ فقولوا لہ لا ردھا اللہ علیک ''یعنی جب کسی کو مسجد کے اندر گم شدہ چیز کی بابت پوچھ گچھ کرتے دیکھو تو یوں کہو کہ خدا کرے وہ تجھے نہ ملے اس عمل کے مکروہ ہونے میں سب کا اتفاق ہے۔تاہم اس باب میں شافعیہ کی کچھ تشریح ہے۔اس کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

مسجد میں اشعار کا گانا

مسجد میں شعرخوانی بموجب تفصیل مسالک مکروہ ہے۔ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔(۲)

نہیں ہے۔اگر تھوک اس کو نظر نہ آئے تو جس کو بھی نظر آجائے اس پر لازم ہے کہ اسے دبا کر یا اور طریقے سے صاف کر دے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر مسجد کا فرش سنگین ہے تو کم مقدار کا تھوک مکروہ ہے، زیادہ مقدار میں ہو تو حرام ہے۔لیکن اگر فرش سنگ ریزوں کا ہے تو مکروہ نہیں ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ سب مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا مسجد کو تھوک، رینٹ اور بلغم سے پاک رکھنا واجب ہے، خواہ فرش پر ہو یا دیوار پر، اور خواہ چٹائی کے اوپر ہو یا نیچے۔اگر کسی نے ایسا کیا تو اس کو صاف کرنا واجب ہے۔اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مسجد کا فرش مٹی کا ہو، یا پتھر کا، یا اس پر فرش بچھا ہو وغیرہ۔

۱۔شافعیہ کہتے ہیں کہ کھوئی گئی چیز کی بابت مسجد کے اندر پوچھ گچھ کرنا فعل مکروہ ہے، بشرطیکہ اس سے نماز پڑھنے اور سونے والوں کو زحمت نہ ہو، ورنہ حرام ہے۔یہ حکم مسجد حرام کے علاوہ دوسری مساجد کے لیے ہے۔مسجد حرام میں کوئی ہوئی چیز کا تلاش کرنا مکروہ نہیں ہے، کیونکہ وہاں بڑا ازدحام ہوتا ہے۔

۲۔حنفیہ کہتے ہیں کہ مسجد میں ایسے اشعار کا پڑھنا جو وعظ وحکمت پر مشتمل ہوں، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذکر اور پرہیز گاروں کی توصیف میں ہوں اچھی بات ہے۔اگر اس کا مضمون کھنڈرات حالات زمانہ اور تاریخ اقوام پر مشتمل ہو تو روا ہے لیکن اگر ان میں مذمت اور بیہودگی ہو تو حرام ہے۔قامت و رخسار اور زلف و کمر کا ذکر ہو تو مکروہ ہے، تا آنکہ اس سے نفسانی خواہشات کا ہیجان نہ ہو، ورنہ فعل حرام ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نعتیہ اشعار اور ایسے اشعار، جو حرام اور مکروہ نہیں ہیں ان کا مسجد میں پڑھنا مباح ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ایسے اشعار کا پڑھنا جن میں اللہ تعالیٰ کی حمد، رسول اللہ ﷺ کی نعت اور اعمال صالحہ کی ترغیب ہو، اچھی بات ہے، ورنہ جائز نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر اشعار حکمت وموعظت وغیرہ پر مشتمل ہیں جن میں خلاف شرع کوئی امر نہ ہو، اور ان کے

Marfat.com

مسجد میں سوال کرنا اور تعلیم دینا

مسجد کے اندر، بموجب تفصیل مسالک، نہ سوال کرنا جائز ہے اور نہ سائل کو خیرات دینا روا ہے۔ (۱)

مسجد کے اندر علوم کی تعلیم دینا اور قرآن کا پڑھنا اور وعظ و نصیحت کرنا نیز احکام کا جاری کرنا، اس طرح پر کہ نمازیوں کی نماز میں گڑبڑ نہ ہو، بالاتفاق جائز ہے۔ مسجد کا فرش (صحن) مسجد ہی میں داخل ہے، لہٰذا جو امور مسجد کے اندرونی حصہ میں مکروہ یا حرام ہیں وہ فرش مسجد میں بھی مکروہ اور حرام ہیں، البتہ مسجد کی بالائی عمارت مسجد میں داخل نہیں ہے۔

مسجد کی دیواروں پر لکھنا، مسجد میں وضو کرنا اور نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں مسجد کو بند کرنا

مسجد کی دیواروں پر رقم کرنے کی بابت مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲) مسجد میں وضو کرنا حرام ہے تا آنکہ تھوک اور رینٹ سے اس کو خراب نہ کیا جائے۔ ایسا کرنا شافعیہ اور حنابلہ کے

پڑھنے سے لوگ خلل پذیر نہ ہوں، تو جائز ہے، ورنہ حرام ہے۔

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ مسجد میں خیرات مانگنا اور سائل کو خیرات دینا مکروہ ہے۔ لیکن کوئی سوالی نہ ہو تو اسے عطا کرنا، یا جس کے لیے خطیب مسجد نے کہا ہو، تو اس کو صدقہ دینا (مسجد میں) مباح ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مسجد میں سوال کرنا مکروہ ہے، اور اگر سوال سے گڑبڑ پیدا ہو تو حرام ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مسجد میں سوال کرنا ممنوع ہے اور مانگنے والے کو مسجد میں کچھ نہ دینا چاہیے، البتہ صدقہ عطا کرنا (یعنی از خود مسجد) میں جائز ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ مسجد میں سوال کرنا حرام ہے، لیکن سوالی کو دینا مکروہ ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر تحریر قبلہ کے رخ ہو تو مکروہ ہے، کیونکہ اس سے نماز پڑھنے والے کا دھیان بٹتا ہے، خواہ وہ ترقیمہ قرآنی آیات کا ہو یا کچھ اور ہو۔ (قبلہ رخ کے علاوہ) کسی اور رخ پر لکھنا مکروہ نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ قرآن کا مسجد کی دیواروں اور چھتوں پر لکھنا مکروہ ہے، اور جس جگہ قرآن کی آیت لکھی ہو اس جگہ ٹیک لگانا حرام ہے۔ بایں طور کہ قرآن پیٹھ کے پیچھے ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مسجد کی دیواروں اور چھتوں پر لکھنا مکروہ ہے۔ اگر یہ کام مال وقف سے کیا جائے تو حرام ہے، اور ایسا کرنے والے پر ہرجانہ ادا کرنا واجب ہے۔ اگر کسی نے یہ اپنے مال سے کیا ہے تو اسے دوبارہ مال وقف کی آمدنی سے نہ لکھا جائے۔

Marfat.com

نزدیک حرام ہے۔ مالکیہ اور حنفیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱) اسی طرح نماز کا وقت نہ ہو تو مسجد میں قفل لگا دینا حنفیہ کے علاوہ تین اماموں کے نزدیک مباح ہے۔ مسلک حنفیہ کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

نماز کے لیے ایک مسجد کو دوسری مسجد پر ترجیح دینے کا بیان

شریعت اسلامیہ کی رو سے کسی ایک جگہ کو دوسری جگہ پر بذات خود کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ لیکن مختلف مقامات میں سے کسی ایک مقام کو دوسرے مقام پر ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسے ایک انسان دوسرے انسان سے افضل ہوتا ہے۔ یعنی یہ فضیلت کسی معنوی خوبی کے باعث ہوتی ہے ورنہ انسان بحیثیت انسان سب برابر ہیں، اسی طرح کسی مسجد کو اگر دینی اور اخلاقی آمور سے وابستگی بنسبت دوسری مسجد کے زیادہ ہو تو اس کو برتری حاصل ہوگی۔ مثلاً مکہ معظّمہ کی مسجد حرام ہے جو کعبہ کا مرکز ہے، اور جہاں پر ہم کو اللہ تعالیٰ نے خاص طریقہ سے اپنی عبادت کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح مدینہ منورہ کی مسجد نبوی ہے جس کو عظیم الشان دینی واقعات سے وابستہ ہونے کے باعث شرف حاصل ہے، مثلاً یہاں پر وحی کا نازل ہونا اور ائمہ دین کا مرکز ہونا کہ جنہوں نے اسی جگہ اصول دین کا علم رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا، وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ فقہا نے ایسی بعض مساجد کو اسی حیثیت سے جو انھیں دینی خوبیوں کے لحاظ سے ممتاز کرتی ہے، دوسری مسجدوں پر فوقیت دی ہے۔ اس فوقیت کے بارے میں مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۳)

حنفیہ کہتے ہیں کہ مسجد کی دیواروں پر تحریر نہ ہونی چاہیے، مبادا گر پڑے اور پیروں میں کچلے جانے سے اس کی توہین ہو۔

۱۔ حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ مسجد میں وضو کرنا بالکل مکروہ ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز کا وقت نہ ہو تب بھی مسجد کا بند رکھنا مکروہ ہے، لیکن اگر سامان کے چلے جانے کا اندیشہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔

۳۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ سب سے افضل مسجد مکہ معظمہ کی مسجد حرام ہے، اس کے بعد مدینہ منورہ کی مسجد نبوی کا درجہ ہے، پھر مقدس کی مسجد اقصیٰ، پھر مسجد قبا اس کے بعد سب سے قدیم مسجد، پھر وہ مسجد جو رقبہ میں سب سے بڑی ہو، پھر وہ مسجد جو نمازی سے قریب تر ہو۔ واضح ہو کہ جس مسجد میں دینی تعلیم دینے کا بندوبست ہو اس کا درجہ پرانی مسجد سے زیادہ ہے۔ اس کے بعد محلہ کی مسجد اس مسجد سے افضل ہے جس میں لوگ زیادہ جمع ہوتے ہوں، کیونکہ محلہ کی مسجد کا وہاں کے رہنے والوں پر حق ہوتا ہے، لہٰذا چاہیے کہ اس کا حق ادا کیا جائے اور اسے آباد رکھا جائے۔ مسجد میں نماز پڑھنے والے کے لیے بہتر یہی ہے کہ (نماز کے لیے) مسجد کو اختیار کرنے میں اس ترتیب کو ملحوظ رکھے۔

Marfat.com

یاد رہے کہ فقہا کے نزدیک افضل ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہاں پر نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے، یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ مسجد بذات خود افضل ہے۔

مبطلات صلوٰۃ (وہ امور جن سے نماز جاتی رہتی ہے) کا بیان

مختلف مسالک کی رو سے جو باتیں نماز کو باطل کرنے والی ہیں ان سب کو یکجائی طور پر ذیلی حاشیہ میں بیان کیا جاتا ہے۔ [1] اس کے بعد تفصیل کے ساتھ بتایا جائے گا کہ ان مبطلات میں سے کون سے امور متفق علیہ ہیں اور کن میں اختلاف ہے؟

شافعیہ کہتے ہیں کہ افضل مسجد مکہ کی ہے پھر مسجد نبوی، پھر مسجد اقصیٰ پھر وہ مسجد جہاں لوگ زیادہ جمع ہوتے ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہاں کا امام ایسا نہ ہو جس کے پیچھے لوگ نماز پڑھنا پسند نہ کرتے ہوں۔ ایسا ہو تو وہ کم مجمع والی مسجد ہی بہتر ہے۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ زیادہ مجمع والی مسجد میں جانے سے کم نمازی والی مسجد غیر آباد ہو جائے۔ مثلاً اس مسجد کا خود امام ہو یا ایسا شخص ہو جس کے ساتھ دوسرے اصحاب بھی نماز کو جاتے ہوں۔ ایسی صورت میں اس شخص کو کم نمازیوں والی مسجد ہی میں جانا افضل ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ سب سے افضل مسجد نبوی، پھر مسجد حرام، پھر مسجد اقصیٰ کا درجہ ہے۔ اس کے بعد تمام مساجد کا درجہ برابر ہے، البتہ قریب کی مسجد میں نماز پڑھنا بوجہ حق جوار کے افضل ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ سب سے افضل مسجد حرام ہے، پھر مسجد نبوی، پھر مسجد اقصیٰ، اس کے بعد تمام مسجدوں کا درجہ برابر ہے، لیکن اس مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے جہاں کی نماز جماعت اس شخص کی موجودگی ہی پر منحصر ہو، یا اس کے بغیر جماعت تو ہو جاتی ہو لیکن اس کی ناموجودگی امام یا اہل جماعت کی دل شکنی کا باعث ہو۔ اس کے بعد اس مسجد کا درجہ ہے جو پرانی ہو، پھر وہ مسجد جہاں زیادہ مجمع ہوتا ہو۔ اس کے بعد دور کی مسجد کا درجہ آتا ہے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ نماز کو باطل کرنے والے امور یہ ہیں:

تمام اقسام کے حدث جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، خواہ وہ وضو واجب کرنے والے ہوں، یا غسل واجب کرنے والے۔

نماز میں کلام کرنا۔ یہ تفصیل کہ کس قدر کلام سے نماز جاتی رہتی ہے آگے آرہی ہے۔

رونا اور کراہنا۔

فعل کثیر (یعنی کام کا مقدار میں زیادہ ہونا) جو نماز کے افعال میں داخل نہیں ہے، یا داخل ہے (لیکن مبطل صلواۃ ہے) اس کی تفصیل پہلے آچکی ہے۔ منجملہ ایسے افعال کے تین بار ہاتھ کو اٹھانا اور نیچے گرانا یا دائیں سے بائیں یا بائیں سے دائیں جانب پھرانا ہے۔ اگر ہاتھ کا ادھر سے ادھر لے جانا اور پھر ادھر سے ادھر لانا ایک ساتھ ہو تو وہ ایک بار سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر یہ حرکت ٹھہر ٹھہر کر ہوئی تو ہر بار کی حرکت جداگانہ شمار ہوگی۔ پیر کا گھمانا اس کے برخلاف ہے کہ اس کی حرکتیں خواہ متصل ہوں، ہر حرکت جداگانہ ایک شمار ہوگی، (یعنی پاؤں کا ادھر سے اُدھر کرنا اور اُدھر سے ادھر لانا دو حرکتیں متصور ہوں

Marfat.com

گی)۔

نیت نماز یا شرائط نماز میں سے کسی شرط کی نیت کے بارے میں شبہ کرنا، مثلاً یہ شک ہو جائے کہ ظہر کی نیت کی یا عصر کی، تو یہ شک نماز کو باطل کر دے گا، خواہ یہ شک صرف اتنی دیر رہا ہو جس میں نماز کا کوئی رکن ادا کیا جا سکے۔ اتنی دیر شبہ قائم نہ رہا تو نماز باطل نہ ہوگی۔

نماز ختم کرنے سے پہلے نماز سے خارج ہونے کی نیت کرنا، یا اس امر میں پس و پیش کرنا کہ آیا نماز توڑ دی جائے یا جاری رکھی جائے۔

کسی شرط پر نماز کے توڑنے کا ارادہ رکھنا، خواہ وہ شرط عادۃً محال ہو مثلاً دل میں یہ ارادہ رکھ کر نماز پڑھے کہ اگر فلاں شخص آ گیا تو نماز توڑ دوں گا۔ لیکن اگر نماز کو توڑنا کسی ایسی شرط پہ معلق کیا جو عقلاً محال ہو، تو حرج نہیں، مثلاً یہ شرط کہ دو متضاد اشیاء ایک ساتھ پائی گئیں تو نماز توڑ دوں گا۔

ایک نماز کی نیت دوسری نماز کی نیت سے بدل دینا۔ البتہ فرض نماز کی نیت کو نفل نماز کی نیت سے بدلا جا سکتا ہے، لیکن اس صورت میں جب کہ کوئی شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہے اور جماعت دیکھ کر اس میں شامل ہونے کا ارادہ کر لیا۔

نماز پڑھتے ہوئے ارتداد یا جنون کا لاحق ہو جانا۔

ستر کا کھلنا، درآنحالیکہ اس کے ڈھکنے کی قدرت ہو، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا، یا کوئی شخص برہنہ نماز پڑھ رہا تھا اور ستر ڈھکنے کے لیے کوئی شے مل گئی، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

نماز کے دوران بدن یا لباس پر نا قابل نظر انداز نجاست کا لگ جانا، اگرچہ یہ نجاست آنکھوں کے اندرونی حصہ میں لگی ہو۔ یہ نماز اس صورت میں باطل ہوگی جب کہ اسے فوراً دور نہ کیا جائے، بغیر اس کے کہ اس نجاست کو یا نجاست آلود شے کو اٹھا کر ہٹایا جائے۔

رکوع سے یا دونوں سجدوں کی درمیانی نشست سے اٹھنے میں زیادہ دیر لگانا۔ رکوع سے اٹھنے میں زیادہ دیر کا مطلب یہ ہے کہ رکوع کے اندر جو ذکر مشروع ہے اس سے زیادہ اتنی دیر اور لگانا جس میں سورۂ فاتحہ پڑھی جا سکے۔ اور دو سجدوں کی درمیانی نشست میں دیر سے مراد یہ ہے کہ اس دعا کے بعد جو مشروع ہے اتنی دیر اور لگائی جائے جتنی دیر میں آخری تشہد پڑھا جا سکتا ہے اس حکم سے صلوٰۃ التسبیح مستثنیٰ ہے جس میں دوسری رکعت سے اٹھنے اور دو سجدوں کے درمیان دیر تک توقف میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مقتدی کا کم از کم دو فعلی رکنوں میں امام پر پیش دستی کرنا یا امام سے تاخیر کرنا۔ اس سے نماز سے باطل جب ہوگی کہ بلا معذوری کے ایسا کیا جائے۔ وقت سے پہلے ہی ارادۃً سلام پھیر دینا۔

نماز شروع کرنے کی نیت سے تکبیر تحریمہ دوبارہ کہنا (یعنی اس صورت میں پہلی تکبیر سے جو نماز شروع ہوئی تھی وہ باطل ہو جائے گی)۔

نماز کے ارکان میں سے کسی رکن کا ارادۃً ترک کر دینا خواہ وہ رکن (فعلی نہ ہو بلکہ) قولی ہو۔

نماز پڑھتے ہوئے موزوں پر مسح کی مدت کا ختم ہو جانا، یا موزے یا پٹی سے ڈھکے ہوئے پاؤں کے کسی حصہ کا کھل جانا۔

Marfat.com

ایسے شخص کی اقتدا کرنا جس کے پیچھے کفر یا کسی اور سبب کے باعث نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔
نماز کے کسی فعلی رکن کا ارادۃً مکرر انجام دینا۔
نماز پڑھتے میں پیٹ کے اندر ایسی شے کا جانا جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اگرچہ وہ شے کھائی نہ گئی ہو بلکہ کسی اور طریقہ سے پیٹ میں چلی گئی ہو۔
سینہ کا قبلہ کے رخ سے ہٹ جانا۔
کسی ایک رکن فعلی کو دوسرے رکن پر مقدم کردینا۔
مالکیہ نے حسب ذیل اشیاء کو نماز باطل کرنے والی قرار دیا ہے:
کسی ایک رکن صلوٰۃ کو ارادۃً ترک کردینا۔
کسی ایک رکن صلوٰۃ کا سہواً ترک ہوجانا اور بایں خیال کہ نماز پوری ہوچکی ہے سلام پھیر دینا۔ اس کے بعد اتنی دیر گزر جائے جس کو عام طور پر لمبا عرصہ خیال کیا جاتا ہے تو نماز جاتی رہے گی، لیکن بایں گمان کہ نماز مکمل ہوچکی ہے، سلام پھیرنے کے معاً بعد یاد آگیا (کہ ایک رکن رہ گیا ہے) تو وہ ناقص رکعت بیکار گئی اب اگر دوسری پوری رکعت پر بنا کرکے باقی نماز پوری کرلی جائے تو نماز صحیح ہوجائے گی۔ لیکن اگر بایں یقین سلام نہیں پھیرا کہ نماز پوری ہوگئی ہے، بلکہ سلام پھیرا ہی نہیں یا غلطی سے سلام پھیر دیا اور وہ رکن جو رہ گیا ہے، آخری رکعت کا تھا تو اب اس رکن کو پورا کرکے نماز ادا کرلینی چاہیے۔ اگر رکن متروک آخری رکعت کا نہ تھا تو جب تک کہ ناقص رکعت سے اگلی رکعت کا عقد رکوع نہ ہوجائے (یعنی رکوع پورا نہ ہوجائے) اس وقت تک وہ چھوٹا ہوا رکن ادا کیا جاسکتا ہے۔ اگر اگلی رکعت کا رکوع کرلیا ہے تو وہ ناقص رکعت ضائع ہوگئی؛ اب رکن متروک ادا نہیں کیا جاسکتا۔ واضح ہو کہ عقد رکوع یہ ہے کہ اعتدال اور اطمینان کے ساتھ رکوع سے سر اٹھالیا جائے۔ لیکن اگر خود رکوع کو جھکا جائے (یعنی رکوع متروک کو اگلی رکعت کیلئے رکوع) ہی ترک ہوا ہو تو اگلی رکعت کی تکمیل اسی وقت متصور ہوجائے گی جب کہ اگلی رکعت کے لیے رکوع میں جھکنے سے پہلے پہلے ادا کرلینا چاہیے۔
نماز کی نیت کو توڑ دینا یا اسے ترک کردینا۔
کسی رکن فعلی، مثلاً رکوع یا سجود کا ارادۃً اضافہ کردینا۔
پہلی رکعت یا تیسری رکعت کے بعد بیٹھ کر ارادۃً ایک اور تشہد کا اضافہ کرلینا۔
نماز کے اندر ارادۃً یا سہواً قہقہہ لگانا۔
ارادۃً کچھ کھانا پینا۔
نماز کی اصلاح (غلطی کو دور کرنے کے علاوہ) کسی اور وجہ سے نماز کے اندر بول پڑنا۔ اصلاح کی غرض سے بھی اگر زیادہ کلام کیا جائے تو نماز باطل ہوجائے گی۔ تھوڑی سی بات سے نماز باطل نہ ہوگی جیسا کہ اوپر بتایا جاچکا ہے۔
ارادۃً چلانا یا (شور) کرنا۔
ارادۃً منہ سے پھونک مارنا۔
قصداً قے کرنا، خواہ تھوڑی سی ہو۔
بایں گمان کہ نماز پوری ہوگئی سلام پھیر دینا۔

Marfat.com

ناقض وضو کا لاحق ہونا یا اس کا یاد آ جانا (یعنی نماز پڑھنے میں یاد آ گیا کہ وضو تو ٹوٹ چکا تھا)۔

ستر مغلظہ یا اس کے کچھ حصہ کا کھل جانا۔

جائے نماز پر کسی نجاست کا گر پڑنا۔ یا دوران نماز (اس کے نجاست آلود ہو جانے کا) علم ہونا۔ (نماز کو باطل کر دیتا ہے) جیسا کہ سابقاً بیان ہوا۔

نماز پڑھتے میں امام کے علاوہ کسی اور کو لقمہ دینا۔

کوئی ایسا بڑا کام کرنا جو افعال نماز میں سے نہیں ہے۔

تکمیل فرض میں رکاوٹ ڈالنے والے کسی اور مشغلہ میں پڑ جانا، مثلاً پیشاب کا روکنا کہ یہ اطمینان کے منافی ہے۔

دو نمازوں کے مشترک اوقات میں نماز پڑھتے وقت پہلی نماز کا یاد آ جانا، مثلاً ظہر اور عصر کی نماز ملا کر پڑھنی ہے، عصر کا وقت ہے اور عصر کی نماز پڑھنے میں یاد آیا کہ ظہر کی نماز نہیں پڑھی تو یہ نماز باطل ہو جائے گی۔ لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ باطل نہ ہوگی، بلکہ فوت شدہ نمازوں کی ترتیب کے بارے میں جو تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

چار رکعتوں والی نماز میں سہواً چار رکعت سے زیادہ پڑھ لینے کا یقین ہو جانا، خواہ مسافر ہو۔ یا تین رکعت والی نماز میں اور وتر میں تین رکعت سے اور دو رکعت والی نماز میں دو رکعت سے زیادہ پڑھ لینا۔

ایسے مسبوق کا جو امام کے ساتھ ایک رکعت کے بعد شامل جماعت ہوا سجدہ کر لینا۔ یعنی وہ سجدہ جو امام نے باقاعدہ کر لیا تھا اس کو پورا کرنے کے لیے مسبوق نے قیام سے پہلے وہ سجدہ کر لیا یہ سجدہ اولیٰ ہو یا بعد کا (اس کے کرنے سے نماز باطل ہو جائے گی)۔ لیکن وہ شخص جس نے ایک رکعت نماز امام کے ساتھ پڑھی وہ (پہلی رکعت میں بھی) بہ تقلید امام سجدہ کرے گا۔ اب یہ سجدہ سلام سے پہلے کا ہے تو اپنی تمام پوری کر لینے کے لیے کھڑے ہونے سے پہلے امام کے ساتھ سجدہ کر لینا چاہیے۔ اگر سلام کے بعد کا سجدہ ہے تو اس کی تاخیر واجب ہے یہاں تک کہ نماز جو رہ گئی ہے وہ پہلے پوری کر لی جائے۔ اگر (سلام کے بعد والے سجدہ کو) اپنی نماز پوری کرنے سے پہلے کر لیا تو نماز جاتی رہے گی۔

سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ کرنا۔ یہ سجدہ سنت خفیفہ مثلاً کسی تکبیر کے ترک ہونے یا ترک تسمیہ یا ترک مستحب مثلاً قنوت کے ترک ہو جانے کا ہو (بہر حال مبطل صلوٰۃ ہے)۔

نماز کی سنتوں میں سے تین سنتوں کا سہواً ترک ہونا اور سجدۂ سہو نہ کرنا، یہاں تک کہ سلام پھیر دیا جائے، اور سلام پھیرے ہوئے اتنی دیر ہو جائے جسے عام طور پر دیر کہا جاتا ہے۔

حنابلہ حسب ذیل امور کو مبطلات صلوٰۃ میں شمار کرتے ہیں:

ایسے افعال جو نماز میں کیے جاتے ہیں ان کے علاوہ کوئی اور عمل کثیر کرنا۔ نا قابل درگزر نجاست کا لگ جانا جو فوراً دور نہ ہو گئی ہو۔

قبلہ کی جانب پیٹھ ہو جانا۔

نواقض وضو میں سے کسی شے کا پیش آ جانا۔

ارادۃً ستر کا کھولنا۔ ہوا وغیرہ کے چلنے سے ستر کھل جائے اور فوراً ہی ڈھک لی جائے تو مضائقہ نہیں۔

Marfat.com

بے سبب کسی شے پر پورا سہارا کرنا، بایں طور کہ اگر سہارے والی چیز ہٹالی جائے تو آدمی گر پڑے۔
قرأت شروع کرنے کے بعد تشہد پڑھنے لگنا، جب کہ یہ علم ہو اور یاد آجائے کہ قرأت سے تشہد کی طرف رجوع ہوا ہے۔
ارادۃً کسی رکن فعلی، مثلاً رکوع کو (مقدار مشروع) سے زیادہ ادا کرنا۔ ایک رکن کو دوسرے رکن پر مقدم کر دینا۔
نماز ختم کرنے سے پہلے عمداً سلام پھیر دینا۔
قرأت میں ایسا لہجہ نکالنا جس سے معنے بدل جائیں، حالانکہ صحیح ادا کرنے کی صلاحیت ہے، مثلاً لفظ انعمت کی ت پر پیش پڑھ دیا۔
نیت کا توڑ دینا (بایں طور کہ نماز ختم کرنے کا ارادہ کیا)۔
نماز کی نیت کو توڑنے کے بارے میں متردد ہونا۔
نیت توڑنے کا تہیہ کرنا گو فی الواقع نیت نہ توڑی ہو۔
نیت کے بارے میں شبہ لاحق ہونا بایں طور کہ (اعمال صلوٰۃ میں سے کوئی عمل) شبہ کے ساتھ ادا کیا۔ مثلاً رکوع یا سجود شک کے ساتھ ادا کیا (کہ خبر نہیں یہ کرنا چاہیے تھا یا نہیں؟)
تکبیر تحریمہ میں شک لاحق ہونا۔
لذات دنیا کے لیے دعا کرنا، مثلاً کسی حسین چھوکری کے لیے۔
غیر اللہ یا سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سے حصول مدعا کے لیے ضمیر خطاب کے ساتھ دعا کرنا۔
نماز میں قہقہہ لگا کر ہنسنا
نماز میں بولنا۔
مقتدی کا امام سے پہلے (کوئی) عمل کرنا۔
امام کی نماز کا باطل ہو جانا، سوا اس کے کہ حالت حدث وغیرہ میں بھول کر نماز پڑھی ہو۔ اس کی تفصیل امامت کے بیان میں آرہی ہے۔
مقتدی کا ارادۃً امام سے پہلے سلام پھیر دینا۔
سہواً سلام پھیر دینا اور امام کے سلام پھیرنے پر اس کو نہ لوٹانا۔
کچھ کھانا یا پینا، اگر ذرا سی شے اور سہواً یا ناواقفیت کی وجہ سے نہ ہو، نفل نماز ذرا سی کوئی شے ارادۃً پی لینے سے بھی باطل نہیں ہوتی۔
گھلنے والی شے شکر وغیرہ کا شیرہ نگل لینا۔ ہاں ذرا سی ہو اور بھولے یا ناواقفیت میں ہو تو خیر۔
بے ضرورت کھانسنا یا کھنکھارنا۔
ایسی پھونک نکالنا جس میں کم از کم دو حروف کی آواز پیدا ہو جائے۔
خوف خدا کے سوا کسی اور سبب سے رونے لگنا، بشرطیکہ رونے میں (کم از کم) دو حرفوں کی آواز نکل آئے۔ بجز اس

Marfat.com

صورت کے جب کہ رونا غالب ہو۔لیکن اگر کھانسی، چھینک یا جمائی کا زور ہو تو نماز باطل نہ ہوگی، اگر چہ اس میں دو حرفوں کی آواز پیدا ہو جائے۔

غنودگی کے عالم میں نمازی کا بولنا، بشرطیکہ کھڑا یا بیٹھا نہ ہو۔اگر حالت جلوس یا قیام میں ذراسی بات بعالم غنودگی نکل جائے تو نماز باطل نہ ہوگی۔

حنفیہ حسب ذیل امور کو مبطلات صلوٰۃ میں شمار کرتے ہیں:

صاف طور پر کلام کرنا جیسا کہ اوپر بیان ہوا، درآنحالیکہ حروف واضح طور پر سنے جا سکیں، خواہ یہ کلام بھول چوک سے ہوا ہو، یا ارادۃً یا نادانی سے۔

اس قسم کی دعا مانگنا جو عام لوگوں کی گفتگو سے مشابہ ہو، جیسے یہ کہ خدایا مجھے کپڑے پہنا دے یا میرا قرضہ ادا کر دے، یا فلاں عورت مجھے مل جائے۔

سلام کرنا اگر چہ بہ نیت تحیت علیکم السلام نہ کہا ہو یا سہواً سلام کر لیا ہو۔

زبان سے سلام کا جواب دینا، خواہ بھولے سے ہو کیونکہ یہ بھی عام بات چیت ہی کے برابر ہے۔یا مصافحہ کر کے سلام کا جواب دینا۔

عمل کثیر (یعنی ایسا کام کرنا جس میں زیادہ حرکت کرنی پڑے)۔

سینہ کا قبلہ کی طرف سے ہٹ جانا۔

کوئی شے باہر سے منہ میں ڈال کر کھانا یا پینا خواہ وہ ذراسی ہو، دانت کے درمیان کی پھنسی ہوئی کوئی شئی کھالیتا، خواہ وہ تھوڑی مقدار میں ہو۔تھوڑی مقدار چنے کے برابر خیال کی جاتی ہے۔

بے سبب کھانسنا، کیونکہ اس میں حروف کی آواز پیدا ہو جاتی ہے۔

تأفف کرنا (یعنی اُف کہنا) جیسے گرد پر پھونک مارتے ہیں۔

اور تضجر کرنا (یعنی اضطرابی کیفیت کا اظہار کرنا)۔

انین کرنا (یعنی آہیں بھرنا)۔

تاوہ (یعنی اوہ یا ہائے کہنا)۔

کسی جسمانی اذیت یا نقصان مال پر صدائے گریہ بلند کرنا۔

چھینک مارنے والے کا جواب یرحمک اللہ سے دینا۔

شریک باری تعالیٰ کی بابت سوال کرنے والے کو لآ الٰہ الا اللہ کہہ کر جواب دینا۔

بری خبر سن کر ''انا للہ و انا الیہ راجعون'' کہنا۔

صاحب ترتیب کو فوت شدہ نماز کا یاد آ جانا درآنحالیکہ وقت میں گنجائش ہو (یعنی وقت میں اتنی گنجائش ہو کہ فوت شدہ نماز پڑھ کر اس وقت کی نماز پڑھی جا سکے تو یہ نماز باطل ہو جائے گی) لیکن یہ باطل اس صورت میں ہوگی جب کہ اس کے بعد کی پانچ نمازیں نہ پڑھی گئی ہوں اور فوت شدہ یاد آ جائے۔اگر اس طرح یعنی پانچ نمازوں کے بعد پڑھی تو وہ

Marfat.com

(باطل نہ ہوگی) بلکہ جائز متصور ہوگی۔اس مسئلہ کی تفصیل فوت شدہ نمازوں کی قضا کے بیان میں آئے گی۔

کسی خوشخبری پر الحمد للہ کہنا، یا کسی بات پر اظہار تعجب کے لیے ''سبحان اللہ'' یا ''لآ الٰہ الا اللہ'' کہنا۔

کسی سوال کے جواب میں قرآن کی آیت پڑھ دینا، مثلاً کوئی شخص کتاب طلب کرے، اس کے جواب میں کہا جائے یا ''یحییٰ خذا الکتاب بقوہ'' (یعنی اے یحییٰ یہ کتاب مضبوطی سے پکڑ رکھو) یا مثلاً کوئی شخص دریافت کرے کہ تم کو کیا چاہیے؟ اس کے جواب میں کہا جائے اتـنـا غـداء نـا (یعنی ہمارا ناشتہ لاؤ) یا کسی چیز کے لینے کی اجازت طلب کی جائے اور جواب میں کہا جائے ''تـلـک حـدود الـلـه فـلا تقربو ھا'' (یعنی یہ اللہ کی ممنوعہ شے ہے، اس کے پاس نہ پھٹکنا)۔اس قسم کی آیات قرآنی سے اگر سوال کا جواب مقصود نہ ہو، بلکہ صرف یہ جتانا مقصود ہو کہ میں نماز میں ہوں تو نماز باطل نہ ہوگی۔

نماز میں بہ قدر تشہد بیٹھنے سے پہلے تیمم سے نماز پڑھنے والے کو پانی مل جائے، جسے وہ استعمال کر سکتا ہو تو نماز باطل ہو جائے گی۔

اسی طرح اگر مقتدی باوضو ہے اور امام کا تیمم ہے اور امام کو پانی مل جائے تو مقتدی کی نماز فرض باطل ہو جائے گی اور وہ نماز نفلی ہو جائے گی۔

مسح کی میعاد کا ختم ہو جانا جب کہ بہ قدر تشہد بیٹھنے سے پہلے ختم ہو۔اسی طرح موزے کا اتر جانا، اگرچہ کسی معمولی حرکت سے اتر جائے۔

امی شخص (جو ان پڑھ ہے اور نماز میں ہے) قرآن کی کوئی آیت سیکھ جائے تو نماز جاتی رہے گی، بشرطیکہ وہ ایسے شخص کا مقتدی نہ ہو جو قرآن جانتا ہے۔اب وہ ان پڑھ آیت قرآن یا تو سن کر سیکھ گیا ہو یا (بھولا ہوا تھا اور) یاد آ گئی۔(ان پڑھ) کی نماز باطل اس صورت میں ہوگی جب کہ بہ مقدار تشہد بیٹھنے سے پہلے ایسا ہوا ہو کہ وہ سنکر سیکھ گیا ہو ورنہ باطل نہ ہوگی۔

جو شخص اشارے سے نماز پڑھ رہا ہے اگر (بہ دوران نماز) رکوع وسجود کے قابل ہو گیا تو باقی نماز قوی (کامل) ہو گی، اور جائز نہیں ہے کہ ضعیف (ناقص) نماز پر قوی کی بنیاد رکھی جائے (یعنی اگر ناقص حالت میں شروع کی ہوئی نماز کو کامل حالت میں لایا گیا تو نماز باطل ہو جائے گی)۔

جو شخص نماز کی صلاحیت نہیں رکھتا، جیسے ان پڑھ یا معذور اس کا خلیفہ بنایا جانا (نماز کو باطل کر دیتا ہے)۔

نماز (فجر) پڑھتے میں سورج کا نکل آنا (جس کے ثبوت کے لیے) صرف یہ کافی ہے کہ اس کی کرن نظر آ جائے۔ سورج کا قرص (دائرہ) نظر آنا ضروری نہیں ہے۔

عیدین میں سے کسی عید کی نماز کے دوران آفتاب کا زوال پذیر ہونا۔

جمعہ کی نماز پڑھتے ہوئے میں عصر کا وقت آجانا، کیونکہ جمعہ کے صحیح ہونے کی ایک شرط جاتی رہے گی اور وہ شرط وقت ہے۔

زخم بھر جانے کے باعث پٹی کا اتر جانا۔

معذور کے عذر کا جاتا رہنا، خواہ اس کا سبب کسی اور ناقض وضو کا لاحق ہونا ہو، جو معذوری کے سبب کے علاوہ ہے، یا

Marfat.com

معذوری کا وقت ختم ہو جانے کے باعث عذر جاتا رہا۔ (مثلاً کوئی سلسل بول کا مریض معذور ہے، اور بہ دوران نماز کسی جگہ سے خون نکل آیا تو نماز جاتی رہے گی۔ یا معذوری کا وقت مثلاً وقت ظہر گزر جانے تک ہے اور وہ وقت گزر گیا تب بھی نماز جاتی رہے گی)۔

ارادۃً (فعل) حدث (کا ارتکاب) کرنا۔ واضح ہو کر از خود حدث کے لاحق ہونے سے نماز باطل نہیں ہوتی، اس کی چند شرطیں ہیں جو بیان کی جا رہی ہیں: بے ہوشی کا طاری ہونا، دیوانگی کا دورہ پڑنا، کسی پر نظر پڑنے کے باعث یا غنودگی کے عالم میں انزال ہو جانا، بشرطیکہ کسی کا سہارا نہ لے رکھا ہو۔ اور محاذاۃ (یعنی کسی عورت کا برابر میں کھڑا ہو جانا) اس مسئلہ کی خصوصی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

اگر کسی کو بہ دوران نماز حدث پیش آ گیا (تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی لیکن) ساتھ ہی ستر بھی کھل جائے، خواہ مجبوری سے ہو، مثلاً عورت کو حدث پیش آیا اور اسے وضو کے لیے اپنے بازو کھولنے پڑے تو نماز باطل ہو جائے گی۔

حدث پیش آنے پر وضو کے لیے جاتے ہوئے یا آتے ہوئے قرآن پڑھنا (مبطل صلوٰۃ) ہے۔

حدث کے پیش آ جانے پر بیداری کی حالت میں بغیر کسی عذر کے اتنی دیر تک توقف کرنا کہ اس میں ایک رکن ادا کیا جا سکے (نماز کو باطل کر دیتا ہے) تاہم اگر ہجوم کے باعث یا نکسیر کا خون بند کرنے میں دیر لگی اور قریب کے پانی سے آگے اس پانی تک جانا پڑا جو دو صفوں سے زیادہ فاصلے پر ہے، تو نماز باطل نہ ہوگی۔

حدث ہونے پر منافی حدث (حدث کو دور کرنے والی شے) کو پانے کے لیے کسی نمازی کا بغیر عذر کے مسجد سے باہر جانا (مبطل صلوٰۃ ہے) ہاں اگر مسجد سے باہر نہیں گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

بدیں گمان کہ وضو نہیں ہے، یا مسح کی مدت ختم ہو گئی ہے یا کوئی قضا نماز پڑھنی ہے، یا نجاست لگ گئی ہے نمازی کا اپنی نماز کی جگہ سے ہٹ جانا (نماز کو باطل کرتا ہے) اگرچہ مسجد سے باہر نہ گیا ہو۔

مقتدی کا اپنے امام کے سوا کسی اور کی غلطی کو بغرض تعلیم بتا دینا۔

ہاں امام کی غلطی کو بتا سکتا ہے، خواہ وہ نماز فرض ہو (اس کو لقمہ دینا کہتے ہیں)۔

نماز پڑھنے والے کا کسی اور کی بتائی ہوئی غلطی کو مان لینا۔

نماز پڑھنے میں کسی کے حکم کی تعمیل کرنا۔

جو نماز پڑھی جا رہی ہے اس سے ہٹ کر کسی دوسری نماز کی طرف منتقل ہونے کے لیے تکبیر کہنا، مثلاً تنہا نماز پڑھنے والا کسی کی اقتدا کی نیت کر لے، یا اس کے برعکس (یعنی مقتدی ہو اور منفرد ہونے کے لیے تکبیر کہے) یا ایک فرض سے دوسرے فرض کی جانب، یا فرض سے نفل کی طرف یا نفل سے فرض کے لیے منتقل ہونے کے لیے تکبیر کہنا۔ ان مذکورہ صورتوں میں سے کوئی بھی صورت ہو نماز باطل ہو جائے گی، بشرطیکہ قعدۂ اخیرہ میں بہ قدر تشہد بیٹھنے سے پہلے یہ صورت پیش آئے ورنہ بقول مختار فاسد نہ ہوگی۔

تکبیر میں اللہ اکبر کے پہلے الف کو کھینچ کر پڑھنا (نماز کو باطل کرتا ہے) جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

قرآن شریف یاد نہ ہو اور اس کو دیکھ کر پڑھنا یا کسی کے بتانے سے پڑھنا، ستر کھل جانے کی حالت میں یا مانع نماز

Marfat.com

نجاست کے لگ جانے کی حالت میں ایک رکن مکمل ادا کرنا، یا اتنی دیر اسی حالت میں رہنا کہ ایک رکن ادا کیا جا سکے۔
مقتدی کا امام سے پہلے کسی ایسے رکن کا ادا کرنا جس میں اس کے ساتھ شرکت نہ ہوئی ہو۔
مقتدی مسبوق کا سجدہ سہو میں امام کا ساتھ دینا اس کے بعد جب کہ (اقتدا ختم کر کے) اس کا منفرد ہونا متحقق ہو چکا ہو بایں طور کہ مسبوق امام کے سلام پھیرنے کے بعد یا سلام سے پہلے بہ قدر تشہد بیٹھنے کے بعد کھڑا ہوا اور اس رکعت کا سجدہ بھی کر لیا اتنے میں امام کو سجدہ سہو یاد آیا اور مسبوق نے امام کے ساتھ یہ سجدہ کر لیا (تو نماز باطل ہو جائے گی)۔
سجدہ صلبیہ یا سجدۂ تلاوت جو جلوس کے بعد یاد آیا، کرنے کے بعد جلسہ اخیر کا اعادہ نہ کرنا۔
اس رکن کا اعادہ نہ کرنا جو غنودگی کے عالم میں ادا ہوا۔
مسبوق کے امام کا ہنس دینا اگر چہ ارادۃً نہ ہو (یہ تمام امور مبطل صلوٰۃ ہیں)۔
چار رکعت والی نماز میں یہ سمجھ کر کہ یہ کوئی اور نماز ہے دو رکعت پر ہی سلام پھیر دینا، مثلاً یہ کہ ظہر کی نماز ہے اور یہ سمجھ کر کہ یہ جمعہ کی نماز ہے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا تو نماز جاتی رہے گی۔
مقتدی کے قدم کا امام سے آگے نکل جانا۔ برابر رہے تو نماز باطل نہ ہوگی تفصیل امامت کے بیان میں آئے گی۔

Marfat.com

محاذاۃ کا بیان (عورت کا مرد کے برابر یا سامنے کھڑے ہوکر جماعت میں شریک ہونا)

ائمہ ثلاثہ کا اس پر اتفاق ہے کہ کوئی عورت جب کسی امام کے پیچھے نماز پڑھ رہی ہو اور کسی مرد کے برابر میں یا اس کے آگے ہو تو اس عورت کی نماز باطل نہ ہوگی، جس طرح کہ ان نمازیوں کی نماز باطل نہیں ہوتی جو اس کے برابر کھڑے ہوں۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر مشتہاۃ عورت (جس پر انسانی نفس مائل ہوتا ہے) جماعت میں مرد کے برابر آجائے، یا اس کے آگے ہو تو اس عورت کی نماز باطل ہو جائے گی، بشرطیکہ یہ نو شرطیں ہوں:

پہلی شرط یہ ہے کہ عورت مشتہاۃ ہو، کوئی صغر سن بچی ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ عورت کسی نماز پڑھنے والے مرد کی پنڈلیوں یا ٹخنوں کے برابر میں ہو، اگر پنڈلی اور ٹخنے کے پیچھے ہے تو نماز صحیح ہو جائے گی۔

تیسری شرط یہ ہے کہ برابر میں ہوتے ہوئے ایک رکن ادا کر لیا ہو، یا اتنی دیر (برابر میں) رہی ہو کہ ایک رکن ادا کیا جاسکے، لہٰذا اگر مرد کے برابر میں ہوتے ہوئے تکبیر تحریمہ کے ہونے تک رہی تو نماز باطل نہ ہوگی، کیونکہ تکبیر تحریمہ نہ تو رکن صلوٰۃ ہے اور نہ اس کے کہنے میں اتنی دیر لگتی ہے کہ اس میں کوئی رکن ادا کیا جاسکے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ نماز جنازہ وغیرہ نہ ہو۔ نماز جنازہ کے اندر برابر کھڑے ہو جانے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ یہی حکم ہر اس نماز کا ہے جس میں رکوع وسجود نہ ہوں۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ عورت اس مرد کی مقتدیہ ہو (جس کے برابر میں کھڑی ہوئی) یا ایسے شخص کے برابر ہو جو اس کے ساتھ ایک ہی امام کا مقتدی ہو۔ اگر وہ کسی اور امام کے پیچھے پڑھ رہی ہے اور مرد کسی دوسرے امام کا مقتدی ہے تو برابر میں ہونے سے نماز فاسد نہ ہوگی۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ ان کے درمیان بہ قدر ایک ہاتھ کے فاصلہ نہ ہو، یا اتنی جگہ نہ ہو جس میں نو آدمی کھڑے ہو سکیں۔

ساتویں شرط یہ ہے کہ اس کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ نہ کیا گیا ہو، اگر اشارہ کیا گیا اور وہ پیچھے نہیں ہٹی تو مرد کی نماز باطل نہ ہوگی۔

آٹھویں شرط یہ ہے کہ امام نے اس کی امامت کی نیت کی ہو، اگر امامت کی نیت نہیں کی تو اس عورت کی نماز ہی درست نہ ہوگی اور اس کے برابر کھڑے ہو جانے میں حرج نہیں ہے۔

Marfat.com

مبطلات صلوٰۃ کی تشریح

ارادۃً خارج از صلوٰۃ کلام کرنا

بالارادہ ایسا کلام کرنے سے جو نماز میں شامل نہیں ہے، بالاتفاق نماز باطل ہو جاتی ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ''ان ھذہ الصلوٰۃ لا یصلح فیھاشی من کلام الناس انما ھی التسبیح والتکبیر وقراۃ القرآن'' رواہ مسلم (یعنی نماز میں عام انسانی گفتگو کی گنجائش نہیں ہے؛ یہ تو صرف تسبیح، تکبیر اور قرآن پڑھنے کا نام ہے۔)

جس کلام سے نماز باطل ہو جاتی ہے اس کی مقدار یہ ہے کہ اس میں حروف ہجا میں سے کچھ حروف ادا ہو جائیں، یعنی وہ بات کم سے کم دو حروف پر مشتمل ہو، اگرچہ وہ کچھ مفہوم نہ رکھتے ہوں یا یہ ایک ہی حرف ہو لیکن اس کے کچھ معنی بنتے ہوں، مثلاً ع بالکسر کی آواز کہ اگرچہ یہ ایک ہی حرف ہے لیکن لغت میں اس کے معنے ہیں کہ ''حفاظت کر'' اگر ایسی آواز نکالی جس میں ایک ایسا حرف ادا ہو جس کے کچھ معنے نہیں مثلاً حرف ج تو نماز باطل نہ ہوگی۔ مہمل حرف کا بولنا جس کے کچھ معنے نہ ہوں ایسا ہے جیسے مفہوم رکھنے والا ایک حرف یا دو حرف بولنا یعنی نماز باطل ہو جائے گی، اس پر تین امام متفق ہیں؛ البتہ مالکیہ کی اس بارے میں تفصیل ہے۔ ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔[1]

نماز میں کوئی ایک حرف مہمل جس کا کچھ مفہوم نہ ہو، بولا جائے تو نماز باطل نہ ہوگی۔ اسی طرح ایسی آواز جس میں کسی حرف کی آواز نہ ہو نکالنے سے نماز نہیں جاتی۔

نماز کے دوران خارج از صلوٰۃ کلام بھول کر یا ناواقفیت سے کرنا

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک خارج از صلوٰۃ کلام کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، خواہ سہواً ایسا ہوا ہو۔

نویں شرط یہ ہے کہ جگہ یکساں ہو۔ اگر عورت اونچی جگہ پر ہو تو اس کی نماز صحیح ہوگی، کیونکہ اس حال میں محاذاۃ کا تحقق ہی نہ ہوگا۔

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ نماز باطل کرنے والا کلام ایک لفظ ہے یا زیادہ جو سمجھا جاسکے۔ بعض کہتے ہیں محض آواز (مبطل صلوٰۃ) ہے اگرچہ سمجھی نہ جاسکے۔

Marfat.com

شافعیہ اور مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (١)

اگر کوئی شخص نماز میں بول دے اور یہ نہ جانتا ہو کہ نماز میں بولنے سے نماز جاتی رہتی ہے، تو تین اماموں کے نزدیک نماز باطل ہو جائے گی۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس کی پرورش اسلامی ملکوں سے دور ایسے علاقہ میں ہوئی ہو جہاں پر علماء نہیں ہیں یا وہاں تک پہنچنے کا مقدور نہیں ہے۔ شافعیہ کو اس تفصیل سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (٢)

اگر کسی کو نماز پڑھتے میں بولنے پر مجبور کیا گیا اور وہ بول دیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اور اگر کوئی ایسی غنودگی کے عالم میں ہے جس سے وضو نہیں ٹوٹتا اور اسی حالت میں کچھ بول دیا تو اس کی نماز بھی باتفاق ائمہ ثلاثہ باطل ہو جائے گی۔ حنابلہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (٣) بظاہر یہ قول کہ اس صورت میں نماز باطل ہو جائے گی قوی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جو شخص حالت نماز میں سو جائے اور خارج از صلوٰۃ بات کہہ دے تو یہ کیفیت تو اپنے رب سے بالکل غافل ہو جانے کی ہے، بھلا اس کی نماز کی کیا حیثیت باقی رہے گی۔

اصلاح صلوٰۃ غیر کے لیے ارادۃً نماز میں بولنا

اگر امام نماز میں کوئی غلطی کرے اور مقتدی یہ کہہ دے کہ یہ غلطی ہوئی تو باتفاق ائمہ ثلاثہ نماز باطل ہو جائے گی۔ مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (٤) ہاں وہ لفظ جس سے باطل نہیں ہوتی وہ "سلام" ہے چنانچہ اگر مثلاً ظہر کی نماز میں کسی نے بھولے سے دو رکعت پر ہی سلام پھیر دیا تو اس سلام سے نماز باطل نہ ہوگی۔

١۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر سہواً کوئی بات منہ سے نکل گئی تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی، خواہ یہ بات سلام سے پہلے ہو یا بعد میں بشرطیکہ وہ بات ذرا سی ہو، ذرا سی بات کا مطلب یہ ہے کہ وہ بالعموم چھ الفاظ یا اس سے کم پر مشتمل ہو۔

٢۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ کوئی ناواقف انسان اگر ذرا سی بات بول دے تو نماز باطل نہ ہوگی، بشرطیکہ عہد اسلام کا قریبی زمانہ ہو یا اس کی تربیت ایسے مقام پر ہوئی ہو جہاں سے علمائے دین بہت مسافت پر ہوں کہ ان تک پہنچنا کسی خوف یا خرچ نہ ہونے کے باعث، یا جن کی کفالت اس کے ذمہ ہے ان کے ضائع ہونے وغیرہ کے اندیشہ سے ممکن نہ ہو۔ اگر یہ نہ ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی اور ناواقفیت کوئی عذر متصور نہ ہوگا۔

٣۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر حالت نوم میں کوئی بول دے تو اس صورت میں نماز باطل نہ ہوگی۔

٤۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ نماز کی اصلاح کے لیے بولنے سے نماز باطل نہیں ہوتی، خواہ کوئی سلام سے پہلے بولے یا

Marfat.com

کسی نابینا کو آگاہ کرنے کے لیے نماز میں بول پڑنا غلطی سے بول دینا

کسی نابینا کو ہلاکت وغیرہ کی جگہ سے بچانے کے لیے نماز کے اندر بول پڑنے سے بالاتفاق نماز باطل ہو جاتی ہے۔ایسی صورت میں ہو تو نماز کو توڑ کر بول پڑنا چاہیے۔

غلطی سے بول پڑنے کی یہ صورت ہے کہ قرآن کے علاوہ اور الفاظ زبان سے نکل جائیں۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس سے نماز باطل نہ ہوگی۔حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے،ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (1)

نماز میں کھنکھارنا یا (گلا صاف کرنا)

نماز میں گلا صاف کرنے یا کھنکھارنے سے نماز جاتی رہتی ہے جب کہ اس میں کم از کم دو حروف کی آواز پیدا ہو جائے۔البتہ اگر بلا ضرورت ایسا کیا جائے تو نماز باطل ہو جائے گی۔ہاں اگر ضرورت ہو، مثلاً آواز ٹھیک ہو جائے تاکہ قرأت میں حروف اپنے مخارج سے پوری طرح ادا کیے جاسکیں، یا امام کو غلطی پر

بعد میں اور امام بولے یا مقتدی اور یا دونوں، اگر مقتدی سے یہ بات ظہور میں آئی تو نماز باطل نہ ہوگی۔لیکن اس کے لیے دو شرطیں ہیں:

اول یہ کہ اس قدر نہ بولے جس کو عام طور پر زیادہ بولنا تصور کیا جائے،یعنی اس طرح بولنا جس سے نماز پر اعتراض مقصود ہو۔اگر چہ ایسا کرنے کی ضرورت ہی کیوں نہ ہو۔

دوم یہ کہ امام "سبحان اللہ" (بغرض اصلاح) کہنے کا مقصد نہ سمجھ سکتا ہو۔

لہٰذا اگر کلام زیادہ کیا یا امام محض سبحان اللہ کہہ دینے کا مقصد سمجھ سکتا تھا (لیکن مقتدی نے زیادہ بات کہی) تو نماز باطل ہو جائے گی۔اگر امام نے چار رکعت والی نماز میں صرف دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا یا چار رکعت پڑھ کر غلطی سے پانچویں کے لیے کھڑا ہو گیا اور تسبیح سبحان اللہ کہنے سے نہیں سمجھ سکا، تب بھی مقتدی یہ کہہ سکتا ہے کہ آپ نے دو رکعت ہی پر سلام پھیر دیا ہے یا پانچویں رکعت کے لیے کھڑے ہو گئے ہیں وغیرہ۔

یہ مسائل تو اس صورت میں ہیں جب کہ اصلاح صلوٰۃ کے لیے مقتدی کی جانب سے بولنا ہو، اگر امام کی جانب سے ہو تو (امام کی) نماز باطل نہ ہوگی، بشرطیکہ یہ تین امور پائے جائیں۔ان میں سے دو تو وہی شرائط ہیں جو مقتدی کے بارے میں مذکور ہوئیں ایک تیسری مزید شرط یہ ہے کہ امام کو اپنی نماز کے متعلق کوئی شک واقع نہ ہوا ہو، یا ہو، ہو تو مقتدیوں کے کہنے سے۔اگر اس طرح کوئی شک ہوا تو لازم ہے کہ اس شک کو نظر انداز کر دے اور اپنی نماز کی بنیاد اپنے یقین پر رکھے اور کسی سے سوال نہ کرے ورنہ نماز باطل ہو جائے گی۔

ا۔حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر غلطی سے کسی کی زبان پر قرآن کے علاوہ کچھ اور الفاظ آجائیں تو نماز باطل ہو جائے گی۔

Marfat.com

لقمہ دیا جاسکے وغیرہ تو نماز باطل نہ ہوگی۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ طبعی طور پر کھانسی آجائے تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک جب تک کہ ایسی ضرورت رہے نماز باطل نہ ہوگی۔ مالکیہ اور شافعیہ نے اس حکم میں اور بھی وسعت روا رکھی ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

نماز میں کراہنا اور آہ کرنا

نماز میں کراہنے، آہیں بھرنے، اُف کرنے یا رونے میں اگر حروف کی آواز سنائی دے تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اگر اللہ کے خوف سے یا کسی مرض کے باعث ہو، جس کو ضبط نہ کیا جاسکے، تو نماز باطل نہ ہوگی۔ حنفیہ اور حنابلہ اس پر متفق ہیں، مالکیہ اور شافعیہ کے مسالک ذیل حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۲)

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ کھانسنے (یا گلا صاف کرنے) سے نماز باطل نہیں ہوتی، اگرچہ اس میں حروف کی آواز نکل جائے جس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ یہ کھانسنا ضرورت سے ہو، یا بقول مختار بلا ضرورت ہو (نماز خراب نہ ہوگی) جب تک کہ اس میں زیادتی نہ کی جائے یا کھیل نہ بنالیا جائے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ تھوڑی سی کھانسی (یا کھنکار) جس کو روکا نہ جاسکے معاف ہے۔ بجز اس صورت کے جب کہ کھانسنے کا مرض لاحق ہو اور ایسا کہ انسان اتنی دیر بھی اس سے خالی نہ رہے جس میں نماز کی گنجائش ہو۔ ایسا نہ ہو تو زیادہ کھانسنے کھنکارنے میں بھی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ نماز کے کسی قولی رکن، مثلاً سورہ فاتحہ پڑھنے کے لیے آواز نکالنا دشوار ہو، اور گلے کو صاف کرنے میں دیر لگ جائے تاکہ قرأت میں خرابی نہ ہو مضائقہ نہیں لیکن اگر کوئی سنت زبان سے ادا کرنی ہے تو اس کے لیے دیر تک گلا صاف کرنا معاف نہیں ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کراہنا اور ہائے ویلا وغیرہ کرنا کسی تکلیف کی وجہ سے یا خوف خدا سے ہو تو نماز باطل نہ ہو گی، تاہم اگر تکلیف کی وجہ سے کراہنے اور رونے میں زیادتی ہوئی تو نماز باطل ہو جائے گی، بصورت دیگر اس کا حکم بھی وہی ہے جو کلام کا یعنی اگر سہواً ہوا تو نماز باطل نہ ہوگی، جب تک کہ زیادتی نہ ہوا اگر ارادۃً ہو تو نماز باطل ہو جائے گی بجز اس صورت کے جب تک کہ مقصد اصلاح صلوٰۃ ہو بموجب تفصیل بالا۔

شافعیہ کہتے ہیں کراہنے اور ہائے ویلا وغیرہ کرنے میں دو یا دو سے زیادہ حروف کی آواز پیدا ہو تو اس کی تین صورتیں ہوں گی:

ایک صورت تو یہ کہ وہ کیفیت (طبیعت پر) غالب آجائے اور ضبط کرنا ممکن نہ ہو تو ایسی حالت میں (ہائے ویلا) تھوڑا ہو تو معاف ہے، بہت ہو جائے تو معاف نہیں ہے، اگرچہ یہ کیفیت خوف آخرت سے پیدا ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یہ کیفیت انسان پر غالب نہ آگئی ہو، ایسی حالت میں واویلا نہ کم معاف ہے نہ زیادہ، اگرچہ خوف آخرت سے یہ کیفیت پیدا ہو۔

تیسری صورت یہ ہے کہ یہ کیفیت اتنی ہو جسے زیادہ تصور کیا جاتا ہے، ایسی صورت میں تھوڑی سی زیادتی بھی

Marfat.com

نماز میں ایسی دعا کرنا جو خارج از صلوٰۃ باتوں سے مشابہ ہو

نماز میں ایسی دعا مانگی جائے جو خارج از نماز باتوں سے مشابہ ہو تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اندریں باب ائمہ کی تفصیلات ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۱)

مقتدی کا اپنے امام کے سوا کسی اور کی غلطی بتانا

(اصطلاح میں اسے "الفتح علی الامام" کہتے ہیں)

مقتدی اگر اپنے امام کے علاوہ جس کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے کسی اور کی غلطی بتائے یعنی لقمہ دے تو نماز باطل ہو جائے گی۔ مثلاً ایک شخص کسی امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے اور اس کے برابر میں ایک اور شخص امام بن کر نماز پڑھا رہا ہے اور اس نے غلطی کی یا اٹک گیا تو پہلے شخص کو اسے بتانا درست نہیں ہے، اس واسطے

معاف نہیں ہے۔ سوا اس حالت کے جب کہ کوئی مرض چمٹا ہوا نہ ہو۔ ایسی صورت میں بر بنائے ضرورت نماز باطل نہ ہو گی۔ یہی حکم جمائی، چھینک اور ڈکار کا ہے، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز ایسی دعا سے باطل ہو جاتی ہے جو عام لوگوں کی گفتگو سے مشابہ ہو۔ اس کا اصول یہ ہے کہ وہ دعا نہ قرآن کریم میں آئی ہو نہ حدیث میں، اور نہ وہ ایسی خواہش ہو جو بندوں سے نہ کی جا سکے۔ لہٰذا قرآن و حدیث میں آئی ہوئی دعاؤں میں سے جون سی دعا چاہے انسان مانگ سکتا ہے۔ تاہم ایسی دعا جو قرآن و حدیث میں نہیں آئی لیکن بندوں سے اس کا مانگنا محال ہے، جیسے روزی اور مال و اولاد میں برکت وغیرہ کی دعا جو صرف خدائے واحد ہی سے کی جا سکتی ہے، اس سے بھی نماز باطل نہیں ہوتی۔ اگر بندوں سے اس کی خواہش کرنا محال نہ ہو، مثلاً اے اللہ مجھے سیب کھلا دے۔ یا میری شادی فلاں عورت سے کرا دے تو ایسی دعا سے نماز باطل ہو جائے گی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ دنیا و آخرت کی بھلائی کے لیے کوئی بھی دعا ہو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ بندہ ہر ایسی دعا اللہ سے کر سکتا ہے جس کی خواہش بندوں سے نہ کی جا سکتی ہو، مثلاً یہ کہنا کہ یا اللہ مجھے سیب کھلا دے وغیرہ۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ایسی دعا سے نماز باطل ہو جاتی ہے، جو کسی ناجائز مقصد یا امر محال کے لیے ہو، یا مشروط ہو۔ ان کے علاوہ دنیا و آخرت کی بھلائی میں سے جس کی چاہے دعا مانگی جا سکتی ہے، بشرطیکہ دعا میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی اور کو بلفظ خطاب یاد نہ کیا گیا ہو۔ اگر کسی اور کو خطاب کیا تو نماز باطل ہو جائے گی، خواہ مخاطب ذی عقل ہو۔ مثلاً چھینکنے والے کو کہنا یرحمک اللہ یا غیر ذی عقل کو خطاب ہو، مثلاً زمین کو کہا جائے کہ "ربی و ربک اللّٰہ اعوذ باللّٰہ من شرک و شر ما فیک" (یعنی اے زمین میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ میں تیرے اور تجھ پر بسنے والوں کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں) وغیرہ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ایسی دعا مانگنے سے جو قرآن و حدیث میں نہیں آئی اور اس کا تعلق امور آخرت سے نہیں ہے، نماز

Marfat.com

کہ اس کا رابطہ اپنے امام کے ساتھ ہے، لہٰذا اس کو دوسرے نمازی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس بارے میں مسالک مختلفہ کی تفصیلات ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۱)

امام کی سہو (بھول) جتانے کے لیے یا یہ بتانے کے لیے کہ میں نماز میں ہوں سبحان اللہ وغیرہ کہنا

اگر کوئی شخص یہ بتانے کے لیے کہ وہ نماز میں ہے یا بغرض اصلاح امام کو اس کے سہو پر توجہ دلانے کے لیے نماز کے اندر سبحان اللہ وغیرہ کہے تو ایسا کلام نماز کو باطل نہیں کرتا، لیکن یہ کہ ایسی تسبیح یا تہلیل (لا الہ

باطل ہو جاتی ہے، جیسے دنیوی حاجات ولذائذ نفسانی کے لیے دعا مانگنا، مثلاً یوں کہنا کہ خدایا مجھے ایک حسین لونڈی دے، یا شاندار محل اور نفیس لباس عطا کر وغیرہ۔ یہ جائز ہے کہ کسی شخص کے بارے میں دعا کی جائے لیکن ضمیر خطاب کا استعمال نہ کیا جائے۔ چنانچہ یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ خدایا فلاں پر رحم فرما! لیکن اگر یوں کہا کہ اے فلاں اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے تو اس طرح کہنے سے نماز باطل ہو جائے گی۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر امام کوئی آیت بھول گیا، مثلاً پڑھتے پڑھتے اٹک گیا، یا پس و پیش میں پڑ گیا تو مقتدی کے لیے جو اس کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے جائز ہے کہ اسے بتا دے؛ لیکن صرف بتانا مقصود ہو اپنی قرأت مقصود نہ ہو، کیونکہ امام کے پیچھے قرآن پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

واضح ہو کہ مقتدی کے لیے امام کو لقمہ دینے میں پیش دستی کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح امام کے لیے بھی مکروہ ہے مقتدی کی رہنمائی کا متوقع ہو۔ اسے چاہیے کہ کسی اور سورۃ میں سے ضروری قرأت پڑھ لے یا کوئی اور سورہ پڑھ لے یا پھر رکوع میں چلا جائے، بشرطیکہ مقدار فرض یا واجب قرأت پوری ہو چکی ہو۔ مقتدی کا امام کے سوا کسی اور کو بتانا مثلاً اپنے جیسے کسی دوسرے مقتدی کو یا کسی اور امام کو جو اس کا امام نہیں ہے یا تنہا پڑھنے والے کو یا کسی شخص کو جو نماز میں نہیں ہے، تو بتانے اس سے نماز باطل ہو جائے گی۔ لیکن اگر تلاوت کے ارادہ سے نہ کہ بتانے کی غرض سے کچھ پڑھا تو نماز باطل نہ ہوگی، تاہم ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اسی طرح کوئی نمازی دوسرے کے بتانے پر عمل کرے تو نماز جاتی رہے گی۔ ہاں امام اپنے مقتدی کا لقمہ لے سکتا ہے؛ اس سے نماز نہیں جاتی۔ پس امام یا منفرد (تنہا گزار) کوئی آیت بھول جائے اور کوئی دوسرا اسے بتا دے اور اس کے بتائے پر وہ عمل کرے تو نماز باطل ہو جائے گی۔ ہاں اگر خود ہی اس کو (بھولی ہوئی آیت وغیرہ) یاد آجائے تو اس پر عمل کرنے سے نماز باطل نہ ہوگی۔

واضح ہو کہ جس طرح قرأت میں کسی دوسرے کے بتائے پر عمل کرنے سے نماز جاتی رہتی ہے اسی طرح کسی اور کی بتائی ہوئی کسی بات پر بھی عمل کرنے سے نماز جاتی رہتی ہے۔ چنانچہ مثلاً صف میں کوئی جگہ خالی ہے اور کسی نے نمازی سے کہا کہ اس جگہ کو پر کر لو اور نمازی نے اس کا کہنا مان لیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ ایسی صورت ہو تو چاہیے کہ قدرے توقف کرے اور پھر بخوشی خود (یعنی کسی کے کہنے کی بنا پر نہیں) وہ کام کر لے۔

Marfat.com

کہنا) اور یا ذکر جو نماز میں نہیں ہے، یا قرآن کی آیت، کسی غرض سے پڑھ دینا، کن صورتوں میں نماز کو باطل کرتا ہے؟ اس کی بابت مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

مالکیہ کہتے ہیں کہ امام کو اس کی غلطی جتانے سے (بتانے والے کی) نماز باطل نہیں ہوتی، لیکن چاہیے کہ امام کو اس وقت بتایا جائے جب کہ وہ اٹک جائے، اور چاہیے کہ اس کو اس وقت بتایا جائے جب کہ آگے بڑھنے میں تردد کرتا ہو۔ لیکن اگر اس نے محض توقف کیا ہے اور پڑھنے میں کوئی تردد لاحق نہیں ہے، تو بتانا مکروہ ہے۔ اور پہلی صورت میں بتانا (محض جائز ہی نہیں بلکہ) واجب ہو جائے گا جب کہ اس کے بتانے ہی پر ادائے واجب موقوف ہو، مثلاً سورۂ فاتحہ کے پڑھنے میں غلطی ہو یا اٹک جائے، سورۂ فاتحہ کے بعد اور آیات کی اصلاح مقصود ہو تو بتانا سنت ہوگا۔ اور اگر بتانے سے اس سورہ کی تکمیل ہوتی ہو جس کا پڑھنا مستحب ہے تو بتانا بھی امر مستحب ہوگا۔ لیکن امام کے سوا کسی اور کے بتانے سے خواہ کوئی نماز سے باہر ہو یا نماز کے اندر ہو (بتانے والے کی) نماز باطل ہو جائے گی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مقتدی کا امام کو بتانا جائز ہے، بشرطیکہ وہ اٹک جائے۔ لیکن اگر قرأت میں کوئی تردد لاحق ہے تو جب تک یہ کیفیت رہے لقمہ نہ دینا چاہیے۔ یعنی امام کو خود ہی اپنی غلطی درست کر لینے کا موقع دینا چاہیے اگر اسی حالت میں امام کو بتایا گیا تو قرأت کا تسلسل ٹوٹ جائے گا اور امام پر لازم ہے کہ پیچھے سے قرأت کو دہرا لے۔ اور بتانے والے کے لیے لازم ہے کہ اس بتانے کی غرض محض قرأت ہو یا قرأت کے ساتھ غلطی کا جتانا بھی ہو۔ اگر صرف یہ مقصد ہے کہ غلطی واضح ہو جائے یا کچھ بھی مقصد نہ تھا تو بقول معتبر بتانے والے کی نماز جاتی رہے گی۔ لیکن اپنے امام کے سوا، خواہ وہ کوئی دوسرا مقتدی ہو یا کوئی اور ہو، بتانے سے اس کی قرأت کا تسلسل منقطع ہو جائے گا، لہٰذا چاہیے کہ اپنی قرأت کو پیچھے سے دہرائے، خواہ یہ بتانا آیت پڑھ کر نہیں بلکہ کسی اور طرح سے آگاہ کر کے ہوا ہو ایسا نہ کیا پیچھے سے نہ دہرایا تو نماز باطل ہو جائے گی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نمازی کا امام کو بتانا جائز ہے جب کہ امام اس کا متوقع ہو یعنی اٹک جائے یا اس سے کوئی سہو ہو جائے۔ مقتدی کے لیے بتا دینا (لقمہ دینا) اس وقت واجب ہو جاتا ہے جب کہ امام سورۂ فاتحہ میں اٹکے یا اس میں کوئی غلطی سرزد ہو، کیونکہ نماز کا صحیح ہونا اس (سورۂ فاتحہ کے پڑھنے) پر موقوف ہے۔ امام کے سوا کسی اور کو نمازی کا لقمہ دینا، خواہ وہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر، مکروہ ہے، کیونکہ یہ فعل غیر ضروری ہے، تاہم نماز اس سے باطل نہیں ہوتی کیونکہ یہ قول (بذات خود) امور شرع میں سے ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر نمازی تسبیح یا تہلیل کے الفاظ ادا کرے یا اللہ کا نام آئے تو اس کی صفت بیان کر دے، مثلاً جل جلالہٗ کہہ دے، یا آنحضرت ﷺ کے نام پر درود پڑھ دے، یا قاری کی قرأت کے ختم ہونے پر صدق اللہ العظیم (یعنی خدائے بزرگ نے سچ فرمایا) کہہ دے یا مؤذن کے الفاظ کو دہرا دے وغیرہ تو ان سب صورتوں میں اگر کسی بات کا جواب مقصود تھا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اگر محض اللہ کی تعریف، یا اس کے ذکر، یا تلاوت کے ارادہ سے کہہ دیا تو نماز باطل نہ ہوگی۔ لیکن اگر ان الفاظ سے کوئی مقصد نہیں تھا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر قرآن حکیم کی کوئی آیت پڑھنے سے غرض دوسرے کو کچھ بتانا ہو تو نماز باطل ہو جائے گی، مثلاً کوئی شخص جس کا نام یحیٰی ہے اسے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ

Marfat.com

چھینکنے والے کو نماز پڑھتے میں دعا دینا (یرحمک اللہ کہنا)

(اصطلاح میں اس کو تشمیۃ العاطس کہتے ہیں)

چھینکنے والے کے لیے نماز پڑھتے میں دعا کرنا یعنی یرحمک اللہ کہنا ان باتوں میں سے ہے جن سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی نماز پڑھنے والا کسی چھینکنے والے کے سامنے چھینک کی دعا کا جواب دے اور یوں کہے کہ یرحمک اللّٰہ (یعنی اللہ تجھ پر رحم کرے) جس میں ضمیر مخاطب ''ک'' استعمال کی گئی ہے تو نماز باطل ہو جائے گی۔ لیکن اگر ''یرحمہ اللّٰہ یا یرحمنا اللّٰہ'' کہا یعنی ضمیر

یایحییٰ اخذ الکتاب بقوہ (یعنی یحییٰ اس کتاب کو مضبوطی سے لے لو) اور غرض اس آیت کے پڑھنے کی یہ ہو کہ (یحییٰ) اس کتاب کو جو اس کے پاس ہے اٹھا لے یا کوئی شخص اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے اور نمازی کہے ''ادخلوھا بسلام آمنین'' (یعنی سلامتی اور اطمینان سے اندر آ جاؤ) یا کوئی شخص نمازی سے جو نماز پڑھ رہا ہے دریافت کرے کہ آپ کے پاس کیا کیا مال ہے اور وہ جواباً کہے ''والخیل و البغال و الحمیر لتر کبوھا'' (یعنی گھوڑے، خچر اور گدھے ہیں، تا کہ تم اس پر سوار ہو) یا اسی قسم کی اور کوئی آیت ہو تو ان سب صورتوں میں نماز باطل ہو جائے گی۔ ہاں اگر جواب مقصود نہیں، بلکہ محض قرآن کی تلاوت کی غرض سے کوئی آیت پڑھی تو نماز باطل نہ ہو گی۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ حالت نماز میں کوئی ناخوشگوار بات سنی اور اسے سن کر لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ کہہ دیا، یا کسی عجیب شے کو دیکھ کر سبحان اللہ کہا، یا اچانک حادثہ پر بسم اللہ کہا، یا کسی کے لیے دعائے خیر یا بددعا کی تو نماز باطل ہو جائے گی۔ ہاں اگر محض ذکر، یا اللہ کی تعریف مقصود ہے تو اس سے نماز باطل نہ ہو گی۔ اسی طرح دوسرے کو کسی کام سے باز رکھنے کے لیے اونچی آواز سے تسبیح یا تہلیل کے الفاظ ادا کیے تو نماز جاتی رہے گی۔ لیکن اگر (نماز میں نماز ہی کے الفاظ کو) اونچی آواز سے پڑھنا شروع کر دیا، تا کہ اونچی آواز نہ کہ الفاظ قرأت سے کسی کام سے دوسرے کو باز رکھے تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ ان تمام مسائل میں وہ صورت مستثنیٰ ہے جب کہ کوئی شخص یہ بتانے کے لیے کہ وہ نماز میں ہے، یا امام کو اس کی بھول کی طرف توجہ دلانے کے لیے (الفاظ تسبیح وغیرہ) کہے، کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اذا نابت احد کم نائبۃ فی الصلوۃ فلیسبح (یعنی تم میں سے کسی کو کوئی غیر معمولی بات پیش آ جائے تو چاہیے کہ تسبیح پڑھ دے۔ سبحان اللہ کہہ دے)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ دوسرے کو کوئی بات بتانے کے لیے اگر قرآن کی آیت پڑھ دی جائے تو نماز باطل نہ ہو گی، بشرطیکہ اس کا پڑھنا بے موقع نہ ہو، مثلاً کوئی شخص نماز میں ہے اور کسی نے گھر کے اندر آنے کی اجازت چاہی اور یہ اجازت نمازی کے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد مانگی گئی اور وہ اجازت دینے کی غرض سے ادخلوھا بسلام آمنین پڑھنے لگا (تو نماز باطل نہ ہو گی)۔ لیکن اگر یہ آیت بے موقع پڑھی گئی، مثلاً نمازی حالت رکوع یا سجود میں تھا کہ اس وقت اجازت مانگی گئی، یا ہنوز سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تھی کہ اجازت مانگی گئی اور اس آیت کو پڑھ کر اجازت دی گئی تو نماز باطل ہو جائے گی۔ ہاں اگر تسبیح

Marfat.com

مخاطب استعمال نہیں کی گئی تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نماز باطل نہ ہوگی؛ مالکیہ اور حنفیہ کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔(۱)

یا تہلیل سے یا لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہہ کر جواب دیا گیا تو نماز باطل نہ ہوگی، خواہ نماز کے دوران کسی وقت بھی کہا جائے، کیونکہ اس کے کہنے کا موقع تمام نماز کے دوران ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ تسبیح تہلیل یا کسی اور ذکر الٰہی سے، خواہ کسی غرض کے لیے بھی کیا جائے، نماز باطل نہیں ہوتی۔ نیز قرآن کی کوئی آیت کسی غرض کے لیے بطور کلام پڑھ دینے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ مثلاً اجازت طلب کرنے والے کو "ادخلوھا بسلام آمنین" پڑھ کر اجازت دینا، یا یحییٰ نام کے کسی شخص کو خذالکتاب بقوۃ سے خطاب کرنا۔ ہاں قرآن کے ایسے الفاظ بولے گئے جس کو انسانی الفاظ سے امتیاز نہ کیا جا سکے تو نماز باطل ہو جائے گی، مثلاً کسی شخص کو جس کا نام ابراہیم ہے یا ابراہیم کہہ کر آواز دینا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر حالت نماز میں قرآن کی کوئی آیت پڑھ کر کسی کو کچھ بتانا ہو تو نماز باطل ہو جائے گی۔ نیز اگر الفاظ کلام الٰہی یونہی بے مقصد ادا کیے تب بھی نماز باطل ہوگی۔ لیکن اگر کچھ بتانے کے ارادہ کے ساتھ تلاوت بھی مقصود ہے تو نماز باطل نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر حالت نماز میں کسی کے کچھ دریافت کرنے پر سبحان اللہ کہہ دیا، یا امام کو نماز میں کسی غلطی کے سرزد ہو جانے سے آگاہ کرنے کے لیے سبحان اللہ کہا، یا کسی امر ناخوشگوار کے پیش آنے پر اللہ کہہ دیا، ان تمام صورتوں میں اگر ذکر الٰہی کے ساتھ کوئی اور مقصد نہ تھا تو نماز باطل نہ ہوگی، ورنہ باطل ہو جائے گی۔ اگر کوئی آیت سن کر کہا صدق اللہ العظیم (یعنی اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا) یا کسی ناخوشگوار بات پر لاحول ولا قوہ الا باللہ کہہ دیا تو نماز مطلق باطل نہ ہوگی۔

کیونکہ ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کے سوا اور کوئی بات نہیں ہے۔ البتہ (ایسا کرنے سے) قرأت کا تسلسل ٹوٹ جائے گا۔ لہٰذا پیچھے سے قرأت کو دہرا لینا چاہیے۔ یہی حکم مؤذن کی آواز کا جواب دینے میں ہے۔ اگر مقتدی نے امام سے الفاظ ایاک نعبد و ایاک نستعین سن کر اس کو دہرایا یا استعنا باللہ یا نستعین باللہ کے الفاظ کہے اور اس سے تلاوت قرآن یا دعا مقصود نہیں ہے، تو نماز باطل ہو جائے گی، ورنہ باطل نہ ہوگی۔ لیکن ایسی باتیں بدعت اور ممنوع ہیں آنحضرت ﷺ کے نام پر درود پڑھنا اگر اسم ظاہر محمد یا احمد ﷺ کے ساتھ ہو تو اس سے سلسلہ قرأت منقطع ہو جائے گا، لیکن نماز باطل نہ ہوگی۔ لیکن اگر درود (نام پر نہیں، بلکہ) ضمیر پر پڑھا گیا تو نہ قرأت کا تسلسل منقطع ہوگا اور نہ نماز باطل ہوگی۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر چھینکنے والے کا جواب نماز پڑھنے میں اس کے سامنے دیا گیا تو نماز بہر حال باطل ہو جائے گی، چاہے یرحمک اللہ کاف خطاب کے ساتھ کہا یا یرحمہ اللہ کہا، ہاں اگر اپنی ذات کے لیے یعنی یرحمنی اللہ کہا یا اپنے تئیں خطاب کر کے یرحمک اللہ کہا تو نماز باطل نہ ہوگی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ چھینکنے والے کا جواب زبان سے دیا تو نماز مطلقاً باطل ہو جائے گی۔

Marfat.com

نماز پڑھتے میں سلام کا جواب دینا

اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہے اور کسی نے اس کو سلام کیا اور اس نے اپنی زبان سے سلام کا جواب دیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ لیکن اگر اشارہ سے اس کا جواب دیا تو باطل نہ ہوگی، تاہم مالکیہ کے سوا کسی نے سلام کا جواب اشارہ سے دینے کو نہیں کہا۔ مالکیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

نماز میں جمائی لینے، چھینکنے اور کھانسنے کا بیان

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک جمائی، چھینک، کھانسی اور ڈکار سے نماز باطل نہیں ہوتی اگر چہ اس میں بعض حروف کی آواز پیدا ہو جائے۔ کیونکہ ایسا ہونا ناگزیر ہے۔ شافعیہ اور حنفیہ کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۲)

نماز میں عمل کثیر کرنا (یعنی زیادتی کے ساتھ کوئی فعل کرنا) جو اعمال نماز کی قسم میں سے نہیں ہے

نماز میں زیادتی کے ساتھ ایسے کام کرنے سے جو اعمال صلوٰۃ میں سے نہیں ہیں نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اور زیادتی کے ساتھ کام کرنے سے مراد یہ ہے کہ دیکھنے والے کو یہ معلوم ہو کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک عمل کثیر کی یہی تعریف ہے جس سے نماز جاتی رہتی ہے۔ شافعیہ اور حنفیہ کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں (۳)

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ سلام کا جواب اشارہ سے دے دیا جائے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ان سے نماز باطل نہیں ہوتی، لیکن شرط یہ ہے کہ ان حالات میں فطری تقاضے سے زیادہ کسی حرف کی آواز بہ تکلف نہ نکالی جائے، مثلاً جمائی لیتے وقت کوئی شخص کہے ہاہاہا یا چھینکنے والا ایسے حروف کا اضافہ کر دے جو مجبوراً قدرتی طور پر نہ نکل جاتے ہوں، ایسا ہوا تو نماز باطل ہو جائے گی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ان امور کا حکم وہی ہے جو کراہنے اور آہ کرنے والے کا ہے، اس کی تفصیل پہلے ہو چکی ہے، یعنی اگر ان کا غلبہ ہو اور دور کرنا (روکنا) ممکن نہ ہو تو اس حد تک معاف ہے جس کو بالعموم تھوڑا کہا جاتا ہے، اگر اس کا روک لینا ممکن تھا اور ایسا نہ کیا تو نماز باطل ہو جائے گی وغیرہ، جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔

۳۔ شافعیہ نے عمل کثیر کی تعریف میں بتایا ہے کہ یہ ایسے اعمال میں جیسے متواتر تین قدم اٹھا کر رکھے جائیں، یا ایک بار اس طرح اچھل پڑنا جو اس کے برابر ہو۔ اور متواتر ہونے کے معنی بقول راجح یہ ہیں کہ ایک عمل دوسرے عمل سے

Marfat.com

واضح ہو کہ عمل کثیر سے نماز باطل ہو جاتی ہے، خواہ قصداً کیا ہو یا سہواً۔ اس سے کم ہو تو وہ عمل قلیل ہے، لہٰذا باتفاق ائمہ ثلاثہ اس سے نماز باطل نہیں ہوتی، البتہ مالکیہ کا مسلک اس بارے میں تفصیل طلب ہے۔ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

اگر نماز پڑھنے والا افعال نماز ہی کی قسم کا عمل کثیر کرے، مثلاً رکوع یا سجود زیادہ تعداد میں کرے اور یہ ارادۃً ہو تو نماز باطل ہو جائے گی، خواہ یہ کم ہو یا زیادہ۔ اگر بھولے سے زیادتی ہو جائے تو مطلق نماز باطل نہیں ہوتی، جس طرح کہ نماز کے افعال قولی میں زیادتی سے مطلق نماز باطل نہیں ہوتی، مثلاً سورۂ فاتحہ کے مکرر پڑھنے سے، خواہ عمداً ہو نماز باطل نہ ہوگی۔ ہاں سجدہ سہو کرنا چاہیے۔ مالکیہ کے سوا اس پر سب کا اتفاق ہے۔ مالکیہ کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

نماز میں قبلے کی سمت سے رخ پھر جانا اور کھانا یا پینا

نماز پڑھتے میں قبلے کی جانب سے تحول ہو (رخ پھر جائے) تو نماز باطل ہو جائے گی۔ تحول سے

منقطع نہ ہو۔ واضح ہو کہ عمل کثیر سے نماز اسی صورت میں باطل ہوگی جب کہ اس کو کوئی معذوری نہ ہو، مثلاً کوئی مرض ایسا لاحق ہو جو حرکت (عمل) پر مجبور کرے، اور اتنی دیر تک صبر کرنا ممکن نہ ہو کہ نماز کا وقت تنگ ہو جانے سے پہلے نماز پڑھی جا سکے۔ اگر ایسی کوئی مجبوری ہو تو نماز باطل نہ ہوگی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ عمل کثیر کی تعریف یہ ہے کہ اس عمل کو دیکھنے والے یہ شک کرنے لگیں کہ وہ شخص نماز میں نہیں ہے۔ ہاں اگر صرف شبہ ہو کہ نماز میں ہے یا نہیں تو وہ عمل قلیل ہے (کثیر نہیں ہے)۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ جو عمل کثیر نہیں ہے اس کی دو قسمیں ہیں: ایک تو متوسط درجہ کا عمل ہے مثلاً نماز میں رخ کا پھر جانا، اس سے نماز باطل ہو جائے گی، خواہ ارادۃً ہو یا سہواً۔ اور دوسرا معمولی سا کوئی فعل، مثلاً اشارہ کرنا یا چہرے پر ہاتھ پھیرنا اس سے نماز باطل نہیں ہوتی ارادۃً ہو یا سہواً۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ افعال نماز کے ہم جنس افعال میں بھی زیادتی سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اور زیادتی سے مراد چار رکعت اور دو رکعت والی نماز کے برابر زیادہ ہونا ہے، مثلاً ظہر کی آٹھ رکعت اور فجر کی چار رکعت پڑھی گئی تو یہ عمل کثیر ہوا اور تین رکعت والی نیز نفل محدود جیسی نمازوں میں (یعنی ایسے نوافل میں جن کی رکعتیں متعین ہیں) جیسے عیدین کی نماز یا (سنت) فجر وغیرہ میں چار رکعت پڑھنا (عمل کثیر متصور ہوگا)۔ البتہ وتر کی نماز اگرچہ محدود ہے اس میں صرف ایک رکعت کی زیادتی عمل کثیر متصور نہ ہوگی جب تک کہ دو یا دو سے زیادہ رکعتیں مزید نہ پڑھی جائیں۔ غیر محدود نفل (یعنی وہ نفل جس کی رکعتیں متعین نہیں ہیں) جیسے نماز شفع (یعنی چاشت کی نماز) میں زیادتی سے نماز باطل نہیں ہوتی اور اس کا حکم عمل قلیل کا ہے اور یہ صورت اس سے مختلف ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ غرض چار رکعت والی نماز میں دو یا تین رکعتیں صرف زیادہ پڑھی جائیں تو نماز باطل نہ ہوگی۔

Marfat.com

کیا مراد ہے؟ اس بارے میں مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔[1]

اسی طرح کچھ کھانے یا پینے سے بھی نماز باطل ہو جائے گی۔ اندریں باب مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔[2]

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ قبلے کی طرف سے رخ پھر جائے تو نماز باطل نہ ہوگی، جب تک کہ قدم کا رخ قبلے سے نہ مڑے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جب تک نماز پڑھنے والا بالکل ہی قبلہ کی طرف سے (کسی اور طرف) نہ مڑ جائے، نماز باطل نہ ہوگی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر سینہ قبلے کی جانب سے ہٹ جائے تو دیکھنا چاہیے کہ ایسا مجبوری سے ہوا یا اپنے ارادے سے ہوا؟ اگر مجبوری سے ہوا تو نماز باطل نہ ہوگی۔ البتہ اگر کوئی اسی حالت (انحراف) میں اتنی دیر رہے کہ نماز کا کوئی رکن ادا کیا جا سکے (تو نماز باطل ہو جائے گی) لیکن اگر نمازی نے اپنے اختیار سے ایسا کیا، اور بلا کسی سبب کے، تو نماز باطل ہو جائے گی؛ (ورنہ یعنی کسی سبب سے ایسا کیا) تو نماز باطل نہ ہوگی، خواہ یہ تحول تھوڑا ہو یا بہت۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی کا سینہ قبلے کی طرف سے مڑ گیا، خواہ دائیں جانب یا بائیں جانب تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اگرچہ زبردستی اس کو موڑا گیا ہو اور وہ پھر فوراً سیدھا ہو گیا ہو۔ البتہ اگر ناواقفیت کے باعث یا بھول کر ایسا ہوا اور فوراً وہ سیدھا ہو گیا تو نماز باطل نہ ہوگی۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ کوئی شے کھائی جائے یا پی جائے تو نماز باطل ہو جائے گی، خواہ ایک تل ہی منہ میں ڈالا جائے، یا بارش کا قطرہ منہ میں آن پڑے اور اس کو نگل جائے۔ ہاں اگر نماز سے پہلے کسی نے کچھ کھایا اور دانتوں میں تھوڑی سی رہ گئی جو چنے سے کم مقدار میں ہو اور اس کو نماز پڑھتے میں نگل لیا تو اس سے نماز باطل نہ ہوگی۔ لیکن اگر اسے کم از کم تین بار چبایا تو نماز جاتی رہے گی۔ ایسی شے کے نگلنے اور معدے میں پہنچ جانے سے بھی نماز باطل ہو جاتی ہے جو منہ میں گھل جاتی ہے جیسے شکر یا مٹھائی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ کھانے یا پینے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، بشرطیکہ زیادہ مقدار میں ہو۔ زیادہ مثلاً ایک لقمہ اور کم جیسے ایک دانہ۔ لیکن اگر کوئی شے دانت میں تھی تو اس سے نماز باطل نہ ہوگی، خواہ اسے چبایا جائے، کیونکہ درحقیقت اس کا چبانا عمل کثیر میں شمار نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر زمین سے کچھ اٹھایا اور بغیر چبائے نگل لیا تو اس سے نماز باطل نہ ہوگی۔ نیز بھوک چوک میں کچھ کھا پی لینے سے بقول راجح نماز باطل نہیں ہوتی۔ ہاں اس کے لیے سلام پھیرنے کے بعد سجدہ کر لینا چاہیے، لیکن اگر (کھانا اور پینا) دونوں باتیں ہوئیں، یا کوئی ایک بات (یعنی کھانا یا پینا) اس وقت ہوا جب کہ سہواً سلام پھیر دیا تو نماز باطل ہو جائے گی اس لیے کہ سہواً سلام پھیرنے سے نماز ختم نہیں ہو جاتی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ کھانے یا پینے کی کوئی شے تھوڑی ہو یا بہت نماز پڑھتے میں پیٹ کے اندر چلی جائے، خواہ بغیر چبائے، تو نماز باطل ہو جائے گی، بشرطیکہ نمازی نے ارادۃً ایسا کیا ہو اور یہ جانتا ہو کہ نماز کے اندر کھانا یا پینا حرام ہے اور وہ

Marfat.com

نماز پڑھتے میں ناقضِ وضو کا لاحق ہونا (وضو کا ٹوٹ جانا)

نماز کے دوران سلام پھیرنے سے پہلے پہلے اگر کوئی شے ایسی لاحق ہو جس سے وضو یا غسل یا تیمّم یا موزوں کا مسح یا زخم کی پٹی کا مسح ٹوٹ جائے تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اس مسئلے میں حنفیہ کے سوا سب متفق ہیں۔ حنفیہ کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

اور ایسے ہی امور میں قہقہہ بھی ہے، یعنی ایسی آواز سے ہنسنا جس کو وہ خود اکیلا سن سکے اور ساتھ ہی اس کے پاس والا بھی سن لے۔ اس سے نماز مطلقاً جاتی رہتی ہے۔ یہ قہقہہ تھوڑا ہو یا بہت ارادۃً ہو یا سہواً یا ہنسی غالب ہو کہ روکی نہ جا سکے اور اس میں حروف کی آواز پیدا ہو یا نہ ہو، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس سے نماز جاتی رہتی ہے۔ حنفیہ اور شافعیہ کے مسالک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہوں۔ (۲)

حالت نماز میں ہے؛ اگر چہ ایسا کرنے پر مجبور کیا گیا ہو۔ ہاں اگر بھولے سے کچھ کھا پی لیا یا ناواقفیت کی وجہ سے ایسا کیا تو عذر قابل تسلیم ہوگا، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اگر یہ خیال نہ رہا کہ نماز میں ہے اور تھوڑی سی کوئی شے ہو تو حرج نہیں، بخلاف زیادہ مقدار کے (کہ اس میں حرج ہے) رہا محض چبانا بغیر نگلنے کے سو اس کا حکم وہ ہے جو عمل کا ہے یعنی چبانے میں عمل کثیر ہو تو نماز باطل ہو جائے گی۔

اگر دانت میں پھنسی ہوئی کوئی شے ہے جس کو ہٹانا یا منہ سے نکالنا ممکن نہیں اور تھوک کے ساتھ پیٹ میں اتر گئی تو مضائقہ نہیں، ہاں شکر وغیرہ گھل کر پیٹ میں اتر جائے تو نماز باطل ہو جائے گی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ زیادہ مقدار میں کھانے یا پینے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور تھوڑی سی بھی اگر ارادۃً ہو تو نماز باطل ہو جائے گی۔ ہاں بھولے سے ہو تو باطل نہ ہوگی، اسی طرح دانتوں میں پھنسی ہوئی کوئی شے بغیر چبائے نگل لی جائے تو نماز باطل نہ ہوگی۔ اگر چہ اس کے ساتھ تھوک نہ ہو۔ تھوڑی یا بہت شے وہ ہے جیسے بالعموم تھوڑی یا بہت خیال کیا جاتا ہے۔ شکر یا مٹھائی وغیرہ کا شیرہ نگلنے کا وہی حکم ہے جو کھانے کا ہے جس کا ذکر اوپر ہوا، یعنی اس سے نماز جاتی رہے گی، بشرطیکہ تھوڑی سی ہو اور یہ کام سہواً نہ ہوا ہو۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ان امور (ناقض وضو) میں سے اگر کوئی امر لاحق ہو جائے تو نماز باطل ہو جائے گی، بشرطیکہ قعدۂ اخیرہ بقدر تشہد سے پہلے ہو۔ اگر اس کے بعد کوئی ایسی شے لاحق ہو تو بقول راجح اس سے نماز نہیں جاتی۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس سے نماز جاتی رہتی ہے، بشرطیکہ قعدۂ اخیرہ بقدر تشہد سے پہلے ہو۔ اگر بعد میں ہو تو نماز جو قعدۂ اخیرہ کے ساتھ مکمل ہو چکی ہے، باطل نہ ہوگی۔ اگر چہ وضو ٹوٹ جائے گا، چنانچہ اس کی تفصیل نواقض وضو کے بیان میں ہو چکی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ قہقہے سے نماز نہیں جاتی جب تک کہ اس میں دو یا دو سے زیادہ حروف کی آواز نہ پیدا ہو، جیسا کہ

Marfat.com

کسی رکن صلوٰۃ میں مقتدی کا اپنے امام سے مسابقت کرنا

اگر مقتدی کسی رکن (کی ادائیگی) میں ارادۃً اپنے امام سے مسابقت کرے تو نماز باطل ہو جائے گی، مثلاً یہ کہ رکوع میں جا کر امام کے اٹھنے سے پہلے اٹھ جائے۔ اگر سہواً ایسا ہو گیا تو امام کا ساتھ دینے کے لیے واپس رکوع میں چلا جائے۔

اس سے مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک نماز باطل نہ ہوگی۔ حنفیہ اور شافعیہ کے مسالک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہوں۔ (۱)

اسی میں وہ صورت داخل ہے جب کہ تیمّم سے نماز پڑھنے والے کو بدوران صلوٰۃ پانی دستیاب ہو جائے جس کو وہ استعمال کر سکتا ہو تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اس بارے میں ائمہ فقہا کے مسالک تفصیل طلب ہیں۔ (۲)

پہلے بیان ہوا۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ ہنسنا اختیار میں ہو لیکن اگر ہنسی غالب ہو (رک نہ سکے) اور زیادہ ہو تو نماز باطل ہو جائے گی ورنہ باطل نہ ہوگی۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر مقتدی نے کسی رکن کی ادائیگی میں امام پر سبقت کی اور پھر امام کے ساتھ یا اس کے بعد اس رکن کو نہ دہرایا اور امام کے ساتھ سلام نہ پھیرا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، خواہ یہ سبقت ارادۃً ہو یا بھولے سے ہوئی ہو۔ لیکن اگر اس (رکن) کو امام کے ساتھ یا اس کے بعد دہرا لیا، اور (اس نماز میں) امام کے ساتھ ہی سلام پھیرا تو نماز باطل نہ ہوگی۔ اس کی تفصیل 'جماعت' کے بیان میں آ رہی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مقتدی کی نماز باطل نہ ہوگی جب تک کہ اس نے کم از کم دو ارکان فعلی میں امام پر سبقت نہ کی ہو۔ درآنحالیکہ اس کے لیے کوئی عذر، مثلاً سہو نہ ہو۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ دو رکنوں میں امام کی مخالفت ارادۃً بغیر کسی عذر کے کی گئی ہو، مثلاً قرأت میں امام سے زیادہ دیر کرنا جیسا کہ جماعت کے بیان میں آگے آ رہا ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ تیمم سے نماز پڑھنے والے کو حالت نماز میں پانی دستیاب ہو جائے جسے وہ استعمال کر سکتا ہے، اور یہ قعدۂ اخیرہ بقدر تشہد سے پہلے ہوا ہو تو نماز باطل ہو جائے گی ورنہ نہ ہوگی، کیونکہ نماز پوری ہو چکی ہے اب کیا باطل ہوگا؟

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر تیمم کرنے والے کو نماز کے دوران پانی دستیاب ہو جائے تو نماز باطل نہ ہوگی بجز اس صورت کے جب کہ وہ نماز ایسی ہو جس کی قضا لازمی ہے۔ اس کی تفصیل تیمم کے بیان میں آ چکی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر تیمم کرنے والے کو نماز پڑھتے میں پانی مل جائے تو نماز باطل ہو جائے گی، بجز اس صورت کے جب کہ کسی نے بھول کر تیمم کر لیا ہو، بایں طور کہ پانی اس کے پاس موجود تھا اور یاد نہ رہا۔ لہٰذا تیمم کر کے نماز شروع کر

Marfat.com

اسی طرح کی وہ صورت ہے جب کہ کوئی شخص لباس دستیاب نہ ہونے کے باعث برہنہ ہی نماز پڑھ رہا ہو اور نماز پڑھنے کے دوران پوشاک دستیاب ہو گئی۔ (۱) لیکن بغیر عمل کثیر کے ستر ڈھکنا ممکن نہیں ہے۔ اگر عمل کثیر کے بغیر ستر ڈھکنا ممکن ہو تو لازم ہے کہ ستر ڈھک لے اور اپنی نماز جاری رکھے۔

عصر کی نماز پڑھتے میں یاد آجائے کہ ظہر کی نماز نہیں پڑھی اور ایسے ہی دوسرے مسائل کا بیان

کسی نمازی کو اپنی فوت شدہ نماز کا (وقت نکل) جانا یاد آجائے اور وہ کوئی اور نماز پڑھ رہا ہو، جیسے کوئی ظہر کی نماز بھول گیا اور عصر کی نماز پڑھنے لگا اور نماز پڑھتے میں یاد آیا کہ ظہر کی نماز رہ گئی جس کا وقت نکل گیا تو وہ نماز عصر کی باطل ہو جائے گی، بشرطیکہ نمازی صاحب ترتیب ہو۔ صاحب ترتیب وہ ہے جس کی پانچ وقت مسلسل یا اس سے زیادہ کی نماز فوت نہ ہوئی ہو۔ اس کی تفصیل فوت شدہ نمازوں کی قضا کے بیان میں آگے آرہی ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہی حکم ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ کے مسالک ذیلی

دی اور نماز پڑھتے میں وہ پانی یاد آ گیا تو نماز باطل ہو جائے گی، بشرطیکہ اس قدر وقت باقی ہو کہ وضو کرنے کے بعد کم از کم ایک رکعت نماز وقت کے اندر ادا کر سکے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر تیمم والے کو نماز کے دوران پانی دستیاب ہو گیا اور اس کے استعمال پر قادر تھا تو نماز مطلقاً باطل ہو جائے گی۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر بے پوشاک والے آدمی کو نماز پڑھنے میں پوشاک دستیاب ہو جائے اور نزدیک ہی ہو، یعنی نمازی اور اس (پوشاک) کے درمیان اس کی اپنی صف کو چھوڑ کر صرف دو دو صفوں کا فاصلہ ہو تو چاہیے کہ اس پوشاک کو لے کر ستر ڈھک لے۔ اگر یہ نہ کیا اور نماز کے وقت میں گنجائش ہے تو (وہ نماز چھوڑ کر اور لباس پہن کر) دوبارہ نماز پڑھ لے لیکن اگر وہ پوشاک دور ہے اور دور سے مطلب یہ ہے کہ اس فاصلے سے زیادہ ہے جس کا اوپر ذکر ہوا تو چاہیے کہ اپنی نماز اسی حالت میں پوری کرے اور اس پوشاک کو لینے کے لیے اتنی دور نہ جائے تاہم صرف اس صورت میں کہ وقت باقی ہو نماز کو دہرا لینا چاہیے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ ستر ڈھکے بغیر نماز پڑھنے والے کو اگر نماز کے دوران پوشاک دستیاب ہو جائے تو نماز مطلقاً باطل ہو جائے گی۔ ہاں اگر پورا کپڑا ناپاک دستیاب ہو اور ستر ڈھکے بغیر ہی نماز پڑھی تو وہ نماز باطل نہ ہوگی بلکہ اس صورت میں اسے اختیار ہوگا چاہے تو وہی (ناپاک کپڑا) پہن کر نماز پڑھے یا بے پہنے ہی نماز پڑھ لے۔ البتہ اگر وہ کپڑا ایک چوتھائی بھی پاک ہے تو اس کو پہن کر نماز پڑھنا لازم ہے۔ ایسے لباس کے دستیاب ہوتے ہوئے نماز (بے پہنے پڑھی گئی تو) باطل ہو جائے گی۔

Marfat.com

حاشیے میں ملاحظہ ہوں۔ (۱)

نماز کے اندر آیت سیکھنے کا بیان

اگر کوئی ان پڑھ آدمی نماز پڑھتے میں کوئی آیت سیکھ لے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اگر وہ کسی پڑھے ہوئے امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھ رہا۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایسا ہی ہے۔ دوسرے ائمہ کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

نماز ختم ہونے سے پہلے ارادۃً سلام پھیر دینا

نماز ختم ہونے سے پہلے ہی قصداً سلام پھیر دینے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، لیکن اگر کوئی شخص یہ خیال کرتے ہوئے کہ نماز جو وہ پڑھ رہا ہے پوری ہو چکی ہے اور اس بھلاوے میں سلام پھیر دیا تو اس کی نماز باطل نہ ہوگی جب تک کہ سلام کے بعد عمل کثیر نہ کیا ہو اور کچھ بولا نہ ہو۔

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر نمازی کو نماز پڑھتے میں اپنی فوت شدہ نمازیں یاد آ گئیں اور وہ تھوڑی ہیں، یعنی چار نمازوں سے زیادہ نہیں ہیں، اور ابھی اس نے دو سجدے نہیں کیے تھے کہ اس سے پہلے فوت شدہ نمازیں یاد آئیں، تو وہ نماز جو پڑھ رہا ہے وہ باطل ہو جائے گی، خواہ کوئی منفرد ہو یا امام ہو۔ (لہٰذا اسے توڑ کر پہلے فوت شدہ نمازوں کی قضا پڑھنی چاہیے) اگر امام نے اپنی نماز توڑی ہے تو اس کے ساتھ مقتدی کو بھی اپنی نماز توڑ دینی چاہیے، نہیں توڑی تو وقت کے اندر اندر وہ نماز پھر پڑھ لینی چاہیے۔ لیکن اگر (فوت شدہ نماز) دو سجدے کرنے کے بعد یاد آئی تو چاہیے کہ دو رکعت پوری کر کے سلام پھیرے۔ ایسی صورت میں وہ نماز نفلی ہو جائے گی۔ اگر (فوت شدہ نماز) مغرب کی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد یا چار رکعت والی نماز کی تین رکعتیں پڑھنے کے بعد یاد آئی تو اب اس نماز کو چھوڑنا نہ چاہیے، بلکہ اسے پوری کرے۔ یہ نماز صحیح متصور ہوگی۔ اس حالت میں جب کہ (چار سے) زیادہ نمازیں فوت ہو چکی ہیں تو اس نماز (حاضر) کو بہر حال توڑنا نہ چاہیے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ فوت شدہ نماز کے یاد آنے سے حاضر نماز باطل نہ ہوگی، خواہ اس کے لیے ترتیب سنت ہو کہ نماز معذوری سے فوت ہوئی، یا ترتیب واجب ہو کہ بغیر معذوری فوت ہوئی ہو۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی ان پڑھ مقتدی ہو اور اس کا امام خواندہ ہو تو اس کی اقتدا (صحت نماز کے لیے) کافی ہے۔ اگر مقتدی نہ ہو اور نماز پڑھتے میں سورۂ فاتحہ سیکھ لی ہے تو چاہیے کہ اپنی نماز کو جاری رکھے، وہ نماز باطل نہ ہوگی، کیونکہ جائز طریقے سے اس نے نماز شروع کی تھی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ناخواندہ شخص اگر نماز پڑھنے میں کچھ قرآن پڑھنا سیکھ جائے تو جو سیکھا ہے، اسے پڑھے اور نماز پر قائم رہے (یعنی اسے توڑنے کی ضرورت نہیں ہے)۔

Marfat.com

اذان کا بیان

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ اذان نماز کی سنتوں میں سے ہے جو نماز سے خارج ہے۔ اذان کے متعلق چند امور قابل ذکر ہیں:

اول: اذان کی تعریف

دوم: اذان کے حکم شریعت ہونے کا سبب اور اس کی دلیل۔

سوم: اذان کے الفاظ۔

چہارم: اذان کے متعلقہ احکامات۔

پنجم: اذان کی شرطیں۔

ششم: اذان کی سنتیں اور اس کے مستحبات۔

ہفتم: اذان کے مکروہات۔

اب ان تمام امور کا بیان اسی ترتیب سے کیا جاتا ہے۔

اذان کی تعریف اور اس کا ثبوت

اذان کے لغوی معنی اطلاع دینے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اذان من اللّٰہ و رسولہ" (یعنی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے آگاہ کیا جاتا ہے)۔ نیز ارشاد ہے: "اذن فی الناس بالحج" (یعنی حج کے متعلق سب لوگوں میں اعلان کر دے)۔ اصطلاح شرع میں اس کے معنی نماز کا وقت آ جانے کی اطلاع دینا ہے، جس کے لیے خاص الفاظ ہیں۔

اذان کا حکم شرعی ہونا کتاب و سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یا ایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللّٰہ" (یعنی اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لیے بلایا جائے۔ اذان دی جائے تو اللہ کی عبادت کے لیے چل پڑو) اور ارشاد ہے: "اذا نادیتم الی الصلوٰۃ اتخذوھا ھزواً و لعباً" یعنی جب تم کو نماز کے لیے بلایا جاتا ہے اذان دی جاتی ہے تو تم اس کو ہنسی مذاق میں اڑا دیتے ہو۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ "اذا حضرت الصلوٰۃ فلیؤذن لکم احدکم" بخاری و مسلم۔ (یعنی جب نماز کا وقت آ جائے تو چاہیے کہ تم میں سے

Marfat.com

کوئی شخص لوگوں (کی اطلاع) کے لیے اذان دے۔

باقی رہے اس کے الفاظ اور اس کا طریقہ سووہ دوسری احادیث میں بتائے گئے ہیں۔

اذان کب مشروع ہوئی؟ اس کے مشروع ہونے اور اس کے فضائل کا بیان

جس سال آنحضرت ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اسی سال اذان مشروع ہوئی اور یہ ظاہر ہے کہ اس کی مشروعیت پر ایمان لانا دین کا ایک حصہ ہے۔ اگر کوئی اس کے حکم شریعت ہونے سے منکر ہو تو وہ کافر ہے۔ اس کے مشروع ہونے کا سبب یہ ہوا کہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے اس وقت لوگوں کو نماز کے اوقات کا جاننا دشوار تھا، لہٰذا سب نے باہم یہ مشورہ کیا کہ کوئی ایسی بات ہونی چاہیے جس سے معلوم ہو جائے کہ نبی ﷺ کی نماز کا وقت آ گیا ہے تاکہ لوگ جماعت میں شریک ہونے سے محروم نہ رہیں۔ بعض لوگوں نے یہ رائے دی کہ ناقوس (سنکھ) کا استعمال کیا جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو نصاریٰ کا دستور ہے۔ کسی نے کہا بگل بجایا جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ یہودیوں کا شیوہ ہے۔ کسی نے ڈھول بجائے جانے کا مشورہ دیا، ارشاد ہوا کہ یہ رومیوں کا طریقہ ہے۔ بعض نے تجویز کیا کہ آگ جلادی جایا کرے، فرمایا کہ یہ مجوسیوں کا عمل ہے۔ بعض کی رائے ہوئی کہ ایک جھنڈا بلند کر دیا جایا کرے جسے دیکھ کر لوگ ایک دوسرے کو آگاہ کر دیا کریں، آنحضرت ﷺ نے اس کو بھی کچھ اچھا نہ تصور فرمایا۔ غرض سب ایک بات پر متفق نہ ہو سکے اور آنحضرت ﷺ کبیدہ خاطر اٹھ کھڑے ہوئے اور حضور ﷺ کی اس کبیدہ خاطری کے باعث عبداللہ بن زید نے بھی رات اسی فکر میں گزاری، رات کو ایک فرشتہ خواب میں نظر آیا جس نے ان کو اذان اور اقامت سکھائی۔ آنحضرت ﷺ کو یہ بتایا گیا۔ ادھر حضور ﷺ کی وحی سے اس خواب کی مطابقت ہوئی لہٰذا آپ نے اسی طرح اذان اور اقامت کا حکم دیا۔ یہی مطلب ہے ان احادیث کا جن کو احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے بھی اس کے بعض حصے کی تخریج کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ صحیحین میں حضرت انس سے مروی ہے کہ جب لوگوں میں اس بات کا زیادہ چرچا ہونے لگا کہ نماز کا وقت جاننے کے لیے کوئی علامت مقرر ہونی چاہیے تو یہ ذکر ہوا کہ آگ جلادی جایا کرے، یا سنکھ بجا دیا جایا کرے، تب آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا کہ الفاظ اذان جفت اور الفاظ اقامت طاق ادا کیا کریں۔

Marfat.com

اذان کی فضیلت بکثرت حدیثوں سے ثابت ہے، منجملہ ان کے وہ حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "لو یعلم الناس ما فی النداء و الصف الاول ثم لم یجدوا الا ان لیستھموا علیه لاستھموا علیه" متفق علیه (یعنی اگر لوگ اذان اور صف اول کی اہمیت کو جانتے اور پھر بغیر محنت وہ حاصل نہ ہوتی تو اس کے لیے صرف ہمت کرتے رہتے) نیز ایک اور حدیث حضرت معاویہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "المؤذنون اطول الناس اعناقاً یوم القیامه" رواہ مسلم (یعنی اذان دینے والوں کی گردن قیامت کے دن سب سے زیادہ اونچی ہوگی)۔ حدیث سابقہ میں لفظ استھموا کے معنی اقترعوا (یعنی صرف ہمت) کے ہیں۔

اذان کے الفاظ

اذان جن الفاظ میں دی جاتی ہے وہ یہ ہیں:

" اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ ، اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ ، اشھد أن محمداً رسول اللّٰہ ، اشھد أن محمداً رسول اللّٰہ ، حی علی الصلٰوۃ حی علی الصلٰوۃ ، حی علی الفلاح ، حی علی الفلاح ، اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر ، لا الٰہ الا اللّٰہ " یہ الفاظ تین اماموں کے نزدیک متفق علیہ ہیں، مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو[1] فجر کی اذان میں الفاظ "حی علی الفلاح" کے بعد دوبار "الصلٰوۃ خیر من النوم" بھی کہا جاتا ہے۔

اذان میں الفاظ شہادتین کا مزید ایک بار دہرانا اس کو "ترجیع" کہتے ہیں

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اذان کے لیے مذکورہ بالا الفاظ کافی ہیں۔ ان پر کچھ اضافہ نہ کیا جائے گا۔ مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ دونوں شہادتوں (کے الفاظ) کو اونچی آواز کے ساتھ دہرانے سے پہلے ہلکی آواز سے کہ لوگ سن سکیں، مزید کہنا سنت ہے۔ اس عمل کو ہر دو اصحاب "ترجیع" کہتے ہیں لیکن مالکیہ کے نزدیک اونچی آواز سے ادا کرنے کو "ترجیع" کہتے ہیں اور شافعیہ ہلکی آواز سے ادا کرنے کو "ترجیع" کہتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مالکیہ نے (لفظ "ترجیع" کے انطباق میں) لغوی معنی ملحوظ رکھا ہے، کیونکہ "ترجیع" کے لغوی معنی اعادہ (دوبارہ کہنے) کے ہیں۔ چونکہ موذن پہلے کلمات شہادتین کو ہلکی

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ تکبیریں دوبار کہی جائیں، چار بار نہیں۔

Marfat.com

آواز سے کہتا ہے اور پھر اس کو بلند آواز سے دہراتا ہے، لہٰذا اس اعادہ کو 'ترجیع' کہنا لغت کے مطابق ہے۔ شافعیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ دراصل اذان کلمات شہادتین کو اونچی آواز سے ادا کرنے ہی کا نام ہے۔ لہٰذا اونچی آواز سے ادا کرنے سے پہلے آہستہ سے کہہ لینے کو ''ترجیع'' کہنا زیادہ مناسب ہے۔ یعنی یہ آہستہ سے کہنا بیان ہے ان الفاظ کا جو آئندہ اونچی آواز سے ادا کیے جانے والے ہیں۔ (غالباً یہ مدعا ہے کہ یہ رجوع کرانے والے الفاظ ہیں۔ لہٰذا ان کو 'ترجیع' کہنا چاہیے)۔ بہرحال یہ اختلاف معمولی ہے۔ کیونکہ شافعیہ اور مالکیہ (ہردو) کے نزدیک اذان کی عبارت تکبیر کے بعد یوں ہوگی کہ پہلے'' اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ، اشھد ان لا الٰہ اللّٰہ'' ہلکی آواز سے کہا جائے پھر ''اشھد ان لا الٰہ الااللّٰہ اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ '' بلند آواز کہا جائے۔ اس کے بعد اشھد ان محمداً رسول اللّٰہ، اشھد ان محمداً رسول اللّٰہ، ہلکی آواز سے کہا جائے، پھر اسی کو تکبیر کی طرح اونچی آواز سے ادا کیا جائے۔ اس کے بعد حی علی الصلوٰۃ دوبار اونچی آواز سے بغیر ''ترجیع'' کے اور اسی طرح حی علی الفلاح بھی کہا جائے۔ پھر اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر اور اس کے بعد لا الٰہ الا اللّٰہ کہہ کر اذان ختم کی جائے۔ ہاں فجر کی اذان میں'' حی علی الفلاح '' کے بعد ''الصلوٰۃ خیر من النوم' دوبار کہنا مستحب ہے۔ اگر نہ کہا گیا تو اذان صحیح ہو جائے گی لیکن مکروہ ہے۔ اسی طرح ''ترجیع'' نہ کرنا بھی مکروہ ہے لیکن اس کے نہ کرنے سے اذان باطل نہیں ہوتی۔ غرض شافعیہ اور مالکیہ الفاظ اذان کے بارے میں متفق ہیں، البتہ تکبیر کے بارے میں شافعیہ کہتے ہیں کہ چار ہیں اور مالکیہ کہتے ہیں کہ دو ہیں۔

اذان کا حکم

مالکیہ کے سوا باقی ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اذان سنت مؤکدہ ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ فرض کفایہ ہے کہ اگر کوئی ایک شخص اذان کہہ لے تو یہ سب کی طرف سے ادا ہو جاتی ہے۔ حکم اذان کے باب میں ائمہ کے خیالات تفصیل طلب ہیں۔ ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (۱)

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اذان جماعت کے لیے سنت کفایہ ہے اور منفرد کے لیے سنت عین ہے جب کہ کہیں اور سے اذان کی آواز سنائی نہ دی ہو۔ اگر اذان سنائی دی اور وہاں جا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کر لی گئی تو سنت پوری ہو گئی۔ اور اگر کوئی شخص (اذان سن کر) نہیں گیا یا گیا اور جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تو یہ کافی نہ ہوگا۔ واضح ہو کہ اذان پانچوں وقت کی فرض نمازوں کے لیے سفر اور حضر میں ہر جگہ سنت ہے۔ خواہ فوت شدہ نماز پڑھنی ہو۔ اگر متعدد نمازیں فوت ہو چکی

Marfat.com

اذان کی شرطیں

اذان درست ہونے کی چند شرائط ہیں:

ایک تو نیت ہے کہ اگر اذان کے مندرجہ بالا الفاظ بلا ارادہ و نیت اذان کہہ دیے گئے تو مالکیہ کے نزدیک وہ اذان درست نہ ہوگی۔

دوسری شرط یہ کہ اذان کے الفاظ یکے بعد دیگرے درمیانی وقفہ کے بغیر ادا کیے جائیں۔ درمیان میں خاموشی کا لمبا وقفہ یا کلام کثیر نہ ہو۔ اذان کے دوران کلام قلیل کا فاصلہ ہو تو اذان باطل ہو جائے گی، خواہ وہ کلام جائز ہو یا حرام ہو۔ اس پر حنابلہ کے سوا سب کا اتفاق ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ کلام قلیل اگر حرام ہو

ہیں اور ان سب کی قضا یکے بعد دیگرے پڑھتی ہے تو پہلی نماز کے لیے اذان دے لینا کافی ہے۔ نماز جنازہ، نذر کی نماز اور نفل نماز کے لیے اذان سنت نہیں ہے۔ اگر سفر میں ظہر و عصر کی نماز یا مغرب و عشا کی نماز اکھٹی پڑھی جائے تو دو نمازوں کو ایک اذان سے پڑھ لینا چاہیے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ ایک ہی قبیلہ (یا محلہ) کے لوگوں کے لیے اذان سنت مؤکدہ کفایہ ہے، اس کے ترک کرنے میں ایسا ہی گناہ ہوتا ہے جیسا کہ ترک واجب میں۔ یہ پانچوں فرض نمازوں کے لیے سنت ہے، سفر میں بھی حضر میں بھی، منفرد کے لیے اور جماعت کے لیے بھی۔ خواہ وہ ادا ہو یا قضا۔ البتہ اگر کوئی شہر کے اندر اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے تو اذان نہ دینا مکروہ نہیں ہے، کیونکہ محلہ کی اذان کافی ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا۔ جنازہ، عیدین، سورج گرہن، استسقاء، تراویح اور مقررہ سنتوں کی نماز کے لیے اذان دینا مسنون نہیں ہے۔ اور وتر اگرچہ واجب ہے اس کے لیے بھی اذان مسنون نہیں ہے، کیونکہ بقول صحیح عشاء کی اذان کو کافی سمجھا گیا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ایسے مجمع میں اذان سنت کفایہ ہے جہاں لوگ جمع ہوں اور مل کر نماز پڑھنے کے لیے جماعت کا انتظار کیا کرتے ہوں۔ یہی حکم ہر مسجد کا ہے اگرچہ مسجدیں قریب قریب ہوں یا مسجدیں اوپر نیچے واقع ہوں۔

واضح ہو کہ تمام فرض عین نمازوں کے لیے اختیاری وقت میں اذان دینا چاہیے اگرچہ وہ اختیاری وقت حکمی ہو جیسے دو نمازوں کو تقدیم یا تاخیر کے ساتھ اکھٹا پڑھنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ (تقدیم و تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً مغرب کے وقت میں ہی عشاء کی نماز بھی پڑھ لی جائے تو یہ تقدیم ہوئی۔ اور عشاء کے ساتھ ملا کر مغرب کی نماز پڑھی جائے تو یہ تاخیر ہے)۔ نفل نمازوں، فوت شدہ نمازوں، فرض کفایہ جیسے جنازہ کی نماز یا تنگ وقت کی نمازوں میں اذان نہ دینی چاہیے۔ بلکہ ان نمازوں کے لیے اذان دینا مکروہ ہے۔ اگر لوگ منتظر جماعت نہ ہوں تب بھی اذان دینا مکروہ نہیں ہے، تنہا گزارا کا بھی اذان دینا مکروہ نہیں ہے۔ البتہ اگر میدانی علاقہ ہو تو وہاں پر اذان دینا مستحب ہے، خواہ جماعت ہو یا منفرد۔ شہر میں اذان دینا واجب کفایہ ہے۔ شہر سے مراد وہ بستی ہے جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہو۔ جہاں اذان دینا ترک کر دیا جائے وہاں

Marfat.com

تب ہی اذان باطل ہوگی، خواہ وہ ایک ہی لفظ ہو۔ مثلاً اگر کسی نے گالی کا ایک لفظ بھی اذان کے دوران نکالا تو اذان باطل ہو جائے گی۔

تیسری یہ کہ اذان عربی الفاظ میں ہو، سوا اس صورت کے جب کہ مؤذن عجمی ہو، اور وہ خود اپنے لیے یا اپنے جیسے عجمیوں کے لیے اذان دینا چاہے۔ اگر ان لوگوں کے لیے اذان دی جو اس کی بولی نہیں جانتے تو عربی کے سوا کسی اور زبان میں اذان دینا قدرتی طور پر درست نہ ہوگا، کیونکہ وہ جان ہی نہیں سکتے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے، حنابلہ کہتے ہیں کہ عربی کے سوا کسی اور زبان میں اذان دینا کسی حال میں درست نہیں ہے۔

چوتھی یہ کہ اذان نماز کا وقت آنے پر ہونی چاہیے۔ اگر وقت آنے سے پہلے اذان دی گئی تو ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی صورت میں صحیح نہ ہوگی۔ البتہ فجر کی اذان اگر وقت سے پہلے بھی ہو جائے تو تین اماموں کے نزدیک خاص شرائط کے ساتھ صحیح ہوگی۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

پانچویں یہ کہ اذان کے الفاظ اسی ترتیب کے ساتھ ادا کیے جائیں۔ اگر اس ترتیب سے نہ ادا کیے گئے، مثلاً "حی علی الفلاح کو حی علی الصلوٰہ" سے پہلے کہہ دیا وغیرہ اور پھر ترتیب درست کر کے

کے لوگوں سے اس بات پر جنگ کرنا لازم ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مردان آزاد پر واجب کفایہ ہے کہ وہ پانچوں وقت کی نماز حاضر کے لیے شہروں اور قریات میں، نیز سفر و حضر میں اذان دیں، البتہ نماز جنازہ، نماز عید، نماز نفل اور نذر کی نمازوں کے لیے اذان نہ دی جائے۔ فوت شدہ نمازوں کی قضا کے لیے اور منفرد پر بحالت سفر و حضر میں اور مسافر کے لیے اگرچہ ایک جماعت میں ہوں اذان سنت ہے۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز فجر کی اذان بھی وقت آجانے سے پہلے درست نہیں ہے، بقول صحیح مکروہ تحریمی ہے۔ اور وہ جو وقت سے پہلے اذان دینے کا جواز (روایات میں) آیا ہے، اس کا مقصد محض اللہ کی تسبیح اور لوگوں کو بیدار کرنا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ آدھی رات کے بعد فجر کی نماز کے لیے اذان دینا مباح ہے، کیونکہ عشاء کا اختیاری وقت (آدھی رات کے بعد) گزر جاتا ہے۔ اور نماز فجر کی اذان دینے والے کے لیے یہ مستحب نہیں ہے کہ وقت آنے سے پہلے اذان دے اور مستحب یہ ہے کہ تمام راتوں میں ایک ہی وقت اذان کے لیے مقرر کر لیا جائے اور اس وقت مقررہ کے بعد پھر اذان کو نہ دہرایا جائے۔ البتہ ماہ رمضان میں فجر سے پہلے کسی ایک وقت کا اختیار کر لینا مکروہ ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ وقت آنے سے پہلے اذان دینا درست نہیں ہے۔ اگر اس سے لوگوں کو دھوکے میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایسا کرنا حرام ہے۔ اگر اس سے عبادت کے لیے بلانا مقصود ہو تب بھی ناجائز ہے، بجز وقت صبح کی اذان کے کہ

Marfat.com

ان الفاظ کو نہ دہرایا تو اذان باطل ہو جائے گی۔ اس پر تین ائمہ متفق ہیں، حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

اذان الجوق (کئی آدمیوں کا مل کر اذان دینا)

اس کو اذان سلطانی بھی کہتے ہیں

اذان کی متفق علیہ شرطوں میں یہ بیان کرنا باقی ہے کہ اذان ایک ہی شخص کو دینا چاہیے۔ پس اگر کچھ اذان ایک مؤذن نے دی اور دوسرے مؤذن نے اس کو پورا کیا تو یہ صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ کوئی شخص دو یا زیادہ اشخاص کو اذان کے لیے اپنا نائب بنائے، بایں طور کہ ان میں سے ہر شخص اذان کے وہ جملے ادا کرے جو دوسرے نے ادا نہ کیے ہوں۔ بعض لوگوں کے نزدیک اس کا نام اذان الجوق یا اذان سلطانی ہے لیکن یہ جہالت کی بات ہے۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو سنت اذان باطل ہو جائے گی۔ البتہ اگر دو یا زیادہ اشخاص مل کر اذان دیں، بایں طور کہ وہی الفاظ جو ایک موذن کہے وہی دوسرے (موذن) بھی کہیں اور اس میں کوئی ردو بدل نہ ہو اور اسی طرح سب اذان کو پورا کریں تو صحیح ہوگا اور سنت اذان ادا ہو جائے گی۔ لیکن یہ بدعت ہے اور ایسا کرنا کوئی امر ضروری نہیں ہے اور یہ عمل ناجائز بھی ہوگا جب کہ ایسا کرنا کسی خاص جگہ کے لیے مخصوص کر لیا جائے۔ یوں تو جائز ہے کیونکہ احادیث سے کوئی ایسی بات ثابت نہیں ہے جو اس سے مانع ہو۔ نیز اذان کا عام اصول اس کے منافی نہیں ہے، کیونکہ دو آدمیوں یا زیادہ اشخاص کا ایک جگہ اذان دینا ایسا ہی ہے جیسے چند جگہوں پر اذان کا دیا جانا۔ تاہم اسلامی شریعت کا مزاج اس امر کا متقاضی ہے کہ امور عبادات میں اس حد سے تجاوز نہ کیا جائے جس کا تعین دین میں کر دیا گیا ہے۔ پس در آنحالیکہ شریعت اسلامیہ میں اس بارے میں کوئی بات مذکور نہیں، احتیاط اسی میں ہے کہ بہر حال ایسا نہ کیا جائے۔

آدھی رات کے بعد اس کے لیے اذان دینا صحیح ہے کیونکہ صبح کو دو اذان دینا سنت ہے: ایک تو آدھی رات کے بعد اور دوسری طلوع فجر کے بعد۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ وقت آنے سے پہلے اذان دینا درست نہیں ہے، البتہ رات کے آخری چھٹے حصے میں بیدار کرنے کے لیے اذان دینا مستحب ہے۔ نماز کا وقت آجانے کے بعد بہ پیروی سنت دوبارہ اذان کہی جائے۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اذان کے الفاظ میں ترتیب نہ ہو تو اذان درست ہو گی، لیکن کراہت کے ساتھ، اور لازم ہے کہ ترتیب میں فرق آجائے تو دہرا کر ٹھیک کر لیا جائے۔

Marfat.com

اذان دینے کی شرطیں

اذان دینے والے کا مسلمان ہونا شرط ہے، مسلمان نہ ہو تو اذان درست نہ ہوگی، اور چاہیے کہ وہ صحیح العقل ہو۔ لہٰذا دیوانگی، نشہ یا بے ہوشی کی حالت میں اذان درست نہیں ہے۔ نیز موذن مرد ہونا چاہیے؛ عورت یا مخنث کا اذان دینا درست نہیں ہے۔ یہ شرائط تین اماموں کے نزدیک متفق علیہ ہیں؛ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک اس بارے میں مع ان کی دوسری شرائط اذان کے ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

مؤذن کے لئے بالغ ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ اگر لڑکے میں تمیز کا مادہ ہے تو اس کا اذان دینا صحیح ہے، خواہ اس نے خود اذان دے دی ہو یا کسی بالغ مؤذن پر بھروسہ کر کے اذان دی ہو۔ اس بارے میں تین امام متفق ہیں، مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مؤذن کے لیے جو شرطیں اوپر بیان کی گئی ہیں وہ اذان کے صحیح ہونے کی شرطیں نہیں ہیں، لہٰذا عورت، مخنث، کافر، مجنون یا مخمور کی اذان درست ہوگی۔ اگر ان میں سے کسی نے بھی اذان دے دی تو اہل محلہ کے سر سے گناہ اتر جائے گا۔ لیکن بہر حال نماز کا وقت آجانے کے متعلق کافر، بدکار، اور دیوانہ کی بات پر بھروسا کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ وقت آجانے کی تصدیق کے لیے یہ شرط ہے کہ اذان دینے والا عادل ہو اور مسلمان ہو، اگرچہ وہ عورت ہو۔ چاہیے کہ صحیح العقل ذی ہوش، اور وقت نماز سے باخبر ہو۔ اگر کسی ایسے شخص نے جس میں یہ شرطیں موجود نہیں ہیں اذان دی تو یہ اذان گو بذات خود صحیح ہوگی لیکن اس پر بھروسا کرنا کہ وقت نماز آگیا ہے صحیح نہ ہوگا۔ ایسے اشخاص کی اذان اسی طرح مکروہ ہے جیسے کسی جنبی یا بدکار کا اذان دینا۔ اگر کہیں مؤذن مقرر ہے اور ان اشخاص میں سے کسی نے اذان دی تو مستحب یہ ہے کہ دوبارہ اذان دی جائے۔ لیکن اگر ایسے اصحاب کے لیے جو وقت کو جانتے ہیں اذان دی گئی اور مقررہ مؤذن کے عوض میں وہ اذان نہیں دی گئی تو دوبارہ اذان نہ دی جائے۔ ایسے بچے کی اذان جو تمیز نہیں رکھتا صحیح نہیں ہے۔ اس کے اذان دینے سے اذان نہ دینے کا گناہ سر سے دور نہ ہوگا۔ رہا عورت کا اذان دینا سو اس کی ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ اس کی آواز سن کر بری خواہش پیدا نہ ہو، جیسا کہ اونچی آواز سے قرأت کے بارے میں ذکر کیا گیا۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ مؤذن کا بالغ ہونا بھی شرط ہے۔ اگر لڑکا صاحب تمیز ہے تو اس کی اذان صرف اس صورت میں صحیح ہوگی جب کہ اس نے اپنی اذان اور وقت کے بارے میں بالغ پر بھروسا کر لیا ہو۔ پس اگر وہ لڑکا نیک بتایا جاتا ہے تو اذان صحیح ہوگی۔ اور کسی بدکار کی اذان درست نہ ہوگی جب تک کہ اس نے کسی دوسرے کی اذان پر بھروسا کر کے اذان نہ دی ہو۔

Marfat.com

اذان کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ اس کے ہر جملہ پر وقف کیا جائے، یعنی حرف آخر ساکن ادا کیا جائے، لہٰذا اگر کسی نے حی علی الصلوٰۃ حی علی الصلوٰہ کہا تو شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک درست ہے۔ اس بارے میں حنابلہ اور مالکیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو[۱]۔ یاد رہے کہ شافعیہ اور حنفیہ دونوں کے نزدیک ہر جملہ کے خاتمہ پر ٹھہرنا مسنون ہے۔

اذان کی سنتیں اور اس کے مستحبات

اذان میں جو باتیں مستحب ہیں وہ یہ ہیں کہ مؤذن دونوں ناپاکیوں سے پاک ہو۔ اس کی آواز دل پسند اور اونچی ہو، اذان کی جگہ بلند ہو، مثلاً مینار یا مسجد کی چھت، کھڑے ہو کر اذان دی جائے، بشرطیکہ مرض وغیرہ کی مجبوری نہ ہو، یہ کہ رخ قبلہ کی طرف ہو۔ ہاں اگر لوگوں کو آواز سنانا مقصود ہو تو پیچھے مڑ کر اذان دینا بھی جائز ہوگا۔ اس باب میں مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[۲]

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اذان میں ہر جملہ پر سکون بھی شرط ہے، اگر اعراب (حرکت) کا اظہار کیا گیا تو اذان صحیح نہ ہوگی، سوائے ابتدائی تکبیر کے کہ اس میں سکون حرف آخر (شرط نہیں) صرف مستحب ہے، جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں۔ مقرر شدہ مؤذن کی اجازت کے بغیر کسی اور شخص کا اذان دینا حرام ہے، اگر چہ اذان ہو جائے گی۔ یہ حرمت اس صورت میں ہے جب کہ اذان کا وقت نکل جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر مقرر شدہ مؤذن اذان کے بعد (وقت کے اندر) آ جائے تو دوبارہ اذان دینا مسنون ہے۔ اذان کی صحت کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ اس میں ایسی لَے نہ پیدا کی جائے جو اس کے معنے کو بدل دے، مثلاً اللہ کے الف کو یا اکبر کی "ب" کو کھینچ کر پڑھنا۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو اذان درست نہ ہوگی۔ اذان کے لیے اونچی آواز بھی ایک رکن ہے، ہاں اگر حاضرین وقت کے لیے اذان دی جائے تو صرف اس قدر آواز کا بلند کرنا کافی ہے کہ وہ لوگ سن سکیں۔ اس طرح آواز بلند کرنا حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مؤذن کا اذان کے ہر جملہ پر توقف کرنا شرط صحت ہے بجز تکبیر اول کے کہ اس پر توقف کرنا شرط نہیں ہے، بلکہ صرف مستحب ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر تو یہ گویا طریق مستحب کے خلاف ہے، اذان درست ہوگی۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کو سنانا ضروری ہو تو مؤذن کا بالکل ادھر پھر کر اذان دینا مستحب ہے، اگر چہ قبلہ کی جانب پورے طور پر پیٹھ ہو جائے، لیکن یہ ضروری ہے کہ (اذان کی) ابتدا قبلہ رخ ہو کر کی جائے۔ چھوٹے سے قریہ میں جہاں بغیر منہ موڑے اذان دی جائے تو سب سن لیں وہاں کے لیے سنت یہی ہے کہ قبلہ کی جانب منہ کر کے اذان دی جائے۔ ہاں وہ جگہ جس کو بالعموم بڑی بستی کہا جاتا ہے وہاں منہ پھیر کر اذان دینا سنت ہے اسی طرح اگر مینار (مازنہ) بستی کے جنوب میں ہو تو قبلہ کا رخ چھوڑ کر بستی کی جانب مڑ کر اذان دینا سنت ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اذان میں قبلہ کی طرف رخ کرنا سنت ہے، البتہ مینار پر منہ پھیر پھیر کر اذان دینا سنت ہے، تا کہ

Marfat.com

منجملہ مستحبات کے یہ ہے کہ حی الصلوہ کہتے وقت دائیں جانب اور حی علی الفلاح کہتے وقت بائیں طرف چہرے اور گردن کو موڑا جائے۔ سینہ اور قدم نہ مڑے، تاکہ قبلہ رخ رہنے میں فرق نہ آئے۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے۔ مالکیہ کو اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ بطریق مذکور منہ پھیر کر اذان دینا مستحب نہیں ہے۔ حنابلہ کو منہ موڑنے کی کیفیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سینے کا موڑنا بھی سنت ہے۔ اس سے قبلہ رخ ہونے میں فرق نہ آئے گا، جب تک کہ باقی تمام جسم قبلہ رخ ہو۔ تکبیر کے سوا نماز کے ہر جملہ کے سرے پر توقف کرنا مستحب ہے۔ ہاں تکبیر کے وقت ہر دو تکبیروں کے بعد ٹھہرنا چاہیے۔ اس بارے میں جو مختلف مسالک ہیں ان کی تفصیل ابھی بتائی گئی ہے، جو چاہے وہاں سے دیکھ سکتا ہے۔

موذن کی اذان کا جواب دینا

اذان سننے والے کے لیے مستحب ہے کہ مؤذن کی اذان کا جواب دے، خواہ سننے والا مرد حالت جنابت میں ہو یا عورت حیض و نفاس کی حالت میں ہو۔ مستحب یہ ہے کہ سننے والا بھی وہی الفاظ کہے جو موذن کہتا ہے۔ لیکن جب مؤذن حی علی الصلوٰہ اور حی علی الفلاح کہے تو سننے والے کو یہی الفاظ نہیں بلکہ لا حول و لا قوہ الا باللّٰہ کہنا چاہیے۔ اس حکم میں سب متفق ہیں، البتہ حنفیہ نے باقی ائمہ کے خلاف یہ قید لگا دی ہے کہ حیض اور نفاس کی حالت میں اذان کا جواب دینا مستحب نہیں ہے۔ حنابلہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ یہ مستحب اس کے لیے ہے جس نے وہ نماز جس کی یہ اذان ہے جماعت کے ساتھ ادا نہ کر لی ہو، اگر وہ ادا کر چکا ہے تو اذان کا جواب نہ دے کیونکہ اس اذان میں اس کو دعوت نماز نہیں دی گئی، لہٰذا جواب کی بھی ضرورت نہیں۔ ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ [1] اسی طرح فجر کی اذان میں جب موذن الصلوٰۃ خیر من النوم کہے تو "صدقت و بررت" کہنا چاہیے۔ واضح ہو کہ صرف ان اذانوں

ہر طرف کے آدمی سن سکیں اور یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کوئی سواری پر ہو کہ اس حالت میں قبلہ کی طرف رخ کرنا سنت نہیں ہے۔ پیدل چلنے والے پر یہ حکم عائد نہیں ہوتا (یعنی اس کا قبلہ رخ ہو کر اذان دینا ہی سنت ہے)۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مؤذن کا قبلہ رخ ہونا ہر اذان میں سنت ہے، خواہ مینار وغیرہ سے ہی اذان دے رہا ہو۔

ا۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اذان کا جواب اس کے لیے مستحب ہے جس نے وہ نماز جس کی اذان دی گئی تھی جماعت ساتھ نہ پڑھی ہو۔ اگر ایسا ہے تو جواب اذان نہ دیا جائے، کیونکہ اس اذان میں اسے دعوتِ نماز نہیں دی گئی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ حیض اور نفاس کی حالت میں جواب اذان کا حکم نہیں ہے کیونکہ جس طرح وہ عورتیں عملاً جواب دینے کی اہل نہیں ہیں کہ (نماز پڑھیں) اسی طرح قولاً بھی اہل نہیں ہیں (کہ جواب اذان دیں)۔

Marfat.com

کا جواب دینا مستحب ہے جن کا شرع میں حکم ہے۔ غیر مشروع اذان کا جواب دینا مطلوب شریعت نہیں ہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے سوائے مالکیہ کے ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو[1] نماز پڑھتے میں جواب اذان کا حکم نہیں ہے، خواہ وہ نفلی نماز ہو یا نماز جنازہ ہو، بلکہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ تاہم جواب اذان سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ لیکن اگر صدقت و بررت کہہ کر یا حی علی الصلوۃ یا الصلوۃ خیر من النوم کہہ کر جواب دیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ ہاں لا حول ولا قوۃ الا باللہ یا صدق اللہ یا صدق رسول اللہ کہنے سے نماز باطل نہ ہو گی۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے مقاربت میں یا قضائے حاجت میں مصروف ہے تو اس وقت جواب اذان مطلوب نہیں ہے، کیونکہ یہ حالت عبادت الٰہی یا ذکر الٰہی کے منافی ہے۔ اسی طرح خطبہ سننے والے سے جواب اذان کا مطالبہ نہیں ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کو اس سے اتفاق ہے۔ مالکیہ اور حنفیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[2]

معلم اور متعلم کو اس حکم کے خلاف اذان کے جواب دینے کا حکم ہے۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ شرعی علوم کے معلم اور متعلم کو (دوران تعلیم) جواب اذان کا حکم نہیں دیا گیا، لیکن قرآن پڑھنے اور ذکر الٰہی کرنے کی حالت میں جواب الفاظ کا بالاتفاق حکم دیا گیا ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک کھانا کھاتے میں بھی جواب اذان دینا چاہیے۔ شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک کہتے ہیں کہ ان سے یہ مطالبہ نہیں ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک الفاظ ترجیع جس کے وہ قائل ہیں، کا جواب بھی ہونا چاہیے۔ اس بارے میں شافعیہ کہتے ہیں کہ الفاظ ترجیع کا صرف دو بار جواب دینا مستحب ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ سننے والا مؤذن کے قول ''الصلوۃ خیر من النوم'' کو نہ کہے اور نہ بقول راجح ان الفاظ میں تبدیلی کرے۔ ان کے نزدیک اذان کا جواب صرف شہادتین کے الفاظ ختم ہونے تک ہے اس سے آگے نہیں۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ نفل نماز پڑھنے والے کے لیے جواب اذان دینا مستحب ہے۔ لیکن اگر نماز پوری کرنی ہے تو ''حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح پر لا حول ولا قوۃ الا باللہ'' کہنا واجب ہے۔ اگر وہی الفاظ کہے جو مؤذن کہتا ہے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، خواہ ایسا ارادۃً ہوا ہو یا بیوقوفی سے۔ جو شخص نماز فرض میں مصروف ہے، اگر چہ وہ ادائے نذر کا فریضہ ہو، بدوران نماز مؤذن کے الفاظ کی حکایت (یعنی جواب دینا) مکروہ ہے۔ مستحب یہ ہے کہ نماز کے بعد ان الفاظ کو ادا کیا جائے یعنی جواب اذان کو پورا کیا جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر نماز کی حالت میں مؤذن کی اذان کا جواب دیا جائے تو نماز باطل ہو جائے گی، خواہ جواب اذان کا ارادہ ہو یا کچھ ارادہ نہ ہو۔ ہاں اگر مقصد اللہ اور اس کے رسول کی ثنا و صفت ہے تو نماز باطل نہ ہو گی۔ اس حکم میں نفل اور فرض کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

Marfat.com

ایک بار کافی ہے۔ اگر کئی مؤذن یکے بعد دیگرے اذان دے رہے ہوں تو ہر ایک کا جواب دینا مستحب ہے۔

واضح ہو کہ اذان کا جواب ختم کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنا مستحب ہے۔ اس کے بعد یہ الفاظ دعا کہنے چاہیں: "اللّٰھم رب ھذہ الدعوت التامۃ والصلوٰۃ القائمہ آت محمداً ن الوسیلۃ والفضیلۃ و ابعثہ مقاماً محموداً ن الذی وعدتہ (یعنی اے اس دعوت نامہ اور صلوٰۃ قائمہ کے مالک محمد ﷺ کو ذریعہ تقرب و فضل الٰہی بنادے اور ان کو مقام محمود پر پہنچادے جس کا تو نے وعدہ فرمایا ہے)۔

فوت شدہ قضا نماز کے لیے اذان دینا

قضا نماز اگر جماعت کے ساتھ پڑھی جا رہی ہو تو اس کے لیے بلند آواز سے اذان دینا سنت ہے، خواہ گھر میں ہو یا صحرا میں۔ اگر گھر میں تنہا پڑھی جائے تو اونچی آواز سے اذان نہ دی جائے۔ اور مسجد میں پڑھی جائے تو اس کے لیے مطلق اذان نہ دی جائے۔ اگر چہ وہ نماز جماعت سے ہو۔ اس پر مالکیہ کے سوا سب کا اتفاق ہے۔ مالکیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

اگر کسی کے ذمہ بہت سی قضا نمازیں ہوں اور ان سب کو اکھٹا پڑھنا ہو تو صرف پہلی نماز کے لیے اذان دینا چاہیے، باقی کے لیے اختیار ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کو اس سے اتفاق ہے۔ مالکیہ کا مسلک بتایا جاچکا ہے کہ ان کے نزدیک قضا نماز کے لیے اذان دینا بہر حال مکروہ ہے، شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر قضا نمازیں کچھ پڑھی گئیں اور کچھ باقی ہیں تو ان کے لیے ایک جگہ پڑھنے کے لیے اذان حرام ہے۔ ہاں اگر تمام نمازوں کی قضا اکھٹی پڑھنے کا ارادہ ہو تو اس کے لیے خاص کر اذان دینا چاہیے۔

اذان میں ترسل کرنا

ترسل کے معنے مہلت دینے اور ٹکاؤ کے ہیں، بایں طور کہ موذن ہر جملہ کو ٹھہر ٹھہر کر اور درمیان میں وقفہ دے کر ادا کرے۔ ترسل کے معنے کے بارے میں فقہا کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو (۲)۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ فوت شدہ نماز کے لیے اذان دینا بہر حال مکروہ ہے

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ترسل کے معنے تمہل (مہلت دینے) کے ہیں، بایں طور کہ مؤذن دو جملوں کے درمیان اتنی دیر سکوت کرے کہ مؤذن کے الفاظ کا جواب دیا جاسکے، لیکن یہ سکوت دو دو تکبیروں کے درمیان ہونا چاہیے، نہ کہ دو تکبیروں کے درمیان۔

Marfat.com

حنفیہ اور مالکیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ترسل کا حکم سنت ہے اور اس کا ترک کرنا مکروہ ہے، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ ترسل امر مستحب ہے اور اس کا ترک خلاف اولیٰ ہے۔

واضح ہو کہ ترسل کے جو معنے پہلے بیان ہوئے بعض مسالک اس میں کچھ اور قیود کا اضافہ کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

اذان کی مکروہات کا بیان

فاسق (بدکار) کا اذان دینا

اذان میں چند باتیں مکروہ ہیں ان کے منجملہ فاسق (بدکار) کا اذان دینا ہے۔ اگر فاسق انسان اذان دے تو حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک وہ صحیح ہوگی، لیکن مکروہ ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

اذان میں قبلہ سے منہ پھیرنا اور حدث والے کا اذان دینا

حالت اذان میں قبلہ کی جانب سے منہ ہٹانا مکروہ ہے، ہاں لوگوں کو سنانے کے لیے ہو تو جائز ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ اسی طرح حالت حدث میں اذان دینا مکروہ ہے حدث اصغر ہو یا حدث اکبر؛ حدث اکبر کی صورت میں کراہت زیادہ شدید ہے۔ اس کے مکروہ ہونے کے بارے میں مالکیہ اور شافعیہ کا

مالکیہ کہتے ہیں کہ ترسل کے معنے یہ ہیں کہ اذان میں لمبی تان نہ لی جائے ورنہ یہ فعل مکروہ ہوگا، بشرطیکہ اس میں زیادتی نہ ہو۔ اگر زیادتی ہوئی (تو مکروہ نہیں بلکہ) حرام ہو جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اذان (اپنے دائرے سے نکل کر) اگر گانے کی لے بن جائے جو آج کل ہمارے زمانہ میں ہوتا ہے تو مالکیہ کے نزدیک حرام ہے، اور ظاہر ہے کہ ایسا کرنے والے لوگ سخت قابل مذمت ہیں۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ ترسل کے معنے (اذان میں) وقفہ کرنے کے ہیں، بایں طور کہ ہر جملہ الگ الگ ایک ایک سانس میں ادا کیا جائے۔ البتہ ابتدائی اور آخری تکبیروں میں دو دو جملوں کو بیک آواز اکھٹا کیا جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ترسل کے معنے اذان (کے جملوں) کو ٹھہر ٹھہر کر اور وقفہ دے کر ادا کرنے کے ہیں۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ فاسق کی اذان درست نہیں ہے، بجز اس صورت کے جب کہ دوسرے کے اعتماد پر اذان دی ہو، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ فاسق کی اذان کسی حال میں درست نہیں ہے۔

Marfat.com

اتفاق ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

عورتوں کی نماز کے لیے اذان کا دیا جانا

عورتوں کی نماز کے لیے اذان دینا، خواہ نماز ادا ہو یا قضا، دونوں صورتوں میں تین اماموں کے نزدیک مکروہ ہے؛ شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

اذان دیتے میں بولنا

اذان کے دوران موذن کا بولنا مکروہ ہے جب کہ شرعاً وہ بولنا مطلوب نہ ہو۔ لیکن اگر شرعاً مطلوب ہو جیسے سلام کا جواب دینا یا چھینک کا جواب دینا یرحمک اللہ کہنا، اس بارے میں اختلاف مسالک ہے (۳)۔ بہرحال اذان کے دوران بولنا مکروہ ہے جب تک کہ کسی نابینا کو گڑھے میں گرنے سے بچانے کے لیے یا ایسے ہی کسی اور کام کے لیے نہ ہو۔ ایسی صورت پیش آجائے تو بولنا واجب ہوگا۔ اور اگر ذرا سا ہی بولنا پڑا ہے تو اذان جاری رکھی جائے اور زیادہ بولنا پڑا ہو تو پھر شروع سے اذان دی جائے۔ بیٹھ کر یا سواری پر بغیر کسی عذر کے اذان دینا مکروہ ہے۔ ہاں مسافر ہو تو سواری پر بھی اذان دینا مکروہ نہیں ہے، اگرچہ کوئی

۱۔ حنابلہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ صرف حالت جنابت میں اذان دینا مکروہ ہے، حدث اصغر (بے وضو) ہونے کی حالت میں اذان دینا مکروہ نہیں ہے۔ حنفیہ اتنا اور کہتے ہیں کہ جنبی کی اذان کو دہرا لینا مستحب ہے۔

۲۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ عورتوں کی نماز کے لیے کوئی مرد اذان دے تو مکروہ نہیں ہے۔ اگر عورتوں میں سے کوئی دے تو اذان باطل ہے۔ اگر مردوں کی مشابہت کا ارادہ رکھتی ہو تو حرام ہے۔ لیکن اگر یہ مقصد نہ ہو بلکہ اذان محض ذکر (عبادت) کے طور پر دی گئی تو اس میں کراہت نہیں ہے، بشرطیکہ اونچی آواز سے نہ دی جائے۔

۳۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ذرا سا بولنا بھی (اذان کے درمیان) مکروہ ہے، خواہ سلام یا چھینک کا جواب دینے کے لیے ہو۔ اذان دینے والے سے شرع یہ مطالبہ ہی نہیں کرتی کہ وہ سلام یا چھینک کا جواب دے۔ نہ تو اذان کے دوران نہ اس کے بعد اور نہ دل میں۔ اگر اذان کے دوران مؤذن بول پڑے تو پھر سے اذان دی جائے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ معمولی سا کلام، سلام یا چھینک کا جواب دینا مکروہ نہیں ہے، تاہم بقول راجح خلاف اولیٰ ہے۔ لیکن اذان ختم کرنے کے بعد سلام کا جواب دینا واجب اور چھینک کا جواب دینا سنت ہے، خواہ اس کو دیر لگ گئی ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ سلام اور چھینک کا جواب دینا مباح ہے، اگرچہ مؤذن پر یہ واجب بالکل نہیں ہے۔ ان کے نزدیک غیر شرعی ضرورت سے بھی اذان کے دوران معمولی سا بولنا جائز ہے مثلاً کوئی بلا رہا ہو اور اس کا جواب دیا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اذان کے دوران سلام اور چھینک کا جواب دینا مکروہ ہے، لیکن اذان سے فارغ ہونے کے بعد

Marfat.com

عذر نہ ہو۔ اس حکم پر مالکیہ کے سوا سب کا اتفاق ہے۔ مالکیہ کے نزدیک سواری کے اوپر اذان دینا، بقول معتبر مکروہ نہیں ہے۔

اذان میں راگ پیدا کرنا

اذان میں رگ اور لے کا پیدا کرنا جیسا کہ ہمارے زمانے میں عام طور پر ہو رہا ہے، کوئی شرع کی مقرر کردہ بات نہیں ہے، کیونکہ اذان عبادت ہے اس سے غرض خشوع ہے نہ کہ راگ نکالنا۔ اس کے بارے میں مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

واضح ہو کہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک صاحب شعور بچے اور نابینا کا اذان دینا مکروہ نہیں ہے، بشرطیکہ کوئی شخص ان کو ٹھیک وقت بتادے۔ مالکیہ اور شافعیہ کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔(۲)

اقامت کا بیان

اس کی تعریف اور الفاظ

اقامت نام ہے نماز کھڑی ہو جانے کی اطلاع دینے کا، جس کے لیے مخصوص الفاظ ہیں اور وہ یہ ہیں: **اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر، اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ، اشھد ان محمداً رسول اللّٰہ، حی علی الصلٰوۃ، حی علی الفلاح، قدقامت الصلٰوۃ قد قامت الصلٰوۃ، اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر، لا الہ الا اللّٰہ**، ان الفاظ پر حنابلہ اور شافعیہ کا اتفاق ہے، حنفیہ اور مالکیہ کے

سلام اور چھینک کا جواب دینا واجب ہے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ تغنی کے معنے راگ سے راگ نکالنے کے ہیں، حالانکہ سنت یہ ہے کہ مؤذن تمام اذان میں ایک ہی لے کو برقرار رکھے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ تغنی کے معنے اذان میں سر نکالنا ہے اور یہ فعل ان کے نزدیک بہرحال مکروہ ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز میں غنائی کیفیت اچھی بات ہے، لیکن اس طرح نہیں کہ کسی حرف یا حرکت کی زیادتی سے الفاظ کچھ کا کچھ ہو جائیں۔ ایسا کرنا حرام ہے۔ اور اس اذان کا سننا بھی حلال نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اذان میں لے کا نکالنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ امر خشوع کے خلاف ہے۔ اور اگر یہ کیفیت زیادہ ہو جائے تو حرام ہے۔

۲۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ صاحب شعور بچے کا اذان دینا مکروہ ہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی صاحب شعور بچہ اذان دینے اور وقت آجانے کے بارے میں کسی بالغ شخص (کے

Marfat.com

مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۱)

اقامت کے حکم کی شرعی حیثیت

اقامت بھی اذان ہی کی مانند ہے۔لہٰذا اقامت کے متعلق احکامات بھی تین اماموں کے نزدیک اذان ہی جیسے ہیں۔مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

اقامت کی شرطیں

اقامت کی شرطیں دو کے سوا تقریباً وہی ہیں جو اذان کی ہیں۔ان دو میں سے ایک مرد ہونا ہے، جو اقامت کے لیے شرط نہیں ہے، لہٰذا عورت کا اقامت کہنا صحیح ہے، بشرطیکہ یہ اقامت خود اپنی نماز کے لیے ہو۔اگر (عورت) مردوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہو تو مردوں کے لیے عورت کا اقامت کہنا شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک صحیح نہیں ہے، حنفیہ اور حنابلہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۳)

بتانے پر) اعتماد کر کے اذان دے تو اس کی اذان صحیح ہوگی، ورنہ نہ ہوگی۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اقامت کے اندر ابتداء میں چار تکبیریں اور اخیر میں دو تکبیریں ہیں، باقی الفاظ کو دو دو بار کہا جائے۔اس کی مکمل صورت یہ ہے: ''اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر، اشھد ان لآ الٰہ الا اللّٰہ، اشھد ان لآ الٰہ الا اللّٰہ، اشھد ان محمداً رسول اللّٰہ ،اشھد ان محمداً رسو ل اللّٰہ، حی علی الصلوٰۃ حی علی الصلوٰۃ ،حی علی الفلاح حیٰ علی الفلاح. قدقامت الصلوٰۃ قدقامت الصلوٰۃ، اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر، لآالٰہ الا اللّٰہ''۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اقامت میں تمام جملے طاق ہیں، بجز ابتدائی اور آخری تکبیر کے کہ وہ دو دو بار کہی جائے۔پوری اقامت اس طرح ہوگی: ''اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر، اشھد ان لآ الٰہ الا اللّٰہ، ، اشھد ان محمداً رسول اللّٰہ ، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح، قد قامت الصلوٰۃ اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، لآ الٰہ الا اللّٰہ.''

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اقامت کے متعلقہ احکام اذان کے مذکورہ احکامات جیسے نہیں ہیں، بلکہ یہ سنت عین ہے بالغ مرد کے لیے، اور سنت کفایہ ہے بالغ مردوں کی جماعت کے لیے اور مستحب عین ہے بچوں اور عورتوں کے لیے بجز اس صورت کے جب کہ بچے اور عورتیں بالغ مردوں کے ساتھ شریک جماعت ہوں۔ایسی صورت میں ان کے لیے اقامت مستحب نہیں ہے، کیونکہ بالغ مرد کا اقامت کہنا سب کے لیے کافی ہے۔

۳۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مذکورہ شرطیں اقامت کے صحیح ہونے کی نہیں ہیں، بلکہ اس کے مکمل ہونے کی شرطیں ہیں، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، لہٰذا اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط رہ گئی تو اقامت مکروہ ہوگی۔اس بارے میں اقامت اذان کی مانند ہے۔البتہ اگر کوئی شرط رہ گئی ہے تو اذان کو دوبارہ کہنا مستحب ہے، لیکن اقامت کو نہیں دہرایا جائے گا۔یہیں سے یہ

Marfat.com

دوسرے یہ کہ اقامت نماز سے عرفاً متصل ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے نماز کے لئے اقامت کہی اور پھر بات کرنے لگا یا کھایا پیا وغیرہ اور پھر بغیر اقامت کہے نماز پڑھی گئی تو اقامت درست ہوگئی، کیونکہ اقامت کی سنت ادا ہوگئی۔ اس امر میں حنفیہ کے سوا سب کا اتفاق ہے۔ حنفیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

اقامت ہونے پر نماز کے لیے مقتدی کے کھڑے ہونے کا وقت

اقامت سن کر مقتدی کو نماز کے لیے کب کھڑا ہونا چاہیے؟ اس بارے میں مسالک مختلف ہیں۔ تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

اقامت کی سنتیں اور اس کے مستحبات

اقامت میں وہی باتیں سنت ہیں جو اذان میں سابقاً بیان ہوئیں، بجز چند امور کے جن کے منجملہ یہ ہے کہ اذان میں اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر اذان دینا سنت ہے، اقامت میں نہیں ہے۔ اس بات پر تین

معلوم ہوا کہ اگر کوئی عورت مردوں (کی نماز) کے لیے اقامت کہے تو اس کی اقامت صحیح مگر مکروہ ہوگی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اقامت کے لیے مرد ہونا شرط ہے، اس کا مطالبہ عورت سے نہیں ہے جس طرح اذان کا نہیں ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اقامت کو دہرایا نہ جائے گا تاوقتیکہ درمیان میں زیادہ بات کر کے یا عمل کثیر مثلاً کھانا وغیرہ کھا کر زیادہ فاصلہ نہ ہوا ہو۔ لیکن اگر مؤذن نے اقامت کہہ دی اور امام نے اقامت کے بعد دو رکعت نماز پڑھ لی تو اقامت کو نہ دہرایا جائے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اقامت کہنے والے کے سوا ہر شخص کو جو نماز پڑھنا چاہتا ہے، جائز ہے کہ اقامت کے دوران ہی یا اس کے بعد جتنی دیر میں چاہے کھڑا ہو جائے۔ اس کے لیے وقت کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے۔ البتہ اقامت کہنے والا شروع سے کھڑا ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ مقتدی اس وقت کھڑا ہو جب اقامت کہنے والا تکبیر پوری کر چکے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اقامت کہنے والا جب قد قامت الصلوۃ کہے تب مقتدی کھڑا ہو، بشرطیکہ امام کھڑا ہو چکا ہو، ورنہ امام کے کھڑے ہونے کا انتظار کرے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جب اقامت کہنے والا حی علی الفلاح کہے تب مقتدی کو کھڑا ہونا چاہیے۔

Marfat.com

اماموں کا اتفاق ہے، حنابلہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو[۱] اور یہ کہ جو لوگ ترجیع کے قائل ہیں، یعنی مالکیہ، شافعیہ وہ اذان میں ترجیع کو مستحب قرار دیتے ہیں، اقامت میں نہیں۔ حنابلہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ ترجیع نہ اذان میں چاہیے نہ اقامت میں۔ اسی طرح الفاظِ اذان کا ٹھہر ٹھہر کر ادا کرنا سنت ہے، لیکن اقامت میں تین اماموں کے نزدیک جلدی جلدی ادا کرنا سنت ہے، مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو[۲]۔

نیز حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک موذن کا کلمہ کی دونوں انگلیوں کے سروں کو کان کے سوراخ میں رکھ لینا سنت ہے، مالکیہ اور حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ ان کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔[۳]

قضا نمازوں کے لیے اذان دینا

فوت شدہ نمازوں کی قضا کے لیے اذان دینا صرف پہلی نماز میں فرض ہے، بخلاف اقامت کے کہ اس کا ہر نماز میں کہنا تین اماموں کے نزدیک سنت ہے۔ مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[۴]

نیز اقامت ایک امر مطلوب ہے، مردوں سے بھی اور عورتوں سے بھی۔ بخلاف اذان کے کہ وہ عورتوں سے مطلوب نہیں ہے۔ تین اماموں کے نزدیک اقامت عورتوں سے مطلوب ہے، حنابلہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[۵] نیز واضح ہو کہ اقامت میں **حی علی الفلاح** کے بعد **قد قامت الصلوٰۃ** کا اضافہ کیا جاتا ہے، جیسا کہ الفاظ اقامت کے بیان میں بتایا گیا۔

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی دشواری نہ ہو تو اقامت بھی اذان کی طرح اونچی جگہ پر ہونی چاہیے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ جس طرح اذان ٹھہر ٹھہر کر دینا مطلوب ہے، اسی طرح اقامت بھی مطلوب ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ (یہ تانی یعنی اذان میں ٹھہر ٹھہر کر جملے ادا کرنا) مستحب ہے، اقامت میں مستحب نہیں ہے، تاہم بہتر یہی ہے کہ تانی کی جائے لیکن اگر ترک کیا تو مکروہ نہیں ہے۔

۳۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اذان سنانے کے لیے، اقامت کے لیے نہیں، دونوں کانوں میں انگلیوں کا رکھنا جائز ہے، سنت نہیں ہے۔

۴۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ قضا نماز کے لیے اذان دینا مطلقاً مکروہ ہے، بخلاف اقامت کے کہ ہر فوت شدہ نماز کے لیے اقامت کہنی چاہیے، جیسا کہ اس کی تفصیل اوپر ہو چکی ہے۔

۵۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ عورتوں کی بھی اقامت مطلوب نہیں ہے، بلکہ انھیں اذان کی طرح اقامت کہنا بھی مکروہ ہے۔

Marfat.com

اذان اور اقامت کے درمیان وقفہ کا بیان

پہلی بات تو یہ ہے کہ مؤذن کے لیے سنت یہ ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان افضل وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے اتنی دیر ٹھہر جائے کہ جو لوگ پابندی سے مسجد میں نماز پڑھتے ہیں وہ آ جائیں۔ لیکن مغرب کی نماز میں اقامت کے لیے دیر نہ کرنی چاہیے، بلکہ اذان اور اقامت کا درمیانی وقفہ بہت مختصر ہونا چاہیے۔ بس اتنا کہ اس میں تین آیتیں پڑھی جا سکیں۔ یہ حکم شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

اذان کی اجرت وغیرہ لینا

دوسری بات (قابل ذکر) یہ ہے کہ اذان وغیرہ کی اجرت (تنخواہ) لینا جائز ہے، جیسے امامت اور مدرسی کی اجرت جائز ہے۔ حنفیہ اور شافعیہ کو اس سے اتفاق ہے۔ حنابلہ اور مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۲)

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ ایسی جماعت کے لیے جس میں اور لوگوں کے شامل ہونے کی توقع ہو، افضل یہ ہے کہ ابتدائی نوافل کے بعد اول وقت ہی میں نماز پڑھی جائے۔ البتہ ظہر کی نماز میں افضل یہ ہے کہ اتنی تاخیر کی جائے کہ سایہ کسی شے کے چوتھائی قد تک پہنچ جائے اور گرمی زیادہ ہو تو اور بھی تاخیر کرنا، یہاں تک کہ آدھا وقت گزر جائے مستحب ہے لیکن ایسی جماعت کے لیے جہاں اور کسی کا انتظار نہ ہو، نیز تنہا گزار کے لیے افضل یہی ہے کہ اگر ابتدائی نوافل اس نماز میں ہیں تو ان ابتدائی نوافل کے بعد اول وقت ہی میں نماز ادا کر لی جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اذان اور اقامت کے درمیان اتنی دیر ٹھہرنا چاہیے کہ جس کو رفع حاجت کی ضرورت ہو، وہ فارغ ہو جائے، اور وضو کرنا ہے تو وضو کر کے دو رکعت بھی پڑھ لے۔ بجز نماز مغرب کے کہ اس میں اذان اور اقامت کے دوران معمولی سا وقفہ مستحب ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اذان اور اقامت کی اجرت لینا جائز ہے اور امامت کی اجرت بھی جائز ہے، بشرطیکہ یہ اذان اور اقامت کے ضمن میں ہو۔ مستقل طور پر محض امامت کی اجرت لینا مکروہ ہے، بشرطیکہ یہ اجرت نمازی دیتے ہوں۔ اگر یہ اجرت مال وقف یا بیت المال سے دی جائے تو مکروہ نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی متطوع (بے اجرت بغرض ثواب یہ خدمت انجام دینے والا) موجود ہو تو اذان اور اقامت کی تنخواہ لینا حرام ہے، ورنہ حاکم اسلامی کو چاہیے کہ مسلمانوں کے بیت المال سے اس کی کوئی تنخواہ مقرر کر دے، کیونکہ اس کا ہونا، مسلمانوں کے لیے ضروری ہے۔

Marfat.com

نومولود بچے اور مرگی زدہ کے کان میں اور آگ لگنے یا جنگ وغیرہ کے بھڑکنے پر اذان

بچے کی پیدائش پر اس کے دائیں کان میں اذان دینا اور بائیں کان میں اقامت کہنا مستحب ہے۔ اسی طرح آگ لگ جانے، یا جنگ چھڑ جانے، یا مسافر کے بچھڑ جانے پر یا غمزدہ یا مرگی زدہ کے کان میں اذان دینا مستحب ہے۔

اذان کے پیچھے نبی ﷺ پر درود بھیجنا اور شب کو اذان سے پہلے کی تسبیحات

اذان کے بعد نبی ﷺ پر دورد بھیجنا ایک شرعی حکم ہے۔ اس سے کسی کو اختلاف نہیں ہے، خواہ یہ اذان مؤذن نے دی ہو یا کسی اور نے۔ چنانچہ مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: **اذا سمعتم المؤذن فقولوا: مثل ما یقول ثم صلوا علی** (یعنی جب مؤذن کی آواز سنو تو تم بھی اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے، اس کے بعد مجھ پر درود بھیجو آپ ﷺ کا فرمانا کہ **صلو اعلیّ** ایک عام حکم ہے جو موذن اور اس کے علاوہ دوسرے سننے والوں کے لیے ہے۔ اور چونکہ حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ درود (دعائے اذان) آہستہ آواز سے ہونا چاہیے، لہٰذا اگر مؤذن آذان کے بعد اونچی آواز سے یہ دعا پڑھے تا کہ لوگوں کو حضور ﷺ کا یہ ارشاد یاد آ جائے اور وہ بھی نبی ﷺ پر درود بھیجیں تو یہ ایک اچھی بات ہے۔ لیکن جس امر کی طرف خاص طور پر توجہ دلانا واجب ہے وہ لوگوں کو صلوٰۃ وسلام کے مفہوم عبادت سے تجاوز کر کے راگ کی جانب مائل ہو جانا اور ایسی لے نکالنے لگنا ہے جو عبادت گزاری سے ہٹ کر اس کو نغمہ طرازی بنا دیتی ہے، جیسا کہ آج کل بعض مؤذن کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک بدترین (قسم) کی بدعت ہے جسے چھوڑ دینا چاہیے۔ اور شافعیہ اور حنابلہ نے جو بتایا ہے کہ یہ سنت ہے اس سے غالباً وہی مقصد ہے جو اوپر مذکور ہوا (یعنی مؤذن کا باآواز بلند درود پڑھنا اس لیے ہے کہ لوگوں کو یاد آ جائے)۔

رہی وہ تسبیح و مناجات جو رات کو اذان سے پہلے کی جاتی ہے سو اس کی بابت ان میں سے کچھ لوگ تو کہتے ہیں کہ جائز نہیں ہے کیونکہ ایسا کرنے سے سونے والوں کے آرام میں جو اس کے مکلف نہیں ہیں خلل آتا ہے۔ تاہم کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے کیونکہ اس سے لوگوں کو تنبیہ ہوتی ہے۔ لیکن اس میں

Marfat.com

شرط یہ ہے کہ کوئی امر غیر شرعی نہ ہونے پائے۔اور بہتر تو یہی ہے کہ اس کو ترک کر دیا جائے۔اگر ماہ رمضان میں لوگوں کو بیدار کرنے کے لیے ایسا کیا جائے تو جائز ہوگا کیونکہ اس سے لوگوں کو فائدہ ہوگا۔

نفلی نماز کا بیان۔اس کی تعریف اور اس کی اقسام

نفل نماز سے مراد فرض نماز کے علاوہ وہ نماز ہے جس کا پڑھنا کسی مکلف انسان پر لازم نہیں ہے، بلکہ پسندیدہ امر ہے۔

یہ نمازیں یا تو وہ ہیں جو فرض نمازوں کے ساتھ نہیں ہیں جیسے نماز استقا، نماز کسوف وخسوف اور نماز تراویح کہ ان میں سے ہر ایک کی تفصیل جداگانہ طور پر آگے آرہی ہے۔یا پھر یہ نفلی نمازیں وہ ہیں جو فرض نمازوں کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں جیسے قبلیہ و بعدیہ نمازیں (یعنی فرائض سے پہلے یا بعد میں پڑھی جانے والی نمازیں)۔اب جاننا چاہیے کہ فرض نمازوں کے ساتھ کی نمازیں یا تو سنت ہوں گی یا مستحب اور یا پھر وہ رغیبہ (دل پسند) وغیرہ ہیں (یعنی جن کا پڑھنا انسان کی اپنی رغبت خاطر پر موقوف ہے) ان کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

۱۔حنابلہ کہتے ہیں کہ نماز تطوع (یعنی جو بغرض حصول ثواب) فرض نمازوں کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔راتبہ (مقررہ) اور غیر راتبہ (غیر مقررہ)۔راتبہ نمازیں دس رکعتیں ہیں: نماز ظہر سے پہلے دو رکعتیں اور اس کے بعد دو رکعتیں۔نماز مغرب کے بعد دو رکعتیں، عشاء کے بعد دو رکعتیں اور فجر سے پہلے دو رکعتیں، جیسا کہ حضرت عمرؓ کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ”حفظت عن النبی ﷺ عشر رکعات و سردھا“ (یعنی میں نے نبی ﷺ سے سن کر دس رکعتیں یاد رکھی ہیں، جن کی انھوں نے تفصیل بیان فرمائی)۔

یہ نمازیں سنت مؤکدہ ہیں کہ اگر یہ رہ جائیں تو ان کی قضا کی جائے۔لیکن اگر یہ نمازیں فرض نمازوں کے ساتھ فوت ہو جائیں اور ان کی تعداد زیادہ ہو تو ان کی قضا نہ پڑھنا بہتر ہے، تاکہ دشواری نہ ہو۔فجر کی سنت اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ان کی قضا پڑھنی چاہیے، خواہ ان کی تعداد کتنی ہی ہو۔

یاد رہے کہ سنت قبلیہ (فریضہ سے پہلے کی سنتوں) کو اگر بعد میں پڑھا تو وہ قضا قرار دی جائیں گی، اگرچہ وقت باقی ہو۔غیر مقرر نمازیں بیس رکعات ہیں: چار رکعتیں نماز ظہر سے پہلے اور چار اس کے بعد، چار عصر کی نماز سے پہلے اور چار مغرب کی نماز کے بعد اور چار نماز عشاء کے بعد یہ بھی مباح ہے کہ مغرب کی اذان کے بعد نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھی جائیں جیسا کہ حدیث انسؓ میں ہے کہ ”کنا نصلی علی عھد رسول اللہ ﷺ رکعتین بعد غروب الشمس فسئل أنس رضی اللہ عنہ أکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلیھا؟ قال کان یرانا نصلیھا فلم یامرنا ولم ینھنا (یعنی حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ عہد رسالت مآب ﷺ میں

Marfat.com

نماز کے اخیر اور نماز ختم ہونے کے بعد کے اذکار

شریعت اسلامی میں ہر فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد خاص وظائف کے پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔ ان کے منجملہ ہر فرض نماز فجر وظہر وغیرہ کے بعد تینتیس بار سبحان اللہ کہنا اور تینتیس بار الحمد

سورج ڈوبنے کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ اس پر حضرت انسؓ سے سوال کیا گیا کہ کیا حضور ﷺ یہ نماز پڑھتے تھے؟ تو انھوں نے کہا کہ حضور ﷺ ہمیں پڑھتے دیکھتے تھے، لیکن نہ ہمیں اس کا حکم دیا اور نہ منع فرمایا)۔

وتر کے بعد کی دو رکعتوں کا بیٹھ کر پڑھنا مباح ہے۔ نیز چاہیے کہ مقررہ سنتوں کو اور وتر اور ان نمازوں کو جن کی جماعت کرنے کا حکم شرع میں نہیں ہے گھر میں جا کر پڑھا جائے۔ یہ بھی سنت ہے کہ فرض اور سنتوں کے درمیان فرق کیا جائے، یا تو کھڑے ہو کر یا کوئی بات کر کے۔

جمعہ کے بعد کی مقررہ سنتیں کم از کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ چھ رکعتیں ہیں۔ نماز جمعہ سے پہلے بھی چار رکعتوں کا پڑھنا سنت ہے لیکن یہ راتبہ (مقررہ) نہیں ہیں، کیونکہ جمعہ کی نماز سے پہلے مقررہ نماز سنت کوئی نہیں ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ فرض کے ساتھ جو مزید نمازیں پڑھی جاتی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں: نافلہ مسنونہ اور نافلہ مندوبہ (مستحب)، مسنونہ نمازیں پانچ ہیں، منجملہ ان کے اول درجہ پر نماز فجر سے پہلے کی دو رکعتیں ہیں۔ یہ سب سے زیادہ ضروری سنتیں ہیں، لہٰذا ان کا بیٹھ کر یا سواری کے اوپر بلا کسی عذر کے ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ ان کا وقت وہی ہے جو نماز فجر کا وقت ہے۔ پس اگر دونوں کا وقت نکل جائے تو ان سنتوں کی قضا فرض کے ساتھ پڑھی جائے۔ مثلاً کوئی سوتا رہا یہاں تک کہ سورج نکل آیا تو اب پہلے سنتوں کی قضا اس کے بعد فرض کی قضا پڑھی جائے۔ قضا پڑھنے کا وقت زوال آفتاب سے پہلے پہلے ہے اس کے بعد ان کی قضا جائز نہیں ہے۔ اگر ان میں سے ایک کا وقت نکل گیا کہ صرف فرض فجر ادا کی جاسکی تو اب سنتوں کی قضا نہ پڑھی جائے نہ طلوع شمس سے پہلے نہ اس کے بعد۔ سنت یہ ہے کہ دو رکعتیں گھر میں اول وقت پڑھ لی جائیں اور پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھی جائے۔ اگر نماز فرض کی جماعت کھڑی ہو جائے اور ابھی کسی نے سنتیں نہ پڑھی ہوں اور جماعت میں شامل ہو جانے کی توقع ہو تو چاہیے کہ پہلے سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہو۔ اگر (جماعت ملنے کی) امید نہ ہو تو اسے ترک کر دینا چاہیے اور جماعت میں شامل ہو جانا چاہیے۔ اس کے بعد ان سنتوں کی قضا نہیں ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ واضح ہو کہ نماز فجر کی جماعت کھڑی ہو جانے کے بعد اگر سنتیں پڑھ کر شامل جماعت ہوتا ہے تو رکعتوں سے زیادہ مزید آیات کا پڑھنا جائز نہیں ہے۔

دوسری نافلۂ مسنونہ: ظہر سے پہلے چار رکعتیں ہیں جو ایک تسلیمہ سے پڑھی جائیں۔ یہ سنتیں فجر کی سنتوں کے بعد سب سے ضروری ہیں۔

تیسری نافلۂ مسنونہ: ظہر کے بعد کی دو رکعتیں ہیں۔ یہ نماز جمعہ کے بعد والی سنتیں نہیں ہیں۔ جمعہ کی نماز کے ساتھ

Marfat.com

اللہ کہنا اور تینتیس بار اللہ اکبر کہنا چاہیے۔ اوران کے علاوہ بھی ہیں جن کو آگے بتایا جائے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا ان وظائف کو نوافل سے پہلے فرائض کے متصل پڑھنا چاہیے یا نفل کے بعد؟ یعنی اگر مثلاً کوئی

چار رکعتیں سنت نماز جمعہ کے بعد اور چار اس سے پہلے سنت ہیں۔

چوتھی نافلۂ مسنونہ: مغرب کے بعد کی دو رکعتیں ہیں۔

پانچویں نافلۂ مسنونہ: عشاء کے بعد دو رکعتیں ہیں

مستحب نمازیں چار ہیں:

اول نماز عصر سے پہلے چار رکعتیں یا دو رکعتیں۔

دوم مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعتیں۔

سوم عشاء کی نماز سے پہلے چار رکعتیں اور عشاء کی نماز کے بعد چار رکعتیں، جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء سے پہلے چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور عشاء کے بعد چار رکعتیں پڑھتے تھے اور پھر کروٹ سے لیٹ جاتے تھے۔ ان کے علاوہ مکروہ اوقات کو چھوڑ کر نمازی آدمی جس قدر چاہے نوافل پڑھتا رہے۔ اس بارے میں سنت یہ ہے کہ دن کی نفلوں میں چار رکعت پر سلام پھیرا جائے۔ اگر دو رکعت پر سلام پھیرا تو سنت ادا نہ ہوگی۔ لیکن مغرب کے وقت اختیار ہے کہ تمام رکعتیں ایک ہی تسلیمہ سے پڑھی جائیں یا ہر دو رکعت کے سرے پر سلام پھیرا جائے۔ فرض اور اس کے بعد کی سنت کے درمیانی وقفہ میں یہ کہنا سنت ہے: ''اللّٰھم انت السلام و منک السلام، تبارکت یا ذاالجلال و الاکرام'' (یعنی اللہ تو عین سلامتی ہے اور تجھ ہی سے سلامتی ہے۔ اے صاحب جلال و اکرام تیری ذات با برکت ہے) یا اسی طرح کوئی دعا جو اس بارے میں آئی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جو نمازیں فرض کے ساتھ کی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں: مؤکدہ اور غیر مؤکدہ، مؤکدہ سنتیں فجر کی دو رکعت سنتیں ہیں۔ ان کا وقت وہی ہے جو نماز فجر کا ہے یعنی طلوع صبح صادق سے لے کر سورج نکلنے کے وقت تک۔ ان سنتوں کا نماز فجر سے پہلے پڑھا جانا واجب ہے بشرطیکہ فجر کی نماز یا جماعت نہ فوت ہو رہی ہو۔ اگر ایسا اندیشہ ہو تو نماز فجر پہلے پڑھی جائے اور سنتیں بعد میں پڑھی لی جائیں۔ ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے۔ اگر سورج نکل آیا اور فجر کی نماز نہیں پڑھی تو دونوں نمازوں کی قضا پڑھی جائے۔ سنت یہ ہے کہ نماز میں فاتحہ کے بعد سورۂ بقرہ کی آیت ''قولو آمنا باللہ'' ''سے نحن لہ مسلمون'' تک پہلی رکعت میں اور سورۂ عمران کی آیت ''قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم'' سے مسلمون تک دوسری رکعت میں پڑھا جائے۔ یہ بھی سنت ہے کہ ان سنتوں اور نماز فجر کے درمیان کوئی امتیازی فرق رکھا جائے۔ کروٹ سے لیٹ کر یا ادھر ادھر منہ موڑ کر یا کوئی بات جو دنیوی نہ ہو کر کے۔

مؤکدہ سنتوں میں ظہر اور جمعہ سے پہلے دو رکعتیں اور ظہر و جمعہ کے بعد دو رکعتیں۔ واضح ہو کہ جمعہ کے بعد کی دو رکعتیں سنت اس صورت میں ہیں جب کہ اس کے بعد ظہر نہ پڑھی ہو، ورنہ وہ سنت قرار نہ دی جائے گی، کیونکہ ظہر کی سنتیں

Marfat.com

اس کی قائم مقام ہیں۔

نماز مغرب کے بعد دو رکعتیں مؤکدہ ہیں۔ سنت یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھی جائے۔ عشا کی نماز کے بعد بھی دو رکعتیں ہیں۔ ان نمازوں کو ''رواتب'' یعنی مقررہ نمازیں کہا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ نمازیں جو فرض سے پہلے کی ہیں ان کو راتبۂ قبلیہ (یعنی فرض سے پہلے کی نمازیں) اور جو فرض نماز سے بعد کی ہیں ان کو راتبۂ بعدیہ کہتے ہیں۔

وتر سنت مؤکدہ میں ہے۔ کم سے کم اس کی تعداد ایک ہے۔ کامل وتر کم سے کم تین رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ گیارہ رکعتیں ہیں۔ افضل یہ ہے کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جائے۔ اس کا وقت عشاء کی نماز کے بعد ہے اگرچہ عشاء کی نماز مغرب کے ساتھ بطور جمع تقدیم کے پڑھی جائے۔ (وتر کا وقت) صبح ہونے سے پہلے تک رہتا ہے، اس کے بعد اس کی قضا ہوگی۔

غیر مؤکدہ سنتیں بارہ رکعتیں ہیں: ظہر سے پہلے سابقۃ الذکر سنتوں کے علاوہ دو رکعتیں اور اسی طرح دو رکعتیں ظہر کے بعد، جمعہ کی سنتیں بھی ظہر کی طرح ہیں۔ چار رکعتیں عصر سے پہلے اور دو رکعتیں مغرب سے پہلے۔ سنت یہ ہے کہ ان کو آہستہ پڑھا جائے اور مؤذن کا جواب دینے کے بعد ادا کی جائیں، کیونکہ حدیث میں ہے ''بین کل اذانین صلوٰۃ'' (یعنی ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے) دو اذانوں سے مراد اذان اور اقامت ہے۔ نیز عشاء سے پہلے دو رکعتیں غیر مؤکدہ ہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ فرض نمازوں کے ساتھ زائد (نفلی) نمازوں کی دو قسمیں ہیں: رواتب اور غیر رواتب۔ رواتب نمازیں ظہر کی نماز کا وقت آجانے کے بعد نماز سے پہلے اور نماز عصر کا وقت آجانے پر نماز سے پہلے اور نماز مغرب کے بعد۔ ان تمام نوافل کے لیے تعداد کی کوئی حد متعین نہیں ہے، تاہم ان میں افضل وہ نمازیں ہیں جن کی فضیلت احادیث میں آئی ہے، اور وہ ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعتیں اور اس کے بعد چار رکعتیں اور عصر سے پہلے چار رکعتیں اور مغرب کے بعد چھ رکعتیں۔ ان نفل نمازوں کا حکم تاکیدی مستحب نمازوں کا ہے۔ مغرب سے پہلے نماز پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ وقت تنگ ہوتا ہے۔ عشاء کی نماز سے پہلے کسی زائد نماز کی صراحت شارع علیہ السلام سے مروی نہیں ہے۔ البتہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے کہ ''بین کل اذانین صلوٰۃ'' سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ نماز سے پہلے نفل پڑھنا جائز ہے۔ حدیث میں اذانین کا جو لفظ آیا ہے اس سے مراد اذان اور اقامت ہے۔

غیر رواتب میں نماز فجر سے پہلے کی دو رکعت سنت ہے۔ یہ سنت ''رغیبہ'' (مرغوب نماز) کے حکم میں ہے۔ رغیبہ نماز کا درجہ بحیثیت اہمیت کے مستحب سے زیادہ اور سنت سے کم ہے، اور اس کا وقت صبح صادق سے لے کر سورج نکلنے تک ہے۔ اس کی قضا کا وقت سورج کے وقت زوال تک ہے۔ جب زوال کا وقت آجائے تب قضا نہیں پڑھی جا سکتی۔ اس کا وقت نماز فجر سے پہلے پہلے ہے۔ اگر سنت سے پہلے نماز فجر پڑھ لی گئی تو اب اس کا پڑھنا مکروہ ہے جب تک کہ نفل پڑھنا

Marfat.com

ہونے کے بعد پڑھنے لگے۔ اس باب میں مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

جہاں جماعت سے نماز پڑھی گئی وہاں نفل نماز کا پڑھنا

اگر جماعت کے ساتھ فرض نماز پڑھی جائے اور نفل پڑھنے کا ارادہ ہو تو آیا اسی جگہ جہاں فرض نماز

حلال ہونے کا وقت نہ آجائے، اور یہ اس وقت تک نہیں آتا جب تک کہ سورج نکلنے کے بعد بقدر ایک عربی نیزے کے سورج بلند نہ ہو جائے۔ عربی نیزہ اوسط درجہ کی بالشت (کی پیائش) سے بارہ بالشتوں کے برابر ہوتا ہے۔ لہٰذا (اس اندازے کے بموجب) نفل کے جائز ہونے کا وقت آجائے تب سنت پڑھی جاسکتی ہے۔ ہاں اگر نماز فجر نہیں پڑھی اور سورج نکل آیا تو بقول معتمد چاہیے کہ نماز فجر پہلے پڑھی جائے اور مستحب یہ ہے کہ فجر کی سنتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھے اور اس کے ساتھ کوئی سورہ نہ ملائے۔ اور فاتحہ کا پڑھنا فرض ہوگا۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے۔

غیر راتبہ نمازوں میں جفت نمازیں (دوگانہ) ہیں جو کم از کم دو رکعتیں ہیں اور زیادہ کی کوئی حد متعین نہیں ہے، یہ نماز عشا کے بعد اور نماز وتر سے پہلے ہے۔ شفع (دوگانہ) نمازوں کا حکم مستحب کا سا ہے۔ اور ''وتر'' منجملہ رواتب کے ہے۔ ''وتر'' طواف کے بعد کی دو رکعتوں کو چھوڑ کر سب سے زیادہ مؤکدہ سنت ہے، اس کا وقت عشاء کی نماز کے بعد شروع ہوتا ہے اور صبح کی شفق غائب ہونے تک رہتا ہے۔ اس میں بے ضرورت اور بلا عذر تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ اگر فجر کی نماز پڑھتے میں یاد آجائے کہ وتر کی نماز نہیں پڑھی گئی تو مستحب یہ ہے کہ فجر کی نماز کو چھوڑ کر پہلے وتر کی نماز پڑھ لی جائے۔ لیکن اس صورت میں جب کہ مقتدی ہو وہ نماز کی نیت توڑ سکتا ہے بشرطیکہ وتر پڑھنے میں نماز فجر کا وقت نہ نکل جائے اور مستحب یہ ہے کہ جفت نماز (دوگانہ) میں پہلی رکعت کے اندر سورۂ اعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۂ کافرون اور وتر میں سورۂ اخلاص اور معوذتین'' قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس'' پڑھی جائیں۔ اور تمام نوافل میں سنت یہ ہے کہ دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرا جائے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''صلٰوۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ'' یعنی رات کی نمازیں دو دو رکعت پڑھی جائیں (اس حدیث کے بموجب) دن کے نوافل کو بھی رات کے نوافل پر قیاس کیا گیا ہے، کیونکہ دونوں میں تفریق کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز فرض اور سنت کے درمیان اتنی دیر سے زیادہ توقف کرنا مکروہ ہے جتنی دیر میں یہ کہا جاسکے کہ ''اللّٰھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذالجلال و الا کرام'' اور جن اذکار کا احادیث میں ذکر آیا ہے وہ اس کے منافی نہیں ہیں، کیونکہ سنتیں فرض کے ملحقات میں سے ہیں لہٰذا یہ ان سے جدا کوئی بات نہیں ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ سنتیں پڑھنے کے بعد تین بار استغفار کرے اور آیت الکرسی اور معوذتین پڑھے اور تسبیح و تحمید اور تکبیر میں سے ہر ایک تینتیس بار کہی جائیں اور پورے سو بار تہلیل کہے بایں طور ''لآ الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر'' (یعنی ذات واحد کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہت ہے اور وہی حمد کا مستحق ہے اور وہ ہر بات پر قادر ہے) اس کے بعد کہے ''اللّٰھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما

Marfat.com

پڑھی ہے نفل پڑھے جائیں یا وہاں سے کسی اور جگہ منتقل ہو کر نفل پڑھے جائیں۔ اس بارے میں مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

منعت و لا ینفع ذالجد منک الجد'' (یعنی اے اللہ جو کچھ تو عطا کرنا چاہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور جو کچھ تو منع کر دے کوئی اسے عطا نہیں کر سکتا اور کوشش کرنے والے کی کوئی کوشش تیرے سامنے سودمند نہیں)۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ وہ اذکار جو احادیث میں آئے ہیں، فرض نماز کے بعد اور سنتوں سے پہلے پڑھے جائیں اور کہے استغفر اللہ تین بار اور پھر یہ دعا کرے: ''اللّٰھم انت السلام و منک والیک السلام، تبارکت و تعالیت یا ذالجلال و الا کرام، لآ الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ،لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر، لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ لآ لہ الا اللّٰہ ولانعبد الا ایاہ ،لہ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن لاالہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون، لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شی قدیر، لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما نھیت ولا ینفع ذالجدمنک الجد'' (یعنی اے اللہ تو عین سلامتی ہے، تجھ سے اور تیری جانب ہی سے سلامتی حاصل ہوتی ہے، تیری ذات بابرکت و عالی ہے۔ اے صاحب جلال و اکرام اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے، بادشاہت اسی کی ہے اور وہی سزاوار حمد ہے۔ اس کو ہر شے پر قدرت حاصل ہے۔ اس کی اعانت کے بغیر نہ کوئی اختیار کسی کو ہے نہ بس ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے سوا ہم کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ نعمت اور فضل اُسی کی طرف سے ہے اور وہی صفات حسنہ کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہم اس کے دین پر خلوص نیت سے قائم ہیں اگرچہ کافر اس کو ناپسند کریں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی ذات واحد ہے جس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہت ہے۔ خدایا جو تو عطا کرے اسے روکنے والا کوئی نہیں اور جس کو تو روک لے اسے عطا کرنے والا کوئی نہیں اور کسی کی کوشش تیرے آگے بارور نہیں ہے) بعدازاں تسبیح، تحمید اور تکبیر کہی جائے افضل یہ ہے کہ ان تمام اذکار کو مجموعی طور پر ادا کیا جائے، بایں طور کہ تینتیس بار کہے: ''سبحان اللّٰہ والحمد للہ و اللّٰہ اکبر اور لآ الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شی ء قدیر'' کہہ کر سو عدد پورا کیا جائے۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز فرض کے امام کو نفل پڑھنے کے لیے جگہ بدلنا مکروہ ہے لیکن مقتدی کو اختیار ہے کہ جہاں اس نے فرض ادا کیا ہے اسی جگہ نفل پڑھے یا وہاں سے منتقل ہو کر کسی اور جگہ پر، اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ تاہم مقتدی کے لیے بہتر یہی ہے کہ جگہ بدل کر دوسری جگہ نفل ادا کرے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نماز پڑھنے والے کا فرض نماز سے فارغ ہو کر نفل پڑھنے کے لیے جگہ بدل لینا سنت ہے۔ اگر ہجوم وغیرہ کے باعث جگہ بدلنا آسان نہ ہو تو سنت یہ ہے کہ اعمال صلوٰۃ کے علاوہ کوئی بات بول کر نفل نماز شروع کر دے، مثلاً یوں کہہ دے کہ ''فرض نماز ختم ہوگئی وغیرہ'' پھر نفل شروع کرے جس کا ارادہ کیا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر فرض کے بعد کی نوافل راتبہ یعنی مطلوبہ سنتیں ادا کرنا ہیں تو افضل یہ ہے کہ مسجد ہی میں ادا کی جائیں، خواہ اسی جگہ جہاں فرض ادا کیا ہے، یا کسی اور جگہ پر۔

اگر نوافل غیر راتبہ پڑھنے ہیں، جیسے صلوٰۃ ضحیٰ تو افضل یہ ہے کہ اپنی قیام گاہ ''گھر'' پر آ کر ادا کرے۔ اس حکم سے مسجد نبوی

Marfat.com

صلوٰۃ الضحیٰ (نماز چاشت) کا بیان

تین اماموں کے نزدیک صلوٰۃ ضحیٰ (نماز چاشت) سنت ہے، مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو[1]۔ اس کا وقت سورج کے ایک نیزہ بلند ہونے سے اس کے زوال سے پہلے تک ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ ایک چوتھائی دن گزرنے پر پڑھنا شروع کیا جائے، مالکیہ کو اس سے بھی اختلاف ہے ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو[۲]۔ صلوٰۃ ضحیٰ نماز چاشت کی کم از کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعتیں ہیں۔ اگر ارادۃً اور جان بوجھ کر بہ نیت چاشت اس سے زیادہ پڑھی جائیں، تو آٹھ رکعت سے زیادہ نمازیں چاشت میں شمار نہ ہوں گی۔ اگر بھولے سے یا بے خبری کے باعث چاشت کی نماز زیادہ پڑھی گئی تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کو محض نفل قرار دیا جائے گا۔ مالکیہ اور حنفیہ کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں[۳]۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر نماز چاشت کا وقت نکل جائے تو اس کی

کی نماز مستثنیٰ ہے۔ لہٰذا جو لوگ مدینہ میں ہیں، ان کے لیے مستحب یہ ہے کہ اسی جگہ پر نوافل ادا کریں جہاں پر آنحضرت ﷺ ادا فرماتے تھے اور وہ جگہ مسجد کے وسط منبر کے پہلو میں محراب کے سامنے ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں پر نبی ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے۔

حنابلہ کہتے ہیں: سنن راتبہ وغیرہ کا گھر میں پڑھنا بہر حال افضل ہے، ماسوا ان نمازوں کے جنہیں با جماعت پڑھنے کا شریعت میں حکم ہے۔ یہ سنتیں اگر مسجد ہی میں پڑھنی ہیں تو اختیار ہے کہ چاہے اسی جگہ پڑھیں جہاں فریضہ ادا کیا ہے یا کسی اور جگہ پڑھیں۔ اس بنا پر کہ شافعیہ کو بھی اس سے اتفاق ہے کہ نوافل کا گھر میں ادا کرنا افضل ہے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ چاشت کی نماز مستحب تاکیدی ہے سنت نہیں ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ نماز چاشت میں سورج نکلنے کے بعد اتنی دیر کرنا افضل ہے، جتنی دیر عصر کا وقت آنے اور سورج کے غروب ہونے میں لگتی ہے۔

۳۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ چاشت کی زیادہ سے زیادہ سولہ رکعتیں ہیں۔ اگر نماز چاشت اس سے زیادہ پڑھی جائے اور تمام رکعتیں ایک ہی تسلیمہ سے پڑھ گئی ہیں تو جس قدر رکعتیں چاشت کی نیت سے پڑھی گئیں وہ چاشت میں شمار ہوں گی اور زائد رکعتیں محض نفل ہوں گی۔ لیکن یہ مکروہ ہے کہ دن میں چار رکعت سے زیادہ نوافل ایک تسلیمہ سے پڑھے جائیں۔ اگر یہ نمازیں دو دو رکعت کر کے (بصورت دوگانہ) یا چار چار کر کے پڑھی جائیں تو اس صورت میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر آٹھ رکعتوں سے زیادہ بھی پڑھی جائیں تو زائد نمازیں صحیح ہوں گی اور بموجب رائے صائب اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

Marfat.com

قضا سنت ہے۔اس بارے میں مالکیہ اور حنفیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

نماز تحیۃ المسجد کا بیان

کوئی نمازی مسجد میں داخل ہو تو اس کے لیے سنت یہ ہے کہ دو رکعت نماز تحیۃ المسجد کی نیت سے پڑھے۔اس سے زیادہ جتنی بھی رکعت چاہے اسی نیت سے پڑھنے کا اختیار ہے۔شافعیہ اور حنابلہ کو اس سے اتفاق ہے۔حنفیہ اور مالکیہ کا مذہب ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

نماز تحیۃ المسجد پڑھنے کی چند شرائط ہیں: اول یہ کہ مسجد میں اس وقت آنا نہ ہوا ہو جس میں نفل پڑھنا منع ہے مثلاً سورج نکلنے کے وقت یا نماز عصر کے بعد، ان اوقات (ممنوعہ) کی تفصیل ایک جداگانہ فصل میں بتائی جائے گی۔تحیۃ المسجد کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ مسجد میں ٹھہرنے کا ارادہ بھی ہو، لہٰذا اگر مسجد میں سے ہو کر کسی اور طرف جانے کا ارادہ ہو تب بھی تین ائمہ کے نزدیک تحیۃ المسجد کے لیے کہا جا سکتا ہے۔ مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۳)

دوسری شرط یہ ہے کہ مسجد میں باوضو آنا ہوا ہو۔اگر حالت حدث میں مسجد کے اندر آنا ہوا تو اسے تحیۃ المسجد پڑھنے کو نہیں کہا جائے گا۔اس پر تین ائمہ کا اتفاق ہے، شافعیہ کو اختلاف ہے ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۴)

تیسری شرط یہ کہ جس وقت کوئی شخص مسجد میں آئے اس وقت جماعت کے لیے اقامت تکبیر نہ کہی جا رہی ہو۔پس اگر کوئی مسجد میں آیا اور امام کو جماعت کراتے ہوئے پایا تو تحیۃ المسجد نہ پڑھی جائے۔اس پر

۱۔مالکیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ نوافل (زائد نمازوں) کا وقت گزر جانے کے بعد کسی کی قضا نہیں بجز فجر کی دو سنتوں کے کہ ان کی قضا زوال سے پہلے پہلے پڑھی جا سکتی ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

۲۔حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں یا چار رکعتیں ہیں اور چار رکعتیں دو سے افضل ہیں۔تحیۃ المسجد کی نیت اس سے زیادہ رکعتوں کی نہ کی جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ تحیۃ المسجد کی صرف دو رکعتیں ہیں، اس سے زیادہ نہیں ہیں۔نیز مالکیہ کہتے ہیں کہ تحیۃ المسجد کی حیثیت بقول راجح تاکیدی مستحب کی ہے، بعض لوگ اسے سنت کہتے ہیں، اور یہ اختلاف معمولی ہے۔

۳۔مالکیہ کہتے ہیں کہ تحیۃ المسجد صرف اسی کو پڑھنا چاہیے جو مسجد میں بیٹھنے کا ارادہ رکھتا ہو، لیکن جسے مسجد سے ہو کر محض گزرنا ہے اسے تحیۃ المسجد کے لیے نہیں کہا گیا۔

۴۔شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر حالت حدث میں کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا اور اسے معاً پاک (باوضو) ہو جانا ممکن

Marfat.com

تین اماموں کا اتفاق ہے، مالکیہ کو اختلاف ہے ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

چوتھی شرط یہ ہے کہ مسجد میں آنا اس وقت نہ ہوا ہو جب کہ خطیب مسجد جمعہ یا عیدین وغیرہ کے خطبہ کو کھڑا ہوا ہو، اگر ایسے وقت میں مسجد کے اندر آنا ہوا تو مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک اس وقت تحیۃ المسجد نہ پڑھی جائے۔ شافعیہ اور حنابلہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

ان احکام مسجد میں مکہ کی مسجد حرام مستثنیٰ ہے۔ اس کی تحیۃ کے مخصوص احکام بروئے مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۳)

ہے تو اس سے تحیۃ المسجد مطلوب ہے ورنہ نہیں۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر مسجد میں آنا عین اس وقت ہوا جب کہ مقررہ امام نماز کے لیے کھڑا ہوا تو تحیۃ المسجد کے لیے نہیں کہا جائے گا، لیکن اگر مسجد میں آنا اس وقت ہوا جب کہ امام مقررہ کے علاوہ کوئی اور جماعت کے لیے کھڑا ہو تو اس کو جائز ہے کہ تحیۃ المسجد پڑھ لے۔

۲۔ شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر مسجد میں اس وقت آنا ہو جب کہ امام (خطبہ کے لیے) منبر پر ہو تو بیٹھنے سے پہلے تحیۃ المسجد کی دو ہلکی رکعتیں پڑھ لینا سنت ہے۔ اس سے زیادہ نہ پڑھے۔ لیکن بیٹھ جانے کے بعد تحیۃ المسجد کے لیے اٹھنا نہ چاہیے۔

۳۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص مکہ معظمہ کی مسجد حرام میں آئے اور اس کا ارادہ طواف کعبہ کا ہو، اگر چہ طواف مستحب کا ہو، تو اس کی تحیۃ یہی طواف ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص مثلاً کعبہ مکرمہ کی زیارت کو مکہ میں آیا اور طواف کا خیال نہ تھا تو اس صورت میں دیکھنا چاہیے کہ آیا وہ شخص مکہ کا رہنے والا ہے یا نہیں؟ اگر مکے کا رہنے والا ہے تو اس کی تحیۃ دو رکعت نماز ہے، ورنہ طواف ہی تحیۃ ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ مسجد حرام کی تحیت یہی دو رکعتیں ہیں، لیکن جو شخص مسجد حرام میں طواف کے ارادے سے آیا تو پہلے طواف کرنا چاہیے، اس کے بعد دو رکعتیں تحیت طواف ادا کرے، یہی تحیۃ المسجد بھی ہو جائے گی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جو شخص مسجد حرام میں آئے اور ارادہ طواف کا ہو تو اس کو دونوں تحیتوں کے لیے کہا جائے گا۔ بیت الحرام کی تحیۃ تو طواف ہے اور مسجد کی تحیۃ نماز ہے۔ افضل یہ ہے کہ پہلے طواف کیا جائے، اس کے بعد طواف کی دو رکعتیں پڑھی جائیں۔ اسی سے ضمناً صحن مسجد میں تحیۃ المسجد بھی ادا ہو جائے گی۔ اور چاہیے کہ طواف کے بعد چار رکعتیں پڑھ لے۔ پہلی دو رکعتوں میں تحیۃ المسجد کی نیت کرے اور دوسری دو رکعتوں میں سنت طواف کی۔ اس کے برعکس کرنا صحیح نہیں ہے لیکن اگر مسجد میں آنا طواف کے ارادہ سے نہیں ہوا تو اس کو صرف تحیۃ المسجد کی نماز کے لیے کہا جائے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مسجد حرام کی تحیت طواف ہے اگر چہ طواف کی نیت سے آنا نہ ہوا ہو۔

Marfat.com

اگر کوئی شخص حدث وغیرہ کے باعث نماز تحیۃ المسجد نہ پڑھ سکتا ہو تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ چار دفعہ "سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر" کہے۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے؛ حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی امر مستحب نہیں ہے۔

واضح ہو کہ کوئی سی نماز جس میں رکوع وسجود ہوں مسجد میں داخل ہو کر پڑھ لی جائے تو وہ تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جائے گی۔ چنانچہ اگر مسجد میں داخل ہوتے ہی کوئی پچھلی نماز کی قضا پڑھی گئی تو ضمناً تحیۃ المسجد بھی ادا ہو جائے گی، بشرطیکہ اس کی نیت کی ہو۔ حنفیہ وشافعیہ کہتے ہیں کہ اگر نیت نہیں کی تب بھی تحیۃ المسجد کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔ لیکن اگر نیت ہی یہ ہو کہ تحیۃ المسجد کی نہیں کوئی اور نماز پڑھی جائے گی تو تحیۃ المسجد کی نماز ساقط ہو جائے گی اور اس کا ثواب حاصل نہ ہوگا۔

نیز واضح ہو کہ نماز پڑھنے سے پہلے اگر کوئی شخص مسجد میں آ کر بیٹھ جائے تو یہ امر مکروہ ہے لیکن اس سے نماز ساقط نہیں ہوتی (کہ وہ اب پڑھ ہی نہ سکے)، حنفیہ اور مالکیہ کا اس پر اتفاق ہے اور شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر قصد کر کے کوئی بیٹھ گیا ہے تو نماز تحیت ساقط ہوگئی۔ ہاں اگر بھولے سے یا ناواقفیت (مسئلہ) کے باعث بیٹھ گیا اور بیٹھے ہوئے اتنی دیر ہوگئی جتنی دیر میں دو رکعت نماز پڑھی جا سکے تو نماز تحیت ساقط ہو جائے گی، اس سے پہلے نہ ہوگی۔ حنابلہ کا کہنا ہے کہ اگر اتنی دیر بیٹھا رہا جس کو عام طور پر زیادہ دیر سے تعبیر کیا جاتا ہے تو تحیۃ المسجد ساقط ہو جائے گی۔

تحیۃ الوضو (وضو کے بعد کی دو رکعتوں) کا بیان اور سفر پر جاتے وقت اور سفر سے واپس آنے پر دوگانہ پڑھنا

حدث اصغر سے پاک ہونے کے بعد دو رکعتوں کا پڑھنا مستحب ہے۔ نیز سفر پر جاتے وقت اور سفر سے واپس آنے پر دو رکعتوں کا پڑھنا بھی مستحب ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "ما خلف احدکم عند اھلہ افضل من رکعتین یرکعھا عندھم حین یرید سفراً"۔ رواہ الطبرانی (یعنی جب کوئی شخص سفر کا ارادہ کرتا ہے تو سب سے بہتر چیز جو وہ اپنے کنبہ میں چھوڑ کر جائے گا وہ رکوع والی دو رکعتیں ہیں جو جانے سے پہلے وہاں پڑھی گئیں)۔ اور حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ "قال: کان رسول اللّٰہ ﷺ "لا یقدم من السفر الا نھاراً فی الضحی، فاذا قدم بدأ بالمسجد فصلی فیہ رکعتین ثم جلس فیہ"۔ رواہ مسلم (یعنی حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللّٰہ ﷺ ہمیشہ

Marfat.com

دن کو دوپہر کے وقت سفر سے واپس آیا کرتے تھے اور جب بھی سفر سے واپس تشریف لاتے پہلے مسجد میں جاتے اور دو رکعت نماز ادا کر کے بیٹھتے تھے)۔

نماز تہجد و نماز استخارہ کا بیان

رات میں تہجد پڑھنا بھی مستحب ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ''لا بد من الصلوٰة بليل و لو حلب شاة۔'' رواه الطبرانی مرفوعاً (یعنی رات کی نماز ضروری ہے خواہ اتنی دیر ہو جس میں بکری دوہی جاسکے) اسے طبرانی نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ رات کی نفل نماز دن کی نماز سے افضل ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: ''افضل صلوٰة بعد الفريضة صلوٰة الليل ''یعنی نماز فرض کے بعد سب سے افضل رات کی نماز تہجد ہے۔ بروایت مسلم۔

اسی طرح استخارے کے لیے دو رکعتیں بھی مستحب ہیں جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت میں ہے کہ ''كان رسول الله ﷺ يعلمنا الا ستخارة فی الامور كلها كما يعلمنا السورة من القرآن . يقول : اذا همّ احدكم بالا مر فليز كع ركعتين من غير الفريضه ثم ليقل: اللّٰهم انی استخيرک بعلمك واستقدرک بقدرتک و اسألک من فضلک العظيم، فانک تقدر و لا اقدر و تعلم ولا اعلم و انت علا م الغيوب ، اللّٰهم ان كنت تعلم ان هذا الا مر خيرلی فی دينی ومعاشی و عاقبة امری.او قال عاجل امری و آجله فاقدره لی و يسره لی ثم بارک لی فيه . و ان كنت تعلم ان هذا شرلی فی دينی و معاشی و عاقبة امری. او قال . عاجل امری وآجله فاصرفه عنی و اصرفنی عنه و اقدرلی الخيرحيث كان ثم رضنی به قال و يسمی حاجته''.

مسلم کے سوا تمام محدثین نے اس حدیث کو روایت کیا ہے یعنی حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو اس طرح استخارہ سکھایا ہے جس طرح قرآن کی سورۃ سکھاتے تھے، چنانچہ حضور ﷺ فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو چاہیے کہ نماز فرض کے علاوہ دو رکعت نماز پڑھے، پھر یہ دعا کرے کہ یاالٰہی میں تیرے علم سے خیر کا طالب ہوں اور تیری قدرت سے قوت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ تیرے فضل عظیم کا خواہاں ہوں۔ بلاشبہ تجھے قدرت حاصل ہے اور ہمیں کچھ بھی قدرت نہیں ہے۔ تجھے سب علم ہے ہمیں کچھ علم نہیں تو ہی غیب کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ اے اللہ اگر یہ (پیش نظر)

Marfat.com

کام میرے دین، میری زندگی اور میرے انجام کے لیے یا فرمایا: ابھی یا بدیر میرے لیے تو اچھا سمجھتا ہے تو مجھے اس کے کرنے کی طاقت عطا فرما۔ میرے لیے آسان کر دے اور باعث برکت بنا دے۔ اور اگر تو سمجھتا ہے کہ یہ کام میرے دین، میری زندگی اور میرے انجام کار کے لیے یا فرمایا: فوری یا بدیر میرے لیے برا ہے تو اس سے مجھے باز رکھ اور اس کام کو مجھ سے دور کر دے اور ایسے عمل کی طاقت بخش جو میرے لیے اچھا ہو اور پھر اس سے تو راضی ہو۔ اس کے بعد اپنے پیش نظر کام کا نام لینا چاہیے۔

ضرورت پوری ہونے کی نماز (نماز حاجت) کا بیان

جس کی کوئی ضرورت اٹکی ہوئی ہو اور وہ شرع کے مطابق ہو تو مستحب یہ ہے کہ وہ دو رکعت نماز ادا کرے، جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: "من کانت له عند اللّٰه حاجة او الی احد من بنی آدم فلیتوضأ و یحسن الوضوء، ثم لیصل رکعتین ثم لیثن علی اللّٰه تعالیٰ و لیصل علی النبی ﷺ ثم لیقل: لا اله الا اللّٰه الحلیم الکریم، سبحان اللّٰه رب العرش العظیم، الحمد لله رب العلمین، اسئالک موجبات رحمتک، وعزائم مغفرتک والغنیمة من کل بر والسلامة من کل اثم، لا تدع لی ذنباً الا غفرته ولا هما الا فرجته ولا حاجة هی لی رضاً هی لی رضاً الا قضیتها یا ارحم الراحمین" اخرجه الترمذیؒ عن عبداللّٰه ابن ابی اوفی.

(یعنی جسے اللہ سے کوئی احتیاج ہو، یا کوئی حاجت کسی فرزند آدم سے وابستہ ہو تو اسے چاہیے کہ وضو کرے اور اچھی طرح سے کرے، پھر دو رکعتیں نماز پڑھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرے اور آنحضرت ﷺ پر درود بھیجے۔ پھر یوں دعا کرے کہ خدائے حلیم و کریم کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ کی ذات پاک ہے، وہ عرش عظیم کا مالک ہے، اللہ تمام تعریفوں کا سزاوار ہے، تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، خدایا میں تجھ سے تیری مہربانی کے موجبات اور تیری مغفرت کی مرادیں، ہر گونہ خیر کا حصہ اور ہر گناہ سے حفاظت مانگتا ہوں، میرا کوئی گناہ ایسا نہ ہو جو تو معاف نہ فرما دے اور کوئی غم ایسا نہ ہو جو تو دور نہ کر دے، اور کوئی میری پسندیدہ خواہش ایسی نہ ہو جو تو پوری نہ کر دے۔ اے سب سے بڑے رحم کر دینے والے (خدا!)

Marfat.com

نماز وتر کا بیان

اور دعائے قنوت کے الفاظ جو اس کے اور دوسری نمازوں کے لیے ہیں

تین امام اس پر متفق ہیں کہ نماز وتر سنت ہے، لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز وتر واجب ہے۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک نماز وتر کا درجہ (صرف) فرض سے کم ہے اور جیسا کہ معلوم ہے، حنفیہ کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ واجب کے ترک سے آخرت کا عذاب واجب نہیں ہوتا، جیسا کہ فرض قطعی کے ترک سے واجب ہوتا ہے۔ البتہ ترک واجب میں نبی ﷺ کی شفاعت سے محرومی ہے۔ اور ایمان والوں کے لیے جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شفاعت کے امیدوار ہیں یہ (محرومی) بہت بڑا عذاب ہے۔

مسالک مختلفہ کی رو سے وتر کے احکام ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہوں۔ (۱)

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ وتر واجب ہے۔ اس کی تین رکعتیں ہیں جو سب سے اخیر میں ایک تسلیمہ سے پڑھی جاتی ہیں۔ اس کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور کوئی سورہ یا اس کے برابر آیات کا پڑھنا سنت ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کی پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ، دوسری میں سورۂ کافرون اور تیسری میں سورۂ اخلاص پڑھا کرتے تھے۔ پھر جب نمازی تیسری رکعت میں قرأت سے فارغ ہو تو واجب ہے کہ رفع یدین کرے (ہاتھ اٹھائے) اور اس طرح تکبیر کہے جس طرح نماز کے شروع میں کہی جاتی ہے، لیکن نماز کی دعا نہ پڑھے یعنی سبحانک اللّٰھم و بحمدک و تبارک اسمک و تعالیٰ جدک ولا الٰہ غیرک (نہ کہے) بلکہ دعائے قنوت پڑھے۔ (قنوت سے) مراد ہر ایسی دعا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ثنا اور دعا پر مشتمل ہو، لیکن سنت یہ ہے کہ وہ دعا پڑھے جو حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں: "اللّٰھم انا نستعینک و نستھدیک و نستغفرک و نومن بک و نتوکل علیک ونثنی علیک الخیر کلہ و نشکرک ولا نکفرک ونخلع و نترک من یفجرک، اللّٰھم ایاک نعبد ولک نصلی و نسجد و الیک نسعیٰ و نحفد و نرجو رحمتک و نخشی عذابک ان عذابک الجد. بالکفار ملحق" اس کے بعد نبی ﷺ اور ان کی آل پر صلوٰۃ وسلام بھیجے۔

وتر کا وقت شفق کے غائب ہونے سے طلوع فجر تک ہے۔ اگر بھولے سے یا ارادۃً ترک ہوئی تو اس کی قضا واجب ہوگی، اگرچہ اس میں دیر ہو جائے۔

وتر کو نماز عشاء کے بعد پڑھنا واجب ہے، کیونکہ اس میں یہ ترتیب لازمی ہے۔ تاہم اگر بھولے سے پہلے پڑھی گئی تو صحیح ہوگی۔ اسی طرح اگر علی الترتیب دونوں (نماز فرض و وتر) کو پڑھ لیا، بعد میں معلوم ہوا کہ نماز عشاء باطل ہوگئی لیکن وتر صحیح پڑھی گئی تو نماز وتر صحیح قرار دی جائے گی اور صرف عشاء کی نماز دوبارہ پڑھی جائے، کیونکہ اس قسم کی معذوریوں میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

وتر میں دعائے قنوت کا پڑھنا واجب ہے اور سنت یہ ہے کہ اس کو آہستہ پڑھا جائے، خواہ کوئی امام ہو یا تنہا گزار یا مقتدی۔ جسے دعائے قنوت اچھی طرح یاد نہ ہو وہ یوں کہہ لے: ''ربنا آتنا في الدنيا حسنه و في الآخرة حسنة و قنا عذاب النار'' (یعنی اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں خوبی عطا فرما اور آخرت میں بھی خوبی عطا فرما اور عذاب جہنم سے بچالے) یا پھر تین بار ''اللّٰھم اغفرلنا'' کہے (یعنی یاالٰہی! ہماری مغفرت فرما)۔

اگر کوئی شخص دعائے قنوت پڑھنا بھول جائے اور رکوع میں جانے کے بعد یاد آئے تو حالت رکوع میں دعائے قنوت نہ پڑھے اور نہ دوبارہ (قنوت کے لیے) کھڑا ہو، بلکہ سلام کے بعد سجدہ سہو کر لے۔ اگر کھڑے ہو کر دعائے قنوت پڑھ لی اور رکوع کا اعادہ نہ کیا تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ اگر غلطی سے سورہ اور قنوت پڑھنے سے پہلے رکوع کیا (یعنی محض سورۂ فاتحہ پڑھ کر رکوع میں چلا گیا) تو لازم ہے کہ سورۃ اور قنوت پڑھنے کے لیے اٹھے اور (دونوں چیزیں پڑھ کر) دوبارہ رکوع کرے اور اخیر میں سجدۂ سہو کر لے۔ اگر فاتحہ اور سورہ اور قنوت (تینوں) کو بھول کر رکوع میں چلا گیا تو رکوع سے اٹھ کر فاتحہ، سورۂ اور قنوت پڑھ کر دوبارہ رکوع کرے۔ اگر رکوع دوبارہ نہیں کیا تب بھی نماز ہو جائے گی لیکن سجدۂ سہو بہرحال کرنا چاہیے۔

نماز وتر کے علاوہ بجز نوازل کے (کسی اور نماز میں) دعائے قنوت نہ پڑھی جائے۔ نوازل سے مراد (مسلمانوں پر) نازل ہونے والے مصائب ہیں۔ مصائب کے پیش آنے پر سنت یہ ہے کہ صرف نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھی جائے۔ بقول معتمد ہر وقت کی نماز میں نہیں۔ یہ قنوت (نازلہ) وتر کے خلاف رکوع سے اٹھنے کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ قنوت نازلہ کا پڑھنا امام کے لیے سنت ہے، منفرد کے لیے نہیں ہے۔ مقتدی قنوت کے پڑھنے میں اپنے امام کی پیروی کرے گا۔ البتہ اگر قنوت اونچی آواز سے امام پڑھے تو مقتدی صرف آمین کہیں گے۔

نماز وتر کا جماعت کے ساتھ پڑھنا ماہ رمضان کے سوا مشروع نہیں ہے۔ ماہ رمضان میں وتر کی جماعت مستحب ہے، کیونکہ وتر کا شمار بعض لحاظ سے نوافل میں ہوتا ہے، اگرچہ (بنفسہ) وہ واجب ہے۔ رمضان کے علاوہ وتر کی جماعت مکروہ ہے اگر اس جماعت کا مقصد یہ ہو کہ اس کے لیے لوگوں کو اکٹھا کیا جائے۔ ہاں اگر (احیاناً) کسی نے وتر کی نماز میں دوسرے کی اقتدا کر لی یا صرف دو تین اصحاب نے مل کر وتر کی جماعت کر لی تو مکروہ نہیں ہے، کیونکہ اس میں جمع ہونے کی دعوت نہیں دی گئی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ وتر سنت مؤکدہ ہے۔ اس کی کم سے کم ایک رکعت ہے۔ ایک ہی رکعت وتر پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ وتر کی گیارہ رکعتیں ہیں۔ اس کا اختیار ہے کہ وتر کی تین رکعت پڑھی جائے اور کامل وتر کم سے کم تین رکعت ہے۔ اور پانچ یا سات یا نو رکعتیں پڑھی جا سکتی ہیں۔ اگر گیارہ رکعتیں پڑھی جائیں تو چاہیے کہ ہر دو رکعت میں سلام پھیرا جائے اور ایک رکعت جدا پڑھ کر وتر کر دیں اور یہی طریق افضل ہے۔ اور یہ اختیار ہے کہ تمام نماز ایک ہی سلام سے پڑھی جائے۔ اور تشہد چاہے دو پڑھیں یا ایک ہی پڑھا جائے۔ یعنی دس رکعت پڑھ کر تشہد پڑھا جائے اور بغیر سلام پھیرے گیارہویں کے لیے کھڑے ہو کر وتر پوری کی جائے، پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرا جائے۔ اگر (وتر کی) نو رکعتیں پڑھی جائیں

Marfat.com

تو اختیار ہے کہ ایک سلام اور دو تشہد سے پڑھی جائیں بایں طور کہ آٹھ رکعت نماز پڑھ کر بیٹھ کے تشہد پڑھی جائے اور سلام پھیرنے سے پہلے نویں رکعت پوری کی جائے، پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرا جائے۔ اسی طرح پڑھنا افضل ہے، تاہم یہ بھی اختیار ہے کہ نماز میں ایک ہی بار تشہد پڑھی جائے، بایں طور کہ نو رکعتیں (مسلسل) پڑھ کر اخیر میں تشہد کے بعد سلام پھیرا جائے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تمام نماز دو دو رکعتوں میں پڑھی جائے اور ہر دوگانہ پر سلام پھیرا جائے، اور پھر نویں رکعت پڑھ کر سلام پھیرا جائے۔ اگر وتر کی سات یا پانچ رکعتیں پڑھنی ہیں تو افضل یہی ہے کہ ایک تشہد اور ایک تسلیمہ سے پڑھی جائیں اور یہ بھی اختیار ہے کہ دو تشہد کے ساتھ پڑھی جائے، بایں طور کہ چھٹی یا چوتھی رکعت کے بعد بیٹھ کر تشہد پڑھی جائے اور سلام پھیرے بغیر کھڑے ہوکر باقی نماز پوری کی جائے اور اخیر میں تشہد پڑھ کر سلام پھیرا جائے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دو دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیرا جائے (اور اخیر میں ایک رکعت مع تشہد وسلام پڑھ کر وتر کو پورا کیا جائے۔ اگر تین رکعتوں کا وتر ہے تو چاہیے کہ پہلے دو رکعت پڑھی جائے پہلی رکعت میں سورۂ "سبح اعلیٰ" اور دوسری میں سورۂ کافرون پڑھیں اور (دو رکعت کے بعد) سلام پھیر دیں پھر تیسری رکعت سورۂ اخلاص کے ساتھ پڑھی جائے اور تشہد وسلام سے وتر پوری کی جائے، یہ صورت افضل ہے، تاہم یہ اختیار ہے کہ یہ وتر ایک ہی تشہد سے پڑھی جائے، بایں طور کہ تینوں رکعتوں کو مسلسل پڑھ کر تشہد کے بعد سلام پھیرا جائے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دو تشہد اور ایک تسلیمہ سے نماز مغرب کی طرح وتر پڑھی جائے۔ اس طرح سے پڑھنا باعتبار فضیلت سب سے کم درجہ پر ہے۔

سنت یہ ہے کہ وتر کی تمام سنتوں میں دعائے قنوت آخری رکعت میں رکوع کے بعد اٹھ کر پڑھی جائے۔ رمضان اور غیر رمضان کی وتر میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ دعائے قنوت وہی پڑھی جائے جو احادیث میں آئی ہے اور وہ یوں ہے: "اللّٰھم انا نستعینک و نستھدیک و نستغفرک و نتوب الیک و نومن بک و نتوکل علیک ونثنی علیک الخیر کلہ، نشکرک ولا نکفرک ، اللّٰھم ایاک نعبدو الیک نسعیٰ و نحفد، نرجو رحمتک ونخشیٰ عذابک ان عذابک الجد بالکافرین ملحق. اللّٰھم اھدنا فیمن ھدیت وعافنا فیمن عافیت و تولنا فیمن تولیت و بارک لنا فیما اعطیت وقنا شرما قضیت، انک سبحانک تقتضی ولا یقضی علیک انہ لا یذل من والیت ولا یعز من عادیت، تبارک ربنا وتعالیت. اللّٰھم انا نعوذ برضاک من سخطک وبعفوک من عقوبتک وبک منک ، لا نحصی ثناء علیک انت کما اثنیت علیٰ نفسک" (یعنی اے اللہ ہم تیری اعانت اور تیری ہدایت کے طالب ہیں۔ تجھ سے مغفرت چاہتے ہیں اور تیرے آگے توبہ کرتے ہیں، تجھ پر ایمان لائے اور تجھ پر بھروسا کرتے ہیں اور تیرے ثنا خواں ہیں کہ تیری تمام صفات حسنہ ہیں۔ ہم تیرا شکر بجالاتے ہیں اور تجھ سے روگردانی نہیں کرتے۔ یا اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیری ہی جانب دوڑتے بھاگتے ہیں۔ تیری رحمت کے امیدوار اور تیرے عذاب سے خائف ہیں۔ بیشک تیرا سخت عذاب کافروں پر نازل ہونے والا ہے یا الٰہی! ہمیں اپنی راہ ہدایت پر چلا اور اپنی عافیت میں ہمیں پناہ دے۔ ہماری مرضی کو اپنی رضا کے مطابق فرمادے اور جو کچھ تو نے عطا فرمایا ہے اس میں برکت دے اور اپنے عذاب کی سختی سے

Marfat.com

ہمیں محفوظ رکھ۔ بلاشبہ تیری ذات پاک ہے، حکم دینے والا تو ہے اور تجھ پر کوئی حاکم نہیں ہے۔ بلاشبہ جسے تو پسند فرمائے وہ ذلیل نہیں ہوسکتا اور جس پر تیرا عتاب ہوا سے عزت نہیں مل سکتی۔ اے خدا تو بابرکت اور صاحب عظمت ہے۔ یاالٰہی! ہم تیری خفگی سے تیری مرضی کی پناہ مانگتے اور تیرے عذاب سے تیری معافی کی پناہ ڈھونڈتے ہیں اور تجھ سے تیری ہی حمایت کے طالب ہیں۔ ہم تیری حمد وثنا سے قاصر ہیں، بلاشبہ تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی ثنا بیان فرمائی)۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ پر درود بھیجا جائے اور ان کی آل پر بھی۔ اس میں بھی مضائقہ نہیں ہے کہ دعائے قنوت میں مذکورہ دعائے ماثورہ کے علاوہ کوئی اور دعا بھی جو دل چاہے مانگی جائے۔ اگرچہ دعائیں وہی افضل ہیں جو احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ سنت یہ ہے کہ دعائے قنوت اونچی آواز سے پڑھی جائے، خواہ کوئی امام ہو یا تنہا گزار ہو۔ البتہ مقتدی بلند آواز سے آمین کہیں اسی طرح منفرد کے لیے سنت ہے کہ ''اھدنا'' جیسے الفاظ میں جو ضمائر جمع اوپر آئی ہیں ان کو بصیغہ واحد استعمال کیا جائے۔ لیکن امام ضمیر جمع ہی استعمال کرے گا، جیسا کہ الفاظ احادیث میں ہے۔

نمازی کے لیے یہ بھی سنت ہے کہ وتر کا سلام پھیرنے کے بعد تین بار کہے، **سبحان الملک القدوس** ''اور تیسری بار اونچی آواز سے کہے۔

وتر کے علاوہ (کسی اور نماز میں) دعائے قنوت مکروہ ہے، بجز اس صورت کے جب کہ مسلمانوں میں طاعون کے سوا کوئی اور مصیبت نازل ہو۔ ایسے حالات میں بادشاہ اور اس کے نائبین کے لیے سنت ہے کہ نماز جمعہ کے سوا تمام فرض نمازوں میں دعائے قنوت پڑھیں جس میں اس مصیبت نازلہ کے مناسب حال دعا مانگی جائے۔ لیکن بلائے طاعون کے لیے دعائے قنوت نہیں ہے۔ اگر بادشاہ اور اس کے حکام کے علاوہ بھی قنوت نازلہ مانگی جائے تو نماز باطل نہ ہوگی، خواہ امام ہو یا تنہا گزار ہو۔ اگر کسی شخص کا امام نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھے تو اس کی دعا میں مقتدی امام کا ساتھ دے اور اگر سن رہا ہو تو اس کی دعا پر آمین کہے۔ ایسی حالت میں کہ دعائے قنوت سنائی نہ دیتی ہو تو سنت یہ ہے کہ جو دل چاہے دعا مانگی جائے۔ نمازی کے لیے جائز ہے کہ وتر کی آخری رکعت کا رکوع کرنے سے پہلے دعائے قنوت پڑھی جائے، اس طرح کہ تکبیر کہتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھائے جائیں، پھر دعائے قنوت پڑھ کر رکوع کیا جائے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ رکوع سے اٹھنے کے بعد (قنوت) پڑھی جائے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ سنت یہ ہے کہ بدوران قنوت دونوں ہاتھ سینے کے سامنے کھول لیے جائیں، ہتھیلیاں آسمان کی جانب ہوں اور دعائے قنوت پڑھنے کے بعد دونوں ہاتھوں کو چہرے پر ملے۔

قنوت کا وقت نماز عشاء کے بعد صبح صادق کے ظہور تک ہے اور افضل یہ ہے کہ یہ کام شب کے پچھلے حصہ میں کیا جائے، درآنحالیکہ اس وقت بیدار ہو جانے کا یقین ہو۔ اگر اس کا یقین نہ ہو تو سونے سے پہلے ہی وتر پڑھ لینی چاہیے۔ اور سنت یہ ہے کہ اگر وتر رہ گئی ہے تو اس کی قضا دوگانہ کے ساتھ پڑھی جائے۔

ماہ رمضان میں اس کا جماعت سے پڑھنا سنت ہے؛ رمضان کے علاوہ وتر کی جماعت مباح ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ وتر سنت مؤکدہ ہے اور سب سے زیادہ مؤکدہ سنت ہے۔ وتر کی کم سے کم ایک رکعت ہے اور زیادہ سے زیادہ گیارہ رکعتیں ہیں۔ اگر ارادۃً مسئلہ کو جانتے ہوئے اس تعداد میں زیادتی کی گئی تو زائد نمازیں کسی شمار میں نہ

Marfat.com

ہوں گی؛ ہاں اگر بھول کر یا ناواقفیت کی بنا پر زیادہ نماز پڑھی تو نماز باطل نہ ہوگی بلکہ وہ محض نفل قرار پائے گی۔ وتر میں صرف ایک رکعت پڑھنا طریق افضل کے خلاف ہے۔ اگر کوئی شخص وتر ایک رکعت سے زیادہ پڑھے تو جائز ہے کہ اس کو ساتھ ملا لے، بایں طور کہ آخری رکعت کو ابتدائی رکعتوں سے ملا کر ادا کیا جائے یا الگ کر کے پڑھے، یعنی طریق مذکور سے نہ پڑھی جائے۔ چنانچہ اگر مثلاً پانچ رکعت وتر پڑھی تو جائز ہے کہ ایک سلام سے دو رکعتیں پڑھے۔ اس کے بعد تین رکعتیں ایک سلام سے ادا کرے، اور یہ بھی جائز ہے کہ جدا جدا پڑھی جائے، بایں طور کہ آخری رکعت کو الگ کر کے پڑھ لے اور اس سے پہلے کی چار رکعتیں دو دو رکعتوں میں پڑھی جائیں۔ یا پھر چار رکعتیں اکھٹی پڑھی جائیں۔ لیکن اگر وتر کو ملا کر پڑھنا ہے تو دو بار سے زیادہ تشہد جائز نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے کہ وتر کی ایک رکعت جداگانہ ادا کی جائے۔ وتر کا وقت نماز عشاء کے بعد ہے، اگرچہ عشاء کی نماز مغرب کے ساتھ بطور جمع تقدیم پڑھی جائے۔ وتر کے وقت کی انتہا صبح صادق کے نمودار ہونے تک ہے، اور رات کے ابتدائی (نصف) حصہ کے بعد پڑھنا سنت ہے، درآنحالیکہ آخری شب میں بیدار ہو جانے پر وثوق ہو۔

اسی طرح وتر کو رات کی نماز کے بعد پڑھنا مسنون ہے، بایں طور کہ رات کی نمازوں کو وتر پر ختم کیا جائے۔

ماہ رمضان میں وتر کا باجماعت ادا کرنا اور ماہ رمضان کے نصف ثانی میں وتر کی آخر رکعت میں قنوت پڑھنا سنت ہے، جس طرح کہ دعائے قنوت ہر فجر کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع سے اٹھنے کے بعد سنت ہے۔

'قنوت' عبارت ہے ہر ایسے کلام سے جو ثنائے الٰہی اور دعا پر مشتمل ہو، لیکن سنت وہی ہے جو آنحضرت ﷺ سے مروی ہے، اور وہ یہ ہے: "اللّٰھم اھدنی فیمن ھدیت و عافنی فیمن عافیت و تولنی فی من تولیت و بارک لی فی ما اعطیت وقنی شرما قضیت، فانک تقضی ولا یقضی علیک وانہ لا یذل من والیت ولا یعزمن عادیت تبارکت ربنا وتعالیت فلک الحمد علی ما قضیت استغفرک و اتوب الیک وصلی اللہ علی سیدنا محمد النبی الا می وعلی آلہ و اصحابہ وسلم " یہ الفاظ اس حالت میں کہے جائیں جب کہ کوئی منفرد ہو، اس صورت میں دعا اپنی ذات کے لیے خاص ہوگی، بایں طور کہ کہے اھدنی و عافنی تاآخر (یعنی مجھے ہدایت فرما اور میرے گناہ معاف فرما) البتہ جملہ تبارکت ربنا میں ربنا کو بصیغہ جمع کہنا چاہیے اور اس میں ربی نہیں کہنا چاہیے۔ لیکن امام جمع کے صیغے استعمال کرے گا، یعنی اھدنا و عافنا تا آخر (یعنی ہماری ہدایت فرما اور ہمارے قصور معاف فرما)۔

امام کے لیے سنت یہ ہے کہ دعائے قنوت اونچی آواز سے پڑھے، اگرچہ نماز قضا ہو۔ منفرد کے لیے سنت یہ ہے کہ آہستہ پڑھے اگرچہ ادا نماز ہو۔ مقتدی کو چاہیے کہ امام کی دعاؤں پر آمین کہتا جائے۔ اگر کچھ دعائے قنوت رہ جائے تو اس کے لیے سجدہ سہو کرنا چاہیے۔ اگر وتر کا وقت نکل جائے تو اس کی قضا سنت ہے۔ یہی حکم ہر وقت کی مقررہ نوافل کا ہے۔

واضح ہو کہ جب سخت وقت آ جائے تو تمام اوقات کی نمازوں میں دعائے قنوت پڑھتا جائے اور ایسے وقت میں امام ہو یا منفرد دونوں کو اونچی آواز سے قنوت پڑھنا چاہیے اگرچہ وہ نماز غیر جہری ہو۔ مقتدی کو چاہیے کہ امام کی دعا پر وہ آمین کہے۔ اگر مقتدی سے کچھ رہ جائے تو اس پر سجدہ نہیں ہے۔

Marfat.com

مالکیہ کہتے ہیں کہ وتر سنت مؤکدہ ہے بلکہ وہ طواف اور عمرہ کی دو رکعتوں کے بعد سب سے زیادہ ضروری سنت ہے۔ یعنی تمام سنتوں میں سب سے زیادہ ضروری سنت طواف واجب کی دو رکعتیں ہیں؛ اس کے بعد طواف غیر واجب کی دو رکعتیں، اس کے بعد عمرہ کی سنتیں، پھر وتر کی ایک رکعت ہے اور اس کا جفت نماز (دوگانہ) سے ملانا مکروہ ہے۔ مستحب یہ ہے کہ وتر میں فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھی جائیں اور دونوں رکعتوں میں اونچی آواز سے پڑھنے کی تاکید ہے۔ پس اگر ایک رکعت زیادہ کی جائے تو نماز باطل نہ ہوگی، اگر دو رکعتیں زیادہ کی جائیں تو نماز باطل ہو جائے گی۔

وتر کے دو اوقات ہیں: وقت اختیاری اور وقت ضروری۔ وقت اختیاری نماز عشا کے صحیح وقت کے بعد ہے جو سرخی شفق کے غائب ہونے کے بعد ہوتا ہے، لہٰذا اگر عشا کے بعد وتر کی نماز پڑھی پھر معلوم ہوا کہ نماز عشا فاسد ہو گئی تھی تو اب دوسری بار عشا کی نماز پڑھنے کے بعد وتر پڑھی جائے۔

اگر نماز عشا کو مغرب کے بعد ہی بطور جمع تقدیم کے پڑھا اور ایسا بارش کے سبب ہوتا ہے، جیسا کہ آگے بیان ہوگا، تو وتر پڑھنے میں اتنی تاخیر کی جائے کہ شفق غائب ہو جائے۔ وتر کی نماز اس سے پہلے درست نہ ہوگی۔

وتر کا اختیاری وقت صبح صادق کے ہو جانے سے پہلے تک ہے، لہٰذا اگر نماز فجر پڑھنے میں یاد آیا کہ وتر نہیں پڑھی گئی تو مستحب یہ ہے کہ نماز کو توڑ کر وتر پڑھ لی جائے، خواہ کوئی امام ہو یا منفرد۔ امام اپنا خلیفہ بنا سکتا ہے؛ درآنحالیکہ وقت کے نکل جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ لیکن مقتدی کو نماز توڑ دینا اور اس میں تاخیر کر دینا جائز ہے۔ اگر فجر کی نماز وتر کے لیے توڑی گئی ہو تو پہلے دوگانہ پڑھے پھر وتر پڑھے اور فجر کی دو رکعت سنتوں کا اعادہ کیا جائے تاکہ وہ دونوں نماز فجر سے متصل ہو جائیں۔

وتر کے پڑھنے میں بلا کسی عذر کے اتنی تاخیر کرنا کہ وقت ضروری آ جائے مکروہ ہے۔ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد وتر کی قضا نہیں ہے، کیونکہ زائد از فرض نمازوں کی قضا نہیں ہوتی، بجز فجر کی دو رکعتوں کے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

واضح ہو کہ نماز وتر میں قنوت نہیں ہے۔ قنوت صرف فجر کی نماز میں مستحب ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا اور مستحب یہ ہے کہ وہ رکوع سے پہلے ہو۔ اگر قنوت یاد نہ رہی اور رکوع کر لیا تو اب قنوت کے لیے رجوع (الی القیام) نہ کرنا چاہیے بلکہ رکوع کے بعد قنوت پڑھی جائے۔ ایسا کرنے سے دعائے قنوت کا استحباب تو حاصل ہو جائے گا لیکن رکوع سے پہلے پڑھنا جو (بجائے خود امر) مستحب تھا وہ فوت ہو جائے گا۔ غرض دونوں باتیں جداگانہ طور پر (یعنی دعائے قنوت کا پڑھنا اور رکوع سے پہلے پڑھنا) مستقل مستحبات ہیں۔ لہٰذا اگر رکوع سے (قیام کی طرف) رجوع کیا گیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ وتر کی نماز کا کھڑے ہونے پر قادر ہونے کے باوجود بیٹھ کر پڑھنا بقول معتمد جائز مگر مکروہ ہے۔ لیکن بیٹھ کر پڑھنے پر قادر ہوتے ہوئے کروٹ سے لیٹ کر پڑھنا جائز نہیں ہے۔ جانور پر سواری کی حالت میں رکوع و سجود کے ساتھ وتر کا پڑھنا مطلقاً جائز ہے۔ ایسے مسافر کے لیے جسے قصر نماز پڑھنے کا حکم ہے، اشارہ سے وتر پڑھنا جائز ہے اور چاہیے کہ نماز پڑھنے والا سفر کی سمت رخ رکھے اور وہ تمام باتیں ملحوظ رہیں جن کا ذکر جانور پر سواری کی حالت میں نماز پڑھنے کے سلسلہ میں آگے کیا جائے گا۔ وتر سے پہلے جفت نماز کا پڑھنا وتر کے کامل ہونے کی شرط ہے، لہٰذا وتر بغیر اس کے کہ اس سے پہلے دوگانہ شامل کیا جائے مکروہ ہے۔ اس شخص کے لیے جسے آخر شب میں بیدار ہو جانے کی عادت ہے مستحب یہ ہے کہ وتر میں پچھلی شب تک تاخیر کی جائے

Marfat.com

نماز تراویح کا بیان

تراویح کی شرعی حیثیت اور اس کا وقت

نماز تراویح تین اماموں کے نزدیک سنت عین موکدہ ہے۔ مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

تراویح کا جماعت سے پڑھنا ہر شخص کے لیے سنت عین ہے۔ پس اگر کچھ اصحاب نے مل کر تراویح (جماعت سے) پڑھ لی تو باقی اشخاص کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگی۔ پس اگر کوئی شخص اپنے گھر میں نماز تراویح پڑھنا چاہے تو سنت یہ ہے کہ گھر کے لوگوں کے ساتھ جماعت سے پڑھے۔ اگر تنہا پڑھی گئی تو سنت جماعت ادا کرنے کا ثواب جاتا رہے گا۔ اس مسئلہ میں شافعیہ اور حنابلہ متفق ہیں؛ مالکیہ اور حنفیہ کا

تا کہ رات کی نماز اسی پر ختم ہو، تا کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد پر عمل ہو سکے: ''اجعلوا آخر صلواتکم من اللیل وترا'' (یعنی اپنے وتر کو رات کی آخری نماز بنالو)۔ اگر عشاء کی نماز کے بعد ہی وتر پڑھ لیا اور پھر پچھلی شب کو بیدار ہو کر نفل پڑھی تو اب سابق میں پڑھی ہوئی نماز کا دہرانا مکروہ ہے، کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ''لا وتران فی لیلۃ'' (یعنی ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں) اس حکم کے ساتھ یہ حدیث پیش نظر رہے کہ ''اجعلوا آخر صلواتکم من اللیل وترا''۔ ممنوع اور مباح میں تعارض ہو تو امر ممنوع کو مقدم رکھا جائے گا (مطلب یہ ہے کہ پہلی حدیث سے دو وتروں کی ممانعت ہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ وتر سب نمازوں سے اخیر میں پڑھنا چاہیے، اس سے مترشح ہوتا ہے کہ دوسری بار وتر کا پڑھنا مباح ہو لیکن قاعدہ یہ ہے کہ ممنوع اور مباح میں سے امر ممنوع پر عمل کیا جائے)، اگر کوئی شخص نیند سے اس وقت بیدار ہوا کہ ہنوز سورج کے طلوع ہونے میں اتنا وقفہ باقی ہے کہ طہارت کے بعد صرف دو رکعتیں پڑھی جاسکتی ہیں تو وتر کو ترک کر دیا جائے اور نماز فجر پڑھ لی جائے اور صبح کی دونوں رکعتوں میں تاخیر کر دی جائے اور ان کی قضا زوال کے وقت تک پڑھ لی جائے جب کہ نفل پڑھنا حلال ہوتا ہے۔ اگر بیدار ہونے کے بعد طلوع شمس میں اتنا وقت باقی ہے جس میں تین رکعتیں پڑھی جاسکیں تو (وتر کی ایک رکعت) اور فجر کی نماز پڑھ لی جائے اور دوگانہ چھوڑ دیا جائے اور فجر کے بعد کی سنتوں میں تاخیر کر دی جائے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اگر اتنا وقت باقی ہے کہ پانچ رکعتیں پڑھی جاسکیں تو وتر کے ساتھ کا دوگانہ اور وتر اور نماز فجر پڑھی جائے اور فجر کی سنتیں بعد میں پڑھی جائیں۔ اگر وقت میں سات رکعت کی گنجائش ہے تو تمام نمازیں (وتر کی تین رکعتیں، سنت فجر اور فریضۂ فجر) پڑھی جائیں۔ اور ماہ رمضان کے سوا دوگانہ وتر اور وتر میں جماعت نہیں ہے۔ رمضان میں دونوں کی جماعت مستحب ہے جیسے تراویح مستحب ہے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ نماز تراویح ہر مرد و زن کے لیے امر مستحب تاکیدی ہے۔

Marfat.com

مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

واضح ہو کہ تراویح کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا آنحضرت ﷺ کے عمل سے ثابت ہے۔ چنانچہ شیخان سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ماہ رمضان کی تین متفرق راتوں کے وسط میں، یعنی تیسری، پانچویں اور ستائیسویں شب کو گھر سے نکل کر مسجد میں نماز ادا فرمائی اور لوگوں نے بھی حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ اور آپ نے سب کے ساتھ آٹھ رکعتیں پڑھیں اور سب نے باقی نمازیں اپنے اپنے گھروں میں ادا کیں؛ چنانچہ ان کی آوازیں شہد کی مکھی کی سنسناہٹ کی طرح کانوں میں آرہی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز تراویح اور اس کا جماعت سے پڑھنا سنت قرار دیا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ آپ نے لوگوں کے ساتھ بیس رکعتیں نہیں پڑھیں، جیسا کہ عہد صحابہؓ سے لے کر آج تک اس پر عمل جاری ہے۔ اور حضور ﷺ اس کے بعد نماز کے لیے نہیں نکلے کہ مبادا یہ بھی ایک عمل فرض ہو جائے، جیسا کہ بعض روایات میں اس کی صراحت پائی جاتی ہے۔ یہیں سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ تراویح کی تعداد صرف ان آٹھ رکعتوں پر منحصر نہیں ہے جو حضور ﷺ نے لوگوں کے ساتھ ادا کیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ان اصحابؓ نے اپنے اپنے گھروں میں جا کر نماز تراویح کی تکمیل کی۔ اس کی تعداد کا بیس رکعت ہونا حضرت عمرؓ کے عمل سے واضح ہوتا ہے؛ چنانچہ بالآخر لوگوں کا اجماع اس تعداد پر ہو گیا۔ صحابہؓ نے اس کی موافقت کی اور ان کے بعد خلفائے راشدینؓ میں سے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ ادھر آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: "**علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین، عضوا علیها بالنواجذ**" بروایت ابوداؤد۔ (یعنی تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو اختیار کرو جو ہدایت یافتہ ہیں اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑ رکھو)۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے سیدنا حضرت عمرؓ کے اس عمل کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے، حضرت عمرؓ کا من مانا فعل نہیں ہے۔ انھوں نے کوئی بدعت نہیں کی اور جب تک کہ اس حکم کی اصل ان کے ہاتھ نہیں آئی انھوں نے اس پر عمل کرنے کا حکم نہیں دیا۔ یہ عہد نبوی ﷺ سے چلی آرہی ہے۔ البتہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے عہد میں اس پر زیادہ کیا گیا تھا اور اس کی چھتیس

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ تراویح کی جماعت امر مستحب ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ تراویح کی جماعت اہل محلہ کے لیے سنت کفایہ ہے؛ چنانچہ اگر کچھ لوگ جماعت کے ساتھ تراویح پڑھ لیں تو باقی اشخاص کے ذمہ سے جماعت ساقط ہو جائے گی۔

Marfat.com

رکعتیں کر دی گئی تھیں، اس زیادتی کا مقصد یہ تھا کہ اس کی فضیلت اہل مکہ (کی تراویح) کے برابر ہو جائے، کیونکہ وہاں ہر چار رکعت پڑھنے کے بعد کعبہ کا طواف کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ہر طواف کے عوض چار رکعتیں اور بڑھا دینا مناسب جانا۔ یہ واقعہ اس امر کی ایک دلیل ہے کہ عبادت مشروع پر کچھ زیادہ کر دینے کے لیے علماء کا اجتہاد درست ہے، کیونکہ اس امر میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ انسان کو یہ اختیار ہے کہ اوقات ممنوعہ کو چھوڑ کر رات دن میں جس قدر جی چاہے نفلی نماز پڑھ سکتا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ آیا مشروع نماز پر جو کچھ بڑھایا گیا اس کو تراویح سے تعبیر کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ سو اس بارے میں یہ رخ اختیار کیا جائے گا کہ ان (زائد رکعات) پر تراویح کا اطلاق محض لفظی طور پر (یعنی کہنے کے لیے) کیا جائے گا، تاہم بہتر یہی ہے کہ (لفظ تراویح) کا اطلاق صرف اس پر کیا جائے جس کو آنحضرت ﷺ اور ان کے اصحاب صاحب الرائے نے تراویح قرار دیا اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وتر کے علاوہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں۔ (۱)

تراویح کا وقت نماز عشاء پڑھنے کے بعد ہے، اگر چہ عشاء کی نماز بطور ''جمع تقدیم'' کے (مغرب کے ساتھ) اکٹھی پڑھ لی گئی ہو۔ (یہ عمل) ان اصحاب کے قول کے مطابق ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ واجب القصر سفر کی حالت میں خاص شرائط کے ماتحت، جن کا ذکر دو نمازوں کو تقدیماً اور تاخیراً جمع کرنے کے بیان میں آئے گا، دو نمازوں کا اکٹھا پڑھ لینا جائز ہے۔ مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

تراویح کا انتہائی وقت صبح کے نمودار ہونے تک ہے۔ اور اس کا پڑھنا وتر سے پہلے بھی اور وتر کے بعد بھی صحیح ہے۔ یہ مکروہ نہیں ہے۔ لیکن افضل یہی ہے کہ وتر سے پہلے پڑھی جائے۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے۔ مالکیہ کو اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وتر کے بعد تراویح پڑھنا مکروہ ہے۔ ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۳)

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ تراویح کی تعداد دوگانہ اور وتر کے علاوہ بیس رکعتیں ہیں۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر عشاء کو مغرب کے ساتھ بطور جمع تقدیم پڑھنا ہے تو تراویح کے پڑھنے میں اتنی دیر کی جائے کہ شفق غائب ہو جائے۔ اس سے پہلے پڑھ گئی تو وہ محض نفل ہو گی اور تروایح کا مطالبہ رہ جائے گا۔

۳۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ تروایح وتر سے پہلے اور عشاء کے بعد پڑھی جائے، وتر کے بعد اس کا پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ''اجعلوا آخر صلاتکم من الليل وترا۔''

Marfat.com

اگر وتر کا وقت صبح نمودار ہونے پر جاتا رہے تو اس کی قضا نہیں ہے؛ نہ تو خالی وتر کی قضا پڑھی جائے اور نہ عشاء کے ساتھ۔ اس پر تین امام متفق ہیں؛ شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

نماز تراویح کے مستحبات

مستحب یہ ہے کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جائے۔ اگر تمام تراویح ایک ہی سلام سے پڑھی گئی اور ہر دو رکعت پر بیٹھا گیا تو شافعیہ کے سوا سب کے نزدیک نماز درست، لیکن مکروہ ہوگی۔ شافعیہ کا مسلک دوسرے ائمہ کے مسالک کے ساتھ ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو (۲)۔ لیکن اگر ہر دو رکعتوں پر قعود نہ کیا تو اس بارے میں مسالک مختلف ہیں (۳) ان کی تفصیل ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ تراویح پڑھنے والے کے لیے مستحب یہ ہے کہ آرام لینے (ستانے) کے لیے جلسہ کیا کرے اور اس میں نماز نہ پڑھے۔ آرام کے لیے بیٹھنے (جلسہ استراحت) کے بارے میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۴)

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر وتر کا وقت نکل جائے تو اس کی قضا بلا شرط پڑھی جائے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر چار رکعتیں ایک تسلیمہ سے پڑھی جائیں تو وہ دو رکعتوں کی قائم مقام ہیں۔ اگر چار رکعتوں سے زیادہ ایک تسلیمہ سے پڑھی گئیں تو اس کے صحیح ہونے میں اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ دوگانہ ترویح کے قائم مقام ہوگی اور یہ بھی کہ وہ نماز فاسد ہو جائے گی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ (اس طرح پڑھنا) صحیح ہے، لیکن مکروہ ہے۔ اور ان کو بیس رکعت شمار کیا جائے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ (اس طرح پڑھنا) صحیح ہے اور بیس رکعتیں شمار میں آجائیں گی۔ البتہ ہر دو رکعت کے بعد تشہد اور سلام کی جو سنت تھی وہ ترک ہو جائے گی، اور یہ امر مکروہ ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ (اس طرح پڑھنا) درست نہیں ہے، بجز اس صورت کے کہ ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرا جائے۔ اگر ایک ہی تسلیمہ سے پڑھی گئی تو درست نہ ہوگا، خواہ ہر دو رکعت پر قعود کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ غرض ان کے نزدیک ضروری ہے کہ دو دو رکعتیں پڑھی جائیں اور ہر رکعت کے خاتمے پر سلام پھیرا جائے۔

۳۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس طرح بیٹھنا مستحب ہے اور بقدر چار رکعتوں کے ہوگا۔ نماز پڑھنے والے کو چاہیے کہ اس جلسے میں کوئی وظیفہ یا کلمۂ طیبہ پڑھتا رہے یا خاموش بیٹھا رہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر حالت قیام طویل ہوئی ہو تو مستحب یہ ہے کہ آرام لینے کے لیے صحابہؓ کی پیروی میں بیٹھے ورنہ نہ بیٹھے۔

۴۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ جلوس (جلسۂ استراحت) مستحب ہے، لیکن اس کا ترک کرنا مکروہ نہیں ہے، لیکن اس کے اندر دعا مانگنا خلاف اولیٰ ہے۔

Marfat.com

یہ جلسہ استراحت ہر چار رکعت کے بعد ہونا چاہیے، جیسا کہ صحابہ رضوان ؓ کیا کرتے تھے۔ تراویح کی وجہ تسمیہ یہی ہے۔

نماز تراویح میں پورے قرآن شریف کا پڑھنا اور اس کی نیت وغیرہ کے مسائل

نماز تراویح میں پورے قرآن شریف کا پڑھنا سنت ہے، بایں طور کہ اس کو ماہ رمضان کی آخری شب میں ختم کیا جائے، بشرطیکہ مقتدیوں کو اس سے ضرر نہ ہو۔ افضل یہی ہے کہ ان کے حالات کو ملحوظ رکھا جائے اور شرط یہ ہے کہ (پڑھنے میں) اتنی جلدی نہ کی جائے جس سے نماز میں خلل واقع ہو۔ اس مسئلے میں مالکیہ کے سوا تمام ائمہ کو اتفاق ہے، مالکیہ کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔(۱)

واضح ہو کہ تراویح کی ہر دو رکعتیں مستقل نماز کی حیثیت رکھتی ہیں، لہٰذا ہر دو رکعت کے آغاز میں نیت کرنا اور تکبیر تحریمہ کے بعد قرأت سے پہلے دعائے افتتاح پڑھنا چاہیے۔ یہ حکم ان کے نزدیک ہے جو اس طرح (دعا کے) قائل ہیں: جو اس کے قائل نہیں ہیں، یعنی مالکیہ، ان کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔(۲)

تشہد کے ساتھ نبی ﷺ پر درود کا اضافہ کیا جانا چاہیے، نیز بہتر یہ ہے کہ اگر طاقت ہو تو تراویح کھڑے ہو کر پڑھی جائے۔ تاہم اگر بیٹھ کر پڑھی گئی تو صحیح ہے، لیکن بہتر نہیں ہے۔ امام کے رکوع کرنے کے بعد مقتدی کا کھڑے رہ کر تاخیر (رکوع) کرنا مکروہ ہے، کیونکہ اس سے نماز میں کسلمندی کا اظہار ہوتا ہے۔

تراویح کی نماز کا مسجد میں ادا کیا جانا افضل ہے، کیونکہ ہر وہ نماز جس میں جماعت مشروع

شافعیہ کہتے ہیں کہ جلوس اسلاف کی پیروی کے نقطۂ نظر سے مستحب ہے، اور اس کے دوران کسی دعا کا پڑھنا حدیث میں نہیں آیا۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ امام کے لیے مستحب یہ ہے کہ ماہ رمضان میں تراویح کے اندر پورا قرآن ختم کیا جائے۔ اس کا ترک کرنا خلاف اولیٰ ہے، سوا اس صورت کے جب کہ قرآن حفظ نہ ہو، یا حافظ قرآن دستیاب نہ ہو، یا حافظ مل جائے لیکن امامت کے لیے وہ موزوں نہ ہو۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے بعد اور قرأت سے پہلے دعا (افتتاح صلوٰۃ کی) مکروہ ہے۔ مالکیہ کے علاوہ دوسرے ائمہ اس کو دعائے افتتاح کہتے ہیں۔ اس کا بیان کئی بار ہو چکا ہے۔ دعائے افتتاح "سبحانک اللّٰھم و بحمدک "الخ ہے "یا وجھت وجھی الخ"۔

Marfat.com

ہے اس کا مسجد ہی میں ادا کیا جانا افضل ہے۔ اس پر تین امام متفق ہیں۔ مالکیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

عیدین کی نماز کا بیان

نمازِ عیدین کے مسائل کا تعلق چند امور سے ہے:

۱۔ اس کا حکم اور وقت۔

۲۔ اس کے مشروع ہونے کی دلیل۔

۳۔ اس کا طریقہ۔

۴۔ اس کی جماعت اور فوت ہو جائے تو اس کی قضا کے متعلقہ مسائل۔

۵۔ خطبہ عیدین کے متعلقہ مسائل اور اس کے ارکان وشروط۔

۶۔ عیدین کی اذان اور اقامت کے مسائل۔

۷۔ عیدین کی سنتیں اور اس کے مستحبات۔

۸۔ عید کی رات میں 'شب بیداری'۔

۹۔ عیدگاہ کے مسائل۔

۱۰۔ تکبیر تشریق۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ تراویح کی نماز گھر کے اندر مستحب ہے، اگرچہ وہ جماعت سے پڑھی جائے کیونکہ گھر میں پڑھنا ریا سے دور ہے، لیکن (گھر میں پڑھنے کی) مندرجہ ذیل شرطیں ہیں:

گھر میں پڑھنے سے سرور حاصل ہو۔

اور یہ کہ حرم مکہ یا حرم مدینہ نہ ہو اور وہ باہر کسی جگہ کا رہنے والا ہو، نہ کہ ہو مدنی ہو۔

اور یہ کہ اس کے گھر میں پڑھنے سے مسجد غیر آباد نہ ہو جائے۔

اور یہ کہ وہ ایسا نہ ہو کہ سرے سے مسجد میں نماز ہی نہ پڑھتا ہو۔ اگر ان شرطوں میں سے ایک بھی پوری نہ ہو، تو (گھر میں نہیں) مسجد ہی میں نماز (تراویح) پڑھی جائے۔

Marfat.com

عیدین کی نمازوں کا حکم اوران کے اوقات

عیدین اوراس کے متعلقہ حکم کے بارے میں مسالک مختلفہ کی تفصیل ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔(۱)

نمازعیدین کے شرعی حکم ہونے کی دلیل

عید کی نماز پہلے سال ہجری میں مشروع ہوئی، جیسا کہ ابوداؤد نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ ''**قدم رسول اللہ ﷺ المدینة ولهم یومان یلعبون فیهما، فقال ما هذان الیومان؟ قالوا: کنا نلعب فیهما فی الجاهلیة، فقال رسول اللہ ﷺ: ان اللہ قد**

ا۔شافعیہ کہتے ہیں کہ (عیدین کی نماز) ہراس شخص کے لیے جسے نماز کا حکم ہے،سنت عین مؤکدہ ہےاوراس کی جماعت حج کرنے والوں کے علاوہ سب کے لیے سنت ہے،حاجیوں کے لیے جداجدا پڑھنا سنت ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ سنت عین مؤکدہ ہے۔ضروری ہونے کے لحاظ سے وتر کے بعد اس کا درجہ ہے۔ ہر وہ شخص جس پر جمعہ لازم ہے، بشرطیکہ امام کے ساتھ جماعت سے ادا ہو (نماز عیدین) کے حکم کا مخاطب ہے۔اگرکوئی شخص امام کے ساتھ نماز پڑھنے سے رہ جائے تو مستحب یہ ہے کہ اس کو آہستہ قرأت سے پڑھ لے، جیسے وہ لوگ پڑھتے ہیں جن پر نماز عید لازم نہیں ہے، مثلاً غلام اور بچے۔حج کرنے والے نماز عید سے مستثنیٰ ہیں۔لہٰذا نماز عید کے حکم میں وہ لوگ مخاطب نہیں ہیں، کیونکہ مشعر حرام میں ان کا ٹھہرنا نماز عید کے قائم مقام ہے۔ہاں منیٰ میں رہنے والوں کے لیے جو حج میں نہیں ہیں، نماز عید مستحب ہے، لیکن وہ جماعت سے نہیں، بلکہ جدا جدا پڑھیں گے، تاکہ حج کرنے والے بھی ان کے ساتھ جماعت میں شریک نہ ہونے لگیں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ عیدین کی نماز ہراس شخص پر واجب ہے جس پر نماز جمعہ اپنی شرائط کے ساتھ واجب ہے۔ یہ شرائط وجوب ہوں یا شرائط صحت۔شرائط صحت میں سے (ایک تو) خطبہ مستثنیٰ ہے کہ یہ نماز جمعہ میں نماز سے پہلے اور عیدین میں نماز کے بعد ہوتا ہے۔شریک جماعت لوگوں کی تعداد میں بھی نماز عیدین مستثنیٰ ہیں کہ نماز عید کی جماعت تو ایک شخص کے شریک ہونے سے بھی ہو جاتی ہے، لیکن جمعہ کی جماعت میں ایسا نہیں ہے (یعنی اس میں کم از کم تین آدمی لازم ہیں)۔ نیز عید کی نماز میں جماعت واجب ہے اس کا ترک کرنا گناہ ہے۔ اگرچہ عید کی نماز ہو جاتی ہے، لیکن جمعہ کی یہ کیفیت نہیں ہے۔جمعہ کی نماز بغیر جماعت کے نہیں ہوسکتی۔

حنفیہ کے کہ نزدیک ''واجب'' کے جو معنی ہیں وہ واجبات صلوٰۃ وغیرہ کے بیان میں بتائے جاچکے ہیں، وہاں پر ملاحظہ ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ عید کی نماز ہراس شخص پر فرض کفایہ ہے جس پر جمعہ لازم ہے۔لہٰذا عید کی نماز بھی وہاں نہیں ہوتی

Marfat.com

ابـد نکما خیراً منهما یوم الا ضحیٰ و یوم الفطر ''(یعنی آنحضرت ﷺ جب مدینہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ وہاں کے لوگ دو دن کھیل تماشے میں گزارتے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ دن کیا ہیں؟ انھوں نے کہا کہ ہم جاہلیت کے ایام میں یعنی (قبل از اسلام سے) ان دو دنوں میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان ایام کے بدلے میں ان سے بہتر دو دن یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر عطا فرمائے ہیں)۔

نماز عیدین کا طریقہ

نماز عید (کے ادا کرنے کے) بارے میں مسالک مختلفہ کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

جہاں جمعہ نہیں ہوتا۔خطبہ کے حکم میں فرق ہے کہ یہ عیدین کی نماز میں سنت ہے، لیکن جمعہ کی نماز میں خطبہ شرط ہے (یعنی اس کے بغیر نماز جمعہ نہیں ہوسکتی)۔

عید کی نماز کبھی سنت کے درجے میں ہوتی ہے' یہ اس صورت میں ہے جب کہ کوئی شخص امام کے ساتھ نماز پڑھنے سے رہ گیا ہو۔ایسی صورت میں سنت یہ ہے کہ کسی وقت بھی اس کو اس طرح پڑھ لیا جائے جس طرح آگے بتایا جائے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ عید کی نماز کا وقت سورج کے نمودار ہونے سے شروع ہو جاتا ہے، اگر چہ بلند نہ ہوا ہو۔یہ وقت زوال تک رہتا ہے۔اس کی قضا بطریق متذکرہ آئندہ پڑھنا چاہیے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ نماز عید کا وقت اس وقت سے ہوتا ہے جب نفل پڑھنا جائز ہو جائے اور زوال کے وقت تک رہتا ہے۔اس کے بعد اس کی قضا نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ عیدین کی نماز کا وقت نفل نماز کے جائز ہو جانے کے وقت سے یعنی جب سورج طلوع ہو کر ایک نیزے کے برابر بلند ہو جائے، زوال سے کسی قدر پہلے تک رہتا ہے۔اگر اس روز عید نہ پڑھی جا سکے تو اگلے روز پڑھی جائے، اگر چہ اس کی قضا کرنی پہلے ہی روز ممکن ہو۔اور قضا جب پڑھی جائے اسی طرح پڑھی جائے اگر چہ عید کے ایام کسی معذوری سے یا بغیر معذوری کے نکل جائیں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز عید کا وقت نفل کے جائز ہونے کے وقت سے زوال آفتاب تک رہتا ہے۔اگر نماز پڑھتے میں زوال آفتاب ہو گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی، بشرطیکہ بمقدار تشہد قعود نہ کیا گیا ہو۔نماز فاسد ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ نماز نفل ہو جائے گی۔فوت ہو جانے کی صورت میں اس کے مسائل آگے آرہے ہیں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ عیدین کی نماز میں اتنی تاخیر کرنی چاہیے کہ سورج ایک نیزے کی مقدار بلند ہو جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ عیدین کی نماز میں اس کے ابتدائی وقت سے تاخیر کرنا سنت نہیں ہے۔

۱۔حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز عیدین ادا کرنے کے وقت دل سے نیت کرنا اور زبان سے کہنا چاہیے کہ میں عید کی نماز

Marfat.com

واسطے اللہ تعالیٰ کے پڑھنے کی نیت کرتا ہوں، اور مقتدی کو امام کی اتباع کی نیت بھی کرنا چاہیے۔ اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہہ کر دونوں ہاتھ ناف کے نیچے بطریق متذکرہ سابقہ باندھ لیے جائیں۔ اس کے بعد امام اور مقتدی ثنا پڑھیں، پھر امام زائد تکبیرات کہے اور مقتدی بھی اسی طرح کریں۔ یہ زائد تکبیریں تکبیر تحریمہ اور تکبیر رکوع کے علاوہ تین تکبیریں ہیں۔ ہر تکبیر کے بعد اتنا توقف کرنا چاہیے جتنے عرصہ میں تین تکبیریں کہی جاسکیں۔ اس اثناء میں کوئی ذکر (قولی عبادت) مسنون نہیں ہے، تاہم اگر یہ کہہ لے کہ "سبحان اللہ و الحمد للہ ولآ الہ الا اللہ واللہ اکبر" تو مضائقہ نہیں ہے۔ اور سنت یہ ہے کہ نماز عید پڑھنے والا مقتدی ہو یا امام ان تکبیروں میں رفع یدین کرے (یعنی ہاتھ کانوں تک اٹھائے) پھر امام "اعوذ باللہ" اور "بسم اللہ" آہستہ پڑھے، اس کے بعد سورۂ فاتحہ اور کوئی اور سورہ اونچی آواز سے پڑھے۔ اور مستحب یہ ہے کہ "سبح اسم ربک الا علٰی" کی سورہ ہو۔ اس کے بعد امام رکوع کرے اور مقتدی اس کی پیروی کریں اور پھر سجدہ کریں۔ پھر جب دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوں تو (آہستہ سے) بسم اللہ کہہ کر (دوسری رکعت) شروع کریں۔ اور فاتحہ کے ساتھ کوئی سورۂ پڑھی جائے۔ مستحب یہ ہے کہ وہ سورت ھل اتاک ہو۔ سورۃ پڑھنے کے بعد امام اور مقتدی زائد تکبیرات کہیں۔ یہ تکبیرات رکوع کی تکبیر کے علاوہ تین ہیں۔ ہر تکبیر میں رفع یدین کیا جائے۔ باقی نماز (حسب دستور) پوری کی جائے۔

عیدین کی نماز کا اس طرح پڑھنا تین تکبیروں سے زیادہ کہنے کی بہ نسبت بہتر ہے۔ اسی طرح دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے تکبیرات زائدہ کے کہنے کی بہ نسبت یہی طریقہ افضل ہے۔ تاہم اگر دوسری رکعت میں زائد تکبیرات کو قرأت سے پہلے کہہ لیا گیا تو جائز ہے۔ نیز اگر امام تین تکبیروں سے زیادہ تکبیریں کہے تو اس کی پیروی کی جائے۔ اگر امام سولہ تکبیروں سے زیادہ کہے تو اس کی پیروی لازم نہیں ہے۔ جس صورت میں کہ مقتدی جماعت میں اس وقت شامل ہوا جب کہ امام تکبیرات (زائدہ) کہہ چکا ہے، لیکن ہنوز رکوع میں نہیں گیا تو چاہیے کہ پہلے تکبیرات زائدہ کہہ کر شامل جماعت ہو۔ اگر امام ایک رکعت پوری کر چکا ہے اور مقتدی امام کی نماز ختم ہونے کے بعد اپنی نماز پوی کرنے کے لیے کھڑا ہوا تو چاہیے کہ پہلے قرأت کرے اور پھر زائد تکبیرات کہہ کر رکوع میں جائے۔ اگر کسی نے امام کو حالت رکوع میں پایا تو تکبیر تحریمہ اور زائد تکبیرات کہے، بشرطیکہ یقین ہو کہ رکوع میں (امام کے ساتھ) شامل ہو سکے گا، ورنہ کھڑے ہو کر صرف تکبیر تحریمہ کہے اور رکوع میں چلا جائے اور رکوع کے اندر ہی بغیر ہاتھ اٹھائے وہ تکبیریں کہہ لے اور ان تکبیرات کو ادا کرنے کے لیے امام کے نماز سے فارغ ہونے کا انتظار نہ کرے، کیونکہ (قاعدہ یہ ہے کہ) اگر ذکر (قولی عبادت) فوت ہو جائے تو امام کے نماز ختم کرنے سے پہلے ہی اسے ادا کر لینا چاہیے۔ اگر امام رکوع سے اٹھ جائے اور مقتدی مسبوق نے اپنی تکبیرات پوری نہ کہی ہوں تو باقی تکبیرات ساقط ہو جائیں گی، کیونکہ اگر اس کو پورا کرنے میں لگا تو امام کے ساتھ رکوع سے اٹھنے میں جو متابعت واجب ہے وہ جاتی رہے گی۔ اگر کوئی شخص امام کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد جماعت میں شامل ہوا تو تکبیرات زائدنہ پڑھے بلکہ امام کی نماز ختم ہونے پر فوت شدہ رکعت کو مع تکبیرات زائدہ کے ادا کرے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ دوسری نوافل کی طرح نماز عید کی بھی دو رکعتیں ہیں، البتہ رکعت اولیٰ میں تکبیر تحریمہ اور دعائے

Marfat.com

افتتاح کے بعد اور تعوذ وقرأت سے پہلے سات مزید تکبیریں کہی جائیں گی اور ہر تکبیر میں دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھائے جائیں۔ سنت یہ ہے کہ ہر دو تکبیروں کے درمیان اس قدر توقف کیا جائے جتنے میں ایک اوسط درجہ کی آیت پڑھی جائے۔ مستحب یہ ہے کہ توقف کے دوران آہستہ سے یوں کہے: ''سبحان اللّٰہ والحمد للہ ولآ الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر'' اور سنت یہ ہے کہ ہر دو تکبیرات کے دوران اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر سینے کے نیچے رکھے۔ دوسری رکعت میں تکبیر قیام کے بعد پانچ تکبیریں کہی جائیں اور ہر دو تکبیروں کے درمیان فاصلہ رکھا جائے اور اس فاصلہ کے دوران دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر رکھا جائے، جیسا کہ پہلی رکعت میں۔ یہ زائد تکبیرات سنت ہیں اور ان کو 'ہیئت' کہا جاتا ہے۔ اگر ان میں سے کچھ رہ جائے تو اس کے لیے سجدہ سہو نہیں ہے، اگرچہ اس کا ترک کرنا مکروہ ہے۔ اگر تکبیروں کی تعداد میں شک پڑ جائے تو کم تعداد پر بنا رکھنی چاہیے۔ ان تکبیرات کا اعوذ باللہ سے پہلے کہنا مستحب ہے اور قرأت سے پہلے ان کی تعداد کا پورا ہونا شرط ہے۔ اگر بھول کر قرأت شروع کر دی گئی تو اب تکبیر نہ کہی جائے، کیونکہ اس کا موقع نکل گیا ہے۔ ان تمام مسائل میں امام اور مقتدی کے لیے یکساں حکم ہے، سوا اس کے کہ مقتدی اگر دوسری رکعت میں امام کے ساتھ شامل ہوا تو وہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ امام کے ساتھ پانچ تکبیروں میں شامل ہوگا۔ اگر امام اس سے زیادہ تکبیریں کہے تو اس کی متابعت نہ کی جائے۔ پھر جب امام کے سلام پھیرنے کے بعد فوت شدہ رکعت کو پورا کرنے کے لیے قیام کرے تو تکبیر قیام کے علاوہ پانچ مزید تکبیریں کہے۔ اگر امام تکبیر زائد کو ترک کر دے تو مقتدی بھی اس کے ترک کرنے میں امام کی پیروی کرے۔ (اگر ایسا نہ کیا) بلکہ تکبیر کہی اور تین بار پے در پے تکبیروں میں ہاتھ اٹھائے تو نماز باطل ہو جائے گی، کیونکہ یہ فعل کثیر کی تعریف میں آ جاتا ہے جس سے نماز جاتی رہتی ہے۔ (تین بار سے) کم ہو تو نماز باطل نہ ہوگی۔ اگر کوئی شخص ایسے امام کی پیروی کرے جو اس سے کم تکبیریں کہے تو اس کی متابعت کرنی چاہیے۔ عیدین کی نماز مقتدی کے سوا ہر ایک کو اونچی آواز سے قرأت کرنا چاہیے، لیکن تکبیرات کا اونچی آواز سے کہنا سب کے لیے سنت ہے۔ سنت یہ ہے کہ رکعت اولیٰ میں سورۂ فاتحہ کے بعد ''ق'' یا سورۂ اعلیٰ یا سورۂ الکافرون، پڑھی جائے اور دوسری رکعت میں القمر یا غاشیہ یا اخلاص پڑھی جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نماز عید کا ارادہ کرے تو دو رکعت فرض کفایہ کی نیت کرے اور اس کے بعد دعائے استفتاح پڑھے جو امر مستحب ہے۔ پھر چھ تکبیریں مستحب کہے اور ہر تکبیر میں رفع یدین کرے، خواہ امام ہو یا مقتدی ہو۔ اور مستحب یہ ہے کہ ہر دو تکبیروں کے درمیان آہستہ آواز سے کہے: ''اللّٰہ اکبر کبیراً والحمدللہ کثیراً و سبحان اللّٰہ بکرۃ واصیلا وصلی اللّٰہ علی النبی و آلہ وسلم تسلیماً'' (یعنی اللہ کبریائی میں سب سے بڑا ہے اور اللہ بہت زیادہ تعریف کا مستحق ہے اور صبح وشام اس کی پاکی بیان کی جاتی ہے۔ اور اللہ کی رحمت کاملہ نازل ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل پر اور ان پر سلام وسلامتی ہو)۔ اور اسی پر موقوف نہیں ہے، بلکہ اختیار ہے کہ اور کوئی ذکر اذکار جو دل چاہے کیا جائے، کیونکہ مستحب جو ہے وہ صرف ذکر (قولی عبادت) ہے (خواہ کوئی سا بھی ہو)۔ اور تکبیر زائد مذکورہ میں سے آخری تکبیر کے بعد کوئی ذکر اذکار نہیں کرنا چاہیے۔ آخری تکبیر کے بعد صرف اعوذ باللہ کہے اور پھر بسم اللّٰہ کہہ کر سورۃ فاتحہ اور سورہ سبح اسم ربک الا علیٰ پڑھی جائے، پھر رکوع کیا جائے اور رکعت کی تکمیل کی جائے۔ پھر دوسری

Marfat.com

رکعت میں کھڑے ہو کر تکبیر قیام کے علاوہ پانچ زائد تکبیریں کہی جائیں اور ہر دو تکبیروں کے درمیان وہی ذکر دہرایا جائے جس کا بیان پہلے کیا گیا۔ان تکبیرات کی آخری تکبیر کے بعد بھی کوئی ذکر مشروع نہیں ہے بلکہ اس کے بعد مستحب یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر سورۂ فاتحہ اور سورۂ غاشیہ پڑھی جائے اور رکوع کر کے نماز کو پورا کیا جائے۔اگر کوئی مقتدی جماعت میں اس وقت شامل ہو جب کہ امام تمام تکبیرات زائدہ یا کچھ تکبیریں کہہ چکا ہو تو اب وہ (مقتدی) ترک شدہ تکبیروں کو نہ کہے، کیونکہ وہ تکبیرات سنت ہیں اور ان کا موقع نکل گیا ہے۔اگر نماز پڑھنے والا زائد تکبیرات کل یا ان میں سے کچھ بھول گیا اور قرأت کرنے کے بعد یاد آئی تو اب وہ تکبیریں نہ کہنی چاہئیں کیونکہ اس کا موقع نکل گیا ہے۔جیسے کوئی شخص دعائے افتتاح یا تعوذ بھول جائے اور فاتحہ پڑھ لے (اور اس کے بعد یاد آئے تو) اس کو نہیں دہرایا جائے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ عید کی نماز دو رکعت نفل نماز کی مانند ہے، بجز اس کے کہ اس میں تکبیر تحریمہ کے بعد اور قرأت سے پہلے چھ تکبیریں زیادہ ہیں۔اسی طرح دوسری رکعت میں بھی تکبیر قیام کے بعد اور قرأت (ثانیہ) سے پہلے پانچ تکبیرات زیادہ ہیں۔ان تکبیرات کا قرأت سے پہلے کہنا مستحب ہے۔یہ تکبیریں اگر قرأت کے بعد کہی گئیں تو درست ہوگا لیکن امر مستحب کے خلاف ہے۔اگر کسی نے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھی جو مذکورہ تعداد سے زیادہ یا اس سے کم تکبیریں کہے یا یہ تکبیرات قرأت کے بعد کہے تو ان امور میں سے کسی میں امام کی پیروی نہ کی جائے۔ان تکبیرات کا پے در پے (بلا توقف درمیانی) کہنا مستحب ہے۔البتہ امام کے لیے مستحب یہ ہے کہ ہر تکبیر کے بعد اتنی دیر توقف کرے کہ مقتدی بھی تکبیر کہہ لیں۔اس وقفہ میں اس کو ساکت رہنا چاہیے۔تسبیح وتہلیل وغیرہ مکروہ ہے۔ان تکبیرات زائدہ میں سے ہر تکبیر سنت مؤکدہ ہے، اگر ان میں سے کوئی تکبیر بھولے سے رہ جائے اور رکوع سے پہلے یاد آ جائے تو وہ تکبیر کہہ لینی چاہیے۔اگر وہ مقتدی نہیں ہے تو اس کو پھر سے قرأت کر لینا مستحب ہے۔سلام کے بعد یہ جو قرأت اولیٰ پر زیادتی ہوئی ہے اس کے لیے سجدہ سہو کر لینا چاہیے۔اگر (تکبیر فوت شدہ) رکوع میں جانے کے بعد یاد آئے تو اب اسے رکوع سے مڑنا نہ چاہیے اور نہ رکوع میں کہنا چاہیے۔اگر وہ تکبیر (یاد آنے پر) رکوع سے رجوع کر لیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔اور اگر رجوع نہیں کیا تو سلام سے پہلے تکبیر کم رہ جانے کے باعث سجدۂ سہو کر لے، اگرچہ صرف ایک ہی تکبیر رہ گئی ہو۔لیکن اگر مقتدی سے تکبیر رہ گئی تو سجدۂ سہو نہ کرے، کیونکہ یہ ذمہ داری امام (کی پیروی) کی طرف منتقل ہوگئی۔اگر مقتدی کو امام کی تکبیر سنائی نہ دے تو خود ہی ایک اندازہ لگا کر تکبیر کہہ لینا چاہیے۔اگر تکبیرات کے دوران امام کے ساتھ شامل جماعت ہوا تو باقی رہی ہوئی تکبیریں اس کے ساتھ کہنی چاہییں اور امام کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنی تکبیرات کو مکمل کر لے؛ لیکن فوت شدہ تکبیروں کو امام کے تکبیر کہنے کے دوران نہ کہے۔اگر کوئی جماعت میں اس وقت شریک ہوا جب کہ امام قرأت کر رہا تھا تو چاہیے کہ فوت شدہ تکبیریں کہہ کر شامل جماعت ہو، خواہ یہ صورت پہلی رکعت میں پیش آئے یا دوسری میں۔اگر پہلی رکعت میں (اس طرح) شامل ہوا تو چھ تکبیریں کہے، اگر دوسری رکعت میں شامل ہوا تو پانچ تکبیریں کہے پھر امام کے سلام پھیرنے کے بعد قضا شدہ رکعت کو پڑھتے وقت تکبیر قیام کے علاوہ چھ تکبیریں کہے۔لیکن اگر امام کے ساتھ ایک رکعت سے بھی کم میں شمولیت ہوئی تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد نماز کو پورا کرنے کے لیے کھڑا ہو اور رکعت اول میں قیام کی تکبیر کے علاوہ چھ تکبیریں

Marfat.com

نمازعیدین کی جماعت اوراس کی قضا کا بیان

عیدین کی نماز اگر امام کے ساتھ نہ پڑھی جاسکے تو اس کے قضا کرنے کے مسائل تفصیل طلب ہیں۔ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

عیدین کی سنتیں اور مستحبات

نمازعیدین میں کچھ سنتیں ہیں۔ ان کے منجملہ دو خطبے ہیں جن کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ خطبے مستحب ہیں۔ اور یہ کہ عیدین کے خطبوں میں جب خطیب تکبیر کہے تو سننے والوں کو اس کے ساتھ تکبیر کہنا مستحب ہے، بخلاف خطبہ جمعہ کے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک خطبہ سننے کے دوران کسی قسم کا کلام، خواہ وہ ذکر الٰہی ہو، حرام ہے۔ لیکن شافعیہ کہتے ہیں کہ خطبہ عیدین اور خطبہ جمعہ کے دوران کلام کرنا، خواہ وہ ذکر ہو، فعل مکروہ ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جمعہ اور عیدین کے خطبوں کے درمیان ذکر الٰہی بقول صحیح مکروہ نہیں ہے، اس کے علاوہ حرام ہے۔

عیدین کی شب میں جاگ کر عبادت، درود اور تلاوت قرآن کرتے رہنا مستحب ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''**من احیا لیلة الفطر و لیلة الا ضحیٰ محتسباً لم یمت قلبه یوم تموت القلوب**'' رواہ الطبرانی (یعنی جو شخص عیدین کی راتوں میں خلوص دل سے شب بیداری

کہے۔ ان زائد تکبیرات میں رفع یدین مکروہ ہے، البتہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین مستحب ہے، جیسا کہ دوسری نمازوں میں مستحب ہے۔ عیدین کی نماز میں اونچی آواز سے قرأت کرنا مستحب ہے۔ اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ رکعت اولیٰ میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ ''اعلیٰ'' وغیرہ پڑھے، اور دوسری رکعت میں سورۂ شمس وغیرہ پڑھی جائے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ عیدین کی نماز درست ہونے کے لیے نماز جمعہ کی طرح جماعت شرط ہے۔ اگر امام کے پیچھے نہ پڑھی جاسکی تو اب (شرعاً) اس کی قضا کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، نہ وقت کے اندر نہ اس کے بعد، اگر کوئی شخص اس کی قضا تنہا پڑھنی چاہے تو چار رکعتیں بغیر تکبیرات زوائد کے پڑھ لے۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورۂ الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں الضحیٰ تیسری میں انشراح اور چوتھی میں اُلتین، پڑھی جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جمعہ کی طرح اس کے صحیح ہونے کے لیے بھی جماعت شرط ہے، البتہ سنت یہ ہے کہ اگر امام کے ساتھ کوئی نہیں پڑھ سکا تو اسکی قضا اسی طرح جیسا کہ اس کا طریقہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ کسی وقت بھی پڑھ لے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نمازعیدین میں جماعت ان کے لیے سنت ہے جو حج کی حالت میں نہیں ہیں۔ جو شخص امام کے ساتھ عیدین کی نماز نہیں پڑھ سکا تو اس کے لیے سنت یہ ہے کہ جس طرح اس کے پڑھنے کا طریقہ ہے اسی طرح کسی وقت

Marfat.com

کرے اس کا دل اس روز مردہ نہ ہوگا جس روز سب کے دل مردہ ہوں گے)۔ واضح ہو کہ اگر عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لی جائے تو شب بیداری کا مفہوم اس پر منطبق ہو جائے گا۔ کہا جا سکتا ہے کہ اس حدیث میں جس اجر کا ذکر ہے وہ شب بیداری سے، جو ایک امر مستحب ہے مناسبت نہیں رکھتا، کیونکہ قیامت کے دن دل کا زندہ ہونا رضائے الٰہی کے حصول میں کامیاب ہو جانے کے مترادف ہے کہ اس کے بعد کوئی عتاب نہیں ہے۔ (یعنی ایک امر مستحب کے ادا کرنے سے نجات کلی حاصل ہو جائے گی) اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے انسان پر کچھ واجبات عائد کیے ہیں، جو شخص شریعت کے مطابق اس پر عمل پیرا ہو گا وہ رضائے الٰہی کا مستحق ہو جائے گا۔ اس سے تو کسی کو اختلاف نہیں ہے، نیز جو شخص ان (واجبات عاید کردۂ الٰہی) کو ترک کرے گا وہ اس کے عذاب کا مستوجب ہوگا۔ ان واجبات کے علاوہ بھی شریعت نے اعمال فاصلہ بجالانے والوں کو جزائے خیر حاصل کرنے کی رغبت دلائی ہے۔ جو شخص ان اعمال کو ترک کرتا ہے، اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ جو شخص مذہبی فرائض کے بجالانے میں کوتاہی کرتا ہے اسے کوئی ثواب حاصل نہ ہوگا۔ پس اگر مکلف اشخاص ماہ رمضان کا روزہ ترک کر دیں اور صاحب استطاعت حج بیت اللہ نہ کریں، یا صدقہ واجبہ ادا نہ کریں اور عیدین کی پوری رات میں شب بیداری کر لیں تو یہ عمل اس گناہ کا بدل نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر اس کی غرض توبہ کر کے گناہ کا قلع قمع کرنا ہو تو اس کا بڑا اثر ہوگا۔ یعنی یہ عمل گناہوں اور خطاؤں کو مٹا دینے والا ہے، کیونکہ توبہ سے گناہ دور ہو جاتے ہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔

نیز عیدین کے دن غسل کرنا مستحب ہے، جس کا طریقہ اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے۔ اس بارے میں تین اماموں کا اتفاق ہے لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ غسل سنت ہے۔

اسی طرح عیدین کے روز خوشبو لگانا اور اپنے تئیں آراستہ کرنا مستحب ہے۔ لیکن عورتیں اگر عید کے دن نماز عید کو جانا چاہیں تو ان کے لیے یہ امور مستحب نہیں ہیں، کیونکہ اس سے فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اگر انھیں جانا نہ ہو تو امور مذکورہ انھیں بھی مستحب ہیں جس طرح ان لوگوں کے لیے مستحب ہیں جو عید کی نماز کو نہ جائیں، کیونکہ خود کو آراستہ کرنا عید کے دن کے لیے مستحب ہوتا ہے، نماز عیدین کے لیے نہیں۔ اس پر

بھی قضا پڑھ لے۔ اسی طرح اگر نماز زوال کے بعد پڑھی گئی تو قضا ہوگی اور زوال سے پہلے پڑھی گئی تو ادا ہوئی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جماعت (نماز عیدین کے لیے) شرط ہے، کیونکہ جماعت سنت ہے، لہٰذا عیدین کی نماز سنت نہ ہوگی، جب تک کہ اس کے ساتھ جماعت کو شامل نہ کیا جائے۔ پس اگر کوئی شخص امام کے ساتھ با جماعت (جو مستحب ہے) نماز نہ پڑھ سکا تو زوال سے پہلے اسے پڑھ لے اور زوال کے بعد اس کی قضا نہ پڑھی جائے۔

Marfat.com

سب کا اتفاق ہے، البتہ حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ امور مستحب نہیں، بلکہ سنت ہیں۔ یہ بھی مستحب ہے کہ مرد اور عورتیں اپنے بہترین لباس زیب تن کریں، خواہ وہ نئے ہوں یا استعمال میں آ چکے ہوں۔ لباس کا رنگ سفید ہو یا سفید نہ ہو، اس پر بھی سب کا اتفاق ہے۔ لیکن مالکیہ کہتے ہیں کہ نیا لباس ہی پہننا مستحب ہے، اگرچہ اس سے بہتر دوسرا لباس موجود ہو۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نئے لباس کا پہننا نہ سنت ہے نہ مستحب ہے۔

عیدالفطر کے روز عیدگاہ کو جانے سے پہلے کچھ کھا لینا مستحب ہے۔ کھانے کی چیز کھجور اور طاق عدد میں ہونی چاہیے، یعنی تین یا پانچ۔ لیکن عیدالاضحیٰ (بقرۃ عید) کے روز نماز عید سے واپس آ کر کھانا مستحب ہے۔ مستحب یہ ہے کہ اگر قربانی کی ہے تو قربانی میں سے کچھ کھایا جائے، اگر قربانی نہیں کی ہے تو حنابلہ اور حنفیہ کے نزدیک اختیار ہے کہ نماز سے پہلے کھائے یا بعد میں کچھ کھائے۔ اس بارے میں شافعیہ اور مالکیہ کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۱)

مستحب یہ ہے کہ نماز فجر پڑھنے کے بعد ہی عیدگاہ کی جانب جانے کی جلدی کرے، خواہ سورج ابھی نہ نکلا ہو۔ یہ حکم اس کے لیے ہے جو امام نہ ہو۔ اس بارے میں تین اماموں کا اتفاق ہے۔ مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۲)

امام کے لیے مستحب یہ ہے کہ عیدگاہ جانے میں تاخیر کرے کہ وہاں پہنچتے ہی نماز کے لیے کھڑا ہو جائے اور مزید انتظار نہ کیا جائے۔

عید کے روز مستحب یہ ہے کہ ناخن ترشوا کر، بال وغیرہ بنا کر، اور میل کچیل دور کر کے اپنے تئیں آراستہ پیراستہ کرے۔ (۳)

عیدگاہ کی طرف پیدل چل کر جانا اور جاتے ہوئے اونچی آواز سے تکبیر کہنا مستحب ہے۔ یہ تکبیر نماز کے شروع ہونے تک جاری رہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے، البتہ حنفیہ کہتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ آہستہ تکبیر کہی جائے۔ (۴) اور مالکیہ کہتے ہیں کہ تکبیر امام کے آنے یا نماز کے لیے کھڑے ہو جانے تک جاری رکھنی چاہیے۔ دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں۔ اور امام کو چاہیے کہ (امامت کے لیے) محراب میں پہنچنے

۱۔ مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ بقرۃ عید کے روز کھانے میں تاخیر کرنا مطلقاً مستحب ہے، یعنی قربانی کی ہو یا نہ کی ہو۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی خود امام نہیں ہے تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ عیدگاہ قریب ہو تو سورج طلوع ہونے کے بعد ہی نماز کے لیے روانہ ہو جائے۔ ورنہ ایسے وقت جائے کہ امام کے ساتھ شریک جماعت ہو سکے۔

۳۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ امور ہر نماز کے لیے مستحب ہیں؛ عید کی نماز نہ ہو تب بھی۔

۴۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ محض تکبیر کہنے سے سنت ادا ہو جاتی ہے، خواہ آہستہ کہی جائے یا اونچی آواز سے، تاہم بقول

Marfat.com

تک تکبیر جاری رکھے۔

یہ بھی مستحب ہے کہ جس راستے سے عیدگاہ میں آنا ہوا ہے، واپسی دوسرے راستہ سے ہو۔

نیز مستحب ہے کہ کسی مسلمان سے ملنا ہو تو چہرے سے خوشی اور بشاشت کا اظہار کیا جائے۔ اور یہ کہ حسب مقدور صدقات نافلہ کی کثرت کی جائے اور جس پر زکواۃ فطر واجب ہے وہ نماز عید سے پہلے اور نماز فجر کے بعد ہی نکال دے۔

(عیدگاہ یا) جہاں نماز عید ادا کی جائے اس کے متعلقہ مسائل

چاہیے کہ عید کی نماز میدان میں ادا کی جائے۔ عید کی نماز کا بلا عذر مسجد میں ادا کرنا مکروہ ہے۔ اس کے متعلقہ مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو[1] اور مستحب یہ ہے کہ امام جب نماز عید کے لیے میدان کو نکلے تو اپنے پیچھے کوئی نائب مقرر کر جائے جو احکام سابقہ کے مطابق ایسے لوگوں کو جنہیں میدان میں جانا موجب تکلیف ہو (بستی ہی میں) نماز عید پڑھا دے۔ نماز تو دونوں جگہ ادا کی جا سکتی ہے۔[2]

معتمد افضل یہی ہے کہ آہستہ پڑھی جائے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ عید کی نماز کا میدان میں ادا کرنا مستحب ہے، سنت نہیں ہے، بغیر عذر کے اس کا مسجد میں ادا کرنا مکروہ ہے بجز مکہ معظمہ کے کہ وہاں پر مسجد الحرام میں ادا کرنا افضل ہے، کیونکہ اس مقام کو شرف حاصل ہے اور کعبہ پیش نظر ہوتا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ عید کی نماز کا میدان میں ادا کرنا سنت ہے، بشرطیکہ (عیدگاہ کا) میدان بالعموم آبادی سے قریب خیال کیا جائے۔ اگر اسے لوگ دور سمجھتے ہوں تو عید کی نماز سرے سے وہاں درست ہی نہیں ہے۔ مسجد میں عید کی نماز ادا کرنا مکروہ ہے لیکن ان کے لیے مکروہ نہیں جو مکہ معظمہ میں رہتے ہوں۔ ایسے لوگوں کو مسجد حرام ہی میں عید کی نماز ادا کرنی چاہیے، جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ عید کی نماز مسجد ہی میں پڑھنا افضل ہے، ہاں جگہ کی تنگی ہو تو ہجوم کے پیش نظر وہاں پڑھنا مکروہ ہوگا اور ایسی صورت ہی میں میدان میں جا کر نماز عید پڑھنا چاہیے۔

حنفیہ نے مکہ معظمہ کی مسجد کو ان مقامات سے مستثنیٰ نہیں کیا جہاں عید کی نماز مکروہ ہے، باقی امور میں وہ حنابلہ اور مالکیہ سے متفق ہیں۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ امام کا کسی کو نائب بنانا جو ضعیفوں کو نماز پڑھائے، مستحب نہیں ہے، بلکہ انھیں چاہیے کہ وہ لوگ خود پڑھیں، لیکن قرأت اونچی آواز سے نہ کریں، اور نہ خطبہ پڑھا جائے، بلکہ بغیر خطبہ کے نماز آہستہ سے پڑھی

Marfat.com

نمازِ عید کی مکروہات

نمازِ عید سے پہلے امام اور مقتدی کے لیے نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

ان کے علاوہ کچھ اور مستحبات اور مکروہات بھی مالکیہ، شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک ہیں۔ ان کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۲)

نمازِ عیدین کے لیے اذان اور اقامت کا غیر مشروع ہونا

نمازِ عید کے لیے نہ اذان دی جائے اور نہ اقامت کہی جائے البتہ مستحب یہ ہے کہ اس طرح اعلان کر دیا جائے کہ الصلوٰۃ جامعۃ یعنی نماز تیار ہے اس پر تین امام متفق ہیں؛ مالکیہ کو اختلاف ہے، وہ

جائے۔ چاہیے کہ جہاں تک بس چلے عیدین کی نماز جمعہ کی طرح ایک ہی جگہ اور امام کے پیچھے پڑھی جائے۔ اگر کسی نے امام سے پہلے ہی نماز پڑھ لی تو بظاہر سنت ادا نہ ہوئی، کیونکہ سنت امام کے ساتھ ہی نماز پڑھنے سے ادا ہو سکتی ہے۔ البتہ اگر امام کے ساتھ نماز رہ گئی تو بغیر امام کے پڑھ لینا مستحب ہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ نفل پڑھنا نمازِ عید سے پہلے اور اس کے بعد مکروہ ہے جب کہ نماز بطریق سنت میدان میں پڑھی گئی ہو۔ اگر مسجد میں نماز ادا کی گئی ہو جو خلاف سنت ہے، تو وہاں نفل پڑھنا مکروہ نہیں ہے نہ نماز سے پہلے اور نہ بعد میں۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جہاں نمازِ عید ادا کی گئی خواہ وہ جگہ مسجد ہو یا میدان، وہاں نفل پڑھنا مکروہ ہے؛ نماز سے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ امام کے لیے نماز سے پہلے یا بعد میں نفل پڑھنا مکروہ ہے، خواہ میدان ہو یا کوئی اور جگہ لیکن مقتدی کے لیے نماز سے پہلے نفل پڑھنا مطلقاً مکروہ نہیں ہے، اور بعد میں پڑھنا بھی اس کے لیے مکروہ نہیں ہے جو ثقل سماعت یا دور ہونے کے باعث خطبہ نہ سن سکتا ہو۔ اگر یہ صورت نہ ہو تو مکروہ ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ عید کی نماز سے پہلے نفل پڑھنا مکروہ ہے؛ عیدگاہ ہو یا کوئی اور جگہ، نماز کے بعد صرف عیدگاہ میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، گھر میں مکروہ نہیں ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ عید کے خطبوں میں (خطبہ سے) پہلے اور درمیان میں بیٹھنا مستحب ہے، لیکن خطبہ جمعہ میں یہ امر سنت ہے۔ اگر عیدین کے خطبہ کے دوران حدث لاحق ہو جائے تو خطبہ جاری رکھا جائے اور کسی کو نائب بنانا نہ چاہیے۔ بہ خلاف خطبہ جمعہ کے کہ اگر اس میں حدث لاحق ہو تو نائب بنانا چاہیے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جمعہ کے خطبوں کے لیے کھڑا ہونا، پاک ہونا، اور ستر ڈھکنا شرط ہے اور دونوں خطبوں کے

Marfat.com

کہتے ہیں کہ عیدین کے لیے الصلوٰۃ جامعۃ وغیرہ کے الفاظ سے اعلان کرنا مکروہ ہے یا خلاف اولیٰ ہے۔
بعض مالکیہ کہتے ہیں کہ اس طرح کا اعلان مکروہ نہیں ہے؛ بجز اس صورت کے جب کہ یہ خیال کیا جائے کہ یہ شرعی حکم ہے، اگر ایسا نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔

عیدین کے خطبوں کا بیان

عیدین کے خطبے بالاتفاق سنت ہیں، البتہ مالکیہ کہتے ہیں کہ وہ سنت نہیں بلکہ مستحب ہیں۔ لیکن یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک سنت اور مستحب میں فرق نہیں ہے، لہٰذا وہ بھی مالکیہ سے، جو کہتے ہیں کہ یہ خطبے مستحب ہیں، متفق ہو گئے، اور حنفیہ سے بھی جو کہتے ہیں کہ یہ سنت ہیں۔ معہذا عیدین کے خطبوں میں بھی جمعہ کے خطبوں کی طرح ارکان اور شرائط ہیں۔ اب ان کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

عیدین کے خطبوں کے ارکان

عیدین کے خطبوں کی حقیقت متعین نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے ارکان کا تحقق نہ ہو جائے۔
خطبہ عیدین کے ارکان بھی وہی ہیں جو جمعہ کے خطبوں کے ہیں، البتہ آغاز میں فرق ہے کہ عیدین کے خطبوں کا آغاز تکبیر سے کیا جانا سنت ہے۔ ان خطبوں کی مطلوبہ تعداد نماز عیدین کے طریقہ کے بیان میں بتائی جا چکی ہے، وہاں پر ملاحظہ ہو۔ جمعہ کا خطبہ حمد سے شروع ہوتا ہے۔ دونوں خطبوں کے ارکان جو مسالک مختلفہ میں معتبر ہیں، ذیلی حاشیہ میں بیان کیے گئے ہیں۔ (۱)

درمیان کسی قدر بیٹھنا بھی، بہ خلاف خطبہ عیدین کے کہ اس میں یہ امور شرط نہیں، مستحب ہیں۔
حنفیہ کہتے ہیں کہ خطبۂ اول شروع کرنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے، بلکہ چاہیے کہ منبر پر جانے کے بعد ہی خطبہ شروع کر دیا جائے اور بیٹھا نہ جائے، بہ خلاف خطبہ جمعہ کے کہ اس میں خطبہ اول سے پہلے کسی قدر بیٹھنا سنت ہے۔
۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ عیدین کے خطبے جمعہ کے خطبوں کی مانند ہیں۔ خطبوں میں صرف ایک رکن ہے یعنی ذکر الٰہی قلیل ہو یا کثیر اس میں شامل ہے۔ لہٰذا مذکورہ خطبہ کے تحقق کے لیے محض حمد یا تسبیح یا تہلیل کافی ہے۔ ہاں ان میں سے کسی ایک امر پر انحصار کر لینا مکروہ تنزیہی ہے۔
حنفیہ کے نزدیک دوسرا خطبہ شرائط خطبہ میں داخل نہیں ہے، بلکہ وہ سنت ہے، جیسا کہ جمعہ کے بیان میں آگے بتایا جا رہا ہے۔
مالکیہ کہتے ہیں کہ عیدین کے خطبے جمعہ کے خطبوں کی طرح ہیں۔ ان کا ایک ہی رکن ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ خطبے

Marfat.com

تحذیر وتبشیر (یعنی عذاب الٰہی سے خوف دلانے اور ثواب آخرت کی خوش خبری) پر مشتمل ہوں، جیسا کہ جمعہ کے بیان میں بتایا جائے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ عیدین کے خطبہ کے ارکان تین ہیں:

اول رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنا؛ اس میں لفظ ''صلوٰۃ'' کا استعمال ضروری ہے۔

دوم اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن) میں سے کسی آیت کا پڑھنا، ضروری ہے کہ وہ ایسی آیت ہو جو ایک مستقل مضمون رکھتی ہو یا وہ آیت احکام الٰہی میں سے کسی حکم پر مشتمل ہو، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا صرف یہ قول کہ **مدھا متان** کافی نہیں ہے۔

سوم یہ کہ اس میں تقویٰ (پرہیزگاری) کی ترغیب اور کم سے کم اتنا کہا جائے کہ **اتقوا اللّٰہ واحذروا مخالفة امرہ**'' (یعنی اللہ کے عذاب سے ڈرو اس کے احکام کے خلاف کرنے سے بچو) وغیرہ۔

خطبہ کے آغاز میں تکبیر کہنا سنت ہے، بہ خلاف خطبہ جمعہ کے کہ اس کا آغاز اللہ کی حمد سے ہونا ارکان خطبہ میں سے ہے، جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ خطبہ عیدین کے ارکان چار ہیں:

اول دونوں خطبوں میں نبی ﷺ پر درود بھیجنا۔ اس میں لفظ ''صلوٰۃ'' کا استعمال ضروری ہے، لہٰذا یوں کہنا کافی نہ ہوگا کہ **رحم اللہ سیدنا محمد** ﷺ۔ اور لفظ محمد ﷺ کا خاص طور پر تعین ضروری نہیں ہے، بلکہ حضور ﷺ کے اسماء پاک میں سے کسی نام کا لے لینا کافی ہے۔ ہاں ضمیر کا استعمال درست نہیں ہے، اگرچہ وہ اضمار قبل الذکر کے طور پر ہو۔

دوم یہ کہ دونوں خطبوں میں تقویٰ کی ترغیب ہو، اگرچہ لفظ تقویٰ کا استعمال نہ کیا گیا ہو: لہٰذا ''**اطیعوا اللّٰہ**'' (یعنی اللہ کی اطاعت کرو) جیسے الفاظ کافی ہیں۔ اس مقصد کے لیے یہ نصیحت کافی نہیں کہ دنیا سے اور دنیا پر بھولنے سے بچنا چاہیے، بلکہ ضروری ہے کہ خطیب طاعت الٰہی کی ترغیب لوگوں کو دے۔

سوم یہ کہ دونوں خطبوں میں سے کسی میں قرآن حکیم کی کوئی آیت پڑھی جائے، بہتر یہ ہے کہ خطبہ اولیٰ میں ہو۔ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اگر کوئی چھوٹی آیت ہے تو پوری ہونی چاہیے۔ لمبی آیت کا کچھ حصہ ہو تو وہ بھی کافی ہے، اور چاہیے کہ وہ آیت ثواب کے وعدے، عذاب کی خبر یا کسی حکم پر مشتمل ہو، یا اس میں کوئی واقعہ یا مثال یا کسی امر کی خبر ہو۔ لہٰذا محض اس قدر کہنے سے کہ **ثُمَّ نظر** خطبہ کا رکن ادا نہ ہوگا۔

چہارم یہ کہ دوسرے خطبہ میں مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے دعا مانگی جائے۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ اس میں امور آخرت سے متعلق مثلاً مغفرت کی دعا مانگی جائے۔ اگر ایسی دعا یاد نہ ہو تو کسی امر دنیوی کی دعا سب کے لیے مانگ لینا ہی کافی ہے، مثلاً یوں کہنا کہ ''**اللّٰھم ارزق المؤمنین و المؤمنات**'' (خدایا مسلمان مردوں اور عورتوں کو رزق عطا فرما) وغیرہ۔ چاہیے کہ خطیب کی نیت میں دعا کے اندر حاضرین اور وہ مسلمان جو موجود نہیں ہیں، سب شامل ہوں۔ اگر خطیب نے اپنی دعا میں (حاضرین کے علاوہ) دوسروں کے لیے نیت کی ہے تو خطبہ باطل ہو جائے گی۔

خطبہ عیدین کا آغاز اس تکبیر سے ہونا سنت ہے جس کا ذکر صلوٰۃ عیدین کے بیان میں کیا گیا ہے۔ بہ خلاف خطبہ

Marfat.com

خطبہ عیدین (کے صحیح ہونے) کی شرطیں

خطبہ عیدین کی شرائط جو مسالک مختلفہ کے نزدیک معتبر ہیں، ان کا اجمالی بیان ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

نماز پنجگانہ کے بعد (ایام عید کی) تکبیرات کا بیان

ائمہ میں سے دو اصحاب اس امر میں متفق ہیں کہ ایام عید میں پانچوں وقت کی نماز کے بعد تکبیر کہنا سنت ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ سنت نہیں، بلکہ واجب ہے اور مالکیہ کہتے ہیں کہ وہ مستحب ہے، سنت نہیں ہے۔ ائمہ فقہا کی اصطلاح میں اس تکبیر کا نام تکبیر تشریق ہے۔ تشریق کے معنے گوشت کا ٹکڑے ٹکڑے کرنا

جمعہ کے کہ اس کا آغاز حمد سے ہونا چاہیے مثلاً احمد الله یا الحمد لله وغیرہ اور یہ امر خطبہ جمعہ کے لیے رکن ہے، جیسا کہ آگے بتایا جائے گا۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ خطبہ عیدین کی شرط یہ ہے کہ یہ عربی زبان میں ہو، اگر چہ عوام عجمی ہوں اور اس زبان کو نہ جانتے ہوں۔ اگر ایسا شخص موجود نہ ہو جو اچھی طرح خطبہ دے سکے تو نماز جمعہ کی طرح ان لوگوں سے نماز عید بھی ساقط ہو جائے گی۔ یہ بھی شرط ہے کہ عیدین کے خطبے نماز کے بعد ہوں۔ اگر نماز سے پہلے پڑھ دے گئے تو سنت یہ ہے کہ نماز کے بعد خطبے پھر پڑھے جائیں لیکن (نماز) کو اتنی دیر نہ ہوگئی ہو جسے بالعموم زیادہ دیر تصور کیا جاتا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ خطبہ کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ کم سے کم ایک شخص ایسا سننے والا موجود ہو جس کے ساتھ جماعت ہو سکتی ہے۔ اس کی تفصیل نماز جمعہ کے بیان میں آرہی ہے۔ اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ شخص خطبے کو سن بھی لے۔ لہٰذا اگر خطیب سے وہ فاصلہ پر ہو یا بہرا ہو تب بھی خطبہ صحیح ہے۔ اگر کوئی مریض یا مسافر ہی موجود ہو تو (صحت خطبہ کے لیے) کافی ہے، بخلاف بچے یا عورت کی موجودگی کے (کہ ان کا موجود ہونا صحت خطبہ کے لیے) کافی نہیں ہے حنفیہ کے نزدیک خطبہ کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ عربی زبان میں ہو اور یہ بھی شرط نہیں ہے کہ نماز کے بعد پڑھا جائے لیکن نماز کے بعد خطبہ پڑھا جانا سنت (ضرور) ہے۔ اگر نماز سے پہلے خطبہ پڑھ لیا گیا تو یہ سنت کے خلاف ہوگا، تاہم نماز کے بعد اس کا دوبارہ پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ عیدین اور جمعہ کے خطبوں کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ خطیب اونچی آواز سے خطبہ ادا کرے۔ جتنی اونچی آواز خطبہ کے لیے مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ چالیس اشخاص آواز کو سن سکیں۔ یہ تعداد وہ ہے جس سے کم میں جمعہ ہی نہیں ہوتا۔ ان سب کا خطبہ کو فی الواقع سن لینا شرط نہیں ہے بلکہ شرط یہ ہے کہ وہ لوگ خطیب کے اتنے قریب ہوں کہ اس کی آواز سننے کے قابل ہوں کہ اگر ادھر کان لگائیں تو ضرور سن سکیں، لہٰذا اگر وہ سننے سے باز رہیں تو (صحت خطبہ کے لیے) حارج نہیں ہے۔ اور اگر وہ سننے کے قابل ہی نہ ہوں کہ بہرے ہوں یا سو رہے ہوں یا خطیب سے بہت دور ہوں

Marfat.com

(یا کاٹ کر خشک کرنا) ہیں جو ان ایام میں منیٰ کے مقام پر ہوتا ہے۔ ہر مسلک کی رو سے اس حکم کی حکمت اور اس کا طریقہ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

تو خطبے صحیح نہ ہوں گے، کیونکہ ایسی حالت میں سننے کے وہ قابل ہی نہ ہوں گے۔ اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ وہ خطبے نماز کے بعد پڑھے جائیں؛ اگر نماز سے پہلے پڑھے گئے تو ان کو شمار میں نہ لایا جائے، مستحب یہ ہے کہ نماز کے بعد ان کا اعادہ کیا جائے، اگر چہ (نماز ہوئے) بہت دیر ہوگئی ہو۔ حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ عیدین اور جمعہ کے خطبوں کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ خطیب ایسی اونچی آواز سے پڑھے کہ اس کو اتنے لوگ سن سکیں جن کے ساتھ جمعہ صحیح ہو سکتا ہے۔ ان کی تعداد چالیس ہے جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں۔ اگر اتنے اشخاص نے بغیر کسی امر مانع، مثلاً نیند، یا غفلت، یا بہرے پن کے باعث (دونوں) خطبوں کے ارکان کو نہ سنا تو خطبے باطل ہو جائیں گے۔ اگر وہ چالیس آدمی خطیب کی آواز ہلکی ہونے یا دوری کے باعث نہ سن سکیں تو خطبہ صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح سے یہ شرط ہے کہ خطبے نماز سے پہلے ہوں، جیسا کہ ابھی ذکر ہوا۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ شہر میں رہنے والوں کے لیے تکبیر تشریق واجب ہونے کی چار شرائط ہیں:

اول یہ کہ نماز فرض جماعت کے ساتھ ادا کی گئی ہو؛ اگر کسی نے تنہا نماز پڑھی تو اس پر تکبیر واجب نہیں ہے۔

دوم یہ کہ وہ جماعت مردوں کی ہو۔ اگر عورتیں کسی عورت امام کے پیچھے نماز پڑھیں تو ان پر واجب نہیں ہے، ہاں اگر عورتیں کسی مرد امام کے پیچھے نماز پڑھیں تو انھیں آہستہ آواز سے تکبیر کہنا واجب ہے۔ اونچی آواز سے نہ کہیں۔ امام اور مرد مقتدی اونچی آواز سے تکبیر کہیں۔ اکیلا نماز پڑھنے والا ہو یا فرض نماز کے علاوہ کوئی اور نماز ہو تو تکبیر واجب نہیں ہے۔

سوم یہ کہ نمازی مقیم ہو، حالت سفر میں تکبیر واجب نہیں ہے۔

چہارم یہ کہ نماز پڑھنے والا شہر میں ہو؛ قریوں میں رہنے والوں پر واجب نہیں ہے۔

تکبیر کا وقت یوم عرفہ کی نماز فجر سے شروع ہوتا ہے اور ایام تشریق کے آخری روز نماز عصر پر ختم ہو جاتا ہے۔ تشریق کا آخری دن عید کا چوتھا دن ہے اور ایام تشریق عید کے بعد کے تین دن ہیں۔

تکبیر تشریق کے الفاظ یہ ہیں: ''اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔ یہ الفاظ ایک بار کہے جائیں۔ ہاں کوئی چاہے تو ان پر یہ الفاظ زیادہ کرے۔ اللہ اکبر کبیراً والحمد للہ کثیراً تا آخر الفاظ مشہورہ۔ اور چاہیے کہ (یہ تکبیر) سلام پھیرنے کے فوراً بعد کہی جائے۔ اگر نماز کے بعد کچھ کلام کیا، یا ارادۃً کوئی امر ناقض وضو کیا تو تکبیر ساقط ہو جائے گی، لیکن ایسا کرنا گناہ ہے۔ اگر سلام کے بعد حدث لاحق ہو جائے تو اب اسی حالت میں تکبیر کہہ لینا چاہیے، کیونکہ اس کے لیے طہارت کی شرط نہیں ہے؛ ہاں یوں چاہے تو وضو کر کے تکبیر کہہ لے۔ یہ تکبیر نماز وتر اور نماز عید کے بعد نہیں کہی جائے گی۔

اگر ایسی نماز فوت ہوگئی جس کے بعد تکبیر واجب ہے تو لازم ہے کہ جب اس کی قضا پڑھی جائے تو اس کے ساتھ تکبیر بھی کہی جائے، اگر چہ وہ قضا ایام تشریق کے علاوہ کسی اور روز پڑھی ہو۔ لیکن اگر فوت شدہ نماز کی قضا ایام تشریق میں

Marfat.com

پڑھی جائے تو تکبیر واجب نہیں ہے۔ اگر امام تکبیر نہ کہے تو مقتدی تکبیر کہہ لیں؛ لیکن یہ تکبیر اس وقت کہی جائے جب کہ امام نماز اور تکبیر کے درمیان کوئی ایسا فاصلہ کر دے جس سے نماز کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، مثلاً مسجد سے باہر چلا جائے یا ارادۂ کوئی امر ناقض وضو کرے یا کلام کرنے لگے۔ لیکن اگر (ایسا نہ ہو بلکہ) امام نماز کے بعد اپنی جگہ پر بیٹھا رہے اور اس سے کلام یا حدث سرزد نہ ہو تو مقتدی تکبیر نہ کہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ہر ایسی نماز فرض کے بعد جو جماعت سے ادا کی گئی ہو، تکبیر کہنا سنت ہے اور اس کا وقت ایسے نمازی کے لیے جو محرم نہ ہو (یعنی جس نے احرام حج نہ باندھ رکھا ہو) یوم عرفہ کی نماز فجر سے، اور محرم (احرام باندھنے والے) کے لیے یوم نحر کی ظہر سے شروع ہوتا ہے اور اس کی انتہا ایام تشریق کے دن نماز عصر پر ہوتی ہے۔

ایام تشریق یوم عید کے بعد کے تین دن ہیں۔

اس حکم میں مقیم اور مسافر، مرد اور عورت، نماز ادا اور (ایام تشریق میں پڑھی جانے والی) نماز قضا کے درمیان کوئی فرق نہیں، بشرطیکہ یہ قضا اسی سال کی نماز کی ہو جس میں عید واقع ہوئی۔

نفل نمازوں کے بعد اور ان فرائض کے بعد جو تنہا ادا کی جائیں تکبیر کہنا سنت نہیں ہے۔

تکبیر کے الفاظ یہ ہیں: اللہ اکبر اللہ اکبر لآالٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔ (یہ الفاظ) ایک بار کہنے سے سنت ادا ہو جاتی ہے۔ تین بار کہنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

ایام تشریق میں کوئی نماز جس کے بعد تکبیر پڑھنے کا حکم ہے، اگر قضا ہو جائے اور اس کی قضا ایام تشریق کے علاوہ اور دنوں میں پڑھی جائے تو اس کے پیچھے تکبیر نہ کہی جائے۔

اگر امام تکبیر بھول جائے تو مقتدی تکبیر کہیں۔

سلام کے بعد سجدۂ سہو کرنا ہو تو سجدۂ سہو کے بعد تکبیر کہنی چاہیے۔ جماعت میں دیر سے شامل ہونے والا (مسبوق) اپنی فوت شدہ نماز سے فارغ ہونے اور سلام کے بعد تکبیر کہے اس تکبیر کا نام تکبیر مقید ہے۔ نیز حنابلہ کے نزدیک تکبیر مطلق عید الفطر میں شب عید کے آغاز سے لے کر خطبۂ عید کے ختم ہونے تک ہوتی ہے؛ اور عید الاضحیٰ میں ذی الحجہ کی دسویں تاریخ شروع ہونے سے عید کے خطبوں کے خاتمے تک ہے۔

مردوں کے لیے تکبیر مطلق ہو یا مقید اونچی آواز سے کہنا سنت ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ہر نماز کے لیے، خواہ مسافر ہو یا بچہ ہو یا عورت مستحب یہ ہے کہ پندرہ نمازوں کے بعد تکبیر کہی جائے، خواہ نماز تنہا پڑھی ہو یا جماعت سے اور نمازی شہر کا رہنے والا ہو یا نہ ہو۔

یہ تکبیر عید کے روز نماز ظہر کے بعد سے شروع ہوتی ہے اور چوتھے روز نماز فجر پر ختم ہوتی ہے۔ ایام تشریق کا یہ آخری دن اور روز عید کے بعد کا تیسرا دن ہے۔

نفل نماز اور قضا پڑھنے کے بعد تکبیر کہنا مکروہ ہے، خواہ ایام تشریق ہوں یا نہ ہوں۔ اور لازم ہے کہ ہر تکبیر نماز کے بعد کہی جائے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ نیز ان تکبیروں کو ان اذکار سے پہلے کہنا چاہیے جو نماز کے بعد ہوتے ہیں، مثلاً آیت

Marfat.com

الکرسی اور تسبیح وغیرہ۔ البتہ اگر بعد میں سجدہ کرنا ہو تو تکبیر اس سجدے کے بعد کہی جائے، کیونکہ اخیر کا جو سجدہ ہے وہ نماز ہی میں شامل ہے۔

اگر یہ تکبیر ارادۃً یا سہواً رہ گئی تو اس کو نماز کے بعد بھی کہہ لینا چاہیے، بشرطیکہ نماز ہوئے اتنی دیر ہوئی ہو جسے زیادہ دیر نہیں کہا جاتا۔ اگر امام تکبیر نہ بھی کہے تو مقتدی کو کہہ لینا چاہیے۔

تکبیر کے الفاظ بقول معتمد یہ ہیں: اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر، اس کے علاوہ نہیں ہیں۔

عورت تکبیر اس طرح کہے کہ صرف وہ خود سن سکے، مرد اس طرح کہے کہ وہ خود بھی سنے اور جو اس کے پاس ہو وہ بھی سن سکے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ تکبیر مذکورہ ہر فرض نماز کے بعد سنت ہے، خواہ وہ نماز جماعت سے پڑھی گئی ہو یا جماعت سے نہ پڑھی گئی ہو، خواہ امام نے تکبیر کہی ہو یا نہ کہی ہو۔ نیز نفل نمازوں اور نماز جنازہ کے بعد بھی پڑھی جائے۔ اسی طرح ان فوت شدہ نمازوں کی قضا کے بعد بھی (تکبیر کہنا۔) سنت ہے جو ایام تکبیر میں پڑھی جائیں۔

تکبیر تشریق کا وقت ان کے لیے جو حج میں نہیں ہیں، یوم عرفہ کی نماز فجر سے لے کر ایام تشریق کے تیسرے روز سورج کے غروب ہونے تک ہے۔ ایام تشریق یوم عید کے بعد کے تین دن ہیں۔ اور حج کرنے والے کے لیے یوم نحر کے وقت ظہر سے تشریق کے آخری دن کا سورج غروب ہونے تک ہے۔ یہ شرط نہیں ہے کہ تکبیر سلام پھیرنے کے ساتھ ہی ہو، بلکہ اگر نماز اور تکبیر کے درمیان کوئی فاصلہ ارادۃً یا سہواً ہو جائے تب بھی تکبیر کہنا چاہیے، اگرچہ یہ فاصلہ لمبا ہو، درمیان میں فاصلہ ہو جانے سے تکبیر ساقط نہیں ہوتی۔ تکبیر کے لیے بہترین الفاظ یہ ہیں:

"اللہ اکبر اللہ اکبر، لآ الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر ولله الحمد، اللّٰہ اکبر کبیراً والحمد لله کثیراً، سبحان اللّٰہ بکرۃ و اصیلا، لآ الٰہ الا اللّٰہ وحدہ صدق وعدہ ونصر عبدہ و اعز جندہ و ھزم الا حزاب وحدہ، لآ الٰہ الا اللّٰہ ولا نعبد الا ایاہ مخلصین له الدین ولو کرہ الکافرون. اللّٰھم صل علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آل سیدنا محمد وعلیٰ اصحاب سیدنا محمد و علیٰ انصار سیدنامحمد وعلیٰ ذریة سیدنا محمد وسلم تسلیماً کثیراً"۔

نماز کے بعد ان الفاظ میں تکبیر کہنے کو تکبیر مقید کہتے ہیں۔ نیز یہ بھی سنت ہے کہ رہائش گاہوں، بازاروں اور گزرگاہوں وغیرہ میں اونچی آواز سے ان الفاظ میں تکبیر کہنا سنت ہے۔

تکبیر کا وقت عیدین کی دونوں راتوں سے اس وقت تک ہے جب کہ امام عید کی نماز شروع کر دے، اور تنہا گزار کے لیے اس وقت تک ہے کہ وہ خود عیدین کی نماز کے لیے نیت باندھے۔ اگر کسی نے نماز عیدین نہیں پڑھی تو زوال آفتاب تک تکبیر کہہ سکتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت، البتہ عورت تکبیر میں آواز اونچی نہ کرے جب کہ ساتھ غیر محرم مرد بھی ہوں۔ اور اس تکبیر کو تکبیرِ مطلق کہتے ہیں۔ اور تکبیر مقید نماز کے بعد کی دعا وغیرہ سے پہلے کہنی چاہیے، بخلاف تکبیر مطلق کے کہ وہ بعد میں کہی جائے۔

Marfat.com

نماز استسقا کا بیان

اس کے متعلق چند مسائل ہیں:

اول استسقا کی تعریف۔

دوم نماز کا استسقا کا طریقہ۔

سوم اس کا حکم اور وقت۔

چہارم وہ امور جو نماز پڑھنے سے پہلے امام کے لیے مستحب ہیں۔

اب ان تمام مسائل کا بیان اسی ترتیب سے کیا جائے گا۔

استسقا کی تعریف اور اس کے اسباب

استسقا کے لغوی معنی ہیں اللہ تعالیٰ سے یا لوگوں سے پانی کی طلب کرنا۔ چنانچہ جب کوئی شخص کسی سے پانی مانگے تو اس مانگنے کو استسقا کہتے ہیں۔

شریعت کی اصطلاح میں استسقا سے مراد بندوں کا اللہ کی جناب میں پانی کی احتیاج پیش آنے پر التجائے آب کرنا، جب کہ لوگ ایسی جگہ پر ہوں جہاں کی رہائش رکھنے والوں کے لیے نہ وادی (گزرگاہ آب) ہو، نہ نہریں ہوں اور نہ کنوئیں ہوں جن کا پانی پی سکیں یا اپنے کھیتوں اور مویشیوں کو سیراب کرسکیں، یا یہ سب کچھ ہو، لیکن اتنا پانی نہ ہو کہ سب کے لیے کفایت کرے۔ غرض استسقا کے معنی یہ ہیں اور استسقا کا سبب یہی ہے۔

نماز استسقا کا طریقہ

جب لوگوں کو پانی کی ضرورت ہو جیسا کہ اوپر بیان ہوا، تو مسلمانوں کو چاہیے کہ نماز استسقا پڑھیں جس کا طریقہ مختلف مسالک میں بتایا گیا ہے۔ تفصیل ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔[1]

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ استسقا کی نماز میں دو رکعتیں ہیں جو جماعت کے ساتھ پڑھی جائیں۔ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اس (نماز) کا امام مسلمانوں کا حکمران ہو یا پھر اس کا نائب ہو۔ اگر ایسا شخص دستیاب نہ ہو تو مسلمان کسی سربراہ کے ساتھ جس کا اثر اور قدر (عوام میں) زیادہ ہو نماز ادا کریں۔ اس کا طریقہ وہی ہے جو عیدین کی نماز کا ہے کہ امام اور مقتدی رکعت اول میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ سات بار مزید تکبیریں کہیں اور دوسری رکعت میں تکبیر قیام کے علاوہ پانچ بار تکبیریں کہیں اور ہر تکبیر میں مونڈھوں تک ہاتھ اٹھائیں، اس کے بعد اعوذ باللہ اور دعائے افتتاح پڑھیں، اور ہر دو تکبیروں کے

Marfat.com

درمیان اتنی دیر توقف کریں جتنی دیر میں کوئی اوسط درجے کی آیت پڑھی جاسکے۔ یہ دوران توقف آہستہ آواز میں ذکر جاری رہے۔اس کے بعد اونچی آواز سے قرأت کی جائے؛ مستحب یہ ہے کہ رکعت اول میں فاتحہ کے بعد سورۃ 'ق' یاسبح اسم ربک الا علیٰ پڑھی جائے اور دوسری رکعت میں اقتربت الساعۃ یاھل اتاک حدیث الغاشیہ پڑھیں۔عیدین کی نماز پر قیاس کر کے ایسا کہا گیا ہے۔دو رکعتوں کے پڑھنے بعد مستحب یہ ہے کہ عیدین کے خطبوں کی طرح دو خطبے پڑھے جائیں۔لیکن ان خطبوں میں تکبیر نہ کہی جائے بلکہ (تکبیر کی بجائے) خطبۂ اول شروع کرنے سے پہلے نو بار استغفار کرے (یعنی اللہ کی جناب میں مغفرت کا طالب ہو)۔اسی طرح دوسرے خطبے میں بھی نو بار کرے۔استغفار کے مکمل الفاظ یوں ہیں:''استغفر اللّٰہ العظیم الذی لآالٰہ الا اللّٰہ الحی القیوم و اتوب الیہ''، تاہم اگر صرف ''استغفر اللّٰہ'' (یعنی میں اللہ کی جناب میں مغفرت کا خواست گار ہوں) کہہ دیا تو وہ بھی کافی ہے۔مستحب یہ ہے کہ خطیب اس وقت اپنی چادر یا شال یا جبہ (جیسی بھی صورت ہو) پلٹ لے اور پلٹنے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں پلو کو بایاں پلو بنالے اور اوپر کا حصہ نیچے کر لے، بایں طور کہ دائیں ہاتھ سے اپنی چادر کا بایاں پلو نیچے سے اٹھا کر اپنے دائیں بازو پر ڈال لے اور اپنے بائیں ہاتھ سے ہاتھ چادر کا دایاں پلو پکڑ کر بائیں بازو پر ڈال لے۔یہ عمل اس وقت کیا جائے جب کہ دوسرا خطبہ ایک تہائی پڑھا جا چکے۔پس جب دوسرا خطبہ ایک تہائی پڑھا جا چکے تو سنت یہ ہے کہ قبلے کی جانب رخ کر کے اپنی چادر کو جس طرح اوپر بتایا گیا ہے، اس طرح پلٹ لے۔چادر پلٹنے کے عمل کو نہ کرنا مکروہ ہے۔جب امام اپنی چادر کو پلٹے تو مقتدی بھی جو بیٹھے ہوئے ہیں وہ بھی اپنی اپنی چادریں امام کی طرح پلٹ لیں۔اور سنت یہ ہے کہ آہستہ بھی اور اونچی آواز سے بھی بکثرت دعا پڑھی جائے، اسی طرح یہ بھی سنت ہے کہ اپنی افتتاحی دعا کو دعائے کرب (یعنی بے چینی کی حالت کی دعا) سے شروع کرے اور وہ دعا یوں ہے:

''لآ الٰہ الا اللّٰہ العظیم الحلیم، لآ الٰہ الا اللّٰہ رب العرش العظیم، لآ الٰہ الا اللّٰہ رب السمٰوات و رب الارض و رب العرش الکریم''۔

(یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو بڑی عظمت والا اور درگزر کرنے والا ہے۔اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عرش عظیم کا مالک ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو آسمان کا مالک، زمین کا مالک اور عرش اعلیٰ کا مالک ہے)۔

اسی طرح خطیب کے لیے یہ بھی سنت ہے کہ کثرت سے استغفار کرے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھتا رہے:

''استغفروا ربکم انہ کان غفاراً یرسل السمآء علیکم مدراراً ولا یمددکم باموال و بنین و یجعل لکم جنات و یجعل لکم انہاراً''۔

(یعنی اللہ سے مغفرت کا خواستگار ہو، بلاشبہ وہ مغفرت کرنے والا ہے، وہی ہے جو تمہارے لیے آسمان سے موسلا دھار بارش نازل کرتا ہے اور تمہیں مال و اولاد سے تقویت پہنچاتا ہے۔تمہارے لیے باغات اُگاتا اور نہریں جاری کرتا ہے)۔نیز چاہیے کہ خطبے میں آنحضرت ﷺ والی دعا پڑھے اور وہ دعا یہ ہے:

''اللّٰھم اجعلھا رحمۃً لا سقیا عذاب ولا محق ولا بلاء ولا ھدم ولا غرق، اللّٰھم علی

Marfat.com

الزراب. التلال الصغيرة. ومنابت الشجر و بطون الا ودية، اللّٰھم حوالینا ولا علینا، اللھم اسقنا غیثاً مغیثاً، منقذاً من الشدة .ھنیئاً مریئاً .مریعاً .ذاربع و خصب سحاً شدید الوقع علی الارض عاماً، غدقاً، طبقاً مجللاً، دائماً. اللّٰھم اسقنا الغیث ولا تجعلنا من القانطین. اللّٰھم ان بالعباد والبلاد من الجھد والجوع والضنک ما لا نشکوالا الیک، اللّٰھم انبت لنا الزرع و ادر لنا الضرع وانزل علینامن برکات السمآء انبت لنا من برکات الارض، واکشف عنا من البلاء مالا یکشفه غیرک، اللّٰھم انا نستغفرک انک کنت غفاراً فارسل السماء علینا مدراراً''۔

(یعنی یا اللہ ہم پر باران رحمت نازل فرما! نہ عذاب کی سختی ہو، نہ ہلاکت، نہ بلا، نہ بربادی، نہ غرقابی۔ یا الٰہی یہ بارش سبزہ زاروں پر ہو، ٹیلوں پر، درخت کی جڑوں میں اور وادیوں کے درمیان! الٰہی ہمارے چاروں طرف بارش ہو، ہمارے لیے مصیبت نہ ہو۔ یا الٰہی سیرابی دے اور ہماری مدد فرما! سختی سے نجات ہو، خوش گوار ہو، خوش منظر ہو اور شادابی بخش۔ سرسبزی اور زرخیزی والی بارش، موسلا دھار ہمہ رس، گوارا، جل تھل کرنے والی، بھرپور نفع بخش۔ یا الٰہی ہمیں سیراب باراں فرما اور مایوسی سے دوچار نہ کر، پروردگارا! تیرے بندے اور تیری بستیاں سختی، بھوک اور تنگ دستی میں مبتلا ہیں۔ ہم تیرے سوا اور کسی سے اپنا دکھ بیان نہیں کرتے۔ خدایا ہماری کھیتیاں لہلہادے، سختی دور کردے، آسمانی برکتوں کا نزول فرما اور زمین کی برکتوں سے بہرہ ور کردے یہ بلا جس کو دور کرنے والا تیرے سوا کوئی نہیں ہے، دور کردے۔ یا الٰہی ہم تیری مغفرت کے خواستگار ہیں۔ پس ہم پر موسلا دھار بارش برسادے)۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ استسقا کی نماز کے طریقوں میں اختلاف ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ یہ صرف دعا اور استغفار ہے، نماز نہیں ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ امام قبلہ رخ کھڑے ہو کر دعا کرے، اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے۔ لوگ بیٹھے رہیں، رخ قبلہ کی طرف ہو اور امام کی دعا پر آمین کہتے رہیں۔ وہ دعا یہ ہے: ''اللّٰھم اسقنا غیثاً مغیثاً، ھنیئاً، مریئاً، مریعاً، غدقاً، مجللاً، سحاً، طبقاً، دائمۃ'' (یعنی اے پروردگار ہمیں فائدہ بخش بارش سے سیراب کردے۔ خوشگوار، خوش منظر، طراوت بخش، موسلا دھار، ہمہ رس، فرحت بخش، جل تھل کرنے والی، بھرپور اور نفع آور ہو)۔ یا اسی طرح کی کوئی اور دعا ہو۔ دھیمی آواز سے بھی اونچی آواز سے بھی۔ لیکن یہ قول قابل ترجیح نہیں ہے۔ قابل ترجیح قول یہ ہے کہ نماز استسقا کی دو رکعتیں پڑھی جائیں، جیسا کہ دوسرے ائمہ کہتے ہیں۔ (ان میں اور حنفیہ کے قول میں) زیادہ سے زیادہ (فرق) یہ ہے کہ حنفیہ اس کو مستحب کہتے ہیں اور دوسرے اصحاب اس کو سنت کہتے ہیں جیسا کہ اس کے (حکم) کی حیثیت کے بیان میں آگے بتایا جائے گا۔

اس کے پڑھنے کا طریقہ وہی ہے جو عیدین کی نماز کا ہے۔ البتہ اس میں زائد تکبیرات نہ کہی جائیں، بلکہ صرف اتنی ہی تکبیریں ہوں جتنی نماز (دوگانہ) میں مطلوب ہیں۔ نماز ختم کرنے کے بعد امام وقت یا اس کا نائب دو خطبے پڑھے جیسے عید کے خطبے ہوتے ہیں۔ لیکن اس خطبہ میں (امام) زمین پر کھڑا ہو اور ہاتھ میں کوئی کمان یا تلوار یا عصا ہو۔ اور جب خطبۂ اول کا کچھ حصہ پڑھ لیا جائے تو امام اپنی چادر پلٹ لے۔ اگر چادر مربع ہو تو اس کا اوپری حصہ نیچے اور نچلا حصہ اوپر کرلے

Marfat.com

اور اگر گول ہو تو دائیں کنارے کو بائیں طرف اور بائیں کو دائیں جانب کرلے۔ اگر کوئی شے استر والی ہے، جیسے اوور کوٹ، تو اس کے اندرونی حصہ کو اوپر اور اوپری حصہ کو اندر کرلے۔ لیکن جنہوں نے اس کے ساتھ نماز پڑھی وہ اپنی چادروں کو نہ پلٹیں۔ اس پر تمام (حنفیہ) کا اتفاق ہے، محض امام کا پلٹ لینا کافی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نماز استسقا کا طریقہ بالکل عیدین کی نماز کی طرح ہے۔ لہٰذا اس (نماز استسقا) میں بھی رکعت اول میں سات بار اور رکعت ثانی میں پانچ دفعہ تکبیر کہی جائے اور پہلی رکعت میں "سبح" اور دوسری میں "ھل اتاک حدیث الغاش یه" پڑھے یا دل چاہے تو پہلی رکعت میں "انا ارسلنا نوحا" اور دوسری میں کچھ اور جو دل چاہے قرأت کرلے۔ اس کے بعد امام صرف ایک خطبہ پڑھے دو خطبے نہیں۔ اگر منبر پر چڑھ کے پڑھنا ہو تو آرام لینے کے لیے خطبہ سے پہلے کچھ بیٹھ جائے۔ پھر نو بار تکبیر کہہ کے خطبہ شروع کرے، جیسے عید کا خطبہ ہوتا ہے۔ خطبہ میں آنحضرت ﷺ پر بار بار درود بھیجا جائے اور کثرت سے مغفرت کی دعا مانگی جائے اور اس میں "واستغفروا ربکم" تا آخر آیت پڑھی جائے۔

اور سنت یہ ہے کہ دعا کے وقت دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے جائیں، یہاں تک کہ بغل کی سفیدی نظر آنے لگے۔ ہاتھ اٹھاتے وقت دونوں ہاتھ کی پیٹھ آسمان کی جانب اور ہتھیلی زمین کی جانب ہوں۔ امام کی دعا پر مقتدی آمین کہتے رہیں اور بیٹھے رہیں۔ لیکن دونوں ہاتھ امام کی طرح بلند کر رکھیں اور ہر دعا جو امام (موزوں) دیکھے صحیح ہے، لیکن سب سے بہتر دعا وہی ہے جو (حدیث میں) آئی ہے اور وہ یہ ہے:

"اللّٰھم اسقنا غیثاً. مغیثاً (یعنی) منقذاً من الشدة ھنیاً (یعنی) حاصل بلامشقة مریئاً (یعنی) محمود العاقبة، مریعاً (یعنی) کثیر النبات، غدقاً (به فتح دال و کسر دال)۔ اس لفظ کے معنے کثیر کے ہیں۔ مجللاً، المجلل وہ بادل ہیں جن کا نفع تمام شہروں کو پہنچے، سحاً یعنی اوپر سے نیچے کی طرف سب کو پہنچنے والا، طبقاً (بفتح طا و با) وہ بادل جس کی بارش تمام شہروں پر چھا جائے دائما (یعنی) نفع بخش ہو اور مضرت رساں نہ ہو۔ عاجلاً غیر آجل، اللّٰھم اسق عبادک وبھائمک والنشر رحمتک و احیی بلدک المیت، اللّٰھم اثقنا الغیث ولا تجعلنا من القانطین اللّٰھم سقیا رحمة لا سقیا عذاب ولا بلآءً ولا ھدم ولا غرق، اللّٰھم ان بالعباد والبلاد من اللاوِاْشدت. والجھدو الضنک مالا نشکوہ اِلا الیک، اللّٰھم انبت لنا الزرع وادر لنا الضرع واسقنا من برکات السماء وانزل علینا من برکاتک، اللّٰھم ارفع عنا الجوع والجھد والعری واکشف عنا من البلاء مالا یکشفه غیرک، اللّٰھم انا نستغفرک انک کنت غفاراً فارسل السماء علینا مدراراً"۔

اور جب امام یہ دعا پڑھے تو سننے والے آمین کہتے رہیں۔ اور مستحب یہ ہے کہ خطبہ کے وقت امام قبلہ کی طرف رخ رکھے پھر اپنی چادر پلٹ لے، یعنی جو پلو دائیں جانب ہے وہ بائیں جانب اور جو بائیں جانب ہے وہ دائیں جانب کرلے؛ اور مقتدی بھی وہی کریں جو امام کرے، یعنی وہ لوگ بھی اپنی چادروں کو پلٹ لیں اور اسی طرح پلٹا رکھیں، یہاں تک کہ اسے اپنے لباس کے ساتھ اتاریں، اور چادر اتارتے وقت قبلہ کی طرف منہ کر کے آہستہ آہستہ یہ دعا پڑھیں:

Marfat.com

"اللّٰھم انک امر تنا بدعائک وو عدتنا اجابتک، وقد دعوناک کما دعوتنا فاستجب لنا کما وعدتنا انک لا تخلف المیعاد"۔

(یعنی اے پروردگار! تو نے ہمیں دعا کرنے کا حکم دیا اور قبولیت کا وعدہ فرمایا۔ہم نے دعا مانگی جیسا کہ تو نے حکم دیا اب تو قبول فرما، جیسا کہ تو نے وعدہ کیا، بلاشبہ تو وعدے کے خلاف نہیں کرتا)۔

دعا سے فارغ ہونے کے بعد پھر مقتدیوں کی طرف رخ کرے اور حاضرین کو صدقہ وخیرات کی تلقین کرے اور آنحضرت ﷺ پر درود بھیجے اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے حق میں دعا کرے اور قرآن کی کوئی آیت جو اسے آسان ہو پڑھے، اور پھر کہے: "استغفر اللہ لی ولکم و لجمیع المسلمین" (یعنی میں اپنے لیے اور تمہارے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے اللہ کی مغفرت کا طالب ہوں) اور خطبہ کے ان ہی الفاظ پر ختم کردے۔

نماز استسقا کے لیے اذان شرط نہیں ہے، البتہ اس نماز کے لیے یوں کہہ کر پکارا جاسکتا ہے۔ کہ الصلوٰۃ جامعۃ (یعنی نماز تیار ہے)۔ نماز استسقا مسافر اور قریات کے باشندوں کو بھی پڑھنی چاہیے اور ان ہی میں سے کوئی خطبہ پڑھے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ استسقا کی نماز کا طریقہ وہی ہے جو عیدین کی نماز کا ہے۔ لیکن اس میں معمولی تکبیروں کے سوا جو عام نماز میں ہوتی ہیں اور کوئی مزید تکبیر نہ کہی جائے۔ لہٰذا عیدین کی نماز میں جو تکبیریں کہی جاتی ہیں وہ اس میں نہ کہی جائیں۔ اس مسئلہ میں مالکیہ کا حنفیہ سے اتفاق اور شافعیہ اور حنابلہ سے اختلاف ہے نیز (مالکیہ) کہتے ہیں کہ اس میں دو خطبے پڑھے جائیں اور جب امام خطبہ ثانی سے فارغ ہو تو مستحب یہ ہے کہ قبلہ کی طرف رخ اور حاضرین کی طرف پشت کر لے۔ پھر اپنی چادر کو پیچھے کی جانب سے پلٹ لے۔ اس کے بعد جو حصہ بائیں مونڈھے پر تھا وہ دائیں مونڈھے پر اور جو دائیں پر تھا وہ بائیں پر کرلے۔ چادر کے نچلے حصے کو اوپر نہ کرے اور نہ اوپر کے حصہ کو نیچے کرے۔ وہ لوگ جنہوں نے امام کے پیچھے نماز پڑھی ہے وہ بیٹھے رہیں اور اپنی چادروں کو پلٹ لیں اور عورتیں نہ پلٹیں۔ اس کے بعد امام لوگوں پر نازل ہونے والی مصیبت کے دور ہونے کی دعا کرے اور دیر تک یہ دعا مانگتا رہے۔ مستحب یہ ہے کہ وہ دعا مانگی جائے جو حدیث میں آئی ہے منجملہ ان کے وہ دعا ہے جو (حدیث کی کتاب) مؤطا میں آئی ہے اور وہ حدیث یوں ہے: "کان ﷺ اذااستسقیٰ قال اللّٰھم اسق عبادک وبھیمک وانشر رحمتک واحی بلدک المیت"۔

(یعنی آنحضرت ﷺ جب پانی کے لیے دعا فرماتے تھے تو کہتے: تھے خداوندا اپنے بندوں اور مویشیوں کو سیراب فرما اور اپنی رحمت کو پھیلا دے اور اپنے مردہ شہر کو زندگی عطا فرما)!

مالکیہ کو شافعیہ اور حنابلہ سے اس امر میں اتفاق ہے کہ نماز استسقا سنت مؤکدہ ہے، اور اہمیت کے لحاظ سے اس کا درجہ نماز عید کے بعد ہے، بشرطیکہ جماعت کے ساتھ ادا کی جائے۔ جو شخص امام کے پیچھے نہ پڑھ سکے اس کے لیے مستحب ہے، جیسا کہ ایک باشعور لڑکے کے لیے مستحب ہے۔ عورت کے لیے سنت ہے۔ لیکن جوان عورت کا نماز استسقا کے لیے نکلنا مکروہ ہے؛ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس کا نکلنا حرام ہے۔

Marfat.com

نماز استسقا کا حکم اور اس کا وقت

جب بارش کی احتیاج ہو تو اس کے لیے نماز استسقا سنت مؤکدہ ہے؛ لہٰذا جب تک پانی کی احتیاج رہے سنت یہ ہے کہ لوگ اسی طرح سے نماز استسقا پڑھتے رہیں۔ اور نماز استسقا کے جو طریقے مختلف مسالک میں بتائے گئے ہیں ان میں سے کسی طرح بھی نماز پڑھی جائے جائز ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی خاص مسلک کو اختیار کیا جائے۔ کیونکہ اس بارے میں جو روایات آئی ہیں وہ مختلف ہیں، جیسا کہ مسالک مختلفہ میں بتایا گیا ہے۔ چنانچہ حنفیہ جو کہتے ہیں کہ نماز استسقا میں زائد تکبیریں نہ کہی جائیں، انہی کے بعض اماموں سے یہ بھی منقول ہے کہ عیدین کی طرح اس میں تکبیر کہی جائے اور اسی طرح دوسرے مسائل کا حال ہے اس لیے ہر مسلک کو جدا جدا بتا دیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو (اس بارے میں) پوری معلومات حاصل ہو جائیں اور کسی قسم کا ابہام نہ رہے۔ نماز استسقا کے سنت مؤکدہ ہونے میں حنفیہ کے سوا سب کا اتفاق ہے۔ ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

نماز استسقا کا وقت وہ ہے جس میں حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک نفل نماز پڑھنا روا ہے۔ وہ اوقات

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ ایک امر مستحب ہے۔ بیشک اس کا مطلوب ہونا کتاب وسنت سے ثابت، لیکن جو کچھ ثابت ہے وہ صرف مغفرت الٰہی کی خواست گاری اور اللہ کی حمد وثنا اور دعا ہے۔ رہی نماز سو اس کے بارے میں کوئی حدیث صحیح وارد نہیں ہوئی۔ تاہم اس امر میں حنفیہ کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ تنہا گزار کے لیے بغیر جماعت کے مشروع ہے۔ کیونکہ اس کی حیثیت نفل مطلق کی سی ہے۔ (اس بارے میں) قرآن کریم میں ہے: فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفاراً یرسل السمآء علیکم مدراراً" (یعنی میں نے انھیں کہا کہ اپنے پروردگار کی جناب میں مغفرت کے خواست گار ہو! وہ مغفرت کرنے والا ہے؛ تمہارے لیے موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا)۔

یہ حکم ہمارے لیے پہلے ہی سے مشروع ہو گیا، بایں جہت کہ یہ واقعہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور اس روایت سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ احادیث صحیحہ میں بھی ایسی روایات آئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے بارش کے لیے دعا کی اور اللہ کی جناب میں التجا کی۔ یہاں پر یہ ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے صغر سنی ہی میں استسقا فرمایا (یعنی بارش کے لیے التجا کی) چنانچہ یہ روایت ہے کہ اہل مکہ قحط میں مبتلا ہوئے۔ قریش والے ابو طالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے ابو طالب! وادی قحط کی لپیٹ میں ہے اور اہل وعیال بھوک سے مر رہے ہیں، تو آؤ ہم سب پانی کے لیے دعا کریں۔ چنانچہ ابو طالب باہر آئے۔ ان کے ساتھ ایک لڑکا تھا کہ اور لڑکوں کے جھرمٹ میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے غبار آلود بادل میں سے سورج چمک رہا ہو۔ ابو طالب نے اس لڑکے کو اٹھایا، اس کی پیٹھ کعبے سے لگا دی اور اپنی انگلیوں سے اسے سہارا دیا۔ اس وقت آسمان پر بادل کی کوئی ٹکڑی تک نہ تھی؛ اچانک بادل آنے لگے، ادھر سے بھی

Marfat.com

جن میں نفل نماز پڑھنا مباح ہے اس کی تفصیل اس کے متعلقہ بیان میں آ رہی ہے۔ (اس بارے میں) مالکیہ اور شافعیہ کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۱)

واضح ہو کہ اگر بارش کے نازل ہونے میں تاخیر ہو جائے تو سنت یہ ہے کہ اسی طرح یہ نماز بار بار پڑھی جائے، یہاں تک کہ بارش آجائے۔ اس پر تینوں اماموں کا اتفاق ہے۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

وہ امور جو نماز استسقا کو جانے سے پہلے امام کے لیے مستحب ہیں

امام کے لیے حسب ذیل امور مستحب ہیں:

اول یہ کہ امام کو چاہیے کہ نماز کے لیے جانے سے پہلے لوگوں کو توبہ کرنے، صدقہ دینے اور ظلم کی باتوں سے پرہیز کرنے کی تلقین کرے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔

دوم یہ کہ دشمنوں سے صلح کر لینے کا حکم دے۔ اس پر تین امام متفق ہیں؛ مالکیہ کو اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ امر مستحب نہیں ہے۔

سوم یہ کہ لوگوں کو کہے کہ تین دن روزہ رکھیں اور چوتھے دن کسی بھی وقت (امام) لوگوں کے ساتھ باہر آئے۔ اس پر حنفیہ اور شافعیہ کا اتفاق ہے حنابلہ اور مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۱)

ادھر سے بھی اور گھن گرج شروع ہو گئی۔ پانی بہہ نکلا اور شہر و دیہات شاداب ہو گئے۔ اسی واقعہ کے بارے میں ابو طالب کہتے ہیں:

وابیض یستسقی الغمام بوجهه

ثمال الیتامی عصمة للارامل

(یعنی وہ روشن چہرے والا جس سے بادلوں کو آب حاصل ہوئی۔ وہ یتیموں کا غم خوار اور بیکسوں کا سہارا ہے) (اس کو ابن عسا کر نے بیان کیا ہے)۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اس کا وقت اس وقت سے جب کہ طلوع آفتاب کے بعد نفل پڑھنا حلال ہو جاتا ہے، زوال آفتاب تک ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ یہ نماز (ہر وقت) صحیح ہے، خواہ وہ وقت ایسا ہو جس میں نفل پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ ان نمازوں میں سے ہے جو کسی سبب کے پیش آجانے پر پڑھی جاتی ہیں۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ استسقا کی نماز کا بار بار پڑھنا مستحب ہے، سنت نہیں ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ اور تکرار نماز

Marfat.com

چہارم یہ کہ پھٹے پرانے اور گھٹیا لباس پہن کر نکلیں۔ اس میں تین امام متفق ہیں۔ حنابلہ کو اختلاف ہے ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

پنجم یہ کہ لوگوں کو کہے سب اس کے ساتھ نماز کو نکلیں جن میں بچے، بوڑھے، بڑھیا عورتیں، مویشی شامل ہوں اور مائیں اپنے بچوں کو دودھ نہ پلائیں تا کہ ان کی چیخ پکار زیادہ ہو، کیونکہ ایسی صورت حال خدائے بزرگ و برتر کی رحمت کو قریب تر کر دے گی۔ اس پر حنفیہ اور شافعیہ متفق ہیں؛ مالکیہ اور حنابلہ کو اختلاف ہے، ان کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۳)

نماز کسوف (سورج گرہن) کا بیان

اس کے متعلق چند امور ہیں:

اول نماز کسوف کا حکم، اس کی دلیل اور اس کے مشروع ہونے کی حکمت۔

دوم اس کی نماز کا طریقہ۔

سوم اس کے فرائض اور سنتیں۔

چہارم اس میں خطبہ کا حکم۔

نماز کسوف کا حکم، اس کی دلیل اور اس کے مشروع ہونے کی حکمت

سورج گرہن کے وقت نماز سنت مؤکدہ ہے اور آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے ثابت ہے:

"**ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللّٰہ لا ینکسفان لموت احد ولا لحیاته فاذارایتم ذالک فصلوا وادعوا حتی یکشف مابکم بروایت شیخان** (یعنی سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ کسی کی موت یا زندگی سے ان کے گہن کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

متواتر تین دن سے زیادہ نہ ہونی چاہیے۔

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ چوتھے دن لوگوں کو لے کر نکلنا مستحب نہیں ہے، بلکہ امام کے ساتھ اس روز نکلنا مستحب ہے جو امام مقرر کرے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ چوتھے روز دوپہر کے وقت نکلنا مستحب ہے، ہاں اگر کسی کا گھر دور ہو تو ایسے شخص کو اس وقت نکلنا چاہیے کہ امام کے ساتھ نماز میں شامل ہو سکے۔

۲۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ استسقا کی نماز کے لیے عید کی طرح اچھے کپڑے پہن کر نکلنا چاہیے۔

۳۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ باشعور بچے جن کی نماز درست ہے وہ نکلیں؛ ان کے علاوہ دوسرے بچوں کا

Marfat.com

البتہ اگر تم اس حال (گہن) میں دیکھو تو نماز پڑھو اور اللہ سے دعا کرو، یہاں تک کہ یہ کیفیت دور ہو جائے) نیز بروایت شیخین حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورج گرہن کے وقت جس طرح نماز پڑھی اسی طرح خسوف قمر (چاند گرہن) کے وقت بھی نماز پڑھی ہے، جیسا کہ آگے بتایا جائے گا، اس کے مشروع ہونے میں حکمت یہ ہے کہ سورج اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتوں میں سے ہے جس پر کائنات کی زندگی کا انحصار ہے اور ظاہر ہے کہ اس کو گہن لگنا اس امر کا ثبوت ہے کہ یہ بھی زوال پذیر ہے، بلکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام جہان اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس کے لیے ممکن ہے کہ ایک لحظہ میں اس کا خاتمہ کر دے۔ لہٰذا اس حالت کو دیکھ کر نماز میں مشغول ہو جانا اپنی بے حقیقی اور اس قوی اور زبردست معبود کے آگے عاجزی کے اظہار کے لیے ہے اور یہ امر اسلام کی خوبیوں میں سے ہے کہ اس میں خالص توحید ہے اور بتوں کی عبادت سے جس میں چاند، سورج وغیرہ ماسوا اللہ شامل ہیں، انکار ہے۔

نماز کسوف کا طریقہ

تین امام اس بات پر متفق ہیں کہ اس کی دو رکعتیں ہیں، دو رکعتوں سے زیادہ نہیں۔ اگر یہ نماز گرہن دور ہونے سے پہلے ختم ہو جائے تو اس وقت تک اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہنا چاہیے جب کہ سورج گہن سے نکل آئے۔ نماز کی ہر رکعت میں ایک قیام اور ایک رکوع کا اضافہ کیا جائے۔ چنانچہ ہر رکعت دو رکوعوں اور دو قیاموں پر مشتمل ہوگی۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(1) تاہم جن اصحاب کو حنفیہ سے اختلاف ہے ان کا کہنا ہے کہ اس طریقے کے علاوہ بھی نماز کسوف کا پڑھنا صحیح ہے۔ چنانچہ اگر دو رکعتیں نفل کی طرح پڑھی جائیں تو بلا کراہت جائز ہے۔ پس ان کے اور حنفیہ کے درمیان صرف یہ فرق رہ گیا کہ حنفیہ تو کہتے ہیں کہ ایک رکوع اور ایک قیام ہی کے ساتھ نماز پڑھنا ضروری ہے اور ان کے علاوہ دوسرے یہ کہتے ہیں کہ یہ نماز سابقۃ الذکر طریقہ سے بھی اور اس کے علاوہ دوسرے طریقہ سے بھی پڑھی جا سکتی ہے۔

(نماز استسقا کے لیے) نکلنا مکروہ ہے۔ اسی طرح مویشیوں کا لانا بھی مکروہ ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ شعور رکھنے والے بچوں کا نکلنا سنت ہے، جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسروں کا نکلنا مباح ہے جیسے مویشیوں اور بڑھیا عورتوں کا نکلنا (مباح ہے)۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز کسوف دو رکوعوں اور دو قیاموں کے ساتھ درست نہیں ہے، بلکہ اس میں ایک ہی قیام اور ایک ہی رکوع ہونا چاہیے۔ اس میں اور نفل نماز میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کسوف کی کم سے کم دو رکعتیں ہیں

Marfat.com

واضح ہو کہ جو اصحاب کہتے ہیں کہ نماز دو رکوعوں اور دو قیاموں کے ساتھ پڑھی جائے، ان کا کہنا ہے کہ قیام اول اور رکوع اول فرض ہے اور قیام و رکوع ثانی اس صورت سے مستحب ہے۔

نماز کسوف کی سنتیں

سنت یہ ہے کہ نماز کسوف میں قیام کے اندر لمبی قرأت کی جائے، لہٰذا پہلی رکعت کے قیام اول میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ بقرہ وغیرہ پڑھی جائے۔ اور قیام ثانی میں فاتحہ کے بعد سورۂ آل عمران وغیرہ پڑھیں۔ دوسری رکعت کے پہلے قیام میں سورۂ ''النساء'' جیسی کوئی سورہ اور دوسرے قیام میں فاتحہ کے بعد سورۂ مائدہ جیسی کوئی سورہ پڑھی جائے۔ اس کیفیت (تطویل قرأت) پر حنفیہ کے سوا سب کا اتفاق ہے۔ حنفیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1] اور سنت یہ ہے کہ دونوں رکعتوں کے رکوع وسجود کو اس قدر طول دیا جائے جتنا کہ مسالک مختلفہ میں بتایا گیا ہے۔[2] لہٰذا امام کے ساتھ دوسرے قیام میں یا کسی رکعت کے رکوع ثانی میں شامل ہو جانے سے وہ رکعت نہیں ملے گی۔ اس مسئلہ میں مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک

اور جائز ہے کہ چار رکعتیں یا اس سے زیادہ پڑھی جائیں، افضل یہ ہے کہ ایک تسمیہ یا دو تسمیوں سے چار رکعتیں پڑھی جائیں۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ (اس نماز میں) قرأت کا طویل کرنا سنت ہے، لہٰذا پہلی رکعت میں سورۂ البقرہ کے برابر اور دوسری رکعت میں سورۂ آل عمران، جیسی سورۃ پڑھی جائے۔ تاہم اگر قرأت کو مختصر کر کے دعا کو طول دیا گیا تب بھی سنت پوری ہوگئی، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک سنت یہ ہے کہ گہن کے پورے وقت میں نماز اور دعا کے اندر مصروف رہنا چاہیے۔ پس اگر ایک شے میں اختصار سے کام لیا گیا تو دوسری شے کو طول دیا جائے، تاکہ گہن چھٹنے تک انسان خشوع وخضوع میں مصروف رہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ دونوں رکعتوں میں رکوع وسجود کا طویل کرنا سنت ہے، اس کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ دونوں رکعتوں میں رکوع کو طویل کیا جائے۔ اس کی کوئی حد نہیں ہے، لیکن پہلی رکعت کے رکوع اول میں بمقدار سو آیتوں کے تسبیح پڑھی جائے، تو رکوع ثانی میں بقدار ستر آیتوں کے ہو۔ اسی طرح دوسری رکعت میں کیا جائے، البتہ ان میں جو کچھ کیا جائے وہ رکعت اول کے افعال سے کم ہو۔ لیکن سجدہ دونوں رکعتوں میں بمقدار معروف طویل کرنا سنت ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ رکعت اولیٰ کے پہلے رکوع کو سورہ بقرہ کی سو آیتوں کے برابر لمبا کیا جائے اور دوسرے رکوع کو اسی (۸۰) آیات کے برابر اور رکعت ثانیہ کے رکوع اول کو بمقدار ستر آیات کے، اور رکوع ثانی کو بمقدار پچاس آیات کے طویل کیا جائے۔ اور ہر رکعت کے سجدہ اولیٰ میں اتنی دیر رہا جائے جتنی دیر اس کے رکوع ثانی میں رہا گیا۔

Marfat.com

ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

اس نماز میں مقتدی کے حالات کا لحاظ نہیں کیا جائے گا، بلکہ بطریق مذکورہ بالا اس نماز کو طول دینا مشروع ہے، خواہ مقتدی اس سے راضی نہ ہوں۔ اس امر میں تین اماموں کا اتفاق ہے؛ مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۲)

واضح ہو کہ اس نماز میں اذان اور اقامت نہیں ہے۔ ہاں یہ امر مستحب ہے کہ یہ کہہ کر آواز دے دی جائے کہ "الصلوٰۃ جامعۃ" (یعنی نماز تیار ہے)۔ اس میں آہستہ قرأت کرنا مستحب ہے، لیکن حنابلہ کہتے ہیں کہ اونچی آواز سے پڑھنا سنت ہے، اور مستحب یہ ہے کہ یہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جائے تاہم یہ شرط نہیں ہے کہ جمعہ کا امام ہی اس کا امام ہو، اور نہ یہ کہ بادشاہ کے حکم سے نماز کے لیے مامور ہوا ہو۔ حنفیہ کو اس (خیال) سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۳)

تین امام اس امر پر متفق ہیں کہ یہ (نماز کسوف) جامع مسجد میں پڑھی جائے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ بغیر جماعت کے اس کا جامع مسجد میں پڑھا جانا مستحب نہیں ہے۔ تنہا گزار کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے وہ نماز ادا کرے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ہر رکوع میں تقریباً اتنی دیر رہنا چاہیے جتنی دیر میں وہ سورت پڑھی گئی جس کے بعد رکوع کیا۔ لہٰذا رکوع اول میں اتنی دیر ٹھہرنا چاہیے جتنی دیر میں سورۂ بقرہ پڑھی گئی اور رکوع ثانی میں تقریباً اتنی دیر جتنی دیر میں سورۂ آل عمران پڑھی جاتی ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ ہر رکعت کے سجدہ میں اتنی دیر رہا جائے جتنی دیر اس سے پہلے کے رکوع میں رہا گیا۔ اور دوسرا سجدہ پہلے کی بہ نسبت چھوٹا ہونا چاہیے لیکن اس کے قریب قریب ہو، مستحب یہ ہے کہ حالت رکوع و سجود میں تسبیح پڑھی جائے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اس نماز میں ہر رکعت کے پچھلے قیام و رکوع فرض ہیں اور ابتدائی قیام و رکوع سنت ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص دونوں رکعتوں کے قیام ثانی میں شامل ہو تو رکعت مل گئی۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اس نماز کو طول دینا اسی طرح مشروع ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے۔ یعنی اس حد تک کہ مقتدیوں کو ضرر نہ ہو، یا نفل پڑھنے کے لیے حلال ہونے کا جو وقت ہے اس کے نکل جانے کا اندیشہ نہ ہو یعنی زوال کا وقت آنے سے پہلے تک نماز کو طول دیا جا سکتا ہے۔

۳۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ بقول صحیح اس نماز کی امامت کے لیے یہ شرط ہے کہ جمعہ کا امام ہو۔ اگر وہ نہ ہو تو ضروری ہے

Marfat.com

نماز کسوف کا وقت

نماز کسوف کا وقت گہن لگنے سے اس وقت تک ہے جب کہ سورج صاف ہو جائے۔ درآنحالیکہ وہ وقت ایسا نہ ہو جس میں نفلی نماز کا پڑھنا ممنوع ہے۔ اگر سورج کو گرہن ایسے وقت میں لگے جس وقت نفل نماز ممنوع ہے تو (نماز کی بجائے) صرف دعا پر انحصار کرنا چاہیے۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک نماز نہ پڑھنی چاہیے۔ مالکیہ اور شافعیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

نماز کسوف میں خطبے کا بیان

نماز کسوف میں خطبہ مشروع نہیں ہے، لہٰذا اگر نماز کے دوران گہن چھٹ جائے تو اس کو اسی طرح پورا کر لینا چاہیے۔ اور اگر سورج گہن کی حالت میں غروب ہو جائے تو نماز نہ پڑھی جائے۔ نماز کسوف میں خطبہ کا نہ ہونا شافعیہ کے سوا سب کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ شافعیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

نماز خسوف (چاند گرھن) اور نماز خوف کا بیان

چاند گرہن کی نماز کے مسائل اور اس کے طریقے وہی ہیں جو سورج گرہن کی نماز کے متعلق سابقاً

کہ بادشاہ نے کسی کو امامت کے لیے اذن دیا ہو۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو لوگ اپنے اپنے گھروں میں تنہا یہ نماز پڑھ لیں۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ جس وقت بھی گہن لگنے کا یقین ہو جائے، سنت یہ ہے کہ اسی وقت نماز پڑھی جائے، گو وہ وقت ممنوع ہو، کیونکہ اس کا انحصار سبب کے موجود ہونے پر ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اس کا وقت وہ ہے جب نفل پڑھنا حلال ہوتا ہے۔ اور وہ وقت آفتاب کے بقدر ایک نیزہ بلند ہو جانے سے زوال تک ہے۔ لہٰذا نہ اس سے پہلے یہ نماز پڑھی جائے نہ اس کے بعد۔

۲۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ مردوں کی جماعت ہو تو نماز کسوف میں دو خطبے عید کی طرح نماز کے بعد پڑھے جائیں، گو سورج صاف ہو گیا ہو۔ ان خطبوں میں تکبیر کی بجائے استغفار پڑھی جائے، کیونکہ اس وقت یہی مناسب حال ہے۔ ان خطبوں کے صحیح ہونے کی وہ شرائط نہیں ہیں جو خطبہ جمعہ کی ہیں، سوا اس کے کہ لوگ سنیں اور خطبہ عربی زبان میں ہو اور خطیب مرد ہو (یعنی یہ باتیں وہی ہیں جو جمعہ کے خطبہ میں ضروری ہیں)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر نماز کے دوران سورج گہن سے نکل آئے اور ابھی تک ایک رکعت دو سجدوں کے ساتھ پوری نہ ہوئی ہو تو اس رکعت کو نماز نفل کی طرح پورا کر لیا جائے، یعنی اس کی ہر ایک رکعت میں قیام و رکوع کا اضافہ نہ کیا جائے اور نماز کو طویل بھی نہ کیا جائے۔ اگر ایک رکعت مع دو سجدوں کے پوری ہو گئی ہو تو اس صورت میں کچھ کہتے ہیں کہ اس نماز کو قیام و رکوع کی زیادتی کے ساتھ باقاعدہ پورا کیا جائے۔ لیکن طویل نہ کیا جائے۔ اور کچھ یہ کہتے ہیں کہ عام نفل نماز کی طرح

Marfat.com

بیان ہوئے؛ البتہ چند امور کی بابت مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

واضح ہو کہ خوف کی نماز مستحب ہے، لہٰذا جب حالت خوف طاری ہو مثلاً زلزلہ یا بجلی یا اندھیرا یا طوفانی ہوا یا کوئی وبا یا ایسی ہی کوئی اور ڈراؤنی صورت حال پیش آئے تو دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے، کیونکہ یہ امور اللہ تعالیٰ کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے جن کا ظہور فرما کر وہ لوگوں کو تنبیہ فرماتا ہے کہ گناہوں سے باز رہیں اور طاعت الٰہی کی طرف مائل ہوں۔ لہٰذا جب یہ باتیں ظہور میں آئیں تو چاہیے کہ لوگ اللہ کی جانب رجوع کریں اور عبادت میں مصروف ہو جائیں، تا کہ انھیں دنیا اور آخرت میں خوش بختی حاصل ہو۔ اس نماز کی حیثیت عام نوافل کی طرح ہے، لہٰذا نہ اس کی جماعت ہے اور نہ خطبہ ہے، نیز مسجد میں اس کا ادا کرنا سنت نہیں ہے، بلکہ افضل یہ ہے کہ وہ گھروں میں ادا کی جائے۔ اس بارے میں مالکیہ اور حنفیہ کا اتفاق ہے، لیکن حنابلہ کہتے ہیں کہ ان حالات مذکورہ میں سے کسی کے لیے نماز پڑھنا مستحب نہیں

اسے پورا کر لیا جائے۔ ان دونوں اقوال کی حیثیت یکساں ہے (یعنی کسی ایک قول کو ترجیح نہیں ہے)۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ خسوف قمر کی نماز کسوف شمس کی طرح ہے، سوا اس کے کہ یہ مستحب ہے اور اس میں جماعت مشروع نہیں ہے اور اس نماز کا جامع مسجد میں پڑھا جانا سنت نہیں ہے، بلکہ وہ گھروں میں منفرداً پڑھی جائے۔

شافعیہ کہتے ہیں خسوف کی نماز اسی طرح ہے جس طرح کسوف کی نماز، صرف دو باتیں مختلف ہے۔ ایک تو یہ کہ نماز خسوف میں اونچی آواز میں قرأت کی جائے، نماز کسوف میں نہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر گہن کی حالت میں سورج ڈوب جائے تو نماز کسوف فوت ہو جاتی ہے۔ بخلاف نماز خسوف کے کہ اگر چاند گہن کی حالت میں چھپ جائے تو نماز طلوع آفتاب تک پڑھی جائے۔

اگر نماز کسوف یا نماز خسوف فوت ہو جائے تو اس کی قضا نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ خسوف قمر کی نماز مستحب ہے، بقول معتمد سنت نہیں ہے، بخلاف نماز کسوف کے کہ وہ سنت ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ اس کا طریقہ وہی ہے جو نفل نماز کا ہے۔ لیکن اس میں قرأت کو طول نہ دیا جائے اور قیام و رکوع میں اضافہ نہ کیا جائے۔ مستحب یہ ہے کہ اس میں اونچی آواز سے قرأت پڑھی جائے۔ اس کا وقت چاند کو گہن لگنے سے گہن چھٹ جانے تک ہے۔ ممنوع النفل اوقات میں اس کا پڑھنا ممنوع ہے۔ صرف دو رکعتوں کے پڑھ لینے سے امر مستحب پورا ہو جاتا ہے۔ نیز مستحب یہ ہے کہ یہ نماز بار بار پڑھی جائے، یہاں تک کہ چاند صاف ہو جائے۔ یا چھپ جائے، یا سورج طلوع ہو جائے۔ بخلاف نماز کسوف کے کہ اس کو دوبارہ نہ پڑھا جائے، سوا اس صورت کے جب کہ سورج صاف ہو کر پھر نہ گہن میں پڑ جائے۔ اس کو مسجد میں ادا کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح اس کی جماعت بھی مکروہ ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ خسوف کی نماز بھی نماز کسوف کی طرح ہے، سوا اس کے کہ گہن لگا ہوا چاند اگر چھپ جائے تو چاند گہن کی نماز ادا کی جائے، بخلاف سورج گہن کی نماز کے (کہ وہ گہن کی حالت میں ڈوب جائے تو نماز نہ پڑھی جائے)

Marfat.com

ہے؛ البتہ اگر زلزلے جاری رہیں تو اس کے لیے دو رکعتیں نماز کسوف کی طرح پڑھی جائیں۔
شافعیہ کے ہاں ان امور میں سے کسی کے لیے نماز کا ذکر نہیں ہے۔

ان اوقات کا بیان جن میں نماز شرعاً ممنوع ہے

پنج وقتہ نماز فرض کے بیان میں سابقاً یہ بتایا جا چکا ہے کہ نماز پڑھنے کے اوقات مقرر ہیں کہ اگر وقت نماز نکل گیا اور حرام وقت میں نماز پڑھی تو گناہ ہوگا۔ اگر مکروہ وقت میں نماز پڑھی تو امر مکروہ کا ارتکاب کیا۔ لیکن اماموں میں سے تین اصحاب اس امر پر متفق ہیں کہ وقت آ جانے کے بعد جب بھی نماز پڑھی جائے تو صحیح ہوگی۔ لیکن تین اوقات ایسے ہیں جن کے بارے میں حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نماز فرض ان اوقات میں قطعاً نہیں ہوتی۔ ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

جیسا کہ بیان ہوا۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ تین اوقات ایسے ہیں جن میں فرض نماز مطلق نہیں ہوتی: اول سورج کے طلوع ہوتے وقت جب تک کہ آفتاب بلند نہ ہو جائے۔ لہٰذا اگر طلوع آفتاب سے پہلے نماز فجر شروع کر دی اور نماز ختم ہونے سے پہلے ہی نماز کے درمیان سورج طلوع ہو گیا تو نماز جاتی رہے گی۔ ہاں اگر کوئی شخص آخری رکعت میں ہے اور بمقدار تشہد بیٹھ چکا ہے تو اس صورت میں حنفیہ کے مابین باہم اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ نماز باطل ہو جائے گی، اور بعض کہتے ہیں کہ باطل نہ ہوگی۔

دوسرا وقت وہ ہے جب کہ سورج نصف النہار پر ہو، یہاں تک کہ زوال آفتاب ہو جائے۔ زوال آفتاب کا مقصد اوقات نماز کے بیان میں بتایا جا چکا ہے۔

تیسرا اس وقت سے جب کہ ڈوبتے وقت سورج سرخ ہو جائے۔ غروب آفتاب تک، لیکن اس وقت اس روز کی عصر (جو اس وقت نہیں پڑھی گئی) پڑھی جا سکتی ہے۔ سورج کے سرخ ہو جانے کے بعد عصر کی نماز تو ہو جائے گی لیکن کراہت تحریمی کے ساتھ۔

سجدۂ تلاوت کا حکم بھی (اس بارے میں) وہی ہے جو فرض نمازوں کا ہے۔

یاد رہے کہ اگر سجدہ تلاوت وقت ممنوع سے پہلے فرض ہوا اور سجدہ وقتِ ممنوع میں کیا گیا تو یہ سجدہ صحیح نہ ہوگا، مثلاً آیت سجدہ سورج کے نکلنے سے پہلے سنی گئی اور سجدہ سورج کے طلوع ہونے کے وقت کیا گیا (تو سجدہ صحیح نہ ہوگا)۔ لیکن اگر سجدۂ تلاوت کی آیت ان اوقات ممنوع ہی میں سنی گئی اور اس کے ساتھ ہی سجدہ کر لیا تو صحیح ہو گیا۔ چنانچہ اگر قاری قرآن کو عین سورج طلوع ہونے کے وقت، یا نصف النہار میں سورج کے ٹھہراؤ کے وقت یا ڈوبتے ہوئے سورج کے سرخ ہونے کے وقت آیت سجدہ پڑھتے ہوئے سنا اور فوراً سجدہ کر لیا تو وہ سجدہ صحیح ہوگا۔ لیکن افضل یہی ہے کہ سجدہ میں اس قدر تاخیر کی جائے کہ وہ وقت آ جائے جس میں نماز پڑھنا روا ہے۔ اسی طرح نماز جنازہ کا بھی وہی حکم ہے جو سجدۂ تلاوت کا ہے کہ اگر

Marfat.com

ان اوقات کے بارے میں جن میں نفل نماز ممنوع ہے، مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (۱)

جنازہ اوقات ممنوعہ سے پہلے تیار ہو جائے اور ہنوز نماز نہیں پڑھی گئی تو ان اوقات میں نماز جنازہ درست نہ ہوگی، البتہ اگر نماز جنازہ عین اس وقت تیار ہوئی جب کہ ممنوع وقت آ گیا تھا تو نماز پڑھنا صحیح ہوگا، بلکہ نماز جنازہ کے لیے اس وقت کا انتظار کرنا، جس میں نماز روا ہے، امر مکروہ ہے۔

یہ تمام مسائل فرض نمازوں کے متعلق ہیں۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جن اوقات میں نفل پڑھنا مکروہ تحریمی ہے وہ یہ ہیں: طلوع صبح کے بعد نماز فجر سے پہلے کا وقت۔ اس وقت صرف فجر کی سنتیں پڑھی جاسکتی ہیں کہ یہ مکروہ نہیں ہے۔

فجر کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک نفل پڑھنا مکروہ ہے، یہاں تک کہ فجر کی سنت قضا ہو گئی ہو تو وہ بھی نہ پڑھی جائے، نیز یاد رہے کہ اگر صرف سنت فوت ہوئی ہے تو وہ ساقط ہو جائے گی، اس کا اعادہ نہیں ہے جیسا کہ سابقاً بیان ہوا۔

عصر کی نماز فرض کے بعد آفتاب کے غروب ہونے تک۔ اور جب خطیب خطبہ کے لیے اپنے حجرے سے نکل آئے، خواہ یہ خطبہ جمعہ کا ہو، یا عید کا، یا حج کا، یا نکاح کا یا نماز کسوف یا استسقا کا۔ نیز وہ وقت جب کہ مؤذن نماز فرض کی اقامت کہنے لگے (ان اوقات میں نماز ممنوع ہے)، البتہ فجر کی سنت پڑھی جاسکتی ہے درآنحالیکہ جماعت فجر کے فوت ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ جیسا کہ سابقاً بیان ہوا۔ اسی طرح عید کی نماز سے پہلے اور اس کے بعد بھی (نفل ممنوع ہے) جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ نیز عرفہ کے دن ظہر اور عصر کی نماز جو بطریق جمع تقدیم پڑھی جاتی ہے اس کے درمیان میں نفل ممنوع ہے، یہاں تک کہ ظہر کی سنت بھی (منع ہے) نیز مغرب وعشاء کی نمازوں کے درمیان جو مزدلفہ میں اکٹھی بطریق جمع تاخیر پڑھی جاتی ہیں (نفل ممنوع ہے) حتیٰ کہ نماز مغرب کی سنت بھی نہ پڑھی جائے۔ اور اس وقت جب کہ نماز فریضہ کا وقت تنگ ہو رہا ہو نماز پڑھی گئی تو نماز ہو جائے گی۔ لیکن یہ عمل مکروہ تحریمی ہے اور واجب یہ ہے کہ ایسے وقت میں نماز کو توڑ دیا جائے اور اس وقت پڑھا جائے جب کہ نماز کا پڑھنا روا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ (اوقات ممنوعہ میں) نفل پڑھنا حرام ہے اور (پڑھی جائے تو) ادا نہ ہوگی، اگرچہ ان اوقات کی نماز کسی سبب سے وابستہ ہو۔ وہ (اوقات ممنوع) یہ ہیں۔

اول ظہور صبح سے سورج کے بقدر ایک نیزہ بلند ہونے تک، لیکن فجر کی سنتوں کا نماز فجر سے پہلے پڑھ لینا درست ہے۔ نماز فجر کے بعد پڑھنا حرام ہے، اور سنت بھی ادا نہ ہوگی۔

دوم نماز عصر کے بعد سے مغرب کا وقت ختم ہونے تک اگرچہ یہ نماز عصر ظہر کے ساتھ ملا کر بطور جمع تقدیم ادا کی گئی ہو، البتہ عصر اور ظہر کی نماز اکٹھی ادا کرنے کے بعد ظہر کی سنت پڑھنا جائز ہے۔

سوم آفتاب کے نصف النہار پر پہنچنے سے زوال آفتاب ہو جانے تک۔ ان احکامات سے طواف کی دو رکعتیں مستثنیٰ ہیں کہ اگرچہ وہ بھی نفل نماز ہے، لیکن ان اوقات میں اس کا پڑھنا جائز ہے۔ اسی طرح وہ نماز بھی جائز ہے جو (کسی وجہ

Marfat.com

سے) دوبارہ پڑھنی پڑی ہو، بشرطیکہ جماعت سے اور مسجد میں پڑھی جائے یہ نماز اگرچہ نفل ہوگی، لیکن وقت ممنوع میں اس کا پڑھنا جائز ہے۔ نیز اگر کوئی شخص آفتاب کے عین نصف النہار پر ہونے کے وقت جبکہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو، مسجد میں داخل ہوا تو تحیۃ المسجد پڑھنا جائز ہے۔ اگر کسی نے جائز وقت میں نفل نماز شروع کر دی اور نماز پڑھنے میں ممنوعہ وقت آ گیا تو اس نماز کو پورا کرنا حرام ہے، اگرچہ (بذات خود) نماز ہو جائے گی۔ جنازے کی نماز عین دوپہر کے وقت جب کہ سورج کھڑا ہو، حرام ہے، جب تک کہ سورج کو زوال نہ ہو جائے۔ اسی طرح سورج ڈوبنے کے وقت جب تک کہ وہ پورے طور پر غروب نہ ہو جائے، اور سورج نکلتے وقت جب تک کہ وہ پورے طور پر طلوع نہ ہو جائے نماز پڑھنا حرام ہے، اور بغیر کسی عذر کے وہ نماز ادا نہ ہوگی؛ اس کے لیے معذوری ہو تو جائز ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ (اوقات ممنوعہ میں) نفل نماز پڑھنا اگر وہ کسی سبب کے ساتھ وابستہ نہیں ہے، تو مکروہ تحریمی ہے۔ اور پانچ اوقات ایسے ہیں جن میں نماز نہیں ہوتی؛ وہ اوقات یہ ہیں:

اول نماز فجر ادا کرنے کے بعد سے سورج کے بلند ہو جانے تک۔

دوم سورج طلوع ہونے کے بعد بقدر ایک نیزہ بلند ہو جانے تک۔

سوم نماز عصر ادا کرنے کے بعد، اگرچہ وہ ظہر کے ساتھ ملا کر پڑھی گئی ہو۔

چہارم سورج کے زرد پڑ جانے سے غروب ہو جانے کے وقت تک۔

پنجم آسمان پر سورج کے نصف النہار پر پہنچ جانے کے وقت سے لے کر زوال ہو جانے تک۔

ایسی نمازیں جو کسی سبب سے وابستہ ہیں جیسے تحیۃ المسجد یا تحیۃ الوضو کی نماز اور طواف کے بعد کی دو رکعتیں ہیں، ان نمازوں کا (وقت ممنوعہ میں) پڑھنا صحیح ہے، مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا سبب یعنی طواف اور وضو اور مسجد میں داخل ہونا پہلے پایا گیا۔ یہی حکم اس نماز کا ہے جو سبب کی موجودگی میں پڑھی جاتی ہے جیسے نماز استسقا اور نماز کسوف۔ ایسی نمازوں کا پڑھنا بھی (اوقات ممنوعہ میں) بلا کراہت صحیح ہے، کیونکہ ان کا موجب موجود ہوتا ہے یعنی قحط اور سورج کا گہن میں چھپنا۔ لیکن ایسی نمازیں جن کا تعلق آئندہ کسی سبب سے ہے جیسے نماز استخارہ اور نماز توبہ، یہ نمازیں (اوقات ممنوعہ میں) ادا نہ ہوں گی، کیونکہ ان کا موجب نماز سے متاخر ہے۔ ان احکام سے مکہ معظمہ کی نمازیں مستثنیٰ ہیں، کیونکہ وہاں ہر وقت یعنی اوقات مکروہ میں بھی نماز ادا ہو جائے گی، اگرچہ ایسا کرنا خلاف اولیٰ ہے۔ نیز جمعہ کے دن دوپہر کا وقت (ممنوع) سے مستثنیٰ ہے۔ چنانچہ جمعہ کے دن اس وقت نماز پڑھنا حرام نہیں ہے۔ ہاں جمعہ کے روز جب خطیب خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھ جائے تو اس وقت نماز حرام ہو جائے گی۔ سوائے تحیۃ المسجد کے کہ اس کا پڑھ لینا سنت ہے، بشرطیکہ صرف دو رکعت ہو۔ اگر تیسری رکعت کے لیے کوئی کھڑا ہو گیا تو پوری نماز باطل ہو جائے گی۔ جمعہ کے علاوہ کسی اور نماز کے خطبہ کے وقت نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ اسی طرح جب فرض نماز کی اقامت ہو رہی ہو تو نفل نماز کا پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ لیکن یہ نماز اس صورت میں حرام ہو جائے گی جب کہ اس کے پڑھنے میں دوسری رکعت کے رکوع میں بھی امام کے ساتھ شمولیت نہ ہو سکے۔ ایسی صورت ہو تو نماز توڑ کر جماعت میں شامل ہو جانا چاہیے۔ اگر کسی نے اقامت سے پہلے نفل نماز شروع کی اور پھر اقامت کہی جانے لگی

Marfat.com

اور وہ نماز میں ہے تو اس نماز کو پورا کر لینا چاہیے، بشرطیکہ یہ اندیشہ نہ ہو کہ (اس کی نماز پوری ہونے سے پہلے ہی) امام سلام پھیر کر نماز ختم کر دے گا اور وہ (کلیۃً) جماعت سے رہ جائے گا۔ بصورت دیگر مستحب یہ ہے کہ اگر دوسری رکعت مل جانے کا پکا گمان نہ ہو تو نماز توڑ دی جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ سات اوقات ایسے ہیں جن میں تمام نفلی نمازیں حرام ہیں۔ ان میں پنج وقتہ فرض نمازوں کے علاوہ تمام نمازیں شامل ہیں، مثلاً جنازے کی (نماز جب کہ میت کے خراب ہونے کا ڈر نہ ہو) اور سجدۂ تلاوت وسجدۂ سہو۔ اور وہ سات اوقات یہ ہیں:

سورج کے طلوع ہونے کے وقت سے پورے طور پر طلوع ہو جانے تک۔

سورج کے غروب ہونے کے وقت سے پورے طور پر غروب ہو جانے تک۔

خطبہ جمعہ کے وقت بالاتفاق اور خطبہ عید کے وقت بقول راجح۔

جب امام خطبہ کے لیے جائے۔

جب نماز کا وقت اختیاری یا نماز کا وقت ضروری تنگ ہونے لگے۔

فوت شدہ نماز یاد آ جائے تب۔

فوت شدہ نماز میں وتر شامل نہیں ہے، کیونکہ اس کی اہمیت (فرض کے مقابلہ میں) کم ہے۔ فرض نماز کی قضا یاد آتے ہی واجب الادا ہو جاتی ہے (لہٰذا اس وقت نفل پڑھنے لگنا ممنوع ہوا) آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے **من نسی صلوٰۃ فلیصلیھا اذا ذکرھا، لا کفارۃ لھا الا ذالک** "(یعنی جو شخص نماز بھول جائے تو یاد آتے ہی اسے پڑھ لینا چاہیے۔ یہی اس کا کفارہ ہے)۔

اور (ساتویں) اس وقت جب کہ مقرر شدہ امام کے لیے اقامت کہی جائے، کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: اذا "**قیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبہ**" (یعنی جب نماز کے لیے اقامت ہو جائے تو بجز فرض کے اور کوئی نماز نہ پڑھی جائے)۔

حسب ذیل اوقات میں نفل اور نفل جیسی اور نمازیں جن کا ذکر اوپر ہوا مکروہ ہیں:

اول طلوع صبح کے بعد سورج نکلنے سے کچھ پہلے تک۔ اس حکم (کراہت) سے چند امور مستثنیٰ ہیں، مثلاً رغیبۂ فجر، (وہ نماز جو علی الصباح پڑھی جاتی ہے) یہ نماز فجر کی نماز سے پہلے پڑھ لی جائے تو مکروہ نہیں ہے، اس کے بعد اس کا پڑھنا مکروہ ہے۔ اسی طرح نماز ورد یعنی وہ نماز جسے کسی شخص نے رات سے اپنے اوپر لاگو کر لیا ہو، اس کا پڑھنا بھی طلوع فجر کے بعد مکروہ نہیں ہے۔ بلکہ چند شرائط کے تحت مستحب ہے (وہ شرطیں یہ ہیں):

۱۔ یہ کہ اس کو فجر کی سنت اور فرض سے پہلے پڑھا جائے۔ اگر فجر کی نماز پڑھ لی ہے تو ورد فوت ہو جائے گی۔ اگر صبح کی سنتوں کے پڑھتے میں وہ یاد آ گئی تو سنت کی نیت توڑ کے پہلے ورد پڑھ لے۔ اور اگر سنتیں پڑھنے کے بعد یاد آئی تو نماز ورد ادا کر کے دوبارہ فجر کی سنتیں پڑھی جائیں، کیونکہ ورد نماز فجر کے بعد فوت ہو جاتی ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

Marfat.com

۲۔ یہ کہ صبح کے نمودار ہونے سے پہلے ہی پڑھی جائے؛ اگر ظہور صبح کا وقت ہو گیا تو اس کا پڑھنا مکروہ ہے۔

۳۔ یہ کہ اس ورد کی عادت ہو؛ اگر رات کے اندر نفل پڑھنے کی عادت نہیں ہے تو ظہور صبح کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

۴۔ یہ کہ اس کے ادا کرنے میں تاخیر پچھلی شب کو نیند کے غالب آجانے کے باعث ہوئی ہو۔ اگر یہ تاخیر سستی کے باعث ہوئی ہے تو صبح کے نمودار ہونے کے بعد اس کا پڑھنا مکروہ ہے۔

۵۔ یہ کہ اس ورد کے پڑھنے میں نماز باجماعت کے فوت ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو؛ ایسا ہوا تو ورد کا ادا کرنا اس کے لیے جو مسجد سے باہر رہتا ہے، مکروہ ہے، اور اس کے لیے جو مسجد ہی میں رہتا ہے، حرام ہوگا، اور یہ بھی شرط ہے کہ جماعت کرانے والا امام مقرر ہو۔

اوقات مذکورہ میں جن نمازوں کا پڑھنا مکروہ ہے ان سے نماز شفع اور نماز وتر مستثنیٰ ہیں، بشرطیکہ صبح کے نمودار ہونے تک وہ نہ پڑھی گئی ہو۔ اس کا پڑھنا اس وقت تک مطلوب ہے جب تک کہ نماز فجر نہ پڑھی گئی ہو، لیکن اگر نماز فجر میں اتنی تاخیر ہو گئی کہ سورج کے طلوع ہونے میں محض اتنی دیر باقی ہے کہ صرف نماز فجر ادا کی جاسکے تو نماز شفع اور نماز وتر چھوڑ کر نماز فجر پڑھ لی جائے۔

(اوقات ممنوعہ میں) جو نمازیں کراہت سے مستثنیٰ ہیں ان میں نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت بھی ہے۔ اگر یہ کام صبح کے نمودار ہونے سے پہلے کر لیا گیا، گو نماز فجر کے بعد ہو، تو یہ مکروہ نہ ہوگا۔ لیکن صبح نمودار ہونے کے بعد شفع اور وتر مکروہ ہیں۔ تاہم ایسی صورت میں جب کہ میت کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو نماز جنازہ میں تاخیر نہ کی جائے (یعنی وقت ممنوعہ ہی میں پڑھ لی جائے)۔

دوسرا مکروہ وقت طلوع آفتاب کے بعد سے اس وقت تک ہے جب تک کہ سورج بمقدار ایک نیزہ کے بلند نہ ہو گیا ہو، اور ایک نیزہ کی مقدار اوسط درجہ کی بالشت سے بارہ بالشت کے برابر ہے۔

تیسرا وقت عصر کا فریضہ ادا کرنے کے بعد سے سورج ڈوبنے سے کسی قدر پہلے تک ہے۔ اس حکم میں نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت مستثنیٰ ہیں بشرطیکہ سورج کے زردی پر آجانے سے کسی قدر پہلے اس کو کر لیا جائے۔ سورج کے زرد ہو جانے کے بعد یہ دونوں امور مکروہ ہیں۔ ہاں اگر جنازہ کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو اس وقت بھی نماز پڑھ لینا مکروہ نہیں ہے۔

چوتھا (مکروہ وقت) سورج کے پورے طور پر غروب ہو جانے کے بعد سے مغرب کی نماز پڑھی جانے تک ہے۔

پانچواں (مکروہ وقت) عید کی نماز سے پہلے اور اس کے بعد عید گاہ کے اندر، اس کی تفصیل اوپر ہو چکی ہے۔

ان اوقات سابقۃ الذکر، یعنی اوقات حرام و مکروہ میں نفل پڑھنے کی ممانعت ہے جب کہ نفل پڑھنا مقصود ہو۔ پس اگر نفل کا ارادہ ہے تو اس کی ممانعت امر حرام یا مکروہ سے ممانعت ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا اگرچہ وہ نذر نماز ہو یا کسی نفل کے فاسد ہو جانے پر اس کی قضا ہو۔ لیکن اگر وہ نفل غیر مقصودہ ہے، مثلاً کوئی شخص وقت ممنوع میں فرض نماز پڑھنے لگا اور فرض حاضر کی ایک رکعت پڑھنے کے بعد یاد آیا کہ اس کے ذمہ قضا واجب ہے تو مستحب یہ ہے کہ اس ایک رکعت کے ساتھ دوسری رکعت ملا کر (دوگانہ) پوری کر لے تو وہ نماز نفل ہو جائے گی (اگرچہ نفل پڑھنا مقصود نہ تھا)۔ اس صورت میں وہ نفل

Marfat.com

جن نوافل کا وقت نکل گیا یا جو شروع کرنے کے بعد فاسد ہوگئیں ان کی قضا کا بیان

کوئی نفل نماز فوت ہو جائے تو اس کی قضا نہ پڑھی جائے، سوائے فجر کی دو رکعت سنت کے کہ اس کی قضا پڑھی جائے گی۔ طلوع آفتاب کے بعد سے جب کہ نفل پڑھنا روا ہوتا ہے زوال کے وقت تک پڑھ لینا چاہیے جیسا کہ سابقاً مفصل بتایا گیا ہے۔ اس پر حنفیہ اور مالکیہ کا اتفاق ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کو اختلاف ہے۔ ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

اگر نفل نماز شروع کی اور پھر اسے فاسد کر دیا تو اس کی قضا واجب نہیں ہے، کیونکہ وہ شروع کرنے سے متعین نہیں ہو جاتی۔ اس پر شافعیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے، مالکیہ اور حنفیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

نفل نماز پڑھنے کا بیان۔ گھر میں یا مسجد میں؟

نفل نماز کا گھر میں پڑھنا افضل ہے، کیوں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ: "صلوا ایها الناس فی بیوتکم فان افضل الصلاۃ المرء فی بیته الا المکتوبه" رواہ البخاری والمسلم

مکروہ نہ ہوگی۔

اگر کسی نفل نماز کی نیت وقت ممنوع میں کی گئی اور وہ وقت حرام ہے تو نماز توڑ دینا واجب ہے۔ بجز اس صورت کے جب کہ کوئی شخص اس وقت مسجد میں آیا جب کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو اور بے خبری یا بھول میں نفل شروع کر دی تو اسے توڑنا نہ چاہیے۔ اور کسی شخص کے نفل شروع کرنے کے بعد امام خطبہ کو گیا تو اس نماز کو توڑنا نہ چاہیے، اگر چہ پوری ایک رکعت نہ پڑھی ہو، بلکہ اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ اور مکروہ وقت ہو تو نماز کا توڑ دینا مستحب ہے (واجب نہیں ہے)، ان دونوں صورتوں میں قضا نہیں ہے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ ایسی نفلوں کی قضا مستحب ہے جن کے اوقات متعین ہیں، مثلاً وہ نوافل جو فرض نمازوں کی تابع ہیں اور نماز ضحیٰ اور نماز عیدین۔ لیکن جن نوافل کے لیے اوقات متعین نہیں ہیں، خواہ وہ کسی سبب سے وابستہ ہوں، جیسے نماز کسوف، یا کسی سبب سے وابستہ نہ ہوں، جیسے مطلق نوافل، ان کی قضا نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نوافل میں سے کسی کی قضا نہیں ہے، بجز ان سنتوں کے جو فرض یا وتر کی تابع ہیں۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی نفل مطلوب شروع کر کے توڑ دی گئی تو اس کی قضا لازم ہے۔ پس اگر دو رکعتوں کی نیت کی یا کوئی عدد متعین نہ کیا تھا اور اس کو فاسد کر دیا تو صرف دو رکعتوں کی قضا لازم ہے، اور بقول صحیح یہی حکم اس صورت

Marfat.com

(یعنی اے لوگو فرض نمازوں کے سوا نمازیں اپنے گھروں میں پڑھا کرو۔ کیونکہ مرد کے لیے سب سے بہتر وہ نماز ہے جو گھر میں پڑھی جائے)۔ اس حکم سے وہ نمازیں مستثنٰی ہیں جن کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا مشروع ہے۔ مثلاً تراویح، لہٰذا اس کا مسجد میں ادا کیا جانا افضل ہے، جیسا کہ سابقاً اس کے بیان میں بہ تفصیل بتایا گیا۔

سواری کے جانور پر نماز نفل پڑھنے کا بیان

نفل نماز کا سواری کے اوپر پڑھنا بغیر معذوری کے بھی جائز ہے۔ اس بارے میں مسالک مختلفہ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۱)

میں ہے جب کہ چار رکعت کی نیت کی ہو۔ اگر کوئی نفل شروع کی جس کے متعلق گمان تھا کہ یہ مطلوب ہے (یعنی نفل پڑھنا ہی پیش نظر تھا) پھر بہ دوران نماز یہ معلوم ہوا کہ وہ مطلوب نہیں ہے (یعنی نفل کے خیال سے نہیں پڑھی گئی) تو اس کی قضا لازم نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر نفل نماز کو توڑا ہو تو اس کی قضا واجب ہو جاتی ہے۔ پس اگر دو رکعت کی نیت کی تھی یا کوئی تعداد متعین نہیں کی تھی اور وہ نماز توڑ دی تو صرف دو رکعت قضا واجب ہوگی۔ اگر چار رکعت کی نیت کی اور اُسے توڑ دیا لیکن تیسری رکعت کا رکوع اطمینان اور اعتدال سے کرنے سے پہلے توڑا تو صرف دو رکعتوں کی قضا واجب ہے۔ اور اگر تیسری رکعت کی مذکورہ باتیں کرنے کے بعد نماز توڑی تو چار رکعتوں کی قضا واجب ہوگی۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ نفل نماز سواری کے جانور پر سفر کی سمت رخ کر کے پڑھنا جائز ہے۔ اس سمت سے منہ موڑنا جائز نہیں ہے؛ ہاں ادھر سے قبلہ کی طرف مڑنا ہو تو جائز ہے۔ اگر ارادۃً اور جان بوجھ کر اس سمت سے انحراف کیا تو نماز باطل ہو جائے گی اور یہ امر صرف مسافرت کی حالت میں جائز ہے، اگرچہ وہ سفر اتنا نہ ہو جس میں قصر لازم آتا ہے۔ اور چاہیے کہ سواری پر رکوع و سجود کے ساتھ پوری پڑھی جائے۔ البتہ اگر یہ دشوار ہو تو رکوع و سجود اشارہ سے کیا جائے بایں طور کہ اگر ممکن ہو تو سجدہ میں رکوع سے زیادہ جھکا جائے، ورنہ جس طرح ممکن ہو عمل کرنا چاہیے۔ اگر سواری پر نماز پڑھنے میں قبلہ کی طرف رخ کرنا دشوار نہ ہو تو قبلہ رخ ہونا واجب ہے۔ اگر پوری نماز کے دوران قبلہ رخ رہنا دشوار ہو تو واجب ہے کہ نماز شروع کرتے میں تکبیر تحریمہ کے وقت قبلہ رخ ہو جائے۔ اگر یہ بھی دشوار ہو تو بشرائط ذیل قبلہ رخ ہونے کا فریضہ ساقط ہو جائے گا:

اول یہ کہ وہ سفر مباح ہو۔

دوم یہ کہ سفر کا ارادہ وہاں تک ہو جہاں تک جمعہ کی اذان نہ سنی جا سکے۔

سوم یہ کہ سفر کا کوئی دینی مقصد مثلاً تجارت ہو۔

Marfat.com

چہارم یہ کہ سفر اتنی دیر جاری رہے کہ جو نماز شروع کی ہے اس کو (بہ دوران سفر) پورا کیا جا سکے۔ اگر نماز کے دوران سفر طے ہو گیا تو قبلہ کی طرف رخ کر لینا ضروری ہے۔

پنجم یہ کہ سفر مسلسل جاری رہے۔ اگر دوران نماز میں کہیں اترنا یا آرام کے لیے ٹھہرنا ہو تو جب تک پھر سفر کی حالت نہ ہو قبلہ رخ ہو جانا ضروری ہے۔

ششم یہ کہ بغیر مجبوری کے عمل کثیر نہ کیا جائے۔ مثلاً اس نماز کے دوران بلا ضرورت ایڑ لگانا یا جانور کو دوڑانا، ہاں ایسی کوئی ضرورت پڑ جائے تو مضائقہ نہیں۔ واجب ہے کہ سواری پر بیٹھنے کی جگہ پاک ہو۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ جانور پیشاب کر دے یا اس کے منہ میں خون آجائے یا کسی بھیگی نجاست کو روندے۔ ایسی صورت میں اگر نمازی کے ہاتھ میں اس جانور کی باگ ہو تو نماز باطل ہو جائے گی ورنہ نہ ہو گی۔ اگر نجاست خشک ہو اور جانور سے لگتے ہی دور ہو گئی ہو تو نماز درست ہو جائے گی ورنہ نہ ہو گی؛ لیکن اگر خود کسی نے اپنے جانور سے نجاست کو روندایا تو نماز مطلقاً باطل ہو جائے گی۔

پیدل سفر کرنے والے کو جائز ہے کہ چلتے میں نفل نماز پڑھتا جائے، چنانچہ اگر کوئی کیچڑ میں نہیں چل رہا تو لازم ہے کہ رکوع وسجود باقاعدہ کرے اور رخ قبلہ کی طرف رہے۔ اسی طرح نیت باندھنے کے وقت اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کے وقت بھی رخ قبلہ کی جانب رکھنا واجب ہے اور چلتے ہوئے صرف حالت قیام اور رکوع کے بعد اچھی طرح کھڑے ہو کر نماز جاری رکھنی چاہیے۔ اور تشہد وسلام کے وقت بھی چلتے ہوئے اسی طرح نماز ہو سکتی ہے۔ اگر کسی شخص کو برف یا کیچڑ پانی میں چلنے کا اتفاق ہو تو رکوع وسجود کا اشارہ سے ادا کرنا جائز ہے، لیکن یہ لازم ہے کہ دونوں حالتوں میں رخ قبلہ کی جانب ہو۔ اگر پیدل چلنے والا نماز کی حالت میں ارادۃً نجاست کو روندے تو نماز مطلقاً باطل ہو جائے گی۔ اگر بھولے سے نجاست کچلی گئی اور وہ خشک ہو اور فوراً ہی اس سے علیحدگی ہو جائے تو نماز صحیح ہو جائے گی، ورنہ نماز جاتی رہے گی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ قصر واجب کرنے والے سفر میں جس کے مسائل آگے آرہے ہیں، جانور کی پیٹھ پر نفل نماز پڑھنا جائز ہے، اگرچہ وہ وتر کی نماز ہو، شرط یہ ہے کہ مسافر سواری پر قاعدہ کے مطابق سوار ہو۔ اور سواری پر نماز احتیاطاً صرف اس وقت ہونی چاہیے جب کہ سفر اتنا ہو چکا ہو جس میں قصر واجب ہوتا ہے۔

اب اگر کوئی شقدف یا تخت رواں وغیرہ پر سوار ہے اور بالعموم اس پر رکوع وسجود کیا جا سکتا ہے تو رکوع وسجود کے ساتھ نماز ادا کرے، کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر یا چاہے تو اشارہ سے جس طرح بھی سہولت ہو۔ اور جس سمت کو سفر ہے اسی سمت رخ کر لینا قبلہ کی جانب رخ کرنے کے برابر ہے۔ اگر کوئی شخص گدھی وغیرہ پر سوار ہے تو رکوع اور اشارہ سے سجدہ کر کے نماز پڑھے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اشارہ زمین کی جانب ہو زین وغیرہ کی جانب نہ ہو اور پیشانی پر سے عمامہ ہٹا ہوا ہو یہ ضروری نہیں ہے کہ جس طرف اشارہ کیا جائے وہ زمین پاک ہو۔ اور اس حال میں قبلہ کی طرف رخ کرنا بھی واجب نہیں ہے، نیز (قبلہ رخ ہونے کی بجائے) سفر کی سمت رخ کرنا کافی ہے۔ اگر ادھر سے ارادۃً منہ موڑ لیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ ہاں اگر قبلہ کی جانب رخ کرنے کے لیے مڑنا ہوا تو صحیح ہے کیونکہ اصل قبلہ تو وہی ہے۔ ایسے مسافر کے لیے مستحب یہ ہے کہ نماز شروع کرتے وقت منہ قبلہ کی جانب ہو، تاہم یہ امر واجب نہیں ہے گو ادھر آسانی سے رخ کیا جا سکتا ہو۔

Marfat.com

پیدل سفر کی صورت میں یا ایسے سفر میں جس میں قصر واجب نہیں ہے، خواہ اس لیے کہ مسافت تھوڑی ہو، یا مثلاً اس لیے کہ سفر جائز نہ ہو، نیز ایسی صورت میں جب کہ کوئی شخص سواری پر عام قاعدہ کے مطابق سوار نہ ہو، مثلاً الٹی طرف منہ کر کے بیٹھا ہو تو ان حالتوں میں بغیر قبلہ کی جانب رخ کیے اور بغیر رکوع وسجود کے نماز درست نہ ہوگی۔

سواری کے جانور پر نفل نماز پڑھنے والے کو جائز ہے کہ وہ (حالت نماز میں) سواری کی ضروری باتیں کریں، مثلاً سواری کو چابک وغیرہ مارنا اور پاؤں کو ہلانا اور باگ کو ہاتھ سے تھامے رہنا۔ لیکن اس دوران بولنا اور ادھر اُدھر مڑنا تڑنا منع ہے۔

اگر سواری کے جانور کی پیٹھ پر نماز شروع کی اور پھر قیام کرنے کا ارادہ ہوگیا جس کے ساتھ سفر ختم ہوگیا تو سواری سے اتر کر نماز پوری کرنی چاہیے، یا پھر قرأت مختصر کر کے سواری ہی پر نماز پوری کی جائے۔

فرض نماز کا جانور کی پیٹھ پر پڑھنا، اگرچہ وہ نذر کی نفلیں ہوں، صحیح نہیں ہے۔ ہاں عماری یا پالان وغیرہ میں نماز پڑھی جاسکتی ہے، بشرطیکہ اس میں قبلہ کی طرف رخ اور رکوع وسجود کیا جائے۔ گدھی وغیرہ پر فرض نماز بلا مجبوری کے صحیح نہیں ہے، جیسا کہ فرض نماز کے اندر قبلہ رخ ہونے کے بیان میں بتایا گیا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ سواری کے جانور پر اس طرف رخ کر کے جدھر سواری جارہی ہے، نماز پڑھ لینا مستحب ہے۔ اگر اس رخ کے علاوہ جدھر سواری جارہی ہے کسی اور سمت کو رخ کر کے نماز پڑھی گئی تو درست نہ ہوگی، کیونکہ ایسا کرنے کی کوئی مجبوری نہ تھی۔ اس کے لیے سفر ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ مقیم انسان بغیر کسی عذر کے سواری پر نفل پڑھ سکتا ہے جب کہ وہ شہر سے دور ایسی جگہ پر پہنچ جائے جہاں پر مسافر نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور چاہیے کہ (سواری پر) نماز اشارے سے پڑھی جائے، کیونکہ سواری کے جانور پر نماز کا اشارے سے پڑھنا مشروع ہے۔

پس اگر کسی چیز پر جو رکھی ہوئی ہے یا زین کے اوپر سجدہ کرلیا تو اس کے سجدہ کو اشارہ قرار دیا جائے گا، بشرطیکہ اس میں رکوع سے زیادہ جھکا گیا ہو۔ (اس میں) قبلہ رخ ہو کر نماز کا آغاز کرنا شرط (صحت) نہیں ہے، کیونکہ اگر (سواری پر) کعبہ رخ ہونے کے علاوہ کسی اور سمت کو رخ کر کے نماز پڑھنے کی اجازت ہے تو کسی اور طرف رخ کر کے نماز کا آغاز کرنا بھی جائز ہے۔ ہاں اگر قبلہ رخ ہو کر نماز شروع کرنے میں دشواری ہو تو ایسا کرنا جائز ہے۔

یہ بھی جائز ہے کہ (نماز کے دوران) سواری کو چلنے کے لیے اکسایا جائے لیکن عمل قلیل کے ساتھ۔ اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ نماز سواری کے اوپر شروع کی جائے اور پھر بغیر عمل کثیر کے نیچے اتر کر اسی نماز کو مکمل کیا جائے۔ لیکن اگر زمین پر شروع کی تو اس نماز کو سواری کی پیٹھ پر جا کر مکمل کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر نماز (سواری پر) شہر کے باہر شروع کی، پھر شہر میں داخلہ ہو تو اس نماز کو سواری پر مکمل کرنا چاہیے۔ لیکن نماز فرض، واجب اور فجر کی سنتوں کا بلا ضرورت سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر مجبوری ہو، مثلاً سواری سے اترنے میں کسی چور یا درندہ سے جان یا جانور یا لباس کو نقصان کا خوف ہو (تو جائز ہے) اور بقول صحیح جانور کا نجاست کثیرہ سے ملوث ہونا، خواہ یہ نجاست زین پر ہو یا رکابوں میں صحت نماز سے مانع نہیں ہے۔

پیدل چلنے والے کو چلتے چلتے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، بلکہ چاہیے کہ جب نفل کا ارادہ ہو تو ٹھہر کر نماز مکمل طور پر

Marfat.com

پڑھی جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ سفر مباح اختیار کرنے والے کو، جب کہ کسی مقررہ سمت کو جا رہا ہو، خواہ وہ سفر قصر واجب کرنے والا ہو یا نہ ہو، جائز ہے کہ سفر کے جانور کی پیٹھ پر یا پیدل چلنے کی صورت میں زمین پر نفل نماز پڑھ لے اس طرح نفل پڑھنے والے پر واجب ہے کہ اگر مشکل نہ ہو تو قبلہ رخ ہو کر اور رکوع وسجود کے ساتھ پوری نماز پڑھے۔ اگر ان میں سے کوئی امر دشوار ہو تو اس کا کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ جس رخ کا سفر ہے اسی جانب رخ کر لے بشرطیکہ قبلہ رخ ہونا دشوار ہو۔ اور رکوع وسجود میں سے کوئی امر مشکل ہو تو اس کے لیے اشارہ کرے۔ اور یہ ضروری ہے کہ اگر ممکن ہو تو سجدہ میں رکوع سے زیادہ جھکا جائے۔ پیدل چلنے والے کو چاہیے کہ نماز کا آغاز قبلہ رخ ہو کر کرے اور رکوع وسجود بھی زمین پر قبلہ رخ ہو کر کرے۔ باقی نماز چلتے ہوئے اور جدھر جا رہا ہے اسی جانب رخ کیے ہوئے پوری کرے۔

اگر کوئی شخص سواری پر نفل پڑھ رہا ہو اور جدھر کا ارادہ ہے اسی سمت کو رخ ہے لیکن اس کے جانور کا رخ یا خود اس کا رخ ادھر سے ہٹ گیا۔ اگر رخ ادھر سے مڑ کر قبلہ کی جانب ہوا تو نماز صحیح ہو جائے گی اور اگر کسی اور جانب رخ ہوا تو دیکھنا چاہیے کہ اگر ایسا بغیر کسی عذر کے ہوا تو نماز مطلقاً باطل ہو جائے گی، اور اگر کسی عذر سے ایسا ہوا اور عام خیال کے مطابق دیر تک رخ مڑا رہا تب بھی نماز باطل ہو جائے گی، ورنہ نہ ہوگی۔

صحت نماز کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ سواری پر نفل پڑھنے والے کے نیچے جو پالان کا کمبل وغیرہ ہے وہ پاک ہو۔ جانور کا خود پاک ہونا ضروری نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص کسی سمت کا ارادہ کیے بغیر سفر کر رہا ہے، یا اس کا سفر مکروہ یا حرام قسم کا ہے، ایسے شخص کے لیے وہ تمام امور لازم ہیں جو نماز میں ضروری ہیں، مثلاً قبلہ رخ ہونا وغیرہ۔

Marfat.com

نماز جمعہ کے متعلقہ مسائل

جمعہ کے متعلق چند امور قابل ذکر ہیں:

اول اس کا حکم اور ثبوت۔

دوم جمعہ کا وقت۔

سوم جمعہ کی نماز کے لیے کب چل پڑنا چاہیے؟

چہارم جمعہ کے شرائط۔

پنجم شرائط جمعہ کے منجملہ بعض شرائط کی تشریح، مثلاً عورتوں کا جمعہ کی نماز میں شرکت کرنا، ایک ہی شہر کی متعدد مسجدوں میں جمعہ کی نماز ہونا، جماعت جس سے جمعہ کی نماز صحیح ہو، جمعہ کا خطبہ، خطبہ کے ارکان خطبہ کی شرائط، اس کی سنتیں اور اس کے مکروہات، خطبہ کے دوران اور خطیب کا اپنی جگہ یا گوشہ سے خطبہ کے لیے روانہ ہونے پر لوگوں کا کلام کرنا، خطیب کے سامنے 'ترقیہ' کرنا (یعنی کچھ ہدایتی تقریر کرنا)۔

ششم وہ امور جو جمعہ کے روز مسجد کے اندر یا باہر جائز نہیں ہیں، مثلاً مسجد میں لوگوں کی گردن سے پھلانگ کر چلنا، یا جمعہ کے روز سفر کا ناجائز ہونا۔

ہفتم جمعہ اگر جاتا رہے تو کیا امام کے جمعہ سے فارغ ہونے سے پہلے ظہر کی نماز پڑھی جا سکتی ہے؟

ہشتم کیا جمعہ فوت ہو جانے کی صورت میں ظہر کی نماز جماعت سے پڑھی جا سکتی ہے؟

نہم نماز جمعہ کے کچھ حصہ میں امام کے ساتھ جماعت میں شریک ہونے کے مسائل۔

دہم نماز جمعہ کے مستحبات۔

اب ان تمام مسائل کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے:

جمعہ کا حکم اور اس کا ثبوت

جمعہ کی نماز ہر اس شخص پر جس میں یہ تمام شرائط متذکرہ آئندہ پوری پائی جائیں فرض ہے۔

جمعہ کی نماز میں دو رکعتیں ہیں جیسا کہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا "صلٰوۃ الجمعة ركعتين تمام غير قصر على لسان نبيكم ﷺ" رواہ احمد ونسائی وابن ماجہ بہ اسناد حسن (یعنی تمہارے نبی ﷺ کے ارشاد کے بموجب جمعہ کی نماز کی پوری دو رکعتیں ہیں اور یہ قصر نہیں ہے)۔

یہ نماز ہر مکلف اور قدرت رکھنے والے پر، جو نماز کی شرائط کو پورا کرتا ہو، فرض عین ہے۔ یہ ظہر کا بدل نہیں

Marfat.com

ہے۔ چنانچہ اگر کوئی جمعہ کی نماز نہیں پڑھ سکا تو اسے ظہر کی چار رکعت نماز پڑھنا فرض ہے۔ اس کا فرض ہونا کتاب (قرآن)، سنت (حدیث) اور اجماع سے ثابت ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''یا ایھا الذین آمنو اذانودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ و ذروا البیع '' (یعنی اے ایمان والو! جب نماز جمعہ کی اذان ہوجائے تو اللہ کی عبادت کے لیے چل پڑو اور خرید و فروخت بند کردو)۔ اور حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ''لقد ھمت ان آمر رجلاً یصلی بالناس ثم احرق علی رجال یتخلفون عن الجمعۃ بیوتھم '' رواہ مسلم (یعنی میرا جی چاہتا ہے کہ میں کسی شخص کو، جو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتا ہو، حکم دوں کہ جو لوگ جمعہ کی نماز کو نہیں آئے ان کے گھروں کو جلا دیا جائے) اور جمعہ کے فرض عین ہونے پر سب کا اجماع ہے۔

جمعہ کا وقت اور اس کا ثبوت

نماز جمعہ کا وہی وقت ہے جو ظہر کا ہے، یعنی آفتاب ڈھلنے سے اس وقت تک کہ ہر شے کا سایہ ظل استوا یعنی زوال کے علاوہ دگنا ہوجائے۔ اس کی تفصیل اوقات نماز کے بیان میں ہو چکی ہے۔ لہٰذا نماز جمعہ نہ اس سے پہلے درست ہے، نہ اس کے بعد، اس پر حنفیہ اور شافعیہ متفق ہیں۔ حنابلہ اور مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

اگر جمعہ کی نماز پڑھتے میں وقت نکل جائے تو ایسی نماز کے بارے میں مسالک کے درمیان اختلاف ہے۔ اس کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۲)

نماز جمعہ کے وقت کا ثبوت اس حدیث سے ہوتا ہے جو بخاری نے حضرت انسؓ سے روایت کی

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ جمعہ کا وقت آفتاب کے ایک نیزہ بلند ہوجانے کے بعد شروع ہوجاتا ہے اور جب ہر شے کا سایہ ظل زوال کے علاوہ اس کے برابر ہوجائے تو ختم ہوجاتا ہے۔ لیکن زوال سے پہلے جمعہ پڑھنا محض جائز ہے اور زوال کے بعد اس کے واجب ہونے کا وقت آجاتا ہے، لہٰذا اس وقت جمعہ واجب ہوجاتا ہے اور اسی وقت جمعہ کا ادا کیا جانا افضل ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ نماز جمعہ کا وقت سورج ڈھلنے سے اس کے غروب ہونے تک رہتا ہے، بایں طور کہ سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے خطبہ سمیت جمعہ کی نماز ادا کی جاسکے۔ پس اگر یہ معلوم ہو کہ سورج ڈوبنے میں صرف اتنا وقت باقی ہے کہ اس میں خطبہ کے بعد صرف ایک رکعت پڑھی جاسکے تو اس وقت نماز جمعہ شروع نہ کرنی چاہیے، بلکہ ظہر کی نماز پڑھنا چاہیے۔ ہاں اگر شروع ہی کردیا ہے تو نماز ہوجائے گی۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ وقت نکل جائے تو نماز باطل ہوجائے گی، اگرچہ وقت تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد گیا ہو،

Marfat.com

ہے کہ آنحضرت ﷺ جمعہ کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب کہ سورج ڈھل جاتا تھا۔ نیز مسلم نے سلمہ بن اکوع سے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: ”کنا نجمع مع رسول اللّٰہ ﷺ اذا زالت الشمس ثم نرجع نتتبع الفیٔ (الظل) (یعنی جب سورج ڈھل جاتا تو ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس اکھٹے ہوتے اور پھر فی یعنی سایہ کو دیکھنے میں لگ جاتے تھے۔

نماز کے لیے کب روانہ ہونا واجب ہے اور کب خرید وفروخت حرام ہو جاتی ہے

جمعہ کی دوسری اذان

جس شخص پر جمعہ کی نماز واجب ہے اسے چاہیے کہ خطیب کے سامنے کہی جانے والی اذان سنتے ہی نماز جمعہ کے لیے چل پڑے، اور اس وقت خرید وفروخت حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’یاایھاالذین امنو اذانودی لصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللّٰہ و ذروالبیع“۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اذان کی آواز پر نماز کے لیے چل پڑنے کا حکم دیا ہے۔ عہد نبوی ﷺ میں اس اذان کے سوا اور کوئی اذان لوگوں کو معلوم نہ تھی۔ جب آنحضرت ﷺ منبر پر تشریف لے جاتے تھے تو آپ

(کیونکہ نماز کے صحیح ہونے کی شرط) جاتی رہی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر نماز جمعہ شروع کردی گئی اور وقت اتنا باقی تھا جس میں نماز پڑھی جا سکتی لیکن نماز اتنی طویل کردی گئی کہ وقت نکل گیا تو اس صورت میں جو نماز پڑھی گئی وہ باطل نہ ہوگی، بلکہ اسی نماز کو ظہر کی نیت کے بغیر ظہر کی طرح پورا کر لینا چاہیے۔ اور باقی آہستہ آواز سے پڑھنی چاہیے۔ اس نماز کو توڑنا حرام ہے۔ اور ظہر کی (پوری) نماز شروع سے پڑھی جائے۔ اگر یہ صورت ہو کہ نماز جمعہ تنگ وقت میں شروع کی گئی اور خیال یہ تھا کہ اتنے وقت میں پوری نماز پڑھی جا سکے گی، لیکن پوری نہ ہوئی اور ہنوز لوگ نماز میں تھے کہ وقت جاتا رہا تو نماز باطل ہو جائے گی اور اس کو ظہر کی نماز میں تبدیل نہ کیا جا سکے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر تنگ وقت میں نماز جمعہ شروع کی گئی اور نماز پڑھتے میں وقت نکل گیا تو اس نماز کو بطور نماز جمعہ کے پورا کیا جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر جمعہ کی نماز اس خیال سے شروع کردی کہ وقت کے اندر پوری نماز پڑھی جا سکے گی، لیکن نماز ختم ہونے سے پہلے ہی سورج غروب ہو گیا، اور ایک رکعت مع دو سجدوں کے پڑھی جا چکی ہے، تو اس جمعہ کی نماز کو پورا پڑھ لینا چاہیے، ورنہ اس نماز کو ظہر کی نماز کے طور پر پورا کیا جائے۔

Marfat.com

کے سامنے مؤذن اذان دیتا تھا۔ بخاری ابوداؤد، نسائی اور ترمذی میں اسی طرح روایت آئی ہے۔ اور جب لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو حضرت عثمانؓ نے ایک اور اذان کا اضافہ کیا۔ سائب بن یزیدؓ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ عہد نبوی ﷺ اور عہد سیدنا ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہم) میں جمعہ کے روز ایک ہی اذان ہوتی تھی، پھر جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا اور جماعت کثیر ہوگئی تو دوسری اذان کا حاضرین جماعت کے خیال سے اضافہ کیا گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ تیسری اذان کا اضافہ کیا گیا۔ لیکن یہاں پر اضافۂ اذان کا ذکر ہے اور اس کو تیسری (اذان) اس لیے کہا جاتا ہے کہ اقامت کو بھی اذان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بہرحال اس میں شک نہیں کہ ایک اذان کا اضافہ مشروع ہے، کیونکہ اس کی غرض لوگوں کو آگاہ کرنا ہے، لہٰذا جب ہجوم زیادہ ہو تو ان سب کو نماز کے وقت سے آگاہ کرنا مطلوب ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان مجتہدین کبار صحابہؓ میں سے تھے جو دین کے اصول کو جانتے اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات کو نقل فرماتے تھے۔

واضح ہو کہ تین امام اس امر پر متفق ہیں کہ جو لوگ جمعہ کی نماز کے مکلّف ہیں ان پر واجب ہے کہ اس اذان کو سنتے ہی جو خطیب کے سامنے دی جاتی ہے، نماز کے لیے چل پڑیں، کیونکہ قرآن حکیم کی آیت میں جس اذان کا ذکر ہے اس سے یہی اذان مراد ہے۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ سورج ڈھلنے کے بعد جمعہ کے روز جو اذان دی جاتی ہے اس کو سنتے ہی نماز کو چل پڑنا واجب ہے۔ پس وہ اذان جو آج کل مشہور ہے اور مادنہ وغیرہ یعنی اذان کے چبوترے پر دی جاتی ہے اس کے بعد نماز کو چل پڑنا واجب ہے کیونکہ وہ اذان مشروع ہے اور آیت کا مفہوم عام ہے لہٰذا اسی اذان سے جو خطیب کے سامنے دی جاتی ہے اس حکم کو خاص نہیں کیا جاسکتا، جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کرتے ہیں۔

رہا خرید وفروخت کا معاملہ سو حنفیہ اور شافعیہ اس امر پر متفق ہیں کہ جمعہ کی اذان کے بعد یہ معاملہ حرام ہو جاتا ہے، اگرچہ معاملہ بذات خود صحیح ہے۔ البتہ اذان سے شافعیہ وہ اذان مراد لیتے ہیں جو خطیب کے سامنے پڑھی جاتی ہے، حنفیہ اس سے وہ اذان مراد لیتے ہیں جو اس سے پہلے کہی جاتی ہے۔ اس وقت سے نماز کے ختم ہو جانے تک یہ امور ممنوع ہیں۔ اس بارے میں مالکیہ اور حنابلہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر خرید وفروخت کا کوئی معاملہ اذان مذکور کے وقت کیا جائے تو وہ معاملہ فاسد ہوگا، اسے منسوخ کر دیا جائے، بجز اس حالت کے جب کہ فروخت شدہ شے میں تغیر پیدا ہو جائے، مثلاً (خریدی ہوئی شے کو ذبح کر

Marfat.com

یہ حکم اس کے لیے ہے جس پر نماز جمعہ واجب ہے لیکن جن پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے ان کو نماز کے لیے چلنا بھی واجب نہیں ہے اور نہ ان پر خرید وفرخت حرام ہے۔ اگر معاملہ کرنے والوں میں سے ایک شخص ایسا ہے (جس پر واجب ہے) اور دوسرا نہیں ہے تو خرید وفروخت دونوں پر حرام ہے، اس لیے کہ جس پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے اس نے گناہ کے کام میں اس کی اعانت کی جس پر نماز واجب تھی۔ ان تفصیلات سے یہ معلوم ہوا کہ اذان سے پہلے مذکورہ اختلاف مسالک کے ساتھ نہ نماز کے لیے سعی کرنا واجب ہے اور نہ خرید وفروخت حرام ہے، البتہ اس شخص کو نماز کے لیے سعی کرنا واجب ہے جس کا مکان اتنے فاصلہ پر ہو کہ نمازی وہاں سے چل کر ادائے نماز فرض کے لیے شامل جماعت ہو سکتا ہو۔

جمعہ کی شرائط

شہر اور قریہ کی تعریف

نماز جمعہ کی شرطیں وہی ہیں جو نماز ظہر وغیرہ کی ہیں۔ ان کا ذکر شرائط صلوۃ کے بیان میں اس سے پہلے کیا جا چکا ہے۔ لیکن نماز جمعہ کی کچھ شرطیں شرائط مذکورہ کے علاوہ بھی ہیں۔ پہلے ہر مسلک کی شرائط کا بیان اجتماعی طور پر ذیلی حاشیہ میں کیا گیا ہے[1] اس کے بعد شرائط متفق علیہ اور مختلف فیہ کا بیان کیا جائے گا۔

لیا یا کھا لیا گیا وغیرہ)۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ اس شے کا نرخ بدل جائے، مثلاً اس کی قیمت گر جائے یا بڑھ جائے، یا ایسا ہی کوئی امر ہو جس سے بیع فاسد ہو جاتی ہے۔ (بیع کے مسائل کی) تفصیل اس کتاب کے دوسرے حصہ میں بیان کی جائے گی۔ غرض ایسی کوئی بات پیش آ جائے تو بیع کے احکام باقی رہیں گے لیکن فروخت شدہ شے کی وہ قیمت واجب الادا ہو گی جو وقت ادائیگی میں قرار پائے۔ وہ قیمت واجب نہ ہو گی جس پر معاملہ کیا گیا تھا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر اس وقت ممنوعہ میں خرید وفروخت کی جائے تو سرے سے وہ معاملہ تسلیم ہی نہ کیا جائے گا۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ شرائط نماز کے علاوہ نماز جمعہ کی جو مزید شرائط ہیں ان کی دو قسمیں ہیں: شرائط وجوب اور شرائط صحت (یعنی جمعہ کے واجب ہونے کی شرطیں اور صحیح ہونے کی شرطیں)۔

حنفیہ کے نزدیک شرائط وجوب کی تعداد چھ ہے:

اول مرد ہونا چنانچہ عورت پر نماز جمعہ واجب نہیں، تاہم اگر عورت جمعہ کی نماز مسجد میں آ کر ادا کرے تو نماز درست ہو گی اور ظہر کی قائم مقام ہو گی۔

دوم آزاد ہونا چنانچہ جو شخص کسی کا غلام یا مملوک ہو اس پر جمعہ کی نماز واجب نہیں، تاہم اگر مسجد میں آ کر اس نے جمعہ کی نماز ادا کر لی تو درست ہو گا۔

Marfat.com

سوم ''صحت مند ہونا'' لہٰذا ایسے مریض پر واجب نہیں ہے جسے حاضر جماعت ہونے کے لیے چل کر جانا نقصان دہ ہو۔ اگر کوئی شخص مسجد تک پیدل چلنے سے معذور ہو تو اس کے ذمہ سے جمعہ ساقط ہو جائے گا۔ اگرچہ کوئی سواری اسے لے جانے کے لیے دستیاب ہو جائے۔ حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے۔ لیکن نابینا شخص جسے بطور خود وہاں تک جانا ممکن نہیں ہے اس کی بابت امام ابو حنیفہؒ کا کہنا یہ ہے کہ اس کے ذمہ سے نماز جمعہ ساقط ہے، اگرچہ کوئی نیک آدمی اس کی رہنمائی رضا کارانہ یا اس کے مقدور کے مطابق اجرت لے کر کرے۔ لیکن صاحبینؒ کہتے ہیں کہ اگر نابینا کے لیے جانا ممکن ہو، خواہ کوئی رضا کارانہ یا اجرت پر جو وہ دے سکتا ہو اس کی رہنمائی کرے تو اسے نماز جمعہ کے لیے مسجد میں جانا ضروری ہے۔ پس نابینا اشخاص کے لیے ان دونوں باتوں میں سے کسی پر عمل کرنا جائز ہے؛ تاہم زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ صاحبینؒ کے مسلک کی پیروی کی جائے۔ خاص کر اس لیے کہ نابینا کا جمعہ بالاتفاق صحیح ہے۔

چہارم ایسے مقام پر رہائش کا ہونا جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہو، یا کسی ایسی جگہ پر ہونا جو وہاں سے قریب ہو۔ اگر جمعہ والی بستی سے کہیں دور رہائش ہو تو جمعہ واجب نہیں ہے۔ فاصلہ کی دوری کا مطلب ایک فرسخ یعنی تین میل کی مسافت ہے۔ ایک میل چھ ہزار گز یا پانچ کلومیٹر اور چالیس میٹر کا ہوتا ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ بعض اصحاب نے اس فاصلے کا اندازہ چار سو گز بتایا ہے جسے ''غلوہ'' (یعنی ایک تیر پرتاب یا فرلانگ) کہتے ہیں۔ یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ مسافر پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے، جب تک کہ پندرہ دن قیام کا ایک جگہ ارادہ نہ ہو۔ ایک میل چھ ہزار گز کے پینتالیس کلومیٹر کیسے ہو سکتے ہیں۔

پنجم نمازی کا عقل (ہوش وحواس) میں ہونا، لہٰذا مجنون پر یا مجنون جیسا ہو نماز جمعہ واجب نہیں ہے۔

ششم بالغ ہونا، لہٰذا نابالغ لڑکے پر جمعہ واجب نہیں ہے۔

واضح ہو کہ یہاں پر عاقل وبالغ ہونے کی جو شرائط بتائی گئی ہیں ان سے یہ شبہہ نہ ہونا چاہیے کہ یہ وجوب صلوٰۃ کی شرطیں عام شرائط نماز سے زائد (صرف نماز جمعہ کے لیے) ہیں۔ بات یہ ہے کہ حنفیہ کی متداول کتابوں میں شرائط نماز کا انحصار شرائط جواز اور شرائط صحت پر بتایا گیا ہے، (لہٰذا ان شرائط کو شرائط وجوب کا نام نہیں دیا گیا) ورنہ اس میں کوئی شک نہیں کہ بالغ ہونا نماز کے واجب ہونے کی شرائط میں ہے۔ یہی حال قدرت رکھنے اور صحت مند ہونے کا ہے۔ چنانچہ مرض وغیرہ کے باعث مجبوری ہو تو نماز واجب نہیں ہے۔ پس جس نے عاقل، بالغ اور قادر ہونے کو نماز جمعہ کی شرائط میں شمار نہیں کیا اس کا بجا طور پر یہ سبب ہے کہ ان شراط کا شمار شرائط نماز میں پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔

رہا نماز جمعہ کے صحیح ہونے کی شرطیں، سو وہ سات ہیں:

اول شہر کا ہونا چنانچہ اہل قریہ پر جمعہ واجب نہیں ہے، کیونکہ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے: ''لا جمعة ولا تشريق ولا صلوٰة فطر ولا اضحى الا فى مصر جامع او مدينة عظيمة'' (یعنی بڑی آبادی یا عظیم شہر کے سوا اور کہیں نہ جمعہ ہو سکتا ہے نہ نماز تشریق اور نہ عید یا بقرہ عید کی نماز)۔ اس کو ابن ابی شیبہ نے اپنی ''مصنف'' میں حضرت علیؓ سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ اسی طرح عبدالرزاق کی روایت میں بھی ہے۔

قریہ اور شہر میں فرق یہ ہے کہ شہر تو وہ آبادی ہے جہاں کے تمام مکلف مسلمان وہاں کی بڑی مسجد میں نہ سما سکیں، گو وہ کسی مسجد میں فی الواقع جمع نہ ہوئے ہوں۔ بیشتر فقہائے حنفیہ نے اسی بنیاد پر جمعہ کے بارے میں فتوے صادر کیے ہیں۔

Marfat.com

لہٰذا مضافات شہر کے ہر علاقہ میں جہاں مسجدیں واقع ہیں جمعہ کی نماز صحیح ہوگی، کیونکہ کوئی بستی ایسی نہیں ہے جہاں کی مسجد میں تمام مکلف مسلمان سما سکتے ہوں۔ اگر بالفرض کوئی چھوٹا سا گاؤں ایسا ہو جسے ''نزلہ'' (مزرعہ یا دیہہ) کہا جاتا ہے جس پر یہ شرط منطبق نہ ہوتی ہو تو وہاں کے لوگوں کا جمعہ صحیح نہیں ہے، بشرطیکہ اس گاؤں اور شہر کے درمیان ایک فرسخ سے کم مسافت ہو، اگر اتنا فاصلہ نہ ہو تو جمعہ ادا کرنے کے لیے اس شہر میں جانا لازم ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ کا مسلک جو مشہور ہے وہ یہ ہے کہ شہر اس بستی کا نام ہے جہاں کا کوئی حکمران ہو اور قاضی ہو جو بیشتر حدود قائم کر سکے، گو اسے سردست نافذ نہ کر سکتا ہو۔ پس ایسے شہروں کی مسجدوں میں جہاں یہ شرط نہیں پائی جاتی نماز جمعہ درست نہیں ہے، حالانکہ مسلک حنفیہ کے بڑے بڑے علماء نے پہلی رائے کے بموجب فتویٰ دیا ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ بالخصوص اس لیے کہ تمام اماموں نے نماز جمعہ کے لیے یہ شرط نہیں لگائی۔ اس قول کے بموجب جو بعض حنفیہ میں شہر کی تعریف کے متعلق مشہور ہے کچھ لوگوں نے نماز جمعہ کو ترک کر دیا ہے، دین کے بارے میں زیادہ احتیاط کا طریقہ ملحوظ نہیں رکھا، کیونکہ اس طرح نماز جمعہ کے ترک کرنے سے عوام شبہہ میں پڑ جاتے ہیں اور واجبات دینی کی ادائیگی میں سستی کرنے لگتے ہیں۔ قطع نظر اس کے ان لوگوں نے جس دلیل پر اعتماد کیا ہے وہی حدیث ہے جس کو ابن شیبہ نے حضرت علیؓ سے موقوفاً روایت کیا ہے اور جس کو زیلعی نے اپنی کتاب ''نصب الرایہ'' میں نقل کیا ہے۔ لیکن خود آنحضرت ﷺ سے اس بارے میں کچھ منقول نہیں ہے۔ اگر بالفرض یہ حدیث صحیح بھی ہے تو اس میں شہر کی یہ تعریف کہاں ہے کہ جہاں (مسلمان) حکمران ہو اور قاضی حدود کو نافذ کرتا ہو وہی شہر ہے۔ یہیں سے اصل حقیقت واضح ہو جاتی ہے، لہٰذا اس حدیث کو (اندریں باب) مرکزی حیثیت دے دینا قطعاً مفید مطلب نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور محققین حنفیہ میں جا بجا یہی تعریف ہے کہ شہر وہ ہے جہاں کی بڑی مسجد میں وہ تمام لوگ نہ سما سکیں جن پر جمعہ واجب ہے، گو عملی طور پر سب لوگ اس میں جمع نہ ہوئے ہوں۔ دوسرے ائمہ نے اس اثر پر جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے، اعتماد نہیں کیا، ان کی شرائط بعد میں بتائی جائیں گی۔

دوسری شرط بادشاہ وقت یا نائب السلطنت کی اجازت ہے جسے اس نے سرداری پر مامور کیا ہو۔ پس اگر امام نے کسی خطیب کو اپنا قائم مقام بنا دیا ہے تو اسے اختیار ہے کہ کسی اور کو اپنا قائم مقام بنا دے، اگرچہ بقول ظاہر اس نے نائب بنانے کی اجازت نہ لی ہو۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ امام کا کسی اور کو بلا اجازتِ حکمران اپنا نائب بنانا جائز نہیں ہے۔

تیسری شرط وقت کا موجود ہونا ہے، لہٰذا جمعہ صحیح نہ ہوگا جب تک کہ ظہر کا وقت نہ آجائے۔ اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ نماز کے لیے اس کا وقت ہونا مطلقاً صحت نماز کی شرط ہے خواہ جمعہ کے علاوہ کوئی اور نماز ہو کہ وقت اس کے واجب ہونے کی شرط ہے۔ لیکن حنفیہ نے اس امر کی طرف دھیان نہیں دیا اور وقت کو صحت نماز کی شرائط کے زمرے میں ذکر کیا ہے۔ اگر نماز ختم ہونے سے پہلے وقت جاتا رہے تو نماز باطل ہو جائے گی، اگرچہ بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد وقت گزرا ہو۔ اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ جمعہ کا وقت وہی ہے جو ظہر کی نماز کا ہے، یعنی سورج ڈھلنے سے اس وقت تک کہ ہر شے کا سایہ ظل استوا کے علاوہ اس کے برابر ہو جائے۔

چوتھی شرط خطبہ ہے، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

پانچویں شرط خطبوں کا نماز سے پہلے ہونا ہے۔

Marfat.com

چھٹی شرط جماعت ہے، لہٰذا اگر نماز جمعہ تنہا پڑھی گئی تو صحیح نہ ہوگی اور حنفیہ کے نزدیک جماعت کے لیے یہ شرط ہے کہ امام کے سوا کم از کم تین اشخاص ہوں، گو وہ سب خطبہ میں موجود نہ ہوں۔ اس کے بغیر جمعہ نہیں ہوسکتا۔ اس کی تفصیل جماعت کے بیان میں آئے گی۔

ساتویں شرط امام حاکم وقت کی طرف سے عام اجازت کا ہونا ہے۔ لہٰذا ایسی جگہ جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہے جہاں بعض نمازیوں کو آنے کی اجازت نہ ہو، تاہم اگر امام وقت جمعہ کی نماز صرف اپنے خدم وحشم کے ساتھ ادا کرے تو صحیح ہوگی، لیکن کراہت کے ساتھ۔ تاہم گڑھی اور قلعہ کے دروازے کو دشمنوں کے خوف سے بند رکھنے میں حرج نہیں ہے، لہٰذا دروازہ بند کر کے بھی اس میں نماز جمعہ کا پڑھنا درست ہوگا جب کہ لوگوں کو اس کے اندر آنے کی اجازت دے دی جاتی ہو۔

جمعہ کی نماز کا میدان میں ادا کرنا صحیح ہے جس کے لیے دو شرطیں ہیں: ایک تو امام وقت کی اجازت، دوم یہ کہ وہ جگہ شہر سے ایک فرسخ سے زیادہ فاصلہ پر نہ ہو، یا پھر یہ کہ اس جگہ کا تعلق شہر سے ہو، مثلاً گھڑ دوڑ کا میدان یا میت کو دفن کرنے کی جگہ۔ اس کی تفصیل متعلقہ مسائل میں آئے گی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ صحت جمعہ کی شرطیں دو قسم کی ہیں: شرائط وجوب اور شرائط صحت۔ شرائط وجوب وہی ہیں جو سابقاً وجوب نماز کی شرطوں میں بتائی گئیں۔ ان کے علاوہ بھی کچھ اور باتیں ہیں۔ ایک تو ''مرد ہونا'' کہ عورت پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے۔ البتہ اگر عورت باجماعت نماز پڑھ لے تو صحیح ہوگا، اور پھر ظہر کی ضرورت نہ رہے گی۔ دوم آزاد ہونا، لہٰذا غلام پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے، تاہم اگر نماز جمعہ میں آ کر نماز پڑھ لی ہو تو نماز ہو جائے گی۔ تمام مسالک ان دونوں شرائط میں اسی طرح متفق ہیں۔ سوم یہ کہ ترک نماز جمعہ کے لیے کوئی مسلمہ عذر نہ ہو۔ چنانچہ مریض کو اگر سواری پر یا اٹھا کر لے جانے میں ضرر کا اندیشہ ہو تو نماز ساقط ہو جائے گی۔ نیز اگر کسی سواری پر جس کا کرایہ ناقابل برداشت نہ ہو، جانا ممکن ہو تو نماز جمعہ واجب ہوگی۔ ہاں اگر کوئی اپاہج ہو تو اسے جمعہ کی نماز کے لیے لے کر جانا لازم نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی ایسا ہو جو اٹھا کر لے جائے اور اٹھانا باعث مضرت نہ ہو (تو جمعہ واجب ہوگا)۔ چوتھے یہ کہ نمازی بینا ہو، نابینا پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے، درآنحالیکہ اسے خود مسجد تک پہنچنا دشوار ہو، اور کوئی رہبری کرنے والا نہ ہو۔ ہاں اگر نابینا خود مسجد تک جا سکتا ہو یا کوئی رہبری کرنے والا مل جائے، تو اس پر جمعہ واجب ہے۔ پانچویں یہ کہ عمر رسیدہ ضعیف نہ ہو کہ اس کے لیے نماز جمعہ کو جانا مشکل ہو جائے۔ چھٹے یہ کہ سخت گرمی یا سردی نہ ہو۔ شدید گرمی اور سردی کی طرح بارش اور کیچڑ کی صورت میں بھی یہی حکم ہے کہ نماز واجب نہ ہوگی' ساتویں یہ کہ کسی ظالم سے اندیشہ ہے کہ اسے ناحق پکڑ لے گا یا مار پیٹ کرے گا (تب بھی نماز کے لیے نکلنا واجب نہ ہوگا) لیکن اگر کوئی اسی سلوک کا مستحق ہو تو جمعہ اس سے ساقط نہ ہوگا۔ (اسی طرح) آٹھویں یہ کہ مال عزت یا جان خطرے میں ہو (تو نماز جمعہ واجب نہ ہوگی) لیکن مال کی صورت میں یہ بھی شرط ہے کہ اگر مال کے قابل برداشت نقصان کا اندیشہ ہو تو جمعہ واجب رہے گا۔ نویں یہ کہ رہائش ایسے شہر میں ہو جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے یا کسی ایسے قریہ یا خیمے میں رہائش ہو جو جمعہ کی جگہ سے تین میل ۱/۳-۳ میل اور ایک تہائی میل کے فاصلے پر واقع ہو، اس فاصلے کا اندازہ اس مینار سے لگایا جائے گا جو شہر کے کنارے پر واقع ہو، بشرطیکہ اس شہر میں متعدد جمعہ مسجدیں ہوں اور فی الواقع وہاں متعدد مسجدوں کے ہونے کی ضرورت ہو۔ اگر متعدد مسجدیں ہوں لیکن غیر ضروری تو اس مسافت کا اندازہ اس جامع

Marfat.com

مسجد کے مینار سے لگایا جائے گا، جہاں سب سے پہلے جمعے کی نماز ہوتی ہے۔ مقیم اشخاص پر اور ایسے مسافر پر جس نے پورے چار دن تک ٹھہرنے کا ارادہ کیا ہو، نماز جمعہ واجب ہے۔ اگرچہ اس مسافر سے جس نے اقامت کی نیت کی ہو، نماز جمعہ کا انعقاد نہیں ہوتا۔

واضح ہو کہ مستقل رہائش کی نیت سے قیام کرنا، جس کو 'استیطان' کہتے ہیں، ابتداءً نماز جمعہ کے واجب ہونے اور اس کے صحیح ہونے کی شرط ہے، لہٰذا نماز جمعہ کی ابتداء وہی لوگ کر سکتے ہیں جو کسی شہر میں مستقل رہائش رکھتے ہوں، بایں طور کہ اس شہر کی حمایت اور خارجی تسلط سے اس کا دفاع کر سکتے ہوں۔

دسویں یہ کہ وہ جمعہ ایسے شہر میں ہو جو مستقل رہائش کے لیے آباد کیا گیا ہو، لہٰذا اگر ایک بڑی جماعت کسی جگہ فروکش ہوئی اور اس میں مثلاً ایک ماہ قیام کا ارادہ کیا اور انھوں نے یہ چاہا کہ وہاں پر جمعے کی نماز پڑھی جائے تو وہ جمعہ نہ تو واجب ہوگا اور نہ صحیح ہوگا۔ جمعہ والی آبادی کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ شہر ہی ہو، لہٰذا جمعہ شہروں اور 'اخصاص' (یعنی جھگیوں) میں بھی ہو سکتا ہے۔ اخصاص سے مراد وہ بستی ہے جہاں کھجور کی پھچیوں یا سرکنڈوں (یا نرسلوں) سے مکان بنائے گئے ہوں۔ لیکن اون سے بنے ہوئے مکانوں کی بستی میں رہنے والوں پر نہ جمعہ واجب ہے نہ جمعہ صحیح ہوگا، کیونکہ وہ لوگ بیشتر آمادہ سفر رہتے ہیں۔ ہاں اگر وہ لوگ اپنے شہر کے قرب وجوار میں ہوں تو اس شہر کے زمرے میں ان لوگوں پر بھی جمعہ واجب ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

جمعہ کے صحیح ہونے کی پانچ شرطیں ہیں:

اول کسی قوم کا ایک شہر یا علاقے میں وطن بنا کر رہائش اختیار کرنا، بایں طور کہ وہ لوگ اس شہر میں بیرونی چیرہ دستیوں سے مامون ومحفوظ مستقل رہائش رکھتے ہوں۔ واضح ہو کہ یہ مستقل رہائش جس طرح جمعہ کے صحیح ہونے کی شرط ہے اسی طرح اس کے واجب ہونے کی بھی شرط ہے، جیسا کہ (کسی امر کا ایک ساتھ ہی وجوب وصحت کی شرط ہونا) وضو کی شرائط میں سابقاً بتایا گیا ہے۔

دوسرے امام کے سوا بارہ اشخاص کا حاضر جماعت ہونا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام بستی والے نماز جمعہ میں حاضر ہوں، خواہ بقول صحیح وہ پہلا ہی جمعہ ہو۔ ہاں یہ شرط ضرور ہے کہ وہ لوگ شہر میں یا اس کے قرب وجوار میں موجود ہوں کہ ہر جمعے میں ان کو شامل کیا جا سکے۔

تیسرے 'امام' کا ہونا۔ اس کے لیے دو باتیں شرط ہیں: ایک تو یہ کہ وہ (امام) مقیم ہو یا ایسا مسافر ہو جس نے چار دن ٹھہرنے کا ارادہ کیا ہو، جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ، خطیب بھی ہو۔ اگر ایسے شخص نے نماز پڑھائی جس نے خطبہ نہیں پڑھا تو نماز باطل ہو جائے گی، سوا اس صورت کے جب کہ خطیب کو کسی امر مانع نے خطبے سے باز رکھا ہو، ایسے شخص کو مباح ہے کہ کسی دوسرے کو اپنا خلیفہ بنا دے، مثلاً امام کی نکسیر پھوٹ گئی ہو یا حدث لاحق ہو گیا ہو۔ ایسی صورت میں نماز کوئی اور شخص پڑھا دے تو نماز درست ہوگی، بشرطیکہ امام کی معذوری فوری طور پر دور ہونے کی توقع نہ ہو۔ اگر ایسی توقع ہو تو اسی امام کا انتظار کرنا واجب ہے۔ اور عذر کے جلدی دور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ صرف اتنی دیر لگے، جس میں عشاء کی پہلی دو رکعتیں مع اس کی قرائتوں کے ہو سکیں۔

Marfat.com

چوتھے دو خطبوں کا پڑھا جانا۔ اس کا بیان ہو چکا ہے۔

پانچویں جامع مسجد کا ہونا۔ لہٰذا گھروں کے اندر یا کھلے میدان میں مثلاً جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہے

جامع مسجد کی بھی چار شرطیں ہیں:

اول یہ کہ وہ بنیادوں پر تعمیر کی گئی ہو، لہٰذا ایسی مسجد میں جمعے کی نماز صحیح نہیں ہے جو چاروں طرف پتھر رکھ کر یا بغیر بنیاد کے اینٹیں رکھ کر چار دیواری بنالی گئی ہو۔

دوسرے یہ کہ وہ جامع مسجد اس بستی والوں کی عام عمارتوں جیسی ہو۔ پس اگر بستی ہی اخصاص (کھجور کے ڈنٹھلوں سے بنے ہوئے مکانات) کی ہو تو سرکنڈے کی مسجد بھی صحیح متصور ہوگی۔

تیسرے یہ کہ وہ مسجد شہر میں یا شہر کے اتنے قریب ہو کہ شہر کا دھواں وہاں تک پہنچ سکتا ہو جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔

چوتھے یہ کہ مسجد ایک ہو، لہٰذا اگر ایک شہر میں متعدد مسجدیں ہوں تو صرف قدیم ترین مسجد میں نماز جمعہ صحیح ہوگی۔ اس کی تفصیل تعدد مساجد کے بیان میں اوپر آچکی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ شرائط جمعہ کی دو قسمیں ہیں: شرائط وجوب اور شرائط صحت۔ یہ شرائط وجوب جو ان شرائط وجوب نماز متذکرہ سابقہ کے علاوہ ہیں، ان میں ابتدائی دس شرطیں تو وہی ہیں جن کا ذکر مالکیہ نے کیا ہے۔ نیز انھیں اس امر میں بھی مالکیہ سے اتفاق ہے کہ جمعہ کی نماز مریض، اپاہج اور اندھے پر ان شرائط کے بغیر واجب نہیں ہے جن کا ذکر مالکیہ نے شرائط وجوب میں کیا ہے۔ اسی طرح نہایت ہی شدید گرمی اور سردی میں بھی نماز جمعہ واجب نہیں ہے، جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں؛ اور یہی حکم بارش، کیچڑ اور ظالم دشمن یا ظالم حاکم سے ڈر کی صورت میں بھی ہے۔ اسی طرح (شافعیہ کہتے ہیں کہ) اس پر بھی واجب نہیں ہے جس کو مال کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو، خواہ وہ نقصان ناقابل برداشت ہو یا نہ ہو۔ یہاں پر مالکیہ کو اختلاف ہے۔ اسی طرح اس پر جمعہ واجب نہیں ہے، جسے اپنی آبرو یا جان کا خطرہ ہو۔ یہی حکم عورت اور غلام کا ہے، تاہم اگر وہ جمعہ کی نماز پڑھ لیں تو درست ہوگی۔ ان شرائط سے حنابلہ کو بھی اتفاق ہے، لیکن ان کا کہنا ہے کہ نابینا پر جمعہ واجب نہیں ہے، بجز اس حالت کے جب کہ اس کے پاس رہبر ہو، یا رہبر کی بجائے ایسے نشانات ہوں جن کے سہارے وہ مسجد تک پہنچ سکے، مثلاً مکانوں کی دیوار جس کے سہارے نابینا چل سکے، یا کوئی رسی وغیرہ ہو، جسے پکڑ کر وہ چل سکے۔ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ حنفیہ کہتے ہیں کہ جس مریض کو پیدل چل کر نماز جمعہ میں پہنچنا ضرررساں ہو تو اس کے ذمہ سے نماز جمعہ ساقط ہو جاتی ہے، یعنی اگر ایسی معذوری ہو تو نماز ساقط ہو جاتی ہے، اگرچہ کوئی ایسا شخص دستیاب ہو سکے جو اسے اٹھا کر لے جائے۔ اس پر سب متفق ہیں۔ نابینا کے بارے میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس کے ذمہ سے نماز جمعہ ساقط ہے، اگرچہ کوئی شخص ایسا مل جائے جو رضاکارانہ طور پر اس کی رہبری کرے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اگر کوئی نیکی کا کام سمجھ کر نابینا کی رہبری کرے یا حسب مقدور اجرت لے کر (نمازی کو) لے جا سکے تو نماز جمعہ اس پر واجب ہو گی، جیسا کہ حنفیہ کی شرائط وجوب میں سابقاً بتایا گیا۔ حنفیہ اور تمام ائمہ میں اندریں باب اتفاق ہے کہ جس کو جمعہ کو جانے میں اپنے مال، آبرو یا جان کا خطرہ ہو، اس پر جمعہ واجب نہیں ہے، بشرطیکہ مال کا نقصان ناقابل برداشت ہو، جیسا کہ مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں۔ شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے۔

Marfat.com

واضح ہو کہ جس شخص نے ظلم کیا ہو اور اسے قصاص (میں پکڑے جانے) کا ڈر ہو تو اس سے جمعہ ساقط نہیں ہوتا۔

شافعیہ کے نزدیک وجوب جمعہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اس کی رہائش ایسی جگہ پر یا ایسی جگہ کے قریب ہو جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔ یہی ان کے علاوہ دوسرے ائمہ کہتے ہیں لیکن اس بارے میں شافعیہ کچھ مزید تفصیل بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ جمعہ والی بستی کے قریب رہتے ہیں ان کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ (اتنے قریب ہوں کہ) اذان یا پکارنے کی آواز سن سکیں، لہٰذا ایسے شخص پر جمعہ واجب نہیں ہے جو اتنے فاصلہ پر رہائش رکھتا ہو، جہاں کے لوگ پکارنے کی آواز نہ سن سکیں۔ البتہ اگر ان کی تعداد چالیس ہو تو ان پر واجب ہے کہ وہ اپنے ٹھکانے ہی پر جمعہ کی نماز قائم کریں۔ انھیں قریب کے شہر تک جانا نہ پڑے گا۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ اس جگہ کو مستقل وطن بنائیں کہ سردی یا گرمی کے موسم میں اپنے ٹھکانوں سے بلا مجبوری کے جا ہی نہ سکیں، جیسا کہ کسی شہر میں نوکری چاکری کرنے والوں کا طریقہ ہوتا ہے (کہ شہر سے کافی فاصلہ پر رہتے ہیں۔ ان کی تعداد چالیس ہو جائے تو انھیں نماز جمعہ قائم کرنا چاہیے)۔

واضح ہو کہ مذکورہ بالا طریقہ سے وطن بنانا انعقاد جمعہ کی شرط ہے؛ چنانچہ جمعہ کی نماز نہیں ہو سکتی جب تک کہ لوگوں نے کسی مقام کو اپنا مستقبل ٹھکانہ نہ بنا لیا ہو، یعنی اگر ایسے آباد کاروں کی تعداد چالیس سے کم ہو اور غیر متوطن اشخاص سے مل کر یہ تعداد پوری کی جائے تو نماز جمعہ منعقد نہیں ہو سکتی اور نہ درست ہو گی۔ گویا کہ ان پر سرے سے جمعہ واجب ہی نہیں ہے۔ اور منجملہ شرائطِ وجوب جمعہِ "مقیم ہونا" ہے۔ چنانچہ مسافر پر جمعہ واجب نہیں ہے بجز اس صورت کے جب کہ مسافر جمعہ کے شہر میں چار دن ٹھہرنے کا ارادہ کر لے۔ اگر کوئی شخص اپنے شہر سے جمعہ کی صبح کو سفر پر روانہ ہوا اور جمعہ کے وقت تک منزل پر پہنچ گیا تو اس پر نماز جمعہ واجب ہو جائے گی، لیکن اگر جمعہ کے روز صبح نمودار ہونے سے پہلے ہی سفر پر روانہ ہوا تو اس پر جمعہ واجب نہیں ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ سفر دور کا ہو یا قریب کا، بجز اس صورت کے جب کہ صرف اتنی دور جانے کا ارادہ ہو جہاں پر اپنے شہر کی اذان، جہاں سے روانہ ہوا ہے، سنائی دے (اس صورت میں جمعہ واجب ہو گا)۔

ہاں اگر دوسرے شہر کی آواز اذان وہاں تک پہنچتی ہو تو جمعہ واجب نہیں ہے۔ اس بنا پر اگر کھیت کاٹنے یا ملازمت کرنے والے اپنے شہر سے محنت مزدوری کے لیے دوسرے مقام کو صبح کے نمودار ہونے سے پہلے روانہ ہوئے تو جمعہ ان پر واجب نہیں رہا، بجز اس صورت کے جبکہ اس مقام پر ان کے اپنے شہر کی اذان جمعہ سنائی دیتی ہو۔

شافعیہ کے نزدیک جمعہ کے صحیح ہونے کی چھ شرطیں ہیں: اول یہ کہ جمعہ کی پوری نماز اور اس کے دونوں خطبے یقینی طور پر وقت ظہر میں ہوں۔ دوسرے یہ کہ جمعہ کسی عمومی عمارت میں ہو خواہ وہ قصبہ ہو یا قریہ ہو، یا شہر ہو یا کسی پہاڑ کا غار یا سرنگ ہو۔ ہاں میدان میں نماز جمعہ صحیح نہیں ہے ابنیہ میں نماز جمعہ کے صحیح ہونے کا مسلمہ ضابطہ یہ ہے کہ وہاں پر نماز قصر نہ کی جاتی ہو اس میں جمعہ صحیح ہے جیسے فصیل شہر کے اندر کا میدان اور جہاں نماز قصر کی جاتی ہو وہاں صحیح نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ شرائط سابقہ کے ساتھ نماز با جماعت ادا کی جائے۔ چوتھے یہ کہ جماعت میں شریک ہونے والوں کی تعداد شرائط سابقہ کے ساتھ چالیس ہو۔ پانچویں یہ کہ جمعہ کی نماز وہاں پر پڑھی جانے والی دوسری نمازوں سے پہلے ہو۔ اس کی تفصیل تعدد نماز جمعہ کے بیان میں آ رہی ہے۔ چھٹے نماز سے پہلے دو خطبوں کا مع اس کے ارکان و شرائط متذکرہ آئندہ کے پڑھا جانا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نماز کی مذکورہ شرائط کے علاوہ نماز جمعہ کی جو مزید شرائط ہیں ان کی دو قسمیں ہیں: شرائط وجوب

Marfat.com

اور شرائط صحت۔ نماز جمعہ کی شرائط وجوب جو مذکورہ شرائط کے علاوہ ہیں ان میں وہ شرائط ہیں جو مالکیہ شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک مسلم ہیں۔ ان کا ذکر اوپر کیا گیا، مثلاً آزاد ہونا لہٰذا غلام پر جمعہ واجب نہیں ہے۔ اور مرد ہونا چنانچہ عورت پر واجب نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ نماز جمعہ میں شریک ہو جائیں تو نماز ہو جائے گی۔ اور کسی ایسے عذر کا نہ ہونا جس کی بنا پر نماز ترک کی جا سکے۔ پس جس مریض کو نماز کے لیے جانا نقصان دہ ہو اس پر واجب نہیں ہے، اگر چہ سواری پر جا سکے یا کوئی اٹھا کر لے جائے۔ البتہ اگر جانے کی قدرت ہے یا قابل برداشت اجرت دے کر جا سکتا ہے تو ایسے شخص پر جمعہ واجب ہے۔ اور اپاہج آدمی کا حکم بھی مریض ہی کی طرح ہے۔ نیز یہ کہ نمازی بینا ہو، اندھے پر جمعہ واجب نہیں ہے اگر چہ کوئی رہبر مل سکے۔ ہاں اگر وہ کسی رسی کے سہارے جو جامع مسجد تک گئی ہو، جا سکے (تو جمعہ واجب ہوگا)۔ اور یہ امر کہ نہایت شدید گرمی یا سردی یا بارش اور کیچڑ ہو، یا (بے گناہ) پکڑے جانے یا اسی طرح کی کسی اور بات کا خطرہ ہو (بشرطیکہ کوئی مظلوم ہو، ظالم نہ ہو) اور یا مال کے نقصان یا عزت یا جان کا خطرہ ہو (ان تمام صورتوں میں جمعہ واجب نہیں ہے) لیکن (مال کے نقصان کی صورت میں) جمعہ اس حال میں واجب رہے گا جب کہ قابل برداشت نقصان مال کا اندیشہ ہو۔ اور منجملہ شرائط وجوب کے یہ ہے کہ جس بستی میں قیام ہے اس کا کوئی نام ہو جیسے مصر (کہ ایک بستی کا نام ہے) لہٰذا تمام گھریلو ملازمین جو مصر میں رہتے ہیں ان پر جمعہ واجب ہے، اگر چہ قیام گاہ سے اس جگہ تک جہاں نماز جمعہ ہوتی ہے کئی فرسخ کا فاصلہ ہو کیونکہ وہ سب ایک ہی شہر ہے جس کا ایک نام ہے۔ رہے مضافاتی علاقے جن کے جدا جدا نام ہیں مثلاً "عین الشمس" "مصر الجدیدۃ" "الزیتون" اور "معادی الخبیری" وغیرہ ان میں سے ہر علاقہ اس شرط کی رو سے ایک مستقل شہر ہے، لہٰذا یہاں کے ان لوگوں پر جمعہ واجب ہے جو مستقل رہائش رکھتے ہیں۔ پس اگر وہاں مسجد نہ ہو جس میں نماز جمعہ قائم کی جا سکے، لیکن اس کے ساتھ دوسرے علاقہ میں جمعہ ہوتا ہو تو اس علاقہ میں جا کر جمعہ ادا کرنا واجب ہے، بشرطیکہ دونوں کا فاصلہ ایک فرسخ یا اس سے کم ہو۔ اگر فاصلہ زیادہ ہو تو جمعہ واجب نہیں ہے۔ مسلک حنفیہ کے بیان میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ ایک فرسخ کتنا فاصلہ ہوتا ہے۔

خیموں میں رہائش رکھنے والوں اور ایسے گاؤں میں رہنے والوں پر جہاں کی آبادی چالیس سے زیادہ نہ ہو، جمعہ واجب نہیں ہے۔ اگر چالیس یا اس سے زیادہ تعداد ہو تو ان پر جمعہ واجب ہے، بشرطیکہ وہ لوگ سردی یا گرمی میں وہاں سے نہ چلے جاتے ہوں۔

وجوب جمعہ کی شرطوں میں سے مقیم ہونا ہے، لہٰذا مسافر پر جمعہ واجب نہیں ہے، بجز اس صورت کے جب کہ چار دن سے زیادہ قیام کا ارادہ ہو۔ حنابلہ کے نزدیک سفر کی کم سے کم تسلیم شدہ مسافت سفر کرنے والے اور اس مقام کے درمیان، جہاں جمعہ ہوتا ہے، ایک فرسخ یا اس سے کم ہے۔ اس سے زیادہ مسافت ہو تو جمعہ واجب نہیں ہوتا۔

اب رہیں جمعہ کے صحیح ہونے کی شرطیں، ان کی تعداد چار ہے: ایک تو وقت کا ہونا، لہٰذا نہ وقت سے پہلے جمعہ کی نماز صحیح ہے نہ وقت کے بعد۔ لیکن ان کے نزدیک جمعہ کا وقت وہی ہے جو عید کی نماز کا ہے، پس جب سورج طلوع ہو جائے اور اس قدر بلند ہو جائے جس میں نماز نفل حلال ہو تو ان کے نزدیک اس وقت سے جمعہ کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے۔ ان کے مسلک کی تشریح وقت جمعہ کے بیان میں پہلے بتائی جا چکی ہے، وہاں پر ملاحظہ ہو۔ دوسرے یہ کہ نمازی کی رہائش کسی شہر یا قریہ میں ہو جس طرح وجوب کی شرائط میں ذکر ہوا۔ لہٰذا ان کے نزدیک میدان میں نماز درست ہے۔ تیسرے یہ کہ نماز

Marfat.com

جمعہ کی نماز میں عورتوں کا حاضر ہونا

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ مرد ہونا جمعہ کے واجب ہونے کی شرط ہے۔ لہٰذا عورت پر جمعہ واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر ظہر کی بجائے جمعہ کی نماز پڑھ لی ہے تو جمعہ صحیح ہوگا، اب سوال یہ ہے کہ آیا عورت کے لیے جمعہ کی نماز کو جانا بہتر ہے یا اپنے گھر میں ظہر پڑھ لینا بہتر ہے۔ اس بارے میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ [1] عورت کے علاوہ ایسا شخص جس پر جمعہ واجب نہیں ہے مثلاً غلام سو اسے جمعہ میں شرکت کرنا ہی مستحب ہے۔

جمعہ کی نماز کا متعدد مسجدوں میں ہونا

نماز جمعہ کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنے پروردگار کے آگے جھکنے کے لیے ایک ہی جگہ پر جمع ہوں، تاکہ ان کے مابین الفت کا رابطہ مستحکم اور محبت کا رشتہ مضبوط ہو اور ان کے دلوں میں مہربانی و مدارات کے جذبات جنم لیں اور بغض و حسد کے عوامل مردہ ہو جائیں۔ اور سب لوگ ایک دوسرے کو مہر و اخوت کی نگاہ

جمعہ میں امام کے ساتھ چالیس اشخاص یا اس سے زیادہ شریک ہوں، گو ان میں سے بعض اصحاب گونگے ہوں۔ اگر وہ سب گونگے ہوں تو جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ چوتھے یہ کہ جمعہ کے دو خطبے ان کے شرائط اور احکام کے مطابق پڑھے جائیں۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ بہتر یہی ہے کہ عورت اپنے گھر میں ظہر کی نماز ادا کرے، خواہ عورت عمر رسیدہ ہو یا جوان ہو، کیونکہ ان کے لیے جماعت مشروع نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر عورت بڑھیا ہو کہ مردوں کے لیے اس میں جاذبیت نہ رہی ہو تو اسے جمعہ کی نماز کو آنا جائز ہے، ورنہ مکروہ ہے۔ اگر عورت جوان ہو اور جمعہ میں آنے سے راستہ کے اندر یا مسجد میں اس کے ساتھ کوئی برائی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کا نماز میں آنا حرام ہے۔ یہ حکم فتنے سے بچنے کے لیے ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر عورت مشتہاۃ ہو (یعنی جسے دیکھ کر دل میں برا خیال پیدا ہو) تو اس کا جمعہ وغیرہ میں حاضر ہونا مکروہ ہے، اگرچہ اس نے لباس گھٹیا پہن رکھا ہو، یہی حکم غیر مشتہاۃ عورت کا ہے، اگر وہ بناؤ سنگھار کر کے اور خوشبو لگا کر نکلے۔ البتہ اگر کوئی پیر زال ہو اور گھٹیا لباس پہن کر نکلے اور خوشبو وغیرہ نہ لگا رکھی ہو اور مردوں کے لیے اس میں جاذبیت نہ ہو تو اس کا نماز جمعہ میں حاضر ہونا بلا کراہت کے نماز درست ہے۔ لیکن اس کے لیے دو شرطیں ہیں: اول یہ کہ اس کے ولی نے اس کو جمعہ کی نماز کے لیے جانے کی اجازت دی ہو۔ یہ اجازت جوان اور عمر رسیدہ ہر عورت کے لیے ضروری ہے۔ اگر اجازت نہیں دی گئی تو نماز جمعہ کو جانا حرام ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے شرکت جماعت کو جانے میں کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر ایسا ہو تو جمعہ کے لیے عورت کا جانا حرام ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ عورت کو نماز جمعہ میں حاضر ہونا مباح ہے، بشرطیکہ وہ خوبصورت نہ ہو۔ اگر خوب صورت ہو تو

Marfat.com

سے دیکھیں۔ جو قوت والے ہیں وہ کمزوروں کی اعانت کریں، جو صاحب مال ہیں وہ محتاجوں کے کام آئیں، جو بڑے ہیں وہ چھوٹوں پر شفقت کریں اور چھوٹے بڑوں کی عزت کریں۔ اور ان سب کو یہ احساس ہو کہ وہ ایک ہی خدا کے بندے ہیں۔ وہ خدا جو بے پروا اور لائق حمد ہے اور زبردست، مختار اور عظمت بے حد کا مالک ہے۔

شریعت اسلامیہ کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو یکجا ہو کر عبادت کا شوق ہو۔ لہٰذا اس میں شک نہیں کہ بلاضرورت متعدد مسجدوں کے ہونے سے یہ اعلیٰ مقصد فوت ہو جاتا ہے، کیونکہ اس طرح مسلمان مختلف مسجدوں میں بٹ جاتے ہیں۔ اجتماع کے مفاد سے بے خبر رہتے ہیں۔ ان کے دل خالق کائنات کی عظمت سے جس کی عبادت کے لیے خضوع وخشوع کے ساتھ سب لوگ اکٹھے ہوتے ہیں، متاثر نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر بلاضرورت متعدد مسجدیں ہوں تو جہاں نماز سب سے پہلے ہوئی اس کے علاوہ جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ پس جس نے یقینی طور پر سب سے پہلے نماز جمعہ پڑھی اس کی نماز ہوگئی، دوسروں کو چاہیئے کہ وہ ظہر پڑھیں۔ اس بارے میں مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (1)

اس کو جمعہ کی نماز کو جانا مطلقاً مکروہ ہے۔

ا۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ جمعہ کی نماز کا متعدد مقامات پر ہونا یا تو بلاضرورت ہوگا اور یا پھر واقعی اس کی ضرورت ہوگی۔ اب اگر بلاضرورت متعدد مقامات پر نماز جمعہ پڑھی گئی تو ان لوگوں کی نماز ہو جائے گی جنہوں نے سب سے پہلے پڑھی ہے۔ بشرطیکہ یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ وہاں کی جماعت میں تکبیر تحریمہ دوسرے مقامات سے پہلے ہوئی ہے۔ اگر اس کا ثبوت نہ ہو، بلکہ یہ معلوم ہو کہ ہر جگہ ایک ہی وقت میں نماز ہوئی اور سب جگہ تکبیر تحریمہ ایک ساتھ ہی کہی گئی، یا یہ شبہ ہو کہ ہر جگہ ایک ہی وقت میں تکبیر تحریمہ ہوئی تو سب جگہ کی نماز باطل ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں عوام پر واجب ہے کہ اگر ممکن ہو تو سب اکٹھے ہو کر دوبارہ جمعہ کی نماز ادا کریں۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو ظہر کی نماز پڑھ لیں۔

اگر متعدد مقامات پر جمعہ کی نماز کا ہونا ضروری تھا تو ہر جگہ کی نماز جمعہ صحیح ہوگی۔ لیکن مستحب یہ ہے کہ جمعہ کے بعد ظہر کی نماز بھی پڑھ لی جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شہر میں متعدد مسجدیں ہوں تو شہر میں جہاں سب سے پہلے نماز ادا ہوئی وہی نماز ہو جائے گی اگرچہ اس مسجد کی تعمیر (دوسری مساجد کے) بعد میں ہوئی ہو۔ مثلاً اگر ایک شہر میں ایسے علاقے ہیں جہاں نماز جمعہ نہیں ہوتی تھی، وہاں مسجد بنائی گئی اور اس میں نماز جمعہ ادا ہونے لگی، اس کے بعد پھر ایک اور مسجد بنی اور اس میں بھی نماز جمعہ ادا کی گئی تو جمعہ کی نماز صرف اس مسجد کی ادا ہوئی جہاں پہلے پڑھی گئی۔ لیکن اس حکم کی چار شرطیں ہیں:

ایک تو یہ کہ نئی مسجد کے بن جانے پر پرانی مسجد کو ترک نہ کر دیا گیا ہو کہ لوگوں نے بلا وجہ نئی مسجد کو دیکھ کر پرانی مسجد میں نماز پڑھنا ہی ترک کر دیا ہو۔

Marfat.com

دوسرے یہ کہ پرانی مسجد میں جگہ تنگ ہو اور توسیع ممکن نہ ہو جس کے باعث عوام کو نئی مسجد تعمیر کرنے کی ضرورت ہوئی۔ مسجد کی تنگی کا یہ مطلب ہے کہ اس کے اندر نماز جمعہ پڑھنے والوں کی گنجائش نہ ہو، خواہ وہ لوگ ایسے ہوں کہ ان پر جمعہ واجب نہیں ہے۔

تیسرے یہ کہ ایک مسجد میں اکٹھا ہونے سے اہل شہر میں فتنہ وفساد کا اندیشہ نہ ہو، مثلاً شہر میں دو خاندان آباد ہیں جن میں باہم کشیدگی ہے۔ ایک خاندان (شہر کے) مشرقی حصے میں اور دوسرا مغربی حصے میں ہے۔ ایسی صورت میں دونوں کے لیے اپنی اپنی مخصوص مسجدیں بنا لینا درست ہے۔

چوتھے یہ کہ حاکم نے یہ فیصلہ نہ کیا ہو کہ نئی مسجد میں نماز درست ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ کسی شہر میں دو مقام پر نماز جمعہ کا ہونا یا تو کسی ضرورت سے ہوگا یا بلا ضرورت ہوگا۔ اگر کسی ضرورت سے ہو مثلاً ایسے اشخاص کے لیے جن کا نماز پڑھنا درست ہے، موجودہ مساجد میں سے کسی ایک میں گنجائش نہ ہو، خواہ وہ لوگ سر دست نماز نہ بھی پڑھیں، یا یہ کہ ان پر واجب ہی نہ ہو تو نئی مسجد جائز ہے اور نماز جمعہ ہو جائے گی۔ حاکم وقت نے اجازت دی ہو یا نہ دی ہو۔ تاہم ان حالات میں بہتر یہی ہے کہ نماز جمعہ کے بعد ظہر بھی پڑھ لی جائے۔

اس صورت میں جب کہ متعدد مسجدیں بلا ضرورت موجود ہوں تو جمعہ صرف اس مقام پر درست ہوگا جہاں کے لیے حاکم وقت نے نماز کی اجازت دی ہے۔ اس کے سوا دوسری جگہ کی نماز جمعہ درست نہیں ہے، اگر چہ وہ پہلے پڑھی گئی ہو، اگر حاکم وقت نے متعدد مسجدوں میں جو بے ضرورت تعمیر ہوئی ہوں، نماز کی اجازت دے دی یا نہیں دی تو وہ نماز درست ہوگی، جہاں سب سے پہلے تکبیر تحریمہ کہی گئی ہو۔ اگر ہر جگہ نماز ایک ہی وقت میں ہوئی، بایں طور کہ تمام مقامات پر ایک ساتھ تکبیر تحریمہ کہی گئی، تو ہر جگہ کی نماز جمعہ باطل ہوگی، بشرطیکہ یقینی طور پر ایسا ہی ہوا ہو۔ پھر اگر جمعہ کا دوبارہ پڑھ لینا ممکن ہو تو نماز جمعہ پھر پڑھی جائے، ورنہ ظہر کی نماز پڑھ لی جائے۔ اگر یہ نہ معلوم ہو سکے کہ سب سے پہلے جمعہ کی نماز کس جگہ ہوئی تو یہ سمجھا جائے کہ صرف ایک جگہ کی نماز درست ہوئی ہے۔ جس کی تعیین نہیں کی جا سکی۔ ایسی صورت میں جمعہ کی نماز دوبارہ نہ پڑھی جائے، بلکہ سب لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھنا واجب ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جن مقامات میں جمعہ کی نماز درست ہے، ان کے متعدد ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور صحیح بات یہی ہے کہ سب کی نماز ہو جائے گی، اگر چہ نمازیں آگے پیچھے ہوئی ہوں۔ لیکن اگر کسی نے ایک مسجد میں نماز جمعہ پڑھی اور اسے قطعی طور پر معلوم ہوا کہ دوسری مسجدوں اس سے پہلے نماز ہو چکی ہے تو اس پر واجب ہے کہ پھر سے ظہر کی نیت کر کے چار رکعت نماز ایک تسلیمہ سے ادا کرے۔ اور بہتر یہ ہے کہ یہ نماز گھر آ کر پڑھی جائے، مبادا عوام یہ سمجھ بیٹھیں کہ وہ بھی فرض ہے۔

یہ بتایا جا چکا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک واجب کا درجہ فرض سے کم ہے۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ یہ سنت مؤکدہ ہے اگر (یقین نہیں بلکہ) یہ محض شبہ ہو کہ دوسری جگہ نماز جمعہ پہلے پڑھی گئی ہے تو نیت کر کے چار رکعت نماز پڑھنا (واجب نہیں بلکہ صرف) مستحب ہوگا اور چاہیے کہ اس نماز کی ہر رکعت میں کوئی سورت یا تین چھوٹی آیتیں ملائی جائیں (جیسا کہ سنتوں میں ہوتا ہے)۔ کیونکہ اس نماز کی بابت احتمال سے ہے کہ یہ نفل نماز ہو۔ اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ نفلی نمازوں میں (ہر رکعت کے

Marfat.com

میدان میں جمعہ کی نماز

تین امام اس پر متفق ہیں کہ میدان میں جمعہ کی نماز درست ہے؛ مالکیہ کہتے ہیں کہ مسجد کے علاوہ کہیں اور درست نہیں ہے، اس کے بارے میں ائمہ کے مسالک ذیلی حاشیے میں درج ہیں۔ (۱)

جماعت جس کے بغیر نماز جمعہ درست نہیں ہے

اس امر پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ جمعہ کی نماز بغیر جماعت کے درست نہیں ہے، البتہ اہل جماعت کی تعداد میں جن کے بغیر جمعہ نہیں ہوسکتا، اختلاف ہے۔ اسی طرح جماعت کی شرائط کے بارے میں اختلاف ہے۔ مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

اندر) سورت وغیرہ کا ملانا واجب ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ چار رکعتیں سنت جمعہ کی چار رکعتوں سے پہلے پڑھی جائیں یا بعد میں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چار رکعتیں سنت جمعہ کی چار رکعتوں کے بعد پڑھی جائیں، پہلے پڑھنا بہتر نہیں ہے۔ یہ معمولی بات ہے۔ لہٰذا نماز جمعہ پڑھنے والے کو چاہیے کہ نماز جمعہ کے بعد پہلے چار رکعت سنت جمعہ پڑھے۔ اس کے بعد بہ نیت ظہر چار رکعت نماز بطریق بالا ادا کرے، اس کے بعد دو رکعت سنت ظہر پڑھے، جیسا کہ سنتوں کے بیان میں بتایا گیا ہے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ جمعہ کی نماز نہ گھر میں جائز ہے اور نہ میدان میں بلکہ لازم ہے کہ جامع مسجد میں ادا کی جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جمعہ کی نماز میدان میں جائز ہے، بشرطیکہ (وہ جگہ) گھروں کے قریب ہو۔ قریب سے مراد یہ ہے کہ بالعموم اس کو قریب سمجھا جاتا ہو۔ اگر وہ جگہ قریب نہ ہو تو نماز جمعہ صحیح نہ ہوگی۔ اگر امام صحرا میں نماز جمعہ کرائے تو چاہیے کہ کسی کو اپنا نائب بنا جائے جو ضعیفوں کے ساتھ نماز ادا کرے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ گھروں کے قریب میدان میں نماز درست ہے، اور قریب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جب مسافر اس مقام پر پہنچ جائے تو قصر نہ کرے۔ اس کی تفصیل نماز قصر کے بیان میں آرہی ہے۔ خندق (کے اندر نماز جمعہ) کا بھی وہی حکم ہے جو میدان کا ہے، بشرطیکہ وہ خندق فصیل شہر کے اندر ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ صحت جمعہ کے لیے مسجد کی شرط نہیں ہے، بلکہ میدان میں بھی درست ہے بشرطیکہ شہر سے اس کا فاصلہ ایک فرسخ سے زیادہ نہ ہو اور امام (حاکم) نے وہاں پر نماز جمعہ کی اجازت دی ہو، جیسا کہ سابقاً شرائط کے بیان میں بتایا گیا۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ جماعت کی کم سے کم تعداد جس کے بغیر جمعہ نہیں ہوسکتا، امام کے علاوہ گیارہ ہے۔ اس میں چند شرائط ہیں:

ایک تو یہ کہ وہ لوگ ایسے ہوں جن پر جمعے کی نماز واجب ہے۔ لہٰذا اس تعداد میں اگر غلام یا بچے، یا عورتیں شامل

Marfat.com

ہیں تو نماز نہ ہوگی۔

دوسرے یہ کہ وہ سب اسی جگہ کے رہنے والے ہوں۔ اگر ان میں ایسے اشخاص ہیں جو اس شہر میں جہاں جمعے کی نماز ہو رہی ہے، تجارت کے لیے آئے ہوئے ہوں، یا مسافر ہوں، اگرچہ انھوں نے چار دن ٹھہرنے کا ارادہ کرلیا ہو تو نماز جمعہ صحیح نہ ہوگی۔

تیسرے یہ کہ وہ لوگ خطبے کے آغاز سے نماز کے خاتمے تک موجود رہیں۔ اگر ان میں سے کسی کی نماز باطل ہوگئی، خواہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد، لیکن اس کے خود کے سلام پھیرنے سے پہلے، تو سب کی نماز جمعہ فاسد ہوجائے گی۔

چوتھے یہ کہ وہ لوگ مالکی یا حنفی مشرب کے ہوں، اگر وہ لوگ شافعی یا حنبلی مسلک کے ہوں جن کے نزدیک شرط یہ ہے کہ اہل جماعت کی تعداد چالیس ہونی چاہیے، تو ان کے موجود ہونے سے جمعے کی نماز نہ ہوگی جب تک کہ وہ امام مالکؒ یا امام ابوحنیفہؒ کی تقلید نہ کریں۔

کسی بستی میں پہلی بار نماز جمعہ کے قائم ہونے کے وقت یہ ضروری نہیں کہ بستی کے تمام لوگ موجود ہوں، بلکہ بقول راجح صرف بارہ اصحاب کا موجود ہونا کافی ہے۔ امام کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہو جن پر جمعہ واجب ہے، اگرچہ وہ مسافر ہو جس نے چار روز کے قیام کا ارادہ کرلیا ہو، لیکن قیام کا یہ ارادہ خطبے کی غرض سے نہ ہو۔ اگر محض خطبے کی غرض سے قیام کا ارادہ کیا تو اس کی امامت صحیح نہ ہوگی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اہل جماعت کی تعداد جن سے نماز درست ہوتی ہے، امام کے سوا کم سے کم تین ہونی چاہیے، خواہ وہ خطبے کے وقت موجود نہ ہوں۔ چنانچہ اگر ایک ہی شخص کے سامنے خطبہ پڑھا گیا اور وہ شخص نماز سے پہلے چلا گیا اور اس کے بعد تین اصحاب آگئے اور ان کے ساتھ نماز پڑھ لی گئی تو بغیر اس کے کہ خطبہ دوبارہ پڑھا جائے نماز صحیح ہوگی۔

نمازی کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ سب مرد ہوں، قطع نظر اس کے کہ وہ غلام ہوں، یا مریض ہوں، یا مسافر ہوں، یا ناخواندہ ہوں، یا ان میں بہرے ہوں۔ یہ تمام اشخاص نماز جمعہ کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کی یہ صلاحیت یا تو سب کی امامت کے لیے ہے یا انہی جیسے ناخواندہ اور گونگوں کے لیے، جب کہ خطبہ کوئی اور شخص پڑھ دے، کیونکہ جمعہ کے امام کے لیے خطیب ہونے کی شرط نہیں ہے۔ پس جب کہ ان میں امام بننے کی صلاحیت ہے تو دوسرے کا مقتدی بننے کی صلاحیت ان میں بدرجہ اولیٰ ہے۔ بخلاف بچوں اور عورتوں کے کہ صرف ان کی موجودگی سے نماز جمعہ کی جماعت درست نہ ہوگی، کیونکہ ان میں امام بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ وہ سب امام کے ساتھ سجدہ اولیٰ کے ادا کرنے تک جماعت میں شریک رہیں۔ اس کے بعد اگر وہ امام کو چھوڑ کر چلے گئے تو صرف چھوڑ کر جانے والوں کی نماز باطل ہوجائے گی۔ امام کو تنہا جمعے کی نماز پوری کرلینی چاہیے، لیکن اگر وہ امام سجدہ کرنے سے پہلے ہی چلے گئے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سب کی نماز باطل ہوجائے گی۔

امام کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ صاحب امر ہو جس کے اوپر کوئی اور حاکم یا ایسا شخص نہ ہو جو اسے جمعہ کی نماز کا اذان دے۔ صحت جمعہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ اگر امام خود صاحب امر یا اس کا نائب نہ ہو تو جمعہ کی نماز نہ ہوگی۔ لوگوں کو چاہیے کہ ظہر کی نماز پڑھیں۔ البتہ جس کو نماز جمعہ کے قائم کرنے کی اجازت دی گئی ہو اسے جائز ہے کہ وہ اپنا نائب کسی اور کو مقرر

Marfat.com

کردے اور اس کی وضاحت اس پر کردی جائے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جماعت کے لیے چند شرائط ہیں جن کے ساتھ جمعہ صحیح ہوگا: ایک تو یہ کہ نمازیوں کی تعداد چالیس ہو جن میں امام شامل ہے، لہٰذا جمعہ اس سے کم تعداد ہو تو منعقد نہیں ہوسکتا۔ اس سے کم تعداد کی صورت میں ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ لینا جائز ہے جس کے نزدیک اس تعداد کی شرط نہیں ہے۔ لیکن اس کے لیے یہ شرط ہے کہ دوسرے امام کی تقلید کرنے والا تلفیق سے گریز کرے (یعنی اس طرز عمل کو خوش نمانہ بنائے) بایں طور کہ اپنی پاکیزگی کے لیے اس مسلک کی موافقت کرے۔

ان نمازیوں کا ایسے اشخاص میں سے ہونا بھی شرط ہے جن کے ساتھ نماز جمعہ ہوسکتی ہے۔ یعنی وہ آزاد، مرد، مکلّف اور اس جگہ کے رہائش پزیر ہوں۔ لہٰذا غلاموں، عورتوں، بچوں اور مسافروں کے (مطلوبہ تعداد میں) موجود ہونے سے نماز نہ ہوگی۔

یہ بھی شرط ہے کہ نماز پڑھنے والے نماز میں امام کے ساتھ رکعت اولیٰ کے خاتمے تک برابر شریک رہیں، ان کی نماز صحیح ہو اور قضا سے بے نیاز ہو، یعنی ایسی نماز نہ ہو جسے کسی عذر کے باعث دہرانا ضروری ہو۔ یہ شرط نہیں ہے کہ تمام جماعت دوسری رکعت کے خاتمے تک شامل رہے۔ پس اگر مقتدیوں نے (پہلی رکعت میں شامل جماعت رہنے کے بعد) دوسری رکعت میں امام سے علیحدہ ہوجانے کی نیت کی اور انھوں نے اپنی نماز بطور خود پوری کی تو جماعت درست متصور ہوگی۔ یہی حکم امام کا ہے جب کہ وہ دوسری رکعت میں امامت سے الگ ہوجانے کی نیت کرے اور تنہا اپنی نماز پوری کرلے۔

اگر (مطلوبہ تعداد کے منجملہ) کسی ایک فرد کی نماز فاسد ہوگئی۔ خواہ امام کے سلام پھیرنے سے پہلے یا اس کے بعد میں تو تمام مقتدیوں کی نماز جاتی رہے گی، کیونکہ شرط یہ ہے کہ نماز کے خاتمہ تک مقتدیوں کی تعداد مقررہ باقی رہے۔ اب اگر وقت میں اتنی گنجائش ہے کہ نماز جمعہ دوبارہ پڑھی جاسکے تو اس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے، اگر گنجائش نہ ہو تو ظہر کی نماز پڑھی جائے۔

ایک شرط یہ بھی ہے کہ مقتدی امام کے شروع کرنے کے بعد ہی نماز شروع کردیں۔ (شمولیت جماعت میں) اتنی دیر نہ کریں کہ امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے پہلے سورۂ فاتحہ پڑھ کر رکوع کرنے کی گنجائش نہ ہو۔ اگر امام کے تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد مقتدیوں نے اتنی دیر کردی کہ ان کی تکبیر تحریمہ اور امام کے رکوع سے اٹھنے کے درمیان اتنا وقفہ نہ تھا کہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر رکوع کیا جاسکتا تو جمعہ کی نماز نہ ہوگی۔ اسی طرح امام پر بھی ان شرائط کی تکمیل لازم ہے جو مقتدیوں کے لیے ہیں۔

اگر اہل جماعت کی تعداد چالیس سے زیادہ ہوجائے تو روا ہے کہ جماعت میں بچے، غلام اور مسافر بھی شامل ہوں۔

ایک شرط یہ بھی ہے کہ مقتدیوں کی مطلوبہ تعداد خطبہ کے آغاز سے نماز کے خاتمے تک پوری رہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جمعہ کی جماعت کے لیے چند شرائط ہیں:

(۱) نمازیوں کی تعداد بشمول امام چالیس سے کم نہ ہو۔

Marfat.com

خطبات جمعہ کے ارکان کا بیان

حمد سے شروع کرنا

نمازعیدین کے بیان میں یہ بتایا جاچکا ہے کہ خطبات عید کے ارکان وہی ہیں جو خطبۂ جمعہ کے ہیں، بجز اس کے کہ عید کے خطبہ کا آغاز تکبیر سے ہوتا ہے اور جمعہ کے خطبہ کا آغاز حمد الٰہی سے۔ یہ بھی نماز عید کے بیان میں بتایا گیا ہے کہ ہر مسلک کی رو سے ارکان خطبہ تفصیل طلب ہیں۔ چنانچہ وہاں پر یہ بتایا گیا ہے کہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جمعہ کا حمد سے شروع ہونا رکن ہے، لیکن مالکیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ رکن نہیں ہے، نہ تو خطبۂ عید میں اور نہ خطبۂ جمعہ میں۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر بھی خطبۂ جمعہ کے ارکان کی تفصیل بتادی جائے تا کہ اس کے متعلق ہر مسلک کا سمجھنا آسان ہوجائے۔ ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

---

(۲) نمازی ایسے ہوں جن پر بنفسہٖ نماز واجب ہے۔ وہ آزاد ہوں، مرد ہوں، بالغ ہوں اور جہاں نماز جمعہ ہوسکتی ہے وہاں کے رہنے والے ہوں۔ ایسی جگہ سے مراد وہ شہر ہے جہاں باقاعدہ مکانات بنے ہوئے ہوں۔ لہٰذا یہ درست نہیں ہے کہ جماعت کی تعداد مطلوبہ میں غلام شامل ہوں۔ نیز نہ ان میں عورتیں ہوں نہ بچے، نہ مسافر، نہ غیر وطنی مقیم، اور نہ ایسے اشخاص جو اس جگہ کے، جہاں نماز جمعہ ہو رہی ہے۔ رہنے والے نہ ہوں، گو بالواسطہ ان پر جمعہ واجب ہو۔ جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔

(۳) یہ کہ (نمازیوں کی تعداد مطلوبہ) سب خطبہ اور نماز میں موجود ہوں۔ اگر چالیس افراد پورے خطبہ اور نماز کے کچھ حصہ میں موجود رہے اور پھر ان کی بجائے کچھ اور لوگوں کے آجانے پر وہ چلے بھی گئے تو نماز درست ہوجائے گی۔ البتہ اگر صلوٰۃ کے دوران چالیس سے تعداد کم ہوگئی اور اس تعداد کو پورا کرنے کے لیے اور لوگ نہیں آئے تھے تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اس صورت میں اگر ممکن ہو تو جمعہ کی نماز دوبارہ پڑھی جائے۔ اس حکم سے یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ مقتدیوں میں ایسے لوگ ہیں جو اپنے مسلک کے مطابق یہ خیال کرتے ہیں کہ مثلاً جمعہ کی نماز صرف بارہ آدمیوں کی جماعت سے ہوجاتی ہے اس صورت میں اگر نمازی چالیس کی تعداد سے کم ہوگئے یہاں تک کہ بارہ رہ گئے تو ان کی نماز باطل نہ ہوگی۔ اندریں صورت امام پر واجب ہے کہ ان لوگوں میں سے ایسے شخص کو اپنا خلیفہ بنالے جو ان کے ساتھ نماز پوری کرے۔ رہی اس کی اپنی نماز سو وہ باطل ہوجائے گی، کیونکہ اس کے اپنے مسلک میں چالیس آدمیوں کا موجود ہونا شرط تھا۔ (اس کے برعکس) اگر مقتدی ایسے ہوں جن کے نزدیک تعداد کا چالیس ہونا ضروری ہے، لیکن امام اس کو ضروری نہ سمجھتا ہو اور مقتدیوں کی مذکورہ تعداد کے پورا ہونے سے پہلے ہی چالیس سے کم ہوجائے تو سب کی نماز باطل ہوجائے گی۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ خطبہ میں صرف ایک چیز رکن ہے، یعنی ذکر الٰہی مطلقاً کم ہو یا زیادہ، لہٰذا خطبہ کا فرض ادا ہونے کے لیے صرف ایک بار تحمید" (الحمد للہ" کہنا) یا" تسبیح (سبحان اللہ کہنا) یا تہلیل (لا الٰہ الا اللہ" کہنا کافی ہے۔ البتہ محض اسی پر اکتفا کرنا مکروہ تنزیہی ہے، جیسا کہ خطبوں کی سنتوں کے بیان میں آرہا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک صرف

Marfat.com

نماز جمعہ کے دونوں خطبوں کی شرائط

کیا ان خطبوں کا عربی میں ہونا ضروری ہے؟ اور کیا اس میں نیت شرط ہے؟

واضح ہو کہ جمعہ کے دونوں خطبوں کے لیے چند شرائط:

ایک تو یہ کہ نماز سے پہلے ہوں، لہٰذا اگر نماز کے بعد ہوئے تو ان کو خطبہ نہ قرار دیا جائے گا۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے۔ مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

دوم خطبہ کی نیت: چنانچہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر خطبہ کی نیت کیے بغیر خطبہ پڑھا گیا تو اس کو اس نماز کا خطبہ شمار نہ کیا جائے گا۔ شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ صحت خطبہ کے لیے نیت شرط نہیں ہے، البتہ شافعیہ نے صحت خطبہ کے لیے یہ قید لگا دی ہے کہ خطبہ کے دوران خطبہ سے ہٹا نہ جائے۔ چنانچہ اگر چھینک آ جائے اور خطیب الحمد للہ کہہ دے تو خطبہ باطل ہو جائے گا۔ لیکن شافعیہ کی اس شرط سے کسی نے اتفاق نہیں

ایک خطبہ شرط ہے اور دوسرا خطبہ سنت ہے، جیسا کہ خطبہ کی سنتوں میں بتایا جائے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ خطبہ کا ایک رکن ہے اور وہ یہ ہے کہ خطبہ تحذیر اور تبشیر پر مشتمل ہو (یعنی اس میں عذاب الٰہی سے خوف دلایا گیا ہو اور ثواب کی بشارت دی گئی ہو) بقول صحیح خطبہ میں سجع (یعنی قافیہ بندی) شرط نہیں ہے، تاہم اگر نثر یا نظم میں خطبہ دیا جائے تو درست ہوگا اور اس کا اعادہ (اگر ضروری سمجھا جائے تو) اس وقت تک مستحب ہے جب کہ نماز نہ پڑھی گئی ہو۔ اگر نماز پڑھی گئی تو اب اعادہ نہیں کرنا چاہیے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ خطبہ کے ارکان چار ہیں: اول دونوں خطبوں کا لفظ ''الحمد للہ'' سے آغاز کرنا، لہٰذا مثلاً یہ کہہ دینا کہ ''احمد للہ'' کافی نہیں ہے۔

دوسرے آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنا۔ اس میں لفظ صلوٰۃ کا استعمال خاص طور پر ہونا چاہیے۔

تیسرے قرآن حکیم کی کسی آیت کا پڑھنا: اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ مستقل آیت ہو جو کسی مطلب یا حکم پر مشتمل ہو، لہٰذا اس قسم کی آیت قرآنی جیسے '' مدھا متان'' کافی نہیں ہے۔

چوتھے (خطبہ میں) اللہ کے عذاب سے بچنے کی نصیحت کم از کم اتقو اللہ وغیرہ ہی کہہ دیا جائے (یعنی لوگو اللہ کے عذاب سے ڈرو)۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر نماز کے بعد دونوں خطبے پڑھے جائیں تو صرف نماز دوبارہ پڑھنی چاہیے۔ وہ خطبے درست ہوں گے، انھیں دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں، بشرطیکہ مسجد سے نکلنے سے قبل بلا تاخیر نماز دہرائی گئی۔ اگر مسجد سے باہر آنے سے قبل یا اتنی دیر گزر جانے کے بعد جس کو بالعموم لمبا عرصہ کہا جاتا ہے، نماز نہ دہرائی گئی تو اب واجب ہے کہ دونوں خطبے پھر پڑھ کر نماز پڑھی جائے۔

Marfat.com

کیا۔

تیسرے یہ کہ خطبے بہ موجب تفصیل مسالک عربی زبان میں ہوں۔ تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

چوتھے یہ کہ دونوں خطبے وقت کے اندر ہوں۔ اگر خطبے پہلے پڑھ لیے گئے اور نماز وقت آنے پر ہوئی تو بالاتفاق نماز درست نہ ہوگی۔

پانچویں یہ کہ خطبہ کو خطیب اونچی آواز سے پڑھے تاکہ حاضرین سن سکیں۔ اس باب میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جائز ہے کہ خطبہ عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں ہو۔ گو (خطیب کو) عربی میں خطبہ کی قدرت ہو اور قطع نظر اس کے کہ لوگ عرب کے ہوں یا نہ ہوں۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جو شخص عربی میں خطبہ دے سکتا ہے اسے عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں خطبہ دینا درست نہیں ہے۔ ہاں اگر عربی سے عاجز ہو تو اس کے علاوہ جس زبان میں اچھی طرح خطاب کر سکتا ہے اسی میں خطبہ دے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ لوگ اہل عرب ہوں یا کہیں اور کے۔ تاہم آیت قرآنی جو خطبوں کے ارکان میں سے ہے، اس کا عربی کے سوا کسی اور زبان میں ادا کیا جانا جائز نہیں ہے۔ ہاں اس آیت کی بجائے کوئی اور ذکر الٰہی جو جی چاہے عربی زبان میں ادا کیا جائے، اگر کوئی اس سے بھی عاجز ہے تو اتنی دیر خاموشی اختیار کرے جتنی دیر میں قرآن کی ایک آیت پڑھی جا سکتی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ خطبہ کے تمام ارکان کا عربی میں ہونا شرط ہے اور اگر اس کا سیکھنا کسی بھی طرح ممکن ہو تو عربی کے سوا کوئی اور زبان خطبہ میں استعمال کرنا کافی نہیں ہے۔ لیکن اگر (سیکھنا) کسی طرح ممکن ہی نہ ہو تو کسی اور زبان میں خطبہ پڑھا جائے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ عرب کے لوگ ہوں۔ اگر وہ لوگ عجمی ہیں تو ارکان خطبہ کا عربی زبان میں ادا کرنا شرط نہیں ہے۔ اگر (خطیب کے لیے) ممکن ہے کہ آیت قرآنی کے علاوہ دوسرے ارکان کو سیکھ سکے تو انھیں عربی زبان ہی میں ادا کرے۔ لیکن اس سے عاجز ہو تو چاہیے کہ اس کے بجائے کوئی اور ذکر یا دعا عربی میں ادا کرے۔ اگر ایسا کرنے سے عاجز ہو تو چاہیے کہ ایک آیت کے پڑھنے کے عرصہ تک خاموشی اختیار کرلے، لیکن ترجمہ نہ کرے۔ باقی وہ حصہ جو خطبہ کے ارکان میں نہیں ہے اس کا عربی میں ہونا شرط نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ خطبہ کا عربی میں ہونا شرط ہے، اگرچہ لوگ عجمی ہوں جو عربی نہیں جانتے۔ اگر ان لوگوں میں کوئی ایسا شخص دستیاب نہ ہو جو عربی الفاظ کو اچھی طرح جانتا ہو اور خطبہ پڑھ سکے تو ان کے ذمہ سے جمعہ ساقط ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ خطبہ کا اونچی آواز سے ہونا شرط ہے تاکہ حاضرین اس کو سن سکیں بشرطیکہ سننے سے مانع کوئی امر نہ ہو۔ پس اگر کوئی امر مانع موجود ہو، مثلاً بہرہ پن یا خطیب سے بہت فاصلہ پر ہونا وغیرہ تو یہ شرط نہیں ہے کہ وہ لوگ خطبہ کو سنیں، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک صحت خطبہ کے لیے صرف "لآ الٰہ الا اللّٰہ" یا "الحمد للّٰہ" یا "سبحان اللّٰہ" کہہ دینا کافی ہے۔ اگر یہ الفاظ اونچی آواز سے کہہ دیے گئے تو خطبہ ہوگیا گو اسے کسی نے نہ سنا ہو۔ لیکن ان ہی الفاظ

Marfat.com

کیا خطبہ اور نماز کے درمیان کسی عمل سے فاصلہ کرنا درست ہے؟

صحت خطبہ کی شرائط میں چھٹی بات یہ ہے کہ خطیب کو خطبہ اور نماز کے درمیان کوئی اور عمل دیر طلب نہ کرنا چاہیے۔(دیر کی مقدار) مختلف مسالک میں جو بتائی گئی ہے وہ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(1)

پر اکتفا کرنا مکروہ ہے۔لیکن صاحبینؒ کہتے ہیں کہ خطبہ کی مقدار کم سے کم اتنی ہے جتنی تشہد میں التحیات للّٰہ سے عبدہ ورسولہ کہنے تک ہوتی ہے۔اور بہر حال خطبہ سننے کے لیے کم سے کم ایسے ایک شخص کا موجود ہونا ضروری ہے جس سے جمعہ ہوسکتا ہے، یعنی وہ شخص مرد اور بالغ وعاقل ہو، گو سفر یا مرض کے باعث معذور ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ارکان خطبہ کا اونچی آواز سے اس طرح ادا کرنا، خطیب کے لیے شرط ہے کہ اس کو ایسے چالیس اشخاص جن سے نماز جمعہ منعقد ہوتی ہے، سن سکیں۔لیکن ان کا فی الواقع سن لینا شرط نہیں ہے، بلکہ صرف یہ کہ وہ لوگ سن سکتے ہوں، یعنی وہ سب خطیب سے اتنے قریب ہوں کہ سننے کی استعداد پائی جائے، اگر چہ بوجہ غنودگی وغیرہ کے نہ سنیں۔ لیکن اگر ان سب میں سننے کی استعداد ہی نہ ہو، مثلاً یہ کہ وہ بہرے ہوں یا گہری نیند میں سو رہے ہوں، یا خطیب سے فاصلہ پر ہوں تو یہ خطبے اس وجہ سے کہ ان میں سننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے جائز نہ ہوں گے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ خطبوں کے صحیح ہونے کی یہ شرط ہے کہ دونوں خطبوں کو خطیب اونچی آواز سے اس طرح پڑھے کہ حاضرین کی اتنی تعداد جس کا جمعہ کے لیے موجود ہونا ضروری ہے خطبہ کے ارکان کو سن سکے۔ بایں طور کہ ان میں کوئی امر مانع سماعت نہ ہو مثلاً نیند یا غفلت یا بہرا پن، اگر چہ ان میں سے کوئی ایک فرد ایسا ہو۔ پس اگر مذکورہ تعداد نے خطبہ کو نہیں سنا، خواہ آواز ہلکی ہونے کے باعث یا فاصلہ پر ہونے کے سبب تو خطبہ صحیح نہ ہوگا، کیونکہ اس طرح خطبہ کا مقصد فوت ہوجاتا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ خطبے کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے یہ ہے کہ اونچی آواز سے پڑھا جائے۔لہٰذا اگر چپکے چپکے پڑھا گیا تو اس کو خطبہ نہ شمار کیا جائے گا۔لیکن حاضرین کا سننا اور یا ان کا سنانا شرط صحت نہیں ہے، اگر چہ خطبہ کا سننا بذاتہٖ حاضرین پر واجب ہے۔

۱۔شافعیہ کہتے ہیں کہ دونوں خطبوں یعنی ارکان خطبہ کے درمیان تسلسل قائم رکھنا شرط ہے۔اسی طرح خطبوں اور نماز کے درمیان بھی تسلسل برقرار ہونا چاہیے۔تسلسل سے مراد یہ ہے کہ دونوں کے درمیان اتنا وقفہ نہ ہو جتنے عرصہ میں چھوٹی سے چھوٹی دو رکعتیں نماز کی پڑھی جاسکیں۔اگر اس سے زیادہ تاخیر ہوئی تو خطبہ باطل ہوجائے گا بشرطیکہ تاخیر بہت زیادہ ہوجائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ خطبوں کا نماز سے متصل ہونا شرط ہے، جیسا کہ دونوں خطبوں کا باہم متصل ہونا شرط ہے۔اگر دونوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو جسے بالعموم کم خیال کیا جاتا ہے تو وہ قابل درگزر ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ شرط صحت ہے کہ خطیب دونوں خطبوں کے درمیان اور خطبوں اور نماز کے درمیان کوئی غیر متعلقہ عمل مثلاً کھانا وغیرہ سے فاصلہ نہ ہونے دے۔ہاں ایسا عمل جو اجنبی (غیر متعلقہ) نہیں، مثلاً فوت شدہ نماز کی قضا یا

Marfat.com

نیز واضح ہو کہ مختلف مسالک کی رو سے جو شرائط صحت ہیں ان سب کو ذیلی حاشیہ میں بیان کیا گیا ہے۔(۱)

کسی امر مستحب کا خطبوں کے درمیان کرنے لگنا خطبہ کو باطل نہیں کرتا، اگرچہ بہتر یہی ہے کہ (ایسی کوئی بات ہو تو) دوبارہ خطبہ پڑھا جائے۔ اگر جمعہ کی نماز فاسد ہوگئی اور صرف نماز کا اعادہ کیا گیا تو پہلا پڑھا ہوا خطبہ باطل نہ ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ صحت خطبہ کے لیے اجزائے خطبہ میں تسلسل کا قائم رکھنا شرط ہے، اسی طرح خطبوں اور نماز کے درمیان بھی (تسلسل ہونا چاہیے)۔ تسلسل سے مراد یہ ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی عمل دیر طلب ایسا نہ کیا جائے جس کو بالعموم دیر طلب سمجھا جاتا ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ خطبہ کے صحیح ہونے کی چھ شرائط ہیں:

خطبہ نماز سے پہلے ہو۔ خطبہ ہی کی نیت سے خطبہ پڑھا جائے۔ وقت کے اندر ہو۔ کم سے کم ایک شخص اس کو سننے والا موجود ہو۔ یہ شخص ان میں سے ہو جن کے ساتھ نماز جمعہ ہو سکتی ہے۔ اور خطبہ اور نماز کے درمیان کوئی فاصلہ نہ ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ خطبہ کے صحیح ہونے کی پندرہ شرطیں ہیں:

نماز سے پہلے ہونا۔ وقت کے اندر ہونا۔ کسی وجہ سے خطبہ سے ادھر اُدھر نہ ہونا۔ عربی زبان میں ہونا۔ دونوں خطبوں کے درمیان تسلسل کا قائم رہنا، نیز خطبوں اور نماز کے درمیان تسلسل قائم رہنا۔ خطیب کا دونوں حدث سے پاک ہونا۔ نا قابل درگزر نجاست سے پاک ہونا۔ خطبہ کے دوران ستر کا ڈھکا ہوا ہونا۔ بشرط قدرت کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنا، ہاں اگر معذوری ہو تو بیٹھ کر بھی درست ہے، دونوں خطبوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھنا۔ اگر کسی معذوری سے بیٹھ کر خطبہ پڑھا گیا تو دونوں خطبوں کے درمیان سکتہ نفس سانس لینے کی مقدار سے زیادہ خاموش ہو جانا۔ اسی طرح شخص بھی خاموشی اختیار کرے جو کھڑے ہو کر خطبہ پڑھ رہا ہو اور بیٹھنے سے معذور ہو۔ اتنی اونچی آواز سے خطبہ پڑھنا کہ چالیس ایسے اشخاص جن کے ساتھ جمعہ ہو سکتا ہے ارکان خطبات کو سن سکیں۔ سامعین کی تعداد چالیس ہونا، اگرچہ ان کی سماعت بالقوہ ہو (یعنی گو فی الواقع انھوں نے خطبہ نہ سنا ہو لیکن استعداد سماعت رکھتے ہوں) ایسی جگہ پر خطبوں کا ہونا جہاں جمعہ کی نماز درست ہے۔ خطیب کا مرد ہونا، قوم پر اس کی امامت کا درست ہونا۔ اگر وہ خطیب اہل علم ہے تو اس کا رکن کو رکن اور سنت کو سنت کی حیثیت سے رکھنا، ورنہ (کم سے کم) اتنا واجب ہے کہ وہ فرض کو سنت نہ خیال کرتا ہو، اگرچہ یہ جائز ہے کہ سنت کو فرض تصور کر لے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ خطبات جمعہ کے صحیح ہونے کی نو شرطیں ہیں:

وقت کے اندر ہونا۔ ایسے شخص کا خطیب ہونا جس پر خود نماز جمعہ واجب ہے، چنانچہ غلام یا مسافر کا خطبہ پڑھنا جائز نہیں ہے، اگرچہ مسافر نے اتنا عرصہ ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا ہو جس عرصہ میں حالت سفر ختم ہو جاتی ہے۔ خطبہ کا اللہ تعالیٰ کی حمد پر مشتمل ہونا۔ دونوں خطبوں کا عربی زبان میں ہونا، دونوں میں تقویٰ (اللہ کی نافرمانی سے بچنے) کی تلقین ہونا۔ محمد رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنا۔ دونوں میں قرآن شریف کی پوری پوری آیات کا پڑھنا، خطبہ کے اجزا میں تسلسل کا برقرار رکھنا۔ اسی طرح خطبوں اور نماز کے درمیان تسلسل قائم رکھنا (یعنی درمیان میں کسی اور شے کی مداخلت نہ ہو) خطبوں کو نیت

Marfat.com

خطبہ جمعہ کی سنتوں کا بیان

ائمہ اسلام اور حکام کے لیے دعا کرنا

مسالک مختلف کے نزدیک خطبہ میں جو سنتیں ہیں ان کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

خطبہ کے ساتھ ادا کرنا۔ ارکان خطبہ کو بلند آواز سے ادا کرنا، تاکہ اگر کوئی امر مانع سماعت مثلاً نیند، غفلت یا بہرا پن نہ ہو تو اتنی تعداد حاضرین کی اسے سن سکے جس سے جمعہ ادا ہوتا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ خطبوں کے صحیح ہونے کی نو شرطیں ہیں:

نماز سے پہلے ہوں۔ نماز سے متصل ہوں، دونوں خطبوں کے اجزا باہم متصل ہوں (یعنی درمیان میں کسی اور شے کی مداخلت نہ ہو) عربی زبان میں ہوں، دونوں خطبے اونچی آواز سے پڑھے جائیں۔ دونوں مسجد کے اندر ہوں۔ دونوں کی عبارت ایسی ہو جس کو اہل عرب خطبہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ خطبہ کے وقت وہ جماعت جس سے جمعہ ہو سکتا ہے موجود ہو۔ اس کی تعداد بارہ ہے۔، جیسا کہ آگے بتایا جا رہا ہے۔ حاضرین خطبہ کو سن رہے ہوں۔ خطبہ کھڑے ہو کر ہو۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کھڑا ہونا سنت ہے۔ ہر چند کہ یہ دونوں قول قابل اعتماد ہیں تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ خطبہ کھڑے ہو کر پڑھا جائے۔

ا۔ شافعیہ کہتے ہیں: خطبہ کی سنتیں حسب ذیل ہیں:

ارکان خطبہ میں ترتیب کا خیال رکھنا، بایں طور کہ پہلے (خطبہ میں) حمد سے شروع کیا جائے۔ پھر نبی ﷺ پر درود، پھر لوگوں کو تقویٰ (پرہیزگاری) کی تلقین ہو۔ اس کے بعد قرآن کی آیت پڑھی جائے۔ پھر مسلمانوں کے لیے دعا مانگی جائے۔ خطبہ ثانیہ میں ائمہ اسلام اور حاکم وقت کے حق میں ان کی بہبود اور اعانت حق کے لیے دعا مانگی جائے۔ بادشاہ اور حکمران وقت کے لیے خصوصی دعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں۔ آنحضرت ﷺ پر درود کے علاوہ سلام کا اضافہ کرنا (سنت ہے)۔ نیز آل واصحاب نبی پر درود و سلام بھیجنا۔ خطبہ کے وقت اس شخص کا خاموش رکھنا جو خاموش رہ کر خطبہ کو سن سکے۔ لیکن جسے خطبہ سننے کی قدرت نہ ہو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ ذکر الٰہی میں لگا رہے۔ اس کے لیے سب سے بہتر سورۂ کہف کا پڑھنا ہے اس کے بعد نبی ﷺ پر درود بھیجنا ہے۔ (اور سنت یہ ہے) کہ خطبہ منبر کے اوپر ہو۔ اگر منبر نہ ہو تو لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ سے اونچی کسی جگہ پر خطبہ دیا جائے۔ سنت یہ ہے کہ منبر محراب کی طرف رخ کرنے والے کی دائیں جانب ہو۔ اور یہ بھی سنت ہے کہ جب خطیب اپنی خلوت گاہ سے باہر آئے تو منبر پر چڑھنے سے پہلے منبر کے قریب والوں کو سلام کرے۔ اگر مسجد کے دروازے سے آنا ہو تو جو شخص بھی اس کے پاس سے گزرے اسے سلام کرے جس طرح دوسروں کو کیا اور منبر پر چڑھ کر حاضرین کی جانب رخ کرے اور سنت یہ ہے کہ خطبہ اول سے پہلے منبر پر بیٹھ جائے اور بیٹھنے سے پہلے حاضرین کو سلام کرے (یہ امر خطیب کے لیے سنت ہے) اگر خطیب سلام کرے تو اس کا جواب لوگوں پر واجب ہے۔ اور سنت یہ ہے کہ صرف ایک شخص، بہت سے لوگ نہیں، خطیب کے سامنے کھڑے ہو کر اذان دے۔ اس طرح نہ ہو تو اذان مکروہ ہوگی۔ اور وہ جو اس سے پہلے اذان مینارہ پر ہوتی ہے وہ سنت ہے، کیونکہ لوگوں کا نماز کے لیے اکٹھا ہونا اسی اذان پر

Marfat.com

موقوف ہے۔ نیز خطبہ کا فصیح زبان میں ہونا سنت ہے تا کہ بہ آسانی لوگوں کی سمجھ میں آ جائے۔ یہ خطبہ نہ طویل ہو اور نہ مختصر ہو بلکہ درمیانی درجہ کا ہو۔ خطبہ کا نماز کی بہ نسبت مختصر ہونا سنت ہے۔ اور یہ کہ خطبہ کے دوران کسی اور طرف رخ نہ موڑا جائے، بلکہ برابر حاضرین کی جانب متوجہ رہے اور یہ کہ بائیں ہاتھ کو تلوار پر ٹکا رکھے، خواہ وہ لکڑی کی ہو یا کوئی سوٹی وغیرہ ہو، اور دائیں ہاتھ کو منبر کے کنارے پر ٹکا رکھے۔ خطبے کے دوران سامنے کی جانب رخ رکھے، دائیں بائیں نہ مڑے۔ اور یہ کہ دونوں خطبے مختصر ہوں۔ پہلا خطبہ بہ نسبت دوسرے کے لمبا ہو۔ اور خطبوں میں حتی المقدور آواز اونچی رکھے۔ خطاب تمام مسلمانوں کی جانب ہو، کسی فرد واحد کے لیے بھی دعا کرنا مباح ہے، مثلاً حاکم وقت یا اپنے باپ یا بیٹے وغیرہ کے لیے۔ اور یہ کہ خطبہ کسی کتاب میں سے دیکھ کر پڑھا جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ امام کے لیے سنت یہ ہے کہ خطبۂ اولیٰ سے پہلے منبر پر بیٹھ جائے، تا کہ مؤذن اذان سے فارغ ہو۔ نیز دونوں خطبوں کے درمیان بھی تھوڑی دیر کے لیے بیٹھنا سنت ہے۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اتنی دیر بیٹھے جس میں سورہ اخلاص پڑھی جا سکے۔ مستحب یہ ہے کہ خطبہ منبر پر ہو اور بہتر یہ ہے کہ منبر کے بالکل اوپر بلا ضرورت نہ چڑھا جائے۔ بلکہ صرف اتنا اوپر جانا چاہیے کہ لوگوں کو خطبہ سنایا جا سکے۔ اور یہ سنت ہے کہ خطبہ کے لیے جاتے وقت حاضرین کو سلام کرے۔ دراصل پہلے سلام کرنا سنت ہے۔ مستحب یہ ہے کہ (خطبہ کو) نکلتے وقت سلام کرے۔ سلام کا منبر پر جاتے وقت کے لیے اٹھا رکھنا مکروہ ہے۔ اگر خطیب نے ایسا کیا تو سننے والے پر اس کا جواب دینا واجب نہیں ہے۔ اور یہ بھی سنت ہے کہ خطبہ کے دوران کسی لکڑی وغیرہ کا سہارا لے رکھے۔ دونوں خطبوں کو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے شروع کرے، ابتدائے خطبہ میں حمد و ثنا کے بعد رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجے، پہلے خطبہ کو قرآن شریف میں سے کچھ پڑھ کر ختم کرے۔ اور دوسرے خطبے کے خاتمہ پر کہے "یغفر اللّٰہ لنا ولکم" (یعنی اللہ ہمارے تمہارے گناہوں کو معاف کرے)۔ ان الفاظ کی بجائے "اذکروا اللّٰہ یذکرکم" بھی کہا جا سکتا ہے (یعنی تم اللہ کو یاد رکھو اللہ تمہیں یاد رکھے گا)۔ دونوں خطبوں کا پرہیزگاری کی نصیحت، جملہ مسلمانوں کے حق میں دعائے خیر اور صحابہؓ کے حق میں رضائے الٰہی پر مشتمل ہونا سنت ہے۔ حکمران کے حق میں دشمنوں پر فتح یابی کے لیے تا کہ اسلام کا بول بالا ہو دعا کرنا سنت ہے۔ نیز دونوں خطبوں میں باطہارت رہنا مستحب ہے اور یہ کہ دونوں خطبوں میں اللہ کی نعمتوں کا مستحق ہونے، بدحالی سے نجات پانے اور امراض و اسقام کے دور ہونے کی دعا کی جائے۔ حاکم وقت کے عدل و احسان کی دعا مانگنا جائز ہے اور مستحب یہ ہے کہ آواز اونچی کی جائے تا کہ سب لوگ خطبہ کو سن سکیں۔ پہلے خطبہ کی بہ نسبت دوسرے خطبہ میں آواز کم اونچی ہو۔ اور دوسرا خطبہ پہلے کی بہ نسبت چھوٹا ہو۔ اور دونوں خطبے مختصر ہوں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ خطبہ میں چند امور سنت ہیں۔ بعض امور کا تعلق خطیب سے ہے اور بعض امور خطبہ کے متعلق ہیں۔ خطیب کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ حدث اصغر و اکبر دونوں سے پاک ہو۔ ایسا نہ ہوا تو گو خطبہ ہو جائے گا لیکن مکروہ ہوگا۔ اگر حالت جنابت میں خطبہ دیا تو مستحب یہ ہے کہ دوبارہ خطبہ پڑھا جائے، بشرطیکہ زیادہ عرصہ نہ ہوا ہو، اور یہ کہ خطیب خطبہ شروع کرنے سے پہلے منبر پر بیٹھ جائے اور خطبہ کھڑے ہو کر دیا جائے؛ بیٹھ کر یا لیٹ کر خطبہ دینا مکروہ ہے۔ وہ علاقہ جو طاقت سے حاصل کیا گیا ہو وہاں پر خطیب کے لیے سنت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ سے اپنی تلوار پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو۔

Marfat.com

خطبہ کی مکروہات کا بیان

سابقۃ الذکر خطبہ کی سنتوں میں سے کسی سنت کا ترک کرنا مکروہ ہے۔ خطبہ کی ان سنتوں میں سے جس نے کوئی سنت ترک کی اس نے فعل مکروہ کیا، اس پر مالکیہ اور حنفیہ کا اتفاق ہے۔ لیکن شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔ ملاحظہ ہو ذیلی حاشیہ۔ (۱)

بہ خلاف ان شہروں کے جو صلح سے حاصل ہوئے ہوں ایسے علاقوں میں تلوار کے سہارے کے بغیر خطبہ پڑھا جائے۔ اور سنت یہ ہے کہ (خطبوں کے دوران) رخ سامنے حاضرین کی جانب رہے، دائیں بائیں جانب متوجہ نہ ہو۔ دو خطبے پڑھے جائیں۔ دونوں میں سے ایک سنت ہے اور دوسرا جمعہ کے صحیح ہونے کی شرط ہے، جیسا کہ سابقاً بیان ہوا، اور یہ کہ دونوں خطبوں کے درمیان اتنی دیر کے لیے بیٹھ جائے کہ جس میں تین آیتیں پڑھی جاسکیں۔ اس کا ترک کرنا ناپسندیدہ عمل ہے۔ پہلا خطبہ دل میں اعوذ باللہ الخ کہہ کر اونچی آواز سے پڑھنا شروع کیا جائے اور خطبہ میں اللہ کی حمد وثنا جو اس کی شان کے شایاں ہے، کلمات شہادت، آنحضرت ﷺ پر درود وسلام اور گناہوں کی مذمت پر مشتمل وعظ، اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذاب سے بچنے اور اس سے ڈرنے کی تلقین ہو اور ایسے اعمال کا بیان ہو جو نجات دنیوی واُخروی کا باعث ہیں۔ نیز قرآن حکیم کی کوئی آیت پڑھی جائے۔

دوسرا خطبہ حمد وثنائے الٰہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام سے شروع کیا جائے۔ اس میں ایماندار مردوں اور عورتوں کے لیے دعائے مغفرت مانگی جائے۔ مستحب ہے نیز بادشاہ کے حق میں فتح مندی، تائید الٰہی اور توفیق عمل وغیرہ کی دعا مانگنا مستحب ہے جس میں اس کی رعایا کی بہبود ہے، کیونکہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اپنے خطبہ میں حضرت عمرؓ کے لیے دعا کیا کرتے تھے اور اس پر اصحاب رسول ﷺ میں سے کسی نے اعتراض نہیں کیا۔

سنت یہ ہے کہ (نماز سے پہلے) خطیب اپنے گوشہ خلوت میں رہے۔ اس کا لوگوں کو سلام کرنا، خطبہ سے پہلے محراب میں نماز کا ادا کرنا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر (یعنی نیک کام کی ترغیب اور بری بات سے روکنے) کے علاوہ کچھ اور کہنا مکروہ ہے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ سنن (مذکورہ) سابقہ کا ترک کرنا ہر حال میں مکروہ نہیں ہے، بلکہ (مکروہات) میں ایسے امور ہیں جو مکروہ ہیں اور ایسے بھی ہیں جو خلاف اولیٰ ہیں۔ مثلاً یہ کہ خطبہ کے دوران سننے والا کلام کرے اور یہ کہ (فردو احد کی بجائے) خطیب کے سامنے ایک جماعت اذان دے، اور خلاف اولیٰ یہ ہے کہ (خطیب) بہ دوران خطبہ آنکھیں مٹکائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ سنن مذکورہ کے ترک کرنے میں وہ امر بھی ہے جو مکروہ ہے اور وہ بھی جو خلاف اولیٰ ہے، چنانچہ خطبہ کے دوران قوم کی طرف پیٹھ کرنا اور خطبہ کے اندر دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے۔

Marfat.com

خطیب کے سامنے ترقیہ (پیش کاری) کا بیان

بعض لوگوں میں یہ بدعت جاری ہے کہ خطیب کے آگے اللہ تعالیٰ کا یہ قول بیان کرتے ہیں کہ ''ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی ''الآیہ (یعنی بلاشبہ اللہ اوراس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں، لہٰذا اے ایماندارو تم بھی ان پر درود وسلام بھیجو!) یہ کہہ کر لمبی چوڑی الاپ شروع کر دیتے ہیں۔ پھر جب مؤذن خطیب کے سامنے اذان سے فارغ ہوتا ہے تو یہ حدیث بیان کرتا ہے کہ ''اذا قلت لصاحبک والا مام یخطب یوم الجمعة انصت، فقد لغوت (الحدیث) (یعنی اگر تم نے امام کے خطبہ پڑھنے کے دوران اپنے ساتھ والے سے یہ کہا کہ خاموش رہو تو یہ ایک لغو حرکت کی) اس حدیث کو بیان کر کے وہ کہتا ہے کہ انصتو اتؤجروا (یعنی خاموش رہو ثواب ہوگا) یہ تمام باتیں بدعت ہیں نہ اس کے لیے کوئی امر متقاضی ہے اور نہ یہ لازم، بالخصوص اس لیے کہ مؤذن جب اس طرح اعلان کرے تو یہ حدیث سے ناواقفیت کے باعث ہوگا۔ اس واسطے کہ ایک طرف تو وہ خاموش رہنے اور کلام نہ کرنے کو کہتا ہے اور پھر خود ہی یہ کہہ کر بولتا ہے کہ ''خاموش رہو ثواب ہوگا'' سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ایسی بات کے بڑھانے کی کیا ضرورت پیش آئی جس کا حکم مذہب میں نہیں ہے اور جو اصول دین کے خلاف ہے، کیونکہ یہ موقع اللہ عز و جل کے سامنے خضوع وخشوع کے اظہار کا ہے، لہٰذا خطیب کی تقریر کے سوا جو بات چیت یا گڑ بڑ کی جاتی ہے وہ لغو اور واہیات ہے اور اسکی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ مالکیہ اور حنفیہ بقول معتمد اس سے متفق ہیں۔ اس باب میں مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ ترقیہ (یعنی پیش کاری یا کام کو بڑھانا) ایک مکروہ بدعت ہے۔ یہ عمل جائز نہیں ہے، بجز اس حالت کے جب کہ وقف کرنے والے نے اپنے وقف کی تحریر میں ایسا کرنے کی شرط لگا دی ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ امام جمعہ کے لیے اپنے خلوت خانہ سے باہر آئے تو جب تک نماز سے فارغ نہ ہو جائے کسی کا کلام کرنا، خواہ ذکر الٰہی ہو، یا نبی ﷺ پر درود ہو، یا کوئی دنیوی بات ہو مکروہ تحریمی ہے۔ امام صاحب کا یہی مسلک ہے اور یہی قابل اعتماد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ''ترقیہ'' اور ہر کلام اس وقت مکروہ تحریمی ہے۔ لیکن صاحبینؒ کہتے ہیں کہ ایسا کلام صرف خطبہ کے دوران مکروہ ہے۔ امام کے اپنی خلوت گاہ (حجرہ) سے باہر آنے کے اور منبر پر خاموشی کی حالت میں بیٹھ جانے کے وقت کسی کا کلام کرنا مکروہ نہیں ہے۔ ہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اسی بنا پر اگر کوئی ذکر (وظیفہ وغیرہ) کرنے لگے یا درود شریف پڑھے اور گڑ بڑ نہ ہو تو صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے۔ تاہم بصورت موجودہ ترقیہ کرنا حنفیہ کے نزدیک بدعت اور مکروہ ہے، بہرحال زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ اس عمل کو ترک کر دیا جائے۔

Marfat.com

خطبہ کے دوران کلام کرنے کا بیان

خطبہ کے دوران کسی کے لیے بات چیت کرنا جائز نہیں ہے۔ اس بارے میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

شافعیہ کہتے ہیں کہ مسجدوں میں ترقیہ کا جو عام رواج ہے، اگرچہ وہ بدعت ہے۔ یہ عمل نہ تو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اور نہ صحابہؓ کے عہد میں ہوا۔ لیکن یہ ایک اچھی بات ہے، کیونکہ اس سے کوئی غرض سوا اس کے نہیں کہ آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے کی ترغیب ہو اور خطبۂ جمعہ کے دوران جب کہ امام قرآن وحدیث بیان کر رہا ہے کلام کرنے سے باز رکھا جائے۔ تاہم شافعیہ جو اس عمل کو جائز قرار دیتے ہیں، وہ بھی عام مشہور الفاظ کے ساتھ راگ الاپنے کو مباح قرار نہیں دیتے۔ وہ الفاظ مثلاً یہ ہیں کہ ''اللّٰھم صل وسلم و کرم و مجدو بارک علی من تظللہ الغمامہ'' الخ (یعنی اے اللہ اس ذات پر جس کے اوپر بادل سایہ کیے رہتا ہے رحمت کاملہ اور سلام نازل فرما اور ان پر اپنا کرم فرما اور عظمت و برکت دے وغیرہ)۔ غرض ان الفاظ کے ساتھ راگ الاپنا متفقہ طور پر نا جائز ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ خطبہ کے دوران کوئی کلام جائز نہیں ہے، لیکن اس سے پہلے اور بعد میں اگر خطیب خاموش ہو تو کلام کرنا مباح ہے۔ نیز خطیب جب دعا کرے اس وقت بھی کلام کرنا مباح ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے نزدیک ترقیہ کا حکم کیا ہے؟

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ خطبہ کے دوران کلام کرنا مکروہ تحریمی ہے اور بقول صحیح (کراہت سب کے لیے) ہے، کوئی فاصلہ پر ہو یا قریب ہو۔ بات چیت امور دنیا کی ہو یا ذکر الٰہی وغیرہ ہو، بقول مشہور سب مکروہ تحریمی ہے اور خواہ خطیب سے بیان میں کوئی نامناسب بات سرزد ہوئی یا نہ ہوئی ہو۔ چاہیے کہ جب آنحضرت ﷺ کا نام کوئی سنے تو اپنے دل میں درود پڑھے۔ اگر امر ناپسندیدہ ظہور پزیر ہو تو ہاتھ یا سر کے اشارے سے منع کیا جا سکتا ہے، واضح ہو کر خطبہ کے دوران جس طرح کلام کرنا مکروہ ہے، اسی طرح نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے، جیسا کہ سابقاً بیان ہوا۔ اس پر تمام مسالک متفق ہیں۔ اور امام کے اپنی خلوت گاہ (حجرہ) سے نکلتے وقت بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہی حکم ہے کہ امام کے باہر آتے ہی نماز اور کلام بند ہو جاتا ہے۔ لیکن صاحبینؒ (امام محمد اور امام یوسف) کے نزدیک صرف نماز بند ہے (کلام نہیں) اور سلام کا جواب دینا بھی زبان سے ہو یا دل میں کلام مکروہ کے زمرہ میں ہے۔ اور خطبہ سے پہلے یا بعد میں سلام کرنا کسی پر لازم نہیں ہے، کیونکہ وہاں سلام میں پہل کرنے کا کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ بلکہ ایسا کرنا گناہ ہے۔ لہٰذا اسلام کا جواب دینا بھی لازم نہیں ہے۔ یہی حکم چھینک کے جواب کا ہے۔ امام کا بھی لوگوں کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ البتہ سانپ بچھو سے بچانے یا نابینا شخص کو نقصان سے محفوظ رکھنے کے لیے آواز دینا کلام مکروہ میں نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ خطبوں کے دوران اور خطبوں کے درمیان جب امام بیٹھا ہو کلام کرنا حرام ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ خطبہ سنائی دیتا ہو یا نہ دیتا ہو، یعنی سب کے لیے کلام کرنا حرام ہے۔ خواہ کوئی شخص مسجد کے ملحقہ لان میں (نشست رکھتا) ہو، یا راستے میں ہو۔ اور تاوقتیکہ امام سے خطبہ کے دوران کوئی لغو حرکت نہ ہو، مثلاً وہ کسی شخص کی، جو مستحق

Marfat.com

مدح نہ ہو تعریف کرنے لگے، یا ایسے شخص کی مذمت کرے جو سزاوار مذمت نہ ہو، بولنا حرام ہے۔ اگر امام سے ایسی کوئی بات سرزد ہو تو بول پڑنا حرام نہیں ہے۔ خطبہ شروع کرنے سے پہلے جب کہ خطیب منبر پر بیٹھے اور خطبۂ ثانی کے خاتمہ پر جب کہ خطیب، مسلمانوں اور صحابۂ رسول رضوان اللہ علیہم یا خلیفہ کے حق میں دعا کرنے لگے کلام کرنا جائز ہے۔ خطبہ کے دوران سلام میں پہل کرنا اور سلام کا جواب دینا کلام حرام میں داخل ہے۔ نیز خطبہ کے دوران بولنے والے کو منع کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔ جس طرح آواز سے منع کرنا حرام ہے بولنے والے کو اشارے سے منع کرنا یا کنکری وغیرہ پھینک کر خاموش کرنا بھی حرام ہے۔ نیز پانی پینا اور چھینک کا جواب دینا بھی (جائز نہیں ہے)۔ لیکن کسی کو چھینک آئے یا امام کو خطبہ پڑھتے میں چھینک آجائے تو دل میں الحمد للہ کہہ لینا مستحب ہے۔ اسی طرح اگر مثلاً خطیب عذاب کی آیت یا نار جہنم کا بیان کرے تو حاضرین کے لیے مستحب یہ ہے کہ دل میں اللہ کی پناہ مانگیں (یعنی نعوذ باللہ کہیں) اور جب خطیب دعا مانگے تو حاضرین کے لیے آمین کہنا مستحب ہے، لیکن اونچی آواز سے مکروہ ہے اور اس عمل کی زیادتی حرام ہے۔ یہی حکم موقعہ بموقعہ تعوذ (اعوذ باللہ) کہنے استغفار (استغفر اللہ) کہنے اور آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے کا ہے، یعنی ہلکے سے دل میں کہہ لینا مستحب ہے، لیکن زیادتی نہ ہونی چاہیے۔ نیز جب امام خطبہ کے لیے باہر آئے تو نفل پڑھنا حرام ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ خطیب جب خطبے کے لیے نکلے تو نماز پڑھنا حرام ہو جاتا ہے، اور جب خطیب خطبہ کرنے لگے تو کلام کرنا حرام ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جو شخص خطیب کے اتنا قریب ہو کہ اگر خاموش رہے تو خطیب کی آواز سن سکے، گو بالفعل وہ نہ سن رہا ہو، تو اس کے لیے مکروہ تنزیہی ہے کہ وہ کلام کرے جب کہ خطیب خطبہ کے ارکان ادا کر رہا ہو۔ کہا جاتا ہے کہ (مکروہ نہیں بلکہ) حرام ہے۔ البتہ (خطبہ کا) وہ حصہ جو ارکان خطبہ کے علاوہ ہے اس کے ادا کرنے کے وقت کلام کرنا مکروہ نہیں ہے۔ اسی طرح خطبہ سے پہلے بھی کلام کرنا مکروہ نہیں ہے، اگرچہ امام اپنے حجرہ سے (بغرض خطبہ) باہر آ گیا ہو تو اسی طرح نماز کی اقامت ہونے سے پہلے اور دونوں خطبوں کے درمیان بھی (مکروہ نہیں ہے)، نیز اس شخص کا بولنا مکروہ نہیں ہے جو اتنے فاصلہ پر ہو کہ خاموش رہ کر بھی خطبہ نہیں سن سکتا۔ ایسی حالت میں سنت یہ ہے کہ ذکر الٰہی (وظیفہ وغیرہ) میں مصروف رہے۔

واضح ہو کہ کلام کرنے کی کراہت سے چار امور مستثنیٰ ہیں: اول چھینک کا جواب دینا، یہ فعل مستحب ہے۔ دوسرے آنحضرت ﷺ کا اسم شریف سن کر درود پڑھنا یہ بھی مستحب ہے۔ لیکن اس میں آواز اونچی نہ کرنی چاہیے۔ تیسرے سلام کا جواب دینا کہ یہ امر واجب ہے، اگرچہ خطبہ سننے والے کا سلام میں پہل کرنا کلام مکروہ میں داخل ہے۔ چوتھے اس صورت میں جب کہ ایذا دہ امر سے دور رکھنا مقصود ہو، مثلاً نابینا شخص کو بچانا یا بچھو وغیرہ سے بچانا کہ یہ امر واجب ہے۔ رہا خطبہ کے دوران نماز پڑھنا سو اس کا حکم پہلے بیان ہو چکا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اس شخص کے لیے جو جمعہ کے روز خطیب کے اتنے قریب بیٹھا ہو کہ اس کی آواز سن سکے، خطبہ کے دوران کسی قسم کا کلام خواہ ذکر الٰہی ہو یا کچھ اور حرام ہے۔، اگرچہ خطیب حق بات نہ کہہ رہا ہو۔ البتہ خطیب کو جائز ہے کہ وہ اگر مصلحت دیکھے تو کسی سے کلام کر لے۔ اسی طرح مصلحت ہو تو دوسرے کسی شخص کے لیے بھی جائز ہے کہ خطیب سے کلام کر لے۔ اور خطبہ سننے والے کے لیے یہ مباح ہے کہ آنحضرت ﷺ کا نام آئے تو آپ پر درود بھیجے، لیکن سنت یہ ہے

Marfat.com

نماز جمعہ میں شامل ہونے کے لیے بیٹھے ہوئے حاضرین کو پھاند کر اور صف چیر کر آگے جانے کا بیان

نماز جمعہ کی شمولیت کے لیے حاضرین کی صف کو چیر کر جانا جائز نہیں ہے، اس کو "تخطی الرقاب" (یعنی مونڈھے پر سے پھلانگ کر جانا) کہتے ہیں۔ اس کے لیے چند شرائط ہیں۔ اندریں باب مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

کہ یہ درود آہستہ پڑھا جائے۔ اسی طرح دعا پر آمین کہنا جائز ہے۔ چھینک آنے پر الحمدللہ اور چھینکنے والے کی حمد کا جواب آہستہ سے دے۔ سلام کا جواب سلام کہہ کر دے، اشارہ سے نہیں۔

اگر کوئی شخص خطیب سے فاصلہ پر ہے کہ اس کی آواز سنائی نہیں دیتی تو اسے بولنا جائز ہے، تاہم اگر قرأت یا ذکر وغیرہ میں مشغول رہا جائے تو خاموش رہنے سے بہتر ہے۔ لیکن اونچی آواز سے جائز نہیں کہ مبادا دوسروں کو بھی خطبہ سننے سے باز رکھے۔ اسی طرح خطبوں سے پہلے اور بعد میں اور خطبوں کے درمیان جب خطیب خاموش ہوتا ہے، اور یا خطیب دعا کرنے لگے تو کلام کرنا حرام نہیں ہے، کیونکہ اس وقت خطبہ کے ارکان ختم ہو چکتے ہیں۔ واضح ہو کہ دعا کے وقت (دوسروں کا) خاموش رہنا واجب نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص کسی کو (دوران خطبہ) کلام کرتے سنے تو اسے خاموش کرنے کے لیے بولنا نہ چاہیے؛ بلکہ کلمہ کی انگلی منہ پر رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کر دے۔ نیز خطبہ کے دوران اس صورت میں بول پڑنا واجب ہو جاتا ہے جب کہ کسی نابینا شخص کو غلط راستے سے ہٹانا یا کسی کو سانپ بچھو وغیرہ سے بچانا مقصود ہو۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جمعہ کے روز (مسجد میں) صفوں کے پھلانگنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ یہ دو باتیں ملحوظ رہیں: ایک تو یہ کہ اس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، یعنی نہ اس کا لباس کچلا جائے اور نہ بدن پر گر لگے۔ اور (دوسرے) یہ کہ ہنوز امام نے خطبہ شروع نہ کیا ہو۔ یہ نہ ہو تو یہ عمل مکروہ تحریمی ہے۔ اس حکم سے ایسی صورت مستثنیٰ ہے جہاں پھلانگ کر جانا ضروری ہو جائے۔ مثلاً یہ کہ بغیر پھلانگے بیٹھنے کی جگہ دستیاب نہ ہو سکے؛ اس صوت میں (پھلانگ کر جانا) مطلقاً مباح ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جمعہ کے روز لوگوں کے مونڈھوں پر سے پھلانگ کر جانا مکروہ ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنا پاؤں اٹھا کر بیٹھے ہوئے انسان کے مونڈھوں پر سے پھاند جائے۔ ہاں ایسا کیے بغیر صفوں کے درمیان سے نکلنا پھلانگنا نہیں ہے۔ پھلانگ کر جانے کی کراہت سے چند صورتیں مستثنیٰ ہیں۔ منجملہ ان کے یہ کہ پھلانگ کر جانے والا ایسا شخص ہو کہ اس سے کسی کو اذیت نہ پہنچے، مثلاً کوئی نیک اور باعظمت شخصیت ہو، اس کے لیے مکروہ نہیں ہے۔ اور یہ کہ کسی کو اپنے سامنے (کی صف میں) خالی جگہ نظر آتی ہو اور اسے پر کرنا چاہیے تو پھلانگ کر جانا سنت ہے۔ ایک صورت (کراہت نہ ہونے کی) یہ ہے کہ اگلی صفوں میں ایسے افراد خطبہ سننے کے لیے بیٹھے ہوں جن کی موجودگی حاضرین جمعہ میں شمار نہیں ہوتی، مثلاً بچے وغیرہ تو ایسے اشخاص جن کی موجودگی سے جماعت جمعہ کی شرط پوری ہو سکتی ہے، واجب ہے کہ ؤ ... حوں

Marfat.com

جمعہ کے دن سفر پر روانہ ہونے کا بیان

جمعہ کے روز سفر (اختیار) کرنا جائز نہیں ہے۔ ہر مسلک اس پر متفق ہے، تاہم یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (1)

ظہر کی نماز صحیح نہ ہونے کا بیان

جب کہ بغیر عذر کے جمعہ کی نماز رہ گئی ہو

واضح ہو کہ جس شخص پر نماز جمعہ واجب ہے اور بلا عذر نماز سے غیر حاضر رہا تو اس کے لیے ظہر کی نماز درست نہیں ہے، جب تک کہ امام جمعہ کی نماز سے سلام پھیر کر فارغ نہ ہو جائے۔ اگر اس سے پہلے ظہر

سے پھلانگ کر آگے چلے جائیں۔ یہی حکم امام جمعہ کا ہے کہ وہ پھلانگ کر جا سکتا ہے، بشرطیکہ بغیر پھلانگے منبر تک جانا ممکن نہ ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ امام اور امام کے سامنے اذان دینے والے کے علاوہ مسجد میں آنے والے ہر شخص کے لیے مکروہ ہے کہ مونڈھوں پر سے پھلانگ کر آگے جائے، بجز اس کے جب کہ اگلی صف میں جگہ خالی ہو اور وہاں تک پہنچنا بغیر پھلانگے ممکن نہ ہو۔ ایسی صورت میں پھلانگ کر جانا مباح ہے۔ پھلانگ لگانا جو مکروہ ہے اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص پیر اٹھا کر مونڈھے کے اوپر سے گزر جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جب خطیب منبر پر آ جائے تو پھلانگ کر جانا حرام ہے، اگرچہ اگلی صف کی خالی جگہ کو پر کرنے کے لیے ایسا کیا جائے۔ اور خطیب کے منبر پر آنے سے پہلے یہ عمل مکروہ ہے، بشرطیکہ (اگلی صف کی) خالی جگہ کو پر کرنے کے لیے نہ ہو، اور کسی کو اس سے ایذا نہ ہو۔ غرض یہ ہے کہ خالی جگہ کو پر کرنے کے لیے پھلانگ کر جانا جائز ہے۔ لیکن اگر اس سے کسی کو تکلیف پہنچے تو حرام ہے۔ ہاں (امام کے) خطبہ پڑھنے کے بعد اور نماز سے پہلے پھلانگ کر جانا جائز ہے۔ اسی طرح صفوں کے درمیان سے خطبہ کی حالت میں بھی گزرنا جائز ہے۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن پہلی اذان ہونے کے بعد نماز پڑھنے سے پہلے (سفر کے لیے) نکلنا، بقول صحیح مکروہ ہے۔ ہاں زوال سے پہلے سفر کے لیے جانا مکروہ نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جمعہ کو فجر کے بعد سفر مکروہ ہے، درآنحالیکہ نماز جمعہ (کہیں اور) نہ مل سکے، ورنہ جائز ہے اسی طرح فجر سے پہلے سفر کو روانہ ہونا جائز ہے، البتہ زوال (آفتاب) کے بعد سفر حرام ہے۔ اگرچہ اذان نہ ہوئی ہو۔ البتہ اگر مجبوری ہو، مثلاً ساتھیوں سے بچھڑ جانا جس سے (نقصان) جان یا مال کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں اگر یقین ہو کہ (اس وقت چل کر) راستہ میں ساتھیوں سے ملنا ہو جائے گا تو دونوں حالتوں میں یعنی بعد زوال بھی سفر جائز ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جس پر جمعہ کی نماز لازم ہے اسے جمعہ کے دن فجر کے بعد سفر کو جانا حرام ہے، بجز اس صورت کے

Marfat.com

کی نماز پڑھی تو وہ نماز نہ ہوگی۔اس میں شافعیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے۔حنفیہ اور مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے،ان کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۱)

البتہ اگر کوئی شخص ایسا ہے جس پر نماز جمعہ واجب ہی نہیں ہے،مثلاً مریض وغیرہ تو اس کے لیے جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز پڑھ لینا درست ہے،اگر چہ امام جمعہ کی نماز پڑھ رہا ہو۔تاہم اگر معذوری دور ہو جانے کی توقع ہو تو نماز ظہر میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔توقع نہ ہو تو اول وقت ہی میں نماز ظہر پڑھ لینا مستحب ہے،امام کے سلام پھیرنے کا انتظار نہ کرنا چاہیے۔اس پر تینوں اماموں کا اتفاق ہے،حنفیہ کو اختلاف ہے،ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

جب کہ یہ گمان ہو کہ راہ میں جمعہ کی نماز مل جائے گی۔یا پھر یہ کہ وہ سفر واجب ہو،مثلاً حج کا سفر ہے کہ وقت تنگ ہے اور اندیشہ ہے کہ مبادا حج فوت ہو جائے۔اور یا یہ کہ کوئی مجبوری ہو،مثلاً ساتھیوں سے بچھڑنا جس کے باعث ضرر کا اندیشہ ہے۔لیکن صرف یہ خیال کہ ساتھیوں کے بچھڑ جانے سے دلچسپی جاتی رہے گی،سفر مباح نہ ہوگا،اگر سفر اختیار کیا تو یہ فعل مکروہ ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن زوال کے بعد ایسے شخص کا سفر کرنا حرام ہے جس پر جمعہ لازم ہے۔بجز اس صورت کے جب کہ نقصان کا اندیشہ ہو،مثلاً وہ سفر جائز ہو اور اس میں ساتھیوں کے بچھڑ جانے کا اندیشہ ہو تو زوال کے بعد سفر مباح ہوگا،زوال سے پہلے سفر مکروہ ہے،لیکن اگر راستہ میں جمعہ نہ مل سکا تو وہ سفر حرام یا مکروہ ہوگا ورنہ مباح ہے۔

۱۔حنفیہ کہتے ہیں کہ ایسا عذر نہ ہونے کے باوجود،جو نماز جمعہ کی حاضری سے مانع ہو،اگر کسی نے نماز جمعہ ہونے سے پہلے ظہر کی نماز پڑھی تو اس نماز کا صحیح ہونا اس امر پر موقوف ہوگا کہ اس نے ارادۂ نماز جمعہ سے انحراف کیا ہو۔یہ نماز اگر چہ صحیح ہو جائے گی لیکن اس کا جمعہ کو ترک کرنا فعل حرام ہی متصور ہوگا۔اگر ارادۂ جمعہ سے انحراف نہ تھا،بلکہ ظہر پڑھنے کے بعد جمعہ کے لیے چل پڑا اور امام نماز جمعہ سے فارغ نہ ہوا تھا تو وہ ظہر گھر سے نکلتے ہی باطل ہو جائے گی اور وہ نماز نفلی ہو جائے گی۔اس پر واجب ہے کہ امام کے ساتھ نماز جمعہ میں شامل ہو جائے۔اگر جماعت نہ پاسکا تو ظہر کی نماز دوبارہ پڑھے۔ہاں اگر (اس وقت روانہ ہوا کہ) امام نماز ختم کر چکا تھا تو اس سے نماز ظہر باطل نہ ہوگی۔یہی مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ امام کے نماز سے فارغ ہوتے ہی چل پڑا ہو یا اقامت جمعہ سے پہلے چلا ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جس پر نماز جمعہ واجب ہے اور کوئی ایسی معذوری نہیں ہے جو نماز جمعہ کے ترک کرنے کو روا قرار دے،اگر اس نے (جمعہ کی بجائے) ظہر کی نماز پڑھی تو بقول صحیح اس کی نماز نہ ہوگی،بشرطیکہ یہ جانتا ہو کہ اگر جمعہ کے لیے چل پڑے تو ایک رکعت مل جائے گی۔اسے چاہیے کہ جب بھی چاہیے نماز ظہر کا اعادہ کرلے۔ہاں اگر ظہر کی نماز ایسے وقت میں پڑھی تھی کہ جمعہ کے لیے جلدی کرتا تب بھی کوئی رکعت اسے نہ ملتی تو اس کی نماز ظہر درست ہوگی؛جیسے اس شخص کی نماز صحیح ہے جس پر جمعہ واجب ہی نہیں ہے،اگر چہ،یہ جانتا ہو کہ جا کر نماز میں شامل ہو سکتا ہے۔

۲۔حنفیہ کہتے ہیں کہ صاحب عذر کے لیے نماز جمعہ کے ختم ہونے تک ظہر کی تاخیر کرنا سنت ہے۔اس سے پہلے ظہر پڑھ لینا مکروہ تنزیہی ہے۔خواہ معذوری دور ہونے کی توقع ہو یا نہ ہو۔

Marfat.com

جس نے جمعہ کی نماز نہ پڑھی ہو تو کیا اسے ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا جائز ہے؟

جس شخص کی نماز جمعہ کسی معذوری سے یا بغیر عذر کے رہ گئی ہو اس کو جائز ہے کہ ظہر کی نماز جماعت سے پڑھ لے۔ اس بارے میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں، ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

نماز جمعہ کی ایک رکعت یا اس سے کم میں شامل ہونے کا بیان

جو شخص دوسری رکعت میں امام کے ساتھ شامل جماعت ہو گیا اس نے جمعہ کی نماز پالی۔ اسے چاہیے کہ دوسری رکعت پوری کر کے سلام پھیرے۔ لیکن جو شخص حالت جلوس اُخریٰ میں (یعنی سلام

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جس شخص کی نماز جمعہ کسی معذوری سے یا بلا عذر رہ گئی ہو، اسے شہر کے اندر ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ ہاں اہل بادیہ (یعنی صحرا نشین) جن کی موجودگی سے جمعہ کی شرائط پوری نہیں ہوتیں جمعہ کے روز ظہر کی نماز جماعت سے پڑھیں تو جائز ہے، کیونکہ ایسے اشخاص کے لیے جمعہ کا دن بھی ایسا ہی ہے جیسے اور دن ہوتے ہیں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جس شخص کی نماز جمعہ کسی عذر سے یا بغیر عذر کے رہ گئی اس کے لیے سنت یہ ہے کہ ظہر کی نماز جماعت سے ادا کرے۔ لیکن اگر عذر واضح ہے جیسے سفر وغیرہ تو اس کے لیے سنت یہ ہے کہ علانیہ جماعت سے ظہر پڑھے لیکن اگر عذر مخفی ہے (یعنی سب کو معلوم نہیں ہے) مثلاً سخت بھوک کے باعث جماعت میں شامل نہ ہو سکا تو اس کو جماعت بھی مخفی طور پر کرنی چاہیے۔ اور جس نے بلا عذر کے نماز جمعہ کو ترک کیا ہے اسے امام (جمعہ) کے سلام پھیرنے پر فوراً نماز ظہر پڑھنا واجب ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جس شخص کی نماز جمعہ بغیر کسی عذر کے رہ گئی ہو یا اس لیے نہ پڑھی ہو کہ جمعہ کی نماز اس پر واجب نہ تھی تو اس کے لیے افضل یہ ہے کہ ظہر کی نماز علانیہ ادا کرے جب کہ جماعت کے ساتھ علانیہ پڑھنے سے لوگوں کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو؛ اگر ایسا ہو تو مخفی طور پر جماعت کر لے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن ظہر کی نماز با جماعت ادا کرنے کے لیے اس کو کہا جائے گا جو کسی معذوری کے باعث، جو حاضری جمعہ سے مانع ہو، جمعہ کے لیے نہیں جا سکا۔ مثلاً کوئی مریض تھا یا قیدی تھا کہ جمعہ کے لیے نہیں جا سکا۔ ایسے شخص کو چاہیے کہ مخفی طور پر جماعت کرے، تاکہ نماز جمعہ سے انحراف کے الزام سے بچا جائے اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ جمعہ کی نماز ختم ہونے تک تاخیر کی جائے۔ لیکن اگر کسی نے جمعہ کی نماز کو بغیر کسی عذر کے ترک کیا یا ایسا عذر تھا جو حاضری جمعہ سے مانع نہیں، مثلاً یہ کہ جمعہ کے لیے جانے میں نقصان مال کا ڈر تھا تو ایسی صورت میں ظہر کی نماز با جماعت ادا کرنا مکروہ ہے۔

Marfat.com

پھیرنے سے پہلے جب امام بیٹھا تھا) شریک جماعت ہوا، اس پر لازم ہے کہ جمعہ کی دو رکعتیں نہیں بلکہ ظہر کی چار رکعتیں پڑھے۔ یعنی اس نے جمعہ کی نماز نہیں پائی۔ اس مسئلہ میں مالکیہ اور شافعیہ کا اتفاق ہے؛ حنفیہ اور حنابلہ کو اختلاف ہے۔ ان کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۱)

جمعہ کے مستحبات کا بیان

اچھی ہیئت بنانا، سورۂ کہف کا پڑھنا، مسجد میں جانے کے لیے جلدی کرنا وغیرہ۔

جمعہ کے روز جو امور مستحب ہیں ان میں اپنی ہیئت کو اچھا بنانا ہے۔ مثلاً ناخن ترشوانا، مونچھیں کتروانا اور بغل وغیرہ کے بال لینا، خوشبو لگانا اور غسل کرنا۔ یہ تمام امور سنت ہیں۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ مستحب ہے، سنت نہیں ہے۔ لیکن یہ معمولی بات ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔ اور منجملہ مستحبات کے جمعہ کے روز دن اور رات کے اوقات میں سورۂ کہف کا پڑھنا ہے۔ لہٰذا جسے زبانی یاد ہو یا قرآن شریف سے دیکھ کر پڑھ سکے اس کے لیے اس کا پڑھنا سنت ہے۔ لیکن مسجد میں پڑھنے سے اگر گڑبڑ پیدا ہونے یا اونچی آواز سے قرآن پڑھنے اور ایسا کلام کرنے سے جس کی ممانعت آئی ہے، مسجد کے احترام میں فرق آنے کا اندیشہ ہو تو بالاتفاق جائز نہیں ہے۔ اس کی تفصیل ''مسجد کے اندر جائز اور ناجائز امور'' کے بیان میں بتائی جا چکی ہے، وہاں پر ملاحظہ کر لیا جائے۔

منجملہ مستحبات جمعہ کے آنحضرت ﷺ پر کثرت سے درود شریف پڑھنا ہے۔ اور کثرت سے دعائیں مانگنا ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''ان فی الجمعة ساعة لا یوافقها عبدمسلم یسأل الله تعالیٰ شیئاً الا اعطاه ایاه واشاره بیده یقللها'' رواہ مسلم (یعنی جمعہ کے دن ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس وقت کوئی مسلمان بندہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرے وہ قبول ہو کر رہتی ہے۔ یہ فرماتے ہوئے حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ وہ بہت تھوڑا سا وقت ہوتا ہے۔

منجملہ اس کے جمعہ کے مقام پر جلدی پہنچنے کی کوشش کرنا ہے۔ یہ حکم امام کے لیے نہیں ہے۔ امام کا

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کی جماعت کے کسی حصہ میں بھی شریک ہو گیا اس نے جمعہ پا لیا، اگرچہ سجدۂ سہو میں پہنچا ہو، اسے باقی نماز کو بطور جمعہ کے پورا کرنا چاہیے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جو شخص نماز جمعہ کی ایک رکعت کے دونوں سجدوں میں شامل ہو گیا تو اسے اپنی نماز بطور جمعہ کے پوری کرنی چاہیے، ورنہ اس نماز کو بطور ظہر کے (چار رکعت پوری کرے) بشرطیکہ نماز جمعہ ظہر کے وقت کے اندر ہو اور اس کی نیت کی ہو۔ بصورت دیگر وہ نماز نفل کے طور پر پورا کرے، ظہر کی نماز اس پر واجب رہے گی۔

Marfat.com

وقت سے پہلے پہنچنا مستحب نہیں ہے۔ جلدی کا کوئی مقررہ وقت نہیں ہے۔ ہاں چاہیے کہ اذان سے پہلے پہنچ جائیں اور یہ کہ کم وبیش دو گھڑی پہلے ہی اطمینان کے ساتھ چلیں۔ تین اماموں کی یہی رائے ہے۔ مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1] نیز منجملہ مستحبات کے یہ ہے کہ خود کو بہترین لباس سے ملبوس کرے، اور بہتر لباس وہ ہے جس کا رنگ سفید ہو۔ شافعیہ اور حنفیہ اس سے متفق ہیں؛ مالکیہ اور حنابلہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[2]

نماز کی امامت کا بیان

یہاں پر چند امور تفصیل طلب ہیں:

۱: امامت کی تعریف اور لوگوں کی تعداد جن پر امامت کی جائے۔

۲: امامت کا حکم اور اس کا ثبوت۔

۳: امامت کی شرائط۔ شرائط کے متعلق چند مسائل ضمنی ہیں، مثلاً عورتوں اور باشعور لڑکوں کا امام بننا۔ امی کا امام بننا جسے لکھنا پڑھنا نہ آتا ہو۔ ایسے شخص کی امامت جو حالت حدث میں ہو، لیکن بھول گیا ہو۔ ہکلے وغیرہ کا امام بننا۔ اسی طرح مقتدی کا اقتدا (پیروی امام) کی نیت کرنا، اور امام کا امامت کی نیت کرنا۔ نیز نفل پڑھنے والے امام کے پیچھے فرض نماز کی نیت کرنا۔ مقتدی کا امام کی پیروی کرنا۔ امام اور مقتدی کا ایک ہی فرض ادا کرنا۔ چنانچہ عصر پڑھنے والے امام کے پیچھے ظہر کی نماز درست نہیں ہے۔ غرض ان تمام مسائل کا تعلق مسائل امامت میں سے ایک ہی مسئلہ سے ہے۔ اس کو تیسرا امر تفصیل طلب قرار دیا گیا ہے۔

۴: امر ان حالات کی تفصیل ہے جن میں نماز جمعہ ساقط ہوجاتی ہے۔

۵: یہ کہ امامت میں کس کا حق مقدم ہے؟

۶: مامت میں جو امور مکروہ ہیں۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ جمعہ کے لیے دوپہر کے وقت جانا مستحب ہے۔ اس کی ابتدا زوال آفتاب سے ایک گھڑی پہلے ہوتی ہے۔ اس سے پہلے ہی نماز کے لیے چلا جانا جسے تبکیر کہتے ہیں، مکروہ ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ جمعہ کے روز بہر حال سفید لباس پہننا امر مستحب نہیں ہے۔ چنانچہ اگر جمعہ کے روز عید واقع ہو تو چاہیے کہ دن چڑھے نیا لباس پہنا جائے، خواہ اس کا رنگ سیاہ ہو۔ غرض عید کے دن تو سنت یہ ہے کہ نیا لباس پہنا جائے خواہ سفید ہو یا سیاہ، ہاں اگر جمعہ کی نماز کو جانا ہو تو مستحب یہ ہے کہ سفید لباس ہو۔ اس طرح عید اور جمعہ دونوں کا حق ادا ہو جائے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جمعہ کے روز صرف سفید لباس مستحب ہے؛ کسی اور رنگ کا لباس مستحب نہیں ہے۔

Marfat.com

۷: یہ کہ مقتدی امام کے ساتھ کس طرح کھڑا ہو اور امام مقتدیوں میں کہاں کھڑا ہو؟ نیز یہ کہ صف اول میں کھڑے ہونے کا زیادہ حق کس کا ہے؟

۸: صفوں کو جوڑنے اور سیدھا رکھنے کا بیان۔

۹: یہ کہ جس نے ایک بار جماعت سے فرض ادا کر لیا تو اس فرض کا دوسری جماعت سے پڑھنا درست ہے۔

۱۰: ایک مسجد میں کئی جماعتوں کا ہونا۔

۱۱: نماز کے کس حصے میں شامل ہونے سے جماعت میں شامل ہونا سمجھا جائے؟

۱۲: کسی عذر مثلاً کوئی رکاوٹ وغیرہ حائل ہو جانے پر رکعت کے کسی حصہ یا تمام رکعتوں میں امام کے ساتھ شامل نہ ہو سکنا۔

۱۳: امام کا کسی کو اپنا نائب بنانا۔

اب ان تمام مسائل کو مختلف عنوانات کے تحت بیان کیا جاتا ہے۔

امامت نماز کی تعریف اور صحت امامت کے لیے مقتدیوں کی تعداد

امامت نماز کے معنی مشہور ہیں۔ یعنی امامت عبارت ہے انسان کا اپنی نماز کو امام کی نماز سے شرائط مذکورہ آئندہ کو پورا کرتے ہوئے مربوط کرنے کا۔ لہٰذا اس میں قیام، رکوع، سجود اور جلوس وغیرہ میں انسان کو ایک امام کی پیروی کرنا ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل احکام نماز کے بیان میں پہلے بتائی جا چکی ہے، اسی ربط کا نام "امامت" ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس ربط کا قائم کرنا مقتدی کا کام ہے، کیوں کہ امامت کنایہ ہے افعال نماز میں مقتدی کا امام کی پیروی کرنے سے، بایں طور کہ اگر مقتدی کی نماز باطل ہو جائے تو امام کی نماز باطل نہ ہو گی لیکن اگر امام کی نماز باطل ہو جائے تو مقتدی کی نماز باطل ہو جائے گی، کیونکہ اس کی نماز امام کی نماز سے وابستہ ہے۔ امامت کا تحقق کسی ایک فرد یا زیادہ افراد کے شریک امام ہونے سے ہو جاتا ہے، خواہ وہ فرد واحد مرد ہو یا عورت ہو۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اگر مقتدی کوئی لڑکا سن شعور کو پہنچا ہوا ہو تب بھی حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک امامت درست ہو گی۔ مالکیہ اور حنابلہ کو اس سے اختلاف ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر باشعور لڑکا ہو تو وہ نماز با جماعت قرار نہیں دے جائے گی۔

نماز پنجگانہ کے لیے امامت کا حکم اور اس کی دلیل

جملہ مسالک اس پر متفق ہیں کہ تمام فرض نمازوں میں امامت مطلوب شارع ہے۔ لہٰذا مکلف

Marfat.com

انسان کو چاہیے کہ ایسی معذوری کے بغیر جس کی تفصیل آئندہ آرہی ہے، جماعت کو ترک نہ کرے۔ بقیہ تین اماموں میں سے کسی کو اس سے اتفاق نہیں ہے۔ اس کی تفصیل آئندہ آرہی ہے۔ حنابلہ اور ان سے اتفاق رکھنے والے علماء نے اس کے ثبوت میں بخاری کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کو حضرت ابو ہریرہؓ نے آنحضرت ﷺ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ:

" والذی نفسی بیدہ لقد ھمت ان آمر بحطب فیحطب ثم آمر بالصلوٰۃ فیوذن لھا ثم آمر رجلافیوم الناس ثم اخالف الی رجال فاحرق علیھم بیوتھم، والذی نفسی بیدہ لو یعلم احدھم انہ یجد عرقاً سمیناً او مر ماتین حسنتین لشھد العشاء۔"

(یعنی اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میرے دل میں آتی ہے کہ میں لکڑی جمع کرنے کا حکم دوں اور لکڑی اکھٹی کی جائے۔ پھر نماز کا حکم دوں اور اس کی اذان دی جائے، پھر کسی کو کہوں کہ وہ نماز پڑھائے تب میں لوگوں کا پیچھا کروں اور جو لوگ گھروں میں ہیں ان کے گھروں میں آگ لگادوں۔ اور اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ اسے موٹے گوشت کی چانپ ملے گی یا دو اچھے ڈمی تیر ملیں گے تو وہ عشاء کی نماز میں ضرور حاضر ہو۔) اس حدیث میں لفظ عرق بہ فتح عین وسکون را کے معنیٰ ہیں: ہڈی کے اوپر گوشت کا ٹکڑا۔ اور لفظ مرماتین بکسر میم مرماۃ کا صیغہ تثنیہ ہے۔ اس کے معنی باریک تیر کے ہیں جس پر تیراندازی سکھائی جاتی ہے، تاکہ پیٹ پالنے کے لیے شکار کرنا آجائے۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جماعت فرض ہے کیونکہ آگ میں جلانے کی سزا صرف ترک فریضہ یا سخت فعل حرام کے ارتکاب پر تجویز ہوسکتی ہے۔ ان الفاظ کے اس ظاہری مفہوم سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایسے اشخاص کو فی الواقع جلا دیا جائے، بلکہ یہ جاننا کافی ہے کہ لوگ جماعت کی اعلیٰ قدر اور اس کی جو اہمیت نبی ﷺ کے نزدیک ہے وہ سب کو معلوم ہو جائے۔ اس کی صحیح توجیہ یہی ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس حدیث میں نماز عشاء کے علاوہ دوسری نماز کا ذکر نہیں ہے۔ پس اگر حنابلہ اور ان کے ہم خیالوں کے نزدیک اس حدیث سے فرضیت جماعت کے لیے استدلال کی کوئی صورت ہے تو وہ صرف عشاء کی نماز کے لیے مخصوص ہوگی۔ باقی دوسری نماز پنجگانہ کے متعلق اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی دوسرے مسالک کے علماء نے حنابلہ کی اس دلیل کے بہت سے جواب دیے ہیں۔ منجملہ ان کے

Marfat.com

ایک یہ ہے کہ یہ حدیث ابتدائے اسلام کی ہے جب کہ مسلمانوں کی تعداد قلیل تھی اور نماز عشاء کی جماعت خصوصیت کے ساتھ لازمی ہوتی تھی، کیونکہ یہ دوسری مشغولیات سے فارغ ہونے کا وقت ہوتا ہے۔ پھر جب کثرت سے لوگ مسلمان ہو گئے تو حضور ﷺ کا یہ حکم اس ارشاد نبوی سے منسوخ ہو گیا: ''صلاۃ الجماعۃ تفضل صلاۃ الفذبسبع و عشرین درجۃ'' (یعنی جماعت سے نماز پڑھنا تنہا پڑھنے کی بہ نسبت ستائیس گنا افضل ہے) واضح ہو کہ اس نماز کا افضل ہونا اس امر کا متقاضی ہے کہ فضیلت دونوں میں مشترک ہے۔ چونکہ تنہا نماز پڑھنے میں بھی فضیلت ہے لہٰذا وہ جائز ہوئی اور ثابت ہوا کہ جو لوگ نماز سے رہ جائیں ان کے جلائے جانے کی تجویز منسوخ ہو گئی۔ اس حدیث سے جماعت کے فرض ہونے کی دلیل نکالنا کمزور بات ہے۔

حنابلہ نے جماعت کے فرض ہونے پر اللہ کے اس قوت سے بھی استدلال فرمایا ہے:

''واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلاۃ فلتقم طائفۃ منھم معک ولیا خذو ااسلحتھم فاذا سجدو افلیکونوا من ورائکم ولتات طائفۃ اخری لم یصلوا فلیصلو معک ولیا خذوا حذرھم واسلحتھم'' (یعنی اے محمد ﷺ) جب تم ان مجاہدوں میں موجود ہو اور نماز کے لیے جماعت کھڑی ہو تو چاہیے کہ ان میں سے صرف ایک جماعت تمہارے ساتھ جماعت میں کھڑی ہو اور سب اپنے ہتھیار سے لیس رہیں، اور جب لوگ سجدۂ میں ہوں تو دوسرا گروہ تمہارے پیچھے تیار رہے۔ اور اب یہ گروہ جس نے اب تک نماز نہیں پڑھی، تمہارے ساتھ جماعت میں شامل ہو جائے اور اپنے حفاظتی آلات اور ہتھیار ساتھ رکھے) اس آیت سے استدلال کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشکل اور خطرے کے اوقات میں بھی جماعت کا مکلّف بنایا ہے۔ اگر جماعت واجب نہ ہوتی تو اس طرح نماز پڑھنے کا پابند نہ کیا جاتا۔ لیکن دوسرے مسلک کے علماء کہتے ہیں کہ آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امامت ایک شرعی حکم ہے نہ یہ کہ وہ فرض عین ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ یہ موقع دشواری اور خطرے کا ہے اور اس طرح نماز پڑھنے کی جو تلقین ہے اس میں جدا جدا نماز پڑھنے کی بہ نسبت زیادہ احتیاط ہے، کیونکہ وہ گروہ جو دشمن کے مقابلہ میں ہے دوسرے (نماز پڑھنے والوں) کی حفاظت کر رہا ہے کہ اگر (احیاناً) دشمن کو ان پر ٹوٹ پڑنے کا موقع مل جائے تو اس سے انھیں آگاہ کر دے، تاکہ وہ لوگ اپنی نمازیں توڑ کر دشمن کا مقابلہ کریں۔ اس حکم میں حد درجہ کی باریک بینی اور احتیاط مدنظر ہے۔ البتہ اس آیت سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عہد اول کے اصحابؓ میں نماز با جماعت کی قدر تھی اور خالق کائنات جو زندہ اور غیر فانی ہے کی عظمت کا

Marfat.com

احساس تھا۔ وہ جانتے تھے کہ نماز کے معنیٰ پروردگار کے سامنے خشوع وخضوع کا نام ہے جس کو کسی حال میں بھی یہاں تک کہ سخت ترین دشواریوں اور خطرے کے وقت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ بہر حال اس میں تو شک کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ نماز با جماعت متفقہ طور پر مطلوب شارع علیہ السلام ہے۔ کلام اس امر میں ہے کہ آیا جماعت نماز پنجگانہ میں فرض عین ہے؟ جمہور ائمہ اسلام کی رائے میں ایسا نہیں ہے۔

اب نماز پنج گانہ کی جماعت کے بارے میں مسالک اربعہ کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ نماز فریضۂ پنج گانہ کی جماعت کے بارے میں دو اقوال ہیں: ایک مشہور ہے اور دوسرا زیادہ تحقیقی ہے۔ پہلا قول یہ ہے کہ جماعت ہر نمازی کے لیے ہر مسجد میں اور ہر شہر میں جہاں مکلف انسان رہتا ہے سنت مؤکدہ ہے کہ اگر کچھ اہل شہر نے جماعت قائم کر لی تو دوسرے کے ترک جماعت پر ان سے لڑائی نہ کی جائے گی۔ ہاں توہین سنت کے باعث ان سے لڑا جائے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جماعت ہر شخص پر فرض کفایہ ہے کہ اگر کسی شہر کے تمام ہی باشندے ترک جماعت کر دیں تو ان سے لڑا جائے۔ اگر کچھ لوگوں نے جماعت سے نماز پڑھ لی تو دوسروں کے ذمہ سے یہ فریضہ ساقط ہو جائے گا۔ ہر مسجد میں جماعت کا ہونا مردوں کے لیے سنت ہے، اور نمازی کی اپنی مخصوص ذات کے لیے مستحب ہے۔

مالکی مسلک کے پیرو کو اختیار ہے کہ ان دونوں میں سے جس رائے کو چاہے پسند کر لے۔ اب اگر یہ کہا گیا کہ جماعت سنت عین مؤکدہ ہے تو اس کے ادا کرنے کا مطالبہ ہر نمازی سے اور ہر مسجد میں کہا جائے گا۔ اس قول کے درست ہونے کی تعبیر ان کے نزدیک یہ ہے کہ اگر چہ یہ ہر نمازی کے لیے سنت مؤکدہ ہے، تاہم اگر شہر کے کچھ لوگوں نے اس پر عمل کر لیا تو باقی اشخاص کے ساتھ اس کے ترک پر قتال نہ کیا جائے گا، یعنی اگر شہر میں کوئی ایسی مسجد ہے جہاں نماز با جماعت ہوتی ہے تو باقیوں سے لڑائی ختم کرنے کے لیے کافی ہے۔

اگر یہ کہا گیا کہ جماعت فرض کفایہ ہے، تو گویا وہ کہتا ہے کہ اگر کچھ اشخاص نے یہ فرض ادا کر لیا تو باقیوں کے ذمہ سے ساقط ہو گیا۔ اس بات میں شافعیہ کو مالکیہ سے اتفاق ہے اگر چہ اس کے بعد جو تفصیل کی جاتی ہے اس سے شافعیہ کو اختلاف ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ پانچوں وقت کی فرض نمازوں میں (جماعت) سنت عین مؤکدہ ہے۔ اس کو واجب بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ بقول صحیح سنت مؤکدہ واجب ہی ہوتی ہے اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک واجب کا درجہ فرض سے کم ہے۔ یعنی ترک واجب گناہ ہے، لیکن ترک فرض سے کم درجہ کا۔ حنفیہ کا یہ قول مالکیہ کے قول اول سے کہ جماعت سنت عین مؤکدہ ہے مطابق ہے۔ لیکن بستی کے تارکین جماعت سے قتال کرنے کے مسئلہ میں ان سے اختلاف ہے۔

واضح ہو کہ فرض نمازوں میں جماعت کا سنت ہونا، عاقل اور آزاد مردوں کے لیے ہے۔ ان معذوروں کے لیے (سنت) نہیں جو متذکرہ آئندہ معذوریوں میں سے کسی میں مبتلا ہوں۔ اور لباس سے ننگے نہ ہوں۔ عورتوں اور بچوں کی جماعت نماز کا بیان اور امامت کی بقیہ شرائط کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

Marfat.com

جمعہ، جنازہ اور نفل نمازوں کی امامت کا بیان

پانچوں وقت کی فرض نمازوں میں امامت کرنے کے متعلقہ احکامات بتائے جا چکے ہیں، باقی رہا ان کے علاوہ دوسری نمازوں، مثلاً جنازہ، جمعہ، عیدین، سورج گرہن، استسقا اور دوسری نفل نمازوں کا حکم سو ان کی تفصیل مختلف مسالک کی رو سے ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

شافعیہ کے نزدیک پنج گانہ فرض نمازوں کی جماعت کے متعلق چند اقوال ہیں جن میں قابل ترجیح یہ قول ہے کہ جماعت فرض کفایہ ہے کہ اگر کچھ لوگ نماز باجماعت پڑھ لیں تو یہ فرض سب سے ساقط ہو جائے گا۔ چنانچہ اگر شہر کی کسی مسجد میں بھی نماز باجماعت ہو جائے تو شہر کے دوسرے باشندوں پر سے یہ فرض اتر جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کچھ لوگوں نے شہر کے کسی حصہ میں جماعت کر لی تو باقی اطراف کے رہنے والوں کے ذمہ سے فریضۂ جماعت ساقط ہو جائے گا۔

بعض شافعیہ کہتے ہیں کہ جماعت سنت عین مؤکدہ ہے، یہی قول ان میں مشہور ہے۔ اس بارے میں پنج گانہ نماز کی جماعت کا وہی حکم ہے جو نماز جنازہ کا ہے۔ یعنی ان کا کہنا ہے کہ اگر کسی فرد واحد یا باشعور لڑکے نے پڑھ لی تو دوسروں کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ ہاں کسی عورت کے پڑھنے سے ساقط نہ ہوگی۔ چنانچہ اس کی تفصیل جنازہ کے بیان میں آ رہی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ فریضہ نماز پنج گانہ میں بہ ذیل شرائط آئندہ جماعت فرض عین ہے۔

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ صحت جمعہ کے لیے جماعت شرط ہے لہٰذا بغیر جماعت کے نماز نہیں ہو سکتی۔ سورج گرہن، استسقا اور عیدین میں سنت پوری ہونے کے لیے جماعت کا ہونا شرط ہے، یعنی جب تک یہ نمازیں جماعت سے نہ پڑھی جائیں سنت کا ثواب نہ ہوگا۔ تراویح کی نماز میں جماعت مستحب ہے۔ رہے دوسرے نوافل سو جماعت سے ادا کرنا کبھی مکروہ ہوتا ہے اور کبھی جائز ہوتا ہے۔ پس اگر مسجد میں یا جماعت کثیر کے ساتھ نفلی نماز پڑھی جائے یا کسی ایسی جگہ پر ہو جہاں لوگوں کی آمد و رفت زیادہ ہے تو وہ جماعت مکروہ ہوگی۔ ہاں اگر تھوڑے سے لوگ ہوں تو جائز ہے۔ البتہ رہائش گاہ وغیرہ مقامات میں جہاں لوگوں کی آمد و رفت نہ ہو (نفل نماز کی) جماعت ہو سکتی ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز جمعہ و عیدین میں جماعت شرط ہے اور نماز تراویح و نماز جنازہ میں سنت کفایہ ہے، اور نفل نمازوں میں مطلقاً مکروہ ہے۔ اور ماہ رمضان کے علاوہ وتر کی جماعت نیز نفل نماز میں تین آدمی سے زیادہ ہوں تو جماعت مکروہ ہوگی۔

ماہ رمضان میں نماز وتر کی جماعت کے بارے میں دو اقوال ہیں اور دونوں تسلیم کیے گئے ہیں: ایک تو یہ کہ (رمضان میں وتر کی جماعت) مستحب ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ مستحب نہیں ہے، بلکہ جائز ہے۔ اور اسی قول کو ترجیح دی گئی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نماز جمعہ کی پہلی رکعت کا جماعت کے ساتھ پڑھنا فرض عین ہے اور دوسری رکعت کی جماعت سنت ہے۔ لہٰذا اگر جمعہ کی پہلی رکعت میں کوئی شخص امام کے ساتھ شامل جماعت رہا اور پھر کسی دوسری رکعت میں اگر جماعت سے علیحدگی ہونے کی نیت کی اور الگ اپنی نماز پوری کی تو نماز درست ہوگی۔

Marfat.com

اسی طرح پانچ دوسرے مواقع میں بھی جماعت فرض عین ہے۔ اول ہر وہ نماز جو وقت کے اندر دوسری بار پڑھی جائے۔ مثلاً اگر کسی نے ظہر کی نماز تنہا پڑھی یا جماعت کے ساتھ پڑھی پھر ارادہ کیا کہ اپنی نماز کو دہرائے تو یہ جائز نہ ہوگا، سوا اس کے کہ جماعت سے پڑھی جائے۔

دوسرا موقع جس میں جماعت فرض ہوتی ہے یہ ہے کہ بارش کی وجہ سے دو نمازوں کو جمع کر کے بصورت جمع تقدیم پڑھا جائے (یعنی ایک نماز وقت کے اندر ہو اور دوسری قبل از وقت ملا کر پڑھی جائے) تو اس صورت میں دوسری نماز کو جماعت سے پڑھنا فرض ہے۔ چنانچہ اگر وقت ظہر آ جانے کے بعد سخت بارش ہونے لگی تو چاہیے کہ ظہر کی نماز تنہا پڑھ لے اور اس کے ساتھ ہی عصر کی نماز بھی شدت باراں کی وجہ سے پڑھی جا سکتی ہے، بشرطیکہ عصر کی نماز باجماعت ادا کی جائے، اگر اکیلے پڑھی گئی تو درست نہ ہوگی۔

تیسرا موقع وہ ہے جب کہ کسی نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی منت مانی ہو تو اس کو جماعت کے ساتھ ہی پڑھنا فرض ہے، اگر تنہا پڑھی گئی تو درست نہ ہوگی۔

چوتھا موقع جس میں جماعت فرض ہو جاتی ہے یہ ہے کہ صرف دو آدمی ہیں جن پر نماز فرض ہے اور کوئی ایسا نہیں جس کے ساتھ جماعت کی جائے۔ اب صورت یہ ہے کہ نماز فرض ہے اور دو افراد کے سوا کہیں کوئی انسان نہیں ہے جس نے جماعت سے نماز پڑھی ہو تو جماعت ان دونوں پر فرض ہے، اس لیے کہ یہ بتایا جا چکا ہے کہ بقول صحیح پانچوں وقت کی فرض نمازوں میں جماعت فرض کفایہ ہے یعنی کچھ لوگ جماعت سے نماز پڑھ لیں تو دوسروں کے ذمہ سے جماعت ساقط ہو جاتی ہے پس جب کہ بجز دو اشخاص کے اور کوئی موجود ہی نہیں ہے تو ان دونوں ہی پر نماز کی جماعت فرض (عین) ہوگی۔

پانچواں موقع (جماعت کے فرض عین ہونے کا) یہ ہے کہ امام حالت رکوع میں ہے اور یقین ہے کہ اس کی اقتدا کی گئی تو وقت کے اندر رکعت مل جائے گی اور تنہا پڑھی تو وہ جاتی رہے گی (اس صورت میں جماعت فرض عین ہو جائے گی)۔

باقی رہا عیدین، استسقا، سورج گرہن، تراویح، اور رمضان میں وتر کی جماعتیں سو شافعیہ کے نزدیک یہ سب مستحب ہیں۔

اسی طرح وہ قضا نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جا رہی تھی اور قضا ہو گئی تو اس قضا کو ایسے امام کے پیچھے پڑھنا چاہیے جو وہی نماز پڑھا رہا ہو، مثلاً اگر کسی پر ظہر کی نماز کی قضا ہے تو مستحب یہ ہے کہ اس کو ظہر کی نماز پڑھنے والے امام کے پیچھے پڑھے۔ اسی بنا پر یہ بھی مستحب ہے کہ اگر کسی معذوری کے باعث جمعہ فوت ہو گیا تو جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ہو۔

نذر کی نمازوں کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا مباح ہے، اور ادا نماز کو قضا پڑھنے والے کے پیچھے یا اس کے برعکس پڑھنا مکروہ ہے۔ یہی حکم نفل پڑھنے والے امام کے پیچھے فرض یا فرض پڑھنے والے امام کے پیچھے نفل پڑھنے کا ہے۔ (یعنی مکروہ ہے) اسی طرح تراویح پڑھنے والے کے پیچھے وتر یا اس کے برعکس (مکروہ ہے)۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جمعہ کی نماز میں جماعت شرط ہے۔ آزاد مردوں کے لیے جو نماز مفروضہ کے ادا کرنے پر قادر ہیں، قضا نمازوں میں جماعت سنت ہے۔ اسی طرح نماز جنازہ کی جماعت سنت ہے۔ نوافل میں کہیں جماعت سنت ہے، مثلاً استسقا، تراویح اور عیدین کی نمازیں اور کبھی مباح ہے جیسے تہجد میں اور فرض نمازوں کے ساتھ جو نمازیں ہوتی ہیں ان

Marfat.com

امام بننے کی شرطیں

''مسلمان ہونا''

صحت امامت کے لیے چند شرائط ہیں، منجملہ ان کے ایک شرط ''مسلمان ہونا'' ہے، لہٰذا غیر مسلم کا امام بننا درست نہیں ہے۔ پس اگر کسی مدعی اسلام کے پیچھے نماز پڑھی گئی بعد میں پتہ چلا کہ وہ کافر ہے تو وہ نماز جو اس کے پیچھے پڑھی گئی باطل ہے اور دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایسی صورت شاذ ونادر ہی پیش آتی ہے، لیکن امر واقعہ اس کے خلاف ہے، کیونکہ اکثر اوقات غیر مسلم اشخاص اپنی مطلب برآری کے لیے خود کو مسلمانوں کے لباس میں پیش کرتے اور نیکی اور پرہیزگاری کا اظہار کرتے ہیں، حالانکہ وہ دراصل مسلمان نہیں ہوتے۔

''بالغ ہونا''

کیا ذی شعور لڑکے کی امامت درست ہے؟

امامت کے صحیح ہونے کی ایک شرط ''بالغ ہونا'' ہے۔ پس کسی بالغ آدمی کا فرض نمازوں میں کسی لڑکے کی اقتدا کرنا جو (گو) سن شعور کو پہنچ گیا ہو، درست نہیں ہے کہ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے۔ شافعیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

یہ مسائل فرض نمازوں کے متعلق ہیں؛ نفل نمازوں میں بالغ آدمی کا باشعور لڑکے کی اقتدا کرنا صحیح ہے۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے۔ حنفیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو[2] ہاں میں۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ بالغ آدمی کو ایسے لڑکے کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے جو سن شعور کو پہنچ گیا ہو، لیکن جمعہ میں نہیں۔ (جمعہ میں جائز ہونے) کے لیے شرط یہ ہے کہ اگر امام اس تعداد میں شامل ہے جس کے پورے ہوئے بغیر نماز نہیں ہوسکتی تو اس لڑکے کا (جسے امام بننا ہے) بالغ ہونا شرط صحت ہے۔ ہاں اگر امام نابالغ اس تعداد کے علاوہ ہے تو اس صورت میں باشعور لڑکے کا امام بننا درست ہوگا۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ بالغ آدمی کو کسی لڑکے کے پیچھے نماز پڑھنا مطلقاً درست نہیں ہے، نہ نماز فرض میں اور نہ (بقول صحیح) نفل نماز میں۔

Marfat.com

ذی شعور لڑکے کا اپنے ہی جیسے لڑکے کو امام بنالینا بالاتفاق درست ہے۔

عورتوں کا امام بننا

صحت امامت کی ایک شرط امام کا اصلی معنوں میں مرد ہونا ہے، لہٰذا عورت اور خنثیٰ مشکل (یعنی ایسا مخنث جس کی جنس متعین نہ کی جا سکے) کا امام بننا درآنحالیکہ اس کے پیچھے مرد مقتدی ہوں، درست نہیں ہے۔ لیکن اگر عورتیں مقتدی ہوں تو ان کی امامت کے لیے مرد ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ اگر کوئی عورت اپنی جیسی عورتوں یا مخنث کی امام بنے تو درست ہے اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے، مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ [1]

''عاقل ہونا''

صحت امامت کی شرائط میں سے ایک شرط عقل ہے۔ لہٰذا فاتر العقل کی امامت اگر اس کو جنون سے افاقہ نہیں ہوتا تو درست نہ ہوگی۔ البتہ اگر اس کی حالت ایسی ہے کہ کبھی افاقہ ہو جاتا ہے اور کبھی جنون لاحق ہو جاتا ہے تو بحالت افاقہ اس کی امامت صحیح ہوگی اور حالت جنون میں بالاتفاق باطل ہوگی۔

قاری (خواندہ شخص) کا امی (ان پڑھ) کی اقتدا کرنا

امامت کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ اگر مقتدی خواندہ ہے تو امام بھی خواندہ ہو۔ ناخواندہ شخص کا خواندہ کی امامت کرنا صحیح نہیں ہے اور خواندہ ہونے کی شرط یہ ہے کہ امام اتنی قرأت سے واقف ہو کہ اس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی۔ پس اگر کسی گاؤں کا امام اتنی قرأت جانتا ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی تو متعلم کے لیے جائز ہے کہ اس کے پیچھے نماز پڑھ لے۔ لیکن اگر وہ امی (قطعاً ناخواندہ) ہے تو اس کا اپنے جیسے ناخواندہ کا امام بننے کے علاوہ کسی اور کی امامت درست نہیں ہے، قطع نظر اس کے کہ کوئی خواندہ شخص ان کے ساتھ شریک جماعت ہو یا نہ ہو۔ اس پر تینوں اماموں کا اتفاق ہے؛ مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ [2]

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کسی عورت یا خنثیٰ مشکل کے لیے مردوں یا عورتوں کی امامت صحیح نہیں ہے، نہ فرض نماز میں نہ نفل میں۔ یعنی امام کے لیے مرد ہونا بہرحال شرط ہے، خواہ مقتدی کوئی بھی ہو۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی امی سورۂ فاتحہ پڑھنے سے بھی عاجز ہو تو اس جیسے شخص کو بھی اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے، بشرطیکہ کوئی قاری (خواندہ انسان) موجود ہو۔ ایسی صورت میں ان دونوں پر واجب ہے کہ اس قاری کے پیچھے

Marfat.com

امام کا معذوری کی حالت مثلاً سلس البول (یعنی پیشاب کا نہ رکنا) وغیرہ سے مبرا ہونا

صحت امامت کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ امام کسی معذوری میں مبتلا نہ ہو (یعنی کوئی ایسا مرض لاحق نہ ہو جس سے اس کا شمار معذوروں میں ہو) مثلاً سلس البول (یعنی پیشاب کا نہ رکنا) دائمی پیچش میں مبتلا ہونا، ریاح کا مسلسل خارج ہوتے رہنا، اور نکسیر کا جاری رہنا وغیرہ۔ پس اگر امام ان میں سے کسی مرض میں مبتلا ہو تو اس کے لیے ایسے اشخاص کی امامت صحیح نہیں ہے جن کو یہ مرض لاحق نہ ہو۔ لیکن ان ہی جیسے معذور کی امامت جائز ہے، بشرطیکہ وہ بھی امام والے مرض میں مبتلا ہوں۔ اگر امراض مختلف ہیں، مثلاً ایک سلس بول کا مریض ہے اور دوسرے کی نکسیر جاری ہے تو ان میں سے ایک کے لیے دوسرے کا امام بننا درست نہیں ہے۔ یہاں تک حنفیہ اور حنابلہ کا باہم اتفاق ہے؛ شافعیہ اور مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۱)

امام کا حدث اور نجاست سے پاک ہونا

امامت کی جن شرائط پر سب کا اتفاق ہے ان کے منجملہ امام کا حدث (ناپاکی) اور نجاست سے پاک ہونا ہے۔ پس اگر ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھی گئی جس کو ناپاکی لاحق تھی یا اس کے جسم پر نجاست لگی ہوئی تھی تو نماز باطل ہوگی اور امام کی نماز بھی باطل ہوگی، بشرطیکہ امام کو اپنی ناپاکی کا علم تھا اور اس نے جان بوجھ کر نماز پڑھی، بصورت دیگر باطل نہ ہوگی۔ اس بارے میں مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں

نماز ادا کریں، ورنہ دونوں کی نماز باطل ہو جائے گی۔ لیکن اگر کوئی شخص سورۂ فاتحہ پڑھ تو سکتا ہے لیکن اچھی طرح ادائیگی نہیں آتی تو صحیح یہی ہے کہ اس کو بھی پہلے اپنے جیسے کی اقتدا سے روکا جائے گا، بشرطیکہ اس سے اچھا پڑھنے والا موجود ہو، تاہم اگر اس نے اپنے جیسے کی اقتدا کر ہی لی ہے تو نماز درست متصور ہوگی۔ لیکن اگر قاری دستیاب ہی نہ ہو تو ایسے شخص کا بقول صحیح اپنے جیسے ناخواندہ کے پیچھے نماز پڑھ لینا درست ہے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ صحت امامت کے لیے امام کا ایسے عذر سے مبرا ہونا شرط نہیں ہے جو اس کے لیے معاف ہو۔ چنانچہ اگر امام سلسِ بول (مسلسل پیشاب آنے) کا مریض ہے، اور یہ اس کے لیے معاف ہے کیوں کہ یہ مرض اس کا دائمی ہے خواہ آدھے وقت ہی کے لیے ہو، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا، تو اس صورت میں اس کی امامت درست ہوگی۔ اسی طرح ریاح کے مسلسل خارج ہوتے رہنے کا عذر ہے یا ایسا ہی کوئی اور عذر ہے جس سے وضو نہیں ٹوٹتا اور نماز باطل نہیں ہوتی، تو اس کی امامت صحیح ہوگی۔ لیکن ایسے شخص کی امامت کرنا جسے اس طرح کی کوئی معذوری لاحق نہیں ہے، مکروہ ہے۔

Marfat.com

ملاحظہ ہو۔ (۱)

کسی ہکلے کا یا ایسے ہی اور شخص کا امام بننا

صحت امامت کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ امام کی زبان (تلفظ) ٹھیک ہو۔ ایک حرف کے بجائے کوئی اور حرف نہ ادا ہوجاتا ہو۔ مثلاً ''ر'' کے بجائے ''غ''، ''س'' کے بجائے ''ت''، ''ذ'' کے بجائے ''ز'' یا ''ش'' کی جگہ ''س'' وغیرہ حروف ہجا کی آواز نکلے۔ اس ی وجہ سے ایسے شخص کو ''الثغ'' کہتے ہیں، کیونکہ ''الثغ'' کے لغوی معنی زبان کا ایک حرف سے دوسرے حرف کی جانب مڑ جانا یا ایسی ہی کسی کیفیت کا لاحق ہونا ہے۔

ایسے شخص پر واجب ہے کہ وہ اپنی زبان کے تلفظ کو درست کرے اور جہاں تک بن پڑے حرف کے تلفظ کو صحیح طور پر ادا کرنے کی کوشش کرے۔ اگر پھر بھی قاصر رہے تو اس کے لئے اپنے ہی جیسوں کے علاوہ دوسرے کا امام بننا درست نہیں ہے۔ اگر کسی میں یہ خامی ہے اور اس نے اپنی زبان کی اصلاح کی کوشش نہ کی تو اس کی نماز ہی سرے سے باطل ہوگی، امام بننے کا تو ذکر کیا؟ اس مسئلہ میں حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کو اتفاق ہے۔ تاہم حنفیہ کہتے ہیں کہ ایسے اشخاص کے لئے اگر ممکن ہو کہ سورۂ فاتحہ کے بجائے قرآن شریف کسی اور جگہ سے پڑھ سکے اور پڑھا تو اس کی نماز باطل نہ ہوگی، کیونکہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ان کے

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر امام کو ایسی معذوری ہو جس سے نماز کا دوبارہ پڑھنا ضروری نہ ہو تو اس کا امام بننا صحیح ہوگا، اگرچہ مقتدی تندرست ہو۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ حالت حدث میں امام بننا صحیح نہیں ہے، بشرطیکہ اس کی ناپاکی عمداً رہی ہو۔ ایسے امام کی جو اقتدا کرے گا، اس کی نماز باطل ہوگی، ہاں اگر وہ ناپاکی عمداً نہیں رہی، مثلاً کسی کو اپنی ناپاکی کا دھیان نہ رہا اور نماز پڑھنے لگا، یا حالت نماز میں حدث لاحق ہوگیا، اب اگر اپنے حدث کو جاننے یا حدث لاحق ہوجانے پر بھی مقتدیوں کے ساتھ اعمال نماز کو جاری رکھا تو سب کی نماز جاتی رہے گی۔ نیز مقتدیوں کی نماز اس صورت میں بھی جاتی رہے گی جب کہ انہیں معلوم ہو کہ امام حالت ناپاکی میں ہے گو خود امام کو علم نہ ہو۔ اگر مقتدیوں کو امام کے ناپاک ہونے کا علم نہ تھا اور خود امام کو بھی معلوم نہیں تھا لیکن اس کا علم نماز پوری کرنے کے بعد ہوا تو مقتدیوں کی نماز صحیح ہوگی، لیکن امام کی نماز بہرحال باطل ہو جائے گی، کیونکہ پاک ہونا صحتِ نماز کے لئے شرط ہے۔ اس صورت میں بھی جب کہ امام نجاست آلود ہو تو امام اور مقتدیوں کا اسی تفصیل کے ساتھ وہی حکم ہے جو حالت حدث میں ہونے کی صورت میں ہے۔ لیکن نجاست آلود ہونے کی صورت میں اگر نماز پوری ہونے سے پہلے امام کو اس کا علم نہیں تھا تو نماز ہوجائے گی، کیونکہ نجاست سے پاک ہونا صحت نماز کے لئے جبھی شرط ہے کہ اس کو نجاست کا علم ہو، جیسا کہ سابقاً بیان ہوا۔

Marfat.com

نزدیک فرض نہیں ہے۔ مالکیہ کو ان تمام امور سے اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کی امامت، مطلقاً صحیح ہے، جیسا کہ ان کے مسلک متذکرہ آئندہ میں وضاحت کی گئی ہے۔

اس سلسلہ میں ''ہکلے'' کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے، وہی حکم اس کا ہے جو غلط طریقہ سے ایک حرف کو دوسرے حرف میں مدغم کر دیتا ہو، مثلاً سین کو ''ت'' سے بدل کر سین کے بعد جو حرف ''ت'' ہے اس میں ملا دے، جیسے لفظ ''مستقیم'' کو اس طرح ادا کرنے کے بجائے ''متقیم'' کہے۔ ایسے نمازی کو واجب ہے کہ اپنی زبان کی اصلاح میں کوشاں ہو۔ اگر (اصلاح میں) ناکامی ہو تو اس کے لئے اپنے جیسوں کا امام بننا صحیح ہوگا۔ اگر (جہد اصلاح میں) کوتاہی کی تو اس کی نماز بھی باطل اور امام بننا بھی۔

ایک اور خامی ہے جیسے ''فا فا'' کہتے ہیں، یعنی بولنے میں بار بار حرف ''ف'' کی آواز نکلے، یا ''تمتام'' ہو، یعنی بار بار ''ت'' کا تلفظ کرنا تو ایسے شخص کا اپنے ہی جیسے اشخاص کی امامت کرنا جائز ہے اور اگر مقتدی اس جیسا نہیں ہے تو امامت کرنا شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ مطلقاً

شافعیہ کہتے ہیں کہ امام حالت حدث میں ہو تو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے، بشرطیکہ مقتدی کو شروع سے اس کا علم ہو، اگر بدوران نماز اس کا علم ہوا تو اقتدا کی نیت توڑ دینے اور اپنی نماز پوری کر لینے سے نماز ہو جائے گی۔ اس کے لئے یہی کافی ہے۔ اگر مقتدی کو اپنے امام کا حالت حدث میں ہونا نماز پوری ہو جانے کے بعد معلوم ہوا تو اس مقتدی کی نماز ہو گئی اور جماعت کا ثواب حاصل ہوگا۔ لیکن امام کی نماز بہرحال باطل ہے، کیونکہ پاک ہونا جو نماز کے لئے شرط ہے وہ نہیں پائی گئی۔ پس امام پر واجب ہے کہ اپنی نماز کو دہرا لے۔ مقتدی کو اگر یہ معلوم ہو کہ امام کو نجاست خفیفہ لگی ہوئی ہے، مثلاً پیشاب جو خشک ہو گیا ہے، تب بھی مقتدی کی نماز درست نہ ہوگی۔ ہاں اگر اسے معلوم ہی نہیں ہوا تو جمعہ کے علاوہ اور نماز صحیح ہو گی اور جمعہ کی نماز بھی صحیح ہو گی جب کہ اسے شامل کئے بغیر جماعت جمعہ کی مقررہ تعداد پوری ہو۔ ایسا نہ ہوا تو سب ہی کی نماز باطل ہو گی، کیونکہ حاضرین جمعہ کی وہ تعداد جو صحت نماز جمعہ کے لئے شرط ہے، پوری نہیں ہوئی۔ اگر کوئی امام ظاہر نجاست (نجاست ثقیلہ) سے آلودہ ہو، بایں طور کہ اگر توجہ سے دیکھتا تو اسے معلوم ہو جاتی تو ایسے (امام) کے پیچھے مطلقاً صحیح نہیں ہے، اگرچہ اس کا حال معلوم نہ ہوا ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ حالت حدث میں، خواہ وہ حدث اصغر ہو یا حدث اکبر، امامت کرنا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح اگر نجاست لگی ہوئی ہے اور اس کا علم ہے تو امامت کرنا درست نہیں ہے۔ لیکن اگر اس کا علم نہ خود امام کو ہوا اور نہ مقتدی کو اور نماز پوری پڑھی گئی تو محض مقتدیوں کی نماز ہو جائیگی، خواہ وہ جمعہ کی نماز ہو یا کوئی اور نماز۔ البتہ جمعہ کی صورت میں یہ شرط بھی ہے کہ نمازیوں کی تعداد (جو جمعہ کی شرط ہے) پوری ہو۔ یہ تعداد اس امام کے علاوہ چالیس ہو۔ ایسا نہ ہوا تو سب کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اسی طرح سب کی نماز اس صورت میں بھی باطل ہو جائیگی جب کہ مقتدیوں میں سے کسی ایسے شخص کو حدث لاحق ہو یا نجاست لگی ہوئی ہو جس کی شمولیت کے بغیر جماعت کی تعداد مقررہ پوری نہ ہوتی ہو۔

Marfat.com

بلاکراہت (اس کا امام بننا) صحیح ہے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ اس کی امامت کا حکم وہی ہے جو ہکلے کا ہے، یعنی اسی جیسے انسان کی اور شرائط متذکرہ سابقہ کے ساتھ نہ ہو تو امام بننا مکروہ ہے۔ ان تمام صورتوں میں مالکیہ کا جو مسلک ہے وہ ذیلی حاشیہ میں درج ہے۔ (۱)

مقتدی کی امامت کا بیان

صحت امامت کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کا مقتدی ہو وہ خود امامت نہ کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص نماز عصر کی جماعت میں اس وقت شریک ہوا جب کہ امام آخری رکعتوں کے دوسجدے کر رہا تھا۔ امام نے سلام پھیر دیا اور یہ شخص اپنی رکعتیں پوری کرنے کے لئے کھڑا ہوا، اتنے میں ایک اور شخص آیا اور نماز عصر کی نیت کر کے اس کے ساتھ جو اپنی رہی ہوئی رکعتیں پوری کر رہا تھا، کھڑا ہو گیا (اور اس کی اقتدا میں نماز پڑھنے لگا) تو آیا اس دوسرے شخص کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟ ایک اور مثال لیجئے، مسجدوں میں نمازیوں کا ازدحام ہے اور کوئی شخص آ کر آخر کی صفوں میں شامل جماعت ہوا کہ اسے امام کی حرکات کی خبر نہیں، لہٰذا مقتدیوں میں سے کسی نمازی کی پیروی کرنے لگا تو کیا یہ پیروی صحیح ہے؟

یہ تمام مسائل تفصیل طلب ہیں۔ اس کے لئے ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (۲)

حنفیہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کا امام بننا صحیح نہیں ہے جو حالت حدث میں ہو یا جسے ایسی نجاست لگی ہوئی ہو جس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر مقتدیوں کو یہ معلوم نہ ہو کہ امام کی نماز فاسد ہے تو ان کی نماز ہو جائے گی۔ پس اگر سچے اشخاص کی گواہی سے یا انصاف پسند امام کے خود اپنی بابت بتانے سے اس کا علم ہو جائے تو مقتدیوں کی نماز باطل ہو جائے گی اور اس کا دوبارہ پڑھنا لازم ہے۔ لیکن اگر وہ شخص جس نے امام کی نماز کے فاسد ہونے کی بابت بتایا کوئی راستباز آدمی نہیں ہے تو اس کی بات کو تسلیم نہ کیا جائے گا، تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ اس نماز کو دہرا لیا جائے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ ہکلے اور تمتام اور فأفا اور ارت یعنی وہ شخص جو غلط طریقے سے ایک حرف کو دوسرے کے ساتھ مدغم کر دیتا ہے اور اسی طرح وہ تمام اشخاص جو بعض حروف کو صحیح ادا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ان کے لئے امام بننا اور اپنے جیسے لوگوں اور ایسے اشخاص کو بھی جن کی زبان درست ہے اور جن میں کوئی خرابی نہیں ہے، نماز پڑھانا صحیح ہے، اگرچہ ایسا شخص دستیاب ہو جو انہیں تعلیم دے سکے۔ نیز تعلیم حاصل کرنے سے پہلے اور حصول علم کا وقت ملنے کے باوجود نیز بقول راجح اس پر یہ واجب نہیں ہے کہ اپنی زبان کی درستی کے لئے اجتہاد سے کام لے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مالکیہ صحت امام کے لئے یہ شرط عائد نہیں کرتے کہ امام کا تلفظ درست ہو۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے اس (مسبوق) کی اقتدا (پیروی) کی جو بعد میں امام کے ساتھ ایک رکعت

Marfat.com

مختلف المسلک امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا بیان

صحت امامت کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ مقتدی کے مسلک کی رو سے امام کی نماز صحیح ہو۔

چنانچہ اگر کوئی حنفی، شافعی المسلک امام جس کے بدن سے خون بہا ہو اور اس نے وضو نہ کیا ہو، کے پیچھے نماز پڑھے یا کوئی شافعی، حنفی کے پیچھے، جس نے کسی عورت کو مثلاً ہاتھ لگایا ہو نماز پڑھی ہو تو مقتدی کی نماز باطل ہو جائے گی، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے امام کی نماز نہیں ہوئی۔

اس مسئلہ میں حنفیہ اور شافعیہ متفق ہیں، مالکیہ اور حنابلہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

میں شامل ہوا تھا، تو نماز باطل ہو جائے گی، خواہ وہ مقتدی اسی کی طرح مسبوق ہو یا نہ ہو۔ ہاں اگر کسی مسبوق نے دوسرے مسبوق کے اعمال صلوٰۃ میں اسی کی مشابہت کی لیکن مقتدی بننے کی نیت نہ تھی تو نماز صحیح ہوگی۔ البتہ اگر کوئی مسبوق ایسا ہے جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت بھی ادا نہیں کی، مثلاً آخری تشہد میں شامل جماعت ہوا تو اس کی اقتدا درست ہوگی، کیونکہ (تشہد میں شامل جماعت ہونے والے کو) مقتدی ہی قرار نہیں دیا گیا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ کسی بھی مسبوق کی اقتدا صحیح نہیں ہے، خواہ امام کے ساتھ ایک رکعت میں شریک ہوا ہو یا اس سے کم میں۔ لہٰذا اگر دو شخص بعد میں امام کے ساتھ شامل جماعت ہوئے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد ان میں سے ایک نے دوسرے (کو امام بنا کر اس) کی اقتدا کی نیت کر لی تو مقتدی کی نماز جاتی رہی۔ ہاں اگر ان میں سے ایک نے دوسری کی پیروی اختیار کی تاکہ جو رکعتیں جاتی رہی ہیں ان کو یاد کر لے لیکن (یہ پیروی) اقتدا کی نیت سے نہ ہو تو دونوں کی نماز صحیح ہو گی، کیونکہ وہ دونوں اپنے سابق امام کے ساتھ منسلک متصور ہوں گے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مقتدی جب تک مقتدی ہے اس کی اقتدا درست نہیں ہے۔ ہاں امام کے سلام پھیرنے کے بعد، یا امام سے علیحدہ ہو جانے کی نیت کرنے کے بعد اس کی اقتدا کی جائے تو نماز درست ہوگی۔ یاد رہے کہ کسی مقتدی کا اپنے امام کی امامت سے علیحدہ ہو جانے کی نیت کرنا شافعیہ کے نزدیک جائز ہے، لیکن یہ حکم جمعہ کے علاوہ (اور نمازوں کے لئے) ہے، جمعہ کی نماز میں ایسی اقتدا درست نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جب تک کوئی شخص مقتدی کی حیثیت میں ہے اس کی اقتدا صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا جب امام سلام پھیر دے اور کوئی مسبوق ہے (جو بعد میں شامل جماعت ہوا تھا) تو اسی جیسے (مسبوق) کو اس کی اقتدا درست ہوگی لیکن نماز جمعہ میں نہیں۔ نماز جمعہ میں ایسے کی اقتدا صحیح نہیں ہے۔

ا۔ مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ جو امور صحت نماز کے لئے شرط ہیں ان میں صرف امام کے مسلک کا اعتبار کیا جائے گا۔ لہٰذا اگر کسی مالکی یا حنبلی نے حنفی یا شافعی کی اقتدا کی جس نے وضو میں پورے سر کا مسح نہیں کیا تو اس (مالکی یا حنبلی) کی نماز درست ہوگی، کیونکہ امام کی نماز اس کے اپنے مسلک کی رو سے صحیح تھی۔ لیکن وہ امور جن کا تعلق اقتدا کے صحیح ہونے سے ہے۔

Marfat.com

مقتدی کا امام سے آگے بڑھ جانے اور افعال امام سے باخبر رہنے کا بیان

صحت امامت کی شرائط میں ایک یہ ہے کہ مقتدی امام سے آگے نہ بڑھے۔ اگر آگے بڑھ گیا تو امامت اور نماز دونوں باطل ہیں۔ اس مسئلہ میں تین امام متفق ہیں، مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

واضح ہو کہ جن اصحاب نے (صحت امامت کے لئے) یہ شرط لگائی ہے کہ مقتدی امام سے آگے نہ بڑھے، انہوں نے اس حکم سے کعبہ کے گرد نماز پڑھنے کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کعبہ کے گرد مقتدی کا امام سے آگے بڑھ جانا جائز ہے۔ لیکن اس بارے میں شافعیہ کا مسلک تفصیل طلب ہے۔ ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (۲)

واضح ہو کہ اگر نماز کھڑے ہو کر پڑھی جا رہی ہے تو مقتدی کی صحت نماز کے لیے آگے نہ بڑھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ مقتدی کے قدموں کا پچھلا حصہ امام کے قدموں کے پچھلے حصے سے آگے نہ بڑھے۔ بیٹھ کر نماز ہو رہی ہو تو مقتدی کی سرین (ٹھڈی) امام کی سرین سے آگے نہ ہو۔ اگر مقتدی اس سے آگے بڑھ گیا تو اس کی نماز نہ ہوگی، ہاں اگر برابر ہو تو نماز بلا کراہت درست ہو جائے گی۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے۔ شافعیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۳)

اور منجملہ شرائط صحت امامت کے یہ ہے کہ مقتدی اپنے امام کے افعال (نماز) س آگاہ ہونے پر قادر ہو، یعنی امام نظر آتا ہو یا (اس کی آواز) سنائی دیتی ہو اور خواہ (پورے طور پر آگاہی نہ ہو، بلکہ) کسی

ان میں مقتدی کے مسلک کا لحاظ کیا جائے گا۔ چنانچہ اگر کسی مالکی یا حنبلی نے فرض نماز شافعی کے پیچھے پڑھی جو نفل نماز پڑھ رہا تھا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ (مالکی یا حنبلی کے نزدیک) صحت اقتدا کے لئے شرط یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں ایک ہی نماز پڑھ رہے ہوں۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اقتدا کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ مقتدی امام سے آگے نہ بڑھے۔ چنانچہ اگر مقتدی امام سے آگے بڑھ گیا، خواہ تمام ہی مقتدی آگے بڑھ جائیں، تب بھی بقول معتمد نماز ہو جائے گی، تاہم بلا ضرورت آگے بڑھ جانا مکروہ ہے۔

۲۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ کعبہ کے گرد مقتدی کا امام سے آگے بڑھ جانا صحیح نہیں ہے جب کہ دونوں ایک ہی جانب ہوں۔ اگر اس جانب نہ ہوں جدھر امام ہے تو آگے بڑھ جانا درست ہوگا، تاہم بلا ضرورت مثلاً یہ کہ مسجد میں جگہ تنگ ہو (امام سے) آگے بڑھ جانا مکروہ ہے۔ ضروری ہو جائے تو مکروہ نہیں ہے۔

۳۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ مقتدی کا اپنے امام کے برابر میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

Marfat.com

حدتک ہو۔ غرض مقتدی اپنے امام کے افعال سے واقف ہونے پر جب بھی قادر ہوگا اس کی نماز ہو جائے گی۔ اگر (امام اور مقتدی) دو مختلف مکانوں میں ہوں تو بموجب تفصیل مسالک مقتدی کی نماز باطل ہوگی۔ تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (1)

مقتدی کو اقتداء کی اور امام کو امامت کی نیت کرنے کا بیان

صحت امامت کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مقتدی تمام نمازوں میں اپنے امام کی پیروی کی نیت

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر امام اور مقتدی مسجد میں ہوں تو وہ ایک ہی مکان متصور ہوگا، مختلف مکانوں میں متصور نہ ہوں گے۔ قطع نظر اس کے کہ دونوں کے درمیان تین سو ہاتھ سے زیادہ فاصلہ ہو جائے۔ چنانچہ اگر امام مسجد کے آخری سرے میں ہے اور مقتدی ابتدائی حصہ میں تو اقتدا درست ہوگی بشرطیکہ امام اور مقتدی کے درمیان کوئی حائل ایسا نہ ہو جو امام تک پہنچنے سے مانع ہو۔ مثلاً کوئی دروازہ ہے جسے نماز شروع ہونے سے پہلے ہی میخوں سے جڑ دیا گیا ہو۔ ہاں اگر نماز کے دوران گزرگاہ کو بند کیا گیا تو مضائقہ نہیں۔ دونوں کے درمیان دروازہ بھڑا ہوا ہو تو حرج نہیں ہے اور مقتدی کا امام تک پہنچنا ممکن ہونے کا یہ مطلب ہے کہ خواہ قبلہ رخ چل کر پہنچنا ممکن ہو یا قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے پہنچا جا سکے۔

مسجد کا صحن (یالان) وغیرہ مسجد میں شامل ہے۔

اس صورت میں جب کہ نماز مسجد سے باہر پڑھی جارہی ہو تو اگر امام اور مقتدی کے مابین تین سو انسانی ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نہ ہو تو نماز درست ہوگی، اگرچہ بقول معتمد درمیان میں دونوں کو جدا کرنے والی کوئی شے حائل ہو۔ مثلاً نہر جس میں کشتی چل سکے یا راستہ ہو جس میں سے لوگوں کا ہجوم آجا سکے، تاہم یہ شرط ہے کہ وہ رکاوٹ درمیان میں ایسی نہ ہو کہ مقتدی چاہے تو امام تک نہ پہنچ سکے، یعنی مقتدی کا امام تک پہنچنا ممکن ہو، بغیر اس کے کہ قبلہ کی طرف پیٹھ کرنا یا ادھر سے منہ موڑنا پڑے۔ یہ حارج حائل میخ زدہ یا بھڑا ہوا دروازہ ہو یا کچھ اور اس سے فرق نہیں پڑتا۔

اگر امام اور مقتدی دونوں میں سے ایک مسجد کے اندر ہو اور دوسرا مسجد سے باہر ہو اور جو مسجد سے باہر ہے اس کا مسجد کے کنارے سے جو اس کی جانب ہے تین سو ہاتھ زیادہ فاصلہ ہو تو اقتدا باطل ہو جائے گی ورنہ باطل نہ ہوگی، بشرطیکہ درمیان میں کوئی ایسی رکاوٹ نہ ہو، جس کا ذکر، مسجد سے باہر نماز کی صورت میں کیا گیا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ امام اور مقتدی دونوں الگ الگ مکانوں میں ہوں تو اقتدا فاسد ہو جائے گی، قطع نظر اس کے کہ مقتدی پر امام کا حال مشتبہ ہو یا نہ ہو۔ اگر کسی نے اپنے گھر میں امام کی اقتدا کی درآنحالیکہ گھر کا دروازہ کسی رستہ وغیرہ سے مسجد سے منقطع ہو گیا ہو تو یہ اقتدا صحیح نہ ہوگی، کیونکہ دونوں مکان مختلف ہو گئے۔ ہاں اگر وہ گھر مسجد کے ساتھ لگا ہوا ہو کہ مسجد کی دیوار کے سوا دونوں میں کوئی اور شے حائل نہ ہو تو مقتدی کی نماز درست ہوگی، بشرطیکہ امام کا حال مقتدی کے روبرو مشتبہ نہ ہو (یعنی امام جو کچھ کرتا ہے اس کا علم پورے طور پر مقتدی کو ہوتا رہے)۔ اسی طرح مقتدی اپنے گھر کی چھت پر جو مسجد کی چھت سے ملحق ہے نماز پڑھے (تو نماز ہو جائے گی) کیونکہ اس صورت میں دونوں مکان مختلف متصور نہ ہوں گے۔ اگر

Marfat.com

کرے۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے۔ حنفیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسئلہ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱) اور یہ نیت ابتدائے نماز سے ہونی چاہیے، بایں طور کہ مقتدی تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی نیت کرے۔ نیت حقیقی

مکان ایک لیکن وسیع ہو جیسے کوئی بڑی مسجد ہو، تو اقتدا اسی صورت میں صحیح ہوگی جب کہ مقتدی کو امام کے اعمال میں شبہ نہ رہتا ہو۔ خواہ امام کی آواز سن کر یا مکبر کی آواز سے یا امام کو دیکھ کر، یا اس کے دوسرے مقتدیوں کو دیکھ کر (غرض یہ کہ امام کے افعال صلوٰۃ کو معلوم کرنے میں شبہ نہ رہے) یاد رہے کہ مبلغ (یعنی مکبر جو تکبیر کا اعلان کرتا ہے) کی پیروی اسی حالت میں درست ہوگی جب کہ تکبیر تحریمہ کی غرض محض تبلیغ (اطلاع دینا) ہو کیونکہ اگر صرف اعلان تکبیر مقصود ہو (یعنی شمولیت نماز نہ ہو تو) اس کی خود اپنی نماز باطل ہوگی لہٰذا جو اس کے اعلان کی پیروی کرے گا اس کی نماز بھی باطل ہوگی۔

یاد رہے کہ وسیع مسجد میں اقتدا اسی صورت میں صحیح ہوگی جب کہ امام اور مقتدی کے درمیان کوئی چلتا راستہ نہ ہو جس میں پہیہ دار گاڑی وغیرہ گزرتی ہو یا کوئی نہر ہو جس میں کشتی چلنے کی گنجائش ہو۔ اگر درمیان میں ایسا کوئی حائل ہو تو اقتدا درست نہیں ہے۔

میدان (کی نماز) میں اگر امام اور مقتدی کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ اس میں دو صفیں کھڑی ہو سکیں تو اقتدا صحیح نہیں ہوگی۔ بڑی مساجد جیسے بیت المقدس ہے، کا حکم بھی وہی ہے جو میدان (میں نماز) کا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ امام اور مقتدی کا دو مکانوں میں ہونا صحت اقتدا کا مانع نہیں ہے۔ لہٰذا اگر امام اور مقتدی کے درمیان کوئی نہر یا راستہ یا دیوار حائل ہو تو مقتدی کی نماز صحیح ہوگی، بشرطیکہ اس کو امام کے افعال سے آگاہ ہونا ممکن ہو، اگرچہ کوئی آواز سن کر ہی ممکن ہو۔ ہاں جمعہ کی نماز اگر مقتدی پاس کے مکان میں امام مسجد کی اقتدا میں پڑھے تو باطل ہوگی، کیونکہ جمعہ کی نماز کے لئے مسجد جامع کا ہونا شرط ہے، جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ امام اور مقتدی کے مختلف مکانوں میں ہونے سے اقتدا صحیح نہیں ہوتی۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ اگر امام اور مقتدی کے درمیان میں کوئی نہر حائل ہے جس میں کشتیاں چلتی ہیں تو مقتدی کی نماز باطل ہو جائے گی اور امام کی نماز بھی جاتی رہے گی، کیونکہ اس کی نماز کا رابطہ ایسے شخص کی نماز سے ہے جس کی اقتدا درست نہیں ہے اور اس صورت میں جب کہ راستہ حائل ہو تو دیکھنا چاہیے کہ وہ نماز اگر ایسی نماز ہے کہ بھیڑ کے وقت اس کا راستہ میں پڑھنا صحیح نہیں ہے جیسے جمعہ وغیرہ کی نماز جس میں لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے، تو باوجود امام اور مقتدی کے درمیان فاصلہ ہونے کے نماز صحیح ہوگی، بشرطیکہ صفیں (وہاں تک) متصل ہوں اگر صفیں متصل نہ ہوئیں تو اقتدا درست نہ ہوگی۔ ہاں اگر امام اور مقتدی مسجد کے اندر ہوں تو اقتدا صحیح ہوگی، اگرچہ دونوں کے درمیان حائل موجود ہو، بشرطیکہ تکبیر تحریمہ سنا دے۔ اگر نماز مسجد کے باہر کہیں ہو رہی ہے، یا مقتدی مسجد کے باہر اور امام مسجد کے اندر ہے تو اقتدا اس حال میں صحیح ہوگی جب مقتدی امام کو دیکھ سکتا ہو، یا اس کو دیکھ سکے جو امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے۔ اگرچہ یہ کیفیت (پوری نماز میں نہیں، بلکہ) نماز کے کچھ حصہ میں ہو۔ یا کھڑکی کی سلاخوں (یا جالیوں) سے نظر آتا ہو۔ غرض جہاں سے بھی امام کسی طرح نظر آتا ہو تو اقتدا صحیح ہوگی۔ اگرچہ دونوں کے درمیان میں تین سو ہاتھ سے زیادہ فاصلہ ہو۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اقتداء کی نیت جمعہ اور عید کے سوا دوسری نمازوں میں شرط ہے، کیونکہ جمعہ اور عید کی نماز میں تو

Marfat.com

معنوں میں ہو یا حکمی طور پر اسکی تشریح ''نیت'' کے بیان میں ہو چکی ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے تنہا نماز پڑھنے کی نیت سے نماز شروع کی، پھر نماز کے دوران کوئی امام آ گیا اور اس کی اقتداء کی نیت کر لی تو نماز صحیح نہ ہوگی، کیونکہ ابتدائے نماز سے یہ نیت نہیں پائی گئی۔ منفرد (تنہا گزار) کے لئے روا نہیں ہے کہ بہ دوران صلوٰۃ جماعت کی جانب منتقل ہو جائے۔ اسی طرح جس نے اپنی نماز جماعت کے ساتھ شروع کی ہو اسے منفرد ہونے کی طرف منتقل ہونا جائز نہیں ہے، یعنی یہ کہ (جماعت میں شامل ہو اور) امام سے علیحدگی کی نیت کر لے۔ ہاں کوئی عذر ہو تو ایسا ہو سکتا ہے، مثلاً امام نماز کو بہت طول دے دے۔ ان تمام باتوں پر تین امام متفق ہیں۔ شافعیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

اب رہا امام کا امامت کی نیت کرنا، مثلاً ظہر یا عصر کی نماز کو بطور امام پڑھنے کی نیت کی جائے، سو یہ امر امامت (کے صحیح ہونے) کے لئے شرط نہیں ہے، بجز ان حالات کے جن کی تفصیلی مختلف مسلکوں میں کی گئی ہے۔ اس کے لئے ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (۲)

جماعت صحت نماز کی شرط ہے، اس میں اقتدا کی نیت کرنے کی حاجت ہی نہیں ہے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ نماز کے آغاز ہی سے نیت کرنا شرط نہیں ہے۔ لہٰذا اگر نماز کے دوران اقتدائے امام کی نیت کی تو نماز درست لیکن مکروہ ہوگی، البتہ جمعہ وغیرہ کی نماز کے اندر، جس میں جماعت شرط ہے شروع سے اقتدا کی نیت کرنا ضروری ہے، بایں طور کہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی نیت کی جائے۔ اسی طرح امام کی اقتدا سے الگ ہو جانے کی نیت بھی مقتدی کے لئے درست ہے، خواہ بے سبب ہی ہو۔ تاہم اگر کوئی معذوری نہ ہو علیحدگی مکروہ ہے۔ اس حکم سے وہ نماز مستثنٰی ہے جس میں جماعت شرط ہے، جیسے جمعہ کی نماز۔ اس کی رکعت اولیٰ میں امام سے علیحدہ ہونا درست نہیں ہے۔ اسی طرح ایسی نماز میں جس کو جماعت کے ساتھ دوبارہ پڑھنے کا ارادہ ہو، اس کے کسی حصہ میں بھی علیحدہ ہونا درست نہیں ہے۔ یہی حکم اس نماز کا ہے جس کو بطریق تقدیم وغیرہ اکٹھا پڑھا جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر مقتدی (جماعت کا خیال چھوڑ کر) تنہا گزاری کی طرف منتقل ہو جائے تو نماز باطل ہو جائے گی، ہاں اگر امام کے ساتھ جلوس اخیرہ میں بقدر تشہد بیٹھ چکا ہے اور کوئی ضرورت پیش آ ئی تو سلام پھیر کر علیحدگی اختیار کر سکتا ہے۔ اگر بغیر کسی عذر کے جماعت سے خارج ہو گیا تو نماز ہو جائے گی لیکن گناہ ہوگا، جیسا کہ مقتدی کے بیان میں آگے آئے گا۔

۲۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ صحت اقتدا کے لئے شرط یہ ہے کہ امام نے ہر نماز میں امامت کی نیت کی ہو۔ پس اگر امام نے امانت کی نیت نہیں کی تو مقتدی کی نماز صحیح نہ ہوگی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جن نمازوں کا صحیح ہونا جماعت پر موقوف ہے، جیسے جمعہ کی نماز اور وہ دو نمازیں جو بارش کی وجہ سے اکٹھی کر کے پڑھی جائیں، اور یا وہ نماز جو دہرائی جا رہی ہے، امام کا امامت کی نیت کرنا صحت اقتداء کے لئے شرط ہے۔

Marfat.com

فرض پڑھنے والے کا نفل پڑھنے والے (امام) کے پیچھے نماز پڑھنا

شرائط امامت میں سے ایک یہ ہے کہ امام کی حیثیت (باعتبار نماز کے) مقتدی کی حیثیت سے کم نہ ہو۔ چنانچہ فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھے تو نماز درست نہ ہوگی۔ شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

حنفیہ کہتے ہیں کہ صحت نماز کے لئے امام کا امامت کی نیت کرنا اس حال میں شرط ہے جب کہ وہ عورتوں کی امامت کر رہا ہو۔ پس اگر عورتوں کا امام بننے کی نیت نہیں کی تو عورتوں کی نماز فاسد ہوگی۔ ہاں امام کی نماز صحیح ہو جائے گی، اگرچہ کوئی عورت اس کے برابر کھڑی ہو، جیسا کہ برابر کھڑے ہونے کے بیان میں بتایا گیا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مقتدی کی نماز صحیح ہونے کے لئے امام کا امامت کی نیت کرنا شرط نہیں ہے اور نہ خود امام کی نماز صحیح ہونے کی شرط ہے۔ لیکن چند مواقع ایسے ہیں جن میں یہ حکم عائد نہیں ہوتا:

ایک تو جمعہ کی نماز جس میں امام نے امامت کی نیت نہ کی ہو تو اس کی اور مقتدی کی نماز باطل ہو جائے گی۔

دوسرے بارش کی رات میں جب دو نمازوں کو اکٹھا کر کے پڑھا جائے۔ ان دونوں نمازوں میں امامت کی نیت نماز کے شروع سے کرنی چاہیے۔ (اگر ان میں سے کسی میں نیت نہ کی گئی تو امام اور مقتدی سب کی نماز باطل ہو جائے گی) کیونکہ ان نمازوں میں جماعت شرط ہے۔ (دونوں نمازوں میں سے) جس میں امامت کی نیت کی گئی وہ نماز صحیح ہوگی (یہ نہیں کہ دونوں نمازیں باطل ہو جائیں گی) ہاں اگر رکعت اولیٰ میں نیت نہ کی گئی تو دوسری رکعت اس کے ساتھ باطل ہو جائے گی، اگرچہ امام نے دوسری رکعت میں نیت کر لی ہو۔ بعض مالکیہ کہتے ہیں کہ رکعت اولیٰ کسی حال میں باطل نہ ہوگی، کیوں کہ وہ اپنی جگہ پر ٹھیک پڑھی گئی ہے۔

تیسرے نماز خوف جس کا طریقہ یہ ہے کہ امام اپنے لشکر کو دو گروہوں میں تقسیم کر دے اور ہر گروہ کے ساتھ نماز کا ایک حصہ ادا کرے۔ اگر امام نے امامت کی نیت نہیں کی تو صرف پہلے گروہ کی نماز باطل ہوگی، امام کی اور دوسرے گروہ کی نماز صحیح ہوگی۔

چوتھے وہ نماز جس میں امام کسی معذوری کے باعث اپنی جگہ کسی کو خلیفہ بنا کر کھڑا کر دے۔ اس صورت میں مقتدی کی نماز صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس (خلیفہ) نے امامت کی نیت کی ہو۔ اگر امامت کی نیت نہیں کی تو جس نے اس کی اقتدا کی ہے اس کی نماز باطل ہو جائے گی، لیکن اس (خلیفہ) کی نماز درست ہوگی۔ واضح ہو کہ بقول معتمد جماعت کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے امامت کی نیت شرط نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کسی نے ایک گروہ کی امامت کی اور امامت کی نیت نہ بھی تھی تو جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی اور متذکرہ سابقہ مسائل میں جہاں جہاں نیت امامت کو شرط بتایا گیا ہے اس سے مراد (صرف) یہ ہے کہ تنہا پڑھنے کی نیت نہ ہو۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ فرض نماز نفل پڑھنے والے امام کے پیچھے درست ہے، لیکن مکروہ ہے۔

Marfat.com

اسی طرح رکوع پر قادر ہونے والے کا ایسے شخص کے پیچھے جو رکوع سے معذور ہے، نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اور نہ ننگے بدن نماز پڑھنے والے کے پیچھے لباس پہنے ہوئے کی نماز جائز ہے۔ اس پر حنفیہ اور حنابلہ متفق ہیں۔ شافعیہ اور مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

اسی طرح پاک آدمی کا نجس آدمی کے پیچھے، جو پاک ہونے سے معذور ہے، نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اس پر تین ائمہ کا اتفاق ہے۔ مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

قاری (خواندہ شخص) کو امی (ناخواندہ) کی اقتدا جائز نہیں ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ ہاں بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے پیچھے، جو کھڑے ہونے سے معذور ہو، کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی نماز درست ہے۔ اس بارے میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔ (۳)

۱۔ شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ اس ننگے بدن والے کے پیچھے جسے کپڑا میسر نہ ہو، لباس پہنے ہوئے آدمی کا نماز پڑھنا صحیح ہے، لیکن مالکیہ کے نزدیک مکروہ ہے، شافعیہ اسے مکروہ نہیں کہتے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ پاک شخص کی نماز ایسے شخص کے پیچھے جو طہارت حاصل کرنے سے معذور ہے، صحیح، لیکن مکروہ ہے۔

۳۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ کھڑے ہوئے کی نماز اس کے پیچھے جو کھڑے ہونے سے معذور ہے درست نہیں ہے، اگرچہ وہ نماز نفلی ہو۔ ہاں اگر مقتدی قصداً بیٹھ کر نفل نماز پڑھے تو اس کی نماز بیٹھ کر نفل پڑھنے والے کے پیچھے صحیح ہوگی۔ اگر مقتدی ارکان صلوٰۃ کی بجا آوری سے معذور ہے تو اسے دوسرے معذور کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے، بشرطیکہ دونوں کی معذوری یکساں ہو، یعنی (مثلاً) دونوں کھڑے ہونے سے معذور ہوں۔ واضح ہو کہ یہ حکم اشارہ سے نماز پڑھنے والے پر لاگو نہیں ہے، یعنی اشارہ سے نماز پڑھنے والے کے لئے اپنے جیسے شخص کی امامت صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اشارہ کی حد کا تعین نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ ہوسکتا ہے کہ امام کا اشارہ مقتدی کے اشارہ سے کم ہو۔ پس اگر امام اور مقتدی دونوں کی معذوری یکساں نہیں ہے۔ مثلاً امام سجدہ سے معذور ہو اور مقتدی رکوع سے معذور ہو تو وہ امامت صحیح نہ ہوگی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ کھڑے ہوئے آدمی کا بیٹھ کر نماز پڑھانے والے امام کی اقتدا جو رکوع و سجود (بیٹھ کر) کر سکتا ہو، صحیح ہے، لیکن ایسا شخص جو رکوع و سجود سے بھی عاجز ہو اس کے پیچھے کھڑے ہونے پر قادر انسان کی نماز صحیح نہیں ہے۔ ہاں اگر امام اور مقتدی دونوں معذور ہوں اور دونوں ہی اشارہ سے نماز پڑھیں تو اقتدا صحیح ہوگی، خواہ دونوں کھڑے ہو کر پڑھیں یا کروٹ سے یا چت لیٹے ہوں، یا دونوں کی حالت ایک دوسرے سے مختلف ہو، لیکن یہ شرط ہے کہ امام کی حالت مقتدی کی بہ نسبت اچھی ہو: مثلاً یہ کہ مقتدی پہلو پر لیٹا ہو اور امام بیٹھا ہوا ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ کھڑے ہوئے شخص کی نماز بیٹھے ہوئے یا کروٹ سے لیٹے ہوئے کے پیچھے، جب کہ دونوں کھڑے ہونے اور بیٹھنے سے عاجز ہوں، صحیح ہے۔ اسی طرح اس کی نماز جو رکوع و سجود کر سکتا ہے، ان اعمال سے معذور کے پیچھے صحیح ہے۔

Marfat.com

نماز میں افعال صلوٰۃ کے اندر امام کی پیروی کا بیان

مقتدی کا اعمال صلوٰۃ میں اپنے امام کی پیروی کرنا امامت کی شرائط میں سے ہے۔ اس کے متعلقہ مسائل تفصیل طلب ہیں۔ ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (۱)

حنابلہ کہتے ہیں کہ جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے معذور ہے، اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز صحیح نہیں ہے۔ سوا اس صورت کے جب کہ کھڑے ہونے سے معذور شخص کسی جگہ کا مقرر شدہ امام ہو اور اس کی معذوری کسی ایسے مرض کے باعث ہو جس کے دور ہو جانے کی توقع ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مقتدی کا اپنے امام کی متابعت کرنے کی تین قسمیں ہیں:

ایک یہ کہ مقتدی کا عمل امام کے عمل کے متصل ہو، یعنی جس وقت امام نیت باندھے تو ساتھ ہی مقتدی بھی نیت باندھ لے اور امام کے رکوع کے ساتھ رکوع کرے اور سلام کے ساتھ سلام پھیرے۔ (امام کی متابعت میں) یہ امر بھی داخل ہے کہ مقتدی امام سے پہلے رکوع میں گیا اور ہنوز رکوع میں تھا کہ امام نے بھی رکوع کر لیا۔ یہ حالت رکوع میں مقتدی کا امام کے ساتھ ہونا متصور ہو گی۔

دوسری یہ کہ مقتدی اپنے امام کے عمل کے بعد وہی عمل کرے، بایں طور کہ کوئی فعل امام کے شروع کرنے کے بعد مقتدی کرے اور (ہنوز وہ عمل پورا نہ ہوا ہو) باقی حصہ میں امام کے ساتھ شامل رہے۔

تیسری یہ کہ (امام کی پیروی) تاخیر کے ساتھ کرے، بایں طور کہ امام جب کوئی عمل انجام دے چکے تو قبل اس کے کہ امام کوئی آئندہ رکن شروع کرے مقتدی اس عمل کو انجام دے۔

ان تمام صورتوں میں یہ تسلیم کیا جائے گا کہ مقتدی نے امام کی پیروی کی۔ غرض اگر امام نے رکوع کیا اور ساتھ کے ساتھ مقتدی نے بھی رکوع کیا یا اس کے بعد رکوع کیا کہ امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو گیا، یا یہ کہ امام کے رکوع سے اٹھنے کے بعد، لیکن سجدہ کے لئے جھکنے سے پہلے رکوع کر لیا تو مقتدی نے رکوع میں امام کی متابعت کر لی۔ ان تینوں میں سے کس طرح بھی پیروی کی جائے۔

جو اعمال نماز میں فرض ہیں ان میں پیروی فرض ہے اور جو اعمال واجب ہیں ان میں پیروی بھی واجب ہے، اور جو اعمال سنت ہیں ان میں پیروی بھی سنت ہے۔ مثلاً اگر رکوع میں یہ پیروی ترک کر دی بایں طور کہ رکوع کیا اور امام کے اٹھنے سے پہلے سر اٹھا لیا اور اس رکوع میں یا اس کے بعد کی نئی رکعت کے رکوع میں امام کے ساتھ شامل نہ رہا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ عمل فرض میں متابعت (جو فرض تھی) نہیں کی گئی۔ اسی طرح اگر امام سے پہلے رکوع اور سجدہ کر لیا تو وہ رکعت جس میں یہ کیا گیا رائگاں جائے گی۔

اور دوسری رکعت کے افعال پہلی رکعت میں، تیسری رکعت کے افعال دوسری میں اور چوتھی کے تیسری میں منتقل ہو جائیں گے اور اس کے ذمہ ایک رکعت رہ جائے گی جس کا ادا کرنا امام کے سلام پھیرنے کے بعد واجب ہو گا۔ اگر ایسا نہ کیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اس کی مزید تفصیل مسبوق (بعد میں جماعت کے اندر شامل ہونے والے) کے بیان میں آئے

Marfat.com

گی۔اسی طرح اگر قنوت میں امام کی متابعت نہ کی تو گناہ ہوگا کیونکہ واجب کو ترک کیا۔اگر رکوع کی تسبیح میں متابعت نہ کی تو سنت کو ترک کیا۔

اب واضح ہو کہ چار باتیں ایسی ہیں جن میں امام کی متابعت لازم نہیں ہے: اول یہ کہ امام عمداً کوئی سجدہ زیادہ کرے تو اس میں امام کی پیروی نہ کی جائے۔دوسری عید کی تکبیروں میں اگر امام کچھ زیادہ کرے جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی نہیں ہے تو اس کی پیروی نہ کی جائے۔تیسری اگر نماز جنازہ کی تکبیروں میں امام اضافہ کرے مثلاً پانچ تکبیریں کہے تو اس کی پیروی نہ کی جائے۔چوتھی جب کہ امام فرض کو مکمل کرنے اور قعدۂ اخیرہ کے بعد بھولے سے ایک اور رکعت کے لئے کھڑا ہو (تب بھی پیروی نہ کی جائے)۔اگر امام ایسا کرے اور وہ فاضل رکعت کر کے سجدہ کرے تو مقتدی کو چاہیے کہ وہ بطور خود ہی سلام پھیر کر نماز سے علیحدہ ہو جائے۔ہاں اگر امام نے (زائد رکعت کا) سجدہ نہیں کیا، بلکہ رجوع کر کے قعدۂ اخیر کے لئے بیٹھ گیا اور پھر سلام پھیرا تو مقتدی کو اس کے ساتھ سلام پھیرنا چاہیے۔لیکن اگر امام قعدۂ اخیرہ کئے بغیر فاضل رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اور اس رکعت کا سجدہ بھی کر لیا تو سب کی نماز باطل ہو جائے گی۔

جاننا چاہیے کہ مندرجہ ذیل نو باتیں ایسی ہیں کہ اگر امام ان کو ترک کرے تو مقتدی کو چاہیے کہ اس کے ترک کرنے میں امام کی متابعت نہ کرے۔وہ باتیں یہ ہیں:

تکبیر تحریمہ میں دونوں ہاتھ اٹھانا۔ثنا (سبحانک اللّٰھم الخ) پڑھنا۔رکوع کے لئے تکبیر کہنا۔سجدے کے لئے تکبیر کہنا۔رکوع وسجود میں تسبیح (یعنی سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ) پڑھنا۔تسمیع (سمع اللّٰہ لمن حمدہ) کہنا۔تشہد (اشھد ان لآ الٰہ الخ پڑھنا، سلام (السلام علیکم و رحمتہ اللّٰہ) کہنا۔تکبیر تشریق (سبحان اللّٰہ و الحمد للہ الخ) پڑھنا۔یہ تو امور ہیں کہ ان میں سے اگر کسی کو امام ترک کر دے تو مقتدی کو اس کی پیروی میں ترک نہ کر دینا چاہیے، بلکہ بطور خود ہی اس کو کر لے۔اسی طرح کچھ باتیں کرنے کی ایسی ہیں کہ اگر امام انہیں ترک کر دے تو مقتدی کو بھی ترک کر دینا چاہیے۔وہ پانچ باتیں ہیں: عید کی تکبیریں، قعدۂ اولیٰ، سجدۂ تلاوت، سجدۂ سہو اور دعائے قنوت، اس صورت میں جب کہ رکوع کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو، لیکن اگر اس کا اندیشہ نہ ہو تو قنوت پڑھ لینا چاہیے۔

سابقاً یہ بتایا جا چکا ہے کہ امام کے پیچھے قرآن پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا اس میں امام کی پیروی جائز نہیں ہے۔

سلام اور تکبیر تحریمہ میں امام کی متابعت کے (تفصیلی) مسائل وہاں پر بیان کئے گئے ہیں جہاں ایک رکعت یا تمام رکعتوں میں مقتدی کے امام سے پیچھے رہ جانے کے مسائل کا بیان ہے، کہ اگر مقتدی تشہد پڑھ چکے تو سلام میں امام کی پیروی کرے۔اگر مقتدی نے امام سے پہلے ہی تشہد پڑھ کے امام سے پہلے سلام پھیر دیا تو نماز ہو گئی لیکن ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔سلام میں امام کی متابعت کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ ساتھ سلام پھیرے۔نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد۔(امام سے) پہلے سلام پھیرنے کے متعلق مسئلہ بتایا جا چکا ہے۔اگر کسی نے امام کے سلام پھیرنے کے بعد سلام پھیرا تو افضل طریقے کو نظر انداز کر دیا۔لیکن تکبیر تحریمہ امام سے پہلے کہی گئی تو نماز درست نہ ہوگی اور اگر امام کے ساتھ ساتھ کہی تو درست نہ ہوگی، اگر اس کے بعد تاخیر سے کہی تو تکبیر تحریمہ کا افضل وقت فوت کر دیا۔ان تمام

Marfat.com

امور کی تفصیل وہاں پر بتائی جائے گی جہاں "مقتدی کے بعض رکعات میں پیچھے رہ جانے" کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مقتدی کا امام کی پیروی کرنا عبارت ہے اس سے کہ مقتدی کا عملِ نماز امام کے بعد ہو، لہٰذا امام سے پہلے وہ عمل نہ ہونا چاہیے، نہ اس کے بجالانے میں تاخیر کی جائے اور امام کے ساتھ ساتھ کیا جائے۔

واضح ہو کہ امام کی پیروی چار قسموں کی ہے:

اول تکبیر تحریمہ میں پیروی۔ یہ پیروی مقتدی کی نماز صحیح ہونے کی شرط ہے، لہٰذا اگر مقتدی نے تکبیر تحریمہ اپنے امام سے پہلے یا امام کے ساتھ ساتھ کہی تو نماز باطل ہوگی۔ بلکہ شرط یہ ہے کہ امام کے تکبیر تحریمہ سے فارغ ہوتے ہی مقتدی تکبیر کہہ لے۔ اگر امام کے شروع کرتے ہی مقتدی نے بھی تکبیر تحریمہ کہی، لیکن امام کے پورا کرنے سے پہلے یا امام کے ساتھ ہی تکبیر تحریمہ کو پورا کیا تو نماز باطل ہوگی۔

دوسری سلام میں پیروی کرنا۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ جب امام سلام سے فارغ ہو جائے تب مقتدی سلام پھیرے۔ پس اگر بھولے سے پہلے ہی سلام پھیر دیا تو چاہیے کہ امام کے سلام پھیرنے کا انتظار کرے اور جب امام سلام پھیرے تو وہ بھی دوبارہ سلام پھیرے۔ اس طرح نماز صحیح ہو جائے گی۔ اگر مقتدی نے امام کے سلام شروع کرنے کے بعد اپنا سلام شروع کیا اور اس کے ساتھ ہی یا اس کے بعد پورا کیا تو نماز صحیح ہو جائے گی۔ لیکن اگر مقتدی نے اپنے سلام کو پہلے ہی پورا کر لیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ لہٰذا پسندیدہ طریقہ یہی ہے کہ امام سلام پھیرنے میں پھرتی سے کام لے، تاکہ مقتدیوں میں سے کوئی اس سے پہلے سلام پورا نہ کر سکے جس سے نماز جاتی رہتی ہے۔ اسی طرح تکبیر تحریمہ میں بھی پھرتی چاہیے۔

اگر امام اتنے عرصہ تک سلام نہ پھیرے جس کو بالعموم دیر سے تعبیر کیا جاتا ہے تو سب کی نماز باطل ہو جائے گی، اگرچہ مقتدی بطور خود سلام پھیر دے، کیونکہ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ سلام پھیرنا ہر نمازی کے لئے رکنِ نماز ہے۔ پس اگر امام نے ترک کر دیا تو اس کی نماز جاتی رہی اور اس کے ساتھ ہی مقتدیوں کی نماز بھی جاتی رہی۔

تیسری رکوع اور سجود میں امام کی پیروی کرنا۔ اس کی تین صورتیں ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ بھول کر یا غلطی سے امام سے پہلے سجدہ میں چلا جائے تو ایسی حالت میں چاہیے کہ امام کے رکوع یا سجدہ کا انتظار کیا جائے۔ جب امام (رکوع یا سجدہ) کرے تو اطمینان سے اس کے ساتھ شریک ہو جائے۔ اس سے کوئی حرج نہیں۔ ہاں اگر امام کا انتظار نہ کیا اور قصداً یا نادانستہ طور پر سجدہ سے سر اٹھا لیا تو نماز جاتی رہے گی۔ اگر بھولے سے سر اٹھا لیا ہے تو امام کے ساتھ رکوع یا سجود میں شامل ہونے کے لئے پھر جھک جائے تو نماز صحیح ہو جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ارادۃً امام سے پہلے رکوع یا سجود کیا ہے، ایسی صورت میں بھی اگر رکوع یا سجود میں امام کے ساتھ شریک ہونے کے لئے اس کا منتظر رہا تو نماز ہو جائے گی۔ لیکن ارادۃً امام پر پیش دستی کرنے کا گناہ ہوگا۔ لیکن اگر امام کا انتظار نہ کیا اور رکوع یا سجدہ سے اٹھ گیا اور ایسا ارادۃً کیا ہے تو نماز جاتی رہی۔ سہواً ایسا ہوا تو چاہیے کہ پھر امام کے ساتھ شریک ہونے کے لئے مڑ جائے۔ اس سے کچھ نہیں بگڑتا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مقتدی اتنی تاخیر کر دے کہ امام اپنا رکن پورا کر لے۔ مثلاً امام رکوع کر کے اٹھ جائے اور مقتدی کھڑا ہوا پڑھتا ہی رہے تو اس صورت میں مقتدی کی نماز باطل ہو جائے گی۔ لیکن باطل ہونے کی دو شرطیں ہیں: اول یہ کہ ایسی صورت رکعت

Marfat.com

اولیٰ میں ہوئی ہو۔ اگر یہ پہلی رکعت کے علاوہ کسی اور رکعت میں ہوئی تو نماز ہو جائے گی لیکن اس (تاخیر) کا گناہ ہوگا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ایسا ارادۃً کیا ہو، بھولے سے نہ ہوا ہو۔ اگر سہواً ایسا ہوا تو چاہیے کہ مقتدی اس رکعت کو رائگاں قرار دے کر امام کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد دوبارہ پڑھے۔

چوتھی صورت وہ ہے جس میں امام کی پیروی ضروری نہیں ہے۔ اس کی تین حالتیں ہیں: پہلی حالت یہ ہے کہ وہ ایسا امر ہو جو امام کے نہ کرنے پر بھی مقتدی کو کرنا چاہیے۔ ان میں بعض باتیں سنت ہیں۔ مثلاً تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز کی دوسری تکبیریں۔ اس طرح تشہد ہے کہ مقتدی کے لئے ان کا بجالانا سنت ہے، اگرچہ امام نے نہ کیا ہو۔ اسی طرح عید کی تکبیریں ہیں کہ امام کے ترک کرنے پر بھی مقتدی کو کہہ لینا چاہیے۔ ایسی باتوں میں بعض مستحب ہیں، جیسے فرض نمازوں کے بعد امام تشریق کی تکبیریں جن کا ذکر نماز عیدین کے بیان میں کیا گیا۔ پس مقتدی کے لئے ان تکبیرات کا کہنا مستحب ہے، اگرچہ امام سے رہ گئی ہوں۔ اسی طرح تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کا اٹھانا۔ یہ امام اور مقتدی دونوں کے لیے مستحب ہے۔ اگر امام ترک کر دے تو تب بھی مقتدی کو چاہیے کہ وہ ہاتھ اٹھائے۔

تیسری حالت وہ ہے جس میں امام کی متابعت کرنا درست نہیں ہے، جیسے وہ غیر مشروع امور جو امام سے بحالت نماز سرزد ہوں۔ یعنی کوئی فعل (حد مشروع سے) زیادہ کرنا یا کم کرنا۔ مثلاً اگر نماز کے اندر ارکان نماز میں سے کوئی رکعت یا سجدہ وغیرہ امام نے زیادہ کیا تو مقتدی کو اس کی پیروی نہیں کرنا چاہیے۔ اسی طرح عید کی تکبیریں اگر اس تعداد سے جو مالکیوں کے نزدیک مقرر ہے، امام نے زیادہ کہیں تو مقتدی کو چاہیے کہ اس کی متابعت نہ کرے۔ علیٰ ہذا اگر امام نماز کا کوئی رکن زیادہ کرے مثلاً ظہر کی چار رکعتیں پڑھ کر بھولے سے کھڑا ہو جائے تو چاہیے کہ مقتدی اس کی پیروی نہ کرے بلکہ بیٹھا رہے اور امام (کو غلطی سے آگاہ کرنے) کے لئے سبحان اللہ کہہ دے۔ اگر مقتدی نے (امام کا سہو جانتے ہوئے) اس کی متابعت کی تو مقتدی کی نماز جاتی رہے گی، ہاں اگر نماز کے بعد یہ معلوم ہوا کہ مقتدی ہی نے غلط سمجھا تھا اور امام کا کھڑا ہو جانا صحیح تھا (تو نماز نہیں جائے گی)۔

واضح ہو کہ اگر امام جلسۂ اولیٰ نہ کرے اور سب لوگ (اس کے ساتھ) تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے لگیں اور دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے زمین سے اٹھائے نہ تھے کہ رجوع کر لیا تو کچھ حرج نہیں۔ لیکن اگر ہاتھ اور گھٹنے زمین سے اٹھنے کے بعد رجوع کیا تو بقول صحیح نماز باطل نہ ہوگی، لیکن سلام کے بعد سجدۂ سہو کر لینا چاہیے، کیونکہ کھڑے ہونے سے پہلے رجوع کرنا فرض ہے اور چاہیے کہ سورۂ فاتحہ پڑھ لے۔ مقتدی ان تمام امور میں امام کی پیروی کرے۔ اس بارے میں حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایسا ہوا اور کوئی شخص تقریباً کھڑا ہو گیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ نماز کے دوران مقتدی کو سجدۂ تلاوت میں امام کی متابعت کرنی چاہیے۔ اگر امام نے سجدہ نہ کیا جیسے کوئی حنفی امام ہو اور یہ خیال کرتا ہو کہ رکوع کے ساتھ سجدۂ تلاوت بھی ادا ہو جاتا ہے تو مقتدی کو بھی (اس کے ساتھ) سجدۂ تلاوت ترک کر دینا چاہیے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مقتدی کا امام کی پیروی کرنا یہ ہے کہ مقتدی تکبیر تحریمہ اور سلام یا کسی فعل نماز میں امام پر سبقت نہ کرے۔ اگر تکبیر تحریمہ پہلے کہہ دی تو نماز نہ ہوگی، خواہ قصداً ایسا کیا ہو یا بھولے سے ہوا ہو۔ تکبیر تحریمہ امام کے ساتھ ساتھ کہنے سے نماز منعقد ہی نہیں ہوتی۔ غرض تکبیر تحریمہ میں امام کی ہمنوائی سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ البتہ دوسرے ارکانِ نماز

Marfat.com

اگر امام کے ساتھ ساتھ ادا کیے جائیں تو (نماز فاسد نہیں ہوتی بلکہ) مکروہ ہوتی ہے۔ اگر مقتدی امام سے پہلے ہی سلام پھیر دے اور ارادۃً ایسا کیا ہو تو مقتدی کی نماز جاتی رہے گی۔ اگر مقتدی نے امام سے پہلے سلام پھیر دیا اور امام کے ساتھ بعد میں پھر سلام نہیں پھیرا تو نماز باطل ہو جائے گی۔

واضح ہو کہ نماز اسی حالت میں باطل ہوگی جب کہ مقتدی نے تکبیر تحریمہ یا سلام میں امام سے مسابقت کی ہو۔ اس کے علاوہ کسی اور فعل میں مسابقت کرنا ان صورتوں سے باہر نہیں کہ یا تو امام سے پہل رکوع میں ہوگی یا سجدے کے لئے جھکنے میں یا سجدے میں، یا قیام میں، ان میں سے ہر ایک کے جدا جدا احکام ہیں۔ اگر رکوع امام سے پہلے کیا بایں طور کہ رکوع میں جا کر امام کے رکوع میں جانے سے پہلے ہی اٹھ گیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ لیکن اگر امام سے پہلے رکوع میں گیا اور رکوع میں رہا یہاں تک کہ امام کے ساتھ رکوع میں شامل رہا تو نماز باطل نہ ہوگی اور اگر (امام سے پہلے رکوع کیا لیکن) پھر واپس مڑ کر امام کے رکوع کرنے کے بعد دوبارہ رکوع کر لیا، یا رکوع کیا اور امام سے پہلے بھولے سے یا غلطی سے اٹھ گیا تو واجب ہے کہ رجوع کر کے رکوع کرے اور امام کے بعد رکوع سے اٹھے۔ ان حالات میں جو کچھ پہلے کیا گیا وہ رائگاں گیا۔ اگر کوئی شخص رکوع میں گیا اور ارادۃً یا سہواً امام سے پہلے اٹھ کر کھڑا رہا، یہاں تک کہ امام اپنے رکوع سے فارغ ہو کر اٹھا اور سجدے میں جانے لگا تو وہ بھی امام کے ساتھ شامل ہو گیا تو اس صورت میں اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ یہ تو وہ صورت تھی جب کہ رکوع میں جانے کے بعد امام سے پہلے رکوع سے اٹھا جائے۔ اگر یہ صورت ہو کہ پہلے امام رکوع سے اٹھا اور مقتدی نے قصداً اسی کی متابعت نہ کی تو نماز جاتی رہے گی، لیکن اگر امام کی پیروی بھول کر یا کسی معذوری سے نہ کی اور (امام سے پہلے) اٹھ گیا تو نماز باطل نہ ہوگی۔ اس صورت میں واجب یہ ہے کہ بطور خود رکوع کر کے اٹھے، بشرطیکہ دوسری رکعت کا امام کے ساتھ ادا کرنے میں فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر اس کا اندیشہ ہو تو (رکوع نہ کرے، بلکہ) امام کی پیروی کرے اور چونکہ وہ رکعت رائگاں گئی اسی لئے امام کے سلام پھیرنے پر اس کی قضا لازم ہے۔ اس مسئلہ میں رکوع کی مثال دوسرے افعال نماز کی سی ہے۔ مثلاً سجدہ یا قیام یا کوئی اور عملِ صلوٰۃ کہ اگر ان میں سے کسی فعل میں بھولے یا معذوری کے باعث امام کی پیروی نہیں کی گئی تو واجب ہوگا کہ اس کو تنہا ہی ادا کرے، بشرطیکہ یہ اندیشہ نہ ہو کہ آئندہ کا عمل امام کے ساتھ انجام نہ دیا جا سکے گا۔ ایسا اندیشہ ہو تو اگلے اعمال میں امام کی پیروی کرے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ رکعت (جو رہ گئی ہے) پوری کرے۔

یہ مسئلہ اس حالت کا ہے جب کہ رکوع کی حالت میں امام کی اتباع نہیں کی گئی، اگر اس وقت امام کی پیروی نہیں کی گئی جب کہ وہ سجدہ میں جانے لگا، یعنی امام سجدہ کے لئے جھکا اور خود کھڑا رہا، یہاں تک کہ امام سجدہ میں گیا اور اب وہ بھی سجدہ کو جھکا اور امام کے ساتھ سجدہ میں شامل ہو گیا، یا یہ صورت ہوئی کہ دوسری رکعت میں سجدہ کر کے امام سے پہلے اٹھ گیا تو نماز باطل نہ ہوگی، لیکن یہ واجب ہوگا کہ پھر سجدہ میں جا کر امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔ اگر یہ امر (امام سے پہلے سجدہ سے اٹھ جانا) سہواً ہوا تو بطریق اولیٰ نماز باطل نہ ہوگی، تاہم رجوع کرنا واجب ہوگا اور امام کی پیروی لازم ہوگی اور جو عمل تنہا کیا وہ رائگاں جائے گا، لہٰذا اگر اس کو پورا نہ کیا تو وہ رکعت شمار میں نہ آئے گی اور اس رکعت کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد پورا کرنا واجب ہوگا۔ اگر نماز کے دو رکعتوں میں امام کی پیروی نہیں کی گئی، مثلاً امام نے رکوع کیا اور سجدہ کر کے اٹھ گیا اور کوئی

Marfat.com

شخص اب تک کھڑا ہوا ہے اور ایسا اس نے دانستہ کیا ہے تب تو (ظاہر ہے کہ) بہر حال نماز باطل ہوگی اور اگر سہواً ایسا ہو گیا ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ ان دونوں رکعتوں کو تنہا انجام دے کر باقی افعال میں امام کے ساتھ شامل ہو سکتا ہے تو ایسا کیا جا سکتا ہے۔ بصورت دیگر وہ رکعت رائگاں ہوگی اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس کو پورا کرنا لازم ہے۔ اگر کسی معذوری کے باعث پوری ایک رکعت یا اس سے زیادہ امام کے ساتھ نہ پڑھی جا سکی، مثلاً بیٹھے بیٹھے اونگھ آ گئی تھی تو واجب ہے کہ ہوشیار ہوتے ہی باقی افعال نماز میں امام کی متابعت کرے اور جتنی نماز رہ گئی ہے، امام کے سلام پھیرنے کے بعد اسے پورا کر لے، کیونکہ اس صورت میں اس کو مسبوق (جو جماعت کے اندر بعد میں شامل ہوا) قرار دیا جائے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مقتدی کے لئے اپنے امام کی پیروی ان تمام امور میں واجب ہے جن کو بعض لوگوں نے ''شروط قدوہ'' (یعنی مقتدی ہونے کے شرائط) سے تعبیر کیا ہے، وہ امور یہ ہیں:

اول تکبیر تحریمہ جس میں امام کی پیروی شرط ہے۔ اگر مقتدی نے (تکبیر تحریمہ کو) امام سے پہلے کہہ لیا یا کسی ایک حرف میں بھی امام کے ساتھ شامل رہا تو وہ نماز قطعاً نہ ہوگی اور اگر تکبیر تحریمہ میں پیش قدمی کے متعلق شک رہا تب بھی نماز باطل ہو جائے گی، بشرطیکہ یہ شک نماز کے دوران لاحق ہوا ہو۔ اگر یہ شک نماز پوری کرنے کے بعد پیدا ہوا تو اس شک سے کچھ نہیں ہوتا، یعنی نماز کا دہرانا واجب نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ کہ مقتدی امام سے پہلے سلام نہ پھیرے۔ ایسا ہوا تو مقتدی کی نماز جاتی رہے گی۔ ہاں اگر امام کے ساتھ ساتھ ہی سلام پھیرا تو نماز صحیح لیکن مکروہ ہوگی اور اگر اس امر میں شک ہے کہ شاید امام سے پہلے سلام پھیر لیا ہے تو نماز باطل ہو جائے گی۔

تیسری شرط یہ کہ مقتدی نے ارکان نماز میں سے دو رکن امام سے پہلے نہ ادا کئے ہوں۔ اس صورت میں مقتدی کی دو حالتیں ہو سکتی ہیں: پہلی حالت یہ ہے کہ وہ مدرک ہو۔ مدرک وہ ہے جو (شامل جماعت ہو کر) اتنی دیر امام کے ساتھ نماز میں شریک رہے جتنی دیر میں سورۂ فاتحہ پڑھی جا سکے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ مقتدی ''مسبوق'' ہو۔ مسبوق وہ ہے جس کو (شروع سے شامل جماعت ہو کر) اتنی دیر تک امام کے ساتھ شریک ہونے کا وقت نہ ملا ہو۔ اب اگر کوئی مدرک نماز کے دو رکن امام سے پہلے بطور خود انجام دے، مثلاً یہ کہ امام ابھی قیام میں ہے اور خود تنہا رکوع کر کے اٹھا اور سجدہ کو جھک گیا، امام کے ساتھ شامل نہ ہوا تو نماز باطل ہو جائے گی، بشرطیکہ یہ دو باتیں پائی جائیں: اول یہ ہے کہ دو رکن امام سے پہلے ادا کئے ہوں، جیسا کہ ذکر ہوا۔ اگر صرف ایک رکن میں امام سے سبقت کی۔ مثلاً یہ کہ امام قرأت کر رہا ہو اور خود تنہا رکوع میں چلا جائے اور ہنوز رکوع سے اٹھا نہ ہو کہ امام بھی رکوع میں چلا جائے اور یہ بھی امام کے ساتھ شریک رکوع ہو گیا تو اس پیش قدمی سے مقتدی کی نماز باطل نہ ہوگی۔ لیکن امام سے پہلے نماز کا کوئی رکن فعلی انجام دینا حرام ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ دونوں رکن فعلی ہوں تو قولی نہ ہوں۔ لہٰذا اگر مقتدی دو قولی رکن اپنے امام سے پہلے انجام دے۔ مثلاً تشہد اور درود امام سے پہلے پڑھ لے تو مضائقہ نہیں، خواہ ایسا قصداً کیا ہو یا لاعلمی میں یا بھول کر۔ اگر امام سے پہلے ایسے دو رکن انجام دیے جن میں سے ایک رکن قولی اور دوسرا فعلی ہو مثلاً امام سے پہلے سورۂ فاتحہ پڑھی اور رکوع کیا تو رکوع کا پہلے کر لینا حرام ہے اور قرأت جو پہلے کی اس کا مضائقہ نہیں۔ تیسری شرط یہ ہے کہ مقتدی نے دو رکن ارادۃً امام

Marfat.com

سے پہلے کر لئے ہوں۔ چنانچہ اگر امام سے پہلے رکوع میں گیا اور لاعلمی میں (رکوع کر کے) اٹھ گیا تو نماز باطل نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر بھولے میں اٹھ گیا (تب بھی نماز باطل ہو جائے گی) لیکن اس صورت میں واجب ہے کہ (بھول کا احساس ہوتے ہی) پھر رکوع میں چلا جائے اور امام کی اتباع کرے اور اس سے پہلے کا عمل رائگاں ہوگا اور ایسا ہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ فرض ادا کیا اور لاعلم آدمی کو حالت نماز میں بتایا تو واجب ہے کہ رجوع کرے اور امام کی پیروی کرے ورنہ نماز باطل ہو جائے گی۔

ان مسائل کا تعلق اس حالت سے ہے جب کہ مقتدی مدرک ہو اور خود مقتدی نے ارادۃً یا لاعلمی کے باعث، یا سہواً دو ارکان فعلی، یا دو ارکان قولی، یا ایک رکن فعلی اور ایک رکن قولی میں امام سے سابقت کی ہو۔ لیکن اگر مدرک مقتدی سے امام کی مخالفت بایں طور ہوئی کہ خود امام نے مقتدی سے پہلے کوئی فعل انجام دیا، مثلاً مقتدی کو قرأت میں دیر ہوئی ہے اور امام کی قرأت معتدل ہے (اس طرح امام مقدم اور مقتدی مؤخر ہو گیا) تو اس صورت میں مقتدی اگر امام کی مخالفت کرے اور تین طویل ارکان یعنی رکوع اور دو سجدوں میں امام کے ساتھ شامل نہ ہو سکے (یعنی خود حالت قیام میں قرأت کرتا رہے اور امام نے رکوع اور دو سجدے کر لے) تو مقتدی قابل درگزر ہے۔ (اس دوران) رکوع و سجود سے سیدھا ہونے یا دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا جو وقفہ ہے وہ نماز کے مختصر حصے ہیں، ان میں شامل نہ ہونے کو امام کی مخالفت شمار نہ کیا جائے گا۔ اگر ان سے زیادہ ارکان امام نے مقتدی سے پہلے ہی انجام دے لیے، مثلاً یہ کہ مقتدی قرأت ہی میں رہا اور امام (رکوع اور سجدوں کے بعد) چوتھے رکن میں جانے لگا تو اب مقتدی پر واجب ہے کہ (وہ قرأت کو چھوڑ کر) امام کے ساتھ شامل ہو کر اس کی پیروی کرے اور جب امام سلام پھیر لے تو مقتدی اُن افعال کو جو رہ گئے ہیں پورا کرے۔ اگر مقتدی نے پانچواں رکن شروع کرنے سے پہلے (یعنی چوتھے رکن کے اندر ہی) امام کی پیروی نہ کی تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اس مسئلہ میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑا کہ مدرک مقتدی قرأۃ مفروضہ میں مشغول رہا ہو یا قرأت مسنونہ مثلاً ابتدائے نماز کی دعا میں۔

یہ احکام مدرک مقتدی کے متعلق ہیں (جو شروع سے نماز میں امام کے ساتھ شامل رہا) جس کا ذکر مقتدی کی پہلی حالت کے تحت کیا گیا۔

مقتدی کی دوسری حالت مسبوق کی ہے اور مسبوق وہ ہے جو امام کے ساتھ شروع سے اتنی دیر شریک نہ رہا ہو جس میں سورۂ فاتحہ پڑھی جا سکے۔ مسبوق کے لئے سنت یہ ہے کہ دوسرے اعمال سنت کو چھوڑ کر صرف سورۂ فاتحہ پڑھے (اور امام کے ساتھ شامل ہو جائے)۔ ہاں اگر یہ خیال کرتا ہو کہ سنت پوری کر کے بھی وہ اس رکعت کو پا لے گا (تو قرأت فاتحہ کے ساتھ سنت بھی پوری کر سکتا ہے) اگر یہ توقع نہ ہو اور اس لئے سنت کو چھوڑ کر سورۂ فاتحہ پڑھنے لگا اور (ہنوز وہ پورا نہ ہوا تھا کہ) امام رکوع میں چلا گیا تو اب واجب ہے کہ رکوع میں امام کی پیروی کرے۔ اگر سورۂ فاتحہ کچھ باقی رہ گئی تو وہ ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔ جو شخص اس حالت میں امام کے ساتھ رکوع میں شامل نہ ہوا یہاں تک کہ امام رکوع سے اٹھ گیا تو مقتدی سے یہ رکعت جاتی رہی، لیکن نماز باطل نہ ہوگی جب تک کہ نماز کے دو فعلی رکنوں میں امام سے انحراف نہ ہو، مثلاً یہ کہ امام رکوع کر لے اور سجدہ میں جانے لگے اور خود کھڑا ہوا سورۂ فاتحہ پڑھتا رہے (اس صورت میں نماز جاتی رہے گی)۔ اگر مقتدی کسی امر سنت کی انجام دہی میں لگ گیا، مثلاً نماز کے شروع کی دعا (

Marfat.com

سیدھی کمر والے کا کمر خمیدہ کی اقتدا کرنے کا بیان

صحتِ امامت کی شرطوں میں ایک یہ ہے کہ امام رکوع کی حد تک کمر خمیدہ نہ ہو۔ اگر امام کی کمر اتنی جھکی ہوئی ہو کہ وہ رکوع ہو جائے تو تندرست آدمی کا اس کے پیچھے نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔ ہاں اسی جیسا امام ہو تو اس کی اقتدا درست ہے۔ اس مسئلہ میں تین امام متفق ہیں' شافعیہ کو اختلاف ہے؛ وہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کا اپنے جیسوں اور دوسروں کا امام بننا صحیح ہے' اگرچہ وہ رکوع کی حد تک کمر خمیدہ ہو۔

سبحانک اللّٰھم الخ) پڑھنے لگا (اور امام رکوع میں چلا گیا تو) واجب ہے کہ اس دعا کو چھوڑ کر اسی کے برابر سورۂ فاتحہ پڑھ کر رکوع میں امام کے ساتھ شامل ہو جائے، اس طرح وہ رکعت مل جائے گی، اگر امام رکوع سے اٹھ جائے اور مقتدی اٹھنے کی حالت میں شامل ہو تو واجب یہ ہے کہ رکوع سے اٹھنے میں امام کی پیروی کرے اور خود رکوع نہ کرنے لگے۔ اس کی یہ رکعت رہ جائے گی۔ اگر کوئی مقتدی اپنی قرأت واجب پوری نہ کر سکا اور امام سجدہ میں جھک گیا تو اس صورت میں واجب یہ ہے کہ نماز کی نیت توڑ دے اور نماز تنہا پڑھ لے۔ اگر امام کے مائل بسجدہ ہونے کے وقت نماز سے علیحدہ ہونے کی نیت نہیں کی تو نماز جاتی رہے گی، خواہ سجدہ کے لئے امام جھکا ہو یا نہ جھکا ہو۔ یہ مسائل مسبوق (بعد میں شامل جماعت ہونے والے) کے متعلق تھے۔

اس بارے میں چند اور امور قابل ذکر ہیں۔ منجملہ ان کے یہ کہ مقتدی سورۂ فاتحہ کا پڑھنا بھول گیا اور ہنوز امام رکوع سے اٹھا نہ تھا کہ اسے یاد آیا تو اب سورۂ فاتحہ پڑھنے کے لئے امام سے انحراف کرنا واجب ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ لیکن اگر (سورۂ فاتحہ کا نہ پڑھنا) اس وقت یاد آیا جب کہ امام کے ساتھ رکوع بھی کر لیا تھا تو اب سورۂ فاتحہ نہ پڑھنا چاہیے، بلکہ امام کے ساتھ سلام پھیرنے کے بعد یہ رکعت پوری کرے۔ اگر سورۂ فاتحہ اس انتظار میں نہ پڑھی کہ امام سورۂ فاتحہ کے بعد خاموش ہو اور امام خاموش نہ ہوا اور مقتدی کے فاتحہ پڑھنے سے پہلے ہی رکوع میں چلا گیا تو اس صورت میں وہ معذور متصور ہوگا۔ اسے لازم ہے کہ رکوع میں امام کی اتباع نہ کرے، بلکہ سورۂ فاتحہ پڑھے۔ (اس صورت میں) تین طویل ارکان کی بجا آوری تک اس کا امام کی اتباع نہ کرنا معاف ہے۔ تین طویل ارکان سے مراد ایک رکوع اور دو سجدے ہیں۔ مقتدی پر لازم ہے کہ امام کے پیچھے اپنی نماز جس حالت میں ہے اسی طرح پوری کرے، خواہ امام کے ساتھ افعال نماز میں شریک ہو سکے یا نہ ہو سکے۔

یہ احکام اس صورت میں ہیں جب کہ امام کی قرأت درمیانہ درجہ کی ہو، اگر وہ تیزی سے پڑھ رہا ہو اور مقتدی بھی امام کے موافق ہو تو جس قدر بھی سورۂ فاتحہ پڑھ سکتا ہے اتنا ہی پڑھ کر امام کے ساتھ شامل ہو جائے اور باقی کا متحمل امام ہوگا۔ اس صورت میں امام سے بقدر تین ارکان طویل کے پیچھے رہنا معاف نہ ہوگا۔

Marfat.com

امام اور مقتدی کا ادائے فریضہ میں متحد ہونا

امام اور مقتدی دونوں کا ایک ہی نماز میں شریک ہونا صحت اقتداء کی شرط ہے، اس لیے جو شخص ظہر کی نماز ادا پڑھ رہا ہے، اس امام کے پیچھے [illegible] نہیں ہوگی، اسی طرح امام کے پیچھے ظہر کی قضا نماز پڑھ رہا ہے، اس کے پیچھے [illegible] نماز نہیں ہوگی، اور جو نماز پڑھ رہا ہے اس کے پیچھے عصر کی نماز پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوگی، اسی طرح قضا نماز پڑھنے والے کے پیچھے [illegible] کا قول ہے اور یہی امام مالک اور امام احمد کا مذہب ہے۔

نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز نہیں ہوگی، البتہ فرض نماز پڑھنے والے کے پیچھے نفل پڑھنا درست ہے، کیونکہ امام شافعی کے نزدیک نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے فرض (اور [illegible]) کی نماز پڑھنے والے کے پیچھے ہو سکتی ہے، اور [illegible] کی نماز پڑھنے والے کے پیچھے ہو سکتی ہے، اگرچہ دونوں کی نماز میں [illegible] مختلف ہو، [illegible] کے نزدیک اس وقت نماز پڑھنے کی ہے اور [illegible] اس وقت نماز نہیں ہوتی ہے (اور [illegible] کی نماز [illegible] کے پیچھے درست ہوگی) [illegible] کے پیچھے نماز پڑھنا وقت کے [illegible] وقت کے [illegible] طرح [illegible] ہے، [illegible] ہے، اور یہ [illegible] حنفیہ کا مسلک [illegible] میں [illegible] ہے۔

[illegible] کہتے ہیں [illegible] نماز پڑھنے والے کی امامت جائز ہے [illegible] پڑھنے والے امام کے پیچھے ظہر کی [illegible] نماز ادا نہیں ہوگی [illegible] کہتے ہیں کہ نماز [illegible] ہے [illegible] (ترتیب) اور [illegible] (نیت) میں [illegible] ہے، لہٰذا ظہر کی نماز پڑھنے والے کی نماز پڑھنے والے کے پیچھے درست نہ ہوگی، کیونکہ دونوں نمازوں کی نیت میں اختلاف ہے، اسی طرح [illegible] کی نماز [illegible] نماز پڑھنے والے کے پیچھے درست نہیں، کیونکہ [illegible] میں [illegible] ہیں۔

[illegible] کہتے ہیں [illegible] نماز پڑھنے والے امام کے پیچھے جب تک [illegible] کی [illegible] درست نہیں ہے [illegible] مقتدی نے بھی [illegible] نماز کی نیت کی [illegible] کی [illegible] پڑھنے کی نیت کی ہو [illegible] نماز [illegible] ہوگی، [illegible] نماز پڑھنے والے کی نماز کے پیچھے نہیں ہوگی [illegible] والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے، حنفیہ کا [illegible] ہے [illegible] کا وقت نکل جانے کے بعد چار رکعت [illegible] کے پیچھے پڑھ سکتا ہے، کیونکہ وقت نماز نکل جانے کے بعد مقتدی پر صرف دو رکعتیں فرض ہیں، لہٰذا اس پر [illegible] ہوگی [illegible] چار رکعت نماز فرض ہے کیونکہ وہ مقیم ہے لہٰذا اس کے حق میں قعدہ اولیٰ (فرض نہیں،

واضح ہو کہ مختلف مسالک کی رو سے امامت کی کچھ اور شرطیں بھی ہیں، ان کی تفصیلی ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

بلکہ) سنت ہے، لہٰذا اس طرح فرض ادا کرنے والے کو سنت ادا کرنے والے کی پیروی لازم آتی ہے جو صحیح نہیں ہے۔ اس کی تفصیل مسافر کی نماز کے بیان میں آرہی ہے۔

۱۔ حنفیہ نے اقتدا کے صحیح ہونے کی شرائط میں اس شرط کا اضافہ ہے کہ امام اور مقتدی کے درمیان عورتوں کی صف حائل نہ ہو۔ اگر ان کی صف میں تین عورتیں ہیں تو ان کے پیچھے کی تمام صفوں میں سے تین مردوں کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر دو عورتیں ہیں تو ان کے پیچھے کی تمام صفوں میں سے دو مردوں کی نماز فاسد ہوگی۔ اگر صرف ایک عورت آگے ہے تو ان مردوں کی نماز فاسد ہو جائے گی جو اس کے محاذ میں دائیں اور بائیں جانب اور پیچھے ہوں۔ عورت کے برابر والے مرد کی نماز فاسد ہو جانے کے مسائل مفسدات نماز (نماز کو فاسد کرنے والے امور) کے بیان میں بتائے جا چکے ہیں۔

حنابلہ نے صحتِ اقتدا کی شرائط میں یہ اضافہ کیا ہے کہ مقتدی اگر ایک ہی شخص ہے تو اسے امام کے دائیں جانب ہونا چاہیے۔ اگر کوئی ایک مرد یا مخنث بائیں جانب یا پیچھے کھڑا ہو گیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ ہاں اگر عورت ہے اور وہ امام کے پیچھے کھڑی ہو تو نماز باطل نہ ہوگی، کیونکہ وہ شریعت کے مطابق صحیح جگہ پر ہے۔ اسی طرح اگر وہ امام کے بائیں جانب ہو تب بھی نماز صحیح ہوگی۔ ہاں اگر دائیں جانب ہو تو عورت کی نماز جاتی رہے گی۔ یہ تمام مسائل اس حالت میں ہیں جبکہ مقتدی شرع کے مقرر کردہ مقام سے ہٹ کر کھڑا ہوا اور امام کے ساتھ پوری رکعت پڑھ لے۔ اگر کسی نے ایک رکعت کا کچھ حصہ ادا کیا اور پھر شریعت کی مقرر کردہ جگہ پر آ گیا اور امام کے ساتھ رکوع کیا تو نماز باطل نہ ہوگی۔

ایک اور شرط یہ ہے کہ امام عادل (نیکوکار) ہو، لہٰذا فاسق (بدکار) شخص کی امامت صحیح نہیں ہے، اگرچہ اپنے ہی جیسے کا امام بنے یا اس کا گناہ چھپا ہوا ہو۔ اگر کسی نے ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھی جس کا فسق معلوم نہ تھا، پھر نماز کے بعد معلوم ہوا تو اس نماز کا دہرانا واجب ہے، البتہ جمعہ اور عیدین کی نمازیں نہیں دہرائی جائے گی۔ یہ نمازیں فاسق کے پیچھے بھی صحیح ہیں، ان کو اعادہ کی ضرورت نہیں، بشرطیکہ نیکوکار کی اقتدا میسر نہ ہو۔ فاسق وہ شخص ہے جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا ہو یا گناہ صغیرہ میں مبتلا رہتا ہو۔

شافعیہ نے شرائط اقتداء میں یہ اضافہ کیا ہے کہ مقتدی اپنے امام کی متابعت ایسی سنتوں میں کرے جن کی مخالفت قابل ملامت ہے۔ ایسی سنتیں صرف تین ہیں:

اول جمعہ کی نماز فجر میں سجدۂ تلاوت کرنا۔ پس مقتدی پر واجب ہے کہ اگر امام سجدہ کرے تو اس کی متابعت کی جائے اور ترک کر دے تو مقتدی بھی ترک کر دے۔

دوم سجدۂ سہو کہ مقتدی پر امام کی متابعت سجدہ کرنے میں واجب ہے، لیکن اگر وہ ترک کر دے تو اس کے سلام پھیرنے کے بعد بطور خود سجدۂ سہو کر لے۔

سوم جلسۂ اولیٰ میں تشہد، امام اگر اسے ترک کر دے تو مقتدی بھی ترک کر دے۔ لیکن اگر امام سجدۂ سہو کرے تو مقتدی پر واجب نہیں ہے کہ وہ بھی کرے، تاہم اگر امام کی پیروی کر لے تو سنت ہے۔

Marfat.com

ان معذوریوں کا بیان جن سے جماعت ساقط ہو جاتی ہے

مندرجہ ذیل معذوریوں کی صورت میں نماز با جماعت کی ذمہ داری جاتی رہتی ہے:

شدید بارش، سخت سردی، اس قدر کیچڑ جو اذیت کا موجب ہو۔ مرض، کسی ظالم سے اندیشہ اور دین کے لئے قید میں پڑ جانے کا خوف، بشرطیکہ وہ قید سخت ہو، نابینا ہونا، درآنحالیکہ کوئی ساتھی نہ ہو اور خود راستہ نہ جانتا ہو وغیرہ، نیز ایسی معذوریاں جن کا ذکر ان معذوریوں کے بیان میں کیا گیا ہے، جن سے جمعہ ساقط ہو جاتا ہے۔

امامت کے لئے کون سب سے زیادہ مستحق ہے؟

اس امر کی تفصیل کہ مقابلۃً کس کا حق امامت کے لئے مقدم ہے، مختلف مسالک کی رو سے ذیلی حاشیہ میں درج ہے۔[1]

دعائے قنوت ایسی شے ہے کہ اس میں نہ امام کی پیروی اس کے کرنے میں واجب ہے اور نہ امام کی پیروی اس کے نہ کرنے میں واجب ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ امام ایسی نماز پڑھ رہا ہو جس کا دہرانا واجب نہیں ہے، لہٰذا جو شخص حدث اکبر و اصغر سے پاک نہ ہو اس کی اقتدا صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

مالکیہ نے صحت امامت کی شرائط میں یہ اضافہ کیا ہے کہ امام وہ نماز صرف فضیلتِ جماعت حاصل کرنے کے لیے پھر سے نہ پڑھ رہا ہو۔ ایسی صورت میں فرض پڑھنے والے کا دوبارہ نماز پڑھنے والے کی پیروی درست نہیں ہے، کیونکہ جو نماز پھر پڑھی جا رہی ہے وہ نفل ہے اور نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ امام نماز کے طریقے سے کہ اس سے نماز درست ہوتی ہے واقف ہو اور نماز کی شرطیں، مثلاً ٹھیک طور سے وضو اور غسل کرنا جانتا ہو، خواہ رکنِ نماز اور غیر رکنِ نماز میں امتیاز نہ کر سکتا ہو۔ اور یہ کہ نماز میں جو باتیں گناہ ہیں ان سے پاک ہو۔ مثلاً یہ کہ نماز کی شرائط اور فرائض کی ادائیگی میں سستی کرے۔ لہٰذا ایسے شخص کی امامت درست نہیں جس کے متعلق خیال ہو کہ وہ بغیر وضو کے نماز پڑھ رہا ہے، یا وہ جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی ہو۔ اگر اس کے گناہ کا تعلق نماز سے نہ ہو، مثلاً بدکاری یا شراب نوشی تو ایسے شخص کی امامت بقول راجح درست مگر مکروہ ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ امامت کا زیادہ مستحق وہ ہے جو نماز کے درست یا نادرست ہونے کے مسائل کو زیادہ جانتا ہو اور کھلے گناہوں سے بچتا ہو۔ اس کے بعد وہ شخص جو قرآن کی تلاوت اور تجوید میں بڑھ کر ہو۔ اس کے بعد وہ جو اسلام لانے والوں میں دوسروں پر مقدم ہو۔ پھر وہ جو عمر میں سب سے بڑا ہو اور مقتدی و امام دونوں پہلے سے مسلمان ہوں۔ پھر وہ جس کی جسمانی ساخت بہتر ہو۔ پھر وہ جس کی صورت سب سے اچھی ہو۔ پھر وہ جو خاندان میں اعلیٰ ہو۔ پھر وہ جس کا لباس

Marfat.com

زیادہ ستھرا ہو۔ اگر ان تمام امور میں سب برابر ہوں اور امامت کے بارے میں باہمی نزاع ہو تو قرعہ اندازی سے کام لیا جائے ورنہ جسے بھی جی چاہے امامت کے لئے آگے کر دیں۔ اگر لوگ قرعہ اندازی پر راضی نہ ہوں تو جس کے حق میں اکثریت رائے ہو اسے امام بنالیا جائے۔ اگر احیاناً اکثریت نے غیر مستحق کو امام چن لیا تو برا کیا لیکن گناہ نہیں ہے۔ یہ تمام مسائل اس صورت میں ہیں جب کہ قوم کا کوئی بادشاہ یا اس جگہ کا جہاں لوگ جمع ہوئے ہیں مالک یا وظیفہ پانے والا نہ ہو، ورنہ امامت کے لئے سب سے مقدم سلطان ہے، پھر صاحب خانہ۔ اسی طرح کسی مسجد کا مقرر شدہ امام۔ اگر گھر میں مالک اور کرایہ دار دونوں ہوں تو زیادہ حق کرایہ دار کا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جو شخص اپنے علاقہ کا والی ہو مستحب یہ ہے کہ اس کو امامت کے لئے مقدم رکھا جائے۔ اس کے بعد مقرر شدہ امام کا حق ہے۔ اس کے بعد وہ شخص جس کو وہاں رہنے کا جائز حق حاصل ہے، بشرطیکہ وہ شخص امامت کا اہل ہو۔ اگر مذکورہ اشخاص میں سے کوئی نہ ہو تو افقہ (زیادہ علم دین رکھنے والے) کو مقدم سمجھا جائے، پھر اس کو جو قرآن بہتر پڑھتا ہو، پھر زیادہ پرہیزگار، پھر زیادہ عبادت گزار، پھر اس کو جس نے پہلے ہجرت کی ہو، پھر وہ جس کو مسلمان ہوئے سب سے زیادہ عرصہ گزرا ہو، پھر وہ جو نسب میں افضل ہو، پھر وہ جو اخلاق میں بہتر ہو، پھر وہ جس کا لباس، جسم اور پیشہ زیادہ ستھرا ہو، پھر وہ جس کی آواز اچھی ہو، پھر وہ جس کی صورت خوب تر ہو، پھر وہ جو شادی شدہ ہو، ان تمام باتوں میں اگر سب یکساں ہوں تو ان میں قرعہ ڈال کر کسی کو امام بنالیا جائے اور وہ شخص جو امامت کا سب سے زیادہ حقدار سمجھا گیا، اگر کسی اور کو امامت کے لئے آگے کر دے تو جائز ہے، لیکن اس صورت میں جب کہ اس کو کسی خاص صفت، مثلاً علم دین میں فائق ہونے کے باعث مقدم نہ سمجھا گیا ہو۔ ایسی صورت ہو تو وہ ایسا نہیں کر سکتا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر ایسے شخص جمع ہوں کہ ان میں سے ہر شخص میں امام بننے کی صلاحیت ہے تو سلطان یا اس کے نائب کو مقدم رکھنا مستحب ہے، اگرچہ ان سے زیادہ صاحبِ علم و فضل کوئی موجود ہو۔ اس کے بعد مسجد کے مقرر شدہ امام اور مالک خانہ کا حق ہے اور کرایہ دار کو مالکِ مکان پر فوقیت ہے۔

اگر وہ گھر کسی عورت کا ہو تو حق امامت اسی عورت کا ہے لیکن اس عورت پر واجب ہے کہ وہ امامت کے لئے کسی کو اپنا نائب بنا دے، کیونکہ عورت کا امام بننا درست نہیں ہے۔ اس کے بعد (حق امامت اس کا ہے) جو نماز کے مسائل زیادہ جانتا ہو، پھر وہ جو علم حدیث میں بلحاظ روایت اور حفظ کے زیادہ ہو۔ پھر نکوکار کو اس پر فوقیت حاصل ہے جس کا حال معلوم نہ ہو، پھر وہ جو علم قرأت سے زیادہ واقف ہو، پھر وہ جو زیادہ عبادت گزار ہو، پھر وہ جس کا اسلام زیادہ قدیم ہو، پھر وہ جو نسب میں اونچا ہو، پھر وہ جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو، پھر وہ جس کا لباس بہتر ہو، یعنی اس نے نیا اور مباح لباس پہن رکھا ہو۔ اگر رتبہ میں سب برابر ہوں تو جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو اس کو مقدم رکھا جائے اور آزاد کو غلام پر ترجیح دی جائے۔ اگر سب باتوں میں لوگ برابر ہوں تو امامت کے لئے قرعہ ڈالا جائے۔ ہاں اگر سب لوگ کسی ایک شخص کی امامت پر راضی ہو جائیں (تو قرعہ ڈالنے کے بجائے اسی کو امام بنالیا جائے)۔ اگر یہ باہمی چپقلش برتری اور تکبر کے باعث ہوئی تو ان میں سے ہر ایک کا حق امامت جاتا رہے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ امامت کا سب سے زیادہ حقدار وہ ہے جو افقہ اور اقرأ (علمِ دین اور قرأت قرآن میں سب سے

Marfat.com

امامت کی مکروہات کا بیان

فاسق اور نابینا کا امامت کرنا

فاسق کا امام بننا مکروہ ہے، ہاں وہ اپنے ہی جیسے کا امام ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ اس پر حنفیہ اور شافعیہ کا اتفاق ہے۔ حنابلہ اور مالکیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱) اسی طرح بدعتی کی امامت مکروہ ہے، لیکن بدعت کفر تک نہ پہنچی ہو۔ اس پر سب کا اتفاق ہے اور امام کا نماز کو طول دینا مکروہ تنزیہی ہے بجز اس صورت کے جب کہ وہ محدود اشخاص کا امام ہو اور وہ لوگ اس پر راضی ہوں تو اس صورت میں مکروہ نہیں ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے، حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

زیادہ) ہو۔ اس کے بعد وہ جو فقیہ اور قرأت میں بہتر ہو، پھر وہ جو قرأت میں سب سے اچھا ہو، گو فقیہ نہ ہو تاہم نماز کے مسائل سے واقف ہو۔ اس کے بعد وہ جس کو قرآن اتنا حفظ ہو جو ایک فقیہ کے لئے واجب ہے۔ پھر وہ حافظ جو نماز کے متعلقہ مسائل کا علم رکھتا ہو، پھر قاری جو نماز کے مسائل فقہ سے واقف نہ ہو۔ اگر علم قرأت سے ناواقفیت میں سب برابر ہوں تو اس کو فوقیت ہوگی جو نماز کے مسائل سب سے زیادہ جانتا ہو۔ اگر قرأت اور فقہ (علم دین) میں سب یکساں ہوں تو سب سے بڑی عمر والا مقدم ہے، پھر وہ جو نسب کے اعتبار سے اشرف ہو، پھر وہ جس نے سب سے پہلے خود ہجرت کی ہو اور پہلے مسلمان ہونے والا پہلے ہجرت کرنے والے کے برابر ہے۔ پھر سب سے زیادہ متقی کا درجہ ہے، اس کے بعد سب سے زیادہ عبادت گزار کا۔ اگر ان تمام امور میں سب برابر ہوں تو ان میں قرعہ ڈالا جائے۔ اگر کسی گھر میں جماعت ہو رہی ہو تو سب پر مقدم گھر کا مالک ہے، بشرطیکہ اس میں امام بننے کی صلاحیت ہو۔ مسجد میں نماز ہو رہی ہو تو اس کا مقرر شدہ امام سب سے زیادہ حقدار ہے، اگرچہ امام اور مقتدی میں کوئی غلام ہو۔ یہ مسائل اس صورت میں ہیں جب کہ گھر یا مسجد میں صاحب اختیار موجود نہ ہو، اگر وہ موجود ہو تو وہی زیادہ مستحق ہے۔

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ فاسق کی امامت خواہ اپنے ہی جیسے کا امام ہو صحیح نہیں ہے، بجز جمعہ اور عید کی نماز کے، وہ بھی اس صورت میں جب کہ اس کے علاوہ کسی اور کے پیچھے پڑھنا دشوار ہو۔ غرض مجبوری کی حالت میں ایسے شخص کا امام بننا جائز ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ فاسق کا امام بننا مکروہ ہے، اگرچہ وہ اپنے ہی جیسے کی امامت کر رہا ہو۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ امام کا نماز کو طول دینا مکروہ تحریمی ہے، بجز اس صورت کے جب کہ کوئی شخص محدود اشخاص کا امام ہو اور وہ لوگ طول دینے پر راضی ہوں، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ”من امّ فلیخفف“ (یعنی جو امام ہو وہ نماز مختصر کرے)۔ مکروہ تحریمی یہ ہے کہ جو باتیں نماز میں سنت ہیں ان سے زیادہ کیا جائے۔

Marfat.com

وضو کرنے والے کا تیمّم کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا

بات یہ ہے کہ جس کا وضو ہو اس کی نماز تیمّم والے کے پیچھے اور پانی سے وضو کرنے والے کی نماز اس کے پیچھے جس نے موزہ یا جراب یا پٹی پر مسح کیا ہو، بلا کراہت درست ہے۔ اس پر حنفیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے، شافعیہ اور مالکیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

بموجب مسالک مختلفہ امامت کے کچھ اور مکروہات بھی ہیں، ان کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ یہ نماز درست ہوگی، بشرطیکہ وہ نماز جو امام پڑھا رہا ہے دہرانی نہ پڑے، لہٰذا اگر کسی نے (زخم کی) پٹی پر مسح کیا اور اس کا مسح کرنا نماز کے درست ہونے کے لئے کافی نہ تھا جب تک کہ نماز کا اعادہ نہ کیا جاتا تو اس صورت میں اس کا امام بننا صحیح ہوگا ورنہ صحیح نہ ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ وضو کر کے نماز پڑھنے والے کا تیمّم سے نماز پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ مالکیہ کے نزدیک یہ مکروہاتِ نماز میں سے ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نابینا شخص کا امام بننا مکروہ تنزیہی ہے۔ ہاں اگر وہی سب میں افضل ہو (تو مکروہ نہیں ہے)۔ یہی حکم ولد الزنا (ناجائز اولاد) کا ہے۔ عالم کی موجودگی میں بے علم کا امام بننا، خواہ وہ دیہات کا ہو یا شہر کا باشندہ اور گوری چٹی صورت والے بے ریش لڑکے کا امام بننا، اگرچہ وہ زیادہ علم رکھتا ہو، مکروہ ہے۔ یہ کراہت اس صورت میں ہے جبکہ اس کی امامت سے کوئی خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، اگر ایسا اندیشہ نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ اسی طرح ایسے شخص کا امام بننا جو بیوقوف ہو اور بھونڈا ہو یا فالج زدہ یا کوڑھ کا مریض ہو جس کے برص کے داغ پھیلے ہوئے ہوں، اور جذامی، چندھے اور اپاہج کا جو پورے قدموں کھڑا نہ ہو سکتا ہو اور وہ جس کا ہاتھ کٹا ہوا ہو امام بننا مکروہ ہے اور اس کی امامت بھی مکروہ ہے جو اجرت لے کر لوگوں کی امامت کرے۔ البتہ اگر وقف کرنے والے نے اس کی اجرت کے لئے شرط لگا دی ہو تو اس کی امامت مکروہ نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں وہ اجرت گونہ صدقہ و امداد ہے۔ نیز اس شخص کی امامت مکروہ ہے جو فروعی مسائل میں مقتدی کے مسلک سے اختلاف رکھتا ہو، بشرطیکہ اس امر کا اندیشہ ہو کہ وہ ایسے اختلاف کی پروا نہ کرے گا جس سے نماز یا وضو جاتا رہتا ہے۔ لیکن اگر اس امر میں شک نہ ہو بایں طور کہ وہ جانتا ہو کہ اسے اختلاف کی پروا ہے یا یہ کہ اسے اس اختلاف کا علم ہی نہیں تو امامت مکروہ نہ ہوگی۔ امام کا دوسرے تمام مقتدیوں سے ایک ہاتھ یا زیادہ اونچی جگہ پر کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ اگر اس سے کم اونچی جگہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ اسی طرح مقتدیوں کا بھی امام سے اتنی ہی اونچی جگہ پر ہونا مکروہ ہے۔ ان دونوں صورتوں میں کراہت اس حالت میں ہوگی جبکہ امام کے ساتھ اس کے کھڑے ہونے کی جگہ پر کوئی فردِ واحد بھی شریک جماعت نہ ہو، اگر ایک شخص یا زیادہ اشخاص اس کے ساتھ (اس جگہ پر) کھڑے ہو جائیں تو کراہت نہ رہے گی۔ نیز اس شخص کا امام بننا مکروہ ہے جسے لوگ ناپسند کرتے ہوں اور دین کی کسی خرابی کے باعث اس کے پیچھے نماز پڑھنے

Marfat.com

سے کتراتے ہوں۔نمازِ جنازہ کے سوا عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔اگر جنازے کی نماز عورتیں کرائیں تو عورت امام اُن کے درمیان (صف کے اندر) کھڑی ہو جیسے ان آدمیوں کی جماعت جن کا ستر ڈھکا ہوا نہ ہو۔عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے، خواہ جمعہ یا عید کا دن ہو یا رات کو وعظ ہو۔ہاں دن میں آنا جائز ہے جبکہ کسی خرابی کے پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔اسی طرح کسی مرد کے لئے عورتوں کا امام بننا مکروہ ہے جبکہ جماعت والے ایسے گھر میں ہوں جہاں ان کے ساتھ مرد بھی مقتدی نہ ہوں یا وہ عورتیں امام کی محرم جیسے بیوی یا بہن نہ ہوں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اس شخص کی امامت مکروہ ہے جو زبردستی امام بن گیا ہو، حالانکہ اس کا کوئی حق نہ تھا۔جو شخص نجاست سے نہ بچتا ہو یا کوئی گھٹیا پیشہ جیسے پچھنے لگانا کرتا ہو اور وہ شخص جسے بیشتر اشخاص کسی برائی کی وجہ سے ناپسند کرتے ہوں، جیسے بہت زیادہ ہنسنے کا عیب ہے۔یا وہ شخص جس کے باپ کا علم نہ ہو، یا وہ جو ناجائز اولاد ہو (ان سب کی امامت مکروہ ہے)، ہاں یہ اپنے ہی جیسے کی امامت کر سکتے ہیں۔جس کی ختنہ نہ ہوئی ہو، اگرچہ وہ بالغ ہو یا جو لڑکا (نابالغ) ہو اس کی امامت بھی مکروہ ہے، اگرچہ وہ بالغوں سے زیادہ صاحبِ علم ہو۔اسی طرح وہ شخص جس کے منہ سے حرف ''ف'' یا حرف ''و'' کی آواز نکلتی رہتی ہو اس کی امامت مکروہ ہے۔نابینا کی امامت مکروہ نہیں ہے۔جو شخص قرأت میں راگ نکالتا ہو اگر اس سے الفاظ کے معنی نہیں بدل جاتے تو اس کی امامت مکروہ ہے۔اسی طرح اس کی امامت جو مقتدی سے فروعی مسالک میں اختلاف رکھتا ہو، جیسے کوئی حنفی یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ ''بسم اللہ'' کہنا فرض نہیں ہے، مکروہ ہے۔امام کا مقتدی سے اونچی جگہ پر کھڑا ہونا یا اس کے برعکس مکروہ ہے۔جبکہ اس کی ضرورت، مثلاً یہ کہ مسجد کی بناوٹ ایسی ہو کہ اسی طرح کھڑے ہونے کا تقاضا کرتی ہو، نہ ہو۔ایسی صورت ہو تو اونچی جگہ پر کھڑے ہونے میں مضائقہ نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ''نابینا'' اور بہرے کی امامت اور غیر مختون کی امامت، خواہ وہ بالغ ہو، مکروہ ہے۔وہ شخص جس کے دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں یا ان میں سے کوئی عضو کٹا ہوا ہو اور وہ کھڑا ہو سکے تو اس کی امامت مکروہ ہے، اگر کھڑا نہ ہو سکے تو امامت ہی صحیح نہ ہوگی، ہاں اپنے ہی جیسے کی امامت کرا سکتا ہے۔وہ شخص جس کی ناک کٹی ہوئی ہو یا جسے مرگی کے دورے پڑتے ہوں اور وہ شخص جس کے منہ سے ''ف'' یا ''م'' کی آواز نکلتی رہتی ہو، یا وہ بعض حروف کو صحت کے ساتھ ادا نہ کر سکتا ہو جس سے الفاظ کے معنی نہ بدل جاتے ہوں، ان سب کی امامت مکروہ ہے۔نیز امام کا مقتدی سے بقدر ایک ہاتھ یا زیادہ اونچی جگہ پر کھڑا ہونا مکروہ ہے مقتدی اونچی جگہ پر ہو تو مکروہ نہیں ہے، ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ ہے جسے لوگ اس کے دین اور فضل میں خلل کے باعث بجا طور پر ناپسند کرتے ہوں، لیکن ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔اگر مقتدیوں میں عورتیں ہی عورتیں ہوں اور ان کے ساتھ کوئی مرد نہ ہو تو کسی مرد کا ان کی امامت کرنا مکروہ ہے، خواہ ایک ہی عورت مقتدی ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ بدوی (دیہاتی) کا شہری کی امامت کرنا مکروہ ہے، جبکہ امام دیہات ہی میں رہتا ہو اور شہری شہر میں رہتا ہو، اگرچہ وہ بدوی (دیہاتی) قرأت میں شہری سے بہتر ہو اور علم قرأت میں اسے شہری سے زیادہ واقفیت ہو، کیونکہ دیہاتیوں میں اکھڑپن اور درشتی ہوتی ہے اور امام کی حیثیت ایک شافع (سفارشی) کی سی ہوتی ہے، لہٰذا چاہیے کہ اس کی (طبیعت) میں نرمی اور مہربانی ہو۔اسی طرح ایسے شخص کا امام بننا مکروہ ہے جس کو بعض لوگ جو اصحاب فضل میں سے نہیں

Marfat.com

امام کے ساتھ مقتدی کے کھڑے ہونے کا طریقہ

اگر امام کے ساتھ صرف ایک مرد یا باشعور لڑکا ہو تو مستحب یہ ہے کہ امام کے دائیں جانب کسی قدر پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو۔ برابر کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ (1) اسی طرح بائیں جانب یا پیچھے تنہا کھڑا ہونا (مکروہ ہے)۔ اگر امام کے ساتھ دو مرد ہوں تو دونوں کا امام کے پیچھے کھڑا ہونا مستحب ہے۔ اسی طرح ایک مرد اور ایک لڑکے کی صورت میں بھی کرنا چاہیے۔ اگر ایک مرد اور ایک عورت ہو تو مرد امام کے دائیں جانب کھڑا ہو اور عورت اس شخص کے پیچھے کھڑی ہو۔ یہی مسئلہ لڑکے کا ہے۔ اگر مردوں، بچوں، مخنثوں اور عورتوں کا مجمع ہو تو آگے مرد کھڑے ہوں، ان کے پیچھے بچے، پھر مخنث اور ان کے بعد عورتیں۔ حنابلہ کے سوا ان مسائل میں سب کا اتفاق ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی ایک شخص امام کے بائیں جانب کھڑا ہو کر پوری ایک رکعت پڑھ لے تب ہی اس کی نماز باطل ہوگی۔ اگر ایک مرد اور ایک لڑکا ہو تو واجب ہے کہ مرد امام کے دائیں

ہیں امام کے کسی دینی نقص کے باعث ناپسند کرتے ہوں۔ لیکن وہ امام جس کو بیشتر اشخاص یا اہل فضل ناپسند کرتے ہوں اس کا امام بننا حرام ہے۔ کسی خصی (عضو مخصوص بریدہ) شخص کا عہدۂ امامت پر تقرر کیا جانا مکروہ ہے۔ اسی طرح اس کی امامت بھی مکروہ ہے جس کی باتوں میں عورتوں کا سا لٹکا ہو، یا جو ناجائز اولاد ہو۔ لیکن ایسے اشخاص اگر مقرر شدہ امام نہ ہوں تو ان کی امامت مکروہ نہیں ہے۔ کسی غلام کا امام مقرر کیا جانا مکروہ ہے۔ خصی شخص اور اس کے ساتھ اور جن کا ذکر کیا گیا ان کی امامت صرف فرض اور سنت نمازوں میں مکروہ ہے، نفل نماز کے لئے اگر ان میں سے کسی کو امام مقرر کیا جائے تو مکروہ نہیں ہے۔ اغلف یعنی جس کی ختنہ نہ ہوئی ہو اس کی امامت مکروہ ہے۔ اسی طرح اس شخص کی امامت جس کا حال معلوم نہ ہو کہ وہ نیکوکار ہے یا بدکار یا وہ شخص جس کا نسب معلوم نہ ہو یعنی اس کے باپ کا علم نہ ہو مکروہ ہے اور جو لوگ کشتی میں سوار ہیں ان کا امام ایسے شخص کو بنانا جو کشتی کے باہر ہے، مکروہ ہے کہ مبادا کشتی گھوم جائے اور لوگ امام کے اعمال سے بے خبر رہیں اور مسجد حرام کے اندر والے کو اس شخص (امام) کی پیروی جو کوہ ابوقبیس پر ہے، مکروہ ہے۔ عورتوں کے درمیان کسی مرد کا یا مردوں کے درمیان کسی عورت کا نماز پڑھنا مکروہ ہے اور امام کا مونڈھوں پر چادر ڈالے بغیر نماز پڑھانا مکروہ ہے درآنحالیکہ وہ نماز مسجد میں ہو۔ نیز امام کا مسجد کے محراب میں نفل پڑھنا یا محراب کے اندر ہیئت نماز میں محض بیٹھنا مکروہ ہے۔ نابینا شخص کا امام بننا جائز ہے، تاہم بینا افضل ہے۔ مقتدی کا امام سے اونچی جگہ پر ہونا جائز ہے، بشرطیکہ بڑائی کے خیال سے نہ ہو۔ ایسا ہو تو حرام ہے اور نماز باطل ہو جائے گی اگرچہ مقتدی مسجد کی چھت پر ہو۔ یہ حکم جمعہ کے علاوہ اور نمازوں کا ہے۔ چھت کے اوپر جمعہ کی نماز کا ہونا باطل ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ امام کا اپنے مقتدی سے اونچائی پر ہونا مکروہ ہے، ہاں تھوڑی سی اونچائی ہو، مثلاً ایک بالشت یا ہاتھ بھر ہو یا ضرورتاً ایسا کرنے پڑے، مثلاً یہ کہ لوگوں کو نماز کا طریقہ بتانا مقصود ہو تو جائز ہے اور بالغ آدمی کا کسی نابالغ کے پیچھے نفل پڑھنا مکروہ ہے، نیز مقیم کا مسافر کی اقتدا کرنا مکروہ ہے لیکن اول الذکر میں کراہ زیادہ ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ برابر کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے۔

Marfat.com

جانب اور لڑکا اس (شخص) کے دائیں جانب یا (امام کے) بائیں جانب کھڑا ہو، پیچھے نہ کھڑا ہو۔

امام کو چاہیے کہ وہ (صف کے آگے) درمیان میں کھڑا ہو۔ اگر دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہو تو برا کیا، کیونکہ یہ طریق سنت کے خلاف ہے اور اہل جماعت میں جو افضل ہوں انہیں صف اول میں کھڑا ہونا چاہیے، تاکہ امام کو حدث وغیرہ لاحق ہونے کی صورت میں امامت کے اہل ہو سکیں۔

پہلی صف کو دوسری پر اور دوسری کو تیسری پر اسی طرح (ہر اگلی کو پچھلی پر) فضیلت حاصل ہے اور چاہیے کہ وہ شخص جو اگلی صف کے خلا کو پر کرنا چاہتا ہے وہ اس خلا والی صف میں کھڑے ہونے کا اہل ہو۔ چنانچہ عورت کو اپنی شرعاً مقرر کردہ جگہ سے آگے بڑھ کر اس صف کے خلا کو پر نہ کرنا چاہیے جس میں اسے شرعاً کھڑے ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ رہے لڑکے سو اگر اگلی صف ناقص ہو تو (اس کے پر کرنے کے حق میں) ان کی حیثیت مردوں کی سی ہے، لہٰذا مستحب یہ ہے کہ اگر بالغ مرد موجود نہیں ہیں تو لڑکے اگلی صف کو پورا کریں۔ اس مسئلہ میں تین اماموں کا اتفاق ہے، حنفیہ کو اختلاف ہے ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

لوگوں کو چاہیے کہ جب نماز (جماعت) کیلئے صفوں میں کھڑے ہوں تو جم کر کھڑے ہوں اور خلا کو پر کریں اور ان کے مونڈھے صفوں میں برابر رہیں۔

اگر کوئی شخص نماز کو آیا اور امام کو رکوع میں پایا یا تکبیر تحریمہ کے بعد صف میں خالی جگہ معلوم ہوئی تو ان دونوں صورتوں میں کیا کرنا چاہیے؟ مسالک مختلفہ کی رو سے اس کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر صرف ایک ہی لڑکا ہے تو وہ مردوں کی صف میں داخل ہو جائے، ہاں اگر متعدد لڑکے ہوں تو وہ مردوں کے پیچھے اپنی الگ صف بنالیں اور مردوں کی صف کو ان سے پر نہ کیا جائے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نماز کو آیا اور امام حالتِ رکوع میں ہے اور سب سے پچھلی صف میں کوئی جگہ خالی ہے تو صف میں شامل ہو کر نیت باندھے، صف کے باہر تکبیر تحریمہ نہ کہے، خواہ اس میں رکعت جاتی رہے۔ صف سے باہر ہی نیت باندھ لینا مکروہ ہے، لیکن اگر پچھلی صف میں جگہ نہ ہو بلکہ کسی اور صف میں جگہ خالی ہو تب بھی صف میں شامل ہوئے بغیر تکبیر تحریمہ نہ کہے۔ ہاں اگر صفوں میں جگہ نہ ہو تو صف کے پیچھے ہی تکبیر تحریمہ کہہ لے اور چاہیے کہ اگلی صف والوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے پیچھے کھینچ لے، بشرطیکہ اس میں عمل کثیر (زیادہ حرکت) نہ کرنی پڑے، جس سے نماز فاسد ہو جائے۔ اس طرح کرنے کی غرض یہ ہے کہ ایک اور صف بن جائے۔ صفوں کے پیچھے اکیلا کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اگر مقتدی کو نماز میں شامل ہونے کے بعد، اگلی صفوں میں جو محراب کے قریب ہیں، خالی جگہ معلوم ہوئی تو مستحب یہ ہے کہ اس خالی جگہ کو پر کرنے کے لئے بمقدار ایک صف کے فاصلے کے آگے بڑھے۔ لیکن اگر مقتدی تیسری

Marfat.com

صف میں ہے اور خالی جگہ پہلی صف میں ہے تو وہاں تک نہ جائے اور اسے پر کرنے کی کوشش نہ کرے، ایسا کرنے سے نماز جاتی رہے گی، کیونکہ یہ عمل کثیر ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی نماز کو آئے اور امام حالتِ رکوع میں ہو اور پچھلی صف میں جگہ خالی ہو تو جائز ہے کہ رکعت کے پانے کے لئے باہر ہی تکبیر تحریمہ کہہ کے نیت باندھ لے اور پھر خالی جگہ کی طرف بڑھ کر اسے پر کرے، درآنحالیکہ امام رکوع میں ہو یا رکوع سے اٹھنے کے بعد جب کہ ہنوز سجدہ نہ کیا ہو۔ اگر امام کے سجدہ کرنے سے پہلے صف میں شامل نہ ہوسکا اور کسی شخص کو شامل کر کے نئی صف بنالینا ممکن نہ ہوا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اگر رکعت نکل جانے کے اندیشے کے بغیر ہی صف کے پیچھے کھڑے ہو کر نیت باندھ لی اور صف میں اس وقت داخل ہوا جب کہ امام سجدہ سے اٹھا تو نماز جاتی رہے گی۔ اگر مقتدی نے نیت باندھ لی اور پھر اگلی صف میں خالی جگہ معلوم ہوئی تو مستحب یہ ہے کہ اسے پر کرنے کے لئے آگے چلا جائے بشرطیکہ ایسا کرنے میں اتنی حرکت نہ کرنی پڑے جسے بالعموم عمل کثیر کہا جاتا ہے۔ ایسا کیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اگر کوئی شخص جماعت میں شامل ہونے کے لئے آئے اور صف میں خالی جگہ نہ ملے اور امام کے دائیں جانب کھڑا ہونا ممکن نہ ہو تو واجب ہے کہ اس صف کے کسی شخص کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے کچھ کہہ کر یا کوئی آواز نکال کر آگاہ کرے، اسے کھینچ کر آگاہ کرنا مکروہ ہے، خواہ اس کا غلام یا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ اگر (کسی کو اپنے ساتھ ملائے بغیر) پوری ایک رکعت میں تنہا ہی شریک رہا تو نماز باطل ہو جائے گی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی مقتدی آیا اور امام کو نماز میں پایا اور یہ گمان کیا کہ صف تک پہنچنے میں دیر ہونے پر بھی وہ رکعت مل جائے گی تو نیت باندھنے میں اتنی تاخیر کرنا مستحب ہے کہ صف تک پہنچ جائے۔ اگر یہ اندیشہ ہو کہ صف تک جانے کے لئے نیت باندھنے میں تاخیر کی گئی تو رکعت جاتی رہے گی تو مستحب یہ ہے کہ صف کے باہر ہی نیت باندھ لے، بشرطیکہ یہ گمان ہو کہ امام رکوع سے اٹھنے نہ پائے گا کہ وہ صف تک پہنچ کر اس میں شامل ہو جائے گا۔ اگر ایسی امید نہ ہو تو نیت باندھنے میں تاخیر کرے یہاں تک کہ صف تک پہنچ جائے، اگرچہ وہ رکعت جاتی رہے۔ لیکن اگر امام آخری رکعت میں ہے تو چاہیے کہ صف کے باہر ہی نیت باندھ لے، تاکہ جماعت میں شمولیت ہو جائے اور جب نماز کے اندر ہی خالی جگہ کو پر کرنے کے لئے بڑھنا ہو تو جس صف سے نکلنا اور جس میں شامل ہونا ہے ان کے درمیان دو صفوں تک بڑھنے کی اجازت ہے۔ اگر خالی جگہیں کئی صفوں میں ہوں تو محراب کی جانب سے پہلی صف میں جہاں جگہ خالی ہو جانا چاہیے، بشرطیکہ اس کا فاصلہ اتنا زیادہ نہ ہو، جس کا ذکر کیا گیا۔ اگر اگلی صف میں جانا ہے اور پہلی رکعت ہے تو جھک کر جانا چاہیے، دوسری رکعت میں کھڑے کھڑے جانا چاہیے۔ بیٹھے ہوئے یا سجدہ کرتے ہوئے یا رکوع سے اٹھتے ہوئے نہ چلنا چاہیے۔ ایسا کرنا مکروہ تو ہے لیکن بقول معتمد نماز باطل نہ ہوگی۔ اگر مقتدی آئے اور صف میں خالی جگہ نہ ہو تو (صف سے) باہر ہی نیت باندھ لے۔ کسی شخص کو اپنے ساتھ کھڑا کرنے کے لئے صف میں سے کھینچنا مکروہ ہے۔ اگر کسی کو کھینچا تو اس کے لئے مکروہ ہے کہ اس کی موافقت کرے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جب مقتدی آئے اور امام رکوع کی حالت میں ہو اور صف میں جگہ خالی ہو تو مستحب یہ ہے کہ صف میں شامل ہونے تک نیت میں تاخیر کرے، خواہ اس میں کوئی رکعت جاتی رہے۔ لیکن اگر نماز کی نیت باندھ لی اور پھر کسی

Marfat.com

جماعت کے ساتھ دوبارہ نماز پڑھنے کا بیان

اگر کسی نے ظہر، مغرب یا عشاء کی نماز تنہا پڑھی یا جماعت کے ساتھ ادا کی اور پھر اسی نماز کے لئے جماعت کھڑی ہو گئی تو کیا اس جماعت کے ساتھ دوبارہ وہ نماز پڑھنی چاہیے؟ اس مسئلہ کے بارے میں مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(1)

صف میں خالی جگہ معلوم ہوئی تو جائز ہے کہ صفوں کو چیرتا ہوا خالی جگہ تک پہنچ جائے، بشرطیکہ مسلسل تین قطاروں تک نہ بڑھنا پڑے اور چاہیے کہ کھڑے کھڑے جائے بہ صورت دیگر نماز جاتی رہے گی۔

واضح ہو کہ خالی جگہ کو پر کرنے کے لئے نماز پڑھنے میں اس صورت میں جانا چاہیے جب کہ نماز میں شامل ہونے سے پہلے ہی وہ جگہ خالی رہی ہو، لیکن اگر کوئی جگہ نماز میں شامل ہونے کے بعد معلوم ہوئی تو اب صفوں کو چیر کر اندر نہ جانا چاہیے۔ اگر کوئی شخص نماز کو آیا اور صف میں جگہ نہ تھی تو چاہیے کہ صف کے باہر ہی نیت باندھ لے اور سنت یہ ہے کہ نیت باندھنے کے بعد دوران قیام میں کسی آزاد شخص کو اپنے ساتھ کھڑا کرنے کے لئے آگے سے کھینچ لے، بشرطیکہ اس اگلی صف میں جس میں سے کسی کو کھینچا ہے دو آدمی سے زیادہ ہوں، ایسا نہ ہو تو کھینچنا سنت نہیں ہے۔

ا۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ (یہ جماعت) وقت کے اندر ہو تو دوبارہ پڑھ لینا سنت ہے، خواہ پہلی نماز تنہا پڑھی ہو یا جماعت کے ساتھ۔ اس کے لئے یہ شرائط ہیں کہ دوسری بار پوری جماعت کے ساتھ نماز ہو اور یہ کہ فرض نماز کو دہرانے کی نیت ہو اور یہ کہ دوسری نماز وقت کے اندر ہو، خواہ بقول راجح صرف ایک ہی رکعت (وقت کے اندر) ہوئی ہو اور یہ کہ امام کے ساتھ دوبارہ پڑھنے والا اس نماز کو جائز یا مستحب جانتا ہو اور یہ کہ پہلی نماز فرض ہو یا ایسی سنت نماز ہو جس کی جماعت سنت ہے اور بقول راجح یہ کہ صرف ایک بار دہرائی جائے اور یہ کہ وہ نماز جنازہ نہ ہو اور یہ کہ دوسری نماز صحیح ہو اور یہ کہ وہ قضا سے بے نیاز نہ ہو (یعنی ایسی نماز نہ ہو جس کی قضا نہ ہو سکے) اور یہ کہ دوسری نماز کی نیت باندھنے کے وقت صف سے علیحدہ نہ ہو، درآنحالیکہ صف میں داخل ہونا ممکن رہا ہو۔ صف سے الگ اعادۂ نماز درست نہ ہوگا۔ ہاں اگر نیت باندھنے کے بعد صف سے علیحدہ ہو جائے تو نماز درست ہو جائے گی اور یہ کہ دوسری نماز کھڑے ہو کر پڑھی گئی ہو، بشرطیکہ کھڑے ہونے کے قابل لوگ ہوں اور یہ کہ نماز دہرانے والے وہ لوگ ہوں جن سے جماعت کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے چنانچہ جس شخص کا ستر ڈھکا ہوا نہ ہو وہ اندھیرے ہی میں نماز دہرا سکتا ہے۔ اگر ان شرائط میں سے کوئی بھی شرط پوری نہ کی جائے تو دوبارہ نماز پڑھنا درست نہ ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے فرض نماز تنہا یا جماعت سے ادا کر لی ہو اور مسجد میں جماعت کھڑی ہو جائے تو اسے پھر وہ نماز پڑھ لینا سنت ہے، خواہ دوبارہ پڑھنے کا وقت ممنوع ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ امام جس کے پیچھے دوبارہ نماز پڑھ رہا ہے وہ مقرر شدہ امام ہو یا نہ ہو۔ اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت آیا جب کہ جماعت کھڑی ہو رہی تھی اور اس وقت نماز ممنوع ہے تو اب اس کو (اپنی پڑھی ہوئی) نماز کا دہرانا حرام ہے اور وہ نماز بھی نہ ہوگی، خواہ وہ مسجد میں شریک جماعت ہونے ہی کے لئے آیا ہو۔ ہاں اگر وقت ممنوع نہیں ہے اور مسجد میں وہ اپنی نماز جماعت کے ساتھ دوبارہ پڑھنے ہی کے لئے آیا ہے تو

Marfat.com

اس کا دوبارہ پڑھنا سنت بھی نہیں ہے (اگرچہ حرام نہیں ہے)، ہاں اگر اس ارادے سے مسجد میں نہیں آیا تو (شامل جماعت ہوکر) دوبارہ نماز پڑھ لینا سنت ہے۔ یہ تمام احکام مغرب کے علاوہ اور نمازوں کے متعلق ہیں۔ مغرب کی نماز کا دوبارہ پڑھنا سنت نہیں ہے اور جس نے دوبارہ نماز پڑھی تو پہلی نماز فرض رہے گی اور دوسری نفل ہوگی، لہٰذا اس کی نیت اعادہ کی یا نفل کی کوئی سی بھی ہوسکتی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جس نے نماز تنہا پڑھی ہو، یا کسی (نابالغ لڑکے) کا امام بن کر پڑھی ہو، اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ دوسری جماعت جو اس کے علاوہ (کم از کم) دو آدمیوں پر مشتمل ہو اس میں شامل ہوکر دوبارہ پڑھ لے بشرطیکہ وقت باقی ہو۔ صرف ایک آدمی والی جماعت میں شامل ہوکر نہ دہرائی جائے۔ ہاں اگر مقرر امام جماعت کرائے تو اس میں (خواہ ایک ہی شخص کی جماعت ہو) شامل ہوکر نماز دہرائی جاسکتی ہے، دوسری بار نماز پڑھنے کے مسئلہ میں مغرب اور عشاء کی نماز وتر کے بعد مستثنیٰ ہے۔ یعنی ان نمازوں کو جماعت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے دوبارہ پڑھنا حرام ہے۔ اسی طرح وہ نماز بھی دہرانے کے حکم سے مستثنیٰ ہے جو ان تین مساجد میں سے کسی میں تنہا ادا کی گئی ہو، یعنی مکہ اور مدینہ کی مسجدوں اور بیت المقدس میں پڑھی گئی نمازوں کو مسجد سے باہر کوئی جماعت ہو رہی ہو تو (اس میں شامل ہوکر) پھر پڑھنا مستحب نہیں ہے۔ ہاں خود اس مسجد میں جماعت ہو رہی ہو تو دوبارہ (شامل جماعت ہوکر) پڑھی جاسکتی ہے اور جب کوئی تنہا نماز گزار جماعت کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے دوبارہ نماز پڑھے تو لازم ہے کہ بحیثیت مقتدی کے پڑھے۔ یعنی جس نے نماز پڑھ لی ہے اس کو ایسے اشخاص کی امامت کرنا جنہوں نے نماز نہیں پڑھی درست نہ ہوگا، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا ہے۔ اور فرض نماز کو دوبارہ پڑھتے وقت یہ نیت کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ دونوں میں سے کسی کو بھی قبول فرمالے۔ اگر دوسری بار کی نماز میں نفل کی نیت کی اور یہ معلوم ہوا کہ پہلی نماز غلط ہوئی تھی تو اس دوسری نماز سے فرض ادا نہ ہوگا، اور جس نے جماعت کے ساتھ نماز ادا کی ہے اسے دوسری بار جماعت سے نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر پہلی جماعت متذکرہ بالا مساجد سے باہر کسی اور جگہ پڑھی گئی ہے اور پھر ان مساجد میں سے کسی میں آنے کا اتفاق ہوا تو مستحب یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ پھر پڑھ لے، تنہا نہ پڑھنا چاہیے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ تنہا نماز پڑھنے والے کو امام کے ساتھ شامل ہوکر دوبارہ نماز ادا کرنا جائز ہے، لیکن یہ دوسری نماز نفل ہوگی۔ اور ایسا کرنا اس صورت میں جائز ہے جب کہ امام فرض پڑھ رہا ہو، نفل نہیں، کیونکہ فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل نماز مکروہ نہیں ہے۔ البتہ نفل نماز (دوبارہ) نفل نماز کی جماعت میں مکروہ ہے، بشرطیکہ وہ جماعت تین آدمیوں سے زیادہ کی ہو، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ لہٰذا اگر کچھ لوگوں نے جماعت سے نماز ادا کر لی، پھر انہوں نے اسی نماز کو جماعت کے ساتھ پھر پڑھا اور جماعت تین آدمیوں سے زیادہ کی ہے تو یہ فعل مکروہ ہے، ہاں اس سے کم ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ اس کو بغیر اذان کے پڑھا جائے۔ اذان کے ساتھ نماز میں دوبارہ پڑھنا بہرحال مکروہ ہے اور جب یہ معلوم ہو کہ دوسری نماز نفل ہے تو اس میں نماز کی حیثیت مکروہ اوقات میں نفل نماز پڑھنے کی سی ہوگی، لہٰذا عصر کی نماز کو دہرانا جائز نہیں ہے، کیونکہ عصر کے بعد نفل نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔

اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھنے لگا اور وہ نماز ادا کی ہے، نہ قضا کی نماز ہے اور نہ نذر کی اور نہ نفلی نماز ہے، پھر جماعت

Marfat.com

ایک مسجد میں کئی بار جماعت ہونے کا بیان

ایک مسجد میں کئی بار جماعت کرنا بایں طور پر کہ یکے بعد دیگرے جماعت سے نماز پڑھی جائے، مکروہ ہے۔ اس مسئلہ میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔ (۱)

کھڑی ہوگئی تو مستحب یہ ہے کہ اس نماز کو ایک سلام پھیر کر توڑ دے تا کہ جماعت میں شامل ہونے کی فضیلت حاصل ہو جائے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ ہنوز اس نماز میں سجدہ نہ کیا گیا ہو۔

ایسی نمازیں جو کسی امر واجب وغیرہ کے ترک ہو جانے کے باعث دہرائی جائیں ان کی تفصیل فوت شدہ نمازوں کی قضا کے بیان میں آئے گی۔ ان کا تعلق ان مسائل سے نہیں ہے۔ اس صورت میں نماز کا دہرانا مکروہ نہیں ہے۔ یہ صورت نہ ہو تو مکروہ تحریمی ہے، جیسے محلّہ کی مسجد میں بغیر اذان اور اقامت کے دوبارہ جماعت کرنا مکروہ ہے۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ سر راہ جو مسجد ہو اس میں کئی بار جماعت کا ہونا مکروہ نہیں ہے۔ اس مسجد سے مراد وہ مسجد ہے جہاں نہ امام مقرر ہو اور نہ جماعت متعین ہو۔ محلّہ کی مسجد وہ ہے جہاں امام مقرر ہے اور با قاعدہ جماعت ہوتی ہے۔ ایسی مسجد میں بھی دوبارہ جماعت کا ہونا مکروہ نہیں ہے، بشرطیکہ اس کی ہیئت بدل دی جائے، مثلاً یہ کہ پہلی جماعت محراب کے اندر ہوئی اور دوسری اس سے پرے ہٹ کر پڑھی گئی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر مقرر شدہ امام جماعت سے نماز پڑھا دے تو پھر کسی اور کا دوسری بار اس نماز کے وقت میں جماعت کرانا حرام ہے۔ اسی طرح یہ بھی حرام ہے کہ مقررہ امام کے نماز پڑھانے سے پہلے ہی کوئی جماعت کرادے، بلکہ دونوں صورتوں میں مقررہ امام کے علاوہ کسی اور کا نماز پڑھانا درست ہی نہیں ہے، بشرطیکہ مقرر شدہ امام کی اجازت کے بغیر پڑھائی جائے، ہاں اس کی اجازت سے حرام نہیں ہے۔ اسی طرح وہ نماز بھی حرام نہیں ہے جبکہ امام کے آنے میں کسی معذوری کے باعث تاخیر ہو جائے یا یہ گمان ہو کہ وہ نہیں آسکے گا یا آنے کی توقع تو ہو لیکن امام کی طبیعت ایسی ہو کہ اگر اس کی ناموجودگی میں کوئی اور نماز پڑھا دے تو اسے گراں خاطر نہ گزرے۔ ایسی صورتوں میں کسی اور کا امامت کرا دینا مکروہ نہیں ہے۔ ہاں اگر مقررہ امام نماز پڑھا چکے، اس کے بعد کوئی اور شخص جماعت کرا دے تو بغیر کراہت کے جائز ہے۔ تاہم مسجد حرام اور مسجد نبوی میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ ان دونوں مساجد میں دوسری بار جماعت کرنا مکروہ ہے۔ ہاں اگر کوئی معذوری ہو جائے، مثلاً کسی شخص کو حرمین کے مقرر شدہ امام کی جماعت کے وقت نیند آ گئی تو اس کے بعد جماعت کر کے نماز پڑھ لے تو مکروہ نہیں ہے۔ امام کے لئے مکروہ ہے کہ ایک ہی نماز کی دو بار امامت کرے۔ دوسری امامت میں مثلاً فوت شدہ نماز کی قضا کی نیت ہو اور پہلی میں فریضۂ وقت کے ادا کی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مقررہ امام کی اجازت کے بغیر مسجد میں جماعت کرانا بہرحال مکروہ ہے، خواہ اس امام کی جماعت سے پہلے ہو یا بعد میں یا اس کے ساتھ، ہاں اگر مسجد سرِ راہ واقع ہو، یا مسجد کا امام مقرر نہ ہو، یا مقرر ہو لیکن مسجد میں جگہ تنگ ہے یا وقت کے نکل جانے کا اندیشہ ہے تو (جماعت مکروہ نہیں ہے) اور امام کی اجازت سے ہو تو مکروہ نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مسجد میں یا کسی بھی جگہ جہاں لوگ جماعت کے ساتھ نماز کے لئے جمع ہوتے ہوں اور وہاں امام

Marfat.com

جماعت پانے اور گھر میں جماعت کرنے کا بیان

اگر مقتدی امام کے ساتھ نماز کے کسی بھی حصہ میں شریک ہو جائے، تو جماعت مل گئی، اگرچہ وہ (صرف) قعدۂ اخیرہ میں امام کے سلام پھیرنے سے پہلے شامل جماعت ہوا ہو۔ یعنی اگر امام کے ساتھ سلام پھیرنے سے پہلے کسی نے تکبیر تحریمہ کہہ لی تو جماعت مل گئی، اگرچہ امام کے ساتھ کھڑے ہونے کا موقعہ نہ ملا ہو۔ اس مسئلہ میں حنفیہ، حنابلہ اور شافعیہ کا اتفاق ہے، البتہ شافعیہ نے جمعہ کی نماز کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تک امام کے ساتھ پوری ایک رکعت نہ پڑھی جائے جمعہ کی جماعت نہیں ملتی، جیسا کہ جمعہ کے بیان میں سابقاً بتایا گیا۔ مالکیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(1)

مقرر ہے تو اس امام کے نماز پڑھانے کے بعد دوسری بار پھر جماعت کرنا مکروہ ہے، اگرچہ امام نے اجازت دے دی ہو۔ اسی طرح نماز کے مقررہ وقت کے اندر امام سے پہلے جماعت کر لینا مکروہ ہے، ایسی صورت نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے اور کچھ لوگوں کا مقررہ امام کی جماعت کے ساتھ ساتھ الگ جماعت کرنا حرام ہے۔ مالکیہ کا اصول یہ ہے کہ جب مقرر شدہ امام کے ساتھ کوئی نماز با جماعت قائم ہو جائے تو اب کسی اور نماز کا پڑھنا جائز نہیں ہے، خواہ فرض ہو یا نفل ہو۔ نہ جماعت کے ساتھ نہ علیحدہ۔ جو شخص مسجد میں موجود ہو اس پر لازم ہے کہ وہ امام کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جائے بشرطیکہ وہ نماز جو اس وقت پڑھی جا رہی ہے اس نے نہ پڑھی ہو یا اکیلے پڑھی ہو۔ لیکن اگر وہ شخص اس نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کر چکا ہے تو لازم ہے کہ مسجد سے باہر آ جائے تاکہ امام پر طعن خیال نہ کیا جائے۔ اگر اس شخص پر جو اس وقت مسجد میں موجود ہے کوئی فریضہ اس کے علاوہ، جو امام ادا کر رہا ہے، واجب الادا ہے، مثلاً اسے ظہر کی نماز پڑھنی ہے اور وہاں نماز عصر کی جماعت کھڑی ہوئی ہے تو چاہیے کہ وہ ظاہر اعمال میں امام کی متابعت کرے اور ظہر کی نیت بطور تنہا گزار کے کرے اور ان امور کا لحاظ رکھے جو تنہا گزار کے لئے واجب ہیں۔ اگر کسی مسجد میں کئی امام مقرر ہوں ان سب کا ایک ہی وقت میں جماعت کرانا حرام ہے، کیونکہ اس میں گڑبڑی پیدا ہوتی ہے۔ ہاں اگر ترتیب سے پڑھائی جائے بایں طور کہ پہلے ایک امام پڑھائے جب وہ ختم کر لے تو دوسرا پڑھائے اور اسی طرح کیا جائے تو بقول راجح یہ عمل صرف مکروہ ہوگا (حرام نہ ہوگا)۔ ایسی مسجدوں اور ان مقامات میں جہاں کوئی امام مقرر نہیں ہے کئی بار جماعت کا ہونا مکروہ نہیں ہے کہ ایک گروہ جماعت کر لے، پھر اور لوگ آ جائیں اور وہ بھی جماعت کر لیں اور اسی طرح ہوتا رہے تو مکروہ نہیں ہے۔

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ جماعت کا ملنا اور اس کی فضیلت کا بموجب حدیث متذکرہ سابقہ حاصل ہونا پوری ایک رکعت امام کے ساتھ ادا کرنے پر موقوف ہے۔ بایں طور کہ ہنوز امام نے رکوع سے سر نہ اٹھایا ہو کہ مقتدی رکوع میں جھک جائے۔ اگرچہ اچھی طرح سے رکوع امام کے اٹھنے کے بعد ہوا ہو۔ اس کے بعد پھر امام کے ساتھ دو سجدے کرے۔ جب اس طرح پوری ایک رکعت (امام کے ساتھ) ہو جائے تب ہی اسے (شرکت جماعت کی) فضیلت حاصل ہوگی اور اس پر مقتدی ہونے کے دوسرے احکام عائد ہوں گے۔ یعنی اسی صورت میں اُس کو اس نماز کا امام بننا اور کسی دوسری جماعت میں شامل

Marfat.com

واضح ہو کہ جماعت کا ثواب حاصل ہونے میں اس سے فرق نہیں پڑتا کہ جماعت مسجد میں ہو یا گھر میں، تاہم مسجد میں (مردوں کے لئے) زیادہ فضیلت ہے عورتوں کے لئے نہیں۔

مقتدی کا کسی رکعت میں یا کل رکعتوں میں

شرکت جماعت سے رہ جانے کا بیان

واضح ہو کہ جس شخص کو امام کے ساتھ پوری نماز نہیں ملی وہ دو صورتوں سے خالی نہیں: اول یہ کہ جماعت میں شامل ہونے کے بعد نماز کی ایک رکعت یا اس سے زیادہ کسی عذر یا رکاوٹ وغیرہ کے باعث رہ جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ امام کے ساتھ جماعت میں شامل ہونے سے پہلے ہی رہ جائے۔ مثلاً یہ کہ امام کے ساتھ دوسری، تیسری یا آخری رکعت میں شامل ہو۔ ان تمام صورتوں میں مسالک مختلفہ کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(1)

ہو کر (اس نماز کا) دوبارہ پڑھنا درست ہوگا اور ایسی صورت میں اس پر لازم ہے کہ امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرے، خواہ اس سے پہلے کا سہو ہو یا بعد کا اور اسی صورت میں اسے امام پر اور ان پر جو اس کے بائیں جانب ہیں سلام کی نیت کرنا چاہیے اور دوسرے امور ان کے علاوہ جو مقتدی پر واجب ہیں ان کو بجا لائے۔ لیکن اگر کوئی شخص امام کے رکوع سے اٹھنے کے بعد شریک جماعت ہو، یا رکوع تو مل گیا، لیکن کسی معذوری مثلاً کوئی تکلیف وغیرہ جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، لاحق ہو جانے کے باعث امام کے ساتھ سجدے نہ کر سکا تو اس صورت میں جماعت کی فضیلت حاصل نہ ہوگی اور اس پر مقتدی ہونے کے مسائل عائد نہ ہوں گے، لہٰذا اگر وہ اسی نماز کی امامت کرائے تو صحیح ہوگی اور اس کے لئے مستحب ہوگا کہ جماعت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے کسی اور جماعت میں شامل ہو کر دوبارہ نماز پڑھے اور سلام کے وقت اپنے امام کی اور بائیں جانب کے مقتدیوں کی نیت نہ کرے وغیرہ۔

واضح ہو کہ مالکیوں کا مطلب یہ ہے کہ حدیث میں جس فضیلت کا ذکر ہے وہ تو پوری ایک رکعت مل جانے پر ہی موقوف ہے باقی رہا محض ثواب سو وہ اس پر موقوف نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص امام کے ساتھ محض تشہد میں شریک جماعت ہو گیا تو وہ بھی نماز کے صلہ اور ثواب سے محروم نہ ہوگا اگرچہ وہ فضیلت جو آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد میں آئی ہے حاصل نہ ہوگی کہ: ''صلاة الجماعة افضل من صلاة احد کم وحده بسبعة و عشرين درجة ''(یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا تنہا نماز پڑھنے سے بہتر درجہ بہتر زیادہ افضل ہے)۔ یہی وہ حدیث ہے جس کا پہلے حوالہ دیا گیا۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ پہلی صورت کے مقتدی کو لاحق اور دوسری صورت کے مقتدی کو مسبوق کہتے ہیں۔ لاحق تو وہ ہے جو امام کے ساتھ نماز میں شامل ہوا، پھر کل رکعتیں یا کوئی رکعت کسی عذر مثلاً ہجوم کے باعث ادا نہ ہو سکیں اور مسبوق وہ ہے جس کے جماعت میں شامل ہونے سے پہلے امام تمام رکعتیں یا کوئی رکعت پوری کر چکا ہو۔ لاحق کی حیثیت دراصل مؤتم

Marfat.com

(جس نے پوری نماز امام کے ساتھ پڑھی ہو) کی سی ہے۔یعنی وہ برابر امام کا تابع رہتا ہے،لہٰذا وہ رکعتیں جو معذوری کے باعث (امام کی متابعت سے) رہ جائیں ان کو پورا کرتے وقت قرأت نہیں کرنی چاہیے (گویا کہ وہ امام کے پیچھے ہی نماز پڑھ رہا ہے) اور اسی (رہی ہوئی رکعت) کی ادائیگی کے دوران اگر اس سے کوئی سہو ہو جائے تو اس کا سجدہ سہو بھی نہ کرنا چاہیے کیونکہ امام کے پیچھے مقتدی سے کوئی سہو ہو جائے تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔اسی طرح اگر وہ مسافر ہے تو قیام کی نیت کر لینے سے اس کا فریضہ (قصر: دو رکعت سے) چار رکعت نہیں ہو جاتا اور لاحق کے لئے فوت شدہ نماز کے پورا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ امام کے دوران ہی اس کو پورا کرے اور باقی نماز جو امام کے ساتھ مل جائے اس میں امام کی متابعت کرے۔اگر نہ ملے تو بطور خود اپنی نماز آخر تک پوری کرے اور فوت شدہ (رکعت) کی قضا کے دوران بوقت قیامت قرأت نہ کرے کیونکہ اسے امام کا تابع ہی قرار دیا گیا ہے اور اگر امام پر سجدہ سہو واجب ہو تو لاحق جب تک کہ رہی ہوئی نماز پوری نہ کر لے سجدہ سہو نہ کرے اور ایسا ممکن ہے کہ لاحق، مسبوق بھی ہو جائے،اس طرح کہ کوئی شخص دوسری رکعت میں امام کے ساتھ شامل ہو اور پھر (کسی معذوری کے باعث) ایک رکعت یا زیادہ میں امام کی متابعت نہ کر سکے۔ایسی صورت میں چاہیے کہ پہلے وہ رکعت پوری کرے جو امام کے ساتھ (جماعت میں) شامل ہونے کے بعد رہ گئی ہے اور اس سے فارغ ہو کر وہ رکعت ادا کرے جو جماعت کے اندر بعد میں شامل ہونے کے باعث رہ گئی تھی۔اس میں اسے قرأت بھی کرنی چاہیے۔غرض کوئی لاحق اگر مسبوق بھی ہو تو اسے لازم ہے کہ نماز میں شامل ہونے کے بعد جس قدر نماز رہ گئی ہے اس کی قضا بغیر قرأت کے کرے اور جس قدر نماز امام کے ساتھ مل جائے اس امام کی متابعت کرے اور اس کے بعد جس قدر نماز اس کے شامل جماعت ہونے سے پہلے رہ گئی تھی اس کی قضا میں قرأت کرے۔اگر اس دوران امام پر سجدہ سہو واجب ہوا ہو تو اس کے لئے سجدہ سہو فوت شدہ نماز کو پورا کرنے کے بعد کرنا چاہیے۔اگر (شمولیتِ جماعت سے پہلے کی) رہی ہوئی نماز کو شمولیتِ جماعت کے بعد فوت ہونے والی نماز سے پہلے ادا کیا تو نماز ہو جائے گی لیکن شرع کی مقرر کردہ ترتیب کو ترک کرنے کا گناہ ہوگا۔

اس سلسلے میں مسبوق کے متعلق متعدد مسائل ہیں،منجملہ ان کے یہ ہے کہ اگر مسبوق نے امام کو سری رکعت میں (یعنی جس میں قرأت آہستہ پڑھی جاتی ہے) پایا تو تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء (سبحانک اللّٰھم الخ) پڑھنا چاہیے،اگر نماز جہری کی رکعت ملی تو بقول صحیح ثناء نہ پڑھنی چاہیے،ہاں رہی ہوئی نماز پوری کرنے کے وقت تنہا گزار کی طرح (ثنا) پڑھے اور تسمیہ و تعوذ بھی پڑھے (یعنی بسم اللہ اور اعوذ باللہ بھی کہے) اگر امام کے رکوع یا سجود میں شریک جماعت ہوا تو دیکھ لے کہ ثناء پڑھ کر بھی رکوع یا سجود میں امام کے ساتھ شامل ہو سکے گا تو ثناء پڑھے،ورنہ نہیں۔اگر امام قعود کی حالت میں ہو تو ثناء نہ پڑھے،بلکہ تکبیر تحریمہ کہہ کے بیٹھ جائے اور امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔امام اگر مقدار تشہد بیٹھ چکا ہے تو اس کے سلام پھیرنے سے پہلے ہی کھڑے ہو کر رہی ہوئی نماز کو پورا کرنے لگنا ممنوع ہے،تاہم چند مواقع ایسے ہیں کہ جن میں ایسا کیا جا سکتا ہے۔اول جب کہ مسبوق نے موزہ پر مسح کر رکھا ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ امام کے سلام کا انتظار کیا تو مسح کی مدت پوری ہو جائے گی (اور وضو ٹوٹ جائے گا)۔دوم یہ کہ (مسبوق) صاحب عذر ہو اور وقت کے گزر جانے کا اندیشہ ہو کہ اگر امام کے سلام پھیرنے کا انتظار کیا تو (وقت صلوٰۃ گزر جانے کے باعث) وضو جاتا رہے گا۔سوم یہ کہ وہ نماز جمعہ کی ہو اور امام کے

Marfat.com

سلام پھیرنے تک عصر کا وقت آجانے کا اندیشہ ہو۔ چہارم اسی طرح نماز عیدین میں عصر کا وقت آجانے کا اندیشہ ہو، یا امام کے سلام پھیرنے کے انتظار میں آفتاب کے طلوع ہو جانے کا ڈر ہو۔ پنجم یہ کہ حدث کے لاحق ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ ششم یہ کہ امام کے سلام پھیرنے کا انتظار کر کے اگر رہی ہوئی نماز کو پورا کرنے میں لگا تو سب لوگ چلے جائیں گے۔ ان تمام صورتوں میں چاہیے کہ امام کے سلام پھیرنے سے پہلے ہی کھڑے ہو کر اپنی رہی ہوئی نماز پوری کر لی جائے۔ بشرطیکہ امام مقدار تشہد قعدہ کر چکا ہو۔ اگر مقدار تشہد پوری کرنے سے پہلے ہی کھڑا ہو گیا تو مسبوق کی نماز باطل ہو جائے گی۔

واضح ہو کہ ایسے حالات میں جس طرح مسبوق کو سلام میں امام کی متابعت واجب نہیں ہے، اسی طرح مدرک کو بھی ان معذوریوں کی حالت میں (سلام میں) امام کی متابعت واجب نہیں ہے۔ اگر ایسا کوئی عذر نہ ہو تو مقتدی پر سلام میں امام کی پیروی واجب ہے، بشرطیکہ امام نے تشہد کا وقت پورا کر لیا ہو۔ اگر امام تشہد سے پہلے ہی سلام پھیر دے تو مقتدی اس کے ساتھ سلام نہ پھیرے، بلکہ اپنا تشہد پورا کر کے سلام پھیرے۔ لیکن اگر مقتدی امام سے پہلے ہی تشہد کو پورا کر کے امام سے پہلے ہی سلام پھیر دے تو نماز مکروہ ہو گی، بشرطیکہ متذکرہ عذروں میں سے کسی عذر کے بغیر ہی ایسا کیا جائے اور سب سے بہتر طریقہ امام کی متابعت کا یہ ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ ساتھ سلام پھیرے، نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد۔ پہلے سلام پھیرنے کا مسئلہ بتایا گیا، بعد میں (یعنی تاخیر کے ساتھ) سلام پھیرا تو افضل طریقے کا تارک ہوا۔

تکبیر تحریمہ میں بھی امام کی پیروی کا یہی حکم ہے، یعنی امام کے ساتھ ساتھ تکبیر کہنا افضل ہے۔ اگر (امام کے کہنے سے) پہلے تکبیر کہی گئی تو نماز درست نہ ہو گی (اگر امام کے کہنے کے) بعد میں تکبیر تحریمہ کہی تو تحریمہ کا افضل وقت فوت کر دیا۔

منجملہ مسائلِ مسبوق کے ایک یہ ہے کہ جو رکعتیں رہ گئی ہیں ان کو پورا کرتے وقت ابتدائی حصہ میں قرأت کرنی چاہیے اور آخری حصہ میں تشہد میں بیٹھنا چاہیے۔ پس اگر مغرب کی ایک ہی رکعت ملی تو دو رکعتیں پوری کرنی ہیں۔ ان دونوں میں سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھی جائے، کیونکہ یہ دونوں رکعتیں جن کی قضا کرنی ہے وہ ہیں جن میں قرأت ہوتی ہے اور ان دونوں میں سے رکعت اولیٰ کے سرے پر بیٹھنا اور تشہد پڑھنا چاہیے، کیونکہ یہ (پہلی رکعت مسبوق کی) دوسری رکعت ہے۔ اس طرح مغرب کی نماز میں اسے تین قعدے کرنے پڑیں گے۔ اسی طرح اگر عصر کی نماز میں مثلاً ایک رکعت ملی تو پہلے ایک رکعت ادا کرے، جس میں فاتحہ اور سورہ اور تشہد پڑھے، پھر دوسری رکعت ادا کرے جس میں فاتحہ اور سورۃ پڑھے لیکن تشہد نہ پڑھے۔ پھر آخری رہی ہوئی رکعت کو پورا کرے۔ اس میں قرأت کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے۔ تاہم قرأت کر لینا افضل ہے۔ اگر مسبوق مثلاً عصر کی دو رکعتیں پا سکا تو باقی دو رکعتوں کی قضا کرے، ان دونوں میں سورۂ فاتحہ اور سورۃ پڑھے اور تشہد پڑھے اگر ان میں سے کسی میں قرأت نہ کی تو نماز باطل ہو جائے گی۔

مسبوق کے متعلقہ مسائل میں سے ایک یہ ہے کہ مسبوق کی حیثیت رہی ہوئی نماز کو پورا کرنے میں ایک تنہا گزار کی سی ہوتی ہے، بجز چار حالتوں کے: ایک تو یہ کہ وہ اپنے جیسے کسی مسبوق کی اقتدا نہیں کر سکتا اور نہ کوئی دوسرا اس کی اقتدا کر سکتا ہے۔ اگر ایک مسبوق نے دوسرے مسبوق کی اقتدا کی تو مقتدی کی نماز جاتی رہے گی، امام کی نماز باطل نہ ہو گی۔ اسی طرح مسبوق نے بھی اگر کسی کی اقتدا کی تو اس کی نماز باطل ہو گی۔ دوسری حالت یہ ہے کہ اگر مسبوق پھر سے تکبیر تحریمہ کر لے کہ

Marfat.com

ازسرنو نماز کو شروع سے انجام دے اور پہلی نماز کو توڑ دے تو صحیح ہے۔ منفرد کے لئے ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ تیسری حالت یہ ہے کہ امام سے کوئی سہو، مسبوق کے شاملِ جماعت ہونے سے پہلے ہوا اور امام کے سجدۂ سہو کرنے سے پہلے ہی مسبوق کھڑا ہوگیا کہ باقی نماز کو پورا کرے، ادھر امام سجدۂ سہو میں چلا گیا تو ایسی صورت میں مسبوق پر واجب ہے کہ وہ مڑ کر امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں شریک ہو جائے، بشرطیکہ ہنوز اس نے اس رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو۔ اگر مڑ کر وہ امام کے ساتھ سجدہ میں شامل نہ ہوا یہاں تک کہ امام نے سجدۂ سہو کر لیا تو اب اس مسبوق کو چاہیے کہ اپنی نماز پوری کر کے سجدۂ سہو کر لے۔ منفرد کا حکم اس کے خلاف ہے کہ کسی دوسرے کے سہو سے اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ چوتھی حالت یہ ہے کہ امام کو سجدۂ تلاوت یاد آیا اور اسے کرنے کے لئے لوٹا، ادھر (مسبوق) اپنی رہی ہوئی نماز پوری کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو اس حالت میں بھی مقتدی پر واجب ہے کہ مڑ کر سجدۂ تلاوت کے ادا کرنے میں اپنے امام کی متابعت کرے، کیونکہ اس میں اس کی متابعت فرض ہے اور امام کا سجدۂ تلاوت کے لئے عود کرنے میں قعدۂ آخیرہ جاتا رہے گا، لہٰذا اس کا اعادہ بھی فرض ہو جائے گا اور اس میں بھی مقتدی کی متابعت فرض ہوگی۔ اگر متابعت نہ کی تو نماز جاتی رہے گی۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ مسبوق نے اس رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو جس کے لئے وہ اٹھا تھا۔ اگر اس کا سجدہ کر لیا تو نماز فاسد ہو جائے گی، خواہ اس کے بعد امام کی متابعت بھی کر لی ہو۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ امام نے سجدۂ صلبیہ ترک کر دیا ہو۔ اگر امام نے مڑ کر سجدۂ تلاوت نہیں کیا تو اس کی اور مسبوق دونوں کی نماز صحیح ہوگی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر مقتدی امام کے ساتھ شاملِ جماعت ہونے سے ایک یا زیادہ رکعتوں میں رہ جائے تو اسے مسبوق کہتے ہیں۔ ایسے شخص پر واجب ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد فوت شدہ نماز کو پورا کیا جائے۔ اس میں جن باتوں کا تعلق قول سے ہے، ان کو بجالانے والا ''قاضی'' (قضا کرنے والا) کہا جاتا ہے اور جن باتوں کا تعلق فعل سے ہے ان کو بجالانے والا ''بانی'' (بنا کرنے والا) کہا جاتا ہے۔ قاضی کے معنی یہ ہیں کہ نماز سے جو کچھ رہ گیا ہے پہلے اس کو ادا کیا جائے، یعنی وہ حصہ نماز قرأت کے اعتبار سے جس طرح کی تھی اسی طرح ادا کی جائے، لہٰذا اسے فاتحہ اور سورت کے ساتھ یا محض فاتحہ کے ساتھ سری (آہستہ) یا جہری (اونچی آواز سے) جیسی بھی صورت ہو، اسی طرح ادا کیا جائے اور بانی کا مطلب یہ ہے کہ جن اعمال صلوٰۃ میں شامل ہو سکا ہے اس کو پہلے ہی بجالائے اور جو رہ گئے ہیں وہ نماز کے بعد پورا کرے۔ اس کی مزید وضاحت کے لئے یہ مثال ہے کہ کوئی مقتدی امام کے ساتھ چوتھی رکعت میں شامل ہوا یعنی پہلے کی تین رکعتیں رہ گئیں تو اب امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ کھڑا ہو جائے اور ایک رکعت فاتحہ اور سورت کے ساتھ اونچی آواز سے پڑھے، کیونکہ وہ رکعت قرأت کے اعتبار سے اس کی پہلی رکعت ہے۔ پھر اس رکعت کے سرے پر تشہد کے لئے بیٹھ جائے، کیونکہ عملِ جلوس کے اعتبار سے وہ دوسری رکعت ہے۔ پھر تشہد کے بعد کھڑا ہو اور ایک رکعت فاتحہ اور سورت کے ساتھ اونچی آواز سے پڑھے، کیونکہ قرأت والی یہ دوسری رکعت ہے اور اس کے خاتمہ پر تشہد کے لئے نہ بیٹھے، کیونکہ بیٹھنے کے اعتبار سے وہ تیسری رکعت ہے (جس میں بیٹھنا نہیں ہوتا)۔ اس کے بعد کھڑا ہو کر ایک رکعت پڑھے، اس میں سورۂ فاتحہ آہستہ پڑھے، کیونکہ بلحاظ قرأت وہ تیسری رکعت ہے (جس میں جہر نہیں ہوتا)۔ اس کے خاتمہ پر تشہد کے لئے بیٹھے، کیونکہ عملاً وہ چوتھی رکعت ہے۔ اس کے بعد سلام پھیرے۔ واضح ہو کہ جن قولی اجزاء میں اسے ''قاضی'' (قضا کرنے

Marfat.com

والے) کی حیثیت ہے اس میں قنوت داخل ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص نماز فجر کی دوسری رکعت میں شامل ہوا تو اسی میں امام کے ساتھ دعائے قنوت پڑھے (اگر چہ یہ اس کی پہلی رکعت ہے) پھر جب امام سلام پھیر چکے تو رہی ہوئی رکعت کو پورا کرنے کے لئے کھڑا ہو، لیکن اب قنوت نہ کرے، کیونکہ یہ رکعت بلحاظ قنوت کے پہلی رکعت ہے اور فجر کی پہلی رکعت میں قنوت نہیں ہوتی۔ غرض قرأت اور قنوت وہ قولی حصے ہیں جن میں اس کو ''قاضی'' کی حیثیت حاصل ہے۔ اگر امام کو سجدۂ سہو کرنا ہو اور یہ سجدہ اس سہو کا ہے جو سابقاً امام سے ہوا تو چاہیے کہ فوت شدہ نماز کی قضا کے لئے اٹھنے سے پہلے امام کے ساتھ وہ سجدہ کرلے اور اگر بعد میں سہو ہوا تو اس کا سجدہ اپنی باقی ماندہ نماز پورا کرنے کے بعد کرے اور اگر مسبوق نے امام کے ساتھ صرف دو رکعتیں پڑھی ہیں یا ایک رکعت سے کم پڑھا ہے، تو باقی ماندہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے وقت تکبیر کہے، ورنہ کھڑے ہوتے وقت تکبیر نہ کہے، بلکہ خاموشی سے کھڑا ہو جائے۔ اگر مقتدی کی کچھ نماز امام کے ساتھ شامل ہونے کے بعد کسی معذوری، مثلاً بھیڑ کے باعث یا ایسی اونگھ کے باعث جس سے وضو نہ ٹوٹا ہو، رہ جائے تو اس کی تین صورتیں ہوں گی: ایک تو یہ کہ رکوع رہ گیا یا رکوع سے اٹھنا رہ گیا، دوسری صورت یہ کہ ایک یا دو سجدے رہ گئے۔ تیسری صورت یہ کہ ایک یا زیادہ رکعتیں رہ گئیں۔ پس پہلی صورت میں یعنی رکوع رہ گیا، یا امام کے ساتھ رکوع سے اٹھنا رہ گیا تو دیکھنا چاہیے کہ یہ صورت پہلی رکعت میں پیش آئی، یا کسی اور رکعت میں۔ اگر پہلی رکعت کی بات ہے تو اس وقت امام جس حال میں ہو اس کی متابعت کی جائے، لیکن یہ رکعت رائیگاں گئی، کیونکہ امام کے ساتھ رکوع پورا نہ ہونے کے باعث امام کی پیروی جاری نہ رہی اور چونکہ امام کے ساتھ وہ رکوع سے نہیں اٹھا اس لئے امام کے ساتھ اس کی رکعت کا رشتہ منقطع ہو گیا۔ اس لئے کہ رکوع کی تکمیل جبھی ہوتی ہے کہ امام کے ساتھ (رکوع سے) سر اٹھایا جائے۔ لہٰذا لازم ہوا کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس رکعت کی قضا کرے جو اس کے ساتھ ادا کرنے سے رہ گئی ہے۔ لیکن اگر یہ رکوع، رکعت اولیٰ کے علاوہ کسی اور رکعت میں رہ گیا اور یہ گمان ہو کہ مقتدی رکوع کر کے اٹھنے کے بعد بھی امام کے ساتھ سجدے میں، گو ایک ہی سجدے میں سہی، شامل ہو سکے گا تو پہلے جو کچھ رہ گیا ہے اسے پورا کرلے (اور امام کے ساتھ سجدے میں شامل ہو جائے)۔ اگر اس کا خیال صحیح ثابت ہوا (یعنی سجدہ امام کے ساتھ مل گیا) تب تو خیر (وہ رکعت مل گئی لیکن) اگر اس کی توقع کے خلاف ہوا، مثلاً یہ کہ مقتدی کے سر اٹھاتے ہی امام دوسرے سجدے سے فارغ ہو کر اٹھ گیا تو جو کچھ کیا وہ رائیگاں گیا۔ لہٰذا اس وقت امام جس حال میں ہو اس کی پیروی کرے اور اس کے سلام پھیرنے کے بعد اس رکعت کو پورا کرے۔ اگر یہ توقع ہی سرے سے نہ ہو کہ امام کے ساتھ کسی بھی سجدہ میں شریک ہو سکے گا تو یہ رکعت رائیگاں گئی اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس کو پورا کرنا ہوگا۔ اگر کوئی مقتدی ان مسائل کو نظر انداز کر کے اپنی فوت شدہ نماز ہی کو پورا کرنے لگا اور پھر امام کے ساتھ کسی قدر بھی سجدہ میں شریک ہو گیا تو نماز درست ہو جائے گی اور یہ رکعت ادا شمار کی جائے گی، ورنہ وہ رکعت باطل ہو جائے گی، کیونکہ اس نے احکام سے قطع نظر کیا۔ لہٰذا امام کے ساتھ شریک ہونے سے جو باتیں رہ گئی ہیں اسے پورا کرنا ہوگا۔

دوسری حالت یعنی ایک یا دو سجدے رہ جانے کی صورت میں یا تو مقتدی یہ توقع کرے گا کہ اگلی رکعت کے رکوع سے اٹھنے سے پہلے ہی وہ امام کے ساتھ شامل ہو سکے گا یا ایسی توقع نہ ہوگی۔ پہلی صورت میں تو اسے فوت شدہ نماز کو پورا کر کے امام کے ساتھ شامل ہو جانا چاہیے اور یہ رکعت اس کے شمار میں آجائے گی۔ دوسری صورت میں رکعت رائیگاں

Marfat.com

جائے گی۔ مقتدی کو چاہیے کہ امام جس حال میں ہو اس کی پیروی کرے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس رکعت کو ادا کرے اور سلام کے بعد زیادہ رکعت جو اسے پڑھنی پڑی ہے اس کے باعث سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا، کیونکہ ان امور کا متحمل اس کی بجائے امام ہوگا۔

تیسری حالت یہ ہے کہ امام کے ساتھ شریک نماز ہونے کے بعد ایک یا زیادہ رکعت جاتی رہی تو اس صورت میں لازم ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد قرأت اور قنوت کے لحاظ سے اسی طرح کی رکعت جیسی فوت ہوئی ہے، قضا کرے اور افعال نماز کی ادائیگی میں اس کی حیثیت بانی کی ہوگی اور کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مقتدی کی کچھ نماز شاملِ جماعت ہونے سے پہلے رہ گئی ہو اور شامل ہونے کے بعد بھی ایک یا زیادہ رکعت کسی معذوری یا ہجوم وغیرہ کے باعث رہ جائے مثال کے طور پر کوئی مقتدی چار رکعت والی نماز کی دوسری رکعت میں امام کے ساتھ شامل ہوا، دوسری اور تیسری رکعت میں شامل رہا اور چوتھی رکعت پھر فوت ہوگئی، اس طرح وہ امام سے دو رکعتوں میں پیچھے رہا، ایک رکعت شامل جماعت ہونے سے پہلے اور دوسری شامل جماعت ہونے کے بعد، ایسی صورت میں یہ حکم ہے کہ پہلے رہی ہوئی دوسری رکعت، یعنی جو امام کی چوتھی رکعت ہے اسے پورا کرے اور اس میں صرف سورۂ فاتحہ آہستہ پڑھے اگرچہ وہ نماز جہری ہو، اور اس رکعت میں جلسہ نہ کرے، کیونکہ وہ آخری رکعت امام کی ہے (مقتدی کی نہیں ہے)۔ اس کے بعد کھڑے ہو کر پہلی رکعت جس میں شمولیت سے رہ گیا تھا وہ پڑھے اور اس میں فاتحہ اور سورہ پڑھے، کیونکہ یہ پہلی رکعت (کی قضا) ہے اور اگر وہ رکعت جہری ہے تو اس میں جہر بھی کرے اور اس میں جلسہ بھی کرے، کیونکہ یہ اس کی آخری رکعت ہے، اس کے بعد سلام پھیرے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جس نے آغازِ نماز سے امام کی اقتدا کی یا ایک رکعت یا زیادہ کے بعد اقتدا کی اور پھر (نماز میں شامل ہونے کے بعد) کچھ نماز فوت ہوئی تو ان دونوں حالتوں میں وہ مسبوق ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص آغاز نماز سے امام کے ساتھ شریک ہوا، اس کے بعد غفلت یا ایسی اونگھ کے باعث جس سے وضو نہیں ٹوٹتا کوئی رکن رہ گیا تو واجب ہوگا کہ اس عذر کے دور ہوتے ہی فوت شدہ نماز کو پورا کرے، بشرطیکہ اگلی رکعت میں امام کے ساتھ رکوع میں شامل نہ ہوسکنے کے باعث اس رکعت کے فوت ہوجانے کا اندیشہ نہ ہو۔ ایسی صورت میں وہ رکعت اسے مل جائے گی۔ اگر یہ اندیشہ ہو کہ اگلی رکعت میں امام کے ساتھ شامل ہونا ممکن نہ ہوگا تو واجب ہے کہ امام کی متابعت کرنے لگے اور وہ رکعت جاتی رہی، اب اس کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس کی صفات کے ساتھ قضا کرنا واجب ہے۔ اگر کسی عذر متذکرہ سابقہ کے باعث امام سے ایک رکعت یا زیادہ میں کوئی پیچھے رہ گیا تو (اس کو پورا کرنے کا خیال ترک کر کے) امام کی متابعت کرتا رہے اور جب امام اپنی نماز پوری کرلے تو مقتدی اپنی رہی ہوئی رکعتوں کو ان کی صفات کے ساتھ پورا کرے۔ فوت شدہ نماز کو اس کی صفات کے ساتھ پورا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر پہلی رکعت فوت ہوئی ہے تو اس کی قضا میں وہ تمام باتیں کی جائیں جن کا کرنا اس میں مطلوب ہے، مثلاً دعائے استفتاح (یعنی سبحنک اللھم الخ) اور تعوذ اور فاتحہ کے ساتھ کسی سورت کا پڑھنا اور اگر دوسری رکعت کی قضا ہے تو اس میں بھی فاتحہ کے ساتھ کوئی سورۃ پڑھے اور اگر تیسری یا چوتھی رکعت ہے تو اس میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھی جائے۔ اگر کوئی شخص امام کے ساتھ شامل جماعت ہوا اور پہلی جماعت کا رکوع مل گیا لیکن سجدہ کسی معذوری کے

Marfat.com

باعث امام کے ساتھ نہ کر سکا اور وہ معذوری دوسری رکعت میں امام کے اٹھنے کے بعد دور ہوئی تو اس دوسری رکعت میں امام کی متابعت کرنی چاہیے۔ ایسا کرنے سے اس کی رکعت رکوع اول سے اگلی رکعت کے سجدۂ ثانی تک پوری ہو جائے گی۔ باقی جو کچھ رہے اس کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس رکعت کی صفات کے ساتھ پورا کرنا چاہیے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور یہ مسائل اس صورت میں ہیں جبکہ مقتدی آغازِ نماز میں امام کے ساتھ شامل رہا۔ اگر ایک یا زیادہ رکعتوں میں امام سے پیچھے رہ گیا تو اس کی قضا امام کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد کرے اور پہلے وہ رکعت پڑھے جو اس کی شمولیت سے پہلے فوت ہوئی اور جو امام کے ساتھ شمولیت کے بعد ادا ہوئی وہ اس کی آخری رکعت ہوگی۔ مثلاً اگر کوئی شخص ظہر کی تیسری رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوا تو امام کے فارغ ہونے کے بعد اس کی قضا کرے اور اس کو دعائے استفتاح، تعوذ اور فاتحہ کے ساتھ سورۃ پڑھے اور دوسری میں فاتحہ اور سورت پڑھے جیسا کہ بتایا گیا۔ اگر وہ نماز جہری ہو تو اونچی آواز سے پڑھنے کا اختیار ہے۔ لیکن جمعہ کی نماز ہو تو اس میں اونچی آواز نہ کرے اور مسبوق پر واجب ہے کہ امام کے دوسری بار سلام پھیرنے سے پہلے کھڑا ہو۔ اگر ایسے عذر کے بغیر جس میں امام سے علیحدگی مباح ہے اس سے پہلے ہی کھڑا ہو گیا تو پھر پہلی حالت پر مڑ جائے اور امام کے (سلام پھیرنے کے بعد ہی) کھڑا ہو۔ ایسا نہ کیا تو وہ نماز نفل ہو جائے گی اور اس فرض کو جو امام کے ساتھ ادا کیا گیا دہرانا واجب ہوگا۔

واضح ہو کہ مسبوق جو نماز قضا کرتا ہے وہ اس کی نماز کا ابتدائی حصہ ہوتا ہے، سوائے تشہد کے اور تشہد کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقتدی کو چار رکعت والی نماز یا نماز مغرب میں صرف ایک رکعت ملی تو چاہیے کہ ایک رکعت اور پڑھ کر تشہد پڑھی جائے، تاکہ نماز کی ہیئت نہ بگڑنے پائے۔ (نماز کی ہیئت یہ ہے کہ دو رکعت سے پہلے تشہد نہیں پڑھی جاتی) تاہم مقتدی کو چاہیے کہ نماز مغرب یا چار رکعت والی نماز میں جب امام آخری تشہد میں ہو تو وہ بھی امام کی متابعت کرے اور کولھے پر (بہ ہیئت نماز) بیٹھے۔ اگر مسبوق بھولے سے امام کے ساتھ سلام پھیر دے تو واجب ہے کہ اپنی نماز پوری کرنے کے بعد سجدۂ سہو کرے۔ اسی طرح امام کے ساتھ جو نماز پڑھی اس میں کوئی سہو ہوا یا قضا میں جو امام سے الگ ہو کر پڑھی سہو ہوا تو اس کے لئے سجدۂ سہو کرنا چاہیے۔ اگرچہ امام کے ساتھ کسی سجدۂ سہو میں شریک ہو چکا ہو۔ اگر امام سے سہو ہوا اور اس نے سجدۂ سہو نہیں کیا تب بھی مسبوق پر واجب ہے کہ اپنی رہی ہوئی نماز پوری کرنے کے بعد سجدۂ سہو کرے۔

واضح ہو کہ اگر مسبوق (کسی نماز میں) پہلا سلام پھیرنے سے پہلے امام کے ساتھ شاملِ جماعت ہو گیا تو وہ جماعت کا پانے والا قرار دیا جائے گا لیکن جب تک امام کے ساتھ رکوع میں شامل نہ ہو وہ رکعت نہیں پائے گا۔ اگر اطمینان سے امام کے ساتھ رکوع نہ کر سکا ہو تو چاہیے کہ اطمینان سے رکوع کر کے امام کی متابعت کرے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مقتدی کی دو قسمیں ہیں: (۱) مسبوق اور (۲) موافق۔ مسبوق وہ ہے جو امام کے ساتھ اتنی دیر نہ رہا ہو جتنی دیر میں ایک اوسط درجہ کا قرآن پڑھنے والا سورۂ فاتحہ پڑھ سکے، اگرچہ اسے پہلی رکعت مل گئی ہو اور موافق وہ ہے جو نیت باندھنے کے بعد اور امام کے رکوع میں جانے سے پہلے اتنی دیر تک امام کے ساتھ شریک نماز رہا ہو جتنی دیر میں سورۂ فاتحہ پڑھی جا سکے، اگرچہ یہ نماز کی آخری رکعت میں ہوا ہو۔ لہٰذا کسی کے مسبوق ہونے یا نہ ہونے کا انحصار اس بات پر ہے کہ نیت باندھنے کے بعد اور امام کے رکوع سے پہلے اتنا وقت جس میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی گنجائش ہو اسے ملا یا نہیں، ان

Marfat.com

صورتوں میں سے ہر ایک کے مسائل جدا جدا ہیں۔
مسبوق کی تین حالتیں ہیں: ایک حالت یہ ہے کہ کوئی شخص اس وقت نماز میں داخل ہو جبکہ امام حالت رکوع میں ہو۔ دوسری حالت یہ ہے کہ امام ہنوز کھڑا ہو اور وہ نماز میں داخل ہو جائے لیکن نیت باندھتے ہی امام کے ساتھ رکوع میں جانا پڑے۔ تیسری یہ کہ امام کی حالتِ قیام میں داخل ہوا لیکن امام رکوع میں جانے کے اتنے قریب تھا کہ مقتدی کو سورۂ فاتحہ کا کچھ حصہ پڑھنا ممکن تھا۔ مقتدی کے لئے پہلی دونوں صورتوں میں واجب ہے کہ امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے۔ سورۂ فاتحہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو گئی اور یہ رکعت اس کے شمار میں آجائے گی، بشرطیکہ امام کے ساتھ اطمینان سے رکوع کر لیا ہو، ورنہ شمار میں نہ آئے گی اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس رکعت کو پورا کرنا ہوگا۔ تیسری صورت میں جس قدر بھی سورۂ فاتحہ پڑھی جاسکے امام کے رکوع میں جانے سے پہلے پڑھ لے اور باقی سورہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی اس صورت میں مستحب یہ ہے کہ دعائے آغاز (سبحانک اللّٰھم) اور (تعوذ) ترک کر دے۔ اگر (ترک نہ کیا بلکہ) پڑھنے لگا تو اب واجب ہے کہ رکوع میں نہ جائے، بلکہ حالتِ قیام میں اتنی دیر تک سورۂ فاتحہ پڑھے جتنی دیر دعائے استفتاح اور تعوذ کے پڑھنے میں لگی ہے۔ اس کے بعد اگر یقینی طور پر اطمینان کے ساتھ رکوع میں امام کے ساتھ شامل رہا تو وہ رکعت مل گئی ورنہ نہیں ملی۔ اس صورت میں نماز صحیح ہوگی اور امام کی پیروی سے ہٹنا واجب نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ قرأت واجب کے پڑھنے میں لگا رہا یہاں تک کہ امام (رکوع کے بعد) سجدہ میں جانے لگا تو اب اسے امام کی متابعت سے جدا ہو جانے کا ارادہ کر لینا واجب ہے۔ اگر نہ کیا تو نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ دو فعلی ارکان میں امام کے ساتھ شمولیت سے بغیر کسی مجبوری کے تاخیر کی۔

اب رہے ''موافق'' کے متعلقہ مسائل سو اس کی تفصیل متابعت (امام کی پیروی) کے بیان میں سابقاً بتائی گئی ہے۔
واضح ہو کہ بعض اوقات مسبوق اور موافق دونوں کو اس تعریف کے مطابق جو اوپر بتائی گئی ہے، مسبوق قرار دیا جائے گا، کیونکہ کسی رکعت میں امام کے ساتھ ادا کرنے سے رہ گیا۔ ایسی حالت میں حکم یہ ہے کہ مقتدی کی ابتدائی نماز وہ متصور ہوگی جو اس نے امام کے ساتھ ادا کی، یعنی اگر امام کے ساتھ دوسری رکعت پڑھی اور پھر فوت شدہ رکعت کو پورا کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو جو رکعت اس نے امام کے ساتھ پڑھی وہ اس کی پہلی رکعت ہوئی، اگرچہ امام کی وہ دوسری رکعت ہے، لہٰذا سنت یہ ہے کہ وہ اس رکعت میں قنوت پڑھے جو اس نے بطور خود پڑھی ہے، کیونکہ وہی اس کی دوسری رکعت ہے۔ گو اس نے دوسری رکعت میں بہ پیروی امام قنوت پڑھ لی ہے۔ نیز ایسے مسبوق کی نماز جس کی سورۂ فاتحہ اس کے بجائے امام نے ادا نہیں کی، چاہیے کہ فاتحہ کے بعد سورہ سے خالی نہ ہو، لہٰذا اگر مقتدی مثلاً امام کے ساتھ ظہر کی تیسری رکعت میں شامل ہوا، پھر فوت شدہ رکعتوں کو اس نے امام کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد پورا کیا تو اس کے لئے سنت یہ ہے کہ رہی ہوئی دونوں رکعتوں میں فاتحہ کے بعد ایک آیت یا ایک سورت شامل کر لے، تا کہ اس کی نماز سورت کی شمولیت سے خالی نہ رہے۔

Marfat.com

استخلاف فی الصلاۃ

(نماز میں کسی کو خلیفہ بنانا)

استخلاف کی تعریف اور اس کے حکم شرعی ہونے کی مصلحت

فقہا کی اصطلاح میں استخلاف یہ ہے کہ امام یا مقتدیوں میں سے کوئی شخص کسی نیک آدمی کو امام کا نائب بنادے، تاکہ امام کے بجائے وہ آدمی نماز کی تکمیل کرے۔ یہ صورت اسباب متذکرہ آئندہ میں سے کسی سبب کے پیش آنے سے پیدا ہوتی ہے، مثلاً کوئی امام جماعت کے ساتھ ایک یا دو رکعتیں یا اس سے کم یا زیادہ پڑھے، پھر نماز کے دوران کوئی ایسا امر پیش آئے جو مقتدیوں کے ساتھ نماز کو پورا کرنے سے مانع ہو، جیسے کوئی ناگہانی مرض یا حدث لاحق ہو جائے، یا ایسا ہی کوئی اور امر مانع نماز پیش آجائے تو ایسی صورت میں یہ روا ہے کہ امام اپنے پیچھے نماز پڑھنے والوں میں سے یا موجودہ اشخاص میں سے کسی کو امام کے طور پر آگے کردے، تاکہ وہ باقی ماندہ نماز مقتدیوں کے ساتھ پوری کرے۔ اگر امام ایسا نہ کرے تو مقتدیوں کو چاہیے کہ اپنے میں سے کسی کا انتخاب کر کے اس امام کا قائم مقام بنالیں۔ لیکن اس عمل کے لئے نہ تو بولنا چاہیے اور نہ قبلہ کی جانب سے رخ پھیرنا چاہیے، جیسا کہ آگے بتایا جائے گا۔

ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ آخر ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا یہ آسان طریقہ معقول نہیں ہے کہ ایسی کوئی رکاوٹ پیش آئے جو امام کو نماز کے جاری رکھنے میں مانع ہو تو وہ اس نماز کو توڑ دے اور کسی نیک آدمی کو امام بنا کر جماعت سے نماز ادا کرلی جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کی نظر میں نماز ایک نہایت قابل احترام عمل ہے، لہٰذا جب کوئی انسان نماز میں مشغول ہو گیا اور خضوع و خشوع کے ساتھ اپنے رب کے حضور مصروف دعا ہوا تو اسے چاہیے کہ جب تک نماز سے فارغ نہ ہو اپنے اس مؤقف کی پاسداری کرے۔ چنانچہ اگر اس دوران کوئی عمل بھول جائے تو لازم ہوتا ہے کہ اسے پورا کرے اور سجدۂ سہو سے اس کی تلافی کرے۔ اسی طرح اگر کوئی ایسی بات پیش آئے جو نماز یا جماعت کو باطل کردے تو وہ نماز سے ہٹ کر کسی اور کو اسے پورا کرنے کے لئے اپنا نائب بنادے۔ ان تمام امور سے غرض یہ ہے کہ ایک بار نماز شروع ہو جائے تو اسے پورے طور پر ادا کیا جائے، کیونکہ شریعت اسلامیہ کی نگاہ میں اس کا پورا کرنا ضروری ہے جس سے کسی حال میں غفلت نہ کرنی چاہیے۔

Marfat.com

استخلاف کے اسباب کا بیان

اب رہا یہ سوال کہ خلیفہ بنانے کے کیا اسباب ہو سکتے ہیں؟ سو اس بارے میں مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ خلیفہ بنانے کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ امام کو بے اختیاری کی حالت میں کوئی حدث لاحق ہو جائے، مثلاً نماز کے دوران ہوا خارج ہو جائے یا کہیں سے خون یا کوئی اور نجاست جو انسان کے جسم سے خارج ہوتی ہے، بہہ نکلے (تو امام خلیفہ بنا سکتا ہے)۔ لیکن اگر نجاست لگ جائے جو نماز جاری رکھنے سے مانع ہو، یا یہ کہ امام کا ستر کھل جائے اور اسی حالت میں نماز کا ایک پورا رکن ادا کیا جائے، یا ایسی ہی کوئی اور بات ہو تو ان حالات میں امام کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اس کے ساتھ مقتدیوں کی نماز بھی جاتی رہے گی، تو اس صورت میں کسی کو نائب بنانا صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر امام قہقہہ مار کر ہنس دے یا جنون یا بے ہوشی وغیرہ کی حالت طاری ہو جائے جن کی تفصیل استخلاف کی شرائط کے بیان میں آئے گی، تب بھی وہ کسی کو خلیفہ نہیں بنا سکتا۔

کسی کو خلیفہ بنانا اس وقت جائز ہے جب کہ امام مقدار فرض قرأت کرنے سے عاجز ہو۔ لیکن اگر پیشاب یا پاخانہ روکنے کے باعث رکوع و سجود سے عاجز ہو مگر کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہو تو اس کے لئے خلیفہ بنانا جائز نہیں ہے۔ مقتدیوں کو چاہیے کہ امام کے پیچھے کھڑے کھڑے نماز پڑھیں۔ امام ابو حنیفہؒ کی یہی رائے ہے۔ نیز اگر امام کو خود کسی مضرت کا یا مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ پیش آ جائے تو اسے جائز نہیں ہے کہ کسی کو خلیفہ بنائے بلکہ چاہیے کہ وہ نماز کو توڑ دے اور مقتدی جس طرح بھی بن پڑے وہ نماز از سر نو پڑھیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ تین امور ہیں جن کی وجہ سے امام اپنا خلیفہ کسی کو بنا سکتا ہے: امر اول یہ ہے کہ امام کو نماز کے دوران مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ پیش آئے، خواہ وہ مال اس کا اپنا ہو یا کسی دوسرے کا۔ اس حالت میں تحفظِ مال کے لئے نماز کو توڑ دینا چاہیے اور مستحب یہ ہے کہ اپنی بجائے کسی کو امامت کے لئے خلیفہ بنا دے۔ لیکن یاد رہے کہ ضیاع مال کے اندیشہ سے نماز توڑنے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ مال ایسا ہو کہ اس کے نقصان یا تلف ہو جانے سے صاحبِ مال کی ہلاکت ہو یا اسے سخت نقصان پہنچے۔ ایسی صورت میں امام پر یہ واجب ہے کہ نماز سے بالکل الگ ہو جائے، مال خواہ تھوڑا ہو یا بہت ہو اور خواہ وقت میں دوبارہ نماز پڑھنے کی گنجائش ہو یا نہ ہو۔ اگر مال کے ضائع ہونے میں ایسا کوئی اندیشہ نہ ہو، لیکن غیر محفوظ حالت میں اسے چھوڑ دینے پر اطمینان طبع نہ ہو تو اس صورت میں قطعِ صلاۃ کے لئے دو شرطوں کو ملحوظ رکھنا ہوگا: پہلی شرط یہ ہے کہ وقت میں اتنی گنجائش ہو کہ اس نماز کو وقت گزرنے سے پہلے ادا کیا جا سکے گا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ مال زیادہ ہو۔ مال کی زیادتی سے یہاں یہ مراد ہے کہ صاحبِ مال کے نزدیک اس کی بڑی قدر و قیمت ہو۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی شرط نہ ہوئی تو نماز سے الگ ہونا درست نہیں ہے۔ جان کے خوف کی مثال بھی مال کے خوف کی مانند ہے کہ جان کی ہلاکت یا نقصان کا ڈر ہو۔ چنانچہ اگر کسی نابینا کے موٹر سے کچلے جانے یا کسی گہرے گڑھے میں گر پڑنے کا اندیشہ ہو جس میں گرنے سے جان کا خطرہ ہے تو اسے بچانے کے لئے نماز کو توڑ دینا واجب ہے۔

Marfat.com

... جان کے خوف سے نماز توڑ دینے کے لئے مذکورہ شرائط موجود ہوں تو امام پر فرض ہو جاتا ہے کہ نماز منقطع کر دے اور ... یہ ہے کہ کسی کو اپنا خلیفہ بنا دے جس کے ساتھ لوگ اپنی نماز پوری کر لیں۔ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ ایسا کوئی اندیشہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز توڑ دینا واجب ہے، لیکن ایسے اندیشے کی صورت میں خلیفہ بنانا جائز نہیں ہے بلکہ ایسی حالت میں امام اور اس کے مقتدیوں کی نماز باطل ہو جائے گی اور مقتدیوں کو چاہیے کہ دو امام بنائیں، ہر امام اپنے اپنے گروہ کے ساتھ نماز پڑھے۔ لیکن اگر امام کے بنائے ہوئے خلیفہ نے نماز قائم کر لی اور مقتدیوں نے کسی اور کو امام بنا لیا تو دونوں گروہ ان میں سے کسی ایک کے پیچھے جمع ہو جائیں تو نماز درست ہو جائے گی۔ لیکن امام جب کسی کو خلیفہ بنا دے تو مقتدیوں پر حرام ہے کہ اس کے سوا کسی اور کو آگے کر دیں۔ اگر چہ نماز اس کے پیچھے ہو جائے گی۔

واضح ہو کہ یہ تمام مسائل جمعہ کے علاوہ اور نمازوں کے متعلق ہیں۔ لیکن اگر ایسی صورت جمعہ کی نماز میں پیدا ہو اور امام نماز جمعہ کے لئے کسی کو اپنا خلیفہ نہ بنائے، بلکہ سب الگ الگ نماز پڑھیں تو وہ باطل ہو گی، کیونکہ نماز جمعہ کے لئے جماعت شرط ہے۔ اگر امام نے کسی کو خلیفہ بنایا اور مقتدیوں نے کسی اور کو خلیفہ بنا لیا تو جمعہ کی نماز اس کے پیچھے درست ہو گی جس کو امام نے خلیفہ بنایا ہو اور دوسرے کے پیچھے جو نماز ہوئی وہ باطل ہو گی۔ اگر امام نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا اور مقتدیوں نے دو اشخاص کو امام بنا لیا تو نماز جمعہ اس کے پیچھے صحیح ہو گی جس کو پہلے امام بنایا گیا۔ اگر ان دونوں نے ایک ساتھ سلام پھیرا تو جمعہ کی نماز سرے سے باطل ہو جائے گی۔ لوگوں کو چاہیے کہ اگر وقت باقی ہے تو دوبارہ جمعہ کی نماز پڑھیں یا پھر ظہر کی نماز پڑھ لیں۔ حنفیہ کو ان تمام باتوں میں اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر امام نے کسی کو اپنا خلیفہ نہ بنایا، بلکہ سب نے الگ الگ نماز پڑھ لی تو ان سب کی نماز باطل ہو جائے گی، خواہ وہ جمعہ کی نماز ہو یا کوئی اور نماز ہو۔ اسی طرح اگر امام نے کسی کو خلیفہ بنایا اور مقتدیوں نے کسی اور کو امام بنا لیا تو ان کی نماز باطل ہو گی جنہوں نے مقتدیوں کے بنائے ہوئے خلیفہ کے پیچھے نماز پڑھی۔ اگر نہ امام نے خلیفہ بنایا اور نہ مقتدیوں نے بلکہ نمازیوں میں سے کسی نے آگے بڑھ کر نماز پوری پڑھا دی تو نماز درست ہو جائے گی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ امام کا کسی حدث کے لاحق ہو جانے سے امامت سے خارج ہو جانا خلیفہ بنانے کی وجہ ہو سکتی ہے، خواہ وہ حدث قصداً لاحق ہوا ہو یا مجبوری سے ہوا ہو یا امام کو نماز کے اندر پتہ چلا ہو کہ نماز شروع کرنے سے پہلے وہ حالت حدث میں تھا۔ لیکن شافعیہ کے نزدیک (استخلاف کے لئے) ان اسباب میں سے کسی کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ امام بلا سبب بھی کسی کو اپنا نائب بنا سکتا ہے۔ اگر امام نے کسی کو آگے کر دیا اور مقتدیوں نے کسی اور کو آگے کیا تو نماز ان دونوں کے پیچھے درست ہو گی لیکن امامت کا زیادہ تر مستحق وہی ہو گا جسے مقتدیوں نے آگے کیا نہ کہ وہ جسے امام نے آگے کیا۔ البتہ اگر امام مقرر ہے تو اس حالت میں امامت کا حق اسی کا ہو گا جسے امام نے آگے کیا، خواہ امام مقرر شدہ ہو یا مقرر شدہ نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ ان مسائل میں شافعیہ نے حنفیہ اور مالکیہ سے اختلاف کیا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ امام کا کسی کو خلیفہ بنانا اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ امام کو کوئی شدید مرض لاحق ہو جائے جو نماز پوری کرنے سے مانع ہو۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ امام کسی قولی رکن کی انجام دہی سے عاجز ہو، مثلاً امام سورۂ فاتحہ یا کوئی اور امرِ واجب قولی جیسے رکوع و سجود کی تسبیحات ہیں، بجا نہ لا سکے۔ ایسی کوئی معذوری لاحق ہوئی تو واجب ہے کہ امام اپنی جگہ کسی

Marfat.com

نماز میں خلیفہ امام بنانے کے مسائل

استخلاف (یعنی نماز کے لئے خلیفہ امام بنانے) کے مسائل کی تفصیل بموجب مسالک مختلفہ ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔(۱)

شخص کو خلیفہ بنادے کہ اس کے ساتھ لوگ نماز پڑھیں، خواہ وہ شخص مقتدیوں میں سے نہ ہو۔ شافعیہ کے نزدیک حدث کا لاحق ہونا کوئی عذر نہیں ہے، کیونکہ اگر دوران نماز امام کا وضو ٹوٹ گیا تو ان کی نماز جو اس کے پیچھے ہیں، سب کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اس کے لئے کسی کو خلیفہ بنانا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر امام کو کوئی ایسا عذر لاحق ہو جو خلیفہ بنانے کو روا قرار دے، لیکن امام نے خلیفہ نہ بنایا تو مقتدیوں کے لئے جائز ہے کہ وہ خود ہی کسی کو اپنا امام بنالیں، جو انہیں نماز پڑھادے۔ اسی طرح مقتدیوں کو بھی یہ جائز ہے کہ الگ الگ، بغیر امام کے نماز پڑھ لیں۔

اگر لوگوں نے کسی کو امام بنالیا اور امام نے بھی کسی اور کو خلیفہ بنالیا تو نماز امام کے بنائے ہوئے خلیفہ کے سوا درست نہ ہوگی، جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ (امام کا) کسی کو اپنا خلیفہ بنادینا افضل ہے۔ اگر امام نے کسی کو اپنا خلیفہ (نائب) نہ بنایا اور نہ مقتدیوں نے بنایا اور نہ مقتدیوں میں سے کوئی خود ہی بغیر خلیفہ بنائے آگے کھڑا ہوا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ پس اگر وقت میں گنجائش ہو تو اس نماز کو طریقِ افضل کے خلاف دوبارہ پڑھنا چاہیے۔ اگر وقت تنگ ہو تو خلیفہ بنانا (محض امر افضل نہیں، بلکہ) واجب ہوگا۔ اس مسئلے میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ اور دوسری نمازوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اگر امام نے کسی کو اپنا خلیفہ بنایا اور مقتدیوں نے کسی اور کو اپنا امام بنالیا تو امام کے بنائے ہوئے خلیفہ کے علاوہ کسی اور کے پیچھے نماز صحیح نہ ہوگی۔ اگر مقتدیوں میں سے کوئی شخص خلیفہ بنائے بغیر خود ہی آگے آگیا اور پوری نماز پڑھادی تو نماز درست ہو جائے گی، لیکن اگر امام یا مقتدیوں میں سے کسی نے خلیفہ نہ بنایا اور کوئی شخص خود ہی بغیر خلیفہ بنائے آگے آگیا، مگر لوگوں نے الگ الگ نماز پڑھ لی تو سب کی نماز باطل ہو جائے گی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ استخلاف ایک امر جائز ہے۔ لہٰذا اگر متذکرہ سابقہ اسباب میں سے کوئی سبب پیدا ہو جائے تو جائز ہے کہ امام اپنے مقتدیوں میں سے کسی کو یا کسی اور شخص کو اپنی بجائے اپنا خلیفہ بنادے، تاکہ اس کی بجائے وہ لوگوں کے ساتھ نماز پوری کرے۔

اگر امام نے کسی کو خلیفہ بنایا اور مقتدیوں نے اس کے علاوہ کسی اور کو امام بنالیا تو نماز اس کے علاوہ جس کو امام نے خلیفہ بنایا اور کسی کے پیچھے صحیح نہ ہوگی جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔ البتہ حنابلہ یہ کہتے ہیں کہ مقتدیوں کے لئے جائز ہے کہ وہ فرداً فرداً کسی کو خلیفہ بنائے بغیر اپنی اپنی نماز پوری کرلیں۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے، جیسا کہ ان کے مسلک کے بیان میں اس کی وضاحت کردی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حنابلہ نے وقت میں گنجائش ہونے کی شرط نہیں لگائی، کیونکہ ان حالات میں ان کے نزدیک مقتدیوں کا اپنی اپنی نماز انفرادی طور پر بغیر کسی کو امام بنائے پوری کرنا جائز ہے۔ اسی طرح جمعہ اور دوسری نماز کے مسائل میں وہ فرق نہیں کرتے، کیونکہ مقتدیوں کو حق ہے کہ وہ اپنی اپنی نمازیں بغیر امام کے پوری کرلیں۔

Marfat.com

مالکیہ کہتے ہیں کہ خلیفہ بنانا امر مستحب ہے، کیونکہ ان کے مسلک کی تفصیل میں بتایا گیا ہے کہ اگر امام اپنا خلیفہ کسی کو نہ بنائے اور مقتدی بھی کسی کو امام نہ بنائیں تو مقتدیوں کو اپنی اپنی نماز جداگانہ پڑھ لینے کا حق ہے، بشرطیکہ جمعہ کی نماز نہ ہو۔ جمعہ کی نماز ہو تو جدا جدا پڑھنے سے نماز جاتی رہے گی اور اگر وقت میں گنجائش ہو تو نماز دوبارہ پڑھی جائے اور کسی کو خلیفہ بنانا ضروری نہیں ہے جیسا کہ ان کے مسلک کی تفصیل میں ابھی بتایا گیا، بدیں لحاظ کہ انہوں نے یہ تصریح نہیں کی کہ نماز جمعہ میں خلیفہ بنانا واجب ہے، جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں۔ بظاہر ان کا مسلک یہ ہے کہ خلیفہ بنانے کی حیثیت بہرحال ایک امر مستحب کی ہے۔ لہٰذا امام یا مقتدیوں کا کسی کو امام نہ بنانا مکروہ ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ خلیفہ بنانا ایک امر مستحب ہے، بشرطیکہ جس کو خلیفہ بنایا جائے وہ اس نماز کی امامت کے لائق ہو۔ لیکن نمازِ جمعہ کا یہ حکم نہیں ہے۔ یعنی نمازِ جمعہ کی رکعت اولیٰ میں امام کا کسی کو اپنا خلیفہ بنانا واجب ہے۔ پس اگر پہلی رکعت میں امام کو عذر لاحق ہوا تو اس پر واجب ہے کہ اپنی بجائے کسی اور کو نماز کی تکمیل کے لئے اپنا خلیفہ بنائے، لیکن اگر ایک رکعت پوری مقتدیوں کے ساتھ پڑھ لی ہے اور پھر عذر لاحق ہوا تو اب کسی کو خلیفہ بنانا امر مستحب ہوگا، تاکہ مقتدیوں کے ساتھ دوسری رکعت پوری کرے۔ اس صورت میں مقتدیوں کو حق ہے کہ اس کے بعد امام سے الگ ہو جانے کی نیت کریں اور دوسری رکعت تنہا پڑھ لیں۔

واضح ہو کہ جمعہ کی نماز میں خلیفہ بنانے کی دو شرطیں ہیں:

اول یہ کہ جس کو خلیفہ بنایا گیا وہ پہلے اس امام کا مقتدی ہو۔ لہٰذا جمعہ کی نماز میں ایسے شخص کو خلیفہ بنانا صحیح نہیں ہے جو اس کا مقتدی نہ ہو، لیکن دوسری نمازوں میں صحیح ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ خلیفہ بنانے میں جلدی کی جائے۔ اگر استخلاف میں اتنی دیر لگی کہ اس عرصے میں نماز کا کوئی چھوٹا رکن، مثلاً رکوع ادا کیا جا سکے، تو اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد خلیفہ بنانا درست نہیں ہے۔ اب اگر جمعہ کی نماز کے خلیفہ نے امام کے ساتھ پہلی رکعت ادا کر لی ہے تو جمعہ کی نماز اس کی اور مقتدیوں کی پوری ہو جائے گی، لیکن اگر اس نے امام کے ساتھ صرف دوسری رکعت پڑھی ہے تو جمعہ کی نماز صرف مقتدیوں کی پوری ہوگی، اس کی اپنی نماز پوری نہ ہوگی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ صحتِ استخلاف کے لئے نماز جمعہ کے علاوہ (کسی نماز میں) کوئی شرط نہیں ہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا، لہٰذا جائز ہے کہ مقتدی کے علاوہ کسی کو بھی خلیفہ بنایا جائے یا اس میں تاخیر کی جائے اور خواہ امام مسجد سے باہر چلا جائے۔ البتہ اگر وہ شخص جس کو خلیفہ بنایا گیا، خلیفہ بننے سے پہلے امام کا مقتدی نہیں تھا اور اس کی نماز امام کی نماز کے مساوی نہیں تھی، مثلاً وہ رکعت اولیٰ میں ہو اور امام رکعت ثانیہ میں تو بہرحال مقتدیوں کو دل سے، زبان سے نہیں، اس کے اقتداء کی نیت کرنا ضروری ہے۔ اگر ایسی صورت نہ ہو تو مقتدیوں کو نیت کی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح اس صورت میں جب کہ استخلاف (خلیفہ بنانے) میں تاخیر ہو جائے، یعنی اتنی دیر گزر جائے کہ اتنی دیر میں ایک یا زیادہ رکن ادا کئے جا سکیں، تب بھی مقتدیوں کو نئے سرے سے نیت کرنا ضروری ہوگا اور خلیفہ کے لئے واجب ہوگا کہ وہ اپنے امام کی ترتیب نماز کو واجب کی جگہ واجب اور مستحب کی جگہ مستحب کے بجالانے میں ملحوظ رکھے اور اسے لازم ہے کہ جب مقتدی نماز پوری کر لیں تو صورتحال سے آگاہ کر دے کہ وہ خود تو مسبوق ہے، اب لوگ اس کی (نماز پوری کرنے) کا انتظار کریں یا اس کی اقتدا سے علیحدہ ہو جائیں۔ افضل تو یہی ہے کہ انتظار کیا جائے۔

Marfat.com

اگر جمعہ کے علاوہ (کسی بھی نماز میں) خلیفہ نہ بنایا گیا اور مقتدیوں نے امام سے علیحدگی کی نیت کر کے منفرداً اپنی نماز پوری کر لی تو نماز صحیح ہوگی، لیکن جمعہ کی نماز میں علیحدگی کی نیت تب ہو سکتی ہے کہ جماعت کے ساتھ ایک رکعت ادا ہو چکی ہے۔ مقتدیوں کو دوسری رکعت اخیر تک تنہا پوری کرنی چاہیے، بشرطیکہ تعداد پوری ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ صحتِ استخلاف کی تین شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ امام جس مسجد میں نماز پڑھ رہا ہو، اپنا خلیفہ بنانے سے پہلے وہاں سے باہر نہ جائے۔ اگر امام باہر چلا گیا تو خلیفہ بنانا نہ امام کے لئے درست ہوگا اور نہ لوگوں کے لئے، کیونکہ اس کے مسجد سے نکلتے ہی سب کی نماز باطل ہو جائے گی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ جس کو خلیفہ بنایا جائے وہ امامت کا اہل ہو۔ لہٰذا اگر کسی ان پڑھ کو یا نابالغ کو خلیفہ بنایا گیا تو سب کی نماز باطل ہو جائے گی۔

خلیفہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ (امام) اپنی ناک پر ہاتھ رکھ کر جھکے جھکے پیچھے ہٹ جائے۔ ایسا ظاہر ہو کہ اس کی نکسیر اپنے آپ پھوٹ گئی ہے اور یہ نمود اگرچہ خلاف واقعہ ہو لیکن اس کی مصلحت ظاہر ہے کہ اس طرح نماز کا نظم اور اس کے عمومی آداب ملحوظ رہیں گے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ موجودہ نماز کو جاری رکھنے کی شرطیں پوری ہوں، اگر یہ شرطیں نہ پائی گئیں تو نماز باطل ہو جائے گی اور اس کے لئے خلیفہ بنانا بھی درست نہ ہوگا۔ وہ شرطیں گیارہ ہیں: اول یہ کہ وہ حدث بے اختیاری کا ہو۔ دوسری یہ کہ وہ حدث امام کے بدن ہی سے تعلق رکھتا ہو۔ اگر باہر سے نجاست لگ گئی جو مانع نماز ہو تو اس نماز کو جاری نہیں رکھا جا سکتا۔ تیسری یہ کہ وہ حدث غسل واجب کرنے والا نہ ہو، مثلاً (شہوت انگیز) کسی خیال سے انزال کا ہو جانا۔ چوتھی یہ کہ وہ حدث انوکھا نہ ہو جیسے قہقہہ مار کر ہنسنا یا بے ہوشی یا جنون (کا طاری ہونا)۔ پانچویں یہ کہ حدث کے بعد امام نے کوئی رکن ادا نہ کیا ہو یا چلا نہ ہو۔ چھٹی یہ کہ منافی نماز کوئی حرکت قصداً حدث کے بعد نہ کی ہو، مثلاً بے اختیاری میں جو حدث ہو گیا اس کے بعد قصداً کلام کرنے لگا۔ ساتویں یہ کہ غیر ضروری عمل نہ کیا ہو، مثلاً یہ کہ پانی قریب ہوتے ہوئے پانی کے لئے دور کی جگہ چلا جائے۔ آٹھویں یہ کہ بغیر مجبوری، مثلاً ہجوم وغیرہ کے اتنی تاخیر (استخلاف میں) کر دے کہ اتنی دیر میں کوئی رکن نماز ادا کیا جا سکے۔ نویں یہ کہ نماز پڑھتے میں انکشاف نہ ہوا ہو کہ وہ نماز سے پہلے حالت حدث میں تھا۔ دسویں یہ کہ امام صاحبِ ترتیب ہو اور اسے فوت شدہ نماز یاد نہ آ گئی ہو۔ گیارہویں یہ کہ باقی ماندہ نماز اس جگہ کے علاوہ کسی اور جگہ ادا نہ کی جائے۔ لہٰذا اگر امام یا کسی مقتدی کو حدث لاحق ہوا اور وضو کرنے چلا گیا تو وضو کے بعد واپس آ کر امام کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے۔ لیکن تنہا گزار کو اختیار ہے کہ (وضو کے بعد) خواہ اسی جگہ آ کر نماز پوری کرے یا کسی اور جگہ پر۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ استخلاف کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ مقتدی نے اس رکعت کا جس میں اسے خلیفہ بنایا گیا ہے کچھ نہ کچھ حصہ امام کے رکوع سے اٹھنے سے پہلے امام کے ساتھ ادا کیا ہو۔ لہٰذا اگر ایک رکعت پڑھنے کے بعد حدث لاحق ہوا تو اس رکعت میں ایسے شخص کو خلیفہ بنانا درست نہ ہوگا، جس نے امام کے ساتھ رکوع نہ کیا ہو۔ اسی طرح اس شخص کو بھی خلیفہ نہیں بنایا جا سکتا جو عذر لاحق ہونے کے بعد امام کے ساتھ شامل نماز ہوا ہو۔ نیز خلیفہ پر لازم ہے کہ امام کی نماز کی ترتیب کا لحاظ رکھے۔ چنانچہ اگر یہ معلوم ہو کہ امام کہاں تک قرأت کر چکا تھا تو اپنی قرأت وہیں سے شروع کرے جہاں امام

Marfat.com

نے ختم کی تھی۔ اگر یہ معلوم نہ ہو تو شروع سے قرأت کرے اور جلوس جس وقت امام کو کرنا تھا، اس وقت کرے۔ پس اگر خلیفہ مسبوق ہو تو پہلے امام کی نماز کو پورا کرے، یہاں تک کہ اگر امام پر پہلے سے کوئی سجدۂ سہو واجب تھا تو اسے بھی ادا کرے اور مقتدی بھی اس کا ساتھ دیں۔ اس کے بعد لوگوں کو انتظار کرنے کا اشارہ کر دے اور اپنی فوت شدہ نماز کے لئے کھڑا ہو جائے۔ پھر جب وہ اپنی نماز پوری کر کے سلام پھیرے تو اس کے سلام کے ساتھ دوسرے لوگ بھی سلام پھیریں۔ اگر (امام کی نماز پوری کرنے کا) انتظار نہ کیا گیا تو مقتدیوں کی نماز باطل ہو جائے گی۔ لیکن اگر امام اول پر سجدۂ سہو اس شخص کے شامل نماز ہونے کے بعد واجب ہوا تو خلیفہ مسبوق اس سجدہ کی ادائیگی میں اپنی نماز پوری ہونے تک تاخیر کرے اور لوگوں کے ساتھ سلام پھیرنے کے بعد وہ سجدۂ سہو ادا کرے۔ اگر مقتدیوں میں کوئی مسبوق ہو تو جب تک خلیفہ سلام نہ پھیرے وہ (اپنی باقی نماز کو پورا کرنے کے لئے) نہ اٹھے۔ اگر خلیفہ بھی مسبوق ہے تو مقتدی مسبوق کو چاہیے کہ بیٹھا رہے اور خلیفہ کے سلام پھیرنے کا انتظار کرے اور جب وہ سلام پھیر چکے تب مقتدی اپنی نماز پوری کرنے کے لئے قیام کرے۔ اگر امام کا انتظار نہ کیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ مثلاً کسی مقتدی نے امام اول کو دوسری رکعت میں پایا، تیسری رکعت میں کسی کو خلیفہ بنایا گیا اور جس کو خلیفہ بنایا وہ خود بھی اس مقتدی کی طرح مسبوق تھا تو ایسی حالت میں مقتدی پر واجب ہے کہ وہ اس وقت تک سلام نہ پھیرے اور انتظار کرے جب تک کہ دوسرا امام (خلیفہ) اپنی فوت شدہ نماز ادا کرنے سے فارغ نہ ہو جائے۔ پھر جب وہ خلیفہ سلام پھیر لے تب وہ مقتدی جو انتظار میں تھا، اٹھے اور اپنی رہی ہوئی نماز پوری کرے۔ اگر (خلیفہ کی نماز پوری ہونے کا) انتظار نہ کیا اور اپنی فوت شدہ نماز کے لئے کھڑا ہو گیا تو نماز جاتی رہے گی۔

واضح ہو کہ امام کے لئے مستحب طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی ناک پر ہاتھ رکھ کر نماز سے خارج ہو، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی نکسیر پھوٹ گئی ہے، جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ خلیفہ بنانے کے لئے سوا اس کے اور کوئی شرائط نہیں ہیں جو امام بننے کے لئے ہیں۔ لہٰذا یہ شرط نہیں ہے کہ خلیفہ مقتدی ہی کو بنایا جائے اس میں ان شرطوں میں سے کوئی ضروری نہ ہوگی جو حنفیہ عائد کرتے ہیں، کیونکہ حنابلہ کے نزدیک خلیفہ بنانا درست نہیں ہے جب تک کہ امام نماز کے کسی قولی یا فعلی رکن کے ادا کرنے سے عاجز نہ ہو، لہٰذا اگر کسی کو وضو توڑنے والا حدث لاحق ہو گیا تو نماز ہی باطل ہو جائے گی اور خلیفہ بنانا اسے درست ہی نہ ہوگا، اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ خلیفہ پر واجب ہے کہ امام کا تسلسل نماز جاری رکھے، تاکہ مقتدیوں میں گڑبڑ نہ ہو۔ پس اگر خلیفہ مسبوق ہے تو امام کی ترتیب نماز کا لحاظ رکھے اور سلام پھیرنے سے پہلے کسی اور کو خلیفہ بنا دے جو مقتدیوں کے ساتھ سلام پھیرے اور خود اپنی اس رکعت کو پورا کرنے کے لئے کھڑا ہو جائے جس میں وہ امام سے پیچھے رہ گیا تھا۔ اگر ایسا نہ کیا تو مقتدیوں کو چاہیے کہ وہ بطور خود سلام پھیریں تاہم چاہیے یہ کہ انتظار کریں یہاں تک کہ امام (خلیفہ) اپنی رہی ہوئی نماز پوری کر لے، اس کے بعد ان لوگوں کے ساتھ سلام پھیرے۔

Marfat.com

سجدۂ سہو کا بیان

سجدۂ سہو کی تعریف، اس کا وقت اور نیت

سجود کے لغوی معنی خضوع (سرافگندگی و عاجزی) کے ہیں، خواہ یہ پیشانی کو زمین پر رکھ کر ہو یا عاجزی کا مظاہرہ کسی اور طرح مثلاً طاعت گزاری سے کیا جائے۔ سہو کے معنی بھول کر کسی بات کا رہ جانا ہے، لہٰذا اگر کوئی کہے کہ سھا فلان (فلاں شخص سے وہ کام رہ گیا) تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ فلاں شخص نے بھولے سے وہ کام نہیں کیا۔ لیکن اگر کہا سھا عن کذا (اس نے یہ کام چھوڑ دیا) تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اس نے وہ کام جان بوجھ کر چھوڑ دیا۔

واضح ہو کہ لغت کی رو سے سہو اور نسیان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ فقہا کی اصطلاح میں بھی سہو اور نسیان میں کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ ان کے نزدیک سہو، نسیان اور شک سب کے ایک ہی معنی ہیں، لیکن ظن (گمان کے معنی) اس سے مختلف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ظن میں ایک پہلو میں ترجیح کا تصور ہے پس اگر کسی شخص کا زیادہ رجحان اس طرف ہے کہ اس نے وہ کام کیا ہے تو کہا جائے گا کہ ''کان ظانا'' (اس کو یہ گمان تھا)۔ سہو، نسیان یا شک میں یہ بات نہیں ہے، کیونکہ اس میں کسی امر کے ہونے یا نہ ہونے دونوں کا مساوی امکان ہوتا ہے۔ بغیر اس کے کہ کسی امر کے ہونے یا نہ ہونے میں کسی خیال کی ترجیح ہو۔

سجود السہو کے یہ معنی لغت کی رو سے ہیں، لیکن فقہا کی اصطلاح میں جو اس کے معنی ہیں اور جس وقت سجدۂ کرنا چاہے اور جس طرح اس کی نیت ہے اس کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ سجدہ سہو یہ ہے کہ نمازی صرف دائیں جانب ایک سلام پھیر کر دو سجدے کرے اور دو سجدوں کے بعد تشہد کرے اور سلام پھیرے۔ اگر تشہد نہ کیا تو ترک واجب کا گناہ ہوگا، گو نماز ہو جائے گی اور سجدہ سہو کے تشہد سے فارغ ہونے کے بعد سلام پھیرنا واجب ہے، اگر سلام نہ پھیرا تو ترک واجب لازم آئے گا اور وہ پہلا سلام جس سے نماز تمام ہوئی کافی نہ ہوگا، کیونکہ (اس کے بعد) سجدۂ سہو کرنے سے اس سلام کی نفی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس تشہد کی بھی نفی ہو جاتی ہے جو سلام سے پہلے کیا گیا تھا۔ رہا درود اور دعا کا پڑھنا سو وہ تشہد آخری کے ساتھ سلام پھیرنے سے پہلے پڑھنا چاہیے اور بقول مختار سجدۂ سہو سے پہلے (تشہد اور درود) دونوں نہ پڑھے جائیں۔ تاہم یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دونوں باتیں احتیاطاً اس وقت (سجدۂ سہو سے پہلے) بھی کر لی جائیں اور یہ جو حنفیہ کہتے ہیں کہ سجدہ سہو صرف دائیں جانب ایک سلام پھیر کر کرنا چاہیے اس سے دوسری طرف سلام پھیرنے کی صورت خارج ہو گئی، کیونکہ اگر دونوں جانب سلام پھیر دیا تو بقول صحیح سجدہ سہو ساقط ہو جائے گا۔ اگر ایسا قصداً کیا تو ترک واجب کا گناہ ہوگا۔ بھولے سے دونوں طرف سلام پھیر دیا تو اب سجدہ سہو کی

Marfat.com

ضرورت باقی نہ رہے گی۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کوئی کلام خارج از صلاۃ قصداً کیا یا بھولے سے کیا تو سجدہ سہو ساقط ہو گیا۔

یاد رہے کہ کسی امرِ واجب کو دانستہ ترک کرنے یا ارکانِ نماز میں سے کسی رکن کو چھوڑ دینے یا اسی طرح کا کوئی اور عمل قصداً کرنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا (یعنی سجدہ سہو صرف بھول چوک میں ہوتا ہے)، کیونکہ اگر قصداً امر واجب کو ترک کیا تو نماز ہو جائے گی، لیکن (ترک واجب کا) گناہ ہوگا اور سجدۂ سہو ساقط ہو جائے گا اور اگر نماز کا کوئی رکن دانستہ ترک کیا تو نماز ہی سرے سے جاتی رہے گی، سجدۂ سہو سے اس کی تلافی نہ ہوگی۔ غرض حنفیہ کے نزدیک یہ سجدہ صرف سہو کی صورت میں واجب ہوگا عمداً کوئی حکم ترک کیا جائے تو سجدہ سہو سے وہ کمی پوری نہیں ہوسکتی۔

اب رہی یہ بات کہ آیا سجدۂ سہو کے لئے نیت واجب ہے یا نہیں؟ سو اس میں اختلاف ہے۔ بعض اصحاب تو کہتے ہیں کہ سجدہ سہو کے لئے نیت واجب نہیں ہے کیونکہ سجدہ سہو اس خامی کی تلافی کے لئے واجب ہوتا ہے جو نماز میں رہ گئی ہے یا اس خلل کو دور کرنے کے لئے یہ سجدہ ہوتا ہے جو نماز میں پیدا ہوا ہو۔ اس کی اصلاح سجدہ کر کے کر دی جاتی ہے۔ پس چونکہ نیت نماز کے ہر جزو کے لئے ضروری نہیں ہوتی، لہٰذا سجدہ سہو کے لئے نیت واجب نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ نیت واجب ہے، کیونکہ یہ (سجدہ) بھی ایک نماز ہے اور نماز بغیر نیت کے نہیں ہوسکتی، لہٰذا جس طرح سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر کے لئے نیت واجب ہے اسی طرح سجدہ سہو کے لئے بھی نیت واجب ہے۔ یہ سب امور نماز ہی کی مانند ہیں اور نماز کی طرح ان میں بھی نیت واجب ہے۔ یہ دوسرا قول زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے اور احتیاط اسی میں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نمازی کو سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے اسی طرح کرنے چاہئیں جیسے نماز کے ہوتے ہیں اور یہ سجدے تشہد اور درود کے بعد نیت کے ساتھ ہوں اور نیت دل میں ہو، زبان سے نہیں، کیونکہ اگر زبان سے نیت کی تو نماز باطل ہو جائے گی، کیونکہ یہ بتایا گیا ہے کہ ان کے نزدیک سجدۂ سہو نماز کا سلام پھیرنے سے پہلے (یعنی نماز کے اندر) ہوتا ہے، لہٰذا اگر کلام کیا تو قدرتی طور پر نماز باطل ہو جائے گی۔ اگر سجدہ قصداً بغیر نیت کے کیا تو نماز جاتی رہی اور یہ نیت امام اور تنہا گزار دونوں کی حالتوں میں شرط ہے، البتہ مقتدی کو اس کی حاجت نہیں ہے کیونکہ اس نے امام کی متابعت کی نیت جو کی ہے وہی کافی ہے۔ واضح ہو کہ شافعیہ کے نزدیک یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ سجدہ سہو ہی کی بنا پر ہو، بلکہ سجدہ سہو نماز کے کسی جزو کو اس طرح ترک کر دینے پر عائد ہوتا ہے جس کی تفصیل سجدہ کے اسباب قصداً یا سہواً کے بیان میں آ رہی ہے۔ اس کو سجدۂ سہو صرف اس لیے کہا جاتا ہے کہ اکثر صورتوں میں سجدہ کرنے کا یہ سبب نہیں ہوتا کہ انسان قصداً نماز کی کوئی بات ترک کر دے (یعنی بیشتر سبب سہو ہی ہوتا ہے)، پس اگر سجدۂ سہو کا سبب سہو ہی ہو تو بہتر یہ ہے کہ سجدہ کے وقت ''سبحان الذی لا یموت ولا یسھو'' کہا جائے (یعنی ذات پاک ایسی ہے کہ نہ اس کو فنا ہے اور نہ اس سے بھول چوک سرزد ہوتی ہے) لیکن اگر قصداً نماز کی کوئی بات ترک کرنے کا سجدہ ہے تو بہتر یہ ہے کہ سجدہ میں اللہ سے مغفرت کا طالب ہو (استغفار کرے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ حنفیہ نیت کے شرط ہونے میں شافعیہ سے متفق ہیں، باقی امور میں اختلاف ہے۔ کیونکہ شافعیہ کہتے ہیں کہ سجدۂ سہو سلام سے پہلے ہونا چاہیے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ بعد میں ہونا چاہیے۔ شافعیہ صرف دو سجدوں پر اکتفا کرتے ہیں اور حنفیہ اس کے ساتھ تشہد اور جلوس کو بھی ضروری کہتے ہیں۔

Marfat.com

مالکیہ کہتے ہیں کہ سہو کے دو سجدے ہوتے ہیں جن کے بعد تشہد بغیر دعا اور درود کے پڑھنا چاہیے۔ پھر اگر سجدۂ سہو سلام کے بعد کیا جائے تو سجدہ کرنا، تشہد پڑھنا اور سلام کا دہرانا واجب ہے، تاہم اگر نہ دہرایا تو نماز باطل نہ ہوگی۔ اس بارے میں شافعیہ اور حنفیہ دونوں کے مسالک بتائے جا چکے ہیں۔ شافعیہ تو کہتے ہیں کہ سجدہ سہو ہمیشہ سلام سے پہلے ہونا چاہیے۔ لہٰذا اسلام دو سجدوں کے بعد ضروری ہے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ سجدۂ سہو کے لئے سلام واجب ہے، اگر سلام نہ پھیرا تو سجدۂ سہو تو ہو جائے گا لیکن گناہ ہوگا۔ پھر مالکیہ کے نزدیک اگر سجدۂ سہو سلام سے پہلے کیا جائے تو نیت کی حاجت نہیں، نماز کی نیت ہی اس سجدہ کے لئے کافی ہے، کیونکہ ان کے نزدیک یہ سجدہ نماز کے ایک جزو کی مانند ہے۔ لیکن اگر سجدۂ سہو سلام کے بعد کیا گیا تو اس صورت میں نیت ضروری ہے، کیونکہ یہ سجدہ نماز سے علیحدہ ہو جانے کے بعد ہوا۔ پس مالکیہ اس باب میں حنفیہ سے متفق ہیں کہ سلام کے بعد سجدۂ سہو کے لئے نیت لازم ہے اور شافعیہ سے اختلاف ہے، جیسا کہ ان کا مسلک بتایا گیا۔

واضح ہو کہ اگر کوئی شخص جمعہ کی نماز میں وہ سجدہ کرنا بھول گیا جو کسی نقص کے باعث واجب ہوا تھا اور سلام پھیر دیا تو اس کے لئے خصوصیت کے ساتھ یہ حکم ہے کہ اسی جامع میں جہاں نماز جمعہ ہوتی ہے سجدہ کرے۔ لیکن اگر وہ سجدہ نماز میں کچھ زیادتی کے باعث کرنا تھا تو کسی جامع میں بھی سجدہ کر سکتا ہے، کیونکہ وہ سجدہ سلام کے بعد ہوگا اور جس مسجد میں جمعہ ہوتا ہے اس کے علاوہ کسی اور مسجد میں سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر سجدۂ سہو کسی نقص کے باعث ہو یا زیادتی اور نقص دونوں کے باعث تو اس کا وقت سلام سے پہلے ہے۔ مثلاً اگر بھولے سے کوئی سورہ ناقص رہ گئی اور رکوع میں جانے سے پہلے یاد نہ آئی تو اب قرأت کے لئے پھر واپس لوٹنا نہ چاہیے۔ اگر قرأت کے لئے لوٹا تو نماز باطل ہو جائے گی اور اگر نہیں لوٹا تو آخری تشہد اور درود اور دعا پوری کرنے تک انتظار کرنا چاہیے، اس کے بعد دو سجدے کئے جائیں اور دونوں میں تشہد پڑھا جائے۔ ان میں تشہد کا پڑھنا سنت ہے۔ سجدۂ سہو کے تشہد میں درود نہ پڑھا جائے اور نہ دعا کی جائے، تشہد کے بعد سلام پھیر دیا جائے، اگر سجدہ سہو کا سبب نماز میں زیادتی ہو تو سلام کے بعد سجدہ کرے۔ اس میں تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ اگر سلام سے بعد والے سجدہ کو پہلے ہی کر لیا تو اس میں تقدیم و تاخیر قصداً کرنا حرام ہے، اگر قصداً نہ ہو تو نہ مکروہ ہے نہ حرام ہے اور نہ نماز باطل ہوگی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ سجدۂ سہو یہ ہے کہ تکبیر کہہ کر دو سجدے کئے جائیں، اس میں سب کا اتفاق ہے اور ان اسباب میں سے جن کی تفصیل آگے آ رہی ہے کسی سبب سے ہو تو سجدۂ سہو کا سلام سے پہلے یا بعد میں ہونا دونوں طرح جائز ہے۔ اگر سجدۂ سہو بعد میں ہو تو چاہیے کہ سلام سے پہلے تشہد کے ساتھ ہو۔ اگر پہلے ہو تو سجدۂ سہو میں تشہد نہ پڑھا جائے، وہی تشہد کافی ہے جو پہلے پڑھا گیا، جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں۔ تاہم حنابلہ کہتے ہیں کہ بہتر یہی ہے کہ سجدۂ سہو بہر حال سلام سے پہلے ہونا چاہیے، بجز دو صورتوں کے، ایک یہ کہ سجدۂ سہو ایک رکعت یا اس سے زیادہ کی کمی کے باعث کیا جائے۔ ایسی صورت میں پہلے تو اس کمی کو پورا کیا جائے، پھر سلام کے بعد سجدہ کرے۔ دوسری یہ کہ امام کو نماز کے اندر کوئی شک پیدا ہوا اور وہ اپنے گمانِ غالب کی بناء پر نماز جاری رکھے۔ اس حالت میں بھی بہتر یہی ہے کہ سلام کے بعد سجدہ کرے۔ اور کئی بار سہو ہوا ہو تو سب کے لئے دو سجدے کافی ہیں اگر چہ سجدہ کے اسباب مختلف ہوں۔ اگر سجدہ قبلی (سلام سے پہلے والا) اور سجدہ بعدی (سلام سے بعد والا) دونوں قسم کے سجدے لازم ہوں تو قبلی سجدہ کو ترجیح حاصل ہے۔

Marfat.com

سجدۂ سہو کے اسباب کا بیان

جس سبب سے سجدۂ سہو کیا جاتا ہے اس کی تفصیل مسالک مختلفہ کے مطابق ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ سجدۂ سہو کے اسباب میں چند باتیں ہیں:

پہلا سبب یہ ہے کہ نماز میں ایک یا زیادہ رکعتیں کم یا زیادہ پڑھی جائیں وغیرہ۔ اب اگر مثلاً یقین ہو کہ ایک رکعت نماز میں زیادہ پڑھی گئی جیسے کوئی شخص ظہر کی چار رکعت نماز پڑھ کر پانچویں کے لئے کھڑا ہو گیا اور رکوع سے اٹھنے کے بعد دھیان آیا کہ یہ پانچویں رکعت ہے تو اس صورت میں چاہیے کہ سلام پھیر کر نیتِ نماز توڑ دی جائے، چاہیے کہ بیٹھے نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیٹھ کر سلام پھیر دے اور یہی بہتر ہے کہ بیٹھ کر سلام پھیرا جائے۔ دونوں حالتوں میں سجدۂ سہو کرنا چاہیے۔ یہی حکم اس حالت میں ہے جب کہ یہ معلوم ہو کہ ایک رکعت کم پڑھی گئی، مثلاً ظہر کی صرف تین رکعت پڑھ کر قعدہ کیا اور تب یاد آیا کہ (یہ تو تیسری رکعت ہے) اس صورت میں چاہیے کہ چوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور اسے پورا کرنے کے بعد تشہد اور درود وغیرہ پڑھے، پھر بطریق مذکورہ سابقہ سہو کے سجدے کرے۔ اگر نماز میں شک ہے اور یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ کتنی رکعتیں پڑھیں تو اب یہ کیفیت یا تو ناگہانی پیدا ہوئی ہے جس کا وہ عادی نہیں یا پھر شک اس کی عادت میں ہے، اگر یہ شک نادر الوقوع ہو جو کبھی کبھار لاحق ہو جاتا ہے تو اس صورت میں نماز کی نیت توڑ دینی چاہیے اور از سرِ نو نماز ادا کرنی چاہیے اور نماز کی نیت کسی ایسے فعل سے توڑنی چاہیے جو نماز کے منافی ہے۔ محض توڑ دینے کی نیت کر لینا کافی نہیں ہے اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ سلام کے لفظ سے نماز کو تمام کرنا واجب ہے۔ لہٰذا اسے چاہیے کہ ایسی صورت میں بیٹھ کر سلام پھیرے۔ اگر کھڑے کھڑے سلام پھیرا تب بھی صحیح ہے لیکن طریق اولیٰ کے خلاف ہے، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔ لیکن اگر کسی کو شک میں مبتلا ہو جانے کی عادت ہے تو نماز نہ توڑنی چاہیے، بلکہ گمان غالب جس طرح ہو اس کے مطابق نماز جاری رکھے۔ مثلاً اگر ظہر کی نماز پڑھی اور تیسری رکعت میں یہ شک لاحق ہوا کہ نہ جانے یہ تیسری رکعت ہے یا چوتھی ہے تو اپنے گمان میں جیسا آئے اسی کے مطابق عمل کرے۔ یعنی اگر یہ خیال کرے کہ وہ چوتھی رکعت ہے تو بیٹھ جانا چاہیے اور تشہد و درود کے بعد سلام پھیر کر اس طریقہ سے، جیسا کہ اس کی تعریف میں اوپر بیان ہوا سجدۂ سہو کرے۔ اگر یہ گمان ہے کہ یہ تیسری رکعت ہے تو چوتھی رکعت پڑھ کر اسی طرح تشہد و درود وغیرہ کے بعد سلام پھیرے اور سلام کے بعد بطریق مذکورہ بالا سجدہ کرے و علیٰ ھذا القیاس۔

یہ مسائل اس صورت کے ہیں جب کہ کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہو لیکن اگر کوئی امام ہے اور اسے نماز میں شک لاحق ہوا اور مقتدیوں نے یہ بتایا کہ ایک رکعت زیادہ یا کم پڑھی گئی ہے تو لازم ہے کہ ان کے کہنے کے مطابق نماز کو دوبارہ پڑھا جائے اور اگر مقتدیوں سے امام کو اختلاف ہو کہ وہ سب تو اس بات پر متفق ہوں کہ تین ہی رکعت ہوئی ہیں لیکن امام یہ کہتا ہے کہ اسے یقین ہے کہ اس نے چار رکعت پڑھی ہے تو اپنے اس یقین کی بناء پر نماز کو دوبارہ نہ پڑھنا چاہیے۔ اگر نمازیوں میں سے کوئی فرد واحد یا زیادہ اشخاص امام کے ساتھ نماز میں شامل ہو گئے ہیں تو امام کا خیال صحیح مانا جائے گا۔ (اس کے

Marfat.com

برعکس) اگر امام کو شک ہے اور نمازیوں میں سے بعض کو نماز کے مکمل ہونے کا یقین ہے اور بعض کو اس کے ناقص ہونے کا تو نماز صرف اس کو دہرانا واجب ہے جسے شک ہے۔ لیکن اگر امام کو نماز میں کمی کا یقین ہے تو ان سب کو اس کمی کا پورا کرنا لازمی ہے، سوا اس صورت کے جبکہ ان سب کو یقین ہو کہ نماز پوری پڑھی گئی۔ اگر مقتدیوں میں سے کسی ایک شخص کو یہ یقین ہے کہ نماز میں کمی رہ گئی ہے اور امام اور دوسرے اشخاص کو محض شک ہے (یعنی یقینی طور پر اور کوئی نہیں کہتا کہ نماز میں کمی رہ گئی ہے) تو اس صورت میں اگر نماز کا وقت باقی ہے تو بہتر یہی ہے کہ احتیاطاً نماز دوبارہ پڑھ لی جائے۔ ہاں اگر وقت نہ ہو تو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اب یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر کوئی عادل (بے لوث) انسان، خواہ وہ مقتدی نہ ہو، نماز ختم ہونے کے بعد یہ بتائے کہ ظہر کی نماز تین ہی رکعت پڑھی گئی اور نمازی کو اس کی بات کے سچ یا غلط ہونے میں شک ہے تو تب بھی احتیاطاً نماز کو دوبارہ پڑھ لینا چاہیے۔ اگر دو عادل اشخاص نے یہ بتایا ہو تو ان کی بات کو تسلیم کرنا لازم ہے اور نمازی کے اپنے شک کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ ہاں اگر بتانے والا عادل انسان نہیں ہے تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔ اگر کسی کو نیت کرنے یا تکبیر تحریمہ کے بارے میں شک ہو یا نماز میں حدث لاحق ہونے کا شک ہو یا نجاست لگ جانے کا شک ہوا وغیرہ اور یہ شک پہلی بار (یا اتفاق سے) ہوا تب تو چاہیے کہ نماز کی نیت توڑ کر اور اس شک کو حقیقت سمجھ کر نماز دوسری بار پڑھی جائے۔ لیکن اگر ایسے شک کی عادت ہی ہو تو پھر اس کی پروا نہ کرنی چاہیے اور اپنی نماز کو پورا کرلے اور اگر نماز کے بعد ایسا شک ہو تو اس سے کچھ نہیں ہوتا۔

سجدۂ سہو کے اسباب میں دوسرا سبب یہ ہے کہ قعدۂ اخیرہ کے بارے میں جو فرض ہے، سہو واقع ہوا اور (بجائے بیٹھنے کے) کھڑا ہو گیا تو اس حالت میں حکم یہ ہے کہ مڑ کر پھر بیٹھ جائے اور مقدار تشہد بیٹھ کر سجدۂ سہو ادا کرے، کیونکہ ایسی صورت میں قعدۂ اخیرہ جو فرض تھا اس میں وقت متعینہ سے زیادہ تاخیر ہوئی ہے۔ اگر کسی نے (اٹھنے کے بعد) اپنی نماز کو جاری رکھا اور واپس مڑ کر نہ بیٹھا بلکہ سجدہ کرلیا تو سجدے سے سر اٹھاتے ہی یہ نماز نفل نماز ہو جائے گی اور اب مناسب یہ ہے کہ اگر وہ عصر کی نماز ہے تو اس کے ساتھ چھٹی رکعت شامل کرے اور کوئی سجدۂ سہو نہ کرے کیونکہ وہ نماز جب کہ (بجائے فرض عصر کے) نفل ہو گئی تو سجدۂ سہو جاتا رہا۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ وہ نماز اصل میں نفل نماز رہی ہو (اور اس کے قعدۂ اخیر میں سہو ہوا) تو سجدۂ سہو کرلینا چاہیے اور بہر حال اس فرض کو جو نفل ہو گیا ہے دوبارہ ادا کرنا لازمی ہے۔

سجود سہو کے اسباب میں یہ تیسرا سبب یہ ہے کہ قعدۂ اولیٰ میں جو واجب ہے (فرض) نہیں ہے سہو ہوا، اس طرح کہ کوئی شخص نماز فرض کے قعدۂ اولیٰ میں بیٹھنا بھول کر کھڑا ہو گیا اور ابھی پورے طور پر کھڑا نہ ہوا تھا کہ یاد آ گیا اور پھر بیٹھ گیا تو نماز صحیح ہو گی اور (اخیر میں) سجدۂ سہو نہ کرے۔ لیکن اگر پورے طور پر کھڑے ہونے کے بعد یاد آیا تو اب (قعدۂ فراموش شدہ کے) تشہد کے لئے واپس نہ لوٹے۔ اگر لوٹ گیا تو بقول بعض وہ نماز باطل ہو جائے گی۔ اس لئے کہ تشہد اول میں بیٹھنا فرض نہ تھا، البتہ قیام کرنا فرض تھا تو گویا (قیام سے مڑ کر) اس نے (فرض پر) نفل کو اختیار کیا یعنی ایک فریضہ کو ایسے عمل کے لئے ترک کیا جو فرض نہ تھا، اور ایسا کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنے سے نماز باطل ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ اس میں فرض قیام کو ترک نہیں کیا جاتا، بلکہ اس میں صرف تاخیر ہوتی ہے۔۔۔ وہ ایسا

Marfat.com

ہے جیسے کوئی شخص سورہ پڑھنا بھول جائے اور رکوع میں چلا جائے، پھر رکوع کو چھوڑ کر قیام کی طرف مڑ جائے اور سورہ پڑھ لے تو نماز درست ہوگی، لیکن ادائے رکن یا فرض میں وقت مقررہ سے جو تاخیر ہوئی ہے اس کے لئے سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ نماز پڑھنے والا تنہا گزار یا امام ہو، لیکن اگر مقتدی بھولے سے کھڑا ہو جائے اور امام تشہد کے لئے بیٹھا رہے تو مقتدی پر واجب ہوگا کہ وہ بھی بیٹھ جائے، کیونکہ یہ جلسہ بوجہ تابع امام ہونے کے اس پر فرض ہے۔

چوتھا سبب یہ ہے کہ ایک رکن کو دوسرے رکن پر مقدم کیا جائے یا کسی رکن کو واجب پر مقدم کیا جائے، ایک رکن کو دوسرے رکن پر مقدم کرنے کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص قرأت سے پہلے رکوع کر لے، بایں طور کہ تکبیر تحریمہ کر کے مثلاً ثنا پڑھی اور قرأت سے پہلے بھول کر رکوع میں چلا گیا اور اب یاد آیا تو چاہیے کہ رکوع سے مڑ کر پہلے قرأت کرے پھر رکوع کرے اور پھر اخیر میں طریقۂ مذکورہ کے مطابق سجدۂ سہو کر لے۔ اگر یہ سہو (قرأت نہ کرنے کا) یاد نہ آیا تو وہ رکعت رائگاں جائے گی، لہٰذا سلام پھیرنے سے پہلے ایک رکعت پوری کرنی چاہیے۔ اس کے بعد سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرنا چاہیے اور امر واجب پر کسی رکن کو مقدم کرنے کی مثال یہ ہے کہ سورہ پڑھنے سے پہلے رکوع کر لیا۔ اس کا بھی وہی حکم ہے جو ابھی بتایا گیا کہ اگر رکوع کے دوران یہ غلطی یاد آ گئی تو رکوع سے اٹھ کر سورت پڑھے پھر دوسری بار رکوع میں جائے۔ اگر یاد نہ آئی تو سلام کے بعد سجدۂ سہو کر لے۔

سجدۂ سہو کے اسباب میں سے پانچواں سبب یہ ہے کہ نماز کے گیارہ واجبات متذکرۂ آئندہ میں سے کوئی واجب ترک ہو جائے: اول سورۂ فاتحہ کا پڑھنا کہ اگر پوری سورۂ فاتحہ یا اس کا بیشتر حصہ ابتدائی دو رکعتوں میں سے کسی میں رہ جائے تو سجدۂ سہو واجب ہے۔ اگر اس کا کمتر حصہ رہ گیا تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہے، کیونکہ بیشتر حصہ کل کے حکم میں ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں امام اور منفرد دونوں کے لئے ایک ہی حکم ہے۔ اسی طرح اگر (سورۂ فاتحہ) پوری یا بیشتر حصہ نفل یا وتر کی کسی بھی رکعت میں رہ گیا تو سجدۂ سہو واجب ہے، کیونکہ نفل کی ہر رکعت میں قرأت واجب ہے۔

دوسرے کسی ایک سورت یا تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت کا سورۂ فاتحہ کے ساتھ پڑھنا۔ پس اگر کچھ نہ پڑھا یا صرف ایک چھوٹی سی آیت پڑھی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، لیکن اگر دو چھوٹی چھوٹی آیتیں پڑھ لی ہیں تو سجدۂ سہو نہ کیا جائے۔ کیونکہ اکثر کل کے برابر متصور ہوتا ہے۔ اگر سورۂ فاتحہ یا سورت، کا پڑھنا کسی کو یاد نہ رہا اور رکوع میں جانے کے بعد یاد آیا تو مڑ کر وہ بھولی ہوئی قرأت پوری کرنا چاہیے۔ اگر فاتحہ بھولا تھا تو فاتحہ پڑھ کر سورہ کو پھر پڑھنا اور تب رکوع دوبارہ کرنا چاہیے اور اس کے لئے سجدۂ سہو کیا جائے۔ اگر کوئی شخص وتر کی دعائے قنوت بھول کر رکوع میں چلا گیا اور اب یاد آیا تو اس کو پڑھنے کے لئے مڑنے کی حاجت نہیں لیکن سجدۂ سہو واجب ہے۔ تاہم اگر مڑ کر دعائے قنوت پڑھی تو رکوع کو نہ چھوڑنا چاہیے اور اس صورت میں بھی سجدۂ سہو واجب ہے۔ جس نے سورۂ فاتحہ بھولے سے دوبارہ پڑھی تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہے، کیونکہ اس طرح سورت کے بروقت پڑھنے میں تاخیر ہو جائے گی۔ اگر قرأت کی (قرآنی) ترتیب پلٹ گئی، مثلاً پہلی رکعت میں سورۂ "ضحیٰ" اور دوسری میں سورۂ "سبح" پڑھی تو اس سے سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ سورتوں کی ترتیب کا لحاظ رکھنا قرآنی ترتیب کے واجبات میں سے ہے، نماز کے واجبات میں سے نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص سورت پڑھنے کے بعد رکوع میں تاخیر کر دے کہ رکوع سے پہلے خاموش کھڑا رہا تو اس میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہے۔ شافعیہ کے نزدیک یہ صورت حال

Marfat.com

خاص کر اس وقت جب کہ امام نماز پڑھا رہا ہو اکثر پیش آتی ہے۔

تیسرے فرض کی ابتدائی دو رکعتوں میں قرأت کا تعین کرنا، لہٰذا اگر کسی نے (ابتدائی رکعتوں کی بجائے) آخری دو رکعتوں میں یعنی دوسری اور تیسری میں قرأت کی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، بخلاف نفل اور وتر کے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

چوتھے ایک رکعت میں جو عمل دو بار کیا جاتا ہے اس کے تواتر کا لحاظ رکھنا اور وہ عمل سجدہ ہے، لہٰذا اگر کسی نے سہواً صرف ایک سجدہ کیا اور اگلی رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اور اس رکعت کے دو سجدے کر کے فراموش شدہ تیسرا سجدہ اس کے ساتھ کر لیا تو نماز ہو جائے گی، لیکن (ترتیب) واجب کے ترک ہو جانے کے باعث سجدہ سہو واجب ہوگا اور اس سے پہلے کے اعمال کا دہرانا واجب نہیں ہے۔ اگر ایسے افعال کی ترتیب میں فرق آجائے جو رکعت میں دو بار نہیں کئے جاتے، مثلاً کسی نے نیت باندھی اور رکوع میں چلا گیا، پھر اٹھ کر فاتحہ اور سورت پڑھی تو یہ رکوع رائگاں جائے گا اور قرأت کے بعد دوبارہ رکوع کرنا ہوگا اور پہلی بار رکوع سے جو زیادتی نماز میں ہوئی ہے اس کے باعث سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

پانچویں رکوع وسجود میں اطمینان (ٹکاؤ) کا ہونا، اگر سہواً اس کا خیال نہ رہا تو بقول صحیح سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

چھٹے قعدۂ واجب، یعنی قعدۂ اخیرہ کے علاوہ جو قعدہ ہو، خواہ وہ فرض نماز میں ہو یا نفل میں، لہٰذا اگر کوئی شخص قعدہ اولیٰ چھوڑ کر اگلی رکعت کے لئے پورے طور پر کھڑا ہو جائے تو نماز جاری رکھے اور آخر میں سجدۂ سہو کر لے، کیونکہ قعدۂ واجب رہ گیا، جیسا کہ ابھی بتایا گیا۔

ساتویں تشہد کہ اگر سہواً رہ جائے تو سجدۂ سہو کرنا چاہیے، خواہ وہ قعدۂ اولیٰ میں رہا ہو یا قعدۂ ثانیہ میں۔ اس کی تفصیل اوپر بتائی گئی ہے۔

آٹھویں دعائے قنوت: اس کا ترک ہو جانا یہ ہے کہ بن پڑھے کوئی رکوع میں چلا جائے۔ اگر قنوت رہ جائے تو سجدۂ سہو کرنا چاہیے۔

نویں قنوت کے لئے تکبیر کہنا کہ اگر سہواً رہ جائے تو سجدۂ سہو کرنا چاہیے۔

دسویں نماز عیدین میں دوسری رکعت کے رکوع کی تکبیر جو واجب ہے، بخلاف پہلی رکعت کی تکبیر کے، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔

گیارھویں امام کا اونچی آواز سے یا آہستہ پڑھنا جیسی بھی صورت ہو۔ اگر واجب طریقہ کو سہواً ترک کر دیا تو سجدہ سہو کرے

ان تمام مسائل میں فرض ونفل کے درمیان فرق نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اسباب سجدۂ سہو کا انحصار تین امور پر ہے: پہلا سبب یہ ہے کہ نماز کی کوئی سنت رہ جائے، پھر اس سبب کی تین قسمیں ہیں: اول یہ کہ سنت مؤکدہ جو نماز میں داخل ہے وہ رہ جائے، جیسے اپنے مقام پر بھولے سے نہیں پڑھی گئی، اب اس کے رہ جانے کا یقین ہو یا اس کے رہ جانے میں شک ہو، دونوں صورتوں میں اس کو نماز میں کمی قرار دیا جائے گا اور اس کے لئے سلام پھیرنے سے پہلے سجدۂ سہو کرنا چاہیے۔

واضح ہو کہ جب یہ شک لاحق ہو کہ نماز میں کچھ کمی رہ گئی (یعنی کوئی عمل کرنے سے رہ گیا) یا کچھ زیادتی ہو گئی (یعنی کوئی عمل زیادہ کیا گیا) تو (اس شک کی صورت میں) یہی تصور کرنا چاہیے کہ کچھ کمی رہ گئی۔ کمی کی صورت میں سلام سے پہلے

Marfat.com

سجدۂ سہو کرنا چاہیے۔ یہ بات بتائی گئی ہے کہ مالکیہ کے ہاں قاعدہ یہ ہے کہ ''کمی'' رہ گئی ہو تو سجدۂ سہو سلام پھیرنے سے پہلے کرنا چاہیے۔

ترک سنت پر جو سجدہ سہو ہوتا ہے اس کی تین شرطیں ہیں:

ایک تو یہ ہے کہ وہ سنت مؤکدہ ہو جیسا کہ ذکر کیا گیا۔ اگر فراموش شدہ سنت مؤکدہ نہیں ہے، مثلاً رکوع اور سجود کی کوئی ایک تکبیر رہ گئی یا کوئی اور امر مستحب، جیسے صبح کی نماز کی قنوت سہواً رہ گئی، اس کے لئے سجدۂ سہو نہیں ہے، لہٰذا اگر کسی سنت غیر مؤکدہ کے رہ جانے پر سلام سے پہلے سجدۂ سہو کیا تو نماز باطل ہو جائے گی، کیونکہ یہ سجدہ نماز میں ایسی چیز کی زیادتی ہے جو نماز میں نہ تھی۔ ہاں اگر یہ سجدہ سلام کے بعد کر لیا جائے تو نماز باطل نہ ہوگی، کیونکہ یہ زیادتی جو کی گئی، وہ نماز سے خارج تھی اور اس میں حرج نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ سنت نماز کے اندر کی ہو۔ اگر ایسی سنت ترک ہوئی جو نماز سے باہر کی چیز ہے، جیسے آگے سترہ (آڑ) نہ رکھنا، اگر کوئی اس کو بھول گیا تو سجدۂ سہو اس کے لئے نہیں ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ سنت بھولے سے رہ گئی ہو، چنانچہ اگر نماز کی کوئی داخلی سنت ارادۃً ترک کی گئی تو اس صورت میں نماز کے صحیح ہونے یا باطل ہو جانے میں اختلاف ہے۔ اس مسئلے میں ایک سنت مؤکدہ کی شرط اور نماز کی دو غیر مؤکدہ سنتوں کا ایک ہی حکم ہے۔ چنانچہ اگر کسی سے دو غیر مؤکدہ سنتیں سہواً رہ گئیں تو ان کے لئے بھی سلام سے پہلے سجدۂ سہو کرنا چاہیے۔ اگر دو سنتوں کو قصداً ترک کیا تو نماز کے صحیح ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ اگر کسی نے قصداً تین سنتیں ترک کر دی ہیں تو بقول راجح اس کی نماز باطل ہوگی۔ اسے چاہیے کہ اس ترک پر استغفار کرے اور نماز کو دوبارہ پڑھے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر ایک سنت مؤکدہ یا دو غیر مؤکدہ سنتیں نماز میں رہ گئیں تو ان کی تلافی سجدۂ سہو سے ہو سکتی ہے، لیکن اگر سنت غیر مؤکدہ یا کوئی امر مستحب جس کو ''فضیلت'' کہتے ہیں، رہ گیا تو اس کے لئے سجدۂ سہو مشروع نہیں ہے، لہٰذا سلام سے پہلے اگر سجدہ کیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ ہاں اگر سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کیا تو باطل نہ ہوگی۔

اگر فرائض نماز میں سے کوئی فرض (سہواً) رہ گیا تو اس کی تلافی سجدۂ سہو سے نہیں ہو سکتی۔ پہلے اس فرض کو ادا کرنا ضروری ہے، خواہ وہ فرض آخری رکعت میں رہا ہو یا کسی اور رکعت میں۔ اگر وہ فراموش شدہ رکن نماز کے آخری حصے کا ہو تو سلام پھیرنے سے پہلے پہلے یاد آتے ہی اسے پورا کیا جائے، بدیں خیال کہ نماز پوری ہو جائے اور جب نماز کے مکمل ہو جانے کے خیال سے سلام پھیر چکے اور اس کے بعد اس فراموش شدہ رکن کو پورا کرے اور اس ناقص رکعت کو نظر انداز کر کے اس کے بجائے دوسری رکعت پڑھ لے تو نماز درست ہو جائے گی اور اب سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرنا چاہیے، کیونکہ وہ رکعت جس کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، نماز میں اس کی زیادتی ہوئی ہے۔ یہ سجدہ سلام کے بعد اتنے قلیل وقفے میں انجام دینا چاہیے جسے عام طور پر قریب کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اگر رکعت اخیرہ کا نہیں، بلکہ کسی اور رکعت کا رکن رہ گیا تو اس کمی کو اگلی رکعت کا رکوع پورا ہونے سے پہلے ہی ادا کرنا چاہیے اور رکوع کا پورا ہونا اس وقت مانا جائے گا جب کہ اطمینان اور اعتدال کے ساتھ رکوع کرنے کے بعد سر اٹھایا جائے، لیکن اگر سہواً ترک شدہ امر رکوع ہی ہو تو اگلی رکعت کی تکمیل محض رکوع میں جھکنے کے ساتھ ہی قرار دی جائے گی، گو رکوع سے نہ اٹھا ہو، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ پس اگر

Marfat.com

کسی سے دوسری رکعت کا سجدہ رہ گیا اور وہ تیسری رکعت کے لئے اٹھ گیا اور اس رکعت کا رکوع اطمینان اور اعتدال سے کرنے کے بعد، لیکن سر اٹھانے سے پہلے ترک شدہ سجدہ یاد آ گیا تو پہلے اس کو کرے۔ اگر اس وقت تک یاد نہ آیا اور (باقاعدہ) رکوع کر کے اٹھ گیا تو اب نماز کو جاری رکھے اور اس تیسری رکعت کو دوسری رکعت قرار دیتے ہوئے اس کے خاتمے پر بیٹھ جائے اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیرے اور سلام سے پہلے سجدۂ سہو کرنا چاہیے، کیونکہ جس تیسری رکعت کو دوسری رکعت قرار دیا گیا ہے اس میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھی گئی، لہٰذا نماز میں سورۃ کی کمی رہ گئی اور ایک رکعت جس کو نظر انداز کیا گیا اس کی زیادتی بھی ہوئی اور کمی کو پورا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ رکوع سے رہ جانے والا مڑ کر کھڑا ہو جائے اور مستحب یہ ہے کہ رکوع سے پہلے فاتحہ کے بغیر کچھ قرأت بھی کرے، تاکہ وہ رکوع قرأت کے بعد واقع ہو اور جس سے رفع بعد الرکوع رہ گیا ہو (یعنی بغیر رکوع سے اٹھے سجدے کے لئے جھک گیا ہو) وہ آہستہ سے جھکے جھکے پھر واپس اٹھے یہاں تک کہ رکوع کی حالت میں آجائے، پھر وہاں سے رکوع کے بعد اٹھنے کی نیت کر کے اٹھے۔ اگر ایک سجدہ رہ گیا (کہ ایک ہی سجدہ کر کے اٹھنے لگا) تو چاہیے کہ مڑ کر پہلے کچھ بیٹھ کر سجدہ کرے، تاکہ وہ سجدہ بیٹھنے کے بعد واقع ہو۔ اگر دو سجدے رہ گئے (یعنی بغیر سجدے کئے کوئی کھڑا ہونے لگے) تو ان کو پورا کرنے کے لئے پھر جھک جائے اور دونوں سجدے ادا کرے۔ جس نے (نماز کے دوران) ایک بار فاتحہ پڑھ لی ہے اور پھر سہواً (کسی رکعت میں) فاتحہ رہ جائے اور یاد نہ آئے، یہاں تک کہ رکوع کر لیا تو اب اس فاتحہ سے اس کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اور بقول مشہور اسے اپنی نماز پوری کرنی چاہیے اور سلام پھیرنے سے پہلے سجدۂ سہو کر لینا چاہیے۔

واضح ہو کہ اگر سورۂ فاتحہ نماز کی کسی رکعت میں بھی پڑھ لی گئی ہے تو اب چاہیے ایک رکعت میں کوئی (فاتحہ پڑھنا) بھولے یا کئی رکعتوں میں ایک ہی بات ہے اور یہ حکم اس لئے ہے کہ اگرچہ مسلک فقہیہ میں نماز کی ہر رکعت کے اندر فاتحہ کا پڑھنا واجب بتایا گیا ہے، تاہم ایک رکعت میں پڑھ لینے کے بعد باقی رکعتوں میں سہواً رہ جائے تو نماز درست ہو جائے گی اور اس قول کے پیش نظر کہ وہ صرف ایک رکعت میں واجب ہے، اس کی تلافی سجدۂ سہو سے کی جا سکے گی، تاہم احتیاطاً مستحب یہ ہے کہ اس نماز کو وقت کے اندر اور وقت گزرنے پر بھی دوبارہ پڑھ لیا جائے۔ اگر سورۂ فاتحہ کے رہ جانے پر قصداً سجدۂ سہو نہ کیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ لیکن اگر سجدۂ سہو بھی سہواً رہ گیا اور عام نظریہ کے مطابق ہنوز تھوڑا ہی وقت گزرا ہے تو اسے فوراً کر لینا چاہیے، ورنہ نماز باطل ہو جائے گی۔ اسی طرح نماز اس صورت میں بھی باطل ہو جائے گی جب کہ سورۂ فاتحہ قصداً یا سہواً رہ گئی اور رکوع کے بعد یاد آئی، لیکن پھر بھی اس خیال سے نہ پڑھا کہ سورۂ فاتحہ ہر رکعت میں واجب نہیں ہے۔ اس (صورت میں نماز باطل ہونے) کا سبب یہ ہے کہ بقول مشہور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔

سجدۂ سہو بجالانے کا دوسرا سبب "زیادتی" ہے، یعنی کوئی ایسا عمل جو اعمال صلوٰۃ میں سے نہیں ہے، زیادہ کیا جائے، مثلاً کوئی شخص بھولے سے کوئی تھوڑی سی چیز (بدوران نماز) کھا لے یا کوئی ذرا سی بات منہ سے نکل جائے یا نماز کے ارکان فعلی، مثلاً رکوع و سجود میں سے کوئی فعل زیادہ کیا جائے، یا نماز کے اعمال میں کچھ زیادہ کیا جائے، مثلاً دو ایک رکعتیں زیادہ پڑھی جائیں جیسا کہ مفسدات نماز کے بیان میں بتایا گیا ہے۔

اب اگر یہ زیادتی نماز کے قولی اعمال میں ہوئی اور وہ زیادتی فرض اقوال میں نہیں ہے، مثلاً چار رکعت والی نماز کی

Marfat.com

آخری دو رکعتوں میں (فاتحہ کے علاوہ) سورۃ بھی پڑھ لی تو اس میں سجدہ سہو کا مطالبہ نہ ہوگا، تاہم اگر سلام کے بعد سجدۂ سہو کر لیا تو نماز باطل نہ ہوگی، کیونکہ یہ (سجدہ) نماز سے باہر کی زیادتی ہوگی جس سے نماز میں حرج نہیں ہوتا، جیسا کہ پہلے بتایا گیا، اگر قول میں زیادتی ان اعمال کے اندر ہوئی جو فرض ہیں، مثلاً سورۂ فاتحہ کا سہواً دوبارہ پڑھنا تو اس میں سجدۂ سہو ہے اور یہ زیادتی سجدہ سہو کی متقاضی ہے گو اس میں شک ہو۔ اگر مثلاً ظہر کی نماز میں یہ شک ہے کہ تین رکعتیں پڑھی گئیں یا چار رکعتیں تو جو امر یقینی ہے اس پر بنا رکھی جائے گی (یعنی تین کا یقین ہے چوتھی میں شک ہے تو تین کو قائم رکھا جائے) لہٰذا ایک رکعت اور پڑھی جائے گی اور اس احتمال کے پیش نظر کہ ممکن ہے ایک رکعت زیادہ پڑھی گئی ہو نماز کے بعد سجدۂ سہو کر لینا چاہیے۔ اسی طرح اگر کسی کو شفع (دوگانہ) پڑھنی ہے اور وتر (طاق رکعت) کا شک ہوا تو اس کو دوگانہ قرار دیا جائے، تاہم ایک رکعت اور پڑھ کر اسے وتر کر لیا جائے اور سلام کے بعد سجدہ کرے، کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ اس نے دوگانہ کے بجائے تین رکعتیں پڑھی ہوں اور اس طرح ایک رکعت زیادہ ہوگی۔ اسی طرح یہ امر زیادتی میں شامل ہے کہ جہاں طول دینا مشروع نہیں ہے وہاں طول دیا جائے، مثلاً رکوع سے اٹھنے کے بعد یا دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کو طول دیا جائے۔

واضح ہو کہ طول دینا یہ ہے کہ اطمینان کے ساتھ جس قدر بیٹھنا واجب اور سنت ہے، نمایاں طور پر اس سے زیادہ توقف کیا جائے، لیکن اگر جہاں طول دینا مشروع ہے وہاں پر زیادہ توقف کیا، مثلاً سجدہ اور قعدۂ اخیرہ میں تو اس کو زیادتی قرار نہ دیا جائے گا، لہٰذا اس کا سجدۂ سہو بھی نہیں ہے اور یہ بھی ''زیادتی'' ہے کہ سورۂ فاتحہ کو آہستہ نہ پڑھا جائے، خواہ ایک ہی رکعت میں ایسا کیا ہو کہ آہستہ کے بجائے اونچی آواز سے پڑھا ہو، یعنی اتنی اونچی آواز سے کہ خود اس کو اور پاس والوں کے علاوہ دوسروں کو بھی سنائی دے۔ اگر اونچی آواز نہ رکھی، بلکہ اس کے بجائے آہستہ پڑھنے سے بھی کم تر صورت میں قرأت کی، یعنی محض زبان کی حرکت سے پڑھا تو اسے کمی سے تعبیر کیا جائے گا۔ یہ زیادتی نہیں ہے، لہٰذا اس کے لئے سجدۂ سہو سلام سے پہلے کیا جائے گا۔ درآنحالیکہ یہ صرف فاتحہ پڑھنے کے وقت یا فاتحہ اور سورۃ دونوں کو پڑھتے وقت ہوا اور اگر صرف سورۃ کے پڑھنے میں ایسا کیا گیا تو اس کا سجدۂ سہو نہ کیا جائے درآنحالیکہ یہ ایک ہی رکعت میں ہوا ہو، کیونکہ سورۃ کا اونچی آواز سے پڑھنا سنت غیر مؤکدہ ہے۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ دو رکعتوں میں ایسا ہوا ہو۔ اس صورت میں سجدۂ سہو کیا جائے (کیونکہ سنت غیر مؤکدہ کے دو بار سہو میں سجدہ ہوتا ہے)۔

واضح ہو کہ اگر منفرد یا امام تشہد اول میں بیٹھنا بھول گیا اور (اٹھنے لگا لیکن) ہنوز اس کے گھٹنے اور ہاتھ زمین سے جدا نہ ہوئے تھے، تو پھر بیٹھ جائے، ورنہ (اگر گھٹنے اور ہاتھ اٹھ گئے ہیں) تو پھر مڑ کر نہ بیٹھے (بلکہ کھڑا ہو جائے)، تاہم اگر رجوع کر لیا تو نماز باطل نہ ہوگی اگرچہ کسی قدر سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد رجوع کیا ہو۔ ہاں اگر پوری فاتحہ پڑھنے کے بعد رجوع کیا تو نماز جاتی رہے گی۔ مقتدیوں کو چاہیے کہ خواہ امام نے گھٹنے اور ہاتھ زمین سے جدا ہونے سے پہلے رجوع کیا ہو یا جدا ہونے کے بعد لیکن سورۂ فاتحہ ختم کرنے سے پہلے رجوع کر لیا ہو تو آئندہ رکوع میں امام کی متابعت کریں۔ اسی طرح اس کی پیروی رجوع نہ کرنے میں بھی کی جائے جب کہ امام کے ہاتھ اور گھٹنے زمین سے جدا ہو گئے ہوں، (اور وہ رجوع نہ کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا ہو)۔ اگر ان میں سے کسی امر میں بلاوجہ یا ناواقفیت کے باعث امام کی مخالفت کی تو نماز باطل ہو جائے گی۔

Marfat.com

سجدۂ سہو کا تیسرا سبب کمی اور زیادتی دونوں کا جمع ہونا ہے۔ کمی سے مراد یہاں سنت کا رہ جانا ہے، اگرچہ وہ غیر مؤکدہ ہو اور زیادتی سے مراد وہ صورتحال ہے جس کا ذکر دوسرے سبب کے بیان میں ہوا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص سورت کی قرأت میں جہر (اونچی آواز سے پڑھنا) بھول گیا اور نماز میں کوئی رکعت بھولے سے زیادہ پڑھ لی تو اس صورت میں کمی اور زیادتی دونوں جمع ہیں۔ لہٰذا کمی کے پہلو کو زیادتی پر ترجیح دیتے ہوئے سلام سے پہلے سجدۂ سہو کرنا چاہیے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ سہو کے تین سبب ہو سکتے ہیں: ''زیادتی'' ''کمی'' اور نماز کی کسی بات میں ''شک'' ہونا جو کسی سہو کے باعث ہوا ہو۔ اگر سہو کسی دانستہ فعل سے پیدا ہو تو اس کے لئے سجدہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس سے نماز باطل ہو جائے گی جب کہ یہ شک نماز کے کسی عمل میں ہو۔ اگر نماز کا کوئی قول اپنے محل سے ہٹ کر (بے محل) ادا کیا گیا تو نماز باطل نہ ہوگی۔ سجدۂ سہو نماز جنازہ، سجدۂ تلاوت، سجدۂ سہو، یا سجدۂ شکر میں سے کسی میں (سہو سے) واجب نہیں ہوتا، اس کے علاوہ اور نمازوں میں ہوتا ہے۔

نماز میں زیادتی کی مثال یہ ہے کہ قیام یا قعود کو طول دیا جائے اگرچہ قعود میں (صرف) اتنی دیر ہو جتنی دیر جلسۂ استراحت میں...... اس کے قائلین کے مطابق...... ہوتی ہے۔ یا (زیادتی کی یہ صورت ہے کہ) حالت قعود میں تشہد کے ساتھ سورۂ فاتحہ پڑھ لی جائے، یا حالتِ قیام میں فاتحہ کے ساتھ تشہد پڑھی جائے۔ زیادتی کی صورت میں اگر فعلی زیادتی ہو تو اس کے لئے سجدہ سہو واجب ہوگا اور قولی زیادتی میں جس سے مراد یہ ہے کہ نماز کا کوئی قولی عمل اپنے مقام سے ہٹ کر ادا کیا جائے، سجدۂ سہو مستحب ہے، جیسا کہ بتایا گیا ہے۔

نماز میں کمی کی مثال یہ ہے کہ رکوع یا سجود یا سورۂ فاتحہ کا پڑھنا وغیرہ بھولے سے رہ جائے تو ایسی صورت میں نمازی پر واجب ہے کہ یاد آتے ہی جو کچھ رہ گیا اس کو اور اس کے بعد کی باتوں کو اگلی رکعت کی قرأت شروع کرنے سے پہلے ادا کر لے اور نماز کے تمام ہونے پر سجدۂ سہو کرے۔ اگر وہ بھول اگلی رکعت کے شروع کرنے تک بھی یاد نہ آئے تو وہ رکعت رائگاں گئی اور اس کے بعد جو رکعت پڑھی گئی وہ اس رکعت کی جگہ متصور ہوگی، لہٰذا اس کے بعد ایک رکعت اور پڑھنا چاہیے اور اس کے لئے سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ پس اگر کوئی شخص اگلی رکعت کی قرأت شروع کرنے کے بعد فوت شدہ عمل نماز پڑھنے کی طرف رجوع کرے اور یہ جانتا ہو کہ یہ رجوع حرام ہے تو نماز باطل ہو جائے گی۔ ہاں اگر یہ سمجھ کر کہ ایسا کرنا جائز ہے رجوع کیا تو نماز باطل نہ ہوگی اور اگر (فراموش شدہ عملِ نماز) اگلی قرأت شروع کرنے سے پہلے یاد آیا اور اس حکم رجوع سے واقف ہونے کے باوجود دانستہ رجوع نہ کیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ ہاں اگر اس مسئلہ کا علم نہ تھا تو وہ رکعت (رائگاں) گئی اور اس کی اگلی رکعت اس کی قائم مقام قرار پائے گی، لہٰذا اس (رائیگاں) رکعت کے عوض ایک رکعت اور پڑھ کر سجدۂ سہو کرنا واجب ہے۔ اگر فوت شدہ عمل سلام پھیرنے سے پہلے یاد نہ آیا اور یہ عمل آخری رکعت کا نہ تھا تو ایک رکعت پوری ادا کرے اور اگر وہ آخری رکعت کی غلطی تھی تو اس کو اور اس کے بعد کی باتوں کو پورا کر کے سجدۂ سہو کر لیا جائے، تاہم اس میں دیر نہ ہونے دینا چاہیے اور اس دوران کوئی حدث یا کلام بھی نہ ہو، ورنہ نماز باطل ہو جائے گی اور اس کو دوبارہ پڑھنا واجب ہوگا۔

اب رہا نماز میں ایسے شک کا پیدا ہونا جو سجدۂ سہو کا متقاضی ہو سو اس کی مثال یہ ہے کہ ارکانِ نماز میں سے کسی رکن

Marfat.com

کے رہ جانے کا شک ہوا یا تعداد رکعات کی بابت شک ہوا تو چاہیے کہ جہاں تک یقین ہو کہ یہ عمل انجام دیا جا چکا ہے تو اس پر نماز قائم کرے اور جس کے انجام پانے میں شک ہے اسے پورا کر کے سجدۂ سہو کر لینا واجب ہے۔ اگر کوئی شخص حالتِ رکوع میں امام کے ساتھ شامل ہوا اور یہ شک لاحق ہوا کہ آیا امام کے ساتھ رکوع میں شمولیت ہوئی یا نہیں (یعنی وہ رکعت ملی یا نہیں ملی؟) تو اس رکعت کو محسوب نہ کیا جائے اور اس رکعت کو مع اس کے متعلقہ اعمال فوت شدہ کے پورا کر کے سجدۂ سہو کرنا چاہیے اور اگر شک ہو کہ نماز کے واجبات میں سے کوئی امر رہ گیا، مثلاً رکوع یا سجود کی تسبیحوں میں سے کسی کے رہ جانے کا شک ہوا، تو سجدۂ سہو نہ کرے، کیونکہ امر واجب کے ترک ہونے کا محض شبہ ہو تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا، بلکہ فی الواقع کوئی امر واجب ترک ہو جائے تو سجدۂ سہو ہوتا ہے۔ اگر نماز پوری کرنے کے بعد حالتِ تشہد میں رکعت اخیرہ کو زیادہ پڑھے جانے کا شک ہوا تو سجدۂ سہو نہ کیا جائے۔ لیکن تشہد سے پہلے ایک رکعت کی زیادتی کا شک ہوا تو سجدۂ سہو واجب ہے اور یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کوئی سجدہ زیادہ ہو جانے کا شک ہو، جیسا کہ سابقاً تفصیل بیان کی گئی۔

مندرجہ بالا تفصیلات سے یہ معلوم ہوا کہ شک کی بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں سجدۂ سہو نہیں ہے تو اگر کوئی شخص ایسی صورت میں جس میں سجدۂ سہو مشروع نہیں ہے، سجدۂ سہو کر لے تو اس پر واجب ہے کہ اس غلطی کے لئے بھی سجدۂ سہو کرے، کیونکہ اس طرح اس کی نماز میں دو سجدے جن کا شرع میں حکم نہ تھا، زیادہ کیے گئے۔ جس شخص کو یہ معلوم ہو کہ نماز میں سہو ہو گیا ہے، لیکن یہ علم نہیں کہ اس کے لئے سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں، تو چاہیے کہ سجدہ نہ کرے، کیونکہ سجدۂ سہو کا سبب پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا، اور جب تک کوئی شے ثابت نہ ہو وہ معدوم ہی قرار پاتی ہے۔ اگر کسی کو نماز میں سہو ہوا لیکن سجدۂ سہو کے کرنے میں شک ہے کہ نہ جانے سجدہ سہو کیا یا نہیں، تو اس سہو کے صرف دو سجدے کرے اور سلام پھیر دے۔ اگر مقتدی ایک ہی شخص ہو اور کسی رکن یا رکعت کے رہ جانے کا شک ہوا تو واجب ہے کہ منفرد کی طرح کمی کے پہلو کو اختیار کرے (یعنی یہ تصور کر لے کہ وہ عمل نہیں ہوا) اور امام کے عمل کی جانب رجوع نہ کرے اور جب امام سلام پھیر لے تو چاہیے کہ جس امر میں شک رہا تھا اسے (بطور خود) پورا کر کے سجدۂ سہو کرے اور سلام پھیرے۔ لیکن اگر اس کے ساتھ کوئی اور مقتدی بھی ہو تو امام اور مقتدی نے جیسے کیا ویسے ہی وہ بھی کرے۔ اگر کوئی ایسا شک لاحق ہو جس میں سجدۂ سہو کا حکم ہے، پھر یہ معلوم ہو جائے کہ نماز صحیح ہوئی ہے تو اس شک کے لاحق ہونے پر سجدہ نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص نماز میں بھولے سے یا نادانی سے ایسی لے نکالے جس سے معنی بدل جائیں تو سجدۂ سہو واجب ہو جائے گا۔ اگر نماز کی سنتوں میں سے کوئی سنت رہ جائے تو سجدۂ سہو مباح ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ سجدۂ سہو کے اسباب کی تعداد چھ میں منحصر ہے: اول یہ کہ امام یا منفرد سے کوئی سنت مؤکدہ رہ جائے۔ سنت مؤکدہ سے مراد وہ سنتیں ہیں جن کو ابعاض (یعنی اجزائے نماز) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مثلاً پہلا تشہد یا قنوت مقررہ، قنوت نازلہ نہیں (جو اسلام پر کسی مشکل کے پیش آنے کے وقت پڑھی جاتی ہے)۔ سنت غیر مؤکدہ، جس کو "ہیئات" سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے سورۃ وغیرہ کا پڑھنا، جس کا ذکر پہلے ہوا، عمداً یا سہواً ترک ہو جائے تو اس سے سجدہ سہو نہیں ہوتا۔ اگر کوئی فرض مثلاً سجدہ یا رکوع ترک ہو گیا اور اسی جیسا رکن آئندہ انجام دینے سے پہلے وہ یاد آ گیا تو اسے (یاد آنے پر) ادا کرنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ ترک شدہ رکن اس جیسے عمل کو آئندہ کرنے کے بعد یاد آیا تو یہ عمل اس ترک شدہ عمل کا قائم

Marfat.com

مقام قرار پائے گا اور اس (دوسرے عمل) کو پہلا عمل قرار دیا جائے گا اور وہ افعال جو ان دونوں کے درمیان انجام پائے، رائگاں متصور ہوں گے۔ مثلاً کوئی رکوع رہ گیا اور اگلی رکعت کا رکوع کرنے سے پہلے یاد آیا تو پہلے اس کو بجالائے اور اس سے پہلے جو اعمال کئے گئے اسے معدوم تصور کرے۔ اس کے بجالانے کے بعد نماز پوری کرے اور سلام پھیرنے سے پہلے سجدۂ سہو کرلے۔ لیکن اگر وہ رکوع دوسرا رکوع کرنے کے بعد یاد آیا تو یہ دوسرا رکوع پہلے رکوع کے بجائے تصور کیا جائے گا۔ اسی طرح ہر وہ عمل جو بعد میں کیا گیا وہ پہلے عمل کا قائم مقام ہوگا اور درمیان کے تمام اعمال معدوم متصور ہوں گے، درآنحالیکہ (فوت شدہ عمل) سلام سے پہلے یاد آگیا ہو۔ اگر سلام کے بعد یاد آیا اور ابھی عرف عام کے مطابق زیادہ دیر نہیں ہوئی اور نمازی نا قابل درگزر نجاست سے آلودہ نہیں ہوا اور چھ الفاظ سے زیادہ کلام نہیں کیا نیز عمل کثیر جس سے نماز باطل ہو جائے بھی نہیں ہوا تو واجب ہے کہ فراموش شدہ عمل کو بجالائے۔ مثلاً اگر رکوع رہ گیا اور وہ سلام کے بعد یاد آیا تو شرائط متذکرہ کے ساتھ کھڑے ہو کر رکوع کرنا واجب ہے اور اس میں وہ تمام باتیں عمل میں لائے جو اس کی تکمیل کریں اور پھر تشہد پڑھ کر سجدۂ سہو کرے اور سلام پھیرے۔ اگر کسی شخص سے سنت مؤکدہ، جیسے تشہد اول، جس کا ذکر سابقاً ہوا، رہ گیا اور کھڑے ہو کر قیام کے قریب پہنچ گیا تو اب اسے مڑنا نہ چاہیے۔ اگر ارادۃً جان بوجھ کر مڑا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ ہاں اگر سہواً یا نادانی سے رجوع کیا تو نماز باطل نہ ہوگی لیکن سنت یہ ہے کہ سجدۂ سہو کرلیا جائے۔ اگر دعائے قنوت، جو قنوت نازلہ کے علاوہ ہے، رہ گئی اور جلوس کے لئے رکوع کی حد تک پہنچ گیا تو اب اسے واپس نہ مڑنا چاہیے۔ اگر جان بوجھ کر ارادۃً مڑ گیا تو نماز جاتی رہے گی ورنہ اس کا وہی حکم ہے جو تشہد کے بارے میں سابقاً ذکر ہوا۔

یہ احکام اس کے لئے ہیں جو مقتدی نہ ہو۔ اگر کوئی مقتدی تشہد یا قنوت کو قصداً ترک کردے تو اسے اختیار ہے کہ امام کی پیروی کے لئے مڑ جائے یا انتظار کرے کہ امام اس کے ساتھ شامل ہو جائے، پھر اس کے ساتھ نماز پوری کرے۔ اگر (قصداً ترک نہیں کیا، بلکہ) سہواً رہ گیا تو امام کے ساتھ شمولیت کے لئے مڑ جانا واجب ہے۔ اگر اس کے ساتھ شامل نہ ہوا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ البتہ اگر امام سے علیحدہ ہو جانے کی نیت کرلی ہے تو اب دونوں صورتوں میں وہ منفرد متصور ہوگا۔ اگر امام اور مقتدی دونوں سے مثلاً تشہد رہ گیا یا عمداً قنوت نہ پڑھا اور پہلی صورت میں دونوں حالت قیام کے قریب آگئے یا دوسری صورت میں حد رکوع کو پہنچ گئے اور تب امام (تشہد کے لئے) لوٹ گیا تو مقتدی پر واجب ہے کہ وہ اس کے ساتھ نہ لوٹے، بلکہ دل میں اس (کی اقتدا) سے علیحدہ ہونے کی نیت کرلے یا پھر قیام یا سجدہ میں (جیسی بھی صورت ہو) امام کا انتظار کرے۔ اگر مقتدی امام کے ساتھ قصداً جان بوجھ کر شامل ہو گیا تو نماز باطل ہو جائے گی، ورنہ باطل نہ ہوگی۔ اگر امام پہلا تشہد چھوڑ کر کھڑا ہو گیا تو مقتدی کو بھی اس کے ساتھ کھڑا ہونا واجب ہے، لیکن اگر امام واپس ہو تو مقتدی کو اس کے ساتھ واپس نہ ہونا چاہیے۔

سجدۂ سہو کا دوسرا سبب (نماز میں) زیادتی کا شک ہے۔ پس اگر ان رکعتوں کی تعداد میں جو اس نے ادا کی ہیں شک ہے تو جس عدد تک یقین ہے اس سے آگے نماز ادا کرے۔ اسی طرح نماز کو پورا کرنا واجب ہے، زیادتی کا احتمال ہونے کے باعث سجدہ کرے اور شک لاحق ہو تو اپنے گمان پر یا کسی کے بتانے پر بھروسہ کرے (عمل سابق کی طرف) رجوع نہ کرے، البتہ اگر بتانے والوں کی تعداد تواتر تک پہنچ جائے تو ان کے کہنے کے مطابق رجوع کرنا چاہیے۔

Marfat.com

تیسرا سبب (سجدہ سہو کا) کوئی ایسا کام سہواً کرنا کہ اگر وہ قصداً کرلیا جائے تو نماز باطل ہو جائے۔ مثلاً کسی چھوٹے رکن کو اتنا طول دینا کہ وہ حد اعتدال سے تجاوز کر جائے یا دو سجدوں کے درمیان بیٹھ جانا۔ اسی میں سہواً قلیل کلام کرنا ہے اور جب تک کہ (سہو لاحق ہونے کا) یقین نہ ہو جائے سجدۂ سہو نہ کرنا چاہیے۔ محض شک کی صورت میں سجدہ نہیں ہے۔ ایسے امور جن کے قصداً یا سہواً ہونے میں سجدہ نہیں ہے، مثال کے طور پر جیسے گردن کا موڑنا ہے یا خطوتین (بارہ قدم) تک چلنا، یہ امور قصداً ہوں یا سہواً اس کے لئے سجدۂ سہو نہیں ہے۔ وہ امور جن سے نماز باطل ہو جاتی ہے، خواہ قصداً ہوں یا سہواً، مثلاً زیادہ کلام کرنا یا کچھ کھانا، اس کے لئے مطلق سجدۂ سہو نہیں ہے، کیونکہ اس سے نماز ہی جاتی رہتی ہے (تو سجدۂ سہو کیسا؟)

چوتھا سبب (سجدۂ سہو کا) کسی ایسے قولی رکن کو اپنی جگہ سے ہٹانا ہے جس سے نماز باطل نہ ہو۔ مثلاً جلوس میں پوری سورۂ فاتحہ کا یا اس کا کچھ حصہ پڑھنا یا کسی قولی سنت مثلاً سورت کو اپنی جگہ سے ہٹا کر کسی اور جگہ ادا کرنا، مثلاً اس کو رکوع میں پڑھے، اس کے لئے سجدۂ سہو کرنا ہوگا۔ اس حکم سے وہ صورت مستثنیٰ ہے کہ سورۂ فاتحہ سے پہلے سورت پڑھ لی جائے۔ اس میں سجدہ نہیں ہے۔

پانچواں سبب (سجدۂ سہو کا) کسی متعین امر کے ترک ہو جانے کا شک لاحق ہونا ہے، مثلاً دعائے قنوت، جو علاوہ قنوت نازلہ کے ہو، اس کے ترک ہو جانے کا شک ہوا یا کسی امر میں ابہام رہا مثلاً یہ کہ دعائے قنوت میں کچھ رہ گیا لیکن یہ علم نہ رہا کہ درود ترک ہوا یا دعائے قنوت رہ گئی (تو سجدۂ سہو کرنا چاہیے) لیکن اگر اس میں شک ہو کہ ابعاض (اجزائے ارکان) پورے ہو گئے یا اس سے کچھ ترک ہو گیا تو سجدہ نہ کرے۔

چھٹا سبب (سجدۂ سہو کا) اس شخص کی اقتدا کرنا ہے جس کی نماز میں خلل ہو، اگرچہ یہ خلل صرف مقتدی کے خیال سے ہو، مثلاً اس امام کی متابعت کرنا جس نے نماز فجر میں دعائے قنوت کو نہیں پڑھا، یا اس کی اقتدا کرنا جس نے رکوع سے پہلے قنوت پڑھی۔ ایسی صورت میں امام کے سلام پھیرنے کے بعد اور اپنے سلام پھیرنے سے پہلے سجدۂ سہو کرنا چاہیے۔

اسی طرح اگر ایسے شخص کی متابعت کی جس سے تشہد اول میں نبی ﷺ پر درود بھیجنا رہ گیا تو اس کے لئے سجدۂ سہو کرنا چاہیے۔

Marfat.com

سجدۂ سہو کی شرعی حیثیت

سجدۂ سہو کی شرعی حیثیت کے بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ اس کے لئے ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔(۱)

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ بقول صحیح سجدۂ سہو واجب ہے۔ اس کے نہ کرنے سے گناہ ہوگا، لیکن نماز باطل نہ ہوگی اور یہ واجب اس حال میں ہوگا جب کہ وقت میں گنجائش ہو۔ چنانچہ اگر نماز فجر سے فارغ ہوتے ہی آفتاب طلوع ہوگیا تو سجدۂ سہو جو واجب ہے اس کے ذمہ سے ساقط ہوجائے گا کیونکہ نماز کا وقت جاتا رہا۔ اسی طرح اگر نماز پڑھتے میں سورج کی رنگت غروب سے پہلے سرخی سے تبدیل ہوجائے، یا نماز ختم کرتے ہی کوئی امر مانع نماز کرلیا، مثلاً قصداً حدث کیا یا کلام کیا یا مسجد سے سلام کے بعد باہر آگیا یا ایسا ہی کوئی امر نماز سے الگ کردینے والا جس کی تفصیل بتائی جاچکی ہے عمل میں لایا تو ان تمام صورتوں میں سجدۂ سہو ساقط ہوجائے گا اور نماز دہرانا واجب نہیں ہے۔ اگر کوئی امر منافی نماز ارادۃً کیا تو سجدہ سہو ساقط ہوجاتا ہے اور نماز کا دہرانا واجب ہے۔ سجدہ سہو امام اور مقتدی پر یکساں واجب ہوتا ہے۔ لیکن اگر کسی مقتدی سے امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے کوئی سہو ہوجائے تو اس پر سجدہ سہو نہیں ہوتا۔ اگر امر موجب سجدہ سہو امام سے سرزد ہو تو امام کے ساتھ مقتدی کو بھی سجدہ کرنا واجب ہے، خواہ وہ مدرک ہو یا مسبوق (یعنی پہلی رکعت سے امام کے ساتھ ہو یا بعد میں شامل ہوا ہو) اس کی تفصیل سابقاً بتائی جاچکی ہے۔ اگر سجدۂ سہو امام نہ کرے تو مقتدی کے ذمہ سے بھی ساقط ہوجائے گا اور نماز کو دوبارہ پڑھنا واجب نہ ہوگا، بجز اس صورت کے جب کہ امام نے اس سجدہ کو کسی امر منافی نماز کے پیش آجانے پر دانستہ ترک کیا ہو۔ اس صورت میں امام کی طرح مقتدی پر بھی دوبارہ نماز پڑھنا واجب ہوگا۔ اگر جمعہ یا عیدین میں بہت بڑی تعداد شریک جماعت ہو تو بہتر یہ ہوگا کہ سجدۂ سہو کو ترک ہی کردیا جائے، تاکہ نمازیوں کے لئے باعث تشویش نہ ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ سجدۂ سہو کبھی واجب ہوتا ہے اور کبھی مباح۔ اس کا انحصار موجبات سجدۂ سہو پر ہے۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ سجدے کی حیثیت کا تعین امام اور منفرد کے اعتبار سے ہوتا ہے (والا) مقتدی پر (بہرحال) سجدۂ سہو میں امام کی پیروی واجب ہے، خواہ وہ سجدہ (امام کے حق میں) مباح ہو۔ مقتدی نے اگر اس کی پیروی نہ کی تو اس کی نماز باطل ہوجائے گی۔ اگر کسی نے امام ہو یا منفرد، سجدۂ سہو ترک کردیا اور وہ سجدہ سنت یا مباح تھا تو اس کے ترک پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ اگر سجدۂ سہو واجب ہو اور اس کا سلام سے پہلے ادا کرنا افضل ہو، مثلاً واجبات نماز میں سے کوئی امرِ واجب سہواً ترک ہوگیا ہو تو ایسے سجدہ کو ارادۃً ترک کرنے سے نماز باطل ہوجائے گی۔ لیکن اگر سہواً ترک ہوا اور سلام پھیر دیا اور ابھی اتنا وقت ہوا ہے کہ عام طور پر اسے دیر نہیں خیال کیا جاتا تو سجدۂ سہو کرلینا واجب ہے، اگرچہ کلام کرلیا ہو، یا قبلہ کی طرف سے منہ پھر گیا ہو، لیکن حدث لاحق نہ ہوا ہو، یا مسجد سے باہر نہ چلا گیا ہو۔ ایسا ہوا تو سجدہ ساقط ہوجائے گا، مگر نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب نہ ہوگا۔ اسی طرح سجدہ کرنے میں اتنا توقف ہوجائے جسے بالعموم دیر سمجھا جاتا ہے تب بھی سجدہ واجب نہیں ہوتا، اگر بے خبری کے باعث سجدہ ترک ہوگیا تو نماز باطل نہ ہوگی، تاہم اگر وہ سجدہ ایسا ہو جس کا سلام کے بعد ادا کرنا افضل ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ وہ سجدہ نماز ختم ہونے سے پہلے سہواً سلام پھیر دینے سے عائد ہوا...... تو ایسی صورت میں اس سجدہ کا

Marfat.com

ارادۂ ترک کرنا گناہ ہے، لیکن نماز باطل نہ ہوگی۔ ہاں اگر وہ سجدہ سہواً ترک ہوااور عام خیال کے بموجب ہنوز اسے تھوڑی ہی دیر ہوئی تو اسے بجالانا واجب ہے، ورنہ گناہ ہوگا، گو نماز ہو جائے گی۔ اگر کسی کو سجدۂ سہو میں بہت دیر ہوگئی، یا حدث لاحق ہوگیا، یا مسجد سے باہر آ گیا تو سجدۂ سہو ساقط ہو جائے گا۔ نادانی کے باعث سجدۂ سہو نہ کرنے میں گناہ نہیں ہے اور نماز ہو جائے گی۔ اگر ایسے مقتدی سے حالت اقتدا میں سہو ہوا جو موافق (یعنی امام کے ساتھ شریکِ نماز) ہے تو اس کے سہو کو امام سنبھال لے گا۔ ہاں اگر مسبوق ہے تو اسے منفرد کی طرح بطور خود سجدہ کرنا ہوگا۔ موافق وغیرہ کے معنی اوپر بتائے جا چکے ہیں۔ اگر امام سجدۂ سہو واجب ترک کر دے اور یہ امید نہ ہو کہ امام سجدہ کر لے گا تو مقتدی پر واجب ہے کہ وہ خود سجدہ کر لے۔ مقتدی مسبوق ہو تو اس پر رہے ہوئے اعمال نماز کو پورا کرنے کے بعد سجدہ واجب ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ سجدۂ سہو کا بجالانا امام اور منفرد دونوں پر واجب ہے۔ اگر مقتدی سے بحالتِ اقتدا کوئی امر موجب سجدۂ سہو سرزد ہو تو امام اسے سنبھالے گا۔ اگر امام پر سجدۂ سہو عائد ہو تو مقتدی پر اس کی متابعت (سجدہ میں) واجب ہے، اگرچہ اس کے سبب میں وہ امام کے ساتھ نماز میں شریک نہ رہا ہو۔ اگر مقتدی نے امام کی پیروی نہ کی تو مقتدی کی نماز باطل ہو جائے گی، بشرطیکہ وہ سجدہ ایسا ہو جس کے ترک پر نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اس امر کی تفصیل کہ کون سا سجدہ نہ کرنے سے نماز باطل ہوتی ہے، اور کس کے نہ کرنے سے باطل نہیں ہوتی آگے بتائی جائے گی۔ اگر امام یا تنہا گزار نے سجدہ ترک کر دیا اور وہ سجدہ ایسا ہے جو سلام کے بعد کیا جاتا ہے تو وہ کسی وقت بھی کیا جا سکتا ہے خواہ اوقاتِ ممنوعہ میں کیا جائے۔ اگر ایسا سجدہ ترک ہوا جس کا موقع سلام سے پہلے تھا اور وہ نماز کی سنتوں میں سے تین سنتوں کے رہ جانے کے باعث واجب ہوا تو ایسے سجدہ کو ارادۂ ترک کرنے سے نماز باطل ہو جائے گی۔ اگر سہواً ترک ہو گیا اور عام خیال کے بموجب ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ یاد آ گیا تو اسے کر لینا چاہیے، نماز درست ہوگی، بشرطیکہ کوئی امر منافی نماز مثلاً حدث وغیرہ سلام پھیرنے کے بعد لاحق نہ ہوا ہو، بصورت دیگر نماز باطل ہو جائے گی۔ اسی طرح اس صورت میں بھی نماز باطل ہو جائے گی جب کہ سلام کے بعد سجدۂ سہو کے یاد آنے میں اتنی دیر ہو جائے جسے بالعموم تاخیر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اگر سجدۂ سہو کے عائد ہونے کا سبب تین سنتوں سے کم، مثلاً نماز کی تکبیراتِ مسنونہ میں سے صرف دو کا ترک ہونا ہو اور یہ ترک ارادۂ ہو تب تو کچھ واجب نہیں، ہاں اگر سہواً (یہ تکبیریں) رہ گئیں اور سلام پھیر دیا اور اسے کچھ دیر نہیں ہوئی تو سجدۂ سہو (اسی وقت) کر لینا چاہیے، ورنہ پھر نہ کیا جائے، نماز صحیح ہو جائے گی۔ اگر امام پر سجدۂ سہو عائد ہو تو مقتدی کو وہ سجدہ کرنا ہوگا اگرچہ امام اسے ترک کر دے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ سجدہ سہو کبھی واجب ہوتا ہے اور کبھی سنت ہوتا ہے۔ واجب ہونے کی ایک ہی صورت ہے کہ نمازی مقتدی ہو اور امام سجدہ سہو کرے تو بہ تقلید امام مقتدی پر سجدہ واجب ہوتا ہے۔ اگر دانستہ اس نے سجدہ نہ کیا تو نماز باطل ہوگی اور امام کے سجدہ سہو کرنے سے پہلے مقتدی نے امام سے جدا ہو جانے کی نیت نہیں کی تھی (یعنی اقتدا کا پابند تھا) تو وہ نماز دوبارہ پڑھنا پڑے گی۔ اگر امام سے سجدۂ سہو رہ جائے تو مقتدی پر اس کا کرنا واجب نہیں، بلکہ مستحب ہے۔

اور متذکرہ آئندہ موجبات سجدہ میں سے کوئی امر لاحق ہو جائے تو منفرد اور امام کو سجدۂ سہو کرنا سنت ہے۔ ہاں اگر مقتدیوں کی تعداد بہت زیادہ ہو اور امام کے ادائے سجدہ سہو سے مقتدیوں میں گڑبڑ پیدا ہو تو اس حالت میں سنت یہ ہے کہ

Marfat.com

سجدہ تلاوت کے مسائل

اس کے شرعی حکم ہونے کی دلیل

صحیحین (بخاری و مسلم) میں یہ روایت آئی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ قرآن کی تلاوت کرتے تھے اور جب سجدہ والی سورت پڑھتے تو حضور ﷺ سجدہ کرتے اور ہم بھی ساتھ ہی سجدہ کرتے، یہاں تک کہ ہم میں سے بعض اشخاص کو پیشانی ٹیکنے کی جگہ نہیں ملتی تھی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

"إذا قرأ ابن آدم السجدة فسجد، اعتزل الشيطان يبكي يقول يا ويله امر ابن آدم بالسجود فسجد فله الجنة و امرت بالسجود فعصيت فلي النار" رواہ مسلم (یعنی ابن آدم جب آیت سجدہ پڑھتا ہے اور سجدہ کرتا ہے تو شیطان ایک طرف ہٹ کر روتا ہے اور کہتا ہے کہ ہائے غضب ابن آدم کو سجدہ کا حکم ہوا اور اس نے سجدہ کیا تو اس کے لئے جنت ہے اور مجھے سجدہ کا حکم ہوا میں نے وہ حکم نہ مانا تو میرے لئے جہنم ہے)۔ امت کا اس امر پر اجماع ہے کہ قرآن میں بعض خاص خاص مقامات ایسے ہیں جن کے پڑھنے پر سجدہ کرنے کا شرعی حکم ہے۔

سجدۂ تلاوت کی شرعی حیثیت

سجدۂ تلاوت کے پڑھنے اور سننے والے کے لئے سجدہ کرنا سنت ہے۔ ان کی شرائط کے بارے میں جن کا ذکر آگے آرہا ہے، تین اماموں کا اتفاق ہے۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ ان کا مسلک ذیلی حاشیہ[(۱)] میں ملاحظہ ہو۔

سجدۂ سہو کو ترک کر دیا جائے۔ اگر منفرد یا امام سے کوئی سجدۂ سہو مسنونہ ترک ہو جائے تو سجدہ عائد نہ ہوگا اور نماز باطل نہ ہوگی اور اگر مقتدی سے حالت اقتداء میں کوئی سہو سرزد ہو تو اس پر سجدہ نہیں ہے، کیونکہ اس سہو کو امام سنبھال لے گا، بشرطیکہ سنبھالنے کی صلاحیت ہو، یعنی امام کا حالتِ حدث میں ہونا ثابت نہ ہو۔ اگر مقتدی کو اس حال میں سہو ہوا جب کہ وہ امام سے علیحدہ ہو کر اپنی باقی ماندہ نماز ادا کر رہا ہو تو اس کی حیثیت تنہا گزار کی سی ہوگی اور عائد شدہ سجدۂ سہو اسے ادا کرنا ہوگا۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں: سجدۂ تلاوت (آیتِ سجدہ) کے پڑھنے والے اور سننے والے پر واجب ہو جاتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص موجب سجدۂ تلاوت کے موجود ہونے پر سجدہ نہ کرے تو گناہ ہوگا۔ اب اس واجب کے ادا کرنے میں کہیں (وقت کی) گنجائش ہے اور کہیں تنگی ہے۔ پس اگر سجدۂ تلاوت نماز سے باہر واجب ہوا تو اس (کی ادائیگی کے وقت) میں گنجائش

Marfat.com

سجدۂ تلاوت کی شرطیں

سجدۂ تلاوت (کے واجب ہونے) کی شرائط میں ہے کہ سننے والے نے قصداً اس آیت کو سنا ہو۔ اگر قصداً نہیں سنا تو مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوگا۔ شافعیہ اور حنفیہ کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ [1] سجدہ تلاوت کی شرطیں اس کے علاوہ اور بھی ہیں ان کی تفصیل بھی ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ [2]

ہے، یعنی زندگی کے آخری وقت تک اس کے ادا کرنے کی اجازت ہے اور کسی کو سجدہ نہ کرنے کا گنہگار مرتے دم تک نہیں کہا جاسکتا۔ تاہم سجدہ میں تاخیر کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ لیکن اگر موجب سجدۂ تلاوت نماز میں ہو یعنی نماز کے اندر آیتِ سجدہ پڑھی گئی تو فوراً سجدہ کرنا واجب ہے۔ ''فوراً'' کا مطلب یہ ہے کہ آیتِ سجدہ کے پڑھنے اور سجدہ کرنے کے درمیان اس سے زیادہ وقفہ نہ ہو جس میں تین آیتیں پڑھی جا سکیں۔ اگر سجدۂ تلاوت میں اتنا وقفہ ہوا تو وہ فوراً ادا کرنا نہ ہوگا۔ پھر یہ ہے کہ سجدہ کی آیت یا تو سورت کے درمیان میں ہوگی یا آخر میں، اگر درمیان میں ہو تو افضل یہ ہے کہ (آیتِ سجدہ) پڑھتے ہی یعنی سورت ختم کرنے سے پہلے سجدۂ تلاوت کر کے کھڑا ہو اور سورت کو پورا کرے اور تب رکوع میں جائے۔ اگر (آیتِ سجدہ پڑھ کر) سجدہ نہ کیا لیکن فوراً کی میعاد متذکرہ گزرنے سے پہلے ہی رکوع کیا اور سجدہ کی نیت بھی کر لی تو جائز ہے، جس طرح نماز کے اندر بغیر نیت کے بھی سجدہ جائز ہوتا ہے، جبکہ فوراً کی میعاد کے اندر ہو۔ فوراً کی میعاد گزر جانے پر نماز کا رکوع یا سجدہ کرنے سے سجدۂ تلاوت ساقط نہیں ہوتا اور نماز کے اندر اندر اس کی قضا اس آیت کے لئے خاص سجدہ کر کے ادا کرنا ہو گی۔ اگر نماز ختم ہوگئی اور سجدۂ تلاوت نہیں کیا تو اب اس کی قضا نہیں ہے، کیونکہ قضا کا وقت نکل گیا۔ البتہ اگر سلام پھیر کر نماز کو ختم کیا اور اس کے بعد کوئی امر منافی نماز سرزد نہ ہوا تو سلام کے بعد ہی سجدۂ تلاوت کر لیا جائے اور اس صورت میں جبکہ آیتِ سجدہ سورت کے آخر میں واقع ہو تو بہتر یہ ہے کہ (اسے پڑھ کر) رکوع کرے اور اس کے ساتھ ہی سجدہ تلاوت کی نیت بھی کر لے۔ لیکن اگر سجدۂ تلاوت کیا اور رکوع نہیں کیا، بلکہ پھر قیام میں واپس آ گیا تو مستحب یہ ہے کہ اگلی سورت کی چند آیات پڑھ کر رکوع کرے اور نماز پوری کرے۔

۱۔ حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ اس میں ارادہ کی شرط نہیں ہے، سننے کا ارادہ نہ بھی ہو تب بھی سجدۂ تلاوت کا حکم ہوگا۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت کی بھی وہی شرطیں ہیں جو نماز کی ہیں بجز تکبیر تحریمہ اور نیت تعین وقت کے کہ یہ دونوں امور اس میں شرط نہیں ہیں۔ اس میں نیت نہیں باندھی جاتی۔ چنانچہ اس کا طریقہ آگے بتایا جائے گا۔ اس کے واجب ہونے کی شرائط یعنی مسلمان ہونا، بالغ ہونا، عقل کا بجا ہونا، حیض ونفاس سے پاک ہونا وہی ہیں جو نماز کی شرطیں ہیں، لہٰذا سجدۂ تلاوت کافر، بچے، مجنون کو یا حالت حیض ونفاس میں جائز نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں آیت سجدۂ تلاوت کے پڑھنے والے اور سننے والے دونوں میں فرق نہیں ہے۔ البتہ اشخاص مندرجہ بالا میں سے اگر کوئی شخص سجدہ کی آیت سنے اور اس کا سجدہ بجالانے کا بطور ادا یا بطور قضا اہل ہو تو اس پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے، چنانچہ جو شخص نشہ یا ناپاکی کی حالت میں ہو اس پر

Marfat.com

سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے، کیونکہ وہ بطور قضا اس کے بجالانے کا اہل ہے۔ ہاں اگر پڑھنے والا کوئی مجنون ہے تو اس کے منہ سے سن کر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔ یہی حکم اس بچے سے سننے کا ہے، جو حد شعور کو نہ پہنچا ہو، کیونکہ صحتِ تلاوت کے لئے تمیز (شعور) کا ہونا شرط ہے۔ اسی طرح اگر آیتِ سجدہ آدمی کے سوا کسی اور سے سنی گئی، مثلاً طوطا یہ آیت پڑھے یا آلۂ ضبط الصوت (فونوگراف) سے سنائی دے تو سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوگا، کیونکہ بے شعور اشیاء کی تلاوت ہی درست نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ قاری اور سامع دونوں کے لئے سجدۂ تلاوت صحیح ہونے کی وہی شرائط ہیں جو نماز کے صحیح ہونے کی ہیں، مثلاً حدث ونجاست سے پاک ہونا، قبلہ رخ ہونا اور نیت وغیرہ جن کا ذکر سابقاً کیا گیا۔ سننے والے کے لئے (سجدہ تلاوت عائد ہونے کی) کچھ اور شرائط بھی ہیں، مثلاً (ایک شرط یہ ہے کہ) پڑھنے والے میں سننے والے کا امام بننے کی صلاحیت ہو، خواہ امامت نفل نماز کی ہو۔ لہٰذا اگر کسی عورت سے آیتِ سجدہ سنی جائے تو سجدہ کرنا سنت نہیں ہے۔ نیز آدمی کے علاوہ کسی اور سے مثلاً طوطے یا آلۂ حفظ الصوت سے آیتِ سجدہ سنی گئی تو بدرجۂ اولیٰ اس کا سجدہ سنت نہ ہوگا۔ لیکن اگر آیتِ سجدہ کسی ان پڑھ یا لنجے سے جو اس کی امامت کی صلاحیت نہیں رکھتا سنی جائے تو سجدہ مسنون ہوگا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ آیتِ سجدہ پڑھنے والا بھی سجدہ کرے۔ اگر قاری سجدہ نہ کرے تو سننے والے پر بھی سنت نہیں ہے۔ قاری کے آگے یا اس کے دائیں جانب جبکہ بائیں جانب جگہ ہے سجدۂ تلاوت درست نہیں ہے اور جہری نماز کے امام کو سجدہ کی آیت کا نماز میں آہستہ پڑھنا مکروہ ہے۔ چنانچہ اگر امام اس آیت کو (آہستہ پڑھ کر) سجدہ کرے تو مقتدی کے لئے اس کی پیروی لازم نہیں ہے۔ بخلاف اس صورت کے جبکہ امام نے اونچی آواز سے آیتِ سجدہ پڑھی ہو۔ اس میں امام کی پیروی لازم ہوگی۔

واضح ہو کہ اگر کسی نے آیتِ سجدہ کوئی بار پڑھا، یا کسی نے کئی بار سنا تو جتنی بار سنا اتنی ہی بار سجدہ کرنا سنت ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت کی صحت کے لئے قاری اور سامع دونوں پر وہی شرائط عائد ہوتی ہیں جو صحتِ نماز کے لئے ہیں مثلاً حدث ونجاست سے پاک ہونا، قبلہ رخ ہونا اور ستر ڈھکنا وغیرہ جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، خواہ پڑھنے والا امامت کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، جیسے عورت یا بدکار انسان، تب بھی اس کو سجدۂ تلاوت کرنا چاہیے۔ یا اگر اس ارادہ سے قرأت کی جائے کہ کسی کو اپنی خوش آوازی دکھانا مقصود ہے (تو اس کا بھی یہی حکم ہے)۔ اگر نماز کے اندر آیتِ سجدہ پڑھی گئی تو اس کا سجدہ کرنا چاہیے، خواہ وہ نماز فرض ہو۔ لیکن قصداً آیتِ سجدہ کا نماز فرض میں پڑھنا مکروہ ہے۔

یہ مسائل اس صورت میں ہیں جبکہ نماز پڑھنے والا امام ہو یا منفرد ہو لیکن مقتدی کو امام کی متابعت میں سجدہ کرنا چاہیے۔ اگر سجدہ نہ کیا تو نماز باطل نہ ہوگی، کیونکہ سجدۂ تلاوت نماز کا کوئی جز نہیں ہے۔ جس نے امام کے پیچھے بطور خود آیتِ سجدہ پڑھی تو اس کا سجدہ نہ کرے اگر سجدہ کر لیا تو نماز باطل ہو جائے گی، کیونکہ ایسا کرنا امام کی مخالفت ہے۔ اس مسئلہ میں لفظ نماز سے نماز جنازہ مستثنیٰ ہے، لہٰذا اس میں (آیتِ سجدہ پڑھی جائے تو) سجدہ نہ کیا جائے اسی طرح اگر جمعہ وغیرہ کے خطبہ میں سجدہ کی آیت پڑھی جائے تو اس کے لئے سجدہ نہیں ہے، تاہم اگر سجدہ کر لیا جائے تو نماز جنازہ یا خطبہ باطل نہ ہو گا۔

Marfat.com

واضح ہو کہ سننے والے کے لئے بھی تین شرطوں کا اضافہ کیا گیا ہے: اول یہ کہ قاری نماز فرض کا امام بننے کی صلاحیت رکھتا ہو، یعنی وہ مرد، بالغ، عاقل مسلمان اور باوضو ہو۔ پس اگر قاری مجنون، کافر یا بے وضو ہو تو نہ وہ خود سجدہ کرے اور نہ سننے والا کرے۔ اسی طرح وہ سننے والا بھی سجدہ نہ کرے جس کا ارادہ سننے کا نہ ہو۔ اگر پڑھنے والی عورت ہو یا کوئی بچہ ہو تو صرف پڑھنے والا سجدہ کرے، سننے والا نہ کرے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ پڑھنے والے کا مقصد یہ نہ ہو کہ سننے والے کو اپنی خوش آوازی دکھائے۔ یہ مقصد ہو تو سننے والا سجدۂ تلاوت نہ کرے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ سننے والے کا مقصد یہ ہو کہ قاری سے سن کر (فنِ) قرأت اور مسائلِ قرأت، مثلاً اظہار، ادغام، مد اور قصر وغیرہ کی تعلیم یا روایات قرأت مثلاً روایت ورش وغیرہ کا علم حاصل کرے، یا یہ کہ کوئی قاری دوسرے کو ان امور کی تعلیم دے، اور جب سامع کی شرائط پوری ہو جائیں تو سجدہ کرنا چاہیے، اگرچہ قاری خود سجدہ نہ کرے۔ ہاں نماز میں اگر امام سجدہ نہ کرے تو مقتدی کو بھی امام کی پیروی میں سجدۂ تلاوت نہ کرنا چاہیے۔ اگر قاری باوضو نہ ہو تو سجدۂ تلاوت نہ کرے اور تلاوت کے قاعدوں کا لحاظ رکھتے ہوئے سجدہ کا خیال دل میں رکھے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ اس وقت سجدۂ تلاوت ممنوع ہو۔ اگر معلم یا متعلم آیتِ سجدہ کو کئی بار پڑھیں تو سنت یہ ہے کہ صرف پہلی بار کا سجدہ کریں۔ اگر قاری آیتِ سجدہ سے کسی قدر آگے، مثلاً ایک یا دو آیتیں زیادہ پڑھ لے تو اس پر سجدہ عائد ہوگا اور (سجدہ کے لئے) اس آیت کو دوبارہ نہ پڑھنا چاہیے۔ لیکن اگر آیتِ سجدہ سے آگے دور تک پڑھ لیا تو آیتِ سجدہ کو دوبارہ پڑھ کر سجدہ کرنا چاہیے، اگرچہ نماز فرض میں ہو۔ لیکن فرض نماز میں سجدہ اسی وقت کرنا چاہیے جب کہ رکوع کے لئے نہ جھکا ہو۔ لیکن نفل نماز کی دوسری رکعت میں آیتِ سجدہ پر سجدہ کرنا چاہیے اور سجدہ اس حال میں کرنا چاہیے جب کہ رکوع نہ کیا ہو۔ اگر دوسری رکعت میں رکوع کر لیا تو سجدہ فوت ہو گیا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت کی چند شرائط ہیں کہ جس قرأت میں آیتِ سجدہ پڑھی ہے تو وہ قرأت مشروع ہو۔ اگر قرأت کرنا حرام ہو، مثلاً کوئی ناپاکی کی حالت میں ہو، یا وہ قرأت مکروہ ہو، مثلاً کوئی شخص حالتِ رکوع میں قرأت کرے تو آیتِ سجدہ کے پڑھنے سے نہ قاری کے لئے سجدۂ تلاوت سنت ہے نہ سامع کے لئے۔ دوسری شرط یہ کہ تلاوت آیت بالارادہ ہو، پس اگر بھولے سے آیتِ سجدہ پڑھ لی یا کسی پرندے یا گراموفون سے آیتِ سجدہ سنی گئی تو اس کے لئے سجدہ مشروع نہیں ہے۔ تیسری شرط یہ کہ آیتِ سجدہ پوری پڑھی گئی ہو، اگر اس کا کچھ حصہ پڑھا گیا تو اس کا سجدہ نہیں ہے۔ چوتھی شرط یہ کہ کسی شخص نے جسے سورۂ فاتحہ نہیں آتی اس نے فاتحہ کے بجائے آیتِ تلاوت نہ پڑھی ہو، ورنہ سجدۂ تلاوت نہ کیا جائے۔ پانچویں یہ کہ آیتِ سجدہ کے پڑھنے اور سجدہ کرنے کے درمیان زیادہ وقفہ نہ ہو اور نہ اس سے منہ موڑا ہو۔ اگر وقفہ طویل ہو گیا یا سجدہ سے منہ موڑ لیا تو اب سجدہ نہ کیا جائے۔ وقفہ کے طویل ہونے سے یہ مراد ہے کہ اس میں اتنی دیر لگ جائے جس میں اوسط درجہ کی دو رکعتیں جو نہ بہت لمبی ہوں اور نہ بہت چھوٹی ہوں پڑھی جا سکیں، چھٹی شرط یہ کہ آیتِ سجدہ ایک ہی شخص نے پڑھی ہو۔ اگر اس کا کچھ حصہ ایک شخص نے پڑھا اور دوسرے نے اس کو مکمل کیا تو اس میں سجدہ نہیں ہے۔ ساتویں یہ کہ سجدہ کے لئے وہ تمام شرائط پائی جائیں جو نماز کے لئے ہیں، مثلاً پاک ہونا اور قبلہ رخ ہونا وغیرہ اور یہ تمام کی

Marfat.com

سجدۂ تلاوت کے اسباب (موجبات) کا بیان

موجبات سجدۂ تلاوت کی تفصیل بموجب مسالک مختلفہ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

تمام شرائط حالت نماز میں اور نماز کے باہر دونوں کے لئے عام ہیں۔ حالتِ نماز کی صورت میں ان میں دو شرطوں کا اور بھی اضافہ کیا گیا ہے: اول یہ کہ آیت کے پڑھنے کا مقصد سجدہ کرنا نہ ہو۔ اگر اسی مقصد (سجدہ) کے لئے آیتِ سجدہ پڑھی گئی تو نماز باطل ہو جائے گی، بشرطیکہ قصداً اور جان بوجھ کر ایسا کیا جائے۔ اس حکم سے جمعہ کے روز نماز فجر میں سورۂ سجدہ کا پڑھنا مستثنیٰ ہے، کیونکہ وہ ایک امر سنت ہے اور اس آیتِ سجدہ کے لئے سجدۂ تلاوت بھی سنت ہے۔ پس اگر جمعہ کے روز نماز فجر میں سورت سجدہ کے علاوہ کوئی اور سورت آیتِ سجدہ والی قصداً پڑھی اور سجدۂ تلاوت کیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اسی طرح مثلاً (جمعہ کو نہیں بلکہ) جمعرات کے روز سورۂ سجدہ قصداً بہ غرض سجدہ پڑھی اور سجدہ کیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ مقتدی پر واجب ہے کہ اپنے امام کی متابعت میں سجدہ کرے، درآنحالیکہ وہ سجدہ شرعاً درست ہو۔ اگر کسی نے سجدہ کرنے میں قصداً امام کی متابعت نہ کی تو نماز باطل ہو جائے گی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ سجدہ تلاوت پڑھنے والا خود (نمازی) ہو: اگر پڑھنے والا کوئی اور ہے اور اس نے سجدہ کیا تو اس کو اس آیت کا سجدہ نہ کرنا چاہیے۔ اگر اس نے بھی سجدۂ تلاوت کر لیا تو نماز باطل ہو جائے گی جب کہ دانستہ اور قصداً ایسا کیا ہو۔ جنازے کی نماز پڑھنے والا سجدۂ تلاوت نہ کرے، بہ خلاف خطیب کے کہ اس کے لئے سجدۂ تلاوت سنت ہے، لیکن (خطیب کی پڑھی ہوئی آیت پر) قوم کا سجدہ کرنا حرام ہے، کیونکہ ایسا کرنے میں خطبہ سے روگردانی ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت کے اسباب تین ہیں: اول تلاوت، لہٰذا قرآن کی تلاوت پڑھنے والے پر سجدۂ تلاوت واجب ہے اگرچہ اس نے خود اس آیتِ سجدہ کو نہ سنا ہو جیسے کوئی بہرا ہو۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ سجدۂ تلاوت نماز کے اندر پڑھا گیا ہو یا نماز سے باہر اور امام نے پڑھا ہو یا منفرد نے۔ لیکن مقتدی اگر سجدۂ تلاوت (نماز کے اندر) پڑھے تو اس پر سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوگا کیونکہ امام کے پیچھے قرآن پڑھنا ممنوع ہے، لہٰذا اس حال میں تلاوت آیتِ سجدہ سے سجدہ واجب نہیں ہوتا۔ ہاں اگر خطیب جمعہ یا عیدین کے موقع پر آیتِ سجدہ پڑھے تو سجدۂ تلاوت اس پر اور سننے والے پر واجب ہوگا۔ ایسی صورت میں خطیب کو چاہیے کہ منبر سے اتر کر سجدہ کرے اور سامعین بھی اس کے ساتھ سجدہ کریں۔ تاہم امام کا ممبر پر (بہ دوران خطبہ) تلاوت کرنا مکروہ ہے۔ لیکن نماز کے اندر سجدۂ تلاوت مکروہ نہیں درآنحالیکہ اس کو رکوع و سجود کے ضمن میں ادا کیا ہو۔ اگر صرف سجدۂ تلاوت اکیلا کیا تو مکروہ ہوگا کیونکہ ایسا کرنے سے پیچھے نماز پڑھنے والوں میں گڑبڑ پیدا ہوگی۔

دوسرا سبب آیتِ سجدہ کا کسی اور سے سننا ہے۔ اب یہ سننے والا یا تو نماز کی حالت میں ہوگا یا نہ ہوگا۔ اسی طرح آیتِ سجدہ پڑھنے والا یا تو نماز کے اندر ہوگا یا نماز سے باہر۔ اگر سننے والا حالتِ نماز میں ہے خواہ وہ منفرد ہو یا امام تو اس پر بقول صحیح واجب ہے کہ نماز کے بعد سجدۂ تلاوت کر لے۔ لیکن اگر کسی نے سجدۂ تلاوت مقتدی سے سنا تو سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوگا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کسی مقتدی نے اپنے امام کے علاوہ باہر سے سجدۂ تلاوت سنا۔ اگر امام سے سنا اور (وہ مقتدی) مدرک (پہلی رکعت سے شریک نماز) ہے تو سجدۂ تلاوت میں امام کی پیروی لازم ہے، اگر مسبوق (بعد میں

Marfat.com

سجدۂ تلاوت کا طریقہ

اس کی تعریف اور اس کے ارکان کا بیان

سجدۂ تلاوت کے طریقے، اس کی تعریف اور اس کے لازمی اجزا کا بیان بہ موجب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہے۔ اس کے لئے ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (۱)

شاملِ نماز ہونے والا) ہے اور سجدۂ تلاوت سے پہلے امام کے ساتھ شریک نماز ہو گیا تھا تب بھی اسے امام کی پیروی کرنی چاہیے اور اگر کوئی شخص امام کے سجدۂ تلاوت کرنے کے بعد اسی رکعت میں شامل ہوا جس میں آیتِ سجدہ پڑھی گئی تو قطعاً سجدۂ تلاوت نہ کرے۔ ہاں اس سے اگلی کسی رکعت میں شامل ہوا تو نماز کے بعد سجدۂ تلاوت کرلے۔

تیسرا سبب مقتدی ہونا ہے، کہ اگر امام نے آیتِ سجدہ تلاوت کی تو مقتدی پر اس کا ادا کرنا واجب ہے، اگرچہ اس نے سنا نہ ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ سجدہ کے دو سبب ہیں: تلاوت اور شرائط سابقہ کے ساتھ سننا۔ شرط یہ ہے کہ سجدہ اور موجب سجدہ کے درمیان اتنا وقفہ نہ ہو جسے بالعموم طویل خیال کیا جاتا ہے، لہٰذا اگر قاری یا سامع حالت حدث میں ہوں اور پانی استعمال نہ کر سکتے ہوں تو تیمّم کر کے سجدہ کریں، لیکن اگر پانی کے استعمال کی قدرت ہو تو سجدۂ تلاوت ذمہ سے ساقط ہو جائے گا، کیونکہ اگر وضو کرنے میں لگ گیا تو وقفہ طویل ہو جائے گا۔

واضح ہو کہ مقتدی کو پیروی امام کے علاوہ اور کسی وجہ سے سجدہ نہ کرنا چاہیے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت کا موجب قرآن کا پڑھنا اور سننا ہے، بشرطیکہ اس میں مقصد کو دخل ہو۔ اس کی تفصیل شرائط میں بتائی گئی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ شرائطِ سابقہ کے ساتھ (آیتِ سجدہ کا) پڑھنا اور سننا سجدے کا موجب ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت کا طریقہ یا اس کی تعریف یہ ہے کہ انسان دو تکبیروں کے درمیان ایک سجدہ کرے۔ ایک تکبیر تو پیشانی کو سجدہ کے لئے زمین پر رکھتے وقت اور دوسری بار سجدہ سے اٹھتے ہوئے۔ سجدۂ تلاوت میں تشہد اور سلام نہیں ہے۔ یہ دونوں تکبیریں مسنون ہیں۔ چنانچہ اگر بغیر تکبیر کے پیشانی زمین پر رکھ دی تو سجدہ ہو جائے گا لیکن یہ امر مکروہ ہے۔ لہٰذا حنفیہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت کا صرف ایک رکن ہے یعنی پیشانی کا زمین پر رکھنا یا اس کے بجائے کوئی اور عمل جو رکوع و سجود کے بجائے کیا جائے یا حالتِ سفر میں جو سواری کے جانور پر نماز پڑھتا ہو وہ سجدہ کے لئے اشارہ سے کام لے، کیونکہ سجدۂ تلاوت حنفیہ کے نزدیک رکوع و سجود اور اشارہ کے ضمن میں ادا ہو جاتا ہے۔ سجدہ میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنا چاہیے یا اور کچھ جو حدیث میں آیا وہ کہے:

”اللّٰھم اکتب لی بھا عندک اجراً وضع عنی بھا وزراً واجعلھا لی عندک ذخراً و تقبلھا منی کماتقبلتھا من عبدک داؤد“۔

Marfat.com

(یعنی یا اللہ اس سجدے کا اجر اپنی طرف سے میرے حق میں لکھ دے اور اس کی برکت سے میرا بوجھ ہلکا کر دے اور اس کو میرا ذخیرۂ عاقبت بنا دے اور میرا یہ سجدہ قبول فرما جس طرح کہ تو نے اپنے بندے داؤدؑ کا سجدہ قبول فرمایا)۔ مستحب یہ ہے کہ اگر کسی نے آیت سجدہ بیٹھ کر پڑھی ہے تو کھڑے ہو کر سجدہ کے لئے جھکے۔ سجدہ کی ایک ہی آیت ایک ہی جگہ پر چند بار پڑھی جائے تو بطریق بالا ایک سجدہ کرے، اگر مختلف جگہوں پر پڑھی گئی تو سجدۂ تلاوت بھی اتنی ہی بار کرنا چاہیے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت کا طریقہ یہ ہے کہ بغیر تکبیر تحریمہ کے سجدہ کیا جائے۔ لیکن دو بار تکبیر کہے، ایک بار پیشانی کو زمین پر رکھتے وقت اور دوسری بار سجدے سے اٹھتے وقت۔ سجدۂ تلاوت میں تشہد نہیں ہے، لیکن درآنحالیکہ نماز میں نہ ہو بیٹھنا مستحب ہے، تاکہ بیٹھے بیٹھے سلام پھیرا جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں تکبیریں سجدہ کے ارکان میں سے نہیں ہیں، بلکہ واجب ہیں۔ لہٰذا ان کے نزدیک سجدۂ تلاوت کے تین رکن ہیں: سجدہ میں جانا، سجدہ سے اٹھنا اور ایک بار سلام پھیرنا، دوسرا سلام نہ رکن ہے نہ واجب ہے، ہاں سابقۃ الذکر دعا جو مسلک حنفیہ میں بتائی گئی ہے وہ مستحب ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت کا طریقہ یہ ہے کہ ایک سجدہ بغیر تکبیر تحریمہ اور بدون سلام کیا جائے۔ سجدہ میں جاتے اور اٹھتے وقت تکبیر کہنا سنت ہے۔ آیتِ تلاوت حالتِ قیام میں پڑھی جائے تو سجدہ کے لئے جھک جانا چاہیے، خواہ کوئی نماز میں ہو یا نہ ہو۔ سجدۂ تلاوت بیٹھ کر نہ کیا جائے، بلکہ اسی طرح کیا جائے جیسے قیام کی حالت میں رکوع سے سجدہ میں جانے کا عام طریقہ ہے۔ نماز اور غیر نماز کے سجدۂ تلاوت میں فرق نہیں ہے۔ اگر کوئی سواری کے جانور وغیرہ پر سوار ہو تو اس سے اتر کر زمین پر سجدہ کرے۔ ہاں اگر کوئی مسافر ہو یا مقیم ہو اور اس میں سواری کے جانور پر نفل ادا کرنے کی شرائط متذکرہ سابقہ پورے طور پر پائی جاتی ہوں تو وہ اشارے سے سجدہ کر سکتا ہے اور متذکرہ سابقہ دعا جو مسلک حنفیہ میں بتائی گئی ہے اس کا پڑھنا سجدۂ تلاوت میں مستحب ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت یا تو حالتِ نماز میں ہوگا یا اس کے علاوہ ہوگا۔ نماز میں نہ ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ زبان سے سجدۂ تلاوت کی نیت کی جائے اور تکبیر تحریمہ کہہ کر اسی طرح سجدہ کرے جیسے نماز کا سجدہ ہوتا ہے اور سجدہ کے بعد بیٹھ کر سلام پھیرا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز سے باہر جو سجدۂ تلاوت کیا جائے اس کے ارکان (اجزائے لازمی) پانچ ہیں اور حالتِ نماز میں اگر سجدہ کی آیت پڑھی جائے تو اس کا سجدہ دو باتوں سے ادا ہوگا۔ اول نیت جو ضروری ہے کہ دل سے کی جائے (زبان سے نہیں)، اگر زبان سے الفاظ نیت ادا کئے گئے تو نماز جاتی رہے گی۔ دوسری یہ کہ صرف ایک سجدہ اسی طرح کیا جائے جیسے نماز کے سجدے ہوتے ہیں۔ مقتدی کے لئے سجدۂ تلاوت کی نیت نہیں ہے، بلکہ امام کی نیت اس کے لئے کافی ہے، حالت نماز سے باہر کی صورت میں سجدۂ تلاوت کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کی نیت اور تکبیر تحریمہ متصل ہوں۔

تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کا اٹھانا اور سجدہ کے لئے جھکنا اور سجدے سے اٹھتے ہوئے تکبیر کہنا اور سجدہ میں دعا مانگنا اور اس دعا کا پڑھنا جو مسلک حنفیہ میں بتائی گئی، یہ تمام امور سنت ہیں۔

واضح ہو کہ سجدۂ تلاوت کا قائم مقام وہی عمل ہے جو تحیۃ المسجد (کی نماز) کا ہے، یعنی اگر کوئی سجدہ تلاوت نہ کرے تو وہ چار بار کہے:

"سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم"۔

Marfat.com

ان آیات کا بیان جن پر سجدۂ تلاوت کیا جاتا ہے

(قرآن حکیم میں) حسب ذیل چودہ مقامات ہیں جہاں سجدہ کی آیتیں آئی ہیں: سورۂ اعراف کی آخری آیت "ان الذین عندربک لا یستکبرون عن عبادته و لیسبحونه وله یسجدون".

سورۂ رعد کی یہ آیت "ولله یسجد مافی السمٰوات والارض طوعاً و کرهاً و ظلالهم بالغدو والآصال".

سورۂ نحل کی آیت "ولـلّـه یسجد مافی السموات وما فی الارض من دابة والملئكة و هم لا یستکبرون".

سورۂ اسرا کی آخریت آیت "و یزیدهم خشوعاً".

سورۂ مریم کی آخری آیت "خروا سجداً و بکیا".

سورۂ حج کی دو آیتیں: اول "یفعل مایشاء" جو اس سورۃ کے ربع اول کے آخر میں ہے اور دوم وہ جو سورۃ کے آخری میں ہے:

"یاایها الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا تا "لعلکم تفلحون". شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ آیت سجدہ ہے، مالکیہ اور حنفیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔[1]

سورۂ فرقان کی آیت "و اذا قیل لهم اسجدوا للرحمٰن، قالوا وما الرحمٰن انسجد لما تامرنا و زادهم نفوراً".

سورۂ نمل کی آیت "ان لا یسجدو اللّٰه الذی یخرج الخب فی السموات والارض و یعلم ما تخفون وما تعلنون اللّـه لا اله الا هو رب العرش العظیم".

سورۂ سجدہ کی آیت "انما یومن بآیاتنا الذین اذا ذکروا بها خروا سجداً" تا "وهم لا یستکبرون".

سورۂ فصلت (حٰم السجدہ) کی آیت "لاتسجدو للشمس و لا للقمر، واسجدو للّٰه الذی خلقهن، ان کنتم ایاه تعبدون".

یہ عمل سجدۂ تلاوت کے بجائے ہے، اگرچہ کوئی پاک صاف ہو (یعنی سجدۂ تلاوت کی صلاحیت رکھنے کے باوجود سجدہ نہ کرے تو یہ الفاظ ادا کرے)۔

ا۔ مالکیہ اور حنفیہ سورۂ حج کی آخری آیت کو ان مقامات میں شمار نہیں کرتے جن میں سجدۂ تلاوت کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

سورۂ نجم کی آیت ''افمن ھذا الحدیث تعجبون و تضحکون ولا تبکون و انتم سامدون فاسجدوا للّٰہ واعبدوا''۔

سورۂ انشقاق کی آیت ''و اذا قرئ علیھم القرآن لا یسجدون''۔

سوئرہ اقرأ کی آیت ''کلا لا تطعہ وسجد واقترب''۔ اس میں تین اماموں کا اتفاق ہے، مالکیہ کا مذہب ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔(۱)

سورۂ ''ص'' کی آیت ''وظن داؤد انما فتناہ فاستغفر ربہ وخر راکعاً واناب'' شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت کے مقامات میں سے نہیں ہے۔ مالکیہ اور حنفیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔(۲)

اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ آیات متذکرہ سابقہ میں سے ہر ایک کے تمام ہونے پر سجدہ ہوتا ہے۔ البتہ بعض جگہ پر حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ ان کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔(۳)

سجدۂ شکر کا بیان

سجدۂ تلاوت کی طرح یہ بھی صرف ایک ہی سجدہ ہے۔ یہ سجدہ کسی خوشی کے حاصل ہونے یا کسی بری بات کے ٹل جانے پر کیا جاتا ہے اور نماز سے باہر کیا جاتا ہے۔ اگر نماز میں کیا جائے تو نماز باطل ہو جائے گی۔ نماز کے رکوع و سجود کے وقت سجدۂ شکر کی نیت کر لینا جائز نہیں ہے۔

سجدۂ شکر ایک امر مستحب ہے۔ اس پر شافعیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے۔ مالکیہ اور حنفیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۴)

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ آیت نجم، آیۃ الانشقاق اور آیت اقرأ میں سجدۂ تلاوت نہیں ہے۔

۲۔ حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ آیتیں ہیں تو سجدہ کی، لیکن مالکیہ کہتے ہیں کہ سجدے کی جگہ لفظ ''واناب'' ہے اور حنفیہ کہتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ لفظ ''و حسن مآب'' پر سجدہ کیا جائے۔

اس سے واضح ہوا کہ سجدۂ تلاوت والی آیتوں کی تعداد، سورۂ حج کی آخری آیت نکال کر اور سورۂ ''ص'' کی آیت زیادہ کر کے حنفیہ کے نزدیک چودہ ہوتی ہے۔

مالکیہ کے نزدیک آیت سورۂ نجم و سورہ انشقاق و سورۂ اقرأ نکال کر اور سورۂ ''ص'' کی آیت بڑھا کر سجدہ کی آیتیں بارہ ہوتی ہیں۔

۳۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ سورۂ ''فصلت'' ''حم السجدۃ: ۳۸ کی آیتِ سجدہ میں الفاظ ''و ھم لا یسأمون'' پر سجدہ ہوتا ہے۔

۴۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ سجدۂ شکر امر مستحب ہے۔ اسی قول پر فتویٰ ہے اور بدوران نماز رکوع اور سجود کے ضمن میں اس کی

Marfat.com

چار رکعت والی نماز میں قصر کرنے کا بیان

قصر کی شرعی حیثیت

ایسے مسافر کو جس میں متذکرہ آئندہ شرائط پائی جائیں، چار رکعت والی نماز ظہر، عصر اور عشاء میں قصر کرنا (تعداد رکعت میں کمی کرنا) جائز ہے، یعنی یہ نمازیں (بجائے چار رکعتوں کے) صرف دو رکعتیں پڑھی جائیں۔ چنانچہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے کہ پوری پڑھی جائیں، لیکن مالکیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ مسافر کے لئے چار رکعتوں کو قصر کرنے کا حکم ہے، محض امر جائز نہیں ہے، البتہ (ان دونوں اصحاب میں) اس کی حیثیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ حنفیہ تو کہتے ہیں کہ قصر کرنا واجب ہے اور واجب کا درجہ حنفیہ کے نزدیک فرض سے کم اور سنت مؤکدہ کے برابر ہے، لہٰذا مسافر کے لئے پوری نماز کا پڑھنا مکروہ ہے۔ تاہم اگر پوری نماز پڑھ لی تو نماز صحیح ہوگی، بشرطیکہ پہلا جلوس ترک نہ ہوا ہو، کیونکہ اس حالت میں وہ (جلوس اول) فرض ہے۔ (پوری نماز پڑھنے میں) ترک واجب کا گناہ ہوگا، یعنی اگرچہ اس سے کوئی شخص عذاب جہنم کا مستوجب نہ ہوگا، لیکن قیامت کے روز آنحضرت ﷺ کی شفاعت سے محرومی ہوگی جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

حنفیہ کی یہی رائے ہے، مالکیہ بھی کہتے ہیں کہ نماز کا قصر کرنا سنت مؤکدہ ہے اور اس کی تاکید نماز باجماعت سے زیادہ ہے۔ اگر کوئی مسافر اسے ترک کرتا ہے تو اس کا مواخذہ نہ ہوگا۔ صرف سنت مؤکدہ کے ثواب سے محرومی ہوگی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محرومی، جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں، نہ ہوگی۔

غرض مالکیہ اور حنفیہ اس کے سنت مؤکدہ ہونے میں اتفاق کرتے ہیں، البتہ اس کے ترک کرنے کی جزا کے بارے میں اختلاف ہے۔

اس باب میں مسالک مختلفہ کا خلاصہ یہی ہے۔ ہر مسلک کی جداگانہ تفصیل ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

نیت کر لی تو جائز ہے، لیکن اس کا نماز کے بعد ہی ادا کرنا مکروہ ہے کہ مبادا لوگ اسے سنت یا واجب تصور کرنے لگیں۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس امر کے پیش نظر، جس کی تشریح متن میں کی گئی، نماز کا قصر کرنا واجب ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے نماز پوری پڑھ لی تو بوجہ ترکِ واجب کے ایک فعل مکروہ کیا۔ مزید برآں نماز پوری پڑھنے کی صورت میں ''سلام'' جو ایک امر واجب ہے اسے اپنے وقت پر ادا کرنے میں تاخیر ہوتی ہے، کیونکہ ہر ایک نمازی پر یہ واجب ہے کہ قعدۂ اخیرہ کے بعد سلام پھیرے اور مسافر کی نماز میں قعدۂ اخیرہ وہ ہے جو اس نماز کے اخیر میں ہے جس کا اسے حکم ہے، یعنی دو رکعتوں کے بعد کہ

Marfat.com

اگراس میں نہ بیٹھے تو نماز باطل ہوگی، اس لئے کہ مسافر کے لئے دو رکعت کے بعد بیٹھنا آخری جلوس کی طرح فرض ہے۔ اب اگر وہ (دو رکعت پر) بیٹھنے کے بعد سلام نہ پھیرے اور تیسری رکعت کے لئے قیام کرے تو یہ فعل مکروہ کیا، کیونکہ اس طرح سلام پھیرنے کا جو حکم ہے اس کو اپنی جگہ پر ادا کرنے میں تاخیر ہوئی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ نماز میں قصر کرنا سنت مؤکدہ ہے، جیسا کہ متن میں بتایا گیا، لہٰذا جس نے قصر نہ کی اور پوری نماز پڑھی وہ سنت کے ثواب سے محروم رہا۔ پس اگر کوئی مسافر اپنے جیسا کوئی مسافر نہ پائے جس کے پیچھے نماز پڑھے تو تنہا نماز قصر ادا کرے۔ مقیم کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ اگر مقیم کے پیچھے نماز پڑھی گئی تو لازمی ہوگا کہ اس کے ساتھ نماز پوری کی جائے۔ ایسی صورت میں قصر کرنا جو سنت مؤکدہ ہے وہ ترک ہو جائے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ایسے مسافر کے لئے جو اتنی دور سفر کرے جس میں قصر واجب ہوتا ہے، جائز ہے کہ نماز میں قصر کرے اور پوری پڑھنا بھی جائز ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں، تاہم پوری پڑھنے سے قصر کرنا بہتر ہے، بشرطیکہ مسافر کا سفر تین منزل کی مسافت کے برابر ہو چکا ہو۔ بصورت دیگر ''قصر'' افضل نہیں، کیونکہ شافعیہ کے نزدیک کم سے کم سفر کی مسافت دو منزل ہوتی ہے۔ مقدار منزل کی تشریح آگے آرہی ہے۔ سفر کی مسافت اگر دو منزل کے برابر ہو چکی ہے تو قصر جائز ہوگا اور پوری نماز پڑھنا بھی جائز ہے، لیکن اگر مسافت تین منزل کے برابر ہو چکی ہے تو قصر افضل ہے۔ اس قصر کا افضل ہونا اس کے لئے ہے جو ملاح نہ ہو۔ ملاح سے مراد وہ شخص اور عملہ ہے جو جہاز چلانے پر مامور ہیں۔ ان کو ''بحارہ'' (یعنی عملۂ بحری) بھی کہتے ہیں۔ اگر یہ اشخاص سفر میں ہوں تو ان کے لئے پوری نماز ہی افضل ہے گو ان کی مسافت سفر تین منزل کی مقدار سے بڑھ جائے۔

یاد رہے کہ اگر کسی مسافر کو نماز پڑھنے میں اتنی دیر ہو جائے کہ وقت میں صرف دو رکعت نماز کی گنجائش ہو تو اب قصر کرنا واجب ہوگا اور کسی صورت پوری نماز پڑھنا جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں (قصر پڑھنے سے) یہ امکان ہے کہ نماز وقت کے اندر ادا ہو جائے، جیسا کہ موزوں پر مسح کے مسائل میں سابقاً بیان کیا گیا ہے کہ اگر وقت تنگ ہو تو وقت کے اندر نماز ہونے کی خاطر اسے موزوں پر مسح کرنا فرض ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ قصر کرنا جائز ہے، لیکن پوری نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور صرف مسافت قصر والے مسافر پر چار رکعت والی نماز کا قصر کرنا اور پوری پڑھنا دونوں جائز ہیں۔ اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، تاہم پوری پڑھنا افضل ہے۔ اس مسئلے میں چند صورتیں مستثنیٰ ہیں جن کا ذکر قصر کی شرطوں کے بیان میں کیا جائے گا۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ مسافر ملاح، عملہ بحری۔ ہو۔ اگر اس کے کنبے والے ہمراہ ہوں تو ایسے ملاح کے لئے نماز کا قصر کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس حالت میں اسے مقیم کی حیثیت حاصل ہے اور ایسی صورت میں شافعیہ کا جو حکم ہے وہ بتایا جا چکا ہے کہ ایسے اشخاص کے لئے پوری نماز پڑھنا افضل ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ اس مسئلے میں، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، مسافر کے ملاح ہونے یا نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں کرتے۔

Marfat.com

نماز قصر کا ثبوت

نماز میں قصر کرنا قرآن، حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"و اذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلاۃ، ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا"۔

(یعنی جب زمین پر سفر کے لئے نکلو تو نماز قصر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، درآنحالیکہ تمہیں کافروں سے فتنے کا اندیشہ ہو)۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ قصر کی نماز کا حکم شرع میں خوف کی حالت میں ہے۔ اگرچہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ (نمازِ قصر) امن کی حالت میں بھی مشروع ہے، لیکن صحیح حدیثوں اور اجماع سے یہ امر ثابت ہے۔ منجملہ ایسی احادیث کے وہ ہے جو یعلی بن امیہ سے مروی ہے:

"قلت لعمر، مالنا نقصر و قدامنا؟ فقال سألت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال: صدقۃ تصدق اللّٰہ بھا علیکم فاقبلوا صدقتہ"۔ (رواہ مسلم)

(یعنی یعلی بن امیہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ امن کی حالت میں ہمارے لئے قصر کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے عرض کیا تھا، انہوں نے ارشاد فرمایا کہ یہ ایک صدقہ (عنایت) ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر فرمایا ہے تو اس کے صدقہ کو قبول کرو)۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: **"صحبت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکان لایزید فی السفر علی رکعتین و ابوبکر و عمر و عثمان کذالک"۔** متفق علیہ

(یعنی میں نبی ﷺ کا ہم سفر رہا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھا۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے)۔

اس پر سب متفق ہیں اور یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے بعد اہل مکہ کے ساتھ بحیثیت امام کے چار رکعت والی نماز پڑھی اور دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا۔ پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ:

"اتموا صلاتکم فانا قوم سفر"۔

Marfat.com

(یعنی تم لوگ اپنی اپنی نمازیں پوری کرو میں مسافر ہوں)۔
نیز واضح ہو کہ قصر کے شرعی حکم ہونے میں امت کا اجماع ہے۔

قصر کے صحیح ہونے کی شرطیں

(سفر کی وہ مسافت جس میں قصر کرنا درست ہے)

قصر نماز کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں: منجملہ ان کے یہ ہے کہ یکطرفہ سفر کی مسافت سولہ فرسخ ہو۔ ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے اور ایک میل ہاتھوں کی پیائش کی رو سے چھ ہزار ہاتھ ہوتا ہے اور یہ فاصلہ ساڑھے اسی ہزار کلو اور ایک سو چالیس میٹر ہوتا ہے۔ یہ مسافت اتنی ہے جس کو ایک لدا ہوا اونٹ معمولی رفتار سے ایک دن اور ایک رات میں طے کرتا ہے۔

مسافت کی اس مقدار کے بارے میں تین اماموں کا اتفاق ہے، حنفیہ کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔(۱)

اور شافعیہ اس مسافت کا اندازہ دو منزلیں بتاتے ہیں۔ ایک منزل ان کے نزدیک آٹھ فرسخ کی ہوتی ہے۔ اگر اس مسافت متذکرہ سے کسی قدر، یعنی میل دو میل کم بھی ہو تو اس میں مضائقہ نہیں۔ اس میں حنفیہ اور حنابلہ متفق ہیں، مالکیہ اور شافعیہ کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔(۲)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مسافت کا اندازہ (پیائش کی بجائے وقت سے لگایا جاتا ہے اور یہ سال کے سب سے چھوٹے دن کے سفر سے تین دن کے سفر کے برابر ہے درآنحالیکہ ہر روز صبح سے زوال تک سفر جاری رکھا جائے جس میں معتدل رفتار ملحوظ رہے، یعنی جیسے اونٹ چلتا ہے یا کوئی پاؤں سے چلے۔ پس اگر کوئی شخص صبح سے زوال کے وقت تک چلتا رہا اور منزل آگئی، وہاں پر ٹھہر گیا، رات گزاری اور اگلے روز صبح کو پھر چل پڑا اور اس روز بھی اسی طرح کیا، تیسرے روز بھی ایسا ہی کیا تو اب قصر نماز والی مسافت پوری ہوگئی، لہٰذا بقول معتمد اس مسافت کا اندازہ فرسخوں سے لگائے جانے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ نیز اس مسافت سے کم میں قصر کرنا درست نہیں ہے۔

بعض حنفیہ اس مسافت کا اندازہ فرسخوں سے لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ مسافت چوبیس فرسخ ہے۔ اس لحاظ سے یہ مسافت تین منزلوں کے برابر ہوئی دو منزلوں کے برابر نہیں۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر بیان کردہ مسافت سے آٹھ میل بھی کم ہو اور نماز قصر پڑھ لی جائے تو نماز درست ہوگی اور اس کا اعادہ نہ کیا جائے۔ مسافت کی اس شرط سے اہل مکہ و منیٰ و مزدلفہ و محصب مستثنیٰ ہیں درآنحالیکہ ایام حج میں وقوف عرفہ کے لئے روانہ ہوں۔ ان کے لئے روانگی میں بھی قصر کرنا سنت ہے اور واپسی میں بھی سنت ہے، بشرطیکہ اعمال حج میں سے کوئی عمل جو وطن سے باہر ادا کیا جاتا ہے ان کے ذمہ باقی ہو۔ ایسا نہ ہو تو نماز پوری پڑھی جائے۔

Marfat.com

نیز اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ یہ مسافت مدت مقررہ ایک دن اور ایک رات ہی میں طے ہو۔ اگر یہ فاصلہ اس سے کم، خواہ ایک لحظہ میں طے ہو جائے مثلاً ہوائی جہاز سے یہ فاصلہ طے کر لیا جائے تب بھی قصر کرنا صحیح ہوگا۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔

سفر کی نیت کرنے کا بیان

واضح ہو کہ جب تک سفر کی نیت نہ کی جائے قصر کرنا صحیح نہ ہوگا۔ چنانچہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ قصر درست ہونے کے لئے سفر کی نیت شرط ہے، لیکن نیت سفر کے لئے دو باتیں شرط ہیں، ایک تو یہ کہ ابتدائے سفر ہی سے اس پوری مسافت کو طے کرنے کی نیت ہو۔ اگر کوئی شخص یوں ہی منہ اٹھا کر چل پڑا اور خبر نہیں کہ کہاں جانا ہے تو اس میں قصر نہ ہوگا، خواہ تمام زمین کے گرد کوئی شخص پھر جائے، کیونکہ قصر کے فاصلہ تک جانے کا ارادہ نہیں ہوا۔ اس امر پر سب متفق ہیں۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ مسافت قصر کے سفر پر جانے کا ارادہ تو کیا لیکن پھر درمیان میں اتنے عرصہ تک ٹھہرنے کا ارادہ ہو گیا جس سے سفر کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس عرصہ کی تفصیل اس کے بیان میں آئے گی۔ حنفیہ کو اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

دوسری شرط ارادہ کا مستقل ہونا ہے (یعنی ارادہ کسی دوسرے کا تابع نہ ہو)، لہٰذا جو شخص (سفر میں) دوسرے کا تابع ہو اس کی نیت سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ متبوع کی نیت نہ ہو۔ مثلاً کوئی بیوی اپنے خاوند کے ساتھ سفر میں ہے یا سپاہی اپنے سردار کے ساتھ یا ملازم آقا کے ہمرکاب ہے۔ اب اگر بیوی نے (بطور خود) قصر کے قابل مسافت کا ارادہ کر لیا لیکن خاوند نے نہیں کیا تو بیوی کو قصر نہ کرنا چاہیے۔ یہی حال سپاہی یا ملازم کا ہے (کہ اس کے اپنے ارادہ سے قصر عائد نہیں ہوتا) خواہ پہلے سے کسی کی نیت یہ ہو کہ موقع پاتے ہی اپنے متبوع کی ماتحتی سے علیحدہ ہو جائے گا یا ایسی نیت نہ ہو۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ شافعیہ کو

شافعیہ کہتے ہیں کہ مسافت کی متذکرہ مقدار سے کمی میں حرج ہے۔ چنانچہ اگر اس مقدار مسافت سے کچھ بھی کم ہو تو قصر جائز نہیں ہے، تاہم انہوں نے مسافت کا اندازہ گمانِ غالب سے لگا لینے کو کافی سمجھا ہے، یقین کی شرط نہیں ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ سفر کی حیثیت کو ختم کرنے والی محض نیتِ اقامت کرنے سے قصر کا حکم باطل نہیں ہوتا جب تک کہ فی الواقع کوئی شخص اقامت اختیار ہی نہ کر لے، چنانچہ مثلاً کوئی شخص قاہرہ سے چلے اور اسیوط میں پندرہ یوم یا اس سے زیادہ قیام کرنے کی نیت ہو تو جب تک سفر میں ہے قصر واجب ہوگا، یہاں تک کہ (وہاں پہنچ کر) اقامت نہ کر لے۔

Marfat.com

اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[۱]

سفر کی نیت صحیح ہونے کے لئے بالغ ہونا شرط نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کوئی نابالغ لڑکا ایسے سفر کا ارادہ کرے جس میں قصر عائد ہوتا ہے تو اسے نماز قصر پڑھنا چاہیے۔ اس بارے میں حنفیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[۲]

حرام یا مکروہ سفر میں نماز کے قصر کرنے کا بیان

(صحتِ قصر کی شرائط میں سے یہ ہے کہ سفر مباح ہو۔ اگر سفر حرام ہو مثلاً سرقۂ مال کی غرض سے یا ڈاکہ وغیرہ ڈالنے کے لئے سفر کیا تو قصر عائد نہیں ہوتا)۔ اگر قصر کیا تو نماز ادا نہ ہوگی۔ اس پر شافعیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے، حنفیہ اور مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کے مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[۳] اور اگر سفر مکروہ اغراض کے لئے ہو تو اس کے بارے میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔ ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔[۴]

اگر سفر مباح ہو اور اس میں کسی معصیت کا ارتکاب ہو جائے تو یہ امر قصر سے مانع نہیں ہے۔

۱۔ شافعیہ نے اس مسئلہ میں یہ اور اضافہ کیا ہے کہ کوئی ماتحت یہ نیت کرے کہ جوں ہی ماتحتی سے الگ ہوگا سفر سے واپس چلا جائے گا۔ مثلاً کسی فوجی کا نام قطع ہونا ہو یا ملازمت سے ملازم کی برطرفی ہو تو وہ اس حالت میں قصر نہ کرے، یہاں تک کہ قصر کا فاصلہ یعنی دو منزلیں طے ہو جائیں۔ اگر دو منزلوں پر پہنچنے کے بعد کوئی نماز فوت ہوئی تو اس کی قضا قصر کی صورت میں ہوگی، کیونکہ وہ نماز حالت سفر کی فوت شدہ نماز ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ سفر کی نیت کے لئے بالغ ہونا شرط ہے، چنانچہ لڑکے کی نیت درست نہیں ہوگی۔ پس ان کے نزدیک نیتِ سفر کی تین شرطیں ہیں: شروع سے پوری مسافت قطع کرنے کی نیت کا ہونا، ارادہ مستقل ہونا اور بالغ ہونا۔

۳۔ حنفیہ اور مالکیہ ایسی کوئی شرط عائد نہیں کرتے، لہٰذا حنفیہ کے نزدیک ہر مسافر پر قصر واجب ہوا، اگرچہ کوئی شخص (اس سفر میں) فعلِ حرام کا مرتکب ہوا ہو، ہاں اس فعلِ حرام کے ارتکاب کا گناہ ہوگا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ سفر کسی حرام مقصد کے لئے ہو تو قصر درست ہے لیکن گناہ ہوگا۔

۴۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اور سفروں کی طرح مکروہ سفر میں بھی قصر واجب ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ سفر مکروہ میں قصر جائز ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ سفر مکروہ میں قصر مکروہ ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ سفر مکروہ میں قصر جائز نہیں ہے۔ اگر قصر کیا تو نماز نہ ہوگی جیسے سفر حرام کو سفر ہی تسلیم نہیں کیا جاتا۔

Marfat.com

جہاں سے مسافر پر نماز قصر عائد ہوتی ہے اس کا بیان

کسی مسافر کے لئے آغاز سفر سے پہلے اور اپنی قیام گاہ سے اتنی مسافت پر پہنچنے سے پہلے جس کی تفصیل مختلف مسالک کی رو سے ذیلی حاشیہ میں کی گئی ہے۔ (۱) نماز کا قصر کرنا درست نہیں ہے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ تحقق سفر کے لئے ضروری ہے کہ کوئی شخص اتنی دور چلا جائے جہاں پہنچ کر عام طور پر اسے مسافر شمار کیا جاتا ہے۔ بستی میں رہنے والے کے لئے سفر کی ابتداء اس فصیل سے، جو اس بستی میں واقع ہے، آگے نکل جانے پر ہوتی ہے، بشرطیکہ وہ فصیل اسی رخ پر ہو جدھر مسافر کے جانے کا ارادہ ہے، اگرچہ فصیل کے اندر کھنڈرات، کھیت اور گھر بنے ہوں، کیونکہ (فصیل کے اندر) یہ تمام چیزیں اسی بستی کے ضمن میں شمار ہوتی ہیں جہاں سے مسافر روانہ ہوا۔ اگر کسی آبادی کی فصیل ہو تو وہاں خندق اور پل وغیرہ کو فصیل کے بجائے خیال نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اگر اہل آبادی کسی پل وغیرہ کو فصیل (شہر پناہ) کا قائم مقام قرار دے لیں تو خیر (اسی کو فصیل کی حیثیت حاصل ہوگی)۔ جس شہر میں فصیل نہ ہو، بلکہ پل یا خندق ہو، تو وہاں سے گزر جانا (تحقق سفر کے لئے) ضروری ہے۔ اگر ایسی کوئی شے نہ ہو تو بستی سے باہر نکل جانے کو سفر کا آغاز سمجھا جائے گا، اگرچہ درمیان میں کھنڈرات وغیرہ ہوں۔ (تحقق سفر کے لئے) یہ شرط نہیں ہے کہ مسافر بستی کے قرب وجوار کے کھنڈرات سے جس کی دیوار کی بنیادیں مٹ گئی ہوں گزر جائے اور نہ کھیت اور باغات سے گزر جانا ہی شرط ہے اگرچہ اس جگہ ایسی کوٹھیاں یا مکانات بنے ہوئے ہوں جہاں جا کر سال کے کچھ حصہ میں لوگ رہتے ہوں، تاہم بے فصیل کی آبادی کے متصل جو قبرستان ہو اس سے آگے جانے پر سفر شمار ہوگا۔ اگر کسی شہر کے متصل دو ایک ایسی بستیاں ہوں جن کے بیچ میں فصیل واقع نہیں ہے تو ان بستیوں سے آگے جانا شرط ہے۔ ایسی بستیاں نہ ہوں تو فصیل سے آگے جاتے ہی سفر کی حالت خیال کی جائے گی۔ اگر وہ قریے متصل نہ ہوں تو صرف اس قریہ سے جہاں مسافر رہتا ہے، باہر جانا (شرط سفر پوری ہونے کے لئے) کافی ہے۔ ایسی کوٹھیاں جو شہر کے متصل باغات میں واقع ہوں اور ان میں تمام سال لوگ سکونت رکھتے ہوں تو اس کی وہی حیثیت ہے جو دو قریوں کی اوپر بتائی گئی۔ اگر اس میں سکونت نہ ہو تو وہ حیثیت نہ رہے گی، جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔

خیموں میں رہنے والوں (چادر نشینوں) کے سفر کا آغاز اس وقت خیال کیا جائے گا جب وہ خیموں اور ان کے متعلقات کوڑی، بچوں کے کھیلنے کے میدان یا جانوروں کے باڑے سے آگے چلا جائے۔ اسی طرح ضروری ہے کہ اگر پڑاؤ اونچی جگہ پر ہے تو اس کے نشیب سے اور اگر نشیب میں ہے تو اس کی بلندی سے گزر جانے کے بعد سفر متصور ہوگا نیز عرض وادی سے گزر جانے پر جب کہ اس کے پاٹ سے گزر کر جانا ہو سفر کا آغاز متصور ہوگا۔ یہ مسائل اس صورت میں ہیں جب کہ اس نشیب وفراز یا وادی کا رقبہ حد اعتدال سے زیادہ نہ ہو۔ اگر یہ رقبہ بہت زیادہ وسیع ہے تو صرف اس جگہ سے آگے جانے پر سفر ہوگا جہاں لوگ رات کو بات چیت کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں، مثلاً وہ مکانات جہاں جمع ہو کر بستی کے لوگ ایک دوسرے سے اپنی ضروریات حاصل کرتے ہیں۔ وہ مسافر جس کی رہائش نہ مکانوں میں ہو اور نہ خیموں میں اس کے سفر کا آغاز اس کی اقامت گاہ اور اقامت گاہ کی متعلقہ جگہوں سے آگے جانے پر متصور ہوگا۔

Marfat.com

یہ مسائل خشکی کے سفر سے تعلق رکھتے ہیں، اب رہاں سمندر کا سفر سو اگر وہ سمندر کسی شہر سے لگتا ہے جیسے سویس یا جدہ سے سفر ہے تو اس صورت میں بغرض سفر جہاز کے حرکت کرتے ہی سفر شروع متصور ہوگا۔ اس کے لئے بقول معتمد فصیل وغیرہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے گو وہ شہر فصیل والا ہو۔ تاہم اگر جہاز شہر کی عمارتوں کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے تو جب تک کہ ان عمارتوں سے آگے نہ نکل جائے نماز قصر نہ پڑھی جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مسافر جب اپنی اقامت گاہ کی عمارتوں سے روانہ ہو جائے جسے بالعموم (سفر کے لئے) روانگی کہا جاتا ہے، تو نماز قصر کرنی چاہیے، خواہ فصیل (شہر پناہ) کے اندر ہو یا باہر اور خواہ اس کے متصل کھنڈر اور میدان ہو۔ البتہ اگر ان کھنڈرات کے ساتھ آباد گھر بھی ہوں تو جب تک ان دونوں سے آگے نہ جائے قصر نہ کرے۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جب کہ کھنڈرات کے ساتھ ایسے باغات ہوں جہاں لوگ موسم گرما میں تفریح کے طور پر رہتے ہوں جب تک اس سے آگے (مسافر) نہ جائے قصر نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی مسافر خیمہ یا کوٹھی اور باغ میں رہتا ہے تو جب تک ان خیموں اور ان مقامات سے جو کوٹھیوں اور باغات سے وابستہ سمجھے جاتے ہیں (بعزم سفر) آگے نہ چلا جائے نماز کی قصر نہ کی جائے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ایسے الگ تھلگ مکان میں رہتا ہے جو لکڑی یا بانس وغیرہ سے بنا لیا جاتا ہے تو جب تک وہ اس علاقہ سے دور نہ ہو جائے جہاں قوم آباد ہے نماز قصر نہ کرے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص قصر عائد کرنے والی مسافت متشرحۂ بالا کے سفر کا ارادہ کر کے اپنی قیام گاہ سے روانہ ہو کر بستی سے آگے چلا جائے تب نماز قصر پڑھے، خواہ وہ اس شہر کا باشندہ ہو یا نہ ہو۔ پس اگر کوئی شخص شہر سے روانہ ہوا تو جب تک ادھر کے مکانات سے گزر نہ جائے جدھر سے وہ (سفر پر) روانہ ہوا ہے نماز قصر نہ پڑھے، اگرچہ دوسری جانب اس کے مقابلہ میں مکانات ہوں (یعنی دوسرے رخ کے مکانات سے آگے جانے پر سفر کا تحقق موقوف نہیں ہے)۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ تمام ہی مکانات سے گزر جانے پر تحقق سفر ہو، اگرچہ وہ مکانات متفرق ہوں لیکن وہ اس شہر ہی کے مکانات کہے جاتے ہوں۔ اگر کوئی ایسا محلہ شہر سے منقطع ہو گیا ہے جو پہلے شہر میں شامل تھا تو جب تک اس سے نکل نہ جائے نماز قصر نہ کرے، بشرطیکہ وہ مکانات آباد ہوں۔ ہاں اگر وہ مکانات بے آباد ہوں جن میں کوئی بستا نہ ہو تو (مسافر قرار دیئے جانے کے لئے) ان سے آگے جانے پر تحقق سفر موقوف نہیں ہے۔ نیز (تحقق سفر کے لئے) ضروری ہے کہ کسی شہر کے متصل جو رہائش گاہیں ہیں اور وہ بستی جو شہر سے ملی ہوئی ہے اس سے آگے نکل جائے تب ہی وہ سفر ہوگا۔ بخلاف ان بستیوں کے جو (شہر سے نہیں بلکہ) شہر کے بیرونی میدانوں سے ملحق ہیں کہ ان سے آگے جانا ضروری نہیں ہے۔ نیز یہ بھی شرط نہیں ہے کہ مکان نظر سے اوجھل ہو جائیں (تب ہی سفر سمجھا جائے)۔ کوئی شخص چھولداری یا خیموں سے روانہ ہوا تو جب تک ان سب سے باہر نہ نکل جائے مسافر متصور نہ ہوگا۔ یہ خیمے خواہ قریب قریب ہوں یا متفرق طور پر ہوں۔ اگر کوئی شخص دریائی علاقہ یا گھنے جنگل میں رہتا ہے تو جب تک اس دریائی علاقہ یا جھاڑ سے باہر نہ نکل جائے مسافر متصور نہ ہوگا، درآنحالیکہ وہ جنگل بہت زیادہ وسیع یا اس دریا کا منبع یا اس کے گرنے کی جگہ بہت دور نہ ہو، ایسی صورت ہو تو صرف آبادی سے آگے جانے پر سفر کا اعتبار کیا جائے گا۔ تحقق سفر کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ مسافر اپنی جائے اقامت کے قریب جو فناء (میدان) ہے اس سے آگے چلا جائے۔ فناء سے وہ جگہ مراد ہے جو بستی والوں کے رفاہی مقصد کے لئے مہیا کی جائے مثلاً گھوڑ دوڑ کا میدان، مردوں کے دفن کرنے یا

Marfat.com

مسافر کا مقیم کے پیچھے نماز پڑھنا

قصر کی شرطوں میں سے یہ بھی ہے کہ قصر کرنے والا مسافر کسی مقیم یا ایسے مسافر کے پیچھے نماز نہ پڑھ رہا ہو جو پوری نماز پڑھتا ہے۔ ایسی صورت میں پوری نماز پڑھنا واجب ہے، خواہ یہ متابعت وقتِ نماز کے اندر ہو یا وقت نکلنے کے بعد۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہو۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

ملبہ وغیرہ پھینکنے کی جگہ۔ اب اگر یہ فنا (میدان) کھیت سے یا چار سو ہاتھ لمبے میدان کے فاصلہ پر ہو تو اس سے آگے جانا (تحقق سفر کی) شرط نہیں ہے۔ اسی طرح (شہر کے) باغات سے آگے جانا بھی شرط نہیں ہے، کیونکہ اس کا شمار آبادی میں نہیں کیا جاتا، اگرچہ وہ عمارات کے متصل ہوں، خواہ اس میں لوگ تمام سال یا سال کے کچھ حصہ میں رہتے ہوں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مسافر یا تو گھر سے روانہ ہوگا یا خیموں سے، جیسے بدو کرتے ہیں یا کسی ایسی جگہ سے جہاں نہ عمارتیں ہیں اور نہ خیمے جیسے کوہستانی باشندے۔ اب اگر مسافر آبادی سے روانہ ہونے والا شخص ہے تو وہ نماز قصر نہ کرے جب تک (اس آبادی کے) مکانات سے اور باغات سے جہاں ان کے مالک سال کے کسی حصے میں حقیقی یا حکمی طور پر یعنی اس طرح کہ ان کی ضروریات شہر سے وابستہ ہوں، رہتے ہیں، آگے نہ نکل جائے۔ لیکن اگر وہاں سال کے کسی حصہ میں کوئی نہ رہتا ہو تو اس سے آگے جانا شرط تحقق سفر نہیں ہے۔ یہی حکم کھیتوں کا ہے اور یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ یہ مقامات شہر سے فاصلہ پر ہوں اور ان کی ضروریات اس شہر سے وابستہ نہ ہوں، کہ اس سے آگے جانا شرط نہیں ہے۔ اور بقول معتمد یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ کوئی شخص تین میل آگے نکل جائے تب ہی مسافر متصور ہو، بلکہ صرف مذکورہ (قسم کے) باغ سے آگے جانے کا اعتبار ہوگا۔ اگر کوئی شخص ایسے شہر سے جہاں نماز جمعہ ہوتی ہے روانہ ہوا اور یا اس شہر کے متصل باغات ہوں، جہاں کے رہنے والے اپنی ضروریات اس شہر سے حاصل کرتے ہوں تو اس سے آگے جانا سفر متصور ہوگا اور قرب وجوار کے عزب (الگ تھلگ باغیچے) جہاں کے باشندوں میں باہم تعاون ہو تو وہ سب ایک شہر کی مانند ہیں، لہٰذا کوئی شخص جب تک اس عزب (الگ تھلگ مقامات) سے آگے نہ جائے نماز قصر نہ کرے اور خیموں میں رہنے والا شخص جب سفر کو روانہ ہو تو جب تک کہ ان تمام خیموں کو جن کا مجموعہ کسی ایک قبیلہ یا گھرانے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے یا اس کو صرف دار (گھرانہ یعنی دارفلاں) سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس سے آگے نہ جائے سفر متصور نہ ہوگا، کیونکہ ان سب کے مجموعہ کا نام قبیلہ ہے۔ اگر وہ تمام خیمہ نشیں کسی ایک قبیلہ یا گھرانے کے نہ ہوں لیکن ان میں باہمی رفاقت ہو (یعنی ایک دوسرے کے ساتھ مفادات وابستہ ہوں) تو تحقق سفر کے لئے تمام خیموں سے آگے جانا ضروری ہے۔ ایسی صورت نہ ہو تو صرف اپنے خیمہ سے روانہ ہو جانا ہی سفر متصور ہوگا اور وہ شخص جو ایسی جگہ رہتا ہو جہاں نہ خیمے ہوں نہ مکانات ہوں تو اسے اپنی رہائش گاہ سے الگ ہوتے ہی قصر کرنی چاہیے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مسافر کا مقیم کے پیچھے نماز پڑھنا صرف وقتِ صلوٰۃ کے اندر اندر جائز ہے اور (مقیم کے پیچھے) مسافر کو پوری نماز پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ (حالتِ اقتدا میں) اس پر دو کے بجائے چار رکعت فرض ہو جاتی ہیں۔ نماز کا وقت

Marfat.com

واضح ہو کہ اس مسئلہ میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مقیم مقتدی نے پوری نماز امام مسافر کے ساتھ پڑھی ہو یا کسی حصہ خواہ صرف تشہد اخیر ہی میں شاملِ نماز ہوا ہو۔ اسے اپنی نماز پوری کرنی چاہیے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو[1] اور کسی مسافر کا مقیم کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے، لیکن مالکیہ کہتے ہیں کہ مکروہ ہے، سوا اس صورت کے جب کہ امام کو فضیلت یا کوئی امتیاز حاصل ہو۔

نماز قصر کی نیت کرنا

منجملہ (شرائطِ صحت کے) ہر نماز قصر میں قصر کی نیت کرنا ہے۔ جیسا کہ نیت کے بیان میں سابقاً مفصل بتایا گیا ہے۔ اس پر شافعیہ اور حنابلہ کو اتفاق ہے۔ مالکیہ اور حنفیہ کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں[2]۔

امور مانع قصر کا بیان

قیام کی نیت کر لینا

چند امور کے پیش آجانے پر قصر کرنا ممنوع ہو جاتا ہے، منجملہ ان کے یہ ہے کہ اتنے عرصہ تک قیام

نکل جانے کے بعد کسی مسافر کا مقیم کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ وقتِ نماز ختم ہونے کے بعد اس کا فرض دو کے بجائے چار رکعت نہ ہو جائے گا، بلکہ اس کے ذمہ مستقل طور پر دو رکعت فرض عائد ہو چکا ہے۔ اگر (وقت گزرنے کے بعد) مقیم کی اقتدا میں نماز پڑھی تو باطل ہو جائے گی، کیونکہ اس وقت مقتدی پر تو قعدۂ اولیٰ فرض ہوگا اور امام کے لئے وہ فرض نہ ہوگا اور قاعدہ یہ ہے کہ امام کی حیثیت مقتدی کے مقابلہ میں ہر نماز میں، وقت کے اندر کی ہو یا وقت کے بعد کی، زیادہ مضبوط ہونی چاہیے۔ رہا کسی مقیم کا مسافر کے پیچھے نماز پڑھنا سو وہ وقت کے اندر کی نماز ہو یا وقت کے باہر کی بہر حال درست ہے۔ مقیم کو چاہیے کہ مسافر کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کرے اور جب امام سلام پھیر دے تو مقتدی (مقیم) کھڑا ہو جائے اور مسبوق کی طرح باقی ماندہ دو رکعتیں پوری کرے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر مسافر امام (مقیم) کے ساتھ پوری ایک رکعت میں شریک نہ ہو سکا تو اس پر (امام کی اقتدا میں) پوری نماز پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ وہ قصر کرے، کیونکہ اس کو مقتدی کی حیثیت میں ہی تصور نہ کیا جائے گا جب تک کہ وہ پوری ایک رکعت میں امام کے ساتھ شامل نماز نہ رہا ہو۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ قصر کی نیت صرف پہلی بار سفر کے اندر نماز قصر ادا کرنے میں کافی ہے۔ بعد کی سفری نمازوں میں اس کا دہرانا ضروری نہیں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ماہ رمضان کی پہلی رات میں روزہ رکھنے کی نیت کر لینا مہینہ کے باقی ایام میں روزہ کے لئے کافی ہے۔

Marfat.com

کی نیت کی جائے جس کی تفصیل مختلف مسالک میں بتائی گئی ہے۔اس کے لئے ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔[1]

حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز سے پہلے سفر کی نیت لازمی ہے اور جب سفر کی نیت کر لی تو اب صرف دو رکعتیں فرض (از خود) رہ گئیں اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ نیت میں رکعت کی تعداد کا تعین ضروری نہیں ہے، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے پورے پندرہ روز متواتر (کسی جگہ) ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا تو قصر کرنا منع ہوگا۔ اگر اس عرصہ سے کم، خواہ ایک ہی ساعت کم ہو، ٹھہرنے کی نیت کی تو اسے مقیم نہ قرار دیا جائے گا اور نماز کا قصر کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اس کی چار شرائط ہیں: اول یہ کہ عملی طور پر سفر ختم کر دیا ہو۔ اگر ٹھہرنے کا محض ارادہ کیا ہے لیکن ہنوز سفر جاری ہے تو مقیم متصور نہ ہوگا اور قصر واجب رہے گا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ جگہ جہاں ٹھہرنے کی نیت کی ہے ٹھہرنے کے قابل ہو۔ چنانچہ اگر کسی صحرا میں ٹھہرنے کا ارادہ کیا، جہاں ٹھہرنے کی کوئی جگہ نہیں ہے یا کوئی ویران جزیرہ یا سمندر ہے، تو اس صورت میں قصر واجب رہے گا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ جہاں ٹھہرنے کی نیت کی ہے وہ ایک ہی مقام ہو۔ اگر دو شہروں میں جن میں سے کسی کی تعیین نہیں کی گئی، قیام کی نیت ہے تب بھی نیت اقامت (جو مانع قصر ہو) صحیح نہ ہوگی۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ نیت کرنے والا اپنے ارادہ کا مختار ہو، اگر کسی تابع نے قیام کرنے کی نیت کی تو اس کی نیت درست نہ ہوگی اور نماز پوری نہ پڑھی جائے گی جب تک کہ متبوع کی نیت نہ معلوم ہو، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔ اگر کسی نے تین دن کی مسافت کا ارادہ کیا پھر اس سفر کو پورا کرنے سے پہلے واپس آ گیا تو جب سے واپسی کا ارادہ کیا اسی وقت سے پوری نماز واجب ہو گی۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ مسافتِ سفر پوری کرنے سے پہلے ٹھہرنے کی نیت کر لی۔ اس صورت میں اسی جگہ سے جہاں پہنچ گیا ہے پوری نماز واجب ہوگی، اگرچہ وہ جگہ ناقابل اقامت ہو جس کی صورت آگے بیان کی جائے گی۔ اگر کسی شخص نے پندرہ روز سے کم ٹھہرنے کی نیت کی، یا ٹھہرنے کی نیت کے بغیر ہی ٹھہر گیا تو اسے مسافر ہی قرار دیا جائے گا اور اس پر قصر واجب رہے گا، اگرچہ اسی حال میں برسوں گزر جائیں۔ البتہ مثلاً اگر قافلہ کے وارد ہونے کا انتظار ہے اور یہ معلوم ہے کہ وہ پندرہ یوم سے پہلے نہیں آئے گا تو ایسے شخص کو اقامت کی نیت کرنے والا تصور کیا جائے گا اور اسی حالت میں اس کو پوری نماز پڑھنا واجب ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر مسافر محض ٹھہرنے کی نیت کر لے تو بہر حال قصر کرنا منع ہوگا، اگرچہ وہ جگہ ٹھہرنے کے قابل نہ ہو یا اتنے عرصہ تک ٹھہرنے کا ارادہ کرے جس میں بیس نمازوں سے زیادہ واجب ہو جاتی ہیں۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کسی ایسے کام سے ٹھہرنا ہو جس کے متعلق گمان یہ ہے کہ وہ چار روز سے کم میں پورا نہ ہوگا۔ اس مدت میں آنے اور جانے والا دن داخل ہے۔ اگر کسی شخص کو دوران سفر کسی کام سے ٹھہرنا ہوا اور وہاں قیام کرنے کا ارادہ نہ ہوا اور یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کام کب تک ختم ہوگا تو اس حال میں قصر جاری رہے گا، خواہ اسی حال میں کئی سال گزر جائیں اور جب یہ احتمال ہو کہ وہ کام سفر کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی پورا ہو جائے گا تو خواہ قیام کی مدت بڑھ جانے یا کم ہو جانے کا گمان ہو دونوں برابر ہے۔ اگر کوئی مسافر سفر ختم کرنے سے پہلے ہی مقام روانگی پر واپس آ جائے تو واپس آنے کے بعد قصر نہ کرنا چاہیے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ (کسی مقام پر) چار دن ٹھہرنے کا ارادہ ہو جائے تو سفر کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے اور قصر ممنوع ہوتا ہے۔ اس کی دو شرطیں ہیں: ایک یہ کہ چار دن پورے ہوں، لہٰذا جس روز کوئی شخص پہنچا اور فجر طلوع ہو چکی تھی تو اس دن کو

(چار دنوں میں) شمار نہ کیا جائے گا اور نہ وہ دن شمار میں آئے گا جس دن روانہ ہوا جب کہ دن کے وقت روانگی ہوئی ہو۔ دوسری شرط یہ کہ مدت اقامت اتنی ہو جس میں بیس نمازیں فرض ہوئی ہوں۔ پس اگر چار یوم پورے قیام کیا اور چوتھے روز سورج ڈوبنے کے بعد روانہ ہوا اور قیام سے پہلے ارادہ بھی یہی تھا تو یہ دوران اقامت نماز قصر کرے، کیونکہ اس پر بیس رکعتیں واجب نہیں ہوئی تھیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص زوال کے وقت پہنچا اور تین دن پورے اور آنے والے دن کو چھوڑ کر چوتھے دن کا کچھ حصہ گزار کر روانہ ہونے کا ارادہ تھا تو وہ قصر جاری رکھے گا، کیونکہ چار دن پورے نہیں ہوئے۔ پھر یہ ہے کہ قیام کرنے کی نیت یا تو ابتدائے سفر ہی میں کر لی جائے گی یا دورانِ سفر میں ہوگی۔ اگر یہ نیت ابتدائے سفر سے ہو تو دیکھنا چاہیے کہ آیا جہاں نیت کی ہے وہاں سے اس مقام تک کی مسافت میں جہاں ٹھہرنے کا ارادہ ہے، قصر عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر اس کا فاصلہ قصر عائد کرنے والا ہے تو نماز قصر کی جائے جب تک کہ فی الواقع ٹھہرنے کی جگہ پر نہ پہنچ جائے، اگر اتنا فاصلہ نہ ہو تو نیت کے بعد پوری نماز پڑھی جائے اور اگر ٹھہرنے کی نیت سفر کے دوران کی گئی تو بقول معتمد مقام اقامت پر فی الواقع پہنچ جانے تک نماز قصر پڑھے، اگر چہ مقام نیت سے وہ مقام قصر عائد کرنے والی مسافت سے کم ہو اور جس مقام پر ٹھہرنے کی نیت کی گئی ہے اس مقام کے لئے یہ کوئی شرط نہیں ہے کہ وہ جگہ ٹھہرنے کے قابل بھی ہو۔ چنانچہ اگر کسی نے ایسی جگہ پر جہاں سامانِ رہائش نہیں ہے، ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا تو وہاں پہنچتے ہی قصر ختم کر دینا چاہیے جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔ اگر کسی مقام کی بابت یہ علم ہو کہ اس جگہ پر معمولاً چار دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنا پڑتا ہے تو یہ بھی قیام کرنے کی نیت کے برابر ہے، لہٰذا پوری نماز پڑھی جائے اگر چہ نیت نہ کی ہو۔ لیکن اگر یہ تہیہ کر لیا ہے کہ وہاں خلاف معمول چار دن قیام نہ کرے گا (بلکہ اس سے پہلے ہی روانہ ہو جائے گا) تو سفر کی حیثیت ختم نہ ہوگی (اور قصر کرنا ہوگا)۔ اس حکم سے لشکر کا کسی خطرناک مقام پر ٹھہرنے کی نیت کرنا مستثنیٰ ہے، یعنی اس صورت میں سفر کی حیثیت ختم نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص دوران سفر میں کسی جگہ، جہاں ٹھہرنے کا ارادہ نہ تھا ٹھہر گیا تو قصر منع نہ ہوگا اسی حال میں کتنی ہی مدت گزر جائے۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ اپنے منتہائے سفر پر پہنچنے کے بعد نیت قیام کے بغیر قیام کرے۔ وہاں پہنچنے کے بعد قصر ممنوع ہے جب کہ یہ معلوم ہو یا گمان ہو کہ وہاں سے سفر کی حیثیت کو ختم کرنے والی مدت سے پہلے ہی روانہ ہو جانا ہے۔ اگر کوئی شخص سفر کا آغاز کرنے کے بعد اسی جگہ پھر آ گیا جہاں سے سفر کیا تھا، خواہ وہ وطن ہو یا کوئی اور اقامت گاہ واپس ہونے والے شخص کے حق میں واپسی ایک مستقل سفر متصور ہوگا۔ پس اگر وہ مسافت قابل قصر ہے تو قصر کیا جائے ورنہ نہ کیا جائے اگر چہ وہاں ٹھہرنے کی نیت نہ ہو اور خواہ یہ واپسی کسی ایسی چیز کے لئے ہو جو بھولے سے رہ گئی تھی یا اس کے لئے نہ ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ آنے اور جانے والے دن کو نکال کر اگر پورے چار روز تک ٹھہرنے کی نیت کر لی جائے تو قصر ختم ہو جائے گا۔ ہاں چار دن سے کم کی نیت کی یا کوئی نیت نہ تھی تو قصر کرنا چاہیے، یہاں تک کہ فی الواقع چار روز تک ٹھہرنا ہو۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ وہاں ٹھہرے رہنے کی کوئی ضرورت نہ ہو لیکن اگر ٹھہرنا کسی ضرورت سے ہو اور یہ یقین ہے کہ چار دن میں وہ ضرورت پوری نہ ہوگی تو وہاں توقف کرنے اور ٹھہر جانے کے ساتھ ہی سفر (کا حکم) ختم ہو جائے گا، خواہ اس ضرورت کے پوری ہونے پر ٹھہرنے کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔ اگر اس ضرورت کے پورا ہونے کی توقع کسی اور وقت میں ہو، یعنی یہ قطعی بات نہیں ہے کہ چار روز ٹھہرنا ہی پڑے گا تو اس صورت میں اٹھارہ یوم تک وہ قصر کر سکتا ہے۔

Marfat.com

وہ امور جن سے قصر باطل ہوتا ہے

اور وطن اصلی وغیرہ کی تعریف

جب کوئی شخص سفر سے اس مقام پر واپس آجائے جہاں آغاز سفر میں قصر مباح ہوا تھا، تو قصر باطل ہو جائے گا، خواہ وہ جگہ اس کا وطن ہو یا نہ ہو۔ اور سفر سے عملاً واپس ہونے اور واپسی کی نیت کرنے کا ایک ہی حکم ہے۔ یہ تمام مسائل بہ موجب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ اس کے لئے ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (1)

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جب مسافر اس مقام کو لوٹے جہاں سے روانہ ہوا تھا اور یہ مسافت اس سے کم ہے جس میں قصر ہوتا ہے تو سفر ختم متصور ہوگا۔ اسی طرح واپسی کی نیت کرنے کے ساتھ ہی سفر کی حیثیت جاتی رہتی ہے، خواہ عملاً واپسی نہ ہوئی ہو۔ دونوں حالتوں میں نماز کا پورا پڑھنا واجب ہے۔ لیکن اگر اتنا فاصلہ طے کرنے کے بعد لوٹا جس میں قصر ہوتا ہے تو جب تک واپس نہ آجائے پوری نماز نہ پڑھے، یعنی اس صورت میں نہ واپسی کی نیت کرنے سے قصر باطل ہوگا اور نہ عملی طور پر واپسی کے آغاز سے۔

اب جاننا چاہیے کہ حنفیہ کے نزدیک وطن کی دو قسمیں ہیں: وطن اصلی وہ ہے جہاں انسان پیدا ہوا یا جہاں اس کی بیوی اس کی تحت زوجیت رہتی ہو یا وہ جگہ جہاں حصول رزق کے لئے آدمی رہائش پزیر ہوا گرچہ وہاں پیدا نہ ہوا ہو یا اس کی بیوی اس جگہ کی نہ ہو۔ وطن کی دوسری قسم وطنِ اقامت ہے۔ اس سے مراد وہ قابل رہائش جگہ ہے جہاں کوئی شخص پندرہ روز یا زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ کرے۔

یاد رہے کہ اصل وطن، جب تک اس جیسا کوئی اور وطن نہ بنایا جائے باطل نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص مثلاً ''اسیوط'' میں پیدا ہوا اور وہی اس کا اصل وطن ہے، اس کے بعد وہ قاہرہ آ گیا اور وہاں شادی کر کے مستقل طور پر وہیں کی رہائش کی اور وہیں بسر اوقات کرنے لگا تو اب وہ اس کا اصل وطن ہو جائے گا۔ لہٰذا اگر قاہرہ سے ''اسیوط'' کا سفر کیا جہاں وہ پیدا ہوا تھا تو وہاں نماز قصر واجب ہوگی، جب تک کہ اتنی مدت نہ ٹھہرنا ہو جس سے سفر کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے، کیونکہ ''اسیوط'' اگرچہ اس کا اصل وطن تھا، لیکن اس جیسا ایک اور وطن بن جانے سے جس سے مراد قاہرہ ہے وہ وطن ختم ہو گیا۔ ان دو وطنوں میں سے کسی ایک وطن کے باطل ہونے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ دونوں کے درمیان قصر عائد کرنے والا فاصلہ بھی ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص ''واسطی'' میں پیدا ہوا اور پھر قاہرہ میں رہائش اختیار کرنے کی غرض سے وہاں آ گیا یا وہاں شادی کر لی اور پھر ''اسیوط'' کا سفر کیا اور راستہ میں واسطی کے شہر سے گزر ہوا یا اس میں داخل ہوا تو وہاں بھی قصر ہوگا، کیونکہ اگرچہ اس کا وطن وہی ہے لیکن ایک اور ایسی ہی جگہ یعنی قاہرہ کے وطن بن جانے سے باطل ہو گیا اگرچہ ان کے درمیان قصر عائد کرنے والی مسافت نہیں ہے۔

یاد رہے کہ وطن اقامت سے وطن اصلی باطل نہیں ہوتا، چنانچہ اگر کوئی شخص اپنی پیدائش کی جگہ سے یا اپنی بیوی کے شہر سے یا اپنے روزگار کے مقام سے کسی ایسی جگہ روانہ ہوا جو ایسی نہیں ہے اور وہاں پندرہ یوم قیام کیا، پھر اسی جگہ لوٹا جہاں سے

Marfat.com

روانہ ہوا تو اس پر پوری نماز کا پڑھنا واجب ہے، اگرچہ وہاں ٹھہرنے کا ارادہ نہ کیا ہو، کیونکہ وطن اقامت سے وطن اصلی ختم نہیں ہوتا۔ ہاں وطن اقامت تین امور سے باطل ہو جاتا ہے: اول وطن اصلی سے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص مثلاً مکہ میں پندرہ دن رہا اور پھر منیٰ چلا گیا اور وہاں شادی کر لی پھر مکہ واپس آیا تو اب نماز پوری پڑھے، کیونکہ وطن اقامت یعنی مکہ کو وطن اصلی یعنی منیٰ نے ختم کر دیا۔ دوسرا امر یہ کہ وطن اقامت کو اسی جیسا دوسرا وطن اقامت باطل کر دیتا ہے، لہٰذا اگر کسی نے قصر عائد کرنے والی مسافت پر کسی قابل رہائش جگہ کا سفر کیا اور وہاں پندرہ یوم ٹھہرنے کی نیت سے اقامت اختیار کی پھر وہاں سے کسی اور جگہ کوچ کیا اور وہاں پر اسی طرح قیام کیا، پھر اپنی پہلی جگہ پر لوٹ کر آیا تو وہاں قصر کرنا چاہیے بشرطیکہ پندرہ روز قیام کی نیت نہ کی ہو، کیونکہ پہلا وطن اقامت دوسرے وطن اقامت سے ختم ہو گیا۔

واضح ہو کہ ایک وطن اقامت کے دوسرے وطن اقامت سے ختم ہو جانے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ ان کے درمیان قصر عائد کرنے والی مسافت ہو، جیسا کہ وطن اصلی کے بارے میں پہلے بتایا گیا۔ تیسرا امر وطن اقامت سے سفر کے لئے روانہ ہونا، لہٰذا اگر کوئی مسافر کسی قابل رہائش مقام پر جو قصر کی مسافت پر واقع ہے پندرہ روز ٹھہرا اور پھر وہاں سے کسی اور جگہ جانے کے لئے سفر کا ارادہ کیا تو سفر شروع ہوتے ہی وہ وطن اقامت باطل ہو جائے گا، لہٰذا اگر وہاں واپس آنے کی کوئی ضرورت لاحق ہو تو نماز پوری نہ پڑھی جائے گی (بلکہ قصر کیا جائے گا)، کیونکہ سفر کا آغاز ہوتے ہی وہ جو وطن اقامت تھا وہ ختم ہو چکا ہے۔ لیکن اگر اس کے علاوہ کسی اور جگہ سے سفر کیا تو وہ وطن اقامت باطل نہ ہو گا۔ اس کے لئے دو شرطیں ہیں:

ایک یہ کہ مسافر اپنے سفر کے دوران اس جگہ سے نہ گزرے۔ اگر وہیں سے گزرا تو اس کا وطن اقامت ہونا ختم نہ ہو گا۔

دوسرے یہ کہ جہاں سے سفر شروع ہوا ہے وہاں سے وطن اقامت تک قصر عائد کرنے والی مسافت ہو۔ اگر اس سے کم مسافت ہو تو اس کا وطن اقامت ہونا ختم نہ ہو گا۔ مثلاً دو سوداگر سفر پر روانہ ہوئے ایک اسیوط سے اور دوسرا جرجا سے چلا۔ پہلا تاجر قاہرہ میں پندرہ دن قیام کی نیت سے ٹھہر گیا۔ اسی طرح دوسرا تاجر ''کفر الزیات'' میں ٹھہرا تو قاہرہ پہلے کے حق میں وطن اقامت متصور ہو گا اور کفر الزیات دوسرے کے حق میں وطن اقامت ہو گا اور قاہرہ اور کفر الزیات کے درمیان قصر عائد کرنے والا فاصلہ ہے۔ پس اگر وہ دونوں بنہا میں ٹھہرے تو دونوں پوری نماز پڑھیں گے کیونکہ قاہرہ اور ''بنہا'' کے درمیان کا فاصلہ مسافت قصر سے کم ہے۔ یہی حال ''کفر الزیات' سے بنہا تک ہے۔ اب اگر وہ دونوں بنہا میں پندرہ روز ٹھہرے تو ان دونوں کے وطن اقامت یعنی قاہرہ اور کفر الزیات باطل ہو گئے، کیونکہ ایک وطن اقامت کو دوسرا وطن اقامت باطل کر دیتا ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور اس طرح ''بنہا'' ان دونوں کا وطن اقامت بن جائے گا۔ پس جب وہ دونوں ''بنہا'' سے چل کر اس ارادے سے کفر الزیات میں آئے کہ دونوں کفر الزیات سے قاہرہ کیلئے روانہ ہوں گے اور کفر الزیات میں آ کر ایک دن قیام کیا پھر قاہرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے تو کفر الزیات میں انہیں پوری نماز پڑھنی چاہیے کیونکہ ان کی مسافت قصر کی مسافت سے کم ہے۔ اسی طرح قاہرہ کے راستے میں اگر ''بنہا'' سے گزر ہوا تو دونوں پوری نماز پڑھیں گے کیونکہ اگرچہ کفر الزیات اور قاہرہ کے درمیان قصر کی مسافت ہے لیکن چونکہ وہ دونوں اپنے سفر میں ''بنہا'' سے ہو کر گزرے ہیں اس لئے اس کے وطن اقامت ہونے کی حیثیت ختم نہیں ہوئی اس لئے کہ اگر وطن اقامت کے علاوہ کسی اور جگہ سے سفر شروع کیا جائے، راستہ میں

Marfat.com

وطن اقامت پڑتا ہو اور اس جگہ سے آغاز سفر کے مقام تک قصری مسافت سے کم فاصلہ ہو جیسا کہ اس مثال میں ''کفر الزیات'' ہے، تو وہ وطن اقامت باطل نہیں ہوتا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی شہر سے اتنے فاصلہ پر جانے کے ارادہ سے جہاں قصر ہوتا ہے، روانہ ہوا، لیکن پھر اسی جگہ واپس آ گیا تو اب یا تو وہ شہر اس کا اصل وطن ہے، یعنی جہاں وہ پیدا ہوا اور وہیں کا باشندہ کہا جاتا ہے یا وہ کوئی اور شہر ہے جہاں مستقل رہائش کے ارادہ سے وہ مقیم ہے یا پھر وہ ایسی جگہ ہے جہاں اتنی دیر ٹھہرنے کی نیت سے رہا جس سے سفر کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے تو (پہلی دو صورتوں میں یعنی) اگر اپنے اصلی شہر میں یا اس شہر میں جہاں مستقل رہائش کے ارادہ سے ہے، واپس آیا تو وہاں پہنچتے ہی پوری نماز پڑھے، اگرچہ وہاں سفر ختم کرنے والی مدت تک ٹھہرنے کا ارادہ نہ ہو۔ لیکن اگر اس جگہ سے وہاں کی رہائش ترک کر کے سفر کیا تھا تو اس میں واپس آنے پر قصر کرنا منع نہیں ہے سوا اس کے کہ وہاں مدت قصر تک ٹھہرنے کی نیت ہو یا یہ کہ اس کی بیوی وہاں کی ہو جس کے ساتھ وہ وہاں پر رہتا ہے۔ محلِ اقامت میں واپس لوٹ کر آنے سے قصر منع نہیں ہوتا بجز اس صورت کے جب کہ مدت مذکورہ تک ٹھہرنے کا ارادہ ہو۔

واضح ہو کہ یہ حکم اس شہر میں آ جانے پر ہے جہاں سے روانہ ہوا تھا، رہا لوٹنے اور اس شہر تک کے سفر کے دوران فاصلہ کو دیکھا جائے گا اگر واپسی کا فاصلہ قصر عائد کرنے والی مسافت کے برابر ہے تو قصر کرے، ورنہ نہ کرے۔ اگر واپسی کی مسافت قصر کے فاصلہ سے کم ہو تو سفر باطل ہو جائے گا، لہٰذا سفر واپسی کے دوران اور شہر میں پہنچ کر بھی بہر حال نماز پوری پڑھنی چاہیے بشرطیکہ وہ اس کا اصلی شہر یا مستقل رہائش گاہ نہ ہو۔

اگر کوئی شخص سفر میں ہو اور اس کا اصل شہر یا اس کی مستقل رہائش گاہ راستہ میں آ جائے اور وہ اس شہر میں داخل ہو جائے تو داخل ہوتے ہی سفر کی حیثیت ختم ہو جائے گی۔ یہی حکم بیوی کے شہر کا ہے جو وہاں رہتی ہو لیکن اس سے ناچاقی نہ ہو کہ وہاں پہنچتے ہی سفر ختم متصور ہوگا۔ اگر دوران سفر میں کسی نے مقام مذکور کے اندر جانے کی نیت کی تو فاصلہ کو دیکھا جائے گا کہ جہاں نیت کی ہے وہاں سے اس شہر کا، یعنی اس کے اصل وطن یا مستقل رہائش گاہ یا بیوی کے شہر (سسرال) کا فاصلہ کس قدر ہے؟ اگر اتنا فاصلہ ہے جس میں قصر عائد ہوتا ہے تو دوران سفر میں قصر کرے ورنہ نہ کرے۔ بعض اصحاب نے اس حال میں قصر ہی کرنے کو کہا ہے۔ ہاں اگر اس جگہ سے محض گزر جانا ہو تو قصر منع نہ ہوگا، جیسے اس شہر میں سے گزرنے پر جو اس کی بیوی کا ہو جس سے تعلقات زوجیت قائم نہ ہوئے ہوں یا جس سے ناچاقی ہو قصر ممنوع نہیں ہوتا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ وطن وہ ہے جہاں کوئی شخص گرمی اور سردی کے موسم میں مستقل رہائش رکھتا ہو، ایسا نہ ہو تو وہ وطن نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اپنا سفر ختم کرنے کے بعد وطن میں واپس آئے تو وہاں پہنچتے ہی سفر ختم ہو جائے گا، خواہ یہ واپسی کسی ضرورت سے ہوئی ہو یا ضرورت سے نہ ہو اور خواہ وہاں چار روز ٹھہرنے کا ارادہ ہو یا نہ ہو اور سفر واپسی کے دوران قصر جاری رکھنا چاہیے یہاں تک کہ وہاں پہنچ جائے۔ اگر وطن کے علاوہ کسی اور جگہ (سفر سے) واپسی ہوئی ہو تو دیکھنا چاہیے کہ یہ واپسی بلا ضرورت تھی یا نہ تھی۔ اگر بلا ضرورت واپسی ہوئی ہے تو سفر ختم نہ ہوگا جب تک کہ وہاں پہنچنے سے پہلے سفر ختم کرنے والی مدت کے لئے یا (بلا تعین مدت) محض ٹھہرنے کی نیت نہ کی ہو۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ یہ نیت حالت:

Marfat.com

دونمازوں کے جمع کرنے (اکٹھا پڑھنے) کا بیان

بصورت تقدیم وتاخیر

اس کے متعلق چند امور ہیں:

اول: اس کا طریقہ۔

دوم: اس کی شرعی حیثیت۔

سوم: اس کی شرطیں اور اسباب۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ نماز ظہر کے ساتھ ظہر ہی کے وقت میں عصر کی نماز بھی قبل از وقت پڑھی جائے۔ یعنی ظہر اور عصر دونوں نمازیں عصر کا وقت آنے سے پہلے پڑھ لی جائیں، یا ان دونوں کو بصورت تاخیر جمع کیا جائے، بایں طور کہ نماز ظہر میں تاخیر کر دی جائے، یہاں تک کہ اس کا وقت نکل جائے اور عصر کا وقت آنے پر دونوں اکٹھی پڑھی جائیں۔ مغرب اور عشاء کو بھی اسی طرح بصورت تقدیم یا بصورت تاخیر جمع کیا جا سکتا ہے۔ رہی نماز فجر سو اس کو کسی حال میں دوسری نماز کے ساتھ جمع نہیں کیا جا سکتا۔ واضح ہو کہ مکلف انسان کے لئے فرض نماز کو وقت سے پیچھے یا وقت سے پہلے پڑھنا جائز نہیں ہے جب تک کہ ان اسباب میں سے کوئی سبب موجود نہ ہو جن کا ذکر آگے کیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نمازوں کو ان کے

اقامت میں ہو، دورانِ سفر میں نہ ہو اور نیت مستقل ہو، کسی کے تابع نہ ہو۔ اس صورت میں وہاں پہنچتے ہی سفر ختم ہو جائے گا۔ اگر بہ شکل بالا قیام کا ارادہ نہیں کیا تو سفر کا حکم منقطع نہ ہوگا، بجز دو باتوں کے: یعنی عملاً مدت مذکورہ تک ٹھہرنا یا پہنچنے کے بعد ٹھہرنے کی نیت کرنا اور (دوسری صورت یہ ہے کہ) واپسی کسی ضرورت سے ہوئی ہو تو اب اگر یہ یقین ہے کہ وہ ضرورت چار روز سے کم میں پوری نہ ہوگی تو شہر میں آتے ہی اور ٹھہرتے ہی سفر ختم ہو جائے گا۔ اگرچہ قیام کی نیت نہ ہو لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ اس عرصہ کے اندر ہی وہ ضرورت پوری ہو جائے گی تو سفر ختم نہ ہوگا اور جب تک اس شہر میں رہنا ہو قصر کرنا چاہیے۔ یہ حکم اس حالت میں ہے جبکہ کسی وقت بھی ضرورت کے پورا ہو جانے کی توقع نہ ہو۔ اگر ضرورت کے پورا ہونے کی توقع رہے تو پورے اٹھارہ روز تک قصر کیا جا سکتا ہے۔

واضح ہو کہ وطن کی طرف عملاً واپس ہونا اور یا اس کی نیت کر لینا دونوں کا ایک حکم ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے وطن کو جہاں سے ابتداً سفر پر روانہ ہوا تھا واپس ہو یا واپسی کی نیت کرے اور فاصلہ مسافت قصر سے کم ہو تو اس (رجوع یا نیت) کے ساتھ ہی پوری نماز پڑھے، یہاں تک کہ پھر وطن سے روانہ ہو یا واپسی کا ارادہ بدل دے۔ اس واپسی اور واپسی کی نیت سے پہلے جو نمازیں قصر پڑھی گئی ہیں ان کا اعادہ ضروری نہیں ہے۔

Marfat.com

مقررہ اوقات میں ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔اس کی تفصیل اوقاتِ نماز کے بیان میں بتائی جائے گی۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"ان الصلاۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً" (یعنی نماز کو اوقات مقررہ کے اندر ادا کرنا فرض کیا گیا ہے)۔لیکن چونکہ دین اسلام میں آسانی ملحوظ رکھی گئی ہے اس لئے دشواری ہو تو اسے دور کرنے کے لئے اوقات کے علاوہ بھی نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے۔

جمع صلوٰۃ کی شرعی حیثیت اور اس کے اسباب

دو نمازوں کا جمع کرنا شرعاً جائز ہے لیکن اس کے اسباب اور ان کی شرائط مختلف مسالک کی رو سے تفصیل طلب ہیں۔اس کے لئے ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (۱)

اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ واپسی کسی ضرورت سے ہوئی ہو یا قطعاً ترک سفر کر کے واپس ہوا ہو۔اگر وطن اور اس مقام کے درمیان جہاں سے رجوع کی نیت کی ہے، قصر کی مسافت ہے تو سفر واپسی کے دوران قصر کرنا چاہیے، کیونکہ یہ طویل سفر ہے اور اس میں قصر ہوتا ہے اور جب کوئی مسافر اپنے وطن میں سے گزرے تو وہاں پر پوری نماز پڑھے، اگرچہ اس مقام کے سر راہ واقع ہونے کی وجہ سے سوا گزرنے کے وہاں اور کوئی کام نہ ہو۔یہی حکم اس مقام سے گزرنے کا ہے جو اس کی بیوی کا شہر ہے اگرچہ وہ اس کا وطن نہ ہو۔وہاں پر اسے پوری نماز پڑھنی چاہیے، جب تک کہ اس شہر کو نہ چھوڑ جائے۔

ا۔مالکیہ کہتے ہیں کہ دو نمازوں کو جمع کرنے (اکٹھا پڑھنے) کے اسباب حسب ذیل ہیں: سفر، مرض، بارش اور مہینے کے آخری ایام میں اندھیرے اور کیچڑ کا ہونا، نیز حاجیوں کا عرفہ اور مزدلفہ میں ہونا۔

ان میں پہلا سبب "سفر" ہے۔اس سے مراد محض سفر ہے، خواہ اس میں قصر ہوتا ہو یا نہ ہو۔البتہ یہ شرط ہے کہ وہ سفر حرام یا مکروہ نہ ہو۔پس جو شخص سفرِ مباح پر ہو اس کے لئے جائز ہے کہ ظہر اور عصر کی نمازوں کو بصورت تقدیم اکٹھا پڑھے۔اس کے لئے دو شرطیں ہیں:

ایک یہ کہ مسافر دم لینے کے لئے جب فروکش ہو تو وہاں پر زوال کا وقت ہو گیا ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مسافر کا ارادہ (نیت) یہ ہو کہ وقت عصر آنے سے پہلے روانہ ہو کر سورج ڈوبنے کے بعد دوسری بار آرام کے لئے ٹھہرے گا۔اگر ارادہ یہ ہو کہ سورج کے زرد پڑنے سے پہلے فروکش ہو گا تو روانگی سے پہلے ظہر کی نماز پڑھ لے اور عصر کی نماز میں فروکش ہونے تک تاخیر کر دے، کیونکہ وہ وقت اختیاری کے اندر فروکش ہو جائے گا۔لہٰذا قبل از وقت پڑھنے کے لئے کوئی امر متقاضی نہیں ہے۔اگر (ایسی صورت میں) عصر کی نماز ظہر کے ساتھ ملا کر پڑھی تو گناہ ہو گا۔لہٰذا فروکش ہونے کے بعد وقت اختیاری کے اندر اس کا دہرا لینا مستحب ہے۔اگر سورج کے زرد پڑنے کے بعد لیکن غروب ہونے سے پہلے اترنے کا ارادہ ہے تو روانگی سے پہلے ظہر کی نماز پڑھ لینی چاہیے، رہی عصر کی نماز سو اس کے بارے میں اختیار ہے، چاہے تو اسے بھی بصورت تقدیم پڑھ لے اور چاہے تو اترنے تک تاخیر کرے، کیونکہ بہر حال وہ نماز وقتِ ضروری ہی میں ادا ہو گی، کیونکہ اگر اسے مقدم کیا تو وہ وقت ضروری ہو گا جس میں سفر کی وجہ سے تقدیم کی گئی اور اگر تاخیر کی تب بھی وہ نماز شرعاً وقت ضروری ہی میں ادا ہوئی۔اگر کوئی شخص ہنوز سفر میں ہے اور ظہر کا وقت آ گیا، یعنی زوال شمس ہو گیا

Marfat.com

اور ارادہ یہ ہے کہ سورج کے زرد ہونے پر یا اس سے پہلے اترنا ہوگا تو ظہر میں تاخیر کرنا جائز ہے، تا کہ فروکش ہونے کے بعد عصر کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی جا سکے، لیکن اگر غروب کے بعد اترنے کا ارادہ ہے تو ظہر کو عصر کے ساتھ جمع کرنے کیلئے تاخیر کرنا جائز نہیں ہے اور نہ عصر کی نماز میں اترنے کے وقت تک تاخیر جائز ہے، کیونکہ ایسا کرنے سے دونوں نمازیں اپنے وقت سے ہٹ کر پڑھی جائیں گی (جو درست نہیں ہے)۔

دو نمازوں کو جمع کرنے کی ظاہری صورت یہ ہے کہ ظہر کو آخری وقت اختیاری میں اور عصر کو اول وقتِ اختیاری میں ادا کیا جائے۔ مغرب اور عشاء ان تمام تفصیلات میں ظہر اور عصر کی مانند ہیں، اس لحاظ سے کہ مغرب کا اول وقت سورج کا غروب ہونا ہے، جیسے ظہر کا اول وقت سورج کا زوال پزیر ہونا۔ اسی طرح رات کا ابتدائی تیسرا حصہ عصر کے بعد سورج کے زرد ہونے کے برابر ہے اور اس میں صبح کا نمودار ہونا ایسا ہے جیسا پہلی صورت میں سورج کا غروب ہونا اوپر بتایا گیا۔ پس اگر مغرب کا وقت آنے پر کوئی اترا اور ارادہ یہ کیا کہ عشاء کا وقت آنے سے پہلے روانہ ہو کر طلوع فجر کے بعد فروکش ہوگا تو روانگی سے پہلے مغرب اور عشاء کو بطریق جمع تقدیم اکٹھا پڑھ لے، لیکن اگر رات کے ابتدائی تہائی حصے کے اندر فروکش ہونے کا ارادہ ہے تو نماز عشاء میں اس وقت تک تاخیر کرے۔ اگر ایک تہائی رات گزر جانے کے بعد اترنے کا ارادہ ہو تو روانگی سے پہلے مغرب کی نماز پڑھ لینی چاہیے اور عشاء کے بارے میں اختیار ہے۔ وعلیٰ ھذ االقیاس۔

واضح ہو کہ سفر میں نمازوں کو جمع کرنا جائز جو بتایا گیا ہے، اس سے مقصد یہ ہے کہ جمع کرنا (گو جائز ہے، لیکن) طریقِ اولیٰ کے خلاف ہے، بہتر یہی ہے کہ جمع نہ کیا جائے۔

یاد رہے کہ نمازوں کے جمع کرنے کا جواز خشکی کے مسافروں کے لئے ہے، دریائی سفر میں جائز نہیں ہے، کیونکہ جمع صلاۃ کی اجازت صرف خشکی کے سفر میں ثابت ہے اور دوسرے سفر میں نہیں ہے۔

دوسرا سبب جمع کرنے کا ''مرض'' ہے کہ اگر کوئی مریض ہے اور اسے ہر نماز کو اپنے وقت میں ادا کرنا یا وضو کرنا دشوار ہے، جیسے تو ند بڑھ جانے کی صورت میں ہوتا ہے تو اسے جائز ہے کہ ظہر اور عصر کو یا مغرب اور عشاء کو (محض) ظاہری صورت میں اکٹھا پڑھ لے، یعنی ظہر کی نماز آخری وقت اختیاری میں اور عصر کو ابتدائی وقت اختیاری میں اکٹھا پڑھے اسی طرح مغرب کی نماز شفق کے غائب ہونے سے کسی قدر پہلے اور عشاء کی نماز شفق کے غائب ہونے کے بعد ہی پڑھ لے۔ درحقیقت اس طرح نمازوں کا جمع کرنا جمع کی تعریف میں نہیں آتا، کیونکہ دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں پڑھی گئی ہیں اور ایسا کرنا بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔ ایسا کرنے والے کو اول وقت نماز پڑھنے کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ بخلاف غیر معذور کے کہ گو اس طرح جمع صوری (بظاہر جمع صلاتین) جائز ہے، لیکن اول وقت میں نماز پڑھنے کی فضیلت نہ حاصل ہوگی اور ایسا کرنا درست جب ہی ہے کہ نماز کو اس کی اصلی صورت میں ادا کرنے سے دردسر کا اندیشہ ہو یا یہ ڈر ہو کہ دوسری نماز کا وقت آنے، مثلاً ظہر کے بعد عصر کا یا مغرب کے بعد عشاء کا وقت آنے تک بے ہوشی طاری ہو جائے گی جس میں نماز منع ہے، اس صورت میں جائز ہے کہ پہلی نماز کے ساتھ دوسری نماز قبل از وقت پڑھ لی جائے۔ اب اگر اس طرح پہلے پڑھ لیا اور وہ تکلیف جس کا اندیشہ تھا، وقت آنے پر لاحق نہ ہوئی تو اسے وقت آنے پر دہرا لینا مستحب ہے، اگرچہ وقت ضروری میں ہو۔

Marfat.com

تیسرا اور چوتھا سبب بارش اور اندھیرے میں کیچڑ کا ہو جانا ہے درآنحالیکہ بارش بہت زیادہ ہو کہ لوگ اپنے سروں کو ڈھکنے پر مجبور ہو جائیں یا بہت زیادہ کیچڑ ہو کہ عام طور پر لوگ پھسلنے لگیں، ساتھ ہی اندھیرا بھی ہو تو جائز ہے کہ مغرب کے ساتھ ہی عشاء کی نماز بھی بطریق تقدیم پڑھ لی جائے تاکہ عشاء کی نماز بھی مغرب کے ساتھ بغیر مشقت کے اور باجماعت ادا ہو جائے۔ایسی حالت ہو تو مغرب کے وقت ہی مسجد میں چلا جانا چاہیے، تاکہ دونوں نمازیں وہاں ملا کر پڑھ لی جائیں اور اس جمع کو جائز کہنے سے یہ مراد ہے کہ وہ بہتر طریقے کے خلاف ہے اور یہ حکم مسجد کیلئے مخصوص ہے، گھروں میں جائز نہیں ہے۔

نماز جمع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے حسب معمول بلند آواز سے مغرب کی اذان دی جائے اور اذان کے بعد اتنی تاخیر کی جائے جتنی دیر میں تین رکعت نماز پڑھی جاسکے۔اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی جائے۔ پھر مسجد کے اندر ہی عشاء کی نماز کے لئے اذان دینا مستحب ہے۔یہ اذان مینارے پر نہ ہونی چاہیے تاکہ یہ خیال نہ کیا جائے کہ حسب معمول عشاء کا وقت ہے، اس لئے اذان بھی ہلکی آواز سے دی جائے۔ پھر عشاء کی نماز پڑھی جائے اور ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی نفل نہ پڑھی جائے۔اسی طرح جب کبھی بھی دو نمازوں کو جمع کیا جائے تو ان کے درمیان نفل نہ پڑھیں، تاہم اگر نفل پڑھی تب بھی جمع کرنا ممنوع نہ ہوگا اور ایسا ہی بارش کی وجہ سے جو نماز اکٹھی پڑھی جائے تو عشاء کے بعد نفل نہ پڑھیں لیکن وتر کی نماز میں اتنی تاخیر کر دی جائے کہ شفق غائب ہو جائے، کیونکہ وتر کی نماز درست نہیں ہوتی جب تک کہ شفق کے غائب ہونے کے بعد نہ پڑھی جائے۔تنہا گزار کے لئے مسجد میں نمازوں کا اکٹھا پڑھنا جائز نہیں ہے، سوا اس کے کہ کوئی مقررہ امام ہو اور اسے اپنے گھر جانا ہے، اس کے لئے جائز ہے کہ تنہا ہی دو نمازوں کو جمع کرے اور امامت کی نیت کر کے نماز پڑھ لے۔امام کا اس طرح پڑھنا جماعت سے نماز پڑھنے کی مانند ہے۔اگر کوئی شخص مسجد کے اندر اعتکاف میں ہے تو اس کو جائز ہے کہ ان لوگوں کی متابعت میں جو نماز اکٹھی پڑھنے کے لئے مسجد میں جمع ہیں وہ بھی اکٹھی پڑھ لے۔اگر نماز شروع کرنے کے بعد پہلی ہی رکعت میں بارش تھم گئی تو جمع صلاۃ جائز ہے، لیکن اگر نماز شروع کرنے سے پہلے بارش تھم گئی تو جمع کرنا جائز نہیں ہے۔

پانچواں سبب عرفہ کی حاضری ہے۔حج کرنے والے کے لئے عرفہ میں سنت یہ ہے کہ ظہر اور عصر کو بصورت جمع تقدیم اکٹھا کرے، خواہ وہ وہیں کا باشندہ ہو یا کسی ایسی جگہ کا ہو جہاں ارکان حج ادا کئے جاتے ہیں، مثلاً منیٰ اور مزدلفہ کا یا کسی بیرونی علاقہ کا اور جو لوگ خاص عرفہ کے نہیں ہیں ان کے لئے قصر کرنا سنت ہے، اگرچہ قصر والی مسافت سے نہ آئے ہوں۔

چھٹا سبب مزدلفہ کی حاضری ہے۔حاجیوں کے لئے سنت یہ ہے کہ جب وہ عرفہ سے روانہ ہوں تو مغرب میں تاخیر کریں یہاں تک کہ مزدلفہ پہنچ جائیں۔ وہاں پر عشاء کے ساتھ مغرب کی نماز بطریق جمع تاخیر پڑھی جائے اور یہ جمع کرنا اس کے لئے سنت ہے جو عرفہ میں امام کے ساتھ ٹھہرا ہو، ایسا نہ ہو تو ہر نماز کو اپنے وقت پر ادا کرے۔مزدلفہ کے علاوہ دوسری جگہ کے رہنے والوں کے لئے سنت یہ ہے کہ عشاء کی قصر کریں، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ دو نمازوں کا جمع کرنا تو ہر حاجی کے لئے سنت ہے اور قصر کرنا صرف ان کے لئے مخصوص ہے جو اس جگہ یعنی عرفہ اور مزدلفہ کے رہنے والے نہیں ہیں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مذکورہ دو نمازوں کا جمع کرنا بصورت جمع تقدیم یا جمع تاخیر جائز ہے، بشرطیکہ کوئی شخص قصر والی مسافت کے سفر پر ہو، جس کی شرائط اوپر بیان کر دی گئی ہیں۔ بارش کی وجہ سے نماز کا جمع کرنا صرف بصورت تقدیم جائز

Marfat.com

ہے۔جمع تقدیم کی چھ شرطیں ہیں:

اول شرط، ترتیب: بایں طور کہ پہلے اسی وقت کی نماز پڑھی جائے، چنانچہ اگر ظہر کا وقت ہے اور اس کے ساتھ ہی عصر کی نماز اسی وقت پڑھنے کا ارادہ ہے تو لازم ہے کہ پہلے ظہر پڑھی جائے۔ اگر اس کے برعکس کیا تو ظہر کی نماز ہو جائے گی، کیونکہ اس وقت کی نماز وہی ہے، لیکن وہ نماز جو پہلے پڑھی گئی ہے، یعنی نماز عصر وہ نہ ہوگی، نہ تو فرض نہ نفل، بشرطیکہ اس کے ذمہ اسی طرح کا کوئی فرض عائد نہ ہوتا ہو، ورنہ اس کے عوض وہی فرض ادا ہو جائے گا۔ ہاں اگر یہ عمل بھولے سے یا نادانی سے ہوا تو وہ نماز نفل ہو جائے گی۔

دوسری شرط، پہلی نماز میں جمع صلاۃ کی نیت کرنا، بایں طور کہ دل میں یہ ارادہ ہو کہ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد ہی عصر کی نماز بھی پڑھی جائے گی۔ شرط یہ ہے کہ یہ نیت نماز کے اندر ہو، خواہ سلام پھیرنے میں ہی کی جائے۔ لہٰذا تکبیر تحریمہ سے پہلے اور سلام کے بعد یہ نیت درست نہیں ہے۔

تیسری شرط، دونوں نمازوں میں موالاۃ (تسلسل) کا ہونا، بایں طور کہ دونوں نمازوں میں اتنا فاصلہ نہ ہو جس میں دو ممکن حد تک ہلکی رکعتیں ادا کی جا سکیں۔ لہٰذا دونوں کے درمیان میں نفلی نماز نہ پڑھی جائے۔ البتہ دونوں کے درمیان اذان ،اقامت اور وضو کیلئے فاصلہ ہو سکتا ہے، چنانچہ اگر ظہر کی نماز تیمم سے پڑھی اور نیت یہ کی ہے کہ اس کے ساتھ عصر کی نماز جمع کرے تو اب اگر نماز عصر کے لئے دوسری بار تیمم کرنے سے دونوں میں فاصلہ ہو جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔ (دوسری بار تیمم ضروری تھا) کیونکہ ایک تیمم کے ساتھ دو نمازوں کا اکٹھا پڑھنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

چوتھی شرط، حالت سفر کا باقی رہنا ہے، یہاں تک کہ دوسری نماز تکبیر تحریمہ سے شروع کر دی جائے، گو نیت باندھنے کے بعد دوران نماز میں سفر کی حیثیت باقی نہ رہے۔ لیکن اگر نماز شروع کرنے سے پہلے سفر کی حیثیت ختم ہو جائے تو دو نمازوں کا جمع کرنا صحیح نہ ہوگا، کیونکہ جمع کرنے کی وجہ جاتی رہی۔

پانچویں شرط، پہلی نماز کے وقت کا اس وقت تک یقینی طور پر باقی رہنا کہ دوسری نماز کی نیت کر لی جائے۔

چھٹی، شرط نماز اول کے صحیح ہونے کا گمان ہونا، پس اگر پہلی نماز جمعہ ہو اور وہ مقام ایسا ہو جہاں بے ضرورت کئی جگہ نماز جمعہ ہوئی اور اس نماز کے ایک ساتھ یا سب سے پہلے ادا ہونے میں شک ہے (جس پر اس کے صحیح ہونے کا انحصار ہے) تو اس نماز جمعہ کے ساتھ عصر کی نماز کا بصورت تقدیم جمع کرنا درست نہیں ہے اور بہتر یہی ہے کہ جمعہ کو ترک کر دیا جائے، کیونکہ اس جمعہ کے جائز ہونے کے متعلق مسالک میں اختلاف ہے۔

واضح ہو کہ اگر حاجی سفر میں ہو تو عرفہ اور مزدلفہ میں دو نمازوں کا جمع کرنا سنت ہے۔ پہلی صورت میں ظہر کے ساتھ عصر کو بصورت تقدیم جمع کرنا افضل ہے اور دوسری صورت میں عشاء کے ساتھ مغرب کا جمع کرنا بصورت تاخیر افضل ہے، کیونکہ تمام مسالک ان دونوں صورتوں میں جمع نماز پر متفق ہیں۔

جاننا چاہیے کہ نمازوں کا جمع کرنا واجب اور مستحب بھی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر پہلی نماز کے لئے پاک ہو کر نماز پڑھنے کی گنجائش وقت میں نہ ہو تو واجب ہو جاتا ہے کہ جمع تاخیر کی جائے اور حاجی کو حالت سفر میں جمع کرنا مستحب ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اسی طرح اس صورت میں بھی مستحب ہے جب کہ جمع کرنے میں کامل نماز ہوتی ہو۔ مثلاً کوئی شخص

Marfat.com

جماعت کے بغیر تنہا نماز (بغیر جمع کے) پڑھنے کے بجائے جمع صلاتین کی جماعت میں شامل ہو کر نماز ادا کرے۔

حالت سفر میں دو نمازوں کو بصورت جمع تاخیر ادا کرنے کی دو شرطیں ہیں: ایک تو یہ کہ نماز اول کے وقت کے اندر جمع تاخیر کی نیت ایسے وقت میں کی جائے جبکہ پوری یا قصر نماز پڑھنے کے وقت میں گنجائش ہو۔ پس اگر جمع تاخیر کی نیت نہ کی یا اس وقت نیت کی جبکہ وقت میں اتنی گنجائش نہ تھی کہ نماز پڑھی جا سکے تو معصیت ہوگی۔ اس صورت میں اگر وقت کے اندر (کم از کم) ایک رکعت نہ پڑھی گئی تو وہ نماز قضا ہو جائے گی، اگر پڑھ لی گئی تو ادا ہوگی لیکن حرمت کے ساتھ۔

دوسری شرط یہ ہے کہ دونوں نمازوں کے پورا ہونے تک حالت سفر باقی رہے۔ اگر نماز پوری ہونے سے پہلے قیام کر لیا تو وہ نماز جس کی تاخیر کا ارادہ تھا قضا متصور ہوگی۔ رہاں دونوں نمازوں میں ترتیب اور موالاۃ (تسلسل) سو یہ جمع بصورت تاخیر میں سنت ہے، شرط نہیں ہے اور مقیم کے لئے جائز ہے کہ بارش میں، خواہ ہلکی بارش ہو کہ صرف اوپر کا لباس تر ہو جائے یا جوتے کا تلا بھیگ جائے، حالت سفر کی طرح نماز جمع کر لے۔ اس میں خواہ جمعہ کی نماز ہو کہ اس کے ساتھ عصر کی نماز بصورت تقدیم اول وقت میں پڑھ لی جائے۔ بارش اور برف باری یا کہرے کا حکم یکساں ہے۔ لیکن ایسی تمام صورتوں میں نماز جمع پڑھنے کی چند شرطیں ہیں: اول یہ کہ بارش وغیرہ دونوں نمازوں میں تکبیر تحریمہ کے وقت اور پہلی نماز کا سلام پھیرتے وقت پائی جائے، یہاں تک کہ دونوں نمازیں اسی حال میں اکٹھی ہو جائیں۔ اگر پہلی نماز یا دوسری نماز کے درمیان میں یا نماز کے بعد بارش تھم جائے تو اس سے کچھ نہیں ہوتا۔

دوسری شرط دونوں نمازوں میں ترتیب کا ہونا۔

تیسری شرط تسلسل کا قائم رکھنا۔

چوتھی شرط جمع کرنے کی نیت کرنا، جیسا کہ حالتِ سفر میں جمع کرنے کے بیان میں بتایا گیا۔

پانچویں شرط یہ کہ دوسری نماز جماعت کے ساتھ پڑھے، خواہ نیت باندھنے کے وقت ہو۔ بقول راجح دوسری نماز میں آخر تک جماعت کا ہونا شرط نہیں ہے گو پہلی رکعت کے پورا ہونے سے پہلے تک تنہا نماز پڑھی ہو۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ امام نے امامت اور جماعت کی نیت کی ہو۔

ساتویں یہ کہ جمع صلات کسی دور کی مسجد میں ہو جہاں تک پہنچنے میں راستہ کی دشواری کا سامنا کرنا پڑے۔ اس مسئلہ میں مقررہ امام مستثنیٰ ہے، وہ مقتدیوں کے ساتھ دو نمازیں جمع کر کے پڑھ سکتا ہے گو بارش سے اس کو تکلیف نہ پہنچتی ہو۔ ان شرائط میں سے اگر کوئی ایک بھی نہ پائی جائے تو مقیم کے لئے نمازوں کا جمع کرنا جائز نہیں ہے اور بقول مشہور مقیم کے لئے جمع صلاتین کے اسباب میں سخت اندھیرا، آندھی، خوف، کیچڑ اور مرض شامل نہیں ہے، تاہم مرض کی حالت میں دو نمازیں بصورت تقدیم وتاخیر جمع کرنے کو جائز قرار دینا قابل ترجیح امر ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ ایک وقت میں دو نمازوں کا جمع کرنا، کسی عذر سے بھی نہ حالت سفر میں جائز ہے نہ حالت اقامت میں، بجز دو حالتوں کے: ایک حالت میں تو نماز ظہر وعصر کو، ظہر کے وقت میں، بصورت جمع تقدیم پڑھنے کی چار شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ دن عرفہ کا ہو۔

دوسری شرط: یہ ہے کہ حج کے لئے حالت احرام میں ہو۔

Marfat.com

تیسری شرط: یہ کہ مسلمانوں کے امام یا اس کے نائب کے پیچھے پڑھی جائے۔
چوتھی شرط: یہ کہ ظہر کی نماز صحیح ادا ہوئی ہو۔ اگر اس نماز کا فاسد ہو جانا معلوم ہو تو اس کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے اور اس حال میں اس کے ساتھ عصر کو جمع کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ واجب یہ ہے کہ جب عصر کا وقت آجائے تو عصر کی نماز پڑھی جائے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ مغرب اور عشاء کی نماز عشاء کے وقت میں بصورت جمع تاخیر پڑھی جائے۔ اس کی دو شرطیں ہیں:

اول یہ کہ یہ نماز مزدلفہ میں ہو۔

دوسرے یہ کہ حج کا احرام باندھا ہوا ہو۔

اور دو نمازیں جن کو جمع کیا جائے ان کے لئے اذان صرف ایک ہی ہوگی، اگرچہ اقامت دونوں کے لئے الگ الگ ہوگی۔ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ: ''الذی لا اله غیره ما صلی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم صلاة قط الالوقتها الا صلاتین جمع بین الظهر والعصر بعرفة و بین المغرب والعشاء بجمع. ای بالمزدلفة''۔ رواہ شیخان (یعنی قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز کوئی نماز وقت سے ہٹ کر نہیں پڑھی، سوا دو نمازوں کے، یعنی ظہر و عصر کو عرفہ میں جمع کیا اور مغرب و عشاء کو جمع ...... مزدلفہ ...... میں۔)

حنابلہ کہتے ہیں کہ ظہر و عصر یا مغرب و عشاء کا بصورت تقدیم و تاخیر جمع کرنا مباح ہے لیکن ایسا نہ کرنا بہتر ہے۔ ہاں ظہر اور عصر کو عرفہ میں بصورت جمع تاخیر اور مغرب و عشاء کو مزدلفہ میں بصورت جمع تقدیم ادا کرنا سنت ہے اور جمع کے مباح ہونے کی شرط یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا ایسے سفر کی حالت میں ہو جس میں قصر ہوتا ہے یا کوئی مریض ہو جسے اکٹھی نہ پڑھنا باعث دشواری ہو یا کوئی عورت دودھ پلانے والی ہو یا حالت استحاضہ میں ہو، اس کے لئے دو نمازوں کا جمع کرنا جائز ہے، تاکہ ہر نماز کے لئے وضو کی دشواری سے بچ سکے۔ استحاضہ والی عورت کی مثال اس معذور کی سی ہے جسے سلسل بول کا مرض ہو۔ اسی طرح اس کے لئے نماز کا جمع کرنا مباح ہے جو ہر نماز کے لئے پانی سے وضو کرنے یا تیمم سے عاجز ہو اور اس کے لئے بھی جائز ہے جو نماز کا وقت معلوم کرنے سے معذور ہو جیسے نابینا یا تہ خانے میں رہنے والا۔ نیز اس کے لئے بھی مباح ہے جسے اپنی جان، مال یا آبرو کا خطرہ ہو یا جسے یہ ڈر ہو کہ جمع صلات نہ کرنے سے اس کی معیشت کو نقصان پہنچے گا۔ اس میں ایسے ملازمین کار کے لئے گنجائش ہے جو اپنے کام کو نہیں چھوڑ سکتے۔

واضح ہو کہ ان تمام صورتوں میں ظہر و عصر یا مغرب و عشاء کو صورت تقدیم و تاخیر جمع کرنا مباح ہے اور مغرب و عشاء کا اکٹھا پڑھنا خصوصیت کے ساتھ مباح ہے جبکہ برف، ٹھنڈ، پالا، کیچڑ، سرد ہوا یا ایسی بارش ہو جس سے کپڑے تر ہو جائیں اور باعث زحمت ہو۔ ایسی صورت میں دو نمازوں کا جمع کر کے پڑھنا گھر میں ہو یا مسجد میں ایک ہی بات ہے، خواہ راستہ چھتا ہوا ہو اور بہتر یہ ہے کہ تقدیم یا تاخیر کی صورت میں جو طریقہ آسان ہو اسے اختیار کیا جائے۔ اگر (سہولت کے اعتبار سے) دونوں طریقے برابر ہوں تو جمع بصورت تاخیر بہتر ہے۔ جمع تقدیم و جمع تاخیر دونوں کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ دونوں

Marfat.com

فوت شدہ نمازوں کی قضا کا بیان

واضح ہو کہ فرض نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کرنا واجب ہے۔ اگر کسی نے بغیر کسی عذر کے اپنے وقت پر نماز ادا نہ کی تو گناہ اور سخت گناہ ہوگا، جیسا کہ اوقات نماز کے بیان میں پہلے بتایا گیا ہے۔ اگر کسی معذوری سے اس میں تاخیر ہو جائے تو گناہ نہیں ہے۔ عذر کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے جس سے نماز ہی سرے سے ساقط ہو جاتی ہے اور کبھی ساقط نہیں ہوتی، بلکہ اگر کسی عذر سے نماز فوت ہو جائے تو اس عذر کے دور ہونے پر قضا واجب ہوتی ہے۔ اب ان معذوریوں کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

نماز ساقط کرنے والی معذوریوں کا بیان

حیض ونفاس کی حالت میں عورت کے ذمہ سے نماز ساقط ہو جاتی ہے۔ پس جو نمازیں اس حال میں فوت ہو جائیں پاک ہو جانے کے بعد ان کی قضا واجب نہیں ہے۔ اسی طرح جنون اور بے ہوشی سے افاقہ ہونے یا مرتد ہو جانے کے بعد مسلمان ہونے پر فوت شدہ نماز کی قضا واجب نہیں ہے۔ مرتد حالتِ ارتداد میں کافر کی مانند ہوتا ہے کہ حالت کفر میں جو نمازیں اس نے نہیں پڑھیں ان کی قضا نہیں ہے۔

مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک بھی یہی حکم ہے، لیکن مرتد کے بارے میں شافعیہ کہتے ہیں کہ حالتِ ارتداد میں فوت شدہ نماز اس کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتی اور حالتِ بیہوشی کے متعلق حنابلہ کو اس مسئلہ میں

نمازوں میں ترتیب کا خیال رکھا جائے۔ بھول جانے سے یہ ترتیب ساقط نہیں ہوتی، جیسا کہ فوت شدہ نمازوں کی قضا میں (بھولنے سے ترتیب) ساقط ہو جاتی ہے۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

صرف جمع تقدیم کے صحیح ہونے کی چار شرائط ہیں:

اول یہ کہ پہلی نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت جمع کی نیت کی جائے۔

دوسری یہ کہ دونوں نمازوں کے درمیان اس سے زیادہ وقفہ نہ ہو جس میں معمولی طریقہ سے وضو اور اقامت ہو سکے۔ اگر دو نمازوں کے درمیان معمول کے مطابق نفل پڑھی تو جمع کرنا درست نہ ہوگا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ جس وجہ سے دو نمازوں کو جمع کیا جا رہا ہے وہ وجہ تکبیر تحریمہ اور پہلی نماز کا سلام پھیرتے وقت موجود ہو۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ دوسری نماز کے پوری ہونے تک وہ وجہ باقی رہے۔

صرف جمع تاخیر کے لئے دو شرطیں ہیں:

پہلی شرط نماز کے وقت میں جمع نماز کی نیت کرنا۔ اگر وقت کے اندر نیت نہ ہو تو اس کے ساتھ دوسری نماز کا جمع کرنا جائز نہیں ہے۔

Marfat.com

اختلاف ہے۔ ان تمام امور کی تفصیل بموجب مسالک مختلفہ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

دوسری شرط یہ ہے کہ پہلی نماز میں جمع نماز کی نیت کرنے کے وقت سے دوسری نماز کا وقت آجانے تک جمع صلاتین کو مباح کرنے والی وجہ باقی رہے۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ بے ہوشی اور جنون کی حالت میں نماز ساقط ہو جاتی ہے لیکن اس کی دو شرطیں ہیں:

اول یہ کہ جنون یا بے ہوشی کی حالت پانچ نمازوں سے زیادہ اوقات میں طاری رہے۔ اگر اس حال میں صرف پانچ نمازوں کا یا اس سے کم وقت گزرا اور افاقہ ہو گیا تو فوت شدہ نماز کی قضا واجب ہوگی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ کسی نماز کے پورے وقت میں جنون یا بے ہوشی سے بالکل افاقہ نہ ہوا ہو یعنی یا تو مطلق افاقہ ہی نہ ہوا ہو یا رہ رہ کر افاقہ ہوتا ہو۔ اگر مقررہ اوقات میں مکمل افاقہ ہو جاتا ہو، مثلاً فجر کی نماز کے وقت مکمل افاقہ ہو جاتا ہو تو اس سے وہ مدت منقطع ہو جائے گی اور قضا کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر حرام نشہ مثلاً شراب وغیرہ سے عقل پر پردہ پڑ جائے تو اس حالت میں جو نماز فوت ہوئی اس کی قضا واجب ہے۔ یہی حکم اس حالت میں ہے جبکہ کسی مباح دوا مثلاً بھنگ کا استعمال دوا کے طور پر نہ کہ نشہ کے لئے، کرنے سے عقل پر پردہ پڑ جائے، تو "بقول راجح" اس کی قضا واجب ہے، اگرچہ نماز ساقط کرنے والا عذر نماز کے ایسے آخری وقت میں لاحق ہوا ہو کہ تکبیر تحریمہ کے سوا اور کچھ نہ کیا جا سکے تب بھی معذوری دور ہونے کے بعد اس نماز کی قضا واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر معذوری ایسے وقت میں دور ہو جائے کہ تکبیر تحریمہ کی گنجائش ہو تو اس فرض نماز کی قضا واجب ہو جائے گی۔ لیکن حیض و نفاس کا عذر دور ہو جائے اور وہ ان کی زیادہ سے زیادہ مقررہ مدت گزر جانے کے بعد دور ہوا ہو اور نماز کے وقت میں بمقدار تکبیر تحریمہ گنجائش ہے تب تو اس نماز فرض کی قضا واجب ہوگی، جیسے دوسری معذوریوں کی صورت میں ہوتا ہے، لیکن اگر حیض و نفاس عورتوں کی مقررہ مدت سے کم میں بند ہوا اور اتنا وقت باقی نہ رہا ہو کہ غسل کر کے تکبیر تحریمہ کی جا سکتی تو قضا واجب نہیں ہے۔

مالکیہ نے ان معذوریوں میں حلال شے کے نشہ کا اضافہ کیا ہے، مثلاً کسی نے کھٹی دہی پی اور خیال یہ تھا کہ اس سے نشہ نہیں ہوتا، لیکن نشہ آور ثابت ہوئی (تو اس صورت میں بھی قضا واجب نہیں ہے) ہاں اگر حرام نشہ آور اشیاء کے نشہ میں نماز نہ پڑھی ہو تو قضا واجب ہے اور اس میں جو تاخیر نماز ہوئی وہ گناہ ناقابل تلافی ہے۔

واضح ہو کہ ان معذوریوں کی تین حالتیں ہیں: پہلی حالت یہ ہے کہ کوئی شخص پورے وقت اختیاری اور ضروری میں اس عذر میں مبتلا رہا۔ مثلاً بے ہوشی زوال کے بعد سے سورج ڈوبنے کے وقت تک جاری رہے تو اس حالت میں وہ نماز ساقط ہو جائے گی اور افاقہ کے بعد قضا واجب نہ ہوگی۔ دوسری حالت یہ ہے کہ معذوری (نماز کا) وقت آجانے کے بعد لاحق ہوئی اور اتنا وقت باقی تھا جس میں دونوں نمازیں ظہر و عصر کی (ملا کر) پڑھی جا سکتی تھیں تو دونوں نمازیں ساقط ہو جائیں گی اور اگر اتنا وقت باقی تھا جس میں صرف دوسری نماز پوری یا اس کا ایک حصہ، یعنی کم سے کم ایک رکعت مع دو سجدوں کے ہو سکتی تھی تو آخری نماز اس کے ذمہ باقی رہے گی، لہٰذا عذر کے دور ہونے پر اس کی قضا واجب ہے اور وقت میں دو نمازوں کی گنجائش کا مطلب یہ ہے کہ ظہر اور عصر کی صورت میں اس وقت کے اندر پانچ رکعتیں حالت حضر ہو تو اور تین رکعتیں حالت سفر ہو تو، پڑھی جا سکیں اور مغرب و عشاء کی صورت میں چار رکعتیں بہر دو صورت حضر و سفر اس وقت کے اندر

Marfat.com

پڑھنے کی گنجائش ہو۔ اس مسئلہ کی تشریح یہ ہے کہ مغرب کی تین ہی رکعتیں ہوتی ہیں، خواہ سفر کی حالت ہو، کیونکہ اس کی قصر نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ عشاء کی ایک رکعت ملا کر چار ہوئیں۔ اگر وقت میں ان چار رکعتوں کی گنجائش ہو تو گویا وقت مل گیا۔ لیکن اگر عذر لاحق ہوا اور وقت میں اس سے کم گنجائش ہو تو اس وقت کو صرف دوسری نماز کے لئے مخصوص کیا جائے گا اور یہ قرار دیا جائے گا کہ عذر صرف اسی نماز کے وقت میں لاحق ہوا، لہٰذا وہ نماز ساقط ہو جائے گی، پہلی ساقط نہ ہوگی۔ تیسری حالت یہ ہے کہ عذر لاحق ہوا اور آخری وقت میں دور ہو جائے تو ایسی حالت میں پہلی نماز جس میں عذر پورے وقت رہا اس شخص کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔ لیکن وہ نماز جس کے وقت کے آخری حصہ میں عذر دور ہو جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر عذر دور ہونے کے بعد وقت میں اتنی گنجائش تھی کہ وضو کے بعد دونوں نمازیں پڑھی جا سکیں تو ان دونوں کی قضا واجب ہوگی۔ اگر عذر اس وقت دور ہوا جب کہ صرف دوسری نماز پوری یا ایک رکعت (کم از کم) وضو کر کے پڑھی جا سکتی تھی، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا تو اس کی قضا واجب ہے اور پہلی نماز بوجہ اس کے کہ اس کا وقت حالتِ عذر ہی میں نکل گیا تھا ساقط ہو جائے گی، کیونکہ وقت تنگ ہو تو اس کا حکم صرف آخری نماز کے لئے مخصوص ہو جائے گا۔

اس بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جب عذر دور ہو جائے تو نماز ملنے کے مفہوم میں طہارت (وضو وغیرہ) شامل ہے اور عذر لاحق ہونے پر نماز ساقط ہونے کے مفہوم میں طہارت کا شمار نہیں ہے۔ چنانچہ اگر عذر دور ہونے پر اتنا وقت باقی ہے کہ وضو کر کے ایک رکعت پڑھی جا سکے تو نماز واجب ہوگی، ورنہ نہ ہوگی اور عذر لاحق ہونے کے وقت اگر صرف اتنا وقت باقی تھا کہ بغیر وضو کے نماز پڑھی جا سکے تو نماز ذمہ سے ساقط ہو جائے گی، لہٰذا عذر دور ہونے پر اس کی قضا نہیں ہے۔

واضح ہو کہ ان تمام مسائل کا تعلق ان نمازوں سے ہے جن کے اوقات ایک دوسرے کے ساتھ ملتے ہیں، مثلاً ظہر و عصر اور مغرب و عشا۔ لیکن نماز فجر کی صورت میں اگر عذر دور ہونے پر وقتِ ضروری اس قدر باقی ہے جس میں وضو کے بعد ایک رکعت کی گنجائش ہو تو وہ نماز واجب ہوگی، ورنہ نہ ہوگی، کیونکہ جب تک (کم از کم) ایک رکعت کی گنجائش نہ ہو وقت ملنے میں شمار نہ ہوگا، جیسا کہ پہلے بتایا گیا اور مقدار رکعت کے تعین میں یہ امر ملحوظ رہے گا کہ رکعت میں سورۂ فاتحہ کی معتدل قرأت اور اطمینان و اعتدال کا لحاظ کیا گیا ہے۔ باقی دوسرے امور سنت، مثلاً سورہ کے ملانے کا لحاظ (مقدار رکعت کے تعین میں) نہ ہوگا۔ اگر ایسے وقت میں معذوری لاحق ہو کہ نماز فجر میں ایک رکعت بغیر طہارت کے پڑھی جا سکے تو نماز ساقط ہو جائے گی، بصورت دیگر عذر دور ہونے پر قضا پڑھی جائے، کیونکہ وقتِ نماز معذوری لاحق ہونے سے پہلے حکماً (گو حقیقتاً نہیں) نکل چکا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر نماز کا وقت آئے اتنی دیر ہو چکی ہے کہ اس میں تکبیر تحریمہ کہی جا سکے اور تب کوئی عذر لاحق ہوا تو اس عذر کے دور ہونے پر اس نماز کی قضا پڑھی جائے۔ اگر وہ معذوری اس وقت دور ہو کہ تکبیر تحریمہ کہی جا سکے تو وہ نماز جس کے وقت کے اندر عذر دور ہوا اور وہ نماز جو اس کے ساتھ جمع کی جا سکتی ہو دونوں واجب ہوں گی، جیسے ظہر و عصر اور مغرب و عشا کی نمازیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص پر جنون پورے وقت نماز میں طاری رہا تب تو اس نماز کا قضا کرنا واجب نہیں ہے، لیکن اگر اتنا وقت آ جانے کے بعد کہ اس میں تکبیر تحریمہ کہی جا سکتی جنون طاری ہوا تو اس نماز کی قضا واجب ہو گی۔ اب اگر جنون کی حالت دور ہوئی اور اتنا وقت باقی تھا کہ اس میں تکبیر تحریمہ کہی جا سکے تو اس نماز کی قضا جس کے وقت میں یہ عذر دور ہوا اور وہ نماز جو اس سے پہلے کی تھی جسے اس نماز کے ساتھ جمع کیا جا سکتا، دونوں کی قضا واجب ہے۔

Marfat.com

ان معذوریوں کا بیان جن میں تاخیر نماز جائز ہے

چند ایسی معذوریوں کا ذکر جن میں نماز کو اپنے وقت سے تاخیر کرنا مباح ہے، سابقاً جمع صلاتین کے بیان میں کیا گیا ہے۔ ان میں نیند، بھول یا وقت کے آجانے سے بے خبری بھی ہے، خواہ یہ بے خبری کسی کوتاہی کے باعث ہوئی ہو۔ اس خیال سے شافعیہ کو اختلاف ہے۔ ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

اس مسئلہ میں اس نابالغ کی مثال جو اس وقت بالغ ہوا جب کہ وقت نماز میں تکبیر تحریمہ کی گنجائش تھی، حالت جنون والے کی سی ہے۔ نیز حنابلہ کہتے ہیں کہ حرام یا حلال نشہ یا کسی مباح دوا کے استعمال سے اگر کسی کی عقل پر پردہ پڑ جائے تو اس کی قضا واجب ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر جنون نماز کے پورے وقت طاری رہے تو جنون والے پر اس نماز کی قضا واجب نہیں ہے، بشرطیکہ وہ جنون ایسا نہ ہو جو دورہ کے طور پر ہوتا ہے، ورنہ قضا واجب ہوگی اس جنون والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو نشہ آور اشیاء کا عادی نہ ہو اور نشہ ہو جائے یا وہ شخص جس پر بے ہوشی طاری ہو۔ لیکن اگر جنون وغیرہ طاری ہو تو اس کی مثال حیض کی سی ہے جب کہ ابتدائی وقت کا اتنا حصہ گزر جائے جس میں جلدی جلدی طہارت اور نماز کی گنجائش ہو، تو نماز کی قضا واجب ہوگی اور اگر عذر اس وقت دور ہو جب کہ وقت بمقدار تکبیر تحریمہ یا اس سے زیادہ باقی ہو تو اس کی قضا اور اس سے پہلی نماز کی قضا، جو اس کے ساتھ جمع کی جاسکتی، واجب ہے، جیسے ظہر اور عصر کی صورت میں۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ عذر دور ہونے کے بعد مسلسل اتنا وقت باقی رہے جس میں نماز اور اس کی طہارت کی گنجائش کے علاوہ اتنی ہی گنجائش اور ہو کہ نماز میں مع طہارت کے ادا کی جاسکے۔

یہ مسائل اس حالت میں ہیں جب کہ طہارت وضو کی صورت میں ہو، اگر طہارت تیمم کی صورت میں ہو تو شرط یہ ہے کہ اتنا وقت باقی ہو جس میں دو بار طہارت اور دو بار نماز کی گنجائش ہو۔ اگر صرف ایک بار طہارت اور ایک ہی نماز کی گنجائش ہو تو پہلی نماز واجب نہ ہوگی۔

واضح ہو کہ شافعیہ کہتے ہیں کہ مرتد کے ذمہ سے وہ نماز ساقط نہیں ہوتی جو اس نے حالت ارتداد میں نہیں پڑھی، چنانچہ اگر وہ دوبارہ مسلمان ہو جائے تو فوت شدہ نمازوں کی قضا اس پر واجب ہے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ بے شک بھول سے اگر نماز میں تاخیر ہو جائے تو گناہ نہیں ہے، لیکن یہ بھول کسی قصور کے باعث نہ ہو۔ لہٰذا اگر کوئی شخص نرد (چوپڑ) اور منقلہ (کنکریوں کا ایک کھیل) وغیرہ میں لگا رہا تو اس کا عذر کہ بھول گیا، تسلیم نہ کیا جائے گا اور وقت پر نماز نہ پڑھنے کا گناہ اس کے ذمے ہوگا۔

Marfat.com

فوت شدہ نمازوں کی قضا کا بیان

اس کی شرعی حیثیت

فوت شدہ فرض نماز کی قضا کو فوراً پڑھ لینا واجب ہے خواہ وہ نماز کسی ایسے عذر سے فوت ہوئی ہو جس سے نماز ساقط نہیں ہوتی (بلکہ قضا واجب ہوتی ہے)، یا بغیر کسی معذوری کے فوت ہوئی ہو۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے [1] اور قضا نماز پڑھنے میں تاخیر کرنا بغیر کسی معذوری کے، مثلاً (کوئی شخص) روزی یا علم حاصل کرنے کی کوشش میں لگ گیا، یا کھانا کھانے میں دیر ہوگئی یا سو گیا جائز نہیں ہے اور محض قضا پڑھ لینے سے گناہ دور نہیں ہوتا، اس کے لئے توبہ ضروری ہے، نیز محض توبہ کر لینے سے نماز معاف نہیں ہوجاتی بلکہ اس کی قضا لازم ہے، کیونکہ توبہ کی ایک شرط یہ ہے کہ اس خطا کی بنیاد ہی اکھیڑ دی جائے۔ ظاہر ہے کہ قضا پڑھے بغیر جو شخص توبہ کرتا ہے وہ اپنی خطا کا قلع قمع نہیں کرتا۔

واضح ہو کہ قضا پڑھنے سے پہلے اگر کوئی نفل نمازیں پڑھنے لگے تو یہ امر بھی فوراً قضا پڑھنے کا جو حکم ہے اس کے منافی ہوگا۔ اس کی تفصیل مختلف مسالک کی رو سے ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ [2]

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی نماز بغیر کسی عذر کے رہ گئی ہو تو اس کی قضا فوراً پڑھ لینی واجب ہے۔ ہاں اگر کسی عذر سے رہی ہو تو اس میں گنجائش واجب ہے۔ پہلی صورت میں چند امور مستثنیٰ ہیں، یعنی فوراً قضا واجب نہیں ہے۔ ان امور کے منجملہ ایک یہ کہ فوت شدہ نماز خطبہ جمعہ ہوتے میں یاد آئی تو اب جمعہ کی نماز ختم ہونے تک اس کی تاخیر واجب ہے۔ دوسرا امر یہ کہ موجودہ نماز کا وقت اتنا تنگ ہو کہ اس میں وہ بے عذر والی فوت شدہ نماز پوری اور حاضر الوقت نماز کی ایک رکعت نہ پڑھی جا سکے۔ ایسی صورت میں لازم ہے کہ پہلے اس وقت کی نماز پڑھ لی جائے کہ مبادا اس کا وقت نکل جائے۔ تیسرا امر یہ کہ موجودہ وقت کی نماز شروع کرنے کے بعد فوت شدہ نماز یاد آجائے۔ اس صورت میں پہلے اس وقت کی نماز کو پورا کیا جائے، خواہ وقت تنگ ہو یا اس میں گنجائش ہو،

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نفل نمازوں میں مشغول ہوجانا قضا کی فوری ادائیگی کے حکم کے منافی نہیں ہے۔ تاہم فوت شدہ نمازوں کی قضا پہلے پڑھ لینا بہتر ہے، نوافل کو (ادائیگی قضا کے لئے) ترک کر دینا چاہیے۔ ہاں نماز کے ساتھ کی جو سنتیں ہیں ان کو اور نماز چاشت اور صلوٰۃ التسبیح اور تحیۃ المسجد اور ظہر سے پہلے کی چار رکعتوں کو اور نماز مغرب کے بعد کی چھ رکعتوں کو (فوری ادائے قضا کی خاطر) ترک نہ کیا جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جس شخص کے ذمہ فوت شدہ نمازوں کی قضا ہو اسے (قضا کو درگزر کر کے) نفل نمازوں کا پڑھنا حرام ہے۔ البتہ اس روز کی صبح کی نماز نفل اور دوگانہ اور وتر پڑھی جائے، لیکن سنت جیسے نماز عید (قضا سے پہلے) نہ پڑھی جائے۔ پس اگر کسی نے ان کے سوا کوئی اور نفل، مثلاً تراویح پڑھ لی، تو اس کا اجر تو ملے گا، کیونکہ نماز بذات خود ایک عبادت

Marfat.com

فوت شدہ نماز کی قضا کا طریقہ

جس کی نماز فوت ہو جائے اس کی قضا اسی طرح ہوگی جس طرح کہ وہ فوت ہوئی، چنانچہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اگر کوئی مسافت قصر کا مسافر ہے اور اس کی چار رکعت والی نماز فوت ہو گئی ہو تو اس کی قضا بھی دو ہی رکعت ہوگی اگر چہ حالت اقامت میں پڑھی جائے۔ شافعیہ اور حنابلہ کو اس سے اختلاف ہے ان کے مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔(۱)

اگر حالت حضر میں نماز فوت ہوئی تو اس کی قضا چار رکعت پڑھی جائے، خواہ کوئی حالت سفر میں ہو اور اگر سری نماز فوت ہوئی مثلاً ظہر کی نماز تو اس کی قرأت آہستہ آواز سے کی جائے اگر چہ رات کو پڑھی جائے اور اگر جہری نماز فوت ہوئی، مثلاً مغرب کی نماز تو اس کی قضا جہر کے ساتھ پڑھی جائے۔ حنفیہ اور مالکیہ اس میں متفق ہیں، شافعیہ اور حنابلہ کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔(۲)

ہے، لیکن قضا پڑھنے میں تاخیر کا گناہ ہوگا۔ رہی دوسری ہلکی نوافل مثلاً تحیۃ المسجد اور نماز کے بعد کی مقررہ سنتیں تو اس بارے میں اختیار ہے (یعنی خواہ قضا سے پہلے پڑھی جائے یا بعد میں)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جس کے ذمہ فوت شدہ نمازوں کی قضا ہو اسے نفل پڑھنا مطلقاً ممنوع ہے جب تک کہ قضا پڑھ لینے سے فراغت نہ ہو۔ وہ نفل خواہ مقررہ ہو یا کوئی اور نفل ہو۔ ایسے شخص پر واجب ہے کہ قضا فوراً پڑھی جائے اور جس کی قضا فوری طور پر پڑھنا واجب ہے اس کی تفصیل بتائی جا چکی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جس کے ذمہ قضا نماز ہو اس پر نفل مطلق کا پڑھنا حرام ہے، اگر پڑھی گئی تو وہ نفل نہ ہوگی، البتہ وہ نفلیں جو کسی نماز کے ساتھ وابستہ ہوں جیسے مقررہ سنتیں اور "وتر" سو ان کو پڑھنا جائز ہے، تاہم بہتر یہی ہے کہ اگر فوت شدہ نمازیں زیادہ ہوں تو انہیں ترک کر دے۔ لیکن نماز فجر کی سنت اس حکم سے مستثنیٰ ہے، اس کی قضا پڑھنی ہی چاہیے، خواہ فوت شدہ نمازوں کی تعداد زیادہ ہو، کیونکہ اس کی تاکید آئی ہے اور شارع علیہ السلام نے اس کی ترغیب فرمائی ہے۔

۱۔ حنابلہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی مسافر کی چار رکعت والی نماز فوت ہوئی تو حالت سفر میں اس کی قضا دو رکعت اور حالت حضر میں چار رکعت پڑھنی چاہیے، کیونکہ اصل شے تکمیل ہے، لہٰذا (سفر کی وجہ سے جو قصر ہوئی تھی وہ) حالت حضر میں پھر اپنی کامل کیفیت کی طرف لوٹ آئے گی۔

۲۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ قضا نماز کا سری یا جہری ہونا اس وقت کے اعتبار سے ہوگا جس وقت وہ پڑھی جائے۔ چنانچہ اگر ظہر کی قضا رات کے وقت پڑھی جائے تو جہری (اونچی آواز سے) ہو اور مغرب کی قضا دن میں پڑھی جائے تو سری (دھیمی آواز) سے ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ دن کے وقت قضا سری (مخفی آواز سے) پڑھی جائے، خواہ وہ قضا سری نماز کی ہو یا جہری نماز کی اور خواہ امام پڑھے یا منفرد۔ اگر رات کو قضا نماز پڑھی جائے تو امام جہری نماز کو جہر کے ساتھ ہی پڑھے، کیونکہ اس صورت میں

Marfat.com

فوت شدہ نمازوں کی قضا میں ترتیب قائم رکھنے کا بیان

فوت شدہ نمازوں کی قضا میں بھی ان کی باہمی ترتیب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ پہلے فجر کی، پھر ظہر کی یا پہلے ظہر کی پھر عصر کی قضا پڑھنی چاہیے۔ اسی طرح فوت شدہ اور موجود الوقت نمازوں اور دو موجود الوقت نمازوں میں بھی جبکہ ایک وقت میں دو نمازیں پڑھی جائیں ترتیب کا لحاظ چاہیے۔ اس کے متعلقہ مسائل بموجب مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ اس کے لئے ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔[1]

یہ قضا ادا کے مشابہ ہے۔ لیکن اگر سری نماز کی قضا ہے تو اسے مطلقاً دھیمی آواز سے پڑھا جائے۔ اسی طرح اگر جہری نماز کی قضا ہے اور کوئی تنہا (بغیر جماعت کے) پڑھ رہا ہے تو دھیمی آواز سے پڑھے۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ فوت شدہ نمازوں (کی قضا) میں ان کی باہمی ترتیب اور قضا و حاضر نمازوں میں جو ترتیب ہے ان کا قائم رکھنا لازم ہے۔ لہٰذا نماز حاضر کو فوت شدہ نماز کی قضا سے پہلے ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح مثلاً ظہر اور فجر کی نماز فوت ہوئی تو فجر کی قضا سے پہلے ظہر کی قضا نہیں پڑھی جا سکتی۔ یہی ترتیب فرض اور وتر کے درمیان ملحوظ رہنی چاہیے، لہٰذا فجر کی نماز کو وتر کی قضا سے پہلے نہ پڑھنا چاہیے اور نہ عشاء ادا کرنے سے پہلے وتر پڑھنا چاہیے۔

واضح ہو کہ یہ ترتیب اسی حالت میں واجب ہے جب کہ فوت شدہ نمازوں کی تعداد وتر کو نکال کر چھ نہ ہو گئی ہو۔ پس اگر چھ نمازوں سے کم فوت شدہ نمازوں کی قضا کسی کے ذمہ ہے تو لازم ہے کہ ان کی قضا ترتیب وار پڑھی جائے، یعنی فجر کی قضا ظہر کی قضا سے پہلے اور ظہر کی عصر سے پہلے، وعلیٰ ہذا القیاس۔ اگر کسی نے ظہر کی نماز فجر کی قضا سے پہلے پڑھی، تو ظہر کی نماز فاسد ہو جائے گی اور فجر کی قضا پڑھنے کے بعد اس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ عصر کی نماز ظہر کی قضا سے پہلے پڑھی جائے۔ اسی طرح دوسری نمازوں کو بھی سمجھ لینا چاہیے۔ لیکن اگر فوت شدہ نمازوں کی تعداد وتر کے علاوہ چھ ہو جائے تو اب ترتیب باقی نہ رہے گی جیسا کہ آئندہ بتایا جائے گا۔ اگر کسی کے ذمہ چھ نمازوں سے کم کی قضا ہے اور ان کو نماز حاضر کے ساتھ پڑھنا ہے تو لازم ہے کہ نماز سے پہلے ان کی قضا ترتیب وار پڑھی جائے لیکن اگر وقت تنگ ہے تو اس کے مسائل آگے بتائے جائیں گے۔ پس اگر کسی کی ایک نماز فوت ہوئی ہے اور اس سے اگلی نماز ادا کرنے کے وقت وہ یاد آئی اور اس نے دوسری نماز پڑھ لی اور پہلی نہیں پڑھی تو دوسری نماز کی فرضیت سردست فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر تیسری نماز پڑھی تو تیسری فاسد ہو جائے گی۔ یہی حال چوتھی اور پانچویں کا ہے۔ اگر پانچویں نماز کا وقت بھی نکل جائے اور پہلی فوت شدہ نماز نہیں پڑھی گئی تو وہ تمام نمازیں جو پڑھی گئیں صحیح متصور ہوں گی اور صرف فوت شدہ نماز کی قضا واجب ہوگی، کیونکہ یہ نمازیں اب ایسی نمازیں ہیں جن کی ترتیب ساقط ہو چکی ہے، کیونکہ جس طرح فوت شدہ اور نماز حاضر کے درمیان قضا نمازوں کی تعداد زیادہ ہونے کی صورت میں ترتیب قائم نہیں رہتی اسی طرح ادا شدہ نمازوں کی تعداد زیادہ ہونے سے بھی (فوائت کی ترتیب) ساقط ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اگر فجر کی نماز فوت ہوئی اور فجر کی نماز فوت شدہ یاد ہوتے ہوئے بھی ظہر کی نماز پڑھ لی تو ظہر کی نماز سردست فاسد ہوگی۔ پھر اگر عصر کی نماز بھی قضائے فجر پڑھے بغیر پڑھ لی تو یہ عصر کی نماز عارضی طور پر فاسد ہوگی اور یہی حال اگلے روز کی نماز فجر تک رہے گا۔ اب اگر پچھلے دن کی فوت

Marfat.com

شدہ نماز فجر کی قضا اس دن کی نماز فجر سے پہلے پڑھ لی تو جتنی نمازیں پڑھی گئیں ان سب کی فرضیت جاتی رہی اور وہ تمام نمازیں نفل نمازیں متصور ہوں گی اور ان سب کا اعادہ لازم ہوگا ورنہ (یعنی اگر فوت شدہ نماز فجر کی قضا دوسرے دن کی نماز فجر سے پہلے نہیں پڑھی تو) تمام نمازیں صحیح ہو جائیں گی اور صرف ایک فوت شدہ نماز کا اعادہ لازم ہوگا۔ اگر کسی شخص کو اپنی ایک یا زیادہ فوت شدہ نمازیں نماز پڑھتے میں یاد آ جائیں تو وہ نماز نفل ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں چاہیے کہ اس نماز کو دو رکعتیں پڑھ کر ختم کردے، پھر اسی ترتیب کے مطابق جس طرح وہ فوت شدہ نمازیں جو اس وقت تک فوت ہوئی ہیں پڑھی جائیں۔ اگر جمعہ کی نماز پڑھتے میں فجر کی قضا یاد آئے اور جمعہ کا وقت نکل جانے کا اندیشہ نہ ہو تو (جمعہ کو چھوڑ کر پہلے فوت شدہ نماز کی قضا پڑھے پھر اس وقت کی نماز جمعہ یا ظہر پڑھے۔ لیکن اگر جمعہ کا وقت نکل جانے کا اندیشہ ہے تو جمعہ کو پورا کرے اور فوت شدہ کی قضا بعد میں پڑھے۔

واضح ہو کہ تین امور ایسے ہیں جن سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے:

اول: یہ کہ فوت شدہ نمازوں کی تعداد چھ ہو جائے، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ اس تعداد میں وتر شامل نہیں ہے۔

دوم: یہ کہ وقت اتنا تنگ نہ ہو کہ فوت شدہ اور نماز حاضر ادا نہ کی جا سکے۔

سوم: یہ کہ فوت شدہ نماز ادائے نماز کے دوران یاد آئے (یعنی اس صورت میں بھی ترتیب نہیں رہتی)، کیونکہ ظہر کا وقت تو اس وقت کی نماز سے پہلے ہی آ جاتا ہے اور فوت شدہ نماز کا وقت بوجہ اس کے کہ وہ فراموش شدہ ہے اس وقت آتا ہے جب وہ یاد آئے، لہٰذا دونوں کے اوقات میں تصادم نہیں ہوتا اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: "رفع عن امتی الخطاء و النسیان وما استکر ھوا علیہ" (یعنی اللہ تعالیٰ نے میری امت سے بھول چوک کو درگزر فرمایا ہے اور اس بارے میں کوئی جبر نہیں ہے)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ فوت شدہ نمازوں کی قضا بالترتیب بذات خود واجب ہے، خواہ ان کی تعداد تھوڑی ہو یا زیادہ۔ اس کی دو شرطیں ہیں: ایک یہ کہ سابقہ قضا نمازیں یاد ہوں، دوسری یہ کہ ترتیب کے مطابق پڑھنا ممکن ہو، بایں طور کہ مجبوراً اسے ترک نہ کرنا پڑا ہو۔ لیکن ترتیب کا واجب ہونا شرط (صحت) کی حیثیت نہیں رکھتا، لہٰذا اگر ترتیب کا لحاظ نہ کیا جائے تو جو نمازیں پہلے پڑھی جا چکی ہیں وہ باطل نہ ہوں گی، ان کا دہرانا ضروری نہیں ہے، لیکن ایسا کرنا گناہ ہے، کیونکہ جب وہ پڑھی جا چکیں تو ان کا وقت گزر چکا اور ان ہی دونوں شرائط سابقہ کے ساتھ فوایت یسیرہ (سہل العمل فوت شدہ نمازیں) وہ ہیں جن کی تعداد پانچ یا اس سے کم ہو۔ ان کی قضا نماز حاضر سے پہلے پڑھ لینا چاہیے۔ وقت تنگ دیکھ کر پہلے نماز حاضر کو پڑھا تو نماز صحیح ہو جائے گی، لیکن گناہ ہوگا اور فوت شدہ نمازوں کی قضا پڑھنے کے بعد اگر وقت باقی ہو، خواہ وقت ضروری ہی ہو تو اس نماز حاضر کو پھر پڑھ لینا مستحب ہے۔ اس کی تفصیل اوقات نماز کے بیان میں سابقاً بتائی جا چکی ہے۔ اگر کسی شخص کو قضا نماز یاد نہ رہی اور نماز حاضر پوری پڑھ لی تب یاد آیا کہ قضا اس کے ذمہ ہے تو نماز صحیح ہو جائے گی اور گناہ بھی نہ ہوگا۔ تاہم مستحب یہی ہے کہ اس وقت کی نماز کو دوبارہ پڑھ لیا جائے، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔ لیکن اگر فوایت یسیرہ (پانچ سے کم قضا نمازیں) نماز پڑھتے میں یاد آئیں اور ابھی تک اس نماز کی ایک رکعت مع دو سجدوں کی نہیں پڑھی گئی تو اس کی نیت توڑ کر پہلے فوت شدہ نماز کا پڑھنا واجب ہے، خواہ امام ہو یا تنہا گزار۔ (امام ہو تو) مقتدی بھی نماز توڑ دیں۔ اگر مقتدی کو نماز حاضر پڑھنے کے دوران یاد آیا کہ اس کے ذمہ فوایت یسیرہ کی قضا واجب ہے تو امام کی پیروی کا حق پیش نظر رکھتے ہوئے

Marfat.com

نماز نہ توڑنی چاہیے، بلکہ مستحب یہ ہے کہ ان نمازوں کی قضا پڑھنے کے بعد اگر وقت ہو، خواہ ضروری وقت ہو، تو نماز حاضر کو دوبارہ پڑھ لیا جائے۔ اگر قضا نماز اس وقت یاد آئی جب کہ ایک پوری رکعت مع دو سجدوں کے پڑھی جا چکی ہے تو دوسری رکعت اس کے ساتھ ملا کر اس کو نفل نماز کر لینا چاہیے اور اس کے بعد فوت شدہ نمازوں کی قضا پڑھی جائے۔ اگر قضا نماز اس وقت یاد آئی جب کہ دوگانہ یا سہ گانہ نماز کی دو رکعتیں، یا چہارگانہ نماز کی تین رکعتیں پڑھی گئیں، تو اب اس نماز کو مکمل کر لینا چاہیے اور اس کے بعد فوت شدہ نمازوں کی قضا پڑھی جائے، اور وقت باقی ہو تو وقتی نماز کو دہرا لیا جائے۔ اگر فوایت یسیرہ نفل نماز پڑھتے میں یاد آئیں تو اس نفل کو پورا کرنا چاہیے، البتہ اگر صورت یہ ہے کہ وقت تنگ ہے اور اس وقت کی نماز نہیں پڑھی گئی اور نفل کی ایک رکعت پوری نہیں ہوئی تو اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔

اگر فوت شدہ نمازوں کی تعداد پانچ سے زیادہ ہے تو ان کی قضا کا پڑھنا نماز حاضر سے پہلے واجب نہیں ہے، بلکہ نماز حاضر کو قضا سے پہلے پڑھنا مستحب ہے، بشرطیکہ وقت میں گنجائش ہو، اگر گنجائش نہ ہو تو ایسا کرنا (محض مستحب نہیں بلکہ) واجب ہے۔ دو موجود الوقت نمازوں کو جن کے اوقات ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں پڑھنے میں ترتیب کا ہونا بطور شرط صحت کے واجب ہے۔ ایسی نمازیں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء ہیں، خواہ یہ دونوں اکٹھی پڑھی جا رہی ہوں یا اکٹھی نہ ہوں (بہر حال ترتیب واجب ہے)۔ ترتیب کے لئے ظہر کو عصر سے پہلے اور مغرب کو عشاء سے پہلے پڑھنا چاہیے۔ اگر اس کے خلاف کیا تو پہلی نماز بجائے خود باطل ہو جائے گی۔ اس سے وہ صورت مستثنیٰ ہے جب کہ مجبوراً دوسری کو مقدم کرنا پڑا ہو یا یہ کہ بھولے سے دوسری نماز کو پہلے پڑھ لیا جائے تو نماز درست ہو جائے گی، بشرطیکہ دوسری نماز پوری ہونے تک پہلی نماز نہ یاد آئی ہو۔ ایسی صورت میں مستحب یہ ہے کہ اگر وقت باقی ہو، خواہ وہ وقت ضروری ہو تو پہلی نماز پڑھنے کے بعد دوسری کو دوبارہ پڑھ لیا جائے۔ لیکن اگر پہلی نماز دوسری کو ادا کرتے میں یاد آئی تو اس کا حکم بقول معتمد وہی ہے جو نماز حاضر پڑھنے کی حالت میں فوائت یسیرہ کے یاد آنے کا ہے، یعنی ایک رکعت پوری ہو گئی ہو تو اسے توڑ دے اور مستحب یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک رکعت اور ملا کر اسے بطور نفل کے پورا کر لیا جائے وغیرہ، بموجب تفصیل سابقہ۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ فوت شدہ نمازوں کی ترتیب کا (قضا میں) قائم رکھنا بذات خود واجب ہے، خواہ ان کی تعداد تھوڑی ہو یا زیادہ۔ اگر ترتیب کا خیال نہ رکھا گیا مثلاً فوت شدہ نماز عصر کی قضا فوت شدہ نماز ظہر سے پہلے پڑھی تو پہلی نماز بجائے خود درست نہ ہوگی، جیسے مثال سابقہ میں عصر کی نماز ہے جس میں ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا درآنحالیکہ پہلی نماز یاد تھی۔ لیکن اگر پہلی نماز دوسری نماز کے پڑھتے میں یاد آئی تو دوسری نماز باطل ہو جائے گی۔ قضا شدہ نمازوں کو حاضر نماز کے ساتھ بالترتیب پڑھنا واجب ہے، البتہ اگر نماز حاضر کا وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو، خواہ وہ وقت اختیاری ہو تو نماز حاضر کا پہلے پڑھ لینا واجب ہے۔ اس صورت میں یہ نماز صحیح ہوگی جس طرح اس صورت میں صحیح ہے جب کہ فوت شدہ نماز یاد نہ رہی ہو اور بھولے سے نماز حاضر کو پہلے پڑھ لیا اور نماز ختم کرنے تک یاد نہ آئی۔

دو حاضر نمازوں میں بھی بموجب تفصیلات سابقہ ترتیب واجب ہے، بشرطیکہ یاد ہو۔ اگر کوئی شخص مثلاً حالت سفر میں ظہر اور عصر کو عصر کے وقت میں اکٹھا پڑھنے کا ارادہ کرے، تو واجب ہے کہ نماز ظہر پہلے پڑھے۔ اگر اس کے خلاف کیا اور فوت شدہ نماز ظہر یاد تھی یا نماز کے اندر یاد آئی تو یہ نماز باطل ہو جائے گی۔ ہاں اگر عصر کی نماز پوری کرنے تک بھی قضائے ظہر یاد نہ آئی تو نماز عصر ہو جائے گی۔ (واضح ہو کہ وجوب ترتیب کے) مسائل سے ناواقف ہونے یا جماعت کے فوت ہو جانے کے اندیشہ سے ترتیب کا حکم ساقط نہیں ہوگا، لہٰذا اگر کسی شخص کی نماز فجر اور نماز عصر فوت ہو گئی ہے اور اس نے فجر کی

Marfat.com

قضا نمازوں کی تعداد معلوم نہ ہونے کا بیان

اگر کسی شخص کے ذمہ قضا نمازیں ہوں جن کی تعداد معلوم نہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ اتنی نمازوں کی قضا ادا کرے کہ اسے یقین ہو جائے کہ اب کوئی قضا باقی نہیں رہی۔ شافعیہ اور حنابلہ کا یہی خیال ہے، لیکن مالکیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں بری الذمہ ہو جانے کا صرف گمان کافی ہے (یقین ضروری نہیں)۔ اور جب قضا پڑھی جائے تو اس کی نیت میں زمانے کا متعین کرنا لازم نہیں ہے بلکہ نیت میں صرف اس نماز کا نام لینا کہ مثلاً ظہر کی ہے یا عصر کی نماز ہے کافی ہے۔ حنفیہ کا مسلک اس باب میں ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

قضا نمازوں کو اوقات ممنوعہ میں پڑھنے کا بیان

نمازوں کی قضا ہر وقت پڑھی جا سکتی ہے، خواہ وہ وقت ایسا ہو جس میں نفل نماز کا پڑھنا ممنوع

قضا پڑھنے سے پہلے ظہر کی نماز پڑھ لی، کیونکہ اسے ترتیب کے واجب ہونے کا علم نہ تھا، اس کے بعد عصر کی نماز اس کے وقت میں ادا کی تو عصر کی نماز صحیح ہو جائے گی، کیونکہ نماز عصر کے دوران اس کو یہی خیال تھا کہ اس پر کوئی نماز واجب نہیں ہے۔ لیکن ظہر جو پڑھی ہے اس کا اعادہ واجب ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ فوت شدہ نمازوں کی قضا پڑھنے میں ترتیب کا لحاظ رکھنا بذات خود سنت ہے، خواہ ان کی تعداد تھوڑی ہو یا زیادہ۔ پس اگر ایک نماز کو دوسری پر مقدم کر دیا تو مقدم شدہ نماز اپنی جگہ پر صحیح ہوگی، لیکن یہ امر سنت کے خلاف ہے اور بہتر یہی ہے کہ اسے دوبارہ پڑھ لیا جائے۔ لہٰذا اگر کسی نے ظہر کی قضا عصر کی قضا سے پہلے پڑھی یا جمعرات کے دن کی قضائے ظہر بدھ کے دن کی قضائے ظہر سے پہلے جو اس سے پہلے کی نماز ہے پڑھی تو نماز ہو جائے گی۔ نیز قضا نمازوں کو نماز حاضر کے ساتھ ملا کر ترتیب کے ساتھ پڑھنا سنت ہے۔ اس کی دو شرطیں ہیں: ایک شرط یہ ہے کہ نماز حاضر کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور فوت ہونا جب متصور ہوگا کہ کم از کم ایک رکعت پوری وقت کے اندر ادا نہ ہوئی ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ نمازِ حاضر شروع کرنے سے پہلے فوت شدہ نماز یاد ہو۔ اگر وہ نماز یاد نہ ہو اور نماز حاضر شروع کر دی تو اب اس کو پورا کرنا چاہیے اور قضا پڑھنے کے لئے اسے منقطع نہ کرنا چاہیے، خواہ وقت میں گنجائش ہو۔ اگر فوت شدہ نماز کی قضا کو نماز حاضر سے پہلے پڑھنا شروع کیا کہ وقت میں گنجائش ہے، لیکن شروع کرنے کے بعد محسوس ہوا کہ اگر قضا پڑھنے میں لگ گئے تو نماز کا وقت جاتا رہے گا، ایسی صورت میں یا تو نماز کی نیت توڑ دی جائے۔ یا اسے نفل نماز بنا کر سلام پھیر دینا چاہیے تاکہ دونوں میں سے وقتی نماز مل جائے۔ یہی طریق افضل ہے۔ اگر دو نمازوں کو بصورت تقدیم ادا کیا جائے تو ان میں ترتیب کا قائم رکھنا واجب ہے اور دو نمازوں کو بصورت تاخیر جمع کرنا ہو تو اس میں ترتیب سنت ہے، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ زمانہ کا تعین ضروری ہے، لہٰذا یوں نیت کرے کہ میں ظہر کی اس پہلی نماز کی نیت کرتا ہوں جس کا وقت آنے پر میں اسے ادا نہیں کر سکا تھا، علیٰ ہذا القیاس۔ یا یوں نیت کرے کہ (مثلاً) یہ قضا میں اپنی آخری فوت شدہ ظہر کی پڑھ رہا ہوں۔

Marfat.com

ہے۔اس کی تفصیل مختلف مسالک کی رو سے ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

مریض کی نماز کا بیان

پڑھنے کا طریقہ

اگر کوئی شخص مریض ہے اور فرض نماز کھڑے ہو کر پڑھنے کے قابل نہیں ہے، تو وہ بیٹھ کر پڑھے۔ اگر کھڑا ہو سکتا ہو لیکن اس سے کسی اور مرض کے لاحق ہو جانے یا اسی مرض میں زیادتی یا شفائے مرض میں تاخیر کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں بھی بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ اگر کسی کو، مثلاً سلسل بول کا مرض لاحق ہے اور یہ اندیشہ ہے کہ نماز کے لئے کھڑے ہونے سے پیشاب آجائے گا، ہاں اگر بیٹھ کر پڑھے تو طہارت قائم رہے گی، تو بیٹھ کر نماز پڑھے۔ اسی طرح ایک تندرست آدمی کو اگر تجربہ وغیرہ سے یہ معلوم ہو کہ کھڑے ہونے سے بیہوشی لاحق ہوگی یا سر چکرائے گا تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور ان تمام صورتوں میں رکوع اور سجود کے ساتھ مکمل طور پر نماز کا ادا کرنا واجب ہے۔ اگر کوئی شخص بغیر سہارا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے عاجز ہے لیکن کسی دیوار یا لکڑی وغیرہ کے سہارے کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے تو سہارے سے کھڑے ہو کر نماز کا

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ قضا نماز کا پڑھنا تین اوقات میں ناجائز ہے: سورج طلوع ہونے کے وقت، زوال کے وقت اور غروب کے وقت۔ اس کے علاوہ ہر وقت قضا نماز کا پڑھنا جائز ہے، خواہ وہ عصر کے بعد کا وقت ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے ذمہ فوت شدہ نمازوں کی قضا یقینی یا ظنی طور پر واجب ہو تو اس کو ایسے وقت میں بھی پڑھا جا سکتا ہے جس میں نفل پڑھنا ممنوع ہے، لہٰذا اس کو سورج طلوع ہونے اور غروب ہونے کے وقت میں اور اس کے علاوہ ان وقتوں میں بھی، جن میں نفل نماز منع ہے اور جس کی تفصیل سابقاً بیان ہوئی پڑھا جا سکتا ہے۔ اگر کسی کو اس امر میں شک ہے کہ اس کے ذمہ کوئی قضا ہے یا نہیں ہے تو ایسی قضا صرف ان اوقات میں پڑھنی چاہیے جن میں نفل نماز ممنوع نہیں ہے۔ واضح ہو کہ جن اوقات میں نفل نماز حرام ہے، ان اوقات میں قضا پڑھنا حرام ہے اور جن اوقات میں نفل مکروہ ہے ان میں قضا کا پڑھنا بھی مکروہ ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ فوت شدہ نمازوں کی قضا تمام اوقاتِ ممنوعہ میں جائز ہے، ہاں اگر کوئی خاص طور پر ان ہی اوقات ممنوعہ میں نماز قضا پڑھنا چاہے تو یہ جائز نہیں ہے اور نہ نماز درست ہوگی، البتہ جس وقت خطیب جمعہ کا خطبہ پڑھ رہا ہو اس وقت قضا نماز کا پڑھنا جائز نہیں ہے۔ خطیب کے منبر پر آنے کے بعد سے دونوں خطبوں اور ان کے متعلقات پورے ہونے تک نماز نہ ہوگی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ فوت شدہ نمازوں کی قضا تمام اوقاتِ ممنوعہ میں بغیر کسی تفصیل کے جائز ہے۔

Marfat.com

پابند ہے، بیٹھ کر نماز جائز نہیں ہے۔ اس پر حنفیہ اور حنابلہ متفق ہیں، مالکیہ اور شافعیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

اگر کوئی شخص کسی قدر عرصہ کیلئے بھی کھڑا ہو سکے، خواہ صرف اتنی دیر کے لئے جس میں تکبیر تحریمہ ہو سکے تو جتنی دیر بھی کھڑا ہونا ممکن ہو اتنی ہی دیر کھڑا ہونا لازم ہے۔ اس کے بعد بیٹھ کر نماز پڑھ لے۔ اسی طرح جتنی دیر بھی بغیر سہارے کے بیٹھ کر نماز پڑھنا ممکن ہو اتنی دیر بغیر سہارے کے بیٹھنا چاہیے۔ اگر بغیر سہارے کے نہ بیٹھا جا سکے تو سہارا لینا ہی پڑے گا، لیٹ کر نماز جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی سہارا لے کر یا بغیر سہارے کے بیٹھ کر نماز پڑھنے سے عاجز ہو تو کروٹ لے کر یا لیٹ کر نماز پڑھے اس کی تفصیل بموجب مسالک مختلفہ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۲)

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ جو شخص کھڑے ہونے کے لئے سہارے کا محتاج ہے، اسے کھڑے ہونے کا پابند نہ کیا جائے گا، وہ بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے درآنحالیکہ وہ بغیر سہارے کے بیٹھ سکتا ہو۔ لیکن اگر بیٹھنے میں بھی سہارے کا محتاج ہے تو سہارے سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا پابند ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی اور شخص کا سہارا لے کر کھڑا ہو سکتا ہے تو اسے ہر رکعت میں صرف کھڑے ہوتے وقت سہارا لینے کی پابندی ہوگی، لیکن اگر وہ پورے عرصۂ قیام میں دوسرے کے سہارے کا محتاج ہے تو اسے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا واجب نہیں ہے، بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ ہاں کسی لکڑی یا دیوار وغیرہ کے سہارے کھڑا ہو سکتا ہو تو کھڑا ہونا واجب ہے، خواہ پورے دورانِ قیام میں سہارے کا محتاج ہو۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ جو شخص دونوں حالتوں میں بیٹھنے سے عاجز ہو تو دائیں پہلو کے بل لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھے۔ رخ قبلہ کی جانب رہے۔ اگر دائیں کروٹ نہ لے سکے تو بائیں کروٹ لے، لیکن رخ قبلہ کی جانب رکھے۔ اگر کروٹ سے نہ لیٹ سکے تو پیٹھ پر (چت) لیٹ جائے اور دونوں پاؤں قبلہ کی جانب کر لے ان تینوں حالتوں میں ترتیب ترجیحی مستحب ہے۔ لہٰذا اگر دائیں کروٹ نماز پڑھنے کی قدرت کے باوجود بائیں کروٹ لے کر نماز پڑھی یا پہلو کے بل لیٹنے کی بجائے چت لیٹ کر نماز پڑھی تو نماز صحیح ہوگی، صرف طریق مستحب کے خلاف ہوگا۔ اگر کوئی شخص چت بھی لیٹ نہ سکتا ہو تو پیٹ کے بل لیٹ کر اور منہ قبلہ کی جانب کر کے سر کے اشارے سے نماز پڑھے۔ اگر کوئی چت لیٹنے کے قابل ہے اور پھر بھی پیٹ کے بل لیٹ کر نماز پڑھتا ہے تو نماز باطل ہوگی، کیونکہ ان دونوں حالتوں میں ترتیب ترجیحی واجب ہے (محض مستحب نہیں ہے)۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ بہتر طریقہ یہ ہے کہ نماز کے لئے چت لیٹ کر دونوں پاؤں قبلہ کی جانب کرے، گھٹنے کھڑے رکھے اور سر کسی قدر اونچا کر لے، تا کہ رخ قبلہ کی جانب ہو جائے۔ اگر چہ یہ بھی اختیار ہے کہ دائیں یا بائیں پہلو پر لیٹ کر نماز پڑھی جائے، تاہم دایاں پہلو بائیں سے افضل ہے۔ لیکن یہ تمام صورتیں اسی حالت میں ہیں جب کہ کوئی ایسا کرنے کے

Marfat.com

بیٹھ کر نماز پڑھنے کا طریقہ

جو شخص کھڑے ہونے سے معذور ہو اور بیٹھ کر نماز پڑھے تو مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک چاہیے کہ چارزانو ہو کر بیٹھے۔ حنفیہ اور شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ اس بارے میں جملہ مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

رکوع اور سجدے سے معذوری کا بیان

اگر کوئی شخص رکوع کرنے اور سجدہ کرنے سے یا ان میں سے کسی ایک کے ادا کرنے سے معذور ہو تو جس امر سے معذور ہو اس کو اشارے سے ادا کرے۔ اب اگر کوئی شخص کھڑے ہونے اور سجدہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے، صرف رکوع نہیں کرسکتا تو اسے واجب ہے کہ نیت باندھے اور قرأت کرنے کے لئے کھڑا ہو اور رکوع کا صرف اشارہ کرے پھر سجدہ کرلے۔ اگر قیام تو کرسکتا ہو، لیکن رکوع و سجود سے عاجز ہو تو تکبیر تحریمہ اور قرأت کھڑے ہو کر کرے اور رکوع کے لئے کھڑے کھڑے اشارہ کرے۔ پھر بیٹھ کر اشارے سے سجدہ کرے۔ اگر کھڑے کھڑے اشارے سے سجدہ کیا یا بیٹھ کر اشارے سے رکوع کیا تو اس کی نماز باطل

قابل ہو، اگر ایسا کرنے سے معذور ہو تو جس طرح بھی ممکن ہو اسی طرح نماز ادا کرنی چاہیے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر دونوں طریقوں میں سے کسی طریقہ سے نہ بیٹھا جاسکے تو پہلو کے بل قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھی جائے لیکن دائیں کروٹ افضل ہے۔ چت لیٹ کر اور قبلہ کی طرف پاؤں کر کے بھی نماز صحیح ہے۔ لیکن اگر پہلو کے بل نماز پڑھ سکتا ہو تو اس طرح (چت لیٹ کر) نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ ہاں اگر کروٹ سے نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو چت لیٹ کر دونوں پاؤں قبلہ کی جانب کر کے نماز پڑھنی چاہیے (یہ مکروہ نہیں ہے)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر بیٹھنے سے بالکل معذوری ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر اپنے سینہ اور چہرہ کو قبلہ کی جانب کر کے نماز پڑھ لے اور رکوع و سجود کرسکتا ہو تو اسی طرح لیٹے لیٹے رکوع و سجود کرلے، ورنہ اشارہ سے کام لے۔ کروٹ لے کر نماز پڑھنے سے معذوری ہو تو چت لیٹ کر پڑھے۔ پیر کے تلوے قبلہ کی جانب ہوں اور سر کو کسی تکیہ کے سہارے اس طرح اوپر اٹھانا واجب ہے کہ رخ قبلہ کی جانب ہو جائے اور رکوع و سجود کے لئے سر سے اشارہ کیا جائے اور اگر ہو سکے تو سجدہ کے لئے رکوع سے زیادہ جھکا جائے، نہ ہو سکے تو خیر۔ اگر سر سے اشارہ بھی نہ ہو سکے تو پلکوں سے اشارہ کیا جائے۔ ایسی صورت میں سجدہ کے لئے رکوع کی بہ نسبت پلکوں کو زیادہ جھکانا واجب ہے۔ اگر ان امور میں سے کچھ بھی نہ ہو سکے تو دل ہی میں ارکان نماز ادا کرلینا چاہیے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ (معذوری کی نماز میں) چارزانو بیٹھنا مستحب ہے، سوا سجدے کی حالت کے اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے میں اور تشہد کے لئے بیٹھ کر اور بیٹھنا اس حال سے ہوگا، جیسا کہ سنن و مستحبات نماز کے بیان میں بتایا گیا۔

Marfat.com

ہو جائیگی۔ اس بارے میں حنفیہ کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔[1]

اگر کھڑے ہونے کی قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر ہی رکوع و سجود اشارے سے کیا جائے اور سجدے کے اشارے میں رکوع سے زیادہ جھکنا واجب ہے۔ اگر کوئی شخص کھڑا ہو تو ہو سکتا ہے لیکن بیٹھ نہیں سکتا اور رکوع و سجود سے معذور ہے تو کھڑے کھڑے ان کو اشارے سے ادا کرنا چاہیے، کیونکہ سجدے سے عاجز ہونا قیام سے بری الذمہ نہیں کر دیتا، جب کہ قیام کر سکتا ہو۔ حنفیہ کا مسلک اس کے متعلق ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو[2] اور (بہر حال) سجدے کے اشارے میں رکوع سے زیادہ جھکنا واجب ہے۔ اگر کوئی شخص افعال نماز میں سے کوئی فعل ادا نہیں کر سکتا، بجز اس کے کہ اشارہ کرے یا دل میں اجزائے نماز کا تصور کرے تو ایسا ہی کرنا واجب ہے۔ غرض جب تک عقل بجا ہے افعال نماز سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا، چنانچہ اگر آنکھوں سے اشارے کی قدرت ہے تو ایسا ہی کرنا لازم ہے، محض افعال ماز کا تصور دل میں کر لینا کافی نہیں ہے۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔[3]

حنفیہ کہتے ہیں کہ (معذور آدمی) قرأت اور رکوع کے وقت تو جس طرح چاہے بیٹھے، اگر چہ بہتر صورت وہی ہے جیسے تشہد کے وقت بیٹھا جاتا ہے، لیکن سجدہ اور تشہد کی حالت میں اس طرح بیٹھنا چاہیے جس طرح پہلے بتایا گیا ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج اور دشواری نہ ہو بصورت دیگر وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے جس میں زیادہ آسانی ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر (مجبوری سے) بیٹھ کر نماز پڑھنا ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پوری نماز میں سوائے حالتِ رکوع وسجود کے چار زانو بیٹھے۔ واضح ہو کہ سنت تو یہی ہے کہ دو زانو ہو کر بیٹھے، باقی اختیار ہے کہ جس طرح جی چاہے بیٹھے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر (بہ حالت مجبوری) بیٹھ کر نماز پڑھنا ہے تو اس کے لئے حالت افتراش (ہاتھ بچھا کر بیٹھنا) سنت ہے، بجز دو حالتوں کے: ایک تو سجدہ کی حالت میں کہ اس میں پیر کی انگلیوں کا نچلا حصہ زمین پر رکھنا واجب ہے اور دوسری تشہد آخر کے وقت کہ ان حالات میں تورک (کولھے کے بل بیٹھنا) سنت ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر اشارے سے رکوع اور سجدہ کرنا صحیح ہے اور بیٹھ کر بھی صحیح ہے، لیکن بیٹھ کر رکوع وسجود کا اشارے سے کرنا افضل ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص سجدہ کرنے سے معذور ہے، قطع نظر اس سے کہ رکوع سے بھی معذور ہو یا نہ ہو، بقول صحیح وہ قیام سے بری الذمہ ہو جائے گا، لہٰذا اسے بیٹھ کر نماز پڑھنی چاہیے جس میں رکوع وسجود اشارے سے کرے، یہ صورت کھڑے ہو کر اشارے سے بہتر ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

۳۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص محض آنکھ، پلک یا دل سے اشارہ کر سکتا ہے تو ایسے حال میں وہ نماز سے بری الذمہ متصور ہو گا اور اس حالت کی نماز درست نہ ہو گی، خواہ عقل قائم ہو یا نہ ہو اور ایسا مرض ہے تو اس پر قضا بھی واجب نہیں ہے،

Marfat.com

واضح ہو کہ جس شخص پر اشارے سے ارکانِ نماز کا ادا کرنا فرض ہے، اس کے لئے کسی چیز کو اونچا کر کے اس پر سجدہ کرنا مکروہ ہے، تاہم اگر اس طرح سجدہ کر لیا تو وہ بھی اشارے سے سجدہ کرنا متصور ہوگا۔ پس اس شخص کو جس کی حالت اس سے بہتر ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔(۱)

اگر کوئی مریض نماز پڑھنے میں شفایاب ہو جائے تو اس نماز کو جاری رکھے اور اب جس طرح ادا کرنے کی قدرت ہوئی ہے، اسی طرح نماز کو پورا کرے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے، البتہ حنفیہ کے مسلک کی تفصیل ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔(۲)

جنازے کا بیان

موت کے وقت حاضرین کو کیا کرنا چاہیے

سنت یہ ہے کہ جب کسی کا وقت قریب آ جائے تو اس کا رخ قبلے کی جانب کر دینا چاہیے، بایں طور کہ اس کو دائیں کروٹ دلا دی جائے اور منہ قبلے کی جانب کر دیا جائے، بشرطیکہ ایسا کرنے میں اس کو تکلیف نہ ہو۔ اس بات کا اندیشہ ہو تو اسے چت لیٹے رہنے دیا جائے اور پاؤں قبلے کی جانب کر دیئے جائیں۔ البتہ سر کسی قدر اونچا کر دیا جائے، تاکہ منہ قبلے کی جانب ہو جائے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا مستحب ہے، سنت نہیں ہے اور کلمۂ شہادت کی تلقین کرنا بھی مستحب ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے سامنے کلمۂ شہادت پڑھا جائے، تاکہ یہ سن کر وہ بھی زبان سے کلمۂ شہادت ادا کرنے لگے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

بشرطیکہ فوت شدہ نمازوں کی تعداد پانچ سے زیادہ ہو جائے، بصورت دیگر قضا واجب ہے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ جس کی حالت اس سے بہتر ہے اس کی نماز بھی ایسے شخص کے پیچھے درست ہے درآنحالیکہ نماز قضا ہونے سے بچ جائے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کھڑے ہونے سے معذور ہے اور بیٹھ کر رکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے اور اسی اثناء میں وہ کھڑے ہونے کے قابل ہو گیا تو اس نماز کو جاری رکھے اور کھڑے ہو کر نماز پوری کرے، اگرچہ وہ سر دست رکوع و سجود نہ کر سکے۔ لیکن اگر کوئی بیٹھ کر اشاروں کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو اور اسی دوران رکوع و سجود کرنے کے قابل ہو گیا اور یہ کیفیت ایک رکعت نماز اشاروں کے ساتھ پڑھ لینے کے بعد ہوئی تو اسی نماز کو جاری رکھے اور اسی طرح نماز کو پورا کرے۔ اگر رکعت پوری نہیں پڑھی تو اس نماز کو توڑ دے اور از سر نو نماز شروع کرے۔ اسی طرح اس صورت میں بھی جبکہ کوئی شخص پہلو کے بل لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھ رہا ہو اور نماز پڑھتے میں بیٹھنے کے قابل ہو جائے تو اس نماز کو از سر نو پڑھنا چاہیے۔

Marfat.com

"لقنوا موتا کم لا اله الا اللّٰه فانه لیس مسلم یقولها عند الموت الا انجته من النار".

(یعنی مرنے والوں کو "لا الہ الا اللہ" کی تلقین کرو، کیونکہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جو موت کے وقت یہ کہے اور دوزخ سے نجات کے بغیر رہ جائے)۔

اس حدیث کو ابوحفص بن شاہین نے باب "الجنائز" میں حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ نیز مسلم نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ:

"لقنوا موتا کم شهادة ان لا اله الا اللّٰه".

(یعنی اپنے مرنے والوں کو کلمۂ شہادت کی تلقین کرو)۔

لیکن یوں نہ کہنا چاہیے کہ "ایسا کہہ" مبادا (حالت کرب میں) وہ "نہیں" کہہ دے اور کلمۂ شہادت وہ پڑھ لے تو پھر بار بار اصرار نہ کرنا چاہیے کہ مبادا وہ تنگ آجائے۔ ہاں اگر (کلمۂ شہادت کے بعد) کچھ اور باتیں کرنے لگے تو پھر تلقین کرنی چاہیے، تاکہ کلمۂ شہادت اس کی دنیوی زندگی کا آخری کلام ہو اور دفن کرنے اور قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد بھی تلقین کرنا مستحب ہے اور اس وقت کی تلقین کے الفاظ یوں ہیں کہ تلقین کرنے والا اگر میت کو جانتا ہو تو اسے مخاطب کر کے کہے کہ اے "فلاں عورت کی اولاد" ورنہ کہے "اے حوا کے بیٹے":

"اذکر العهد الذی خرجت علیه من الدنیا، شهادة ان لا اله الا اللّٰه و ان محمداً رسول اللّٰه و ان الجنة حق و ان النار حق و ان البعث حق و ان الساعة آتية لاریب فیها و ان اللّٰه یبعث من فی القبور و انک رضیت باللّٰه رباً و بالاسلام دیناً و بمحمد صلی اللّٰه علیه وسلم نبیاً و بالقرآن اماماً و بالکعبة قبلة و بالمؤمنین اخواناً".

(یعنی اس وعدے کو یاد کر جس کے ساتھ تو دنیا سے آیا ہے، یعنی اس امر کا اقرار کر کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ کے رسول ہیں اور جنت و دوزخ برحق ہیں اور مرنے کے بعد جینا برحق ہے اور قیامت ضرور آئے گی، اس میں کوئی شک نہیں اور اللہ تعالیٰ تمام مردوں کو زندہ کرے گا اور یہ کہ تو اس بات پر راضی ہے کہ اللہ تیرا رب، اسلام تیرا دین، محمد ﷺ تیرے نبی، قرآن تیرا ہادی، کعبہ تیرا قبلہ اور مسلمان تیرے بھائی ہیں)۔

یہ تلقین شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مستحب ہے، مالکیہ اور حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کے

Marfat.com

مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہوں۔ (۱)

موت کے وقت اس کے سامنے عزیز ترین کنبے کے لوگوں اور دوستوں کا موجود ہونا امر مستحب ہے اور اس وقت مرنے والے کے لئے اور جملہ حاضرین کے لئے کثرت سے دعائیں مانگنا بھی مستحب ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ اس وقت حیض و نفاس والی عورتیں، جنبی مرد اور ایسی اشیاء اس کے قریب موجود نہ ہوں جن کو فرشتے برا سمجھتے ہیں، مثلاً لہو ولعب کے سامان۔ ہاں خوشبو کا ہونا مستحب ہے۔ نیز اس کے پاس ''سورۂ یاسین'' کا پڑھنا بھی مستحب ہے، کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ:

''مامن مریض یقراء عندہ (یٰس) الا مات ریان و ادخل قبرہ ریان و حشر یوم القیامۃ ریان''.

(یعنی جس مریض کے پاس سورہ ''یٰس'' پڑھی جائے اس کی موت خوشگوار ہو جاتی ہے، نیز قبر میں شادابی ہوگی اور قیامت میں تر و تازہ اٹھایا جائے گا)۔ اس کے راوی ابو داؤد ہیں۔ اس مسئلے میں سب کا اتفاق ہے۔ البتہ مالکیہ کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۲) ساتھ ہی چاہیے کہ قرآن پڑھنے والا اسے آہستہ آواز سے پڑھے، تاکہ مرنے والے کو بے چینی نہ ہو اور مر جانے کے بعد اس کے پاس کچھ نہ پڑھنا چاہیے، اس پر سب کا اتفاق ہے اور موت کے وقت یہ امر مستحب ہے کہ مرنے والا اپنے حق میں اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

''لا یموتن احد کم الا وھو یحسن الظن باللّٰہ انہ یرحمہ و یعفو عنہ''.

(یعنی موت کے وقت چاہیے کہ انسان اپنے حق میں اللہ سے اچھا گمان رکھے کہ وہ رحم فرمائے گا اور گناہ معاف کر دے گا)۔

اور حدیث صحیحین (بخاری و مسلم) میں ہے کہ:

''قال اللّٰہ تعالیٰ انا عند ظن بہ عبدی بی''.

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ دفن کرنے کے بعد تلقین کرنے کا نہ حکم ہے، نہ اس کی ممانعت ہے۔ بظاہر روایت سے اس کی ممانعت مترشح ہوتی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ دفن کے بعد اور دفن کرتے وقت تلقین کرنا مکروہ ہے کیونکہ تلقین صرف مرنے کے وقت مستحب ہے۔

۲۔ مالکیہ اس قول کو ترجیح دیتے ہیں کہ کسی کی موت کے وقت (مرنے والے کے پاس) قرآن سے کچھ پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ بزرگان سلف سے یہ عمل ثابت نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مریض کے پاس ''سورۂ یٰسین'' پڑھنا مستحب ہے۔

Marfat.com

(یعنی خدا فرماتا ہے کہ میرے متعلق میرے بندے کا جیسا گمان ہوگا (یعنی جیسی توقع رکھے گا) میں ویسا ہی ہوں گا۔)

اور مرنے والے کے پاس جو لوگ ہیں ان کے لئے مستحب یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ سے نیک توقعات رکھنے پر ابھاریں۔

مرنے والے کی آنکھوں کو ڈھانکنا سنت ہے اور آنکھیں ڈھکنے والا کہے:

"بسم اللّٰہ وعلیٰ ملة رسول اللّٰہ، اللّٰھم اغفرله و ارفع درجته فی المھدیین و اخلفه فی عقبه فی الغابرین و اغفرلنا وله یارب العٰلمین و افسح له فی قبره و نورله فیه".

(یعنی اللہ کے نام کی برکت اور ملت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق یا اللہ اس کی مغفرت فرما اور ہدایت یافتہ لوگوں میں اس کا درجہ بلند کر دے اور اس کے بعد پسماندوں میں اس کا خلیفہ بنا۔ ہمارے اور اس کے گناہوں کو معاف کر دے اور قبر کو اس پر کشادہ فرما اور اس میں نور بھر دے!)

یہ الفاظ رسول اللہ ﷺ سے اس وقت کے مروی ہیں جب کہ ابوسلمیٰ کی آنکھ کو (موت کے وقت) ڈھکا جا رہا تھا۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے لیکن مالکیہ اس بارے میں یہ کہتے ہیں کہ آنکھوں کا ڈھانکنا مستحب ہے، سنت نہیں ہے اور ان کے نزدیک اس دعا، یعنی "بسم الله وعلی ملة رسول الله، الخ کا کوئی حکم نہیں ہے۔

میت کو نہلانے سے پہلے کیا کرنا چاہیے؟

جس کا وقت آ گیا ہے اس کے مر جانے کے بعد مستحب یہ ہے کہ ایک چوڑی دھجی لے کر اس کا ڈھاٹا باندھ دیا جائے اور سر پر گرہ لگا دی جائے اور آہستہ سے اس کے اعضا کو درست کر دیا جائے اور زمین (پر ہو تو) اسے اٹھا کر کسی چیز پر لٹا دیا جائے اور جس لباس میں دم نکلا ہے اسے اتار کر ایسے کپڑے سے ڈھک دیا جائے جس سے کچھ نظر نہ آئے۔ اس بارے میں مالکیہ کی کچھ مزید تفصیلات ہیں، ان کے لئے ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔(۱)

جنازے کی تیاری میں اتنا انتظار واجب ہے کہ موت کا یقین ہو جائے، لیکن جب موت کا یقین

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ جن کپڑوں میں دم نکلا ہے اس کے بارے میں دو قول ہیں:

Marfat.com

ہو جائے تو اب جنازے کی تیاری اور دفن میں جلدی کرنی چاہیے۔ لوگوں کو موت کی خبر سے آگاہ کرنا مستحب ہے، خواہ بازاروں میں پکار کر اطلاع دی جائے، تاکہ لوگ جنازے پر حاضر ہو جائیں، لیکن موت کی اطلاع دیتے وقت مرنے والے کی تعریف میں زیادتی نہ کرنی چاہیے، مثلاً یہ کہنا کہ "اللہ کا فقیر، فلاں کا بیٹا، فلاں شخص وفات پا گیا، لوگو! اس کے جنازے کے لئے چل پڑو"۔ اس پر سب کا اتفاق ہے، البتہ حنابلہ کہتے ہیں کہ اطلاع دینا تو مباح ہے، لیکن اس کے لئے پکار کر کہنا مکروہ ہے۔ مالکیہ بھی اس بارے میں حنابلہ سے متفق ہیں کہ پکار کر موت کی اطلاع دینا مکروہ ہے۔ دونوں مسالک کے پیشِ نظر مناسب یہ ہے کہ اس کی اطلاع تحریری اعلانات کے ذریعے کر دی جائے، جیسا کہ آج کل ہمارے زمانے میں ہو رہا ہے۔

مردے کو غسل دینے کا بیان

غسل کی شرعی حیثیت

مردے کو غسل دینا زندوں کے اوپر فرض کفایہ ہے، یعنی اگر کچھ لوگوں نے اس فریضے کو انجام دے لیا تو دوسرے اشخاص اس سے بری الذمہ ہو جائیں گے اور غسل دینا صرف ایک بار فرض ہے، بایں طور کہ تمام بدن پر پانی پہنچ جائے اور تین بار غسل دینا سنت ہے، جیسا کہ غسل دینے کے بیان میں آگے آئے گا۔ اس پر سب متفق ہیں، لیکن مالکیہ کہتے ہیں کہ تین بار غسل دینا مستحب ہے، سنت نہیں ہے۔

مردے کو غسل دینے کی شرطیں

میت کے غسل کا فرض ہونا چند شرطوں پر موقوف ہے:

ایک یہ کہ وہ مسلمان ہو۔ کافر کو غسل دینا فرض نہیں ہے، بلکہ حرام ہے۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ حرام نہیں ہے، کیونکہ یہ غسل ستھرائی کے پیش نظر ہوگا، تعبد (مذہبی احکام) کے طور پر نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ سقط (اسقاط شدہ یا کچا بچہ) نہ ہو۔ اسقاط شدہ بچے کو غسل دینا فرض نہیں

---

(۱)

ایک تو یہ کہ کپڑے اتار دیئے جائیں، لیکن تمام کپڑے نہ اتارے جائیں، قمیض کو رہنے دیا جائے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ کچھ بھی نہ اتارا جائے، بلکہ اس کے اوپر ایک اور کپڑا ڈال دیا جائے جس سے میت کا تمام بدن ڈھک جائے، کچھ نظر نہ آئے۔

Marfat.com

ہے۔اس کے متعلق مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

تیسری شرط یہ ہے کہ میت کے جسم کا کچھ حصہ مل جائے، خواہ وہ کتنا ہی تھوڑا ہو۔اس میں شافعیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے، حنفیہ اور مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کے مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہوں۔ (۲)

چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ میت شہید نہ ہو جسے اللہ کا نام بلند کرنے پر قتل کر دیا گیا ہو، جیسا کہ شہید کے بیان میں بتایا جائے گا، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے احد کے شہداء کے متعلق فرمایا:

"لاتغسلوھم فان کل جرح او کل دم یفوح مسکاً یوم القیامه ولم یصلی علیھم"

(یعنی انہیں غسل نہ دو۔ان کا ہر زخم یا خون قیامت کے روز مشک کی طرح مہکتا ہوگا۔ان کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھی جائے۔یہ حدیث احمد نے روایت کی ہے)۔

اگر پانی دستیاب نہ ہونے یا نہلانے کے قابل نہ ہونے کے باعث میت کو غسل دینا دشوار ہو تو اس کے بجائے تیمم کیا جائے۔مثلاً کوئی شخص جل کر مر گیا اور یہ اندیشہ ہے کہ اگر نہلانے میں جسم کو ملا گیا یا بغیر ملے ہی پانی بہایا گیا تو جسم بکھر جائے گا (تو جسم نہ دھونا چاہیے) ہاں پانی بہانے سے جسم کو بکھرنے کا اندیشہ

۱۔شافعیہ کہتے ہیں کہ سقط سے مراد وہ بچہ ہے جو مدت حمل پوری ہونے سے پہلے پیدا ہو جائے۔حمل کی مدت (کم از کم) چھ ماہ اور چند لحظے ہے، لیکن اگر کسی بچے میں جان پڑ گئی ہو تو اس کا غسل واجب ہے، خواہ یہ بچہ مدت حمل پوری ہونے سے پہلے پیدا ہو گیا ہو یا بعد میں پیدا ہوا ہو۔لیکن اگر مردہ پیدا ہوا اور اس کے اعضاء بن گئے ہوں تو اس کو با قاعدہ غسل دیا جائے۔اگر پورا نہ بنا ہو، لیکن کچھ کچھ بنا ہو تو اسے با قاعدہ غسل نہ دیا جائے، بلکہ صرف پانی اس پر بہا دیا جائے اور ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جائے۔لیکن اس کا کوئی نام بہرحال رکھ دیا جائے، کیونکہ قیامت کے روز اس کا حشر ہونا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ حمل اگر ماں کے پیٹ میں پورے چار ماہ رہے اور ساقط ہو جائے تو اسے غسل دینا واجب ہے، لیکن اگر اس سے پہلے ساقط ہو تو اس کو غسل دینا واجب نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر اسقاط شدہ بچے میں پیدا ہونے کے بعد زندگی کی کوئی علامت پائی جائے، مثلاً رونا یا دودھ کا چوسنا جس کے متعلق بیشتر جاننے والے یہ کہتے ہوں کہ جب تک بچے میں پورے طور پر جان نہ ہو یہ کیفیت نہیں ہوتی تو اس بچے (کی میت) کو غسل دینا واجب ہے، ورنہ مکروہ ہے۔

۲۔حنفیہ کہتے ہیں کہ جب تک میت کے جسم کا بیشتر حصہ یا نصف حصہ مع سر کے نہ پایا جائے، غسل دینا فرض نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جب تک میت کے جسم کا دو تہائی حصہ، خواہ اس میں سر شامل ہو نہ پایا جائے، اس کو غسل دینا فرض نہیں ہے۔اگر نہ پایا جائے تو غسل دینا مکروہ ہے۔

Marfat.com

نہ ہوتو تیمّم نہ کیا جائے، بلکہ بغیر ملے پانی بہا کر غسل دیا جائے۔

مردہ کا ستر دیکھنے اور ہاتھ لگانے کا بیان

مرد کا عورت کی میت کو یا عورت کا مرد کی میت کو غسل دینا

مردہ کے ستر کا ڈھکنا واجب ہے، لہٰذا نہلانے والے کو یا کسی اور شخص کو دیکھنا حلال نہیں ہے۔ اسی طرح اسے ہاتھ لگانا بھی حلال نہیں ہے، لہٰذا نہلانے والے پر واجب ہے کہ اپنے ہاتھوں پر دھجی لپیٹ کر اس کے ساتھ مقام ستر کو دھوئے، خواہ ستر خفیف ہو یا ستر غلیظ ہو۔ رہا باقی جسم سو اس کا ہاتھ پر کپڑا لپیٹے بغیر دھونا درست ہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے، البتہ حنابلہ یہ کہتے ہیں کہ باقی جسم کو بھی دھونے کے لئے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ لینا مستحب ہے اور بقول صحیح حنفیہ کا ایک قول یہ ہے کہ مردہ کے ستر خفیف کو ہاتھ لگانا حرام نہیں ہے، لیکن اس کو ڈھک کر رکھنا اور ہاتھ نہ لگانا ہی مطلوب ہے۔ کسی مرد کا عورت کی میت کو غسل دینا یا اس کے برعکس حلال نہیں ہے۔ ہاں میاں بیوی کا ایک دوسرے کی میت کو غسل دینا حلال ہے۔ لیکن اگر عورت طلاق یافتہ ہو، خواہ وہ طلاق رجعی ہو تو اس صورت میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کا غسل دینا حلال نہیں ہے۔ اس میں مالکیہ اور شافعیہ متفق ہیں، حنفیہ اور حنابلہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

اگر کوئی عورت ایسی جگہ وفات پائے جہاں کوئی اور عورت نہیں ہے صرف مرد ہیں، خاوند بھی نہیں ہے اور وہاں کسی عورت کا ملنا جو اسے غسل دے سکے دشوار ہے، مثلاً سفر کے دوران بستی سے دور راستہ میں کہیں وفات ہوئی تو ایسی صورت میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں، ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔(۲)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی عورت مر جائے تو اس کے خاوند کو اسے غسل دینے کا حق نہیں ہے، کیونکہ نکاح سے جو حق (مرد کا عورت پر) ہو جاتا ہے وہ موت کے بعد ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کا خاوند اب اس کے لئے غیر مرد ہو جائے گا۔ لیکن اگر خاوند مر جائے تو بیوی اس کو غسل دے سکتی ہے، کیونکہ اس وقت وہ عدت میں ہوگی، لہٰذا اس کی زوجیت اس عورت کے حق میں باقی متصور ہوگی، اگر چہ موت سے پہلے اس نے طلاق رجعی دے دی ہو۔ ہاں اگر طلاق بائنہ دی ہے تو اب وہ اپنے خاوند کی میت کو غسل نہیں دے سکتی، اگر چہ عدت میں ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ وہ عورت جسے طلاق رجعی دی گئی ہو، اسے اپنے خاوند کی میت کو غسل دینا جائز ہے۔ ہاں جس کو طلاق بائن مل چکی ہو اسے جائز نہیں ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی عورت ایسی جگہ وفات پائے جہاں نہ کوئی عورت ہے، نہ اس کا خاوند ہے، تو وہاں اگر اس کا کوئی محرم ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہی اس کو غسل دے اور اپنے ہاتھوں پر اچھی طرح دھجی لپیٹ لے کہ ہاتھ میت

Marfat.com

کے جسم کو نہ لگنے پائے نیز درمیان میں پردہ کھڑا کرلے اور پردہ کے اندر سے ہاتھ اس پر پھیرے اور آنکھیں بند رکھے کہ نظر نہ پڑے۔ اگر اجنبی مردوں کے سوا کوئی محرم بھی نہیں ہے تو یہ واجب ہے کہ ان مردوں میں سے ایک شخص میت کی صرف کلائیوں تک تیمّم کرے، کہنیوں تک ہاتھ نہ لے جائے۔

اگر کوئی مرد ایسی جگہ وفات پائے جہاں عورتوں کے سوا کوئی نہ ہو لیکن بیوی ہو تو وہی غسل دے اور اس کے سوا کوئی عورت اسے غسل نہ دے۔ اگر بیوی نہ ہو تو اس کا کوئی محرم (جس سے نکاح حرام ہے) اسے غسل دے۔ اس پر واجب ہوگا کہ اپنے ہاتھ پر کچھ لپیٹ لے کہ اس کے جسم کو نہ لگے اور مرد میت کے ستر کو ڈھکنا اس پر واجب ہے۔ اگر کوئی محرم عورت موجود نہ ہو تو اجنبی عورتوں میں سے کوئی عورت اس کا تیمّم کرے اور یہ تیمّم کہنیوں تک ہونا چاہیے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی عورت کی موت واقع ہو جائے اور غسل دینے والی کوئی عورت دستیاب نہ ہو اور اس کا محرم کوئی مرد موجود ہو تو وہ کہنیوں تک اس کا تیمّم کرے۔ اگر (محرم نہ ہو تو) اجنبی مرد ہاتھ پر کچھ لپیٹ کر اسی طرح تیمّم کردے، لیکن میت کی کہنیوں پر نظر ڈالنے سے آنکھیں بند رکھے۔ خاوند کے لئے بھی اجنبی کی مانند حکم ہے، لیکن کہنیوں کے دیکھنے سے آنکھوں کے بند کرنے کا مکلف نہ ہوگا۔ اس حکم میں جوان اور سن رسیدہ دونوں شامل ہیں۔ اگر کوئی مرد وفات پا جائے جبکہ سوا عورتوں کے کوئی مرد نہ ہو اور بیوی بھی نہ ہو تو چاہیے کہ کسی بے نفس معصوم طبع عورت کو غسل کا طریقہ وہ عورتیں سکھا دیں اور وہی غسل دے۔ اگر ایسی بے نفس عورت موجود نہ ہو تو وہی عورتیں کہنیوں تک اس میت کا تیمّم کردیں اور پردہ کی جگہ دیکھنے سے آنکھیں بند رکھیں۔

واضح ہو کہ ان طریقوں کے خلاف اگر کسی طرح بھی میت کو غسل دے دیا جائے تو غسل ہو جائے گا لیکن گناہ ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی عورت ایسی جگہ وفات پائے جہاں نہ تو کوئی اس کا محرم ہو اور نہ خاوند ہو تو کوئی غیر مرد کہنیوں تک اس کا تیمّم کردے، لیکن ستر کے دیکھنے سے آنکھیں بند رکھے اور اس کے جسم کو ہاتھ نہ لگائے۔ اگر خاوند نہیں ہے لیکن کوئی محرم موجود ہے تو اس پر واجب ہے کہ میت عورت کو غسل دے۔ خاوند ہو تو غسل کے لئے اسے محرم پر فوقیت حاصل ہے۔

اگر کوئی مرد ایسی جگہ وفات پا جائے جہاں عورتیں ہی عورتیں ہوں اور ان میں نہ اس کی بیوی ہو اور نہ کوئی محرم عورت ہو تو اجنبی عورتوں میں سے کوئی اس کا تیمّم کردے۔ لیکن اس طرح کہ ہاتھ پر کوئی شے حائل ہو کہ میت کے جسم سے نہ لگے اور آنکھوں کو ستر پر پڑنے سے بند رکھے۔ ہاں اگر بیوی ہو تو اسے میت کو غسل دینا بغیر کپڑا وغیرہ لپیٹے واجب ہے۔ اگر بیوی نہ ہو اور کوئی محرم عورت موجود ہو، مثلاً اس کی بیٹی یا بہن یا ماں تو وہ بھی غسل دے سکتی ہے، تاہم بیوی محرم عورتوں سے مقدم ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی عورت ایسی جگہ وفات پا جائے جہاں مرد ہی مرد ہوں لیکن ان میں اس کا خاوند نہ ہو تو اجنبی مردوں میں سے کوئی شخص ہاتھ پر کوئی شے حائل باندھ کر میت کا تیمّم کردے۔ اسی طرح اگر کوئی مرد وفات پا جائے جہاں عورتیں ہی عورتیں ہوں لیکن ان میں اس کی بیوی نہ ہو تو ان عورتوں میں سے کوئی عورت ہاتھ پر کچھ لپیٹ کر اس (میت) کا تیمّم کردے۔ ہاتھ کو ڈھکے بغیر تیمّم کرنا حرام ہے، بجز اس صورت کے جبکہ اسے تیمّم کرنے والا کوئی محرم مرد یا عورت ہو، اس

Marfat.com

اگر کسی صغیر السن (بچہ) کی میت ہو تو عورت کا اسے غسل دینا جائز ہے۔ اگر بچی ہو تو مرد بھی اسے غسل دے سکتا ہے، صغیر السن لڑکے یا لڑکی کی تعریف سترِ عورت کے بیان میں سابقاً بتائی جا چکی ہے۔

خنثیٰ مشکل (یعنی وہ مخنث جس کی جنس کا تعین نہ کیا جا سکے) کو غسل دینے کے بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں، اس کے لیے ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔[1]

غسل میت کے مستحبات کا بیان

تین بار غسل دینا

میت کے غسل میں چند امور مستحب ہیں: ایک تو یہ کہ تین بار غسل دیا جائے بایں طور کہ ہر بار میت کے پورے جسم پر پانی پہنچ جائے، اس کا طریقہ آگے بتایا جائے گا۔ ان تین میں سے پہلی دفعہ کا غسل فرض ہے اس کے بعد کے دو غسل سنت ہیں۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے، لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ دوسری اور تیسری بار کا غسل (مستحب نہیں، بلکہ) سنت ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ بھی اس سے متفق ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک مستحب اور سنت میں فرق نہیں اور جب میت کو تین بار اس طرح غسل دے دیا جائے کہ ہر بار اس کا تمام بدن دھل جائے اور صاف ہو جائے تو اس سے زیادہ مرتبہ غسل دینا مکروہ ہے۔ اسی طرح غسل کی تعداد کا تین سے کم ہونا بھی مکروہ ہے، اگرچہ اس سے کم ہی میں جسم صاف ہو گیا ہو۔ اس پر سب کا اتفاق ہے، لیکن اگر بطریق مذکورہ تین بار تمام جسم کو غسل دینے سے بدن صاف نہ ہو تو تین دفعہ سے زیادہ دھونا مستحب

کے لئے جائز ہے کہ ہاتھ پر کچھ لپیٹے بغیر تیمم کر دے۔

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی باندی اس مخنث کے لئے دستیاب ہو سکے۔ خواہ خود اس کے مال سے یا بیت المال (سرکاری خزانہ) سے یا مسلمانوں کے چندے سے تو وہی باندی اسے غسل دے، دوسرا اور کوئی غسل نہ دے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ خنثیٰ مشکل جو مکلف یا قریب البلوغ ہو وہ کسی میت مرد یا عورت کو غسل نہ دے اور نہ کوئی مرد یا عورت اس کو غسل دے، ہاں ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر اس کا تیمم کر دینا چاہیے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ خنثیٰ مشکل کی عمر سات سال یا اس سے کچھ زیادہ ہو جائے تو اس کی کوئی باندی اسے غسل دے، ورنہ پھر ہاتھ پر کچھ لپیٹ کر اس کا تیمم کر دیا جائے اور تیمم کے لئے عورت بہ نسبت مرد کے زیادہ بہتر ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اجنبی مرد یا عورت کو جائز ہے کہ بالغ عمر کے خنثیٰ مشکل کو غسل دے درآنحالیکہ اس کا کوئی محرم نہ ہو، درآنحالیکہ اس کے جسم پر نظر نہ پڑے اور اس کو ہاتھ نہ لگے۔ نیز واجب ہے کہ غسل میں صرف ایک بار تمام بدن پر پانی بہایا جائے اور صغیر السن خنثیٰ کا حکم وہی ہے جو دوسرے بچوں کا۔

Marfat.com

ہے تاکہ بدن صاف ہو جائے۔ اس کے لئے کوئی تعداد مقرر نہیں ہے، لیکن یہ مستحب ہے کہ غسل کی تعداد طاق ہو۔ چنانچہ اگر مثلاً چار بار دھونے سے مطلوبہ صفائی حاصل ہو جائے تب بھی پانچویں بار غسل دیا جائے وغیرہ۔ اس سے شافعیہ اور حنفیہ کو اتفاق ہے، مالکیہ اور حنابلہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

غسل کے پانی میں خوشبو وغیرہ ملانے کا بیان

دوسرا امر مستحب یہ ہے کہ آخری بار غسل کے پانی میں کافور وغیرہ خوشبو کی آمیزش کی جائے۔ ان میں کافور افضل ہے۔ آخری غسل کے علاوہ دوسرے غسل کے پانی میں بیری کے پتے یا کوئی اور میل دور کرنے والی شے جیسے صابن ہے ملا لیا جائے، تاکہ صفائی حاصل ہو اور غسل میت کے پانی میں خوشبو اس حال میں ملانا چاہیے جب کہ حالتِ حج میں احرام کے لباس میں نہ ہو۔ اگر لباس احرام میں ہو تو اس کے غسل کے پانی میں خوشبو نہ ملائی جائے گویا کہ وہ زندہ ہے۔ اس پر حنابلہ اور شافعیہ متفق ہیں، مالکیہ اور حنفیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

غسل کے پانی کا گرم کرنا

تیسرا امر مستحب یہ ہے کہ میت کو ٹھنڈے پانی سے غسل دیا جائے، بجز اس حال کے جب کہ مجبوری ہو، مثلاً سخت سردی ہو یا میل کچیل دور کرنا ہو۔ شافعیہ اور حنابلہ اس سے متفق ہیں، مالکیہ کہتے ہیں کہ

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر چار بار غسل دینے کی ضرورت پڑے تو چار بار غسل دیا جائے کہ پہلی بار سادہ پانی سے اور باقی تین بار ستھرا کرنے والی چیز، مثلاً صابن وغیرہ کے ساتھ۔ اس کے بعد ایک بار غسل اور بھی دیا جائے، تاکہ غسل کی تعداد (طاق) پانچ ہو جائے، اگر اس سے بھی جسم صاف نہ ہو تو پہلی بار کے علاوہ چھٹی بار بھی صابن وغیرہ سے دھویا جائے اور ساتویں بار بھی غسل دیا جائے، تاکہ غسل کی تعداد طاق ہو جائے، اگر آٹھ بار کے غسل سے بھی صفائی نہ ہو تو اسی پر اکتفا کرنا چاہیے، نویں بار غسل نہ دیا جائے۔ لیکن بہرصورت آخری بار خالص پانی میں خوشبو ملا کر غسل دیا جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر تین بار غسل دینے سے صفائی نہ حاصل ہو تو سات بار تک غسل میں اضافہ واجب ہے۔ اگر سات بار کے غسل سے بھی صفائی نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ جتنی دفعہ میں صفائی ہو سکے اتنی دفعہ غسل دیا جائے۔ لیکن بہرحال غسل کی تعداد طاق ہونی چاہیے۔

۲۔ حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ میت کو غسل دینے کے پانی میں خوشبو وغیرہ کا ڈالنا مستحب ہے، خواہ وہ میت احرام کے لباس میں ہو یا نہ ہو۔ یہ اس لئے ہے کہ انسان مردہ غیر مکلف ہوتا ہے، لہٰذا موت کے ساتھ ہی احرام بھی ختم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا سر ڈھکا جاتا ہے۔ بخلاف اس حالت کے جب کہ وہ زندہ اور احرام کی حالت میں ہو۔ لیکن مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ ضروری ہے کہ پہلا غسل خالص پانی سے ہو اور یہ حکم اس لئے ہے کہ ان کے مسلک کی رو سے پانی میں صابن وغیرہ

Marfat.com

پانی ٹھنڈا ہو یا گرم اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا اور حنفیہ کہتے ہیں کہ گرم پانی بہر حال افضل ہے۔

میت کے سر اور ڈاڑھی میں خوشبو لگانا

چوتھا امر مستحب یہ ہے کہ غسل دینے کے بعد میت کے سر اور ڈاڑھی میں خوشبو لگائی جائے، لیکن زعفران نہ ہو۔ اسی طرح ان اعضاء پر خوشبو لگانا مستحب ہے۔ وہ اعضاء یہ ہیں: پیشانی، ناک، دونوں ہتھیلیاں، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں، نیز دونوں آنکھوں، دونوں کانوں اور بغل کے نیچے بھی خوشبو لگائی جائے اور بہتر یہ ہے کہ یہ خوشبو کافور ہو۔ یہ تمام احکام اس صورت میں ہیں جب کہ میت لباس احرام میں نہ ہو۔ ایسا ہو تو کوئی خوشبو نہ لگائی جائے۔ مالکیہ کے سوا اس پر سب کا اتفاق ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ میت کے سر اور داڑھی میں خوشبو لگانا امر مستحب نہیں ہے۔

میت کے پاس دھونی دینا اور غسل کے وقت اس کے کپڑے اتارنا

پانچواں امر مستحب یہ ہے کہ میت کے قریب دھونی دی جائے۔ اس بارے میں مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

چھٹا امر مستحب یہ ہے کہ غسل دینے کے وقت میت کے تمام کپڑے، سوا ستر ڈھکنے والے کپڑے کے اُتار دیئے جائیں۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے، شافعیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں

کی آمیزش ہو جائے تو پانی کی صفت طہوریت جاتی رہتی ہے، جیسا کہ پانی کے بیان میں سابقاً بتایا جا چکا ہے۔

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ دھونی دینا امر مستحب نہیں ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ دھونی دینا تین موقعوں پر مستحب ہے: (۱) اس وقت جب کہ میت کی جان قبض ہو رہی ہو۔ پس جب موت کا یقین ہو جائے تو اسے اونچی جگہ مثلاً کسی تخت یا چبوترے پر رکھا جائے اور اس جگہ رکھنے سے پہلے وہاں پر تین بار یا پانچ بار دھونی دی جائے، بایں طور کہ انگیٹھی یا دھونی کے برتن کو اس تخت کے اردگرد تین، پانچ یا سات بار پھرائے۔ اس سے زیادہ بار نہ پھرایا جائے۔ اس کے بعد میت کو اس پر رکھا جائے۔ (۲) غسل دینے کے وقت دھونی کی انگیٹھی کو نہلانے کے تختے کے اردگرد اسی طرح پھرایا جائے۔ (۳) کفن پہنانے کے وقت اسی طرح کیا جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ دھونی اس جگہ دی جائے جہاں میت کو غسل دیا جاتا ہے، جہاں تک کہ غسل سے فراغت حاصل ہو جائے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ میت کے قریب، جان نکلنے کے بعد سے نماز جنازہ پڑھی جانے کے وقت تک برابر دھونی دی جائے۔

Marfat.com

ملاحظہ ہو۔(۱)

غسل سے پہلے میت کو وضو کرانے کا بیان

مستحب یہ ہے کہ میت کو اسی طرح وضو کرایا جائے جس طرح زندہ انسان نہانے کے وقت جنابت سے پاک ہونے کے لئے وضو کرتا ہے۔ اس وضو میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا نہیں ہو سکتا، لہٰذا میت کے غسل میں یہ دونوں باتیں نہ کی جائیں، تاکہ پیٹ میں جا کر خرابی نہ کرے۔ علاوہ ازیں ایسا کرنے میں دشواری بھی ہے۔ البتہ مستحب یہ ہے کہ نہلانے والا اپنی کلمہ کی انگلی اور انگوٹھے پر دھجی لپیٹ کر اسے پانی سے تر کرلے پھر اسی سے میت کے دانتوں، مسوڑوں اور نتھنوں کو مسح کرے، یہ عمل کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کا قائم مقام ہے۔ اس پر حنفیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے، مالکیہ اور شافعیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۲)

غسل دینے والے میں کن صفات کا پایا جانا مستحب ہے؟

مستحب یہ ہے کہ غسل دینے والا کوئی سنجیدہ آدمی ہو جو مکمل طور پر غسل دے۔ اگر کوئی بری بات دیکھے تو اس پر پردہ ڈالے اور اچھی بات دیکھے تو اسے بیان کردے، مثلاً اگر میت کا چہرہ نورانی اور اس کے وجود سے خوشبو دیکھ کر حیرانی ہو تو مستحب یہ ہے کہ اس کا ذکر لوگوں سے کرے اور کوئی بری بات مثلاً بدبو یا کریہہ المنظری وغیرہ مشاہدہ کرے تو اس کا ذکر کرنا جائز نہیں ہے۔ نیز مستحب یہ ہے کہ غسل دینے کے بعد میت کا بدن کپڑے سے خشک کردے، تاکہ کفن نہ بھیگے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ میت کو اس کے باریک کرتے میں جس سے پانی کے بہنے میں رکاوٹ نہ ہو نہلانا مستحب ہے۔ پس اگر یہ ممکن ہو کہ نہلانے والا کرتے کی چوڑی آستین میں ہاتھ ڈال کر دھو سکے تو ایسا ہی کرے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو آستین کو دونوں طرف سے پھاڑ لیا جائے۔

۲۔ مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ میت کا غسل کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کے ساتھ کیا جائے، البتہ دانتوں اور نتھنوں کا دھجی سے صاف کرنا مستحب ہے، لیکن وہ کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے بجائے نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

میت کے ساتھ جن باتوں کا کرنا مکروہ ہے

ان کا بیان

میت کے سر اور ڈاڑھی کے بالوں میں کنگھی کرنا مکروہ ہے، لیکن شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر بال جم گئے ہوں تو کنگھی کرنا سنت ہے ورنہ کنگھی کرنا نہ سنت ہے نہ مکروہ ہے۔

میت کے بال اور مونچھ کا تراشنا' ور بغل اور زیر ناف بالوں کا دور کرنا مکروہ ہے۔ مطلوب شرع یہ ہے کہ جس طرح وفات ہوئی ہے اسی حالت میں دفن کیا جائے۔ اگر میت کے وجود سے اشیائے مذکورہ میں سے کوئی شے گر جائے تو اسے بھی کفن میں رکھ کر ساتھ ہی دفن کر دیا جائے۔ شافعیہ اور حنفیہ کو اس سے اتفاق ہے، حنابلہ اور مالکیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

غسل دینے کے بعد میت سے نجاست خارج ہونے کا بیان

اگر غسل دینے کے بعد میت کے وجود سے نجاست خارج ہو اور اس سے بدن یا کفن آلودہ ہو جائے تو صرف اس نجاست کا صاف کرنا واجب ہے، دوبارہ غسل نہ دیا جائے۔ مالکیہ اور شافعیہ اس سے متفق ہیں، حنفیہ اور حنابلہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ جو شخص حالتِ احرام میں نہ ہو اس کی مونچھوں کا کترنا اور بڑھے ہوئے ناخن کا تراشنا اور بغل کے بال اتارنا سنت ہے، لیکن سب کو دور کرنے کے بعد میت کے ساتھ کفن میں رکھ دینا چاہیے۔ میت کا سر مونڈنا حرام ہے، کیونکہ ممکن ہے وہ عبادت یا زینت کے لئے ہو۔ موئے زیر ناف کا مونڈنا حرام ہے، محض مکروہ نہیں ہے، کیونکہ اس میں میت کے ستر کو ہاتھ لگانا یا دیکھنا پڑے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ بال کے متعلق جو عمل زندگی میں حرام ہے وہی مرنے کے بعد بھی حرام ہے، مثلاً ڈاڑھی اور مونچھ کا مونڈنا۔ لیکن جو امور زندگی میں جائز ہیں وہ مرنے کے بعد مکروہ ہیں۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ میت سے جو نجاست (بعد غسل) خارج ہو اس سے کوئی حرج نہیں ہے، خواہ وہ اس کے بدن یا کفن کو لگ جائے، البتہ کفن پہنانے سے پہلے بہ خیال صفائی کے اسے دھوڈالنا چاہیے۔ لیکن یہ امر نماز جنازہ کے صحیح ہونے کی شرط نہیں ہے۔ کفن پہنانے کے بعد ایسا ہو تو اب دھونا نہ چاہیے، کیونکہ دھونے میں دشواری اور حرج ہے۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ کفن ہی نجاست آلود ہو، یعنی نجس کفن دیا گیا ہو۔ اس حالت میں نماز جنازہ درست نہ ہوگی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر غسل دینے کے بعد میت سے نجاست خارج ہو تو اس کو صاف کرنا اور دوبارہ غسل دینا واجب ہے۔ اس طرح سات بار غسل دیا جا سکتا ہے۔ اگر ساتویں بار غسل دینے کے بعد بھی نجاست خارج ہو تو صرف خارج شدہ

Marfat.com

میت کو غسل دینے کا طریقہ

میت کو غسل دینے کا طریقہ بموجب تفصیل مسالک مختلفہ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

نجاست کو صاف کر دینا واجب ہے، غسل نہ دیا جائے۔

واضح ہو کہ یہ حکم اس حال میں ہے جب کہ کفن پہنانے سے پہلے یہ صورت پیش آئے۔ اگر کفن پہنانے کے بعد ایسا ہو تو اس سے غسل نہیں ٹوٹتا اور نہ دوبارہ غسل کرنا چاہیے۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں: کہ غسل دینے کے وقت میت کو کسی اونچی چیز مثلاً نہلانے کے پٹڑے پر رکھا جائے۔ پھر غسل دیتے وقت تین بار یا پانچ بار یا سات بار دھونی دی جائے، بایں طور کہ دھونی کی انگیٹھی کو اتنی بار پٹڑے کے گرد پھرایا جائے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ پھر میت کے تمام کپڑے سوا لباس ستر کے اتار دیئے جائیں اور مستحب یہ ہے کہ میت کے پاس غسل دینے والے یا اس کے معاون کے سوا اور کوئی نہ ہو۔ پھر غسل دینے والے کو چاہیے کہ اپنے ہاتھ پر دھجی لپیٹ لے اور اسے تر کر کے اگلی پچھلی شرم گاہوں کو دھوئے، یعنی استنجا کرے۔ پھر وضو کرائے اور وضو میں ابتداء چہرہ کو دھونے سے ہونی چاہیے، کیونکہ ہاتھ دھونے سے وضو کی ابتداء زندوں کے لئے ہے۔ جو خود غسل کرتے ہیں انہیں ضروری ہوتا ہے کہ پہلے ہاتھوں کو دھو لیں۔ لیکن میت کو دوسرا شخص غسل کراتا ہے، اس لئے میت کو غسل دینے میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا نہیں ہوتا، بلکہ اس کے بجائے دانتوں اور نتھنوں کو دھجی سے صاف کرنا ہوتا ہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اس کے بعد میت کے سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو کسی میل کاٹنے والی چیز مثلاً صابن وغیرہ سے دھونا چاہیے۔ بال نہ ہوں تو دھویا نہ جائے۔ پھر میت کو بائیں کروٹ لٹا دیا جائے، تا کہ پہلے دائیں پہلو کو دھویا جائے۔ پس دائیں پہلو پر پانی سر سے پاؤں کی طرف تین بار بہایا جائے یہاں تک کہ نچلی طرف پانی بہہ جائے اور پیٹھ دھونے کے لئے چہرے کے بل اوندھا نہ لٹایا جائے، بلکہ پہلو کی جانب سے اس طرح ہلایا جائے کہ پانی تمام جگہ پہنچ جائے۔ یہ پہلا غسل ہوا۔ اگر اس طرح تمام بدن پر پانی بہہ جائے تو فرض کفایہ ادا ہو گیا۔ اس کے بعد دو غسل اور دیئے جائیں تو سنت ادا ہو جائے گی۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ میت کو دوسری بار دائیں کروٹ لٹایا جائے اور پھر بائیں پہلو پر تین بار اسی طرح پانی ڈالا جائے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ پھر نہلانے والے کو چاہیے کہ میت کو بٹھائے اور اس کو اپنے سہارے پر رکھ کر آہستہ آہستہ اس کے پیٹ پر ہاتھ پھیرے اور اس طرح کرنے سے کچھ خارج ہو تو اس کو دھو ڈالے۔ یہ دوسرا غسل ہے۔ اس کے بعد میت کو بائیں کروٹ پر لٹا دیا جائے اور بطریق سابق پانی بہایا جائے۔ یہ تیسرا غسل ہو گیا۔ ابتدائی دو غسل گرم پانی سے اور میل کاٹنے والی شے جیسے بیری کے پتے اور صابن کے ساتھ دیئے جائیں۔ تیسرے غسل میں پانی میں کافور استعمال کیا جائے۔ اس کے بعد میت کے بدن کو پونچھ کر خشک کر لیا جائے اور اس پر خوشبو مل دی جائے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

واضح ہو کہ غسل کے صحیح ہونے کے لئے نیت ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح از روئے تحقیق فرض کفایہ کی ادائیگی کے لئے نیت شرط نہیں ہے، البتہ ادائے فرض کفایہ پر ثواب حاصل کرنے کے لئے نیت شرط ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ میت کو غسل دینے کا ارادہ ہو تو پہلے اسے کسی اونچی چیز پر رکھا جائے۔ پھر لباس ستر کے علاوہ اس

Marfat.com

کے تمام کپڑوں کو اتار دیا جائے۔ ستر عورت مغلظہ یا مخففہ کا باقی رکھنا واجب ہے۔ اس کے بعد میت کے ہاتھ کو تین بار دھونا چاہیے۔ پھر اس کے پیٹ کو آہستہ آہستہ دبانا چاہیے تا کہ اندر کی غلاظت پہلے خارج ہو جائے، غسل کے بعد نہ نکلے، پھر غسل دینے والے کو چاہیے کہ اپنے ہاتھ پر گاڑھی دھجی لپیٹ لے اور آگے پیچھے کی راہ کو پانی بہا کر دھوئے۔ پھر بدن پر جو ناپاکی لگی ہو اسے صاف کرے، پھر کلی کرائے اور ناک صاف کرے، کلی کراتے اور ناک صاف کرتے وقت میت کے سر کو آہستہ سے اپنے سینے کی جانب کر لے۔ پھر اس کے دانتوں اور نتھنوں کے اندرونی حصہ کو دھجی سے صاف کرے، پھر پورے طور پر وضو کرائے۔ ہر عضو کو تین بار دھوئے۔ پھر تین بار میت کے سر پر پانی ڈالا جائے۔ اس کے لئے کوئی نیت نہیں ہے، کیونکہ میت کے نہلانے کے لئے کوئی نیت مشروع نہیں ہے۔ اس کے بعد میت کا دایاں پہلو پیٹھ اور پیٹ سمیت دھویا جائے۔ اس طرح غسل مکمل ہو گیا اور یہ پہلا غسل خالص پانی سے ہونا چاہیے۔ اس کے پورا ہونے پر فریضۂ غسل ادا ہو جائے گا۔ اس کے بعد مستحب یہ ہے کہ دوسرا اور تیسرا غسل دیا جائے تا کہ صفائی اور ستھرائی کی غرض پوری ہو۔ ان دونوں غسلوں میں صابن وغیرہ کا استعمال بہتر ہے۔ پہلے جسم پر صابن لگا پانی بہانا چاہیے۔ دوسرے غسل میں پانی کے اندر خوشبو ملانا چاہیے، اس کے لئے دوسری اشیاء کی بہ نسبت کافور بہتر ہے۔ اگر ان تین غسلوں سے میت کا بدن میل کچیل اور نجاست سے پاک صاف ہو جائے تو اس سے زیادہ مرتبہ غسل نہ دیا جائے۔ اگر چوتھی بار بھی غسل کی ضرورت ہو تو چوتھی بار کے غسل میں مستحبات مذکورہ ملحوظ رہیں۔ غسل کے بعد میت کے بدن کا پونچھنا مستحب ہے۔ پھر آلات حواس خمسہ پر اور اعضائے سجدہ مثلاً پیشانی، ہاتھ اور پاؤں پر اور بدن کے نشیبی حصہ، مثلاً بغلوں میں خوشبو ملی جائے اور ہوا کے راستوں میں کچھ خوشبو لگی ہوئی روئی رکھ دی جائے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ میت کو غسل دینے کا ارادہ کیا جائے تو اسے کسی اونچی جگہ پر رکھنا مستحب ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ غسل علیحدہ جگہ پر ہو، جہاں نہلانے والے اور اس کے مددگار کے سوا اور کوئی نہ آئے اور یہ کہ جسم پر پتلے کپڑے کا کرتا ہو جس کے اندر سے پانی بہنے میں رکاوٹ نہ ہو۔ اگر نہلانے والے کے لئے یہ ممکن ہو کہ میت کی چوڑی آستینوں میں ہاتھ ڈال کر دھویا جا سکے تو اسی پر اکتفا کیا جائے۔ اگر ممکن نہ ہو تو کرتے کو دونوں طرف سے پھاڑ لیا جائے۔ اگر کرتا نہ ہو تو میت کے ستر کا ڈھکنا واجب ہے اور مستحب یہ ہے کہ غسل کے آغاز ہی سے چہرہ پر پردہ ڈال لیا جائے اور یہ کہ پانی سرد اور کھاری ہو۔ ہاں اگر مجبوری ہو تو اور بات ہے، مثلاً سخت سردی ہو یا جسم پر میل کچیل ہو تو پانی کسی قدر گرم کر لینا چاہیے۔ پھر غسل دلانے والے کو چاہیے کہ آہستگی سے میت کو کسی اونچی چیز پر بٹھائے۔ اپنا دایاں ہاتھ میت کے مونڈھے پر رکھے اور انگوٹھا گدی پر ہو اور دائیں گھٹنے سے میت کی پیٹھ کو سہارا دے رکھے اور بایاں ہاتھ میت کے پیٹ پر پھیرے اور چند بار آہستہ آہستہ دبائے تا کہ پیٹ کا فضلہ باہر آ جائے۔ نیز اس وقت مستحب ہے کہ اس کے پاس دھونی دینے والی انگیٹھی ہو جس سے خوشبو نکلے اور پانی کثرت سے بہایا جائے تا کہ بدبو نہ پھیلنے پائے۔ اس کے بعد میت کو پیٹھ کے بل لٹایا جائے اور نہلانے والا اپنے دائیں ہاتھ پر دھجی لپیٹ کر آگے پیچھے کی راہوں اور ستر کے باقی حصوں کو دھوئے۔ پھر نہلانے والے کو چاہیے کہ اگر دھجی خارج ہونے والی نجاست سے آلودہ ہو گئی ہو تو اسے اتار کر پہلے اپنا ہاتھ پانی اور صابن سے دھوئے، پھر دوسری دھجی بائیں ہاتھ کی کلمہ کی انگلی پر لپیٹ کر میت کے دانت اور نتھنوں کو صاف کرے۔ دانت میں کوئی نجاست نہ ہو تو

Marfat.com

اسے کھولنا نہ چاہیے ہاں پاک کرنے کے لئے دانت کو کھولنا چاہیے۔ پھر میت کو اسی طرح وضو کرانا چاہیے جس طرح زندوں کا وضو ہوتا ہے، یعنی کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کے ساتھ اور بہ قول معتمد نہلانے والے پر واجب ہے کہ اس وقت وضو کی نیت اس طرح کرے کہ میں اس میت کے وضو کی نیت کرتا ہوں اور غسل کی نیت کرنا سنت ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اس کے بعد میت کے سر اور ڈاڑھی کو دھویا جائے اس میں بال ہوں یا نہ ہوں۔ اس کے لئے پانی میں میل کاٹنے والی شے مثلاً بیری کے پتے یا صابن ہونا چاہیے۔ میت غیر محرم کے ڈاڑھی اور سر کے بال چکٹ گئے ہوں تو موٹے دندانے والی کنگھی پھیری جائے اور کنگھی اس طرح آہستہ آہستہ کی جائے کہ کوئی بال نہ جھڑے۔ اگر کوئی بال جھڑے تو اس کو بھی میت کے کفن ہی میں لپیٹ دینا چاہیے۔ کنگھی کے بعد میت کے دائیں پہلو کو گردن سے پاؤں تک چہرے کی جانب سے دھونا چاہیے اسی طرح بائیں پہلو کو بھی۔ اس کے بعد (پہلے) میت کو بائیں پہلو بدل کر دائیں پہلو کو گدی اور پیٹھ سے قدم تک دھویا جائے اور پھر دایاں پہلو بدل کر اسی طرح بائیں پہلو کو دھویا جائے اور دھونے میں ہر بار صابن وغیرہ کا استعمال کیا جائے۔ میت کو اوندھے منہ پیٹ کے بل لٹانا احترام کے پیش نظر حرام ہے۔ اس کے بعد میت کے اوپر سر سے لے کر قدم تک پانی بہایا جائے تاکہ صابن وغیرہ جو لگا ہے ڈھل جائے اور اخیر میں سادہ پانی کے اندر کسی قدر کافور ملا کر جس سے پانی کی صفات میں فرق نہ آئے میت پر بہا دیا جائے۔

یہ تمام احکامات میت غیر محرم کی صورت میں ہیں، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ ان تینوں غسلوں کو ایک ہی بار کا غسل قرار دیا جائے گا اور آخری بار کے غسل کے سوا اور غسلوں کو شمار میں نہ لایا جائے گا، کیونکہ اس سے پہلے جو غسل دیئے گئے ان کے پانی میں تغیر آجاتا ہے، لہٰذا امر واجب اسی آخری غسل سے تمام ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غسل کی نیت صرف اسی غسل کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اس سے پہلے کے غسلوں میں نیت نہیں ہوتی۔ اگر اسی طرح غسل دینے پر اکتفا کیا جائے تو فرض کفایہ ادا ہو جائے گا۔ دوسرا اور تیسرا غسل بھی اسی طرح سے دینا سنت ہے۔ گویا غسل کی تعداد نو ہو جائے گی۔ سر، چہرے اور ڈاڑھی کو بار بار دھونا ہوتا ہے اور دونوں کا بار بار دھونا مستحب ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ میت کو غسل دینے کا ارادہ کیا جائے تو واجب ہے کہ اس کے ستر کو ڈھکا جائے جیسا کہ پہلے بتایا گیا، پھر اس کے لباس کو بطریق مستحب اتارا جائے۔ اگر قمیص پتلی اور آستین چوڑی ہو تو اسی میں غسل دینا جائز ہے۔ میت کو آنکھوں سے اوجھل رکھنا سنت ہے، اگرچہ چھت یا خیمہ کے نیچے ہو۔ غسل دیتے وقت سر کو کسی قدر اونچا اٹھا لیا جائے کہ میت قریب قریب بیٹھنے کے ہو جائے بشرطیکہ اس میں دشواری نہ ہو۔ پھر پیٹ کو آہستہ آہستہ دبایا جائے تاکہ غلاظت ہو تو باہر نکل آئے۔ ہاں اگر عورت حاملہ ہو تو اس کے پیٹ کو نہ دبایا جائے اور دبانے کے وقت کثرت سے پانی بہایا جائے، تاکہ خارج شدہ غلاظت بہہ جائے اور اس کی بد بو نہ پھیلے۔ اسی طرح چاہیے کہ نہلانے کی جگہ خوشبو کی دھونی دی جائے تاکہ خوشبو نکلے۔

پھر نہلانے والا اپنے ہاتھ پر موٹی سی دھجی باندھ لے اور اس سے پہلے میت کی ایک شرمگاہ کو دھوئے پھر دوسری دھجی باندھ کر دوسری شرمگاہ کو دھویا جائے اور مستحب یہ ہے کہ کپڑا لپیٹے بغیر میت کے تمام بدن کو ہاتھ نہ لگایا جائے اور جب میت کے کپڑے اتار کر اور اس کے ستر کو ڈھک کر بہ طریق بالا آگے پیچھے سے دھو لیا جائے تو اب غسل دینے والا غسل دینے کی نیت کرے۔ غسل کے صحیح ہونے کے لئے یہ نیت شرط ہے۔ اگر غسل دینے والے نے یہ نیت نہ کی تو غسل صحیح نہ ہوگا۔ اس کے

Marfat.com

کفن دینے کا بیان

میت کو کفن دینا (کفن پہنانا) مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے کہ اگر کچھ لوگ اس کام کو انجام دے لیں تو سب بری الذمہ ہو جائیں گے۔ کم سے کم کفن اتنا ہونا چاہیئے۔ کہ میت کا تمام بدن ڈھک جائے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ اگر اس سے کم ہوا تو فرض کفایہ مسلمانوں کے ذمہ سے ادا نہ ہوگا۔ میت کا کفن اسی کے خالص ذاتی مال سے ہونا چاہیئے۔، جس کے ساتھ کسی غیر کا حق وابستہ نہ ہو، جیسے رہن کی صورت میں ہوتا ہے۔ اگر اس کا خالص مال موجود نہ ہو تو اس کا کفن اس شخص کے ذمہ ہے جس پر اس کی زندگی میں اس کا نفقہ واجب تھا۔ اگر میت کسی کی بیوی ہو اور اس کے ترکہ میں مال ہو تو بھی صاحب حیثیت خاوند پر اپنی بیوی کا کفن دینا واجب ہے۔ [1] اگر ایسا شخص موجود نہ ہو جس پر میت کا نفقہ لازم ہے تو بیت المال سے کفن کا خرچ حاصل کیا جائے، بشرطیکہ مسلمانوں کا بیت المال ہو اور اس سے لینا ممکن ہو، ورنہ صاحب مقدور مسلمانوں پر اس کا مہیا کرنا واجب ہے اور اسی میں جنازے کے دوسرے اخراجات شامل ہیں، مثلاً قبرستان تک لے جانے اور دفنانے وغیرہ کے مصارف۔

بعد غسال (غسل دینے والا) کہے "بسم اللہ" ان الفاظ پر نہ کچھ زیادہ کرے نہ کم کرے۔ اس کے بعد میت کے دونوں ہاتھ دھلائے جائیں اور بدن پر جو نجاست ہو اسے صاف کیا جائے۔ پھر نہلانے والا اپنی کلمہ کی انگلی اور انگوٹھے پر ایک موٹی سی دھجی لپیٹ کر اسے پانی میں بھگولے، اس سے میت کے دانتوں اور نتھنوں کو صاف کرنا مستحب ہے اور سنت یہ ہے کہ نہلانے کے آغاز میں پہلے میت کو وضو کرایا جائے، اس میں کلی اور ناک کا صاف کرنا نہیں ہے۔ یہ وضو سنت ہے پھر سر اور داڑھی کو دہی، بیری کے پتوں کے پانی اور صابن وغیرہ میل کاٹنے والی شے سے دھونا چاہیے۔ نیز باقی بدن کو بھی بیری کے پتے وغیرہ کے پانی کے ساتھ دھونا چاہیے اور بیری کے پتوں والا پانی تمام غسلوں میں استعمال ہونا چاہیے۔ پھر دائیں پہلو کو سر سے پاؤں تک گردن کے اگلی جانب سے شروع کر کے دھویا جائے، پھر دایاں ہاتھ مونڈھوں تک، پھر مونڈھے، پھر سینے کا دایاں پلہ، پھر ران اور پنڈلیاں پاؤں تک دھویا جائے، اسی طرح سینے کا بایاں پہلو دھویا جائے اور نہلانے والے کو چاہیے کہ دونوں جانب دھوتے ہوئے میت کے پہلو کو بدلتا رہے۔ پھر میت کے دائیں پہلو کو اونچا کر کے اس کی پیٹھ، کولھے اور رانوں کو دھویا جائے۔ منہ کے بل اوندھا نہ کیا جائے۔ پھر بائیں پہلو کو بھی اسی طرح دھویا جائے اور بالآخر سادہ پانی اس کے تمام بدن پر بہا دیا جائے۔ یہاں پر ایک بار غسل مکمل ہو جائے گا اور اسی پر اکتفا کرنا جائز ہے، لیکن سنت یہ ہے کہ اسی طرح تین بار غسل دیا جائے، جیسا کہ طاق بار دھونے کی بابت پہلے بتایا گیا ہے۔

ا۔ مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ خاوند پر بیوی کا کفن لازم نہیں ہے، خواہ وہ محتاج رہی ہو۔

Marfat.com

کفن کی اقسام اور اس کی کیفیت کے بارے میں مسالک مختلفہ کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

ا۔شافعیہ کہتے ہیں کہ ایسے کپڑے کے علاوہ جس کا پہننا میت کو زندگی میں روا تھا کسی اور کپڑے کا کفن دینا جائز نہیں ہے، لہٰذا مرد اور مخنث کو ریشمین یا زعفرانی رنگ کا کفن نہ دینا چاہیے، بشرطیکہ اس کے علاوہ اور کپڑا دستیاب ہو۔ نہ ہو تو بحالت مجبوری جائز ہے۔ پیلے رنگ کے کپڑے میں کفنانا مکروہ ہے۔ البتہ نابالغ بچے یا مجنون یا عورت کو ریشم یا زرد رنگ کے کپڑے اور سنہری روپہلی زری کا کفن دینا جائز مگر مکروہ ہے اور بہتر یہ ہے کہ کفن سفید رنگ کا پرانا اور دھلا ہوا ہو۔ اگر ایسا حلال کفن دستیاب نہ ہو اور بجز ریشم، پوستین یا گھاس یا گندھی ہوئی مہندی یا مٹی کے اور کچھ میسر نہ ہو تو (بہر حال) ریشم کو پوستین پر اور پوستین کو گھاس پر اور گھاس کو گندھی ہوئی مہندی پر اور مہندی کو مٹی پر فوقیت ہوگی اور کفن کا پاک ہونا واجب ہے۔ لہٰذا پاک کپڑا ہوتے ہوئے نجاست آلود کپڑے سے کفنانا جائز نہیں ہے، خواہ ریشم کا ہو۔ اگر پاک کفن میسر نہ ہو تو میت پر بغیر کفن پہنائے نماز پڑھی جائے، اس کے بعد نجاست آلود کفن ہی میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے اور کفن میں غلو سے کام لینا، بایں طور کہ بہت زیادہ قیمتی کپڑے کا کفن دیا جائے فعل مکروہ ہے۔ اسی طرح کسی شخص کا اپنی زندگی ہی میں کفن جمع رکھنا مکروہ ہے۔ ہاں اگر وہ کفن بزرگوں کی نشانیوں میں سے ہو تو جائز ہے۔ کفن پر قرآن کی آیات کا لکھنا حرام ہے۔ کفن کا رنگ سفید کے سوا کوئی اور مثلاً زرد وغیرہ مکروہ ہے۔

اب معلوم ہونا چاہیے کہ مرد اور عورت کے لئے کفن کے تین کپڑے ہوتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ میت کا تمام بدن بجز مُحرم مرد کے سر اور مُحرمہ عورت کے چہرے کے ڈھکا جا سکے۔ یہ حکم اس حالت میں ہے جب کہ میت کے مال ترکہ سے کفن دیا جائے اور اس کے اوپر اتنا قرضہ نہ ہو جو تمام مال متروکہ کے برابر ہو اور میت نے صرف ایک کپڑے میں کفن دیئے جانے کی وصیت نہ کی ہو۔ بصورت دیگر صرف ایک ہی کپڑے میں کفن دیا جائے جس سے غیر مُحرم کا تمام بدن ڈھک جائے۔ اس سے زیادہ کفن صرف اس صورت میں جائز ہے جب کہ کوئی اور شخص صدقہ کے طور پر کفن دے۔ اگر بیت المال سے کفن دیا جائے یا ایسے مال سے دیا جائے جو مُردوں کے کفن کے لئے وقف ہو تو ایک کپڑے سے زیادہ کفن دینا حرام ہے، بجز اس صورت کے کہ وقف کرنے والے نے اس سے زیادہ کفن دینے کی شرط لگا دی ہو۔ ایسی صورت میں وہ شرط پوری کی جائے۔ مرد کے کفن میں سابق الذکر تین کپڑوں کے علاوہ ایک قمیض نیچے اور ایک عمامہ کا سر پر اضافہ کرنا جائز ہے۔ لیکن کامل تر اور بہتر یہی ہے کہ صرف تین کپڑوں پر اکتفا کیا جائے۔ اس سے زیادتی اسی صورت میں جائز ہے جب کہ میت کے وارثوں میں کوئی قاصر (یعنی قریبی رشتہ دار جسے تھوڑا املا ہو) یا مجور (یعنی محروم الارث) موجود نہ ہو۔ ایسا ہو تو زیادہ کفن دینا حرام ہے۔ میت عورت کے مکمل کفن میں پانچ کپڑے ہوتے ہیں: ازار (تہبند)، قمیض، اوڑھنی اور دو چادریں جس کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں میں سے جو بہتر، زیادہ لمبی چوڑی ہو اسے بچھایا جائے، اس پر حنوط (خوشبو کا مسالا) اور کوئی خوشبو کافور وغیرہ لگایا جائے اور دوسری چادر اس پر پھیلائی جائے اور اس پر بھی حنوط لگایا جائے۔ اسی طرح تیسری چادر بھی اگر ہو تو رکھی جائے پھر میت کو آہستہ سے پیٹھ کے بل (چت) لٹا دیا جائے۔ اس کے ہاتھ سینے پر رکھ دیئے جائیں۔ دایاں ہاتھ بائیں کے اوپر ہو یا پھر پہلوؤں میں سیدھا کر کے ہاتھوں کو لٹا دیا جائے۔ اس کے بعد دونوں کولھوں کو

Marfat.com

ایک کپڑے سے کس دیا جائے اور دونوں کولہوں کے درمیان ایک دھجی میں دھنکی ہوئی روئی جس میں خوشبو کا مسالا لگا ہوا ہو رکھ کر اس طرح اڑسا جائے کہ وہ دھجی مقام اجابت کے حلقہ کے باہر تک پہنچ جائے، اندر تک نہیں۔ اس کے لئے چاہیے کہ وہ کپڑا دونوں جانب سے پھٹا ہوا ہو، جیسے لنہ حیض ہوتا ہے۔

اس کے بعد چادروں کو ایک ایک کر کے میت کے اوپر لپیٹ دیا جائے، بایں طور کہ میت کے بائیں جانب کا کنارہ دائیں جانب اور دائیں جانب کا بائیں جانب ہو اور کفن کا سر اور پاؤں کی جانب سے بڑھا ہوا حصہ اکھٹا کر کے بندھن سے باندھ دیا جائے، تاکہ جنازہ اٹھاتے وقت (کفن) کھل نہ جائے اور میت کو قبر میں رکھنے کے بعد بندھنوں کو کھول دیا جائے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ میت تنگیوں سے محفوظ ہے اور مُحرم میت کو قطعاً خوشبو نہ لگائی جائے، نہ اس کے وجود پر نہ اس کے کفن میں اور نہ اس کے غسل کے پانی میں، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ اس کو ایسے لباس میں کفنایا جائے جس کا پہننا حالت احرام میں حرام ہے، مثلاً سلا ہوا کپڑا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ پسندیدہ کفن وہ ہے جو سفید کپڑے کا ہو، خواہ وہ نیا ہو یا پرانا۔ ہر ایسا لباس جس کا پہننا مردوں کو زندگی میں مباح ہے مرنے کے بعد اس کا کفن مباح ہے اور ہر ایسا لباس جس کا زندگی میں پہننا مکروہ ہے اس کا کفن بھی مکروہ ہے لہٰذا مردوں کو ریشم اور زرد رنگ اور زعفرانی رنگ وغیرہ کے کپڑے کا کفن مکروہ ہے۔ ہاں اگر اس کے سوا اور کپڑا مہیا نہ ہو سکے تو دوسری بات ہے۔ البتہ عورت کے لئے ایسے کپڑے کا کفن جائز ہے اور مرد کے کفن کو ایسا کپڑا دیکھا جائے گا، جیسا کہ وہ عیدین کی نماز کے لئے پہن کر جاتا ہے اور عورت کے لئے ایسا کپڑا دیکھا جائے گا جیسا کہ وہ ماں باپ کے گھر جانے کے لئے پہنتی ہے۔

واضح ہو کہ کفن کی تین قسمیں ہیں: کفن سنت، کفن کفایہ اور کفن ضرورت، اب یہ تینوں قسم کے کفن یا تو مرد کے لئے ہوں گے یا عورت کے لئے، مرد اور عورت کے کفن سنت میں قمیض، ازار اور چادر شامل ہیں۔ قمیض گردن کی جڑ سے لے کر پیروں تک ہوتی ہے اور ازار ماتھے سے قدم تک ہوتی ہے اور چادر بھی، اسی طرح عورت کے لئے ان کے علاوہ ایک اوڑھنی ہوگی جو چہرے کو ڈھکے اور ایک سینہ بند جو چھاتیوں پر باندھا جائے۔ قمیض میں آستین نہیں ہوتی اور نہ دامن کے چاک ہوں اور چادر سر اور پیر کی طرف سے بڑھی ہوئی ہونی چاہیے، تاکہ اسے سکیڑ کر اوپر اور نیچے سے باندھ دیا جائے تاکہ میت کے بدن کا کوئی حصہ نظر نہ آئے اور جائز ہے کہ اگر کفن کے کھل جانے کا اندیشہ ہو تو اس کو درمیان میں کفن کے کپڑے کی فالتو دھجی نکال کر اس سے باندھ دیا جائے۔ عورت کے کفن کفایہ کے لئے ایک ازار اور ایک چادر مع اوڑھنی اور سینہ بند کے کافی ہے قمیض کو چھوڑ دیا جائے۔ اس قدر کفن بلا کراہت جائز ہے۔ کفن ضرورت :۔ ہے جو ضرورت کے وقت میسر ہو جائے، خواہ وہ صرف ستر عورت کے لئے کافی ہو۔ اگر کپڑا مہیا نہ ہو سکے تو غسل دینے کے بعد اذخر (ایک ہری گھاس) سے ڈھک دیا جائے اور (دفن کے بعد) قبر پر نماز پڑھی جائے اگر میت کی لٹیں ہوں تو انہیں کرتے اور ازار کے درمیان رکھ دیا جائے۔ کفن کو خوشبو کی دھونی دینا مستحب ہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

واضح ہو کہ اگر میت کا مال تھوڑا ہو اور وارثوں کی تعداد زیادہ ہو یا میت مقروض ہو تو کفن کفایت پر اکتفا کرنا چاہیے۔
کفنانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے چادر بچھائی جائے، اس کے اوپر ازار (تہبند) پھیلائی جائے۔ پھر میت کو ازار کے

Marfat.com

اوپر لٹایا جائے اور قمیض پہنائی جائے، پھر ازار کو میت کے اوپر دائیں جانب سے لپیٹا جائے اس کے بعد بائیں جانب سے۔ میت عورت ہو تو چادر اور ازار بچھا کر ازار کے اوپر میت کو رکھا جائے، پھر کرتا پہنایا جائے اور بالوں کی دونوں لٹوں کو اس کے سینے پر کرتے کے اوپر رکھا جائے اس کے اوپر اوڑھنی ڈالی جائے پھر ازار اور چادر کو اس پر لپیٹ دیا جائے پھر کفن کو اوپر سے اور پیروں کی طرف سے دھجی کے ساتھ باندھ دیا جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مرد اور عورت دونوں کے لئے ایک کپڑے سے زیادہ کفن دینا مستحب ہے۔ افضل یہ ہے کہ مرد کو پانچ کپڑوں سے کفن دیا جائے: قمیض آستین دار، ازار، عمامہ (سر بند) شملہ دار ایک ہاتھ لمبا جو اس کے چہرہ پر ڈال دیا جائے اور دو چادریں۔ عورت کو سات کپڑوں میں کفن دیا جائے ازار، کرتا، اوڑھنی اور چار چادریں اور مرد اور عورت کے لئے کفن کی جو تعداد بتائی گئی اس سے زیادہ نہ ہونی چاہیے، بجز ایک لتہ کے یعنی ایک دھجی کو روئی پر لپیٹ کر دونوں رانوں کے درمیان رکھ دیا جائے تاکہ دونوں راستوں سے کچھ خارج نہ ہو اور مستحب یہ ہے کہ کفن سفید کپڑے کا ہو۔ زعفران یا ورس سے رنگا ہوا کفن جائز ہے۔ ورس یمن میں زرد رنگ کی ایک گھاس ہوتی ہے۔ زرد یا پیلے رنگ کا کفن ہو یا سفید رنگ کے علاوہ زعفران یا ورس سے رنگے ہوئے کپڑے کو چھوڑ کر کسی بھی رنگ کا ہو مکروہ ہے۔ اسی طرح ریشم یا خز یا ناپاک کپڑے کا کفن بھی مکروہ ہے۔ لیکن اسی حالت میں کہ دوسرا کپڑا اس کے علاوہ دستیاب ہو، ورنہ مکروہ نہیں ہے اور میت کو اس لباس میں جو وہ جمعہ کو پہنتا تھا دفن کرنا واجب ہے، خواہ پرانا ہو۔ اگر وارثوں میں نزاع ہو کہ کچھ تو میت کو اس لباس میں دفن کرنا چاہتے ہوں جو وہ جمعہ کو پہنتا تھا اور کچھ لوگ اس کے علاوہ کسی اور کفن میں دفن کرنا چاہیں تو اول الذکر کے حق میں فیصلہ دیا جائے۔ کفن کو خوشبو کی دھونی دینا اور چادروں میں نیز اس روئی میں جو جسم کے منافذ مثلاً ناک، منہ، آنکھ، کان اور مخرج (غلاظت) میں رکھی جاتی ہے خوشبو لگانا مستحب ہے۔ اس کے لئے سب سے بہتر کافور ہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا اور عورت کی لٹوں کو گوندھ کر پیچھے کی طرف ڈال دینا مستحب ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ کفن کی دو قسمیں ہیں: کفن واجب اور کفن مسنون۔ واجب کفن وہ ہے جس سے میت کا تمام بدن بالکل ڈھک جائے۔ اس میں کوئی مرد ہو یا عورت اور کفن سنت یہ ہے کہ ایسے کپڑے کا کفن ہو جیسا کہ میت اجتماعات میں یا عید میں پہنا کرتا تھا۔ البتہ اگر اس نے وصیت کی ہو کہ اس سے کم میں کفن دیا جائے تو اس کی وصیت پر عمل کیا جائے اور اس سے بڑھیا کپڑے میں جیسا کہ وہ مجمعوں اور عیدوں میں پہنتا تھا کفن دینا مکروہ ہے اگر چہ اس نے اس کی وصیت کی ہو۔ کفن مسنون میت کے اعتبار سے مختلف ہے، یعنی اگر مرد کی میت ہے تو تین سفید سوتی چادروں کا کفن دیا جائے۔ اس سے زیادہ کپڑا مکروہ ہے۔ اسی طرح عمامہ بھی مکروہ ہے۔

کفنانے کا طریقہ یہ ہے کہ چادروں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھا جائے، اس کے بعد عود وغیرہ سے دھونی دی جائے۔ پھر میت کو اس پر رکھا جائے اور سنت یہ ہے کہ میت کے اوپر آنے والی چادر سب سے اچھی ہو۔ چادروں کے درمیان حنوط (خوشبو کا مسالا) لگانا بہتر ہے۔ پھر دونوں کولہوں کے درمیان حنوط لگی ہوئی پاجامہ کی طرح کی دھجی باندھنا سنت ہے اور میت کے تمام بدن پر خوشبو لگانا اچھا ہے، اس کے بعد پہلی چادر کو دائیں طرف سے پلٹ کر میت کے بائیں پہلو پر ڈالا جائے اور بائیں طرف سے پلٹ کر میت کی دائیں جانب ڈالیں۔ اسی طرح دوسری اور تیسری چادر کو کیا جائے

Marfat.com

نماز جنازہ کے مسائل

اس کی شرعی حیثیت

نماز جنازہ زندہ انسانوں پر فرض کفایہ ہے۔ اگر اس کو کسی نے بھی، خواہ، ایک ہی شخص ہو، ادا کرلیا تو دوسرے لوگوں کے ذمہ سے ساقط ہوجائے گی اور سب بری الذمہ ہوجائیں گے، البتہ ثواب اسی کو ملے گا جس نے وہ نماز پڑھی۔

نماز جنازہ کا طریقہ

اب نماز جنازہ کا طریقہ از روے مسالک مختلفہ اجمالی طور پر بیان کیا جاتا ہے، پھر یہ بتایا جائے گا کہ کون کون سی باتیں رکن، شرط یا مستحب ہیں۔ مسالک مختلفہ کی رو سے نماز جنازہ کا طریقہ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

اور چادروں کے بڑھے ہوئے پلو کو سر کی جانب رکھا جائے۔ اس کے بعد چادروں کو میت کے اوپر باندھ دیا جائے اور قبر میں رکھ کر گرہیں کھول دی جائیں۔ عورت اور مخنث بالغ کو پانچ سفید سوتی کپڑوں کا کفن دیا جائے، یعنی ازار، اوڑھنی، قمیض اور دو چادریں۔ ان چادروں کو اسی طرح پھیلایا جائے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اوڑھنی سے سر ڈھکا جائے، ازار درمیان میں ہو اور قمیض پہنا دی جائے۔ بچے کو ایک ہی کپڑے میں کفن دینا سنت ہے۔ لڑکی کی میت کو ایک قمیض اور دو چادروں میں کفنایا جائے۔ اون اور صوف کے بنے ہوئے کپڑوں اور زعفران یا زرد رنگ کے یا باریک کپڑوں میں جس سے اعضائے بدن کا پتہ چل جائے کفن دینا مکروہ ہے اور اتنا باریک کپڑا جس سے بدن نمایاں ہو کفن کے لئے کافی نہیں اور پوستین کا کفن یا ریشمی کفن، خواہ عورت ہی کے لئے ہو، حرام ہے۔ یہی حکم سونے چاندی کے تاروں سے بنے ہوئے کفن کا ہے۔ البتہ ریشم یا زری کا کفن جائز ہے جب کہ اور کوئی کپڑا موجود نہ ہو۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز پڑھنے والے کو چاہیے کہ میت کے سینے کے مقابل کھڑا ہو، اس کے بعد نماز جنازہ کا فریضہ ادا کرنے کی نیت اللہ کی عبادت کے لئے کی جائے۔ پھر رفع یدین کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہے، پھر ثناء (سبحنک اللھم الخ) پڑھے اور دوسری تکبیر ہاتھ اٹھائے بغیر کہے اور آنحضرت ﷺ پر درود پڑھے، پھر ہاتھ اٹھائے بغیر تیسری تکبیر کہے اور میت کے حق میں اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرے اور بہتر وہی دعا ہے جس کا ذکر پہلے ہوا۔ اس کے بعد چوتھی تکبیر بغیر ہاتھ اٹھائے کہے اور دو سلام پھیرے۔ پہلا سلام دائیں جانب جس میں دائیں جانب والوں کی نیت کی جائے، دوسرا سلام بائیں جانب جس میں بائیں جانب والوں کی نیت کی جائے اور دونوں سلاموں میں سے کسی میں میت کو سلام کی نیت نہ کرے۔ تکبیر کے علاوہ تمام نماز آہستہ ادا کی جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کا طریقہ یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا مرد کی میت کے وسط کے مقابل کھڑا ہو اور عورت کی

Marfat.com

نماز جنازہ کے رکنوں کا بیان

نماز جنازہ کے چند ارکان ہیں جن کو ادا کئے بغیر نماز نہیں ہوتی، یعنی اگر ان میں سے کوئی ایک رکن رہ جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے اور دوبارہ نماز پڑھنا لازم ہے۔ ان ارکان میں سے پہلا رکن نیت ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک نیت رکن ہے، لیکن حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ ''شرط'' ہے، رکن نہیں ہے۔

میت ہو تو اس کے مونڈھوں کے سامنے کھڑا ہو اور جس مسلمان کی میت حاضر ہے اس کی نماز جنازہ کی نیت کرے، پھر رفع یدین کے ساتھ (ہاتھ اٹھا کر) تکبیر تحریمہ کہے جس طرح نماز میں کیا جاتا ہے۔ پھر وہ دعا پڑھی جائے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ پھر رفع یدین کے بغیر دوسری تکبیر کہے اور پھر دعا مانگی جائے اور تیسری تکبیر بغیر رفع یدین کے کہہ کر دعا مانگے اور چوتھی تکبیر بھی بغیر ہاتھ اٹھائے کہہ کر دعا کرے اور پھر ایک سلام دائیں جانب پھیرے جس میں نماز ختم کرنے کی نیت کی جائے، جیسا کہ نماز کے بیان میں اوپر بتایا گیا اور اس کے سوا سلام نہ پھیرے اگرچہ امام ہو۔ ان تمام باتوں کو آہستہ ادا کرنا چاہیے۔ البتہ امام سلام اور تکبیر اونچی آواز سے کہے، تاکہ مقتدی سن لیں، جیسا کہ سابقاً معلوم ہوا اور اس بات کا خیال رکھے کہ ہر دعا کی ابتداء اللہ کی حمد اور نبی ﷺ پر درود سے ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ امام اور منفرد مرد کی میت کے سر کے سامنے کھڑا ہو اور عورت یا مخنث کی میت کے کولہے کے سامنے۔ پھر دل سے نیت کرے اور زبان سے کہے کہ میں چار تکبیروں کے ساتھ مسلمان میت حاضرہ کی نماز جنازہ فرض کفایہ کی نیت کرتا ہوں واسطے اللہ تعالیٰ کے۔ اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہے۔ اگر مقتدی ہو تو امام کے اقتدا (پیچھے نماز پڑھنے) کی نیت کرے۔ پھر دعائے افتتاح (**سبحنک اللّٰھم الخ**) کے بغیر **اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم** کہے اور سورۂ فاتحہ پڑھے اور اس کے بعد کوئی سورہ نہ پڑھی جائے۔ پھر دوسری تکبیر کہہ کر کہے **اللّٰھم صلی علی سیدنا محمد وعلٰی آل سیدنا محمد کما صلیت علی سیدنا ابراھیم فی العلمین انک حمید مجید**۔ پھر تیسری تکبیر کہے اور اس میں میت کے لئے آخرت کی دعاؤں میں سے کوئی دعا مانگے اور سنت یہ ہے کہ مذکورہ سابقہ دعا پڑھی جائے، پھر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ادا کرے: ''**الذین یحملون العرش و من حولہ یسبحون بحمد ربھم**'' الایہ۔ پھر پہلا سلام پھیرا جائے جس میں دائیں جانب والوں کی نیت کی جائے اور پھر بائیں جانب سلام پھیرا جائے اور بائیں جانب والوں کی نیت کی جائے اور ہر تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھایا اور سینے کے نیچے رکھا جائے جیسے نماز میں کیا جاتا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کا طریقہ یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا مرد کی میت کے سینے کے سامنے اور عورت کی میت کے وسط میں کھڑا ہو اور نیت کرے کہ جس مسلمان کا جنازہ حاضر ہے اس کے نماز جنازہ کی یا اس میت کے نماز جنازہ کی نیت کرتا ہوں وغیرہ۔ پھر رفع یدین کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہی جائے، جیسا کہ نماز میں ہوتا ہے۔ پھر **اعوذ باللّٰہ** اور **بسم اللّٰہ** کہہ کر سورۂ فاتحہ پڑھی جائے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہ پڑھا جائے۔ پھر دوسری تکبیر رفع یدین کے ساتھ کی جائے اور نبی ﷺ پر درود پڑھا جائے، جیسا کہ آخری تشہد میں ہوتا ہے، پھر تیسری تکبیر رفع یدین کے ساتھ کہی جائے اور میت کے حق میں دعا کی جائے جیسا کہ پہلے بتایا گیا، پھر چوتھی تکبیر بھی رفع یدین کے ساتھ کی جائے اور اس کے بعد کچھ نہ کہا جائے

Marfat.com

بہر حال دوسری نمازوں کی طرح نماز جنازہ کی نیت لازمی ہے۔اس کے بارے میں مسالک مختلفہ کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں کی گئی ہے۔(۱)

(نماز جنازہ کا) دوسرا رکن تکبیرات۔ان کی تعداد تکبیر تحریمہ کو ملا کر چار ہے۔ان میں سے ہر تکبیر ایک رکعت کے برابر ہے۔ان کے رکن ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔تیسرا رکن نماز کو حالت قیام میں پورا کرنا ہے۔اگر بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھی تو بالاتفاق نماز نہ ہوگی۔چوتھا رکن میت کے حق میں دعا کرنا ہے۔اس دعا کے موقع اور طریقہ کے بارے میں مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۲)

پانچواں رکن سلام ہے۔

اور تھوڑی دیر خاموش رہ کر صرف ایک سلام پھیرا جائے۔دوسرا سلام پھیرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

۱۔حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کی نیت دل میں کر لینا کافی ہے۔ان میں بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ نیت میں یہ تعین ضروری ہے کہ میت مرد ہے یا عورت یا نابالغ لڑکا یا لڑکی۔اگر کسی کو معلوم نہ ہو تو یہ نیت کرے کہ میں اس کے جنازے میں کہ نماز پڑھ رہا ہوں جس کا جنازہ امام پڑھ رہا ہے۔اس حکم کا سبب یہ ہے کہ نماز جنازہ کا سبب وہ میت ہے اور سبب کا تعین ضروری ہوتا ہے اور بظاہر اس میں زیادہ احتیاط ہے۔بعض کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ دعا میں بھی اس میت کی نیت کی جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ صرف یہ کافی ہے کہ میت حاضر کے نماز جنازہ کا ارادہ کیا جائے۔یہ نہ معلوم ہو کہ میت مرد کی ہے یا عورت کی تو اس سے کچھ حرج نہیں۔اگر چہ یہ خیال بھی ہو کہ میت مرد کی ہے اور پتہ یہ چلے کہ وہ عورت کی میت ہے یا اس کے برعکس تو کوئی مضائقہ نہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ اس نماز میں ادائے فرض کی نیت بھی کی جائے، جیسا کہ حنفیہ کا خیال ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ (صحت کے لئے) ضروری ہے کہ نماز جنازہ کا ارادہ کیا جائے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ اس نماز کے فرض ہونے کی نیت بھی ہو جیسا کہ حنفیہ کا خیال ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ (صحت نماز کے لئے) ضروری ہے کہ نماز جنازہ کا ارادہ کیا جائے اور نماز جنازہ کا فرض ادا کرنے کی نیت ہو تو فرض کفایہ کی صراحت نہ ہو۔میت کا تعین ضروری نہیں (کہ وہ مرد ہے یا عورت یا لڑکا یا لڑکی) چنانچہ اگر تعین کر لیا اور پتہ یہ چلا کہ وہ میت ویسی نہیں ہے تو نماز درست نہ ہوگی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کی نیت کا طریقہ یہ ہے کہ میت حاضر کی نماز جنازہ پڑھنے کی نیت کی جائے۔اگر کئی میتوں کی اکٹھی نماز جنازہ ہو تو ان سب میتوں کی نماز جنازہ کی مجموعی نیت کی جائے، خواہ ان میتوں کی تعداد معلوم ہو یا نہ ہو۔

۲۔مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ دعا ہر تکبیر کے بعد مانگی جائے، یعنی بقول معتمد چوتھی تکبیر کے بعد بھی اور کم سے کم دعا یہ ہے کہ کہے''اللھم اغفرہ''(یعنی یا الٰہی! اس کی مغفرت فرما) وغیرہ اور سب سے بہتر دعا وہ ہے جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے

Marfat.com

بتائی کہ ''حمد وصلوٰۃ'' کے بعد کہے: اللّٰھم انہ عبدک و ابن عبدک و ابن امتک کان یشھد ان لاالہ الا انتَ وحدک لاشریک لک وان محمداً عبدک و رسولک و انت اعلم بہ اللّٰھم ان کان محسناً فزد فی احسا نہ و ان کان مسیئاً فتجاوز عن سیئاتہ، اللّٰھم لاتحر منا اجرہ ولا تفتنا بعدہ ''(یعنی اے اللہ یہ تیرا بندہ ہے اور تیرے بندے کا بیٹا اور تیری بندی کا بیٹا ہے۔ وہ اس کا شاہد تھا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو واحد اور لاشریک ہے اور محمد ﷺ تیرے بندے اور رسول ہیں اور تو ہی اس (میت) کے حال سے خوب واقف ہے۔ یا اللہ اگر وہ نیکوکار ہے تو اس کی نیکیوں کے صلہ میں اضافہ فرما، اور اگر وہ خطا کار ہے تو اس کی خطاؤں سے درگزر فرما۔ اے اللہ اس کے اجر سے ہمیں محروم نہ رکھ اور اس کی موت پر ہمیں آزمائش میں نہ ڈال اور اگر عورت کی میت ہو تو یوں کہے ''اللّٰھم انھا امتک و بنت عبدک و بنت امتک'' (یعنی یا اللہ! یہ تیری بندی ہے اور تیرے بندے کی بیٹی اور تیری بندی کی بیٹی ہے)۔ اس کے بعد اوپر والی دعا کو بصیغۂ تانیث پڑھے اور میت (نابالغ) لڑکا ہو تو کہے: ''اللّٰھم انہ عبدک و ابن عبدک، انت خلقتہ و رزقتہ و انت امتہ و انت تحییہ، اللّٰھم اجعلہ لوالدیہ سلفاً و ذخراً و فرطاً و اجراً و ثقل بہ موازینھما و اعظم بہ اجورھما ولا تفتنا و ایا ھما بعدہ، اللّٰھم الحقہ بصالح سلف المؤمنین فی کفالۃ ابراھیم وابدلہ داراً خیراً من دارہ واھلاً خیراً من اھلہ وعافہ من فتنۃ القبر و عذاب جھنم'' (یعنی یا اللہ! یہ تیرا بندہ ہے اور تیرے بندے کی اولاد ہے۔ تو نے اسے پیدا فرمایا اور روزی بخشی، تو ہی اسے وفات دینے والا اور تو ہی زندہ کرنے والا ہے۔ یا اللہ! اسے اس کے والدین کے حق میں توشہ اور ذخیرۂ آخرت اور موجب فراخی واجر بنا دے جس سے ان کے اعمال خیر کا پلڑا بھاری ہو جائے۔ ان کے ثواب میں اضافہ فرما اس کے بعد ہمیں اور اس کے والدین کو آزمائش میں نہ ڈال یا اللہ! اس بچے کو صالح مسلمانان سلف کے زمرہ اور ابراہیم علیہ السلام کی کفالت میں شامل فرما اور اسے اس گھر کے بدلے بہتر گھر اور اس کنبے کے عوض بہتر کنبہ عطا فرما اور قبر کی آزمائش اور عذاب جہنم سے دور رکھ) اگر مرد اور عورت دونوں کی میت ہو تو الفاظ دعا میں صیغۂ تذکیر غالب ہوگا اور یوں کہا جائے ''انھما عبداک و ابنا عبدیک و ابنا امتیک'' الخ (یعنی خداوندا یہ دونوں تیرے بندے اور تیرے بندوں کے بیٹے اور تیری بندیوں کے بیٹے ہیں الخ) اسی طرح اگر مردوں اور عورتوں کے مجموعی جنازہ ہوں تو ان کی نماز جنازہ میں بھی مذکر صیغوں کو غلبہ دیا جائے اور یوں کہا جائے اللّٰھم انھم عبیدک و ابناء عبیدک الخ (یعنی اے اللہ یہ سب تیرے بندے اور تیرے بندوں کے فرزند ہیں)۔ اگر عورتوں کی میتوں کی یکجائی نماز جنازے ہو تو یوں کہا جائے: اللّٰھم انھن اماؤک و بنات عبیدک و بنات امائک کن یشھدن ''الخ (یعنی اے اللہ یہ سب تیری بندیاں اور تیرے بندوں کی بیٹیاں اور تیری بندیوں کی بیٹیاں ہیں۔ یہ اس امر کی شاہد تھیں۔ وغیرہ) ان دعاؤں کے بعد ہر میت کے حق میں چوتھی تکبیر کے بعد یہ دعا پڑھی جائے ''اللّٰھم اغفرا سلافنا و افرا طنا و من سبقنا بالایمان اللّٰھم من احییتہ منا فاحیہ علی الایمان ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الاسلام واغفر للمسلمین و المسلمات ''(یعنی یا الٰہی! ہمارے اسلاف رفتہ اور طفلان وفات یافتہ اور جو لوگ ہم سے پہلے ایمان لائے ان سب کی مغفرت فرما۔ یا الٰہی جسے تو ہم میں سے زندہ رکھا انہیں ایمان پر زندہ رکھے اور جسے تو وفات دے انہیں اسلام پر وفات دے اور تمام مسلمان مردوں اور

Marfat.com

مسلمان عورتوں کی مغفرت فرمادے)۔اس کے بعد سلام پھیرا جائے۔
حنفیہ کہتے ہیں کہ دعا تیسری تکبیر کے بعد کی جائے اور مخصوص الفاظ میں دعا کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ یہ مقصد ضرور ہے کہ امور آخرت کے لئے دعا ہو اور بہتر یہ ہے کہ ان الفاظ میں دعا کی جائے جو عوف بن مالکؓ کی روایت کردہ حدیث میں آئے ہیں اور وہ یہ ہیں:

''اللّٰھم اغفرہ و ارحمہ و عافہ واعف عنہ و اکرم نزلہ و وسع مدخلہ و غسلہ بالماء والثلج و البرد و نقہ من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس و ابدلہ داراً خیراً من دارہ و اھلاً خیراً من اھلہ و زوجاً خیراً من زوجہ و ادخلہ الجنتہ واعذہ من عذاب القبر و عذاب النار''۔

(یعنی یا الٰہی اس کو بخش دے اور اس کی مغفرت فرما۔اسے پناہ دے اور اسے معاف کردے۔اس کی فرودگاہ اچھی بنا اور اس کی منزل کو فراخی عطا کر۔اسے پانی اور برف اور ٹھنڈ سے غسل دے اور گناہوں سے پاک کردے۔جیسے سفید کپڑے کو گندگی سے پاک کیا جاتا ہے۔اس گھر کے بدلے اسے بہتر گھر اور اس کنبے کے بدلے اس سے بہتر کنبہ اور اس بیوی سے بہتر بیوی عطا کرے۔اسے جنت میں داخل فرما اور قبر کے عذاب اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ)۔

یہ دعا مرد کی میت کے لئے ہے، اگر عورت کی میت ہو تو اس دعا کی مذکر ضمیروں کے بجائے مؤنث ضمیریں استعمال کی جائیں اور ''زوجاً خیراً من زوجھا'' (یعنی اس خاوند سے بہتر خاوند) کے الفاظ نہ کہے جائیں۔اگر لڑکے کی میت ہو تو یہ دعا پڑھی جائے:

''اللّٰھم اجعلہ لنا فرطاً، اللّٰھم اجعلہ لنا ذخراً و اجراً، اللّٰھم اجعلہ لنا شافعاً و مشفعاً۔

(یعنی اے اللہ اس بچے کو ہمارا پیش رو بنادے۔الٰہی اسے ذخیرۂ آخرت و موجب اجر بنا۔یا الٰہی اسے ہماری شفاعت کرنے والا اور مقبول شفاعت بنادے)۔

اگر نماز جنازہ پڑھنے والا یہ دعا اچھی طرح نہ پڑھ سکے تو کوئی اور دعا جو چاہے پڑھے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ دعا کے لئے شرط یہ ہے کہ تیسری تکبیر کے بعد ہو جس میں میت حاضرہ کے خیر کی دعا مانگی جائے۔ پس اگر تمام مسلمانوں کے لئے دعا مانگی اور خاص میت کے لئے دعا نہ مانگی گئی تو یہ کافی نہیں ہے۔ہاں بچے کی میت ہو تو کافی ہے۔اس کے والدین کے حق میں دعا کرنا بھی کافی ہے۔یہ شرط ہے کہ دعا کا تعلق امور آخرت سے ہو، مثلاً اللہ سے مغفرت اور رحمت کا طالب ہونا اگرچہ میت غیر مکلف ہو (جس پر احکام شریعت عائد نہیں ہوتے)، مثلاً بچہ یا دیوانہ جو حالت جنون میں بالغ ہوا اور مرتے دم تک اسی حال میں رہا۔مصلی کو دعا کے لئے مخصوص الفاظ کا پابند نہ ہونا چاہیے، تاہم افضل یہی ہے کہ بطریق مشہور دعا مانگی جائے، بشرطیکہ (اس دعا کی طوالت کے باعث) میت میں تعفن پیدا ہوجانے کا ڈر نہ ہو۔اگر اس کا اندیشہ ہو تو چھوٹی سے چھوٹی دعا پر اکتفا کرنا چاہیے اور مشہور دعا یہ ہے:

''اللّٰھم ھذا عبدک و ابن عبدک، خرج من روح الدنیا و سعتھا و محبوبہ واحبائہ فیھا الی ظلمۃ القبر و ما ھو لاقیہ، کان یشھد ان لا الہ الا انت وحدک لاشریک لک، وان سیدنا محمداً صلی اللہ علیہ وسلم عبدک و رسولک و انت اعلم بہ منا، اللّٰھم انہ نزل بک و انت خیر منزول

Marfat.com

بـه واصبح فـقيراً الى رحمتک و انت غنى عن عذابه و قد جئناک راغبين اليک شفعاء له، اللّٰهم ان كان محسناً فزد فى احسانه و ان كان مسيئاً فتجاوز عنه و لقه برحمتک رضاک و قه فتنة القبر و عذابه، وافسح له فى قبره، و جا فى الارض عن جنبيه و لقه بر حمتک الا من عذابک حتىٰ تبعثه آمناً الى جنتک برحمتک يا ارحم الراحمين". اور مستحب یہ ہے کہ اس سے پہلے یہ کہے:

"اللّٰهم اغفر لحينا و ميتنا و شاهدنا و غائبنا و صغيرنا و كبيرنا و ذكرنا و انثانا، اللّٰهم من احييته منا فاحيه على الاسلام و من توفيته منا فتوفه على الايمان، اللهم لا تحرمنا اجره"۔

اوران مذکورہ دعاؤں سے پہلے یہ کہے:

"اللهم اغفرله وارحمه و عافه واعف عنه واكرم نزله و وسع مدخله و اغسله بالماء و الثلج و البرد و نقه من الخطايا كما ينقى الثوب الابيض من الدنس و ابدله داراً خيراً من داره و اهلاً خيراً من اهله و زوجاً خيراً من زوجه و اعذه من عذاب القبر و فتنته و من عذاب النار"۔

قاری کو چاہیے کہ دعا میں تذکیر و تانیث اور تثنیہ و جمع کے صیغے میت کے حالات کے مطابق جس کی نماز جنازہ پڑھی جا رہی ہے، استعمال کرے، تاہم یہ جائز ہے کہ میت کو بحیثیت "شخص" قرار دے کر مذکر کا صیغہ استعمال کیا جائے یا "جنازہ" قرار دے کر مؤنث کا صیغہ استعمال کیا جائے۔ صغیرسن بچے کی میت پر دعائے مذکورہ کے بجائے یہ کہا جائے:

"اللهم اجعله فرطاً لابويه و سلفاً و ذخراً و عظة و اعتباراً و شفيعاً و ثقل به موازينهما و افرغ الصبر على قلوبهما و لا تفتنهما بعده ولا تحرمهما اجره۔

یادر ہے کہ ہر تکبیر میں رفع یدین کرنا سنت ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ دعا کی جگہ تیسری تکبیر کے بعد ہے اور چوتھی تکبیر کے بعد جائز ہے۔ ان دونوں کے سوا اور کسی (تکبیر) کے بعد دعا درست نہیں ہے۔ بالغ شخص کی میت پر کم سے کم دعا "اللّٰهم اغفره" وغیرہ ہے اور صغیرسن کی میت پر "اللّٰهم اغفر لو الديه بسببه" وغیرہ اور مسنون دعا وہ ہے جو حدیث میں آئی ہے، منجملہ ان کے یہ ہے:

"اللّٰهم اغفر لحينا و ميتنا و شاهدنا و غائبنا و صغيرنا و كبيرنا و ذكرنا و انثانا. انک تعلم متقلبنا و مثوانا و انت على كل شيئ قدير، اللّٰهم من احييته منا فاحيه على الاسلام و السنة و من توفيته ومنا فتوفه عليهما. اللّٰهم اغفرله و ارحمه و عافه واعف عنه و اكرم نزله و وسع مدخله و اغسله بالماء و الثلج والبرد و نقه من الذنوب و الخطا يا كما ينقى الثوب الا بيض من الدنس و ابدله داراً خيراً من داره و زوجاً خيراً من زوجه و ادخله الجنة و اعذه من عذاب القبر و من عذاب النار و افسح له قبره و نور له فيه".

یہ دعا بالغ میت پر پڑھی جائے، خواہ وہ مرد کی میت ہو یا عورت کی، لیکن عورت کی میت ہو تو ضمیریں مؤنث کی استعمال کی جائیں۔ اگر میت کسی بچے کی ہے یا ایسے شخص کی جو دیوانگی کی حالت میں بالغ ہوا ہو اور اسی حال میں فوت ہو گیا ہو، اس کی دعائے جنازہ یہ ہے:

Marfat.com

یہ سلام چوتھی تکبیر کے بعد پھیرا جائے۔ تین اماموں کے نزدیک یہ رکن ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ (رکن نہیں) واجب ہے، جیسا کہ دوسری نمازوں میں ہوتا ہے، لہٰذا اگر یہ رہ جائے تو نماز باطل نہیں ہوتی اور دوسری تکبیر کے بعد درود بھی منجملہ ارکان کے ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ رکن ہے، حنفیہ اور مالکیہ کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے متعلق مسالک میں اختلاف ہے۔ تفصیل ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

نماز جنازہ کی شرطوں کا بیان

نماز جنازہ کی شرطوں میں سے ایک یہ ہے کہ میت مسلمان کی ہو، لہٰذا کافر کی نماز جنازہ حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ولا تصل علی احد منهم مات ابداً"

(یعنی ان (کفار) میں سے جو مر جائے اس پر کبھی نماز جنازہ نہ پڑھو)۔

ایک شرط یہ ہے کہ میت حاضر (موجود) ہو۔ اگر میت حاضر نہ ہو تو اس کی نماز جنازہ جائز نہیں

"اللّٰهم اجعله ذخراً لو الديه و فرطاً و اجراً و شفيعاً مجاباً، اللّٰهم ثقل به موازينهما واعظم به اجورهما و الحلقه بصالح سلف المؤمنين و اجعله فی كفالة ابراهيم وقه برحمتک عذاب الجحيم"۔

یہ دعا مرد اور عورت دونوں کے لئے ہے، البتہ عورت کی صورت میں ضمیر مؤنث کا استعمال کیا جائے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ تکبیر ثانی کے بعد درود پڑھنا سنت ہے، رکن نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ہر تکبیر کے بعد دعا سے پہلے درود پڑھنا مستحب ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کا بہ نیت تلاوت پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ ہاں دعا کے طور پر جائز ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی قرأت ارکانِ نماز میں سے ہے اور اس کا تکبیر اولیٰ کے بعد پڑھنا افضل ہے، تاہم کسی بھی تکبیر کے بعد پڑھی جا سکتی ہے اور جب کسی تکبیر کے بعد قرأت فاتحہ شروع کر دی جائے تو اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ اس کو کاٹنا یا تکبیر کے بعد پڑھنے میں تاخیر کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر ایسا کیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اس میں کسی شخص کو مسبوق ہونے (بعد میں شامل جماعت ہونے) یا نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ نماز جنازہ کا رکن ہے اور واجب ہے کہ تکبیر اولیٰ کے بعد ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کا نماز جنازہ میں پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔

Marfat.com

ہے۔ رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ (میت کی غیر حاضری میں) پڑھی سو یہ عمل آپ کے لئے مخصوص تھا۔ اس پر حنفیہ اور مالکیہ کا اتفاق ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔[1]

ایک شرط یہ ہے کہ میت پاک ہو، لہٰذا غسل یا تیمم سے پہلے نماز جنازہ جائز نہیں ہے۔ اس پر تمام مسالک متفق ہیں اور ایک شرط یہ ہے کہ میت آگے لوگوں کے سامنے ہو۔ پس اگر میت پیچھے ہو تو نماز جنازہ بالاتفاق درست نہیں ہے۔ لیکن اس بارے میں مالکیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[2] ایک شرط یہ ہے کہ نماز کے وقت میت کسی جانور کی سواری پر یا لوگوں کے ہاتھوں یا گردن پر اٹھائی ہوئی نہ ہو۔ یہ حکم حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے، شافعیہ اور مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[3]

ایک شرط یہ ہے کہ شہید کی میت نہ ہو، اس کی تفصیل اس کے مخصوص مسائل میں آئے گی۔ شہید کی میت پر نماز جنازہ حرام ہے، کیونکہ اس کو غسل دینا حرام ہے۔ تین اماموں کا اس پر اتفاق ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ شہید کو غسل تو نہیں دیا جاتا لیکن اس کی نماز جنازہ واجب ہے اور ایک شرط یہ ہے کہ میت کا جزو بدن جس کا غسل دینا لازم ہے وہ موجود ہو، جیسا کہ غسل کے بیان میں پہلے بتایا گیا اور اسقاط شدہ بچہ ہو جس کا غسل لازم ہے تو اس کی نماز جنازہ بھی واجب ہے۔ اس کی تفصیل بہ موجب مسالک مختلفہ سابقاً بتائی جا چکی ہے۔ نماز جنازہ کی وہ شرطیں جن کا تعلق نماز پڑھنے والے سے ہے، وہی ہیں جو عام نمازوں کی شرطیں ہیں، مثلاً نیت، طہارت، قبلہ رخ ہونا اور ستر ڈھکنا وغیرہ۔

نماز جنازہ کی سنتوں کا بیان

جنازہ کی نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہونے کا طریقہ

نماز جنازہ کی سنتوں کی تفصیل بموجب مسالک مختلفہ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[4]

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ غائبانہ جائز ہے، بشرطیکہ میت کو مرے ہوئے ایک ماہ یا اس سے کم عرصہ ہوا ہو۔
شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر میت اس شہر کی نہ ہو تو اس کی نماز غائبانہ بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ میت کا صرف موجود ہونا واجب ہے، لیکن امام کا اس طرح کھڑا ہونا کہ عورت کی میت کا مونڈھا اور مرد کی میت کا درمیانی حصہ سامنے ہو، مستحب ہے۔

۳۔ شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ میت کسی جانور پر ہو یا لوگوں کے ہاتھوں یا گردن پر ہو تو نماز جنازہ جائز ہے۔

۴۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ تکبیر اولیٰ کے بعد ثناء پڑھنا سنت ہے، یعنی سبحنک اللھم و بحمدک سے آخر تک جس

Marfat.com

کا بیان نماز کی سنتوں میں کیا گیا۔ دوسری تکبیر کے بعد درود کا پڑھنا اور دعا کرنا، ان اصحاب کے قول کے مطابق جو اس کو رکن نہیں کہتے، سنت ہے اور امام کا میت کے سینے کے مقابل کھڑا ہونا مستحب ہے، میت خواہ مرد کی ہو یا عورت کی۔ بالغ آدمی کی ہو یا صغر سن بچہ کی، اور مستحب یہ ہے کہ نمازیوں کی تین صفیں ہوں، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ''من صلٰی علیه ثلاثة صفوف غفرله'' (یعنی جس کے جنازہ کی نماز میں تین صفیں ہوئیں اس کی بخشش ہوگئی)۔ پس اگر نمازیوں کی تعداد صرف سات ہو تو ایک آدمی آگے کھڑا ہو اس کے پیچھے پہلی صف میں تین اس کے بعد کی صف میں دو اور تیسری صف میں ایک شخص کھڑا ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں سنتیں نہیں ہیں، بلکہ مستحبات ہیں، مثلاً نماز کا آہستہ پڑھنا اور صرف تکبیر اولیٰ میں مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانا، جیسا کہ دوسری نمازوں کی تکبیر تحریمہ میں ہوتا ہے دعا کا آغاز حمد الٰہی سے کرنا اور نبی ﷺ پر درود بھیجنا جیسا کہ پہلے بتایا گیا امام یا منفرد کو لوگوں کی صف کے درمیان میں آگے اور میت کے مونڈھوں کے سامنے کھڑا ہونا اور میت کے سر کا امام کی دائیں جانب ہونا، خواہ میت مرد کی ہو یا عورت کی لیکن روضۂ شریفہ میں میت کا سر (امام کے) بائیں جانب ہونا چاہیے، تاکہ اس کا سر قبر مبارک کی جانب رہے۔ مقتدی دوسری نمازوں کی طرح نماز جنازہ میں امام کے پیچھے کھڑے ہوں، اس کی تفصیل جماعت کے بیان میں بتائی گئی ہے۔ امام کا سلام اور تکبیر اونچی آواز سے ادا کرنا (مستحب ہے)، تاکہ پیچھے کے لوگ سن سکیں۔ اس کے علاوہ باقی نماز آہستہ پڑھی جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کا باجماعت ادا کیا جانا اس کی سنتوں میں ہے اور یہ بھی سنت ہے کہ اگر نمازیوں کی کثرت ہو تو کوئی صف تین آدمیوں سے کم نہ ہو۔ اگر صرف چھ آدمی ہوں تو دو دو کی صفیں ہوں۔ اگر کسی نے اس کے علاوہ کسی اور طرح کی صف میں نماز پڑھی تو وہ درست نہ ہوگی اور یہ کہ امام اور منفرد، مرد کی میت ہو تو اس کے سینے کے مقابل اور عورت کی میت ہو تو اس کے وسط کے مقابل کھڑا ہو اور یہ کہ اس میں قرأت اور دعا آہستہ پڑھی جائے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کی سنتیں یہ ہیں: سورۂ فاتحہ سے پہلے اعوذ باللّٰه الخ کہنا اور آمین کہنا اور نماز کے تمام اقوال کو آہستہ ادا کرنا، اگرچہ یہ نماز رات کو ادا کی جائے۔ لیکن امام اور مکبر (امام کے پیچھے تکبیر بلند آواز سے کہنے والا) اگر ضرورت دیکھے تو تکبیر اور سلام کو بلند آواز سے ادا کرے اور یہ کہ نماز جنازہ جماعت سے ادا کی جائے اور یہ کہ اگر ممکن ہو تو جماعت کی تین صفیں بنائی جائیں اور کم سے کم دو صفیں ہوں، خواہ امام کے ساتھ ہوں۔ نماز جنازہ میں مقتدی کا امام کے برابر میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے اور یہ کہ درود پورا پڑھا جائے جس کی تفصیل نماز کی سنتوں کے بیان میں بتائی گئی ہے اور یہ کہ آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے۔ اور ان پر اور نبی ﷺ پر صرف درود بغیر سلام کے پڑھا جائے۔ اور یہ کہ درود سے پہلے حمد (سبحنک اللّٰھم الخ) پڑھی جائے اور درود کے بعد تمام مومن مردوں اور عورتوں کے لئے دعا کی جائے اور یہ کہ نماز جنازہ میں دعائے ماثورہ (جو حدیث میں آئی ہے) پڑھی جائے اور یہ کہ دوسری طرف سلام پھیرا جائے اور یہ کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے یہ کہا جائے:

''اللّٰھم لاتحرمنا اجره ولا تفتنا بعده''۔ اس کے بعد یہ آیت پڑھے: ''الذین یحملون العرش ومن حوله یسبحون بحمد ربھم و یومنون به'' الآیه۔ اور یہ کہ امام یا منفرد مرد کی میت کے سر کے سامنے اور عورت یا مخنث کی میت کے کولہے کے سامنے کھڑا ہو اور یہ کہ ہر تکبیر کے وقت رفع یدین کرے اور ہاتھ ناف کے نیچے باندھے اور یہ

Marfat.com

نماز جنازہ کے اولین حق دار کا بیان

اس بارے میں مختلف مسالک کا اختلاف ہے کہ نماز جنازہ کا سب سے پہلا حق دار کون ہے؟ اس کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

کہ جنازہ کو نہ اٹھایا جائے جب تک کہ مسبوق اپنی نماز پوری نہ کر لے اور یہ کہ نماز جنازہ دوسری بار ہو تو مختلف آدمی ادا کریں۔ جولوگ ایک بار نماز جنازہ پڑھ چکے ہوں انہیں دوبارہ پڑھنا مکروہ ہے اور یہ بھی سنت ہے کہ نماز جنازہ میں دعائے افتتاح (سبحنک اللّٰھم الخ) اور قرأت سورت کو ترک کیا جائے اور میت کو کفن پہنانے سے پہلے نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ میت کی نماز کے لئے سب سے مقدم سلطان ہے اگر وہ موجود ہو، اس کے بعد سلطان کا نائب یعنی حاکم شہر، اس کے بعد قاضی، پھر افسر پولیس، پھر قبیلہ کا امام جب کہ میت کے ولی سے افضل ہو، پھر میت کا ولی بموجب ترتیب عصبہ (قرابت داری) جو نکاح کے بارے میں ملحوظ رکھی جاتی ہے، اس کے بعد بیٹا مقدم ہے، پھر پوتا، خواہ نچلے درجے میں ہو یعنی پڑپوتا، سڑپوتا وغیرہ) پھر باپ پھر دادا خواہ اونچے درجہ میں ہو (یعنی پردادا سگڑ دادا وغیرہ) پھر حقیقی بھائی پھر چچا یا تایا پھر حقیقی بھتیجا وعلیٰ ہذا القیاس قریب ترین پھر قریب ترین رشتہ دار جس کی تفصیل (ولایت) نکاح کے باب میں بتائی گئی ہے۔ اگر میت کا کوئی ولی نہ ہو تو خاوند مقدم ہے، اس کے بعد پڑوسی کا درجہ ہے۔ اگر میت نے یہ وصیت کی ہو کہ اس کی نماز جنازہ فلاں شخص پڑھائے یا اس کو غسل دے تو یہ وصیت فضول ہے، اس پر عمل نہ کیا جائے گا۔ ہاں جو شخص نماز پڑھانے کا حق رکھتا ہے، اسے اختیار ہے کہ کسی اور کو نماز کی اجازت دے دے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کی امامت کے لئے سب سے افضل وصی ہے (جس کو نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت کی گئی ہو) اور وہ معتبر انسان ہو۔ اگر متوفی نے کسی صاحبِ عدل (یا معتبر) شخص کو نماز پڑھانے کی وصیت کی ہو کہ وہ اس کی نماز جنازہ پڑھائے تو اس کو دوسروں پر مقدم رکھا جائے گا۔ اس کے بعد بادشاہ کا حق ہے، پھر بادشاہ کے نائب کا، پھر باپ کا خواہ وہ اونچے درجہ پر ہو، پھر بیٹا، خواہ وہ نیچے درجہ پر ہو، اس کے بعد قریب ترین صلبی رشتہ دار اس کے بعد دوسرا قریب ترین رشتہ دار بموجب ترتیب وارثان، اس کے بعد نکاحی رشتہ والے پھر خاوند۔ اگر قرابت میں تمام ولی برابر ہوں، مثلاً بھائی بھائی یا چچا تائے ہوں تو ان میں حق امامت کی ترتیب کے مطابق ایک کو دوسرے پر فضیلت ہوگی اور جماعت کے لئے جس کو فوقیت حاصل ہوگی وہی مقدم ہوگا۔ اگر مقدم ہونے کی حیثیت میں سب برابر ہوں تو ان میں رفع نزاع کے لئے قرعہ ڈال لیا جائے۔ اگر ولی امامت کے لئے کسی کو اپنا نائب بنادے تو وہ ولی ہی کے برابر ہوگا لہٰذا اس کو ایسے شخص پر فوقیت ہوگی جو رتبہ میں اس سے قریب تر ہو، بخلاف اس صورت کے جب کہ ''وصی'' کسی کو اپنا نائب بنائے۔ اس صورت میں یہ نائب اس وصی کا ہم پلہ نہیں ہوسکتا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ (کی امامت) کے لئے سب سے مقدم میت کا باپ ہے، خواہ اونچے درجہ پر ہو، پھر اس کا بیٹا، خواہ نیچے درجہ پر ہو، پھر حقیقی بھائی، پھر چچا، تایا، پھر حقیقی بھتیجا، پھر چچازاد بھائی وعلی ہذا القیاس بموجب ترتیب

Marfat.com

نماز جنازہ میں امام کا چار تکبیروں سے زیادہ یا کم کہنے کا بیان

اس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ اگر امام نماز جنازہ میں چار تکبیر سے زیادہ کہے یا کم کہے تو مقتدیوں کو اس کی پیروی کرنے اور نماز کے صحیح ہونے کے بارے میں مسالک کا اختلاف ہے، تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

حقداری وراثت۔ اگر کوئی قریبی رشتہ دار نہ ہو تو میت کا آزاد کردہ غلام مقدم ہے، پھر اس غلام کا اسی ترتیب سے قریب ترین رشتہ دار، پھر سب سے بڑا امام یا اس کا نائب، پھر ازدواجی رشتہ سے قریب ترین شخص بالترتیب۔ اگر چند اشخاص مساوی درجہ کے ہوں، مثلاً کئی ایک بیٹے ہوں تو جو سب سے قدیم الاسلام اور صاحب عدل ہوگا اس کو فوقیت حاصل ہوگی۔ پھر علم دین زیادہ جاننے والے کو، پھر بہترین قاری کو، پھر زیادہ عبادت گزار کو۔ اگر میت نے کسی ایسے شخص کو اپنی نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت کی ہے جو مذکورہ ترتیب تقدم کی رو سے امامت نماز جنازہ کا مستحق نہیں ہے تو اس کی وصیت پر عمل نہ کیا جائے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ حق اس کو ہے جس کو حصول برکت کے لئے میت نے نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت کی ہو۔ اگر وصیت اس غرض سے نہ ہو تو حق امامت نہ ہوگا۔ اس کے بعد خلیفۂ وقت یا امام اعظم (سربراہ اعلیٰ) کا حق ہے، لیکن اس کے نائب کو دوسروں پر تقدم کا حق نہیں ہے، بجز اس صورت کے جب کہ وہ نائب امور حکومت اور خطبہ میں اس کا قائم مقام بنایا گیا ہو۔ اس کے بعد قریب تر عصبہ (صلبی رشتہ دار) کا حق ہے، لہٰذا سب سے مقدم بیٹا، پھر پوتا، پھر باپ، پھر بھائی، پھر بھتیجا، پھر دادا، پھر چچا اور پھر چچازاد بھائی اسی ترتیب سے۔ اگر قرابت میں صلبی رشتہ دار برابر ہوں تو ان میں جو شخص علم فقہ یا حدیث وغیرہ میں فائق ہے اس کو فوقیت دی جائے گی اور مقدم ہونے کے حق سے خارج کرنے کا حق میت کے رشتہ دار کے سوا کسی کو نہیں ہے، بخلاف سردار کے کہ اسے حق ہے۔ اس کا حق رشتہ دار کے حق کے بعد ہوگا۔ اگر کوئی قرابت دار یا سردار نہ ہو تو اجنبی اشخاص برابر ہیں، البتہ ان میں جو افضل ہے وہ مقدم ہوگا، جیسا کہ امامت جماعت میں ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل اوپر ہو چکی ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر امام چار تکبیروں سے زیادہ کہے تو مقتدی مزید تکبیروں میں امام کی پیروی نہ کرے، بلکہ اس کے سلام پھیرنے کا انتظار کرے۔ ایسی صورت میں سب کی نماز صحیح ہو جائے گی۔ اگر چار سے کم تکبیریں کہیں تو سب کی نماز باطل ہو جائے گی، بشرطیکہ ارادۃً کم کہی گئی ہوں۔ اگر تکبیر سہواً رہ گئی ہے تو اس کا وہی حکم ہے جو پوری ایک رکعت کے رہ جانے کا ہے، لیکن اس کا سجدۂ سہو نہیں ہے۔ نماز میں ایک رکعت رہ جانے کے مسائل پہلے بتائے جا چکے ہیں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر امام چار تکبیروں سے زیادہ کہے تو مقتدی اس کی متابعت نہ کریں، بلکہ دل میں جماعت سے الگ ہو جانے کی نیت کریں اور سلام پھیر دیں یا پھر امام کے سلام پھیرنے کا انتظار کریں اور اس کے ساتھ سلام پھیریں، تاہم بہتر یہی ہے کہ انتظار کیا جائے۔ اس طرح سب کی نماز ہو جائے گی۔ البتہ اگر امام نے تکبیرات زائدہ میں تین دفعہ

Marfat.com

ایک یا زیادہ تکبیروں میں امام سے پیچھے رہ جانے کا بیان

اگر کوئی مقتدی نماز جنازہ میں اس وقت شامل ہوا جب کہ امام ایک یا زیادہ تکبیریں کہہ چکا ہو تو اس مسئلہ کے متعلق مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

نماز جنازہ کے مکرر پڑھنے کا بیان

دوسری بار میت پر نماز جنازہ کا پڑھنا مکروہ ہے، لہٰذا نماز جنازہ اگر با جماعت ہو چکی ہے تو صرف پہلی بار کے علاوہ نہ پڑھی جائے۔ ہاں اگر پہلی بار نماز بغیر جماعت کے ہوئی ہو تو دفن کرنے سے پہلے پہلے دوبارہ پڑھنا مستحب ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ یہی کہتے ہیں، شافعیہ اور حنابلہ کا مسلک ذیلی حاشیہ

پے در پے رفع یدین کیا تو اس کی نماز اور مقتدیوں کی نماز بھی، اگر امام کے سلام پھیرنے کا انتظار کریں تو جاتی رہے گی۔ اگر امام نے چار سے کم تکبیریں کہیں تو اس کی اور مقتدیوں کی نماز بھی باطل ہو جائے گی درآنحالیکہ یہ کمی ارادۃً کی گئی ہو۔ اگر سہواً ایسا ہوا تو اس کی تلافی نماز میں کمی کی تلافی کی طرح کر لی جائے، لیکن اس میں سجدۂ سہو نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر امام ارادۃً یا سہواً چار تکبیروں سے زیادہ کہے تو مقتدیوں کو اس کے سلام پھیرنے کا انتظار کرنا مکروہ ہے، بلکہ چاہیے کہ وہ اس سے پہلے ہی سلام پھیر دیں۔ اس طرح امام اور مقتدیوں کی نمازیں ہو جائی گی۔ اگر قصداً تکبیروں میں کمی کرے اور اس کو کسی مسلک کی پیروی تصور کر رہا ہو تو مقتدیوں کو اس کی پیروی نہ کرنی چاہیے، بلکہ وہ اپنی چار تکبیریں پوری کریں، اس طرح سب کی نماز درست ہوگی۔ لیکن اگر دانستہ کمی کی اور کسی مسلک کی پیروی مدنظر نہیں ہے تو امام کی نماز باطل ہوگی اور مقتدیوں کی نماز بھی اس کی نماز باطل ہونے کی وجہ سے باطل ہوگی۔ ہاں اگر تکبیر سہواً رہ گئی ہو تو چاہیے کہ مقتدی سبحان اللہ کہہ کر اس سہو سے امام کو آگاہ کریں۔ اگر امام جلدی سے رجوع کر کے تکبیر مکمل کر لے اور مقتدیوں نے بھی تکبیریں پوری کر لیں تو سب کی نماز ہو گئی۔ امام نے رجوع نہ کیا اور طویل وقفہ کے بعد اس فروگزاشت سے آگاہی ہوئی تو جیسا کہ نماز کے بیان میں بتایا گیا، مقتدی اپنی تکبیریں پوری کر لیں تو مقتدیوں کی نماز ہو جائے گی لیکن امام کی نماز نہ ہوگی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر امام چار تکبیروں سے زیادہ کہے تو مقتدیوں کو سات تکبیروں تک اس کی پیروی کرنا چاہیے۔ اگر سات سے زیادہ ہو جائیں تو امام کو اس سے آگاہ کرنا چاہیے۔ یہ جائز نہیں ہے کہ اس سے پہلے سلام پھیر دیا جائے۔ اس طرح سب کی نماز درست ہوگی۔ اگر امام نے تکبیر میں ارادۃً کمی کی ہے تو سب کی نماز جاتی رہے گی۔ ہاں سہواً کمی ہوئی تو مقتدیوں کو سلام نہ پھیرنا چاہیے، بلکہ امام کو آگاہ کر دینا چاہیے۔ اگر امام فوراً تکبیروں کو پورا کر لے تو سب کی نماز ہو جائے گی۔ لیکن اگر اس میں زیادہ دیر ہو گئی یا اس دوران امام نے کوئی امر منافی نماز کر لیا تو امام کی نماز باطل ہو جائے گی اور مقتدیوں کی نماز بھی باطل ہو جائے گی درآنحالیکہ انہوں نے نماز سے علیحدہ ہو جانے کی نیت نہ کی ہو، ورنہ نماز صحیح ہوگی۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اس وقت آئے جب کہ امام تکبیر اولیٰ کہہ چکا ہو اور ثناء پڑھنے میں مصروف ہو یا

Marfat.com

دوسری تکبیر بھی ہو چکی ہے اور امام درود پڑھ رہا ہو یا تیسری تکبیر بھی ہو چکی ہے اور امام دعا پڑھنے لگا ہے تو مقتدی سر دست کوئی تکبیر نہ کہے، بلکہ امام کی تکبیر کا انتظار کرے اور اس کے ساتھ تکبیر کہے۔ اگر انتظار نہ کیا اور کہہ لی تو نماز فاسد نہ ہوگی لیکن یہ تکبیریں (نماز جنازہ کی تکبیروں میں شمار نہ کی جائیں گی)، مسبوق (بعد میں شامل جماعت ہونے والے) کو چاہیے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد رہی ہوئی تکبیروں کو پورا کرے، بشرطیکہ جنازہ کو فوراً نہ اٹھالیا گیا ہو۔ اگر جنازہ اٹھالیا گیا ہو تو چاہیے کہ سلام پھیر دے اور فوت شدہ تکبیروں کو پورا نہ کرے۔ اگر مقتدی اس وقت پہنچے جب کہ امام چوتھی تکبیر بھی کہہ چکا ہو، لیکن ہنوز سلام نہ پھیرا ہو تو صحیح طریقہ یہ ہے کہ امام کے ساتھ شامل ہو جائے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی نماز بموجب طریقۂ سابقہ پوری کرے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر مقتدی اس وقت آئے جب کہ امام دعا میں مشغول ہو تو اس پر واجب ہے کہ تکبیر نہ کہے، امام کے تکبیر کہنے کا انتظار کرے اور اس کے ساتھ تکبیر کہے۔ اگر امام کی تکبیر کا انتظار نہ کیا اور تکبیر کہہ لی تو نماز صحیح ہو جائے گی، لیکن یہ تکبیر حالت انتظار میں ہو یا نہ ہو شمار میں نہیں آئے گی۔ لہٰذا جب امام سلام پھیرے تو مقتدی اپنی فوت شدہ تکبیروں کو پورا کرنے کے لئے کھڑا رہے، خواہ جنازہ اسی وقت اٹھالیا جائے یا نہ اٹھایا جائے۔ لیکن اگر جنازہ ہنوز اٹھایا نہیں گیا تو تکبیروں کے بعد کی جو دعائیں رہ گئی ہیں انہیں بھی پورا کرے۔ جنازہ اٹھایا جائے تو پے در پے تکبیریں پوری کر لے اور دعا نہ کرے، تاکہ وہ نماز ایسی نہ ہو جائے جیسے میت کی غیر موجودگی میں نماز (غائبانہ) پڑھی جاتی ہے۔ غیر حاضر میت کی نماز جنازہ میں درود پڑھنا ممنوع ہے، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔ اگر کوئی اس وقت پہنچا جب کہ امام اور اس کے ساتھی چوتھی تکبیر کہہ چکے ہوں تو اب بقول صحیح ان کو جماعت میں شامل نہ ہونا چاہیے، کیونکہ وہ تشہد کے حکم میں ہے۔ اگر اس وقت شامل جماعت ہو گیا تو گویا دوسری بار نماز جنازہ ہوئی اور دوسری نماز جنازہ مکروہ ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی ایسے وقت میں آئے کہ امام تکبیر اولیٰ کہہ چکا ہو اور قرأت میں مشغول ہو یا دوسری تکبیر کہہ چکا ہو اور درود میں مشغول ہو یا تیسری تکبیر کہہ چکا ہو اور دعا میں مشغول ہو، تو چاہیے کہ فوراً تکبیر کہے، امام کی تکبیر کا انتظار نہ کرے اور امام کے افعال کی متابعت کرے اور جب امام سلام پھیر چکے اپنی فوت شدہ نماز کو اس کے مقررہ طریقہ کے مطابق پورا کرے۔ بایں طور کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد پہلی تکبیر کہہ کر سورۂ فاتحہ پڑھے، پھر دوسری تکبیر کہہ کر درود پڑھے، بشرطیکہ جنازہ کے اٹھ جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر اس کا اندیشہ ہو تو دعا وغیرہ کے بغیر پے در پے تکبیریں کہہ کر سلام پھیرے یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نماز جنازہ میں سے جو کچھ رہ گیا ہے اسے پورا کیے بغیر سلام پھیر دے۔ اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ امام کی چوتھی تکبیر کے بعد بھی شامل نماز ہو جائے اور تین تکبیروں کو بطور امر مستحب ادا کرے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر مقتدی اس وقت آئے جب کہ امام تکبیر اولیٰ یا دوسری تکبیریں کہہ چکا ہو اور تکبیر کے بعد قرأت وغیرہ میں مشغول ہو تو چاہیے کہ امام کے ساتھ نماز میں شامل ہو جائے اور امام کے تیسری تکبیر کہنے کا انتظار نہ کرے۔ البتہ اپنی نماز میں اس ترتیب کو جاری رکھے جو منفرد ہونے کی صورت میں رکھتا۔ چنانچہ چاہیے کہ تکبیر اولیٰ کہہ کر امام کی آئندہ تکبیر سے پہلے جس قدر بھی ممکن ہو سورۃ فاتحہ پڑھ لے، جو کچھ رہ جائے گا وہ اس کے ذمہ سے ساقط متصور ہوگا۔ پھر دوسری تکبیر کے بعد درود پڑھے وعلیٰ ہذا القیاس۔ پھر جب امام نماز جنازہ سے فارغ ہو تو مقتدی اپنی نماز کو ترتیب مذکورہ کے ساتھ پوری کرے، خواہ جنازہ اپنی جگہ پر رہے یا اٹھالیا جائے۔ اگر سورۂ فاتحہ میں سے کچھ بھی پڑھنا ممکن نہ ہوا بایں طور کہ تکبیر تحریمہ

Marfat.com

میں ملاحظہ ہو۔[1]

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا بیان

مسجدوں میں میت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، اگرچہ میت کو مسجد کے باہر ہی رکھا گیا ہو۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک میت کا نماز کے علاوہ بھی مسجد میں لانا مکروہ ہے۔ حنابلہ اور شافعیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[2]

شہید کا بیان

شہید کی تعریف، اس کے متعلق احکامات اور شہید کی قسموں کے بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔[3]

جنازہ اٹھانے کا بیان

اس کا طریقہ

میت کو لے کر قبرستان تک جانا بھی غسل دینے، کفن پہنانے اور نماز جنازہ کی طرح فرض کفایہ ہے۔

کے بعد ہی امام تکبیر کہہ دے تو چاہیے کہ مقتدی بھی اس کے ساتھ تکبیر کہے۔ اس کی پوری فاتحہ امام کی طرف سے ادا شدہ متصور ہوگی۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ جس نے پہلی بار نماز جنازہ نہیں پڑھی اسے دوسری بار نماز جنازہ پڑھنا سنت ہے، خواہ دفن کے بعد ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جنازہ کی نماز اس کے لئے (میت کے) دفن کے بعد بھی جائز ہے جس نے پہلی بار نہیں پڑھی، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔ ہاں جس نے ایک بار پڑھ لی ہے اسے دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔

۲۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر مسجد کے نجاست آلود ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو تو مسجدوں کے اندر نماز جنازہ جائز ہے، ورنہ مسجد میں میت پر نماز حرام ہے اور اس کو مسجد میں لانا بھی حرام ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مسجد کے اندر نماز جنازہ مستحب ہے۔

۳۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ شہید وہ ہے جس کو ظلم سے (ناحق) قتل کیا گیا ہو، خواہ وہ جنگ میں قتل ہوا یا کسی باغی یا جنگجو دشمن یا رہزن یا چور نے قتل کیا، اگرچہ اس کی موت کا سبب براہ راست وہ نہ ہو۔

شہید کی تین قسمیں ہیں: اول شہید کامل، یہ وہ ہے جو دنیا اور آخرت کا شہید ہو۔ شہید کامل ہونے کی چھ شرطیں ہیں: عقل، بلوغ، اسلام، حدث اصغر و اکبر اور حیض و نفاس سے پاک ہونا اور یہ کہ سبب ہلاکت کے وارد ہونے کے بعد بغیر کچھ

Marfat.com

کھائے یا پیئے یا سوئے موت آ گئی ہو۔ نہ اس کا کچھ علاج ہوسکا ہو اور نہ سبب ہلاکت کے وارد ہونے کی جگہ سے اسے زندگی کی حالت میں کسی خیمہ یا اس کے گھر میں منتقل کیا گیا ہو اور نہ نماز کا پورا وقت گزرنے پایا ہو اور یہ کہ اس کے قتل پر قصاص واجب ہو، اگرچہ کسی سبب سے مثلاً صلح ہو جانے یا کسی اور وجہ سے قصاص کا حکم مرتفع ہو گیا ہو۔ لیکن اگر قتل ایسا ہو جس کے معاوضہ میں مال واجب ہوتا ہے، مثلاً قتل غیر عمد تو وہ کامل درجہ کی شہادت نہ ہوگی۔ ہاں شہادت کی اس قسم (یعنی شہادت کامل) میں وہ صورت داخل ہے جب کہ کسی شخص کو اپنے مال یا جان کی حفاظت میں یا مسلمانوں یا ذمی اشخاص کی حفاظت میں قتل کیا گیا ہو۔ ان تمام اقسام کے شہداء کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ ان کو غسل نہ دیا جائے۔ لیکن خون کے علاوہ کوئی اور نجاست لگ جائے تو اسے دھونا چاہیے۔ شہید کو اس کے اپنے لباس میں دفن کر دینا چاہیے۔ البتہ ایسی اشیاء جو کفن کی صلاحیت نہیں رکھتیں اتار دیا جائے۔ مثلاً فر، روئی دار لباس، ٹوپی، جراب، ہتھیار اور زرہ، بخلاف پاجامہ کے کہ اس کو نہیں اتارنا چاہیے۔ اسی طرح فر اور روئی دار شے کو بھی نہ اتارا جائے بشرطیکہ اس کے علاوہ اور کوئی لباس جسم پر نہ ہو۔ پھر اگر کفن سنت میں سے کسی شے کی کمی ہو تو اس کا اضافہ کیا جائے اور کچھ زیادہ ہو تو اسے ہٹا دیا جائے۔ شہید کے جنازے پر نماز پڑھی جائے گی اور اس کو خون آلود لباس کے ساتھ ہی دفن کیا جائے۔

شہیدوں کی دوسری قسم وہ ہے جو صرف ''شہید آخرت'' ہو۔ شہید آخرت وہ ہے جو شرائطِ سابقہ میں سے کوئی شرط پوری نہ کرتا ہو، مثلاً ظلم سے قتل کیا گیا ہو، لیکن ناپاکی یا حیض ونفاس کی حالت میں ہو یا موجبِ ہلاکت امر کے وارد ہونے کے معابعد ہی موت نہ آئی ہو یا نابالغ (صغیر سن) یا مجنون ہو یا نادانستہ طور پر قتل ہوا ہو، جس کے قتل پر تاوان واجب ہوتا ہے۔ ایسے لوگ شہید کامل نہیں ہیں، لیکن شہید آخرت ہیں۔ ان کا قیامت میں وہی اجر ہے جس کا وعدہ شہداء کے لئے کیا گیا ہے۔ ایسے شہداء کو غسل اور کفن دینا اور ان پر دوسری اموات کی طرح نماز جنازہ واجب ہے۔ نیز شہید آخرت کے زمرہ میں وہ بھی ہیں جو ڈوب کر یا جل کر یا غریب الوطنی کی حالت میں یا وبائی امراض یا مرض استسقاء یا پیچش یا نمونیا یا دم کشی اور سل کے مرض میں یا تپ محرقہ یا بچھو وغیرہ کے کاٹنے سے یا ایسے ہی کسی اور سبب سے وفات پا جائیں۔ طالب علمی کے دوران اور جمعہ کی رات کو مرنے والا بھی ایسا ہی ہے۔ ایسے شہداء کو غسل دیا جائے اور کفنایا جائے اور ان پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے، اگرچہ آخرت میں انہیں شہداء کا ثواب ملے گا۔

تیسری قسم ''صرف شہید دنیا'' کی ہے۔ اس سے وہ منافق مراد ہے جو مسلمانوں کی صف میں قتل کیا جائے۔ اس کو غسل نہ دیا جائے اور اسی کے کپڑوں میں دفن کیا جائے اور اس کی ظاہری حالت کے پیشِ نظر اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ شہید وہ ہے جو کافروں کیساتھ لڑتے ہوئے لڑائی میں مارا جائے، اگرچہ وہ غیر مکلف ہو یا ''غال'' ہو۔ غال وہ ہے جو مال غنیمت سے (قبل تقسیم) کچھ ہتھیا لے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس (کی میت) کو غسل دینا اور اس پر نماز جنازہ پڑھنا حرام ہے۔ اس کو ان ہی کپڑوں میں دفن کیا جائے جن میں وہ مارا گیا۔ ہاں اگر اس پر قتل ہونے سے پہلے ''غسل اسلام کے علاوہ'' کوئی اور غسل واجب تھا، تو اسے غسل دینا، کفنانا اور نماز جنازہ پڑھنا اور اسی طرح خون میں لتھڑا ہوا دفن کر دینا واجب ہے۔ خون کے علاوہ کوئی اور نجاست لگی ہو تو اس کا دھونا واجب ہے اور اس کے

Marfat.com

اوپر ہتھیار اور پوستین وغیرہ ہوتو اسے اتار لینا واجب ہے اور یہ بھی واجب ہے کہ وہ لباس جو قتل ہونے کے وقت اس نے پہن رکھا تھا اس پر کچھ زیادہ نہ کیا جائے اور نہ کچھ کم کیا جائے۔ اگر وہ لباس اتار لیا گیا تو پھر اسے اور کپڑوں میں کفنانا واجب ہے۔ وہ شخص بھی ایسا ہی شہید ہے جسے اس کی عزت یا مال کی حفاظت میں یا کسی ایسے ہی کام کی انجام دہی میں قتل کر دیا جائے کہ نہ اسے غسل دیا جائے اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے، نہ کفن دیا جائے، بلکہ اس کو اسی کے کپڑوں میں دفن کیا جائے۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ کوئی شخص لڑائی کے دوران سواری کے جانور سے گر کر یا کسی پہاڑ کی بلندی سے دشمن کے اقدام کے بغیر لڑھک کر مر جائے یا اس کا تیر خود اس پر پلٹ کر آ جائے اور ہلاک کر دے یا بغیر جنگ کے (معرکہ میں) مردہ پایا جائے یا زخمی حالت میں اٹھا کر لایا جائے اور موت سے پہلے کچھ کھا پی لے یا پانی طلب کرے یا لمبے عرصہ تک زندہ رہنے کے بعد وفات پائے، ایسی صورت میں اسے غسل دینا اور کفنانا اور دوسرے غیر شہداء کی طرح اس پر نماز پڑھنا واجب ہے، اگر چہ قیامت میں اس کا شمار شہیدوں ہی میں ہوگا۔ ایسے شہداء جن کا ذکر اوپر ہوا ''شہید دنیا و آخرت'' ہیں۔ ان کے علاوہ ایک ''شہید آخرت'' ہوتا ہے جس میں گو وہ تمام شرائط سابقہ پوری نہ ہوں، لیکن روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ وہ بھی قیامت میں زمرۂ شہداء میں ہوگا، مثلاً وہ شخص جو طاعون میں یا درد شکم سے یا ڈوب کر یا اچھو لگنے سے یا جل کر یا گر کر یا نمونیہ، سل یا لقوہ میں یا کسی پہاڑ سے پھسل کر یا اللہ کی راہ میں سفر کرتے ہوئے، مثلاً دورانِ حج میں یا حصول علم کی خاطر سفر میں مر گیا یا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کیلئے سچی نیت سے چلا اور راستے ہی میں کافروں کے کسی اقدام کے بغیر مر گیا ہو۔ نیز سرحد کی حفاظت کرنے والوں کی اور زمین پر علوم الٰہیہ کے امین یعنی علماء کی موت بھی شہادت ہے۔ اسی طرح وہ بھی جو دین، آبرو یا مال و جان کی حفاظت میں مارا جائے یا درندے ہلاک کر دیں (شہیدوں میں ہے)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ شہید وہ ہے جسے کسی محارب کافر نے قتل کیا ہو یا مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگ میں مارا جائے، خواہ یہ لڑائی دار الحرب میں ہو یا دار الاسلام میں۔ یہ لڑائی بھی ایسی ہے جیسے (کافر) حربیوں کی مسلمانوں سے جنگ۔ ایسے شہید کی بابت حکم یہ ہے کہ اس کو غسل دینا اور اس پر نماز حرام ہے، اگر چہ وہ عملی طور پر (بوقت شہادت) جنگی کارروائی میں شریک نہ ہو، بایں طور کہ بے خبر ہو یا سو رہا ہو اور اسے قتل کر دیا جائے۔ اسی طرح وہ مقتول بھی شہید ہے جسے کسی مسلمان نے کافر سمجھ کر قتل کر دیا ہو یا گھوڑے نے کچل دیا ہو یا خود اسی کی تلوار یا تیر پلٹ کر آ پڑے اور موت واقع ہو جائے یا کسی کنوئیں میں گر کر یا پہاڑ کی بلندی سے لڑھک کر مر جائے۔ ان میں سے ہر ایک کو غسل دینا اور اس کی نماز جنازہ حرام ہے۔ ناپاکی کی حالت ہو یا نہ ہو اس سے فرق نہیں پڑتا، البتہ یہ شرط ہے کہ معرکہ سے زندہ نہ لایا گیا ہو۔ اگر زندہ لایا گیا (اور بعد میں موت آئی) تو ایسی صورت میں غسل دیا جائے اور نماز پڑھی جائے۔ ہاں اگر حالت غمر (بے ہوشی) میں لایا گیا، یعنی ایسی حالت میں کہ کچھ کھا پی نہ سکا اور نہ کلام کر سکا، تو ایسا شخص مردہ اٹھا کر لائے جانے کے برابر ہے، لہٰذا اس کو بھی نہ غسل دیا جائے اور نہ جنازہ پڑھا جائے۔ شہیدوں کو اسی لباس میں جس میں جان گئی ہے، دفن کرنا چاہیے، بشرطیکہ وہ لباس مباح رہا ہو۔ اگر اس لباس سے میت کا تمام بدن ڈھکا ہوا ہو تو اس پر کچھ زیادہ نہ کیا جائے۔ اگر تمام بدن ڈھکا ہوا نہ ہو تو اور کفن زیادہ کیا جائے کہ پورا بدن ڈھک جائے۔ اس کے موزوں اور قلنسوہ (ٹوپی) کو بھی نہ اتارا جائے۔ اس سے مراد وہ ٹوپی ہے جس پر تیمم کیا جاتا ہے اور اسے طاقیہ (کنٹوپ چرمی) کہتے ہیں اور منطقہ (پٹی) کو بھی نہ کھولا جائے۔ اس سے

Marfat.com

مراد کمر بند (پٹکہ) ہے، بشرطیکہ وہ گراں قدر نہ ہو۔ اسی طرح انگوٹھی بھی اگر کم قیمت نگینہ والی ہے، نہ اتاری جائے درآنحالیکہ وہ چاندی کی ہو ورنہ اس کو اتار لیا جائے اور بغیر اس کے دفن کیا جائے۔ البتہ جنگی ہتھیار اور زرہ وغیرہ کو اتار لیا جائے۔ ایسا شخص شہید دنیا و آخرت ہے۔ ''شہید دنیا و آخرت'' وہ ہے جس نے اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے جنگ کی اور ''شہید دنیا محض'' وہ ہے جس نے مال غنیمت کے لئے جنگ لڑی اور شہید آخرت وہ ہے جو پیٹ کے مرض سے یا ڈوب کر یا جل کر یا اسی طرح کے کسی اور مرض سے مرا ہو اور وہ بھی جس کو ظلماً حربی دشمن سے لڑے بغیر مارا گیا ہو اور کسی حربی نے نہ مارا ہو۔ ایسا شخص غسل وغیرہ کے مسئلوں میں ایسا ہی ہے جیسے دوسرے مرنے والے، لہٰذا اس کو غسل دینا اور اس کی نماز جنازہ واجب ہے اور اسے اسی کے کپڑوں میں دفن کرنا واجب نہیں ہے۔ مذکورہ شہید آخرت کو بھی عقبیٰ میں ان شاءاللہ وہی اجر ملے گا جس کا ذکر شریعت میں آیا ہے۔

شہید دنیا کو آخرت میں کوئی صلہ نہیں ہے، اگرچہ دنیا میں اس کے ساتھ شہیدوں کا سا سلوک کیا جائے گا، جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ شہیدوں کی تین قسمیں ہیں:

ا۔ شہید دنیا و آخرت، یعنی وہ شخص جو نام و نمود کی طلب یا غلول (یعنی مال غنیمت ہتھیانے) کی خواہش کے بغیر محض کلمۂ حق بلند کرنے کے لئے لڑا ہو۔ غلول کہتے ہیں مجاہدین میں مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے مال ہتھیا لینے کو۔

۲۔ ''شہید دنیا فقط'' یعنی وہ شخص جس کے دل میں حصول مال غنیمت کے ساتھ ساتھ اللہ کا کلمہ بلند کرنے کا ارادہ بھی ہو یا نام و نمود کی خاطر یا مال غنیمت سمیٹنے کے لئے شریک جنگ ہوا ہو۔

۳۔ ''شہید آخرت فقط'' وہ ہے جو مکان کے گرنے یا پانی میں ڈوب جانے وغیرہ سے مرا ہے۔ اسی طرح وہ شخص جسے ظلم سے (ناحق) مارا گیا ہو۔

ابتدائی دو قسم کے شہیدوں کو غسل دینا اور ان کی نماز جنازہ پڑھنا حرام ہے، اگرچہ وہ حدث اصغر یا حدث اکبر کی حالت میں مرا ہو۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ ان دونوں قسموں کے شہیدوں میں کوئی شخص کافر کے ہتھیار سے ہلاک ہوا ہو یا کسی مسلمان کے ہاتھ سے غلطی سے مارا جائے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کوئی شخص خود اپنے ہی ہتھیار سے ہلاک ہو گیا ہو کہ اس کا اپنا ہی ہتھیار اس پر آن لگے اور وہ مر جائے یا سواری کے جانور سے گر کر یا اس کے کچل دینے سے مر جائے وغیرہ۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ فوراً مر گیا ہو یا سبب موت واقع ہونے کے بعد کچھ عرصہ زندہ رہ کر مرا ہو۔ اس کے لئے یہ شرط ہے کہ موت جنگ ختم ہونے سے پہلے اور اسی سبب سے ہوئی ہو یا جنگ ختم ہونے کے بعد مرا ہو درآنحالیکہ اس کی زندگی کی توقع ختم ہو چکی ہو، یعنی اس میں صرف حرکت مذبوحی باقی رہی ہو (یعنی وہ حرکت جو ذبح کئے ہوئے جانور میں ہوتی ہے) ایسے شخص کو کفنانا واجب ہے اور سنت یہ ہے کہ اسی کے لباس میں اس کو کفنایا جائے۔ اگر پورے وجود کو اس کا لباس نہ ڈھک سکے تو اس کو پورا کیا جائے، تاکہ اس کو پورے طور پر ڈھکا جاسکے اور مستحب یہ ہے کہ اس کے جنگی ہتھیار، مثلاً زرہ موزہ اور فراسلحہ اتار لئے جائیں۔

تیسری قسم کا شہید محض ثواب آخرت کا شہید ہے۔ دنیا میں دوسری اموات کی طرح اسے غسل دیا جائے اور نماز جنازہ پڑھی

Marfat.com

اس کے مسنون طریقے کے بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ اس کے لئے ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو(۱)۔

جائے اور وہ تمام باتیں پوری کی جائیں جو عام اموات کی صورت میں ملحوظ ہوتی ہیں۔ جن شہداء کو غسل دینا حرام ہے ان کے جسم پر خون کے علاوہ اگر اور کوئی نجاست لگی ہو تو اسے دھونا واجب ہے، اگرچہ اس نجاست کے دھونے میں شہادت کا خون بھی دھل جائے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جنازہ اٹھانے میں اصل سنت یہ ہے کہ چار آدمی ادل بدل کر جنازے کو قبرستان تک لے جائیں، بایں طور کہ ہر طرف سے جنازے کو لے کر دس دس قدم چلیں۔ اس سنت پر مکمل عمل اس طرح ہوگا کہ پہلے میت کے سرہانے سے جنازہ (تابوت) کا دایاں پہلو دائیں کندھے پر لے کر دس قدم چلے، اس کے بعد دائیں پہلو پر پاؤں کی جانب آ کر جنازے کو دائیں کندھے پر لے کر دس قدم چلے۔ اس کے بعد میت کے بائیں جانب کے سرہانے کو بائیں کندھے پر اسی طرح جنازہ اٹھا کر چلے۔ پھر پائنتیوں کی جانب منتقل ہو کر بائیں کندھے پر اسی طرح جنازہ اٹھا کر چلے۔ یاد رہے کہ شروع میں ہی جنازے کو کندھے پر اٹھانا مکروہ ہے، سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے تابوت کے پائے کو ہاتھوں سے تھامے، پھر اسے کندھے پر رکھ لے۔ واضح ہو کہ جنازے کا دو عمود کی شکل میں لے کر چلنا مکروہ ہے، بایں طور کہ اسے دو شخص اٹھائیں، ایک آگے ہو اور دوسرا پیچھے، البتہ مجبوری کی حالت میں ایسا کیا جا سکتا ہے۔ دودھ پیتے بچے یا دودھ چھوڑے ہوئے، اس سے کچھ بڑی عمر تک کے بچے کی میت کو اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے ہاتھوں پر اٹھا لیا جائے اور اسی طرح باری باری سے لوگ اسے ہاتھوں پر اٹھا کر لے چلیں۔ اگر سواری پر بیٹھا ہوا کوئی شخص اسے اسی طرح ہاتھ پر اٹھا کر لے جائے تو مضائقہ نہیں، لیکن بڑے آدمی کی میت کو سواری وغیرہ پر لے جانا مکروہ ہے۔ ہاں مجبوری ہو تو دوسری بات ہے اور مستحب یہ ہے کہ جنازے کو تیز قدم لے کر چلیں، لیکن رفتار اتنی زیادہ تیز نہ ہو کہ میت کی لاش زیادہ ہلنے جلنے لگے۔ عورت کے جنازے کو اوپر سے ڈھکا ہوا ہونا چاہیے۔ اسی طرح اس کی قبر کو بھی دفن کے وقت ڈھکا رکھا جائے، یہاں تک کہ لحد میں اتارنے سے فراغت حاصل ہو جائے، کیونکہ عورت چوٹی سے پاؤں تک تمام ہی پردے کی چیز ہے۔ بالعموم (دفن کے وقت) کچھ نہ کچھ حصہ کھل جاتا ہے، لہٰذا اگر کچھ نہ کچھ کھلنا ناگزیر ہو تو ایسی صورت میں پردہ لگانا واجب ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ جنازے کو چار آدمی اٹھائیں۔ ان میں سے ہر شخص تابوت کے چاروں پائے یکے بعد دیگرے لے کر چلے۔ بایں طور کہ پہلے جنازے کے اگلے بائیں پائے کو دائیں کندھے سے لگا کر چلے، پھر اس کو دوسرے کے سپرد کر دے اور بائیں جانب کے پچھلے پائے کی طرف اس کو اپنے دائیں کندھے سے لگائے، پھر اسے دوسرے کے حوالے کر دے، پھر اگلے دائیں پائے کو بائیں کندھے پر لے کر چلے، پھر اسے بھی دوسرے کے حوالے کر کے پچھلے دائیں پائے کو اپنے بائیں کندھے پر لے کے چلے۔ جنازے کو دو پایوں کے درمیان سے اٹھانا مکروہ نہیں ہے اور میت کو جانور پر لے کے جانا بھی مکروہ نہیں ہے درآنحالیکہ ایسی صورت پڑ جائے، مثلاً قبرستان دور ہو وغیرہ۔ عورت کے تابوت کو اوپر سے گنبد کی طرح ڈھک دینا سنت ہے، اس کے لئے لکڑی کے کھپچی یا کھجور کے پتوں کے ڈنٹھل کو تابوت پر باندھ کر اس کے اوپر چادر ڈال دی جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جنازہ اٹھانے کا خاص طریقہ مقرر نہیں ہے، لہٰذا بلا کراہت کے جائز ہے کہ اسے چار شخص اٹھائیں

Marfat.com

جنازے کے ساتھ چلنے اور اس کے متعلقہ مسائل کا بیان

جنازے کے ساتھ جانا سنت ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ مستحب ہے۔ یہ معمولی اختلاف ہے اور مستحب یہ ہے کہ ساتھ جانے والا پیدل چلے اور بلا عذر کے سوار ہونا مکروہ ہے، معذور ہو تو جائز ہے۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے، حنفیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

جنازے کے ساتھ چلنے والا اگر پیدل ہو تو جنازے کے آگے چلنا اور سواری پر ہو تو پیچھے رہنا مستحب ہے۔ یہ حکم مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے، حنفیہ اور شافعیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۲)

یا تین یا دو اور یہ تعین بھی نہیں ہے کہ جنازہ یا تابوت کے کندھا دینے میں کسی خاص جانب سے پہل کی جائے۔ اس کی تعیین بدعت ہے۔ چھوٹے بچے کی میت کا ہاتھ پر اٹھانا مستحب ہے۔ اس کو تابوت میں لیکر جانا مکروہ ہے، کیونکہ اس سے نمود کا اظہار ہوتا ہے اور مستحب یہ ہے کہ عورت کے جنازے کو گنبد کی طرح ڈھک دیا جائے، کیونکہ عورت کے لئے پردے میں زیادہ احتیاط مطلوب ہے۔ تابوت میں ریشمی کپڑا بچھانا مکروہ ہے، البتہ تابوت کو ریشمی کپڑے سے ڈھکنا جائز ہے، لیکن کپڑا رنگین نہ ہو ورنہ مکروہ ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جنازہ اٹھانے کے دو طریقے ہیں اور دونوں ہی طریقے اچھے ہیں۔ ایک طریقہ تثلیث کا ہے اور وہ یہ ہے کہ جنازے کو تین آدمی اٹھائیں، ایک شخص تابوت کے اگلے حصے کو اٹھائے، اس کے دونوں کنارے دونوں کندھوں کی جانب ہوں اور سر درمیان میں ہو اور پچھلے حصے کو دو آدمی اٹھائیں۔ دونوں میں سے ہر ایک کے کندھے پر جنازہ ہو۔ یہ کیفیت ''تربیع'' (چار آدمیوں کے جنازے) سے بہتر ہے۔ اس (تربیع) کا طریقہ یہ ہے کہ چار آدمی جنازہ کو اٹھائیں۔ دو جنازے کے اگلے حصے کو اور دو پچھلے حصے کو اٹھائیں، اس طرح کے کہ جو تابوت میت کے دائیں جانب ہوں وہ تابوت کے بائیں پہلو کو اپنے بائیں مونڈھوں پر رکھیں اور جو لوگ دائیں جانب ہیں وہ دوسرے پہلو کو دائیں مونڈھوں پر رکھیں۔ نیز یہ امر واجب ہے کہ میت کو اس طرح نہ اٹھایا جائے جو احترام کے منافی ہو، مثلاً یہ ہے کہ بڑی میت کو ہاتھ پر یا کندھے پر لاد کر لے جایا جائے، بخلاف چھوٹے بچے کی میت کے۔ عورت کے تابوت کو اوپر سے ڈھک دینا یا گنبد سا بنا دینا سنت ہے، کیونکہ اس میں پردہ زیادہ ہے اور عورت کا تابوت ریشمی چادر سے ڈھکنا جائز ہے۔ اسی طرح بقول معتمد بچے کی لاش کو بھی ڈھکا جا سکتا ہے، لیکن مرد کے تابوت کو ریشمی کپڑے سے ڈھکنا جائز نہیں ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جنازہ کے ساتھ سواری پر چلنے میں مضائقہ نہیں، تاہم پیدل چلنا افضل ہے۔ ہاں اگر سواری پر ہو تو جنازے سے آگے جانا مکروہ ہے، ایسا کیا گیا تو گرد و غبار سے پیچھے والوں کو تکلیف ہوگی۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ افضل یہی ہے کہ ساتھ چلنے والا جنازے کے پیچھے رہے، اگرچہ آگے چلنا جائز ہے، لیکن جنازے سے زیادہ دور اور تمام لوگوں سے الگ نہ ہو جانا چاہیے۔ ایسی صورت میں جنازے سے آگے جانا مکروہ ہوگا۔ جنازے کے دائیں بائیں چلنا خلاف اولیٰ ہے۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ جنازے میں عورتیں نہ ہوں، جن کے ساتھ مل جل جانے کا اندیشہ ہو۔ عورتوں

Marfat.com

اور مستحب یہ ہے کہ جنازے کے قریب رہا جائے۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے، مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ امر مستحب نہیں ہے۔ جنازہ میں اوسط درجہ کی تیز رفتاری مستحب ہے، یعنی عام رفتار سے کسی قدر تیز اور دوڑنے سے کم رفتار ہو۔ عورتوں کا جنازے کے ساتھ جانا مکروہ ہے، اگر اس سے خرابی کا اندیشہ ہو تو حرام ہے، شافعیہ اور حنابلہ اس سے متفق ہیں، حنفیہ اور مالکیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو[1] اور سنت یہ ہے کہ جنازے کے ساتھ چلنے والے چپ چاپ رہیں۔ اونچی آواز نکالنا خواہ ذکر الٰہی کے لئے ہو نیز قرآن شریف یا قصیدۂ بردہ یا دلائل الخیرات وغیرہ کا پڑھنا مکروہ ہے۔ اگر کوئی ذکر اذکار کرنا ہی چاہے تو آہستہ آہستہ کرے۔ اسی طرح جنازہ کے ساتھ خوشبو کی دھونی یا شمعوں کا روشن کرنا بھی مکروہ ہے، کیونکہ روایات میں آیا ہے کہ "لاتتبعو الجنازة بصوت ولانار" (یعنی جس جنازے میں صدا بلند ہو یا آگ جلائیں اس میں شامل نہ ہو)۔

اگر جنازے میں کوئی امر ممنوع، مثلاً موسیقی یا ماتم شامل ہو تو ساتھ چلنے والوں کو چاہیے کہ اس سے باز رکھنے کی کوشش کریں، لیکن اگر باز رکھنا ممکن نہ ہو تب بھی جنازہ سے مڑ کر نہ آجانا چاہیے۔ اس پر تین ائمہ کا اتفاق ہے، حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر امر ممنوع سے باز رکھنا ممکن نہ ہو تو ان کے ساتھ رہنا حرام ہے، کیونکہ اس طرح گویا گناہ کو روا اقرار دینا ہے۔ واضح ہو کہ افضل یہ ہے کہ جنازے کے ساتھ جانے والا قبر تک جائے اور میت کے دفن کئے جانے کا انتظار کرے، تاہم اگر مڑ کر واپس آجائے تو اس میں کراہت نہیں ہے، خواہ نماز سے پہلے ہی آجائے یا نماز کے بعد۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہی حکم ہے، مالکیہ اور حنفیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[2]

میں ماتم کرنے والیاں ہوں تو اس صورت میں جنازے کے آگے چلنا ہی افضل ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ساتھ چلنے والے میت کے شفیع ہوتے ہیں، لہٰذا انہیں جنازے سے آگے ہونا مستحب ہے، خواہ پیدل ہوں یا سواری پر۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ عورت سن رسیدہ ہو تو اسے جنازہ کے ساتھ جانا مطلقاً جائز ہے، لیکن انہیں جنازے کے پیچھے اور اگر لوگ سواری پر ہوں تو ان سے بھی پیچھے چلنا چاہیے۔ اگر جوان عورت کی شمولیت سے خرابی کا اندیشہ نہ ہو اور مرنے والا اس کو عزیز ہو، مثلاً میت باپ یا اولاد یا خاوند یا بھائی ہو تو اسے جنازے کے ساتھ نکلنا جائز ہے، لیکن اس طرح جیسا کہ اوپر بیان ہوا، لیکن اگر اس کے نکلنے میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو نکلنا قطعاً ناجائز ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جنازے کے ساتھ عورتوں کا جانا قطعاً مکروہ تحریمی ہے۔

۲۔ مالکیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز سے پہلے واپس آجانا مطلقاً مکروہ ہے، ہاں نماز کے بعد اگر اہل میت اجازت

Marfat.com

ساتھ جانے والے کے زمین پر جنازہ رکھے جانے سے پہلے بیٹھنے کے بارے میں مسالک کا اختلاف ہے،اس کے لئے ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (۱)

واضح ہو کہ اگر لوگ بیٹھے ہوئے ہوں تو جنازہ کے گزرتے وقت کھڑے ہو جانا مکروہ ہے۔اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے،شافعیہ کہتے ہیں کہ جنازہ کو دیکھ کر کھڑا ہو جانا بقول مختار مستحب ہے۔

میت پر رونے اور اس کے متعلقہ مسائل کا بیان

میت پر اونچی آواز سے رونا اور چیخنا چلانا مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک حرام ہے،شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ روا ہے،لیکن بغیر چیخے آنسو بہانا بلا اتفاق مباح ہے۔''ندب'' جائز نہیں ہے،یعنی میت کی خوبیوں کو بیان کر کے رونا،مثلاً کہنا کہ ہائے کیسا خوبصورت تھا یا ہائے کتنا سہارا تھا وغیرہ۔اسی میں وہ نوحہ کرنے والی بھی ہے جو میت کی باتوں کا ذکر کر کے ماتم کرتی ہے۔یہی حکم چہرہ سیاہ کر لینے،منہ پیٹنے اور گریبان پھاڑنے کا ہے،کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''**لیس منا من لطم الخدود وشق الجیوب و دعا بدعوی لجاھلیتہ**'' رواہ البخاری والمسلم (یعنی جو شخص اپنے کلوں پر طمانچے مارے اور گریبانوں کو پھاڑے وہ ہم میں سے نہیں ہے)۔

واضح ہو کہ میت کے پسماندگان کے رونے پیٹنے سے کہ فعل حرام ہے،میت پر عذاب نہ ہوگا۔ہاں اگر میت نے رونے کی وصیت کی ہے (تو عذاب ہوگا)۔اگر میت کو معلوم ہو کہ اس کے اعزہ اس کے مرنے کے بعد اس پر روئیں گے اور یہ خیال کرتا ہو کہ اگر اس سے باز رہنے کی وصیت کی جائے تو اس کو لوگ مان لیں گے اور وصیت پر عمل کریں گے تو واجب ہے کہ (رونے پیٹنے سے) باز رہنے کی وصیت کر جائے۔اگر ایسی وصیت نہیں کی تو ان کے رونے سے میت پر عذاب ہوگا۔

دے دیں تو واپس آنا مکروہ نہیں ہے۔مالکیہ اس پر اتنا اور کہتے ہیں کہ اگر مسافت لمبی ہو تو واپس آنا مکروہ ہے،خواہ بلا اجازت ہو۔

۱۔مالکیہ کہتے ہیں کہ بلا کراہت جائز ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جو شخص جنازہ سے فاصلہ پر ہو اسے جائز ہے،جو قریب ہو اسے ناجائز ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ جنازہ رکھے جانے سے پہلے نہ بیٹھا جائے۔

Marfat.com

میت کو دفن کرنے اور اس کے متعلقہ امور کا بیان

میت کو دفن کرنا بشرط ممکن فرض کفایہ ہے، اگر ممکن نہ ہو مثلاً کوئی شخص ساحل سے دور کشتی کے اندر وفات پا گیا اور کشتی کا ایسے مقام پر ٹھہرانا جہاں لاش میں بو پیدا ہونے سے پہلے دفن کیا جانا دشوار ہو تو چاہیے کہ میت کے ساتھ کوئی بھاری چیز باندھ کر پانی میں غرق کر دیا جائے۔

میت کو دفن کرنے کی صورت میں واجب ہے کہ دفن کے لئے ایک گڑھا (قبر) کھودا جائے۔ اس کی گہرائی کم سے کم اتنی ہو کہ میت کی بو باہر نہ آئے اور جانور کھود کر لاش نہ نکال سکے۔ اس سے زیادہ گہرائی کے بارے میں مسالک تفصیل طلب ہیں، اس کے لئے ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔[1]

قبر کی لمبائی چوڑائی کم سے کم اتنی ہونی چاہیے جس میں میت کی اور قبر میں اتارنے والے کی گنجائش ہو۔ میت کو زمین کھودے بغیر اس پر رکھ کر تعمیر کرنا جائز نہیں ہے، بجز اس صورت کے جب کہ زمین کھودنا ممکن نہ ہو۔ پھر اگر زمین سخت ہے تو اس میں لحد (بغلی) بنانا سنت ہے۔ لحد یہ ہے کہ قبر کے نچلے حصہ میں قبلہ کی جانب والے پہلو میں ایک گڑھا کھودا جائے جس میں میت کو رکھا جا سکے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ زمین سخت ہو تو اس میں بغلی بنانا مستحب ہے، سنت نہیں ہے۔ اگر زمین نرم ہو تو قبر میں اندر شق (شگاف) بنانا جائز ہے۔ شق یہ ہے کہ قبر کے نچلے فرش میں نہر کی طرح (مستطیل) ایک اور گڑھا بنایا جائے۔ اس کے دونوں جانب مٹی کی کچی یا پختہ اینٹیں چن دی جائیں۔ اس سے حنفیہ اور حنابلہ کو اتفاق ہے، مالکیہ اور شافعیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[2] قبر کے صندوق میں میت کو رکھنے کے بعد اوپر سے چھت بنا دینا چاہیے، یہ اس صورت میں ہے جب کہ بغلی بنانا دشوار ہو۔ قبر میں میت کا رخ قبلہ کی طرف کر دینا واجب ہے۔ اس کے واجب ہونے پر سب کو اتفاق ہے۔ البتہ مالکیہ اسے واجب نہیں، مستحب کہتے ہیں۔ میت کو قبر میں دائیں پہلو کے بل رکھنا سنت ہے۔ قبر میں رکھنے والا اس وقت کہے: "بسم اللّٰہ وعلٰی ملة

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ گہرا کھودنا بلا ضرورت مکروہ ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ قبر کی کم سے کم گہرائی اوسط درجہ کے قد والے انسان کے نصف قد آدم کے برابر ہو اور اس سے زیادہ گہرائی ہو تو افضل ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ قبر کی گہرائی اتنی ہو کہ اوسط درجہ کے قد کا آدمی آسمان کی جانب ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہو جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ گہری قبر کا ہونا سنت ہے۔ گہرائی کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔

۲۔ مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ نرم زمین میں شق والی (صندوق نما قبر مستحب ہے، یعنی لحد (بغلی) سے افضل ہے،

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"[1] اس پر تین اصحاب کا اتفاق ہے مالکیہ اس میں دو باتیں اور بڑھاتے ہیں: ایک یہ کہ میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اس کے دائیں ہاتھ کو اس کے اوپر رکھ دیا جائے اور (دوسری) یہ کہ قبر میں رکھتے وقت کہے: "اللّٰھم تقبله باحسن قبول" (یعنی اے اللہ اس کی بہترین پزیرائی فرما)۔ اگر امور متذکرہ میں سے کوئی بات رہ گئی، بایں طور کہ میت کو قبلہ رخ نہ رکھا یا (غلطی سے) سر پائنتیوں کی جانب ہو گیا یا (پہلو پر لٹانے کے بجائے) چت لٹا دیا یا بائیں کروٹ سے لٹایا اور (قبر بند کر کے) مٹی ڈالی جا چکی تو اب اس غلطی کی تلافی کے لئے قبر کو نہ کھولنا چاہیے۔ مٹی ڈالنے سے پہلے یہ کیا جا سکتا ہے اگر چہ لگی ہوئی اینٹوں کو پھر اکھاڑنا پڑے۔ یہ حکم حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک متفق علیہ ہے، لیکن شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر میت کا رخ قبلہ کی جانب نہیں کیا گیا تب تو اس کا منہ قبلہ کی جانب کرنے کے لئے قبر کو کھولنا واجب ہے۔ میت کے سر اور دونوں پیروں کے نیچے قبر کے اندر مٹی یا کسی اینٹ کا سہارا دینا مستحب ہے اور بغیر خاص ضرورت کے مثلاً یہ کہ زمین تر یا مٹی نرم ہو صندوق میں میت کو رکھ کر دفن کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح تکیہ یا بستر وغیرہ کا قبر میں رکھنا مکروہ ہے۔ حنفیہ اور شافعیہ اس سے متفق ہیں۔ مالکیہ اور حنابلہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[2]

پھر جب میت کو بغلی یا صندوقی قبر میں رکھ کر اینٹ وغیرہ سے بند کر دیا جائے تو حاضرین جنازہ میں سے ہر ایک کے لئے مستحب یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں سے لپ بھر کر مٹی تین بار قبر کے اوپر ڈالیں اور ابتداء سرہانے کی طرف سے کریں۔ پہلی لپ میں کہیں "منها خلقنا كم" (یعنی ہم نے تم کو اس مٹی سے پیدا کیا) دوسری لپ بھرنے میں کہیں "وفيها نعيد كم" (یعنی اسی میں تم کو لوٹائیں گے) اور تیسری لپ میں کہیں "و منها نخرجكم تارةً اخرىٰ" (یعنی دوسری بار پھر تم کو اسی سے اٹھائیں گے)۔ اس کے

محض مباح نہیں ہے، جیسا کہ دوسرے اصحاب کہتے ہیں۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ قبر میں رکھتے وقت یہ کہا جائے: "بسم اللّٰه الرحمن الرحيم وعلى ملة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، اللّٰهم افتح ابواب السماء لروحه و اكرم نزله ووسع مدخله" (یعنی رحمٰن و رحیم اللہ کے نام سے اور رسول اللہ ﷺ کی امت کے طریقہ پر (یہ کیا جا رہا ہے) یا اللہ اس کی روح کے لئے آسمان کے دروازے کھول دے اور اس کی اچھی پزیرائی فرما۔ اس کا ٹھکانا وسیع اور اس کی قبر میں فراخی کر دے)۔

۲۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ میت کا صندوق وغیرہ میں رکھنا مطلقاً مکروہ ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ میت کو تابوت یعنی صندوق وغیرہ میں رکھ کر دفن کرنا اچھا نہیں ہے۔

Marfat.com

بعد مٹی ڈال کر قبر ڈھک دی جائے۔ مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ مٹی دیتے وقت قرآن سے کچھ نہ پڑھنا چاہیے۔ مٹی کا قبر سے ایک بالشت اونچا رکھنا مستحب ہے۔ مٹی کی اونچائی اونٹ کے کہان کی طرح ابھری ہوئی ہونی چاہیے، تین امام اس سے متفق ہیں، شافعیہ کہتے ہیں کہ مٹی کو باقاعدہ مسطح رکھنا اونٹ کے کوہان کی طرح (ابھرا ہوا) رکھنے سے بہتر ہے۔ قبر پر چونے گچ سے سفیدی پھیرنا مکروہ ہے، البتہ مٹی سے لپائی کرنے میں مضائقہ نہیں، کیونکہ اس سے قبر کی سجاوٹ مقصود نہیں ہوتی۔ یہ حکم تین اصحاب کے نزدیک ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ قبر کو لیپنا پوتنا قطعاً مکروہ ہے خواہ چونے سے ہو یا گارے سے یا گچ سے۔ نیز قبر کے اوپر پتھر اور لکڑی وغیرہ کا رکھنا مکروہ ہے۔ ہاں اگر قبر کا نشان مٹ جانے کا اندیشہ ہو تو امتیاز کے لئے اس کا رکھنا جائز ہے، فخر ومباہات مقصود ہو تو حرام ہے۔ اس پر سب کو اتفاق ہے، لیکن شافعیہ کہتے ہیں کہ پہچان کی غرض سے پتھر وغیرہ کا سرہانے کی جانب رکھ دینا سنت ہے۔ رہا قبر کے اوپر "کتبہ" وغیرہ لگانا، اس کے بارے میں مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

قبروں پر عمارت بنانے کا بیان

قبر کے اوپر مکان، گنبد، مدرسہ یا مسجد بنانا یا اس کے چاروں طرف چار دیواری کھڑی کرنا جیسا کہ اہل حبش کا دستور ہے فعل مکروہ ہے درآنحالیکہ اس سے زینت یا تفاخر مقصود نہ ہو، اگر ایسا ہو تو یہ عمل حرام ہوگا۔ یہ حکم اس حال میں ہے جب کہ نہ زمین مسبلہ (فی سبیل اللہ چھوڑی ہوئی) اور نہ موقوفہ (وقف شدہ) ہو۔ مسبلہ وہ زمین ہے جہاں پر لوگ اپنے مردوں کو دفن کرتے ہوں اور وہ زمین شروع سے کسی کی ملکیت نہ رہی ہو اور موقوفہ وہ زمین ہے جس کو مالک نے الفاظ وقف کے ساتھ وقف کر دیا ہو، جیسا کہ مصر کا قبرستان جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (دفن اموات کے لئے) وقف کر دیا تھا۔ بہرحال زمین مسبلہ ہو یا موقوفہ ہو

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ قرآن کی آیت کا قبر پر لکھنا حرام ہے اور نام یا تاریخ وفات کا کتبہ مکروہ ہے۔
حنفیہ کہتے ہیں کہ قبر پر کتبہ لگانا مطلقاً مکروہ تحریمی ہے، ہاں اگر قبر کا نشان مٹ جانے کا اندیشہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔
شافعیہ کہتے ہیں کہ قبر پر کتبہ لگانا مکروہ ہے، خواہ اس میں قرآن کی آیت ہو یا کچھ اور بجز اس صورت کے جب کہ وہ قبر کسی عالم یا نیکوکار کی ہو تو اس پر نام کا کتبہ یا کچھ اور شے جس سے امتیاز ہو سکے، لگانا مستحب ہے۔
حنابلہ کہتے ہیں کہ قبروں پر تحریر لگانا مکروہ ہے، اس میں عالم اور غیر عالم میں فرق نہیں ہے۔ چاروں مسالک کی تصریحات یہ ہیں، اب کیسا اچھا ہو کہ لوگ اپنے دین کی طرف مائل ہوں اور قبروں پر سنہری حروف وغیرہ سے نقش ونگار کر کے فخر کرنا چھوڑ دیں۔ یہ مقام تو نصیحت وعبرت حاصل کرنے کا ہے، فخر ومباہات کا کیا موقعہ ہے۔

Marfat.com

اس میں مکان بنانا حرام ہے، کیونکہ اس سے لوگوں پر سختی اور دشواری ہوتی ہے۔اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے، البتہ حنابلہ کہتے ہیں کہ قبر پر تعمیر کرنا مکروہ مطلق ہے، خواہ وہ زمین مُسبلہ ہو یا نہ ہو۔اگر مُسبلہ ہو تو یہ کراہت اور بھی شدید ہو جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں نے اظہارِ فخر کے لئے قبروں پر تعمیر کرنے کی جو بدعت نکالی ہے کہ وہاں پر ایسے محل اور مکانات بنا دیتے ہیں جو بیشتر زندہ اشخاص کو میسر نہیں ہیں ان کا کیا حکم ہوگا؟ افسوس یہ ہے کہ اس برائی میں اہلِ علم اور بے علم سب ہی یکساں مبتلا ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

قبر کے اوپر بیٹھنے، سونے رفع، حاجت کرنے اور چلنے کا بیان

قبر کے اوپر بیٹھنا یا سونا مکروہ ہے اور پیشاب پاخانہ وغیرہ کرنا حرام ہے، جیسا کہ رفعِ حاجت کے بیان میں پہلے بتایا گیا۔ اس پر شافعیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے، حنفیہ اور مالکیہ کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں (۱) اور قبروں پر چلنا مکروہ ہے، البتہ ضروری ہو تو اور بات ہے، مثلاً اپنی میت کی قبر تک پہنچنا بغیر اس پر چلے ممکن نہ ہو سکے (تو روا ہے)۔ اس پر سب کا اتفاق ہے، مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

جہاں موت واقع ہوئی ہو وہاں سے کسی اور علاقہ میں میت کے لے جانے کا بیان

جہاں موت واقع ہوئی وہاں سے میت کو کسی اور علاقہ میں لے جا کر دفن کرنا یا دفن کے بعد پھر نکال کر لے جانے کے متعلقہ مسائل تفصیل طلب ہیں۔ اس کے لئے ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (۳)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ قبر کے اوپر بیٹھنا اور سونا مکروہ تنزیہی ہے اور پیشاب یا پاخانہ وغیرہ مکروہ تحریمی ہے۔
مالکیہ کہتے ہیں کہ قبر پر بیٹھنا اور سونا جائز ہے، پیشاب وغیرہ کرنا حرام ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر قبر اونچی کوہان نما ہو اور کوئی دوسرا رستہ موجود ہو تو اس کے اوپر سے چلنا مکروہ ہے، ورنہ جائز ہے، جیسا کہ اس حالت میں جائز ہے جبکہ میت کا کوئی حصہ نظر نہ آتا ہے۔ (ورنہ جائز نہیں) گو قبر اونچی ہو۔

۳۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ میت کو دفن کرنے سے پہلے یا اس کے بعد ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا تین شرطوں سے جائز ہے: اول یہ ہے کہ منتقل کرنے میں لاش پھٹنے نہ پائے۔ دوسری یہ کہ اس میں میت کی ہتک نہ ہوتی ہو، یعنی اس طرح منتقل کیا جائے جس سے میت کی بے حرمتی نہ ہو۔ تیسری یہ کہ اس کے منتقل کرنے میں کوئی مصلحت ہو، مثلاً یہ کہ قبر پر دریا کے چڑھ آنے کا اندیشہ ہو یا اسے ایسی جگہ لے جانا ہو جہاں اس کی قدر و منزلت زیادہ ہو یا وہ جگہ میت کے اعزہ سے قریب تر ہو

Marfat.com

قبر کھول کر میت کو نکالنے کا بیان

جب تک یہ گمان ہے کہ میت کی کوئی ہڈی گلنے سڑنے سے باقی ہے کسی قبر کو کھولنا حرام ہے۔ اس حکم سے چند باتیں مستثنیٰ ہیں، منجملہ ان کے یہ کہ میت کو ہتھیائی ہوئی زمین میں دفن کیا جائے اور مالک زمین اس کی قیمت لینے سے انکار کرے یا یہ کہ غصب کردہ زمین میں دفن کیا گیا ہو درآنحالیکہ اس کا مالک اس میت کے وہاں مدفون رہنے پر راضی نہ ہو یا یہ صورت ہو کہ میت کے ساتھ کچھ مال قصداً یا بے خبری میں دفن ہو گیا۔ قطع نظر اس کے کہ وہ مال خود میت کا ہو یا کسی دوسرے کا اور خواہ وہ مال بہت ہو یا تھوڑا، یعنی صرف ایک ہی درہم۔ (ایسی صورت میں قبر کھول کر وہ مال نکالنا جائز ہے) خواہ لاش خراب ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے، البتہ مالکیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

یا اہل میت کو زیارت کرانا ہو۔ اگر ان تین شرائط میں سے کوئی ایک بھی شرط نہ ہو تو میت کا منتقل کرنا حرام ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ مستحب یہی ہے کہ میت کو اسی علاقہ میں دفن کیا جائے جہاں موت واقع ہوئی ہے۔ دفن سے پہلے اس کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں لے جانے کے اندر مضائقہ نہیں ہے، بشرطیکہ لاش میں بو پیدا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ دفن کرنے کے بعد اس کو نکال کر لے جانا حرام ہے، بجز اس صورت کے جب کہ اسے کسی ایسی زمین میں دفن کیا گیا ہو جو ناجائز طور پر غصب کی ہوئی (ہتھیائی ہوئی) ہو یا دفن کے بعد کسی نے بذریعہ حق شفع لے لی ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ میت کو موت واقع ہونے کی جگہ سے کسی دوسری جگہ پر دفن کرنے کے لئے لے جانا حرام ہے، گو اس کے خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ ہاں اگر ان لوگوں کا دستور ہی یہ ہو کہ وہ میت کو دوسرے شہر میں لے جا کر دفن کرتے ہوں تو اور بات ہے۔ اس حکم سے وہ صورتیں مستثنیٰ ہیں جب کہ کوئی شخص مکہ، مدینہ، بیت المقدس کے قرب وجوار میں یا صلحائے امت کے مقبرے کے نزدیک کسی علاقہ میں موت واقع ہوئی تو وہاں پر لانا سنت ہے، بشرطیکہ اس میں بو آجانے کا اندیشہ نہ ہو، اگر ایسا اندیشہ ہو تو حرام ہے۔ یہ تمام مسائل اس وقت کے ہیں جبکہ میت کو غسل دے کر کفن پہنایا گیا ہو اور نماز جنازہ وہیں پر جہاں وفات ہوئی پڑھائی جا چکی ہو۔ اس سے پہلے میت کا منتقل کرنا مطلقاً حرام ہے۔ اسی طرح بغیر مجبوری کے دفن کے بعد منتقل کرنا حرام ہے۔ ضرورت کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص ہتھیائی ہوئی زمین میں دفن کیا گیا۔ اگر اس زمین کا مالک اس کا مطالبہ کرے تو اس کو منتقل کرنا جائز ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ میت کو دور دراز علاقہ میں لے جا کر دفن کرنے میں مضائقہ نہیں ہے، بشرطیکہ منتقل کرنے کی کوئی واقعی غرض ہو، مثلاً یہ کہ وہاں سے کسی متبرک جگہ پر لے جا کر دفن کرنا ہے یا کسی نیک شخص (کی قبر) کے قرب میں دفن کرنا ہو۔ لیکن یہ شرط ہے کہ اس میں بو پیدا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میت کو دفن سے پہلے لے جایا جائے یا دفن کے بعد۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر میت کے ساتھ بھولے سے کچھ مال دفن ہو گیا، مثلاً کوئی گھڑی یا انگوٹھی یا درہم و دینار قبر کے اندر رہ گئے اور قبر پر مٹی ڈالی جا چکی تو اس میں دو باتیں ہیں: یا تو وہ مال اسی میت کا تھا یا کسی اور کا۔ اگر کسی اور کا مال تھا تو مال

Marfat.com

ایک قبر میں کئی میتوں کو دفن کرنے کا بیان

ایک ہی قبر میں ایک سے زیادہ اموات کو دفن کرنے کے مسائل کی تفصیل بموجب مسالک مختلفہ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

اگر ایسی صورت درپیش آئے تو اموات میں سے جو افضل ہو اسے قبلہ کی جانب رکھیں اور اس کے بعد دوسرے درجہ کی میت کو رکھا جائے۔ بڑے کو چھوٹے پر اور مرد کو عورت پر تقدم حاصل ہے وغیرہ اور مستحب یہ ہے کہ ہر دو میت کے درمیان مٹی رکھ دی جائے۔ محض کفن کا فرق کافی نہیں ہے۔

اگر میت قبر میں بوسیدہ ہو کر مٹی بن جائے تو اب اس پر قبر بنانا اور کھیتی باڑی اور تعمیر وغیرہ کرنا جائز ہے۔ مالکیہ کے علاوہ سب کا اس پر اتفاق ہے، مالکیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

والا قبر کھول کر اسے نکال لے، بشرطیکہ ہنوز میت خراب نہ ہوئی ہو۔ بصورت دیگر صاحب مال کو مجبور کیا جائے گا کہ مال مثلی ہو، مثلاً درہم و دینار تو اتنا ہی وہ میت کے ترکہ میں سے وصول کر لے اور اگر وہ ایسی چیز ہے جس کی قیمت لگائی جاسکتی ہے، مثلاً کپڑا وغیرہ ہے تو اس کی قیمت لگا کر لے سکتا ہے۔

یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ مال میت کا نہ رہا ہو۔ اگر اسی کا مال تھا اور لاش کے خراب ہو جانے کا ڈر ہو تو ورثاء کو مجبوراً اسے چھوڑ دینا چاہیے، خواہ وہ مال کسی قیمت کا ہو۔ ہاں اگر ہنوز میت میں تغیر نہ آیا ہو اور مال قیمتی ہو تو ورثاء کو اختیار ہے کہ قبر کھول کر وہ مال نکال لیں۔ لیکن اس حال میں قبر کو کھولا جائے جب کہ دفن کئے ہوئے اتنا عرصہ نہ گزرا ہو کہ اس مال کے تلف ہو جانے کا گمان ہو، کیونکہ اب قبر کھولنے سے کیا فائدہ؟

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے۔ ہاں اگر ضروری ہو جائے تو ایک قبر میں ایک سے زیادہ میتوں کو دفن کرنا جائز ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ضرورت پڑنے پر، مثلاً جگہ کی تنگی ہو تو ایک قبر میں چند اموات کو دفن کرنا جائز ہے، اگرچہ ایسا مختلف اوقات میں کیا جائے۔ یعنی ایک قبر کو کھول کر اس میں دوسری میت کو دفن کیا جائے۔ اگر ضروری نہ ہو تو ایک قبر میں چند میتوں کو اس طرح اکٹھا کرنا حرام ہے اور ایک ہی وقت میں کیا جائے تو مکروہ ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ ضروری نہ ہو جائے، مثلاً بہت سی میتیں ہوں یا ان کے خراب ہو جانے کا ڈر ہو یا کوئی اور سبب جیسے زندوں کے لئے زحمت ہو تو ایسا کرنا حرام ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر میت بوسیدہ ہو گئی اور اس کا کچھ حصہ باقی نہ رہا ہو تو قبر کھول کر اس میں دفن کرنا اور اس پر چلنا جائز ہے، لیکن کھیتی کرنا اور مکان بنانا جائز نہیں ہے، کیونکہ جہاں پر دفن کیا جائے وہ جگہ وقف ہو جاتی ہے، لہٰذا اس کو دفن کے سوا کسی اور کام میں نہیں لایا جاسکتا خواہ وہ میت باقی ہو یا ناپید ہو گئی ہو۔

Marfat.com

تعزیت (تعزیت) کا بیان

جس کے گھر موت ہوگئی ہو اس سے تعزیت کرنا مستحب ہے۔ تعزیت کا وقت موت کے بعد تین دن تک ہے، اس کے بعد مکروہ ہے، بجز اس کے جب کہ تعزیت کرنے والا یا جس سے تعزیت کی جائے موجود نہ ہو۔ ایسی صورت میں تین دن کے بعد بھی تعزیت مکروہ نہیں ہے۔ اس کے لئے خاص الفاظ مقرر نہیں، بلکہ تقاضائے حال کے مطابق تعزیت کی جائے اس پر حنفیہ کے علاوہ سب کا اتفاق ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

اور بہتر یہ ہے کہ دفن کے بعد تعزیت کی جائے، ہاں اگر (اہل میت) شدید غم میں مبتلا ہوں تو دفن سے پہلے تعزیت کرنا بہتر ہے، البتہ مالکیہ کی اس بارے میں کچھ مزید تفصیلات ہیں، اس کے لئے ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (۲)

اور مستحب یہ ہے کہ میت کے تمام اقربا مرد، عورت، چھوٹے بڑے سب سے تعزیت کی جائے، البتہ جوان عورت سے محرموں کے سوا کوئی اور تعزیت نہ کرے تا کہ کوئی فتنہ نہ پیدا ہو۔ صغر سن بچہ جسے شعور نہ ہو اس سے بھی تعزیت نہ کی جائے۔ واضح ہو کہ اہل میت کا تعزیت (پرسا) لینے کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے، خواہ اپنے گھر میں بیٹھے یا کسی اور کے گھر میں۔ یہ حکم شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا خلاف اولیٰ ہے اور مالکیہ اس کو مباح بتاتے ہیں۔ لیکن پرسا لینے کے لئے سر راہ بیٹھنا اور فرش وغیرہ بچھانا، جیسا کہ عام طور پر دستور ہے، یہ بدعت اور ممنوع ہے۔ اگر ایک بار اہل میت کو پرسا دیا جا چکے تو دوسری بار دینا مکروہ ہے، اس پر تین ائمہ کا اتفاق ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ دوسری بار تعزیت کرنا مکروہ نہیں ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اہل میت سے ان الفاظ میں تعزیت کرنا مستحب ہے: "غفر اللّٰہ تعالیٰ لمیتک و تجاوز عنہ و تغمدہ برحمتہ، ورزقک الصبر علی مصیبتہ و آجرک علی موتہ" (یعنی اللہ تعالیٰ مرنے والے کی مغفرت کرے اور اس کی خطاؤں سے درگزر فرمائے اور اسے اپنے دامن رحمت میں ڈھک لے اور اس حادثہ پر اللہ آپ کو صبر دے اور اس کی موت کو موجب اجر بنادے!) اس بارے میں سب سے اچھے الفاظ وہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائے یعنی "ان للّٰہ ما اخذ ولہ ما اعطی و کل شئ عندہ باجل مسمی (یعنی اللہ کو اختیار ہے جسے چاہے لے لے اور جو چاہے عطا فرمائے۔ ایک مقررہ وقت کے بعد ہر شے کو اس کے پاس جانا ہے)۔ اس کے بعد مذکورہ الفاظ کا اضافہ بہتر ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ بہر حال تعزیت میت کے دفن کے بعد ہو، اگرچہ لوگ غم سے بہت بے قرار ہوں۔

Marfat.com

ماتم کدوں پر جانوروں کے ذبح کرنے اور کھانے وغیرہ کھلانے کا بیان

منجملہ ان مکروہاتِ بدعت کے جو آج کل جنازہ نکلتے وقت یا قبر پر کی جاتی ہیں جانوروں کا ذبح کرنا اور ماتمیوں میں کھانا تقسیم کرنا ہے، جیسا کہ خوشی کی محفلوں اور تقریبات میں کیا جاتا ہے۔ اگر میت کے ورثاء میں ایسے افراد ہوں جو ہنوز بالغ نہیں ہوئے تو اس طرح کھانا تقسیم کرنا اور لوگوں کو پیش کرنا حرام ہے۔
امام احمدؒ اور ابن ماجہؒ نے جریر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں: "**کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت و صنعھم الطعام من النیاحۃ**" (یعنی ہم لوگ اہلِ میت کے ہاں جمع ہونے اور کھانے کی تیاری وغیرہ کو نوحہ گری شمار کرتے تھے) البتہ پڑوسیوں اور احباب کو اہل میت کے لئے کھانے کا انتظام کرنا اور ان کے ہاں بھیجنا مستحب ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ "**اصنعوا لآل جعفر طعاماً فقد جاء ھم ما یشغلھم ویلح علیھم فی الاکل لان الحزن قد یمنعھم منہ**" (یعنی جعفر کے کنبہ والوں کے لئے کھانا تیار کرو، کیونکہ ان پر ایسی آن پڑی ہے کہ رنج وغم میں اسے بھولے ہوئے ہیں) اور چاہیے کہ اہل میت کو سیر ہو کر کھانا کھلایا جائے، کیونکہ غم کھانا کھانے نہیں دیتا۔

خاتمہ: قبروں کی زیارت کے بیان میں

قبروں کی زیارت عبرت حاصل کرنے اور آخرت کی یاد دلانے کی غرض سے مستحب ہے، خاص طور پر جمعہ کے روز اور اس سے ایک دن پہلے اور ایک دن بعد۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایسا ہی ہے، حنابلہ اور شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کے مسالک ذیل حاشیہ میں ملاحظہ ہوں [1] اور قبر کی زیارت کرنے والے کو چاہیے کہ دعا اور زاری اور حصول عبرت میں اور میت کے لئے تلاوت قرآن میں لگا رہے۔ بقول صحیح اس سے میت کو اجر ملتا ہے، حدیثوں میں آیا ہے کہ قبر کی زیارت کے وقت یوں کہے: "**اللّٰھم رب الارواح الباقیہ والاجسام البالیہ والشعور المتمزقۃ والجلود المتقطعۃ والعظام النخرۃ التی خرجت من الدنیا وھی بک مؤمنۃ انزل علیھا روحاً منک و سلاماً منی**"۔

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ زیارت قبور کے لئے خاص دن کی تعیین نہیں ہے۔
شافعیہ کہتے ہیں کہ جمعرات کو عصر کے وقت سے لیکر ہفتہ کے روز طلوع شمس تک اس کی تاکید ہے۔ مالکیہ نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔

Marfat.com

(یعنی اے اللہ تو رب ہے زندہ رہنے والی روحوں اور فنا ہونے والے اجسام کا اور منتشر بالوں اور پھٹی ہوئی کھالوں کا اور بوسیدہ ہڈیوں کا جو اس دنیا سے گئیں اور تیرے سپرد ہیں۔ان پر اپنی روح نازل فرما اور میرا اسلام پہنچا) اور اس طرح کہنا بھی حدیث میں آیا ہے کہ:''السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا إن شاء الله بكم لاحقون'' (یعنی اے ایمانداروں کی بستی والو تم پر سلام ہو۔انشاء اللہ ہم بھی تم میں پہنچنے والے ہیں)۔قبرستان قریب ہو یا بعید اس سے فرق نہیں پڑتا۔حنابلہ کو اس سے اختلاف ہے،ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو(۱)۔دراصل موتی خاص کر بزرگوں کے مقبروں کی زیارت کے لئے سفر اختیار کرنا مستحب ہے اور نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کرنا تو سب سے بڑا (موجب) قرب ہے اور جس طرح مردوں کے لئے قبر کی زیارت مستحب ہے اسی طرح عمر رسیدہ عورتوں کے لئے بھی مستحب ہے جن کے باہر جانے سے کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو کہ قبروں کی زیارت کے لئے عورتوں کے نکلنے میں خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ اس زمانے میں ہو رہا ہے۔لہٰذا قبروں کی زیارت کے لئے عورتوں کا جانا حرام ہے۔اس پر حنفیہ اور مالکیہ کا اتفاق ہے،حنابلہ اور شافعیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۲)

بہرحال چاہیے کہ قبر کی زیارت احکام شریعت کے مطابق ہو،لہٰذا نہ تو قبر کا طواف کرنا چاہیے اور نہ سنگ آستانہ یا چوکھٹ یا لکڑی کو چومنا چاہیے اور نہ زیارت گاہ میں دعائے مذکورہ کے علاوہ کوئی اور مراد مانگنی چاہیے۔

۱۔حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر مزار دور ہو جہاں سفر کے بغیر نہ پہنچا جا سکے تو اس کی زیارت مباح ہے،مستحب نہیں ہے۔

۲۔حنابلہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ عورتوں کا قبروں کی زیارت کے لئے جانا مطلقاً مکروہ ہے،خواہ وہ عمر رسیدہ ہوں یا جوان ہوں،بشرطیکہ یہ معلوم ہو کہ ان کے نکلنے سے کوئی فتنہ پیدا ہو یا کوئی امر ناجائز وقوع میں آئے۔اس طرف سے اطمینان نہ ہو تو زیارتِ قبور حرام ہے۔

Marfat.com

کتاب الصیام

(یعنی روزہ کا بیان)

صیام کی تعریف

لفظ صیام کے لغوی معنی کسی امر سے ''باز رہنا''، چنانچہ اگر کوئی شخص بولنے یا کھانے سے باز رہے اور بولنا یا کھانا چھوڑ دے تو اسے لغت میں صائم کہتے ہیں۔ اس کی مثال قرآن حکیم میں ''انی نذرت الرحمٰن صوماً'' (یعنی میں نے اللہ سے صوم کی منت مانی ہے) یعنی خاموش رہوں گا اور کلام نہ کروں گا۔

اس لفظ کے معنی ہیں اصطلاح شرع میں دن بھر کے لئے روزہ توڑنے والی چیزوں سے ''باز رہنا''۔ دن کی میعاد صبح صادق کے ظاہر ہونے سے آفتاب کے غروب ہوجانے تک ہے۔

روزہ رکھنے کی شرطیں آگے بیان ہوں گی۔

روزہ کی یہ تعریف حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک متفق علیہ ہے، لیکن مالکیہ اور شافعیہ نے اس میں ''نیت کے ساتھ'' کی قید بڑھادی ہے۔ بات یہ ہے کہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک نیت روزے کے ارکان میں نہیں ہے، لہٰذا یہ اس کی تعریف کا جزو نہیں ہوسکتی کیونکہ شرط (رکن نہیں ہوتی، بلکہ) ایک لازمی امر ہوتا ہے۔ پس اگر روزے کی نیت اس طرح، جیسا کہ آگے بتایا جائے گا، نہیں کی گئی تو روزہ بالاتفاق باطل ہوگا، اس تقریر سے معلوم ہوا کہ نیت کا رکن یا شرط ہونا ایک فقہی فلسفہ ہے، اس کا جاننا اہلِ علم کے لئے ضروری ہے۔ رہے دوسرے اشخاص سوان کے لئے لازم ہے کہ وہ اتنا جان لیں کہ روزے کے لئے نیت کرنا ایک امر لازم ہے کہ اس کے بغیر روزہ صحیح نہیں ہوتا۔

روزے کی اقسام

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ اس امر میں متفق ہیں کہ روزے کی چار قسمیں ہیں: ایک فرض روزہ، یہ تو رمضان کے مہینے کا روزہ ہے، خواہ ادا ہو یا قضا۔ اس طرح کفارہ اور نذر کے روزے بھی فرض ہیں۔ دوسری قسم مسنون روزہ، تیسری حرام روزہ، چوتھی مکروہ روزہ۔ اب ان تمام اقسام کے روزوں کی تفصیل جو تینوں اماموں کے نزدیک (معتبر ہے) آئندہ بیان کی جارہی ہے۔

Marfat.com

حنفیہ کے نزدیک روزے کی بہت سی قسمیں ہیں، تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (1)

ا۔ حنفیہ کی آراء نذر روزوں کے بارے میں باہم مختلف ہیں۔ نذر کے روزے معین بھی ہوتے ہیں، مثلاً جمعرات کا روزہ اور غیر معین بھی، مثلاً ایک دن یا مہینہ بھر کے روزے کی منت جس میں (دن یا مہینے کی) تعیین نہ کی گئی ہو۔ حنفیہ میں سے کچھ تو یہ کہتے ہیں کہ نذری روزوں کی قضا واجب ہے، فرض نہیں ہے اور یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ان کے نزدیک واجب سے مراد سنت مؤکدہ ہے، چنانچہ اس کا تارک عذاب دوزخ کا مستوجب نہیں ہے، گو نبی مختار ﷺ کی شفاعت سے محروم رہے گا۔ جو لوگ ایسا کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ نذر کا پورا کرنا اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ثابت ہے: ''ولیوفوا نذورهم'' (یعنی چاہیے کہ لوگ اپنی نذر پوری کیا کریں) یہ آیت دلالت مفہوم میں قطعی نہیں ہے، کیونکہ اگر کوئی شخص گناہ کی منت مانے تو اس کا پورا کرنا لازم نہیں ہے۔ پس جب کہ اس آیت کے مفہوم سے امور معصیت کی نذر خارج ہے تو اس کو قطعی الدلالہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسی بنا پر حنفیہ نے نماز نذر کی قضا اور فرض کی قضا کے درمیان امتیاز کیا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اگر مثلاً کسی نے منت مانی کہ وہ اللہ واسطے دو رکعتیں نماز پڑھے گا تو اس کا عصر کی نماز کے بعد پڑھنا درست نہیں ہے۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ مثلاً کسی کی نماز رہ گئی ہے تو عصر کے بعد اسے پڑھنے کی اجازت ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نذر کا پورا کرنا واجب ہے، فرض نہیں ہے، کیونکہ ادا کرنے کے باب میں واجب کا حکم فرض سے مختلف ہے۔

حنفیہ میں سے بعض کہتے ہیں کہ نذر کا پورا کرنا فرض ہے، لہٰذا اگر کسی نے معینہ منت مانی کہ کسی خاص دن یا چند روز روزہ رکھے گا یا یہ منت مانی کہ ایک دن روزہ رکھے گا اور دن متعین نہیں کیا تو اس نذر کا پورا کرنا فرض ہے، لیکن یہ حکم آیت ''ولیوفوا نذورهم'' سے ثابت نہیں ہے، بلکہ اجماع سے ثابت ہوا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اسی رائے کو ترجیح حاصل ہے اور ان کے علاوہ دوسرے ائمہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

پہلی رائے کے مطابق حنفیہ کے نزدیک روزے کی آٹھ قسمیں ہیں:

ایک وہ روزہ جو معین فرض ہے، جیسے ماہ رمضان کا روزہ جو ایام معینہ میں رکھا جائے۔

دوسری قسم وہ روزہ جس کی ادائیگی فرض ہے لیکن اس کے لئے وقت متعین نہیں، جیسے قضائے روزۂ رمضان، جو غیر معینہ وقت میں رکھا جائے، یعنی اگر ماہ رمضان کے تمام یا کچھ روزے رہ گئے تو ان کی قضا کے لئے خاص دن مقرر نہیں ہیں۔ اسی طرح کفارہ کے روزے ہیں کہ وہ بھی غیر معین فرض ہے۔

تیسری قسم وہ روزے جو معینہ اوقات میں واجب ہیں جیسے روزوں کی نذر جو تعیین وقت کے ساتھ کی جائے۔

چوتھی قسم صوم واجب غیر معین (یعنی وہ روزہ جس کا کسی معینہ وقت میں رکھنا واجب نہیں ہے) جیسے نذر (منت) مطلق کا روزہ۔

پانچویں قسم نفلی روزہ۔

چھٹی قسم مسنون روزہ۔

ساتویں قسم مستحب روزہ۔

آٹھویں قسم وہ روزہ جو مکروہ تنزیہی یا مکروہ تحریمی ہو۔ اس طرح حنفیہ کے نزدیک روزے کی یہ آٹھ قسمیں ہوتی

Marfat.com

پہلی قسم: وہ روزے جو فرض ہیں

ماہ رمضان کا روزہ

یہ تو بتایا جا چکا ہے کہ ماہ رمضان کا روزہ فرض ہے۔ اس کی ادا اور قضا دونوں فرض ہیں۔ اسی طرح کفارے کے روزے اور منت مانے ہوئے روزے بھی فرض ہیں۔ یہ معلوم ہے کہ یہاں تک تمام ائمہ کا اتفاق ہے، گو بعض حنفیہ کا نذری روزے کے بارے میں اختلاف ہے، جو کہتے ہیں کہ وہ واجب ہیں فرض نہیں ہیں۔

اب اسی ترتیب سے فرض روزوں کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

ماہ رمضان کا روزہ اور اس کا ثبوت

ماہ رمضان کا روزہ ہر مکلّف انسان پر جس میں روزہ رکھنے کی طاقت ہو فرض عین ہے۔ یہ روزہ ہجرت سے ڈیڑھ سال بعد ماہ شعبان کی دس تاریخ کو فرض ہوا۔ اس کا فرض ہونا کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام ......

ہیں۔

دوسری رائے کے بموجب روزے کی سات قسمیں ہیں:

اول فرض معین، جس کا وقت مقرر ہے، جیسے رمضان کا روزہ یا نذر معین کا روزہ۔

دوم فرض غیر معین، یعنی وہ روزہ جس کا وقت مقرر نہیں جیسے روزۂ رمضان کی قضا یا نذر غیر معین کا روزہ۔

سوم روزۂ واجب، یعنی نفلی روزہ، جو رکھ لیا گیا (رکھ لینے کے بعد) واجب ہو جاتا ہے۔ یعنی کسی نے منت مانی کہ جمعرات کو روزہ رکھے گا اور روزہ رکھ لیا تو اب یہ واجب ہو گیا کہ اسے پورا کیا جائے (یعنی رکھنے سے پہلے واجب نہ تھا۔ اب) اگر اسے توڑا تو گناہ صغیرہ کا مرتکب قرار دیا جائے گا، جیسا کہ سابقاً بیان ہوا۔ اگر روزہ توڑ لیا ہو تو اس کی قضا واجب ہے۔ اسی طرح اعتکاف کی حالت کا روزہ جس کی منت نہ مانی ہو وہ بھی اسی طرح واجب ہے۔

چہارم حرام روزہ۔

پنجم، مسنون روزہ۔

ششم نفلی روزہ۔

ہفتم مکروہ روزہ۔

Marfat.com

شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن"۔

اس آیت میں "شھر رمضان" خبر ہے، اس کا مبتدا محذوف ہے اور عبارت اس طرح ہوگی "ھو شھر رمضان" یعنی جو روزے تم پر فرض ہیں وہ رمضان کے روزے ہیں۔ (تا آخر) نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ" (یعنی جس پر رمضان کا مہینہ آئے اسے روزہ رکھنا ضروری ہے)۔

اب حدیث کو لیجئے، منجملہ ان احادیث کے (جن سے روزے کی فرضیت ثابت ہے) آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

"بنی الاسلام علی خمس: شھادة ان لا الٰه الا اللّٰه و ان محمداً رسول اللّٰه و اقام الصلوٰة و ایتاء الزکاة والحج و صوم رمضان" بخاری و مسلم بروایت ابن عمرؓ (یعنی اسلام کی بنیاد پانچ امور پر ہے: اس امر کا اعتراف کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہیں، نماز کا قائم کرنا۔ زکوٰۃ کا ادا کرنا، حج کرنا اور ماہ رمضان کے روزے رکھنا۔ رہا اجماع سو تمام امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس پر متفق ہے کہ (ماہ رمضان کا) روزہ فرض ہے۔ مسلمانوں میں سے کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا، لہٰذا یہ دین کی مسلمہ بات ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔ ایسا ہی کافر جیسے نماز، زکوٰۃ اور حج کا منکر کافر ہے۔

روزے کے ارکان

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک روزہ کا صرف ایک ہی رکن ہے اور وہ ہے روزہ توڑنے والے امور سے، جن کا ذکر آگے آئے گا، باز رہنا، باقی مالکیہ اور شافعیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

ان تمام اقسام صوم کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

۱۔ مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ ان میں سے بعض کا کہنا ہے کہ روزے کے دو رکن ہیں: ایک تو وہی (نواقضِ صوم سے) باز رہنا، دوسرے نیت، لہٰذا جب تک یہ دونوں باتیں نہ ہوں روزہ کا مفہوم پورا نہیں ہوسکتا۔ بعض مالکیہ اس سے ہٹ کر یہ کہتے ہیں کہ نیت "شرط" ہے "رکن" نہیں ہے، لہٰذا روزے کا مفہوم محض (نواقضِ صوم سے) باز رہنے سے ادا ہو جاتا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ روزے کے تین رکن ہیں: روزہ توڑنے والی چیزوں سے باز رہنا، نیت کرنا اور روزہ دار ہونا، چنانچہ ان کے نزدیک جب تک یہ تینوں امور نہ ہوں روزے کا مفہوم محض "باز رہنے" سے ادا نہیں ہوتا۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ حنابلہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ نیت اور روزہ دار ہونا، روزے کی دو شرطیں ہیں جو روزہ کے مفہوم سے خارج لیکن اس کے لئے لازم ہیں۔

Marfat.com

روزے کی شرطیں

روزے کی شرائط تین طرح کی ہیں:

واجب ہونے کی شرائط۔

صحیح ہونے کی شرائط۔اور

ادا ہونے کی شرائط۔

مختلف مسالک میں اس کی جو تفصیل ہے وہ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

ا۔شافعیہ کہتے ہیں کہ شرائطِ روزہ کی دو قسمیں ہیں: واجب ہونے کی شرط اور صحیح ہونے کی شرط، پھر واجب ہونے کی چار شرطیں ہیں:

اول شرط بالغ ہونا، چنانچہ بچے پر روزہ واجب نہیں ہے، لیکن (بچہ) سات سال کی عمر میں اگر روزہ رکھ سکے تو اسے روزہ رکھنے کا حکم دیا جائے اور دس کا ہو جائے تو اسے (روزہ نہ رکھنے پر) سزا دی جائے۔حنفیہ کو اس بارے میں شافعیہ سے اتفاق ہے۔لیکن مالکیہ کہتے ہیں کہ بچے کے ولی (سرپرست) پر یہ واجب نہیں ہے کہ روزہ رکھنے کا اس کو حکم دے اور نہ یہ امر مستحب ہے، اگرچہ وہ لڑکا قریبُ البلوغ ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اس بات کو بچے کی طاقت اور قابلیت پر چھوڑ دیا جائے۔اگر لڑکا بالغ ہونے کو ہے اور روزہ رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اس کے ولی پر واجب ہے کہ اسے روزہ رکھنے کا حکم دے اور اگر وہ تعمیل نہ کرے تو زدوکوب سے کام لے۔

دوسری شرط مسلمان ہونا ہے، لہٰذا کافر سے اس کا مطالبہ واجب نہیں ہے۔یہ دوسری بات ہے کہ آخرت میں (ترک صوم کا) اس پر عذاب ہوگا۔لیکن مرتد سے روزہ کا مطالبہ واجب ہے، لہٰذا اگر وہ پھر اسلام کی طرف لوٹ کر آئے تو اس سے روزہ رکھنے کا مطالبہ واجب ہوگا۔

تیسری شرط ''عقل'' ہے لہٰذا فاتر العقل (مجنون) پر روزہ واجب نہیں ہے، سوائے اس صورت کے جبکہ اس کی عقل کا فتور عارضی ہو۔اس صورت میں افاقہ کے بعد اس کی قضا لازم ہے۔یہی حکم مخمور کا ہے بشرطیکہ اس کا نشہ کسی نشہ آور شے سے لاحق ہوا ہو، اس صورت میں اس کی قضا لازم ہے۔اور اگر نشہ بے ارادہ ہوا ہو، مثلاً کسی برتن سے یہ سمجھ کر کہ وہ پانی ہے پی لیا حالانکہ وہ شراب تھی جس سے نشہ ہو گیا تو اس صورت میں دورانِ نشہ کی نماز جو قضا ہو گئی اس کے ادا کرنے کا مطالبہ نہ ہوگا لیکن اگر بے ہوشی طاری ہو گئی (اور اس حال میں نماز رہ گئی) تو اس کی قضا لازمی ہے، خواہ یہ بے ہوشی بے ہوش کرنے والی شے سے طاری ہوئی ہو یا اس سے نہ ہوئی ہو۔

چوتھی شرط حسی یا شرعی نقطۂ نظر سے (روزہ پر) قادر ہونا ہے، لہٰذا جس میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو اس پر واجب نہیں ہے، خواہ یہ کیفیت کبرسنی کے باعث ہو یا کسی مرض کے باعث جس کے اچھا ہونے کی امید نہ ہو، کیونکہ ایسا شخص محسوس طور پر عاجز ہے۔اسی طرح اس پر واجب نہیں ہے جو حیض وغیرہ کی حالت میں ہو، کیونکہ وہ شرعاً روزہ رکھنے سے معذور ہے۔

Marfat.com

روزے کے صحیح ہونے کی بھی چار شرطیں ہیں:

اول روزہ دار کا مسلمان ہونا، چنانچہ کافر یا مرتد کا روزہ صحیح نہیں ہے۔

دوسری شرط: صاحب تمیز ہونا، یعنی جس کو (صحیح یا غلط کی) تمیز نہ ہو اس کا روزہ درست نہیں ہے، چنانچہ فاتر العقل (مجنون) کا روزہ درست نہیں، اگرچہ جنون کی کیفیت دن کے وقت ایک لحظہ ہی کے لئے لاحق ہو۔ اسی طرح اگر نشے کی حالت ہے اور بے ہوشی طاری ہے اور تمام دن صلاحیت تمیز سے عاری رہا تو اس کا روزہ صحیح نہ ہوگا۔ ہاں اگر دن کے صرف کچھ حصے میں تمیز کرنے سے عاری رہا تو روزہ ہو جائے گا اور تمیز کا پایا جانا حکماً کافی ہے (گو فی الواقع تمیز سے عاری رہا ہو)، مثلاً کسی نے فجر سے پہلے روزے کی نیت کی اور سو گیا اور سورج غروب ہونے تک سویا پڑا رہا تو روزہ صحیح ہوگا، کیونکہ (گو سونے والا تمیز سے عاری ہوتا ہے، لیکن) حکماً (شرعاً) وہ تمیز رکھنے والا ہی متصور ہوگا۔

تیسری شرط: حیض و نفاس سے خالی ہونا اور اوقات روزہ میں ولادت بچہ کا نہ ہونا، اگرچہ جننے والی کو خون نہ آیا ہو۔

چوتھی شرط: یہ کہ وہ دن ایسا ہو جس میں روزہ رکھا جا سکے، چنانچہ عید کے دو دن اور ایام تشریق میں روزہ رکھنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان اوقات میں روزہ نہیں رکھا جا سکتا۔ یہی حکم یوم الشک (یعنی وہ دن جس کی بابت رمضان کی پہلی تاریخ ہونے کا شبہ ہو) کے روزہ کا بھی ہے۔ البتہ اگر کوئی ایسا موجب ہو جو روزے کا متقاضی ہو تو (یوم الشک کو روزہ رکھا جا سکتا ہے) مثلاً یہ کہ کسی روزے کی قضا ہے جو اب تک نہیں رکھا گیا یا مثلاً یہ منت مانی ہو کہ آئندہ دوشنبہ کو روزہ رکھنا ہے اور دوشنبہ کے دن یوم الشک واقع ہوا تو روزہ رکھ لینا چاہیے۔ اسی طرح اگر ہر جمعرات کو روزہ رکھتا ہو اور یوم الشک جمعرات کو واقع ہوا تب بھی روزہ رکھا جا سکتا ہے، لیکن اس خیال سے کہ ممکن ہے وہ رمضان کی پہلی تاریخ ہو اور اسی شبے کی بنا پر روزہ رکھ لیا تو روزہ صحیح نہ ہوگا۔ اس کی تفصیل روزۂ یوم الشک کے بیان میں آئے گی۔ ماہ شعبان کے نصف آخر یا اس کے کچھ حصے میں بھی روزہ رکھنا درست نہیں ہے اور حرام ہے۔ البتہ اگر کوئی سبب ایسا ہے جیسے وہ اسباب جن کا ذکر یوم الشک کے روزے کے مسائل میں بیان ہوا یا یہ کہ شعبان کے نصف اول کے کچھ دن ملا لئے جائیں، خواہ ایک ہی دن ہو، تو روزہ صحیح ہوگا۔

شافعیہ کے نزدیک بھی یہی شرائط ہیں، لیکن انہوں نے نیت کو شرط نہیں بلکہ رکن قرار دیا ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ ان کے نزدیک صحتِ روزہ کے لئے ہر روز نیت کرنا واجب ہے اور یہ نیت رات کو کرنا لازم ہے، یعنی فجر سے پہلے نیت کر لی جائے، خواہ مغرب کے وقت ہی سے (یہ نیت) کر لی جائے۔ اگر اس دوران کوئی امر منافی روزہ پیش آ جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ روزے کا وقت دن ہے، رات نہیں ہے۔

اگر فرض روزہ رکھنا ہے، مثلاً ماہ رمضان یا کفارہ یا نذر کا روزہ تو لازم ہے کہ روزے کی نیت رات کو کر لی جائے اور روزے کا تعین کیا جائے، بایں طور کہ دل میں یہ کہے کہ میں ماہ رمضان کا روزہ یا منت کا روزہ یا کوئی اور روزہ رکھنے کی نیت کرتا ہوں۔ سنت یہ ہے کہ دل کے ساتھ زبان سے بھی کہہ لیا جائے، کیونکہ زبان دل کی معاون ہوتی ہے۔ چنانچہ مثلاً یوں کہنا چاہیے کہ "میں اسی ماہ رمضان کا فرض ادا کرنے کے لئے کل کے روزے کی نیت کرتا ہوں واسطے اللہ تعالیٰ کے"۔ اگر روزہ نفلی ہو تو بقول راجح اس کے لئے محض نیت کافی ہے بشرطیکہ دن میں زوال سے پہلے کر لی جائے اور نیت سے پہلے کوئی امر منافی روزہ پیش نہ آیا ہو۔ یاد رہے کہ محض سحری کھا لینا کسی قسم کے روزے کی نیت کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر سحری کے وقت ہی روزہ یاد آیا اور اس کا ارادہ کیا اور اسی نیت سے سحری کھائی ہے (تو وہ سحری نیت میں شمار ہوگی) یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ فجر طلوع ہونے کے وقت کچھ کھانے پینے سے بایں خیال کہ روزہ نہ ٹوٹ جائے احتراز کیا ہو تو یہ

Marfat.com

عمل بھی نیت کا قائم مقام ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ روزے کی شرطیں تین قسم کی ہیں:

روزہ واجب ہونے کی شرطیں۔

روزے کے واجب الادا ہونے کی شرطیں۔

روزے کے صحیح طور پر ادا ہونے کی شرطیں۔

روزہ واجب ہونے کی تین شرطیں ہیں (یعنی جب تک یہ تین امور نہ پائے جائیں روزہ واجب نہیں ہوتا):

اول ''اسلام'' یعنی کافر پر روزہ واجب نہیں ہے، کیونکہ وہ شریعت کے فروعی احکام کا مخاطب نہیں ہوتا، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ اسی طرح اس کا روزہ بھی (اگر وہ رکھ لے) تو صحیح نہ ہوگا، کیونکہ روزہ درست ہونے کے لئے نیت شرط ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ نیت ہی درست نہیں ہوتی جب تک کہ نیت کرنے والا مسلمان نہ ہو۔ پس روزے کے واجب ہونے اور صحیح ہونے کے لے مسلمان ہونا شرط ہے۔

دوم: ''عقل'' یعنی فاتر العقل (مجنون) پر بحالتِ جنون روزہ واجب نہیں ہے۔ اب اگر کسی شخص پر آدھے رمضان کے مہینے میں جنون طاری رہا، پھر نجات پائی تو باقی ایام کا روزہ اور گزرے دنوں کی قضا واجب ہے۔ لیکن اگر ماہِ رمضان کے ختم ہونے کے بعد جنون سے نجات ہوئی تو قضا واجب نہیں ہے۔ یہی حکم اس کے لئے ہے جس پر بے ہوشی طاری ہو یا جو سویا پڑا ہو، یعنی جس کو نیند کا مرض ماہ رمضان کے آنے سے پہلے لاحق ہوا اور وہ مہینے بھر تک سویا رہے۔

سوم: ''بلوغ'' یعنی صغیر السن پر روزہ واجب نہیں ہے، اگرچہ اس میں تمیز آ گئی ہو، تاہم جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے روزہ رکھنے کا حکم دینا چاہیے اور دس سال کا ہو جائے اور اس میں طاقت روزہ رکھنے کی ہو (اور روزہ نہ رکھے) تو اس کی سرزنش ضروری ہے۔

ادائے روزہ کے واجب ہونے کی دو شرطیں ہیں:

اول ''صحت'' کہ مریض پر روزہ رکھنا واجب نہیں ہے، تاہم مرض سے شفا پانے کے بعد اس کو حکم ہے کہ قضا رکھے۔

دوم ''مقیم ہونا'' لہٰذا مسافر پر روزہ رکھنا واجب نہیں ہے، اگرچہ اس کی قضا واجب ہے۔

روزے کا فرض ادا ہونے کے لئے بھی دو شرطیں ہیں:

منجملہ ان کے ایک حیض و نفاس سے پاک ہونا ہے، چنانچہ حیض اور نفاس والی عورتوں کو روزہ رکھنا درست نہیں ہے، اگرچہ روزہ ان پر واجب ہے۔

دوسری شرط نیت ہے، یعنی بغیر نیت کے روزہ ادا نہ ہوگا، کیونکہ عبادت اور عادت میں امتیاز لازمی ہے۔ (اور امتیاز نیت ہی سے ہو سکتا ہے) اور نیت (صحیح ہونے کے لئے) صرف یہ کافی ہے کہ دل میں یہ ارادہ ہو کہ وہ فلاں روزہ رکھ رہا ہے۔ سنت یہ ہے کہ زبان سے بھی کہہ دے۔

نیت کا وقت ہر روز آفتاب غروب ہونے کے بعد سے لے کر اگلے روز کے نصف النہار سے پہلے تک ہے۔ شریعت کی رو سے نہار کا وقت مشرقی افق سے طلوع آفتاب کی روشنی پھیلنے سے آفتاب کے غروب ہونے تک ہے۔ اس عرصے کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے اور نصف اول کے اندر اندر نیت روزہ کر لینی چاہئے۔ بایں طور کہ نہار کا (دوسرا) حصہ جو آفتاب کے غروب ہونے تک ہے، پہلے حصے سے زیادہ ہو، یعنی اگر رات کو غروب آفتاب کے بعد نیت نہیں کی یہاں تک کہ بغیر

Marfat.com

نیت کئے صحیح ہوگئی، لیکن کچھ کھایا پیا نہیں تو لازم ہے کہ نصف النہار سے پہلے پہلے نیت کر لی جائے، جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔

ماہ رمضان میں ہر روز نیت روزہ کرنی چاہیے۔ سحری کا کھانا بھی نیت ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کھاتے وقت روزہ رکھنے کا ارادہ نہ ہو (تو سحری کا کھانا نیت میں شمار نہ ہوگا)۔ اگر اول شب میں روزے کی نیت کی اور طلوع فجر سے پہلے نیت توڑ دی تو یہ توڑ دینا ہر قسم کے روزے میں صحیح ہوگا۔

نذر معین کے روزے اور نفلی روزے کے لیے مطلق نیت کر لینا اور نفلی روزے کی نیت سر شام سے نصف النہار تک کے عرصے میں کر لینا جائز ہے۔ تاہم زیادہ بہتر یہی ہے کہ رات کو نیت کی جائے اور روزہ متعین کر دیا جائے۔

اگر اگلے روز روزہ رکھنے کی نیت کی، خواہ نذر کے روزے کی ہو یا نفلی روزے کی نیت ہو اور مہینہ رمضان کا ہے تو وہ روزہ رمضان ہی کا ہوگا۔ البتہ اگر حالتِ سفر میں (ماہ رمضان کے اندر) کسی اور واجب روزے کی نیت کی تو وہی واجب روزہ ادا ہوگا، کیونکہ حالتِ سفر میں مسافر کو روزہ (رمضان) کے ترک کرنے کی اجازت ہے۔

واضح ہو کہ قضا، کفارہ اور نذرِ غیر معین کے روزے کی نیت رات ہی سے کرنا ضروری ہے اور اس کی تعیین لازمی ہے۔

جن دنوں میں روزہ ممنوع ہے، مثلاً عیدین اور ایام تشریق میں اگر روزہ رکھا جائے تو روزہ ہو جاتا ہے، لیکن یہ فعل حرام ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص ان ایام میں روزہ رکھنے کی منت مانے تو یہ منت صحیح ہوگی (لیکن روزہ نہ رکھے) اس کی قضا دوسرے ایام میں رکھنا لازم ہے۔ اگر انہیں ایام میں روزہ رکھ لیا تو منت پوری ہوگی، لیکن گناہ ہوا۔

مالکیہ روزے کی شرائط (بدیں نمط) قرار دیتے ہیں:

صرف واجب ہونے کی شرطیں۔

صرف صحیح ہونے کی شرطیں۔

واجب ہونے اور صحیح ہونے کی مجموعی شرطیں۔

واجب ہونے کی دو شرطیں ہیں:

بالغ ہونا اور روزے کی طاقت کا ہونا۔

لہٰذا بچے پر روزہ واجب نہیں ہے، اگرچہ وہ قریب البلوغ ہو اور اس کے ولی پر روزے کے لئے اس کو کہنا نہ واجب ہے اور نہ مستحب ہے۔ معذور کے لئے بھی یہی حکم ہے۔

روزے کے صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں:

''اسلام'' لہٰذا کافر کا روزہ صحیح نہیں ہے، اگرچہ واجب اس پر بھی ہے اور کفر کے عذاب کے سوا ترک روزہ کے عذاب کا بھی مستوجب ہے۔

''وہ وقت جو روزہ رکھنے کے قابل ہو'' لہٰذا عید کے دن کا روزہ صحیح نہ ہوگا اور بقول راجح 'نیت' جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

باقی رہیں وجوب وصحت روزہ کی یکجائی شرطیں وہ تین ہیں:

پہلی شرط ''عقل'' ہے، چنانچہ فاتر العقل پر اور بے ہوشی کی حالت میں نہ روزہ واجب ہے اور نہ ہی ایسی حالت میں

Marfat.com

روزہ رکھنا صحیح ہوگا۔ ایسے روزوں کی قضا واجب ہونے کے متعلقہ مسائل تفصیل طلب ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر پورے ایک دن طلوع فجر سے لے کر غروب شمس تک بے ہوشی طاری رہی یا دن کے بیشتر حصے میں وہ بے ہوش رہا، خواہ نیت کے وقت اسے افاقہ رہا ہو یا نہ رہا ہو، دونوں صورتوں میں یا نصف یوم یا اس سے کم عرصے تک بے ہوشی طاری رہی اور دونوں حالتوں میں سے کسی میں نیت کے وقت بے ہوشی سے افاقہ نہیں رہا تو ان تمام صورتوں میں افاقہ پانے کے بعد قضا لازم ہے، لیکن اگر نصف یوم یا اس سے کم عرصے تک بے ہوشی طاری رہی اور بہر دو صورت نیت کے وقت اسے افاقہ تھا تو اس پر قضا واجب نہیں ہے، بشرطیکہ اس نے بے ہوش ہونے سے پہلے نیت کر لی ہو۔ ان مسائل میں حالت جنون کا بھی وہی حکم ہے جو حالت بے ہوشی کا ہے اور بموجب تفصیل سابقہ اگر کسی کو جنون یا غشی لاحق ہوئی تو اس پر قضا واجب ہے، اگر چہ یہ کیفیت طویل عرصے تک جاری رہے اور قضا کرنے کے بارے میں نشے میں رہنے والے کا بھی وہی حکم ہے جو بے ہوشی میں رہنے والے کا ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ نشہ کسی حلال شے سے طاری ہوا ہو یا حرام شے سے۔

اور خواب کے دوران جو روزے رہ جائیں ان کی قضا سونے والے پر واجب نہیں ہے، بشرطیکہ اس نے آغاز ماہ (رمضان) ہی سے روزے کی نیت کر رکھی ہو۔

دوسری شرط حیض ونفاس کے خون سے پاک ہونا ہے، چنانچہ حیض ونفاس والی عورت پر نہ روزہ واجب ہے اور نہ روزہ رکھنا درست ہے۔ دونوں قسم کی عورتوں میں سے کوئی اگر فجر سے لحظہ بھر پہلے بھی پاک ہو گئی تو اسے (اسی وقت) رات ہی سے روزے کی نیت کر لینا واجب ہے۔ حیض ونفاس والیوں پر جوں ہی یہ روزے سے باز رکھنے والی حالت دور ہو جائے، ماہ رمضان کے روزوں کی جو رہ گئے ہیں، قضا واجب ہو جاتی ہے۔

تیسری شرط ماہ رمضان کا آنا ہے، چنانچہ ماہ رمضان کا روزہ ماہ رمضان کے متحقق ہونے سے پہلے نہ واجب ہوتا ہے نہ صحیح ہوتا ہے۔

نیت کرنا بقول راجح روزے کے صحیح ہونے کی شرط ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ نیت سے مراد روزہ رکھنے کا ارادہ کرنا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی نیت (شامل کرنا) مستحب ہے (فرض نہیں ہے)۔ کوئی روزہ، خواہ فرض ہو یا نفل ہو نیت کے بغیر صحیح نہ ہوگا اور یہ امر واجب ہے کہ نیت کرتے وقت جس روزے کی نیت کی گئی ہے اس کا تعین کر دیا جائے، یعنی وہ نفلی روزہ ہے یا قضا کا ہے یا نذر کا ہے۔ پس اگر محض روزے کی نیت کی اور یہ شک رہ گیا کہ نفلی روزے کی نیت کی تھی یا نذر کی یا قضا کی تو وہ نفلی ہی روزہ ہوگا اور اگر یہ شک رہا کہ نذر کے روزے کی نیت کی یا قضا کی تو (نذر یا قضا دونوں میں سے) کوئی مقصد پورا نہ ہوگا اور وہ روزہ نفلی ہوگا۔ اور (نذر یا قضا کا) پورا کرنا واجب رہے گا۔

(روزے کی) نیت کا وقت سورج ڈوبنے سے فجر کے طلوع ہونے تک ہے۔ لہٰذا اگر رات کے آخری حصے میں ایسے وقت نیت کی کہ اس کے بعد ہی صبح ہو گئی تو نیت درست رہی۔ تاہم بہتر یہی ہے کہ نیت رات کے پہلے حصے میں کر لی جائے، کیونکہ یہی زیادہ محتاط طریقہ ہے۔ واضح ہو کہ نیت کے بعد بھی کچھ کھانے پینے، مباشرت کرنے یا سو جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بخلاف بے ہوشی اور جنون کے کہ اگر نیت کے بعد اس میں سے کوئی کیفیت طاری ہوئی تو وہ نیت باطل ہو جائے گی اور پھر سے نیت کرنا ہوگی، بشرطیکہ افاقہ کے بعد نیت کا وقت باقی رہ گیا ہو اور کسی بھی روزے کے لئے دن میں نیت کرنا

Marfat.com

صحیح نہیں ہے، خواہ وہ روزہ نفلی ہی ہو۔

اگر مسلسل روزہ رکھنا واجب ہو تو سب کے لئے ایک ہی نیت کافی ہے، جیسے ماہ رمضان کے روزے یا کفارۂ صوم یا قتل یا ظہار کے روزے یعنی جب تک کہ یہ سلسلہ نہ ٹوٹے گا وہی نیت جاری رہے گی۔ اگر کسی مرض یا سفر در پیش آجانے کے باعث وہ سلسلہ ٹوٹ گیا تو بقول معتمد اب ہر روز رات کو نیت کرنا ضروری ہوگا، اگرچہ آئندہ مسلسل روزہ رکھا گیا ہو۔ البتہ اگر وہ سفر ختم ہوجائے یا مرض جاتا رہے تو باقی روزوں کے لئے ایک ہی بار نیت کافی ہوگی۔

اگر ایسے روزے ہوں جن کا متواتر رکھنا واجب نہیں ہے، جیسے ماہ رمضان کی قضا یا کفارۂ قسم کے روزے تو ایسے روزوں کے لئے ہر روز رات سے نیت کرنا ضروری ہے۔ ان کے لئے پہلے ہی روز نیت کر لینا کافی نہیں ہے۔

نیت (عملی نہیں، بلکہ) حکمی ہو تب بھی کافی ہے۔ چنانچہ مثلاً اگر کسی نے سحری کھائی اور دل میں روزے کا تصور نہ تھا، لیکن اگر کوئی پوچھ لیتا کہ سحری کیوں کھائی؟ تو وہ یہی کہتا کہ روزہ رکھنے کے ارادے سے کھائی ہے تو یہ (سحری کا کھانا) اس کی نیت کے لئے کافی ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ روزے کی شرطیں تین طرح کی ہیں:

صرف واجب ہونے کی شرطیں۔

صرف صحیح ہونے کی شرطیں، اور

واجب ہونے اور صحیح ہونے کی مجموعی شرطیں۔

صرف واجب ہونے کی تین شرطیں ہیں:

''اسلام''

''بلوغ'' اور

''روزے پر قادر ہونا''۔

بچے پر روزہ واجب نہیں ہے، اگرچہ وہ قریب البلوغ ہو، تاہم اس کے سرپرست پر واجب ہے کہ اگر اس میں (روزہ رکھنے کی) طاقت ہے تو اسے روزہ رکھنے کا حکم دے اور اگر وہ روزہ نہ رکھے تو اس کی سرزنش کی جائے، جو شخص ضعیف العمری کے باعث روزے سے معذور ہو یا کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جس کے اچھا ہونے کی امید نہیں ہے، اس پر روزہ واجب نہیں ہے۔ البتہ اگر مرض سے نجات پانے کی امید ہو تو نجات پانے کے بعد روزہ اس پر واجب ہو جائے گا اور رمضان کے جو روزے رہ گئے ہیں ان کی قضا بھی واجب ہوگی۔ روزے کے صرف صحیح ہونے کی شرطیں تین ہیں:

پہلی شرط نیت ہے۔ فرض روزوں کی صورت میں نیت کا وقت سورج ڈوبنے کے بعد اول شب سے لے کر طلوع فجر تک ہے۔ اگر نفلی روزہ ہے تو اس کی نیت دن میں بھی کی جاسکتی ہے یہاں تک کہ زوال کے بعد بھی بشرطیکہ طلوع فجر کے آغاز سے اس وقت تک کوئی امر منافی روزہ، کھانا پینا، وغیرہ نہ کیا ہو۔

نیت میں جس روزے کا ارادہ ہے اس کا تعین واجب ہے، مثلاً یہ رمضان کا روزہ ہے یا کوئی اور روزہ ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس روزے کے فرض ہونے کی نیت کی جائے۔ البتہ ہر روز نیت کرنا واجب ہے۔ خواہ رمضان کا روزہ ہو یا کوئی

Marfat.com

ماہ رمضان کے تحقق کا بیان

ماہ رمضان کا تحقق دو طرح سے ہوتا ہے:

اول ماہ رمضان کے چاند کا نظر آنا، جبکہ مطلع صاف ہو اور بادل، دھند یا غبار چاند دیکھنے سے مانع نہ ہو۔

دوم یہ کہ ماہ شعبان کے تیس دن پورے ہو جائیں، یہ اس صورت میں جبکہ مطلع متذکرہ بالا رکاوٹوں سے خالی نہ ہو، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''صوموا لرؤيته و افطروا لرؤيته، فان غم عليكم فاكملوا عدة شعبان ثلاثين''۔ بخاری بروایت ابو ہریرہؓ

(یعنی چاند دیکھ کر ہی روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر ہی روزہ توڑو۔ اگر مطلع ابر آلود ہو تو ماہ شعبان کے تیس دن پورے کرو)۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر مطلع صاف ہو تو روزے کا انحصار محض چاند کے نظر آنے پر ہوگا، لہٰذا جب تک چاند نظر نہ آئے روزہ رکھنا جائز نہ ہوگا۔ البتہ اگر آسمان ابر آلود ہے تو (ماہِ صیام کے تحقق کی خاطر) ماہ شعبان کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ یعنی اس کے تیس دن پورے کرنے ہوں گے۔ بایں طور کہ اگر حساب کی رو سے دن کم ہوں تو اس کمی کو دور کریں اور اگر دن پورے ہو گئے ہیں تو روزہ واجب ہو گیا ہے۔ (ماہ رمضان کے تحقق کے لئے) یہ قاعدہ بھی اسی مالک شرع کا بنایا ہوا ہے جس نے روزہ کا حکم دیا ہے۔ اس کو

اور روزہ ہو۔

دوسری شرط (صحت صوم کے لئے) حیض کے خون کا بند ہو جانا ہے۔

تیسری شرط نفاس کے خون کا بند ہونا ہے، لہٰذا حیض اور نفاس کی حالت میں روزہ صحیح نہیں ہے، اگر چہ قضا واجب ہے۔

واجب اور صحیح ہونے کی مجموعی شرطیں بھی تین ہیں:

پہلی شرط ''اسلام'' ہے، یعنی کافر پر یا مرتد پر روزہ واجب نہیں ہے، نہ اس کا روزہ صحیح ہوگا۔

دوسری شرط ''عاقل ہونا'' ہے۔ چنانچہ فاتر العقل (مجنون) پر نہ روزہ واجب ہے نہ اس کا روزہ درست ہوگا۔

تیسری شرط ''صاحب تمیز'' ہونا ہے۔ پس جو بچہ تمیز نہ رکھتا ہو، یعنی سات سال کا نہ ہو اس کا روزہ صحیح نہ ہوگا۔

اگر ماہ رمضان میں کسی روز جنون لاحق ہو گیا یا پہلے ہی سے جنون طاری تھا اور ماہ رمضان کے اندر کسی دن افاقہ ہو گیا تو اس روز کی قضا واجب ہے۔ ہاں اگر پورا دن یا اس سے زیادہ عرصہ تک حالت جنون طاری رہی تو اس کی قضا واجب نہیں ہے، بخلاف اس کے جسے بے ہوشی لاحق ہو، اس پر روزے کی قضا واجب ہے، خواہ بے ہوشی کتنے ہی عرصہ تک رہی ہو۔ نشہ میں ڈوبے ہوئے اور سوئے ہوئے کا حکم وہی ہے جو بے ہوش کا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کوئی نشہ کا عادی ہو یا نہ ہو۔

Marfat.com

پورا اختیار ہے کہ (ماہ رمضان کے تحقق کی) نشانیاں جو کچھ چاہے مقرر فرمادے۔ شارع علیہ السلام ہی نے یہ بتایا ہے کہ اگر آسمان صاف ہے اور چاند کا نظر آنا ممکن ہے تو اسے دیکھنے کی کوشش کی جائے۔ اگر چاند نظر آجائے تو روزہ رکھا جائے ورنہ نہ رکھا جائے۔ البتہ اگر مطلع صاف نہ ہو تو ماہ شعبان (کے دنوں کا) حساب لگا کر اس کے تیس دن پورے کرنے چاہیں۔ تین اماموں کا اسی (اصول) پر عمل ہے۔ حنابلہ نے مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں ایک اور روایت کی بنا پر اس سے اختلاف کیا ہے۔ دوسری کے الفاظ اس طرح مروی ہیں: "صوموا الرؤیته و افطروا الرویته فان غم علیکم فاقدروا له" (یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ بند کرو اگر مطلع ناصاف ہو تو اس کے لئے اندازہ لگالیا کرو)۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ لفظ "فاقدروا له" کے معنی ہیں کہ ایسی صورت میں احتیاط سے کام لو۔ اندریں باب حنابلہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو اس حدیث کے راوی ہیں، کے طرز عمل سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ یہ امر ثابت ہے کہ شعبان کی انتیس تاریخ کو ہلال رمضان دیکھنے کے لئے لوگوں کو بھیجتے تھے۔ اگر چاند نظر آجاتا تب تو خیر روزہ ہو ہی جاتا تھا، اگر نہ نظر آتا اور مطلع ابر آلود یا غبار آلود نہ ہوتا تو صبح کو افطار فرماتے۔ اور اگر (مطلع ناصاف) ہوتا تو صبح کو روزہ رکھ لیتے۔ ایسی صورت میں حنابلہ اس دن کو "یـــوم الشک" نہیں کہتے، بلکہ ان کے نزدیک یوم الشک اس روز ہے جبکہ مطلع صاف ہو اور لوگ چاند دیکھنے کے وقت گھر بیٹھے رہیں۔ چنانچہ حنابلہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ (۱)

اب رہا ہلال کے ثابت ہونے کا طریقہ سو اس کے باب میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔ ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (۲)

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ شعبان کی انتیس تاریخ کو غروب آفتاب کے بعد مطلع ابر آلود ہونے کے باعث ہلال رمضان دکھائی نہ دے تو ضروری نہیں ہے کہ شعبان کے تیس دن پورے کئے جائیں، بلکہ واجب ہے کہ رات کو روزہ کی نیت کر کے اگلے روز روزہ رکھ لیا جائے، خواہ وہ دن شعبان کا ہو یا رمضان کا۔ نیت رمضان کے روزے کی کرنی چاہیے۔ اگر اس عرصہ میں یہ ثابت ہو جائے کہ وہ دن شعبان کا ہے تو اس روزہ کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر آسمان ایسی چیزوں سے خالی ہو جو رویت ہلال سے مانع ہوں تو ضروری ہے کہ ایک مجمع کثیر نے اس کو دیکھا ہو جن کے بتانے سے ماہ رمضان کے چاند کا نظر آنا ثابت ہوگا۔ مجمع کثیر کا مطلب امام یا اس کے نائب کی رائے پر منحصر ہے۔ بقول راجح اس کی کوئی تعداد مقرر نہیں ہے۔ ایسی صورت میں رویت ہلال کی شہادت کے لئے یہ شرط ہے کہ دیکھنے والے بیان دینے کے وقت یہ لفظ کہیں کہ "ہم شہادت دیتے ہیں"۔

Marfat.com

اگر آسمان متذکرہ اشیاء سے جو چاند دیکھنے سے مانع ہوتی ہیں خالی نہ ہو اور کوئی شخص کہتا ہے کہ اس نے چاند دیکھ لیا اور یہ شخص مسلمان ''راست باز'' عاقل اور بالغ ہے تو اس کی شہادت کافی ہوگی اور اس کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ یہ الفاظ بھی کہے کہ میں شہادت دیتا ہوں۔ نیز حاکم اور عدالت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ یاد رہے کہ اگر مطلع ابر آلود ہو تو (ثبوت رؤیت ہلال کے لئے) ضروری نہیں ہے کہ چاند کو ایک مجمع دیکھے، کیونکہ ایسی حالت میں چاند کا نظر آنا مشکل ہی ہوتا ہے۔

اس شہادت کے لئے مرد، عورت، آزاد اور غلام کے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اگر کسی فرد واحد نے جس کی گواہی معتبر مانی جاتی ہے چاند دیکھا اور اس کے دیکھنے کی شہادت کسی اور شخص نے دی تو اس کو بھی تسلیم کیا جائے گا۔ لیکن اس صورت میں (اس دوسرے شخص کو) قاضی (حاکم) کے سامنے پیش ہو کر پہلے شخص کے بیان کے متعلق شہادت دینا ہوگی۔ قاضی کو چاہیے کہ اسکی گواہی لے۔ اگر اس بارے میں گواہی دینے والا مستور الحال ہے (یعنی ایسا شخص جس کے کردار کا حال معلوم نہیں ہے) تو اسے ''عدل'' (یعنی راست باز) ہی تصور کیا جائے۔

اگر ایسا شخص جو مقبول الشہادۃ ہے ماہ رمضان کا چاند دیکھے اور وہ شہر میں ہے تو اس پر واجب ہے کہ اسی شب کو قاضی کے پاس آ کر اس کی شہادت دے، اگر قریہ میں ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس مقام کی مسجد میں جا کر تمام لوگوں کو اس سے مطلع کرے، اگرچہ چاند دیکھنے والی کوئی پردہ نشین عورت ہی کیوں نہ ہو۔

اب جس نے ہلال رمضان دیکھ لیا اور جس نے اس کی بات کو مان لیا ان دونوں پر روزہ واجب ہو گیا، اگرچہ قاضی نے ان کی شہادت کو نہ مانا ہو، تاہم اگر قاضی نے شہادت رد کر دی ہے اور اس شخص نے روزہ نہ رکھا تو اس روزے کی صرف قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ماہ رمضان کا ثبوت ایک ہی معتبر شخص کے دیکھنے سے ہو جاتا ہے، اگرچہ وہ مستور الحال ہو۔ اس میں آسمان صاف ہو یا دھندلا کہ چاند کا دیکھنا دشوار ہو (بہر حال ماہ رمضان کا ثبوت ہو جائے گا)۔ لیکن گواہ کا مسلمان، عاقل، بالغ، آزاد اور قابل اعتبار ہونا شرط ہے، اور گواہی کے وقت اس کا لفظ ''اشھـد'' (یعنی میں شہادت دیتا ہوں) کے ساتھ گواہی دینا ضروری ہے، بایں طور کہ قاضی کے روبرو وہ یوں کہے کہ ''میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے ہلال رمضان دیکھ لیا ہے'' اور یہ امر ضروری نہیں کہ وہ یہ بھی کہے کہ کل ''رمضان'' ہے۔

واضح ہو کہ (اس شہادت کے بعد) اگلے دن کا روزہ عوام الناس پر واجب نہیں ہے جب تک کہ قاضی گواہی کو سن کر اس کے ٹھیک ہونے کا فیصلہ نہ کر دے۔ اس کے لئے بھی یہ کہنا ضروری نہیں ہے کہ ''میرے نزدیک ماہ رمضان ثابت ہو گیا ہے۔''

جس شخص نے چاند اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہو، اس پر رمضان کا روزہ واجب ہے، اگرچہ وہ قاضی کے سامنے پیش نہ ہوا ہو یا اس کی شہادت تسلیم نہ کی گئی ہو۔ اسی طرح اس شخص پر بھی روزہ واجب ہے جس نے اس کا بیان سنا اور اس کی توثیق کی اور اسے سچ جانا۔ اس میں چاند دیکھنے والا بچہ ہو یا عورت ہو یا غلام ہو یا فاسق یا کافر ہو (یعنی بہر حال چاند دیکھنے والے کی بات کو جو سچ مان گیا اس پر روزہ واجب ہے)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ رمضان کا مہینہ چاند دیکھنے سے ثابت ہو جاتا ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں:

Marfat.com

اول یہ کہ اس کو دو راست باز انسانوں نے دیکھا اور راست باز (یا عدل) سے مراد آزاد، بالغ، عاقل، کبیرہ گناہوں اور لڑکیوں پر دست درازی اور خلاف انسانیت کاموں سے بچنے والا شخص ہے۔

دوسری صورت یہ کہ چاند کو ایک مجمع کثیر نے دیکھا ہو جن کے بتانے سے اس کا دیکھا جانا معلوم ہو اور ان سب کے یک زبان ہو کر جھوٹ بولنے کا امکان نہ ہو۔ اس صورت میں یہ ضروری نہیں ہے، کہ وہ سب مرد ہوں اور آزاد اور معتبر ہوں۔

تیسری صورت یہ کہ کسی ایک شخص نے چاند دیکھا ہو، لیکن ایک شخص کا چاند دیکھنا، صرف اس کے اپنے حق میں اور کسی دوسرے شخص کے حق میں، جسے اس نے بتایا ہو اور اس دوسرے شخص نے خود چاند دیکھنے کی کوشش نہ کی ہو، متحقق ہوگا۔ لیکن اگر اس نے خود چاند دیکھنے کی کوشش کی ہو، (اور نہیں دیکھ سکا) تو محض دیکھنے والے کے کہنے سے اس کے حق میں رؤیت ہلال متحقق نہ ہوگا، اگر چہ اس شخص پر جس نے خود چاند دیکھا روزہ واجب ہوگا۔

واضح ہو کہ وہ شخص جو (چاند دیکھ کر) شہادت دیتا ہے، اس کے لئے مرد ہونے یا آزاد ہونے کی شرط نہیں ہے۔ پس درآنحالیکہ کوئی شخص جھوٹا مشہور نہیں ہے محض ایسے شخص کے بتانے پر اس کے لئے روزہ واجب ہو جاتا ہے جس نے ہلال دیکھنے کی کوشش ہی نہ کی ہو، بتانے والی عورت ہو یا غلام (اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا)۔ لیکن سننے والے پر اسی حالت میں واجب ہوگا جب کہ سننے والا اس اطلاع کی تائید کرے اور اطمینان ہو (کہ بتانے والے نے صحیح بتایا ہے)۔

اگر دو معتبر آدمیوں نے ہلال رمضان دیکھا یا ایک جماعت نے رؤیت ہلال کی اطلاع دی تو اب ہر سننے والے پر روزہ واجب ہو گیا۔ اسی طرح اس شخص پر بھی روزہ واجب ہے جسے رؤیت ہلال کی اطلاع ان دونوں ذرائع میں سے کسی ذریعہ سے پہنچی ہو (یعنی دو معتبر اشخاص نے یا ایک جماعت نے خبر دی ہو)۔

واضح ہو کہ اگر دو معتبر آدمیوں نے چاند دیکھنے کی اطلاع دی تو لازم ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک سے سن سن کر جو لوگ دوسرے کو بتائیں وہ بھی دو معتبر اشخاص ہوں۔ لیکن دونوں سے نقل کرنے والوں کا متعدد اشخاص ہونا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ اگر دو معتبر آدمیوں نے کسی ایک معتبر سے سن کر روایت ہلال کی اطلاع دی، پھر ان ہی دو آدمیوں نے دوسرے معتبر شخص سے سن کر اطلاع دی تو ہر اس شخص یا جماعت پر جس جس کو یہ اطلاع پہنچی، روزہ واجب ہو گیا۔ لیکن محض ایک آدمی کا چاند دیکھنے والے کی بات کا نقل کرنا کافی نہیں ہے۔ البتہ اس صورت میں جب کہ ایک جماعت نے چاند دیکھ کر بتایا ہو اور اس خبر کو اور اس کی اطلاع ایک ہی معتبر شخص دے تو کافی ہے۔ اسی طرح ایک شخص کا کہنا اس حالت میں بھی کافی ہے جب کہ حاکم کے سامنے ماہ رمضان کے ثابت ہو جانے کی اطلاع پہنچے یا اس کے ثابت ہو جانے کے حکم کی اطلاع ملے۔

اگر کسی معتبر یا مستور الحال شخص نے تنہا ہلال رمضان دیکھا ہو تو اس پر واجب ہے کہ اس کی اطلاع حاکم کو دے دے تاکہ شہادت کا دروازہ کھول دیا جائے۔ بہت ممکن ہے کہ کوئی اور معتبر آدمی آ کر رؤیت ہلال کی شہادت دے یا کوئی جماعت بیان کرے خواہ وہ معتبر لوگ نہ ہوں (اس صورت میں بھی چاند کا ثبوت ہو جائے گا)۔ شہادت معتبر شخص کی ہو یا کسی اور شخص کی یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ لفظ "اشھد" کہے (یعنی یہ الفاظ کہ میں شہادت دیتا ہوں)۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ماہ رمضان کی رؤیت ہلال ثابت ہونے کے لئے مکلف شخص کی شہادت ضروری ہے جو بظاہر اور

Marfat.com

مختلف علاقوں میں سے کسی ایک علاقہ میں

رؤیت ہلال کے ثابت ہونے کا بیان

اگر چاند کا دیکھا جانا مختلف علاقوں میں سے کسی ایک علاقہ میں ثابت ہو جائے تو تمام علاقوں پر روزہ واجب ہو جائے گا، خواہ وہ علاقہ پاس کا ہو یا دور کا، بشرطیکہ روزہ واجب کرنے والے ذرائع سے رویت ہلال کا ثبوت بہم پہنچ جائے۔ اس بارے میں مطلعوں کے مختلف ہونے کا کوئی لحاظ نہ ہوگا۔ تین اماموں کا بھی یہی خیال ہے۔ البتہ شافعیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اس بارے میں ائمہ کے مسلکوں کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

رؤیت ہلال کے بارے میں منجم کے قول

پر اعتبار نہ کرنے کا بیان

(رویت ہلال کے بارے میں) منجم (ستارہ شناس) کی بات قابل اعتبار نہیں ہے، لہٰذا ان کے حساب کی بناء پر لوگوں کو روزہ رکھنا واجب نہیں ہے، اور نہ اس پر روزہ واجب ہوتا ہے جو ان کے قول کی تائید کرے، کیونکہ شارع علیہ السلام نے روزہ کو مقررہ علامتوں کے ساتھ وابستہ کیا ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی اور وہ علامتیں ہلال (رمضان) کا نظر آنا یا ماہ شعبان کے تیس دن کا پورا ہو جانا ہے۔

منجموں کا قول، خواہ کتنے ہی دقیق نظریات کی بناء پر ہو، تاہم اس میں قطعیت نہیں پائی جاتی، کیونکہ اکثر اوقات ان کی رائیں باہم مختلف ہوتی ہیں۔ اس بارے میں ائمہ کی یہی رائے ہے، البتہ شافعیہ

بباطن قابل اعتبار ہو، لہٰذا کسی بچے کے کہنے سے گو باشعور ہو، رؤیت ہلال ثابت نہ ہوگی اور نہ کسی مستور الحال کے کہنے سے (رؤیت ہلال ثابت ہوسکتی ہے)۔ جہاں تک معتبر ہونے کا تعلق ہے مرد اور عورت یا آزاد اور غلام میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ چاند دیکھنے کی شہادت لفظ ''اشھد'' کے ساتھ، دی جائے۔

اس شخص پر روزہ رکھنا واجب ہو جاتا ہے جسے کسی معتبر شخص نے ماہ رمضان کا چاند دیکھنے کی اطلاع دی ہو، اگرچہ حاکم نے اس کے بیان کو اس لئے رد کر دیا ہو کہ اس شخص کا کردار حاکم کو معلوم نہ تھا۔

جو شخص چاند دیکھے اسے قاضی کے پاس جانا واجب نہیں ہے اور نہ مسجد میں جا کر اعلان کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح یہ بھی واجب نہیں کہ لوگوں کو خبر دیتا پھرے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ رؤیت ہلال جب کسی علاقہ میں ثابت ہو جائے تو وہاں سے ہر طرف کے قرب و جوار کے

Marfat.com

نے اس سے اختلاف کیا ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

چاند دیکھنے کی کوشش کرنے کا بیان

مسلمانوں پر یہ امر بطور فرض کفایہ عائد ہوتا ہے کہ شعبان اور رمضان کی انتیس تاریخ کو غروب آفتاب کے وقت چاند دیکھنے کی کوشش کی جائے، تاکہ روزہ یا افطار کا معاملہ طے ہو جائے۔ اس مسئلہ میں حنابلہ کے سوا اور کسی نے اختلاف نہیں کیا، وہ کہتے ہیں کہ رویت ہلال کے لئے کوشش واجب نہیں ہے، بلکہ امر مستحب ہے۔ بظاہر دوسرے اصحاب کی رائے اس بارے میں قرین عقل ہے، کیونکہ ماہ رمضان کا روزہ ارکانِ دین میں سے ہے جو چاند دیکھنے پر موقوف ہے، اب کیسے ممکن ہے کہ چاند دیکھنے کی کوشش محض ایک امر مستحب قرار پائے۔

اگر ہلال (رمضان) دن کے اندر زوال سے پہلے یا اس کے بعد نظر آ جائے تو جس روز نظر آیا اس سے اگلے دن کا روزہ واجب ہے بشرطیکہ اخیر ماہ شعبان میں ایسا ہو۔ اگر ماہ رمضان کے اخیر میں اس طرح ہلال نظر آ جائے تو اس سے اگلے روز افطار کر لینا واجب ہے۔ اس ہلال کو دیکھ کر اول الذکر صورت میں (نواقض صوم سے) باز رہنا اور ثانی الذکر صورت میں افطار کر لینا واجب نہیں ہے۔ یہ فیصلہ مالکیہ اور حنفیہ کا ہے، شافعیہ اور حنابلہ نے اس سے اختلاف کیا ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

کیا روزے کے بارے میں حاکم کا فیصلہ ضروری ہے؟

ہلال کے ثابت ہونے اور اس کے بموجب روزہ واجب ہونے کے بارے میں حاکم کا فیصلہ ضروری نہیں ہے، البتہ اگر حاکم نے رویت ہلال کا فیصلہ کسی طریقہ سے جو اس کے اپنے مسلک پر مبنی ہے کر ہی دیا تو تمام مسلمانوں پر روزہ واجب ہوگا، اگرچہ بعض لوگوں کے مسلک کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ حاکم کے فیصلے کے بعد اختلاف دور ہو جاتا ہے۔ اس مسئلہ میں شافعیہ کے سوا سب کا اتفاق ہے۔ شافعیہ کا

علاقہ میں اس ثبوت کی بنا پر روزہ رکھنا واجب ہوگا۔ قرب کا تحقق مطلع ایک ہونے کی بنا پر کیا جا سکتا ہے، بایں طور کہ ان علاقوں میں از روئے پیمائش باہم چوبیس فرسخ یا اس سے کم فاصلہ ہو۔ یاد رہے کہ ایک جگہ چاند نظر آ جانے سے دور کے علاقہ والوں پر روزہ واجب نہیں ہو جاتا، کیونکہ ان میں باہم مطلع کا اختلاف ہوتا ہے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ منجم کا قول اس کے اپنے حق میں اور اس کے حق میں جو اس کے قول کو تسلیم کر لے، مان لیا جائے گا۔ اس کے کہنے سے ''بقول راجح'' عوام الناس پر روزہ واجب نہ ہوگا۔

۲۔ شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ دن میں چاند نظر آنے کا کوئی لحاظ نہیں کیا جائے گا، مغرب کے بعد نظر آئے تب ہی وہ

Marfat.com

مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

ماہ شوال کے متحقق ہونے کا بیان

ماہ شوال (عید) کا چاند نظر آ جائے تو قدرتی طور پر شوال کا مہینہ ثابت ہو جائے گا۔ تحقق شوال کے قاعدوں کے بارے میں مسالک مختلفہ کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[2]

اگر ماہ شوال کا ہلال نظر نہ آئے تو ماہ رمضان کے تیس دن کا پورا کرنا واجب ہے۔ اب اگر ماہ رمضان کے تیس دن پورے ہو جائیں اور ہلال عید نظر نہ آئے تو دیکھنا چاہیے کہ مطلع صاف ہے یا نہیں، اگر صاف ہے تو اس رات کی صبح کو افطار کرنا حلال نہیں ہے۔ بلکہ اگلے روز کا روزہ واجب ہے اور رویت ہلال کی شہادت (اگر کوئی ہوئی تو) رد کر دیا جائے گا۔ اگر مطلع ناصاف تھا تو اگلے روز کی صبح کو افطار کرنا واجب

قابل لحاظ ہے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ رؤیت ہلال کا تحقق اور اس کے بموجب سب پر روزہ واجب ہونے کے لئے حاکم کا فیصلہ ضروری ہے۔ پس جب حاکم فیصلہ کر دے تو تمام لوگوں پر روزہ واجب ہو جائے گا، اگر چہ اس کا فیصلہ ایک ہی معتبر شہادت کی بنا پر ہوا ہو۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ شوال کا مہینہ دو معتبر مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے ثابت ہو جاتا ہے، بشرطیکہ بادل وغیرہ کے باعث مطلع صاف نہ ہو۔ اگر مطلع صاف ہو تو ضروری ہے کہ ایک مجمع کثیر نے چاند کو دیکھا ہو تب ہی چاند کا تحقق ہو گا اور ضروری ہے کہ جو شخص چاند (دیکھنے) کی شہادت دے وہ الفاظ "اشهد" سے دے (یعنی یہ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ عید کے چاند کا ثبوت دو معتبر آدمیوں یا ایک جماعت مستفیضہ کے دیکھنے سے ہوتا ہے۔ جماعت مستفیضہ سے مراد مجمع کثیر ہے کہ تمام لوگوں کا ایک جھوٹی بات پر متفق ہو جانا ممکن نہ ہو اور ان کے بتانے سے (رؤیت ہلال کا) علم ہوا ہو۔ اس باب میں (شہادت دینے والوں کا) نہ آزاد ہونا شرط ہے اور نہ مرد ہونا جیسا کہ ماہ رمضان کی رؤیت ہلال کے بارے میں اوپر بیان کیا گیا۔

واضح ہو کہ اگر ایک معتبر آدمی ہلال دیکھ لے تو خود اس کے حق میں رویت ہلال ثابت ہو جائے گی اور اس پر واجب ہو گا کہ وہ افطار کی نیت کر لے اور یہ خیال نہ کرے کہ روزے سے ہے، تاہم کھانا، پینا یا روزہ توڑنے والی کوئی بات کرنا اس کے لئے جائز نہیں ہے اگر چہ لوگوں کو پتہ چل جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ البتہ اگر کوئی ایسی بات پیش آ جائے جس کی وجہ سے سفر کرنا پڑ جائے یا کوئی مرض لاحق ہو جائے تو اس صورت میں کھانا پینا وغیرہ جائز ہے۔ لیکن اگر کسی نے ایسے عذر کے بغیر جس میں کھانا پینا مباح ہوتا ہے، روزہ افطار کر لیا تو اس کی تنبیہ کی جائے اور اگر بظاہر اصلاح پذیر ہو تو اس پر سختی کی جائے، اگر اصلاح پذیر نہ ہو تو قاضی (حاکم شرع) اس کو اس حرکت پر (کہ چاند دیکھنے کے باوجود روزہ توڑ دیا) سزا دے سکتا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ماہ شوال کے ثبوت میں ایک ہی معتبر آدمی کی شہادت کافی ہے، کیونکہ شوال کا مسئلہ بھی بقول راجح

Marfat.com

ہے اور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک اس کو شوال کا دن سمجھا جائے گا۔ شافعیہ اور حنابلہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

یوم الشک (مشکوک دن) کے روزے کا بیان

یوم الشک (یعنی مشکوک دن) کی تعریف اور اس دن روزہ رکھنے کے بارے میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں۔ ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (۲)

رمضان کی مانند ہے۔ چاند کی گواہی دینے والے پر لازم ہے کہ وہ (گواہی میں) یہ کہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کیونکہ شہادت کے لفظ کا استعمال مالکیہ کو چھوڑ کر باقی تین اماموں کے نزدیک متفقہ طور پر ضروری ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ماہ شوال کے ثبوت میں دو معتبر آدمیوں کی شہادت کے بغیر جو لفظ شہادت کا استعمال کر کے گواہی دیں گواہی تسلیم نہ کی جائے گی۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر لوگوں نے "ایک" معتبر شخص (کی شہادت) کی بنا پر روزہ رکھا اور رمضان کے تیس دن پورے ہو گئے تو صحیح ترین قول یہ ہے کہ سب کو افطار کر لینا واجب ہے، قطع نظر اس کے کہ مطلع صاف ہو یا نہ ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر دو معتبر آدمیوں کی شہادت پر رمضان کے روزے رکھے گئے اور رمضان کے تیس دن پورے ہو گئے اور اکتیسویں کی شب کو ہلال نظر نہ آیا تو سب پر قطعاً واجب ہے کہ روزہ کھول لیں۔ لیکن اگر ایک ہی معتبر شخص کی گواہی پر ماہ رمضان کے روزے شروع ہوئے یا بادل وغیرہ کے باعث شعبان کا مہینہ انتیس دن کا قرار دیا گیا تھا تو ایسی صورت میں واجب ہے کہ اکتیسویں تاریخ کو بھی روزہ رکھا جائے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ "یوم شک" سے مراد شعبان کا آخری دن (تیس تاریخ) ہے جس کے متعلق رمضان کی پہلی تاریخ ہونے کا احتمال ہو۔ بایں طور کہ ۲۹ شعبان کو آسمان پر دھند وغیرہ ہونے کے باعث ہلال رمضان نظر نہیں آیا تو اس سے اگلے دن کی بابت یہ احتمال رہا کہ آیا یہ دن (فی الواقع) شعبان کا ہے یا رمضان کا۔ ایک شبہ کی صورت یہ بھی ہے کہ قاضی نے شاہد کی شہادت کو رد کر دیا ہو یا یوں شک پیدا ہوا ہو کہ لوگ چاند دیکھنے کی بابت چرچا کر رہے ہوں، لیکن (شرعی دلائل سے) ثابت نہ ہوا ہو۔

اس یوم شک کا روزہ رکھنا کبھی تو مکروہ تحریمی یا تنزیہی ہوگا اور کبھی مستحب قرار دیا جائے گا اور کبھی وہ روزہ باطل ہوگا۔

اب سمجھنا چاہیے کہ وہ روزہ مکروہ تحریمی ہوگا اگر (بلا ثبوت شرعی) یہ یقین کر کے کہ یہ دن رمضان کا ہے روزہ رکھ لیا جائے اور یہ روزہ مکروہ تنزیہی ہوگا اگر نذر واجب کا روزہ رکھا گیا اور اس صورت میں بھی مکروہ تنزیہی ہوگا جب کہ اس دن کے روزہ کے متعلق فرض یا واجب قرار دینے میں تردد ہو۔ مثلاً یوں نیت کی کہ میں کل روزہ رکھوں گا، اگر وہ دن رمضان کا ہوا تو فرض ادا ہو جائے گا، اگر رمضان کا دن نہ ہوا تو وہ روزہ جو مجھ پر واجب ہے وہ ادا ہو جائے گا یا پھر اس قسم کا تردد (فرض اور واجب کے بجائے) فرض اور نفل میں روا رکھا گیا، بایں طور کہ یوں کہا کہ کل کے روزے کی نیت کر رہا ہوں اگر رمضان ہوا تو بہتر (کہ فرض ادا ہو جائے گا) اور اگر شعبان کا دن ہے تو نفل سہی (یہ تمام صورتیں روزے کے مکروہ ہونے کی ہیں)۔

Marfat.com

اگر یوم الشک اس خاص دن میں واقع ہوا جس دن کہ کوئی شخص روزہ رکھتا چلا آرہا ہے تو یوم الشک کا روزہ مستحب ہوگا۔ یوم الشک کو نفلی روزے کی نیت سے روزہ رکھ لینے میں مضائقہ نہیں ہے۔ اگر اگلے دن روزہ رکھنے یا نہ رکھنے میں تردد کے ساتھ روزہ رکھا بایں طور کہ یہ نیت کی کہ روزہ رکھے لیتا ہوں اگر رمضان ہوا تو بہتر ورنہ افطار کرلوں گا، یہ روزہ باطل ہے۔

اگر کسی نے یوم الشک کو روزہ رکھ لیا اور یہ ثابت ہوا کہ وہ دن رمضان کا ہے تو وہ روزہ جائز ہو جائے گا، خواہ وہ روزہ مکروہ تنزیہی رہا ہو یا تحریمی یا مستحب یا مباح۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ''یوم الشک'' شعبان کی تیسویں تاریخ ہے جس کی شب میں لوگ رؤیت ہلال کا چرچا کررہے ہوں، لیکن شہادت کسی نے نہ دی ہو۔ یا ایسے شخص نے شہادت دی ہو جس کی بات قابل اعتبار نہیں، مثلاً عورت یا بچہ تو اس دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ قطع نظر اس سے کہ اس سے پہلے دن غروب کے وقت مطلع صاف رہا ہو یا ابر آلود رہا ہو۔ اس صورت میں امام احمدؒ کی مخالفت کا کچھ خیال نہ کیا جائے گا جو کہتے ہیں کہ اس دن روزہ واجب ہے۔ یہ اس لئے کہ جب کسی معاملہ میں حدیث کی مخالفت ہوتی ہو تو دوسروں کی مخالفت کا خیال نظر انداز کردینا چاہیے، جیسا کہ اس باب میں یہ روایت موجود ہے کہ: ''فان غم علیکم فاکملوا عدۃ شعبان ثلاثین یوماً'' (یعنی اگر مطلع ابر آلود ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کرلیا کرو)۔

اگر لوگوں میں رؤیت ہلال کا چرچا نہ ہو تو اس روز کو قطعی طور پر شعبان کا دن تصور کرلیا جائے۔ البتہ اگر کوئی ایک شخص معتبر بھی شہادت دے دے تو وہ قطعاً رمضان کا دن ہوگا۔

اس دن کے روزے کی حرمت سے وہ صورت مستثنیٰ ہوگی جب کہ کوئی سبب اس دن کے روزے کا متقاضی ہو، مثلاً نذر کا روزہ یا قضا کا روزہ یا عادت والے دن کا روزہ۔ عادت والے دن سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص ہر جمعرات کو روزہ رکھنے کا عادی ہو اور جمعرات یوم الشک کو آپڑے تو وہ روزہ حرام نہ ہوگا، بلکہ اگر روزہ واجب تھا تو واجب ہوگا اور اگر نفلی تھا تو وہ مندوب متصور ہوگا۔

اگر شک کے دن افطار کرلیا اور پھر معلوم ہوا کہ وہ دن رمضان کا تھا تو لازم ہے کہ اس دن کے باقی حصہ میں نواقضِ صوم سے باز رہا جائے اور ماہ رمضان گزر جانے پر اس کی قضا فوراً رکھی جائے۔

اگر یوم الشک کو اس نیت سے روزہ رکھا کہ وہ رمضان کا روزہ ہے اور پھر یہ پتہ چلا کہ وہ دن شعبان کا تھا تو وہ روزہ سرے سے صحیح نہ ہوگا، اس لئے کہ اس کی نیت نہیں کی گئی تھی۔ ہاں اگر یہ معلوم ہوا کہ وہ دن رمضان کا تھا تو دیکھنا چاہیے کہ اگر وہ روزہ ایسے شخص کی بات کو سچ ماننے کی بنیاد پر رکھا تھا جس کی شہادت مانی نہیں جاتی، مثلاً غلام یا بدکار انسان تو رمضان کا روزہ صحیح ہوگا۔ اگر اس کی بات کو سچ نہیں جانا تھا (باوجود اس کے روزہ رکھ لیا) تو وہ رمضان کا روزہ نہیں مانا جائے گا۔

اگر (یوم الشک کے) روزہ کی بایں طور نیت کی کہ اگر یہ دن شعبان کا ہوا تو یہ روزہ نفلی ہوگا، اگر رمضان کا دن ثابت ہوا تو فرض رمضان ادا ہو جائے گا، ایسی صورت میں اگر معلوم ہوا کہ وہ دن شعبان کا تھا تب تو روزہ نفلی ہو جائے گا، لیکن اگر معلوم ہوا کہ وہ دن رمضان کا تھا تو نہ وہ فرض روزہ ہوگا اور نہ نفلی ہوگا۔

مالکیہ نے یوم الشک کی دو تعریفیں کی ہیں: ایک تو یہ ہے کہ یوم الشک شعبان کی تیسویں تاریخ ہے جب کہ رات کو کسی

Marfat.com

ایسے شخص نے رؤیت ہلال کی خبر اڑادی ہو جس کی شہادت قبول نہیں کی جاتی، جیسے کوئی فاسق ہو یا غلام یا عورت۔

دوسری تعریف یہ ہے کہ ''یوم الشک'' شعبان کی تیسویں تاریخ ہے جب کہ اس کی رات کو مطلع ابر آلود رہا ہو جس کے باعث ہلال رمضان نظر نہیں آیا۔ یوم الشک کی یہی تعریف مشہور ہے۔ اس روز اگر کسی نے نفلی روزہ رکھ لیا، خواہ اس دن کے روزے کا التزام نہ ہو یا حسب عادت روزہ رکھا بایں طور کہ ہر جمعرات کو روزہ رکھنے کی عادت ہے اور یوم الشک جمعرات کو واقع ہوا، تو ان صورتوں میں وہ روزہ نفلی ہوگا۔

اگر اس دن سابقہ ماہ رمضان کے روزہ کی قضا رکھی یا قسم وغیرہ کے کفارے کا روزہ یا نذر ''صادف'' کا روزہ (یعنی جس معین دن کے روزہ کی منت مانی وہی دن یوم شک واقع ہو گیا)، مثلاً یہ منت مانی کہ آئندہ جمعہ کو روزہ رکھوں گا اور اس دن یوم الشک واقع ہوا تو ان صورتوں میں وہ قضا روزہ یا واجب روزہ جس کا ذکر کیا گیا وہ پورا ہو جائے گا، بشرطیکہ وہ دن رمضان کا نہ ثابت ہوا۔ اگر وہ دن رمضان کا نکلا تو وہ روزہ نہ اس رمضان کا ہوا، کیونکہ اس کی نیت نہ تھی اور نہ وہ قضا، کفارہ یا نذر کا روزہ ہوا، کیونکہ ماہ رمضان میں کوئی اور روزہ نہیں رکھا جا سکتا، لہٰذا اس پر روزہ رمضان حاضر کی قضا الگ اور سابقہ ماہ رمضان کے فوت شدہ روزے کی قضا یا کفارہ کا روزہ (جیسی بھی صورت ہو) بدستور واجب الادا رہے گا، البتہ نذر روزے کی قضا واجب نہ ہوگی کیونکہ وہ روزہ ایک مقررہ دن کا تھا اور وہ دن گزر گیا۔

اگر (یوم الشک کو) احتیاطاً روزہ رکھا کہ اگر رمضان کا دن ہوا تو اس میں شمار ہو جائے گا، اگر رمضان کا دن نہ ہوا تو نفلی ہو جائے گا۔ اس طرح کا روزہ مکروہ ہے۔ اگر اتفاقاً وہ دن رمضان ہی کا ثابت ہوا تو وہ رمضان کا روزہ نہ مانا جائے گا، اس روزہ کی قضا واجب ہے۔ تاہم اس روز نواقضِ صوم سے باز رہنا ماہ رمضان کے احترام میں واجب ہے۔

یوم الشک کو دن چڑھے تک اور یہ تحقیق ہونے تک کہ وہ دن روزہ رکھنے کا ہے یا افطار کرنے کا، نواقضِ صوم سے باز رہنا مستحب ہے۔ اگر رمضان کا دن ثابت ہو تو نواقضِ صوم سے باز رہنا اور بعد میں اس کی قضا رکھنا واجب ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جانے پر بھی کہ وہ رمضان کا دن ہے قصداً اور جان بوجھ کر روزہ توڑ دیا تو قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ''یوم الشک'' شعبان کی تیسویں تاریخ ہے جب کہ رات کو مطلع صاف ہونے اور کوئی خرابی نہ ہونے کے باوجود ہلال رمضان نظر نہ آیا ہو۔

یوم الشک کو نفلی روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ البتہ اگر یوم الشک اس دن واقع ہوا جس میں وہ حسب عادت روزہ رکھتا چلا آیا ہے یا دو دن پہلے ہی روزہ رکھنا شروع کر دیا ہے تو (اس دن کا روزہ) مکروہ نہ ہوگا۔ لیکن اگر یہ پتہ چلا کہ وہ دن رمضان کا ہے تو یہ روزہ رمضان کے روزوں میں شمار نہ ہوگا، تاہم اس روز نواقض روزہ سے بچنا واجب ہے اور رمضان کے بعد ایک دن کی قضا واجب ہوگی۔ لیکن اگر اس روز کوئی اور واجب روزہ رکھا جیسے کسی گزشتہ رمضان کے روزے کی قضا یا نذر یا کفارے کا روزہ تو روزہ صحیح ہوگا اور واجب ادا ہو جائے گا، بشرطیکہ وہ دن شعبان کا ثابت ہو۔ اگر رمضان کا دن ثابت ہوا تو وہ روزہ نہ رمضان کا متصور ہوگا نہ کسی اور طرح کا، تاہم اس روز نواقضِ صوم سے بچنا اور اس روزہ کی قضا واجب ہے۔ اگر اس نیت کے ساتھ (یوم الشک کو) روزہ رکھا کہ اگر یہ دن رمضان کا ہوا تو یہ

Marfat.com

ممنوع روزوں کا بیان

عید کے دنوں میں اور خاوند کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنے کا بیان

شارع علیہ السلام نے بعض صورتوں میں روزہ رکھنا حرام قرار دیا ہے، منجملہ ان کے ایام عیدین کے روزے ہیں، یعنی عید الفطر (عید رمضان) عید الاضحیٰ (بقر عید) اور بقر عید کے بعد تین دن تک (روزہ ممنوع ہے)۔

ائمہ فقہا میں سے تین اصحاب یہی کہتے ہیں، البتہ حنفیہ کہتے ہیں کہ (یہ روزے حرام نہیں بلکہ) مکروہ تحریمی ہیں اور مالکیہ کہتے ہیں کہ بقر عید کے بعد (تین دن نہیں، بلکہ صرف) دو دن روزہ رکھنا حرام ہے۔

ان تمام مسئلوں کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

منجملہ ممنوع روزوں کے کسی عورت کا اپنے خاوند کی اجازت یا اس کی رضامندی معلوم کئے بغیر نفلی روزہ رکھنا ہے، اگرچہ خاوند نے صریحاً اجازت نہ دی ہو، سوا اس صورت کے جب کہ اجازت لینے کی ضرورت ہی نہ ہو، مثلاً خاوند موجود نہ ہو یا حالتِ احرام یا اعتکاف میں ہو (ایسی صورت میں بلا حصول اجازت روزہ جائز ہے)۔

روزہ رمضان کا ہوگا اور واقعی رمضان کا دن ہوا تو وہ روزہ صحیح نہ ہوگا، تاہم نواقضِ صوم سے باز رہنا واجب ہے اور اس دن کی قضا لازم ہوگی، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اگر اس دن رمضان ہونا معلوم نہ ہوا تو وہ روزہ نہ نفلی ہوا اور نہ غیر نفلی۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ عید اور بقر عید کے بعد دو دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ البتہ حج کے دنوں میں حج تمتع اور حج قران کرنے والے کو ان دو دنوں میں روزہ رکھنا جائز ہے۔ بقر عید کے چوتھے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ یہ روزے حرام ہیں اور عید اور بقر عید اور بقر عید کے بعد تین دن کے روزے سرے سے روزے ہوتے ہی نہیں، خواہ کوئی حج میں ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ عید۔ بقر عید کے روز اور بقر عید کے بعد تین دن تک روزہ رکھنا حرام ہے۔ البتہ حج تمتع اور حج قران کرنے والا (روزہ رکھ سکتا ہے)۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ عیدین کے روز اور ایام تشریق کے تین دنوں میں روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے، ہاں حج میں رکھ سکتا ہے۔

Marfat.com

حنفیہ اور حنابلہ کی رائے ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

نفلی روزے

نویں، دسویں تاریخ اور ایام بیض وغیرہ کے روزوں کا بیان

نفلی روزوں کے منجملہ ماہ محرم کے روزے ہیں جن میں افضل روزے تاسوعا اور عاشورا (یعنی نو اور دس تاریخ) کے روزے ہیں۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ روزے سنت ہیں، مستحب نہیں ہیں اور یہ بتایا جاچکا ہے کہ ان روزوں کو سنت قرار دیئے جانے سے شافعیہ اور حنابلہ کو اتفاق ہے، کیونکہ ان کے نزدیک سنت اور مستحب میں فرق نہیں ہے۔ لیکن مالکیوں کو اس سے اتفاق نہیں ہے، کیونکہ ان کے نزدیک حنفیہ کی طرح سنت اور مستحب میں فرق ہے اور منجملہ نفلی روزوں کے ہر ماہ کے تین روزے ہیں اور مستحب یہ ہے کہ یہ روزے ایام بیض میں ہوں، یعنی عربی مہینے کی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ تاریخ کو (جس میں چاند پورا روشن ہوتا ہے) مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

یوم عرفہ کے روزے کا بیان

ماہ ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو، جسے عرفہ کا دن کہا جاتا ہے، روزہ رکھنا مستحب ہے، یہ روزہ ان کے لئے مستحب ہے جو حج میں نہیں ہیں۔ اگر کوئی حج میں ہے تو اس دن روزہ رکھنے کا مسئلہ تفصیل طلب ہے۔ ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (۳)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ عورت کا اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں درآنحالیکہ خاوند موجود ہو اس کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا جائز نہیں ہے، اگرچہ مباشرت اس کے لئے ممنوع ہو، مثلاً احرام یا اعتکاف میں ہو، یا بیمار ہو۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ روزہ میں ایام بیض کا قصد کرنا مکروہ ہے۔

۳۔ حنابلہ کہتے ہیں حالت حج کے اندر عرفہ کے دن روزہ رکھنا اس صورت میں مستحب ہے جب کہ عرفہ میں رات کو وقوف کیا ہو، دن کو وقوف نہ کیا ہو۔ اگر دن کو وقوف کیا ہے تو یہ روزہ مکروہ ہوگا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ حج کرنے والے کو عرفہ کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے، اگر اس سے کمزوری لاحق ہوتی ہو۔ اسی طرح یوم ترویہ یعنی آٹھویں ذی الحجہ کا روزہ بھی (مکروہ ہے)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ حج کے اندر عرفہ کے دن کا روزہ اسی طرح یوم ترویہ یعنی آٹھویں ذی الحجہ کا روزہ بھی مکروہ ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر ایام حج میں کوئی شخص مکہ میں مقیم ہے۔ پھر وہ دن کے وقت عرفہ کو روانہ ہوگیا تو اس کے لئے

Marfat.com

جمعرات اور دوشنبہ کے روزوں کا بیان

ہر ہفتہ، دوشنبہ اور جمعرات کو روزہ رکھنا مستحب ہے۔ ان روزوں سے جو صحت جسمانی حاصل ہوتی ہے وہ مخفی نہیں ہے۔

ماہ شوال کے چھ روزوں کا بیان

ماہ شوال میں چھ دن کے روزے جس کے لئے کوئی شرط نہیں ہے، تین اماموں کے نزدیک مستحب ہیں، مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ ان روزوں کو متواتر چھ دن رکھا جائے۔ مالکیہ اور حنفیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

ہر تیسرے دن روزہ رکھنے کا بیان

حدیث میں آیا ہے کہ نفلی روزوں کی اقسام میں سب سے افضل روزے یہ ہیں کہ ایک دن روزہ رکھا جائے اور دوسرے دن نہ رکھا جائے۔

ماہ رجب وشعبان اور دوسرے اشہر الحرم کے روزوں کا بیان

ماہ رجب اور ماہ شعبان کا روزہ مستحب ہے۔ اس سے تین ائمہ متفق ہیں۔ حنابلہ کو اس سے

عرفہ کے دن روزہ رکھنا خلاف اولیٰ ہے۔ ہاں اگر رات کو روانہ ہوا تو اس دن روزہ رکھنا جائز ہے۔ لیکن اگر حاجی حالت سفر میں ہو تو بہر حال روزہ نہ رکھنا سنت ہے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ حسب ذیل صورتوں میں ماہ شوال کے چھ روزے مکروہ ہیں:

(۱) یہ کہ روزہ دار کوئی ایسا شخص ہو جس کی لوگ پیروی کرتے ہوں اور یہ اندیشہ ہو کہ مبادا یہ روزے واجب سمجھے جانے لگیں۔

(۲) یہ کہ ان روزوں کو عید کے اگلے روز ہی سے رکھنا شروع کر دیا جائے۔

(۳) یہ کہ لگاتار چھ روزے رکھے جائیں۔

(۴) یہ کہ ان روزوں کا اظہار کیا جائے۔

ان باتوں میں سے کوئی بات نہ ہو تو روزہ مکروہ نہ ہوگا۔

اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ ان روزوں کا عید کے متصل رکھنا سنت ہے تو روزہ مکروہ ہوگا، اگر چہ روزہ کو ظاہر نہ کیا گیا ہو اور متفرق دنوں میں رکھا گیا ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ یہ روزے متفرق دنوں میں ہوں۔ مثلاً ہر ہفتہ میں دو دن۔

Marfat.com

اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو[1] اور اشہر الحرم چار مہینے ہیں، منجملہ ان کے تین مہینے متواتر آتے ہیں، یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور ایک مہینہ رجب، ان مہینوں کے روزے تین ائمہ کے نزدیک مستحب ہیں، حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[2]

نفلی روزہ رکھ کر توڑ دینے کا بیان

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نفلی روزہ رکھ لینے کے بعد اس کا پورا کرنا اور اگر وہ ٹوٹ جائے تو اس کی قضا سنت ہے۔ مالکیہ اور حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[3]

یہی حکم ان روزوں کا ہے جنھیں ایام اعتکاف کے ساتھ رکھنے کی منت مانی ہو، مثلاً کوئی کہتا ہے کہ میں اللہ کے لیے اپنے اوپر دس دن کا اعتکاف لازم کرتا ہوں۔ ایسی صورت میں ان ایام کا روزہ اس کے لیے سنت ہے۔ واضح ہو کہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک (اعتکاف کے لیے) روزہ فرض نہیں ہے، مالکیہ اور حنفیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے؛ ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[4]

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ پورے ماہ رجب کا روزہ مکروہ ہے اگر درمیان میں ناغہ کیا جائے تو مکروہ نہیں۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اشہر الحرم میں سے ہر ماہ صرف تین دن روزہ مستحب ہے، یعنی جمعرات، جمعہ اور ہفتہ کے روز۔

۳۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر نفلی روزہ رکھ لیا اور اسے توڑ دیا تو اس کی قضا واجب ہے اور واجب سے مراد ان کی سنت مؤکدہ ہے، لہٰذا نفلی روزہ کا توڑ دینا ان کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے اور قضا نہ رکھنا بھی مکروہ تحریمی ہے، جیسا کہ روزے کے اقسام میں بیان کیا گیا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ نفلی روزہ رکھنے کے بعد اس کا پورا کرنا فرض ہے اور اسی طرح اس کی قضا بھی (فرض ہے)، بشرطیکہ دانستہ توڑا ہو۔ اس حکم سے وہ روزہ مستثنیٰ ہے جو کسی نے بطور تطوع رکھا اور اس کے ماں باپ میں سے کسی نے یا شیخ (مرشد) نے بربنائے شفقت روزہ رکھے چلے جانے کے بجائے روزہ توڑ دینے کا حکم دیا تو اس روزے کا توڑ دینا جائز ہے اور اس کی قضا نہیں ہے۔

۴۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نذری اعتکاف کے صحیح ہونے کے لئے روزہ شرط ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اعتکاف نذر کا ہو تو اس میں روزہ فرض ہے لیکن یاد رہے کہ جن دنوں کے اعتکاف کی منت مانی گئی ہے ان ایام کے روزے کی منت بھی لازم نہیں ہو جاتی۔ پس اگر منت کا اعتکاف نفلی روزوں کے ساتھ پورا کیا جائے تو درست ہوگا، تاہم اعتکاف بغیر روزہ کے نہیں ہو سکتا، کیونکہ روزہ اعتکاف کے صحیح ہونے کی شرط ہے۔

Marfat.com

مکروہ روزوں کا بیان

جمعہ کے دن کا اکیلا روزہ، نوروز کا روزہ، مہرجان کا روزہ اور رمضان سے پہلے ایک یا دو دن کا روزہ

مکروہ روزوں کے منجملہ ''یوم نیروز'' اور ''یوم مہرجان'' کا روزہ ہے جو اکیلا رکھا جائے، بغیر اس کے کہ ان روزوں سے پہلے یا بعد میں کچھ اور روزے نہ ملائے گئے ہوں، البتہ اگر کوئی شخص کسی خاص دن کا روزہ رکھتا چلا آیا ہے اور (مثلاً) اسی دن نوروز واقع ہوا تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس دن کا روزہ مکروہ نہیں ہے۔ شافعیہ کا کہنا ہے کہ ان دنوں کا روزہ مطلقاً مکروہ نہیں ہے۔

صرف جمعہ کے دن اکیلا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ اسی طرح صرف ہفتہ کے دن کا تنہا روزہ مکروہ ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ صرف جمعہ کے دن یا کسی اور متعین دن کا روزہ رکھنا مکروہ نہیں ہے۔

ماہِ رمضان کے ایک یا دو دن پہلے سے روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ لیکن حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس سے زیادہ پہلے سے روزہ رکھا جائے تو مکروہ نہیں ہے۔ مکروہ صرف اس صورت میں ہے جب کہ ماہ رمضان کے ایک یا دو دن پہلے روزہ رکھا جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ماہ رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ رکھنا مکروہ نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ رکھنا حرام ہے۔ اسی طرح شعبان کے نصف آخر میں روزہ رکھنا حرام ہے، بشرطیکہ پیشتر سے مسلسل روزہ نہ چلا آرہا ہو اور یہ کہ کوئی امر (نصف آخر شعبان میں) روزے کا متقاضی نہ ہو، مثلاً منت مان رکھی ہو یا عادت ہو۔

یوم الشک کا روزہ مکروہ ہے۔ اس کی تفصیل میں مختلف مسالک پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

ان کے علاوہ مختلف مسالک کی رو سے کچھ اور روزے بھی مکروہ قرار دیئے گئے ہیں، ان کی تفصیل ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔[1]

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مکروہ روزے کی دو قسمیں ہیں:

ایک مکروہ تحریمی، جیسے ایام عیدین وتشریق کے روزے۔ اگر ان ایام میں روزہ رکھ لیا گیا تو روزہ ہو جائے گا، لیکن گناہ ہوگا۔ اگر اس دن رکھ کر توڑ دیا تو اس کی قضا واجب نہیں ہے۔

دوم (وہ روزے جو) مکروہ تنزیہی ہیں۔ ان میں یوم عاشورہ کا روزہ ہے جس کے ساتھ نویں یا گیارہویں تاریخ کا روزہ نہ ملایا گیا ہو۔

Marfat.com

یوم نوروز اور یوم مہرجان کا روزہ بھی مکروہ ہے، بشرطیکہ یہ اس روز واقع نہ ہو جس روز کوئی شخص پہلے سے روزہ رکھتا چلا آرہا ہے، جیسا کہ سابقاً متن میں بیان ہوا۔

اسی طرح دائمی روزہ مکروہ ہے جس سے جسمانی کمزوری لاحق ہو جاتی ہے۔

چپ روزہ بھی اسی طرح مکروہ ہے، یعنی روزہ رکھ کر کوئی بات نہ کی جائے۔ اسی طرح صوم وصال بھی مکروہ ہے، یعنی مسلسل رات دن کے اندر نواقضِ صوم سے باز رہنا۔

کسی عورت کا اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھنا مکروہ ہے، البتہ اگر خاوند مریض ہو یا روزہ دار ہو یا حج یا عمرہ کا احرام باندھ رکھا ہو (تو بلا اجازت بھی رکھ سکتی ہے)۔

مسافر کو بھی روزہ رکھنا مکروہ ہے درآنحالیکہ وہ روزہ اس پر شاق ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ایام نحر کے چوتھے دن کا روزہ مکروہ ہے۔ اس حکم سے حج قران اور حج تمتع کرنے والے اور وہ شخص جس پر حج یا عمرہ میں کسی کمی کے لاحق ہونے کے باعث ہدی (قربانی) دینا لازم ہو گیا ہو، مستثنیٰ ہے۔ اگر کوئی شخص ایام نحر کے چوتھے دن نفلی روزہ رکھ لے تو خیر روزہ ہو جائے گا۔ اگر قصداً اس کو توڑ دیا اور اس کے توڑنے کا مقصد امر ممنوع سے بچنا نہیں تھا تو اس کی قضا واجب ہے۔ اگر کسی نے اس دن کے روزے کی منت مان لی تو روزہ رکھنا لازم ہو جائے گا، کیونکہ روزہ بذات خود ایک عبادت ہے (اور عبادت کی منت مانی جائے تو وہ واجب ہو جاتی ہے)۔

لگاتار مسلسل روزہ رکھنا اس کے لئے جسے روزے سے کمزوری لاحق ہو مکروہ ہے، کیونکہ (صحت کا خیال) روزے سے بہتر عمل ہے۔

آنحضرت ﷺ کی ولادت کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے، کیونکہ وہ دن روز عید کے مشابہ ہے۔

وہ شخص جس پر کوئی روزہ واجب ہو، مثلاً قضا کا روزہ، اس کو نفلی روزہ مکروہ ہے۔

میزبان خانہ کی اجازت کے بغیر مہمان کا روزہ رکھ لینا مکروہ ہے۔

عورت کا اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھنا حرام ہے، جیسا کہ سابقاً ذکر ہوا۔ اسی طرح "صوم وصال" یعنی بغیر افطار کئے رات دن کا روزہ رکھ لینا حرام ہے۔

مسافر کا روزہ رکھنا بہ نسبت نہ رکھنے کے بہتر ہے، بشرطیکہ روزہ رکھنا اسے شاق نہ ہو۔ ایسی صورت میں روزہ نہ رکھنا بہتر ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مریض، مسافر، حاملہ عورت، دودھ پلانے والی اور عمر رسیدہ بوڑھے کو اگر سخت مشقت میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ اگر ترک غذا کے باعث جان کا ضرر یا کسی عضو کے ناکارہ ہو جانے کا اندیشہ ہو تو روزہ حرام ہے۔

محض جمعہ، ہفتہ یا یک شنبہ کے دن کا اکیلا روزہ مکروہ ہے، بشرطیکہ اس (دن کے روزے کا) کوئی اور خاص سبب نذر وغیرہ نہ ہو، اگر کسی اور وجہ سے روزہ رکھا تو مکروہ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر وہ دن اس روز واقع ہو، جس میں روزہ رکھنے کی عادت ہے یا وہ دن اس کے روزے میں آگیا (تب بھی مکروہ نہ ہوگا)۔

اسی طرح صوم دہر (دائمی روزہ) مکروہ ہے، نیز کسی فرض روزے کی قضا واجب ہوتے ہوئے نفلی روزہ رکھنا مکروہ ہے، کیونکہ فرض کی ادائیگی نفل سے زیادہ ضروری ہے۔

Marfat.com

مفسداتِ صوم کا بیان

روزے کو فاسد کرنے والی اشیاء کی دو قسمیں ہیں:

ایک قسم وہ ہے جس سے قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں۔

اور دوسری قسم وہ ہے جس سے صرف قضا واجب ہوتی ہے، کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ اب ہر ایک کا بیان کیا جاتا ہے۔

قضا اور کفارہ (دونوں) واجب کرنے والے امور کا بیان

جن امور سے قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں ان کے متعلق مسالک مختلفہ کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

حنابلہ کہتے ہیں کہ "صیام وصال" مکروہ ہے، یعنی دو دن تک بغیر افطار کے روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ یہ کراہت ایک آدھ کھجور وغیرہ کھا لینے سے جاتی رہتی ہے۔

نیز صرف ماہ رجب کو روزے کے لئے مخصوص کر لینا مکروہ ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ دو باتیں ہیں جن سے قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں:

اول یہ کہ بغیر کسی عذر شرعی کے کوئی غذا یا غذا جیسی کوئی شے استعمال کی جائے، یعنی کھائی جائے یا پی جائے (اور وہ شے ایسی ہو کہ) اس کی جانب طبیعت راغب ہو اور پیٹ کی طلب پوری کی جائے۔

دوم یہ کہ اس سے خواہش نفسانی پوری کی جائے۔

ان دونوں صورتوں میں بشرائط ذیل کفارہ واجب ہوگا:

اول یہ کہ روزہ دار مکلف ہو اور اس نے رات سے روزۂ رمضان کی نیت کر لی ہو۔ اگر رات سے نیت کی تھی تو کفارہ واجب نہ ہوگا، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کسی پچھلے رمضان کے روزے کی قضا کی نیت یا رمضان کے علاوہ کسی اور روزے کی قضا کی نیت ہو اور روزہ رکھ کر توڑ دیا ہو تو کفارہ نہیں ہے۔

دوم یہ کہ کوئی ایسا امر لاحق نہ ہوا جس میں روزہ توڑنا روا ہے، مثلاً سفر یا مرض۔ پس اگر مرض لاحق ہو جائے تو روزہ توڑ دینا جائز ہے، لیکن سفر اختیار کرنے سے پہلے روزہ توڑ دینے سے کفارہ ساقط نہیں ہوتا، (یعنی سفر اختیار کرنے کے بعد ہی روزہ توڑ دینا روا ہوگا)۔

سوم یہ کہ روزہ اپنے ارادے سے بخوشی خاطر رکھا ہو، مجبور کر کے روزہ رکھوایا نہ گیا ہو۔

چہارم یہ کہ روزہ بالارادہ توڑا ہو، اگر بھولے سے یا کسی غلطی سے روزہ ٹوٹ گیا تو کفارہ ساقط ہو جائے گا، جیسا کہ

Marfat.com

پہلے بیان ہوا۔

منجملہ موجبات کفارہ کے بالارادہ مباشرت کرنا ہے، آگے کی راہ سے ہو یا پیچھے کی راہ سے۔ ایسا کرنے سے فاعل اور مفعول دونوں پر مذکورہ شرائط کے ساتھ کفارہ واجب ہوتا ہے۔ اس کی مزید شرائط یہ ہیں کہ مفعول کوئی انسان ہو اور زندہ ہو اور اس پر نفسانی خواہش کا ہیجان ہو سکتا ہو۔ یہ کفارہ شرمگاہوں کے باہم مل جانے پر واجب ہوتا ہے، اگرچہ انزال نہ ہوا ہو۔ اگر عورت صغیر سن یا دیوانی ہے، لیکن اپنے نفس پر دوسرے کو اختیار دے دے تو اس عورت پر بلا تفاق کفارہ واجب ہے۔ لیکن اگر ایک عورت دوسری عورت کے ساتھ لذت اندوز ہو، مثلاً ''مساحقہ'' سے (یعنی عورت کا عورت کے ساتھ جنسی حرکات کرنا) اور اس میں انزال بھی ہو جائے تو صرف قضا واجب ہوگی، کفارہ واجب نہ ہوگا۔ اسی طرح کسی جانور یا مردہ کے ساتھ یا کسی صغیر سن لڑکی سے جو شہوت انگیز نہ ہو، مباشرت کرنے میں کفارہ واجب نہ ہوگا۔ اگر انزال ہو جائے تو قضا واجب ہوگی، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

واضح ہو کہ دھواں دینے والی اشیاء (حقہ، سگریٹ وغیرہ) جس کا استعمال معلوم ہے اور افیون یا بھنگ وغیرہ، پہلی قسم کے نواقضِ صوم میں سے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے طبیعت کی خواہش پوری ہوتی ہے۔ اسی میں حصول لذت کے لئے بیوی کا لعاب دہن چوسنا بھی ہے اور گیہوں یا تل کا ایک دانہ بھی جو باہر سے لے کر حلق سے اتار لیا جائے اسی حکم میں ہے، کیونکہ اس میں بھی انسان تسکین نفس محسوس کرتا ہے۔ ہاں اگر چبا کر تھوک دیا جائے اور اس کا کچھ بھی حصہ پیٹ میں نہ پہنچے تو مضائقہ نہیں۔ ارمنی مٹی کا کھانا، جیسا کہ پہلے بیان ہوا اور تھوڑا سا نمک بھی اسی زمرے میں ہے اور کسی کی غیبت (پیٹھ پیچھے برائی) کرنے کے بعد اس خیال سے کہ غیبت سے روزہ ٹوٹ گیا ہے، بالارادہ کھانا کھا لیا تو اس کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ غیبت کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور یہ شبہ کچھ معنی نہیں رکھتا اور یہی حکم اس صورت میں ہے، جب کہ حجامت کرانے کے بعد یا شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانے یا بوسہ لینے کے بعد (بایں خیال کہ روزہ ٹوٹ گیا ہے) افطار کر لیا، کیونکہ ان میں سے کسی عمل سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ پس اگر ان امور کے دانستہ ارتکاب کے بعد روزہ افطار کر لیا تو کفارہ لازم ہوگا۔

روزہ توڑنے والی ایسی باتوں کا بیان جن پر قضا واجب ہوتی ہے، آگے آرہا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جس امر سے قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں، وہ صرف ایک چیز ہے اور وہ ہے ''جماع'' لیکن اس کے لئے چند شرائط ہیں:

۱۔ یہ کہ روزے کی نیت رات سے کر رکھی ہو۔ اگر رات سے نیت نہیں کی تو روزہ صحیح نہ ہوگا، البتہ لازم ہے کہ روزہ توڑنے والی باتوں سے بچا جائے۔ اگر ایسی صورت ہے کہ رات کی نیت کے بغیر روزہ تھا اور دن میں بیوی سے مباشرت کر لی تو کفارہ واجب نہ ہوگا، کیونکہ حقیقی معنوں میں روزہ سرے سے تھا ہی نہیں۔

۲۔ یہ کہ روزہ قصداً توڑا ہو، اگر بھولے سے روزہ توڑنے والی بات ہوگئی تو روزہ باطل نہ ہوگا، لہٰذا نہ قضا واجب ہے نہ کفارہ۔

۳۔ یہ کہ روزہ رکھنے والا ''مختار'' ہو، اگر روزہ توڑنے پر کسی کو مجبور کیا گیا تو روزہ باطل نہ ہوگا۔

۴۔ یہ کہ کوئی شخص جانتا ہو کہ روزہ توڑنا حرام ہے اور اس سے لاعلمی کے لئے اس کے پاس کوئی معقول شرعی عذر نہ ہو، کیونکہ ایسی (لاعلمی کی) صورت میں کہ ظہورِ اسلام کے قریب کا زمانہ ہے یا عالموں سے دور اس کی نشو و نما ہوئی ہے اور

Marfat.com

روزہ رکھ لیا، لیکن اسی حالت میں مباشرت کرلی تو اس کا روزہ بھی باطل نہ ہوگا۔

۵۔ یہ کہ جماع خصوصیت کے ساتھ ماہ رمضان ہی کے روزے میں ہوا ہو، نفلی روزہ یا نذر یا قضا و کفارہ کے روزوں میں ایسا کرلیا تو کفارہ لازم نہیں ہے، اگرچہ قصداً ایسا کیا ہو۔

۶۔ یہ کہ روزہ فاسد ہونے کا واحد سبب محض جماع ہو، لہٰذا اگر بدوران تلبس کچھ کھا بھی لیا تو کفارہ نہ ہوگا، بلکہ صرف قضا واجب ہے۔

۷۔ یہ کہ یہ جماع اس پر گناہ عائد کرتا ہو، بایں لحاظ کہ وہ مکلف ہو اور عاقل ہو، چنانچہ اگر کسی بچے نے روزہ رکھ کر یہ فعل کرلیا تو اس پر کفارہ نہیں ہے اور اسی میں شامل ہے وہ صورت جب کہ کسی مسافر نے (رات کو) روزے کی نیت کر کے روزہ رکھ لیا اور دن میں جماع کر کے روزہ توڑ دیا تو اس پر کفارہ نہیں ہے، کیونکہ سفر کے دوران روزہ نہ رکھنے کی اسے اجازت تھی۔

۸۔ یہ کہ خود کو اپنے روزے کے صحیح ہونے کا یقین ہو۔ اگر بھولے سے کچھ کھا لیا اور یہ خیال کیا کہ اس سے روزہ جاتا رہا، پھر اس کے بعد جماع کرلیا تو اس پر کفارہ واجب نہیں ہے، اگرچہ روزہ جاتا رہا اور قضا واجب ہوگئی۔

۹۔ یہ کہ جماع کے بعد اور غروب سے پہلے جنون طاری نہ ہوا ہو، اگر اس عرصے میں جنون کا دورہ ہوگیا تو کفارہ واجب نہ ہوگا۔

۱۰۔ یہ کہ فعل جماع کا اقدام از خود نہ کیا ہو، لہٰذا اگر روزے کی حالت میں کوئی سو گیا اور اس کے اوپر بیوی چڑھ آئی اور اسی حالت میں اس نے مباشرت کرلی تو کفارہ نہیں ہے۔ ہاں اگر اس نے بیوی کو اس پر اکسایا ہو (تو کفارہ لازم ہوگا)۔

۱۱۔ یہ کہ کسی غلط فہمی کی بناء پر یہ فعل نہ ہوا ہو۔ چنانچہ اگر اس خیال سے کہ ہنوز رات باقی ہے یا اس خیال سے کہ آفتاب غروب ہو چکا ہے، کسی نے مباشرت کرلی اور پھر یہ پتا چلا کہ یہ کام تو دن میں ہوا تو اس صورت میں کفارہ نہیں ہے، البتہ قضا اور نواقضِ صوم سے باز رہنا واجب ہے۔

۱۲۔ یہ کہ جماع کرنے میں "حشفہ" (سرِ ذکر) یا اس کے برابر حصہ داخل ہو گیا ہو، اگر اتنا نہیں ہوا اور کچھ حصہ داخل ہوا ہے تو روزہ باطل نہیں ہوگا، ہاں اگر انزال ہو جائے تو صرف قضا واجب ہوگی۔ تاہم اس روز روزہ توڑنے والے امور سے کنارہ کش رہنا واجب ہے، اگر باقی تمام دن کنارہ کشی نہ رکھی تو گناہ ہوگا۔

۱۳۔ یہ کہ جماع کا ارتکاب ہوا ہو، خواہ آگے کی راہ سے یا پیچھے کی راہ سے، اگرچہ انزال نہ ہوا ہو۔ ان راستوں کے علاوہ کسی اور جگہ مباشرت کی تو کفارہ واجب نہیں ہے۔

۱۴۔ یہ کہ فاعل ہو، مفعول نہ ہو۔ پس اگر کسی جنس مقابل یا کسی اور سے مباشرت کی تو کفارہ صرف فاعل پر لازم ہوگا، مفعول پر مطلق لازم نہیں ہے۔

اب واضح ہو کہ اگر کوئی شخص بیوی سے مجامعت میں مشغول ہوا اور اسی دوران صبح نمودار ہوگئی تو اگر فوراً ہی ہٹ گیا تو روزہ صحیح ہو جائے گا۔ لیکن اگر اس کے بعد بھی مصروف رہا، خواہ کتنے ہی قلیل عرصے کے لئے ہو تو قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے، بشرطیکہ طلوع فجر کے وقت اسے فجر ہو جانے کا یقین ہو گیا ہو، اگر اسے خبر ہی نہ ہوئی تو صرف قضا واجب

Marfat.com

ہوگی کفارہ واجب نہ ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ قضا اور کفارہ واجب کرنے والی دو باتیں ہیں:

ایک تو ماہ رمضان میں دن کے وقت، آگے یا پیچھے کی راہ سے جماع کرنا، خواہ جس کے ساتھ جماع کیا گیا ہو وہ کوئی جانور ہو اور خواہ یہ فعل بالارادہ کیا ہو یا بھول کر کیا ہو، جان کر کیا ہو یا بے خبری میں کیا ہو، اختیار سے کیا ہو یا مجبور ہو کر یا غلطی سے کیا ہو۔ یہی حکم اس کے لئے جس نے اس گمان سے جماع کر لیا کہ ہنوز صبح نہیں ہوئی لیکن بعد میں پتہ چلا کہ صبح ہو گئی تھی۔ اس مسئلہ میں حنابلہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ماہ رمضان میں دن کے وقت جماع کرنے والے کو قضا اور کفارہ کا حکم دیا اور اس سے وقت مجامعت یا اس کی کیفیت دریافت نہیں فرمائی (کہ تو نے کیوں اس وقت یہ فعل کیا)، لہٰذا اس صورت میں کفارہ واجب ہوگا، خواہ وہ فعل کرنے والا حقیقی معنوں میں روزہ دار ہو یا یہ صورت ہو کہ اس پر نواقضِ صوم سے باز رہنا واجب ہو اور اس لیے روزہ دار ہی کی طرح نواقضِ صوم سے رکا ہوا ہو۔ اس کی شکل یہ ہے کہ کسی شخص نے رات کو روزہ کی نیت نہ کی ہو اس لئے گو اس کا روزہ درست نہیں ہے، تاہم اسے روزہ داروں ہی کی طرح رہنا واجب ہے۔ ایسی حالت میں بھی اگر کسی نے مجامعت کر لی تو اس پر کفارہ واجب ہے اور قضا بھی لازم ہے جو اس کے ذمہ ہے۔

واضح ہو کہ جماع سے ہٹ جانا جماع کے حکم میں ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو یہ دوران مجامعت صبح نمودار ہو گئی اور وہ (یہ معلوم کرتے ہی) ہٹ گیا تب بھی اس پر قضا اور کفارہ واجب ہے۔ رہا وہ جس کے ساتھ جماع کیا گیا اگر وہ مسئلہ کو جانتے ہوئے اس پر راضی رہا اور روزہ کا اسے علم تھا تو اس پر بھی قضا اور کفارہ واجب ہے۔

(قضا اور کفارہ واجب کرنے والی) دوسری بات ایک عورت کا دوسری عورت کے ساتھ مباشرت کرنا ہے۔ ان میں سے جس کو انزال ہوا اس پر کفارہ واجب ہے۔ اس عمل کو عربی میں ''مساحقہ'' (طبق زنی) کہتے ہیں۔

یاد رہے کہ اگر (کفارہ واجب کرنے والا) جماع حالتِ صحت میں کیا اور پھر مرض لاحق ہو گیا (جس میں روزہ کی صرف قضا واجب ہوتی ہے) تو کفارہ ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ کوئی آزاد ہو اور جماع کیا پھر قیدی ہو گیا یا یہ کہ جماع کیا جبکہ مقیم تھا اور پھر سفر اختیار کر لیا۔ یا یہ کہ کسی عورت کے ساتھ پاکی کی حالت میں مجامعت کی اور پھر اسے حیض آ گیا، ان میں سے کسی صورت میں کفارہ ساقط نہ ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ قضا اور کفارہ کو واجب کرنے والی وہی باتیں ہیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، لیکن ان کی چند شرائط ہیں۔ ذیل میں روزہ کو فاسد کرنے والی ان تمام صورتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں:

اول ''جماع'' جس سے غسل واجب ہو جائے۔ اس سے بالغ آدمی کا روزہ فاسد ہو جاتا ہے، فاعل ہو یا مفعول۔ اگر کسی بالغ آدمی نے ناقابل جماع صغیر سن لڑکی سے جماع کر لیا تو بالغ آدمی کا روزہ بغیر انزال کے فاسد نہ ہوگا۔ اگر جماع کے علاوہ کسی اور طرح سے انزال ہو جائے تو اس سے کفارہ واجب ہوگا۔ قضا واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر (کسی شہوت انگیز شے کے) دیکھنے سے یا خیال کرنے سے انزال ہو جائے تو کفارہ واجب نہ ہوگا، تاہم دو صورتوں میں (کفارہ واجب) ہوگا: ایک تو یہ دیکھنا اور سوچنا لگاتار ہو۔ لہٰذا اگر کسی عورت کو دیکھا اور پھر آنکھیں نیچی کر لیں بغیر اس کے کہ اس کی جانب گھورتا

Marfat.com

رہااور اتنے ہی میں انزال ہو گیا تو کفارہ نہ ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو نظر جمائے رکھنے سے انزال ہو جانے کی عادت ہے (اس پر بھی کفارہ واجب ہو گا)۔ لیکن اگر اس کی عادت یہ نہیں ہے (کہ نظر جمائے رکھنے سے انزال ہو جاتا ہو) تو اس پر کفارہ واجب ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں دو قول ہیں (یعنی واجب ہونا اور واجب نہ ہونا) اگر محض دیکھنے یا خیال کرنے سے بغیر اس کے کہ کوئی نظر جمائے رہے یا سوچتا رہے، انزال ہو جائے اور اس میں معمول کے مطابق لذت محسوس ہو تو محض قضا واجب ہوگی، کفارہ واجب نہ ہوگا۔

مذی کے خارج کرنے سے بہرحال صرف قضا واجب ہوگی۔

اگر کوئی شخص رمضان کے مہینے میں دن کے وقت سوئی ہوئی عورت کے ساتھ جماع کرلے تو اس عورت کی طرف سے کفارہ ادا کرنا واجب ہے۔ اسی طرح اس شخص پر کفارہ واجب ہے جس نے ارادۃً کسی سوئے ہوئے شخص کے حلق میں کوئی چیز ڈال دی اور وہ چیز اس کے معدے میں پہنچ گئی۔ ان صورتوں میں اس عورت پر اور اس شخص پر جس کے حلق میں کوئی شے ڈالی گئی صرف قضا واجب ہے، کیونکہ قضا کے باب میں کسی اور شخص کی نیابت قبول نہیں کی جاسکتی۔

دوسری چیز (جو قضا اور کفارہ واجب کرتی ہے) قے کرنا ہے اور قصداً قے کرنا ہے۔ یہ قے خواہ منہ بھر کر آئی ہو یا منہ بھر کر نہ آئی ہو، پس جس نے قصداً بے سبب ایسا کیا تو اس پر قضا اور کفارہ دونوں واجب ہو گئے۔ لیکن کسی کو قے از خود آ گئی تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا تاوقتیکہ منہ میں آئی ہوئی قے کا کچھ حصہ پھر نہ پیٹ میں چلا جائے، خواہ وہ اپنے اختیار سے نہ گیا ہو۔ بلغم کا حکم اس کے خلاف ہے کہ اگر وہ منہ میں آکر پھر پیٹ میں چلا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، اگرچہ روزہ دار کے لئے ممکن تھا کہ وہ منہ سے تھوک دیتا، مگر اس نے رہنے دیا اور اس طرح وہ پھر اندر چلا گیا۔

تیسری چیز کسی مائع (پتلی شے) کا حلق تک پہنچ جانا ہے، منہ کے راستے سے ہو یا کان یا آنکھ کے راستے سے۔ یہ رقیق شے پانی ہو یا کوئی اور شے ہو قصداً حلق تک پہنچائی گئی تو قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے۔ اگر سہواً پہنچ گئی مثلاً کلی کرتے میں ناگزیر طور پر پانی حلق تک پہنچ گیا تو صرف قضا واجب ہوگی۔ غلط فہمی کی بناء پر پیٹ میں کچھ ڈالنے کا بھی یہی حکم ہے۔ مثلاً یہ خیال کرتے ہوئے کہ ہنوز رات باقی ہے یا یہ کہ سورج غروب ہو گیا ہے اور کچھ کھا پی لیا یا یہ کہ روزے کے صحیح ہونے میں شک رہا جب تک کہ یہ تحقیق نہ ہوگئی کہ فی الواقع وہ کھانا صبح ہونے سے پہلے یا غروب کے بعد کھایا تھا، ان تمام صورتوں میں صرف قضا واجب ہوگی۔ اگر یہ صورت نہ ہو (یعنی شک نہ رہا ہو) تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ دھونی اور ہانڈی کی بھاپ کا بھی وہی حکم ہے جو پانی کا ہے۔ اسی طرح بعض اشیاء کا دھواں جن کے پینے کے لوگ عادی ہیں (یعنی سگریٹ، حقہ، چرس وغیرہ) کہ اگر وہ ناک کے راستے چڑھ جائے تو حلق تک پہنچتے ہی روزہ جاتا رہے گا، اگرچہ معدہ تک نہ پہنچا ہو۔ البتہ لکڑی کے دھوئیں کا روزہ پر کوئی اثر نہیں ہوتا، جیسے کھانے کی خوشبو سونگھنے سے روزہ متاثر نہیں ہوتا۔ اگر رات کے وقت سرمہ ڈالا اور اس کا ذائقہ دن میں محسوس ہوا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اگر بالوں میں ارادۃً کسی معذوری کے بغیر تیل ڈالا اور بالوں کے مسامات سے وہ تیل حلق تک پہنچ گیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور کفارہ واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی عورت بالوں میں بغیر کسی عذر کے مہندی لگائے اور اس کا ذائقہ حلق میں محسوس ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور کفارہ واجب ہوگا۔

Marfat.com

چوتھی چیز کسی چیز کا معدے میں پہنچ جانا خواہ وہ شے رقیق ہو یا نہ ہو اور یہ شے بغیر کسی عذر کے ارادۃً پہنچائی گئی ہو، خواہ وہ اوپر کی جانب سے پہنچائی گئی ہو یا نیچے کی جانب سے، اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ لیکن نیچے سے پہنچائی جانے والی شے سے روزہ اسی صورت میں باطل ہوگا جب کہ کسی راستے مثلاً پاخانہ کے مقام سے پہنچائی جائے۔ تیل وغیرہ مسامات سے معدے تک پہنچ جائے تو روزہ خراب نہ ہوگا۔ سوئی کے ذریعہ حقنہ کرنے (انجکشن) سے خواہ بازو پر ہو یا کولہے پر یا کسی اور جگہ پر روزہ فاسد نہیں ہوتا لیکن احلیل یعنی سوراخ ذکر میں حقنہ کرنے سے روزہ بالکل فاسد نہیں ہوتا۔ اگر کوئی کنکری یا سکہ معدہ میں چلا جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا صرف اس صورت میں جبکہ منہ کے راستے گیا ہو۔ روزے کے مہینے میں ہر چیز جو معدہ میں پہنچ جائے روزہ توڑ دیتی ہے جیسا کہ بیان کیا گیا۔ اب کوئی شے خواہ ارادۃً معدہ میں ڈالی گئی یا جبراً یا بھول چوک سے، جیسا کہ حلق میں پانی پہنچ جانے کے بارے میں اوپر بتایا گیا، ان سے قضا واجب ہوتی ہے۔ لیکن عمداً معدہ میں کوئی شے پہنچانے کی بعض صورتیں، جیسا کہ بیان کیا گیا، ایسی ہیں جن سے کفارہ لازم ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جس نے روزے کو توڑنے والی متذکرہ سابقہ اشیاء میں سے کوئی شے تناول کر لی اس پر چند شرائط کے تحت قضا اور کفارہ واجب ہوگا۔

پہلی شرط یہ ہے کہ ماہ رمضان کا روزہ ٹوٹا ہو۔ اگر رمضان کے علاوہ کوئی اور روزہ مثلاً قضائے رمضان کا یا مانا ہوا روزہ یا کفارے کا روزہ یا نفلی روزہ ہو تو کفارہ واجب نہ ہوگا، ہاں بعض صورتوں میں قضا لازم ہوگی، جیسا کہ اس کی تفصیل دوسری قسم (یعنی غیر رمضان) کے روزوں کے بیان میں آئے گی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ روزہ قصداً توڑا گیا ہو۔ اگر بھولے سے یا غلطی سے یا کسی عذر سے، مثلاً مرض لاحق ہو جانے یا سفر پیش آ جانے کی وجہ سے روزہ توڑا تو صرف قضا واجب ہوگی۔

تیسری شرط یہ ہے کہ روزہ توڑنے والی شے کا تناول اختیاری امر ہو، اگر مجبوراً روزہ توڑا گیا تو کفارہ واجب نہیں، صرف قضا واجب ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ روزہ دار کو یہ علم ہو کہ روزہ توڑنا حرام ہے، اگرچہ یہ نہ جانتا ہو کہ روزہ توڑنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص یہ نہ جانتا ہو کہ روزہ توڑنا حرام ہے، مثلاً نو مسلم (ہونے کے سبب مسائل دینی سے بے خبر) ہے اور اس نے ارادۃً روزہ کھول لیا تو اس پر کفارہ نہیں ہے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ کسی شخص کو ماہ رمضان کے احترام کی پروا نہ ہو اور اپنے اس فعل کی کوئی قرین قیاس تاویل (توجیہ) بھی نہیں کرتا (تو اس پر کفارہ واجب ہوگا) لیکن اگر اس کی توجیہ قرین قیاس ہو تو کفارہ واجب نہ ہوگا۔ قرین قیاس تاویل کا مطلب یہ ہے کہ اس کا روزہ توڑ دینا کسی امر واقعی سے نسبت رکھتا ہو۔ اس کی چند مثالیں یہ ہیں کہ کسی نے بھولے سے روزہ توڑ دیا یا جبراً توڑنا پڑا اور پھر یہ خیال کیا کہ اب روزہ تو رہا نہیں، لہٰذا دن کے باقی حصہ میں نواقضِ صوم سے بچنا واجب نہیں رہا، لہٰذا ارادۃً کھانا وغیرہ کھا لیا تو کفارہ لازم نہ ہوگا، کیونکہ روزہ توڑنے کی یہ دلیل ایک امر واقعہ یعنی بھول جانے یا مجبور ہو کر روزہ توڑنے پر مبنی ہے۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ کوئی روزہ دار قصر واجب کرنے والی مسافت سے کم کے سفر پر ہے اور یہ خیال کرنے لگا کہ اس کے لئے افطار کر لینا مباح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''ومن کان

Marfat.com

مریضا اوعلی سفر فعدۃ من ایام اخر ''سے بظاہر یہی مترشح ہوتا ہے (یعنی جو شخص مریض ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام میں روزہ کو پورا کر سکتا ہے) لہٰذا اس شخص نے رات ہی سے روزہ نہ رکھنے کا ارادہ کیا اور دن کے وقت روزہ توڑ لیا تو اس پر کفارہ نہیں ہے۔

اسی طرح وہ شخص جس نے رمضان کی تیس تاریخ کو دن کے وقت چاند دیکھا اور گمان کیا کہ وہ دن عید کا ہے اور اس پر روزہ کا توڑ دینا روا ہے، لہٰذا روزہ توڑ دیا اس بنا پر کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ: ''صوموا لرؤیته و افطروا لرؤیته''، یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑ دو، تو اس (تاویل کو قرین قیاس تصور کرتے ہوئے) اس پر کفارہ واجب نہیں ہے۔ لیکن دور از کار تاویل کرنے والا وہ ہے جس کے روزہ توڑنے کا سبب غیر حقیقی امر ہے۔ ایسے شخص پر کفارہ ہوگا۔ اس کی چند مثالیں یہ ہیں: مثلاً یہ کہ کسی شخص کو مقررہ دن میں بخار آتا ہو اور اس دن روزہ نہ رکھنے کا ارادہ رات ہی سے کر لیا، اس خیال سے کہ اسے روزہ نہ رکھنا مباح ہے تو ایسے شخص پر کفارہ واجب ہے اگرچہ اس روز اس کو بخار آ ہی گیا ہو۔ اسی طرح ایک عورت ہے جسے کسی خاص دن حیض آتا ہے اس دن روزہ نہ رکھنے کی نیت رات ہی سے کر لی کہ اس دن کا روزہ بوجہ حیض کے چھوڑ دینا اسے مباح ہے اور صبح کو روزہ توڑ دیا تو اس پر بھی کفارہ واجب ہوگا اگرچہ فی الواقع اس دن حیض آ جائے جس دن کے آنے سے پہلے ہی اس نے روزہ نہ رکھنے کی نیت کی تھی۔ ایسی ہی ایک مثال یہ ہے کہ رمضان میں کسی روز ایک شخص نے غیبت کی اور یہ خیال کر لیا کہ روزہ غیبت کرنے سے ٹوٹ گیا ہے اور اب افطار کرنا مباح ہے، لہٰذا افطار کر لیا تو کفارہ واجب ہوگا۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ پیٹ میں جانے والی چیز منہ کے راستے گئی ہو۔ پس اگر کوئی شے کان یا آنکھ وغیرہ کی راہ سے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا اندر پہنچ گئی ہو تو کفارہ نہیں ہے، گو قضا واجب ہے۔

ساتویں شرط یہ ہے کہ وہ شے معدہ میں پہنچ جائے۔ اگر روزہ دار کے محض حلق تک پہنچی تھی اور اس نے نکال دیا تو کفارہ واجب نہیں ہے۔ البتہ اگر حلق تک پہنچنے والی شے رقیق ہے تو قضا واجب ہوگی۔

اور ان اشیاء کے منجملہ جن سے روزہ باطل ہو جاتا ہے اور قضا و کفارہ لازم آتا ہے، دن کے وقت روزے کی نیت سے دستکش ہونا اور اسے توڑ دینا ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کسی شخص نے رات ہی روزہ کا ارادہ چھوڑ دیا اور اسی پر قائم رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ کسی نے ارادۃً قے کر کے معدہ سے کچھ نکالا اور پھر اس کا کچھ حصہ ارادۃً یا مجبوری سے (سہواً نہیں) معدہ میں پہنچ گیا (یہی حکم ہے)۔

اور تازہ مسواک کا اثر جو بالعموم جوز کے چھلکے کی طرح گھل جاتا ہے پیٹ تک پہنچ جانا، اگرچہ رمضان کے مہینے میں دن کے وقت مسواک کرتے میں ناگزیر طور پر پہنچ جائے، وہ عمداً متصور ہوگا۔ یہ تمام امور شروط متذکرہ سابقہ کے ساتھ کفارہ کو واجب کرتے ہیں۔ لیکن ارادۃً کی شرط، قے اور مسواک کی رطوبت مذکورہ کی صورت میں عائد نہیں ہوتی کیونکہ وہاں ارادۃً اور ناگزیر طور پر معدہ میں پہنچنا دونوں برابر ہیں، البتہ بھولے سے پیٹ میں چلی جائے تو (کفارہ واجب نہ ہوگا، بلکہ) دونوں صورتوں میں قضا واجب ہوگی۔

Marfat.com

وہ امور جن سے قضا واجب ہوتی ہے، کفارہ نہیں ہوتا

اور وہ امور جن سے کچھ واجب نہیں ہوتا

قضا اور کفارہ دونوں واجب ہونے والی صورتیں بتائی جا چکی ہیں، باقی رہے وہ امور جن سے صرف قضا واجب ہوتی ہے، کفارہ واجب نہیں ہوتا یا جن سے روزہ مطلقاً فاسد ہی نہیں ہوتا، ایسے امور بہت سے ہیں جن کی تفصیل مختلف مسالک میں کی گئی ہے۔ ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (1)

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ تین امور ایسے ہیں جن سے صرف قضا واجب ہوتی ہے، کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

اول یہ کہ روزہ دار کوئی ایسی شے کھائے جس میں غذائیت نہیں ہے یا ایسی شے جو غذا کے حکم میں، جس میں، غذائیت ہے اس سے مراد ایسی چیز ہے جس کے کھانے کی طرف طبیعت راغب ہو اور جس سے بھوک کی تسکین ہو اور وہ شے جو (غذا نہیں ہے لیکن بایں جہت کہ وہ غذا کی طرح کھائی پی جاتی ہے) غذا کے حکم میں ہے وہ دوا ہے۔

دوم یہ ہے کہ کوئی غذا یا دوا شرعی مجبوری سے کھائی جائے، جیسے مرض یا سفر کی حالت میں یا مجبوری یا غلطی سے، مثلاً کلی کرتے میں اچھو ہو جائے اور پانی پیٹ میں اتر جائے یا ایسی صورت ہو کہ پیٹ یا سر کے زخم میں دوائی ڈالی گئی اور وہ معدہ یا دماغ میں پہنچ گئی۔

واضح ہو کہ بھول کر کھا لینے سے روزہ مطلق نہیں جاتا، لہٰذا اس سے نہ قضا لازم ہے نہ کفارہ۔

سوم یہ کہ شرمگاہ کی شہوت کو مکمل طور پر نہ نکالا جائے۔

پہلی قسم کی چیزوں میں (جن کے کھانے سے قضا واجب ہوتی ہے) کچا چاول یا آٹا شامل ہیں۔ آٹا گندھا ہو یا ان گندھا جس میں ایسی چیز ملی ہوئی نہ ہو جو عادتاً کھائی جاتی ہے جیسے گھی اور شہد۔ ایسا ہوا تو کفارہ واجب ہوگا۔ یہی حکم ارمنی مٹی کے علاوہ کوئی اور مٹی کھانے کا ہے جس کے کھانے کا عادی نہ ہو۔ ارمنی مٹی (گِل ارمنی) جو عطاروں میں معروف (ہلکے سرخ رنگ کی مٹی) ہے اس کے کھانے سے قضا اور کفارہ دونوں واجب ہو جاتے ہیں۔ ایک بار بہت سا نمک کھا لیا جائے جس کو نہ دل چاہتا ہے اور نہ اس سے پیٹ کی طلب پوری ہوتی ہے، اس سے کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ البتہ تھوڑا سا نمک کھایا تو کفارہ اور قضا کرنا واجب ہو جائے گا، کیونکہ اس میں لذت ہوتی ہے۔ اسی طرح کھجور کی گٹھلی کھالی یا چمڑے کا کوئی ٹکڑا (نگل لیا) یا کوئی پھل جو پکنے سے پہلے نہیں کھایا جا سکتا جیسے کچا ہی جو پکا یا گدرایا نہ ہو اس سے کفارہ لازم نہ ہوگا، اگر ایسا ہوا تو کفارہ لازم آئے گا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کنکری یا لوہا یا سکہ یا مٹی کی ڈلی وغیرہ نگل لی یا پانی یا کوئی دوا پیٹ میں بذریعہ حقنہ پیچھے کی راہ سے یا ناک سے یا عورت کے آگے کی راہ سے داخل کیا گیا اور یا کان میں تیل ڈالا گیا۔ کان میں پانی ڈالنے سے بقول صحیح روزہ فاسد نہیں ہوتا کیونکہ پانی میں جذب کی خاصیت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر منہ میں بارش کا قطرہ پڑ گیا یا برف آن پڑی اور اسے ارادتاً نگلا نہیں گیا (تو روزہ نہیں ٹوٹے گا)۔ عمداً پیٹ سے قے خارج کرنے یا مجبوراً قے کے آنے اور پھر اپنے ارادہ سے اس کو نگل لینے سے (روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا واجب ہوگی) بشرطیکہ دونوں صورتوں

Marfat.com

میں قے منہ بھر کر ہو اور روزہ دار کو اپنا روزہ یاد ہو۔ اگر روزہ یاد نہیں ہے تو ان تمام صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر منہ بھر کر قے نہیں آئی تب بھی بقول صحیح روزہ نہیں جائے گا۔ کھجور وغیرہ کا کچھ حصہ دانتوں کی جھری میں رہ گیا اور اسے کھا لیا تو اگر اس کی مقدار چنے کے برابر ہے تو قضا واجب ہوگی، اگر اس سے کم ہے تو روزہ فاسد نہ ہوگا، کیونکہ اس سے کم مقدار کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اسی طرح لعاب دہن آیا اور اسے نگل لیا یا کلی کے بعد منہ میں تری باقی رہی اور تھوک کے ساتھ وہ بھی اتر گئی تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔ تاہم چاہیے کہ کلی کرنے کے بعد پہلے تھوک لیا جائے اس کے بعد لعاب دہن کو نگلا جائے۔ تھوکنے میں زیادہ مبالغہ کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری قسم یعنی وہ صورت جب کہ کوئی غذا یا غذا جیسی کوئی شے (دوا وغیرہ) شرعی عذر سے کھائی جائے، مثلاً ایک عورت ہے جسے اپنے بارے میں یہ اندیشہ ہے کہ بغیر کچھ کھائے پیے کام کاج کرنے سے بیمار پڑ جائے گی، اس لئے افطار کر لیا یا کوئی روزہ دار سو رہا ہے اور کسی نے اس کے پیٹ میں روزہ توڑنے والی کوئی چیز ڈال دی اور (روزہ جاتا رہا) یا یہ صورت ہو کہ شرعی شبہ کی بنا پر کہ (روزہ نہیں ہے) دانستہ کچھ کھا لیا، مثلاً یہ کہ پہلے بھولے سے کچھ کھا لیا، پھر (بایں خیال کہ روزہ تو ٹوٹ گیا ہے) ارادۃً بھی کھا یا یا بھولے سے مجامعت کر لی اور اس کے بعد (بایں خیال کہ روزہ نہیں رہا) پھر مجامعت (ارادتاً) کی یا (ارادۃً) کھانا کھایا۔ اسی طرح یہ صورت کہ رات کو نیت کرنا یاد نہ رہا اور دن میں نیت کی اور بایں خیال کہ روزہ تو یہ ہوگا نہیں (ارادتاً) روزہ توڑ دیا تب بھی کفارہ واجب نہ ہوگا، کیونکہ شافعیہ کے نزدیک (رات سے نیت نہ کرنے کے باعث) اس دن کا روزہ مشتبہ ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے کہ رات کو روزہ کی نیت کر لی اور اس کو نہیں توڑا اور صبح کو مسافر ہو گیا، اس کے بعد اقامت اختیار کر لی اور کھانا کھا لیا تب بھی کفار واجب نہ ہوگا اگرچہ اس صورت میں دن کے وقت کھانا پینا حرام ہے۔ اسی طرح اگر اس لئے کچھ کھایا پیا کہ طلوع فجر میں شبہ تھا، حالانکہ حقیقت میں صبح ہو چکی تھی، تو اس شبہ کی وجہ سے کفارہ نہ ہوگا۔ لیکن غروب کے وقت افطار کر لینے کی صورت میں کفارہ ساقط ہونے کے لئے محض یہ شک (کہ سورج غروب ہو چکا ہے) کافی نہیں، بلکہ دو اقوال میں سے ایک قول کے مطابق ظن غالب کا ہونا (کہ سورج غروب ہو چکا ہے) ضروری ہے۔ اگر کسی نے طلوع فجر سے پہلے جماع کیا اور اسی حالت میں دن نکل آیا تو اگر وہ فوراً ہٹ گیا تو روزہ فاسد نہ ہو گا اور اگر مصروف رہا تو اس پر قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

تیسری قسم میں وہ صورت ہے کہ کسی نے شرم گاہ کی شہوت کامل طور پر پوری نہیں کی، بایں طور کہ وہ کسی بے جان شخص یا جانور یا غیر مشتہاۃ کم عمر لڑکی سے آلودہ ہوا اور انزال بھی ہوا یا ران یا پیٹ پر (مسل کر) انزال کیا یا مشت زنی کی یا سوئی ہوئی عورت سے مباشرت کی یا اپنی شرم گاہ میں تیل وغیرہ ڈالا تو ان سب صورتوں میں قضا واجب ہوگی کفارہ لازم نہ ہوگا اور یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کسی نے انگلی کو پانی یا تیل سے تر کر کے اپنی دبر میں ڈالا یا استنجا کرنے میں پانی اندرونی حصہ میں پہنچ گیا۔ واضح ہو کہ دُبر (پاخانہ کے مقام) میں کوئی چیز داخل کرنے سے روزہ اسی صورت میں ٹوٹے گا جب کہ وہ چیز حقنہ کی جگہ تک پہنچائے (یعنی جہاں تک کہ پچکاری وغیرہ کے ذریعے دوا پہنچائی جاتی ہے) اور یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ ارادتاً اور کوشش کے ساتھ نہ کیا جائے۔

یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ مقعد میں کوئی دھجی یا لکڑی ڈالی جائے، یعنی حقنہ کی طرح کہ اس کا سرا کچھ باہر نہ

Marfat.com

رہے۔ اگر اس کا کچھ حصہ باہر رہا کہ ساری اندر نہیں گئی تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی عورت نے اپنی انگلی تیل یا پانی سے تر کر کے یا حقنہ کی لکڑی وغیرہ شرم گاہ کے اندر پوری داخل کر دی تو ان سب صورتوں میں اور اسی طرح کی دوسری صورتوں میں صرف قضا واجب ہوگی، کفارہ واجب نہ ہوگا۔ اگر پانی یا تیل سوراخ ذکر میں دوائی کے طور پر ڈالا گیا یا کسی کو دیکھنے سے شہوت کے ساتھ انزال ہوگیا، خواہ بار بار نظر کرنے سے یا شہوت انگیز خیالات میں پڑنے کی وجہ سے انزال ہو جائے یا احتلام (بدخوابی) ہو جائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا، نیز خوشبودار عطریات گلاب و نرگس کا پھول وغیرہ سونگھنے سے یا غسل جنابت میں اتنی دیر کرنے سے کہ سورج نکل آئے بلکہ پورے دن حالت ناپاکی میں رہنے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ راستے کا غبار حلق میں چلا جائے یا چھانس کی دھانس یا مکھی یا مچھر اس کی خواہش کے خلاف حلق میں جا پڑے تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے مذکورۂ بالا ناقض صوم اشیاء میں سے کوئی شے استعمال کی اور کفارہ کو واجب کرنے والی شرائط مندرجہ سابقہ میں سے کوئی شرط نہ پائی گئی تو اس پر صرف قضا واجب ہوگی، خواہ وہ ماہ رمضان کا روزہ ہو یا کوئی اور فریضہ صوم، مثلاً قضائے رمضان اور کفارے اور نذر غیر معین وغیرہ۔ لیکن اگر کسی خاص دن کے روزہ کی نذر تھی اور اس میں کسی مجبوری سے، مثلاً کوئی مرض لاحق ہوگیا یا یہ اندیشہ ہے کہ اگر اس معین دن کا روزہ رکھا تو کوئی مرض لاحق ہو جائے گا یا روزہ رکھنے سے مرض میں زیادتی یا (لاحق شدہ مرض کے) آرام ہونے میں تاخیر کا اندیشہ ہے یا عورت کو حیض یا نفاس کے باعث یا بے ہوشی یا جنون کی وجہ سے روزہ افطار کیا گیا تو اس کی قضا واجب نہ ہوگی، ہاں اگر امر مانع صوم کے دور ہو جانے کے بعد روزے کا وقت باقی رہا تو روزہ متعین پورا ہو جائے گا۔ لیکن اگر نذر یوم معین کے روزے کو بھولے سے توڑا، مثلاً جمعرات کے دن روزہ رکھنے کی منت مانی تھی لیکن بدھ ہی کو جمعرات کا دن سمجھ کر روزہ رکھ لیا اور جمعرات کو روزہ نہ رکھا تو قضا واجب ہے۔

واضح ہو کہ حج تمتع یا حج قران کرنے والے کا وہ روزہ جو "ہدی" (قربانی کا جانور) دستیاب نہ ہونے کے باعث اس پر عائد ہوتا ہے وہ فرائض میں سے ہے، لہٰذا اگر کسی نے حج تمتع اور حج قران میں وہ روزہ نہ رکھا تو اس پر قضا واجب ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ فرض شدہ روزہ توڑ دیا جائے تو اس کی قضا واجب ہوتی ہے۔ بجز نذر معین کے روزے کے جس کی تفصیل اوپر ہو چکی۔ نفلی روزہ کے ٹوٹ جانے سے قضا واجب نہیں ہوتی، بجز اس صورت کے جب کہ قصداً یا ممنوع طریقہ سے روزہ کو توڑا ہو۔

وہ امور جن سے روزہ فاسد ہی نہیں ہوتا اور نہ قضا واجب ہوتی ہے ان کے منجملہ ایک یہ ہے کہ قے بے اختیاری طور پر آ جائے اور (جب قے منہ میں آ جائے تو) اس کو نگلا نہ جائے تو روزہ محفوظ رہے گا۔

دوسرے یہ کہ راستے کا غبار یا آٹا وغیرہ ایسے روزہ داروں کے حلق میں پہنچ جائے جن کو اپنے کاروبار میں ان سے سابقہ رہتا ہے، مثلاً ایسا شخص جس کا کام چکی پیسنا اور آٹا چھاننا ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ اضطراری طور پر حلق میں کوئی مکھی چلی جائے۔

تیسری یہ صورت کہ مثلاً ہنوز کوئی کھا پی رہا ہے کہ صبح ہوگئی لیکن صبح ہوتے ہی جو کچھ اس کے منہ میں تھا اس نے فوراً

Marfat.com

نکال دیا۔ ایسی حالت میں روزہ فاسد نہ ہوگا۔

چوتھی صورت یہ کہ کسی شخص کو محض (شہوت انگیز شے کے) دیکھنے یا سوچنے سے انزال ہو جائے یا مذی خارج ہو تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا، جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔

پانچویں یہ کہ منہ میں تھوک (یا رال) جو جمع ہو جائے اسے کوئی نگل لے، یا دانتوں کی جھری میں کھانے کی کوئی چیز رہ گئی ہے، اسے نگل لے تو اس سے بھی روزہ کو نقصان نہیں ہے، یہاں تک کہ بقول معتبر اگر قصداً بھی ایسا کیا تو روزہ درست ہوگا۔ ہاں اگر اس شے کی مقدار اتنی ہو جسے بالعموم زیادہ کہا جاتا ہے، اس کے نگلنے سے، خواہ بے ارادہ ایسا ہوا ہو روزہ باطل ہو جائے گا۔

چھٹی صورت یہ کہ پیٹ کے کسی زخم پر جو معدہ کے قریب ہو تیل وغیرہ ڈالا جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ ان تمام صورتوں میں کوئی چیز اس جگہ پر نہیں پہنچتی جہاں خوراک یا پانی ٹھہرتا ہے۔

ساتویں احتلام ہے کہ احتلام ہو جانے سے روزہ نہیں جاتا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جن باتوں سے قضا واجب ہوتی ہے اور کفارہ واجب نہیں ہوتا ان میں سے کسی چیز کا منہ سے یا کسی اور طرح سے پیٹ میں داخل کرنا ہے، خواہ وہ چیز معدہ میں تحلیل ہونے والی ہو جیسے لقمہ (خوراک) یا نہ ہو جیسے لوہے یا سیسے کا کوئی ٹکڑا۔ اسی طرح دن کے وقت روزہ دار کا کوئی چیز چبانا جس کا ذائقہ محسوس ہو جیسے چبانے والی گوند یا لبان یا کھنکھار کا نگل لینا جو معدہ تک پہنچ جائے یا حقنہ کے ذریعہ دوا کا پیٹ میں ڈالنا یا سرمہ (آنکھ میں ڈالا اور) مزہ حلق تک پہنچ گیا یا قے منہ تک آئی پھر اس کو ارادتاً نگل لیا یا تھوک جو کسی ناپاک شے (مثلاً خون) سے بھرا ہوا ہو اور اس کو نگل لیا جائے۔ ان تمام صورتوں میں روزہ فاسد ہو جائے گا اور قضا واجب ہوگی۔ کفارہ واجب نہ ہوگا، نیز ہر وہ شے جو ارادتاً دماغ تک پہنچائی جائے، مثلاً کوئی دوا جو دماغ سے نزدیک کے کسی زخم پر ڈالی جائے اور وہ دماغ کے اندرونی حصہ تک پہنچ جائے۔ اس کو مامومہ (زخم سر کی دوا) کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اس صورت میں روزہ فاسد ہو جاتا ہے، لیکن کفارہ نہیں ہوتا جب کہ بار بار (شہوت انگیز شے کو) دیکھنے سے یا اپنے ہاتھ یا دوسرے کے ہاتھ کی رگڑ سے انزال کیا جائے یا دیکھنے یا کسی اور طرح سے مذی خارج ہو جائے یا بوسہ لینے یا ہاتھ لگانے سے یا شرم گاہ کے علاوہ کسی اور حصہ جسم میں مباشرت سے انزال ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور قضا واجب ہوگی جبکہ ارادتاً ایسا کیا گیا ہو، خواہ کوئی شخص اس حکم شرع سے ناواقف ہو۔ نیز خود کوشش کر کے قے کرنے سے، خواہ تھوڑی ہو یا بہت، روزہ جاتا رہتا ہے اور صرف قضا واجب ہوگی۔ پچھنے سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا، جو ارادتاً پچھنا لگوائے یا جو پچھنا لگائے اور خون نکل آئے تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور قضا واجب ہوگی۔ اگر خون نہ نکلے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ (پچھنا چوس کر خون نکالنے کا طریقہ ہے)۔

یاد رہے کہ یہ تمام امور اگر سہواً عمل میں آئے یا جبراً کرنا پڑا یا کوئی دوا جبراً پیٹ میں ڈال دی گئی تو روزہ نہیں جائے گا۔

وہ امور جن سے نہ قضا واجب ہوتی ہے نہ کفارہ ان میں فصد لگوانا ہے۔ (یعنی نشتر کے ذریعے خون نکلوانا)۔ پچھنے (یا فصد) کے علاوہ استرے سے چیر دینے، نکسیر پھوٹنے، اپنے آپ قے آ جانے، نیز مکھی یا گرد کے از خود منہ میں چلے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ شرم گاہ میں اپنی یا کسی اور کی انگلی ڈالنے سے، اگرچہ وہ تر ہو، روزہ

Marfat.com

نہیں جاتا، اسی طرح خیال کرنے سے یا احتلام کی صورت میں انزال ہو جانے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ اگر کسی نے پیر کے تلوؤں میں مہندی لگائی اور اس کا ذائقہ حلق میں محسوس ہوا یا کسی نے کلی کی یا ناک میں پانی ڈالا اور بلا ارادہ وہ پانی اس کے معدہ میں پہنچ گیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا، یہاں تک کہ اگر کلی یا ناک میں پانی ڈالنا بیکار اور فعل مکروہ کے طور پر بہت زیادہ کیا گیا تب بھی (فاسد نہ ہوگا)، یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کسی کو فجر ہو جانے کے بارے میں شک تھا یا یہ گمان کیا کہ سورج غروب ہو گیا ہے اور حقیقت حال معلوم نہ ہوئی، لہٰذا کھایا پیا یا مجامعت کی ہے تو (دونوں صورتوں میں) روزہ فاسد نہ ہوگا، لیکن اگر حقیقت حال معلوم ہو جانے پر ایسا کیا تو اس کھانے پینے سے روزہ جاتا رہا اور قضا واجب ہوگئی اور جماع کی صورت میں قضا اور کفارہ دونوں اس پر لازم ہوں گے۔ ایسی ہی صورت یہ ہے کہ کسی نے بایں گمان کہ ہنوز رات باقی ہے کچھ کھایا پیا، پھر پتہ چلا کہ دن ہو گیا ہے یا یوں ہوا کہ بھولے سے کچھ کھا لیا اور بایں خیال کہ اب تو روزہ ٹوٹ گیا ہے ارادتاً بھی کچھ کھا لیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور صرف قضا واجب ہوگی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جو امور روزہ کو فاسد کرتے ہیں، لیکن کفارہ واجب نہیں ہوتا وہ چند امور ہیں، منجملہ ان کے روزہ دار کے پیٹ میں کسی شے کا چلا جانا ہے، خواہ وہ شے بہت تھوڑی ایک تل یا سنگریزہ کے برابر ہو یا کسی قدر بھی پانی ہو۔ ان اشیاء سے روزہ ٹوٹنے (اور کفارہ واجب نہ ہونے) کی چند شرطیں ہیں:

ایک یہ کہ وہ شخص بہ سبب نو مسلم ہونے کے (مسائل سے) ناواقف ہو۔

دوم یہ کہ ارادتاً اس سے ایسا امر سرزد ہوا ہو، لہٰذا اگر ناچاری سے قہراً (یعنی بلا ارادہ) پیٹ میں کوئی شے چلی گئی تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

سوم یہ کہ وہ شے پیٹ میں اس طرح گئی ہو جس طرح اس کا پیٹ میں جانا شرعاً تسلیم کیا گیا ہو، مثلاً (کسی شے کا) ناک سے، منہ سے، کان سے، آگے پیچھے کی راہ سے یا زخم سے جو دماغ تک پہنچا ہوا ہو (داخل ہونا) اسی میں دخان کشی کا عام طریقہ (یعنی حقہ سگریٹ نوشی) اور تمباکو اور نسوار وغیرہ کا استعمال شامل ہے۔ ان تمام امور سے روزہ باطل ہو جاتا ہے اور قضا واجب ہوتی ہے، کفارہ نہیں واجب ہوتا، جیسا کہ مسلک مالکیہ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ ان کے نزدیک کفارہ جماع اور اس کی شرائط متذکرہ کے بغیر واجب نہیں ہوتا۔ ایسی ہی باتوں میں بلا ضرورت انگلی یا اس کا کچھ حصہ اگرچہ خشک ہو، استنجا کے وقت آگے یا پیچھے کی راہ میں داخل کرنا ہے، اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر کسی ضرورت سے ایسا کیا جائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔ اسی طرح کسی تنکے وغیرہ کو کان کے اندرونی حصہ میں داخل کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ کان کا اندرونی حصہ شرعاً پیٹ کے حکم میں ہے۔ نیز شرع کی مطلوبہ مقدار سے زیادہ کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے سے بایں طور کہ اس میں مبالغہ کیا جائے (یعنی دیر تک) یا تین بار سے زیادہ ہو اور پانی معدہ تک چلا جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور قضا واجب ہوگی۔ دانت کے درمیان میں پھنسی ہوئی چیز جس کو تھوکا یا نکالا جا سکتا ہے، اس کا کھا لینا بھی اسی میں داخل ہے کہ اس سے روزہ جاتا رہے گا، اگرچہ اس کی مقدار چنے سے کم ہو۔ اسی طرح روزہ دار اگر ارادتاً جان بوجھ کر اور اپنے اختیار سے قے کرے تو اگرچہ منہ بھر کر نہ ہو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا لازم ہوگی۔ اگر کوئی مکھی پیٹ میں چلی گئی اور اسے نکال دیا تب بھی روزہ فاسد ہو جائے گا اور قضا واجب ہوگی۔ نیز عمداً کھانسنے اور کھنکھارنے سے کوئی چیز

Marfat.com

وہ امور جو روزہ دار کے لئے مکروہ ہیں
اور وہ امور جو مکروہ نہیں ہیں

جن امور کا کرنا روزہ دار کے لئے مکروہ ہے ان کے متعلق مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

معدہ سے حلق کے اوپری حصہ تک آجائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ حلق کا بیرونی حصہ "بقول معتبر" وہ ہے جہاں سے ہائے مختفی کی آواز نکلتی ہے، بلغم کا اندر سے نکال کر باہر تھوک دینا اس حکم میں داخل نہیں ہے، کیونکہ ایسا کرنے کی بار بار ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ ہاں اگر وہ منہ میں آکر رک جائے اور پھر اس کو نگل لیا جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ مباشرت (بدن کو بدن کے ساتھ ملانے) سے اگر چہ یہ مباشرت فاحشہ ہو (یعنی شرم گاہوں کا ملنا ہو) انزال ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا (لیکن کفارہ واجب نہ ہوگا) اسی طرح بوسہ لینے اور مساس وغیرہ کرنے سے انزال ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور صرف قضا واجب ہوگی، البتہ اگر محض دیکھنے یا خیال کرنے سے انزال ہو جائے اور یہ غیر عادی طور پر ہو تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، جیسے کہ احتلام سے نہیں ہوتا۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں روزہ دار کے لئے مکروہ ہیں:

اول کسی شے کا چکھنا جب کہ وہ معدہ میں نہ جائے، خواہ روزہ فرض ہو یا نفل، البتہ اگر ایسا کرنا لازم ہو تو جائز ہے کہ مثلاً عورت جس کا خاوند بد مزاج ہو، کھانے کا نمک چکھ لیا کرے۔ یہی حکم باورچی، نانبائی کے لئے بھی ہے۔ اسی طرح جائز ہے کہ کھانے پینے کی کوئی چیز خریدنی ہے اور اندیشہ یہ ہے کہ بیچنے والے نے دھوکہ دیا ہو اور جیسا بتایا ہے اس کے مطابق نہ ہو تو اس کو چکھ لے۔

دوم کسی چیز کا چبانا، بغیر کسی عذر کے، اگر معذوری ہو، جیسے کوئی عورت اپنے بچے کو چبا کر کچھ کھلانا چاہے اور کوئی ایسا شخص جسے روزہ نہ رکھنا جائز ہو کہ چبا کر بچے کو دے سکے موجود نہ ہو تو اس کے لئے مکروہ نہیں ہے۔

چبانے والی گوند (Chewing Gum) کا چبانا گو اس سے پیٹ میں کچھ نہیں جاتا مکروہ ہے۔

سوم اپنی بیوی کا بوسہ لینا (مکروہ ہے)، خواہ یہ بوسہ فاحشہ ہو، مثلاً یہ کہ اس کے لبوں کو چوسے یا فاحشہ نہ ہو۔ اسی طرح مباشرت فاحشہ مکروہ ہے، بایں طور کہ شرم گاہوں کو درمیان میں کسی شے کے حائل ہوئے بغیر ملائے۔ یہ امر مکروہ اس حال میں ہوگا جب کہ اسے اپنی ذات پر اطمینان نہ ہو کہ انزال یا جماع سے محفوظ رہے گا۔ ہاں اگر اس طرف سے اطمینان ہو تو مکروہ بھی نہیں ہے، جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

چہارم اپنے منہ میں جمع شدہ لعاب کو نگل جانا (مکروہ ہے) کیونکہ اس میں روزہ ٹوٹنے کا اندیشہ ہے۔

پنجم ایسا کوئی کام کرنا جس کی بابت گمان یہ ہو کہ اس سے روزہ کی حالت میں کمزوری ہو جائے گی، مثلاً فصد (نشتر لگا کر خون نکالنا) یا حجامت (پچھنے لگوانا)۔ لیکن اگر یہ گمان غالب ہو کہ اس سے کمزوری نہ ہوگی تو روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

وہ امور جن سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا وہ یہ ہیں:

Marfat.com

بوسہ یا مباشرت فاحشہ جب کہ انزال یا جماع کے ارتکاب کی طرف سے اطمینان ہو۔

۲: مونچھوں کو تیل لگانا کیونکہ اس عمل میں کوئی امر منافی روزہ نہیں ہے۔

۳: سرمہ وغیرہ ڈالنا، اگرچہ اس کا اثر حلق میں محسوس ہو۔

۴: پچھنے وغیرہ لگوانا درآنحالیکہ اس سے روزہ دار کو کمزوری نہ ہو۔

۵: دن کے کس حصہ میں بھی مسواک کرنا۔ یہ عمل (نہ صرف یہ کہ مکروہ نہیں ہے) بلکہ سنت ہے۔ مسواک کے سوکھے یا تر ہونے یا خشک ہونے یا پانی سے تر ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۶: کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، خواہ یہ عمل وضو کے علاوہ بھی کیا جائے۔

۷: غسل کرنا۔

۸: بدن پر بھیگا ہوا کپڑا رکھ کر جسم کو ٹھنڈک پہنچانا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ کھانے کا چکھنا روزہ دار کے لئے فعل مکروہ ہے، خواہ پکانے والا ہی ایسا کرے۔ اگر احیاناً چکھ لیا ہے تو واجب یہ ہے کہ تھوکے تا کہ اس کا کچھ حصہ حلق تک نہ پہنچے۔ اگر بلا ارادہ اس کا ذائقہ حلق تک پہنچ جائے اور وہ روزہ فرض ہو تو قضا لازم ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اگر ارادۃً معدہ میں پہنچایا گیا اور روزہ رمضان کا ہے تو قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے، جیسا کہ سابقاً بیان ہوا۔

واضح ہو کہ دن کے وقت دانتوں کے کھندانے میں جو بیخ دندان کا ایک مرض ہے دوائی لگانا مکروہ ہے، بجز اس صورت کہ جب کہ رات تک توقف کرنے سے ضرر کا اندیشہ ہو تو دن میں بھی ایسا کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ بلکہ اگر تاخیر (علاج) میں ہلاکت یا سخت اذیت کا اندیشہ ہو تو (دوائی کا ڈالنا واجب ہے)۔

کتان (السی) کا جس میں ذائقہ ہو، کاتنا مکروہات میں سے ہے۔ کتان (السی) وہ جس کو مرطوبات میں ڈال کر سڑایا جاتا ہے۔ یہ مکروہ اس صورت میں ہے جب کہ کاتنے والی عورت کاتنے کا کام کرنے پر مجبور نہ ہو، ورنہ مکروہ نہیں ہے اور اس پر لازم ہے کہ اس کے (اثر سے) منہ میں پانی بھر آئے تو اسے مسلسل تھوکا جائے۔ ایک اور کتان وہ ہوتی ہے جس کا کوئی ذائقہ نہیں ہوتا اور اس کو دریا میں ڈال کر سڑایا گلایا جاتا ہے۔ ایسی کتان کا کاتنا مکروہ نہیں ہے اگرچہ بغیر کسی مجبوری کے ایسا کیا جائے۔

فصل کاٹنے کا کام کرنا بھی روزہ دار کے لئے مکروہ ہے، کہ مبادا کوئی غبار حلق کے اندر چلا جائے جس سے روزہ ٹوٹ جائے، اس کا مکروہ ہونا بھی اسی صورت میں ہے جب کہ مجبوراً ایسا کرنا نہ پڑے۔ مجبوری ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ البتہ کھیتی کے مالک کو اجازت ہے کہ فصل کٹتے وقت وہاں پر موجود رہے، کیونکہ اس کے لئے (غلہ کی) حفاظت اور دیکھ بھال کرنا ضروری ہے۔

جماع کے محرکات، مثلاً بوسہ لینا اور (شہوت انگیز) خیالات میں پڑنا اور ایسی اشیا کا دیکھنا مکروہ ہے درآنحالیکہ مذی کے نکلنے یا انزال ہونے کی طرف سے اطمینان نفس ہو۔ اگر اس میں شک ہے یا اطمینان نہیں ہے یا کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ بچ نہ سکے گا تو یہ باتیں حرام ہیں۔ تاہم اگر ایسی صورت میں مذی کا اخراج یا انزال نہ ہوا ہو تو روزہ صحیح ہو جائے گا۔ اگر ان افعال سے مذی آجائے تو روزے کی قضا لازم ہے۔ البتہ اگر بلا ارادہ اور مسلسل نظر کے بغیر محض مذی

Marfat.com

خارج ہو جائے تو قضا واجب نہیں ہے۔ اگر (ایسی حرکات سے) انزال ہو جائے اور روزہ رمضان کا ہو تو قضا اور کفارہ لازم ہوگا، بشرطیکہ جن محرکات جماع کا ارتکاب کیا گیا وہ (اس کے لئے) حرام ہوں، مثلاً دیکھنے والے کو اپنے اوپر اطمینان نہ ہو کہ (انزال یا جماع سے) محفوظ رہے گا یا ایسا ہو جانے کا اندیشہ رہا ہو۔ لیکن اگر ان (محرکات) کا ارتکاب محض مکروہ تھا، بایں طور کہ اسے نفس پر اطمینان تھا (کہ ایسا نہ ہوگا تاہم ایسا ہو گیا) تو صرف قضا واجب ہوگی، بشرطیکہ ان محرکات کے ارتکاب میں سہل انگاری سے کام نہ لیا گیا ہو جس کے باعث انزال ہو گیا تو اس صورت میں بھی قضا و کفارہ دونوں واجب ہوں گے۔

ہری مسواک کا استعمال کرنا جو کسی قدر منہ میں گھل جاتی ہے، مکروہ ہے، ایسی نہ ہو تو تمام دن جائز ہے، بلکہ امور شرعی، مثلاً وضو اور نماز کے مقتضیات میں سے امر مستحب ہے۔ (روزہ کی حالت میں) پیاس کی تسکین کے لئے کلی کرنا جائز ہے۔

صبح ہونے تک ناپاکی کی حالت میں رہنا خلاف اولیٰ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ رات کے اندر ہی غسل کر لیا جائے۔

فصد اور پچھنا روزہ دار کے لئے مکروہ ہیں درآنحالیکہ کوئی مریض ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ شاید مرض کی زیادتی کے باعث روزہ توڑنا پڑ جائے۔ اگر زیادتی مرض سے محفوظ رہنے کا یقین ہو تو دونوں باتیں جائز ہیں، جیسا کہ تندرست (روزہ دار) کے لئے دونوں باتیں اس صورت میں جائز ہیں جب کہ سلامتی کا یقین یا اس کا شک ہو۔ اگر (صحیح و مریض) دونوں میں سے کسی کو سلامتی کا یقین نہ ہو بایں طور کہ تندرست آدمی یہ خیال کرے کہ فصد یا پچھنے سے طبیعت خراب ہو جائے گی یا مریض کو یہ یقین ہو کہ مرض بڑھ جائے گا تو دونوں باتیں حرام ہوں گی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ روزہ دار کو جو باتیں مکروہ ہیں ان کے منجملہ بے مقصد اور فضول طور پر یا گرمی اور پیاس کے باعث کلیاں کرنے لگنا یا ٹھنڈک حاصل کرنے اور شرعی غسل کے ارادہ کئے بغیر پانی میں غوطے لگانا ہے۔ تاہم ان صورتوں میں اگر پانی پیٹ کے اندر چلا جائے تو ان افعال کے بذات خود مکروہ ہونے کے باوجود روزہ فاسد نہ ہوگا۔

لعاب دہن کو منہ میں جمع کر کے اس کا نگل لینا اور ایسی چیز کا چبانا جو گھلنے والی نہ ہو (مکروہ ہے)، اور گھلنے والی شے کا چبانا حرام ہے، اگرچہ اس کا شیرہ نگلا نہ گیا ہو۔ اسی طرح بلا ضرورت کھانے کا چکھنا (مکروہ ہے)۔ اگر کھانے کو کسی خاص غرض سے چکھا ہو تو مکروہ نہیں ہے، تاہم اگر بلا ضرورت ایسا کرنے سے کچھ حلق تک پہنچ گیا تو روزہ جاتا رہے گا اور خوراک کے کسی ذرہ کو دانتوں میں پھنسا رہنے دینا اور ایسی شے کا سونگھنا جس کے حلق میں پہنچ جانے کی طرف سے اطمینان نہ ہو (مکروہ ہے) مثلاً مشک اور کافور کا سفوف اور عود وغیرہ کے بخارات، بخلاف ان اشیاء کے جن کی بابت اطمینان ہو کہ (ان کا اثر) حلق تک نہیں پہنچے گا ان کا سونگھنا مکروہ نہیں ہے۔ اسی طرح بوسہ لینا اور دوسرے محرکات جماع مثلاً چمٹانا اور مس کرنا اور بار بار دیکھنا جبکہ ان اشیاء سے شہوت کی تحریک ہو، مکروہ ہیں، اگر ایسا نہ ہو تو مکروہ نہیں۔ نیز بوسہ یا دوسری محرکات جماع سے اگر انزال ہو جانے کا گمان ہو تو ایسا کرنا حرام ہے۔ اسی طرح اگر طلوع فجر میں شک ہو تو جماع مکروہ ہے۔ بخلاف سحری کے کہ سحری (شک کی حالت میں) کھائی جا سکتی ہے، کیونکہ سحری کی غرض یہ ہے کہ روزہ کے لئے قوت حاصل ہو، بخلاف جماع کے کہ اس سے یہ غرض نہیں ہوتی۔

Marfat.com

رمضان کا روزہ رکھ کر توڑ دینے کا بیان

جس نے ماہ رمضان میں روزہ رکھ کر توڑ دیا اس پر واجب ہے کہ دن کے باقی حصے میں ماہ رمضان کا احترام کرتے ہوئے نواقضِ صوم کے ارتکاب سے باز رہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے گھلا ملا یا بغل گیر ہوا یا بوسہ وغیرہ لیا اور انزال ہو گیا، تو روزہ جاتا رہا۔ ایسی حالت میں اس پر واجب ہے کہ دن کے باقی حصے میں (نواقضِ صوم سے) باز رہے۔ اسے افطار کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر ماہ رمضان کے علاوہ کوئی اور روزہ اس طرح توڑ دیا، مثلاً نذر معین یا غیر معین کا روزہ، یا کفارات کا روزہ یا قضائے رمضان کا روزہ یا کوئی اور نفلی روزہ تو ان تمام صورتوں میں دن کے باقی حصے میں افطار سے باز رہنا واجب نہیں ہے۔ تین امام اس

شافعیہ کہتے ہیں کہ چند امور روزہ دار کو معاف ہیں:

کسی شے کا بھولے سے یا جبراً معدہ میں پہنچایا جانا یا کوئی عذر نا واقفیت مسئلہ کا ایسا ہو جو شرعاً معتبر ہے۔ اسی میں وہ صورت شامل ہے جبکہ دانت میں پھنسی ہوئی کوئی غذا تھوک کے ساتھ معدہ میں چلی جائے، بشرطیکہ وہ چیز تھوکی نہ جا سکتی ہو، لیکن اگر تھوکنا ممکن تھا پھر بھی اسے نگل لیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ یہی تفصیل بلغم اور قہوہ کے اثر کے متعلق جاننا چاہیے اور یہی حکم راستہ کے غبار یا آٹے کی چھانس یا مکھی اور مچھر کے منہ میں چلے جانے کا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی شے معدہ میں اتر گئی تو روزہ کے لئے نقصان دہ نہیں ہے، کیونکہ ان اشیاء سے بچنا مشکل اور دشوار ہے۔

روزہ دار کا گالی گلوچ کرنا بھی مکروہاتِ صوم میں سے ہے اور روزہ کھولنے میں تاخیر کرنا بایں خیال کہ اس میں فضیلت ہے، مکروہ ہے، ایسا خیال نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔

چبانے والی گوند ''لبان'' (Chewing Gum) کے چبانے یا کھانے کی چیز کو دانت سے کچلنے میں روزہ فاسد نہیں ہوتا لیکن بلا ضرورت، مثلاً کسی بچے کو کچھ چبا کر کھلانا یا اسی طرح کوئی اور ضرورت نہ ہو تو مکروہ ہے۔ پچھنے لگوانے اور فصد کھلوانے کا بھی یہی حال ہے کہ بلا ضرورت مکروہ ہے۔ اسی طرح بوسہ لینے میں اگر تحریک شہوت نہ ہو تو مکروہ ہے ورنہ حرام ہے۔ یہی حکم بغلگیر ہونے اور جسم سے جسم ملانے کا بھی ہے۔

حمام میں داخل ہونا بھی روزے کو کمزور کرتا ہے، لہٰذا بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے۔

زوالِ آفتاب کے بعد مسواک کرنا مکروہ ہے، البتہ ایسا کرنے کا کوئی خاص عذر ہو جائے، مثلاً کسی نے زوال کے بعد بھولے سے پیاز کھا لی (اس سے تو روزہ نہیں ٹوٹا تھا، لیکن) منہ کی بساند کو دور کرنے کے لئے مسواک کر لی تو روزہ مکروہ نہ ہوگا۔

نفس کو شہوانی لذات میں ڈالنا کسی شے کو دیکھ کر یا سونگھ کر یا سن کر مکروہ ہے، بشرطیکہ یہ افعال حلال ہوں ورنہ ظاہر ہے کہ حرام سے تمتع کرنا تو روزہ دار اور بے روزہ ہر شخص کے لئے حرام ہے۔

سرمہ ڈالنا بھی مکروہ ہے اور بقول راجح ایسا کرنا خلاف اولیٰ ہے۔

Marfat.com

سے متفق ہیں، مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

روزہ توڑنے کے لئے جائز عذر...... مرض یا شدید تکلیف

متعدد عذر ایسے ہیں جن میں روزہ توڑنا روا ہے، مثلاً مرض ہے کہ اگر روزہ دار مریض ہو جائے اور یہ اندیشہ ہو کہ اگر روزہ باقی رکھا تو مرض بڑھ جائے گا یا یہ اندیشہ ہے کہ مرض سے جلد آرام نہ ہوگا یا یہ کہ اس حال میں روزہ سخت تکلیف کا موجب بن جائے گا تو ان حالات میں روزہ توڑ دینا جائز ہے۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ ایسے حالات میں روزہ توڑ دینا سنت ہے اور روزہ رکھنا مکروہ ہے، لیکن اگر ہلاک ہو جانے یا شدید مضرت کا گمان قوی ہے، مثلاً کسی چیز کے ناکارہ ہو جانے کا خوف ہو تو روزہ توڑ دینا واجب ہے اور وہ روزہ رکھنا بالاتفاق حرام ہے۔

واضح ہو کہ یہ احکام اس صورت میں ہیں جب کہ کوئی شخص واقعی مریض ہو، لیکن اگر سر دست وہ مریض نہیں ہے اور یہ گمان ہے کہ (روزہ رکھنے سے) کوئی سخت مرض لاحق ہو جائے گا تو اس بارے میں مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ نذر معین کی صورت میں بھی روزہ توڑنے والے کو باز رہنا ہی واجب ہے۔ ارادتاً روزہ توڑا ہو یا ارادتاً نہ توڑا ہو، کیونکہ نذر کے روزے میں وقت کا تعین اسی طرح ہو جاتا ہے، جس طرح ماہ رمضان کے روزے میں روزے کا وقت از خود متعین ہو جاتا ہے، لیکن نذر غیر معین کا روزہ اور دوسرے واجب روزے اگر ایسے ہوں کہ ان کو مسلسل رکھنا واجب ہو، جیسے کفارۂ رمضان کے روزے ہیں یا اس مہینے کا روزہ جس میں پورے مہینے بھر کا روزہ رکھنے کی منت مانی ہو۔ ان صورتوں میں اگر ارادتاً روزہ توڑا ہو تو اس دن ''امساک'' واجب نہیں ہے، بلکہ ان روزوں کا از سر نو رکھنا واجب ہے۔ اگر ایسا روزہ بھولے سے یا مجبوری (یعنی فطری تقاضے) سے ٹوٹ گیا اور دن کا ابتدائی حصہ نہیں ہے، (بلکہ آخری حصہ ہے) تو امساک (یعنی نواقض روزہ سے باز رہنا) واجب ہے اور دن کے ابتدائی حصے میں ٹوٹا تو امساک مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔ اگر روزہ ایسا نہیں ہے جس کا لگاتار رکھنا واجب ہو، جیسے رمضان کی قضا یا قسم کے کفارہ کا روزہ تو اس میں باز رہنا یا نہ رہنا دونوں جائز ہیں، خواہ وہ روزہ ارادتاً توڑا ہو یا بلا ارادہ ٹوٹا ہو، کیونکہ اس روزے کا وقت مقرر نہیں ہوتا۔

نفل روزے کی صورت میں بھولے سے روزہ ٹوٹ جائے تو اس کی قضا واجب نہیں ہے اور اگر ارادتاً توڑا ہے تو امساک ضروری نہیں ہے، کیونکہ اس کی قضا واجب ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

۲۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کو روزہ توڑ دینا اسی طرح سنت ہے، جس طرح مرض میں مبتلا شخص کا افطار کرنا، روزہ رکھنا اس کے لئے مکروہ ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی کو مرض لاحق نہ ہو، لیکن روزہ رکھنے سے مرض کے لاحق ہو جانے کا گمان غالب ہو تو اسے

Marfat.com

مریض کے لئے یہ واجب نہیں ہے کہ جب روزہ توڑنے کا ارادہ کرے تو اس وقت یہ نیت بھی کرے کہ وہ ایسا اس اجازت کی بناء پر کررہا ہے، جو شارع علیہ السلام نے معذوروں کو دے رکھی ہے۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے لیکن شافعیہ کہتے ہیں کہ یہ نیت کرنا کہ وہ شخص اجازت شرعیہ کے مطابق روزہ ترک کررہا ہے، واجب ہے۔ اگر یہ نیت نہ کی اور روزہ توڑا تو گناہ ہوگا۔

روزے سے حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی کو ضرر کا اندیشہ

اگر حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت کو یہ اندیشہ ہو کہ روزہ رکھنا ان کو اور ان کے بچوں کو یا صرف ان کو یا محض ان کے بچوں کو مضر ہوگا تو ایسی عورتوں کو روزہ ترک کرنا جائز ہوگا۔ اس بارے میں مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

روزہ توڑ دینا مباح ہے اور روزہ رکھ لینا بھی مباح ہے، جیسے کسی فی الواقع مریض کا روزہ رکھنا مباح ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر صحت مند آدمی کو اندیشہ ہو کہ روزہ ہلاکت کا سبب ہو جائے گا یا شدید اذیت کا موجب ہوگا تو واجب ہے کہ روزہ توڑ دے جیسے مریض کو روزہ چھوڑنا واجب ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر تندرست آدمی کو روزہ رکھنے سے مرض لاحق ہو جانے کا گمان ہو تو اسے روزہ ترک کرنا جائز نہیں ہے، جب تک کہ روزہ رکھ کر ضرر متحقق نہ ہو جائے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی کو، خواہ اس کا اپنا بچہ ہو یا کسی اور کا ہو، یعنی وہ کسی بچے کی دایا ہو، اگر اس کو روزہ رکھنے سے مرض کے لاحق ہونے یا مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو اور یہ اندیشہ اسے اپنی ذات اور بچہ دونوں کے لئے ہو یا صرف اپنی ذات کے لئے ہو یا محض بچے کے لئے ہو تو جائز ہے کہ ایسی عورتیں روزہ ترک کردیں، لیکن ان پر قضا واجب ہوگی۔ حمل کی صورت میں فدیہ جائز نہیں ہے، بخلاف دودھ پلانے والی کے کہ اسے فدیہ دینا پڑے گا۔ لیکن اگر روزے سے جان جانے کا اندیشہ ہو یا خود اپنے لئے یا بچے کے لئے سخت مضر ہونے کا خوف ہو تو روزہ ترک کردینا واجب ہے اور دودھ پلانے والی کو روزے کا ترک کرنا صرف اسی صورت میں مباح ہے، جب کہ خاص اسی عورت کو دودھ پلانا ہو اور اس کے سوا کوئی اور دایا نہ ملتی ہو یا ملتی ہو لیکن بچہ اس کے سوا کسی اور کو قبول نہ کرتا ہو۔ لیکن اگر کوئی اور دایا ملتی ہو اور بچہ اسے قبول کرلے تو اس کے لئے روزے کا تعین ہو جائے گا اور کسی حالت میں ترک صوم نہ کرنا چاہیے۔ اگر دودھ پلانے والی (دایا) جسے بچہ قبول کرلے، اجرت کی طالب ہو اور بچہ صاحب مال ہے تو اس بچے کے مال سے اس کو اجرت دی جائے۔ اگر بچے کا مال نہ ہو تو یہ اجرت باپ کے ذمہ ہوگی، کیونکہ وہی بچے کے نفقہ کا ذمہ دار ہے اور بچے کا اپنا مال نہ ہونے کی صورت میں اس کے باپ پر اس کا نفقہ واجب ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ حاملہ عورت یا دودھ پلانے والی کو اگر یہ اندیشہ ہے کہ روزہ رکھنا مضرت رساں ہوگا تو روزہ ترک کر دینا جائز ہے، خواہ یہ اندیشہ ضرر اسے اپنی ذات اور بچے دونوں کے لئے ہو یا صرف اپنے لئے ہو یا محض بچے کے لئے ہو تو

Marfat.com

ایسی عورتوں پر بشرط طاقت قضا واجب ہے، نہ فدیہ واجب ہے اور نہ مسلسل قضا رکھنا واجب ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ دودھ پلانے والی بچے کی ماں ہو یا اجرت پر کسی پلائی کو رکھا گیا ہو اور اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ دودھ پلانے والی کوئی خاص متعین عورت ہو یا نہ ہو، کیونکہ اگر وہ ماں ہے تو شرعاً اس پر دودھ پلانا واجب ہے اور اگر اجرت پر اس کو رکھا گیا ہے تو اس معاہدے کی رو سے اسے دودھ پلانا واجب ٹھہرا، یہ کوئی چھٹی نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ کوئی عورت حاملہ ہو یا دودھ پلاتی ہو تو اسے روزہ ترک کر دینا مباح ہے، بشرطیکہ یہ اندیشہ ہو کہ روزہ رکھنا اسے اور بچے (دونوں) کو یا خود اسے یا محض بچے کو نقصان دہ ہوگا تو ایسے حالات میں ان عورتوں پر قضا واجب ہے، فدیہ واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر صرف اولاد کو نقصان دہ ہونے کا اندیشہ ہے تو ان عورتوں پر قضا اور فدیہ بھی واجب ہے اور ایسی صورت میں جب کہ دودھ پلانے والی کے علاوہ کسی اور کی چھاتیوں سے بھی بچہ دودھ پی لے اور اتنی مقدرت ہو کہ اس عورت کو (دودھ پلانے کے لئے) اجرت پر رکھا جا سکے یا بچہ خود اتنا صاحب مال ہو کہ اس کے لئے کوئی ''پلائی'' تنخواہ پر رکھی جا سکے تو اس کو رکھ لیا جائے اور وہ روزہ ترک نہ کرے۔

متذکرہ بالا مسائل میں اجرت پر دودھ پلانے والی اور ماں دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ حاملہ عورت یا دودھ پلانے والی کو روزے سے ضرر کا اندیشہ ہو اور اس میں کوئی شک نہ ہو تو روزہ ترک کر دینا واجب ہے، خواہ یہ اندیشہ اپنے اور بچے دونوں کے لئے ہو یا صرف اپنی ذات کے لئے یا محض بچے کے لئے ہو۔ تینوں صورتوں میں (ترک صوم کی صورت میں) قضا واجب ہوگی، لیکن صورت اخیرہ میں یعنی اگر صرف بچے کو ضرر کا اندیشہ ہے تو فدیہ اور قضا دونوں لازم ہیں۔ اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ دودھ پلانے والی خود بچے کی ماں ہو یا کسی کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھا گیا ہو یا کوئی عورت رضا کارانہ طور پر کسی بچے کو دودھ پلا رہی ہو۔

واضح ہو کہ ایسی تمام صورتوں میں روزہ ترک کرنا واجب ہے جب کہ دودھ پلانے والی عورت متعین مخصوص ہو کہ کوئی دوسری بے روزہ عورت یا روزہ دار عورت جسے روزہ نقصان نہ پہنچاتا ہو، دودھ پلانے کے لئے دستیاب نہ ہو۔ تاہم اگر عورت مخصوص نہ ہو اور دودھ پلا رہی ہو تو اس کے لئے روزہ ترک کر دینا جائز ہے۔ اگر دودھ نہ پلائے تو روزہ رکھنا بھی جائز ہے، یعنی ترک صوم واجب نہیں ہے۔

یہ تمام مسائل اس صورت میں ہیں جب کہ اجرت پر رکھے جانے سے پہلے ہی یہ اندیشہ رہا ہو، لیکن ملازم ہونے کے بعد اگر دایا کو یہ گمان غالب ہوا کہ اسے روزہ ترک کرنا ضروری ہے تو اب اسے ترک صوم صرف اس حالت میں واجب ہے جب کہ روزے سے مضرت کا اندیشہ ہو، اگرچہ دودھ پلانے کے لئے خصوصیت کے ساتھ اس عورت کا ہونا ضروری نہ ہو۔

فدیہ سے مراد ہر قضا شدہ روزے کے لئے کسی مسکین کو اس قدر خوراک کا دینا ہے جو کفارے کے لئے کسی مسکین کو دی جاتی ہے۔ اس کی تفصیل مسالک مختلفہ کی رو سے اوپر بیان ہو چکی ہے۔

Marfat.com

بحالتِ سفر روزہ ترک کرنے کا بیان

مسافر کے لئے بحالت سفر روزہ ترک کرنا مباح ہے، بشرطیکہ سفر اتنا ہو جس میں قصر واجب ہوتا ہے، اس کی تفصیل سابقاً ہو چکی ہے۔ اس میں یہ بھی شرط ہے کہ سفر کا آغاز طلوع فجر سے اتنی دیر پہلے کیا ہو کہ فجر ہونے سے پہلے وہ اتنی دور پہنچ جائے جہاں سے قصر صلوٰۃ کا حکم عائد ہوتا ہے۔ پس ایسا سفر جس میں قصر جائز نہ ہو، روزہ ترک کرنا مباح نہیں ہے۔ ان دونوں شرائط پر تین اماموں کا اتفاق ہے۔ حنابلہ کو پہلی شرط سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

شافعیہ نے ایک اور تیسری شرط کا اضافہ کیا ہے۔ ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (۲)

بہر حال اگر طلوع فجر کے بعد سفر شروع کیا تو ترکِ صوم حرام ہے، تاہم اگر افطار کر لیا تو تین اماموں کے نزدیک صرف قضا واجب ہے، کفارہ نہیں۔ شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۳)

واضح ہو کہ جس مسافر نے رات سے روزے کی نیت کی ہو اسے روزہ توڑ دینا جائز ہے اور گناہ نہیں ہے، لیکن قضا واجب ہے۔ مالکیہ اور حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کے مسالک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۴)

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر روزہ دار اپنے شہر سے دوپہر کے وقت روانہ ہوا، اگرچہ زوال کے بعد روانہ ہوا اور وہ سفر جائز تھا جس میں قصر مباح ہے تو اس میں روزہ توڑ دینا جائز ہے، تاہم بہتر یہی ہے کہ اس روز کا روزہ پورا کیا جائے۔

۲۔ شافعیہ نے ترکِ صوم کے لئے ایک تیسری شرط کا اضافہ کیا ہے کہ وہ شخص دائم السفر نہ ہو، اگر وہ حالتِ سفر ہی میں رہتا ہو تو روزہ ترک کرنا اس کے لئے حرام ہے، بجز اس صورت کے جب کہ اسے روزہ رکھنے میں کوئی دشواری اس قسم کی لاحق ہو، جس میں تیمم کرنا مباح ہوتا ہے۔ ایسے شخص کے لئے ترکِ صوم واجب ہوگا۔

۳۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی روزہ دار نے طلوع فجر کے بعد سفر شروع کیا اور اس نے وہ روزہ توڑا جس پر قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں تو وہ دونوں واجب ہوں گے اور اگر ایسا روزہ توڑا جس پر صرف قضا واجب ہوتی ہے تو صرف قضا واجب ہوگی۔ بہر حال روزہ توڑنا حرام ہے۔

۴۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر سفر کے دوران رات کو روزے کی نیت کی اور صبح کو روزہ تھا، لیکن بعد میں توڑ دیا تو قضا اور کفارہ واجب ہے، اگرچہ وہ روزہ کسی تاویل سے (یعنی کوئی بہانا بنا کر) توڑا ہو یا بغیر کسی تاویل کے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جس نے بدورانِ سفر رات سے روزے کی نیت کی ہو اسے روزہ توڑنا حرام ہے، تاہم اگر توڑ لیا تو قضا واجب ہے، کفارہ واجب نہیں ہے۔

Marfat.com

مسافر کے لئے اگر دشواری نہ ہو تو اسے روزہ رکھنا مستحب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وان تصوموا خير لكم".

(یعنی اگر...... حالت سفر میں...... روزہ رکھ لو تو تمہارے لئے بہتر ہے)۔

لیکن اگر سفر میں روزہ رکھنا مشکل ہو تو روزہ توڑ دینا افضل ہے۔ اس پر حنفیہ اور شافعیہ کا اتفاق ہے، مالکیہ اور حنابلہ کے مسالک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

اگر روزہ رکھنے میں جان کے جانے یا کسی عضو کے خراب ہو جانے یا کسی نفع سے محروم ہو جانے کا اندیشہ ہو تو روزہ توڑ دینا واجب اور روزہ رکھنا بالاتفاق حرام ہوگا۔

حالتِ حیض یا نفاس میں روزہ رکھنے کا بیان

اگر روزہ دار عورت کو حیض آ جائے یا نفاس کی حالت میں ہو تو اسے روزہ ترک کر دینا واجب ہے اور روزہ رکھنا حرام ہے۔ روزہ رکھا تو رائگاں گیا، اس کی قضا واجب ہوگی۔

روزے کی حالت میں سخت بھوک یا پیاس کے غلبے کا بیان

اگر بھوک یا پیاس کی اتنی شدت ہو کہ اس حالت میں روزہ رکھنا برداشت سے باہر ہو جائے تو ایسی حالت میں روزہ توڑ دینا جائز ہے اور قضا واجب ہوگی۔

ضعیف العمری کے باعث ترکِ صوم کا بیان

عمر رسیدہ نحیف و ناتواں شخص جو سال بھر میں کسی وقت بھی روزہ رکھنے کے قابل نہ ہو، روزہ ترک کر سکتا ہے۔ اس پر واجب ہے کہ ہر دن کے عوض ایک محتاج کو کھانا کھلائے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر روزہ کسی مسافر پر سخت نہ ہو تو اس کے لئے روزہ رکھنا افضل ہے (یعنی مستحب نہیں ہے)۔
حنابلہ کہتے ہیں کہ مسافر کے لئے روزہ توڑ دینا سنت ہے اور روزہ رکھنا ایک مکروہ عمل ہے، اگرچہ اس میں کوئی مشقت نہ ہو، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

"ليس من البر الصوم في السفر"۔

(یعنی سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے)۔

Marfat.com

مالکیہ کہتے ہیں کہ اس پر صرف فدیہ واجب ہے۔ یہی حکم اس مریض کا ہے جسے آرام کی توقع نہ ہو۔ ایسے لوگوں پر بوجہ طاقت نہ ہوئے کے قضا بھی واجب نہیں ہے۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے، حنابلہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو[1] اگر کوئی شخص ماہ رمضان میں روزہ رکھنے سے عاجز ہو، لیکن اس کی قضا کسی اور وقت میں رکھنے کی قدرت رکھتا ہو تو اس پر واجب ہے کہ اس وقت قضا رکھے، اس کے لئے فدیہ نہیں ہے۔

روزہ دار پر جنون طاری ہو جانے کا بیان

اگر کسی روزہ دار پر جنون طاری ہو جائے، خواہ لحظہ بھر کے لئے ہو، اس پر نہ روزہ واجب رہتا ہے اور نہ اس کا روزہ صحیح ہوتا ہے۔ اس کی قضا واجب ہونے کے بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔[2]

اگر افطار جائز کرنے والا عذر دن کے اندر جاتا رہا، مثلاً حیض والی عورت پاک ہوگئی یا مسافر نے اقامت کر لی یا لڑکا بالغ ہو گیا تو دن کے باقی حصہ میں ماہ صیام کا احترام کرتے ہوئے امساک کرنا (نواقضِ صوم سے بچنا) واجب ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کا یہی مسلک ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[3]

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ جو شخص عمر رسیدہ ہونے یا ایسے مرض میں مبتلا ہونے کے باعث جس سے آرام کی امید نہ ہو روزہ رکھنے سے عاجز ہو اسے ہر دن کے عوض فدیہ ادا کرنا واجب ہے۔ فدیہ دینے کے بعد اگر اس میں روزہ رکھنے کی طاقت پھر آجائے تب بھی قضا واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر فدیہ ہنوز نہیں دیا تھا اور روزہ رکھنے کے قابل ہو گیا تو اب قضا ہی واجب ہے (فدیہ نہیں)۔

۲۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر جنون متعدی ہو کہ رات کو ارادتاً کچھ کھا لیا تو جن ایام میں جنون طاری رہا اس کی قضا لازم ہے ورنہ نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر جنون پورے دن رہا اس پر قضا مطلقاً واجب نہیں ہے، خواہ وہ متعدی ہو یا نہ ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر جنون پورے مہینے طاری رہا تو قضا واجب نہیں ہے ورنہ قضا واجب ہوگی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر پورے دن جنون طاری رہا اور دن کے آغاز میں افاقہ رہا یا نہ رہا تو اس پر قضا واجب ہوگی۔ اگر آدھے دن یا اس سے کم عرصہ تک جنون کی حالت رہی اور دن کے ابتدائی حصہ میں اس سے افاقہ نہیں ہوا تب بھی قضا واجب ہوگی ورنہ نہ ہوگی، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

۳۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ امساک واجب نہیں ہے اور نہ امر مستحب ہے، البتہ اگر جبر کا عذر ہو، یعنی اگر جبراً روزہ توڑنا پڑا

Marfat.com

روزہ کے مستحبات کا بیان

روزے میں حسب ذیل امور مستحب ہیں:

سورج ڈوبتے ہی نماز سے پہلے روزہ کھولنے میں جلدی کرنا اور مستحب یہ ہے کہ کھجور یا چھوہارے سے افطار کیا جائے۔ اس کے بعد پانی کا درجہ ہے اور یہ کہ جس شے سے افطار کیا جائے وہ طاق عدد میں ہو، مثلاً تین یا اس سے زیادہ (کوئی طاق) عدد۔ افطار کے بعد دعائے ماثورہ کا پڑھنا، مثلاً یوں کہنا: اللّٰھم لک صمت و علٰی رزقک افطرت و علیک توکلت و بک آمنت. ذھب الظمأ وابتلت العروق و ثبت الاجر یا واسع الفضل اغفرلی، الحمد للّٰہ الذی اعاننی فصمت و رزقنی فافطرت" (یعنی یا الٰہی تیری خوشنودی کے لئے میں نے روزہ رکھا۔ تیرے عطا کردہ رزق پر افطار کیا، تیری ذات پر توکل کیا اور تجھ پر ایمان لایا۔ پیاس جاتی رہی، رگیں سیراب ہوگئیں ثواب کا حق ہو گیا۔ اے وسیع الفضل میری مغفرت فرما! اس اللہ کا شکر ہے جس نے توفیق دی تو میں نے روزہ رکھا اور رزق عطا فرمایا جس سے افطار کیا) اور منجملہ مستحبات کے کچھ نہ کچھ سحری کے وقت کھانا بھی ہے خواہ تھوڑا ہی سا ہو یا صرف پانی کا ایک گھونٹ ہو کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: "تسحّروا فان فی السحور برکۃ" (یعنی سحری کھایا کرو بلاشبہ سحری میں برکت ہے) سحری کا وقت آخری نصف شب ہے، اس میں جتنی بھی تاخیر کی جائے افضل ہے، لیکن اتنی دیر نہ کی جائے کہ صبح ہو جانے کا شبہ ہونے لگے، کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے "دع ما یریبک الی مالا یریبک۔" (یعنی شبہ کی بات چھوڑ کر وہ بات اختیار کرو جس میں تمہیں شبہ نہ ہو) اور منجملہ مستحبات کے یہ ہے کہ زبان کو بیہودہ گوئی سے باز رکھا جائے۔ رہے حرام افعال مثلاً غیبت اور چغلی کرنا تو اس سے بچنا بہر حال واجب ہے اور رمضان میں تو خاص طور پر اس سے بچنے کی تاکید ہے۔ (ماہ رمضان میں) رشتہ داروں محتاجوں اور مسکینوں کو صدقات وخیرات سے نوازنا اور حصولِ علم میں مشغول رہنا اور قرآن شریف کی تلاوت، درود شریف اور ذکر الٰہی میں حتی الامکان رات دن لگے رہنا اور اعتکاف کرنا جس کا بیان اپنی جگہ پر آئے گا مستحب ہے۔

اور مجبوری کی حالت جاتی رہی تو امساک (نواقضِ صوم سے بچنا) واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر بھولے سے کچھ کھا لیا اور اس کے بعد روزہ یاد آیا تو اس میں بھی امساک واجب ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ایسے حالات میں امساک واجب ہے سنت نہیں ہے۔

Marfat.com

ماہ رمضان کے روزے کی قضا کا بیان

جس شخص کو ارادۃً یا کسی سبب سے منجملہ اسباب متذکرہ سابقہ کے روزہ توڑنا پڑا ہو اور اس کے ذمہ ماہ رمضان کے روزے کی قضا ہو، اس پر واجب ہے کہ جن دنوں کا روزہ چھوڑا ہے اس کی قضا ان ایام میں رکھے جن میں نفلی روزہ رکھنا جائز ہے، یعنی اُن ایام میں جن میں روزہ ممنوع ہے قضا روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ ایسے ایام مثلاً عید کے دن ہیں یا وہ ایام جن میں روزہ رکھنا فرض ہے یعنی رمضان کا موجودہ مہینہ یا نذر معین کے ایام جیسے کسی نے یہ منت مانی کہ ذیقعدہ کے ابتدائی دس دن روزہ رکھے گا تو ان (دس ایام) میں قضائے رمضان جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ ایام ادائے نذر کے لئے مخصوص ہیں۔ مالکیہ اور شافعیہ کا یہی مسلک ہے، حنابلہ اور حنفیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

اسی طرح پچھلے روزوں کی قضا رمضان حاضر میں رکھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ ایام ادائے صوم کیے لئے متعین ہیں، لہٰذا ان ایام میں کوئی اور روزہ تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ پس اگر کسی نے یوں نیت کی کہ وہ رمضان حاضر کی یا رمضان سابق کے کچھ ایام کی قضا رکھ رہا ہے تو دونوں میں سے کوئی روزہ نہ ہوگا۔ نہ تو رمضان حاضر کا روزہ ہوگا کیونکہ اس کی نیت ہی نہ تھی اور نہ رمضان سابقہ میں فوت شدہ روزہ کی قضا ہوگی کیونکہ اس وقت بجز رمضان حاضر کے اور کوئی روزہ رکھا نہیں جا سکتا۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے، حنفیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

قضا روزہ یوم الشک میں رکھنا جائز ہے، کیونکہ اس روز نفلی روزہ کا رکھنا درست ہے۔ یاد رہے کہ

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے ماہِ رمضان کے فوت شدہ روزوں کی قضا ان ایام میں رکھی جن میں نذر روزہ رکھنے کی نیت کی تھی تو وہ روزے رمضان کے ہوں گے اور نذر روزوں کی قضا دوسرے دنوں میں رکھنا لازم ہوگا، اس لئے کہ نذر کے لئے خاص وقت یا جگہ یا سکے متعین نہیں ہیں۔ چنانچہ ماہِ رجب کے نذر روزوں کی قضا ماہ شعبان میں جائز ہے۔ اسی طرح جس سکے کو صدقہ کرنے کی نیت کی تھی اور جس جگہ کے لئے کی تھی اس کے بجائے کوئی اور سکہ اور کسی اور جگہ صدقہ کے طور پر دیا جا سکتا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں بظاہر عبارت اقناع یہی ہے کہ اگر ماہ رمضان کے روزوں کی قضا نذر معین کے دنوں میں رکھ لی تو جائز ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے فوت شدہ صوم رمضان کی قضا رمضان حاضر میں رکھی تو روزہ صحیح ہوگا اور رمضان حاضر کا روزہ ادا ہوگا، وہ روزہ قضا قرار نہ دیا جائے گا کیونکہ یہ اوقات صوم حاضر کے لئے مقرر ہیں، ان میں کوئی اور روزہ صحیح تسلیم نہ کیا جائے گا اور نیت کا تعین (ماہ رمضان میں) لازم نہیں ہے، جیسا کہ سابقاً شرائطِ صیام کے بیان میں بتایا گیا۔

Marfat.com

روزے کی قضا دنوں کے اعتبار سے ہوتی ہے، مہینے کے اعتبار سے نہیں ہوتی، چنانچہ اگر کسی نے رمضان کے پورے مہینے میں روزہ نہ رکھا اور رمضان کا وہ مہینہ تیس دن کا تھا اور اس کی قضا ماہ محرم کی پہلی تاریخ سے شروع کی اور محرم کا وہ مہینہ انتیس دن کا تھا تو واجب ہے کہ ماہ محرم گزرنے کے بعد ایک دن اور روزہ رکھے، تاکہ تیس یوم کی قضا اس ماہ رمضان کے برابر ہو جائے جس میں روزے نہیں رکھے گئے اور جس شخص پر روزے کی قضا واجب ہے اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ قضا رکھنے میں جلدی کی جائے تاکہ جلد از جلد فریضہ کی ادائیگی ہو سکے اور یہ بھی مستحب ہے کہ ایام قضا مسلسل ہوں، تاہم اگر قضا کے روزے رکھنے میں تاخیر کی یا متفرق طور پر رکھا تب بھی روزہ صحیح ہوگا گو امر مستحب کے خلاف ہے۔ لیکن اتنا ضروری ہے کہ اگر ماہ رمضان کے آنے میں صرف اتنے ہی دن رہ جائیں جتنے دن کی قضا لازم ہے تو واجب ہے کہ قضا فوراً رکھ لی جائے۔ ایسی صورت میں فوری طور پر قضا کا وقت متعین ہو جائے گا۔ شافعیہ اور حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ [1]

اگر کسی نے روزے کی قضا رکھنے میں اتنی تاخیر کر دی کہ رمضان کا اگلا مہینہ آ گیا تو قضا کے علاوہ فدیہ دینا بھی واجب ہوگا [2] اور فدیہ ہر قضا روزے کے عوض ایک مسکین کو کھانا دینا ہے اس مقدار سے جتنا کہ ایک مسکین کو کفارہ میں دیا جاتا ہے۔ اس میں تین اماموں کا اتفاق ہے، حنفیہ کو اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ قضائے روزۂ رمضان میں اتنی تاخیر کرنے سے کہ اگلا رمضان آ جائے کوئی فدیہ نہیں ہے، خواہ یہ تاخیر معذوری سے ہوئی ہو یا بغیر معذوری کے تاخیر ہوئی اور فدیہ اس صورت میں واجب ہوتا ہے جب کہ دوسرا رمضان آنے سے پہلے کوئی شخص قضا رکھنے پر قادر ہو، ایسا نہ ہو تو فدیہ نہیں ہے اور سال کے بعد دوسرا سال آ جانے پر فدیہ بھی بار بار نہیں دیا جائے گا۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے، شافعیہ کہتے ہیں کہ اگلا سال آ جانے پر دوبارہ فدیہ دینا چاہئے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ قضائے رمضان کو فوراً ادا کرنا اس حال میں واجب ہے جب کہ رمضان کا روزہ ارادتاً ترک کیا ہو، جس کے لئے کوئی شرعی عذر نہ رہا ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ رمضان کی قضا واجب ہے اور اس میں وسعت رکھی گئی ہے، وقت کی کوئی قید نہیں ہے، لہٰذا اگر (قضا نہیں رکھی) اور دوسرا رمضان آ گیا تو گناہ نہیں ہے۔

۲۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ سال بہ سال فدیہ کو دہرانا ہوگا۔

Marfat.com

تارک روزہ پر کفارہ واجب ہونے اور روزہ رکھنے سے معذور ہونے کا بیان

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ روزے کی دو قسمیں ہیں: صوم فرض اور صوم غیر فرض۔ پھر فرض روزے کی بھی قسمیں ہیں: رمضان کا روزہ، کفارے کا روزہ، نذر کا روزہ۔

رمضان کے روزے کا بیان اوپر ہو چکا ہے، کفارے کے روزے کی چند قسمیں ہیں: قسم کا کفارہ، ظِہار کا کفارہ، قتل کا کفارہ۔ ان تینوں اقسام کفارہ کے متعلق خصوصی مسائل معاملات کے بیان میں مذکور ہیں۔ قسم کے کفارے کا بیان حصۂ دوم میں آ جائے گا اور کفارۂ ظہار کا ذکر حصہ سوم میں کیا گیا ہے اور منجملہ کفارات کے جو روزوں کا کفارہ ہے اس مقام پر اس کا بیان کرنا مقصود ہے۔

روزہ کا کفارہ وہ ہے جو ماہ رمضان کا روزہ ترک کرنے پر واجب ہوتا ہے۔ اس کی کیفیت مختلف مسالک کی تفصیل کے ساتھ اوپر بتائی گئی ہے۔ اس کا کفارہ ایک مسلمان کو غلامی سے آزاد کرنا ہے۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس میں یہ ضروری نہیں ہے کہ مسلمان غلام ہی کو آزاد کیا جائے، بلکہ شرط یہ ہے کہ اس میں کوئی ضرر رساں عیب نہ ہو، مثلاً اندھا، گونگا یا پاگل ہونا۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو دو مہینے مسلسل روزہ رکھے۔ اگر یہ روزے قمری مہینے کی پہلی تاریخ سے شروع کئے گئے تو اس پورے مہینے کا اور اس کے بعد کے قمری مہینے کا روزہ رکھنا چاہئے۔ اگر یہ روزے قمری مہینے کے وسط سے شروع کئے گئے تو اس مہینے کو پورا کر کے اگلے پورے ماہ کا روزہ رکھنا اور پھر تیسرے مہینے میں اتنے دن کا روزہ رکھنا چاہئے کہ پہلے مہینے کے دن ملا کر تیس دن پورے ہو جائیں اور ضروری ہے کہ دو ماہ کے روزے مسلسل ہوں، اگر ایک دن کا روزہ بھی رہ گیا، خواہ اس کا کوئی شرعی عذر ہو، مثلاً سفر درپیش آ جائے، تو وہ روزہ جو رکھا گیا نفل ہو جائے گا اور از سر نو روزے رکھنے ہوں گے، کیونکہ روزوں کا تسلسل جو امر واجب تھا وہ پورا نہیں ہوا۔ اس مسئلہ میں تین اماموں کا اتفاق ہے، حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شرعی عذر سے روزہ ترک ہوا جیسے سفر پیش آ گیا ہو تو اس سے تسلسل نہیں ٹوٹے گا۔

اگر کوئی شخص شدید تکلیف وغیرہ کے باعث روزہ نہ رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور اس میں بھی مسلسل اسی ترتیب کے ساتھ جس کا ذکر کیا گیا کھلانا واجب ہے۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے، مالکیہ کو اختلاف ہے ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ کفارۂ رمضان کے بارے میں یہ اختیار ہے کہ کوئی شخص بردہ آزاد کرے یا کھانا کھلائے یا پھر دو

Marfat.com

مالکیہ کے علاوہ باقی تین اماموں نے صحیحین کی اس حدیث سے استنباط فرمایا ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: "هلكت" قال "وما اهلكك؟" قال واقعت امرأتي في رمضان، قال: هل تجد ماتعتق رقبة؟ قال: "لا" قال فهل تستطيع ان تصوم شهرين متتابعين؟ قال: "لا" قال فهل تجد ماتطعم ستين مسكيناً؟قال "لا"، ثم جلس السائل فأتى النبي صلى الله عليه وسلم بعرق فيه تمر فقال تصدق بهذا فقال على افقر منا يا رسول الله فوالله مابين لا بيتها اهل بيت احوج اليه منا،فضحك صلى الله عليه وسلم حتى بدت انيابه، ثم قال اذهب، فاطعمه اهلك" (یعنی ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میں "تو ہلاک ہوگیا" فرمایا کس نے تجھے ہلاک کیا؟ کہنے لگا کہ میں رمضان میں اپنی بیوی سے ہم بستر ہوگیا، فرمایا کہ تیرے پاس اتنی رقم ہے کہ بردہ (خرید کر) آزاد کردے؟ اس نے کہا "نہیں" فرمایا اتنا تیرے پاس ہے کہ ساٹھ محتاجوں کو کھلا سکے؟ اس نے کہا "نہیں" اور وہیں بیٹھ گیا۔ اتنے میں حضور ﷺ کے پاس ایک "عرق" (چھابڑا) بھر کر کھجوریں آئیں (عرق کھجور کے پتوں سے بنا ہوا ایک ٹوکرا ہوتا ہے جس میں اتنی کھجوریں آسکتی ہیں جو کفارہ کے لئے کافی ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا اسے لے جا کر خیرات کردے۔ وہ بولا کہ یارسول اللہ کیا مجھ سے بھی زیادہ کوئی محتاج ہے۔ قسم اللہ کی ......کسی گھر میں مجھ سے زیادہ محتاج کوئی نہیں ہے۔ اس پر حضور ﷺ ہنس دیے یہاں تک کہ آپ کے دانت دکھائی دے گئے، پھر ارشاد ہوا کہ جا اور اپنے کنبہ کو کھلا دے) اب یہ جو اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ کفارہ کی شے کو کفارہ دینے والے کے کنبہ پر خرچ کرنا جائز ہے جن میں ایسے لوگ ہیں جن کا نفقہ اس پر واجب تھا تو واضح رہے کہ یہ حکم اس شخص کے لئے مخصوص تھا، ورنہ کفارہ جو فرض ہے اس میں ساٹھ ایسے محتاجوں کو کھلانا واجب ہے جو کفارہ دینے والے کے اپنے کنبہ کے لوگ نہ ہوں بایں طور کہ محتاجوں میں سے ہر ایک کو ایک

ماہ کے مسلسل روزے رکھے۔ ان میں سب سے بہتر کام کھانا کھلانا ہے، اس کے بعد بردہ آزاد کرنا اور پھر روزہ رکھنے کا درجہ ہے اور یہ اختیار آزاد اور باشعور آدمی کے لئے ہے، جو خود غلام ہے اس کو بردہ آزاد کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ کسی کا مالک نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر بردہ کا آقا اسے اجازت دے تو وہ کھانا کھلا کر کفارہ ادا کرسکتا ہے یا پھر روزے رکھ کر کفارہ ادا کرے۔ اگر آقا کھانا کھلانے کی اجازت نہ دے تو اسے صرف روزے رکھ کر ہی کفارہ دینا ہوگا۔ اگر ناسمجھ انسان (پر کفارہ واجب) ہو تو اس کا ولی (سرپرست) اسے روزہ رکھنے کو کہے گا، اگر وہ نہ کرسکے یا اس سے معذور ہو تو ولی کو چاہیے کہ کھانا کھلا کر یا بردہ آزاد کر کے کفارہ ادا کرے۔ ان دونوں باتوں میں جس بات میں خرچ کم ہو وہ اختیار کرنا چاہیے۔

Marfat.com

خاص مقررہ مقدار دی جائے اس کی تفصیل مختلف مسالک کی رو سے ذیلی حاشیہ میں بیان کی گئی ہے۔ (۱)

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ محتاجوں میں سے ہر ایک کو ایک مد نبوی کے مطابق دیا جائے۔ (یعنی دو رطل یا ایک سیر) اس کی مقدار اوسط درجہ کے ہاتھوں سے جو نہ زیادہ کھلے ہوں نہ زیادہ بند، دو لپ بھر کر ہوتی ہے اور جو چیز دی جائے وہ ایسی چیز ہو جو کفارہ دینے والے کے شہر کی بیشتر غذا ہو، مثلاً گیہوں وغیرہ اور بقول معتمد صبح اور رات کا کھانا کھلانا اس کا عوض نہیں ہو سکتا۔ ایک مد کی مقدار پیمانہ کی رو سے مصری تین پیالوں کے برابر اور وزن میں 1/1/3 رطل ہوتی ہے اور ہر رطل ایک سو اٹھائیس درہم مکی کے برابر ہوتا ہے اور ہر درہم اوسط درجہ کے پچاس جو کے دانے کے برابر وزن رکھتا ہے اور چاہیے کہ فدیہ ان لوگوں کو دیا جائے جو محتاج اور مسکین ہیں اور انھیں نہ دیا جائے جن کا بار نفقہ کفارہ دینے والے کے ذمہ ہو، مثلاً اس کے باپ، ماں، بیوی اور نابالغ بچے۔ ہاں ایسے رشتہ دار جن کی ذمہ داری اس پر نہیں ہے، اگر وہ محتاج ہیں تو انھیں دینے کی کوئی ممانعت نہیں ہے، مثلاً اس کے بھائی، بہن، دادا، نانا وغیرہ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ ساٹھ آدمیوں کا کھانا کھلانا یہ بھی ہے کہ صبح یا شام دو دو وقت کی خوراک دی جائے یا افطار اور سحری کا کھانا کھلایا جائے یا ہر محتاج کو نصف صاع گندم یا اس کی قیمت دی جائے یا ایک صاع جو، کھجور یا کشمش دی جائے اور ایک صاع سے مراد مصری سوا دو پیالے بھر کر ہے اور اس میں یہ واجب ہے کہ ان مسکینوں میں وہ لوگ شامل نہ ہوں جن کا بار نفقہ اس کے ذمہ ہے، جیسے اس کے اصول (یعنی باپ دادا) اور فروع (یعنی بیٹے، پوتے اور بیوی)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ساٹھ مسکینوں کو وہی کچھ دیا جائے جس کا صدقۂ فطر میں دیا جانا درست ہے، مثلاً گیہوں اور جو۔ مد کی مقدار ۱/۳ ا عراقی رطل کے برابر اور عراقی رطل ۱۲۸ درہم کے مساوی ہوتا ہے یا پھر نصف صاع کھجور، جو، کشمش یا پنیر دینا چاہیے۔ پنیر سے مراد منجمد دودھ ہے اور تا بمقدور ان اشیاء کے علاوہ کسی اور شے کا دینا جائز نہیں ہے۔ واضح ہو کہ ایک صاع چار مد کے برابر ہوتا ہے اور ایک صاع کی مقدار دو مصری پیالے بھر کر ہوتی ہے اور جائز ہے کہ کفارہ میں گندم یا جو کا آٹا یا ان کا ستو دیا جائے۔ ستو سے مراد دانے کو بھون کر پیس لینا ہے۔ ستو کی مقدار وزن میں دانے کے برابر ہونی چاہیے، پیمانہ کے اعتبار سے نہیں۔ یہ اگر بن چھنا ہو تو مضائقہ نہیں۔ اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ کفارہ کا اناج چھنا پھٹکا ہو تو مضائقہ نہیں۔ کفارہ میں فقیروں کو روٹی کھلا دینا جائز نہیں ہے۔ نیز خراب شدہ غلہ، جیسے گھن لگا، بھیگا ہوا یا پرانا گندم جس کا ذائقہ خراب ہو گیا ہو دینا بھی جائز نہیں ہے اور اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس شہر کے بیشتر اشخاص کی خوراک وہی ہو، آٹا یا ستو جیسی اشیاء کا دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ چیزیں فطرے میں نہیں دی جاتیں۔ اور مد مصری نصف قدح کے برابر ہوتا ہے اور وہ مصری ''کیلہ'' کے آٹھویں حصہ کے برابر ہے اور کفارہ کی تملیک (یعنی مسکین کو اس کا مالک بنا دینا) واجب ہے اور یہ کافی نہیں ہے کہ اس مقدار کا کھانا بنا کر انہیں کھلایا جائے لہٰذا صبح اور شام کا کھانا کھلا دینا کافی اور جائز نہ ہوگا۔ نیز یہ واجب ہے کہ ان مسکینوں میں ایسے اشخاص نہ ہوں جن کا نفقہ اس پر واجب ہے، بشرطیکہ روزے کا کفارہ دینے والا خود اپنی طرف سے کفارہ دے رہا ہو۔ ہاں اگر اس کی طرف سے کوئی اور شخص کفارہ دے اور اس کفارہ والے کے عیال کو مسکینوں میں شمار کر

Marfat.com

اگر کفارہ واجب کرنے والی حرکت متعدد ایام میں سرزد ہوئی تو شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس کا کفارہ بھی اتنی ہی بار دینا ہوگا۔ حنفیہ اور حنابلہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

واضح ہو کہ اگر کفارہ واجب کرنے والے عمل کا ارتکاب دن میں کئی بار کیا گیا تو اس سے متعدد کفارے واجب نہ ہوں گے، اگرچہ کفارہ ادا کرنے کے بعد اسی بات کا پھر ارتکاب کیا ہو جس سے کفارہ واجب ہوا تھا۔ چنانچہ اگر ایک ہی دن میں متعدد بار مباشرت کی تو ایک ہی کفارہ واجب ہوگا، یعنی پہلی بار مباشرت کے بعد ایک بردے کو آزاد کر کے یا کھانا کھلا کر کفارہ ادا کر دیا تو اس کے بعد پھر اس کا ارتکاب کرنے سے کچھ واجب نہ ہوگا، اگرچہ (نواقضِ صوم سے) باز نہ رہنے کا گناہ ہوگا۔ اگر کفارے کی تمام صورتوں میں سے کوئی شخص ہر ایک سے عاجز ہو تو اسے سہولت دی گئی ہے، جس پر تین اماموں کا اتفاق ہے، حنابلہ کو اس سے اختلاف ہے ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

لے تو روا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ہر مسکین کو ایک مد گیہوں دینا چاہیے اور واجب ہے کہ جن فقیروں کو کھانا کھلایا جائے ان میں کفارہ دینے والے کے اصول وفروع میں سے کوئی، مثلاً اس کی ماں اور لڑکا نہ ہو، اگرچہ ان کا نفقہ اس پر واجب نہ ہو یا لازمی نہ ہو، جیسے اس کی بیوی یا ایسی بہن جس کا نگران حال اس کے سوا کوئی نہیں۔ اس میں خواہ کفارہ دینے والا خود اپنا کفارہ ادا کر رہا ہو یا کوئی اور شخص اس کی طرف سے کفارہ دے۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ کفارہ واجب کرنے والے عمل کا متعدد بار ارتکاب کیا جائے تو بہر حال اتنی ہی بار کفارہ نہیں دینا ہوگا، خواہ یہ ارتکاب ایک ہی دن میں کئی بار ہو یا متعدد ایام میں اور خواہ ایک ہی رمضان میں ہو یا چند سال کے رمضان میں۔ لیکن اگر کفارہ واجب کرنے والے عمل کا ارتکاب کیا اور کفارہ دینے کے بعد پھر ارتکاب کیا تو اگر یہ ارتکاب دوبارہ ایک ہی دن میں ہوا تو ایک ہی کفارہ واجب ہے اور اگر اس کا اعادہ مختلف دنوں میں کیا گیا، پہلی دفعہ کے بعد جس کا کفارہ دیا جا چکا ہے پھر اس کا کفارہ دینا ہوگا۔ اس میں اتنی تفصیل مزید ضروری ہے کہ اگر کفارہ کا موجب مباشرت تھا تو دوسری بار کفارہ دینا ہوگا ورنہ نہیں۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کفارہ واجب کرنے والی بات ایک ہی دن میں چند بار ہوئی اور پہلی بار کا کفارہ دیا جا چکا تھا تو دوبارہ ارتکاب پر پھر کفارہ لازم ہوگا۔ اگر پہلی بار کا کفارہ نہیں دیا تو ایک ہی کفارہ دونوں کے لئے کافی ہے۔

۲۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص پر کفارہ واجب ہوا اور اس وقت وہ ادائے کفارہ کی صورتوں میں سے کسی پر عمل کرنے کے قابل نہیں ہے تو کفارہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا، گو بعد میں اس کو ادا کرنا آسانی سے ممکن ہو جائے۔

Marfat.com

اعتکاف کا بیان

اس کی تعریف اور اس کے ارکان

اعتکاف سے مراد ہے عبادت کے لیے مسجد میں خاص طریقہ سے رہنا۔ اس کا مدعا یہ ہے کہ نیت اعتکاف کا رکن نہیں ہے ورنہ تعریف میں اس کا ذکر ہوتا۔ چنانچہ حنفیہ کے نزدیک ایسا ہی ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ اس کے برخلاف کہتے ہیں کہ اعتکاف کے لیے نیت شرط ہے، رکن نہیں ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ اس کے برخلاف کہتے ہیں کہ نیت رکن ہے شرط نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اختلاف معمولی ہے کیونکہ بہر حال دونوں کے نزدیک ''نیت'' ایک ضروری امر ہے، خواہ اسے شرط قرار دیا جائے یا رکن۔ پس جو یہ کہتا ہے کہ وہ رکن ہے وہ تعریف میں اس کا ذکر کر دیتا ہے اور الفاظ ''خاص طریقے سے'' کے ساتھ ''نیت کے ساتھ'' کے الفاظ کا اضافہ کرتا ہے۔ اور جو اصحاب اس کو رکن قرار نہیں دیتے وہ ''نیت کے ساتھ'' کے الفاظ شامل نہیں کرتے۔ بہر حال اعتکاف کے تین رکن ہیں: ''مسجد میں رہنا'' ''مسجد کا ہونا'' اور ''اعتکاف کرنے والا'' اور نیت (چوتھا رکن) ان لوگوں کے نزدیک جو نیت کو رکنِ اعتکاف قرار دیتے ہیں۔

واضح ہو کہ اعتکاف کے سلسلہ میں چند امور قابل ذکر ہیں: اس کی قسمیں، اس کی شرائط، اس کے مفسدات، اس کے مکروہات اور اس کے آداب۔

اعتکاف کی قسمیں اور اس کی میعاد

اعتکاف کی دو قسمیں ہیں: (اول) اعتکاف واجب یا اعتکاف نذر، پس جس نے اعتکاف کی نذر مانی اس پر اعتکاف واجب ہو گیا۔

(دوم) اعتکاف سنت، وہ اعتکاف ہے جو اس کے علاوہ ہو۔ اس اعتکاف کو بعض اوقات سنت مؤکدہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں، اس کے لیے ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔[1]

ا۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ ماہ رمضان میں اعتکاف سنت مؤکدہ ہوتا ہے اور ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنے کی بہت زیادہ تاکید ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اعتکافِ رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں بھی سنت مؤکدہ ہے، لیکن ہر مہینے کے آخری عشرہ میں اعتکاف کی زیادہ تاکید ہے۔

Marfat.com

اعتکاف کے لیے کوئی میعاد یا وقت مقرر نہیں ہے، گھڑی بھر کے لیے بھی اعتکاف ہوسکتا ہے، یہ کم سے کم مدت ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کے مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۱)

اعتکاف کی شرطیں۔

خاوند کی اجازت کے بغیر اعتکاف کرنا

شرائطِ اعتکاف کے منجملہ مسلمان ہونا ہے، لہٰذا کافر کا اعتکاف درست نہیں ہے۔ اور صاحب تمیز (یا صاحب شعور) ہونا چنانچہ مجنون وغیرہ کا یا بے شعور بچہ کا اعتکاف درست نہیں ہے۔ ایک شرط یہ ہے کہ اعتکاف مسجد میں ہو، لہٰذا گھر وغیرہ میں اعتکاف درست نہیں ہے۔ نیز ہر مسجد میں بھی اعتکاف صحیح نہیں ہے، بلکہ ضروری ہے کہ اعتکاف والی مسجد میں وہ تمام شرطیں پوری ہوں جن کی تفصیل از روئے مسالک ذیلی حاشیہ میں کی گئی ہے۔ (۲)

حنفیہ کہتے ہیں کہ اعتکاف ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں سنت کفایہ مؤکدہ ہے اور اس کے علاوہ اور دنوں میں مستحب ہے، لہٰذا اعتکاف کی قسمیں ائمہ کے نزدیک تین ہوئیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ بقول مشہور رمضان اور دوسرے مہینوں میں اعتکاف مستحب ہے۔ لیکن ماہ رمضان میں بالعموم اور اس کے آخری عشرے میں خاص طور پر زیادہ تاکید ہے۔ پس ان کے نزدیک اعتکاف کی دو قسمیں ہیں: واجب جس کی نذر مانی جائے اور مستحب جو اس کے علاوہ ہو۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ بقول راجح اس کی میعاد کم سے کم ایک دن اور ایک رات ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اعتکاف میں اتنی مدت تو ضروری ہے کہ "سبحان اللہ" کہنے سے کچھ زیادہ عرصہ لگے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ (اعتکاف کے لئے) مسجد کی شرط یہ ہے کہ اس میں لوگوں کے آنے کے عام اجازت ہو اور یہ کہ وہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہو۔ یہ شرط صرف اس کے لئے ہے جس پر جمعہ واجب ہے، لہٰذا گھر کے اندر جو مسجد ہو اس میں اعتکاف درست نہیں ہے، خواہ اعتکاف کرنے والی عورت ہو۔

کعبہ میں بھی اعتکاف درست نہیں ہے اور نہ وہاں جہاں پر ولی (منتظم) رہتا ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ مسجد (اعتکاف) کی شرط یہ ہے کہ وہاں جماعت کے ساتھ نماز ہوتی ہو۔ اس سے مراد وہ مسجد ہے جس میں امام اور مؤذن مقرر ہوں۔ پنج وقتہ نماز اس میں ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ اعتکاف کرنے والا مرد ہو۔ عورت اپنی گھر کی مسجد میں میں جو نماز کے لیے بنائی گئی ہو اعتکاف کر سکتی ہے۔ جماعت والی مسجد میں جس کا ذکر اوپر کیا گیا عورت کا اعتکاف کرنا مکروہ تنزیہی ہے، اور یہ بھی درست نہیں ہے کہ اس مقام کے علاوہ جو اس نے

Marfat.com

اور منجملہ شرائطِ اعتکاف کے ایک نیت ہے، لہٰذا نیت کے بغیر اعتکاف درست نہیں ہے۔ اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ نیت کا شرط صحت ہونا حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے، مالکیہ اور شافعیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱) شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جنابت، حیض اور نفاس سے پاک ہونا بھی شرط ہے۔ اس بارے میں مالکیہ اور حنفیہ کے مسالک ذیل حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۲)

نماز کے لیے بنائی ہے کسی اور جگہ اعتکاف کرے، خواہ یہ مسجد اس نے اپنے گھر کے اندر ہی بنالی ہو یا کوئی خاص جگہ نماز کے لیے مقرر کرلی ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر معتکف کے گمان میں وہ مسجد اغراضِ مسجد ہی کے لیے مخصوص ہے، یعنی عام اغراض کے لیے نہیں ہے، تو اس میں اعتکاف درست ہے، مرد کا بھی اور عورت کا بھی، خواہ اس میں جمعہ کی نماز نہ ہو یا عام اجازت نہ ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مرد اور عورت کے لیے ہر مسجد میں اعتکاف درست ہے۔ اس کے لیے خاص شرائط نہیں ہیں۔ البتہ اگر اتنی دیر تک اعتکاف کا ارادہ ہو جس کے دوران ادائے فرض با جماعت کا وقت آجائے گا تو اتنے عرصہ کے اعتکاف کے لیے اس مسجد کا ہونا ضروری ہے جس میں جماعت ہوتی ہو، خواہ وہ جماعت صرف اعتکاف کرنے والوں ہی کی ہو۔

۱۔ شافعیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ نیت رکن ہے، شرط نہیں ہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اور اس نیت کے لیے شافعیہ کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے کہ یہ نیت مسجد میں ٹھہرنے کی حالت میں کی جائے۔ اگر چہ یہ موجودگی حکمی ہو، یعنی نیت مسجد میں آمدورفت والے کو بھی شامل ہے اور بقول معتمد مسجد میں گزرتے ہوئے نیت کرلی جائے تو کافی ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جنابت سے پاک ہونا اعتکاف کے روا ہونے کی شرط ہے، اس کی صحت کے لیے شرط نہیں ہے۔ چنانچہ اگر حالتِ جنابت میں اعتکاف کیا تو اعتکاف ہو جائے گا، لیکن ایسا کرنا حرام ہے۔ لیکن حیض ونفاس سے پاک ہونا اعتکاف واجب کے درست ہونے کی شرط ہے۔ اعتکاف واجب وہ ہے جس کی نذر مانی ہو، لہٰذا اگر حالت حیض یا نفاس میں اعتکاف کیا تو وہ اعتکاف درست نہ ہوگا، کیونکہ اعتکاف واجب میں روزہ رکھنا شرط صحت ہے اور ان حالات میں روزہ نہیں رکھا جا سکتا۔ البتہ اعتکافِ سنت کے لیے حیض ونفاس سے پاک ہونا شرط صحت نہیں ہے، کیونکہ بقول راجح اعتکاف سنت میں روزے کی شرط نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جنابت سے پاک ہونا صحتِ اعتکاف کی شرط نہیں ہے، ہاں مسجد میں ٹھہرنے کی شرط ضرور ہے۔ چنانچہ اگر معتکف کو دوران اعتکاف میں کسی طرح جنابت لاحق ہو جائے تو اس سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا، مثلاً نہانے کی حاجت ہو جائے اور مسجد میں پانی نہ ہو تو غسل کے لیے مسجد سے باہر آنا واجب ہے جس کے فوراً بعد واپس آجانا چاہیے۔ اگر غسل کے بعد واپسی میں تاخیر ہوئی تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ ہاں کوئی ضروریات، مثلاً ناخون یا موچھوں کے تراشنے میں دیر ہو جائے تو اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔ حیض ونفاس سے پاک ہونا بہر حال صحتِ اعتکاف کی شرط ہے۔ خواہ اعتکاف نذر کا ہو یا کوئی اور، کیونکہ اعتکاف کے درست ہونے کی شرائط میں روزہ بھی ہے اور ان حالات میں روزہ درست نہیں ہوتا، پس

Marfat.com

مالکیہ نے ان کے علاوہ کچھ اور شرطوں کا اضافہ کیا ہے ان کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)
واضح ہو کہ خاوند کی اجازت کے بغیر کسی عورت کا اعتکاف کرنا درست نہیں ہے، خواہ اعتکاف نذر ہی کا ہو، اور خواہ اسے یہ علم یا گمان ہو یا نہ ہو کہ اس کے خاوند کو فرائض زوجیت کے لیے اس کی حاجت ہوگی۔
اس بات میں شافعیہ اور مالکیہ کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۲)

مفسدات اعتکاف کا بیان

مفسداتِ اعتکاف (یعنی اعتکاف کو توڑنے والے امور) کے منجملہ قصداً مباشرت فاحشہ کرنا ہے، خواہ اس میں انزال نہ ہو، اور خواہ دن میں ہو یا رات میں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اگر بھول کر یہ عمل کر لیا تو تین اماموں کے نزدیک اعتکاف جاتا رہے گا۔ لیکن شافعیہ کہتے ہیں کہ بھولے سے مباشرت کر لی تو اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔ باقی دوسری شہوانی حرکات، مثلاً شہوت سے بوسہ لینا یا مساس وغیرہ کرنا تو اس سے

اگر اعتکاف کرنے والی عورت کو بہ دورانِ اعتکاف حیض یا نفاس لاحق ہو جائے تو مسجد سے باہر آ جانا واجب ہے اور جب پاک ہو جائے تو اس اعتکاف کو جس کی نذر مانی یا مسجد میں داخل ہوتے وقت نیت کی تھی، پورا کرنے کے لیے پھر مسجد میں واپس آ جانا اور باقی ایامِ نذر کا اعتکاف پورا کرنا چاہیے۔ اور ان ایام کو بھی پورا کرنا چاہیے جن میں یہ عذر لاحق ہوا۔ البتہ اگر اعتکاف نفلی رہا ہو تو صرف اتنے ہی دن پورے کرے جتنے دن کے اعتکاف کی نیت کی تھی اور عذر کے دنوں کی قضا نہ کرے۔

۱۔ مالکیہ شرائطِ اعتکاف میں روزے کی شرط کا اضافہ کرتے ہیں، خواہ اعتکاف نذر کا ہو یا نفل کا۔
حنفیہ بھی اعتکاف کی شرائط میں روزے کی شرط کا اضافہ کرتے ہیں، جب کہ اعتکاف واجب ہو، نفل اعتکاف میں روزہ کی شرط نہیں ہے۔

۲۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر عورت خاوند کی اجازت کے بغیر اعتکاف کرے تو درست ہے، لیکن ایسا کرنا گناہ ہے۔ اگر اس کی اجازت سے بھی اعتکاف کیا تو مکروہ ہوگا درآنحالیکہ خاوند اس کا مشتاق ہو۔
مالکیہ کہتے ہیں کہ خاوند کی اجازت کے بغیر کسی عورت کا اعتکاف کے لیے نذر ماننا یا نفلی اعتکاف کرنا جائز نہیں ہے درآنحالیکہ اسے معلوم ہو یا اس امر کا گمان ہو کہ خاوند کو مباشرت کی خواہش ہوگی، تاہم اگر بغیر اجازت اعتکاف کر لیا تو درست ہوگا لیکن خاوند کو حق ہے کہ مباشرت فاحشہ سے اس کے اعتکاف کو توڑ دے، کسی اور طرح سے توڑنے کا حق نہیں ہے۔ اگر اس طرح اعتکاف ٹوٹ جائے تو اس کی قضا عورت پر واجب ہوگی، خواہ وہ اعتکاف نفلی رہا ہو، کیونکہ بلا اجازت اعتکاف کرنے میں اس نے زیادتی کی تھی۔ اس اعتکاف کی قضا پوری کرنے میں بھی بلا اجازتِ خاوند جلدی نہ کرنی چاہیے۔

Marfat.com

اعتکاف نہیں ٹوٹتا بشرطیکہ انزال نہ ہو۔اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے۔اس بارے میں مالکیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱) لیکن یاد رہے کہ حالتِ اعتکاف میں ایسی شہوت انگیز حرکتوں کا ارتکاب حرام ہے۔ہاں اگر محض خیال کرنے یا دیکھنے سے یا احتلام میں انزال ہو جائے تو اعتکاف باطل نہ ہوگا، خواہ ایسا ہونا اس کی عادت میں ہو یا نہ ہو۔یہ حکم حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے، مالکیہ اور شافعیہ کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔(۲) اور منجملہ مفسدات کے مسجد سے باہر آ جانا ہے۔اس بارے میں مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۳)

اور مفسدات اعتکاف کے منجملہ مرتد ہو جانا ہے۔چنانچہ اگر مکلّف دین سے پھر جائے تو اس کا

۱۔مالکیہ کہتے ہیں کہ منہ کا چومنا مباشرت فاحشہ ہی کی مانند ہے، اگرچہ لذت کے خیال سے ایسا نہ کیا ہو اور لذت محسوس نہ کی ہو۔ہاں ہاتھ لگانے اور مباشرت (غیر فاحشہ) سے اگر لذت مقصود تھی یا لذت محسوس کی ہے تب ہی اعتکاف باطل ہوگا ورنہ نہ ہوگا۔

۲۔مالکیہ کہتے ہیں کہ خیال کرنے یا دیکھنے سے اگر انزال ہو جائے تو اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے، خواہ رات ہو یا دن اور خواہ قصداً ایسا ہوا ہو یا بھولے سے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر دیکھنے یا خیال کرنے سے انزال کی عادت ہو تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا، اگر عادت نہ ہو تو فاسد نہ ہوگا۔

۳۔حنفیہ کہتے ہیں کہ معتکف کے مسجد سے باہر آنے کی دو حالتیں ہیں:

ایک حالت یہ ہے کہ اعتکاف واجب نذر کا ہو۔اس صورت میں مسجد سے نکلنا مطلق جائز نہیں ہے، خواہ رات ہو یا دن ہو، قصداً ہو یا بھولے سے۔پس جو شخص کسی مجبوری یا ایسے عذر کے بغیر جس میں نذر اعتکاف کرنے والے کو باہر آنے کی اجازت ہوتی ہے مسجد سے باہر نکلا تو اس کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

(اب جاننا چاہیے کہ) مسجد سے باہر آنے کی تین قسمیں ہیں: ایک تو فطری معذوری کے باعث نکلنا جیسے پیشاب پاخانہ کے لیے یا احتلام ہو جائے اور مسجد میں غسل کرنا ممکن نہ ہو وغیرہ۔ایسی صورت میں معتکف صرف غسل جنابت کے لیے یا محض قضائے حاجت کے لیے مسجد سے نکلے اور اتنی ہی دیر کے لیے کہ یہ مقصد پورا ہو جائے۔

دوسری قسم (مسجد سے نکلنے کا) شرعی عذر ہے، مثلاً یہ کہ جس مسجد میں اعتکاف کر رہا ہے اس میں جمعہ کی نماز نہ ہوتی ہو اور جمعہ کی نماز کے لیے دوسری مسجد میں جانا ہو تو ایسی صورت میں صرف اتنی دیر پہلے مسجد سے نکلے کہ مسجد میں پہنچ کر خطبہ کی اذان سے پہلے چار رکعتیں ادا کر سکے اور نماز پڑھنے کے بعد صرف اتنی دیر توقف کرے جس میں چار یا چھ رکعتیں پڑھی جا سکیں۔اگر اس سے زیادہ توقف کیا تو اعتکاف فاسد نہ ہوگا، کیونکہ اس دوسری مسجد میں بھی اعتکاف کیا جا سکتا ہے۔البتہ ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے، کیونکہ ابتدا میں جہاں پر اعتکاف کرنا اختیار کیا تھا بلا ضرورت اس کے خلاف کیا گیا۔

تیسری قسم ایسے عذروں کی ہے جو مجبوری کے ہیں، مثلاً جس مسجد میں اعتکاف کیا ہو، اب وہاں جان مال کا خطرہ لاحق

Marfat.com

ہو جائے یا مسجد منہدم ہو گئی ہے۔ ایسی صورت میں اس مسجد سے نکل کر فوراً کسی اور مسجد میں اعتکاف کی نیت سے جانا چاہیے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ اعتکاف (نذر کا نہیں بلکہ) نفلی ہے، ایسی صورت میں بلا عذر بھی مسجد سے نکلنے میں مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ نفلی اعتکاف میں ایسا وقت مقرر نہیں ہوتا کہ اس وقت کے اندر مسجد سے باہر آ جانے پر اعتکاف باطل ہو جائے۔ (نفلی اعتکاف میں) مسجد کے باہر آ جانے سے پچھلا اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر مسجد میں واپس آ کر پھر اعتکاف کیا تو اس کا ثواب جدا ہوگا۔ لیکن اعتکاف واجب میں بلا عذر مسجد سے باہر آنا گناہ ہے، اور پچھلا اعتکاف باطل ہو جاتا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ضرورت پیش آنے پر معتکف مسجد سے باہر آئے مثلاً کھانے پینے کی چیز خریدنے کے لیے یا پیشاب وغیرہ سے فارغ ہونے کے لیے تو اعتکاف باطل نہ ہوگا۔ البتہ بغیر کسی ناگزیر حاجت کے باہر نکلنا ہو، مثلاً بیمار پرسی کے لیے یا اس مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو، اس لیے کسی اور مسجد میں نماز جمعہ کو جانے کے لیے، یا شہادت دینے کے لیے یا جنازہ میں شمولیت کے لیے، خواہ وہ جنازہ والدین کا ہو تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ واضح ہو کہ اگر مسجد سے نکلنا واجب رہا ہو جیسا کہ نماز جمعہ کی صورت میں ہے، اور معتکف اپنی مسجد ہی میں رہا اور جمعہ کو نہیں گیا تو گناہ ہوگا لیکن اعتکاف (بجائے خود) درست ہوگا، کیونکہ جمعہ کی نماز کا ترک کرنا گناہ کبیرہ نہیں ہے۔ اور بقول مشہور اعتکاف گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے باطل ہوتا ہے۔ اگر کسی معذوری، مثلاً حیض یا نفاس وغیرہ جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، کے باعث مسجد سے نکلنا ہوا تو اعتکاف باطل نہ ہوگا۔ اگر اثنائے اعتکاف میں کوئی ایسا وقت آ گیا جس میں روزہ رکھنا روا نہیں ہے مثلاً عید کے ایام آ گئے تو ایسی صورت میں معتکف کو مسجد ہی میں رہنا چاہیے اور بقول راجح مسجد سے نکلنا جائز نہیں ہے۔ پھر جب عید کے دن گزر جائیں تو اعتکاف کے باقی ایام جس کی منت مانی ہے، یا نفلی اعتکاف کی نیت کی ہے اس کو پورا کرنا چاہیے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مسجد کے باہر آ جانے سے، قصداً ہو یا سہواً، اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔ ہاں اگر کوئی ضرورت ناگزیر لاحق ہو جائے، جیسے پیشاب پاخانہ کا زور ہو یا نجس کپڑے کو دھونا ضروری ہو یا حدث سے پاک ہونا مثلاً جنابت کا غسل یا وضو کرنا، ایسی صورت میں چاہیے کہ مسجد کے اندر ہی وضو کرے اور مسجد ہی میں غسل کرے، بشرطیکہ وہاں پر غسل کرنے سے مسجد یا لوگوں کو نقصان نہ پہنچے۔ اگر معتکف کو ان میں سے کسی کام کے لیے باہر جانا ہی ہو تو چاہیے کہ اپنی معمولی رفتار سے چلے، اس میں تعجیل کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح کھانے پینے کی چیزیں لانے کے لیے جب کہ کوئی لانے والا نہ ہو مسجد سے نکلنا جائز ہے۔ جمعہ کے لیے بھی نکلنا جائز ہے جب کہ جمعہ اس پر واجب ہو۔ اس سے اعتکاف میں خلل نہیں ہوتا، کیونکہ یہ نکلنا ایک امر واجب (کی بجا آوری) کے لیے ہے۔ اور روا ہے کہ جمعہ کی صبح کو ہی نکل جائے اور مسجد جامع میں نماز کے بعد دیر تک توقف کرے۔ اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، کیونکہ وہ بھی مسجد ہے جس میں اعتکاف کیا جا سکتا ہے۔ تاہم مستحب یہی ہے کہ اپنے اعتکاف کو انجام دینے کے لیے پہلی مسجد میں واپس آنے کی جلدی کی جائے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اگر کسی شرعی یا قدرتی امر کے لیے معتکف کو مسجد سے باہر آنا پڑے تو اعتکاف باطل نہ ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ بغیر عذر کے مسجد سے باہر آنے پر اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔ ہاں ایسی معذوریاں ہو سکتی ہیں جو یا تو طبعی ہوں جیسے پیشاب پاخانے سے فارغ ہونا، یا مجبوری کی ہوں جیسے مسجد کی دیوار کا منہدم ہونا، ان حالات میں اگر معتکف دوسری مسجد میں چلا جائے تو اعتکاف نہیں ٹوٹتا۔ ہاں اعتکاف اس حال میں ٹوٹتا ہے جب کہ کوئی شخص اعتکاف کو

Marfat.com

اعتکاف باطل ہوجائے گا۔ پھر اگر وہ دوبارہ اسلام لے آئے تو اس کی قضا واجب نہیں ہے، تاکہ اسے اسلام کی جانب رغبت ہو۔ یہ حکم حنفیہ اور مالکیہ کا ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کو اختلاف ہے، ان کے مسالک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہوں۔ (۱)

واضح ہو کہ ان کے علاوہ کچھ اور مفسدات بھی ہیں، ان کی تفصیل بموجب مسالک مختلفہ ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

باطل کرنے والی حرکت قصداً بغیر کسی مجبوری کے اور یہ جانتے ہوئے کہ یہ فعل حرام ہے، کرے۔ اگر بھولے سے ایسی حرکت سرزد ہو یا جبراً کرنا پڑے یا ناواقفیت کے باعث جس کو شرعاً عذر تسلیم کیا جائے، مثلاً یہ کہ مرتکب نومسلم ہو، تو اعتکاف باطل نہ ہوگا: اگر کوئی شخص شرعاً قابل تسلیم عذر کی بنا پر مسجد سے باہر آیا تو اس کے مسجد سے باہر رہنے کی بنا پر اعتکاف منقطع نہ ہوگا، یعنی واپس آکر دوبارہ اعتکاف کی نیت کرنا لازم نہیں ہے، البتہ جتنی دیر مسجد سے باہر رہا اتنی دیر کی قضا واجب ہے۔ اس سے وہ وقت مستثنیٰ ہے جو پاخانہ وغیرہ قضائے حاجت میں لگا ہو اور اس میں غیر معمولی دیر نہ لگی ہو، اس کی قضا نہیں ہے۔

یہ احکام اس حالت میں ہیں جب کہ اعتکاف واجب ہو اور مسلسل ان ایام کے اعتکاف کی نیت کی گئی ہو۔ اگر محض اعتکافِ نذر کی نیت تھی، یا کسی خاص عرصے کے اعتکاف کی نیت تھی، لیکن مسلسل کی قید نہ تھی تو اس صورت میں اعتکاف کے دوران مسجد سے بلا عذر بھی باہر آجانا جائز ہے۔ لیکن باہر آنے پر وہ اعتکاف ختم ہوجائے گا اور واپس آکر دوبارہ اعتکاف کی نیت کرنا ہوگی۔ ہاں اگر (پہلے ہی سے) واپسی کی نیت کر رکھی ہو، یا مسجد سے نکلنا رفع حاجت کے لیے ہو تو از سرِ نو نیت کی حاجت نہیں ہے۔ یہی حکم نفلی اعتکاف کا ہے۔ معتکف کا مسجد کے اندر کسی برتن میں پیشاب کر لینا فعلِ حرام ہے گو اس سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مرتد ہوجانے کے بعد دوبارہ مسلمان ہوجائے تو اس پر قضا واجب ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر اعتکاف نذر کا ہو اور مسلسل ایک خاص مدت کے لیے، مثلاً دس روز کے مسلسل لگاتار اعتکاف کی نذر مانی ہو اور دورانِ اعتکاف ہی مرتد ہوگیا تو واجب ہے کہ جب دوبارہ اسلام لے آئے تو اب از سرِ نو اس مدت کو پورا کرے۔ ہاں اگر غیر مسلسل اعتکاف کی نذر تھی اور اعتکاف کے دوران مرتد ہوگیا (معاذ اللہ) اور پھر اسلام لے آیا تو اب از سرِ نو دہرانے کی ضرورت نہیں، بلکہ جتنے دن اعتکاف کر چکا ہے اس سے آگے کی میعاد پوری کرے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ مفسداتِ اعتکاف کے منجملہ قصداً دن کے وقت کھانا یا پینا ہے، لہٰذا اگر دن میں قصداً کچھ کھایا یا پیا تو اعتکاف باطل ہوجائے گا اور از سرِ نو اعتکاف کرنا پڑے گا، خواہ اعتکاف واجب ہو یا واجب نہ ہو۔ اس کے بعد کے اعتکاف کو سابقہ ایام کے ساتھ شامل نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اگر بھولے سے کچھ کھا پی لیا تو از سرِ نو اعتکاف کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ جتنے دن اعتکاف کر لیا ہے ان کے آگے کی میعاد پوری کی جائے اور جن دنوں میں افطار کر لیا تھا ان کی قضا کرے، اگرچہ وہ اعتکاف نفلی ہو۔

Marfat.com

منجملہ مفسدات اعتکاف کے رات کو نشہ آور شے کا استعمال ہے، اگرچہ صبح سے پہلے نشہ دور ہو جائے۔ اسی طرح سن کرنے والی شے کے استعمال سے درآنحالیکہ فی الواقع حس جاتی رہے، اعتکاف باطل ہو جائے گا اور اسی وقت سے جب کہ اس کو استعمال کیا گیا باطل ہوگا۔

گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے بھی اعتکاف باطل ہو جاتا ہے، خواہ اس گناہ سے روزہ نہ ٹوٹتا ہو، جیسے غیبت یا چغلی، اس بارے میں دو قول مشہور ہیں، ایک تو یہ (قول مذکورہ) ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ گناہ کبیرہ سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا، جیسا کہ سابقاً اشارہ کیا گیا۔

جنون اور بے ہوشی سے بھی اعتکاف باطل ہو جاتا ہے۔ پس اگر کسی معتکف کو جنون یا بے ہوشی لاحق ہو جائے اور وہ ایسی ہو جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ لیکن جب اس سے افاقہ ہو جائے تو اس اعتکاف کو از سر نو شروع نہ کیا جائے، بلکہ جہاں تک ہو گیا ہے اس سے آگے کی میعاد پوری کی جائے۔ اگر اعتکاف واجب تھا تو ایام (جنون یا بے ہوشی) کی قضا کی جائے، جیسا کہ حیض و نفاس کے بیان میں بتایا گیا۔ اسی طرح حیض و نفاس کے آنے سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے، جیسا کہ شرائطِ اعتکاف میں بتایا گیا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر چند روز تک بے ہوشی لاحق رہے تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا، یہی حکم جنون کا ہے۔ لیکن نشہ کی حالت رات میں آئے تو اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔ اسی طرح گالی گفتار اور لڑائی بھڑائی وغیرہ گناہوں کے ارتکاب سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا۔ رہی حیض و نفاس کی حالت سو اس کی بابت سابقاً بتایا جا چکا ہے کہ ان سے پاک ہونا اعتکاف واجب کے صحیح ہونے اور اعتکاف غیر واجب کے حلال ہونے کی شرط ہے۔ پس اگر یہ حالت اعتکاف واجب کے دوران لاحق ہوئی تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

اگر مرتد ہونے سے اعتکاف فاسد ہو جائے تو دوبارہ مسلمان ہونے پر اس کی قضا نہیں ہے، جیسا کہ سابقاً بیان ہوا۔ اگر مرتد ہونے کے علاوہ کسی اور وجہ سے اعتکاف ٹوٹا اور وہ اعتکاف معینہ اوقات کا تھا، مثلاً دس مقررہ ایام کی منت تھی تو ان ایام کی قضا واجب ہے جس میں اعتکاف فاسد کرنے والی حالت لاحق ہوئی۔ اگر وہ اعتکاف مقررہ ایام کا نہ تھا تو اس اعتکاف کو نئے سرے سے کرنا چاہیے۔ امر فاسد کے لاحق ہونے سے پہلے کا اعتکاف شمار میں نہ آئے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نشہ سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے، خواہ یہ کیفیت رات میں لاحق ہو، البتہ اگر نشہ آور شے کا استعمال کرنے سے نشہ نہیں ہوا یا کوئی گناہ کبیرہ سرزد ہوا تو اعتکاف باطل نہ ہوگا۔

حیض یا نفاس بھی مفسدِ اعتکاف ہے، لہٰذا اگر اعتکاف کرنے والی عورت کو حیض یا نفاس آ جائے تو اعتکاف باطل ہو جائے گا، لیکن اس حال کے دور ہونے کے بعد صرف بقیہ ایام اعتکاف کو پورا کیا جائے، کیونکہ یہ مجبوری کی بات تھی۔ بخلاف نشہ کی حالت کے کہ نشہ کے دور ہونے کے بعد از سر نو اعتکاف کرنا ہوگا۔ بے ہوشی سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔

مفسدات اعتکاف میں اعتکاف سے باہر آنے کی نیت کرنا ہے یا یہ کہ فی الواقع اعتکاف کو چھوڑ دیا جائے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نشہ آور جنون سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے درآنحالیکہ اس کا سبب اس کا عادی ہونا ہو۔ نیز حیض و نفاس سے بھی فاسد ہو جاتا ہے جب کہ نذر کے ایام کی مدت کا غالب حصہ حیض و نفاس سے خالی ہو، بایں طور کہ حیض کی

Marfat.com

اعتکاف کے مکروہات اور اس کے آداب کا بیان

اعتکاف میں جو باتیں مکروہ ہیں اور اس کے آداب (یعنی وہ باتیں جن کا خیال رکھنا چاہیے) کی تفصیل از روئے مسالک مختلفہ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

صورت میں پندرہ یوم یا اس سے کم ہو اور نفاس کی صورت میں نو مہینے یا اس سے کم ہو۔ اگر ایام نذر کی مدت اس سے خالی نہ ہو بایں طور کہ مذکورہ مدت سے زیادہ ہو تو حیض ونفاس سے اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔ اسی طرح گناہ کبیرہ غیبت وغیرہ یا گالی بکنے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا۔

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ بہت سی باتیں ایسی ہیں جو حالت اعتکاف میں مکروہ ہیں، منجملہ ان کے یہ کہ اعتکاف دس دن سے کم یا ایک ماہ سے زیادہ ہو اور مسجد کے باہر قریب ہی اس کے لان یا میدان میں کھانا وغیرہ کھانے کو جانا، اگر وہ جگہ مسجد سے دور ہو تو اعتکاف باطل ہو جائے گا اور یہ بھی مکروہ ہے کہ معتکف اپنے کھانے پینے کی اشیاء اور ضروری لباس جو وہ مسجد میں اپنے ساتھ لاسکتا تھا، باوجود قدرت کے نہ لائے۔ یہ بھی مکروہ ہے کہ معتکف اپنے گھر میں جو مسجد کے قریب ہو اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے جائے درآنحالیکہ اس کی بیوی یا لونڈی وہاں موجود نہ ہو جن میں وہ اعتکاف سے ہٹ کر مشغول ہو جائے۔ اگر وہ مکان مسجد سے دور ہو تو وہاں جانے سے اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ اسی طرح اعتکاف کے دوران علم کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہونا مکروہ ہے، کیونکہ اعتکاف کی غرض نفس کو مشقت میں ڈالنا ہے اور یہ مقصد اکثر حالات میں خدا کے ذکر اور نماز سے حاصل ہوتا ہے۔ اس حکم سے عینی علوم (یعنی جن کا تعلق مشاہدہ سے ہے) مستثنیٰ ہیں، لہٰذا حالتِ اعتکاف میں یہ مکروہ نہیں ہے۔ نیز اعتکاف کے اندر بہت زیادہ لکھنے میں لگا رہنا مکروہ ہے، بشرطیکہ حصول رزق کے لئے اسے اس کے کرنے کی مجبوری نہ ہو، ایسی صورت میں مکروہ نہیں ہے۔ نیز نماز، وظیفہ، قرآن کی تلاوت، تسبیح و تحمید، کلمہ واستغفار، درود شریف کے علاوہ کوئی اور کام کرنا مکروہ ہے، مثلاً مریض کی مزاج پرسی اور نماز جنازہ، نیز مسجد کے مینار یا چھت پر جا کر اذان دینا بھی مکروہ ہے اور اس شخص کا اعتکاف مکروہ ہے جس کے پاس اعتکاف کا سامان کافی موجود نہ ہو۔

اعتکاف کے آداب میں یہ امور ہیں کہ معتکف پہنے ہوئے کپڑوں کے علاوہ بھی لباس لے کر آئے، کیونکہ بعض اوقات (لباس بدلنے کی) ضرورت پڑ جاتی ہے اور یہ کہ اگر اعتکاف کی مدت عید تک پہنچ جائے تو عید کی رات مسجد ہی میں گزارے تاکہ مسجد سے نکل کر عید گاہ کی طرف روانگی ہو اور ایک عبادت (اعتکاف) دوسری عبادت (نماز عید) کے ساتھ مل جائے اور یہ کہ مسجد کے اندرونی حصہ میں ٹھہرے تاکہ بات چیت سے اعتکاف میں خلل واقع نہ ہو اور یہ کہ اعتکاف رمضان کے مہینے میں ہو، نیز شب قدر پانے کی امید میں آخری دنوں کے اندر ہو کیونکہ ان ہی دنوں میں شب قدر کا آنا اغلب ہے اور یہ اعتکاف دس دن سے کم نہ ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اعتکاف میں چند امور مکروہ تحریمی ہیں، منجملہ ان کے چپ رہنا ہے، اس خیال سے کہ اس میں ثواب زیادہ ہے۔ اگر یہ خیال نہیں تھا تو مکروہ نہیں ہے۔ ہاں چپ رہنا زبان کے گناہ سے بچنے کے لئے سب سے بڑی عبادت ہے۔ مسجد میں فروخت کرنے کے لئے مال لانا مکروہ تحریمی ہے، البتہ خرید وفروخت کا معاملہ جو اس کے لئے

Marfat.com

اور بال بچوں کے لئے ضروری ہے مسجد میں کیا جائے۔ لیکن سامان مسجد میں نہ لایا جائے تو جائز ہے، لیکن تجارتی معاہدہ مسجد میں جائز نہیں ہے۔

اعتکاف کے آداب میں یہ ہے کہ اچھی بات کے سوا اور کلام نہ کرے اور یہ کہ اعتکاف کے لئے سب سے اچھی مسجد کا انتخاب کیا جائے، مثلاً مسجد حرام، اس کے بعد مسجد نبوی پھر مسجد اقصیٰ اور یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو وہاں رہتے ہوں۔ اس کے بعد جامع مسجد کا درجہ ہے اور یہ کہ (بہ دورانِ اعتکاف) تلاوتِ قرآن وحدیث ومطالعۂ علوم دینی اور اس کی تعلیم وغیرہ میں لگا رہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ حجامت کرانا اور فصد لگانا اعتکاف کی حالت میں مکروہ ہے، بشرطیکہ مسجد کو گندا نہ کیا جائے، اگر اس سے گندگی کا اندیشہ ہو تو حرام ہے۔ اسی طرح مسجد کے اندر پیشہ ورانہ شغل زیادہ ہو تو مکروہ ہے، ہاں اگر زیادہ کام نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے، لہٰذا مسجد کے اندر کسی قدر سلائی کا کام یا بوریا وغیرہ بننے کا کام ہو تو مکروہ نہیں ہے (یعنی زیادہ مصروفیت نہ ہو)۔

اعتکاف کے آداب میں یہ ہے کہ معتکف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہے۔ مثلاً قرآن شریف کی تلاوت، حدیث کا مطالعہ، ذکر الٰہی، اور علم دین، کیونکہ یہ سب باتیں عبادت میں داخل ہیں۔ (اعتکاف میں) روزہ رکھنا سنت ہے اور یہ کہ اعتکاف جامع مسجد میں ہو۔ اس کے لئے سب سے افضل مسجد حرام ہے، پھر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، اس کے بعد مسجد اقصیٰ اور یہ کہ اچھی بات کے سوا اور کلام نہ کرے، پس چاہیے کہ نہ گالی بکے اور نہ فضول بات کرے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ معتکف کے لئے (دن بھر) رات تک خاموش رہنا مکروہ ہے۔ اگر ایسا کرنے کی نذر مانی ہے تو اسے پورا کرنا واجب نہیں ہے۔

اعتکاف کے آداب یہ ہیں کہ اس کے اوقات کو اطاعت الٰہی میں گزارا جائے، مثلاً قرآن شریف کی تلاوت، ذکر الٰہی اور نماز اور یہ کہ بے معنی باتوں سے پرہیز کیا جائے۔

Marfat.com

باب زکوٰۃ

زکوٰۃ کی تعریف

لغت میں زکوٰۃ کے معنی پاک کرنے اور نمو پانے یا ترقی کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "قد افلح من زکھا" (یعنی جس نے اپنے نفس کو گندگی سے پاک کیا)۔ اسی طرح کھیتی اُگے اور بڑھے تو کہتے ہیں "زکا الزرع" (یعنی زراعت میں نشوونما ہوئی)۔ شریعت کی اصطلاح میں اس لفظ کے معنی مخصوص مال کا خاص شرائط کے ساتھ اس کے حقدار کو مالک بنا دینا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ نصاب زکوٰۃ کے مالک ہیں (یعنی اتنا مال رکھتے ہیں جس پر زکوٰۃ واجب ہے) ان پر فرض ہے کہ فقیروں اور دوسرے زکوٰۃ کے حقداروں کو جن کی تفصیل آگے آرہی ہے، اپنے مال میں سے ایک مقررہ مقدار بطور تملیک عطا کر دیں (یعنی ان کو اس مال زکوٰۃ کا مالک بنادیں)۔

حنابلہ زکوٰۃ کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ: "زکوٰۃ" خاص قسم کے مال پر خاص قسم کے لوگوں کا حق ہے جو معینہ وقت گزر جانے کے بعد واجب ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کی اس تعریف کے معنی بھی وہی ہیں جو پہلی تعریف کے ہیں، اتنا فرق ہے کہ پہلی تعریف میں مستحق اشخاص کو مالک بنا دینے اور فرض شدہ مقدار زکوٰۃ کو عملاً عطا کر دینے کی تصریح کی گئی ہے، کیونکہ محض واجب ہونے سے فی الواقع مالک بنا دینا لازم نہیں آتا۔

ادائے زکوٰۃ کا حکم اور اس کا ثبوت

زکوٰۃ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے اور ہر اس شخص پر فرض عین ہے جو شرائط متذکرہ آئندہ کو پورا کرتا ہو۔

زکوٰۃ سنہ ۲ ہجری میں فرض ہوئی اور دین (اسلام) میں اس کا فرض ہونا بہرحال سب کو معلوم ہے۔ اس کی فرضیت کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "و آتو الزکاۃ" (یعنی زکوٰۃ ادا کرو) اور: "فی اموا لھم حق معلوم للسائل والمحروم" (یعنی لوگوں کے مال میں سوالی اور بے کس لوگوں کا ایک مقررہ حق ہے)۔ سنت (حدیث) میں اس حکم کے متعدد ثبوت ہیں، منجملہ ان کے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: "بنی الاسلام علیٰ خمس" (یعنی اسلام کی بنیاد

Marfat.com

پانچ امور پر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان پانچ اور میں ''ایتاء الزکوٰۃ'' (یعنی زکوٰۃ دینے) کا ذکر فرمایا ہے اور منجملہ ان کے وہ حدیث ہے، جو ترمذی نے سلیم بن عامر سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''سمعت ابا امامة یقول سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یخطب فی حجة الوداع فقال اتقوا اللّٰہ وصلوا خمسکم وصوموا شهر کم وادّو زکاةَ اموالکم واطیعوا اذا امر کم (یعنی ابوامامہؓ سے میں نے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حجۃ الوداع والی تقریر سنی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو، اپنی پنجگانہ نمازیں پڑھا کرو اور ماہ رمضان آئے تو روزہ رکھو اور اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو اور اپنے حاکم کی اطاعت کرو تو جنت میں جاؤ گے) یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی احادیث اس مضمون کی ہیں۔

رہا اجماع سو تمام امت اس امر پر متفق ہے کہ زکوٰۃ ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن ہے جس کی خاص شرائط ہیں۔

زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرطیں

زکوٰۃ واجب ہونے کی چند شرطیں ہیں، منجملہ ان کے ''بالغ ہونا'' ہے، لہٰذا کوئی بچہ مال دار ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

ایک شرط ''عاقل ہونا'' ہے، لہٰذا مجنون پر زکوٰۃ کا ادا کرنا واجب نہیں ہے، تاہم ان کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے اور ان کے ولیوں (سرپرستوں) پر واجب ہے کہ (ان کی طرف سے) زکوٰۃ ادا کریں۔ یہ حکم تین اماموں کے نزدیک ہے، حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

کافر پر کہاں تک زکوٰۃ واجب ہے؟

زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرائط میں سے ''مسلمان ہونا'' ہے، لہٰذا کافر پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، خواہ وہ پہلے سے مسلمان ہو یا مرتد ہونے کے بعد اسلام لایا ہو۔ اگر مرتد مسلمان ہو جائے تو اس پر

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نابالغ بچے اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، لہٰذا ان کے ولیوں سے اس کے ادا کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ محض عبادت ہے، بچے اور مجنون اس حکم کے مخاطب نہیں ہیں۔ البتہ ان کے مال سے قرض اور نفقہ کا ادا کرنا واجب ہے، کیونکہ یہ بندوں کے حقوق ہیں۔ تاہم عشر (زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ) اور صدقۂ فطر واجب ہے کیونکہ یہ گزارہ دینے کی مانند ہے۔ لہٰذا اس کو حقوق العباد میں شامل کیا گیا ہے اور فاتر العقل (کے مال) کا

Marfat.com

ارتداد کے زمانے کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہی حکم ہے، مالکیہ اور شافعیہ کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۱)

واضح ہو کہ مسلمان ہونا جس طرح زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرط ہے، اسی طرح صحتِ ادائیگی کی بھی شرط ہے، کیونکہ زکوٰۃ بغیر نیت کے درست نہیں ہے اور کافر کا نیت کرنا ہی درست نہیں ہے۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے، شافعیہ کہتے ہیں کہ نیت مرتد کی بھی صحیح ہے۔ اسی بناء پر وہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ مرتد پر بھی لازمی طور سے فرض ہے، لیکن اس وقت تک موقوف متصور ہوگی جس کی تفصیل ان کے مسلک کے مطابق ذیلی حاشیہ میں بتائی گئی ہے۔ (۲)

کیا عورت کے مالِ مہر پر زکوٰۃ واجب ہے؟

واضح ہو کہ زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ مال پر پورا قبضہ ہو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا عورت اپنے مہر پر قابض ہونے سے پہلے پورے طور پر اس کی مالک بھی تھی یا نہیں؟ اس بارے میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں، اس کے لئے ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (۳)

وہی حکم ہے جو بچے کے مال کا ہے کہ اس کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ مسلمان ہونا صحتِ زکوٰۃ کی شرط ہے، واجب ہونے کی شرط نہیں ہے، لہٰذا کافر پر زکوٰۃ واجب ہے گو اسلام لائے بغیر اس کا ادا کرنا درست نہیں ہے اور مسلمان ہونے کے بعد زکوٰۃ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "قل للذين كفروا ان ينتهوا يغفر لهم ماقد سلف"۔ (یعنی کافروں کو بتا دو کہ اگر وہ کفر سے باز آجائیں، مسلمان ہو جائیں تو ان کے سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے) اور کافر اصلی اور مرتد میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۲۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ مرتد پر زکوٰۃ واجب ہے گو اس کا وجوب معرض التواء میں رہے گا جب تک کہ وہ پھر مسلمان نہ ہو جائے۔ اگر وہ پھر مسلمان ہو جائے تو بوجہ اس کے کہ وہ مال کا مالک رہا ہے زکوٰۃ کا واجب ہونا واضح ہو جائے گا اور اس وقت اسے زکوٰۃ کو ادا کرنا پڑے گا اور اگر مرتد ہونے کے دوران ہی اس نے زکوٰۃ نکال دی ہے تو وہ ادا متصور ہوگی اور اس حال میں ادائے زکوٰۃ کی نیت کرنا بھی جائز ہوگا کیونکہ اس کو امتیاز کے لئے زکوٰۃ کہا جائے گا عبادت کے خیال سے نہیں۔ اگر مرتد حالت ارتداد ہی میں مر گیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ مال اس کی ملکیت سے خارج ہو گیا اور اب وہ مال غنیم (مال فے) متصور ہوگا، لہٰذا اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

۳۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ پورے طور پر مالک ہونے کے یہ معنی ہیں کہ مال قبضہ میں ہے۔ اگر کوئی شخص ایسی شے کا مالک قرار پایا جو ہنوز اس کے قبضہ میں نہیں آئی تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، جیسے عورت کا مال مہر کہ جب تک اس کے قبضہ میں

Marfat.com

نہیں آیا اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اسی طرح اس مال پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے جس پر کوئی شخص قابض ہو، لیکن اس کا مالک نہ ہو، جیسے مقروض کہ مال تو اس کے قبضہ میں ہوتا ہے لیکن اس کا مالک دوسرا شخص ہوتا ہے۔ لیکن مکاتب غلام کا مال (یعنی اس غلام کا مال جس کو ایک معینہ رقم ادا کرنے کی شرط پر آزادی کی تحریر لکھ دی گئی ہو) اگرچہ اس کی ملکیت کامل نہیں ہوتی، لیکن آئندہ آزادی کی قید لگ جانے کے باعث اس زمرہ سے خارج ہے اور غلام بھی مال کا مالک نہیں ہوتا، (آئندہ) آزادی کی قید کے ساتھ اس زمرہ سے خارج ہے۔

وقف شدہ مال پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے، کیونکہ اس کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس کھیتی پر زکوٰۃ نہیں ہے جو مباح (غیر مملوکہ اراضی) زمین کی پیداوار ہو، کیونکہ اس کا بھی کوئی مالک نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ پورے طور پر مالک ہونا یہ ہے کہ مملوکہ شے پر تصرف کرنے (یعنی اسے اپنے کام میں لانے) کا حق ہو، لہٰذا غلام پر، خواہ وہ کسی قسم کا ہو زکوٰۃ نہیں ہے، کیونکہ وہ اپنے مال کا پورے طور پر مالک نہیں ہوتا، اگرچہ مکاتب ہو، کیونکہ بسا اوقات وہ معاہدے کی رقم ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے اور اس لئے بدستور غلام رہتا ہے۔ اسی طرح اس شخص پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے جس کے تحت تصرف میں ایسا مال ہو جو اس کا نہیں ہے، جیسے رہن رکھنے والا۔ رہا عورت کا مہر سو وہ اس کی مکمل مالک ہوتی ہے۔ البتہ جب تک وہ مال خاوند کے قبضے میں ہے، اس کی زکوٰۃ نہ دے گی۔ زکوٰۃ اس وقت واجب ہو گی جب اس کے قبضے میں آنے کے بعد اس کو ایک سال گزر جائے۔

ایسا مقروض جس نے دوسرے سے مال قرض لے رکھا ہے اور وہ نقدی اس کے پاس ہے تو دیکھنا چاہیے کہ اگر اس کے پاس مال اسباب وغیرہ اس قدر ہے کہ اس سے قرض ادا ہو سکے تو ایک سال گزر جانے پر اس مال قرض کی زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ کیونکہ اس امر پر قادر ہونے کی وجہ سے کہ وہ اس کی قیمت اپنے پاس سے ادا کر سکتا ہے، قرض لئے ہوئے مال کا مالک قرار پائے گا۔ لیکن اگر وہ مال عین (نقدی وغیرہ) نہیں ہے، مثلاً کھیتی یا مویشی یا کان تو اس مال قرض سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی اور نہ زکوٰۃ کا واجب ہونا اس بات پر موقوف ہوگا کہ اس کے پاس اتنا مال ہو جس سے قرض ادا کیا جا سکے۔ مال مباح جو عوام کے لئے ہو، مثلاً ایسی زمین کی پیداوار پر جس کا کوئی مالک نہیں ہے، زکوٰۃ عائد نہ ہوگی۔ اس زمین کی پیداوار کا تو وہ مالک ہوگا، لیکن زکوٰۃ اس پر واجب نہ ہوگی۔ جس شے کی پیداوار بلا خاص تعین کے، مثلاً فقراء و مساکین کے لئے وقف ہو یا معین اشخاص کے لئے وقف ہو، اس کی زکوٰۃ وقف کرنے والے پر واجب ہے، کیونکہ پیداوار کے وقف کرنے سے اصل شے کی ملکیت جاتی نہیں رہتی۔ چنانچہ اگر کسی باغ کو اس لئے وقف کیا جائے کہ اس کے پھل کو فقرا میں تقسیم کر دیا جائے یا اس لئے کہ خاص اشخاص، مثلاً کسی کی اولاد کو دیا جائے، اب اگر اس کا پھل نصاب زکوٰۃ تک پہنچ جائے تو اس کی زکوٰۃ واجب ہو گی۔ نصاب زکوٰۃ پورا نہ ہو تو وقف کرنے والے پر زکوٰۃ واجب نہ ہو گی، بشرطیکہ اس کے قبضے میں کوئی اور باغ ایسا نہ ہو جس کا پھل اس کے ساتھ ملا کر نصاب زکوٰۃ پورا ہو جائے۔ ایسی صورت میں پوری پیداوار کی زکوٰۃ واجب ہو گی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ (وجوب زکوٰۃ کے لئے) جو پورے طور پر مالک ہونے کی شرط لگائی گئی ہے، اس سے غلام اور مکاتب کا مال خارج ہو جاتا ہے، ان پر زکوٰۃ عائد نہ ہو گی۔ غلام پر تو اس لئے کہ وہ مال کا مالک نہیں ہوتا اور

Marfat.com

زکوٰۃ کے نصاب اور ایک سال کی مدت گزر جانے کا بیان

زکوٰۃ واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ مملوکہ مال، نصاب (یعنی اس مقدار کو جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے) پہنچ گیا ہو۔ لہٰذا جب تک مال مقدارِ نصاب کو نہ پہنچے، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ لفظ "نصاب" کے شرعی اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ مال کی وہ مقدار جس کو صاحب شرع نے وجوبِ زکوٰۃ کی حد قرار دی ہو، خواہ وہ نقد زر و سیم کی صورت میں ہو یا کسی اور شکل میں۔ نصاب کی مقدار مختلف اموالِ زکوٰۃ پر جدا جدا ہے۔ آئندہ ایسی اشیاء کی اقسام بتائی جائیں گی جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

ایک سال کی پوری مدت گزر جانے کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ اس وقت تک واجب الادا نہیں ہوتی جب تک کسی شخص کو اس مال کا مالک بنے رہنے کی مدت ایک سال نہ ہو جائے اور سال سے مراد قمری حساب

مکاتب پر اس لئے کہ اس کی ملکیت کمزور ہے۔ اسی طرح وہ مال بھی زکوٰۃ سے خارج ہے جو عوام کے لئے ہو، مثلاً وہ غلہ جو میدان میں اپنے آپ بغیر کسی کے اُگائے اُگا ہو۔ ایسی (خودرَو) پیداوار کی زکوٰۃ کسی پر عائد نہیں ہوتی، کیونکہ کوئی اس کا مالک نہیں ہوتا۔

اسی طرح اس حکم سے وہ مال بھی خارج ہے جو کسی کے لئے معین کئے بغیر وقف کیا گیا ہو، مثلاً کوئی باغ مسجد یا سرائے کے لئے یا بالعموم فقرا و مساکین کے لئے بلاتعین وقف ہو تو اس کے پھلوں اور پیداوار پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ البتہ اگر وہ اراضی ٹھیکے پر دی گئی اور اس پر کھیتی کی گئی تو ٹھیکیدار کو اس کے لگان کے علاوہ زکوٰۃ بھی دینی پڑے گی۔ اسی طرح اگر وقف کسی کے لئے متعین کیا گیا ہے تو اس (مال وقف) پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔ رہا عورت کا مہر سو اگر وہ خاوند کے قبضے میں ہے تو وہ قرض کی مانند ہے اور یہ آگے بتایا گیا ہے کہ قرض دیے ہوئے مال کی زکوٰۃ واجب ہے، لیکن اس کی ادائیگی اس وقت ہوگی جب مال قبضے میں آجائے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی سے مال قرض لے اور وہ مال ایک سال تک اس کے قبضے میں رہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی، کیونکہ قرض لینے کے بعد وہ اس مال کا پورے طور سے مالک ہوتا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ پورے طور پر مالک ہونا یہ ہے کہ وہ مال جو کسی کے قبضے میں ہو اس مال پر اس کے سوا کسی اور کا حق نہ ہو اور وہ اس میں محض اپنی صوابدید کے مطابق تصرف کر سکتا ہو، دوسرے کا دخل نہ ہو۔ لہٰذا مال "کتابت" (یعنی اس رقم پر جس کی ادائیگی غلامی سے آزادی کی شرط قرار دی گئی ہو) پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور نہ اس مال پر جو تعین کے بغیر مساکین کے لئے یا کسی مسجد یا مدرسہ وغیرہ کے لئے وقف کیا گیا ہو۔ ہاں اگر وہ مال کسی کے لئے تعین کے ساتھ وقف کیا جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، لہٰذا اگر کوئی اراضی یا درخت تعین کے ساتھ وقف کیا گیا اور اس کی پیداوار زکوٰۃ واجب کرنے والا نصاب پورا کرتی ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اب رہا عورت کا مہر سو وہ قرض کی مانند ہے، اس کے اور کسی سے قرض لئے ہوئے مال کے مسائل آگے بیان ہوں گے۔

غلام پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے، اس کی تفصیل حریت (آزادی) کی شرائط کے بیان میں آگے آرہی ہے۔

Marfat.com

کا سال ہے، شمسی حساب کا سال نہیں۔ قمری حساب سے ایک سال تین سو چون دن کا ہوتا ہے۔ شمسی سال کبھی تین سو پینسٹھ دن کا ہوتا ہے اور کبھی ایک دن اس سے زیادہ ہوتا ہے اور سال گزر جانے کے متعلق مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں، اس کے لئے ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (۱)

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ (وجوب زکوٰۃ کے لئے) شرط یہ ہے کہ سال کے دونوں سروں پر نصاب پورا رہا ہو۔ قطع نظر اس کے کہ سال کے درمیان نصاب کامل رہا ہو یا نہ رہا ہو، لہٰذا اگر کوئی شخص سال کے آغاز میں پورے نصاب کا مالک تھا اور اسی حال میں پورا سال گزر گیا تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر سال کے دوران مال میں کمی ہوگئی اور اخیر سال میں وہ کمی پوری ہوگئی، تب بھی بدستور زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ہاں اگر مال کی کمی اخیر سال تک جاری رہی اور سال گزر گیا تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اگر کوئی شخص سال کے آغاز میں نصاب کا مالک تھا، پھر دوران سال میں اس مال کے اندر اور بھی اضافہ ہوگیا تو اس کو اصل مال میں شامل کیا جائے گا، دونوں کو ملا کر نصاب پورا ہوا اور نفع کا مال، رأس المال ہی کی قسم کا ہو، تو سب کی زکوٰۃ واجب ہو گی۔

واضح ہو کہ پورا سال گزر جانے کی شرط کھیتی اور پھلوں کے علاوہ دوسری اشیاء کے لئے ہے، کھیتی اور پھلوں کے لئے سال گزر جانے کی شرط نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ سال کا گزرنا جو زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرط ہے وہ معدن، دفینوں اور کھیتی ...... یعنی غلہ اور پھل ...... کے علاوہ اشیاء میں ہے۔ ان اشیاء پر سال نہ گزرے، تب بھی زکوٰۃ ہے۔ چنانچہ ان تینوں اقسام اشیاء کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

اگر کوئی شخص سال کے آغاز میں سونے یا چاندی کے نصاب کا مالک ہوا اور سال بھر اس پورے نصاب کا مالک رہا تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر دوران سال میں اس کے اندر کمی آگئی، لیکن اس کے منافع سے اخیر سال میں پھر نصاب پورا کرلیا تو زکوٰۃ واجب ہوگی، کیونکہ سال کے اندر جو منافع ہوا وہ اصل مال میں محسوب ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص آغاز سال میں نصاب سے کم مال کا مالک تھا، پھر اسی مال سے تجارت کی اور اس سے اتنا نفع ہوا کہ اخیر سال تک نصاب پورا ہوگیا تو تمام مال کی زکوٰۃ واجب ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے پورا سال یا اس کے قریب قریب مدت کا گزر جانا شرط ہے۔ پس اگر سال پورا ہونے میں صرف نصف یوم باقی ہے، تب بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ یہ شرط نقدی، مویشی اور مال تجارت کے لئے ہے۔ ان کے علاوہ دوسری اشیاء مثلاً پھل، معادن اور دفینوں کی زکوٰۃ کے لئے سال کا گزر جانا شرط نہیں ہے۔

واضح ہو کہ وجوب زکوٰۃ کے لیے نصاب پر پورا سال گزرنا ضروری ہے، خواہ قریب قریب پورا سال ہونے کو ہو۔ چنانچہ اگر کوئی شخص آغاز سال میں نصاب سے کم مال کا مالک تھا، پھر اس مالِ قلیل سے تجارت کی جس سے اتنا نفع ہوا کہ نصاب مکمل ہوگیا تو جس وقت سے نصاب مکمل ہوا اس وقت سے پورا سال گزرنا معتبر ہوگا۔ چنانچہ نصاب پورا ہونے کے بعد جب ایک سال گزر جائے تب زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر آغاز سال میں نصاب پورا تھا پھر دوران سال میں اس سے تجارت کر کے نفع میں وہی کچھ حاصل کیا جو اس مال کی جنس میں سے ہے تو اس مال کو جو اس کے پاس تھا اس نفع میں شامل

Marfat.com

صاحبِ مال کے آزاد ہونے اور قرض سے بری ہونے کا بیان

وجوب زکوٰۃ کے لئے ایک شرط صاحب مال کا آزاد ہونا ہے، لہٰذا رقیق (یعنی غلام) پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اگرچہ وہ ''مکاتب'' ہو (یعنی ایسا غلام جس کو مقررہ مال ادا کر کے آزاد ہونے کا اجازت نامہ دیا گیا ہو)۔ اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ قرض واجب الادا اس کے ذمہ نہ ہو۔ پس اگر کسی پر اتنا قرض ہے جو مال نصاب کے برابر ہو یا اتنا ہو کہ ادائے قرض کے بعد نصاب کی مقدار باقی نہ رہے تو اس شخص پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اس کی تفصیل مسالک کی رو سے ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

کر کے تمام سال کی زکوٰۃ پورے اصل مال کی ادا کی جائے گی، بشرطیکہ اصل مال نصاب کو پورا کرتا ہو، کیونکہ اگر اصل مال نصاب کو پورا کرتا ہو تو اس کے فائدہ کو بھی اصل مال ہی تصور کیا جائے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے قطعی طور پر سال کا پورا ہونا شرط ہے، لہٰذا اگر ایک لحظہ بھی سال کے پورا ہونے میں کم ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ واضح ہو کہ سال پورا گزرنے کی شرط غلہ، کانوں اور دفینوں کے علاوہ اور اشیاء پر ہے۔ نیز مال تجارت سے جو منافع ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، کیونکہ منافع کی زکوٰۃ اصل مال کے ساتھ ہی سال گزرنے پر ادا ہو جاتی ہے، بشرطیکہ اصل مال نصاب کو پورا کرتا ہو۔ اگر اصل مال نصاب سے کم ہو اور اس کے نفع کو ملا کر نصاب پورا ہو جائے تو سال کا آغاز اس وقت سے شمار ہوگا جب نصاب مکمل ہوا۔ اگر نصاب آغاز سال میں پورا تھا پھر دوران سال میں کم ہو گیا اس کے بعد پھر پورا ہوا تو کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔ ہاں اس صورت میں جبکہ نصاب کو پورا ہوئے ایک سال گزر جائے (تو زکوٰۃ واجب ہوگی)۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ مال کا قرض سے فارغ ہونا (وجوب زکوٰۃ کی) شرط نہیں ہے، یعنی کسی پر قرض ہو تب بھی اس پر زکوٰۃ واجب ہے خواہ قرض کی مقدار اتنی ہو جو مال زکوٰۃ پر چھا جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں قرض کی تین قسمیں ہیں: اول تو یہ کہ وہ قرض خالص بندوں کا حق ہو۔ دوم یہ کہ قرض اللہ کا ہو لیکن بندے اس کا مطالبہ کرتے ہوں، مثلاً کسی کے ذمہ مال زکوٰۃ واجب الادا ہو جس کا مطالبہ، ظاہر مال کی صورت میں، مثلاً سائمہ جانور (جن کو جنگلوں میں چرایا جائے، خرید کر چارہ نہ دینا پڑے) اور وہ اشیا جو زمین سے نکالی جائیں، حاکم وقت کی طرف سے کیا جائے یا پھر امام وقت کا کوئی نائب اموال باطنہ، مثلاً مال تجارت اور سونا چاندی کی زکوٰۃ کا مطالبہ کرے۔ امام سے مراد ہیئت مقتدرہ ہے کیونکہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک زکوٰۃ خود امام وصول کیا کرتا تھا۔ پھر حضرت عثمانؓ نے اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اپنے کارندے مقرر فرما دیے۔ قرض کی تیسری شکل یہ ہے کہ وہ خالص اللہ کا مطالبہ ہو بندوں کی طرف سے کوئی مطالبہ نہ ہو۔ مثلاً وہ واجبات جو نذر، کفارہ، صدقۂ فطر اور مصارف حج کے لئے خالصۃً للہ ہوں۔ پہلی دو قسم کے قرض وہ ہیں جو وجوب زکوٰۃ سے مانع ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص نصاب زکوٰۃ کا مالک ہے اور اس پر سال گزر گیا لیکن زکوٰۃ نہیں نکالی گئی اور اسی طرح اس پر دوسرا سال بھی گزر گیا تو اس پر

Marfat.com

کیا رہنے کے مکان، پہننے کے کپڑوں، سامانِ خانہ اور قیمتی جواہرات پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے؟

رہائشی مکان، پہننے کے کپڑوں، سامانِ خانہ، سواری کے جانوروں، استعمالی ہتھیاروں اور ایسے ظروف پر جو سجاوٹ کے لئے استعمال کئے جائیں اور سونے چاندی کے نہ ہوں، زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اسی طرح جواہرات، مثلاً موتی، یاقوت، زبرجد وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے، بشرطیکہ وہ تجارت کے لئے نہ ہوں۔ اس پر تمام مسالک متفق ہیں۔ پیشہ ورانہ آلات پر مطلق زکوٰۃ نہیں ہے خواہ اس کا اثر مصنوعات پر باقی رہے یا نہ رہے۔ اس کے متعلق حنفیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

دوسرے سال کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، کیونکہ پہلی زکوٰۃ واجب الادا اس کے نصاب کو کم کر دے گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مال کا مالک ہوا اور اس پر کسی کا قرض واجب الادا ہے، خواہ وہ واجب الادا رقم کی صورت میں ہو یا کسی خرید شدہ مال کی قیمت ہو یا نقدی ہو یا پیمانے اور وزن والی شے ہو یا جانور وغیرہ ہو، اس قسم کا قرض ہر طرح کی زکوٰۃ کے واجب ہونے سے مانع ہے، بجز کھیتی اور پھلوں کی پیداوار کی زکوٰۃ، عشر اور خراج کے (کہ قرض ان سے مانع نہیں ہے) رہا تیسری قسم کا قرض سو وہ وجوبِ زکوٰۃ سے مانع نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی پر اتنا قرض ہے کہ اس کی ادائیگی کی جائے تو نصاب پورا نہ رہے اور ایسی کوئی شے بھی نہیں ہے جو ضروریات زندگی میں سے جیسے رہائش کا مکان ہے، بھی نہ ہو کہ اس سے قرض کو ادا کیا جا سکے تو اس پر مال موجودہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ یہ شرط سونے چاندی کی زکوٰۃ کے لئے مخصوص ہے۔ بشرطیکہ وہ سونا چاندی، کان سے برآمد شدہ یا دفینہ کا نہ ہو۔ رہے مویشی اور زرعی پیداوار سو ان کی زکوٰۃ واجب ہے، خواہ قرض سر پر ہو۔ یہی حکم کان سے نکالی ہوئی (معدنیات) اور دفینہ کا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں جس پر اتنا قرض ہو جو نصاب زکوٰۃ پر چھا جائے یا اتنا ہی ہو کہ اگر قرض ادا کیا جائے تو نصاب کی مقدار کم ہو جائے، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اگرچہ وہ قرض قابل زکوٰۃ مال کی جنس سے نہ ہو یا زمین کا خراج ادا کرنا ہو یا فصل کاٹنے اور بونے جوتنے کی اجرت دینا ہو۔ نیز واضح ہو کہ اموال باطنہ، مثلاً گراں بہا مالِ تجارت اور کان سے نکالی ہوئی اشیاء اور اموال ظاہرہ، مثلاً مویشی غلہ اور پھل کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ پس جس کے پاس اتنا مال ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہے، لیکن اس پر قرض بھی ہے تو چاہیے کہ اس مال میں سے پہلے وہ مقدار جو ادائے قرض کو مکتفی ہو نکال کر باقی مال نصاب پورا کرتا ہو تو اس کی زکوٰۃ نکالے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر پیشہ ور کا سامان ایسا ہو جس کا اثر مصنوعات پر باقی رہے جیسے رنگ تو اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہ ہوگی۔

Marfat.com

اسی طرح علمی کتابوں پر زکوٰۃ نہیں ہے بشرطیکہ وہ تجارت کے لئے نہ ہوں۔ قطع نظر اس کے کہ اس کا مالک اہلِ علم میں سے ہو یا نہ ہو۔ اس بارے میں بھی حنفیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

جن اقسام کی اشیاء پر زکوٰۃ واجب ہے ان کا بیان

جن اشیاء پر زکوٰۃ واجب ہے ان کی پانچ قسمیں ہیں:

پہلی قسم چوپائے، مثلاً اونٹ، بقر اور غنم ان سے مراد گھریلو (پالتو) جانور ہیں، لہٰذا وحشی جانوروں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ وحشی جانور وہ ہیں جو پہاڑی علاقہ میں پیدا ہوتے ہیں، پس اگر کسی کے پاس جنگلی بیلوں اور ہرنوں کی کچھ تعداد ہو تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اسی طرح وہ جانور جو گھریلو اور جنگلی جانوروں کے میل سے پیدا ہوں ان پر بھی زکوٰۃ نہیں، خواہ مادین گھریلو جانور ہو یا نہ ہو۔ مالکیہ اور شافعیہ اس سے متفق ہیں، حنفیہ اور حنابلہ کو اختلاف ہے، ان کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۲)

واضح ہو کہ لفظ بقر میں (گائے بیل کے علاوہ) بھینس شامل بھی ہے اور لفظ غنم میں (بکرا بکری کے علاوہ) بھیڑ بھی شامل ہے اور ان جانوروں کے علاوہ اور کسی جانور پر زکوٰۃ نہیں ہے، لہٰذا گھوڑے، خچر، گدھے اور سکھائے ہوئے چیتوں اور کتوں وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ تجارت کے لئے ہوں تو ان پر مالِ تجارت کی زکوٰۃ عائد ہوگی، اس کا بیان آگے آئے گا۔

اشیائے زکوٰۃ کی دوسری قسم ''سونا، چاندی'' ہے، اگرچہ وہ سکہ کی شکل میں نہ ہوں۔ تیسری قسم ''سامانِ تجارت''، چوتھی قسم ''کان سے نکالی ہوئی اشیاء اور دفینے''، پانچویں قسم ''زرعی پیداوار اور پھل''۔ ان پانچ قسم کی اشیاء کے علاوہ اور کسی قسم کی چیز پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر علمی کتاب کا مالک اہل علم میں سے ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہے ورنہ واجب ہوگی۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جنگلی اور گھریلو جانور کے میل سے پیدا ہونے والے چوپاؤں کے بارے میں مادین کا لحاظ ہوگا، اگر مادین پالتو ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی، ورنہ نہ ہوگی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جنگلی جانوروں پر زکوٰۃ واجب ہے اور ان جانوروں پر بھی جو جنگلی اور گھریلو جانوروں کے میل سے پیدا ہوں۔

Marfat.com

اونٹ، گائے بیل اور بھیڑ بکری پر زکوٰۃ عائد ہونے کی شرطوں کا بیان اور سائمہ کے معنی

اونٹ، بقر اور غنم پر زکوٰۃ عائد ہونے کی دو شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ جانور سائمہ ہوں (جنگل میں چرتے ہوں) ان کو گھر میں چارہ نہ دیا جاتا ہو۔ مالکیہ کو اس (شرط) سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱) رہا سائمہ سے مراد سو اس کی تفصیل بھی ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ چوپاؤں پر زکوٰۃ عائد ہونے کے لئے سائمہ ہونے کی شرط نہیں ہے، لہٰذا اگر ایسے جانوروں کی تعداد نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جائے تو ان کی زکوٰۃ واجب ہے، خواہ وہ سائمہ ہوں یا معلوفہ (جو گھر کے چارے پر پلیں) اگرچہ تمام سال گھر میں رکھا گیا ہو اور خواہ ان سے کام لیا جاتا ہو، یا نہ لیا جاتا ہو۔

۲۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ سائمہ جانور وہ ہے جو (تمام سال نہیں) تو کم از کم سال کے بیشتر حصہ میں کھلی چراگاہ کی گھاس پر پلا ہو اور شرط یہ ہے کہ ان کے رکھنے کی غرض دودھ، اون حاصل کرنا یا جانور کو فربہ کرنا ہو۔ اگر بار برادری، سواری یا کھیتی باڑی کے لئے پالا ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اگر مقصد تجارت ہو تو اس پر تجارتی زکوٰۃ عائد ہوگی جس کی تفصیل آگے آرہی ہے اور یہ شرط نہیں ہے کہ اس کو چرنے کے لئے مالک نے ارادہ کر کے بھیجا ہو۔ بلکہ اگر وہ سال کے بیشتر حصہ میں خود ہی چرنے کو جائے یا کسی اور کا مال چرا کر۔ بے بغیر اس کے کہ مالک نے ارادۃً ایسا کیا ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ سائمہ اس مویشی کو کہتے ہیں جس کو خود مالک یا اس کے مختار نے بحیثیت مالک ہونے کے پورے سال بھر کھلی چراگاہ میں چرنے کے لئے چھوڑا ہو یا اس گھاس کا کوئی مالک ہو لیکن اس کی قیمت برائے نام ہو۔ اس کے سائمہ ہونے میں اس سے فرق نہیں پڑتا کہ اس کو کسی قدر چارہ وغیرہ (گھر سے بھی) دیا جائے جو صرف اس قدر ہو کہ جانور اس کے بغیر زندہ رہ سکے اور اس کی صحت میں نمایاں خرابی نہ ہو، مثلاً دو ایک روز گھر ہی سے چارہ گھاس دیا لیکن باہر چرانے سے بند کرنے کا ارادہ نہیں تھا (تب ہی اسے سائمہ قرار دیا جائے گا)۔ اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی گی تو وہ جانور سائمہ قرار نہ دیا جائے گا۔ مثلاً وہ جانور (بغیر مالک کے چھوڑے) اپنے آپ چرنے چلا جائے یا اس کے مالک یا مختار کے سوا کوئی اور شخص اسے چرانے لے جائے یا اسے (گھر میں) اتنا چارہ دیا جائے جس کے بغیر وہ زندہ نہ رہ سکے یا اتنا ہو کہ اس کے بغیر زندہ تو رہ سکے لیکن (صحت میں) نمایاں خرابی پیدا ہو کر یا بغیر خرابی کے وہ زندہ رہ سکتا ہے لیکن گھر کا چارہ اس ارادہ سے دیا گیا کہ اسے باہر چرنے سے بند کر دیا جائے یا اس جانور کا کوئی وارث تھا اور یہ علم نہ تھا کہ اس کا مالک کوئی اور ہو چکا ہے تو ان صورتوں میں زکوٰۃ عائد نہ ہوگی۔ اسی طرح ان سائمہ جانوروں پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے جن میں یہ تمام شرطیں تو پائی جائیں لیکن انہیں کام کرنے کے لئے پال رکھا ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ سائمہ وہ ہے جسے اس کے مالک نے سال کے بیشتر حصہ میں میدانوں کے اندر چرایا ہو، تاکہ دودھ

Marfat.com

دوسری شرط یہ ہے کہ ان جانوروں کی ایک مقررہ تعداد کا کوئی شخص مالک ہو اس کو نصاب کہتے ہیں، لہٰذا جو شخص اس تعداد کا مالک نہ ہو یا وہ جانور ''معلوفہ'' ہوں، یعنی کھلے جنگل کی غیر مملوکہ گھاس چر کر نہ پلے ہوں (بلکہ گھر کا چارہ کھاتے ہوں)، ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

اونٹوں کی زکوٰۃ کی مقدار

اونٹوں کا پہلا نصاب (یعنی کم سے کم تعداد جس پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے) پانچ ہے۔ پس اگر اونٹوں کی تعداد پانچ ہو تو ان کی زکوٰۃ ایک راس بھیڑ یا بکری (نر یا مادہ) ہوگی۔ اسی طرح ہر پانچ اونٹ پر بیس اونٹ تک ایک راس بھیڑ یا بکری، لہٰذا بیس اونٹ ہوں تو چار اور پچیس اونٹ ہو جائیں تو ایک ''بنت مخاض'' یعنی ایک سال کا بچہ شتر جو دوسرے سال میں داخل ہو گیا ہو۔ اگر مملوکہ اونٹوں کی تعداد چھتیس تک ہو جائے تو ان کی زکوٰۃ ایک ''بنت لبون'' یعنی وہ بچہ شتر جو دو سال کا ہو کر تیسرے سال میں ہو۔ اگر تعداد چھیالیس ہو جائے تو ایک حقہ، یعنی تین سال کا ہو کر چوتھے سال کا شتر بچہ، جب یہ تعداد اکسٹھ ہو تو ان کی زکوٰۃ ایک ''جذعہ'' یعنی وہ بچہ شتر جو چار سال کا ہو کر پانچویں سال میں ہو۔

واضح ہو کہ یہ جو دوسرے، تیسرے، چوتھے وغیرہ سال میں داخل ہونے کی شرط لگائی گئی ہے اس پر سب کا اتفاق ہے، البتہ حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ کہنا کافی ہے کہ وہ (مثلاً) دو سال کا ہو۔ تیسرے سال میں داخل ہونا کوئی شرط نہیں ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔ اس سے آگے اگر اونٹوں کی تعداد چھہتر ہو جائے تو ان پر دو بنت لبون اور اکانوے تعداد ہو تو دو حقے اور ایک سو اکیس کی تعداد ہو تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تین ''بنت لبون'' زکوٰۃ ہوگی۔ اس بارے میں مالکیہ اور حنفیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

زیادہ ہو یا اون بڑھے یا جانور فربہ یعنی توانا ہو جائے، ذبح کا ارادہ نہ ہو۔ ضروری ہے کہ جنگل میں چرانے سے مالک کی یہی غرض ہو، اگر اس کی پرورش کی غرض ذبح کرنا، بار برداری، سواری یا کھیتی باڑی ہے تو مطلق زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اگر جانور کے پالنے سے تجارت مقصود ہے تو اس کی زکوٰۃ اس کے بموجب ہوگی جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

واضح ہو کہ ایسے جانور کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے جسے نصف سال یا نصف سال سے زیادہ حصہ میں گھر کے اندر چارہ پر پالا گیا ہو۔ اسی طرح اس جانور پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے جو مالک کے ارادہ کے بغیر خود ہی چرا چرا کر پل رہا ہو۔

مالکیہ سرے سے سائمہ کی کوئی تعریف ضروری نہیں سمجھتے، کیونکہ زکوٰۃ واجب ہونے کے بارے میں ان کے نزدیک سائمہ اور غیر سائمہ میں کوئی فرق نہیں ہے، جیسا کہ بتایا گیا۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر اونٹوں کی تعداد ایک سو اکیس سے ایک سو انتیس تک پہنچ جائے تو محصل کو اختیار ہے کہ (زکوٰۃ میں) تین ''بنت لبون'' لے یا دو حقے لے جب کہ زکوٰۃ دینے والے کے پاس یہ دونوں (یعنی بنت لبون اور حقہ)

Marfat.com

اور جب تعداد ایک سوتیس ہو جائے تو زکوٰۃ کی مقدار بدل جائے گی، یعنی ہر چالیس اونٹ پر ایک بنت لبون اور ہر پچاس کی تعداد پر ایک حقہ زکوٰۃ ہوگی۔ لہٰذا ایک سوتیس کی تعداد پر دو بنت لبون اور ایک حقہ زکوٰۃ ہوگی۔ ایک سو چالیس پر دو حقے اور ایک بنت لبون۔ ایک سو پچاس پر تین حقے۔ اسی طرح ہر دس عدد کی زیادتی پر مقدار (کی نوعیت) میں فرق پڑتا جائے گا اور ان جملہ فرائض مذکورہ میں سے ہر دو فریضوں کے درمیان کی جو تعداد ہے اس کی زکوٰۃ معاف ہے، اس پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔ مثلاً پانچ اونٹ پر ایک راس بکری زکوٰۃ ہے اور نو اونٹوں پر بھی ایک ہی بکری ہے۔ یعنی چار کی مزید تعداد پر جو اصل نصاب سے زائد ہے کوئی مطالبہ نہیں ہے۔

واضح ہو کہ اونٹوں پر بکری کی زکوٰۃ ان شرائط کے بغیر جن کی تفصیل از روئے مسالک مختلفہ ذیلی حاشیہ میں بتائی گئی ہے، جائز نہیں ہے۔ (1)

موجود ہوں یا دونوں میں سے کوئی نہ ہو۔ لیکن اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک قسم (یعنی بنت لبون یا حقہ) موجود ہو تو اب خاص طور پر موجود ہی کو لے لینا چاہیے۔ اگر محصل دیکھے کہ ایسی صورت ہے تو صاحب مال سے یہ مطالبہ نہ کرنا چاہیے کہ جو موجود نہیں ہے اس کو زکوٰۃ کے لئے نکالے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ (زکوٰۃ کے اونٹوں کی) تعداد ایک سو بیس سے زائد ہو جائے تو فریضہ زکوٰۃ، زائد تعداد پر، از سر نو عائد کیا جائے اور نصاب اول کی طرح زکوٰۃ واجب ہوگی۔ لہٰذا ہر مزید پانچ اونٹ پر ایک راس بکری اور دو حقوں کا اضافہ کیا جائے گا اور جب ایک سو پینتالیس اونٹ ہو جائیں تو دو ''حقے'' اور ایک بنت مخاض۔ ایک سو پچاس اونٹوں پر تین ''حقے''، اس کے بعد پھر ہر پانچ اونٹ پر جو ایک سو پچاس سے زیادہ ہوں، ایک سو چوہتر اونٹوں تک ایک راس بکری کا اضافہ ہوتا رہے گا۔ ایک سو پچھتر پر تین حقے اور ایک بنت مخاض، ایک سو چھیاسی پر تین حقے اور ایک بنت لبون۔ ایک سو چھیانوے سے دو سو تک پر چار حقے اور جب دو سو اونٹ ہو جائیں تو زکوٰۃ دینے والے کو اختیار ہوگا کہ چار حقے دے یا پانچ بنت لبون۔ اس کے بعد (مزید تعداد پر) اسی طرح از سر نو فریضہ عائد ہوگا جس طرح ایک سو پچاس کے آگے مزید پچاس اونٹوں تک ہوا تھا، یعنی دو سو سے زائد دو سو چوبیس تک فی پانچ اونٹ پر ایک بکری مقدار سابقہ واجب پر اضافہ ہوتا جائے گا۔

جب تعداد دو سو پچیس ہو جائے تو ایک بنت مخاض مع چار حقوں کے یا پانچ بنت لبون زکوٰۃ ہوگی اور جب دو سو چھتیس اونٹ ہو جائیں تو ان کی زکوٰۃ ایک بنت لبون مع اس مقدار کے جو دو سو پر واجب ہوئی تھی، عائد ہوگی اور دو سو پینتالیس تک یہی رہے گی۔ پھر جب تعداد دو سو چھیالیس ہو جائے تو دو سو پچاس کی تعداد تک پانچ حقے ہوں گے۔ جب تعداد اس سے زیادہ ہو تو ہر زائد پچاس کی تعداد پر اسی حساب سے زکوٰۃ عائد ہوتی رہے گی، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ وہ بکرا، بکری جس کو زکوٰۃ میں نکالا جائے، چاہیے کہ وہ ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں ہو اور بکری یا بھیڑ خواہ کچھ ہو شرط یہ ہے کہ وہ عیب دار نہ ہو، اگرچہ وہ جانور جن کی زکوٰۃ دی جا رہی ہے محض عیب دار ہوں۔

Marfat.com

گائے بیل وغیرہ کی زکوٰۃ کا بیان

گائے بیل وغیرہ کا ابتدائی نصاب تیس ہے۔ جب اتنی تعداد میں مویشی ہوں تو ان پر ایک تبیع یا تبیعہ (بچھڑا یا بچھڑی) زکوٰۃ ہوگی۔ لیکن شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک بچھڑی افضل ہے اور جب ان کی تعداد چالیس ہو جائے تو ان پر ایک مسنہ (دوسالہ بچھڑی) واجب ہے۔ تین اصحاب کا اس سے اتفاق ہے، حنفیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ [1] اس سے زیادہ تعداد ہو تو ہر تیس کی تعداد پر ایک تبیع یا تبیعہ (یک سالہ

حنابلہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ میں بھیڑ دی جائے تو اس کے لئے شرط یہ ہے کہ پورے چھ ماہ کی ہو چکی ہو اور بکری ہو تو پورے سال بھر کا جانور شرط ہے۔ نیز واجب ہے کہ زکوٰۃ میں دیے جانے والے جانور میں ایسا کوئی نقص نہ ہو جس کی وجہ سے قربانی جائز نہیں ہوتی۔ ہاں اگر وہ جانور جن کی زکوٰۃ دی جاتی ہے مریض ہوں تو صحت مند جانوروں کے مقابلہ میں جس نسبت سے ان کی قیمت کم ہوگی اسی نسبت سے زکوٰۃ کی بکری بھی کم قیمت کی دی جا سکتی ہے، مثلاً کسی کے پاس پانچ اونٹ ہیں جن کی قیمت مریض ہونے کے باعث صرف اسی گنی ہے، اگر وہ صحت مند ہوتے تو ان کی قیمت سو گنی ہوتی، گویا ان کی قیمت مریض ہونے کے باعث تندرست کے مقابلہ میں پانچواں حصہ کم ہوگئی۔ پس اگر تندرست اونٹوں کی زکوٰۃ میں پانچ گنی کی بکری دینا تھی تو اب مریض اونٹ کی قیمت میں جس قدر کمی ہوئی ہے اسی نسبت سے زکوٰۃ والی تندرست بکری بھی چار گنی قیمت کی دی جا سکتی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ میں بھیڑ دی جائے تو واجب ہے کہ سال بھر کی ہو۔ ہاں اگر اس کے اگلے دانت چھ ماہ ہونے کے بعد گر گئے ہوں تو اس کو زکوٰۃ میں دیا جا سکتا ہے گو سال بھر کی نہ ہوئی ہو۔ اگر زکوٰۃ کا جانور بکری ہے تو اس کا دو سال کا ہو کر تیسرے میں ہونا شرط ہے اور زکوٰۃ کا جانور خواہ کچھ ہو اس کا بے عیب ہونا ضروری ہے، گو وہ اونٹ جن کی زکوٰۃ دی جا رہی ہے خود عیب دار ہوں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ بھیڑ ہو یا بکری جو بھی زکوٰۃ میں دی جائے ضروری ہے کہ پورے سال کا بچہ ہو نر ہو یا مادہ۔ جانور کی ان دونوں قسموں کے بارے میں کچھ امور تفصیل طلب ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر شہر میں بھیڑیں زیادہ عام ہیں تو بھیڑ ہی زکوٰۃ میں دی جائے، اگرچہ وہ جانور جن کی زکوٰۃ دی جا رہی ہے اس سے مختلف قسم کے جانور ہوں۔ اگر زکوٰۃ دینے والے کے شہر میں بکریاں عام ہیں تو ان ہی میں سے زکوٰۃ نکالی جائے۔ ہاں اگر بطور تبرع (یعنی ثواب کی غرض سے) بھیڑ (یا دنبہ) ہی زکوٰۃ میں دیا تو وہی ٹھیک ہے، محصّل کو وہی لینا پڑے گا۔ ہاں اگر بھیڑ اور بکری شہر میں عام ہوں تو محصل کو اختیار ہے کہ بھیڑ یا بکری میں سے جو چاہے وصول کر لے، لیکن یہ ضروری ہے کہ جو جانور ہو وہ عیب دار نہ ہو، کیونکہ عیب دار جانور کا زکوٰۃ میں دینا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر محصل یہ سمجھے کہ کوئی ایسا جانور ہے جس میں گوشت زیادہ ہے اور وہ محتاجوں کے لئے زیادہ مفید ہے تو اسے لینا جائز ہے، لیکن مالک کو اس کے دینے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس مسئلے میں نر اور مادہ یکساں ہیں، لہٰذا چالیس مویشی پر صرف ایک مسن یا مسنہ (دوسالہ بچھڑا یا بچھیا) واجب ہے۔

Marfat.com

بچھڑا یا بچھیا) اور ہر چالیس کی تعداد پر ایک مسنہ (دو سالہ بچھیا) لہٰذا ساٹھ مویشیوں پر دو بچھیائیں یا دو بچھڑے اور ستر پر ایک دو سال کی بچھیا اور ایک سال بھر کا بچھڑا۔ اسی کی تعداد پر دو دو سال کی دو بچھیائیں اور نوے کی تعداد پر سال سال بھر کے تین بچھڑے۔ سو کی تعداد پر ایک دو سال کی بچھیا اور دو یک سالہ بچھڑے اور ایک سو دس پر دو دو سال کی دو بچھیائیں اور ایک سال بھر کا بچھڑا اور ایک سو بیس پر چار سال سال بھر کے بچھڑے یا دو دو سال کی تین بچھیائیں وعلیٰ ہذا القیاس۔ یہاں پر مالکیہ کا اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

واضح ہو کہ دو فریضوں کے درمیان کی جو تعداد ہے وہ نظر انداز کر دی گئی ہے، اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، لیکن اس بارے میں حنفیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

واضح ہو کہ ان مسائل میں تبیع سے مراد وہ گاء سالہ ہے جو پورے ایک سال کا ہو چکا ہو اور دوسرے سال میں لگ گیا ہو اور مسنہ وہ ہے۔ جو دو سال کا ہو کر تیسرے میں ہو۔ تبیع اور مسنہ کی اس تعریف پر سب متفق ہیں، سوا مالکیہ کے ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۳)

زکوٰۃ غنم (بھیڑ بکریوں کی زکوٰۃ) کا بیان

بھیڑ بکریوں کے نصاب کی تعداد چالیس سے شروع ہوتی ہے۔ اس میں مذکورہ سابقہ عمر کی بھیڑیں بکریاں شامل ہیں۔ اگر تمام بھیڑیں ہوں تو زکوٰۃ میں خصوصیت کے ساتھ بھیڑ دینی ہوگی اور اگر

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ ایک سو بیس (مویشیوں) کی تعداد پر سال سال بھر کے چار بچھڑے یا دو دو سال کی تین بچھیائیں ہیں۔ اگر یہ دونوں قسمیں موجود ہوں یا کوئی نہ ہو تو زکوٰۃ وصول کرنے والا دونوں (بچھڑوں یا بچھیاؤں) میں سے جو چاہے مطالبہ کر سکتا ہے۔ اگر دونوں میں سے کوئی ایک قسم موجود ہو تو اسی کو لینا چاہیے اور زکوٰۃ وصول کرنے والے کو چاہیے کہ دوسری قسم کے لئے مجبور نہ کرے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ دو فریضوں کے درمیان کی تعداد معاف ہے، لیکن چالیس کی تعداد سے آگے ساٹھ تک کی تعداد معاف نہیں ہے۔ لہٰذا بموجب ظاہر روایت کے چالیس سے جس قدر جانور زیادہ ہوں اسی قدر حصہ ایک مسنہ (دو سالہ بچھیا) کا زکوٰۃ میں زیادہ لیا جائے گا۔ یعنی اگر چالیس سے ایک مویشی زیادہ ہے تو مسنہ کے دسویں حصہ کی ایک چوتھائی (یعنی دو سالہ بچھیا کا چالیسواں حصہ) اور دو کی زیادتی ہو تو اس کے دسویں حصہ کا نصف (یعنی بچھیا کا بیسواں حصہ) مزید زکوٰۃ ہوگی وعلیٰ ہذا القیاس ساٹھ کی تعداد تک۔

۳۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ 'تبیع' وہ ہے جو دو سال کا ہو کر تیسرے سال میں داخل ہو گیا ہو اور مسنہ وہ ہے جو تین سال کا ہو کر چوتھے میں ہو۔

Marfat.com

تمام بکریاں ہوں تو زکوٰۃ میں بکری نکالی جائے گی۔ اگر بھیڑ بکری مشترک ہوں تو جن کی تعداد زیادہ ہوگی زکوٰۃ میں وہ نکالی جائے۔ اگر تعداد برابر ہو جیسے بیس بھیڑیں اور بیس بکریاں ہوں تو وصول کنندہ کو اختیار ہے کہ دونوں قسموں میں سے جون سی قسم چاہے وصول کرے۔ حنفیہ اور مالکیہ اس حکم میں متفق ہیں۔ شافعیہ اور حنابلہ کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۱) اب اگر تعداد ایک سو اکیس ہو تو ان کی زکوٰۃ دو بکریاں اور جب تعداد دو سو ایک ہو جائے تو تین بکریاں اور چار سو بکریوں کی زکوٰۃ چار بکریاں اس سے زیادہ ہر سو کی تعداد پر ایک بکری اور دو فریضوں کے درمیان کی تعداد معاف ہے، اس کی زکوٰۃ نہیں ہے۔

سونے چاندی کی زکوٰۃ کا بیان

سونے اور چاندی کا نصاب پورا ہو تو اس کی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

سونے کے نصاب کی مقدار بیس مثقال یعنی دینار ہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے؛ بجز حنابلہ کے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲) یہ مقدار مصری سکہ کے حساب سے مصری گیارہ گنی اور گنی کے نصف اور ایک چوتھائی اور آٹھویں حصہ کے برابر ہوتا ہے (یعنی $\frac{7}{8}$-۱۱ مصری گنی کے برابر) اور اس کی قیمت مصری قروش (سکہ کا نام) میں ۱۱۸۵ء۵ قرش ہوتی ہے۔ انگریزی پونڈ کے حساب سے یہ مقدار قیمت میں $\frac{1}{8}$-۱۲ پونڈ کے برابر ہوگی اور بنتو (سکہ جو ۲۰ فرانک فرانسیسی سکہ کا ہوتا ہے) کے حساب سے $\frac{2}{5}$-۱۵ بنتو کے برابر اور مجر (بلاد ہنگری کا سکہ) کے ۲۵ مجر اور ۱۸ تساع (سکہ کا نام) کے مساوی اور بندقی (ایک خالص سونے کا سکہ) کی رو سے $\frac{1}{4}$-۲۵ بندقی نصاب ہوگا (پاکستانی وزن کے مطابق ۲۰ مثقال ساڑھے سات تولہ کے برابر ہوتا ہے۔ بہشتی زیور)۔

مالکِ نصاب پر واجب ہے کہ شرائطِ سابقہ کے مطابق سونے کے دسویں حصہ کی ایک چوتھائی (یعنی چالیسواں حصہ) زکوٰۃ نکالے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ دونوں کی قیمت کا لحاظ رکھ کر ایک قسم کے جانوروں کی زکوٰۃ میں دوسری قسم کے جانور کا دینا جائز ہے، بشرطیکہ قیمتیں دونوں کی یکساں ہوں۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ بھیڑوں کی زکوٰۃ میں کوئی بکری دے دی جائے تو جائز ہے، بشرطیکہ وہ سال بھر کی ہو چکی ہو۔ اسی طرح چالیس بکریوں کی زکوٰۃ میں ایک بھیڑ دینا جائز ہے، بشرطیکہ اس کی عمر چھ ماہ سے زیادہ ہو، جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔

۲۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ دینار مثقال سے کم ہوتا ہے، لہٰذا دیناروں کے حساب سے پچیس دینار اور ($\frac{2}{7}$ ۹) دینار نصاب ہوگا۔

Marfat.com

چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے جو مصری ریال کے حساب سے ۲۶ ریال اور ۲/۳ ـ ۹ قرش مصری کے برابر ہوتا ہے، اور مصری قرش میں ۲/۳ ـ ۲۹ ۵ قرش ہوتا ہے۔ (پاکستانی وزن میں یہ مقدار ۲/۱ـ ۵۲ تولہ بتائی گئی ہے۔ بہشتی زیور) پس جو شخص اس نصاب کا مالک ہو اس پر واجب ہے کہ اس کی زکوٰۃ دسویں حصے کی ایک چوتھائی (یعنی ۱/۴۰) نکالے، قطع نظر اس کے کہ سونا، چاندی سکہ کی شکل میں ہو یا نہ ہو۔ یہ احکام زیورات کے علاوہ ہیں۔ زیور کی زکوٰۃ کے بارے میں مختلف مسالک کی تفصیلی ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (1)

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ مباح زیور مثلاً عورت کے کنگن، جہاد کی تلوار کا قبضہ اور مردوں کے سونے کے بنے ہوئے دانت اور ناک پر زکوٰۃ نہیں ہے، بجز ان صورتوں میں جن کی تفصیل آگے آ رہی ہے:

اول یہ کہ وہ ٹوٹ گیا ہو اور دوبارہ ڈھالے بغیر اس کا پہلے کی طرح بن جانا ممکن نہ ہو۔

دوم یہ کہ وہ اس طرح ٹوٹا ہو کہ بغیر پگھلائے اس کا مرمت کر لینا تو ممکن ہو، لیکن مالک کا ارادہ اس کی مرمت کا نہ ہو۔

سوم یہ کہ وہ چیز برے وقت پر یا ناگہانی افتاد کے پیش آنے پر کام آنے کے لئے تیار کی گئی ہو، استعمال کے لئے نہ بنی ہو۔

چہارم یہ کہ وہ چیز بطور تحفہ کے بیوی یا بیٹی کو دینے کے لئے تیار کی گئی ہو۔

پنجم یہ کہ اس کو اس غرض سے بنایا گیا ہو کہ بیوی کو یا بہو کو مہر یا چڑھاوے کے طور پر دی جائے گی۔

ششم یہ کہ وہ بغرض تجارت تیار کی گئی ہو۔ ان تمام صورتوں میں زکوٰۃ واجب ہے اور (چاندی سونے کی) ایسی اشیاء جن کا استعمال حرام ہے، مثلاً ظروف، ہک یا سلائی وغیرہ، ان تمام اشیاء پر بلا کسی تفصیل کے زکوٰۃ واجب ہے۔ زکوٰۃ نکالنے کے لئے وزن کو دیکھا جائے گا، قیمت کو نہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ زیورات پر زکوٰۃ بہرحال واجب ہے، خواہ وہ مردوں کے ہوں یا عورتوں کے، تراش کر بنے ہوں یا پگھلا کر، برتن ہوں یا اور کچھ اور زکوٰۃ کا نصاب وزن کے اعتبار سے ہوگا، قیمت کے اعتبار سے نہیں۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ایسے زیوروں پر جو (ذاتی) استعمال کے لئے یا ایسے شخص کو دینے کے لئے جسے اس کا استعمال مباح ہو، تیار کیا گیا ہو زکوٰۃ نہیں ہے۔ اگر استعمال کے لئے نہیں بنایا گیا اور اس کا وزن نصاب کے مطابق ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر قیمت میں نصاب کے برابر ہو لیکن وزن میں نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ ایسے زیور پر، جس کا پہننا حرام ہے، زکوٰۃ واجب ہے، جس طرح سونے یا چاندی کے ظروف پر جن کا وزن نصاب کے برابر ہو واجب ہے۔ ٹوٹا ہوا زیور اگر ایسا ہے کہ اسے پہنا جا سکے تو اسے ثابت کی مانند سمجھا جائے گا، یعنی اس پر زکوٰۃ نہ ہوگی۔ اگر اس طرح ٹوٹا ہے کہ اس کا پہننا ممکن نہیں اور مرمت کے لئے اسے پھر سے ڈھالنا پڑے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ہاں اگر بغیر ڈھالے مرمت ہو سکے اور مرمت کا ارادہ بھی ہو تو اس پر زکوٰۃ نہ ہوگی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ مباح زیور جو مالک کے پاس ایک سال تک رہا ہو اور اس کے مالک ہونے کا علم بھی ہو تو اس پر زکوٰۃ ہوگی۔ اگر اس کے مالک ہونے کا علم نہیں ہے مثلاً کسی زیور کا وہ وارث ہو چکا ہے اور اس کے پاس سال بھر سے ہے لیکن اس کے مالک ہونے کا اسے علم نہیں ہوا تب بھی اس کی زکوٰۃ واجب ہے۔ حرام زیور مثلاً سونے کا مردانہ زیور ہو تو اس

Marfat.com

قرض میں دیے ہوئے مال کی زکوٰۃ کا بیان

اگر کسی شخص کا قرض دوسرے پر ہے اور اس کی مقدار نصاب کے برابر ہے اور اس پر ایک سال گزر جائے اور سابقۃ الذکر شرائط پوری ہوتی ہوں تو ایسے مال کی زکوٰۃ کے بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں۔ اس کے لئے ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔[1]

پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اسی طرح عورت کے اس زیور پر بھی جس میں بے جا اسراف سے کام لیا گیا ہو، مثلاً پیروں کی جانجھ (یا پازیب) جس کا وزن دوسو مثقال ہو جائے، اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اسی طرح سونے چاندی کے برتنوں پر واجب ہے۔ سونے چاندی کی مہروں کا بنا ہوا ہار جو کسی اور شے سے گندھا ہوا نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر اس کا حلقہ بھی اسی شے (یعنی سونے چاندی کا) ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

یاد رہے کہ زیور کی زکوٰۃ (واجب ہونے) میں وزن کا اعتبار ہے، قیمت کا اعتبار نہیں ہے۔ اگر کوئی زیور ٹوٹ گیا ہو جس کی مرمت بغیر دوبارہ ڈھالے ممکن ہے اور ارادہ بھی اس کی مرمت کا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ قرض کی تین قسمیں ہیں: قوی، متوسط اور ضعیف۔ قرض قوی وہ ہے جو واپسی کی خاص شرط اور تجارت کے لئے دیا گیا ہو اور لینے والے کو اس کا اعتراف ہو، خواہ مقروض مفلس ہو متوسط قرض وہ ہے جو کاروباری قرض نہ ہو، مثلاً رہائشی مکان کی قیمت ادا کرنے یا ضروری لباس خریدنے کے لئے یا اسی طرح کے اور قرضے ہیں جو لینے والے کی بنیادی ضروریات مثلاً کھانے پینے کی اشیاء حاصل کرنے کے لئے دیا گیا ہو۔ ضعیف قرض وہ ہے جو مال کے علاوہ کسی اور طرح سے واجب الطلب ہو، مثلاً مہر (واجب الطلب) کہ یہ قرض ایسا نہیں ہے جو خاوند پر کسی دیے ہوئے مال کے عوض واجب ہو۔ اسی طرح خلع کی واجب الادا رقم کہ مال کے عوض خلع کیا ہو اور وہ مال بیوی کے ذمہ واجب الادا ہو۔ یہ قرضہ بھی ایسا نہیں ہے جو کسی مال کے عوض میں بیوی سے واجب الوصول ہو اور اسی طرح وہ قرضہ جو کسی سے وصیت کی بناء پر واجب الوصول ہو۔

اب اگر وہ قرض قوی قسم کا ہے تو (اس کا حکم یہ ہے کہ) جب بھی چالیس درہم کے برابر قرض یکمشت وصول ہو جائے تو اس میں سے ایک درہم زکوٰۃ نکالنا واجب ہے۔ چالیس درہم سے کم وصول ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہے، خواہ یہ وصولیابی پہلی ہی دفعہ چالیس سے کم ہو، مثلاً صرف بیس درہم وصول ہوئے یا پہلی دفعہ چالیس وصول ہو چکے ہوں بعد میں صرف تیس وصول ہوئے تب بھی اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ ہاں کامل چالیس درہم وصول ہوں تو تب ہی زکوٰۃ ہوگی، کیونکہ چالیس کی کسر پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی۔ چنانچہ اگر مثلاً کسی پر تین سو درہم قرض ہے اور اس کو تین سال ہو چکے ہیں، اب اس میں سے دوسو درہم وصول ہوئے تو واجب یہ ہے کہ پہلے سال اول کی زکوٰۃ (فی چالیس درہم ایک) کے حساب سے پانچ درہم زکوٰۃ نکالے۔ باقی رقم قابل زکوٰۃ ایک سو پچانوے درہم رہ گئی تو اس رقم سے فی چالیس کے چار حصے ایک سو ساٹھ درہم ہوئے، لہٰذا اس کی چار درہم زکوٰۃ دوسرے سال کی نکالی گئی۔ اب ایک سو چھیاسی درہم باقی رہے۔ اس میں بھی فی چالیس کے چار حصے ہوتے ہیں، لہٰذا تیسرے سال کی زکوٰۃ بھی چار ہی درہم نکالی جائے گی۔ اس کے علاوہ جو رقم ہے، اس

Marfat.com

پر زکوٰۃ نہیں ہے، جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔

یاد رہے کہ قوی قرضے کی شکل میں سال گزرنے کی مدت کا اعتبار اس وقت سے کیا جائے گا جب سے کہ وہ نصاب کا مالک ہو، رقم قرضہ کی وصولیابی سے نہیں، لہٰذا جب قرض کی رقم وصول ہو اسی وقت زکوٰۃ ادا کی جائے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

قرض متوسط پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے جب تک کہ نصاب کے برابر وصولیابی نہ ہوئی ہو، چنانچہ اگر مثلاً پانچ سو درہم قرض ہے اور دو سو درہم وصول ہوئے تو واجب ہے کہ اس میں سے پانچ درہم نکال دیئے جائیں اور اس سے کم کی وصولیابی پر زکوٰۃ نہیں ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ واضح ہو کہ قرض متوسط بھی سال گزرنے کے بارے میں ایسا ہی ہے جیسے قرض قوی، لہٰذا بقول صحیح سال گزرنے کا تعلق اصل مال سے ہے نہ کہ اس کے وصول ہونے کے وقت سے۔

رہا قرض ضعیف، سو اس میں زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جب کہ نصاب کے برابر قرض وصول ہو جائے اور وصول ہونے کے بعد ایک سال کا عرصہ گزر جائے۔

یہ تمام مسائل اس صورت کے ہیں جب کہ کسی کے پاس بجز اس کے جو کسی کو قرض دے رکھا ہے، اتنا مال نہ ہو جو نصاب کو پورا کرے، اگر اتنا مال ہو جو نصاب پورا کرے پھر قرض میں سے کچھ وصول ہو، خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ اور قطع نظر اس کے کہ وہ قرض قوی ہو یا متوسط یا ضعیف تو لازم ہے کہ وصول شدہ رقم کو موجودہ مال کے ساتھ شامل کر لیا جائے اور سب کی زکوٰۃ مجموعی طور پر نکالی جائے، کیونکہ اس حالت میں قرضہ کی وصول شدہ رقم ایسی ہے جیسے دوران سال میں اصل مال سے فائدہ ہوا ہو اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ مال سے جو نفع حاصل ہوتا ہے اس کو اصل مال میں ملا کر زکوٰۃ نکالنا واجب ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ قرض میں دیے ہوئے مال کی زکوٰۃ واجب ہے جب کہ وہ مقروض کے ذمے باقی ہو، اگرچہ مقروض مفلس ہو۔ البتہ اس کی زکوٰۃ اسی وقت نکالی جائے گی، جب وہ قرضہ وصول ہو جائے۔ وصول شدہ رقم اگر خود نصاب کو پورا کرتی ہے تو اس کی زکوٰۃ فوراً نکالنا واجب ہے یا اگر اس کے ساتھ اور مال ملا کر جو اس کے پاس ہے (نصاب پورا ہوتا ہو، تب بھی زکوٰۃ نکالی جائے)۔

ایسے قرضے کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے جو مقروض کے ذمے ثابت نہ ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جو شخص کسی مال کا مالک ہو جائے، خواہ وہ مال ورثہ کا ہو، ہبہ کا ہو، صدقہ کا ہو، خلع کا ہو یا سامان کی فروخت کا جسے دبا رکھا ہو یا جرم کی دیت کا یعنی جبر نقصان کا اور (مالک ہونے کے باوجود) ہنوز اس کے ہاتھ نہیں لگا، بلکہ اس کے پاس، جس کے قبضہ میں ہے، بطور قرض واجب الادا کے ہے، تو ایسے مال پر زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جب وہ وصول ہو جائے اور قبضہ میں آئے ہوئے اسے ایک سال گزر جائے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص اپنے باپ کے ورثہ کا مالک ہوا لیکن حکومت نے کسی وجہ سے اس کا قبضہ دینے سے پہلے اس مال کا کوئی نگران مقرر کر دیا اور کئی سال تک یہ اسی طرح واجب الطلب رہا تو ان تمام سالوں کی زکوٰۃ مال کا مطالبہ اس سے نہ کیا جائے گا، اگرچہ اس نے خود ہی زکوٰۃ سے بچنے کے لئے اس کی بازیافت میں تاخیر کی ہو۔ ہاں اگر اس مال پر قبضہ کیا اور قبضہ کے بعد ایک سال گزر گیا تو صرف اس سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور سال کا شمار اس روز سے کیا جائے گا جس روز قبضہ ہوا۔ اگر کوئی مال ایسا ہے جو کسی شخص کے

Marfat.com

پاس ہے لیکن اس نے وہ مال کسی اور کو قرض دے دیا اور سالہا سال تک وہ مال مقروض کے پاس پڑا رہا تو اس پر صرف ایک سال کی زکوٰۃ واجب ہے۔ لیکن اگر ارادۃً زکوٰۃ سے بچنے کے لئے اس میں تاخیر کی تو ان تمام سالوں کی زکوٰۃ اس پر واجب ہوگی جس میں قصداً تاخیر کی گئی اور اس مال کے سال کا شمار اسی روز سے ہوگا جب کہ وہ اس کا مالک ہوا یا پھر اس روز سے جب کہ اس کی زکوٰۃ دی گئی ہو درآنحالیکہ قرض کے لئے نکالنے سے پہلے زکوٰۃ دے دی گئی ہو۔ پس اگر کوئی شخص مال کا مالک ہوا اور وہ مال اس کے پاس چھ ماہ تک رہا پھر وہ کسی اور کو قرض کے طور پر منتقل کر دیا گیا، جہاں مزید چھ ماہ تک پڑا رہا تو اس پر سال کی پوری زکوٰۃ واجب ہوگی، کیونکہ سال کا شمار مالک ہونے کے دن سے کیا جائے گا۔ لیکن اگر اس کے پاس وہ مال (مالک ہونے کے بعد) سال بھر تک رہا، پھر اس کی زکوٰۃ نکال کر دوسرے کو قرض دے دیا تو اب سال کا آغاز زکوٰۃ نکالنے والے دن سے ہوگا۔ واضح ہو کہ اس قسم کے قرضوں پر زکوٰۃ واجب ہونے کی چار شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ اصل مال جو کسی شخص نے (قرض کے طور پر) مقروض کو دیا ہو وہ اعیان میں سے ہو، یعنی سونا چاندی ہو یا مالِ تجارت ہو جو تاجر محتکر کو دیا گیا ہے۔ تاجر محتکر وہ ہے جو کسی مال کی خرید و فروخت موجودہ نرخ پر نہ کرے، بلکہ مال کو اپنے پاس روک رکھے، تاکہ بازار چڑھ جائے۔ اصل مال کے عینی ہونے کی مثال یہ ہے کہ کسی کے پاس بیس گنی (پونڈ) ہیں اور وہ کسی کو قرض دے دے اور اصل مال کے محتکر کا مالِ تجارت ہونے کی مثال یہ ہے کہ اس کے پاس مالِ تجارت مثلاً کپڑا ہے اور اس نے وہ مال روک رکھا ہے، پھر اس مال کو اس نے ایک سال یا زیادہ عرصہ کے وعدہ پر بیس پونڈ میں بیچ دیا۔ اب اگر اصل قرض کوئی ذاتی مقبوضہ شے اور تجارتی اغراض کے لئے نہیں ہے، مثلاً کوئی مکان رہائش کے لئے تھا اور اس کو ایک سال یا زیادہ کے وعدہ پر چار سو گنی (پونڈ) میں فروخت کر دیا تو اس کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ ہاں اگر اس کی قیمت، مقدار نصاب کے مطابق وصول کر لی اور وصولی رقم کے بعد ایک سال گزر گیا تو صرف اس وصول شدہ رقم کی زکوٰۃ نکالی جائے گی، اس سے زیادہ نہیں۔

اور اگر دیا ہوا قرض تاجر مدیر کا مالِ تجارت ہے (یعنی ایسا مال ہے جس کی تجارت موجودہ نرخ پر کی جاتی ہے) تو اس پورے مال قرض کی زکوٰۃ مع اس مال کی لاگت کے جو اس کے پاس ہے اور جو مال سونے چاندی کے عوض فروخت کیا گیا سب کو ملا کر تمام سالوں کی زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ اس کی تفصیل مالِ تجارت کی زکوٰۃ کے بیان میں آئے گی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ رقم واجب الطلب میں سے کسی قدر رقم بموجب تفصیل آئندہ وصول ہو چکی ہو۔ اگر کچھ وصول نہیں ہوئی تو اس مال واجب الطلب پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے، البتہ چالو مالِ تجارت کے قرض پر عائد ہوگی۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وصول شدہ شے سونا چاندی ہو۔ اگر مال کی شکل میں قرضہ وصول ہو، مثلاً کپڑا یا گندم تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ البتہ اگر اس مال کو بیچ دیا اور ایک سال مال کو حاصل کئے ہوئے گزر گیا تو تو اب قیمت وصول شدہ کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ تاجر محتکر (ذخیرہ اندوز) ہو۔ اگر تاجر مدیر (چالو تجارت کرنے والا) ہے تو مال کی قیمت پر پورے سال کی زکوٰۃ نکالے، اگرچہ کچھ بھی نہ فروخت کیا گیا ہو اور اگر سرے سے وہ تاجر ہی نہ ہو بایں طور کہ وہ مال ذاتی املاک میں سے ہو اور اسے کسی ضرورت سے بیچ دیا ہو تو اس کی قیمت پر اس روز سے زکوٰۃ واجب ہوگی جب کہ قیمت پر قبضہ کئے ہوئے ایک سال گزر جائے۔

Marfat.com

کاغذ کے نوٹوں پر زکوٰۃ عائد ہونے کا بیان

جمہور فقہا کے نزدیک کاغذ کے کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ واجب ہے، کیونکہ عام کاروبار میں سونے چاندی کی جگہ ان سے کام لیا جاتا ہے اور ان کا لین دین چاندی کے بجائے بغیر کسی دشواری کے ممکن ہے، لہٰذا یہ امر قرینِ عقل نہیں ہے کہ لوگوں کے پاس کرنسی کے نوٹوں کی شکل میں مال جمع ہو جس کا چاندی کے نصاب سے تبادلہ ممکن ہو، لیکن اس کی زکوٰۃ نہ نکالی جائے۔ چنانچہ تین ائمہ فقہا کا اس پر اجماع ہے کہ نوٹوں پر زکوٰۃ واجب ہے، صرف حنابلہ کو اختلاف ہے۔ اس بارے میں مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔(۱)

چوتھی شرط یہ ہے کہ وصول شدہ مال کم از کم نصاب کے برابر ہو جائے اگرچہ بتفاریق وصول ہوا ہو یا یہ کہ وصول شدہ مال نصاب سے کم ہو لیکن اس کے پاس اس قدر سونا چاندی پہلے سے موجود ہو جو نصاب کو پورا کرے اور اس پر سال گزر گیا ہو یا کان سے نکلا ہوا ہو (تو زکوٰۃ معاً واجب ہوگی) کیونکہ کان سے برآمد شدہ (سونے چاندی) پر زکوٰۃ عائد ہونے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ اس پر سال گزر جائے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے۔ پس بہرحال اگر مطالبۂ قرض میں سے اس قدر وصول ہو گیا جو نصاب کے برابر ہو تو اس کی زکوٰۃ ایک دم نکال دے، اس کے بعد جو کچھ وصول ہوتا رہے خواہ نصاب سے کم ہو یا زیادہ اس کی زکوٰۃ ادا کرتا رہے۔ لیکن بنا بر آئندہ سال کا آغاز مختلف اوقات میں ہوا کرے گا۔ چنانچہ پہلی دفعہ وصول شدہ نصاب کا سال اس روز سے ہوگا جب کہ اس پر قبضہ ہوا اور اس کے بعد (وقتاً فوقتاً) وصول شدہ اموال کی زکوٰۃ کا سال اس روز سے محسوب ہوگا جب کہ وہ ہاتھ آتے رہے۔

واضح ہو کہ اگر پہلی وصولیابی مقدار نصاب سے کم ہوئی اور پہلے سے کوئی مال نہ تھا کہ اس کے ساتھ ملا کر نصاب پورا ہو جاتا تو زکوٰۃ عائد نہ ہوگی، جب تک کہ دوسری دفعہ کی وصولیابی سے نصاب پورا نہ ہو جائے اور جب دونوں کو ملا کر نصاب پورا ہو جائے تو اس دن سے سال کی ابتدا مانی جائے گی۔ اس کے بعد جو کچھ بھی وصول ہوتا رہے، کم ہو یا زیادہ اس کی زکوٰۃ نکالی جاتی رہے اور اس کے سال کا آغاز آئندہ اسی وقت سے ہوا کرے گا، جبکہ وصول ہوا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ واجب الوصول (یعنی قرض دیا ہوا) مال اگر ثابت ہے اور وہ درہم یا دینار کی صورت میں ہے یا مال تجارت کی شکل میں، خواہ وہ فوری ادائیگی والا ہو یا تاخیر سے ادا ہونے والا، بہرحال اس کی زکوٰۃ واجب ہے۔ البتہ اگر واجب الطلب مال، مویشی یا خوراک کی قسم میں سے، مثلاً کھجور یا انگور ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور قرض دینے والے پر مال قرض کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے کہ اس کی وصولیابی پر قادر نہ ہو جائے، قدرت پانے کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ نکالنا واجب ہوگا، لیکن اگر اس پر قبضہ ممکن ہونے سے پہلے وہ مال تلف ہو گیا تو زکوٰۃ بھی ساقط ہو جائے گی۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ کاغذی کرنسی جس کو بینکنوت (بینک نوٹ) کہتے ہیں، اس کا معاملہ ایسا ہے جیسے وہ رقم (جتنے کی وہ کرنسی ہے) بینک کے سپرد کی گئی ہو، لہٰذا جس قیمت کا کاغذی نوٹ ہے بینک کے ذمہ اسی قدر رقم واجب الادا ہو جاتی ہے اور بینک ایک طویل المیعاد قرض دار ہوتا ہے، جس کو قرض کا اقرار ہے اور جو فوری طور پر ادائیگی کے لئے تیار ہے۔ اب

Marfat.com

عروضِ تجارت (مالِ تجارت) کی زکوٰۃ کا بیان

لفظ عُروض (جو تجارت کا مضاف ہے) عرض بسکون را کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ شے جو چاندی یا سونا نہ ہو، خواہ وہ سکے کی شکل میں ہو جیسے پونڈ یا ریال یا سکے کی شکل میں نہ ہو جیسے عورتوں کا زیور۔

تین اماموں کا اس پر اتفاق ہے کہ سونے چاندی کا شمار مطلقاً مال تجارت میں نہیں ہے، مالکیہ کو صرف اس صورت میں (ائمہ سے) اختلاف ہے، جب کہ وہ سکے شکل میں نہ ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر سونے چاندی کا سکہ نہ ہو تو اسے مالِ تجارت میں شمار کیا جائے گا، نقد میں شمار نہ ہو گا۔ لہٰذا اس پر لباس اور لوہے وغیرہ کی (تجارت کی) طرح مالِ تجارت کی زکوٰۃ لاگو ہو گی۔ پس جو شخص اس کی تجارت کرتا ہو اس پر واجب ہے کہ اس کی زکوٰۃ دسویں حصے کی چوتھائی (یعنی ۴۰/۱ حصہ) ادا کرے۔ اس کے شرائط اور طریقِ کار کی تفصیل ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی مقروض میں یہ صفات ہوں تو دیے ہوئے قرضے کی رقم پر زکوٰۃ اسی وقت سے واجب ہو جاتی ہے۔ واضح ہو کہ جہاں سپردگی رقم کا یہی طریقہ عام طور پر رائج وہاں لفظی ایجاب وقبول نہ ہونے سے تحویل (سپردگی رقم) باطل نہیں ہوتی۔ چنانچہ بعض ائمہ شافعیہ کہتے ہیں کہ ایجاب وقبول سے مراد ہر ایسا قول یا فعل ہے جس سے باہمی رضامندی ظاہر ہو اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں باہمی رضامندی ثابت ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ کاغذی کرنسی ...... بینک کے نوٹوں ...... کی حیثیت ''قرض قوی'' کی سی ہے، لیکن (صرف یہ فرق ہے) کہ اس کو چاندی کی طرح فوری طور پر صرف میں لانا ممکن ہے، لہٰذا اس پر زکوٰۃ بھی فوری طور پر واجب ہو جائے گی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ بینک کا نوٹ اگرچہ قرض کے تمسک کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن اسے چاندی کی طرح ہر وقت صرف میں لایا جا سکتا ہے، لہٰذا کاروباری لحاظ سے وہ سونے کا قائم مقام ہے، لہٰذا اس کی زکوٰۃ فوری واجب ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ کاغذی نوٹ پر زکوٰۃ نہیں ہے جب تک کہ اُسے سونے یا چاندی میں منتقل نہ کیا جائے اور پھر اس میں زکوٰۃ کی سابقہ شرائط موجود ہوں۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ مالِ تجارت پر زکوٰۃ واجب ہونے کی چھ شرطیں ہیں:

اول یہ کہ وہ مال کسی شے کے عوض، مثلاً خریدنے سے حاصل ہوا ہو، لہٰذا اگر کسی شخص نے کوئی مال تجارت کے ارادے سے خریدا، خواہ نقد لیا ہو یا ادھار اور سودا دست بدست ہوا ہو یا میعادی ہو، تو اس مال کی زکوٰۃ واجب ہے۔ اس کا طریقہ آگے بتایا جائے گا، لیکن اگر وہ مال کسی شے کے عوض میں نہ ہاتھ آیا ہو، مثلاً کسی شخص کے ورثے میں مال تجارت آیا ہو تو اس مال پر زکوٰۃ نہیں ہے جب تک کہ اسے تجارت کی غرض سے کام میں نہ لایا جائے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ تجارت کرنے کی نیت مبادلہ یا مجلس عقد ہی میں کی گئی ہو۔ اگر اس وقت تجارت کی نیت نہیں کی تو اس پر زکوٰۃ عائد نہ ہو گی اور ہر تبادلہ کے وقت جداگانہ نیت کرنا شرط ہے اور جب تمام راس المال دیا جا چکے تو سامانِ تجارت

Marfat.com

لیتے وقت نیت کرنا واجب نہیں ہے، کیونکہ اس مال کو پہلے ہی سے مال تجارت قرار دیا جا چکا ہے جو کافی ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اس مال کو روک لینے کا ارادہ ہو، تا کہ اس کو اپنے کام میں لائے اور اس کی تجارت کا ارادہ نہ ہو۔ اگر ایسا ارادہ ہو تو سال کی مدت منقطع ہو جائے گی۔ اگر بعد میں تجارت کا ارادہ ہو جائے تو اسے کاروبار میں لگانے کے ساتھ ہی از سرِ نو تجارت کی نیت کرنا ہوگی۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ مال کا مالک ہونے کے بعد اس پر ایک سال گزر جائے، اگر پورا سال نہیں گزرا تو زکوٰۃ نہ ہوگی۔ البتہ اگر مال کی قیمت جس سے وہ مال خریدا گیا، نقد رائج الوقت کی شکل میں ہو اور اس کی مقدار نصاب کے برابر ہو یا نصاب سے کم ہو، لیکن اس کے علاوہ وہ شخص اور مال کا بھی مالک ہو جسے ملا کر نصاب پورا ہوتا ہو تو ان دونوں صورتوں میں مال تجارت پر زکوٰۃ واجب ہوگی، جب کہ اصل مال، یعنی نقدی پر ایک سال گزر جائے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ بدورانِ سال تمام مال تجارت ایسی نقدی میں منتقل نہ ہو گیا ہو جس سے مال کی قیمت لگائی جاتی ہے، جیسا کہ مال تجارت کی زکوٰۃ کے طریقے کے بیان میں آئے گا اور نہ اس کی مقدار نصاب سے کم رہ جائے۔ پس اگر تمام مال نقدی کی شکل میں آ جائے اور اس کی مقدار نصاب سے کم ہو تو سال کا تسلسل ٹوٹ جائے گا۔ اب اس نقدی سے (اگر پھر مال تجارت خریدا گیا تو اس کا سال اس خرید کے وقت سے شروع ہوگا اور سابقہ وقت کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ لیکن اگر صورت یہ ہو کہ مال تجارت کچھ تو نقدی کی صورت میں آ گیا، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور کچھ مال کی شکل میں باقی رہا یا تمام مال نصاب کے مساوی قیمت میں نقد یا مال کے بدلے فروخت کر دیا یا نقدی کے عوض فروخت کیا، لیکن اخیر سال تک اس کی قیمت نہیں لگائی گئی، جیسا کہ آگے بتایا جائے گا تو سال نہیں ٹوٹے گا۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ مال کی قیمت سال کے اخیر میں نصاب کے برابر پہنچ جائے، کیونکہ (زکوٰۃ عائد ہونے کے بارے میں) سال کے اخیر کا اعتبار ہوتا ہے۔ پورے سال کا یا سال کے دونوں سروں کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اگر تجارت کا مال ایسا ہے جس کی زکوٰۃ بجائے خود عائد ہوتی ہے، مثلاً سائمہ جانوروں کی یا پھل کی زکوٰۃ، تو اس میں دیکھنا چاہیے کہ اگر نصاب اصل مال زکوٰۃ کی رو سے بھی اور قیمت کی رو سے بھی پورا ہوتا ہے، تو اس مال کی زکوٰۃ مویشی یا پھل کی زکوٰۃ کے قاعدے سے نکالی جائے گی، قیمت کے لحاظ سے نہیں۔ اگر یہ صورت ہو کہ ان دونوں میں سے ایک کے لحاظ سے تو نصاب پورا ہوتا ہے، لیکن دوسری طرح پورا نہیں ہوتا تو جس لحاظ سے نصاب پورا ہوتا ہے، یعنی مال تجارت کی قیمت کے لحاظ سے یا خود مویشی یا پھل کے لحاظ سے تو اسی کے مطابق زکوٰۃ نکالی جائے۔

مال تجارت کی زکوٰۃ اتنی بار ادا کی جائے گی جتنی بار اس پر سال گزر جائے، بشرطیکہ نصاب (ہر سال) پورا ہوتا رہے اور زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو مال خریدا گیا اس کی قیمت سونے چاندی میں، جس کے عوض خریدا گیا ہے، لگائی جائے۔ اگر وہ نقدی سے نہیں خریدا گیا تو اس نقدی کے حساب سے اس کی قیمت لگائی جائے جس کا رواج شہر میں زیادہ ہو اور جب سال تمام پر اس کی قیمت لگائی جائے تو چاہیے کہ دو عادل ماہرین اس کی قیمت لگائیں جو قیمت کے گواہ کی حیثیت میں ہوں گے۔ اس کے لئے متعدد شاہدوں کا ہونا ضروری ہے۔ اب جو قیمت لگائی گئی اس کے دسویں حصے کی چوتھائی (یعنی چالیسواں حصہ) زکوٰۃ واجب ہے۔

Marfat.com

حنفیہ کہتے ہیں کہ مال تجارت میں زکوٰۃ واجب ہونے کی چند شرطیں ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ اس کی قیمت سونے یا چاندی کے حساب سے نصاب پورا کرتی ہو اور یہ اختیار ہے کہ سونے یا چاندی کے سکوں میں سے جس سکہ میں چاہے قیمت لگائی جائے۔ اگر دونوں طرح کے سکوں میں سے کسی ایک قسم کے سکوں کے حساب سے نصاب پورا نہ ہوتا ہو اور دوسری قسم کے سکوں سے پورا ہوتا ہو تو خاص طور پر اسی سکہ سے قیمت کا لگایا جانا ضروری ہوگا جس سے نصاب پورا ہو جائے اور مال کی قیمت وہ لگائی جائے جو اس شہر میں ہو۔ اگر وہ مال کسی غیر آباد جگہ بھیجا جائے (جہاں قیمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) تو اس علاقہ کے قریب جو شہر ہو وہاں کی قیمت کے لحاظ سے اس کی مالیت لگائی جائے قیمت لگاتے وقت ایک مال کی مالیت کو دوسرے مال کی مالیت کے ساتھ ملا دیا جائے اگرچہ ان کی اقسام مختلف ہوں۔

ایک شرط یہ ہے کہ اس مال پر ایک سال گزر جائے اور اس بارے میں سال کے دونوں سروں کو دیکھا جائے گا، لہٰذا اگر کوئی شخص سال کے آغاز میں نصاب کا مالک ہوا اور درمیان سال میں وہ مال نصاب سے کم رہ جائے لیکن سال کے خاتمہ پر پھر نصاب پورا ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ البتہ اگر سال کے آغاز اور انجام میں نصاب کم رہا تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، جیسا کہ شرائطِ زکوٰۃ کے سلسلہ میں بتایا گیا۔ اسی طرح اگر مال کی قیمت سال کے آخر میں نصاب سے زیادہ ہوگئی تو زکوٰۃ اسی زیادتی کے مطابق نکالی جائے گی۔

ایک شرط یہ ہے کہ اس مال سے تجارت کی نیت ہو اور نیت کے ساتھ عملی طور پر تجارتی کاروبار شروع بھی کر دیا گیا ہو، لہٰذا اگر کوئی جانور خدمت کے لئے خریدا گیا پھر یہ ارادہ کیا کہ اس کی تجارت کی جائے تو وہ مال تجارت متصور نہ ہوگا جب تک کہ فی الواقع اسے بیچنا یا کرایہ پر دینا شروع نہ کرے۔ اگر کسی شخص کو نقدی کے علاوہ کچھ مالِ تجارت عطیہ کے طور پر ملا یا کسی نے اس کے حق میں وصیت کی اور عطیہ یا وصیت کے وقت اس مال سے تجارت کی نیت کی تو یہ نیت تسلیم نہ کی جائے گی، تاوقتیکہ فی الواقع اس مال سے کاروبار نہ شروع کیا جائے۔ اگر کسی نے تجارتی مال کو اسی طرح کے کسی اور مال سے مبادلہ کیا تو نیت کا انحصار اصل مالِ تجارت پر ہوگا، مبادلہ پر نیت منحصر نہ ہوگی، لہٰذا مبادلہ کا مال تجارت ہی کے لئے سمجھا جائے گا اور بنیادی طور پر جو نیت کی گئی تھی اسے کافی سمجھا جائے گا۔ ہاں اگر تبادلہ کے وقت تجارت کی نیت نہ رہی تو اب وہ مال تجارت متصور نہ ہوگا۔

ایک شرط یہ ہے کہ اس مال میں یہ صلاحیت ہو کہ اس میں تجارت کرنے کی نیت درست ہو، لہٰذا اگر کسی نے عشری زمین (جس کی پیداوار پر عشر واجب ہوتا ہے) خریدی اور اس میں کاشت کی یا کھڑی کھیتی اور اس کی پیداوار کو خرید لیا تو اس زمین سے جو پیداوار ہوگی اس پر عشر واجب ہوگا، زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ لیکن اگر عشری زمین میں کھیتی نہیں کی تو اس کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ یہ حکم خراجی زمین کا نہیں ہے، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اگرچہ زراعت نہ کی گئی ہو۔ اگر کسی کا مال تجارت مویشی ہے اور ہنوز سال نہ گزرا تھا کہ اس کی تجارت کا ارادہ ترک کر دیا اور اسے دودھ یا نسل کشی کے لئے یا ایسے ہی کسی اور کام کے لئے جس کا ذکر سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ کے بیان میں بتایا گیا رکھا اور جنگل میں چرانا شروع کر دیا تو مال تجارت کا سال منقطع ہو جائے گا اور سال اس وقت سے شروع ہوگا جب سے کہ اسے سائمہ جانور بنایا گیا، پھر جب سال

Marfat.com

پورا ہو تو اس کی زکوٰۃ سائمہ جانور کے طریق متذکرہ سے نکالی جائے گی، قیمت لگا کر نہیں۔ سونے چاندی کی تجارت ہو تو اس کی زکوٰۃ نقدی کی زکوٰۃ کے طریق متذکرہ سابقہ کے مطابق ادا کی جائے۔ ان کی زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے تجارت کی نیت کرنا شرط نہیں ہے۔ اگر کسی کے پاس تجارت کا مال سالہا سال پڑا رہا پھر اس کے بعد فروخت کیا تو ہر سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی، صرف ایک سال کی نہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مال تجارت کی زکوٰۃ مطلقاً واجب ہے، خواہ سودا گر ذخیرہ اندوز ہو یا چالو تجارت کرنے والا ہو۔ اس کی تفصیل مال قرض کی زکوٰۃ کے بیان میں ہو چکی ہے۔ مال تجارت کی زکوٰۃ کے لئے پانچ شرطیں ہیں اور اس کے نکالنے کا خاص طریقہ ہے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ سامانِ تجارت ایسی اشیا پر مشتمل ہو جس کی زکوٰۃ میں وہی شے بعینہ نہ دی جاتی ہو، مثلاً کپڑے یا کتابوں کی تجارت (کہ ان کی زکوٰۃ میں کپڑا یا کتاب نہیں دی جاتی)۔ اگر اس شے کو بعینہ زکوٰۃ میں دیا جاتا ہو، جیسے سونے چاندی کے زیور یا جیسے مویشی۔ اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریاں۔ تو ان کی زکوٰۃ اسی طریقہ سے واجب ہے جو جانوروں اور سونے چاندی کی زکوٰۃ کے بیان میں سابقاً بتایا گیا، بشرطیکہ ان کی تعداد نصاب کو پورا کرتی ہو۔ اگر نصاب پورا نہ ہو تو ان کی زکوٰۃ دوسرے مال تجارت کی طرح قیمت لگا کر ادا کی جائے، بشرطیکہ وہ مال رائج الوقت طریقہ مبادلہ کے ذریعہ حاصل کیا گیا ہو، مثلاً خرید کر یا اجرت کے طور پر، ایسا مال نہ ہو جو وراثت یا خلع یا ہبہ یا صدقہ کے طور پر حاصل ہوا ہو۔ ہاں اگر کوئی شخص اس طرح مال کا مالک ہوا پھر اس مال کی تجارت کا ارادہ کر لیا اور اسے (بطور مال تجارت) فروخت کر دیا تو اُس کی وصول شدہ قیمت کا سال آئندہ اُس روز سے لگایا جائے گا جب قیمت وصول ہوئی، مالک ہونے کے دن سے نہیں۔ اگر وہ مال فروخت نہ کیا گیا تو نہ اس کی مالیت لگائی جائے گی اور نہ اس پر زکوٰۃ ہوگی، اگر چہ وہ مال چالو تجارت کا ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ مالِ تجارت خریدنے کے وقت تجارت کا ارادہ ہو، خواہ یہ محض تجارت کا ارادہ ہو یا اس سے مال حاصل کرنا یا خود نفع اٹھانا بھی پیش نظر ہو۔ مثلاً تجارت کے لئے کوئی مکان خریدا ساتھ ہی اسے کرایہ پر چڑھانے کا ارادہ بھی کیا یا یہ کہ اس میں کچھ عرصہ خود رہائش رکھے گا پھر جب نفع نظر آئے گا تو اسے بیچ دے گا، ان تمام صورتوں میں زکوٰۃ واجب ہوگی جس کا طریقہ زکوٰۃِ مال کے بیان میں آگے بتایا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مال خریدا اور اس سے سرمایہ حاصل کرنے یا اسے کام میں لانے کے لئے روک رکھنے کی نیت ہے یا کچھ نیت نہیں ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ اس مال تجارت کو نقد دے کر یا مالی معاوضہ میں (بجائے نقد کے) حاصل کیا ہو۔ لیکن اگر مال تجارت کی قیمت میں ایسا سامان دیا گیا ہو جو ہبہ یا وراثت کے ذریعہ ملا ہے تو اس پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی۔ ہاں اگر اسے فروخت کر دیا اور قیمت وصول کئے ہوئے ایک سال کی مدت گزر گئی تو زکوٰۃ عائد ہوگی۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ مال ذخیرہ شدہ ہے اور اس کو سونے یا چاندی کے نصاب کے برابر قیمت میں فروخت کیا گیا ہو یا چالو مال ہے اور اس میں سے کسی قدر بھی، خواہ بمقدار ایک درہم کی قیمت کے فروخت کیا گیا ہو (تو زکوٰۃ واجب ہوگی) پس اگر ذخیرہ شدہ مال کو پورے نصاب کی قیمت میں فروخت نہیں کیا گیا یا چالو مال کو سونے چاندی کی کسی بھی مقدار سے فروخت نہیں کیا گیا تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ البتہ اگر ذخیرہ اندوز کے پاس اتنا مال ہو جو ورثہ میں ملے ہوئے مال کے ساتھ

Marfat.com

مل کر چاندی یا سونے کا نصاب پورا کردے تو سال گزرنے کے بعد، اور کان سے برآمد شدہ مال سے نصاب پورا ہوا ہو تو سال نہ گزرنے پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مالِ تجارت کی زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر تاجر ذخیرہ اندوز ہے تو اس میں سے جس قدر بھی اس نے سونے چاندی سے بیچا ہو اس کو اپنے مال کے ساتھ جو اس کے پاس ہے ملا کر (بشرط تکمیل نصاب) صرف ایک سال کی زکوٰۃ نکالے، اس سے قطع نظر کہ وہ مال ذخیرہ کتنے ہی سال اس کے پاس رہا ہو۔ ان قرضوں پر زکوٰۃ نہیں ہے جو مال تجارت کی فروخت سے واجب الوصول ہیں۔ ہاں جب وہ قرض وصول ہو تو صرف ایک سال کی زکوٰۃ ادا کرے۔ اگر تجارت کا مال چالو ہے تو تمام مال کی قیمت سال بہ سال لگا کر زکوٰۃ دی جائے، خواہ کساد بازاری کے باعث مال سالہا سال پڑا رہا ہو اور اس مال کی جو لاگت بیٹھے اس کو نقدی کے ساتھ ملا کر جو اس کے پاس ہے، اکٹھی زکوٰۃ نکالی جائے اور وہ قرضے جو مال تجارت (کی ادھار فروخت) سے قابل وصول ہیں، اگر وہ نقدی کی صورت میں ہیں اور ان کی میعاد ادائیگی پوری ہو چکی ہے یا تازہ واجب الوصول قرضے ہیں اور دونوں صورتوں میں قرض کی وصولی مقروضوں سے متوقع ہے تو وہ سب (قابل زکوٰۃ مال کی) گنتی میں آئے گا اور اس کو دوسری نقدی میں جو موجود ہے شامل کر لیا جائے گا۔ اگر قرضہ مال تجارت کی شکل میں واجب الوصول ہے یا طویل المیعاد قرضہ نقدی کی شکل میں واجب الوصول ہے اور اس کی وصولیابی متوقع ہے تو اس مال کی مالیت لگا کر جتنی قیمت بیٹھتی ہے اس کو سابقہ مال میں شامل کر کے سب کی زکوٰۃ اکٹھی نکالی جائے گی اور جو مال طویل المیعاد قرضہ پر دیا گیا ہے، اس کی مالیت کا اندازہ لگانے کا طریقہ یہ ہے کہ جو رقم واجب الطلب ہے اس کو موجودہ مال سے موازنہ کیا جائے۔ پھر جس قدر مال کی وہ قیمت ہو اس مال کی قیمت موجودہ سونے چاندی سے لگائی جائے۔ مثلاً کسی شخص کو (ادھار دیے ہوئے مال کی قیمت) دس پونڈ (طویل المیعاد قرضہ کے طور پر) واجب الوصول ہیں تو اب دیکھا جائے کہ اتنی رقم میں مثلاً کتنا کپڑا خریدا جا سکتا ہے۔ اگر یہ معلوم ہو کہ اس سے پانچ (تھان) کپڑا خریدا جا سکتا ہے تو اب دیکھا جائے کہ یہ پانچ تھان موجودہ شرح نقدی سے کتنے میں فروخت ہوتا ہے۔ اگر آٹھ پونڈ اس کی قیمت لگتی ہو تو یہی آٹھ پونڈ اس دس پونڈ کے برابر متصور ہوں گے جو طویل المیعاد قرضہ کے طور پر واجب الوصول ہیں۔ اس (آٹھ پونڈ) کو موجودہ نقدی اور دوسرے سامان تجارت کی قیمت میں شامل کر لیا جائے گا۔ اگر سب ملا کر نصاب پورا ہو جائے تو زکوٰۃ نکالی جائے ورنہ نہیں۔ اگر ڈوبا ہوا قرضہ ہے جس کی وصولیابی کی توقع نہیں ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ البتہ جب رقم وصول ہو جائے تو وصول کرنے کے بعد صرف ایک سال کی زکوٰۃ دی جائے۔ یہی حکم ادھار مال کے قرضہ کا ہے کہ اس کی زکوٰۃ (رقم) وصول کرنے کے بعد صرف ایک سال کی دی جائے۔ چالو مال تجارت کے سال کا آغاز اس وقت سے مانا جائے گا جب کوئی شخص اس قیمت کا مالک ہوا جس سے مال تجارت خریدا گیا، بشرطیکہ اس کی زکوٰۃ پہلے ادا نہ کی گئی ہو، اگر اس رقم پر زکوٰۃ عائد ہو چکی ہے تو اس کے سال کا آغاز اس وقت سے ہوگا جب سے اصل کا مالک ہوا یا پھر اس وقت سے جب کہ زکوٰۃ نکالی گئی درآنحالیکہ نصاب سے کم ہو، جیسا کہ پہلے بتایا گیا اور بقول راجح یہ حکم اس صورت میں بھی ہے جب کہ تجارت کے چالو ہونے میں دیر ہوئی ہو۔ رہا ذخیرہ شدہ مال سو اس کے سال کا آغاز ایک قول کے مطابق اس وقت سے ہوگا جب کہ اصل پر قبضہ ہوا یا اس وقت سے جب کہ اس کی زکوٰۃ نکالی گئی، بشرطیکہ نکالی گئی ہو۔

Marfat.com

واضح ہو کہ چالو مال کے باردانے کی قیمت نہیں لگتی جس میں تجارت کا مال رکھا جاتا ہے اور نہ پیشہ ورانہ اوزار کی قیمت لگائی جاتی ہے۔ اگر تاجر کچھ مال ذخیرہ میں رکھتا ہو اور کچھ مال کی چالو تجارت کرتا ہو تو اس کی زکوٰۃ کے بارے میں تفصیل ہے، جس کا خلاصہ آگے بیان کیا جائے گا۔ اگر چالو مال اور ذخیرہ شدہ مال برابر ہیں تو پہلی قسم کے مال کی زکوٰۃ چالو مال کے قاعدے سے نکالی جائے گی، یعنی ہر سال اس کی مالیت لگائی جائے گی اور دوسری قسم کے مال کی زکوٰۃ ذخیرہ شدہ مال کی زکوٰۃ کے قاعدے سے نکالی جائے گی، یعنی جب اس مال کی جس قدر بھی قیمت وصول ہو صرف ایک سال کی زکوٰۃ دی جائے اور یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ چالو مال کم اور ذخیرہ شدہ (تھوک) زیادہ ہو تو دونوں کے لئے وہی حکم ہے جو اوپر بتایا گیا، یعنی چالو مال کی سال بہ سال قیمت لگائی جائے گی اور دوسری قسم کے مال کی زکوٰۃ کے لئے اس کے فروخت ہونے اور قیمت وصول ہونے کا انتظار کیا جائے گا۔ (اس کے برعکس) اگر چالو مال زیادہ ہے تو اس کے زیادہ ہونے کی بنا پر (سب کو چالو مال قرار دے کر) تمام مال کی قیمت سال بہ سال لگائی جائے گی۔

واضح ہو کہ مال کی مالیت قائم کرنے کے لئے ایک ہی شخص کافی ہے، متعدد اشخاص کا ہونا شرط نہیں ہے، کیونکہ اس کو شہادت کے زمرہ میں نہیں رکھا جاسکتا، بلکہ یہ ایک حکم ہے اور حاکم کا متعدد ہونا شرط نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مالِ تجارت کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہونے کی دو شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ کسی شخص کو یہ مال اس کے عمل کے ذریعہ مثلاً خرید کر قبضہ حاصل ہوا ہو، اگر ذاتی عمل کے نتیجہ میں مال حاصل نہیں ہوا، جیسے ورثہ میں ملا تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مال کا مالک ہونے کے وقت تجارت کی نیت ہو، یعنی اس سے کمائی کرنا مقصود ہو۔ ضروری ہے کہ یہ نیت پورے سال رہے۔ اگر کوئی مال اپنے پاس رکھنے کے لئے خریدا پھر اس کے بعد اس مال سے تجارت کا ارادہ کرلیا تو وہ مالِ تجارت قرار نہ دیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ مال زیور ہے جسے پہننے کے ارادہ سے خریدا اور بعد میں پہننے کے بجائے اس کی تجارت کا ارادہ کرلیا تو اس ارادہ کے ساتھ ہی وہ مالِ تجارت متصور ہوگا۔

واضح ہو کہ مالِ تجارت کی مالیت (بغرض ادائے زکوٰۃ) سال گزرنے کے بعد لگائی جائے گی اور اس کی قیمت چاندی یا سونے میں لگاتے وقت دونوں میں سے اس کو ترجیح دی جائے گی جس میں غریبوں کو زیادہ فائدہ ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ یہ قیمت شہر میں رائج رقم میں لگائی جائے۔ مال کی قیمت کا سونے یا چاندی میں سے کسی میں نصاب کو پہنچ جانا چاہیے، یا دونوں کو ملا کر نصاب پورا ہو جائے اور مال کی قیمت لگاتے وقت اس بات کا لحاظ نہ کیا جائے گا کہ کس قسم کی نقدی سے اور کتنی مقدار کے عوض وہ مال خریدا گیا، یعنی اگر مالیت لگانے پر قیمتِ خرید سے گھٹ جائے یا بڑھ جائے تو اس سے کچھ نہیں ہوتا جب کہ سال گزرنے پر اس کی مالیت لگائی گئی ہو۔

اگر کوئی شخص سائمہ جانوروں کی تجارت کرتا ہے اور وہ جانوروں کے نصاب کا مالک ہے اور اس پر ایک سال گزر گیا اور سوم (جنگل کی چرائی) اور تجارت کی نیت دونوں باتیں پائی جاتی ہیں تو اس پر بطور مالِ تجارت کے زکوٰۃ واجب ہوگی، بطور سائمہ جانور کے (زکوٰۃ) واجب نہ ہوگی۔ اگر کوئی شخص نصف سال تک تجارتی سائمہ جانوروں کا مالک رہا، پھر تجارت کا ارادہ ترک کردیا تو اب (بطور سائمہ جانوروں کے) اس کا سال اس وقت سے شروع ہوگا جب یہ ارادہ ترک کیا تھا، لہٰذا

Marfat.com

آیا زکوٰۃ خود مالِ تجارت میں سے ادا کرنا واجب ہے یا اس کی قیمت لگا کر؟

واضح ہو کہ اصل مالِ تجارت کی قیمت لگا کر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔ تمام مال کی قیمت لگا کر باہم اکٹھا کر لینا چاہیے، خواہ وہ مال مختلف نوعیت کے ہوں، مثلاً کپڑا اور تانبے پیتل کا سامان۔ اسی طرح بدورانِ سال، مالِ تجارت سے جو نفع حاصل ہو اس کو بھی مال کی قیمت میں شامل کر لیا جائے۔ نیز تجارت کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے جو مال حاصل ہو اس کو بھی (مال کی قیمت میں) شامل کر لیا جائے گا۔ اس مسئلہ کے متعلق مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

ان جانوروں کی زکوٰۃ، ترکِ تجارت کی نیت سے، پورا سال گزرنے کے بعد بطریق سائمہ جانوروں کے دی جائے گی۔

اگر کسی نے زمین بغرض تجارت خرید کر اس پر زراعت کی اور اس کی قیمت نصاب تک پہنچ گئی یا تجارت کے لئے خریدی ہوئی زمین پر تجارتی بیج بوئے تو سب کی قیمت لگا کر زکوٰۃ ادا کی جائے، بشرطیکہ قیمت سے نصاب پورا ہو جائے۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص شروع سال سے نصاب کا مالک ہے پھر بہ دورانِ سال اس سے منافع حاصل ہوا یا تجارت کے علاوہ کسی اور طریقہ سے مال حاصل ہوا، مثلاً وراثت یا ہبہ وغیرہ سے تو وہ منافع اور یہ مال سب کو ملا کر نصاب پورا گردانا جائے گا چنانچہ سال پورا ہو جائے تو سب کی زکوٰۃ نکالی جائے بشرطیکہ نصاب پورا ہو اور سال کے خاتمہ پر کم نہ ہو گیا ہو۔ غرض حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ کے واجب ہونے کا انحصار پورے سال بھر تک نصاب کے قائم رہنے پر ہے، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ربح (منافع) یعنی جو کچھ بھی مال کی تجارت سے فائدہ حاصل ہوا سے مال کے ساتھ جس سے کہ وہ نفع حاصل ہوا شامل کر لیا جائے اگرچہ اصل مال نصاب سے کم رہا ہو۔ پس اگر کسی شخص کے پاس محرم کے مہینے میں دس دینار تھے اور اسی تاریخ سے تجارت شروع کر دی اور ماہ رجب تک وہ رقم بیس دینار ہو گئی اور اگلے سال کا ماہ محرم آنے تک اتنا ہی باقی رہا تو سب رقم کی زکوٰۃ نکالی جائے گی کیونکہ مال کے منافع کو اصل مال میں چھپا ہوا مانا جائے گا۔ گویا وہ نفع بھی مال کے ساتھ موجود تھا لہٰذا ان دونوں کو ملا دیا جائے گا گو اصل مال نصاب سے کم رہا ہو۔ لیکن وہ مال جو تجارت کے علاوہ کسی اور طریقے سے حاصل ہوا ہو مثلاً ورثہ یا ہبہ کا مال ہو تو دورانِ سال اس مال میں نہ ملایا جائے گا جو اس کے پاس ہے اگرچہ وہ مال نصاب پورا کرتا ہو۔ اس کا سال آئندہ اس روز سے شمار ہو گا جب وہ مال حاصل ہوا۔ پس اگر کسی کے پاس سونے کا نصاب ماہ محرم میں مثلاً موجود تھا، پھر ماہ رجب میں دس دینار اور کسی طریقہ سے ملے تو اگلا محرم آنے پر اسی نصابِ مال کی زکوٰۃ دے گا (جو اس کے پاس پہلے سے موجود تھا) پھر جب اگلے سال کا ماہ رجب آئے تو اس دس درہم کی زکوٰۃ دی جائے۔

واضح ہو کہ زکوٰۃ عینی..... سونے چاندی کی زکوٰۃ۔ کو مال نفع وغیرہ سے جدا رکھا جائے گا۔

مویشی کی زکوٰۃ کا یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس اتنے مویشی ہیں جو نصاب پورا کرتے ہوں پھر اور مویشی بذریعہ خرید یا ہبہ (عطیہ) کے آ گئے خواہ ان کی تعداد نصاب کے برابر ہو یا نہ ہو تو ان مویشیوں کو سابقہ مویشیوں کے ساتھ ملا لیا جائے گا

Marfat.com

سونے چاندی کی مخلوط اشیاء کی زکوٰۃ کا بیان

واضح ہو کہ اگر سونا یا چاندی کسی اور دھات، مثلاً تانبا، پیتل یا نکل میں مخلوط ہو تو ان پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی، جب تک کہ محض سونے یا چاندی کی مقدار جو دوسری دھات میں شامل ہے نصاب کو پورا نہ کرے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ مخلوط سونا یا چاندی مقدار میں دوسری دھات سے جس کے ساتھ اسے ملایا گیا ہے زیادہ ہو یا کم ہو۔ یہ حکم شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے، حنفیہ اور مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کے مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۱)

اور سال گزرنے پر سب کی زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ اگر سابقہ مال (مویشی) نصاب سے کم تھا تو بعد میں آنے والے مویشیوں کو ان کے ساتھ شامل نہ کیا جائے گا، لیکن اگر مادہ مویشیوں سے بچہ پیدا ہو تو وہ بھی سال کے حساب میں ماں کے ساتھ شامل ہوگا اگرچہ ابتداءً مادین مویشیوں کی تعداد نصاب سے کم ہو، کیونکہ یہ سمجھا جائے گا کہ یہ بچے ان جانوروں میں چھپے ہوئے تھے، لہٰذا مویشی کے بچوں کو بھی ان کے ساتھ سال کی گنتی میں شمار کیا جائے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ بدوران سال اصل مال سے جو منافع حاصل ہوگا اس کو اصل مال میں شامل کر لیا جائے گا۔ اسی طرح وہ مال بھی شامل کیا جائے گا جس کا کہ کوئی شخص تجارت کے آغاز سال سے مالک ہوا ہو، اگرچہ اصل مال نصاب سے کم رہا ہو۔ لیکن وہ مال جو تجارت کے علاوہ کسی اور طریقہ سے حاصل ہوا ہو اس کا سال حاصل ہونے والے دن سے لگایا جائے گا اور اس کو اصل مال تجارت میں شامل نہ کیا جائے گا۔ ہاں اگر ایسے درختوں سے جن کی تجارت کی جارہی ہو پھل حاصل ہوں یا ایسے جانور سے جن کی تجارت کی جارہی ہو بچے پیدا ہوں تو ان سب کو شامل کر کے سال محسوب ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر اصل مال نصاب کے برابر ہے تو بدورانِ سال جو نفع اس سے حاصل ہو اس کو اصل میں شامل کر دیا جائے گا۔ اگر اصل مال نصاب سے کم ہے تو اس کے منافع کو اس میں شامل نہیں کیا جائے گا، بلکہ سال کا حساب اس وقت سے لگایا جائے گا، جب کہ نصاب پورا ہوا ہو اور وہ مال جو تجارت کے علاوہ کسی اور طرح سے حاصل ہوا اس کو بدوران سال اصل مال میں نہیں، ملایا جائے گا، بلکہ اس کا سال جداگانہ اس وقت سے محسوب ہوگا جب کہ کوئی شخص اس کا مالک ہوا ہو۔ البتہ سائمہ جانوروں سے پیدا ہونے والے بچوں کے سال کا حساب ان کی ماں کے ساتھ شامل کر کے لگایا جائے گا۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ملاوٹی اشیاء میں اس دھات کا لحاظ کیا جائے جس کی مقدار زیادہ ہو، خواہ وہ سونا ہو یا چاندی یا کوئی اور دھات۔ لہٰذا سونے کے ساتھ چاندی ملی ہوئی اشیاء میں اگر سونا زیادہ ہے تو سونے کے مطابق زکوٰۃ ادا کی جائے اور اس پوری شے کو سونا تصور کیا جائے گا۔ اگر چاندی کی مقدار زیادہ ہے تو اس پوری شے کو چاندی تصور کیا جائے گا۔ پس اگر نصاب پورا ہو جائے تو زکوٰۃ نکالی جائے ورنہ نہیں۔ اگر ملاوٹی اشیا میں تانبا پیتل کا حصہ زیادہ ہے اور وہاں نقد کا رواج جاری ہے اور اس کی قیمت نصاب پورا کرتی ہو تو اس کی زکوٰۃ نقد کی طرح ادا کی جائے۔ اسی طرح نقود کی زکوٰۃ ادا کی جائے درآنحالیکہ اس میں سونا یا چاندی نصاب پورا کرتا ہو۔ پس اگر وہاں پر نقد کا رواج نہیں ہے یا اس کا خالص حصہ نصاب پورا نہ

Marfat.com

کان اور دفینوں کا بیان

کان اور دفینے کی تعریف اور ان کے مسائل کے بارے میں مسالک مختلفہ کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ۔(۱)

کرتا ہو اور اس کی تجارت کا ارادہ ہو تو اسے مال تجارت کی طرح قرار دیا جائے گا، یعنی اس کی قیمت لگا کر اس کی زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ اگر تجارت کی نیت نہ ہو تو زکوٰۃ عائد نہ ہوگی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کھوٹ والی چاندی یا سونے کا رواج خالص (بے کھوٹ) سونے چاندی کی طرح ہوتا ہو تو ان کی زکوٰۃ خالص کی طرح اس کے برابر نکالی جائے۔ اگر ان کا رواج خالص کی طرح نہ ہو لیکن ان میں خالص حصہ نصاب پورا کرے تو زکوٰۃ ادا کی جائے ورنہ نہیں۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ کان اور دفینہ کے ایک ہی معنی ہیں اور شرع میں اس مال کو کہتے ہیں جو زمین کے اندر سے نکالا جائے، خواہ وہ قدرتی کان کا ہو جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے بغیر اس کے کہ کسی نے اس میں رکھا ہو یا پھر وہ ایسا خزانہ ہو جسے کافروں نے زمین میں دفن کر رکھا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی اشیاء جو کان اور دفینے سے برآمد ہوں ان پر زکوٰۃ کا حقیقی معنوں میں اطلاق نہیں ہوتا، کیونکہ ان کے لئے وہ شرطیں نہیں ہیں جو زکوٰۃ کے لئے ہیں۔

واضح ہو کہ کان سے برآمد شدہ اشیاء کی تین قسمیں ہیں: یعنی جو آگ میں پگھلائی جاسکیں، مائع اشیاء اور وہ جو نہ پگھلائی جاسکیں اور نہ مائع ہوں۔ آگ پر پگھلنے والی اشیاء جیسے سونا، چاندی، تانبا اور پیتل، سیسہ اور لوہا اور مائع جیسے تارکول، پٹرول، مٹی کا تیل یا گیس وغیرہ۔ وہ اشیاء جو نہ مائع ہوں اور نہ پگھلائی جاتی ہوں جیسے چونے کا پتھر اور جواہر و یاقوت، پس وہ اشیاء جو آگ پر پگھلائی جاسکتی ہیں اس کا خمس (پانچواں حصہ) واجب ہے اور اس کا مصرف وہی ہے جو مال غنیمت کے خمس کا ہے اور جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے ''واعلموا ان ما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ'' الآیہ (یعنی یاد رکھو کہ جو شے تمہیں مال غنیمت کے طور پر حاصل ہو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کے نام کا ہے)۔ خمس نکالنے کے بعد مابقا مال اس کا ہے جسے وہ ایسی زمین سے دستیاب ہوا جو کسی کی مملوکہ نہیں تھی۔ مثلاً جنگل اور پہاڑ۔ ایسی اشیاء میں سے خمس نکالنا اس صورت میں واجب ہے جب کہ اس شے سے (جاہلیت) غیر اسلامی عہد کی علامت ظاہر ہوتی ہو، اگر اس میں اسلامی نشان ظاہر ہو تو اس کو ایسا سمجھنا چاہیے جیسے کسی کی گری پڑی چیز ہو تو اس پر خمس عائد نہ ہوگا۔ اگر ایسی علامت ہو جس سے اس کے اسلامی ہونے میں شبہ ہو تو اسے جاہلی (غیر اسلامی) دفینہ ہی تصور کیا جائے اور اگر کوئی مال مملوکہ اراضی سے دستیاب ہو تو اس پر خمس ہوگا اور اس کے بعد مابقا مالک اراضی کا ہوگا۔ اگر دفینہ یا کان کسی کے گھر کے اندر نکل آئے تو اس پر خمس واجب نہیں ہے، وہ سب مالک مکان کا ہوگا۔ دفینہ پانے والا مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، بالغ ہو یا بچہ، مسلمان ہو یا ذمی اس سے (حکم میں) کوئی فرق نہیں پڑتا۔

مائع اشیاء جیسے تارکول اور تیل یا نمک (کھار) کے برآمد ہونے پر کوئی مطالبہ نہیں ہے۔ اسی طرح ایسی اشیاء پر بھی جو نہ آگ میں پگھلائی جاتی ہوں اور نہ مائع ہوں جیسے چونا پتھر اور جواہرات وغیرہ کچھ عائد نہیں ہوتا۔ البتہ مائع اشیاء میں سے

Marfat.com

پارہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے، پارہ برآمد ہو تو اس پر خمس واجب ہے۔ واضح ہو کہ دفینہ میں وہ تمام اشیاء شامل ہیں جو زمین کے اندر سے دستیاب ہوں، مثلاً ہتھیار، آلات اور سامان خانہ وغیرہ۔ یعنی ان تمام اشیاء پر خمس واجب ہوگا جیسا کہ پہلے بتایا گیا اور وہ اشیاء جو سمندر سے نکالی جائیں جیسے عنبر، موتی، مونگا، مچھلی وغیرہ اس پر کوئی مطالبہ نہیں۔ ہاں اگر ان کی تجارت کی جائے تو (زکوٰۃ واجب ہوگی) جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ معدن (یعنی کان کی چیز) وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدا کیا ہو، مثلاً سونا، چاندی یا تانبا، پیتل، گیرو اور گندھک، یہ ان اشیاء سے مختلف ہے جن کا ذکر آگے آئے گا۔ ان اشیاء کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ سونا چاندی ہے تو اس کی زکوٰۃ بہ تحت شرائط متذکرہ سابقہ واجب ہے۔ ان شرائط کے منجملہ آزاد ہونا، مسلمان ہونا اور مقدارِ نصاب کا پورا ہونا ہے۔ لیکن پورا سال گزرنا شرط نہیں ہے، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔ آزاد ہونے اور مسلمان ہونے کے شرط ہونے اور شرط نہ ہونے کے بارے میں دو اقوال صحیح ہیں (یعنی شرط قرار دیا جاسکتا ہے اور نہیں بھی) بہر حال سونے یا چاندی کی مقدار نصاب کو پہنچ جائے، خواہ ایک بار کی کھدائی میں یا چند بار میں تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ چنانچہ دوسری بار جو کچھ دستیاب ہوا سے پہلی بار کی دستیاب شدہ شے میں شامل کر لینا چاہیے درآنحالیکہ وہ کھیپ ایک ہی ہو۔ پھر نصاب پورا ہونے کے بعد جس قدر بھی مال نکلتا رہے خواہ تھوڑا ہو یا بہت اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر برآوردگیاں متعدد ہوں اور پہلی برآوردگی کا کام ختم ہونے سے پہلے ہی دوسری برآوردگی ظاہر ہو جائے اور دونوں کی برآمدات کو ملا کر نصاب پورا ہوتا ہو تو اس کی زکوٰۃ نکالی جائے ورنہ نہیں۔ اگر پہلی برآوردگی کا کام ختم ہونے کے بعد دوسری برآوردگی نظر آئے تو ہر ایک کو جداگانہ کھیپ قرار دیا جائے گا۔

واضح ہو کہ کان سے برآوردہ اشیاء کی زکوٰۃ دسویں حصہ کا چوتھائی ہے اور اس کا مصرف بھی وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ ان مصارف کی وہی آٹھ قسمیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''**انما الصدقات للفقراء و المساکین**'' والی آیت میں بتائی گئی ہیں۔ اس حکم سے وہ شے مستثنیٰ ہے جسے ''ندرہ'' کہتے ہیں۔ ندرہ سے مراد سونے چاندی کے ایسے ٹکڑے ہیں جن کو بآسانی مٹی سے جدا کیا جاسکتا ہے۔ اس کا خمس واجب ہے، خواہ نصاب پورا نہ ہو۔ اس کے مصارف وہی ہیں جو مال غنیمت کے ہیں، یعنی مسلمانوں کے مفاد عامہ میں۔ یہ (ندرہ) مصارف زکوٰۃ کے آٹھ اقسام کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ یاد رہے کہ ''ندرہ'' پر خمس اسی صورت میں عائد ہوگا جب کہ اس کو زمین سے نکالنے اور حاصل کرنے میں خطیر مصارف اور زیادہ محنت نہ کرنا پڑے۔ ایسا ہو تو اس کی زکوٰۃ صرف دسویں حصہ کا چوتھائی ۱/۴۰ ہوگی، گو نصاب پورا نہ ہوا ہو اور اس کو مصارف زکوٰۃ میں خرچ کیا جائے گا، خواہ اس کو نکالنے والا کوئی غلام ہو یا کافر ہو۔ لیکن سونے چاندی کے علاوہ کان سے برآوردہ دوسری اشیاء مثلاً تانبے، پیتل یا رانگ پر کوئی مطالبہ نہیں ہے۔ ہاں اگر اس کو مال تجارت بنالیا جائے تو اس پر تجارتی سامان کی زکوٰۃ بموجب تفصیل سابقہ ادا کی جائے گی۔

''رِکاز'' (دفینہ) سو اس سے مراد سونے، چاندی یا دوسری اشیائے مدفونہ ہیں جن کو اہل جاہلیت (یعنی غیر مسلموں) نے زمین میں گاڑ رکھا ہو اور ایسی علامت موجود ہو (کہ وہ اہل جاہلیت ہی کا مال ہے) اگر شبہ ہو کہ آیا وہ دفینہ کسی جاہلی کا ہے یا کسی اور کا؟ تو اسے جاہلی (غیر مسلم) ہی کا دفینہ قرار دیا جائے گا اور اس کا خمس (1/5) نکالنا واجب ہے،

Marfat.com

قطع نظر اس کے کہ وہ سونا ہو یا چاندی یا کوئی اور شے، اور خواہ مسلمان کو دستیاب ہو یا غیر مسلم کو، پانے والا آزاد ہو یا غلام۔ اس پر خمس نکالنے کا حکم مال غنیمت کی طرح ہے اور اسے مسلمانوں کے مصالح عامہ پر خرچ کیا جائے گا اور دونوں صورتوں میں یہ شرط نہیں ہے کہ دفینہ کی مقدار نصاب کو پورا کرتی ہو اور دفینہ میں سے مقدار نصاب کو نکالنے کے بعد مابقا اس کا ہے جس کی مملوکہ زمین سے وہ مال برآمد ہوا، بشرطیکہ وہ شخص اس زمین کا مالک بذریعہ وراثت یا بذریعہ ''احیاء'' (یعنی زمین کو قابل کاشت بنانے کے عوض میں) ہوا ہو۔ اگر بذریعہ خرید یا طریق ہبہ اس کا مالک ہوا ہو تو (واجبات نکالنے کے بعد) دفینہ کا باقی ماندہ حصہ اس زمین کے سابقہ مالک کا ہوگا جس نے اسے بیچا ہے یا پایا ہے اگر زمین کسی کی مملوکہ نہ ہو تو (ادائے واجب کے بعد) باقی دفینہ اسی کا ہے جسے وہ دستیاب ہوا۔

اب رہا وہ دفینہ جو مسلمانوں یا ذمی کافروں کا دفن کردہ کسی زمین سے نکالا جائے اور اس کے مالک یا مالک کے ورثاء معلوم ہوں تو وہ ان کا حق ہے، اگر اس کے حقدار کا پتہ نہ چلے تو اسے گری پڑی شے کی مانند قرار دیا جائے گا اور سال بھر تک اس کی شناخت کرائی جائے گی۔ اس کے بعد وہ شے اس کی ہوگی جس نے اس کو پایا۔ البتہ اگر ایسے قرائن موجود ہوں کہ ان دفینوں پر مدت دراز اور زمانہ گزر گیا ہے کہ اب اس کے مالک یا مالک کے ورثاء کا پتہ لگانا ممکن نہیں رہا تو اب اس کو شناخت کے لئے رکھنے کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کو ایسا مال تصور کیا جائے گا جس کا کوئی مالک نہیں ہے، لہٰذا اسے بیت المال (مسلمانوں کے سرکاری خزانہ) میں جمع کر دیا جائے گا اور مصالح عامہ کے مصرف میں لایا جائے گا۔

اہلِ جاہلیت (غیر مسلموں) کا وہ مال جو زمین کے اوپر یا سمندر کے ساحل پر دستیاب ہو غیر مسلموں کے دفینوں کی طرح ہے، لہٰذا اس کا خمس (۱/۵) نکالا جائے اور جو باقی رہے وہ اسی کا ہے جسے دستیاب ہوا اور اس مال پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے جسے سمندر نے کنارے پر پھینک دیا ہو جیسے عنبر، موتی، مونگا وغیرہ، بلکہ یہ مال اسی کا ہے جس نے پایا، البتہ اگر یہ پتہ چل جائے کہ پہلے اس کا مالک کوئی جاہلی یا اور کوئی تھا تو اس کو بطور دفینہ یا گری پڑی شے کے تصور کیا جائے گا جس کی تفصیل اوپر بیان کی گئی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ معدن میں ہر وہ شے شامل ہے جو زمین سے پیدا ہوئی ہو اور زمین کی جنس میں سے نہ ہو، خواہ وہ ٹھوس ہو، جیسا سونا، چاندی، بلور، عقیق، تانبا، پیتل اور سرمہ یا پھر وہ مائع ہو جیسے ہڑتال اور مٹی کا تیل وغیرہ تو جو شخص ان میں سے کوئی شے زمین سے نکالے اور اس کا مالک ہو تو اس پر عشر (دسواں حصہ) واجب ہے۔ اس کی دو شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ اگر برآمد شدہ چیز سونا چاندی ہے تو اس کو صاف کرنے اور پگھلانے کے بعد اس کی مقدار نصاب کو پہنچ جائے یا ان کے علاوہ کوئی اور شے ہو جس کی قیمت نصاب کو پورا کر دے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اس کا نکالنے والا وہ ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ ذمی، کافر یا مقروض وغیرہ پر واجب نہیں ہے۔ پھر اگر برآوردہ مال جامد (ٹھوس) ہو اور کسی کی مملوکہ زمین سے برآمد ہوا ہو تو وہ اس زمین کے مالک کا مال ہے گو اس کا نکالنے والا کوئی اور ہو، کیونکہ زمین کا مالک اس شے کا بھی مالک ہوتا ہے جو اس میں سے نکلے، لیکن اس کی زکوٰۃ مالک پر واجب نہ ہوگی جب تک کہ وہ مال ہاتھ نہ آجائے۔

معدنی اشیاء کا نصاب پورا کرنے کے لئے ایک کان سے نکالی ہوئی شے کو دوسری کان کی برآمدات کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا درآنحالیکہ دونوں کی جنس مختلف ہو۔ ہاں اگر سونے اور چاندی کو نکالا جائے تو دونوں کان کی برآمدت کو ملا کر

Marfat.com

نصاب پورا کیا جائے گا۔ اگر معدنی شے کسی مباح اور غیر مملوکہ زمین میں تھی تو اس میں سے نکالنے والا ہی اس شے کا مالک ہوگا اور اس کی زکوٰۃ چالیسواں حصہ واجب ہوگی، خواہ وہ سونا ہو یا چاندی ہو یا (دفینہ سے برآمد شدہ) ہتھیار یا کپڑا ہو یا کچھ بھی ہو۔

اگر کسی کو مشک یا زباد (ایک خوشبودار چیز جو مشک بلاؤ سے نکلتی ہے) دستیاب ہو یا موتی، مونگا، مچھلی وغیرہ سمندر سے حاصل ہو تو اس پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے، خواہ اس کی مقدار نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جائے۔

واضح ہو کہ ''رکاز'' سے مراد وہ مال ہے جو اہل جاہلیت یا سابقہ کافروں کے دفینے سے برآمد ہو۔ اس میں وہ اشیاء بھی شامل ہیں جو زمین کے اوپر ملیں اور ان پر یا ان کی متعلقہ کسی شے پر کافروں کا مال ہونے کی علامت پائی جائے۔ اگر اس پر کوئی اسلامی نشان ہو یا اسلام اور کفر دونوں کی علامتیں ہوں تو اس کو ''لقیط'' (گری پڑی شے) قرار دیا جائے گا اور اس پر وہی احکام عائد ہوں گے (جو لقیط کے لئے ہیں)۔

جس شخص کو دفینہ ہاتھ لگے اس پر واجب ہے کہ اس کا خمس (۵/۱ حصہ) بیت المال کے لئے نکال دیا جائے۔ اس مال کو امام یا اس کا نائب مصالح عامہ کے کاموں میں صرف کرے گا۔ (خمس نکالنے کے بعد) باقی مال اس کا ہے جسے وہ دستیاب ہوا، بشرطیکہ وہ ارضِ مباح (جو کسی مملوکہ نہ ہو) سے ہاتھ لگا ہو۔ اگر وہ اپنی مملوکہ زمین سے برآمد ہوا تو اسی کا ہے اور اگر کسی اور کی مملوکہ زمین سے نکلا تب بھی اسی کا مال ہوگا، بشرطیکہ مالک اس کا دعوے دار نہ ہو۔ اگر مالک اراضی نے اس کا دعویٰ کیا، لیکن گواہ یا شناختی ثبوت نہ پیش کر سکا تو اس کے حلف پر وہ مال مالک اراضی کو دیا جائے گا۔ اگر کوئی شخص اس زمین میں زبردستی داخل ہوا (اور اس میں سے مال برآمد کیا) تو وہ مال اصل مالکوں کا ہوگا۔ ہاں اگر مالک کی اجازت سے داخل ہوا اور اس کی اجازت سے کھدائی کی تو مالک سے زیادہ اس کا حق ہے جس نے نکالا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ معدنی (کان سے برآوردہ) وہ اشیاء ہیں جو ایسی جگہ سے نکالی جائیں جہاں پر اللہ تعالیٰ نے انھیں پیدا کیا۔ یہاں پر خصوصیت کے ساتھ اس سے مراد سونا، چاندی ہے، لہٰذا دوسری اشیاء جو کان سے نکالی جائیں، جیسے لوہا، تانبا، پیتل اور سیسہ وغیرہ ان پر کچھ واجب نہیں ہے اور معدنی اشیاء میں ٹھوس، مائع اور (آگ پر) پگھلنے والی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ (کان سے نکالی ہوئی) چاندی سونے کی زکوٰۃ دسویں حصے کی چوتھائی واجب ہے جس طرح (مملوکہ) سونے چاندی کی زکوٰۃ واجب ہے۔ ان کی زکوٰۃ ادا کرنے کی شرائط بھی وہی متذکرہ سابقہ ہیں، بجز سال گزرنے کی شرط کے کہ معدن (کان) کے لئے یہ شرط نہیں ہے۔

تاہم ایک اور شرط ہے کہ وہ (سونا چاندی) مباح یا ذاتی مملوکہ زمین سے نکلے، ایسا نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ کان کسی معین مقصد کے لئے وقف شدہ زمین میں ہو اور وقف کے بعد وہ کان معرض وجود میں آئی ہو تو اس کی زکوٰۃ واجب ہے اور وجوب زکوٰۃ کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ کان سے ایک دفعہ ہی نکلی ہوئی شے نصاب کے برابر ہو جائے، بلکہ اگر کئی بار کے نکالنے میں سب کو ملا کر نصاب کی مقدار پوری ہو جائے تو سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگرچہ پہلی بار نکالے ہوئے مال کا وہ شخص مالک نہ رہا ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ برآمدات ایک ہی کان کی ہوں اور برآمدگی کا عمل برابر جاری رہا ہو یا اگر رکا ہو تو کسی معذوری، مثلاً بیماری کے باعث رکا ہو۔ اگر ایسی صورت نہ ہو اور پہلی بار کی برآمد نصاب سے کم ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ ہاں صرف دوسری بار کی برآمدگی کو نصاب پورا کرنے کے لئے اس میں شامل کیا جائے گا۔ اگر نصاب پورا ہو جائے تو صرف دوسری برآمدگی کی زکوٰۃ نکالی جائے اور زکوٰۃ اس وقت نکالی جائے جب کہ اس کو خالص اور

Marfat.com

کھیتی اور پھلوں کی زکوٰۃ کا بیان

اس زکوٰۃ کی فرضیت علاوہ اُس عام دلیل کے جو پہلے بیان ہوئی، کتاب وسنت سے ایک خاص دلیل بھی ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وآتوا حقه يوم حصاده".

(یعنی فصل کاٹنے کے وقت حق اللہ نکال دیا کرو)۔

اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

"ماسقت السماء ففيه العشر وما سقىٰ غرب (دلو) اودالية (دولاب) ففيه نصف العشر".

(یعنی جو کھیتی بارش سے سیراب ہو اس پر عشر (۱/۱۰) واجب ہے اور جس کو "غرب" (ڈول) یا دالیہ (یعنی چرسا یا رہٹ) سے سیراب ہو اس میں نصف (۱/۲۰) واجب ہے)۔

اس حدیث میں اس کی تفصیل ہے جس کا ذکر مذکورہ آیت شریفہ میں اجمالی طور پر کیا گیا ہے۔ اس کی شرائط وہی ہیں جو زکوٰۃ کی عام شرائط متذکرہ سابقہ ہیں۔ اس کے لئے کچھ اور شرطیں بھی ہیں۔ ان احکام کی تفصیل بموجب مسالک مختلفہ ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

صاف کرلیا جائے، خالص بنانے سے پہلے زکوٰۃ نکالنا جائز نہیں ہے۔

رہا "رکاز" سو اس سے مراد جاہلیت کا دفینہ ہے۔ اگر اس دفینے سے نصاب پورا ہو، خواہ اس مال کو ملا کر پورا ہو جو اس کے علاوہ مالک کے پاس موجود ہو، گو سکے کی شکل میں نہ ہو تو اس پر اس وقت خمس (۱/۵) نکالنا واجب ہے۔ اس کے لئے سال گزرنے کے علاوہ تمام شرائط وہی ہیں جو زکوٰۃ کی ہیں۔ اگر مال زمین پر دستیاب ہوا ہو تو اسے "رکاز" (دفینہ) قرار نہ دیا جائے گا، بلکہ وہ لقطہ (گری پڑی چیز) متصور ہوگا۔ اگر دفینہ جاہلیت کا نہ ہو، بایں طور کہ اس میں کوئی ایسی علامت پائی جائے جس سے ثابت ہو کہ وہ اسلامی ہے تو اس کا مسئلہ یہ ہے کہ اسے مالک کے سپرد کردینا واجب ہے یا اگر ورثاء کا علم ہو تو اس کے ورثاء کو دیا جائے، ورنہ اس پر "لقطہ" کے احکام عائد ہوں گے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ یہ معلوم نہ ہو کہ وہ مال جاہلی ہے یا اسلامی۔ اگر کوئی دفینہ مملوکہ زمین سے برآمد ہو، تو وہ مال مالک زمین کا ہے، بشرطیکہ مالک اس کا دعویٰ کرے، ورنہ وہ اس کا مال ہے جو اس سے پہلے اس زمین کا مالک رہا ہو۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس کی عام شرائط عاقل و بالغ ہونا ہے، لہٰذا بچے اور مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، لیکن یہ دونوں شرطیں کھیتی اور پھلوں کی زکوٰۃ میں لاگو نہیں ہیں۔ پس بچے اور مجنون کی زمینی پیداوار میں زکوٰۃ واجب ہے اور ان دونوں اشیاء کی زکوٰۃ کے لئے شرائط مندرجہ بالا کے علاوہ مزید شرط یہ ہے کہ زمین عشری ہو (یعنی ایسی زمین) جس پر عشر

Marfat.com

(۱/۱۰) عائد کیا جا سکے، چنانچہ خراجی زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ ایک شرط مزید یہ ہے کہ زمین سے جو پیداوار حاصل ہو، جس پر پیداواری یا نمائی غرض سے زراعت کی جائے۔ لہٰذا لکڑی، گھاس، بانس، نرسل اور برگ خرما پر زکوٰۃ نہیں ہے، کیونکہ اس قسم کی اشیاء سے زمین میں نمو نہیں ہوتی، بلکہ کم ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر ان کو جدا کر کے ان سے نفع کمایا جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی، بشرطیکہ اس کی قیمت نصاب کو پورا کرتی ہو۔

زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ زمین پر فی الواقع زراعت ہوئی ہو بخلاف خراج کے کہ اس پر خراج اسی وقت واجب ہو جاتا ہے جب کہ زمین قابل زراعت ہو جائے (گو سر دست اس پر کھیتی نہ ہو)، اسی طرح ضروری ہے کہ زمین کا مالک زراعت کرنے کے قابل ہو، چنانچہ اگر کوئی شخص زمین پر زراعت کرنے کی قدرت تو رکھتا ہے، لیکن زراعت نہیں کرتا تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، لیکن خراج بہر حال واجب الادا ہے، کیونکہ اس زمین میں نما (افزونی) کی صلاحیت ہے۔ غرض وجوب زکوٰۃ کی شرط یہ ہے کہ زمین میں پیداواری نشو ونما ہو رہی ہو۔ بخلاف خراج کے کہ اس کے واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ زمین میں نمو کی صلاحیت پیدا ہوگئی ہو۔

زرعی پیداوار اور پھلوں پر زکوٰۃ کا حکم جب ہے کہ اس زمین میں بارش یا سیح (یعنی نالیوں) کے ذریعے آب پاشی ہوتی ہو۔ سیح سے مراد وہ پانی ہے جس کو نالی کے ذریعے بہا کر کھیت میں ڈالا جائے (اس صورت میں تو عشر واجب ہوگا)، لیکن اگر چرسے (یا رہٹ وغیرہ) کے ذریعے آب پاشی کی جائے تو اس پر عشر (دسویں حصے) کا نصف (۱/۲۰) واجب ہے۔ یہ زکوٰۃ ہر گونہ زمینی پیداوار پر واجب ہے، مثلاً گندم، جو، باجرا، جوار، نیز دوسری قسم کے دانے، سبزیاں، خوشبودار پھول گلاب، گنا، خربوزہ، کھیرا، ککڑی، بینگن، زعفران، کھجور اور انگور وغیرہ، خواہ وہ پھل دیرپا ہوں یا نہ ہوں اور تھوڑے ہوں یا بہت ہوں، ان کے لیے نہ نصاب کی شرط ہے اور نہ سال گزر جانے کی۔ پٹ سن، اس کے بیج، اخروٹ، بادام، زیرہ اور دھنیا پر بھی زکوٰۃ ہے اور ان پھلوں پر بھی جو جنگلی غیر مملوکہ درختوں سے چنے جائیں، جیسے پہاڑی علاقے کے درخت۔

ایسے دانوں پر زکوٰۃ نہیں ہے، جن کو زراعت (بونے) کے کام میں نہیں لایا جاتا، جیسے خربوزے اور مہندی کے بیج اور میتھی اور بینگن کے بیج۔ زمین سے اگنے والے، مثلاً کھجور کے درخت اور دوسرے اشجار پر زکوٰۃ نہیں ہے اور نہ ان اشیاء پر زکوٰۃ ہے جو درختوں سے پھوٹ کر نکلتی ہیں، جیسے گوند اور تارکول، کیلے پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے اور کھیتی باڑی کی محنت پر جو خرچ کیا جاتا ہے وہ کاشت کار کے ذمہ ہے، لہٰذا جو کچھ بھی پیداوار ہو، اس پر زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ ان اخراجات کو اس کی پیداوار سے وضع نہیں کیا جائے گا۔ اگر کھڑے کھیت کو تیار ہونے سے پہلے فروخت کر دیا گیا تو اس کی زکوٰۃ خریدار پر واجب ہوگی اور دانہ پک جانے کے بعد بیچا تو اس کی زکوٰۃ بیچنے والے کے ذمہ ہے۔ پھل دار درخت کی زکوٰۃ اس وقت واجب ہو گی جب اس میں پھل لگ جائیں اور ان کے خراب ہونے کا اندیشہ نہ رہے، بایں طور کہ وہ ایسے ہو جائیں کہ ان کو کام میں لایا جا سکے۔ پھر ان پر جو واجب ہوگا وہ کاٹنے کے وقت نکالا جائے۔ البتہ غلے کی زکوٰۃ کا وقت وہ ہے جب کہ اسے تولا اور صاف کیا جائے۔ اگر مالک کے اپنے کسی عمل کے بغیر حاصل شدہ پیداوار (از خود) تلف ہو جائے تو اس کی زکوٰۃ بھی ساقط ہو جائے گی یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ اس کا توڑنا ناگزیر ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ زرعی پیداوار اور پھلوں پر زکوٰۃ واجب ہونے کی تین مزید شرطیں ان کے علاوہ ہیں جو پہلے بتائی گئیں:

Marfat.com

پہلی شرط یہ ہے کہ اس کو بغیر مجبوری کے بطور خوراک استعمال کیا جا سکے، جیسے گندم، جو، چاول، مکی، مسور، چنا، لوبیا اور باجرہ۔ اگر وہ خوراک کے کام میں نہیں لائی جا سکتی، جیسے میتھی، دھنیا، السی تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ یہی حکم ایسی اشیاء کا ہے جن کو تنگی یا مجبوری کی حالت میں کھانا پڑے، جیسے ''تُرمُس'' (ایک تلخ بیج ہے جسے بھگو کر کھا لیا جاتا ہے)۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ (غلہ یا پھل) کسی خاص شخص کی ملکیت ہو، لہٰذا مساجد کے لئے وقف شدہ اشیاء پر بقول صحیح زکوٰۃ نہیں ہے، کیونکہ وہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتیں۔ اسی طرح صحرائی مباح درختوں کی پیداوار پر زکوٰۃ نہیں ہے، جب کہ وہ کسی کی ذاتی ملکیت میں نہ ہوں۔

تیسری شرط یہ ہے کہ نصاب پورا ہو گیا ہو یا نصاب سے زیادہ ہو، پھلوں میں سے انگور اور کھجور کے علاوہ کسی اور پھل کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، لہٰذا شفتالو (آڑو)، زرد آلو (خوبانی)، اخروٹ، بادام اور انجیر پر زکوٰۃ نہیں ہے اور جب انگور یا کھجور رنگ پکڑ لے یا اس کا چھلکا رنگین اور کھانے کے قابل ہو جائے یا کھیت کے دانے سخت پڑ جائیں اور وہ تیار ہونے پر آ جائے تو اس کی زکوٰۃ نکالنے سے پہلے، خواہ بطور صدقہ ہی کے نکالی جائے، اس کو کھانا مالک پر حرام ہے۔ اسی بناء پر زکوٰۃ نکالنے سے پہلے لوبیا یا ہرے دانوں کا کھانا یا کٹائی کرنے والوں کو اجرت میں دینا بقول معتمد حرام ہے۔

زرعی پیداوار اور پھلوں پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہے جب ان کا نصاب پورا ہو جائے اور نصاب تخمیناً پانچ اوساق (۵ بارِ اشتر) کے برابر مقدار ہے۔ اس سے زیادہ ہو تو اسی حساب سے زکوٰۃ دی جائے۔ اس سے کم مقدار پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

واضح ہو کہ ایک ''وسق'' ساٹھ ''صاع'' کا ہوتا ہے اور ایک صاع چار مد کا۔ ایک مد سوا بغدادی رطل کے برابر ہوتا ہے (ایک رطل ۴۰ تولے کا ہوتا ہے)۔ موجودہ مصری پیمانہ کی رو سے نصاب کی مقدار چار ردبے اور دو کیلو ہے (ایک ردب ۴۰ صاع کا ہوتا ہے)۔

یہ احکامات اس صورت میں ہیں جب کہ غلہ مٹی اور گرد سے خالی اور چھلکے بھوسی سے صاف ہو۔ اگر ایسا غلہ ہے جسے چھلکے سمیت ذخیرہ کیا جاتا ہے، جیسے دھان ہے، یا اناج میں کوڑا کرکٹ مٹی وغیرہ ہو تو نصاب کی مقدار متعین کرنے کے لیے اس کو علیحدہ کر کے خالص دانہ کا لحاظ کیا جائے گا اور یہ ضروری ہے کہ غلہ کی ایک ہی جنس سے نصاب کو پورا کیا جائے۔ نصاب کو پورا کرنے کے لئے گندم اور جو کو ملانا نہ چاہیے۔ اسی طرح کسی ایک قسم کو دوسری قسم کے اناج سے نہ ملایا جائے۔ نیز سال حال کی پیداوار کو پچھلے سال کی پیداوار سے ملا کر نصاب پورا نہ کیا جائے۔ ہاں اگر ایک ہی سال میں دو فصلیں لی جائیں مثلاً چاول کی فصلی پیداوار کو جو گرمی کے موسم میں ہوتی ہے، آب نیل سے پیدا ہونے والی چاول کی غیر فصلی پیداوار سے باہم ملا کر نصاب کو پورا کیا جا سکتا ہے، کیونکہ ان دونوں فصلوں کے درمیان پورے ایک سال کا فاصلہ نہیں ہوتا۔ سال سے مراد چاند کے بارہ مہینے ہیں۔ (سال کا حساب) غلہ کی صورت میں فصل کاٹنے کے وقت اور پھلوں کی صورت میں پھل لگ جانے کے وقت سے لگایا جائے گا۔ یہی حکم انگور کا ہے کہ جو کچھ شروع میں اتارا گیا اس کو آخر میں اتارے ہوئے انگوروں کے ساتھ ملا لیا جائے گا۔ لیکن کھجور جو سال میں دو بار پھل دیتا ہے، اگر پہلی بار میں نصاب پورا ہو جائے تو اس کی زکوٰۃ نکالی جائے ورنہ دوسری بار کے کھجوروں کو ملا کر نصاب پورا نہ کیا جائے اور زکوٰۃ جس کا نکالنا واجب ہے وہ کھیتی اور اس کی مدت

Marfat.com

قیام کے مختلف ہونے کے لحاظ سے مختلف ہوگی۔اس کا انحصار آبپاشی کے متعدد ہونے پر نہیں ہے۔پس اگر زراعت یا نخل (درخت خرما) کو بارش یا نالے کے پانی سے جس میں آلات کا استعمال نہ کیا گیا ہو سینچا گیا یا اس کی جڑ پانی سے از خود سیراب ہوئی جیسے بارانی زمین ہوتی ہے تو اس کا عشر (دسواں حصہ) واجب ہے۔لیکن اگر چرسے یا ڈھیکلی کے ذریعہ یا خریدے ہوئے پانی سے آبپاشی کی گئی تو اس پر دسویں حصہ کا نصف (یعنی ۱/۲۰) زکوٰۃ نکالی جائے، کیونکہ اس طرح زراعت پر بار زیادہ پڑتا ہے۔اگر دونوں طرح کے ذرائع آبپاشی سے کام لیا گیا بایں طور کہ نصف زمین تو بارش کے پانی سے سیراب ہو اور باقی نصف اراضی رہٹ سے تو اس حالت میں ایک عشر کا تین چوتھائی نکالا جائے، اگر چہ آبپاشی کی تعداد مختلف ہو۔اس واسطے کہ زکوٰۃ کے بارے میں زراعت کی مدت کو دیکھا جائے گا، آبپاشی کی تعداد کو نہ دیکھا جائے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ زرعی اجناس اور پھلوں کی زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے شرائطِ سابقہ کے علاوہ دو مزید شرطیں ہیں: ایک یہ کہ وہ شے ذخیرہ کرنے کے قابل ہو، دوسری یہ کہ زکوٰۃ واجب ہونے کے وقت اس کی مقدار نصاب پورا کرتی ہو اور اس باب میں نصاب کی مقدار دونوں قسم کی اشیاء کو چھلکوں اور بھوسی سے صاف کرنے اور کھجور اور اس کا چھلکا خشک ہونے کے بعد پانچ وسق ہے اور پانچ وسق تین سو صاع یعنی ۱۴۲۸ $\frac{۴}{۷}$ مصری رطل کے برابر ہوتا ہے۔زکاتی اشیاء دانے کی شکل میں ہوں یا کسی اور شکل میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور خواہ غذائی اشیاء ہوں یا نہ ہوں، جیسے گندم، لوبیا اور رشاد (جا سر۔ایک قسم کی نبات) کے بیج یا مولی کے بیج، رائی کے بیج، زعتر، (کاہو، ایک قسم کی سبزی)۔اور اشنان (گوبھی جیسی ایک سبزی) یا خاص درخت کے پتے، مثلاً بیری یا مہندی کے پتے اور مثلاً کھجور، کشمش، بادام، پستے یا بندق (ایک درخت کا پھل)۔لیکن عناب اور زیتون پر زکوٰۃ نہیں ہے۔اسی طرح ناریل، انجیر، توت اور دوسرے میوہ جات، گنا، شلجم، کرم کلا، پیاز، مولی، ورس (ایک قسم کی زعفرانی گھاس)، نیل، حنا، نارنگی، کپاس، پٹ سن، زعفران، گل خیرو، (پر بھی نہیں ہے) کیونکہ ان اشیاء میں پہلی شرط (قابل ذخیرہ ہونا) نہیں پائی جاتی۔مسور (بن دھلے) اور چاول (دھان) جن کو چھلکوں سمیت ذخیرہ کیا جاتا ہے، ان کا نصاب چھلکوں سمیت دس وسق ہے، کیونکہ اخبار سے اسی طرح ثابت ہے۔ان دونوں اشیاء کے علاوہ دوسری اشیاء کی مقدار کا اندازہ چھلکوں کے ساتھ لگانا جائز نہیں ہے اور نہ صاف کرنے سے پہلے ان کی زکوٰۃ نکالنا جائز ہے اور ان اشیاء کی مقدار کا پیمانوں سے اندازہ لگانے میں ایسی شے پیش نظر ہوگی جو وزن میں اوسط درجہ کی ہو، جیسے مسور یا گندم، پس ہلکی اشیاء اگر پیمائش کی رو سے وزن میں تقریباً اتنی ہی ہو جائیں (جتنی مسور یا گندم) تو زکوٰۃ واجب ہوگی گو وزن میں ان کے برابر نہ ہوں، کیونکہ وہ پیمانہ میں بھاری اشیاء کے برابر ہیں۔وزنی اجناس اگر وزن میں نصاب کے برابر ہوں، لیکن پیمانے کے اعتبار سے نہ ہوں تو زکوٰۃ ان پر نہ ہوگی۔ایک ہی قسم کی زراعتی اجناس اگر ایک ہی سال کی پیداوار ہیں یا ایک ہی سال کی کھجوریں ہیں تو ان کو باہم ملا کر نصاب پورا کیا جائے گا۔بشرطیکہ وہ ایسے درخت کی پیداوار ہوں جو سال میں دو بار پھل دیتے ہیں۔زرعی اجناس اور پھلوں کی زکوٰۃ جو آسمانی بارش سے سیراب ہوں، ایک عشر (دسواں حصہ) ہے۔اگر ان کو آلات سے سیراب کیا گیا ہو تو نصف عشر (۱/۲۰) زکوٰۃ ہوگی۔اگر آدھی اراضی بارش کے پانی سے اور باقی نصف آلات کے ذریعے سیراب ہوئی ہو تو اس کی زکوٰۃ عشر کا تین چوتھائی حصہ (یعنی ۷۵ فیصدی) ہوگی۔اگر ان کی آبیاری متفرق طریقہ سے ہوئی ہو تو (زکوٰۃ کے لئے) وہ صورت اختیار کی جائے گی جس میں زراعت کو فائدہ پہنچے۔اگر یہ

Marfat.com

اندازہ نہ لگایا جاسکے (کہ کتنی پیداوار بارش سے اور کتنی بغیر بارش کے ہوئی) تو احتیاطاً ایک عشر ہی زکوٰۃ نکال دینا چاہیے اور دانوں کی زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب کہ وہ دانے اتنے سخت ہو جائیں کہ انہیں نکال کر ذخیرہ کیا جاسکے۔ پھلوں کی زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جبکہ ان میں پختگی کے آثار پیدا ہو جائیں اور کھانے میں اچھے لگیں۔ ایسی حالت ہو جانے کے بعد کسی شخص نے اگر اس کو خود ضائع کر دیا یا فروخت کر دیا تو محتاجوں کا حق ادا کرنے کی ذمہ داری اس پر رہے گی۔ اگر اس کی اپنی زیادتی کے بغیر وہ از خود تلف ہو گیا تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، بشرطیکہ اس جنس کو کھلیان میں (یا گاہنے کی جگہ پر) نہ لایا گیا ہو۔ اگر وہ جنس وہاں پر لانے کے بعد تلف ہوئی تو محتاجوں کے حق کا ذمہ دار ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ کھیتی یعنی زرعی پیداوار اور پھلوں کی زکوٰۃ واجب ہے اور اس کے واجب ہونے کا وقت وہ ہے جب کہ وہ کھیتی تیار ہو جائے یا وہ پھل کھانے کے قابل ہو جائیں۔ امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کھجور کا درخت لد جائے اور انگور کا گچھا تیار ہو جائے اور زیتون کالا ہو جائے یا مائل بہ سیاہی ہو جائے اور کھیتی (کے دانے) جھڑنے لگیں اور آب پاشی کی ضرورت نہ رہے تو (اس وقت) زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے اور چونکہ زکوٰۃ دانہ یا پھل تیار ہونے کے بعد ہی واجب ہو جاتی ہے اس لئے اگر ایسے دانوں کو جو جھڑنے لگے ہوں یا کھجور اور انگور جو گدرائے ہوئے ہوں یا ان میں مٹھاس پیدا ہو گئی ہو کھا لئے جائیں تو ان کو زمینی پیداوار میں شمار کر لیا جائے گا اور ان کا اندازہ لگا کر زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ اگر اس طرح زکوٰۃ نکالی جائے تو ان کا استعمال جائز ہوگا۔ اسی طرح (زکواتی اشیا) جو ہوا سے جھڑ جائیں، اگر ان کا فراہم کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہو، یا کسی شخص کو تحفۃً دیا جاسکے یا جانوروں کو کھلایا جاسکے یا غلہ کاٹنے والوں کو اجرت میں دیا جائے تو اس کا حساب لگایا جائے۔ ہاں اگر اس کو پرندے یا ٹڈیاں کھا جائیں تو اس کو پیداوار میں شمار نہ کیا جائے گا۔ اسی طرح جو گرمی یا ٹھنڈ میں جھلس کر تلف ہو جائے یا کسی آسمانی تباہی کا شکار ہو جائے (تو اس کو بھی پیداوار میں شمار نہ کیا جائے گا) اور اس جنس کو بھی جسے گاہنے کے وقت جانور کھا جائیں۔

واضح ہو کہ زکوٰۃ واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ پیداوار نصاب کی مقدار پوری کر لے۔ زرعی پیداوار کا نصاب پانچ وسق ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: "ليس فی حب ولا تمر صدقة حتى تبلغ خمسة اوسق" (یعنی دانوں (اناج) میں اور کھجور میں صدقہ نہیں ہے جب تک کہ پانچ وسق کی مقدار نصاب نہ ہو جائے)۔ آنحضرت ﷺ نے ایک وسق کی مقدار ساٹھ صاع کے برابر بتائی ہے جو ان دنوں مدینہ میں رائج تھا اور ایک صاع پانچ اور ایک تہائی (۵ ۱/۳) عراقی رطل کے برابر ہوتا ہے اور پیمانے میں پانچ مد بموجب مدنی ﷺ کے ہوتا ہے اور ایک مدتین مصری (قدح) پیالے کے برابر ہے لہٰذا ایک صاع مصری ایک قدح اور دو تہائی (۱ ۲/۳) قدح کے برابر ہوگا اور مصری پیمانے کی رو سے نصاب چار اردب اور ایک ویبہ (دو کیلو) کا ہوتا ہے اور تازہ پھل جب کہ سر دست وہ خشک نہ ہوں ان کی مقدار کا اندازہ خشک ہونے کے اعتبار سے لگایا جائے گا اور اس مقدار میں ردی کھجور کو شامل نہ کیا جائے گا۔ خالص دانے جن پر چھلکا نہ ہو اور انہیں بغیر چھلکے کے ذخیرہ کیا جاسکے، جیسے پھلی کا اوپری چھلکا، حساب میں نہیں آئے گا، البتہ وہ چھلکا جس کے ساتھ اس کا ذخیرہ کیا جاسکتا ہے، جیسے دانوں کا چھلکا اس کو دانہ میں محسوب کیا جائے گا۔ اس کا چھلکے سے خالی ہونا ملحوظ نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ اناج اور پھلوں کی زکوٰۃ اسی صورت میں واجب ہوگی جب کہ وہ بویا گیا ہو یا اس کا پودا لگایا گیا ہو، خواہ خراجی زمین میں ہو یا نہ ہو، لیکن جو (بویا یا لگایا نہیں گیا، بلکہ) از خود پہاڑوں میں یا مباح (اراضی غیر مملوکہ) میں پیدا ہوا

Marfat.com

اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، جس کے ہاتھ وہ لگ جائے وہی اس کا مالک ہے۔
زکوٰۃ حسب ذیل بیس اقسام کی اشیاء پر واجب ہے: گندم، جو، سلت (ایک قسم کا جو جس میں چھلکا نہیں ہوتا) اور علس (ایک قسم کی گندم جس کے ہر چھلکے میں دو دانے ہوتے ہیں اور یمن کے علاقہ صنعا کے لوگوں کی غذا ہے) اور چاول، باجرا (یا کنگنی)، مکئی اور سات پھلی کے اندر پیدا ہونے والے دانے، جیسے فول (سیم) لوبیا، چنا، علس (مونگرا)، مسور، ترمس (ایک قسم کا تلخ بیج) بسلہ (ایک قسم کی پھلیاں) اور مٹر، نیز چار روغنی بیج یعنی زیتون، تل، دانہ عصفر اور سرخ مولی کے بیج اور دو قسم کے پھل یعنی کھجور اور کشمش (یا منقیٰ)۔ان کے علاوہ اور کسی شے پر زکوٰۃ نہیں ہے، بجز اس صورت کے جب کہ وہ مال تجارت ہو۔ایسی صورت میں اس کی قیمت لگا کر زکوٰۃ نکالی جائے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔
بیجوں، کھجور اور روغنی زیتون پر نصاب پورا ہونے پر نصف عشر واجب ہے، اگر چہ اس میں تیل پیدا نہ ہوا ہو اور اس صورت میں بھی نصف عشر ہے جب کہ آلات سے آبپاشی کی گئی ہو۔اگر بارش کے پانی یا نالیوں سے آبپاشی کی گئی تو عشر واجب ہوگا۔اراضی میں لگایا گیا بارش کا پانی اگر قیمتاً لیا گیا ہو یا آلات کے بغیر اس کو اراضی تک پہنچانے کی مزدوری دی گئی ہو تب بھی اس پر عشر واجب ہوگا۔اگر آلات کے ذریعہ اور بغیر آلات کے دونوں طرح سے آبپاشی کی گئی ہو تو دیکھا جائے گا کہ دونوں طرح کی آبیاری میں یکساں یا تقریباً یکساں عرصہ لگا تو آدھی پیداوار سے عشر اور آدھی سے نصف عشر نکالا جائے، یعنی مجموعی طور پر دسویں حصہ کا تین چوتھائی (ساڑھے سات فیصدی) نکالا جائے گا۔اگر ان دونوں طریقوں میں سے کسی کی مدت ایک تہائی یا اس کے قریب ہو تو (اس صورت میں) یہ کہا جاتا ہے کہ جس طریق آبپاشی کی مدت زیادہ ہے اسی لحاظ سے پوری پیداوار کی زکوٰۃ نکالی جائے گی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دونوں کا حساب جدا جدا لگا کر زکوٰۃ دی جائے۔پس اگر دو تہائی عرصہ میں آلات استعمال کئے بغیر اور ایک تہائی عرصہ میں آلات کے ذریعے آبپاشی کی گئی تو دو تہائی کا عشر اور ایک تہائی کا نصف عشر نکالا جائے۔غرض پہلے قول کے مطابق اگر تمام پیداوار کو ملا کر نصاب پورا ہو جائے تو تمام پیداوار سے عشر نکالا جائے گا اور ایک قسم کی جنس کو دوسری قسم کی جنس سے اس طرح ملا کر نصاب پورا کیا جا سکتا ہے۔پھلیوں والی اجناس ہفتگانہ متذکرہ سابقہ کو زکوٰۃ کے بارے میں ایک ہی جنس قرار دیا گیا ہے۔لہٰذا ان سب کا مجموعہ اگر نصاب پورا کرے یا نصاب سے زیادہ ہو جائے تو سب کی زکوٰۃ دی جائے اور ہر قسم کی زکوٰۃ اس کی اپنی مقدار کے مطابق نکالی جائے۔اسی طرح گیہوں، جو اور سلت (ایک قسم کا جو) زکوٰۃ کے حق میں ایک ہی جنس شمار ہوں گے، یعنی اگر ان سب کو ملا کر نصاب پورا ہو جائے تو سب کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور ہر ایک کی زکوٰۃ اس کی مقدار کے مطابق نکالی جائے گی اور مذکورہ اشیاء کو باہم ملا کر نصاب پورا کرنے کی شرط یہ ہے کہ جس جنس کو ملایا گیا ہے کے قابل درو ہونے سے پہلے بویا گیا ہو، ایسا نہ ہو تو نہ ملایا جائے اور ایک شرط یہ بھی ہے کہ پہلی جنس کے دانے اس وقت تک موجود ہیں جب کہ دوسری جنس کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ واجب ہوئی ہے۔اجناس بست گانہ میں سے ان کے علاوہ باقی اقسام جو ہیں ان کو (تکمیل نصاب کے لئے) نہیں ملایا جائے گا، جیسے چاول، مکئی، علیس (ایک قسم کی گندم) کھجور اور کشمش کہ ان میں سے ہر ایک کا جداگانہ طور پر حساب لگایا جائے۔اگر نصاب پورا ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی، ورنہ نہ ہوگی۔لہٰذا چاول کو مکئی کے ساتھ اور کھجور کو کشمش کے ساتھ ملا کر نصاب پورا نہ کیا جائے گا۔اسی طرح مثلاً فول (سیم) کو گندم کے ساتھ اور مسور کو جو کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا، البتہ ایک جنس کی مختلف قسموں مثلاً طرح طرح کی

Marfat.com

مصارف زکوٰۃ کا بیان

مصارف زکوٰۃ کی آٹھ قسمیں ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: ''انما الصدقات للفقرآء والمساکین والعاملین علیها والمئولفة قلوبهم وفی الرقاب و الغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل '' (یعنی زکوٰۃ کے حقدار ہیں فقیر، مسکین، زکوٰۃ کے کارندے اور جن کے دلوں کو ملانا مقصود ہو، اور غلامی سے گردن چھڑانے کے لیے، اور جہاد پر جانے والوں کے لیے، اور غریب الوطن)۔ اب ان اقسام میں سے ہر ایک کی تعریف اور ان کے متعلقہ احکامات کی تفصیل بموجب مسالک مختلفہ ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔(۱)

کھجوروں کو ملایا جا سکتا ہے۔ پس اگر کسی کے پاس دو طرح کی کھجوریں ہیں، یعنی عمدہ قسم کی اور گھٹیاں قسم کی اور یہ دونوں کو ملا کر نصاب پورا ہوتا ہے تو سب کی زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ اگر عمدہ، درمیانہ اور گھٹیا قسم کی کھجوریں ملا کر نصاب پورا ہو تو زکوٰۃ میں درمیانہ درجہ کی نکالی جائیں، تاہم اگر عمدہ قسم کی کھجور زکوٰۃ میں نکالی جائے تو بہت بہتر ہے، لیکن گھٹیا قسم کی کھجور کو زکوٰۃ میں دینا جائز نہیں ہے، نہ تو خود اپنی طرف سے اور نہ کسی اور کی جانب سے۔ اگر خام کھجور پکنے پر آجائے، یعنی اس کا رنگ سرخ یا زرد ہونے لگا یا انگور میں مٹھاس پیدا ہونے لگے اور مالک اس میں سے کچھ کھانا یا فروخت کرنا یا کسی کو تحفتاً دینا چاہے تو لازم ہے کہ پہلے کسی منصف واقف کار سے یہ اندازہ لگوا لیا جائے کہ انگور کی بیل یا خرما کے درخت پر لگے ہوئے پھل کی مقدار خشک ہونے کے بعد کتنی ہوگی، یعنی ''بلح'' (نیم پختہ کھجور) پک جانے کے بعد اور انگور خشک ہونے پر کس مقدار میں اتریں گے؟ اور یہ اندازہ ہر درخت کا جدا جدا لگایا جائے، تب اس کے بعد جس طرح جی چاہے تصرف میں لایا جا سکتا ہے۔ اب اگر خشک انگور (یا کشمش) اور کھجور کی مقدار نصاب کو پہنچ جائے، بشرطیکہ وہ دونوں ایسے ہوں کہ خشک ہو سکتے ہوں یا ان کی تری جاتی رہے یا پھر اگر بیچا جائے تو اس کی قیمت پر زکوٰۃ نکالی جائے یا اگر نہ بیچا جائے تو اس کی مالیت پر زکوٰۃ نکالی جائے، لہٰذا وصول شدہ یا تخمینی قیمت کا دسواں حصہ یا دسویں حصہ کا نصف اس قاعدہ سے جو بتایا گیا نکالا جائے، بشرطیکہ ان کی مقدار نصاب کو پورا کرے گو وصول شدہ قیمت یا تخمینی قیمت نصاب کو پورا نہ کرتی ہو۔ یہی حکم ہر قسم کی ایسی زرعی پیداوار اور پھل کا ہے جس میں خشک ہونے کی صلاحیت نہیں ہے کہ اگر بیچنے یا کھانے کی حاجت نہ ہو اور اسے فروخت کیا گیا تو اس کی قیمت وصول شدہ سے زکوٰۃ نکالی جائے، اگر فروخت نہ کیا جائے تو اس کی قیمت کا اندازہ لگا کر زکوٰۃ نکالی جائے۔ اسی طرح مقاری فول اور مصری تازہ کھجور اور انگور و زیتون (غیر روغنی) کی زکوٰۃ وصول شدہ قیمت یا تخمینی قیمت کے حساب سے دی جائے بشرطیکہ نصاب پورا ہو گیا ہو۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ''فقیر'' وہ ہے جس کے پاس نصاب سے کم مال ہو یا نصاب کے برابر ہو، لیکن اس کی ضروریات کے لیے کافی نہ ہو، یا کئی نصاب (کی مقدار مال) کا مالک ہونے پر اس کی ضروریات پوری نہ ہو سکتی ہوں۔ یعنی مقدار نصاب کا مالک ہونا فقیر کے زمرے سے خارج نہیں کرتا۔ اُس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور صاحبِ علم فقیر پر خرچ کرنا زیادہ بہتر ہے۔ ''مسکین'' وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور اسے گزارہ کرنے یا تن ڈھانکنے کے لئے سوال کرنا پڑے۔ ایسے شخص کو

Marfat.com

سوال کرنا حلال ہے، بخلاف ''فقیر'' کے کہ اگر اس کے پاس ایک دن کی خوراک اور تن ڈھانکنے کو کپڑا ہے تو اسے سوال کرنا حلال نہیں ہے۔

''عامل'' وہ ہے جسے زکوٰۃ اور عشر کی وصولیابی کے لئے امام (حکومت) نے مقرر کیا ہے۔ اس کو کام کی نوعیت کے مطابق اجرت دی جائے گی۔

''رقاب'' سے مراد مکاتب غلام ہیں (جن سے مالک نے مقررہ رقم کے عوض آزاد کرنے کا معاہدہ کیا ہو)۔

''غارمین'' وہ قرض دار ہیں جن کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ ادائے قرض کے بعد بمقدار نصاب مال کے مالک رہ سکیں۔ ایسے مقروض کو ادائے قرض کے لئے مال زکوٰۃ دینا ''فقیر'' کو دینے سے بہتر ہے۔

''فی سبیل اللہ'' سے مراد بقول صحیح ایسے حاجت منداشخاص ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے اپنے متعلقین کو چھوڑ کر نکلے ہوں۔

''ابن السبیل'' وہ ہے جو غریب الوطنی میں اپنے مال سے جدا ہو کر رہ گیا ہو۔ اس کو زکوٰۃ میں سے صرف حاجت کے مطابق دینا جائز ہے، اور بہتر یہ ہے کہ اسے قرض کے طور پر دیا جائے۔

''مؤلفۃ القلوب'' کو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں زکوٰۃ دینے سے روک دیا گیا تھا (لہٰذا مزید تفصیل کی ضرورت نہیں)۔ ادائے زکوٰۃ کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ ادائے زکوٰۃ کی نیت یا ادائے فریضہ کی نیت ہو۔

واضح ہو کہ مالک (مال زکوٰۃ) کو اختیار ہے کہ وہ اپنے مال کی زکوٰۃ ان تمام مستحقین کو جن کا ذکر آیت میں ہے تقسیم کرے یا ان میں سے بعض کو یا کسی ایک قسم کے مستحق کو ادا کرے۔ بہتر یہ ہے کہ اگر زکوٰۃ کی مقدار نصاب سے کم ہو تو صرف ایک ہی شخص کو دی جائے۔ اگر کسی شخص کو مقدار نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ دے دیا تب بھی جائز ہے لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔ ہاں اگر زکوٰۃ کا مستحق شخص قرض دار ہے تو مالک کے لئے جائز ہے کہ وہ اسے اس قدر دے کہ اس کا تمام قرضہ ادا ہو جائے، گو مقدار زکوٰۃ نصاب سے زیادہ ہو۔ اسی طرح مستحق زکوٰۃ اگر عیال دار ہے تو مقدار نصاب سے زیادہ زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ تاہم یہ خیال رہے کہ وہ مقدار اتنی ہو کہ اگر اس کے کنبہ کے لوگوں میں تقسیم کی جائے تو ان میں سے ہر ایک کو مقدار نصاب سے کم ہی ملے۔ ادائیگی قرض کی غرض سے زکوٰۃ دینے کی شرط یہ ہے کہ مستحق زکوٰۃ کو یہ کہہ دیا جائے کہ وہ اس مال زکوٰۃ کو ادائے قرض ہی کے کام میں لائے۔ اگر مالک مستحق زکوٰۃ کا قرض اس کے کہے بغیر خود ہی اپنے مال زکوٰۃ سے ادا کر دے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، البتہ قرض ادا ہو جائے گا اور مالک کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ زکوٰۃ اپنی اصل کو دے، یعنی باپ، دادا، پڑدادا وغیرہ کو اور نہ یہ جائز ہے کہ اپنی شاخ کو دے خواہ وہ نچلے کے درجے ہوں یعنی بیٹا، پوتا، پڑپوتا وغیرہ۔ اسی طرح بیوی کو زکوٰۃ دینا روا نہیں ہے، اگرچہ وہ زوجیت سے علیحدہ ہو کر عدت میں ہو اور بیوی کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ زکوٰۃ کا مال اپنے خاوند پر خرچ کرے۔ یہ حکم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ ہاں دوسرے رشتہ داروں میں زکوٰۃ تقسیم کرنا افضل ہے اور اس ترتیب سے زکوٰۃ دینا بہتر ہے: بھائی، بہن، پھر ان کی اولاد پھر ماموں اور خالائیں اور ان کی اولاد۔ اس کے بعد دوسرے رشتہ دار اور زکوٰۃ کا مال ایسے رشتہ داروں کو دینا جائز ہے جن کے بسر اوقات کا بار اس پر ہے، بشرطیکہ وہ زکوٰۃ نفقہ واجب الادا میں محسوب نہ کی جائے۔ مال زکوٰۃ کا مسجد یا مدرسہ کی تعمیر یا مصارف حج و جہاد یا سڑکوں کی مرمت، پانی کی بہم رسانی یا پل کی تعمیر وغیرہ نیز میت کی تجہیز و تکفین میں اور ہر ایسی شکل میں جس میں مستحق زکوٰۃ کو

Marfat.com

مالک نہ بنایا گیا ہو صرف کرنا جائز نہیں ہے اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے مستحق کو (مال زکوٰۃ کا) مالک بنا دینا ایک رکن ہے۔ زکوٰۃ ہر ایسے شخص کو دی جا سکتی ہے کہ جس کے پاس مقدار نصاب سے کم مال ہو اگر چہ وہ شخص تندرست اور کمائی کرنے کے قابل ہو۔ جو شخص اپنی حاجات ضروریہ مثلاً گھر، اثاث البیت، کپڑے، خادم سواری اور ہتھیار کے علاوہ قدر نصاب مال کا مالک ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ کسی مال دار کے بالغ لڑکے کو جو فقیر (محتاج) ہو زکوٰۃ دینا جائز ہے لیکن اس کے چھوٹے (نابالغ) لڑکے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح مالدار کی بیوی کو جو محتاج ہو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ نیز تنگ دست باپ کو بھی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے جس کا بیٹا صاحب مقدور ہو۔ مال زکوٰۃ کا ایک شہر سے دوسرے شہر میں لے جانا مکروہ ہے بجز اس صورت کے جبکہ کسی رشتہ دار کو دینا ہو یا ایسے لوگوں کو جو اس کے اہل شہر سے زیادہ زکوٰۃ کے محتاج ہوں۔ ایسی صورت کے علاوہ اگر زکوٰۃ منتقل کی گئی تو جائز ہے مگر ایسا کرنا مکروہ ہے اور دوسری جگہ زکوٰۃ کا منتقل کرنا اسی حالت میں مکروہ ہے جبکہ زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد نکالی گئی ہو۔ اگر واجب ہونے سے پہلے ہی نکالی گئی ہو تو اس کے منتقل کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ ادائے زکوٰۃ کے لئے اس جگہ کو ملحوظ رکھا جائے گا جہاں پر مال زکوٰۃ ہے، یہاں تک کہ اگر مالک کسی اور شہر میں ہے اور مال (قابلِ زکوٰۃ) کسی دوسرے شہر میں تب بھی زکوٰۃ وہیں پر تقسیم کی جائے جہاں مال ہے۔ اگر زکوٰۃ کا مال رشتہ داروں کے بچوں کو یا کسی خوشخبری دینے والے کو انعام وغیرہ میں دیا جائے تو جائز ہے۔ اسی طرح محتاج مردوں اور عورتوں کو اجتماعات (تقاریب) اور عید کے موقع پر مال زکوٰۃ میں سے دیا جائے تو جائز ہے۔ البتہ ذمیوں کو مال زکوٰۃ کے بغیر صدقہ کے طور پر دیا جا سکتا ہے۔

واضح ہو کہ زکوٰۃ بنی ہاشم پر حلال نہیں ہے، بخلاف نفلی صدقات اور مال وقف کے (کہ یہ دیا جا سکتا ہے)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ''فقیر'' وہ ہے جس کے پاس عام ضروریات سے کم مال ہو، ایسے شخص کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے، اگر چہ وہ نصاب کا مالک ہو، اور خود اس پر اپنے نصاب کی زکوٰۃ واجب ہو، وہ شخص ''فقیر'' کے زمرہ میں نہیں ہے جس کا نفقہ کسی اور پر واجب ہو اور وہ شخص مال دار ہو اور اس کا نفقہ دینے کے قابل ہو۔ اور نہ یہ جائز ہے کہ ایسے شخص کے محتاج باپ کو زکوٰۃ دی جائے گو وہ شخص اپنے باپ کی خبر نہ لیتا ہو کیونکہ باپ کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے بیٹے سے نفقہ کا مطالبہ حاکم کے پاس درخواست دے کر لے۔ البتہ اگر کوئی شخص کسی محتاج کو نفلی طور پر نفقہ دیتا ہو بغیر اس کے کہ یہ اس پر واجب ہو تو جائز ہوگا کہ وہ مال زکوٰۃ سے اس کو نفقہ دے۔ اگر کوئی شخص ایسا ہنر جانتا ہے جس سے کافی روزی کما سکے، یا اس کو (بسر اوقات کے لیے) وظیفہ ملتا ہو تو ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر اس کا وظیفہ بسر اوقات کے لیے کافی نہیں ہے تو اس کو زکوٰۃ میں سے اتنا دیا جا سکتا جو اس کے لیے کافی ہے۔

''مسکین'' وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، لہٰذا یہ فقیر سے زیادہ حاجت مند ہوتا ہے۔ اور فقیر و مسکین (کے مستحق زکوٰۃ ہونے) کی تین شرطیں ہیں: آزاد ہونا، مسلمان ہونا اور ان میں سے کسی کا ہاشم بن عبد مناف کی نسل سے نہ ہونا، درآنحالیکہ انھیں بیت المال سے اتنا مل جاتا ہو جو ان کی بسر اوقات کے لیے کافی ہو۔ اور (اس باب میں) صحیح ترین قول یہ ہے کہ ان کو دیا جائے تا کہ وہ فقیری میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اور مُطلب برادر ہاشم کی اولاد کا شمار آل نبی ﷺ میں نہیں ہے، لہٰذا ان کو زکوٰۃ حلال ہے۔ ہاں نفلی صدقات بنی ہاشم اور دوسروں کو حلال ہیں۔

''مؤلفۃ القلوب'' سے مراد وہ کافر ہیں جنھیں اسلام کی جانب راغب کرنے کے لیے مال عطا کیا جائے، اگر چہ وہ بنی

Marfat.com

ہاشم میں سے ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ ان سے مراد وہ مسلمان ہیں جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہوں۔ انہیں زکوٰۃ میں سے دیا جا سکتا ہے کہ ان کے دلوں میں ایمان جڑ پکڑ لے۔ اس دوسرے قول کے مطابق (مؤلفۃ القلوب کو) خیرات دینے کا حکم ہنوز باقی ہے اور اب بھی ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ اول الذکر تفسیر کی رو سے اس حکم کے باقی رہنے یا نہ رہنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب بھی کافروں کو اسلام کی جانب رغبت دلانے کی ضرورت محسوس ہو تو زکوٰۃ کا مال انھیں دیا جا سکتا ہے، ورنہ نہیں۔

''عامل زکوٰۃ'' وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کے محصّل مقرر کیے جائیں۔ ان میں منشی اور تقسیم زکوٰۃ کرنے والے اور مالکانِ مویشی کو وصولی زکوٰۃ کے لیے اکٹھا کرنے والے اہلکاروں کو مال زکوٰۃ میں سے اجرت دی جا سکتی ہے، خواہ وہ مال دار ہوں، کیونکہ یہ ان کو بصلۂ خدمت دیا جائے گا نہ کہ بر بنائے فقیری، اگر محتاج بھی ہوں تو اس کے وہ دو طرح سے مستحق قرار پائیں گے۔

واضح ہو کہ زکوٰۃ کا لینا ان شرائط پر درست ہوگا کہ لینے والا آزاد ہو، مسلمان ہو اور ہاشمی نہ ہو۔ اور کسی کا اس کام (وصولی زکوٰۃ) پر مامور ہونا اسی صورت میں درست ہوگا جبکہ کوئی شخص انصاف پسند اور احکام زکوٰۃ سے واقف ہو، لہٰذا کسی کافر یا فاسق یا مسائل زکوٰۃ سے ناواقف شخص کو اس کام پر مامور نہ کیا جائے۔ تاہم اگر بادشاہ اس کام پر کسی غلام یا ہاشمی کو مقرر کر دے تو اس کا تقرر نافذ ہوگا لیکن اس کی اجرت (یا تنخواہ) بیت المال سے دی جائے گی، زکوٰۃ سے نہیں دی جائے گی۔

''فی الرقاب'' سے مراد یہ ہے کہ مسلمان غلام کو مال زکوٰۃ سے خرید کر آزاد کیا جا سکتا ہے اور اس کے والی مسلمان ہوں گے، لہٰذا اگر وہ لاوارث مر جائے تو اس کا مال مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا۔

''غارم'' وہ قرض دار ہے جس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ وہ اپنا قرض ادا کر سکے تو ایسے شخص کا قرض مال زکوٰۃ سے ادا کیا جا سکتا ہے اگر چہ اس کے مرنے کے بعد ادا کیا جائے، بشرطیکہ وہ مقروض آزاد، مسلمان ہو اور ہاشمی نہ ہو اور اس نے کسی بری بات کے لیے مثلاً شراب پینے کے لیے قرض نہ لیا۔ بصورت دیگر اس کا قرض ادا کرنے کے لیے مال زکوٰۃ نہ دیا جائے۔ ہاں اس نے توبہ کر لی ہو (تو اور بات ہے)۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ قرضہ جو اس پر ہے وہ کسی شخص کا ہو، اگر اللہ کا قرض اس کے ذمہ ہے تو اس کی ادائیگی مال زکوٰۃ سے نہیں کی جائے گی۔ مجاہد کو مال زکوٰۃ دیا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ آزاد اور مسلمان ہو اور ہاشمی نہ ہو، اگر چہ وہ غنی ہو جاسوس بھی مجاہدوں کے زمرہ میں ہے گو وہ کافر ہو۔ اگر جاسوس مسلمان ہو تو اس کے (استحقاق زکوٰۃ کے لیے) اس کا آزاد ہونا اور ہاشمی نہ ہونا شرط ہے، کافر ہو تو صرف آزاد ہونا شرط ہے۔ مال زکوٰۃ سے ہتھیار اور گھوڑوں کا خریدنا درست ہے۔ جہاد کے گھوڑوں کی خوراک بیت المال سے دینی چاہیے۔

''ابن السبیل'' وہ غریب الوطن ہے جس کو اپنے وطن پہنچنے کے لیے مال کی احتیاج ہے، ایسے شخص کو زکوٰۃ سے دیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ آزاد اور مسلمان ہو اور ہاشمی نہ ہو اور نہ معصیت کے لیے مثلاً ڈاکہ ڈالنے کے لیے وطن سے سفر کیا ہو۔ اور جب یہ شرطیں اس میں پوری ہوں تو وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے اگر چہ وہ اپنے شہر میں مال دار ہو، اور کوئی شخص ایسا نہ ہو جو اسے وطن تک جانے کے لیے قرض دے سکے۔ اگر ایسا ممکن ہو تو اسے مال زکوٰۃ میں سے نہیں دیا جائے گا اور وہ ایسا ہے

Marfat.com

جیسے وہ شخص جوان شرائط میں سے کوئی ایک شرط پورا نہ کرتا ہو۔ اور صحت زکوٰۃ کے لیے یہ واجب ہے کہ زکوٰۃ دینے والا یہ نیت کرے کہ اس قدر مال میں بطور زکوٰۃ دے رہا ہوں، یہ نیت اگر زکوٰۃ نکالنے کے وقت نہیں کی گئی تو زکوٰۃ دینے کے وقت کرنی چاہیے۔ اگر نکالنے کے وقت یہ نیت کر لی تھی کہ یہ مال زکوٰۃ ہے تو کافی ہے (دینے کے وقت نیت ضروری نہیں)۔ اگر مطلق نیت نہیں کی گئی تو جو کچھ اس نے نکالا اس کا شمار زکوٰۃ میں نہ ہوگا۔ اور یہ اعلان کرنا ضروری نہیں کہ جو کچھ کسی نے لیا وہ مال زکوٰۃ ہے، بلکہ ایسا کرنا مکروہ ہے، کیونکہ اس سے فقیر کی دل شکنی ہوتی ہے۔ زکوٰۃ کی تقسیم خاص طور پر اسی مقام پر یا اس کے قریب ہونی چاہیے جہاں پر وہ واجب ہوئی اور اس کو دور یا نزدیک کسی اور مقام پر لے کر جانا جائز نہیں ہے، بجز اس صورت کے جب کہ دوسری جگہ کے لوگوں کو محل زکوٰۃ کے باشندوں سے زیادہ ضرورت ہو۔ ایسی صورت میں زکوٰۃ کا بیشتر حصہ وہاں کے لوگوں کے لیے لے جانا واجب ہے اور کمتر حصہ کو مقامی اشخاص میں تقسیم کرنا چاہیے۔ زکوٰۃ کے مال کو لے جانے کا خرچ مسلمانوں کے بیت المال سے ادا کیا جائے گا۔ اگر ایسا بیت المال نہ ہو تو اس مال زکوٰۃ کو وہیں پر فروخت کر دیا جائے، اور وہی شے وہاں پر جہاں لے جانا مقصود تھا خرید کر (مستحقین کو) دے دی جائے یا پھر وصول شدہ قیمت ہی کو بحسب تقاضائے مصلحت تقسیم کر دیا جائے۔ زکوٰۃ کے واجب ہونے کی جگہ وہ ہے جہاں پر کھیتی یا پھل پیدا ہوا اگرچہ وہ جگہ مالک کے شہر میں یا وہاں پر نہ ہو جہاں اس کی رہائش ہے۔

واضح ہو کہ یہ حکم اشیاء کی زکوٰۃ کا ہے، مویشی کی زکوٰۃ واجب ہونے کی جگہ وہ ہے جہاں پر مویشی موجود ہوں بشرطیکہ محصل زکوٰۃ وہاں پر موجود ہو، اگر محصل وہاں نہ ہو تو جہاں مالک ہے وہاں پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ مال زکوٰۃ کو آٹھوں قسم کے حقداروں میں تقسیم کرنا واجب نہیں ہے۔ زکوٰۃ کا صرف ادا کرنا واجب ہے۔ اگرچہ کسی بھی مستحق فرد واحد کو دی جائے۔ البتہ زکوٰۃ کے کارندے کو تمام کا تمام دے دینا جائز نہیں ہے، جب کہ وہ زکوٰۃ اس کے کام کی اجرت سے زیادہ ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ "فقیر" وہ ہے جسے کچھ نہ ملتا ہو یا اتنا نہ پاتا ہو جو اس کی آدھی ضروریات کے لیے کفایت کرے۔ مسکین وہ ہے جسے آدھی ضروریات یا اس سے زیادہ کے لیے مل جاتا ہو۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کو اتنی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے جو ان کے اور ان کے عیال کے لیے سال بھر کو کافی ہو۔

"عامل زکوٰۃ" وہ شخص ہے جس کا رکھنا وصولی زکوٰۃ کے لیے ضروری ہو، اس کے کام کی نوعیت کے اعتبار سے اس کو اجرت دی جائے، اگرچہ وہ مالدار ہو۔

"مؤلف" وہ سردار قبیلہ ہے جس کا حکم مانا جاتا ہو اور جس کے ایمان لانے کی توقع ہو اور اس کے شر کا اندیشہ ہو یا اس کے ایمان کو پختہ کرنا اور اس جیسے دوسرے کافروں کا مسلمان ہونا متوقع ہو، یا جو لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے ان سے وصول کرنے کے لیے اس شخص کی حمایت ضروری ہو۔ غرض ایسے لوگوں کو زکوٰۃ میں سے دینا چاہیے جن کو ملایا جاسکے۔

"رقاب" سے مراد مکاتب ہیں (یعنی ایسے غلام جن کے ساتھ مالک نے مال کے عوض آزاد کرنے کا معاہدہ کیا ہو) اگر معاہدہ کی کچھ رقم پہلے ادا کر دی گئی ہو تو اس کو اتنا (زکوٰۃ سے) دیا جائے کہ رقم معاہدہ پوری ہو جائے۔

"غارم" (قرض دار) کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ شخص جس نے بنی نوع کی بہتری کے لیے قرض لیا۔ دوسرا وہ شخص جس نے اپنی کسی ذاتی جائز ضرورت کے لیے قرض لیا ہو، یا امر ناجائز کے لیے ہو لیکن اس سے تائب ہو چکا ہو۔ ایسے شخص کو

Marfat.com

مال زکوٰۃ میں سے اتنا دیا جاسکتا ہے کہ اس کا قرض جو رہ گیا وہ ادا ہو جائے۔

''فی سبیل اللہ'' سے مراد غازی (جہاد کرنے والا) ہے۔ درآنحالیکہ کوئی سرکاری محکمہ ایسا نہ ہو جس سے اس پر خرچ کیا جاسکے، یعنی اس کو ہتھیار، گھوڑا، خوراک، پانی اور واپسی کے مصارف جو درکار ہیں اسے مہیا کیے جاتے ہوں۔

''ابن السبیل'' وہ غریب الوطن ہے جس نے کسی جائز مقصد کے لیے سفر کیا ہو اور پردیس میں اس کا مال ختم ہو گیا ہو یا اس نے کسی امر حرام کے ارادے سے سفر کیا ہو، لیکن اس فعل سے تائب ہو گیا ہو۔ ایسے شخص کو اتنا دیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے شہر میں پہنچ سکے، اگرچہ اس کام کے لیے اسے قرض دینے والا مل سکے اور قطع نظر اس کے کہ وہ مال دار ہے یا فقیر ہے۔

مستحقین زکوٰۃ کی ان آٹھ اقسام میں سے کسی ایک کو زکوٰۃ دینا کافی ہے اور جائز ہے کہ کچھ لوگ اپنی زکوٰۃ ایک ہی شخص کو دے دیں جس طرح یہ جائز ہے کہ ایک شخص اپنی زکوٰۃ کچھ لوگوں کو دے۔ یہ جائز نہیں ہے کہ زکوٰۃ واجب کی قیمت دی جائے، بلکہ جو شے واجب ہوئی ہے بعینہ وہی شے دینی چاہیے۔

کافر یا غلام کو یا جو شخص مال یا کسب کے لحاظ سے غنی ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اور نہ ایسے شخص کو جس پر نفقہ کی ذمہ داری ہے زکوٰۃ دینا جائز ہے، ہاں ایسا شخص اگر زکوٰۃ کا کارندہ یا غازی یا تالیف قلب کا مستحق یا مکاتب یا مسافر یا مقروض ہو تو اصلاح باہمی کے خیال سے ان کو دینا جائز ہوگا۔ بیوی کا اپنے خاوند کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اور نہ اس کے برعکس (خاوند کا بیوی کو زکوٰۃ دینا) جائز ہے۔ ہاشمی کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ اگر بے خبری میں غیر مستحق کو زکوٰۃ دے دی اور اس کا مستحق نہ ہونا بعد میں معلوم ہو تو وہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، لہٰذا جسے دیا ہے اس سے واپس لے لینا چاہیے۔ اگر کسی کو فقیر جان کر زکوٰۃ دی گئی تو ادا ہو گئی۔ اس طرح ایسے قریبی رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جن کے نفقہ کی ذمہ داری اس پر نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ زکوٰۃ اپنے ہی شہر کے فقیروں میں تقسیم کی جائے۔ البتہ جہاں پر مال زکوٰۃ ہے وہاں سے صرف اتنی دور تک لے جانا جائز ہے جس کا فاصلہ قصر کی مسافت سے کم ہو۔ مسافت قصر تک زکوٰۃ کا لے جانا حرام ہے، تاہم زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس مطلق مال نہ ہو اور نہ مال حلال کمانے کا کوئی ذریعہ ہو۔ یا اگر مال ہو یا حلال کی کمائی ہو بھی تو کافی نہ ہو، یعنی صرف اتنی ہو کہ آدھی ضروریات سے کم پوری کر سکے اور نہ کوئی ایسا شخص ہو جو اس کی ضرورت کے مطابق اتنا خرچ کر سکے جو اس کے لیے کافی ہو، مثلاً خاوند ہو جو اپنی بیوی کی کفالت کرے۔ اور کافی ہونے کی مدت عام عمر طبعی کے اعتبار سے ہوگی یعنی باسٹھ سال کی عمر تک۔ لیکن اگر کسی کے پاس اتنا مال ہے جس سے وہ تجارت کر سکے تو اس کے یومیہ منافع کا اندازہ لگایا جائے۔ اگر اس کا منافع ایک دن کی آدھی ضروریات سے کم ہو تو اس کو فقیر قرار دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی عمر غالب سے تجاوز کر جائے تو ہر روز کا لحاظ کر کے دیکھا جائے گا، اگر اس کے پاس اتنا مال یا کمائی ہو جو نصف یوم کی ضروریات سے کم ہو تو اسے فقیر تصور کیا جائے گا۔

''مسکین'' وہ ہے جس کے پاس اتنا مال یا حلال کمائی کا ذریعہ ہو جو اس کی عمومی عمر غالب مذکورہ بالا کی صرف آدھی ضروریات پوری کر سکے یا اس سے زیادہ ہو۔ اگر کسی کے پاس اس کے لائق حال گھر ہو یا ایسا ہی لباس ہو اگرچہ وہ شاندار ہو تب بھی اسے فقیر و مسکین قرار دینے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی عورت کے پاس اتنا ہو جو سنگھار کے لیے

Marfat.com

بالعموم ضروری ہوتا ہے تو اسے فقیر و مسکین قرار دیے جانے سے مانع نہیں ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کسی کے پاس علمی کتب کا ذخیرہ ہو جس کی پڑھنے یا حوالے کے لیے رکھنے کی ضرورت ہو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کے پاس حرام کی کمائی کا مال ہو یا اس کا مال دو منزلوں یا اس سے زیادہ فاصلہ پر ہو، یا دیر پا قرضہ کی شکل میں ہو، یہ تمام صورتیں فقیری اور مسکینی کا باعث ہیں اور زکوٰۃ لینے سے مانع نہیں ہیں۔

عامل علی الزکوٰۃ وہ شخص ہے جسے زکوٰۃ وصول کرنے کے کام میں دخل ہو، مثلاً محصل یا تحویل دار یا منشی، ایسے شخص کو زکوٰۃ اس حال میں ملے گی جب کہ امام تقسیم کرے اور اس کی تنخواہ پہلے سے مقررہ نہ ہو۔ لہٰذا اس کو مقدار وصول یابی کے مطابق اجرت دی جائے گی۔

''مؤلفۃ القلوب'' کی چار قسمیں ہیں: ایک وہ جس کا ایمان ہنوز کمزور ہو یعنی نو مسلم ہو، لہٰذا اس کو مال زکوٰۃ میں سے دیا جائے جس سے ایمان کی پختگی مقصود ہو۔ دوسرا ایسا شخص جو مسلمان ہو اور اس کی قوم میں اس کا وقار ہو اور اس کو مال کے دیے جانے سے یہ توقع ہے کہ دوسرے کفار بھی مسلمان ہو جائیں گے۔ تیسرا وہ نو مسلم جس کا ایمان پختہ ہو اور اس کو مال دیے جانے سے یہ امید ہو کہ اس کے علاوہ دوسرے کافروں کے شر سے مسلمان محفوظ رہیں گے۔ چوتھا وہ شخص جو زکوٰۃ میں رکاوٹ ڈالنے والوں کے شر سے روک سکے۔

''رقاب'' سے مراد ''مکاتب'' ہیں جن کو زکوٰۃ میں سے اس قدر دیا جا سکتا ہے جو معاہدہ آزادی کی رقم ادا کرنے میں معاون ثابت ہو، تاکہ وہ غلامی سے آزاد ہو سکے۔ ایسے شخص کو چند شرائط پر زکوٰۃ کا مال دیا جائے گا۔ مثلاً معاہدہ ٹھیک ٹھیک اور یہ کہ اس کے پاس اتنا مال نہ ہو جو معاہدۂ کتابت کے قرض واجب کو ادا کرنے کے لیے کافی ہو۔ اور یہ کہ وہ غلام خود زکوٰۃ دینے والے کا مکاتب نہ ہو۔

''غارم'' سے مراد مقروض ہے، اس کی تین قسمیں ہیں: وہ شخص جس نے جھگڑنے والوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے قرض لیا ہو۔ ایسے شخص کو زکوٰۃ کا مال دیا جا سکتا ہے اگرچہ وہ مال دار ہو۔ دوسرا وہ شخص جس نے ذاتی جائز مصارف کے لیے قرض لیا ہو، یا اگر ناجائز مصارف کے لیے لیا ہو تو اس فعل سے توبہ کر چکا ہو۔ تیسرا وہ شخص جو کسی کی ضمانت کر لینے کے باعث مقروض ہو گیا ہو اور وہ خود اور نہ وہ شخص جس کی ضمانت لی ہے ادائیگی مال ضمانت کے قابل ہو، بشرطیکہ ضمانت اس کی درخواست پر لی گئی ہو۔ اگر اس نے خود ہی ضمانت لے لی ہو بغیر اس کے کہ اس شخص نے جس نے ضمانت لی ہے اس سے درخواست کی ہو، ایسے شخص کو جب مشکل آپڑے تو زکوٰۃ سے مال دیا جائے گا، اگرچہ اس شخص کو جس کی ضمانت لی تھی ادا کرنا آسان ہو۔ اخیر کی دونوں قسموں کے مقروضوں کو زکوٰۃ میں سے اس قدر دیا جائے گا جس قدر کی ادائیگی سے وہ قاصر ہوں۔ بہ خلاف پہلی قسم کے مقروض کہ اس صورت میں اس کو مال زکوٰۃ سے دیا جائے گا خواہ وہ غنی ہو۔

''فی سبیل اللہ'' وہ مجاہد ہے جو جنگ (جہاد) میں رضا کارانہ شامل ہوا ہو، حکومت سے اس کی کوئی تنخواہ جو مجاہدین کے لیے مخصوص ہے، مقرر نہ ہو۔ ایسے شخص کو جانے آنے کے لیے اور جنگ میں اقامت کے دوران جس قدر ضرورت پڑے مال زکوٰۃ سے دیا جا سکتا ہے، اگرچہ وہ مال دار ہو، جس طرح کہ اس کی بسر اوقات اور لباس اور ہتھیار اور گھوڑے کی قیمت کے لیے دیا جاتا ہے۔ نیز اس کے سامان کی بار برداری کے لیے بھی جس کے تحمل کا وہ عادی نہیں ہے، بندوبست

Marfat.com

صدقۂ فطر کا بیان

صدقہء فطر ہر آزاد مسلمان پر جو صاحب مقدور ہو واجب ہے۔ اس کا حکم ہم کو آنحضرت ﷺ نے زکوٰۃ سے پہلے اس سال دیا جس سال رمضان کا روزہ فرض ہوا۔ اس وقت جب کہ آنحضرت ﷺ فطر سے پہلے خطبہ دے رہے تھے آپ ﷺ نے اس کے ادا کرنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ چنانچہ عبدالرزاق نے صحیح اسناد کے ساتھ عبد بن ثعلبہ سے نقل کرتے ہیں ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یوم فطر سے ایک یا دو روز پہلے خطبہ دیا اور فرمایا ''ادوا صاعاً من بر اوقمح اوصاعاً من تمر او شعیر عن کل حر او عبد صغیر او کبیر.'' (یعنی ایک صاع بر یا قمح (بظاہر یہ گندم کی دو قسمیں ہیں) یا ایک صاع کھجور یا جو ہر آزاد اور غلام کی

کیا جائے گا۔

''ابن السبیل'' وہ ہے جو مال زکوٰۃ والے شہر میں ہو یا اس کے درمیان سے گزر رہا ہو۔ اس کو اتنا دیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی منزل مقصود پر یا جہاں پر اس کا مال ہے وہاں تک پہنچ سکے۔ اس کے لیے شرط یہ ہے وہاں سے سفر کرنا یا وہاں سے گزرنا ضروری ہو، اور یہ کہ وہ سفر کسی معصیت کے لیے نہ ہو، بلکہ وہ سفر شرعی حیثیت سے جائز مقصد کے لیے ہو۔

ان اقسام ہشت گانہ کو زکوٰۃ لینے کے لیے مستحقین زکوٰۃ میں سے ہر قسم کی مخصوص شرائط کے علاوہ پانچ مزید ہیں: اول مسلمان ہونا، دوم پورے طور پر آزاد ہونا، اس حکم میں مکاتب مستثنیٰ ہیں۔ سوم بنی ہاشم میں سے نہ ہونا اور نہ بنی مطلب میں سے ہو اور نہ ان میں سے کسی کا آزاد کردہ غلام ہو، گو بیت المال میں اس کا کوئی حق نہ ہو۔ اس حکم سے بوجھئے تو لیے اور مال زکوٰۃ کے تحویل دار مستثنیٰ ہیں، یہ لوگ مال زکوٰۃ لے سکتے ہیں اگرچہ کافر یا غلام ہوں یا اہل بیت میں سے ہوں، کیونکہ اس صورت میں وہ مال ان کے کام کی اجرت ہوگا۔ چہارم یہ کہ اس شخص کے نفقہ کی ذمہ داری زکوٰۃ دینے والے پر نہ ہو۔ پنجم یہ کہ زکوٰۃ لینے والا بالغ، عاقل، اور متصرف مال ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

زکوٰۃ میں تمام اقسام مستحقین کو شریک کرنا واجب ہے، بشرطیکہ وہ دستیاب ہوں، قطع نظر اس کے کہ اس کی تقسیم حاکم کرے یا مالک خود کرے، البتہ صرف اس صورت میں مالک پر تقسیم زکوٰۃ میں سب کو شامل کرنا واجب ہے جب کہ تمام قسم کے مستحقین اس کے شہر میں موجود ہوں اور مال ان سب کے لیے کافی ہو۔ بصورت دیگر ہر قسم کے تین اشخاص کو دینا واجب ہے۔ اگر بعض اقسام کے مستحقین موجود نہ ہوں تو جو موجود ہوں صرف ان کو زکوٰۃ دی جائے۔ کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے کو جائز قرار دیا ہے اگرچہ مال کی زکوٰۃ ایک ہی شخص کو دی جائے، اور امام (حاکم) یا مستحقین کو زکوٰۃ حوالہ کرنے کے وقت ادائے زکوٰۃ کی نیت واجب ہے۔ یا پھر زکوٰۃ نکالنے کے وقت نیت کرلی جائے۔ اور مالک کے لیے یہ جائز نہیں کہ مستحق زکوٰۃ کی موجودگی میں مال زکوٰۃ کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں لے جائے، خواہ وہ شہر قریب ہی کا ہو۔ البتہ امام (حاکم) کے لیے جائز ہے کہ وہ زکوٰۃ منتقل کرے۔ زکوٰۃ والا شہر وہ ہے جہاں پر مال زکوٰۃ موجود ہو اور یہ شرط بھی ہے کہ اس پر سال گزرا ہو، بشرطیکہ وہ شے ایسی ہو جس پر وجوب زکوٰۃ کے لیے سال کا گزرنا شرط ہے، جیسے سونا وغیرہ۔ اس کے علاوہ اور شے

Marfat.com

طرف سے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ادا کرو) اس کے مسائل اور مقدار کی تفصیل مسالک مختلفہ کی رو سے ذیل حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

مثلاً زراعتی اجناس اس کے لیے زکوٰۃ والا شہر وہ ہے، جس شہر سے اس مال زکوٰۃ کا تعلق ہے۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ شرائط آئندہ کے ساتھ صدقۂ فطر واجب ہے، فرض نہیں ہے۔ اس کے واجب ہونے کی تین شرطیں ہیں: مسلمان ہونا، آزاد ہونا اور حاجات اصلیہ سے بہ قدر نصاب فاضل مال کا مالک ہونا، صدقۂ فطر کے لیے نصاب میں افزونی یا اس کے (خاص عرصہ تک) باقی رہنے کی شرط نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص صدقۂ افطر واجب ہونے کے بعد نصاب کا مالک رہا اور اس کو ادا کرنے سے پہلے وہ مال جاتا رہا تو اس کے ذمہ سے وہ صدقہ ساقط نہ ہوگا، بہ خلاف زکوٰۃ کے کہ اس کے لیے (خاص عرصہ تک) باقی رہنا شرط ہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اسی طرح اس میں عاقل اور بالغ ہونے کی شرط نہیں ہے، لہٰذا بچے اور فاتر العقل کے مال میں بھی صدقۂ فطر واجب ہے، یہاں تک کہ اگر ان کے ولی نے صدقہ نہ نکالا تو گناہ ہوگا اور ان کے بالغ ہونے یا جنون سے افاقہ پانے کے بعد فقیروں کو صدقۂ فطر دینا واجب ہوگا۔

صدقۂ فطر عید الفطر کی فجر کے طلوع ہونے کے وقت واجب ہوتا ہے اور اس کا ادا کرنا اس سے پہلے اور بعد میں بھی درست ہے، کیونکہ تمام عمر اس کے ادا کرنے وقت ہے۔ چنانچہ اگر صدقۂ فطر کسی وقت بھی ادا کیا جائے تو وہ ادا ہو جائے گا، اس کا شمار قضا میں نہ ہوگا، یہی حکم تمام ایسے واجبات کا ہے جس میں وقت کی گنجائش رکھی گئی ہے، تاہم مستحب یہ ہے کہ عید گاہ کو جانے سے پہلے صدقۂ فطر نکال دیا جائے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ "اغنوهم عن السوال فى هذا اليوم" (یعنی محتاجوں کو عید کے روز سوال سے بے نیاز کر دو)، صدقۂ فطر کا ادا کرنا اپنی طرف سے، اپنے چھوٹے محتاج بچے کی طرف سے، اپنے خادم اور اپنے بڑے بچے کی طرف سے جو مجنون ہو، واجب ہے۔ اگر لڑکا عاقل ہو تو اس کی طرف سے باپ کو ادا کرنا واجب نہیں ہے، اگر چہ وہ لڑکا محتاج ہو، ہاں نفل کے طور پر دیا جا سکتا ہے۔ خاوند پر واجب نہیں ہے کہ اپنی بیوی کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرے ہاں اگر ثواب سمجھ کر ایسا کیا جائے تو جائز ہے، خواہ اس کی اجازت کے بغیر ہو۔

صدقۂ فطر میں یہ چار چیزیں دی جا سکتی ہیں: گندم، جو، کھجور اور منقّٰی۔ پس اگر گیہوں ہو تو ہر فرد کی طرف سے نصف صاع واجب الادا ہے۔ ایک صاع چار مد کا، ایک مد دو رطل کا اور ایک رطل ایک سو بیس درہموں کے برابر ہوتا ہے۔ اور ایک صاع پیانے میں مصری دو پیالوں اور ایک تہائی پیالے کے برابر ہے۔ لہٰذا گندم دینا ہو تو فی کس ایک مصری پیالہ اور ایک پیالہ کا چھٹا حصہ دیا جائے۔ اگر مصری کیلو کے ساتھ ایک پیالے کا چھٹا حصہ ملا دیا جائے تو یہ مقدار سات افراد کے لیے کافی ہے کھجور، جو اور کشمش پورا ایک صاع صدقہ میں دینا واجب ہے، لہٰذا مصری ایک کیلو میں سے تین افراد کا صدقہ نکال کر ایک مصری پیالہ بچ رہتا ہے۔ اور یہ جائز ہے کہ صدقۂ فطر میں اس مقدار جنس کی قیمت دے دی جائے، بلکہ ایسا کرنا بہتر ہے کیونکہ اس سے محتاجوں کو زیادہ فائدہ ہے۔ اور کچھ لوگوں کی زکوٰۃ (صدقۂ فطر) اجتماعی طور پر کسی ایک محتاج کو دینا جائز ہے جس طرح یہ جائز ہے کہ ایک شخص کا صدقہ چند مسکینوں کو دیا جائے۔ صدقۂ فطر کے مصارف وہی ہیں جو عام زکوٰۃ کے ہیں جن کا ذکر آیت انما الصدقات للفقراء الآیہ میں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ عید الفطر کی رات کو سورج غروب ہوتے ہی صدقۂ فطر ہر ایسے مسلمان پر واجب ہوتا ہے جس کے

Marfat.com

پاس اس کے اوراس کے عیال کے لیے عید کے دن اور رات کے نفقہ کو نکال کر بچ رہے، یعنی اس سے زیادہ ہو جس کی اسے ضرورت ہے، مثلاً گھر، خادم استعمالی کپڑے اور علمی کتابیں۔

صدقۂ فطر ہر صاحب مقدور کو اپنی طرف سے اور اس مسلمان کی طرف سے جس کے گزارے کا بار اس کے ذمہ ہے، لازم ہے۔ اگر اتنا نہ ہو کہ ان سب کی طرف سے ادا کر سکے تو اسے پہلے اپنی طرف سے، پھر اپنی بیوی، پھر اپنے غلام، پھر اپنی ماں، پھر اپنے باپ، پھر اپنے بیٹے کی جانب سے ادا کرنا چاہیے۔ اس کے بعد قریب سے قریب تر رشتہ دار کی جانب سے اسی ترتیب کے مطابق جیسی کہ برات میں ملحوظ ہوتی ہے صدقہ نکالنا چاہیے، پیٹ کے بچے کی طرف سے صدقۂ فطر دینا سنت ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ عید کے روز نماز سے پہلے صدقہ نکال دیا جائے۔ اگر اس روز نہ نکالا تو اس کی قضا واجب ہے۔ اور صدقۂ فطر عید سے دوروز پہلے تک نکالا جا سکتا ہے۔ لیکن دوروز سے پہلے نکالنا جائز نہیں ہے۔ اور صدقۂ فطر اس جگہ نکالا جائے جہاں پر صاحب مقدور نے رمضان کا آخری روزہ افطار کیا ہو۔ اسی طرح اسی جگہ فطرہ نکالنا واجب ہے جہاں پر وہ واجب ہوا۔ اور وہ مقدار صدقہ جس کا نکالنا ہر شخص پر واجب ہے ایک صاع ہے۔ وہ گیہوں ہو یا جو یا کھجور یا خشک انگور یا پنیر (ایک غذا جو دہی سے تیار کی جاتی ہے) نیز آٹا دینا بھی صدقۂ فطر میں جائز ہے، بشرطیکہ وزن میں دانوں کے برابر ہو۔ اگر ان اشیاء میں سے کوئی شے دستیاب نہ ہو تو اس کی بجائے ہر ایسی شے صدقۂ فطر میں دی جا سکتی ہے جس میں غذا بننے کی صلاحیت ہو، مثلاً مکئی، چاول، مسور وغیرہ۔ اور جائز ہے کہ چند اشخاص کا صدقۂ فطر ایک شخص کو دیا جائے۔ کسی شخص کو جائز نہیں ہے کہ اپنی دی ہوئی زکوٰۃ کی چیز خود خرید لے، خواہ کسی اور سے خریدی جائے جس نے مستحق سے لے لی ہو۔

صدقۂ فطر کے مصارف وہی ہیں جو فریضہ زکوٰۃ کے مصارف ہیں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃِ فطرہ ہر آزاد مسلمان پر واجب ہے۔ اور کافر پر بھی واجب ہے کہ اپنے مسلمان خادم اور مسلمان رشتہ داروں کی زکوٰۃ نکالے۔

صدقۂ فطر واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ عید میں، دن اور رات کے لیے جو ضروریات ہیں ان کے علاوہ اپنے اور اپنے عیال کے عام نفقہ کا مقدور ہو، اس میں مچھلی کی بنی ہوئی خوراک وغیرہ بھی ہے جو عید کے دن تیار کی جاتی ہے۔ نیز حسب حیثیت لباس جو اس کے اور ان کے لائق ہو جن کے نفقہ کی ذمہ داری اس پر ہے اور مکان اور خادم اس کی حیثیت کے مطابق اور برتن اور کتابیں جن کی اسے ضرورت ہے، اگرچہ متعدد اقسام کی ہوں اور جانور (سواری وغیرہ کے لئے) جو خود اس کے اور اس کے زیر سرپرستی افراد کے لائق ہو۔

واضح ہو کہ زکوٰۃ فطر واجب ہے، اگرچہ زکوٰۃ نکالنے والا مقروض ہو۔ صدقۂ فطر کا نکالنا ہر شخص کو خود اپنی طرف سے اور ان افراد کی جانب سے جن کا نفقہ زکوٰۃ واجب ہونے کے وقت اس کے ذمہ رہا ہو، واجب ہے۔ ایسے افراد چار قسم کے ہیں:

اول: بیوی جس سے ناچاقی نہ ہو۔ اگرچہ وہ مقدور والی ہو یا اسے طلاق رجعی دی گئی ہو یا بائنہ مگر حمل سے ہو۔ (اس کی طرف سے صدقہ) اس صورت میں واجب ہے جب کہ اس کا نفقہ مقرر نہ ہو، اگر نفقہ مقرر ہو تو واجب نہیں ہے۔ غلام اور خادم کا حکم بھی وہی ہے جو بیوی کا ہے۔

Marfat.com

دوم: صدقہ دینے والے کی اصل (جڑ) کے لوگ اگرچہ اوپر کے درجہ کے ہوں (جیسے باپ، دادا، پڑدادا وغیرہ)۔

سوم: فرع (شاخ) کے لوگ اگرچہ نیچے درجہ کے ہوں (جیسے بیٹا، پوتا، پڑپوتا وغیرہ) مرد ہوں یا عورت، چھوٹے ہوں یا بڑے۔ یاد رہے کہ اصل یا فرع کے لوگوں کی طرف سے یہ زکوٰۃ اس وقت واجب ہے جب کہ وہ فقیر یا مسکین ہوں اگرچہ ان کی یہ حالت طالب علمی میں لگے رہنے کے باعث ہوں اور بڑی فرع (اولاد) جو طالب علم نہ ہو اس کی طرف سے صدقۂ فطر نکالا جائے جب کہ وہ کمانے کے قابل نہ ہو۔

چہارم: غلام جو بھاگا ہوا ہو یا قید میں ہو۔

صدقۂ فطر کے واجب ہونے کا وقت ماہ رمضان کا آخر اور ماہ شوال کا آغاز ہے۔ صدقۂ فطر کا نکالنا عید الفطر کے ایام میں سب سے پہلے روز نماز فجر کے بعد، عید کی نماز سے پہلے سنت ہے۔ عید کی نماز کے بعد مغرب کے وقت تک مکروہ ہے۔ ہاں کوئی عذر ہو (تو اور بات ہے)، مثلاً کسی محتاج قریبی رشتہ دار کا انتظار ہو وغیرہ۔ عید کے دن سورج غروب ہونے کے بعد صدقۂ فطر دینا بغیر کسی عذر کے حرام ہے۔ عذر یہ ہے کہ مثلاً کوئی مستحق صدقہ نہ ملا ہو۔ لیکن کسی قریبی رشتہ دار کے انتظار میں اس قدر توقف کا عذر نہیں ہو سکتا اور جائز ہے کہ صدقۂ فطر ماہ رمضان میں کسی بھی روز اول وقت میں نکالا جائے اور کسی شخص پر صدقہ نکالنا اس شہر میں واجب ہے جہاں اس کے ماہ رمضان کی آخری تاریخ کا سورج غروب ہوا ہو، بشرطیکہ اس سے پہلے ہی ماہ رمضان کے اندر اس نے اپنے شہر میں صدقۂ فطر نہ نکالا ہو۔ صدقۂ فطر کی مقدار فی کس ایک صاع واجب ہے۔ یہ مقدار مصری پورے دو قدح کے برابر ہے۔ صدقہ کی چیز وہ ہونی چاہیے جو بیشتر غذائی اجناس میں سے ہو اور سب سے بہتر غذا گندم پھر سلت یعنی شعیر نبوی ہے، اس کے بعد جو، پھر مکئی، پھر چاول، پھر چنا، پھر مسور، پھر مٹر، پھر کھجور، پھر کشمش، پھر دودھ، پھر دہی۔ ان غذائی اشیاء میں سے اعلیٰ شے کا نکالنا جائز ہے گو وہ اہل شہر کی غالب غذا نہ ہو، اس کے برعکس ہو تو جائز نہیں ہے (یعنی جنس ادنیٰ غالب نہ ہو تو وہ صدقہ میں نہ نکالی جائے) اور یہ جائز نہیں ہے کہ آدھی ایسی ہو اور آدھی ویسی، گو اہل شہر کی بیشتر خوراک مخلوط ہو۔ صدقۂ فطر میں قیمت کا دینا جائز نہیں ہے۔ اگر کسی شخص پر کچھ لوگوں کی طرف سے صدقہ فطر لازم ہے اور اس کے پاس اس قدر نہ ہو کہ ان سب کی طرف سے پورا ادا کر سکے تو چاہیے پہلے اپنی طرف سے، پھر بیوی، پھر بیوی کے خادم، پھر اپنے نابالغ بچے، پھر باپ، پھر ماں، پھر بڑے بیٹے، پھر اپنے غلام کی طرف سے ادا کرے اور اگر کچھ لوگ ایک ہی درجہ کے ہوں مثلاً کئی ایک نابالغ لڑکے ہوں تو ان میں سے جس کی طرف سے چاہے صدقہ دیا جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ صدقۂ فطر ہر آزاد مسلمان پر واجب ہے جو اس کے واجب ہونے کے وقت اس کی ادائیگی کا مقدور رکھتا ہو، خواہ (مال صدقہ) اس کے پاس موجود ہو یا قرض لے کر ادا کرنا ممکن ہو، یعنی اگر قرض لے کر ادا کر سکتا ہے اور ادائیگی کی توقع رکھتا ہے تو اسے صاحب مقدور قرار دیا جائے گا اور ادائے صدقہ کی شرط یہ ہے کہ اس کے پاس اپنے اور ان لوگوں کے نفقہ سے جن کی ذمہ داری اس پر ہے زائد مال عید کے دن رہا ہو۔ اگر ذاتی مصارف لازمی کے لئے مال صدقہ کا کوئی خود محتاج ہو تو اس پر صدقہ دینا واجب نہیں ہے۔ صدقۂ فطر ہر شخص اپنی طرف سے اور کنبہ کے ایسے افراد کی طرف سے جن کے نفقہ کا بار اس کے اوپر ہے، ادا کرے۔ ایسے افراد ماں، باپ اور ایسے بیٹے ہیں جن کے پاس مال نہیں ہے۔

Marfat.com

صدقۂ فطر اس وقت تک ان کی طرف سے ادا کرے کہ وہ بالغ ہو کر کمانے کے قابل ہو جائیں اور محتاج بیویوں کی طرف سے (صدقہ دیا جائے) اس وقت تک کہ خاوند ان سے مباشرت کرے یا مباشرت کا ارادہ کرے درآنحالیکہ وہ اس قابل ہوں اور غلام اور لونڈی کی طرف سے اور بیوی یا بیویوں کی طرف سے اگرچہ وہ مالدار ہوں۔ اسی طرح اپنے محتاج باپ کی بیوی کی طرف سے بھی۔

صدقۂ فطر کی مقدار فی کس ایک صاع ہے۔ اس کی مقدار ایک مصری پیمانے کی رو سے ایک قدح اور ایک تہائی قدح ہے، لہٰذا ایک کیلو چھ اشخاص کی جانب سے دیا جا سکتا ہے۔ واجب یہ ہے کہ اگر مقدور ہو تو ایک صاع فی کس ہی نکالا جائے۔ اگر ایک صاع کے کسی قدر حصہ کا مقدور ہو تو صرف اتنا ہی نکالا جائے۔ واجب یہ ہے کہ ان نو اقسام اجناس غذائی میں سے وہ جنس صدقہ میں دی جائے جو شہر کے بیشتر اشخاص کی خوراک ہے۔ وہ نو اجناس یہ ہیں: گندم، جو، سلت، مکئی، باجرا (یا چینا) چاول، کھجور، کشمش اور پنیر یعنی مکھن نکالا ہوا خشک دودھ۔ اگر اہل شہر دو قسم کی غذا استعمال کرتے ہوں اور بیشتر استعمال کسی کا نہ ہو تو صدقہ نکالنے والے کو چاہیے کہ ان دونوں میں سے بہتر جنس اختیار کرے، لیکن ایسی شے صدقہ میں دینا جائز نہیں ہے جو زیادہ استعمال نہ کی جاتی ہو، بجز اس صورت کے جب کہ وہ شے جنس غالب سے افضل ہو۔ چنانچہ اگر مثلاً زیادہ رواج جو کا ہے اور گندم دیا گیا تو جائز ہے۔ ان نو اقسام کے علاوہ اور اجناس مثلاً مٹر یا مسور کا دینا جائز نہیں ہے، بجز اس صورت کے جب کہ لوگ اسی کو بطور غذا استعمال کرتے ہوں اور باقی اقسام و نہ گانہ کو ترک کر دیا گیا ہو۔ ایسی صورت میں خاص کر وہی جنس دی جائے گی جو غذا کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ اگر شہر میں ایک جنس کا استعمال زیادہ اور ایک کا کم ہو تو زیادہ استعمال میں آنے والی جنس کو صدقہ میں دیا جائے۔ اگر دونوں کا استعمال مساوی ہو، مثلاً مٹر یا مسور تو اختیار ہے جون سی جنس جی چاہے دے دی جائے۔ اگر صدقہ میں گوشت دینا ہو تو وہ مقدار ملحوظ ہوگی جس سے پیٹ بھر جائے، مثلاً ایک صاع گندم کی روٹی سے دو آدمیوں کا پیٹ بھرتا ہے تو گوشت اس قدر دینا چاہیے کہ دو آدمیوں کا پیٹ بھر جائے۔

مصارف زکوٰۃ ادا کرنے کی شرط یہ ہے کہ لینے والا فقیر یا مسکین اور آزاد مسلمان ہو اور بنی ہاشم میں سے نہ ہو۔ رہا مسافر سو اگر وہ فقیر یا مسکین وغیرہ ہونے کا مصداق نہ ہو تو اسے صدقۂ فطر نہیں دیا جائے گا اور ہر فقیر یا مسکین کو ایک صاع یا اس سے کم یا زیادہ دینا جائز ہے، تاہم بہتر یہی ہے کہ ہر ایک کو ایک صاع دیا جائے۔ یہاں پر اس کے متعلق چند اور امور قابل ذکر ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر وہ غذائی جنس جس کو صدقہ میں دینے کا ارادہ ہے صاف نہ ہو اور اس میں آمیزش ہو اور اس کی مقدار ایک تہائی یا اس سے زیادہ ہو تو اسے صاف کر کے دینا واجب ہے۔ اگر اتنی نہ ہو تو چھان کر دینا مستحب ہے۔

دوم: یہ کہ عید کے دن فجر کی نماز کے بعد اور عید کی نماز کو جانے سے پہلے صدقہ نکال دینا مستحب ہے۔ عید سے دو ایک روز پہلے بھی صدقہ دینا جائز ہے اور بقول معتبر دو دن سے زیادہ پہلے صدقہ دینا جائز نہیں ہے۔

سوم: اگر کسی پر متعدد اشخاص کی جانب سے زکوٰۃ نکالنا واجب ہے اور جس پر زکوٰۃ واجب ہوئی ہے اس کو ان سب کی طرف سے صدقہ نکالنے کا مقدور نہ ہو، صرف چند افراد کی طرف سے نکال سکتا ہو تو پہلے اپنی جانب سے شروع کرے، پھر ماں باپ، پھر اپنے بیٹے کی طرف سے نکالے۔

چہارم: یہ کہ صدقۂ فطر نکالنے میں یوم عید سے زیادہ تاخیر کرنا حرام ہے، لیکن وہ دن گزر جائے تو صدقۂ فطر ساقط

Marfat.com

نہیں ہو جاتا، بلکہ اس کے ذمہ باقی رہتا ہے، لہٰذا اگر ممکن ہو تو اس کو اپنی جانب سے اور ان کی جانب سے جن کا نفقہ اس پر واجب ہے، عید کی رات کو ہی ادا کرنے کے لئے کہا جائے گا۔

پنجم: یہ کہ اگر کوئی شخص صدقۂ فطر اس وقت نکالنے سے عاجز ہو، جبکہ وہ واجب ہوا تھا، اس کے بعد عید کے دن نکالنے کا مقدور ہو گیا تو اب صدقہ نکالنا واجب نہیں ہے، صرف مستحب ہے۔

ششم: یہ کہ جس شخص پر صدقۂ فطر واجب ہے اور وہ حالت سفر میں ہے تو اسے صرف اپنی جانب سے صدقہ دینا واجب ہے، لیکن اگر اس کے کنبے کے لوگ اس کی جانب سے صدقہ نکالنے کے عادی ہیں یا اس کے لئے اس نے کہہ رکھا ہے تو واجب نہیں ہے۔ اگر اس کے کنبے والے اس کی طرف سے صدقۂ فطر نکالنے کے عادی نہیں ہیں یا انہیں ایسا کرنے کے لئے نہیں کہا گیا تو اسے اپنی طرف سے صدقہ نکالنا واجب ہوگا۔

ہفتم: یہ کہ اگر کسی شخص کی خوراک ایسی ہے جسے اہل شہر کم استعمال کرتے ہیں، مثلاً جو بمقابلہ گندم کے تو جائز ہے کہ اپنی طرف سے اور ان کی طرف سے بھی جن کو بوجہ غریب ہونے کے اسی قسم کی جنس نفقہ میں دیتا ہو اس جنس کو صدقۂ فطر میں نکالے۔ لیکن اگر وہ غذا (غریبی کی وجہ سے نہیں، بلکہ) بخل کے باعث استعمال کی جاتی ہو تو اسے صدقے میں نکالنا جائز نہیں ہے۔

ہشتم: یہ کہ صدقۂ فطر میں آٹے یا ستو کا دینا جائز ہے درآنحالیکہ وہ ایک قدح (پیالہ مصری) اور ایک تہائی پیالے کے برابر ہو، جیسا کہ پہلے بتایا گیا اور روٹی اسی (جنس صدقہ) کے برابر وزن میں ہونی چاہیے اور رطل کی مقدار کا اندازہ مصری رطل سے لگایا جائے گا۔

Marfat.com

باب حج

حج کی تعریف

لغت میں اس لفظ کے معنی کسی بڑے مقصد کا ارادہ کرنا ہے اور شرع کی اصطلاح میں اس سے وہ خاص اعمال مراد ہیں جو مخصوص ایام میں ایک خاص جگہ اور خاص طریقے سے ادا کئے جائیں۔

حج کے مسائل اور اس کا ثبوت

حج عمر بھر میں ایک بار ہر شخص پر، مرد ہو یا عورت ہو، شرائط آئندہ کے تحت فرض ہے۔ اس کی فرضیت قرآن اور حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وللّٰہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا"۔

(یعنی جن لوگوں کو سفر کا مقدور ہے ان پر بیت اللہ کا حج کرنا ایک فریضہ الٰہی ہے)۔

اور حدیث میں آیا ہے **"بنی الاسلام علی خمس"** الحدیث، جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے۔ رہا اجماع سو تمام امت کا اس کے فرض ہونے پر اتفاق ہے، لہٰذا اس کا منکر کافر ہے اور یہ ثابت ہے کہ حج عمر بھر میں ایک بار فرض ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

"یا ایھا الناس قد فرض علیکم الحج، فحجوا، فقال: رجل أکُل عامٍ یا رسول اللّٰہ؟ فسکت صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ قالھا ثلاثاً فقال علیہ الصلوٰۃ والسلام لو قلت نعم، لو جبت و لما استطعتم"۔

(یعنی لوگو تم پر حج فرض کیا گیا ہے، لہٰذا حج کیا کرو۔ ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا ہر سال؟ آپ خاموش رہے، اس نے تین بار یہی سوال کیا، تب آپ نے فرمایا کہ اگر میں "ہاں" کہہ دیتا تو ہر سال حج واجب ہو جاتا اور تم سے نہ ہو سکتا)۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے صاحبِ استطاعت مسلمان پر جو حج فرض فرمایا ہے اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ ایک تو یہ کہ (اس طرح) تمام مسلمانوں کو ایک ہی خطہء ارض میں جمع ہو کر ایک خدا کی عبادت دین برحق کا فریضہ سمجھتے ہوئے بجالانے کا موقع ملتا ہے۔ وہ دین جو دنیا و آخرت دونوں جہان کی فلاح ونجاتِ کی بنیاد ہے۔ اس دین کی اصل یہ ہے کہ اس کے تمام پیرو باہم بھائی بھائی ہیں اور ان پر واجب ہے

Marfat.com

کہ نیکی اور پرہیزگاری کے معاملے میں ایک دوسرے کی اعانت کریں اور ان میں سے ہر فرد اپنے ساتھی کی کامیابی کے لئے کوشاں رہے۔ گو ان کے اجسام دور دور اور ان کے ٹھکانے جدا جدا ہوں۔ ان پر لازم ہے کہ حج کے موقع پر اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ وہ اپنے ایک برتر و صاحب قدرت پروردگار کے حضور میں ہیں جس نے انہیں پیدا کیا اور اپنی بیشتر مخلوق پر فضیلت بخشی۔ نیز یہ کہ انہیں موت آنی ہے اور ایک روز اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے جبکہ اعمال صالحہ اور اللہ کے احکام کی اطاعت ہر حال میں بجالانے کے سوا اور کچھ کام نہ آئے گا۔

حج کب فرض ہوتا ہے؟

حج فوری طور پر فرض ہو جاتا ہے، ہر وہ شخص جس میں اس کے واجب ہونے کی شرائط پوری پائی جائیں اور وہ اس سال کے آغاز سے جس میں کہ حج اس پر فرض ہوا ہے، تاخیر کرے تو اس تاخیر کا گناہ ہوگا۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے، شافعیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔[1]

واضح ہو کہ حج کے واجب ہونے کی شرطیں ہیں اور اس کے صحیح ہونے کی بھی شرطیں ہیں۔ نیز اس کے واجبات، سنن، مستحبات، مکروہات، مفسدات ہیں اور ایسے محرمات بھی ہیں جن سے حج فاسد نہیں ہوتا۔ اب ان امور اور ان کے متعلقہ مسائل کی تفصیل جدا جدا عنوانات کے تحت بیان کی جاتی ہے۔

حج واجب ہونے کی شرطیں

حج کے واجب ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط مسلمان ہونا ہے؛ یہ تین اماموں کے نزدیک ہے، مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[2]

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ حج فرض ہے، اس کی ادائیگی کے اندر تاخیر کی گنجائش ہے۔ پس اگر کسی نے اس سال سے جس میں اسے حج کا مقدور تھا، اگلے سال تک تاخیر کردی تو اس تاخیر سے گناہ نہ ہوگا، لیکن اس کی دو شرطیں ہیں:

ایک تو یہ کہ اس امر کا اندیشہ نہ ہو کہ (اگر اس سال نہ کیا تو) آئندہ نہ ہو سکے گا، خواہ ضعیف العمری کے باعث کہ وہاں تک پہنچنے سے عاجز ہوگا یا مال ضائع یا ختم ہو جانے کا ڈر ہے۔ اگر ان دونوں میں سے کسی امر کے باعث حج سے محروم رہ جانے کا اندیشہ ہو تو واجب ہے کہ فوراً حج کر لیا جائے۔ اگر تاخیر کی تو گناہ ہوگا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ آئندہ حج کرنے کا ارادہ ہو، اگر یہ ارادہ نہ رہا تو (تاخیر) گناہ ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ مسلمان ہونا حج کے صحیح ہونے کی شرط ہے، واجب ہونے کی شرط نہیں ہے، چنانچہ حج کافر پر بھی واجب ہے، لیکن وہ درست نہ ہوگا جب تک کوئی مسلمان نہ ہو۔

Marfat.com

اور جو شخص اصلاً (یعنی ابتدا سے) کافر ہے اس پر حج نہیں ہے۔ نیز وہ مسلمان جو مرتد ہو گیا اس پر بھی حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک حج واجب نہیں ہے اور مالکیہ کی بابت بتایا جا چکا ہے جو کہتے ہیں کہ مسلمان ہونا حج کے صحیح ہونے کی شرط ہے، واجب ہونے کی شرط نہیں ہے۔ رہے شافعیہ سو ان کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

حج کے واجب ہونے کی مزید شرطیں

بالغ ہونا۔ عاقل ہونا۔ آزاد ہونا

حج کے واجب ہونے کی شرطوں میں سے بالغ ہونا ہے، لہٰذا وہ بچہ جو عمر بلوغ کو نہیں پہنچا اس پر حج واجب نہیں ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"ایما صبی حج عشر حجج ثم بلغ فعلیہ حجۃ الاسلام".

(یعنی اگر بچے نے دس حج بھی کیے، پھر بالغ ہوا تو اس پر لازم ہے کہ اسلامی حج ادا کرے)۔

اگر لڑکے نے حج کیا اور صاحب شعور ہے کہ اعمال حج کا مقصد جانتا ہے تو اس کا حج ہو جائے گا، تاہم فریضۂ حج اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا، جیسا کہ بتایا گیا، لہٰذا اگر کوئی لڑکا ذی شعور نہیں ہے اور ایام حج آ گئے تو اس کا ولی اس کی جانب سے اعمال حج ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا، جیسا کہ صحتِ حج کی شرائط کے بیان میں بتایا جائے گا۔

منجملہ شرائط وجوب حج کے عاقل ہونا ہے، لہٰذا مجنون پر حج واجب نہیں ہے اور نہ اس کا حج کرنا صحیح ہوگا، لہٰذا وہ اس بارے میں بے شعور لڑکے کی مانند ہے۔

واجب ہونے کی ایک اور شرط "آزاد ہونا" ہے، چنانچہ غلام پر حج واجب نہیں ہے اور یہاں تک سب کو اتفاق ہے۔

حج کی استطاعت نیز عورت اور نابینا کے مسائل متعلقۂ حج کا بیان

منجملہ شرائط وجوب حج کے استطاعت (مقدور) کا ہونا ہے، لہٰذا جس میں استطاعت نہ ہو اس پر حج واجب نہیں ہے۔ اس پر تمام مسالک کا اتفاق ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ا۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اصل کافر پر حج واجب نہیں ہے، لیکن صاحبِ مقدور مرتد پر حج واجب ہے۔ البتہ مسلمان ہوئے بغیر اس کا حج درست نہ ہوگا۔ اگر مسلمان ہونے کے بعد حج سے پہلے مر جائے تو اس کے ترکہ سے حج کرایا جائے۔

Marfat.com

"وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا".
(یعنی سفر حج کی استطاعت جس میں ہو اس پر خانہء خدا کا حج فرض الٰہی ہے)۔
لیکن فقہا نے استطاعت کی تفسیر مختلف طریقوں سے کی ہے اور نابینا کے حق میں بھی استطاعت کے معنوں میں اختلاف ہے۔ اس کی تفصیل اور دوسری شرائط وجوب حج ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہوں۔[1]

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ استطاعت (یعنی قادر ہونے) کا مطلب یہ ہے کہ سفر اور سواری کے خرچ کا مقدور ہو۔ شرط یہ ہے کہ ان امور کے لئے بنیادی ضروریات سے فالتو مال ہو۔ بنیادی ضروریات، مثلاً قرض واجب الادا، رہنے کا گھر، ضروری مویشی، پیشہ ورانہ آلات اور ہتھیار۔ نیز یہ کہ اتنا مال ہو کہ گھر سے جانے اور واپس آنے تک ان لوگوں کے نان و نفقہ کے لئے کافی ہو جن کی ذمہ داری اس کے اوپر ہے۔ سواری کے تعین میں اس کا لحاظ رکھا جائے گا کہ وہ سواری اس شخص کی عادت اور عام رواج کے مطابق ہو۔ لوگوں کے مختلف حالات کے پیش نظر اس کی نوعیت مختلف ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص، مثلاً گدھی یا اونٹ کی پیٹھ پر سوار نہیں ہو سکتا اور محمل کا کرایہ ادا نہیں کر سکتا تو اس پر حج واجب نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں اسے صاحب استطاعت قرار نہ دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بلا شرکت غیرے سواری نہیں لے سکتا ہاں کسی کے ساتھ شرکت کرنا ممکن ہو کہ یکے بعد دیگرے باری باری سے سواری کرتے رہیں تو ایسی صورت میں بھی اسے قادر تصور نہیں کیا جائے گا اور حج واجب نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب کہ کوئی شخص مکہ سے تین یوم یا اس سے زیادہ کی مسافت پر ہو، لیکن جو شخص قریب ہے اس پر حج واجب ہے گو سواری کا بندوبست نہ کر سکے، لیکن چلنے کی طاقت اور اخراجات لابدیہ مذکورہ کے علاوہ زادراہ موجود ہونا چاہیے۔

وجوب حج کی شرائط میں سے، غیر اسلامی ملک میں رہنے والے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ جانتا ہو کہ حج فرض ہے۔ چنانچہ جس شخص نے غیر اسلامی ملک میں ہوش سنبھالا ہو اور کم از کم دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں نے اسے نہ بتا دیا ہو کہ اس پر حج فرض ہے، اس پر حج واجب نہ ہوگا۔ لیکن جو شخص دارالاسلام (اسلامی مملکت) میں ہو، اس پر حج واجب ہے۔ اگرچہ حج فرض ہونے کا علم اسے نہ ہو اور خواہ حالت اسلام میں ہوش سنبھالا ہو یا حالت اسلام میں نشو و نما نہ پائی ہو۔

یہ شرطیں حج کے واجب ہونے کی ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک ان کے علاوہ اور بھی شرطیں ہیں جنہیں "شروط ادا" (حج ادا ہونے کی شرائط) کہا جاتا ہے، کیونکہ حنفیہ واجب ہونے اور (صحیح طور پر) ادا ہونے میں فرق سمجھتے ہیں، جیسا کہ پہلے نماز کے بیان میں بتایا گیا۔ ادائے حج کی چار شرطیں ہیں:

اول یہ کہ وجود سلامت ہو۔ اگر کوئی شخص اپاہج یا فالج زدہ ہے یا اتنا ضعیف العمر ہے کہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتا وغیرہ، ایسے لوگوں پر یہ بھی واجب نہیں ہے کہ اپنے بدلے میں کسی اور کو حج کرنے کے لئے کہیں۔ ایسے اشخاص میں وہ بھی شامل ہے جو قید میں ہو یا بادشاہ سے خائف ہو جو حج سے روکتا ہے۔ نابینا شخص جو زادراہ اور سواری کا بندوبست کر سکتا ہے، لیکن کوئی راستہ بتانے والا نہ ہو اس پر نہ خود حج کرنا واجب ہے اور نہ حج بدل کرانا۔ ہاں اگر اسے راستہ بتانے والا مل سکتا ہے تو وہ

Marfat.com

حج بدل کرا سکتا ہے۔

دوم یہ کہ راستہ محفوظ ہو، یعنی وہ سفر بالعموم سلامتی کے ساتھ طے ہوتا ہو، خواہ وہ سفر بحری ہو یا بری۔

سوم یہ کہ (عورت کی صورت میں) خاوند یا محرم ساتھ ہو، عورت خواہ جوان ہو یا بڑھیا ہو۔ (یہ حکم اس حالت میں ہے) جب کہ مکہ تین یوم یا اس سے زیادہ کی مسافت پر ہو۔ اگر مسافت اس سے کم ہو تو حج کرنا واجب ہے، گو محرم یا خاوند ساتھ نہ ہو۔ محرم سے مراد وہ شخص ہے جس کے ساتھ نکاح حرام ہے، خواہ نسب کی وجہ سے یا ازدواجی یا دودھ کے رشتہ سے محرم کا معتمد، عاقل اور بالغ ہونا بھی شرط ہے، مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔

چہارم یہ کہ عورت عدت میں نہ ہو۔ عدت طلاق کی ہو یا موت کی اس حالت میں حج کو نہ جانا چاہیے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ استطاعت سے مراد یہ ہے کہ مکہ اور اعمال حج بجالانے کی جگہوں پر پہنچنا جسمانی طور پر ممکن ہو، خواہ پیدل چل کر یا سواری پر جا کر، خواہ وہ سواری اس کی اپنی ہو یا کرایہ پر لی گئی ہو۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ سخت دشواری سے دوچار ہونا نہ پڑے۔ اگر بڑی مشکل سے وہاں پہنچنا ممکن ہو تو اس کو استطاعت نہ کہا جائے گا اور حج واجب نہ ہوگا، تاہم اگر مصیبت جھیل کر اور مشقت اٹھا کر حج کر لیا تو جائز ہے اور فرض ادا ہو جائے گا۔ اس طرح اگر کوئی شخص کسی غیر معمولی طریقہ سے، مثلاً اڑ کر یا کسی اور طرح جا سکے تو اسے صاحب استطاعت شمار نہ کیا جائے گا۔ لیکن اگر ایسا کوئی کر گزرے تو جائز ہے اور واضح ہو کہ استطاعت میں جان و مال کا تحفظ بھی شامل ہے، چنانچہ اگر (سفر حج میں) جان محفوظ نہ ہو تو حج واجب نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی حاکم سے مال محفوظ نہ ہو تو حج واجب نہیں ہے۔ البتہ اگر ظالم اکیلا ہے اور محض معمولی نقصان کا اندیشہ ہے، جس سے سفر میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور اس کے ظلم کا بار بار اندیشہ نہ ہو تو ایسے شخص کی موجودگی اور اس کے مال چھین لینے سے استطاعت کی نفی نہیں ہوتی اور ایسی صورتحال کے باوجود حج واجب ہوگا اور استطاعت کے لئے زادراہ اور سواری کا ہونا شرط نہیں ہے جیسا کہ بیان سابقہ سے مترشح ہوتا ہے۔ چنانچہ زادسفر کی جگہ ہنر (یا پیشہ) ہے جس کے کرنے میں گناہ نہ ہو اور اس کا یقین یا گمان ہو کہ وہ ہنر کارآمد اور دوران سفر چالو رہے گا۔ اسی طرح سواری کا قائم مقام پیدل چلنے کی طاقت رکھنا ہے، لہٰذا اگر پیدل چل کر کوئی جا سکتا ہے تو حج واجب ہوگا، گو مکہ مسافت قصر کے فاصلہ پر یا اس سے بھی دور ہو اور نابینا پر حج واجب ہے درآنحالیکہ وہ چل سکتا ہو اور اس کے پاس اتنا مال ہو کہ وہاں تک پہنچا دے، بشرطیکہ وہ خود ہی راستہ پا سکے یا کوئی ساتھی ہو جو اسے راہ بتائے۔ اگر کوئی شخص اپنے زیر سرپرستی کسی فرد مثلاً بیٹے کے لئے جس کا نفقہ اس پر واجب ہے کوئی ضروری شے چھوڑ کر نہ جائے تو اس سے استطاعت میں فرق نہیں آتا۔ اسی طرح یہ اندیشہ بھی کہ بعد میں اسے محتاجی کا سامنا کرنا پڑے گا مانع حج نہیں ہے۔ ہاں اگر اسے اپنے اہل وعیال کے یا خود اپنی جان کے ہلاک ہونے کا ڈر ہے تو حج واجب نہ ہوگا۔ اگر کسی شخص کے پاس ناداری کے باعث کچھ نہ ہو سوا اس کے کہ سامان کو بیچے، مثلاً اسباب خانہ، مویشی، زینت کے کپڑے، علمی کتابیں اور پیشہ ورانہ آلات تو اس پر حج واجب ہے، کیونکہ اسے صاحب استطاعت سمجھا جائے گا اور استطاعت کے بارے میں صرف روانگی کا مقدور ملحوظ رہے گا۔ بشرطیکہ اسے مکہ میں بسر کرنا ممکن ہو۔ اگر مکہ میں رہنا ممکن نہ ہو تو وہاں تک واپسی کی استطاعت کا لحاظ بھی رکھا جائے، جہاں پر اسے سبیل معاش مہیا ہو سکے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ اسے اپنے ہی شہر میں واپس آنے کی استطاعت کا لحاظ رکھا جائے۔ غرض یہ ضروری ہے کہ اس کے پاس اتنا ہو کہ اسے جانے اور

Marfat.com

اس جگہ پر واپس آنے کے لئے کافی ہو جہاں پر اس کا ذریعہ معاش میسر ہو یا ایسا پیشہ اختیار کر سکے جس سے اس کی ضروریات پوری ہو جائیں اور وہ پیشہ چالو ہو، جیسا کہ پہلے بتایا گیا اور خشکی یا تری کے سفر میں سے جس میں سلامتی زیادہ ہو وہ اختیار کرنا چاہیے۔ اگر دریائی سفر ہی ممکن ہو اور اس میں سلامتی غالب نہ ہو تو حج واجب نہیں ہے اور استطاعت کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا ہے وہ مرد اور عورت دونوں پر یکساں لاگو ہے۔ عورت کے لئے ایک اور شرط یہ ہے کہ اس کے ہمراہ اس کا خاوند یا اس کے محرموں میں سے کوئی شخص ہو یا بھروسے کے ساتھی ہمراہ ہوں۔ اگر ان میں سے کوئی بھی نہ ہو تو حج واجب نہیں ہے اور یہ بھی لازم ہے کہ اگر سفر دور کا ہے تو سواری کا بندوبست کر سکے اور دور کا ہونا مسافتِ قصر پر موقوف نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد وہ فاصلہ ہے جس کا طے کرنا عورت کے لئے دشوار ہو اور اس کا تعین عورتوں کی صلاحیت کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر عورت کے لحاظ سے مناسب اندازہ لگایا جائے گا۔ اگر عورت نہ چل سکے اور سواری میسر نہ ہو سکے تو اس پر حج واجب نہیں ہے۔ اسی طرح اُس صورت میں بھی حج واجب نہیں ہے جب کہ سفر کسی چھوٹی سی کشتی پر کرنا ہو جس میں عورت اپنے پردے اور عصمت کی حفاظت پر قادر نہ ہو۔ ہاں اگر بڑی کشتی ہے جس میں ایسی جگہ مل سکے جہاں عورت کا بحفاظت رہنا ممکن ہو تو اس میں سفر واجب ہے، جب کہ وہی ایک طریقہ سفر کا ہو اور حج ساقط نہ ہوگا۔

اگر کوئی عورت طلاق یا خاوند کی موت کے باعث عدت میں ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ عدت والے گھر ہی میں ٹھہری رہے۔ اسے حج کا احرام باندھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس طرح اسے گھر سے باہر آنا پڑے گا، حالانکہ اسے گھر ہی میں رہنا واجب ہے۔ تاہم اگر اس نے ایسا کیا تو اس کا احرام حج صحیح ہوگا، گو ایسا کرنا گناہ ہے۔ اسے چاہیے کہ حج کو چلی جائے اور عدت والے گھر میں نہ ٹھہرے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ استطاعت سے مراد سفر خرچ اور مناسب حال سواری پر قادر ہونا ہے، یعنی اس کی ذاتی ضروریات سے فاضل مال ہو۔ ان ضروریات میں علمی کتابیں، گھر، خادم اور ہمیشہ ساتھ رہنے والے اہل وعیال کا نفقہ ہے۔ نیز حج واجب ہونے کی شرائط میں سے راستہ کا محفوظ ہونا ہے، یعنی کوئی ایسی شے مانع سفر نہ ہو جس سے جان، مال یا آبرو وغیرہ خطرے میں ہو اور عورت پر حج واجب نہیں ہے بغیر اس کے کہ خاوند یا محرموں میں سے، مثلاً بھائی، بیٹا، چچا، باپ وغیرہ جن سے نکاح حلال نہیں ہے کوئی ہمراہ ہو اور وجوب حج کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مکلف بینا ہو، اگر نابینا ہو تو اس پر حج واجب نہیں ہے، بجز اس صورت کے جب کہ کوئی رہنما راستہ بتانے والا ساتھ ہو۔ اس کے بغیر حج واجب نہیں ہے، نہ ذاتی حج اور نہ حج بدل اور جو شخص بوجہ کبرسنی کے یا کسی ایسے مرض کے جس کے آرام ہونے کی توقع نہیں ہے، حج سے عاجز ہو یا سخت دشواری کے بغیر سواری پر سوار نہ ہو سکے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنی بجائے کسی کو نائب بنا کر حج بدل کرائے۔ اس کی تفصیل حج بدل کے بیان میں آئے گی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ استطاعت (مقدورِ حج ہونے کی) دو قسمیں ہیں: استطاعت بالنفس اور استطاعت بالغیر۔ اول الذکر کے تحقق کے لئے چند امور درکار ہیں:

اول مکہ جانے، راہبر کی اجرت دینے، وہاں پر قیام کرنے اور اگر واپس آنے کا ارادہ ہو تو واپسی کے اخراجات ادا کرنے پر قادر ہونا۔ اگر مکہ ہی میں ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو واپسی کے اخراجات کا مقدور ہونا شرط وجوب نہیں ہے۔

Marfat.com

دوم سواری کا بندوبست ہونا اور یہ شرط صرف عورت کے لئے ہے، خواہ فاصلہ دور کا ہو یا نزدیک کا۔ لیکن مرد کے لئے سواری کی شرط اس صورت میں ہوگی جبکہ فاصلہ دور کا ہو۔ دور کا فاصلہ دو منزل یا اس سے زیادہ کی مسافت ہے۔ اگر فاصلہ تھوڑا ہو اور اس کے طے کرنے میں ایسی دشواری نہ ہو جو عام طور پر جھیلی نہیں جا سکتی تو حج واجب ہوگا بغیر اس کے کہ سواری مہیا ہو۔ اگر ایسی دشواری ہو تو واجب نہیں ہے اور سواری سے مراد وہ شے ہے، جس پر بیٹھ کر وہاں تک پہنچا جا سکے، خواہ وہ سواری اس کے لئے خاص ہو یا مشترک ہو جب کہ اس کے ساتھ کوئی اور شریک سفر ہو سکے۔ اگر کوئی شخص ایسا نہ ملے جو اس کے ساتھ شریک سواری ہو سکے اور تنہا سواری کا لینا اس کے لئے ممکن نہ ہو تو حج واجب نہ ہوگا اور ضروری ہے کہ سواری کے لئے وہ سامان مہیا ہو جو سفر میں اس کے لئے درکار ہے، مثلاً کوئی چھول داری جس سے گرمی اور سردی سے بچا جا سکے۔ اگر اس کے بغیر ناقابلِ برداشت دشواری پیش آئے تو حج واجب نہ ہوگا۔ لیکن عورت کے لیے بہر حال سامان سواری کا مہیا ہونا ضروری ہے، اگر چہ اس کے نہ ہونے سے کوئی ضرر نہ ہو، کیونکہ عورت کے لئے پردہ کا بندوبست ضروری ہے اور سفر و سواری کے اخراجات کا موجود ہونا ضروری ہے، جو واجب الادا قرضہ سے، گو وہ طویل المیعاد قرضہ ہو اور ان لوگوں کے نفقہ سے جن کا نفقہ اس کے ذمہ ہے اور جو واپسی حج تک کے لئے مکتفی ہو اور مناسب رہائش گاہ سے جس کا ہونا ناگزیر ہو اگر نا گزیر نہ ہو تو گھر کو بیچ کر حج کرنا چاہیے اور کھیتی باڑی کے مویشیوں سے اور جنگی گھوڑے، ضروری ہتھیار اور پیشہ ورانہ آلات اور فقہی کتابوں وغیرہ سے فالتو ہو۔

سوم یہ کہ راستہ بے خطر ہو اور خیال یہ ہو کہ اس کی جان اور اس کی بیوی اور مال، خواہ قلیل ہی کیوں نہ ہو محفوظ رہے گا۔ اگر راستے میں کوئی درندہ ہو یا ڈاکہ وغیرہ پڑنے کا اندیشہ ہے اور کوئی دوسرا (محفوظ) راستہ نہیں ہے تو حج واجب نہ ہوگا۔

چہارم یہ کہ پانی، خوراک اور جانور کا چارہ راستہ میں موجود ہو کہ بوقت ضرورت واجبی اور معمولی قیمت میں دستیاب ہو سکے۔

پنجم یہ کہ عورت کے ساتھ خاوند یا کوئی اس کا محرم یا ایسی عورتیں ہوں جن پر بھروسہ کیا جا سکے اور وہ کم سے کم دو یا اس سے زیادہ ہوں۔ اگر صرف ایک عورت ہمراہ ہو تو حج واجب نہ ہوگا، اگر چہ ایک عورت کے ساتھ بھی فریضہ حج ادا کرنا جائز ہے، بلکہ اگر تحفظ کا اطمینان ہو تو جائز ہے کہ عورت تنہا ہی حج فرض ادا کرے۔ لیکن نفلی حج، خواہ کتنی ہی عورتیں ہمراہ ہوں جائز نہیں ہے (بلکہ محرم کا ہمراہ ہونا لازم ہے)۔ اگر کوئی عورت خاوند یا کسی محرم کو بغیر اجرت دیے ساتھ نہ لے جا سکے تو لازم ہے کہ اجرت دے اور حج کرے۔ نابینا شخص پر حج واجب نہیں ہے جب کہ اسے کوئی راہ بتانے والا نہ ہو، اگر چہ اجرت دے کر ایسا شخص دستیاب ہو سکے اور اس کو دینے کی استطاعت ہو۔ کوئی راہ بتانے والا نہ ملے یا ملے لیکن اس کی اجرت کا مقدور نہ ہو تو نابینا پر حج واجب نہیں ہے، گو وہ مکہ ہی کا رہنے والا ہو۔ اگر عصا کے سہارے چل سکے تو سب سے اچھا ہے۔

ششم یہ کہ سواری پر سوار ہونے میں سخت دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے، ایسا ہو تو اس کو مستطیع بنفسہٖ (ذاتی طور پر صاحب مقدور) قرار نہ دیا جائے گا۔

ہفتم یہ کہ ضروریات حج مہیا ہو جانے کے بعد حج کا وقت باقی ہو۔ اس بارے میں صاحب استطاعت ہونا اسی صورت میں معتبر ہوگا جب کہ اوقات حج یعنی ماہ شوال کی پہلی تاریخ سے دسویں ذی الحجہ تک کے دوران حج کی استطاعت ہو۔ اگر کوئی شخص اس سے پہلے حج کا مقدور رکھتا ہو اور ایام حج میں بے بس ہو جائے تو اس پر حج واجب نہیں۔ اب رہی

Marfat.com

حج کے صحیح ہونے کی شرطیں

صبی ممیز (صاحب شعور لڑکے) وغیرہ کے حج کرنے اور حج کے اوقات کا بیان

حج کے صحیح ہونے کی شرط ''مسلمان ہونا'' ہے، خواہ کوئی شخص خود حج کرے یا اس کی جانب سے کوئی اور کرے۔ پس کافر کا خود حج کرنا یا کسی اور کی طرف سے حج کرنا قدرتی طور پر صحیح نہ ہوگا۔

ایک اور شرط تمیز (باشعور ہونا) ہے، چنانچہ اگر صبی ممیز (باشعور لڑکا) حج کرے اور اعمال حج بجالائے تو حج صحیح ہوگا جیسے نماز صحیح ہوگی۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے، لیکن مالکیہ کہتے ہیں کہ شعور ہونا احرام حج کے صحیح ہونے کی شرط ہے، حج کے صحیح ہونے کی شرط نہیں ہے اور یہ معمولی اختلاف ہے۔ بہرحال غرض یہ ہے کہ باشعور ہونا (صحت حج کے لئے) ضروری ہے۔ لیکن وہ بچہ جو ہنوز ذی شعور نہیں ہوا یا کوئی مجنون (فاتر العقل) ہے تو اس کا حج کرنا صحیح نہ ہوگا۔ نہ ان کا احرام درست ہے اور نہ اعمال حج میں سے کوئی عمل ٹھیک ہوگا لیکن ایسے اشخاص کے ولی پر لازم ہے کہ ان کی طرف سے احرام باندھے اور بہ دوران حج ہر موقع پر ان کو ساتھ رکھے۔ چنانچہ طواف اور سعی ان کو ساتھ لے کر کرے اور عرفات لے کر ساتھ جائے وغیرہ۔

صحت حج کی ایک شرط یہ ہے کہ اعمال حج کو ان کے خاص اوقات میں ادا کیا جائے۔ اگر کہیں اور اوقات میں وہ اعمال انجام دیے گئے تو حج باطل ہوگا۔ اوقات حج کی تفصیل مختلف مسالک کے نقطۂ نظر سے ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

استطاعت کی دوسری قسم یعنی استطاعت بالغیر سو اس کی تفصیل حج بدل کے بیان میں آئے گی۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ''وقت'' جو صحت حج کی شرط ہے اس سے مراد ''طواف زیارت'' اور ''وقوف بعرفات'' کا وقت ہے۔ وقوف بعرفہ کا وقت یوم عرفہ کے زوال شمس کے بعد سے ''یوم نحر'' کے طلوع فجر تک ہے اور طواف زیارت کا وقت یوم نحر کی فجر سے لے کر آخر عمر تک ہے، یعنی طواف زیارت کا وقت، عرفات میں وقوف (ٹھہرنے) کے بعد، مذکورہ وقت کے اندر، کسی وقت بھی ہوسکتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص طواف زیارت سے پہلے عرفات میں نہیں ٹھہرا تو طواف زیارت صحیح نہ ہوگا اور وہ وقت جس سے پہلے افعال حج میں سے کسی فعل کا کرنا درست نہیں ہے وہ یکم شوال سے ماہ ذیقعدہ اور ذی الحجہ کی دس تاریخ تک ہے کہ اگر اس سے پہلے طواف کیا یا سعی کی تو درست نہیں ہے۔ لیکن احرام اس سے مستثنیٰ ہے، یعنی حج کا احرام ان اوقات سے پہلے بھی باندھا جاسکتا ہے، لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔ حنفیہ نے صحت حج کی شرائط میں اضافہ کیا ہے کہ اس کے لئے خاص جگہ ہونی چاہیے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وقوف (ٹھہرنے) کے لئے ''مقام عرفات'' اور طواف زیارت کے لئے ''مسجد حرام'' کا ہونا شرط صحت ہے اور احرام باندھنا بھی شرط ہے۔ دراصل حنفیہ نے محض صحت حج کی تین شرطیں بتائی

Marfat.com

ہیں: احرام (نیت حج کا مخصوص لباس)، حج کا وقت اور حج کی جگہ اور مسلمان ہونا حج کے واجب ہونے اور حج کے صحیح ہونے دونوں کے لئے شرط ہے اور صاحب شعور ہونا ہر چند کہ شرط صحت میں شمار نہیں کیا گیا، لیکن حقیقت میں یہ شرط ہی ہے کیونکہ جو صاحب شعور نہ ہو اس کا احرام باندھنا حنفیہ کے نزدیک درست نہیں ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ صحتِ حج کے لئے جس وقت کی شرط ہے اس میں وہ وقت بھی ہے کہ اگر جاتا رہے تو حج فوت ہو جائے گا اور وہ وقت بھی ہے جس کے جاتے رہنے سے حج فوت نہیں ہوتا۔ ان اوقات کی چند قسمیں ہیں: حج کے لئے احرام باندھنے کا وقت، عرفات میں ٹھہرنے کا وقت اور طواف رکن جسے طواف افاضہ اور طواف زیارت بھی کہتے ہیں، کا وقت اور باقی اعمال حج کا وقت جس میں رمی جمار (کنکری مارنا)، سر منڈانا، ذبح کرنا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا (یعنی دوڑنا)۔ پس احرام کا وقت شوال کی یکم تاریخ سے یوم نحر (قربانی والے دن) کی فجر نمودار ہونے تک ہے، بایں طور کہ فجر کے نمودار ہونے میں اتنا وقت باقی ہو کہ احرام باندھ کر عرفات میں ٹھہرا جا سکے اور صحت حج کے لئے اسی وقت کے اندر احرام باندھنا شرط نہیں ہے، لہٰذا احرام کی ابتدا اس سے پہلے بھی کی جا سکتی ہے درآنحالیکہ احرام باندھے ہوئے کوئی شخص مکہ میں داخل ہوا اور اس کے بعد بھی احرام باندھا جا سکتا ہے، لیکن اس صورت میں وہ احرام اور وقوف بعرفہ مکروہ ہے۔ اگر اس کے بعد احرام باندھا تو وہ احرام آئندہ سال کے حج کا ہوگا کیونکہ اس سال کا حج ممکن نہ ہوگا کیونکہ وقوف بعرفہ (عرفات میں ٹھہرنے کا وقت) جاتا رہے گا اور وقوف بعرفہ جو رکن حج ہے اس کا وقت یوم عرفہ کا سورج ڈوبنے سے لیکر یوم عید کی صبح نمودار ہونے تک ہے۔ لیکن یوم عرفہ کے دن زوال افتاب سے لے کر اس کے غروب ہونے تک کے درمیان ایک لحظہ کے لئے وقوف (بعرفہ) واجب ہے، اگر یہ ترک ہو گیا تو ہدی (قربانی) لازم ہوگی اور طواف افاضہ کا وقت عید قربان کے دن سے ماہ ذی الحجہ کے اخیر تک ہے، اگر اس سے زیادہ تاخیر ہوئی تو قربانی واجب ہوگی اور حج صحیح ہوگا۔ لیکن یوم عید سے پہلے طواف افاضہ صحیح نہیں ہے، بخلاف وقوف رکن کے کہ وہ متذکرہ سابقہ وقت سے پہلے یا اس کے بعد صحیح نہیں ہے۔ حج کے باقی اعمال کے اوقات کی تفصیل ہر عمل کے بیان میں بتائی جائے گی۔ پس سعی (بین الصفا والمروہ) طواف افاضہ کے بعد ہو گی بشرطیکہ طواف قدوم کے بعد سعی نہ کی گئی ہو۔ کنکریاں پھینکنے کے ایام مقرر ہیں، یعنی ایام عید میں پہلے، دوسرے، تیسرے اور چوتھے روز۔ اسی طرح ان اعمال کے اوقات مقرر ہیں جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ پس حج کا وقت جس میں تمام اعمال بجا لائے جاتے ہیں وہ شوال، ذیقعدہ اور ذوالحجہ کا مہینہ ہے اور مقررہ مقامات مثلاً وقوف (ٹھہرنے) کے لئے عرفہ (کا میدان) کوئی مستقل رکن نہیں ہے اور نہ کوئی شرط ہے بلکہ حج کے ایک رکن، یعنی وقوف بعرفات کے مفہوم ہی میں مقام کا تعین شامل ہے۔ اسی طرح مسجد حرام (بذات خود) صحت حج کی شرط نہیں ہے، بلکہ طواف کا ایک جزو ہے۔ رہا صاحب شعور ہونا سوا سے حج کی شرائط میں شمار نہیں کیا جاتا، اگرچہ غیر صاحب شعور کا احرام صحیح نہیں ہے، کیونکہ صاحب شعور ہونا احرام کے لئے جس سے مراد حج کی نیت ہے، ایک شرط ہے۔ اس واسطے کہ جو صاحب شعور نہ ہو اس کی نیت درست نہیں ہے پس مالکیہ کے نزدیک صرف مسلمان ہونے کے علاوہ صحت حج کی اور کوئی شرط نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ "وقت" جو صحتِ حج کے لئے شرط ہے اس کا آغاز یکم شوال سے عید قربان کے روز صبح نمودار ہونے تک ہے جو احرام حج کے صحیح ہونے کی شرط ہے۔ پس اگر اس سے پہلے احرام باندھا یا اس کے بعد باندھا تو حج صحیح نہ ہوگا۔

Marfat.com

ارکان حج کا بیان

حج کے ارکان چار ہیں: احرام، طواف زیارت، جس کو طواف افاضہ کہتے ہیں۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا اور عرفات میں وقوف کرنا۔ ان ارکان (چارگانہ) میں سے اگر کوئی ایک رکن بھی رہ جائے تو حج باطل ہو جائے گا۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ حج کے صرف دو رکن ہیں۔ اب ان کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔[1]

اب ان تمام ارکان کی تفصیل بالترتیب بیان کی جاتی ہے۔

احرام کی تعریف

احرام کے معنی بہ اصطلاح شرع حج و عمرہ میں شامل ہونے کی نیت کرنا ہے۔ اس کے لئے تلبیہ اور سوق ہدی (یعنی قربانی کا جانور بھیجنا) وغیرہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ضروری نہیں ہے، مالکیہ اور حنفیہ

البتہ عمرہ ہو جائے گا۔ نیز "عرفات" میں ٹھہرنے، طواف افاضہ کرنے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی وغیرہ اعمال حج میں سے ہر ایک کے لئے اوقات مقرر ہیں، ان سب کی تفصیل ان اعمال کے بیان کے وقت بتائی جائے گی۔

واضح ہو کہ شافعیہ کے نزدیک صحت حج کی شرائط میں ان تین امور کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے: مسلمان ہونا، صاحب شعور ہونا اور (اعمال حج کے) مقررہ اوقات کا ہونا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ "وقت" صحت حج کی شرط ہے۔ اس کی چند قسمیں ہیں: احرام کا وقت، وقوف بعرفہ کا وقت، طواف افاضہ کا وقت اور باقی اعمال حج کا وقت مثلاً صفا مروہ کے درمیان سعی۔

احرام کا وقت شوال کی یکم تاریخ سے یوم نحر (قربانی کے دن) کی فجر طلوع ہونے تک ہے جب کہ صبح کے نمودار ہونے میں اتنا وقت باقی رہے جس میں احرام اور وقوف بعرفہ کیا جا سکے۔ اس وقت احرام باندھنا سنت ہے، اس سے پہلے اور اس کے بعد احرام باندھنا گو صحیح ہے لیکن مکروہ ہے۔ رہا عرفہ میں وقوف کرنے اور دوسرے اعمال حج ادا کرنے کا وقت سو اس کی تفصیل ہر عمل کے بیان میں بتائی جائے گی۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ حج کے صرف دو رکن ہیں، یعنی عرفات میں وقوف کرنا اور طواف زیارت کا بیشتر حصہ، یعنی سات میں سے چار چکر (رکن ہے)، باقی تین چکر جس سے سات چکر پورے ہوتے ہیں وہ واجب ہیں، جیسا کہ آگے بتایا جائے گا۔ رہا احرام سو وہ صحت حج کی شرائط میں سے ہے، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے، رکن نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ حج کے ارکان چھ ہیں منجملہ ان کے چار کا ذکر متن کتاب میں اوپر کیا گیا، ان پر دو مزید رکن کا اضافہ کیا گیا ہے: سر کے بال کا کاٹنا۔ سر کے علاوہ کسی اور جگہ کے بال نہیں۔ اس طرح پر کہ کم از کم تین بال کلی طور پر یا ان کا

Marfat.com

کے مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ [1] البتہ احرام باندھنے کے متصل ہی تلبیہ کہنا سنت ہے (دونوں میں فاصلہ نہ ہونا چاہئے)۔

احرام کے مواقیت (مقامات)

میقات کے معنی لغت میں وہ مقام ہے جہاں پر حاجی حج کا احرام باندھتے ہیں۔ یہ لغوی معنی ہی شرعی معنی کے مطابق ہیں۔

واضح ہو کہ احرام کے میقات (مواقع) مکانی بھی ہیں اور زمانی بھی۔ میقات زمانی (اوقات اعمال حج) کی تفصیل وقت حج کے بیان میں ابھی اوپر بتائی جا چکی ہے، رہا میقات مکانی (احرام کے مقامات) سو وہ مختلف اطراف (سے آنے والے حاجیوں) کے لئے مختلف ہیں۔ چنانچہ مصر، شام، ممالک مغربی اور اس کے علاوہ اہل اندلس و روم وتکرور کا میقات (مقام احرام) جحفہ بضم جیم وسکون حا ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک گاؤں ہے۔ اب وہ جگہ تو اجڑ چکی ہے لیکن اس کے قریب ہی ایک اور قصبہ ''رابغ'' ہے، اب یہیں پر احرام باندھنا بلا کراہت درست ہے اور لوگ جب سمندر میں اس مقام کے محاذ میں آتے ہیں تو وہاں احرام باندھتے ہیں کیونکہ میقات میں احرام باندھنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ خشکی ہی کے راستہ ادھر سے گزرا جائے، بلکہ ان دو باتوں میں سے ایک ہونی چاہئے یا تو خاص اس مقام سے گزر ہو یا پھر اس مقام سے جو اس کے محاذ میں واقع ہو، خواہ وہ سمندر ہی میں ہو اور اہل عراق اور دوسرے اہل مشرق کے لئے مقام ''ذات عرق'' میقات ہے۔ یہ مکہ سے دو منزل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ

کچھ حصہ کاٹ دیا جائے۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ یہ عمل حج کے اندر عرفات میں وقوف کرنے اور قربانی کی رات آدھی گزر جانے کے بعد کیا جائے اور ان عظیم ارکان خمسہ میں ترتیب کا خیال رکھنا (کہ یہ چھٹا رکن ہے) بایں طور کہ سب سے پہلے احرام باندھا جائے اور عرفات کا وقوف طواف افاضہ اور بال کٹوانے سے پہلے کیا جائے اور طواف (افاضہ) سعی سے پہلے کیا جائے درآنحالیکہ طوافِ قدوم کے بعد سعی نہ کی گئی ہو (تب بصورت دیگر سعی کرنا ضروری نہیں)۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ''احرام'' عبارت ہے خاص امور کو اپنے اوپر لازم کر لینے سے اور احرام دو باتوں سے بندھ جاتا ہے: ایک نیت کرنا، دوسرے اس کے ساتھ ہی تلبیہ کہنا اور مطلق ذکر الٰہی تلبیہ کا قائم مقام ہے یا پھر یہ کہ بدنہ (قربانی کے اونٹ یا گائے) کے گلے میں قلادہ ڈال کر قربانی کے لئے پیش کر دینا (یہ بھی تلبیہ کے قائم مقام ہے)۔ اگر محض نیت کی اور تلبیہ نہ کیا (یعنی لبیک نہ کہا) یا اس کے بجائے امور مذکورہ میں سے کچھ نہ کیا یا تلبیہ کیا اور نیت نہ کی تو احرام نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر بدنہ پر قربانی حج کی علامت کے طور پر برچھے کا ہلکا سا زخم لگایا جو اونٹ کے لئے مخصوص طریقہ ہے، یا اونٹ پر جھول ڈال دی، یا اسے بطور جانور قربانی کے لیے بھیج دیا یا حج تمتع کرنے والا نہ تھا اور حج کو عمرہ کے ساتھ ملایا نہ تھا یا (اونٹ یا گائے

Marfat.com

یہاں پر ایک پہاڑی ہے، اس کا نام عرق بکسر عین ہے۔ یہ پہاڑی ایک وادی میں واقع ہے جس کا نام وادی عقیق ہے اور مدینہ جو آنحضرت ﷺ کے نور (وجود) سے منور ہے وہاں کے باشندوں کا میقات ذوالحلیفہ ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں سے قبیلہ بنی جشم کے لوگ پانی لیا کرتے تھے، وہاں سے مدینہ منورہ پانچ میل سے کم فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ میقات مکہ کے لئے سب سے زیادہ فاصلہ پر ہے، کیونکہ ان دونوں کے درمیان نو منزلوں کا فاصلہ، یعنی نو دن کی مسافت ہے۔ اہل یمن و اہل ہند کا میقات یلملم بفتح لامین و سکون میم ہے۔ یہ کوہستان ''تہامہ'' کی ایک پہاڑی ہے جو مکہ سے دو منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ نجد والوں کا میقات ''قرن'' بفتح قاف و سکون را ہے کہ یہ بھی ایک پہاڑی ہے جو عرفات میں واقع اور مکہ سے دو منزل کی مسافت پر ہے۔ اسے قرن المنازل بھی کہتے ہیں۔ یہ مقامات اطراف مذکورہ کے رہنے والوں کے لئے اور ہر اس شخص کے لئے ہیں جو اس میں سے ہو کر یا اس کے مقابل سے گزرے اگر چہ ان علاقوں کا رہنے والا نہ ہو۔ لہٰذا جو شخص ان میقات یا ان کے محاذ سے بارادۂ ادائے اعمال حج گزرے تو وہاں پر احرام باندھنا واجب ہے اور وہاں سے احرام باندھے بغیر گزرنا جائز نہیں ہے۔ اگر احرام بندھا ہوا نہ ہو اور وہاں سے گزر جائے تو پھر واپس لوٹ کر وہیں سے احرام باندھنا واجب ہے، بشرطیکہ راستہ بے خطر ہو اور وقت میں اتنی گنجائش ہو کہ واپس جانے میں حج فوت نہ ہو۔ اگر واپس نہ گیا تو قربانی دینا لازم ہے، کیونکہ وہ بغیر احرام کے میقات سے گزرا ہے، خواہ واپس جانا ممکن ہو یا راستہ کے غیر محفوظ ہونے یا تنگی وقت کے باعث ممکن نہ ہو۔ البتہ اگر واپس جانا ممکن ہے اور واپس نہ جائے تو گناہ ہوگا۔ قطع نظر اس کے کہ اس کے آگے راستے میں اور مواقیت آتے ہوں یا نہ آتے ہوں۔ یہ حکم اسی تفصیل کے ساتھ شافعیہ اور حنابلہ کے درمیان متفق علیہ ہے، حنفیہ اور مالکیہ کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں (1) اور جو شخص مکہ میں ہو خواہ وہ مکہ کا باشندہ ہو یا

کے بجائے) بکری کے گلے میں قلادہ ڈالا تو (محض ان اعمال سے بدون نیت حج) احرام نہیں بندھے گا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ احرام عبارت ہے حج کے حرمات (اعمال خصوصی) میں داخل ہو جانے سے اور اس کے ساتھ ہی تلبیہ یا تہلیل یا حج کے اعمال میں سے کوئی عمل کر لینا، مثلاً بدنہ روانہ کرنا یا اس پر قلادہ ڈالنا سنت ہے۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ بغیر احرام باندھے میقات سے گزرنا حرام ہے اور (اس کی تلافی میں) قربانی دینا لازم ہے، بشرطیکہ اس کے آگے جہاں سے اس کو گزرنا ہے کوئی اور میقات نہ ہو اور افضل یہی ہے کہ پہلے ہی سے احرام باندھ لے، بشرطیکہ اسے اپنے نفس کی طرف سے اطمینان ہو کہ منافی احرام کوئی حرکت سرزد نہ ہوگی۔ اگر یہ اطمینان نہ ہو تو افضل یہی ہے کہ آخری میقات پر، جہاں سے اسے گزرنا ہے، احرام باندھا جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ان میقاتوں میں سے جس میقات میں سے ہو کر گزرنا ہو اسی میں احرام باندھ لینا واجب ہے۔

Marfat.com

نہ ہو۔اس کے لئے شہر مکہ ہی میقات ہے۔ پس جو شخص مکی نہیں ہے اگر مکہ میں رہائش پذیر ہے تو اسے (احرام باندھنے کے لئے) اپنے میقات پر جانے کے لئے نہیں کہا جائے گا۔اگر چہ وقت میں گنجائش ہو اور جو شخص مواقیت سے آگے اور مکہ سے پہلے رہتا ہے اس کا میقات وہی ہے جہاں وہ رہتا ہے، اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے، مالکیہ کا مسلک اس بارے میں تفصیل طلب ہے، اس کے لئے ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (۱)

احرام باندھنے سے پہلے جو امور مطلوب ہیں ان کا بیان

جو شخص حج کے لئے احرام باندھنا چاہے اس کے لئے احرام سے پہلے کچھ امور مطلوب ہیں جن میں سے بعض سنت ہیں، بعض مستحب ہیں، یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تفصیل بتا دی جائے تا کہ سمجھنے میں آسانی ہو۔اس کے لئے ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (۲)

احرام باندھے بغیر اس سے آگے جانا حرام ہے اور قربانی لازم ہوگی، بجز اس صورت کے جب کہ اس کے علاقہ کے لوگوں کا میقات اسی طرف ہو جس طرف سے اسے آگے جانا ہے اور اسی میں سے اسے گزرنا ہے۔ایسی صورت میں اولین میقات پر احرام باندھنا صرف مستحب ہوگا۔اگر وہاں احرام نہیں باندھا تو نہ گناہ ہوگا اور نہ قربانی لازم ہوگی، صرف امر مستحب کے خلاف ہوگا۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ جو شخص مکہ میں ہو اور مکہ کا رہنے والا نہ ہو اور حج کے لئے احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو اس کو مکہ ہی میں احرام باندھ لینا صحیح ہے۔

تاہم اگر وقت میں گنجائش ہو اور جانے میں جان یا مال کا خطرہ نہ ہو تو مستحب یہ ہے کہ میقات ہی میں جا کر حج کا احرام باندھے۔بصورت دیگر احرام کے لئے جانا مستحب نہیں ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ امور مطلوبہ کے منجملہ غسل کرنا ہے۔ یہ سنت مؤکدہ ہے، گو محض وضو کر لینا اصل سنت کا قائم مقام عمل ہے، لیکن غسل افضل ہے، یہ غسل ستھرائی کے پیش نظر ہوگا، پاک ہونے کے لئے نہیں، لہٰذا حیض و نفاس کی حالت میں بھی (احرام کے لیے) غسل کرنا چاہیے۔اگر پانی دستیاب نہ ہو تو غسل ساقط ہو جائے گا۔اس کے بجائے تیمم کرنا مشروع نہیں ہے، اس لئے کہ ستھرائی (جو اس غسل کی غرض ہے وہ) تیمّم سے حاصل نہیں ہوتی اور (منجملہ امور مطلوبہ کے) ناخنوں کا تراشنا اور وہ بال کاٹنا ہے جس کے کاٹنے کا حکم ہے جیسے سر اور مونچھوں کے بال جنہیں بالعموم تراشا جاتا ہے۔ورنہ بالوں میں کنگھا کر لینا چاہیے اور یہ بھی مستحب ہے کہ اگر کوئی امر مانع نہ ہو تو بیوی سے ہم بستری کر لے، تا کہ اس میں زیادہ عرصہ گزر جانے کے باعث کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جائے جو احرام کو فاسد کر دے اور یہ کہ ایک ازار (زیر جامہ) اور ایک ردا (چادر) پہن لی جائے۔ازار سے مراد وہ کپڑا ہے جو ناف سے لیکر گھٹنوں سمیت تک ڈھک لے اور ردا سے مراد وہ چادر ہے جو پیٹھ، سینے اور دونوں مونڈھوں پر ڈال لی جائے، یہ بھی امر مستحب ہے۔تہبند (یا زیر جامہ) میں بٹن یا گھنڈی وغیرہ لگانا

Marfat.com

برا ہے، لیکن ایسا کرنے سے قربانی لازم نہیں ہوتی اور مستحب یہ ہے کہ ازار اور ردا نئے کپڑوں کی ہو یا پانی سے دھلا ہوا پاک کپڑا ہو اور سفید ہو۔ نیز بدن اور کپڑے پر ایسی خوشبودار چیز لگانا جو احرام کے بعد لباس پر باقی نہ رہے، گو اس کی خوشبو رہ جائے۔خوشبو اگر دستیاب ہو تو اس کا لگانا مستحب ہے، نہ ہو تو مستحب بھی نہیں۔

اور یہ کہ متذکرہ امور کے بعد دو رکعت نماز ادا کرے، بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو، ایسا ہو تو نماز نہ پڑھی جائے اور بقول صحیح یہ نماز سنت ہے اور افضل یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ قل یا ایھا الکافرون اور دوسری میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ احد) پڑھی جائے۔اگر یہ احرام کوئی نماز فریضہ ادا کرنے کے بعد باندھا گیا ہو تو وہی نماز اس کی قائم مقام ہے اور یہ کہ زبان سے بھی اور دل میں بھی یہ کہے: "اللّٰھم انی ارید الحج فیسرہ لی و تقبلہ منی" (یعنی یا الٰہی! میں نے حج کا ارادہ کیا ہے اور اسے مجھ پر آسان کر دے اور میرا حج قبول فرما)۔اس کے بعد تلبیہ کہے۔ تلبیہ کے الفاظ یہ ہیں: "لبیک اللّٰھم لبیک. لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک و الملک لاشریک لک" (ہاں! اے میرے اللہ ہاں، بے شبہ تمام تعریفیں اور خوبیاں تیرے لئے ہیں۔بادشاہت تیری ہے، تیرا کوئی شریک نہیں) تلبیہ کرنے کے بعد آہستہ آواز سے درود پڑھے اور ہر فرض نماز کے بعد جہاں تک ہو سکے زیادہ سے زیادہ بار تلبیہ کرے۔اسی طرح جب کوئی سواری نظر آئے یا چڑھائی پر چڑھنے لگے یا وادی میں اترنے لگے اور ہر صبح کو اس کی کثرت کرے۔ نیز نیند سے بیدار ہو کر اور سواری پر بیٹھتے یا اترتے وقت بھی تلبیہ کرے اور تلبیہ ہمیشہ اونچی آواز سے پڑھے لیکن پوری طاقت لگا کر نہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ (احرام سے پہلے) غسل کرنا سنت ہے، اگرچہ کوئی (عورت) حیض یا نفاس کی حالت میں ہو، کیونکہ احرام کے لئے غسل مطلوب ہے اور سب کو کرنا چاہیے اور سنت جب پوری ہوگی کہ غسل احرام کے متصل ہی کیا جائے، پس اگر غسل کے بعد اتنی دیر توقف کیا جسے زیادہ عرصہ خیال کیا جاتا ہے تو اب چاہیے کہ (احرام کے لئے) دوبارہ غسل کرے اور جسے مقام ذوالحلیفہ پر احرام باندھنا ہے اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں ہی غسل کر کے چلے۔ (اگر غسل کے لئے) پانی دستیاب نہ ہو تو اس کے بدلے تیمّم کرنے کا شرعاً کوئی حکم نہیں ہے اور "ہدی" (یعنی قربانی کا جانور اونٹ یا گائے) اگر اس کے ساتھ ہے تو (احرام کے ساتھ) پہلے اس کی "تقلید" اور پھر "اشعار" کرنا سنت ہے۔تقلید یہ ہے کہ (قربانی حج کی نشانی کے طور پر) قربانی کے گلے میں کوئی چیز (پٹے کی طرح) باندھ دی جائے اور "اشعار" یہ ہے کہ کوہان (یا کھ) پر ایک یا دو انگل کا زخم لگایا جائے (یہ بھی قربانی کے جانور کی علامت کے طور پر ہوتا ہے) زخم کا یہ چیرا بائیں جانب طولاً گردن سے کنپٹی کی طرف ہونا چاہیے اور تقلید یا اشعار صرف اونٹ کا یا کوہان دار گائے (بیل) کا ہوتا ہے، بھیڑ بکری کو نہ پٹا ڈالا جائے اور نہ چیرا دیا جائے اور (احرام کے ساتھ) مستحب یہ ہے کہ ایک ازار، ایک ردا اور جوتی پہن لی جائے۔"ازار" وہ کپڑا جو ناف سے گھٹنے تک ڈھک لے اور ردا وہ کپڑا جو دونوں کندھوں پر ڈال لیا جائے۔ان کے علاوہ کوئی اور کپڑا جو سلا ہوا نہ ہو اور چاروں طرف سے لپیٹا نہ جائے پہن لینے میں مضائقہ نہیں ہے لیکن امر مستحب کے خلاف ہے اور سنت یہ ہے کہ احرام نماز پڑھ کر باندھا جائے، اگر ایسا وقت ہے جس میں نفل نماز جائز ہے تو مستحب یہ ہے کہ دو رکعت نماز نفل پڑھ کر احرام (نیت) باندھیں، اگر ایسا وقت نہ ہو تو (احرام کے لئے) اس وقت کا انتظار کیا جائے جس میں

Marfat.com

نفل نماز حلال ہے اور بہتر یہ ہے کہ سواری پر جانے والا اپنے جانور پر بیٹھ کر نیت کرے اور پیدل جانے والا جب چل پڑے تو نیت کرے۔ احرام کے ساتھ ہی تلبیہ کرنا سنت ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا اور تلبیہ بذات خود واجب ہے اور جب کبھی ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیلی ہو تو تلبیہ کہنا چاہیے۔ مثلاً بلند جگہ پر چڑھنے لگے یا اونچی جگہ سے نیچے اترنے لگے یا کسی راہ گیر سے ملاقات ہو یا جب نماز ختم ہو۔ یہ تلبیہ مکہ میں داخل ہوتے تک پڑھتے رہنا چاہیے۔ طواف کے وقت تلبیہ بند کر دیا جائے اور طواف قدوم کے بعد سعی کا ارادہ ہو تو سعی کرنے کے بعد پھر تلبیہ شروع کیا جائے، یہاں تک کہ عرفہ کے دن سورج غروب ہو جائے اور مصلے پر پہنچ کر بند کر دیا جائے۔ (سعی کے بعد) اگر دوبارہ تلبیہ شروع نہیں کیا تو یہ امر ترک واجب ہوگا اور (اس کی تلافی میں) قربانی لازم ہوگی۔ واضح ہو کہ تلبیہ میں اعتدال ملحوظ رکھنا مستحب ہے یعنی اس میں زیادہ مشقت نہ کی جائے کہ طبیعت اکتا جائے۔ اسی طرح آواز میں بھی اعتدال مرعی رہے کہ نہ تو بالکل ہلکی ہو اور نہ بہت زیادہ اونچی ہو، بلکہ ہلکی اور اونچی کے درمیان کی آواز ہو اور صرف ان ہی الفاظ میں تلبیہ کیا جائے جو آنحضرت ﷺ سے مروی ہیں یعنی ''**لبیک اللھم لبیک، لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد و النعمة لک والملک لاشریک لک**''۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ (احرام سے پہلے) غسل کرنا سنت ہے، خواہ کوئی (عورت) حالت حیض یا حالت نفاس میں ہو۔ پانی دستیاب نہ ہو یا کسی مرض وغیرہ کے باعث پانی کے استعمال سے معذوری ہو تو تیمّم کر لینا چاہیے۔ غسل اور احرام کے درمیان حدث لاحق ہو جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ احرام باندھنے سے پہلے بال کٹوا کر، ناخنوں ترشوا کر اور بدبو کو دور کر کے ستھرا ہو جانا سنت ہے اور بدن پر خوشبو لگانا بھی سنت ہے، البتہ کپڑوں میں خوشبو لگانا مکروہ ہے، تاہم خوشبو لگا لی اور اسے پہنے رہا تو اس سے کوئی حرج نہیں، جب تک کہ اسے اتارا نہ جائے، اگر اتار دیا ہے تو اب دھوئے بغیر اسے پہننا جائز نہیں ہے اور سنت یہ ہے کہ مرد سلے ہوئے کپڑے اتار کر احرام سے پہلے ایک ازار (تہبند) ایک ردا (چادر) جو سفید، پاک اور نئے کپڑوں کی ہو پہن لے اور جوتی پہن لے اور یہ بھی سنت ہے کہ کوئی فرض نماز یا نفل نماز پڑھنے کے بعد درآنحالیکہ اس وقت نفل منع نہ ہو اور پانی یا مٹی (برائے غسل یا تیمم) نایاب نہ ہو احرام باندھے، احرام کے وقت اس کی تعیین ضروری ہے کہ وہ حج ہے یا عمرہ یا قران اور جس امر کی نیت دل میں ہو وہی الفاظ منہ سے ادا کرے اور کہے کہ ''**اللّٰھم انی ارید النسک الفلانی فیسر لی و تقبله منی و ان حبسنی حابس فمحلی حیث حبستنی**'' (یعنی یا الٰہی! میں نے فلاں قسم کے حج کا ارادہ کیا ہے اسے میرے لئے آسان فرما دے اور اسے قبول فرما۔ اگر کوئی رکاوٹ پیش آئے تو اس سے رستگاری دلا)۔ اگر ایسا کیا اور کسی مرض یا کسی دشمن کے باعث رکاوٹ لاحق ہوئی اور احرام توڑنا پڑا تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ جو شخص احرام باندھنے کا ارادہ کرے اسے پہلے چند باتیں کرنا ہیں:

منجملہ ان کے احرام سے پہلے غسل کرنا ہے، اگرچہ ایام حیض ہوں اور یہ غسل احرام کی نیت سے ہونا چاہیے، بغیر عذر کے اس کا ترک کرنا مکروہ ہے۔ اگر کوئی شخص پانی دستیاب نہ ہونے کے باعث غسل نہ کر سکے یا غسل سے معذوری ہو تو تیمم کر لے۔ اسی طرح بغل اور زیر ناف کے بال کو دور کرنا، موچھیں کتروانا، ناخن ترشوانے اور سر منڈوانا اس کے لئے جو اس

Marfat.com

حالت احرام میں جو امور ناجائز ہیں ان کا بیان

جماع۔شکار۔خوشبو

صاحب شریعت نے احرام کی حالت میں چند امور سے منع فرمایا ہے، ان میں سے بعض امور حلال نہیں ہیں اور بعض مکروہ ہیں۔اب ان کی تفصیل بیان کی جاتی ہے:

طرح سر کی زینت کرتا ہو، ورنہ اسی طرح رہنے دے اور گوند وغیرہ سے اسے جمالے اور یہ (سر منڈانے کا حکم) اس صورت میں ہے جب کہ قربانی کا ارادہ نہ ہو بصورت دیگر بال کٹوانے کو اس وقت تک کے لئے ملتوی کر دے اور ان تمام باتوں کو نہانے سے پہلے انجام دینا اس کے لئے سنت ہے جو ناپاکی کی حالت میں نہ ہو۔ جو شخص ایسی حالت میں ہو اس کے لئے سنت یہ ہے کہ نہانے کے بعد یہ سب کچھ کرے۔نہانے کے بعد بدن پر خوشبو ملنا چاہیے۔روزہ دار کو ایسا کرنا مکروہ ہے اور ایسی عورت کے لئے حرام ہے جو سوگ میں ہو، جس پر بناؤ سنگھار کا ترک کرنا بوجہ وفات خاوند کے واجب ہے۔ اگر لگائی ہوئی خوشبو احرام کے بعد بھی باقی رہے تو مضائقہ نہیں ہے، گو خوشبودار چیز بھی بدن پر باقی رہے۔نیز (بدن پر خوشبودار چیز کے ملنے سے) لباس میں بھی خوشبو آجائے تو حرج نہیں ہے۔

اور احرام سے پہلے جو باتیں کرنی چاہئیں ان میں بیوی سے ہم بستر ہونا بھی ہے اور عورت اپنے ہاتھوں میں پہنچوں تک مہندی لگالے، لیکن نقش ونگار نہ بنائے اور چہرے پر خضاب وغیرہ کی کوئی چیز مل لے۔مرد کو (احرام کے وقت) ایک ازار (تہبند) اور ایک ردا (چادر) پہننا چاہیے۔یہ کپڑے سفید اور نئے ہوں یا پھر دھلے ہوئے ہوں اور جوتی پہن لینا چاہیے، رنگین لباس پہننا مکروہ ہے اور یہ کہ دو رکعت نماز سنت احرام سے پہلے پڑھ لے، بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو، البتہ جو شخص مکہ کے علاقہ حرم میں ہو تو بغیر کسی قید و وقت کے نماز پڑھ سکتا ہے۔اس کے بجائے احرام سے پہلے کوئی بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے، فرض ہو یا نفل۔(وہی اس نماز احرام کی قائم مقام ہو جائے گی) اور دونوں رکعتوں میں قرأت آہستہ کی جائے، خواہ دن ہو یا رات ہو اور یہ کہ احرام باندھنے کے وقت رخ قبلہ کی جانب ہو اور یوں کہے: ''اللّٰھم احرم لک شعری و بشری و لحمی و دمی '(یعنی یا الٰہی میں اپنا روآں جسم اور گوشت وخون سب تیرے سپرد کرتا ہوں) اور منجملہ ان امور کے (جو احرام کے وقت بجالائے جائیں) تلبیہ کرنا ہے، یعنی یہ کہنا کہ: ''لبیک اللّٰھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد و النعمۃ لک و الملک لاشریک لک ''۔اور یہ الفاظ اطمینان اور وقار کے ساتھ بطور ذکر الٰہی کے ادا کئے جائیں اور جب تک احرام کی حالت ہے تلبیہ اونچی آواز سے ہونا چاہیے۔احرام نہ ہو تو آہستہ کہنا چاہیے، لیکن عورت کو ہر حال میں آہستہ پڑھنا ہی سنت ہے۔ اجنبی مردوں کے سامنے عورت کا اونچی آواز نکالنا مکروہ ہے، یہی حکم مخنث کے لئے ہے۔تلبیہ کے بعد نبی ﷺ پر سلام و درود بھیجنا چاہیے اور ہر تغیر حال پر تین بار تلبیہ کہنا چاہیے، مثلاً جب حالت سکون سے حرکت میں آئے، اونچائی پر چڑھنا ہو یا نشیب میں اترنا ہو یا ہمراہیوں سے ملاقات ہو یا

Marfat.com

احرام کی حالت میں عقد نکاح حرام ہے اور تین اماموں کے نزدیک یہ نکاح باطل ہے۔ حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

واضح ہو کہ جماع کی طرح (حالت احرام میں) دواعی جماع (یعنی جن حرکات سے اس کی خواہش پیدا ہوتی ہے وہ) بھی حرام ہیں، مثلاً بوسہ لینا، بدن سے بدن ملانا۔ اسی طرح حکم الٰہی کے خلاف جو امور ہیں، وہ سب حرام ہیں۔ اگرچہ یہ امور حج کے علاوہ اور دنوں میں بھی حرام ہیں، لیکن حج کے دنوں میں اس کی ممانعت زیادہ سخت ہے۔ نیز اپنے ساتھیوں اور نوکروں سے الجھنا بھی حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فمن فرض فيهن الحج فلارفث ولا فسوق ولا جدال في الحج".

(یعنی جب ان ایام میں حج فرض کر لیا تو بدوران حج رفث، بدکاری اور جدال کی اجازت نہیں ہے)۔

رفث کے معنی جماع اور اس پر ابھارنے والی باتوں اور فحش کلامی کے ہیں اور جدال لڑائی جھگڑے کو کہتے ہیں۔ نیز بری (خشکی کے) جانوروں کے شکار کے درپے ہونا، انہیں مارنا اور ذبح کرنا بھی حرام ہے اور اگر (شکار) نظر آرہا ہو تو اشارے سے اسے بتانا یا نظر نہ آتا ہو تو اس کا راستہ بتانا یا ایسی کوئی اور حرکت کرنا، مثلاً ان کے انڈوں کو توڑنا حرام ہے، لیکن یہ شکار وغیرہ اس صورت میں حرام ہے جب کہ وہ جنگلی جانور ہو اور اس کا گوشت حلال ہو۔ اگر اس کا گوشت حلال نہ ہو تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایسے شکار کے درپے ہونا جائز ہے، لیکن حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ خشکی کے جانور کا شکار مطلقاً حرام ہے، خواہ وہ جانور حلال ہو یا نہ ہو۔ البتہ دریائی جانور کا شکار حلال ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"احل لكم صيد البحر و طعامه متاعاًلكم و للسيارة و حرم عليكم صيد البر

رات آئی ہو یا دن ہو رہا ہو۔ (تلبیہ کے بعد) جو دل چاہے دعا مانگی جائے لیکن افضل یہ ہے کہ ایسی دعا مانگی جائے جو حدیث میں آئی ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ حالتِ احرام میں عقد نکاح جائز ہے، کیونکہ احرام باندھنا عورت کو عقد نکاح کی صلاحیت سے مانع نہیں ہوتا، البتہ ہم بستری ممنوع ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے حالت حیض ونفاس وظہار قبل از کفارہ کی کہ ان سب صورتوں میں محض ہم بستری منع ہے، عقد نکاح کی ممانعت نہیں ہے۔

Marfat.com

مادمتم حرما"۔

(یعنی تمہارے لئے حالت احرام میں دریائی جانوروں کا شکار اور اس کا کھانا حلال ہے، تاکہ تمہیں اور دوسرے مسافروں کو فائدہ مند ہو، لیکن خشکی (کے جانوروں) کا شکار بدوران احرام حرام ہے)۔

بری جانور وہ ہیں جن کا توالد و تناسل خشکی میں ہو، گو وہ پانی میں بھی رہتے ہوں۔ بحری جانور ان کے برعکس ہیں (یعنی جن کا توالد و تناسل دریا میں ہو، گو وہ خشکی میں بھی رہتے ہوں)۔ تین اماموں کی یہی رائے ہے، شافعیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

حالتِ احرام میں خوشبو کا استعمال کرنا، مثلاً مشک کا کپڑوں پر ملنا، ناخن تراشنا حرام ہے اور مردوں کو سلے ہوئے کپڑے پہننا اور تمام بدن یا بدن کے کچھ حصے پر اس کا لپیٹنا حرام ہے، جیسے قمیص (کرتا) پاجامہ، پگڑی اور جبہ جسے قبا (کوٹ، اچکن وغیرہ) بھی کہتے ہیں اور خف (چرمی موزے) پہننا حرام ہے۔ البتہ جوتی نہ ہو تو موزہ پہن لینا جائز ہے، بشرطیکہ ٹخنے سے نیچے کا حصہ کاٹ دیا جائے۔ نیز سر اور چہرے کا پورا یا کسی قدر حصہ ڈھکنا حرام ہے۔ یہ حکم حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ہے، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ مردوں کو چہرے ڈھکنا حرام نہیں ہے۔

عورت کے لئے حالت احرام میں منہ اور سر ڈھکنے کا بیان

عورت کے لئے جائز ہے کہ حالت احرام میں وہ اپنے چہرے اور ہاتھوں کو ڈھک لے، بشرطیکہ غیروں سے منہ چھپانا مقصود ہو، لیکن چھپانے کے لئے چہرے کے سامنے کسی چیز کی آڑ کرنی چاہیے جو چہرے سے لگنے نہ پائے۔ یہ حکم حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک ہے، حنابلہ اور مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ بری جانور وہ ہے جو محض خشکی میں رہتا ہو یا بر و بحر دونوں جگہ رہ سکتا ہو، جیسے کچھوا اور بحری جانور وہ ہے جو دریا کے سوا کہیں نہ رہ سکے۔

۲۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ عورت بوقت ضرورت منہ ڈھک سکتی ہے، مثلاً اجنبی مردوں کا پاس سے گزر ہو۔ اس میں اگر ڈھکنے والی چیز چہرے سے لگ جائے تو حرج نہیں ہے۔ اس میں دشواری اور زحمت سے بچنے کی گنجائش ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر عورت اپنے ہاتھوں اور چہرے کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپانا ہی چاہتی ہے تو وہ حالتِ احرام میں بھی ایسا کر سکتی ہے درآنحالیکہ فی الواقع لوگ اس کی جانب دیکھ رہے ہوں یا وہ حسن و جمال میں پوری ہو، کیونکہ ایسی عورتوں پر مردوں کی نگاہ پڑ جانا قرین قیاس ہے۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ جس سے منہ ڈھکا ہے وہ نہ تو سلی ہوئی ہو اور نہ

Marfat.com

رنگین یا خوشبودار کپڑے پہننے

اور بال کاٹنے کا بیان

ایسے رنگین کپڑے کا پہننا (بحالت احرام) حرام ہے جس میں خوشبو ہو۔اس کی تفصیل ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔(۱)

حالت احرام میں خوشبو سونگھنے اور خوشبو پاس رکھنے کا بیان

احرام کی حالت میں خوشبو، یعنی عطریات کا سونگھنا یا اس کا پاس رکھنا مکروہ ہے، اس پر سب کا اتفاق ہے۔ نیز ایسے مکان میں ٹھہرنا بھی جہاں عطر کی خوشبو بسی ہوئی ہو، مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے، خواہ

اس میں بندھن ہوں۔ اگر ایسا کسی نے کیا تو وہ عورت حالتِ احرام میں تو رہے گی، لیکن منہ ڈھکنے کا فدیہ دینا پڑے گا۔اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ غرض یہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں تو ہاتھ، منہ کا ڈھکنا حرام ہے، بشرطیکہ اردگرد سے لپیٹ کر ڈھکا ہو جیسے دستانہ، یعنی وہ لباس جو ہاتھوں کو ٹھنڈ سے بچانے کے لئے بنایا جاتا ہے اور کسی بھی چیز سے جس میں سلائی یا بندھن ہو منہ اور ہاتھ کا ڈھکنا حرام ہے۔ البتہ قمیص کے اندر ہاتھ ڈال لینا حرام نہیں ہے۔ اسی طرح چہرے کا وہ حصہ بھی ڈھکنا حرام نہیں ہے جو سر اور گیسو کو چھپانے کے لئے ناگزیر ہے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ عصفر یعنی قرطم (گل خیرو) کی کلیوں سے یا ورس (بفتح واو وسکون را) سے جو یمن میں پیدا ہونے والی ایک سرخ رنگ کی بوٹی ہے یا اور خوشبودار اشیاء سے رنگے ہوئے کپڑے کا پہننا حرام ہے۔ ہاں اگر اسے اس قدر دھویا جائے کہ اس کی خوشبو جاتی رہے تو حالتِ احرام میں اس کا پہن لینا جائز ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ حالتِ احرام میں ایسی شے سے رنگے ہوئے کپڑے پہننا جس میں خوشبو ہو حرام ہے، مثلاً ورس اور زعفران سے رنگا ہوا۔ لیکن عصفر سے رنگا ہوا اگر گہرے رنگ کا کپڑا ہے کہ اسے رنگ پر رنگ دیا گیا ہو تو جب تک کہ اسے خوب دھو نہ لیا جائے اس کا پہننا حرام ہے، اگر ہلکا رنگ ہے یا گہرے رنگ کو دھو کر ہلکا کر لیا گیا ہو تو وہ کپڑا اور اس کا پہننا حرام نہیں ہے۔ لیکن اگر اس کے علاوہ اور کپڑا دستیاب ہو تو اس کا پہننا مکروہ ہوگا، تاکہ اس اجازت کی وجہ سے عوام حرام، یعنی خوشبودار لباس ہی نہ پہننے لگ جائیں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ایسا کپڑا جو خوشبو ہی کے لئے رنگا گیا ہو، جیسے زعفران یا ورس سے رنگا ہوا کپڑا، تو اس کا پہننا حرام ہے جب تک کہ اس کی خوشبو کو یک قلم دور نہ کر دیا جائے۔ لیکن ایسی شے سے رنگا ہوا کپڑا جس سے محض رنگنا پیش نظر ہو (خوشبو پیش نظر نہ ہو) جیسے عصفر اور حنا، سو اس کا پہننا حرام نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ حالتِ احرام میں ورس اور زعفران سے رنگا ہوا کپڑا حرام ہے۔ عصفر سے رنگا ہوا مباح ہے، خواہ رنگ ہلکا ہو یا گہرا۔

Marfat.com

اس کے سونگھنے کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔ حنابلہ اور شافعیہ کا مسلک اندریں باب ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

حالت احرام میں سر وغیرہ کے بال کاٹنے کا بیان

احرام کا لباس پہننے والے کے لئے حرام ہے کہ وہ اپنے سر کے بال مونڈ کر یا کتر کر یا کسی اور طرح سے دور کرے۔ سر کے علاوہ کسی اور جگہ کے بالوں کو دور کرنا بھی حرام ہے، اگر چہ وہ آنکھوں کا پڑبال ہو۔ البتہ اگر بالوں سے تکلیف ہے تو ان کو نکال دینا جائز ہے، لیکن اس کا فدیہ لازم ہے۔ بجز آنکھ کے پڑبال کے، اگر اس میں تکلیف ہو تو اس کے نکالنے میں فدیہ نہیں ہے۔ اس مسئلے میں مالکیہ کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔ (۲) اس کی مزید تفصیلات فدیہ کے بیان میں آئیں گی۔

حالتِ احرام میں مہندی کا خضاب کرنے کا بیان

احرام والے کو مہندی کا خضاب کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ بھی خوشبو ہے اور حالت احرام میں خوشبو ممنوع ہے، خواہ مرد ہو یا عورت اور خواہ وہ خضاب ہاتھوں میں لگایا جائے یا سر میں یا بدن کے کسی اور حصے میں۔ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک یہی حکم ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۳)

۱۔ حنابلہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر قصداً کوئی شخص خوشبو سونگھے، مثلاً گلاب کو سونگھنے کے لئے ناک سے لگایا تو یہ امر حرام ہوگا، خواہ وہ گلاب اس کے پاس ہو یا ایسی جگہ ٹھہرا ہو جہاں گلاب ہوں۔ لیکن اگر سونگھنے کا ارادہ نہ ہو تو حرام نہیں ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ حالتِ احرام میں بال کا زائل کرنا مطلقاً حرام ہے، خواہ وہ آنکھ کا پڑبال ہو یا کہیں اور کا بال۔ البتہ اگر کسی معذوری سے اسے زائل کرنا ہی پڑے تو حرام نہیں ہے، لیکن بہر حال اس کا فدیہ ہے، اگر چہ وہ آنکھ ہی کا پڑبال ہو۔

۳۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ حالتِ احرام میں عورت کے لئے مہندی لگانا مکروہ ہے۔ اگر خاوند کی وفات کا سوگ منا رہی ہو تو حرام ہے اور مہندی سے پھول بوٹے بنائے تو بہر حال حرام ہے خواہ عدت میں نہ ہو۔ البتہ مرد کو حالتِ احرام میں (مہندی کا) خضاب لگانا جسم کے ہر حصہ میں، بجز ہاتھ پاؤں کے جائز ہے، کیونکہ ان میں بلاضرورت مہندی لگانا حرام ہے۔ اسی طرح گاڑھی مہندی کو تمام سر پر تھوپ لینا بھی جائز نہیں ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ حالتِ احرام میں مرد اور عورت کو بدن کے کسی بھی حصہ میں بجز سر کے مہندی لگانا حرام نہیں ہے۔ اس حکم میں گنجائش رکھی گئی ہے۔

Marfat.com

کیا حالت احرام میں خوشبودار کھانے پینے کی چیز کا استعمال کرنا جائز ہے؟

احرام والے کو جائز نہیں ہے کہ کوئی خوشبودار یا خوشبو ملائی ہوئی چیز کھائے یا پیے، خواہ وہ تھوڑی ہو یا بہت۔ ہاں اگر اس کی خوشبو ماردی جائے کہ نہ اس کا مزہ باقی رہے اور نہ خوشبو (تو جائز ہے)۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے۔ اس بارے میں مالکیہ کا مسلک تفصیل طلب ہے، ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (۱) یاد رہے کہ اگر خوشبو والی شے کا ذائقہ یا اس کی خوشبو باقی رہے تو بالاتفاق حرام ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ جس چیز میں خوشبو ملائی گئی ہے وہ پکائی ہوئی ہے یا نہیں ہے۔ اس سے تین اماموں کا اتفاق ہے، حنفیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

خوشبودار سرمہ ڈالنے اور بال یا بدن میں تیل لگانے کا بیان

احرام والے کو جائز نہیں ہے کہ وہ ایسا سرمہ لگائے جس میں خوشبو ہو، ایسا کرنے کا تاوان آگے بتایا جارہا ہے۔ ہاں ایسا سرمہ ڈالنا جس میں خوشبو نہ ہو جائز ہے۔ اس پر تین اماموں اتفاق ہے، مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۳)

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ کھانے میں ملائی ہوئی خوشبو کے مارنے سے مراد یہ ہے کہ پکانے میں وہ شے بالکل تحلیل ہوگئی ہو۔ اگر ایسا ہو جائے تو اس کا کھانا حرام نہ ہوگا۔ گو اس کی خوشبو باقی رہ جائے مثلاً ''مشک'' یا اس کا رنگ باقی رہے، مثلاً زعفران۔ البتہ اگر خوشبو کسی چیز میں ملائی جائے یا اس کو پکایا نہ جائے تو اس کا کھانا حالتِ احرام میں حرام ہے اور بعض مالکیہ کہتے ہیں کہ خوشبودار شے کو کھانا میں ڈال کر پکالیا جائے تو کھانا حرام نہیں ہے، اگرچہ وہ چیز اس میں بعینہ باقی رہ جائے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر خوشبودار شے میں پکانے سے تغیر آجائے تو اس کے کھانے سے احرام والے کو کچھ نہیں ہوتا، خواہ اس کی خوشبو آرہی ہے ہو۔ لیکن اگر خوشبو کو ایسی شے میں ملایا جائے جو بغیر پکائے استعمال کی جاتی ہے تو دیکھنا چاہیے کہ اگر خوشبو مرگئی ہے تو کچھ تاوان نہیں ہے، اگر خوشبو باقی ہے تو وہ کھانا مکروہ ہے اور اگر خوشبو غالب ہو تو اس کا تاوان دینا ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ خوشبودار شے کو خوردنی اشیا میں ملایا گیا ہو۔ لیکن اگر کسی مشروب میں خوشبو ملائی گئی اور خوشبو کی مقدار غالب ہے تو قربانی دینی ہوگی، اگر غالب نہیں ہے تو صدقہ دینا ہوگا۔ یاد رہے کہ اگر بار بار ایسا (خوشبو ملایا ہوا) مشروب پیا گیا تو قربانی لازم ہوگی، جیسا کہ آگے بتایا جائے گا۔ پھر اگر خوشبو کی چیز بعینہ کھائی جائے اور زیادہ مقدار میں ہو تو قربانی دینا پڑے گی، بصورت دیگر کچھ لازم نہیں ہے۔

۳۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ احرام کی حالت میں سرمہ وغیرہ لگانا جس میں خوشبو ہو مطلقاً حرام ہے۔ ہاں کسی مجبوری سے ایسا کیا جائے تو مطلقاً جائز ہے۔ اگر کسی عذر سے خوشبودار سرمہ لگایا جائے تو اس کا فدیہ دینا ہوگا۔ بلا خوشبو سرمہ لگانے پر فدیہ نہیں ہے۔

Marfat.com

احرام کی حالت میں بالوں زائل کرنا بھی حرام ہے، ایسا کرنے والے کی جزا آگے بتائی جا رہی ہے۔ نیز حالت احرام میں بالوں میں یا بدن پر تیل لگانا جائز نہیں ہے۔ اس بارے میں مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

حرم کی گھاس اور درخت وغیرہ کاٹنے کے مسائل

جو شخص حالت احرام میں ہے اور جو احرام میں نہیں ہے اسے بھی یہ اجازت نہیں ہے کہ حرم کے علاقہ میں جو درخت ہیں انھیں کاٹے یا اکھاڑے یا ضائع کرے یا اس کی کوئی ٹہنی توڑے، اگرچہ اس کی ٹہنیاں حرم سے نکل کر حلال (غیر حرم) علاقہ میں پہنچ گئی ہوں۔ لیکن اگر درخت حرم سے باہر کے علاقہ میں لگا ہوا ہو تو اس سے تعرض کرنا اور نفع اُٹھانا مباح ہے گو اس کی ٹہنیاں حرم سے باہر کے علاقہ میں پہنچی ہوئی ہوں تاہم یہ شرط بہرحال ہے کہ اس کا کوئی مالک نہ ہو۔

یاد رہے کہ حرم کی گھاس کا بھی وہی حکم ہے جو درخت کا ہے۔ گیاہ اذخر (مرچیا) جو ایک مشہور خوشبو

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ احرام والے کو اپنے بالوں میں یا جسم کے کسی بھی حصہ میں تیل لگانا حرام ہے، تیل خواہ کسی بھی قسم کا یا خوشبو سے خالی ہو۔ ایسا کرنے پر فدیہ دینا ہوگا جیسا کہ آگے بتایا جا رہا ہے۔ البتہ اگر بے خوشبو کا تیل کسی مرض کے باعث لگایا جائے تو اس پر فدیہ نہیں ہے۔ خواہ یہ مرض ہاتھ کی ہتھیلی میں ہو یا پیروں میں، یا کسی اور جگہ۔ کسی اور جگہ کے مرض کی صورت میں تیل لگانے پر وجوب فدیہ کے مسائل میں اختلاف ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جن اشیاء کو انسان کے جسم پر لگایا جاتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں: ایک تو وہ خالص خوشبو کی چیز ہے اور خوشبو ہی کے لیے لگائی جاتی ہے، مثلاً مشک کافور، عنبر وغیرہ۔ ایسی چیزوں کا تیل وغیرہ میں استعمال بحالتِ احرام کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔ دوسری وہ شے جو خالص خوشبو کی چیز نہیں ہے، نہ اس کے معنی خوشبو کے ہیں اور نہ کسی طرح اس پر خوشبو کا اطلاق ہوتا ہے، جیسے چربی ایسی چیز کا استعمال چکنائی وغیرہ کے طور پر حالتِ احرام میں جائز ہے اور اس پر کوئی تاوان عائد نہیں ہوتا۔ تیسری وہ شے جو گو بذات خود خوشبو نہ ہو لیکن خوشبو کی بنا ہو سکتی ہے، لہٰذا کبھی تو خوشبو اور چکنائی کے لیے اور کبھی دوا کے طور پر کام میں لائی جاتی ہے، جیسے روغن زیتون کہ اگر اس کو خوشبودار چکنائی کے طور پر استعمال کیا جائے تو وہ خوشبو کے حکم میں ہے اور حالت احرام میں اس کا استعمال جائز نہیں ہے، لیکن اگر دوا کے طور پر استعمال ہو تو حالتِ احرام میں اس کا لگانا اور کھانا جائز ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ خوشبودار چکنائی کا استعمال مطلقاً حرام ہے۔ اگر اس میں خوشبو نہ ہو تو اسے تمام بدن پر سر اور چہرے کے بالوں کے سوا استعمال کرنا جائز ہے، لیکن بلا ضرورت (ایسا کرنا) جائز نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ جس چکنائی میں خوش گوار بو ہو اس کا استعمال کرنا احرام والے کے لیے تمام بدن پر یا بدن کے کسی بھی حصہ پر حرام ہے۔ لیکن اگر اس میں خوشبو نہیں ہے جیسے روغن زیتون تو بطور تیل کے اس کا استعمال حرام نہیں ہے، خواہ سر یا چہرے کے بالوں میں لگایا جائے۔

Marfat.com

دار بوٹی ہے، اور سنا جو سنائے مکی کے نام سے مشہور ہے، اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ ایسی اشیاء ہیں کہ انھیں کاٹ کر یا کسی اور طرح سے کام میں لانا مباح ہے۔ حرم کے درخت اور اس کی گھاس کے متعلق مزید تفصیلات ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۱)

ا۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ حرم کے درختوں کو چھیڑنا، کاٹنا، اکھاڑنا یا تلف کرنا حرام ہے، خواہ وہ اس کا مالک ہو، بجز ان کے جن کا ذکر اوپر متن میں کیا گیا (کہ ان کو چھیڑنا جائز ہے)۔ اس میں کاٹنے (کے درخت یا جھاڑ) کا اضافہ کیا گیا ہے کہ اس کا کاٹنا بھی مباح ہے لیکن حدود حرم کے درخت اور گھاس کا چھیڑنا بھی حرام ہے کہ اس کی اصلاح یعنی نشو ونما (شادابی) کے لیے کانٹ چھانٹ نہ کی جائے۔ ایسا ارادہ ہو تو جائز ہے۔ ہاں اگر درخت خشک ہو تو اس کا کاٹنا اور اکھاڑنا جائز ہے۔ خشک گھاس کو کاٹنا جائز ہے لیکن اکھاڑنا مطلقاً حرام ہے۔ ہاں اگر جڑ سڑ گئی ہو تو جائز ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ درخت خودرو ہو جیسے ''سنط'' (عقاقیا) کا درخت یا لوگوں نے اسے لگایا ہو جیسے تو کھجور، کہ ان کو چھیڑنا مطلقاً حرام ہے۔ ہاں اگر لوگوں نے اسے لگایا ہے تو حالتِ احرام میں اور بغیر احرام کے بھی اس کو چھیڑنا جائز ہے اور اس ممانعت سے چند امور مستثنیٰ ہیں مثلاً کھجور کی ٹہنی کاٹ لینا یا درخت کے پتوں کو اس طرح جھاڑے بغیر جو درخت کو نقصان پہنچائے توڑنا (روا ہے)، بصورت دیگر حرام ہے۔ اسی طرح درخت کا پھل توڑنا، یا مسواک کی لکڑی کا لینا بشرطیکہ سال بھر کے اندر اسی جیسی پھر پھوٹ آئے نیز جانوروں کو اس درخت سے چرانا اور دوا کے لیے توڑنا جیسے حنظل (اندرائن یا کوڑتنبا) اور یا سنائے مکی ہے (کہ ان سب کا استعمال روا ہے)

حنابلہ کہتے ہیں کہ (حدود) حرم مکہ سے ہرے درخت اور ہری گھاس کاٹنا حرام ہے، اگرچہ وہ مضرت رساں ہوں جیسے کانٹے۔ یہی حکم مسواک وغیرہ اور ہرے پتوں کا ہے۔ ہاں اگر درختوں یا گھاس میں سے کچھ سوکھ جائے تو انھیں کاٹنے چھانٹنے میں مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ وہ مردہ کی مانند ہیں۔ اسی طرح اگر اذخر اور فقع وکماۃ (کمبھ کی قسمیں جسے سانپ کی چھتری بھی کہتے ہیں) اور ثمرہ (لوبیے کی قسم) کاٹنے میں بھی مضائقہ نہیں ہے خواہ وہ تر ہوں۔ اس طرح اگر کسی شخص نے درخت یا گھاس کو خود لگایا ہے تو اسے کاٹنے اور اکھاڑنے میں مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ دراصل وہ اس کا مالک ہوتا ہے۔ حرم کی گھاس کو چرانا جیسا کہ اوپر ذکر ہوا اور درخت سے جو پتے جھڑ جائیں یا جو (روئیدگی) زمین کو چھوڑ دے یا توڑے بغیر از خود ٹوٹ جائے، گو ہنوز وہ شاخ شکستہ اصل سے لگی ہوئی ہو (سب کا ایک ہی حکم ہے)۔ البتہ اگر کوئی شخص درخت سے خود کچھ کاٹے تو خود اس کا یا کسی دوسرے شخص کا اپنے کام میں لانا جائز نہیں ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ حدود حرم میں جو کچھ اگا ہوا ہے اگر وہ خشک ہو گیا یا ٹوٹ گیا ہے تو اب اس کا شمار حرم کے درخت میں نہیں ہے کیونکہ اب وہ لکڑی ہے۔ اسی طرح گیاہ اذخر بھی حرم کے درختوں (کے احکام) سے مستثنیٰ ہے۔ رہیں ایسی روئیدگیاں جو خشک نہیں ہیں اور نشو ونما کے قابل ہیں وہ یا تو خودرو ہوں گی یا نہ ہوں گی۔ پھر وہ خودرو یا تو ایسی شے ہے جسے لوگ اگایا کرتے ہیں مثلاً غلہ، یا ایسی شے نہ ہو گی جیسے مشہور درخت ام غیلان (ببول، کیکر یا بھٹ کٹیا)۔ اب ان میں سے جن کے کاٹنے کی اجازت ہے وہ خودرو اشیاء ہیں ایسی روئیدگی نہ ہو جسے لوگ اگاتے ہیں۔ ایسی شے کا کاٹنا مطلقاً جائز نہیں ہے، خواہ اس کا کوئی مالک ہو یا نہ ہو۔ اگر اس کا مالک ہو اور کاٹ لے تو فعل حرام کا مرتکب ہو گا۔ اس پر تاوان نہیں ہے۔ اگر

Marfat.com

حالتِ احرام میں مباح امور کا بیان

فصد یا پچھنا لگانا اور جلد یا بالوں میں مالش کرنا

حالت احرام میں فصد (رگ کھولنا) یا پچھنے لگوانا مباح ہے، لیکن بال نہ کاٹے جائیں۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے، مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1] اسی طرح بدن کو اور بالوں کو مسلنا مباح ہے بشرطیکہ بال یا جوئیں وغیرہ نہ گرنے پائیں۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ احرام والے کو بدن یا بالوں کا رگڑنا مکروہ ہے، بشرطیکہ اس سے بال نہ گرنے پائیں ورنہ ایسا کرنا حرام ہوگا۔

مالک کے سوا کوئی اور شخص کاٹے تو اس پر بموجب تفصیل آئندہ تاوان عائد ہوگا اور قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ لیکن ان میں سے کسی روئیدگی کو خیمہ نصب کرنے، بھٹی (یا چولھا) بنانے کے لیے کاٹا جائے یا جانور کچل دیں تو معاف ہے کیونکہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ رہی ایسی شے جو انسان اگائے یا ایسی شے جو انسان بوتے ہیں مگر خود ہی اگ آئے تو اسے کاٹنا اور کام میں لانا حلال ہے، بشرطیکہ کوئی دوسرا اس کا مالک نہ ہو۔ اگر اس کا کوئی اور شخص مالک ہے تو اس کی قیمت مالک کو ادا کرنا لازم ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ایسے درخت کا کاٹنا حرام ہے جو خودرو ہوتے ہیں جیسے خشکی میں پیدا ہونے والی سبزی یا جھاؤ کا درخت، اگرچہ اسے لگایا گیا ہو، خواہ وہ ہرا ہو یا سوکھ گیا ہو۔ اس حکم (کے اطلاق) سے چند چیزیں مستثنیٰ ہیں: اول اذخر جو ایک نوک دار اور مہکنے والی بوٹی ہے۔

دوم "سنا" جو "سنائے مکی" کے نام سے مشہور ہے، کیونکہ دواؤں میں کام آتی ہے۔

سوم عصا (سوٹی یا چوب دستی)۔

چہارم مسواک۔

پنجم مکان یا رہائش گاہ بنانے کے لیے یا باغ کی اصلاح کے لیے کاٹا گیا درخت۔

چھٹے درخت کے پتے جو مجن (ڈنگی) سے گرائے جائیں۔ مجن ایک خم دار لکڑی ہے جسے ٹہنی پر رکھ کر ہلانے سے بغیر جھاڑے پتے گر پڑتے ہیں۔ درخت پر لاٹھی مار کر پتوں کا جھاڑنا حرام ہے۔ رہے ایسے درخت یا گھاس جسے بالعموم بویا جاتا ہے، جیسے "خس" یا گندم یا تربوز (خربوزہ) یا اناران کا زمین حرم میں کاٹنا جائز ہے اگرچہ وہ خودرو ہوں۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ احرام والے کو بلا ضرورت فصد اور پچھنے مکروہ ہیں، لیکن بضرورت جائز ہیں، البتہ فدیہ دینا لازم

Marfat.com

سر اور بدن دھونے اور اپنے اوپر سایہ کرنے کا بیان

میل کچیل دور کرنے کے لیے احرام والے کو اپنے سر اور بدن کو پانی سے دھونا مباح ہے، بشرطیکہ پانی میں ایسی چیز نہ ہو جو جوؤں کو مار دے، لہٰذا صابن اور دوسری میل کاٹنے والی اشیاء سے اگرچہ اس میں خوشبو ہو، دھونا جائز ہے، بشرطیکہ (اس بو سے) جوئیں نہ مریں۔ یہ حکم شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے، مالکیہ اور حنفیہ کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۱)

صاحب احرام کو جائز ہے کہ درخت، خیمہ، مکان، محمل یا سایہ کرنے والی مشہور چیز چھتری کا سایہ کر لے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس چیز کو سر یا چہرے پر نہ پڑنے دیا جائے، کیونکہ سر کھلا رکھنا واجب ہے۔ مالکیہ اور حنفیہ کو اس سے اتفاق ہے، شافعیہ اور حنابلہ کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ (۲)

احرام والے کو مکہ میں داخل ہونے کے لیے جو باتیں کرنی چاہئیں ان کا بیان

مکہ میں داخل ہونے کے لئے غسل کرنا سنت ہے۔ یہ غسل ستھرائی کی غرض سے ہوگا، طواف قدوم کے لیے نہیں۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے، اس لیے ان کے نزدیک حیض و نفاس والی عورتوں کو بھی غسل کے لیے کہا جائے گا۔ اور مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیل حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۳) اور

ہے بشرطیکہ وہاں پر پٹی باندھنا پڑی ہو ورنہ (فدیہ یا تاوان) لازم نہ ہوگا۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ غسل کر کے میل کچیل کا دور کرنا جائز نہیں ہے، لیکن میل کاٹنے والی اشیاء مثلاً صابن وغیرہ سے جس میں خوشبو نہ ہو ہاتھوں کو دھونا جائز ہے۔ ایسی چیز سے ہاتھ دھونا جس کی خوشبو باقی رہے جائز نہیں ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ میل کاٹنے والی شے سے غسل کرنا احرام والے کو جائز ہے لیکن اس سے جوئیں نہ مرنے پائیں، جیسا کہ شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں، البتہ عطر کی خوشبو والی چیز سے غسل کرنا جائز نہیں ہے۔

۲۔ شافعیہ کہتے ہیں اشیائے مذکورہ میں اسے ہر ایک کا سایہ کرنا جائز ہے اگرچہ وہ سر یا چہرے سے لگ جائے۔ لیکن ایسی شے کو سر ڈھکنے کے ارادہ سے اوپر لینا حرام ہے، ورنہ نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کسی ایسی شے کا سایہ لے جو بیشتر اوقات اس کے ساتھ رہتی ہے، جیسے محمل تو یہ حرام ہے، خواہ سواری کی حالت میں ہو یا پیدل چلتے میں۔ ہاں ایسی چیز کا سایہ جو اس کے ساتھ نہیں رہتی جیسے درخت یا خیمہ تو اس کا سایہ جائز ہے۔

۳۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ مکہ میں داخل ہونے کے لیے غسل کرنا مستحب ہے سنت نہیں ہے۔ اور مقصد اس کا بیت اللہ کا طواف کرنا ہے، ستھرائی مقصود نہیں ہے، لہٰذا حیض اور نفاس والی عورتیں یہ نہ کریں، کیونکہ انھیں طواف کرنا منع ہے۔ اس کے لیے پاک ہونا شرط ہے، جیسا کہ آگے بتایا جائے گا۔ مستحب یہ ہے کہ مکہ میں دن کو ظہر کے وقت داخل ہو، اگر رات پڑ جائے

Marfat.com

مستحب یہ ہے کہ مکہ میں دن کے وقت داخل ہوا جائے اور اوپر کی جانب سے مکہ میں آئے، تا کہ تعظیماً رخ قبلہ کی جانب رہے اور یہ کہ داخلہ اس دروازے سے ہو جو "باب معلی" کے نام سے مشہور ہے۔ اور وہاں پہنچ کر اپنا سامان سنبھالنے کے بعد مسجد حرام کا رخ کرلے اور دن کے وقت "باب السلام" سے مسجد میں داخل ہو۔ اس وقت عاجزی اور خشوع کے ساتھ تلبیہ کہتا رہے۔ اور جب بیت اللہ پر نظر پڑے تو ہاتھ کو بلند کرے اور تکبیر و تہلیل میں لگ جائے پھر کہے: "اللّٰهم زد هذا البيت تشريفاً وتعظيماً وتكريماً ومهابةً وبراً وزد من عظمة وشرفه فمن حجه او اعتمره تعظيما وتشريفاً وتكريماً ومهابة وبرا (یعنی یا الٰہی! اس گھر کے شرف، عظمت، عزت، شان اور خوبی میں اضافہ فرما اور جو شخص اس کا حج یا عمرہ اس کی عظمت و شرف و عزت و ہیبت و خوبی کے خیال سے بجالائے اس سے اس کی عظمت و شان میں اضافہ ہو)۔ اس پر سب کا اتفاق ہے، لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ (کعبہ کو دیکھ کر) ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے، چاہیے کہ دعا کرے۔ دعا کے الفاظ جو آثار میں وارد ہیں یہ ہیں: "اللهم انت السلام ومنك السلام فحيانا ربنا بالسلام" (یعنی یا الٰہی! تو ہر عیب سے پاک ہے اور تو ہی سلامتی بخشنے والا ہے۔ پس اے پروردگار ہمیں برائیوں سے پاک زندگی عطا فرما) اس کے بعد جو جی چاہے دعا مانگے اور طواف قدوم مذکور ادا کرے۔ حج کے ارادہ سے آنے والے کے لیے یہ طواف سنت ہے، اس کی دو شرطیں ہیں:

ایک تو یہ کہ مکہ سے باہر کہیں سے آنا ہوا ہو، اس لحاظ سے اس کا نام طواف قدوم ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ طواف کا وقت باقی ہو، نہ ہو تو وقوف (بعرفہ) کے لیے روانہ ہو جانا چاہیے۔ وقوف سے رہ جانے کا ڈر ہو تو (سردست) اس کو ترک کردے۔

ارکان حج میں سے دوسرے رکن (طواف افاضہ) کا بیان

واضح ہو کہ طواف کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم "طواف رکن" ہے کہ اگر کسی نے نہ کیا تو حج باطل ہے۔ یہ طواف افاضہ ہے جسے طواف زیارت بھی کہتے ہیں۔

دوسری قسم طواف واجب ہے اور یہ بھی طواف زیارت ہے، اس کا نام طواف صدر ہے۔

تیسری قسم طواف سنت ہے۔ یہ طواف قدوم ہے جس کا ذکر اوپر ہوا۔ اب ان کی تفصیل بتائی جاتی

تو اس کی جگہ پر جو "ذی طویٰ" کے نام سے مشہور ہے، رات گزارے اور مکہ میں داخل ہونے کے لیے اگلے روز دن چڑھے

Marfat.com

ہے اور پہلے طواف افاضہ کا ذکر کیا جاتا ہے جو ارکان حج میں سے ایک رکن ہے۔

طواف افاضہ کی تعریف

طواف افاضہ جسے طواف زیارت کہا جاتا ہے، حج کے چار ارکان متذکرہ سابقہ میں سے ایک رکن ہے۔ اس پر تمام مسالک متفق ہیں کہ اگر حاجی اسے نہ کرے تو حج باطل ہو جائے گا۔ اس کے سات چکر ہیں جس کا خاص طریقہ ہے جیسا کہ آگے بتایا جارہا ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جہاں تک اس کے رکن ہونے کا تعلق ہے وہ اس کے چار چکر ہیں کہ اگر کسی نے چار چکر کر لیے تو رکن ادا ہو گیا۔ سات میں سے (تین چکر) جو باقی رہے تو وہ واجب ہیں، رکن نہیں ہیں، کیونکہ چار چکر کر لیے تو طواف کا بیشتر حصہ پورا ہو گیا اور بیشتر ہو جائے تو اسے کل ہی قرار دیا جاتا ہے۔

طواف افاضہ کا وقت

طواف افاضہ کے وقت کا ملحوظ رکھنا بجائے خود ارکان حج میں سے ایک رکن ہے۔ اس کی حد کی تعیین میں مسالک کے اندر اختلاف ہے۔ اس کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

تک تاخیر کرے۔ اور خانہ کعبہ کو دیکھ کر کسی دعا کا حکم شرع میں نہیں ہے، خواہ دعا خاص ہو یا عام ہو۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ طواف افاضہ کا وقت یوم نحر کی فجر سے لے کر بشرطیکہ عرفہ میں وقوف کر لیا ہو، اخیر عمر تک ہے۔ پس جب حاجی عرفہ میں وقوف کر لے تو اسے طواف افاضہ کرنا ہوگا۔ اگر عرفات میں اس وقت کے اندر جس کا بیان آگے آرہا ہے، وقوف نہیں کیا تو طواف افاضہ بھی صحیح نہ ہوگا اور حج باطل ہو جائے گا۔ اور اس کے لیے شرط یہ ہے کہ یہ طواف حج کے مقررہ مہینوں میں کیا جائے۔ وہ مہینے شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ ہیں، لہٰذا اگر کسی نے ماہ ذی الحجہ میں وقوف بعرفہ تو کر لیا لیکن طواف افاضہ نہ کر سکا یہاں تک کہ وہ مہینہ گزر گیا تو اب اس پر لازم ہے کہ آئندہ کسی سال لیکن ان ہی تین مہینوں میں سے کسی مہینے میں طواف افاضہ کر لے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ طواف افاضہ کا وقت عید الاضحیٰ کے دن سے ماہ ذی الحجہ کے اخیر تک ہے۔ اگر حاجی نے اس عرصہ سے زیادہ تاخیر کر دی تو قربانی لازم ہے اور حج صحیح ہو جائے گا۔ لیکن یوم عید سے پہلے طواف افاضہ صحیح نہیں ہے۔ اور عرفہ میں وقوف کرنا (ٹھہرنا) اس کے وقت مقررہ سے پہلے یا بعد میں درست نہیں ہے، جیسا کہ اس کے بیان میں بتایا جائے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ طواف افاضہ یا طواف زیارت جو ارکان حج میں سے ایک رکن ہے اس کا وقت یوم نحر کی نصف شب گزر جانے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اور اس کا افضل وقت یوم نحر ہے، آخری وقت مقرر نہیں ہے، اختیار ہے کسی وقت بھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جب تک کہ طواف افاضہ نہ کر لیا جائے وظائف زوجیت کا بجالانا حلال نہیں ہے، گویا وہ حالتِ احرام ہی میں ہوگا۔ طواف کرنے کے بعد احرام کھولنا اور عورت کے پاس جانا حلال ہوگا۔ اور تب ایام تشریق میں کنکری

Marfat.com

طواف کی شرطوں کا بیان

جملہ اقسام طواف کے لیے مطلقاً چند شرائط ہیں کہ ان کے بغیر طواف صحیح نہیں ہوتا۔اس کی تفصیل مختلف مسالک کی رو سے ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

پھینکنے اور منیٰ میں رات بسر کرنے کے علاوہ اور کوئی کام باقی نہ رہے گا، یہ امور واجب ہیں جنھیں احرام ختم ہونے کے بعد تابع اعمال حج ادا کرنا مطلوب ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ طواف افاضہ ایک رکن ہے جس کا وقت ان کے لیے جو عرفہ میں وقوف کر چکے ہیں، عید قربان کی آدھی رات گزرنے کے بعد سے شروع ہوتا ہے، لہٰذا وقوف بعرفہ سے پہلے یہ طواف قطعاً درست نہیں ہے۔ اگر عرفہ میں وقوف سے پہلے کیا گیا تو حج باطل ہو جائے گا، جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔ لیکن اس کے انتہائی وقت کی کوئی تعیین نہیں ہے۔ زندگی بھر میں کسی وقت بھی طواف افاضہ کیا جا سکتا ہے۔ غرض اس باب میں حنابلہ بھی حنفیہ کی طرح ہیں۔

ا۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ طواف کی بذاتہٖ آٹھ شرطیں ہیں: اول ستر عورت، یعنی بدن کے جن حصوں کا نماز میں ڈھکنا واجب ہے ان کا ڈھکنا۔ اگر ستر عورت طواف میں نہ کیا تو طواف باطل ہو جائے گا۔ دوسری شرط حدث اور نجاست سے پاک ہونا جس طرح نماز میں ہوتے ہیں۔ تیسری شرط طواف کی ابتدا حجر اسود یا اس کے کچھ حصہ کے سامنے اپنے تمام بدن کو بائیں پہلو سے اس کے محاذ میں رکھ کر کرنا، بایں طور کہ بدن کا کوئی حصہ حجر اسود سے کچھ بھی آگے نہ ہو۔ اگر اس کا لحاظ رکھے بغیر (طواف) شروع کر دیا تو چکر کاٹ کر حجر اسود تک پہنچنے سے پہلے جو طواف کیا وہ شمار میں نہ آئے گا، لہٰذا جب وہاں تک پہنچ جائے تب طواف شروع کرے۔ اس میں یہ بھی شرط ہے کہ طواف کے خاتمہ پر حجر اسود کے محاذ میں اسی طرح آ جائے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ طواف کے وقت کعبہ کا جو حصہ نظر آ رہا ہے وہ بائیں جانب ہو۔ اور یہ ضروری ہے کہ طواف کرنے والے کا پورا جسم کعبہ کی دیوار شاذروان اور حجر (بالکسر) سے باہر رہے۔ اگر کوئی شخص شاذروان پر سے گزرا اور چلتے وقت دیوار کو چھوا یا حجر کے ایک راستے سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل گیا تو جس چکر میں ایسا کیا وہ چکر درست نہ ہوگا۔ اسی طرح اس شخص کا طواف درست نہ ہوگا جس نے کعبہ کی جانب منہ رکھا، یا اس کی طرف سے پیٹھ کر لی، یا کعبہ کو دائیں جانب رکھ کر طواف کیا، یا بائیں جانب رکھ کر الٹے پیروں طواف کیا۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ پورے سات چکر ہوں اس میں سے کچھ بھی چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ طواف مسجد کے اندر ہو، خواہ کعبہ سے کتنے ہی فاصلہ پر ہو۔ غرض یہ ہے کہ اگر مسجد کے اندر طواف کیا تو صحیح ہوگا اگرچہ اُس کی فضا یا چھت پر ہو اور خواہ کعبہ سے نیچی جگہ پر ہو اور طواف کرنے والے اور کعبہ کے درمیان آڑ ہو جائے۔ ساتویں شرط یہ ہے کہ (بدوران طواف) طواف کے علاوہ کسی اور کام کی جانب نہ مڑے، اگر اور کام کی طرف مڑا تو طواف ٹوٹ جائے گا۔ آٹھویں شرط طواف کی نیت کرنا ہے۔ یہ شرط طواف قدوم اور طواف رکن کے علاوہ دوسرے طوافوں کے لیے ہے۔ ان دونوں طوافوں کے لیے (مستقل جداگانہ) نیت ضروری نہیں ہے، کیونکہ اعمال حج کی نیت میں طواف کی نیت شامل ہے۔ طواف کی نیت کے وقت حجر اسود سامنے ہونا ضروری ہے اگر اس سے آگے بڑھ کر نیت کی تو جو طواف کر لیا ہے وہ اس میں شامل نہ ہوگا جب تک کہ وہاں تک نہ پہنچے، البتہ اگر نیت کر لے پھر لوٹا اور حجر اسود کے مقابل آ گیا (تو طواف ہو جائے گا)۔ اور طواف قدوم میں ایک نویں شرط یہ بڑھائی گئی ہے کہ عرفہ

Marfat.com

میں وقوف سے پہلے کیا جائے۔ اگر کوئی شخص عرفات میں وقوف کرنے اور نصف شب گزرنے کے بعد مکہ میں داخل ہوا تو اس سے طواف قدوم کا مطالبہ نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ طواف میں چند امور واجب ہیں، مثلاً یہ کہ طواف کے دوران اپنے نفس کو ہر طرح کی سرکشی سے محفوظ رکھے اور پاسِ ادب رکھے اور اپنے ہاتھوں اور نگاہوں کو ہر معصیت سے بچائے رکھے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ صحت طواف کی چند شرطیں ہیں: اول یہ کہ طواف کے سات چکر ہوں، اس سے کم طواف جائز نہیں ہے۔ اور اگر وہ طواف رکن ہے تو (کمی کی تلافی کے لیے) قربانی دینا کافی نہ ہوگا۔ اگر چکر کی تعداد میں کمی کا شک لاحق ہو تو جس قدر چکر کا یقین ہے اسی کی بنا پر سات چکر پورا کرے۔ اگر زیادہ چکر ہو جائیں تو مضائقہ نہیں، کیونکہ جو زائد ہوں گے وہ زائد متصور ہوں گے، شمار میں نہیں آئیں گے۔ دوسری شرط حدث اصغر و حدث اکبر اور نجاست سے پاک ہونا ہے، لہٰذا اگر دوران طواف حدث لاحق ہو گیا یا بدن یا لباس پر نجاست کا علم ہوا تو طواف باطل ہو جائے گا۔ اگر طواف کے بعد کی دو رکعت نماز پڑھنے سے پہلے حدث لاحق ہوا تو طواف دوبارہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ دو رکعتیں طواف کا جزو ہیں۔ البتہ اگر کوئی مکہ سے باہر چلا گیا ہے اور واپسی دشوار ہے تو جو طواف کر لیا وہی کافی ہے، اب صرف دو رکعتیں پڑھ لے، لیکن ہدی (قربانی کا جانور) بھیجنا ضروری ہے۔ طواف کے بعد والی دو رکعتیں طواف افاضہ اور طواف قدوم کے بعد واجب ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ طواف وداع کے بعد بھی دو رکعت نماز واجب ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ سنت ہیں۔ بہر حال دونوں قول صحیح ہیں۔ اور مستحب یہ ہے کہ اس دوگانہ کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھی جائے۔ نیز اس کا مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھنا اور اس کے بعد ملتزم پر جا کر دعا مانگنا مستحب ہے۔ ملتزم حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان کی جگہ ہے۔ جو شخص عصر کے بعد کعبہ کا طواف کرے اس کے لیے یہ دونوں باتیں (نماز اور دعا) مغرب کی نماز کے بعد کرنا مستحب ہے۔ تیسری شرط نماز کی طرح (طواف میں بھی) ستر عورت کرنا ہے۔ چوتھی شرط خانۂ خدا یعنی کعبہ کا بائیں جانب رکھنا ہے۔ پانچویں شرط طواف کرنے والے کے وجود کا حجر اور شاذروان سے باہر ہونا ہے۔ اس سے مراد وہ خم دار تعمیر ہے جو کعبہ کے ساتھ بنی ہوئی ہے۔ چھٹی شرط موالات (طواف میں مسلسل چکر) ہے۔ اور طواف کے درمیان کہیں توقف ہو گیا تو طواف باطل ہو جائے گا، ہاں معمولی وقفہ معاف ہے۔ ساتویں شرط یہ کہ طواف مسجد کے اندر ہو، لہٰذا (مسجد کی) چھت پر یا اس سے باہر طواف کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور یہ ضروری ہے کہ طواف کی ابتدا حجر اسود سے ہو۔ اگر اس سے پہلے ہی طواف شروع کر دیا تو آخری چکر حجر اسود کے سامنے ہی جا کر پورا ہوگا۔ اگر اس طرح پورا نہ کیا، یا درمیان میں کہیں زیادہ وقفہ ہو گیا، یا وضو جاتا رہا تو اب دوبارہ (شروع) سے طواف کرنا واجب ہے۔ البتہ اگر کوئی حج کے بعد اپنے شہر میں واپس آ گیا ہے تو وہی طواف کافی ہے۔ لیکن (اس کی تلافی کے لیے) اس کو ہدی (قربانی کا جانور) بھیجنا چاہیے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ صحتِ طواف کی چند شرائط ہیں: منجملہ ان کے ''نیت'' ہے اور طواف زیارت ہو تو اس کا وقت اس کے لیے جس نے عرفات میں وقوف کر لیا ہے شرط ہے۔ اس کا وقت عید قربان کی آدھی رات گزر جانے کے بعد سے ہے۔ وقوف بعرفہ سے پہلے طواف زیارت صحیح نہیں ہے۔ اس کے لیے آخر وقت کی کوئی تعیین نہیں ہے۔ ایک شرط شرائط نماز کی طرح ستر عورت، نجاست سے خالی اور حدث اصغر و حدث اکبر سے پاک ہونا ہے۔ البتہ اگر حاجی کوئی لڑکا ہے جس میں شعور نہیں ہے تو اس کا طواف درست ہوگا اگرچہ اسے حدث لاحق ہو یا نجاست لگی ہوئی ہو۔ ایک شرط یہ ہے کہ طواف میں

Marfat.com

طواف کی سنتوں اور اس کے واجبات کا بیان

طواف کی سنتوں اور واجبات کی تفصیل بموجب مسالک مختلفہ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

سات چکر ہوں۔ ابتدا حجر اسود (کے سامنے) سے کی جائے۔ اگر اس جگہ سے طواف شروع نہیں کیا گیا تو یہ چکر شمار میں نہیں آئے گا۔ اور یہ کہ اگر کر سکتا ہو تو پا پیادہ طواف کرے، اور یہ کہ چکروں میں موالات ملحوظ رہے۔ درمیان میں رکاوٹ نہ ہو۔ اگر طواف کے دوران حدث لاحق ہو گیا تو طواف باطل ہو جائے گا اور از سر نو طواف کرنا پڑے گا۔ لیکن اگر (طواف کے درمیان) حسب معمول نماز کھڑی ہو گئی ہے تو چاہیے کہ پہلے نماز پڑھ لے اور جتنے چکر پہلے ہو چکے ہیں اس کے آگے کے چکر پورے کرے۔ ایک شرط یہ ہے کہ طواف مسجد کے اندر ہو، مسجد کے باہر طواف صحیح نہیں ہے، ہاں چھت پر کیا جائے تو درست ہے۔ اور منجملہ شرائط کے یہ ہے کہ خانہ خدا کو اپنے بائیں جانب رکھے اور ضروری ہے کہ حجر اور شاذروان سے اوپر کی جانب سے طواف ہو۔

واضح ہو کہ حنابلہ کے نزدیک طواف میں واجبات نہیں ہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ صحت طواف کی چند شرطیں ہیں: اول یہ کہ طواف مسجد کے اندر ہو، یہاں تک کہ اگر کعبہ کا طواف زمزم یا ستون کے اوپر کی طرف سے کیا جائے تب بھی جائز ہے۔ لیکن اگر مسجد کے باہر سے طواف کیا تو یہ طواف درست نہ ہوگا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ طواف زیارت (یا افاضہ) کا وقت ملحوظ رہے، جس کی ابتدا یوم نحر کی فجر طلوع ہونے سے ہوتی ہے۔ اس کے آخری وقت کی کوئی تعیین نہیں ہے جیسا کہ طواف افاضہ کے بیان میں بتایا گیا ہے۔ طواف قدوم کا وقت مکہ میں داخل ہونے سے شروع ہو کر وقوف بعرفات تک ہے۔ اگر عرفات میں وقوف کر لیا تو طواف قدوم فوت ہو جائے گا۔ ہاں اگر عرفات میں وقوف نہیں کیا تو اس کا وقت یوم نحر کی فجر کے طلوع ہونے تک ہے۔ حنفیہ کے نزدیک صحت طواف کی شرطیں یہی ہیں۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ طواف کی آٹھ سنتیں ہیں: اول یہ کہ جب کوئی شخص پہلا طواف کرنے لگے تو بیت اللہ کی جانب رخ کر کے حجر (خالی ممنوعہ جگہ) کے کنارے رکن یمانی کی جانب کھڑا ہو، اس طرح پر کہ تمام حجر (خالی جگہ جو میزاب کی طرف چھوڑی ہوئی ہے) اس کے دائیں جانب ہو۔ اس کا دایاں شانہ اس کے کنارے پر ہو، پھر وہیں پر طواف کعبہ کی نیت کر کے باب کعبہ کی طرف سے گزرتا ہوا حجر کی طرف بڑھے۔ جب اس سے آگے نکل جائے تو وہاں پر مڑ کر اپنا بایاں بازو بیت اللہ کی طرف کر لے (اور اب طواف شروع کرے)۔ واضح ہو کہ یہ باتیں صرف طواف اول کے لیے خاص ہیں۔

دوسری سنت یہ ہے کہ جو چل سکتا ہو وہ پیدل چلے، خواہ کوئی عورت ہو، بلا عذر سواری پر طواف کرنا خلاف افضل ہے۔ معذوری ہو تو (سواری پر طواف کرنے میں) مضائقہ نہیں، لیکن اٹھانے والا کوئی جانور نہ ہو، تا کہ جانور مسجد کو خراب نہ کرے۔ اور افضل یہ ہے کہ ننگے پاؤں ہو، بشرطیکہ اس سے تکلیف نہ ہو۔ اور مستحب یہ ہے کہ چکر کا حلقہ تنگ ہو تا کہ ثواب زیادہ ملے۔ اور یہ کہ طواف اول میں حجر اسود کا استلام کرے (یعنی اس کو ہاتھ سے چھوئے) اور ہلکے سے بوسہ دے۔ عورت کے لیے یہ امر سنت نہیں ہے جب تک مطاف (طواف کی جگہ) خالی نہ ہو، خواہ رات ہو یا دن۔ مرد کے لیے مستحب یہ ہے

Marfat.com

کہ اپنی پیشانی کو حجر اسود کے اوپر رکھ دے۔ اور یہ کہ استلام (اس کا چھونا) اور تقبیل (بوسہ دینا) تین بار ہو۔ اور ہاتھ سے چھونا دشوار ہو تو لکڑی وغیرہ سے اسے چھوئے اور جس چیز سے چھوا ہے اس کو بوسہ دے۔ اگر اس سے بھی عاجز ہو تو حجر اسود کی طرف ہاتھوں سے یا جو چیز ہاتھ میں ہو اس سے اشارہ کرے۔ دائیں ہاتھ سے اشارہ کرنا افضل ہے۔ اور یہ عمل طواف کے دوران کیا جائے۔

تیسری سنت دعائے ماثورہ ہے۔ اس کے لیے حجر اسود کے استلام کے وقت ہر طواف کے آغاز میں "بسم اللہ واللہ اکبر" کہتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھائے جس طرح نماز میں اٹھاتے ہیں اور یہ الفاظ کہے:

"اللّٰھم ایماناً بک وتصدیقاً بکتابک ووفاءً بعھدک واتباعاً لسنة نبیک سیدنا محمد ﷺ"

(یعنی یا الٰہی! میں تجھ پر ایمان لایا، تیری کتاب کو سچ مانا، تیرے ساتھ وعدہ کو پورا کیا اور تیرے نبی یعنی اپنے سردار محمد ﷺ کی سنت پر عمل کیا)۔

یہ الفاظ پہلے طواف میں بہ نسبت دوسرے طوافوں کے زیادہ ضروری ہیں۔

چوتھی سنت مرد کے لیے یہ ہے کہ ابتدائی تین طوافوں میں تیز رفتار سے چلے، لیکن دوڑ کر یا اچھل اچھل کر نہ چلے۔ باقی طوافوں میں اپنی معمولی رفتار سے چلے۔ بخلاف عورت کے کہ وہ (تمام طوافوں میں) اپنی معمولی رفتار سے چلے۔

پانچویں سنت مرد یا نابالغ لڑکے کے لیے یہ ہے کہ "اضطباع" کرے، یعنی اپنی چادر کے درمیانی حصے کو دائیں پہلو میں لے کر دونوں پلوؤں کو بائیں مونڈھے پر ڈال لے۔

چھٹی سنت مرد اور نابالغ کے لیے یہ ہے کہ ہجوم زیادہ نہ ہو اور بغیر ایذا کے ممکن ہو تو خانۂ خدا کے قریب تر رہے، بخلاف عورت کے کہ اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ اپنی حفاظت کے خیال سے کعبہ سے فاصلے پر رہے۔

ساتویں سنت طواف میں موالات کرنا ہے (یعنی سلسلہ درمیان سے منقطع نہ ہونے دے) اگر طواف کے دوران حدث لاحق ہو جائے، خواہ قصداً ایسا کیا ہو، تو پہلے حدث سے پاک ہو کر اور طواف سابقہ کی بنیاد پر آگے کے طواف پورے کرے، تاہم افضل یہی ہے کہ از سر نو طواف کر لے۔ اسی طرح اگر طواف کے دوران نماز کھڑی ہو جائے تو نماز پڑھ کر جتنے طواف رہ گئے ہیں انھیں پورا کرے۔ اس میں بھی افضل یہی ہے کہ پھر نئے سرے سے طواف کر لے۔ آٹھویں سنت یہ ہے کہ طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھے اور فرض نماز ادا کر لینا یا فرض کے بعد کی نفلوں کا پڑھ لینا کافی ہے۔ اور یہ کہ یہ دو رکعتیں طواف کے معاً بعد ادا کی جائیں۔ اسی طرح اس (نماز) کے بعد حجر اسود کو ہاتھ لگانا مستحب ہے۔ اور اگر سعی کرنا ہے تو استلام (حجر اسود کو ہاتھ لگانے) کے بعد سعی کرے۔ دو رکعت نماز کا مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھنا مستحب ہے۔ وہاں ممکن نہ ہو تو حجر (چھوڑی ہوئی جگہ) کے پاس یا پھر خانہ کعبہ کے قریب۔ غرض یہ دو رکعتیں سنت بہر حال مطلوب ہیں، خواہ طواف کے بعد کتنی ہی دیر ہو جائے۔ اور طواف کا بے سبب منقطع کرنا مکروہ ہے۔ بلا عذر تھوکنا، خواہ کسی کپڑے وغیرہ میں ہو، اپنے ہاتھ پیٹھ کے پیچھے لے جانا، بغیر جمائی آئے منہ پر ہاتھ رکھنا اور انگلی چٹخانا (یہ سب باتیں مکروہ ہیں)، پیشاب پاخانے کی حاجت ہو رہی ہو تب بھی طواف مکروہ ہے۔

Marfat.com

مالکیہ کہتے ہیں کہ طواف میں دو باتیں واجب اور کچھ سنتیں ہیں۔ دو امور واجب یہ ہیں: طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا جیسا کہ اوپر بتایا گیا، اور جو چل سکتا ہو اسے پیدل چل کر طواف کرنا۔ اور جو امور سنت ہیں، وہ یہ ہیں: پہلے چکر میں حجر اسود کو چومنا اور اس کے سامنے تکبیر کہنا۔ اگر چومنا بس میں نہ ہو تو اس کا ہاتھ سے چھونا یا کسی لکڑی وغیرہ سے چھونا اور چھونے کے بعد اپنے ہاتھ یا لکڑی کو اپنے لب پر رکھنا، اور اس وقت تکبیر کہنا۔ اگر ان باتوں میں سے کچھ نہ کی جا سکے تو حجر اسود کے بالمقابل کھڑے ہو کر تکبیر کہہ لے۔ اور یہ بھی سنت ہے کہ پہلے چکر میں رکن یمانی کا استلام ہاتھ سے کر کے ہاتھ کو منہ سے لگائے۔ اور طواف کے دوران دعا کرنا (سنت ہے) دعا کے لیے کوئی خاص قید نہیں ہے، جو جی چاہے اللہ سے مانگے۔ اور رمل کرنا سنت ہے۔ ''رمل'' سے مراد یہ ہے کہ ابتدائی تین چکروں میں معمول سے زیادہ تیز چلنا، لیکن یہ رمل مردوں کے لیے سنت ہے، عورتوں کے لیے نہیں۔ واضح ہو کہ رمل کرنا طواف افاضہ کے علاوہ اور طوافوں میں سنت ہے۔ طواف افاضہ میں رمل کرنا مستحب ہے (سنت نہیں)، جیسا کہ آگے بتایا جائے گا۔ طواف افاضہ کے ابتدائی تین چکروں میں رمل کرنا اس کے لیے مستحب ہے جس نے طواف قدوم نہ کیا ہو۔ نیز پہلے چکر میں حجر اسود کو بوسہ دینا اور رکن یمانی کو ہاتھ لگانا۔ اور مرد کے لیے کعبہ کے قریب تر ہونا مستحب ہے۔ عورت کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ طواف میں مردوں کے پیچھے رہیں، جس طرح نماز میں ہوتا ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ طواف کی سنتیں حسب ذیل ہیں:

اول ہر چکر میں دائیں ہاتھ سے رکن یمانی کو چھونا۔

دوم ہر چکر میں حجر اسود کو چھونا اور بوسہ دینا، بشرطیکہ بہ آسانی ممکن ہو، ورنہ حجر اسود کے سامنے آ کر اس کی جانب اشارہ کرنا۔

سوم طواف قدوم میں اضطباع کرنا، یعنی چادر کے درمیانی حصے کو بغل کے نیچے رکھ کر چادر کے دونوں پلوؤں کو بائیں مونڈھے پر ڈال لینا۔

چہارم رمل کرنا، یعنی طواف میں چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے تیز چلنا۔ یہ عمل طواف قدوم کے ابتدائی تین چکروں میں اس مرد کے لیے سنت نہیں ہے جو سوار ہو یا معذور ہو یا اس نے مکہ ہی میں یا مکہ کے قریب ہی کسی جگہ سے احرام باندھا ہو۔ اسی طرح طواف قدوم کے علاوہ طواف زیارت وغیرہ میں یہ امر مسنون نہیں ہے۔

پنجم دعا کرنا۔

ششم ذکر الٰہی۔

ہفتم کعبہ کے قریب تر ہونا۔

ہشتم طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ طواف میں واجبات بھی ہیں اور سنن بھی۔ واجبات یہ ہیں کہ طواف کی ابتدا حجر اسود سے کی جائے۔ اگر کسی نے نہیں کیا تو قیام مکہ کے دوران دوبارہ طواف کرنا واجب ہے۔ اگر دوبارہ نہ کیا اور (حج سے) واپس آ گیا تو قربانی دینا واجب ہوگا۔ اور طواف (شروع کرنے کے وقت) افضل یہ ہے کہ پورا جسم حجر اسود کے سامنے ہو، یہاں تک کہ کوئی

Marfat.com

حصۂ بدن اس کے مقابل ہونے سے نہ رہ جائے۔اور واجبات کے منجملہ تیامن ہے، یعنی باب کعبہ کے قریب دائیں جانب سے طواف کرے اور کعبہ کو اپنے بائیں جانب رکھے۔ کیونکہ کعبہ امام کی مانند ہے، اور مقتدی اکیلا ہو تو امام کے دائیں جانب کھڑا ہوتا ہے۔ اگر طواف اس کے الٹ کیا کہ بائیں طرف سے شروع کیا اور کعبہ کو دائیں جانب رکھا تو دوبارہ طواف کرنا یا قربانی دینا واجب ہے۔ لباس، بدن اور جگہ کا نجاست سے پاک ہونا سنت مؤکدہ ہے۔ اگر طواف کیا اور اس کا لباس تمام نجس تھا تو بقول صحیح سنت ترک ہوئی، لیکن اس پر تاوان نہیں ہے۔ ستر عورت جس طرح نماز میں واجب ہے، طواف میں بھی واجب ہے، لہٰذا بدن کے جن حصوں کا ڈھکنا واجب ہے، اگر ان میں سے کسی عضو کا چوتھائی حصہ کھلا رہ گیا تو واجب ترک ہو گیا، لہٰذا پھر سے طواف کرنا یا قربانی دینا واجب ہے۔ یاد رہے کہ ستر عورت بنفسہٖ ایک امر فرض ہے، یہاں پر جو اسے واجب کہا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا ہونے سے طواف باطل نہیں ہوتا، بلکہ صحیح ہوتا ہے، لیکن اس کا گناہ الگ ہے۔ ایسی صورت میں اس عمل کا پھر سے کرنا یا اس کی تلافی (جزا) واجب ہے۔ اگر (ستر کے) کسی عضو کا ایک چوتھائی سے کم حصہ کھلا رہ جائے تو مضائقہ نہیں، جیسا کہ نماز میں۔ اگر قدرت ہو تو پیدل طواف کرنا واجب ہے۔ اگر بغیر عذر کے سوار ہو کر یا کسی کے اوپر لد کر یا کولھے پر گھسٹ کر طواف کیا تو دوبارہ طواف کرنا یا قربانی دینا لازم ہے، ہاں کوئی معذور ہو تو کچھ واجب نہیں ہے۔ اور واجب ہے کہ حطیم (یعنی وہ نیچی دیوار جو کعبہ کے باہر پرنالے کی جانب بنی ہوئی ہے) جسے حجر (چھوڑی ہوئی جگہ) کہتے ہیں، کے باہر سے طواف کیا جائے، کیونکہ یہ بھی کعبے کا کچھ حصہ ہے۔ طواف کا سات چکر ہونا بھی واجب ہے۔ ایک چکر حجر اسود سے شروع ہو کر حجر اسود پر ختم ہوتا ہے۔ یہ تمام سات چکر طواف قدوم وطواف وداع میں واجب ہیں۔ اگر طواف وداع کی بیشتر تعداد، یعنی چار چکر رہ گئے تو قربانی دینا لازم ہے، اگر اس سے کم رہے تو ہر چکر کے عوض صدقہ دینا ہو گا۔ البتہ طواف قدوم میں اس سے کم یا زیادہ چکر رہ جائیں تو (اس فروگزاشت پر) توبہ کے سوا اور کوئی تاوان لازم نہیں ہے، کیونکہ سات کی تعداد دراصل سنت ہے، لیکن طواف کرنا جب شروع کر دیا جائے تو واجب ہو جاتا ہے، جیسے نفل نماز (جو دراصل نفل ہوتی ہے، لیکن شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتی ہے)۔ البتہ طواف زیارت فرض ہے، لہٰذا اس کے چکروں کی مجموعی تعداد کا بیشتر حصہ رکن ہے کہ اگر زیادہ تعداد (یعنی چار) رہ گئی تو طواف باطل ہو گا۔ (بیشتر تعداد پوری ہو جانے پر) جو باقی رہے وہ واجب ہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا، اور جب تک کوئی شخص مکہ سے باہر نہ جائے، تارک واجب متصور نہ ہو گا قیام مکہ کے دوران باقی ماندہ طواف پورا کرنے کا مطالبہ اس کے ذمہ رہے گا۔ یاد رہے کہ بغیر معذوری کے کسی کو طواف کے لیے نائب بنانا جائز نہیں ہے۔ اور منجملہ واجبات ہر سات چکر کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا واجب ہے، خواہ وہ طواف فرض ہو، یا واجب یا سنت، یا نفل، افضل یہ ہے کہ طواف اور نماز یکے بعد دیگرے (بلا انقطاع) ادا کیے جائیں۔ البتہ اگر طواف ایسے وقت میں ہو جس میں نماز مکروہ ہوتی ہے تو (سردست) نماز نہ پڑھی جائے لیکن وہ فوت نہ ہو گی۔ کسی وقت بھی دو رکعت نماز پڑھ لینا لازم ہے، خواہ وطن واپس آ کر ہی پڑھے، گو اس میں تاخیر مکروہ ہے۔ اور اس دو رکعت نماز کا مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھنا مستحب ہے، یا پھر کعبہ کے اندر، یا پرنالے کے نیچے حجر (چھوڑی ہوئی جگہ) میں یا حجر (بالکسر)، سے کعبہ تک کسی بھی جگہ پر، پھر مسجد، پھر حدود حرم میں کسی جگہ (پڑھی جائے)۔ حرم سے باہر پڑھنا اچھا نہیں ہے۔ اس نماز کی پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھنا چاہیے۔

یہ تمام امور طواف کے واجبات میں سے ہیں۔ باقی رہیں طواف کی سنتیں سو وہ چند باتیں ہیں منجملہ ان کے یہ کہ

Marfat.com

حج کے تیسرے رکن سعی بین الصفا والمروہ کا بیان

صفا اور مروہ (جو دو پہاڑیاں ہیں) کے درمیان سعی کرنا (یعنی پھیرے لگانا) بھی حج کا ایک رکن ہے، لہٰذا اگر کسی نے یہ نہ کیا تو حج باطل ہوگا۔ تین امام اس پر متفق ہیں، حنفیہ کو اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ سعی واجب ہے "رکن" نہیں ہے، لہٰذا اس کے رہ جانے سے حج باطل نہیں ہوتا، البتہ فدیہ لازم آتا ہے۔

صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کی شرائط، اس کے طریقے اور اس کی سنتوں کا بیان

سعی (کے صحیح ہونے) کی چند شرطیں اور سنتیں ہیں۔ اس کی تفصیل از روئے مسالک مختلفہ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (1)

طواف شروع کرنے سے پہلے چادر کا ایک سرا دائیں بغل کے نیچے رکھ کر دوسرا اپنے بائیں کندھے پر ڈال لے۔ اس کو اضطباع کہتے ہیں، یہ عمل ہر اس طواف میں کیا جاتا ہے جس کے بعد سعی کرنا ہو، جیسے طواف قدوم۔ اور طواف میں تیز چلنا، لیکن قدم چھوٹے اٹھانا اور مونڈھوں کو حرکت دینا، جسے "رمل" کہتے ہیں سنت ہے۔ "رمل" صرف ابتدائی تین چکروں میں کیا جائے۔ اگر اس کے کرنے میں کوئی امر مانع درپیش ہو تو اتنا توقف کرے کہ دوبارہ کر لینا ممکن ہو۔ حجر اسود کا "استلام" (یعنی ہاتھ لگانا) اور ہر چکر کے خاتمے پر اس کا بوسہ دینا سنت ہے۔ پہلے چکر اور آخری چکر میں نیت کو مؤکد کر لینا چاہیے۔ حجر اسود کو ہاتھ لگانا، اگر کسی کے لیے ممکن نہ ہو تو عصا وغیرہ کسی شے سے ممکن ہو تو چھوئے اور جس چیز سے چھوا ہے اس کو بوسہ دے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو حجر اسود کی جانب رخ کر کے کھڑا ہو اور اپنے ہاتھ اٹھائے، ہتھیلیاں حجر اسود کی جانب رہیں اور تکبیر و تہلیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بجالائے اور آنحضرت ﷺ پر درود بھیجے۔ اور حجر اسود کی جانب منہ کرنا مستحب ہے۔ اسی طرح رکن یمانی کو ہاتھ لگانا مستحب ہے، سنت نہیں ہے اور مستحب یہ ہے کہ طواف کے بعد دو رکعتیں مقام ابراہیم کے عقب میں پڑھ کر دنیا و آخرت کی بھلائیوں میں سے جو کچھ چاہے دعا مانگے۔ اور یہ کہ دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد "سعی" کے لیے صفا کی طرف جانے سے پہلے زمزم پر آئے اور اس کا پانی خوب سیر ہو کر پیے اور (ڈول میں) باقی جو بچے اسے کنوئیں میں ڈال دے اور یہ دعا کرے:

"اللّٰهم انی اسئلک رزقاً واسعاً وعلماً نافعاً وشفاء من کل داءٍ"

(یعنی یاالٰہی! میں تجھ سے فراخی رزق، علم نافع اور شفائے جملہ امراض کی دعا کرتا ہوں)۔

اسکے بعد پہلے ملتزم کے پاس آئے، پھر صفا کی جانب جائے۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کے متعلق واجبات بھی ہیں اور سنتیں بھی اور شرط بھی۔ واجبات کے منجملہ یہ ہے کہ طواف کے بعد ہو اور سات پھیرے ہوں۔ ان میں سے ہر پھیرا واجب ہے۔ اور پاپیادہ ہو، یہاں تک کہ

Marfat.com

اگر بلا عذر سوار ہو کر سعی کی تو دوبارہ کرنا یا پھر قربانی دینا لازم ہے۔ اور یہ کہ سعی (کے ہر پھیرے) کی ابتدا ''صفا'' سے کی جائے۔ اور مروہ پر ختم کیا جائے تو وہ ایک پھیرا ہوگا۔ اگر مروہ سے شروع کیا تو وہ پھیرا شمار نہ کیا جائے گا۔

سعی کی سنتیں یہ ہیں کہ طواف اور سعی مسلسل ہو (درمیان میں وقفہ نہ ہو)۔ اگر درمیان میں وقفہ پڑ گیا، خواہ وہ طویل وقفہ ہو، تو سنت رہ جائے گی اس کی کوئی جزا نہیں ہے۔ اور یہ کہ دونوں حدث سے پاک ہو، لہٰذا حیض اور نفاس کی حالت میں سعی کی جائے تو بوجہ اس کے کہ اس میں معذوری تھی سعی بلا کراہت ہو جائے گی۔ اور یہ کہ صفا اور مروہ (کی اونچائی) پر چڑھے اور میلین اخضرین (دو ٹھیوں) کے درمیان چلے۔ ایک ٹھیا باب علی کے نیچے ہے اور دوسرا رباط عباس (عباس کی چوکی) کے سامنے۔ اور یہ کہ ان دونوں (میلین اخضرین) کے درمیان ہرولہ کرے (تیزی سے قدم اٹھائے) اور یہ کہ تکبیر وتہلیل اور درود کا ورد کرے اور جو جی چاہے دعا مانگے اور صفا و مروہ پر پہنچ کر کعبہ کی طرف رخ کرے اور سعی کے لیے جانے سے پہلے حجر اسود کا استلام کرے (یعنی ہاتھ لگائے)، اگر یہ ممکن نہ ہو تو جس طرح سابقاً طواف کی سنتوں میں بتایا گیا عمل کرے۔ اور افضل یہ ہے کہ ''باب صفا'' سے باہر نکلے۔ اس کو باب ''بنی مخزوم'' بھی کہتے ہیں۔ نکلتے وقت بایاں قدم پہلے نکالے اور مستحب یہ ہے کہ صفا و مروہ پر دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے۔ اگر طواف یا سعی کے دوران نماز کھڑی ہو جائے تو پہلے نماز پڑھے اور اس سے پہلے جتنے پھیرے کر لیے ہیں اس سے آگے کا عمل پورا کرے۔ سعی کے درمیان خرید وفروخت وغیرہ کی باتیں مکروہ ہیں۔

صحتِ سعی کی شرط یہ ہے کہ وہ طواف کے بعد ہو۔ اگر سعی پہلے کی اور طواف بعد میں کیا تو وہ سعی گنتی میں نہیں آئے گی، اور جہاں تک ممکن ہو اسے پھر سے کرنا واجب ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا حج کا ایک رکن ہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ سعی کے صحیح ہونے کی چند اور شرطیں اور اس میں سنتیں، مستحبات اور واجبات ہیں۔ صحیح ہونے کی شرطیں یہ ہیں:

اول سات پھیروں کا ہونا، اس سے کم جائز نہیں ہے، بلکہ لازم ہے کہ سات پھیرے پورے کیے جائیں۔ اگر کہیں اس میں دیر ہوگئی ہو تو از سرنو سعی کی جائے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ سعی کی ابتدا ''صفا'' سے کی جائے، اگر مروہ سے ابتدا کی گئی وہ تو پھیرا شمار میں نہ آئے گا۔ واضح ہو کہ صفا سے مروہ تک جانا ایک پھیرا ہے اور وہاں سے لوٹ کر صفا پر آنا دوسرا پھیرا ہے۔

تیسری شرط ''موالات'' ہے (یعنی پھیرے مسلسل کیے جائیں)۔ اگر درمیان میں زیادہ وقفہ ہوگیا تو از سرنو سعی کی جائے، معمولی وقفہ معاف ہے، مثلاً یہ کہ سعی کے دوران نماز جنازہ پڑھ لی یا کوئی سودا کر لیا، جس میں اتنی دیر نہ لگی ہو جسے زیادہ کہا جا سکے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ سعی طواف کے بعد ہو، خواہ طواف رکن ہو یا کوئی اور۔ اگر طواف کے بعد سعی نہیں کی گئی تو صحیح نہیں ہے۔ ہاں طواف کے بعد سعی کو موقوف رکھا تو درست ہے۔ اگر یہ طواف رکن ہے جسے طواف افاضہ کہتے ہیں یا طواف واجب، یعنی طواف قدوم ہے تو اب سعی کے لیے اصرار نہ کیا جائے گا۔ لیکن اگر طواف مستحب مثلاً طواف تحیۃ المسجد کے بعد سعی کو موقوف رکھا تو ایسے شخص کو طواف قدوم کے بعد سعی کرنے کو کہا جائے گا، بشرطیکہ ہنوز وقوف بعرفہ نہ کیا ہو۔ ورنہ پھر

Marfat.com

طوافِ افاضہ کے بعد سعی کرے، کیونکہ وقوف عرفہ کے بعد طواف قدوم فوت ہو جاتا ہے۔ اور (رہی ہوئی) سعی کو اس وقت تک کیا جا سکتا ہے جب تک کوئی شخص مکہ میں یا مکہ کے قریب ہے۔ ایسے شخص کو چاہیے کہ سعی کرنے کے لیے واپس مکہ میں آ جائے اور اس سعی کی خاطر طواف افاضہ کو بھی دہرائے، (کیونکہ سعی ہمیشہ طواف کے بعد ہی ہو سکتی ہے) لیکن اگر کوئی شخص مکہ سے دور چلا گیا تو ہدی (قربانی کا جانور) بھیجے، دوبارہ واپس نہ آئے۔ اسی طرح اگر کسی نے طواف رکن کے بعد سعی کو ملتوی کر دیا بایں خیال کہ یہ رکن نہیں ہے اور نہ سعی کی نیت ہی کی ہو، یا طواف واجب کے بعد بایں خیال سعی کو ملتوی کیا ہو کہ یہ واجب نہیں ہے اور نہ اس (کے کرنے) کی نیت کی ہو تو بموجب تفصیل بالا سعی کا عمل انجام دے۔

''سعی'' میں سنتیں حسب ذیل ہیں:

اول سعی کو جانے سے پہلے اور طواف کے بعد حجر اسود کو بوسہ دینا اور دو رکعت نماز پڑھنا۔

دوم یہ کہ سعی کا طواف کے متصل ہی بجالانا، یعنی طواف کرنے اور دو رکعتیں نماز پڑھ لینے کے بعد ہی فوراً سعی کرنا۔

سوم یہ کہ صفا اور مروہ دونوں مقام پر پہنچ کر ہر پھیرے میں اوپر چڑھنا، لیکن وہاں توقف زیادہ نہ کرنا چاہیے، جیسا کہ لوگ کرتے ہیں۔ دونوں جگہ اونچائی پر چڑھنا مردوں کے لیے سنت ہے اور عورتوں کے لیے بھی، بشرطیکہ وہاں پر مردوں کا ہجوم نہ ہو، ایسا ہو تو عورتیں اوپر نہ چڑھیں۔

چہارم یہ کہ دونوں جگہ دعا مانگی جائے۔ اس کی کوئی قید نہیں ہے (جو جی چاہے مانگے)۔

پنجم میلین اخضرین کے درمیان اس سے زیادہ تیز چلنا جیسا کہ طواف میں ''رمل'' کے وقت کیا جاتا ہے۔ میلان اخضران دو ستون ہیں جن میں سے ایک باب علی کے نیچے ہے، اور دوسرا رباط عباس کے سامنے۔ اور یہ تیز رفتاری مروہ کی طرف جاتے ہوئے ہونی چاہیے بقول راجح واپس ہوتے ہوئے نہیں۔

سعی میں جو امور مستحب ہیں وہ یہ ہیں: حدث اصغر و حدث اکبر اور نجاست سے پاک ہونا اور نماز کی دوسری شرائط کو پورا کرنا، لیکن (نماز کی) جو باتیں (سعی میں) ممکن نہیں ہیں وہ مستحب نہیں ہیں۔ مثلاً قبلہ کی جانب رخ ہونا۔ سعی کی حالت میں یہ امر آسان نہیں ہے۔ اور سعی میں صرف واجب ایک امر ہے۔ یعنی جس سے بن پڑے اسے پیدل چلنا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کی سات شرطیں ہیں: ایک نیت، دوم عقل، سوم سعی کے پھیروں میں موالات، چہارم قادر کے لیے پیدل سعی کرنا، پنجم طواف کے بعد سعی کرنا، خواہ وہ طواف مستحب ہو۔ ششم سعی کے سات پھیرے کرنا۔ واضح ہو کہ صفا سے مروہ تک جانا ایک پھیرا ہے، اور مروہ سے صفا تک آنا دوسرا پھیرا ہے۔ اس طرح سات پھیرے مکمل کیے جائیں۔ ہفتم یہ کہ صفا اور مروہ کے درمیان کا فاصلہ پورا طے کیا جائے، بایں طور کہ پاؤں کی ایڑی صفا کے نچلے حصہ پر ہو، پھر مروہ پہنچ کر پیروں کی انگلیاں گھاس پر ہوں اور پھر مڑتے ہوئے پاؤں کا پچھلا حصہ (ایڑی) صفا کے نچلے حصہ پر ہو اور اسی طرح ہر پھیرے میں کیا جائے۔ اور چاہیے کہ طواف صفا سے شروع کیا جائے اور مروہ پر ختم ہو۔ اگر مروہ سے شروع کیا تو یہ پھیرا شمار میں نہیں آئے گا۔

سعی کی سنتیں یہ ہیں کہ (سعی کرنے والا) ناپاکی اور نجاست سے پاک ہو، ستر عورت ملحوظ رہے اور طواف و سعی میں تسلسل قائم رکھے۔

Marfat.com

شافعیہ کہتے ہیں کہ سعی کی شرائط اور مستحبات ومکروہات ہیں۔شرائط حسب ذیل ہیں:

اول صفا کی طرف سے شروع کرنا اور مروہ پر ختم کرنا۔صفا سے مروہ تک جانا ایک پھیرا ہے اور مروہ سے صفا تک آنا دوسرا پھیرا ہے۔

دوم یہ کہ یقینی طور پر سات چکر پورے ہوں۔اگر تعداد میں شک پیدا ہو تو کم از کم جو تعداد یقینی طور پر یاد ہے اسی کو بنا قرار دے کر بقیہ پھیرے پورے کرلیے جائیں، کیونکہ یقین ہونے کی یہی صورت ہے اور ہر پھیرے میں فاصلہ پورا طے کیا جائے، اور یہ کہ عمل سعی کو عبادت کے سوا کوئی اور کام نہ بنا دیا جائے، چنانچہ اگر سعی میں صرف مسابقت (مقابلہ رفتار) مدنظر ہوئی تو سعی درست نہ ہوئی۔

سوم یہ کہ سعی طوافِ افاضہ کے بعد کی جائے، اور طوافِ قدوم کے بعد سعی اس صورت میں ہوسکتی ہے جب کہ درمیان میں وقوف بعرفہ نہ کیا ہو۔اگر طوافِ قدوم کے بعد (سعی نہیں کیا اور) عرفہ میں وقوف کرلیا تو اب سعی نہ کی جائے، بلکہ اسے اٹھا رکھے یہاں تک کہ طواف افاضہ کرلے، اس کے بعد سعی کی جائے۔

سعی کے مستحبات یہ ہیں:

اول یہ کہ باب صفا کی جانب سے نکلے۔یہ مسجد حرام کے ایک دروازے کا نام ہے۔

دوم یہ کہ صفا کے اوپر اتنا جائے کہ کعبہ نظر آنے لگے۔لیکن یہ عورتوں کے لیے سنت نہیں ہے، بجز اس صورت کے جب کہ وہ جگہ اجنبی مردوں سے خالی ہو۔

سوم یہ کہ ان کے متعلقہ اذکار کیے جائیں، مثلاً یہ کہ کعبہ کی جانب منہ کرکے، خواہ کوئی صفا کے اوپر گیا ہو یا نہ گیا ہو، تین بار کہے: **اللہ اکبر**، پھر یوں کہے: ”**وللّٰہ الحمد . اللّٰہ اکبر علٰی ماھدانا والحمد للّٰہ علی ما اولانا لاالٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد یحی ویموت ، بیدہ الخیر وھو علٰی کل شیءٍ قدیر ، لآ الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ، انجز وعدہ ونصر عبدہ وھزم الأعداء وحدہ لآ الٰہ الا اللّٰہ والا نعبد الاَ إیاہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون**“ (یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔اللہ برتر ہے، اس نے ہمیں ہدایت بخشی اور اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہم پر یہ احسان فرمایا (ہمیں اقرار ہے کہ) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔اسی کی حکومت ہے اور حمد اسی کیلئے ہے۔وہی زندگی عطا فرماتا اور موت دیتا ہے، تمام خوبیاں اس کے ہاتھ میں ہیں وہ ہر بات پر قادر ہے۔اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔اپنے بندے کو نصرت عطا فرمائی اور اس نے اکیلئے مخالف گروہوں کو شکست دی، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اور خلوص کے ساتھ اس کے راستہ پر قائم ہیں، خواہ کافروں کو نا گوار گزرے) اس کے بعد جو جی میں آئے دعا مانگے اور ہر ذکر یا دعا کو تین تین بار کہے۔

چہارم یہ کہ حدث اور نجاست سے بالکل پاک ہو اور ڈھکنے کی جگہ کو ڈھکی رکھے۔

پنجم یہ کہ بغیر معذوری کے سوار نہ ہو۔

ششم یہ کہ آنے اور جانے دونوں بار مسافت کے دوران تیزی سے قدم اٹھائے، ابتدا اور اخیر میں معمولی رفتار سے

Marfat.com

حج کے چوتھے رکن 'عرفات میں جانے اور وہاں پر وقوف کرنے کا بیان

حج کا چوتھا رکن سرزمین عرفات میں بہر حال موجود ہونا ہے، خواہ حالت بیداری میں ہو یا خواب کی حالت میں، بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر، ٹھہر کر یا گزرتے ہوئے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اس کی شرائط صحت اور اس کی سنتوں کی تفصیل بموجب مسالک مختلفہ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

چلے۔ لیکن عورت مطلقاً تیز رفتاری نہ کرے۔

ہفتم یہ کہ سعی کے دوران یوں کہے: " رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم انک انت الاعز الاکرم " (یعنی پروردگار میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم کر اور ہماری ان تمام فروگزاشتوں کو، جو تجھے خوب معلوم ہیں، نظر انداز فرما دے۔ بلاشبہ تری ذات سب سے بزرگ اور سب سے زیادہ کرم فرما ہے)۔

ہشتم یہ کہ سعی طواف کے متصل ہی کی جائے اور پھیرے مسلسل ہوں، ان میں فاصلہ نہ ہونے پائے۔ سعی کے دوران بلا عذر توقف کرنا مکروہ ہے۔ اور بار بار توقف کرنا بھی مکروہ ہے۔ نیز یہ کہ سعی کے بعد دو رکعتیں اس نیت سے ادا کی جائیں کہ یہ سعی کی سنتیں ہیں۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ مقام عرفہ میں وقوف (کے صحیح ہونے) کی چند شرطیں ہیں اور کچھ سنتیں ہیں۔ اس کی شرطیں حسب ذیل ہیں:

اول یہ کہ عرفات کی موجودگی مقررہ وقت کے اندر اندر ہو۔ اس کا وقت نویں ذی الحجہ کے زوال شمس کے بعد سے یوم نحر کی صبح تک ہے۔ اس وقت کے اندر وہاں پر ایک لحہ کے لیے بھی ہونا (ادائے فرض کے لیے) کافی ہے۔

دوم یہ کہ حج اور عبادت کی صلاحیت رکھتا ہو، بایں طور کہ جنون لاحق نہ ہو، نہ حالتِ نشہ میں ہو کہ عقل جاتی رہی ہو۔ اگر مجنون ہے یا نشہ میں عقل کھو بیٹھا تو اس کی عرفات میں موجودگی فرض کو پورا نہ کر سکے گی، اور جو ہوش میں نہ ہو اور اس کے افاقہ کی امید نہیں ہے تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو مجنون کا ہے، گو وہ بے ہوشی سے افاقہ پانے تک بھی حالتِ احرام میں متصور ہوگا۔

وقوف بعرفات کی سنتیں یہ ہیں: جبل رحمت کے دامن میں پتھر کی بڑی بڑی چٹانوں کے قریب جہاں پر حضور ﷺ نے وقوف فرمایا تھا وہاں پر حاضر ہونا، بشرطیکہ یہ سہولت ممکن ہو، ورنہ جہاں تک بھی اس کے قریب پہنچنا ہو وہاں تک پہنچنا کافی ہے۔ یہ حکم مردوں کے لیے ہے، عورتوں کے لیے مستحب یہ ہے کہ موقف نبی ﷺ کے کنارے پر بیٹھ جائیں۔ ہاں اگر ہودج وغیرہ میں ہوں (تو وہاں تک پہنچ جانا چاہیے)، ایسی صورت میں انھیں سوار رہنا ہی بہتر ہے۔ وہاں پر کثرت سے دعا کرنا، ذکر الٰہی اور لا الٰہ کا ورد سنت ہے، مثلاً یہ کہنا کہ:

لآ الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر. اللّٰھم اجعل فی قلبیْ نوراً وفی بصری نوراً اللھم اشرح لی صدری ویسرلی امری، اللھم لک الحمد کالذی نقول وخیراً ممانقول "

Marfat.com

(یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو یکتا اور لاشریک ہے۔ اسی کی بادشاہت ہے۔ وہی سزاوار حمد ہے اور وہی ہر شے پر قادر ہے۔ یا الٰہی! میرے دل کو اور آنکھوں کو منور فرما دے، خدایا میرے سینے کو (اپنی معرفت کے لیے) کھول دے اور میری مشکلوں کو آسان فرما، یا الٰہی! تو ہی لائق ستائش ہے (نہ صرف وہ) جس طرح کہتے ہیں (بلکہ) اس سے بہتر جو ہم سے ہو سکے) اس کے علاوہ اور دعائیں بھی جو مشہور ہیں مانگنا مستحب ہے۔ ہر دعا تین تین بار مانگے اور دعا سے پہلے اللہ کی حمد وثنا اور تحمید وتسبیح پڑھے اور آنحضرت ﷺ پر درود بھیجے اور خاتمہ پر بھی اسی طرح کرکے آمین کہے اور خوب روئے اور سورہ حشر پڑھے۔ اور یہ کہ رزق حلال، خلوصِ نیت اور مزید خشوع وخضوع کا طالب ہو۔ (اس وقت) دونوں ہاتھوں کا اٹھانا بھی سنت ہے۔ اور سر ہاتھوں سے اونچا نہ کرے اور یہ کہ کھلے آسمان کے نیچے سورج کی روشنی میں رہے۔ عرفات کی حاضری سے پہلے ہر قسم کی مصروفیات سے خارج الذہن ہو جائے اور راہ میں کہیں ٹھہرنے سے پرہیز کرے۔ حدث اور نجاست سے پاک ہو اور ستر عورت کا لحاظ رکھے، اور رخ قبلہ کی طرف رکھے، نیز ممکن ہو تو سواری پر رہے۔ اور یہ کہ کسی سوالی کو نہ جھڑکے اور نہ خلق خدا میں سے کسی مخلوق کو بنظر حقارت دیکھے اور جھگڑنے اور بدگوئی سے کنارہ کش رہے۔ اور غروب آفتاب تک عرفہ میں رہنا سنت ہے تاکہ وہاں کی حاضری کے وقت میں دن اور رات دونوں شامل ہو جائیں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ وقوف عرفات کی شرط صحت بھی ہے اور اس میں واجب اور سنتیں بھی ہیں۔ شرط تو یہ ہے کہ شریعت کے مقرر کردہ وقت کے اندر ہو اور وہ وقت نویں ذی الحجہ کے روز زوال آفتاب کے بعد سے یوم نحر کی فجر تک ہے۔ اس میں نہ نیت شرط ہے اور نہ عقل کا بجا ہونا شرط ہے۔ پس جو شخص ان اوقات میں عرفات میں پہنچ گیا اس کا حج درست ہو گیا، خواہ اس نے نیت کی ہو یا نہ کی ہو، اور خواہ یہ جانتا ہو کہ عرفہ میں ہے یا نہ جانتا ہو، یا حالتِ جنون یا بے ہوشی کے عالم میں ہو، سو رہا ہو یا بیدار ہو۔

واجب یہ ہے کہ اگر کوئی دوپہر کو پہنچ گیا ہے تو آفتاب غروب ہونے تک رہے۔ اگر رات کو پہنچا تو کچھ واجب نہیں۔ پس اگر کسی نے دن کو وہاں وقوف کیا اور سورج غروب ہونے سے پہلے عرفہ سے نکل گیا تو اس پر قربانی واجب ہے۔

(وقوف بہ عرفات کی) سنتیں یہ ہیں: غسل کرنا اور امام کا دو خطبے دینا اور نماز کے بیان میں بتائی گئی شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے ظہر اور عصر کی نماز اکھٹی پڑھنا، اس کے بعد وقوف کرنا اور یہ کہ روزہ نہ ہو اور باوضو ہو، اور سواری پر رہیں، اور یہ کہ امام کے پیچھے حتی المقدور اس کے قریب رہیں۔ دل حاضر اور ایسی باتوں سے فارغ ہو جو دعا سے ہٹا دے۔ اور یہ بھی سنت ہے کہ سیاہ پتھروں کی چٹانوں کے قریب ٹھہرے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں آنحضرت ﷺ ٹھہرے تھے۔ اگر وہاں پر ٹھہرنا دشوار ہو تو یہ کوشش کرے کہ حتی المقدور اس کے قریب ہو۔ اور یہ کہ اپنے دونوں ہاتھ کھول کر بلند کرے اور حمد وتہلیل وتکبیر وصلوٰۃ کے بعد دعا کرے اور ٹھہرنے کی جگہ پر تلبیہ کرے اور کثرت کے ساتھ اپنے اور اپنے ماں باپ کے لیے اور تمام مسلمان مرد عورتوں کے لیے دعائے مغفرت مانگے اور خشوع وخضوع وخلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا وتہلیل وتسبیح وتلبیہ جاری رکھے اور آنحضرت ﷺ پر درود بھیجے اور سورج غروب ہونے تک اپنی حاجات کے پورا ہونے کی دعائیں کرتا رہے اور دعا کے لیے خاص الفاظ کا پابند نہ ہو، بلکہ جو جی چاہے مانگے اور افضل یہ ہے کہ بیشتر دعائیں یہ ہوں:

"لآ الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، لہُ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو حی لا یموت

Marfat.com

بیدہ الخیر وھو علیٰ کل شئ قدیر، لا نعبد الا ایاہ ولا نعرف ربا سواہ. اللّٰھم اجعل فی قلبی نوراً وفی سمعی نوراً و فی بصری نوراً. اللھم اشرح لی صدری ویسرلی امری، اللھم ھذا مقام المستجیر العائذ من النار، اجرنی من النار بعفوک وادخلنی الجنۃ بر حمتک یا ارحم الراحمین . اللّٰھم اذھدیتنی للا سلام فلاتنزعہ عنی وتنزعنی عنہ حتی تقبضنی وانا علیہ ''

(یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اسی کی سلطنت ہے اور وہی شایان حمد ہے۔ وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے اور وہ زندہ ہے اسے موت نہیں۔ تمام بھلائیاں اس کے دست قدرت میں ہیں اور وہ ہر شے پر قادر ہے، اس کے سوا نہ ہم کسی کی عبادت کرتے ہیں اور نہ کسی اور کو پروردگار جانتے ہیں۔ خدایا! میرے دل، میرے کان اور میری آنکھ کو منور کر دے، الٰہی میرا سینہ کھول دے اور میری مشکلات آسان فرما دے۔ یا اللہ یہ وہ جگہ ہے جہاں دوزخ سے پناہ مانگنے والے تیری پناہ مانگتے ہیں، تو (میری خطاؤں کو) معاف فرما کر نار جہنم سے بچالے۔ اور اے تمام رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے مجھے اپنی جنت میں جگہ دے۔ یا الٰہی جب کہ تو نے مجھے اسلام کی ہدایت دی ہے تو اب نہ مجھے اس سے دور کر اور نہ وہ مجھ سے دور ہو یہاں تک کہ جب موت آجائے تو میں اس پر قائم ہوں) واضح ہو کہ دعا کا دھیمی آواز میں مانگنا بھی سنت ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ حضوریٔ عرفات (کے صحیح ہونے) کی شرطیں ہیں، اور اس کے واجب اور سنتیں بھی ہیں۔ شرطوں میں یہ امور ہیں کہ عرفہ میں آنا اپنے ارادہ سے ہو۔ اگر کسی کو عرفہ میں ٹھہرنے پر مجبور کیا گیا تو درست نہ ہوگا۔ اور یہ کہ وہ شخص عبادت کی صلاحیت رکھتا ہو، لہٰذا جسے جنون یا بے ہوشی لاحق ہو، یا نشہ کی حالت میں ہو، اس کا وقوف بعرفہ ہی درست نہیں ہے۔ اور یہ کہ ''وقوف'' شریعت کے مقرر کردہ وقت کے اندر ہو۔ یہ وقت ماہ ذی الحجہ کی نو تاریخ کو فجر سے لے کر دسویں کی صبح تک ہے جو قربانی کا دن ہے۔ (اس وقت کے اندر) وقوف کرنا جائز ہے۔ اگر کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ جہاں پر وہ ٹھہرا ہے وہ عرفات ہے اور یہ بھی نہ معلوم ہو کہ وہ وقت ٹھہرنے کا ہے تب بھی اگر اس نے ٹھیک جگہ اور ٹھیک وقت میں وقوف کیا تو صحیح ہو گیا، اس کے علم میں یہ دونوں باتیں رہی ہوں یا نہ رہی ہوں۔

واجب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دن کے وقت عرفات میں پہنچا تو رات کے کسی قدر حصہ میں بھی وہاں ٹھہرے۔ اگر کوئی شخص رات کو پہاڑی پر پہنچا، تو اسی وقت پر انحصار کرے، اس پر تاوان نہیں ہے۔

سنتیں یہ ہیں کہ سواری پر ٹھہرے اور رخ قبلہ کی طرف کرے۔ اور جب رحمت کے پتھر کی چٹانوں کے قریب آئے اوپر چڑھنے کی کوشش نہ کرے۔ دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھائے اور کثرت سے دعائے مغفرت، کرے اور اپنی عاجزی، کمزوری اور حاجت مندی کا اظہار کرے اور گڑگڑا کر دعا مانگے۔ اور قبولیت میں تاخیر نہ چاہے اور ہر دعا تین بار مانگی جائے اور کثرت کے ساتھ کہے:

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ، لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو حی لا یموت ، بیدہ الخیر وھو علیٰ کل شئ قدیر. اللّٰھم اجعل فی قلبی نوراً و فی بصری نوراً و فی سمعی نوراً ویسرلی امری''

Marfat.com

مالکیہ کہتے ہیں کہ عرفہ کی حاضری ارکانِ حج میں سے ہے، خواہ عرفات میں کسی بھی جگہ اور کسی بھی حالت میں ہو اور خواہ وہاں پر توقف کرے یا اس میں سے گزر جائے۔ لیکن بجائے ٹھہرنے کے محض عرفات سے گزرنے کی صورت میں (وقوف بعرفہ کے صحیح ہونے کی) دو شرطیں ہیں:

اول یہ کہ اسے علم ہو کہ یہ مقام عرفہ ہے، بے خبری کی حالت میں گزر جانا کافی نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ کہ عرفہ کی حاضری کی نیت ہو، اگر یہ نیت نہیں تھی اور عرفات سے گزرنا ہو گیا تو (صحت وقوف کے لیے) یہ کافی نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص وہاں سے ہو کر محض گزرنے والا نہیں ہے بلکہ وہاں ٹھہرا ہے تو اس کے لیے ان میں سے کوئی امر شرط نہیں ہے۔ پس اگر کوئی ٹھہرا، خواہ سو گیا یا بے ہوشی طاری رہی تب بھی کافی ہے۔ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ ماہ ذی الحجہ کی نو تاریخ کو سورج غروب ہونے سے دسویں کی صبح کے درمیانی عرصہ میں کسی بھی وقت وہاں کی موجودگی واجب ہے، خواہ ایک لحظہ کے لیے ہو اور وقوف بعرفہ میں حالت اطمینان کا ہونا واجب ہے، اگر اطمینان کی حالت نہ ہوئی تو قربانی واجب ہے۔ واضح ہو کہ عرفات میں حاضری کی دو قسمیں ہیں: ایک تو رکن ہے کہ اگر وہ نہ ہو تو حج فاسد ہو جاتا ہے، اور دوسری واجب ہے کہ اس کے نہ ہونے پر (حج تو باقی رہتا ہے لیکن) قربانی واجب ہوتی ہے۔ رکن یہ کہ عرفہ کے روز سورج ڈوبنے سے یوم نحر کی صبح تک کے درمیان کسی وقت بھی وقوف کیا جائے، خواہ لحظہ بھر کے لیے ہو۔ اور واجب یہ ہے کہ عرفہ کے روز زوال آفتاب سے غروب ہونے کے درمیان کسی وقت بھی وقوف کیا جائے خواہ وہ لحظہ بھر ہی کو ہو۔ اور وقوف مقام عرفات کے کسی بھی حصہ میں ہو جائز ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ وہاں پر ٹھہرا جائے جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وقوف فرمایا تھا، یعنی وہاں جہاں پر جبل رحمت کے دامن میں بڑی بڑی چٹانیں پھیلی ہوئی ہیں۔

مستحب یہ ہے کہ ماہ ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو طلوع آفتاب کے بعد عرفات کے لیے روانگی ہو اور یہ کہ اس جگہ پر پہنچ کر، جو "نمرۃ" کے نام سے مشہور ہے، فروکش ہو، اور وقوف عرفہ کے لیے غسل کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرنے میں عاجزی اور گڑگڑاہٹ سے کام لے۔ حدث سے پاک ہو اور سواری پر سوار ہو، اور کوئی معذوری نہ ہو تو کھڑے ہو کر دعا مانگے۔ عورتوں کے لیے کھڑا ہونا مستحب نہیں ہے۔ اور ظہر اور عصر کی نمازوں کو عرفات میں اکٹھا کر کے (بطور جمع تقدیم) پڑھنا سنت ہے، اور یہ کہ امام دو خطبے پڑھے جس میں وہ مسائل بتائے گئے ہوں جن کا تعلق عرفہ کے اعمال سے لے کر حج کے خاتمہ تک ہے، یہ خطبے نویں تاریخ کے زوال آفتاب کے بعد دیے جائیں پھر اذان دی جائے اور نماز ظہر کے لیے اقامت کہی جائے اور امام منبر پر ہو، پھر وہ اتر کر ظہر کی نماز پڑھائے اس کے بعد پھر اذان دی جائے اور دوسری بار نماز عصر کے لیے اقامت کی جائے اور سب کے ساتھ نماز پڑھی جائے۔ اس روز دونوں نمازیں اکٹھی کر کے پڑھی جائیں، اگرچہ وہ دن جمعہ کا ہو اور جمعہ کسی پر فرض ہو۔ اس روز جمعہ کی نماز نہ ہوگی۔ نماز کے بعد لوگوں کو چاہیے کہ غروب آفتاب تک عرفات میں ٹھہریں۔ وہیں پر سورج غروب ہو جائے اور رات آ جائے تو رکن پورا ادا ہو گیا، جس طرح دن کے وقت وہاں پر پہنچ جانے سے واجب ادا ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

حج کے واجبات کا بیان

کنکریاں مارنا، منٰی میں رات گزارنا اور مزدلفہ میں ٹھہرنا

یہ بات پہلے بتائی جاچکی ہے کہ ارکان حج میں سے ہر رکن کی مخصوص شرائط صحت، واجبات اور سنتیں ہیں۔ اس بارے میں تقریباً تمام مسالک کی تفصیل بیان کردی گئی ہے، لیکن ایسے عام واجبات ہنوز باقی ہیں جو کسی ایک رکن کے لیے خاص نہیں ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

ان (واجبات) کے منجملہ رمی جمار (کنکریوں کا مارنا)، مقام منٰی میں رات کو رہنا اور مقام مزدلفہ میں آنا اور بال منڈانا وغیرہ ہے۔ مختلف مسالک کی رو سے ان کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

ا۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ حج کے عام واجبات پانچ ہیں: اول ''میقات'' سے احرام باندھنا جس کی تفصیل پہلے ہوچکی ہے۔ دوم مزدلفہ میں آنا، خواہ لحظہ بھر ہی کے لیے ہو، لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ رات کو پچھلے حصہ میں ہو اور عرفات میں وقوف کے بعد ہو۔ اور مزدلفہ میں ٹھہرنا شرط (صحت) نہیں ہے، بلکہ اس کے درمیان سے گزر جانا کافی ہے، خواہ یہ علم ہو کہ یہ مزدلفہ ہے یا نہ ہو۔ سوم رمی جمار (یعنی کنکریاں مارنا) بایں طور کہ یوم نحر میں صرف جمرۂ عقبہ کے مقام پر کنکریاں ماری جائیں۔ پھر یوم نحر کے باقی ایام تشریق میں ہر روز تینوں جگہوں پر کنکریاں مارنا۔ اس کا وقت یوم نحر کی آدھی رات گزرنے کے بعد ہوجاتا ہے جب کہ وقوف بعرفہ کیا جاچکا ہو۔ رمی کا وقت ایام تشریق کے ختم ہونے تک رہتا ہے۔ اب یہ جاننا چاہیے کہ رمی جمرہ کیا ہے؟ پس واضح ہو کہ اگر (پھینکنے کی بجائے) سنگریزہ کو وہاں پر رکھ دیا گیا جہاں پر پھینکنا مطلوب ہے تو وہ رمی (پھینکنے یا مارنے) میں شمار نہ ہوگا۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ کنکری کو (خاص اس کی جگہ پر) پہنچانے کا ارادہ ہو۔ کنکری کو محض ہوا میں اچھالنا جائز نہیں ہے اگرچہ وہ ٹھیک جگہ پر جاگرے۔ رمی کرنے میں اگر کنکری مقررہ جگہ پر جا کر نہ گرے تو اسے تسلیم نہ کیا جائے گا۔ شریعت میں کنکری پھینکنا وہ قابل تسلیم ہے جو ہاتھ سے ہو، کمان وغیرہ سے نہ ہو۔ اس طرح بغیر کسی معذوری کے پھینکنا جائز نہیں ہے۔ اور جو چیز ماری جائے وہ پتھر ہونا چاہیے، موتی، نمک اینٹ وغیرہ مارنا جائز نہیں ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ''رامی'' (کنکری مارنے والے) کو اطمینان ہو کہ تینوں مقامات (جمرہ) پر سات سات کنکریاں ماری گئی ہیں۔ یہ عمل ایام عید کے دوسرے، تیسرے اور چوتھے روز تک کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ جمرۂ عقبہ پر عید کے روز سات کنکریوں کا پھینکا جانا یقینی ہو، اگر شک ہو تو یہ تعداد مکمل کرنی چاہیے یہاں تک کہ سات کنکریوں کا یقین ہوجائے۔ یہ بھی شرط ہے کہ یہ سات کنکریاں سات دفعہ میں پھینکی جائیں، اگر اس طرح نہ پھینکی گئیں (یعنی اکھٹی سات کنکریاں ماری گئیں یا سات مرتبہ سے کم میں ماری گئیں) تو وہ ایک ہی شمار ہوگی۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ جمرات ثلاثہ (یعنی کنکری مارنے کے تینوں ٹھیوں) میں جہاں ایام تشریق میں کنکریاں پھینکی جائیں ترتیب کا خیال رہے، یعنی پہلی اس جمرہ پر کنکری ماری جائے جو مسجد حنیف کے قریب ہے، پھر درمیانی ٹھیے پر اور اس کے بعد جمرہ عقبہ پر۔ غرض جب تک کہ سابقہ ٹھیوں پر کنکریاں نہ ماری جائیں بعد کے جمرہ کی طرف نہ آنا چاہیے۔

Marfat.com

رمی جمرہ کی سنتیں یہ ہیں کہ ہر روز اس کے لیے غسل کیا جائے اور ایام تشریق میں ظہر کی نماز سے پہلے کنکریاں ماری جائیں اور یہ کہ کنکریوں کے پھینکنے اور جمرات (یعنی کنکری کے ٹھکانوں) میں تسلسل قائم رکھا جائے، اور یہ کہ اگر سہولت ہو تو دائیں ہاتھ سے کنکریاں ماری جائیں اور یہ کہ اگر کنکریوں کے نجاست آلود ہونے کا گمان ہو تو انھیں دھولیا جائے۔ اور یہ کہ اور یہ کنکریاں انگلی کے پوروں سے چھوٹی ہوں اور جب پہلی کنکری پھینکی جائے تو تلبیہ کی بجائے تکبیر کہی جائے اور یہ کہ اگر کوئی شخص منٰی سے سواری پر آیا ہو تو سواری ہی پر سے کنکریاں ماری جائیں اور یہ کہ جو کنکریاں پھینکی جائیں وہ پہلی بار استعمال کی گئی ہوں، ان کو خود اس نے یا کسی اور نے رمی کے لیے استعمال نہ کیا ہو۔ ان سنتوں میں سے کسی کے بھی خلاف کرنا امر مکروہ ہے۔

حج کے واجبات میں سے چوتھا امر منٰی میں رات کو رہنا ہے۔ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ شخص جسے جلدی واپس جانا نہیں ہے وہ ایام تشریق کی تین راتوں میں سے بیشتر راتیں منٰی میں بسر کرے، لیکن جسے جلدی ہو اور ایام تشریق میں سے دوسرے ہی روز جو ایام عید کا تیسرا دن ہے، منٰی سے مکہ کی طرف روانہ ہونا چاہتا ہے اس سے ایام تشریق کی تیسری رات کو منٰی میں ٹھہرنا ساقط ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیه'' الآیہ (یعنی جو شخص جلدی کے خیال سے دو ہی دن ٹھہرے تو اس پر گناہ نہیں ہے) لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ دوسرے روز سورج غروب ہونے سے پہلے ہی منٰی سے نکل جائے، اگر منٰی ہی میں سورج ڈوب گیا تو اس کا تیسری رات وہاں رہنا بھی قرار پا گیا، لہٰذا اسے رمی بھی کرنی پڑے گی، بجز اس صورت کے کہ یہ تاخیر مجبوری سے ہوئی ہو۔ اور منٰی سے جلدی جانا اس شرط پر جائز ہوگا کہ وہاں سے جاتے وقت جانے کی نیت کر کے نکلے۔ اگر بغیر نیت کیے منٰی سے روانہ ہو گیا ہے تو لازم ہے کہ واپس آ جائے اگرچہ جانے کے وقت واپسی کا ارادہ نہ رہا ہو۔ اگر واپسی کی نیت سے روانہ ہوا تو واپس آنا لازم ہے اور اسے جانے کی نیت نہ قرار دیا جائے گا۔ اور جس نے رمی کی ہے اسے منٰی میں رات گزارنا واجب ہے بشرطیکہ معذور نہ ہو لیکن اگر عذر ہو جیسے کوئی اونٹ چرانے والا یا مکہ میں اور راستے میں پانی پلانے کی خدمت انجام دینے والا ہے، جسے منٰی میں رات کو رہنے سے اپنی جان یا مال کے نقصان کا اندیشہ ہو اور اسے منٰی میں رات بسر کرنے سے رک جانے کی اجازت ہو سکتی ہے، اور رات وہاں پر گزارنا لازم نہ ہوگا۔ لیکن رمی اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگی۔ پانچواں امر واجب یہ ہے کہ حالتِ احرام میں جو باتیں پہلے حرام ہوئی تھیں ان سے کنارہ کش رہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ حج کے بنیادی واجبات پانچ ہیں: اول صفا و مروہ کے درمیان پھیرے کرنا۔ دوم فجر سے پہلے مزدلفہ میں آنا، خواہ گھڑی بھر کے لیے ہو۔ اگر طلوع فجر سے پہلے مزدلفہ کی موجودگی رہ گئی تو قربانی لازم ہوگی البتہ اگر اس تاخیر کا سبب کوئی خاص عذر یا مرض ہو تو کچھ لازم نہ ہوگا۔ سوم ہر حاجی کا کنکریاں پھینکنا اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ یوم نحر کو بطن وادی میں جمرہ عقبہ پر سات کنکری یا کسی ایسی شے (کی ڈلیاں) جس پر تیمم جائز ہے، یا مشت خاک سات بار پھینکی جائے، (کیونکہ) ایسا کرنا ایک بار کنکری مارنے کے برابر ہے۔ البتہ رمی میں لکڑی، عنبر، موتی، سونا، چاندی، جواہر یا مینگنی وغیرہ پھینکنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ اشیاء زمین کی قسم کی اشیاء میں سے نہیں ہیں۔ جمرہ کے قریب سے کنکریوں کا چننا مکروہ ہے اور اسی طرح اس کا پھیلانا بھی مکروہ ہے۔ نیز سات کنکریوں سے زیادہ مارنا مکروہ ہے اور سنت یہ ہے کہ کنکری پھینکنے والے اور

Marfat.com

''جمرہ'' کے درمیان، جہاں کنکری پھینکنی ہے، پانچ ذراع (ہاتھ) کا فاصلہ ہو۔ اور یہ کہ کنکری کو چٹکی میں لے کر پھینکے۔ اگر وہ کنکری پھینکنے میں کسی شخص یا اونٹ پر جا پڑی اور جمرہ کے قریب ہی جا کر پڑی ہے تو ''رمی'' ہو گئی، لیکن اگر جمرہ سے دور فاصلہ پر جا پڑی تو وہ کافی نہیں ہے، اس کی بجائے دوسری کنکری پھینکنا واجب ہے۔ فاصلہ کے بعید ہونے کی مقدار تین ذراع ہے۔ اور یہ بھی سنت ہے کہ ہر کنکری کے پھینکنے کے وقت ''بسم اللہ اللہ اکبر'' کہا جائے۔ پہلی ''رمی'' سے تلبیہ موقوف کر دینا چاہیے۔ ایک بڑے پتھر کو توڑ کر رمی کے لیے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لینا مکروہ ہے۔ جمرہ عقبہ کی رمی کرنے کا وقت یوم نحر کی فجر سے لے کر دوسرے دن کی فجر تک ہے۔ اس سے پہلے رمی کرنا جائز نہیں ہے اور اس کے بعد کی گئی تو قربانی دینا ہو گی۔ مستحب یہ کہ آفتاب طلوع ہونے سے زوال آفتاب تک کسی وقت 'رمی' کی جائے۔ غروب آفتاب تک بھی کرنے کی اجازت ہے۔ البتہ رات کے وقت رمی کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح یوم نحر کی فجر نمودار ہونے سے طلوع شمس تک کے دوران بھی رمی کرنا مکروہ ہے یوم نحر کے دوسرے روز تینوں جگہ کنکریاں پھینکی جائیں۔ اس کے لیے سنت یہ ہے کہ مقام جمرۂ اولیٰ سے کنکری مارنے کی ابتدا کی جائے۔ یہ مقام مسجد حنیف کے قریب ہے، پھر جمرۂ وسطیٰ پر اور اس کے بعد جمرہ عقبہ پر سات سات کنکریاں بطریق بالا پھینکی جائیں۔ اگر اس ترتیب کے برعکس کیا گیا، مثلاً جمرہ وسطیٰ پر جمرہ اولیٰ سے پہلے کنکریاں ماریں تو سنت جب پوری ہو گی کہ دوبارہ بموجب ترتیب رمی کی جائے۔ اور سنت یہ ہے کہ اس رمی کو پورا کرنے میں جس کے بعد دوسری رمی کرنا ہے اتنی دیر لگائی جائے جتنی دیر میں قرآن کے ایک پارے کے تین ربع پڑھے جا سکیں، یعنی تقریباً تین گھڑی۔ دوسرے اور تیسرے روز رمی کرنے کا وقت زوال آفتاب سے غروب آفتاب تک ہے۔ رات میں فجر نمودار ہونے تک رمی کرنا مکروہ ہے اور زوال آفتاب سے پہلے جائز نہیں ہے۔ اور دوسرے دن کی فجر تک تاخیر ہو جائے تو قربانی لازم ہو گی۔ رمی کے وقت اپنے اور دوسروں کے لیے جو دعا جی چاہے مانگے اور اپنے ہاتھ آسمان کی جانب یا قبلہ کی جانب اٹھائے۔ اسی طرح یوم نحر کے تیسرے دن بھی رمی کرنا چاہیے۔ اور اگر وہیں قیام رہے تو چوتھے دن بھی ایسا ہی کرے اور پیدل رمی کرنا اور سواری پر کرنا دونوں طرح جائز ہے۔ چوتھا امر واجب سر منڈانا یا بال کتروانا ہے۔ پانچواں واجب طواف صدر ہے۔ ان واجبات کے علاوہ اور واجبات جو ہیں وہ سب ان ہی بنیادی واجبات سے تعلق رکھتے ہیں۔ یا پھر ان کا تعلق کسی شرط یا رکن سے جدا جدا ہے۔ واضح ہو کہ واجبات طواف وسعی وقوف بعرفہ سابقاً بتائے جا چکے ہیں، باقی واجبات یہ ہیں: رمی جمار اور حلق کے درمیان ترتیب کا ملحوظ رکھنا، اور یوم نحر میں قربانی کرنا اور سر منڈانے کے لیے مقررہ وقت اور جگہ کا ملحوظ رکھنا۔ (امر واجب کا) قاعدہ یہ ہے کہ ہر ایسا عمل جس کے ترک پر قربانی لازم ہے وہ امر واجب ہے۔ ان امور کی تفصیل جن پر قربانی واجب ہوتی ہے جنایت الحج (حج کی فروگزاشتوں) کے بیان میں آئے گی۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ حج کے واجبات سات ہیں: اول شریعت کے مقررہ میقات پر احرام باندھنا۔ دوم عرفات میں دن کے وقت پہنچنے والے کو غروب آفتاب تک ٹھہرنا۔ سوم یوم نحر کی رات کو مزدلفہ میں شب گزاری کرنا۔ لیکن یہ امر اس پر واجب نہیں ہے جسے پانی پلانے یا مویشی چرانے کی خدمت انجام دینی ہے۔ واضح ہو کہ مقام مزدلفہ میں رات کے دوسرے نصف حصہ میں سے کسی بھی وقت ایک لحظہ کے لیے توقف کیا تو وہاں کی موجودگی کا عمل پورا ہو جائے گا۔ چہارم ایام تشریق کی راتوں میں منیٰ کے اندر رہنا اس کے لیے (واجب ہے) جو کہ پانی کی بہم رسانی یا مویشی چرانے کا کام نہ کرتا ہو۔ پنجم رمی

Marfat.com

جمار (کنکریاں مارنے) میں ترتیب کا ملحوظ رکھنا، یعنی پہلے اس مقام (ٹھیے) پر کنکریاں ماری جائیں جو مسجد حنیف کے قریب ہے، پھر درمیانی ٹھیے پر اس کے بعد جمرۂ عقبہ (یعنی آخری ٹھیے) پر، رمی کے لیے بالکل ننھی سی کنکریوں کا استعمال جائز نہیں ہے اور نہ بڑے بڑے ڈھیلے ہوں اور وہ کنکری استعمال شدہ بھی نہ ہو جس کو کسی نے پہلے (رمی میں) پھینکا ہو۔ کنکری (سنگ ریزہ) کے علاوہ کسی اور چیز کا مارنا ٹھیک نہیں ہے مثلاً موتی، سونا وغیرہ۔ کنکری کو پھینکنا شرط ہے، اگر کسی نے بغیر پھینکے ہوئے وہاں جا کر رکھ دیا تو یہ کافی نہیں ہے۔ اور شرط یہ ہے کہ سات کنکریاں ایک ایک کر کے ماری جائیں، لہٰذا اگر کسی نے ایک دفعہ میں کئی کئی کنکریاں پھینک دیں تو وہ ایک ہی کنکری شمار ہوگی۔ امر یہ بھی شرط ہے کہ اس امر کا یقین ہو جائے کہ کنکری صحیح مقام پر گری ہے، محض قیاس کہ وہ پہنچ گئی ہے کافی نہیں ہے۔ اگر پھینکی ہوئی کنکری اصل جگہ سے ہٹ کر گری لیکن لڑھک کر وہاں پہنچ گئی تو عمل پورا ہو گیا۔ اسی طرح اگر پھینکی ہوئی کنکری کسی شخص کے لباس پر پڑی اور پھر وہاں سے اچٹ کر اصل جگہ پر جا کر گری تب بھی درست ہے اگرچہ اس شخص کے جھٹکنے سے وہاں گئی ہو۔ کنکری مارنے کا وقت یوم نحر کی نصف شب سے ہو جاتا ہے، اس کے لیے جو عرفات میں پہلے وقوف کر چکا ہو، اور ایام تشریق میں زوال آفتاب کے بعد رمی کرنا درست ہے۔ چھٹا امر واجب بال منڈوانا یا کتروانا ہے۔ ساتواں طواف وداع (یعنی حج سے واپسی کے وقت کا طواف)۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ حج کے کچھ عام واجبات ہیں جن کا تعلق ارکانِ حج میں سے کسی رکن سے نہیں ہے، مثلاً رات کو عرفات سے چل کر منٰی کو جاتے ہوئے مزدلفہ میں فروکش ہونا، (کم از کم) اتنی دیر کے لیے جتنی دیر میں سواری ستا سکتی ہو، بشرطیکہ کوئی معذوری نہ ہو۔ بصورت دیگر وہاں اترنا واجب نہیں ہے۔ اور یہ کہ دسویں تاریخ کو سر منڈانے اور طواف افاضہ کرنے سے پہلے جمرۂ عقبہ پر رمی کی جائے۔ اگر رمی کرنے یا طواف افاضہ سے پہلے سر منڈالیا تو قربانی واجب ہوگی۔ لیکن سر منڈانے سے پہلے قربانی کرنا اور طواف افاضہ سے پہلے بال کٹوانا مستحب ہے۔ غرض یوم نحر میں چار امور مطلوب ہیں: جمرہ عقبہ پر رمی کرنا، قربانی کے جانور کا نحر کرنا یا ذبح کرنا، سر منڈوانا، طواف افاضہ کرنا۔ یہ تمام امور اسی ترتیب سے کیے جائیں۔ جمرہ عقبہ پر رمی کرنا بذات خود امر واجب ہے اور اس کا وقت یوم نحر کی صبح سے ہو جاتا ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ سورج نکلنے سے زوال آفتاب تک کسی وقت کر لیا جائے۔ اس سے زیادہ تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ اور منجملہ واجبات کے یہ ہے کہ طواف افاضہ کے بعد پھر منٰی میں آکر رات گزاری جائے۔ اس طرح وہاں پر تین راتیں، یعنی ایام نحر کی دوسری، تیسری اور چوتھی رات رہنا واجب ہے۔ لیکن اگر کسی کو جلدی ہو تو دو ہی رات گزارنا کافی ہے۔ ایسے شخص سے چوتھی رات کو وہاں رہنا اور اس روز رمی کرنا ساقط ہو جائے گا، بشرطیکہ تیسرے روز غروب آفتاب سے پہلے پہلے حمرۂ عقبہ سے نکل جائے، ورنہ چوتھی رات بھی وہیں پر رہنا اور رمی کرنا ہوگا۔ عید قربان کے بعد تشریق کے تینوں روز رمی جمار کرنا اور ہر روز تینوں جگہ سات سات کنکریاں مارنا واجب ہے۔ ان تین ایام میں ہر روز رمی کا وقت زوال آفتاب سے مغرب کے وقت تک ہے۔ زوال آفتاب سے پہلے رمی کرنا کافی نہیں ہے۔ ہاں اگر زوال کے بعد دوبارہ رمی کر لی تو (رمی ہو جائے گی، لیکن) قربانی لازم ہے۔ اگر اس میں رات آجانے تک تاخیر کر دی، یا اگلے روز تک تاخیر ہوئی تو قربانی لازم ہے۔ مستحب یہ ہے کہ ہر روز نماز ظہر سے پہلے رمی کر لی جائے۔ صحت رمی کی چند شرطیں ہیں:

Marfat.com

حج کی سنتوں کا بیان

حج کی سنتوں میں کچھ تو وہ ہیں جن کا تعلق احرام سے ہے۔ان کی تفصیل ان امور کے بیان میں پہلے ہی بتائی گئی ہے جو نیت حج کرنے والے کو احرام باندھنے سے پہلے کرنے پڑتے ہیں۔ باقی سنتوں میں کچھ وہ ہیں جن کا تعلق طواف' سعی یا وقوف بعرفہ سے ہے اور ان کا بیان بھی سابقاً ہو چکا ہے۔ان کے علاوہ حج کی کچھ اور سنتیں ہیں جن کی تفصیل بموجب مسالک مختلفہ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(۱)

اول یہ کہ پہلے جمرۂ کبریٰ پر جو مسجد منیٰ کے قریب ہے کنکریاں ماری جائیں، پھر دوسرے جمرہ پر جو بازار میں ہے، اس کے بعد آخر میں جمرۂ عقبہ پر لیکن یوم نحر کو صرف جمرہ عقبہ کے علاوہ اور کہیں رمی کا حکم نہیں ہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جس چیز سے مارا جائے وہ منجملہ پتھر کی ہو۔مٹی (کی ڈلی) پھینکنا کافی نہیں ہے۔تیسری شرط یہ ہے کہ وہ کنکریاں ننھی ننھی دانہ گندم جیسی نہ ہوں بلکہ وہ ایسی کنکریاں ہوں جس سے بچے کھیلتے ہیں۔اور یہ کہ کنکریوں کو بائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور کلمہ کی انگلی کے درمیان پکڑ رکھے پھر اسے دائیں ہاتھ میں لے کر کلمہ کی انگلی سے پھینکے۔ بالکل ہی ننھی سی کنکری ماری جائے تو رمی نہ ہوگی لیکن اگر بڑی بڑی ڈلیاں پھینکی جائیں تو خیر جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔اور جو کنکری پھینکی جائے اس کا پاک ہونا شرط نہیں ہے۔نجاست آلود کنکری بھی جائز ہے لیکن بہتر یہ ہوگا کہ دوبارہ پاک کنکریوں سے رمی کی جائے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ کنکریوں کو ہاتھ سے مارا جائے، پاؤں سے پھینکنا کافی نہیں ہے۔مستحب یہ ہے کہ دائیں ہاتھ سے کنکری پھینکی جائے، بشرطیکہ کوئی شخص دائیں ہاتھ سے اچھی طرح پھینک سکتا ہو (یعنی الٹے ہاتھ سے کام کرنے کا عادی نہ ہو)۔اور منجملہ واجبات کے سر منڈوانا ہے، اگر یہ نہ کیا تو قربانی لازم ہے۔اگر اپنے شہر میں واپس آ گیا یا ایام تشریق گزر گئے اور مکہ میں بال نہ کٹوائے تب بھی قربانی واجب ہوگی۔ہاں اگر ایام تشریق کے بعد بھی وہیں پر بال کٹوا دیئے تو قربانی واجب نہ ہوگی۔ مردوں کے لیے بال منڈوانے کی بجائے کتروا لینا بھی کافی ہے لیکن سنت کے خلاف ہے۔البتہ عورت کو صرف بال کو کٹوا لینا کافی ہے، سر نہ منڈوانا چاہیے، کیونکہ عورت کے لیے بال کا تراشنا سر منڈوانے کے برابر ہے، عورت کا بال کترنے کا طریقہ یہ ہے کہ صرف انگلی کے برابر سر کی لٹ سے بال کاٹ دیے جائیں۔لیکن مرد کے لیے بال ترشوانا یہ ہے کہ بال کو جڑ سے یا اگنے کی جگہ کے پاس سے کاٹ دیا جائے۔اگر اوپر اوپر سرے سے کاٹا جائے جیسا کہ (بعض) عورتیں کرتی ہیں تب بھی جائز ہے، لیکن ناپسندیدہ ہے اور منجملہ واجبات حج کے فدیہ دینا یا حج میں کوئی فساد آ گیا ہو تو اس کے لیے قربانی دینا، نیز حج قران وحج تمتع کی قربانی دینا بھی ہے۔اس کی تفصیل اپنی اپنی جگہ پر بتائی جائے گی۔

۱۔حنفیہ کہتے ہیں کہ حج کی باقی سنتیں یہ ہیں: ایام نحر کی راتوں کو منیٰ میں رہنا اور قربانی کی رات عرفات سے نکلنے کے بعد رات کو مزدلفہ میں رہنا اور مزدلفہ سے آفتاب نکلنے سے پہلے منیٰ کو روانہ ہو جانا اور تینوں مقامات پر کنکریوں کے مارنے میں ترتیب کا لحاظ رکھنا، اور یہ تو بتایا جا چکا ہے کہ اصل کام جو کنکریوں کا مارنا ہے وہ واجب ہے۔

واضح ہو کہ حج کے کچھ آداب بھی ہیں، ان کی تعداد بہت ہے، مثلاً یہ کہ حج کو جانے سے پہلے اپنے قرضوں کو چکا دیا جائے اور جس سال جانے کا ارادہ ہو پہلے کسی واقف کار سے مشورہ کر لیا جائے اور اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا جائے، استخارہ کا

Marfat.com

مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے دو رکعت نماز پڑھے جس میں فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص پڑھی جائے، اس کے بعد استخارہ کے لیے وہ دعا مانگی جائے جو حدیث میں آئی ہے۔ پھر گناہوں سے توبہ کرے، نیت خالص رکھے اور مظالم سے دور رہے۔ اور جس سے خصومت یا کوئی معاملہ ہو اس سے صفائی کر لے اور جو عبادتیں رہ گئی ہیں انھیں پورا کر لے۔ خود کو نمائش، ناموری اور فخر کے خیال سے دور رکھے۔ حج کے لیے رزق حلال حاصل کرے، کیوں کہ مال حرام سے حج کرنے کا کوئی ثواب نہیں ہے، گو ناجائز طور پر غصب کیے ہوئے مال سے بھی حج کیا جائے تو ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور چاہیے کہ کسی نیک آدمی کو اپنا رفیق سفر بنا لے، تاکہ جہاں کوئی فروگزاشت ہو وہ بتاتا رہے، اور پریشانی کے وقت وہ تسلی دے اور عاجزی میں مددگار ثابت ہو۔ اور یہ کہ جمعرات کے روز حج کو روانہ ہو، ورنہ پھر آغاز ماہ میں دوشنبہ کے روز صبح کو چلے۔ کنبہ کے لوگوں اور بھائیوں سے رخصت ہو اور ان کی طرف سے دل صاف کر کے ان کی دعاؤں کا طالب ہو۔ اس کے لیے خود ان کے پاس جائے۔ اور ان کے لیے بھی سنت یہ ہے کہ اس کی پیشوائی کے لیے آگے بڑھیں اور یہ کہ گھر سے نکلنے کے وقت دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا کرے:

”اللّٰھم الیک توجھت وبک اعتصمت وعلیک توکلت. اللّٰھم انت ثقتی وانت رجائی اللّٰھم اکفنی ما اھمنی وما لا اھتم به وما انت اعلم به منی، عز جارک ولآ الٰہ غیرک. اللّٰھم زودنی التقوٰی واغفرلی ذنوبی ووجھنی الی الخیر أینماتوجھت. اللّٰھم انی اعوذبک من وعثاء السفر وکابة المنقلب والحور بعد الکور وسوء المنظر فی الاھل والمال۔“

(یعنی یا الٰہی! میں تیری جانب رخ کرتا ہوں۔ تیرا دامن پکڑتا ہوں۔ تجھ پر میرا بھروسا ہے۔ خدایا تیری ذات پر میرا تکیہ ہے اور تجھ ہی سے امیدوار ہوں۔ الٰہی جس کا بھی مجھے غم ہو اس سے اور جس کی جانب میرا دھیان نہ ہو، اور تو اسے مجھ سے بہتر جانتا ہے، اس سے محفوظ رکھ۔ تیری بارگاہ بڑی ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ خدایا پرہیز گاری کو میرا زادِ سفر بنا۔ میرے گناہوں کی مغفرت فرما۔ میری توجہ صرف نیک کاموں کی جانب رہے۔ خدایا میں سفر کی دشواریوں، حالات کی ناسازگاری، فراغت کے بعد مشکلات کے پیش آنے اور اہل و عیال اور مال کو ناخوشگوار حالات کا سامنا ہونے سے تیری پناہ مانگتا ہوں)۔ اور سواری پر سوار ہوتے وقت، کہے:

”بسم اللّٰہ والحمد للّٰہ الذی ھدانا الاسلام وعلمنا القرآن ومنَّ علینا بمحمد ﷺ۔ الحمد للّٰہ الذی جعلنی من خیر امة اخرجت للناس، سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کناله مقرنین وانا الٰی ربنا لمنقلبون الحمد للّٰہ رب العلمین۔“

(یعنی اللہ کے نام سے، اور اللہ ہی کی تعریف ہے جس نے ہمیں اسلام کا راستہ دکھایا اور قرآن کا علم دیا اور محمد ﷺ کی بعثت سے ہم پر احسان فرمایا۔ اس اللہ کی حمد و ثنا ہے جس نے ان تمام اقوام میں جو ابھریں ہمیں سب سے بہتر قوم کا فرد بنایا اور وہی ذات پاک ہے جس نے اس کو ہمارے لیے مسخر فرمایا، ورنہ یہ ہمارے بس کی نہ تھی۔ بلاشبہ ہم سب کو مڑ کر اپنے پروردگار کے پاس جانا ہے۔ تمام تعریفیں کل جہان کے پالنے والے اللہ کے لیے ہیں)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ حج کی متعدد سنتیں ہیں: منجملہ ان کے عرفہ کی رات کو منیٰ میں رہنا ہے۔ اور یہ سنت ہے کیونکہ وہاں

Marfat.com

ٹھہرنے کا مقصد ستانا ہے بخلاف ایام تشریق کی راتوں میں وہاں پر ٹھہرنے کے، کہ وہ واجب ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اور وادی محسر میں پہنچ کر رفتار تیز کر دینا (سنت ہے)۔ یہ وہ جگہ ہے جو منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان واقع ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے، کہ اس کو "حسرت" (ناکامی) سے نسبت ہے، یعنی یہیں پر ابرہہ کا ہاتھی جسے وہ کعبہ کی بنیاد ڈھانے کے لیے لے کر آیا تھا، اسے یہاں پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس کا ذکر قرآن حکیم کی آیت میں آیا ہے۔ اور سنتوں کے منجملہ مسنون خطبوں کا دینا ہے۔ یہ چار خطبے ہیں:

ایک تو ذی الحجہ کی ساتویں تاریخ کا خطبہ، صرف ایک خطبہ ہے جو امام (وقت) یا اس کا نائب مثلاً حج کا سالار قافلہ مسجد حرام میں ظہر کی نماز کے بعد دے گا۔ یہ خطبہ تکبیر سے شروع کیا جائے جب کہ امام احرام میں نہ ہو۔ اگر حالتِ احرام میں ہو تو تلبیہ سے شروع کرے اور بہتر یہی ہے کہ خطیب حالتِ احرام میں ہو۔

دوسرا عرفہ کے روز نمرہ میں نماز ظہر سے پہلے دو خطبے دیے جائیں۔

تیسرا منیٰ میں یوم نحر کو ظہر کی نماز کے بعد ایک خطبہ۔

چوتھا خطبہ منیٰ میں پہلی بار کوچ کے وقت دیا جائے۔ خطیب کو چاہیے کہ ان مذکورہ خطبوں سے ہر خطبے میں ان اعمال حج کی تفصیل بتائے جو آگے حج میں کرنے ہوں۔ اور منجملہ سنتوں کے مرد کا سر منڈانا اور عورت کا بال کٹوانا اور مشعر حرام میں ٹھہرنا ہے۔ اور مشعر حرام وہ جگہ ہے جسے جبل قُزح بروزن عمر کہتے ہیں۔ لوگ وہاں اللہ کا ذکر کرتے اور قبلہ رخ ہو کر غروب آفتاب کے بعد تک اپنے رب سے دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ اور یہ بھی سنت ہے کہ منیٰ سے روانگی میں جلدی نہ کرے، بلکہ ایام تشریق کی تمام راتوں میں وہیں پر رہے۔ نیز مسنون دعاؤں کا پڑھتے رہنا سنت ہے، مثلاً بیت الحرام کو دیکھے تو وہ دعا پڑھے جس کا سابقاً ذکر ہوا اور خانہ کعبہ کے سامنے جا کر یوں کہے: **اللّٰھم ان البیت بیتک والحرم حرمک والامن امنک وھذا مقام العائذبک من النار**۔" (یعنی یا الٰہی! یہ گھر تیرا گھر ہے اور یہ حرم تیرا حرم ہے، اور پناہ تیری پناہ ہے، اور یہ وہ جگہ ہے جہاں پناہ مانگنے والے جہنم سے تیری پناہ مانگتے ہیں) اور رکنین یمانین (یعنی کعبہ کے دونوں کونوں) کے درمیان یہ کہے: **ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار** " (یعنی پروردگار ہمیں دنیا میں اور آخرت میں خوبی عطا فرما اور عذاب دوزخ سے نجات دے) اور رمی جمار کے وقت کہے: "**اللّٰھم حجاً مبروراً ذنباً مغفوراً وسعیاً مشکوراً**" (یعنی یا الٰہی! میرا حج بے لوث بنا دے۔ گناہوں کو معاف فرما اور ہماری کوششوں کو پسندیدہ کر دے) اور سعی (صفا و مروہ) کے وقت کہے: "**رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم انک انت الاعز الاکرم**" (یعنی اے پروردگار مغفرت فرما اور رحم کر اور ہماری خامیاں جو تو خوب جانتا ہے درگزر کر دے، بلاشبہ تو عظیم ترین و بزرگ ترین ہستی کا مالک ہے)۔

اور منجملہ سنتوں کے یہ ہے کہ حج کو جانے سے پہلے اپنے قرض ادا کر دے، اپنے جھگڑے چکا دے اور تمام گناہوں سے توبہ کر لے اور حج کا طریقہ سیکھ لے اور دوسروں کے ساتھ جو معاملات اور شراکتیں ہیں ان کا تصفیہ کر جائے۔ اور سفر سے پہلے وصیت لکھ لے، اور اس پر گواہی ثبت کرا لے اور ایک اچھا رفیق سفر تلاش کر لے جو اس کا ساتھ دے اور حج کا شوق رکھتا

Marfat.com

ہو۔اور یہ کہ زادسفر اور اخراجات زیادہ لے کر چلے، تا کہ اس سے محتاجوں کو سہارا دے سکے۔اور یہ بھی سنت ہے کہ جب حرم میں داخل ہو نماز پڑھے اور طواف واعتکاف کرے۔اور کعبہ کے اندر نماز پڑھے، خواہ نفل نماز ہو اور زمزم کا پانی کثرت سے خوب شکم سیر ہو کہ اور قبلہ کی جانب رخ کر کے پیے اور یہ کہے: "اللّٰھم انی بلغنی عن نبیک محمد ﷺ انه قال ماء زمزم لما شرب له وانا اشربه لسعادة الدنیا والأخرة اللّٰھم فافعل ۔" (یعنی اے اللہ تیرے نبی ﷺ کا یہ ارشاد مجھ تک پہنچا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمزم کا پانی جو شخص پیے اس کی مراد پوری ہوگی۔اب میں اسے دنیا وآخرت کی خوش بختی کے لیے پی رہا ہوں، سو یہ مراد پوری فرمادے) پھر اللہ کا نام لے کر اسے پیئے اور پینے کے دوران تین بار سانس لے۔اور کنوئیں کی طرف جانا، اس کا دیکھنا اور ڈول سے پانی نکالنا اور اپنے چہرے، سر اور سینے کو اس سے دھونا اور راستے کے لیے لے کر چلنا یہ سب باتیں سنت ہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ حج میں کچھ سنتیں اور مستحبات ہیں۔اس کی سنتیں یہ ہیں:

اول مسجد عرفہ میں زوال کے بعد دو خطبوں کا دینا جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے۔

دوم ظہر اور عصر کی نماز ایک ہی وقت میں بطور جمع تقدیم کے پڑھنا جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے۔

سوم مذکورہ ظہر اور عصر کی نمازوں کا قصر کرنا۔یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو عرفات کے رہنے والے نہیں ہیں، وہاں کے رہنے والے قصر نہ کریں۔

چہارم عرفہ سے چل کر مزدلفہ میں پہنچنے کے بعد مغرب اور عشاء کی نماز اکھٹی پڑھنا، یہ جمع تاخیر ہے، یعنی مغرب کی نماز (تاخیر سے) عشاء کے ساتھ پڑھی جائے۔اس کا جماعت کے ساتھ پڑھنا سنت ہے، اس کے لیے جس نے عرفہ میں امام کے ساتھ وقوف کیا ہو اور لوگوں کے ساتھ مزدلفہ کو روانہ ہوا ہو۔یا لوگوں کے ساتھ روانہ نہ ہوا ہو لیکن اس پر قادر ہو۔اگر کسی نے امام کے ساتھ وقوف نہیں کیا تو وہ ان دونوں کو اکھٹی نہ کرے، بلکہ ہر نماز کو اپنے وقت میں ادا کرے۔البتہ اگر کوئی شخص معذور ہونے کے باعث لوگوں کے ساتھ نہ چل سکے تو وہ مغرب میں تاخیر کرے اور عشاء کے وقت میں عشاء کی نماز کے ساتھ جہاں کہیں بھی چاہے پڑھ لے۔عشاء کا قصر کرنا اس کے لیے سنت ہے جو مزدلفہ کا رہنے والا نہ ہو۔اور ہر حاجی کے لیے ان نمازوں کو اکھٹا پڑھنا سنت ہے، خواہ کوئی شخص عرفہ یا مزدلفہ کا رہنے والا ہو۔البتہ قصر کرنا اس کے لیے سنت نہیں ہے جو ایسی جگہ کا رہنے والا ہو جہاں کے لوگوں پر قصر نہیں ہے۔

پنجم قربانی کے جانوروں کے گلے میں قلادہ (لٹکن) ڈالنا۔

ششم شعار کرنا' اس کے معنے اور یہ کہ کس جانور کے گلے میں قلادہ ڈالا جائے اور کس کا شعار کیا جائے اس کی تفصیل اوپر بتائی جا چکی ہے اور یہ بھی کہ کن جانوروں کو قلادہ نہیں ڈالا جا سکتا اور یا شعار نہیں کیا جا سکتا؟ ان کے علاوہ اور سنتیں وہ ہیں جو ارکان حج کے زمرہ میں بتائی گئیں۔

حج کے مستحبات حسب ذیل ہیں: وہ شخص جو مکہ میں رات کو پہنچنے والا ہو اسے مقام ذی طوے پر اتر پڑنا اور وہیں پر رات گزارنا، تا کہ مکہ میں صبح کو دن چڑھے داخلہ ہو۔اور جو عورت حالت حیض یا حالت نفاس میں نہ ہو اس کا غسل کرنا۔

Marfat.com

ممنوعات حج کا بیان

حاجیوں کو جن امور کی ممانعت ہے ان میں سے بعض مفسد حج ہیں، یعنی اگر ان کا ارتکاب کیا جائے

ایسی حالت ہو تو غسل کرنا مستحب نہیں ہے، کیونکہ غسل طواف کعبہ کے لیے ہوتا ہے اور اس میں طواف درست نہیں، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ طواف کے بعد دعا کرنا سنت ہے۔ اور خوب کثرت سے نیک تمناؤں کے ساتھ زمزم کا پانی پینا۔ حدیث میں آیا ہے کہ ''ماءُ زمزم لما شُرِب له'' (یعنی زمزم کا پانی جس مقصد کے لیے پیا جائے وہ پورا ہوتا ہے) زمزم کا پانی لے کر آنا بھی سنت ہے۔ لوگوں ساتھ عرفہ میں وقوف کرنا اور وقوف کے دوران غروب آفتاب تک دعا کرتے رہنا اور گڑگڑانا اور دسویں تاریخ کو رات کے وقت مزدلفہ میں ٹھہرنا۔ وہاں سے نماز فجر کے بعد صبح کی روشنی پھیلنے سے پہلے وہاں سے روانہ ہو جانا، پھر مشعر حرام میں ٹھہرنا اور قبلہ کی طرف رُخ کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا اور صبح کی روشنی نمودار ہونے تک اللہ کی حمد وثنا میں لگا رہنا۔ اور بطن محسر کے مقام سے گزرنے میں جلدی کرنا اور یہ مقام مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان میں ایک وادی ہے جو ایک روڑی پھینکنے کے فاصلہ تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اصحاب فیل وہاں نامراد رہے اور اسی جگہ ان پر عذاب نازل ہوا، جیسا کہ سورہ فیل میں آیا ہے۔ یہاں پر عورتوں کو تیز چلنا مستحب نہیں ہے جب کہ وہ سواری پر نہ ہوں۔ اور منیٰ پہنچ کر جمرۂ عقبہ پر کنکریاں مارنا۔ اور سورج نکلنے کے بعد مستحب ہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اور جمرۂ عقبہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر پیدل چلنا۔ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہنا اور پے در پے تمام کنکریوں کا پھینکنا، بایں طور کہ بعض دو کنکریوں کے درمیان توقف نہ ہو۔ اور کنکریوں کا اس طرح پھینکنا کہ وہ خود اپنی جگہ پر جا پڑیں (نہ یہ کہ کسی سے ٹکرا کر جائیں)۔ قربانی کا ذبح کرنا اور عید کے روز زوال سے پہلے سر منڈانا۔ اور ذبح کے بعد سر منڈانا اور سر منڈانے کے بعد احرام کے لباس میں طواف افاضہ کرنا مستحب ہے۔ ابتدائی دو جمروں پر یعنی جمرۂ کبریٰ اور جمرۂ وسطیٰ کے بعد دعا کے لیے توقف کرنا اور جمرۂ اولیٰ پر دعا کر کے کنکریاں مارنا اور جسے جلدی نہ ہو اسے مقام محصب پر ٹھہرنا۔ محصب ایک وادی ہے، جس میں کثرت سے کنکریاں ہیں اور مکہ کے قبرستان کی جانب مقام ''کداء'' کے نزدیک واقع ہے۔ پس جو شخص چوتھے روز رمی کر کے منیٰ سے مکہ روانہ ہو اسے مکہ میں فروکش ہونے سے پہلے اس جگہ اترنا مستحب ہے۔ وہاں اترنے کے بعد وہاں ٹھہرے اور چار نمازیں، یعنی ظہر سے عشاء تک وہیں پر پڑھی جائیں۔ اس کے لیے ظہر کی نماز میں تاخیر کرنا ہوگی، تاکہ یہ نماز وہیں پڑھی جائے، بشرطیکہ (ظہر کا) وقت اختیاری نکل جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ نیز وہاں پر فروکش ہونا اسی صورت میں مستحب ہے جب کہ منیٰ سے جمعہ کے دن واپسی نہ ہوئی ہو، ایسا ہو تو مکہ پہنچ کر ہی اترنا چاہیے۔ اس سے کوئی کج روی عائد نہ ہوگی۔ اسی طرح اس شخص کے لیے بھی یہاں اترنا مستحب نہیں ہے جسے جلدی ہو اور منیٰ سے ایام تشریق کے دوسرے ہی دن رمی کے بعد چل پڑا ہو۔ اور جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، مکہ سے روانگی کا ارادہ ہو تو طواف وداع کرنا مستحب ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے مستحبات کا بیان ارکان حج کی تفصیل میں ہو چکا ہے۔

Marfat.com

تو حج فاسد ہو جاتا ہے۔ اور بعض ایسے ہیں جن پر قربانی اونٹ، گائے یا بھیڑ وغیرہ کی لازم آتی ہے، جیسا کہ اس کے بیان میں بتایا جائے گا۔ بعض امور ایسے ہیں جن پر تاوان عائد ہوتا ہے، یعنی صدقۂ طعام وغیرہ۔

مفسدات حج کا بیان

عرفات کے اندر سابقہ بیان کردہ مقررہ اوقات میں وقوف نہ کیا جائے تو حج نہیں ہوتا۔ اس پر تمام مسالک کا اتفاق ہے۔ اسی طرح حج کے ارکان میں سے کوئی رکن، جن کی تفصیل مسالک مختلفہ کی رو سے سابقاً بیان کی جا چکی ہے، وہ رہ جائے تو حج فاسد ہو جاتا ہے۔ جماع کرنے سے بھی حج جاتا رہتا ہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے، البتہ جماع سے حج کا باطل ہونا بعض اوقات اور بعض شرائط پر موقوف ہے۔ اس بارے میں مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔(1)

حنابلہ کہتے ہیں کہ حج کے امور مسنونات میں سے چند امور جو باقی ہیں وہ یہ ہیں: ذوالحجہ کی نویں تاریخ کی شب منیٰ میں رہنا اور ذوالحجہ کی آٹھ تاریخ کو امام کا مسجد حرام میں اور عرفہ کے روز مقام عرفات میں اور قربانی کے روز منیٰ میں خطبہ دینا اور جمرۂ عقبہ پر رمی کرنے تک تلبیہ جاری رکھنا۔ اس کے علاوہ رمی جمار کے وقت قبلہ رخ ہونا بھی مسنون ہے۔

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ جماع کرنے سے حج فاسد ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ سرِ ذکر یا اس کے برابر حصۂ عضو انسان کی اگلی یا پچھلی شرم گاہ میں داخل ہو جائے، ایسا کرنے والا خواہ چھوٹی عمر کا ہو یا بڑی عمر کا اور خواہ وہ جس کے ساتھ یہ فعل کیا گیا اس کی طاقت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ چنانچہ اگر کسی حاجی کی صغیر سن بیوی حج میں اس کے ساتھ ہے اور اس کے ساتھ اس نے یہ فعل کر لیا تو دونوں کا حج باطل ہو جائے گا اور بڑی عمر والی کا تو بدرجہ اولیٰ باطل ہو جائے گا۔ اور حج کے باطل ہونے میں اس سے فرق نہیں پڑتا کہ اس وقت کسی کو حج یاد رہا ہو یا بھولے سے کیا یا بے خبری کے باعث ایسا ہو گیا ہو۔ اور یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ بوسہ لینے یا مس کرنے یا دیکھنے یا خیال کرنے یا کسی اور طرح سے انزال ہو جائے لیکن دیکھنے یا سوچنے سے انزال کے باعث جو حج فاسد ہوتا ہے اس کے لیے شرط یہ ہے کہ دیر تک دیکھتا یا سوچتا رہا ہو۔ اگر دیکھتے ہی یا خیال آتے ہی انزال ہو جائے تو حج فاسد نہ ہوگا۔ البتہ بوسہ لینے سے انزال ہو جائے تو حج فاسد ہو جائے گا، خواہ بار بار ایسا نہ کیا گیا ہو۔ پس اگر کسی کے ساتھ حج میں اس کی بیوی بھی ہے تو چاہیے کہ ان اوقات میں جن میں شارع نے عورت کے پاس جانے سے منع فرمایا ہے اپنی بیوی سے بھی خوش فعلی کرنے یا پیار وغیرہ کرنے سے پرہیز کرتا رہے۔ واضح ہو کہ مذکورہ اسباب کے تحت جماع کرنے یا انزال ہونے سے حج اسی صورت میں فاسد ہوگا جب ایسی کوئی حرکت جمرۂ عقبہ پر کنکری مارنے سے پہلے سرزد ہوئی ہو جس کا وقت یوم نحر کے دن طواف افاضہ سے اور یوم نحر ختم ہونے سے پہلے ہے۔ غرض رمی جمرۂ عقبہ سے پہلے اگر بطریق مذکورہ جماع یا انزال ہو جائے تو حج فاسد ہو جائے گا، خواہ وقوف بعرفہ سے پہلے ہو یا اس کے بعد ہو۔ لیکن اگر جماع یا کسی مذکورہ سبب سے انزال جمرۂ عقبہ پر کنکریاں مارنے یا طواف افاضہ کے بعد ہوا یا یوم نحر گزار کر ہوا درآنحالیکہ رمی اور طواف نہ کیا ہو تو حج فاسد نہ ہوگا، لیکن فدیہ میں قربانی دینا ہوگی۔ جماع یا محرکاتِ جماع سے عورت حلال نہ ہوگی۔ اسی طرح

Marfat.com

جمرۂ عقبہ پر رمی کرنے کے بعد عقد نکاح حلال نہیں ہوتا، تاہم اگر کسی نے ایسا کرلیا تو گو اس کا حج فاسد نہ ہوگا لیکن یہ ایک ایسا فعل ہے جو حلال نہیں تھا، لہٰذا اس کا فدیہ لازم ہے۔ ہاں اگر طواف افاضہ کے بعد اور سر منڈانے سے پہلے کیا تو یہ فعل حلال ہو گا تاہم قربانی دینا لازم ہے۔ ہاں اگر سر منڈانے کے بعد کیا تو حلال ہے اور اس پر کچھ عائد نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ اگر (ان حرکات سے) مذی نکل آئی یا محض دیکھنے یا خیال کرنے سے بغیر اس کے کہ اس میں دیر لگائی ہو انزال ہو جائے تو قربانی دینا واجب ہے۔ اور جس کا حج فاسد ہو جائے اسے واجب ہے کہ اس حج کو پورا کرے۔ اگر اس خیال سے کہ احرام ٹوٹ گیا ہے حج کی تکمیل نہ کی تو اس کا یہ احرام باقی رہے گا اور اگلے سال نئے سرے سے احرام باندھا تو یہ احرام لغو ہوگا، اور اس پر لازم ہوگا کہ وہی احرام جو باندھا تھا اسے پورا کرے۔

واضح ہو کہ اگر کسی کا حج جماع وغیرہ سے فاسد ہو جائے تو اس پر چار امور واجب ہو جاتے ہیں:

اول اس حج کا پورا کرنا جو فاسد ہوا۔

دوم جب کبھی مقدور ہو اس کی قضا کرنا، اگرچہ اس میں تاخیر کرنا گناہ ہے۔

سوم قربانی کے جانور کی نحر کرنا جو حج کے فاسد ہونے کے باعث لازم ہے۔

چہارم ہدی (قربانی کے اونٹ) کی نحر کو قضا کے وقت تک اٹھا رکھنا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جماع سے حج فاسد ہو جاتا ہے بشرطیکہ یہ حرکت وقوف عرفہ سے پہلے ہوئی ہو، لیکن اگر وقوف عرفہ کے بعد دوسرا رکن یعنی طواف زیارت کرنے سے پہلے بیوی کے پاس گیا تو حج فاسد نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ حنفیہ کے نزدیک وقوف عرفہ کے بعد حج کو فاسد کرنے والی کوئی بات باقی نہیں رہتی۔ واضح ہو کہ وہ جماع جس سے حج فاسد ہوتا ہے وہ بھول کر ہو یا قصداً ہو، بیداری میں ہو یا سوتے میں، اختیار سے ہو یا مجبوری سے، اس حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پس اگر کوئی شخص حالت نوم میں بیوی کے پاس آیا یا بیوی سو رہی تھی اور اس سے ہم بستر ہو گیا تو دونوں کا حج فاسد ہو جائے گا۔ مگر یہ شرط ضرور ہے کہ دونوں بالغ عاقل ہوں، چنانچہ اگر کسی نابالغ یا مجنون نے عاقل و بالغ عورت سے جماع کرلیا تو صرف اس عورت کا حج فاسد ہوگا دونوں کا نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر بالغ مرد نے نابالغ عورت یا دیوانی عورت سے کیا تو مرد کا حج فاسد ہوگا دونوں کا نہ ہوگا۔ اس میں انزال ہونے کی شرط نہیں، بلکہ حشفہ (سر ذکر) آگے یا پیچھے کی شرم گاہ میں غائب ہونے سے حج فاسد ہو جائے گا، انزال ہوا ہو یا نہ ہوا۔ اگر جماع سے حج فاسد ہو جائے تب بھی لازم یہ ہے کہ حج کے تمام اعمال پورے کیے جائیں، جیسا کہ مالکیہ کہتے ہیں، اور اگلے سال حج دوبارہ کیا جائے۔ اور مرتکبوں میں سے دونوں پر قربانی لازم ہوگی۔ اس کے لیے ایک بکری کی قربانی جائز ہے۔ اگر ایک مجلس میں کئی بار جماع کیا تب بھی ایک ہی بکری کافی ہے۔ اگر مختلف مجلسوں میں کیا تو ہر دفعہ کے لیے ایک بکری دینا ہوگی (مجلس کے ایک ہونے سے مراد زمان اور مکان اور ہیئت کذائی کا متحد ہونا ہے۔)

شافعیہ کہتے ہیں کہ جماع سے حج فاسد ہونے کی چند شرائط ہیں: ایک شرط یہ ہے کہ حشفہ یا اس کی مقدار حصۂ عضو قبل یا دبر میں داخل ہو جائے قطع نظر اس کے کہ یہ عمل کسی جانور کے ساتھ ہو یا کوئی چیز حائل کر کے (یعنی کپڑا وغیرہ لپیٹ کر) ہو۔

Marfat.com

دوسری شرط یہ ہے کہ یہ فعل جان کر قصداً اور اپنے اختیار سے کیا ہو، اگر ناواقفیت سے یا بھول کر یا مجبور ہو کر ایسا کرے تو حج فاسد نہ ہوگا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ یہ حرکت تحلل (حلال ہونے) سے پہلے ہوئی ہو۔اس مسئلہ کی تشریح یہ ہے کہ شافعیہ کے نزدیک حلال ہونا (یعنی حج کی پابندیوں سے آزاد ہونا) تین باتوں پر منحصر ہے: کنکری پھینکنا، سر منڈانا اور طواف رکن (افاضہ) کرنا۔ پس اگر کوئی شخص ان میں سے دو باتیں کر لے تو دو تحللوں میں سے ایک تحلل ہو گیا، اس کے بعد جماع سے حج فاسد نہ ہوگا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کسی نے طواف کیا اور سر منڈا لیا یا سر منڈایا اور رمی کیا۔ یاد رہے کہ ان ہر سہ امور میں ترتیب کا ملحوظ رکھنا شرط نہیں ہے، صرف بہتر ہے کہ ان کو مقررہ ترتیب کے ساتھ انجام دیا جائے یعنی پہل کنکری پھر حلق (بال کٹوانا) اور پھر طواف کرنا، تاہم اگرچہ تحلل ثانی (یعنی ہر سہ عمل کی تکمیل کرنے) سے پہلے جماع کرنے سے حج فاسد نہیں ہوتا لیکن یہ فعل اور اس کے محرکات مثلاً بوسہ لینا اور شہوت کے ساتھ مس کرنا خواہ انزال ہو یا نہ ہو تب بھی حرام ہے، اور ایسا کرنے میں فدیہ لازم ہوتا ہے کیونکہ حرام ہونے کا اصل (سبب) اِستمتاع (یعنی جنسی لذت کا حاصل کرنا) ہے اور یہ بات دیکھنے اور ہاتھ لگانے سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور ہاتھ سے انزال بھی حرام ہے۔ لیکن اگر انزال نہ ہو تو فدیہ واجب نہیں ہے۔ اسی طرح (شہوت سے) دیکھنا اور کپڑے وغیرہ کے اوپر سے ہاتھ لگانا بھی حرام ہے لیکن اس صورت میں فدیہ نہیں ہے، خواہ انزال ہو یا نہ ہو، اور یہ بھی اس لیے کہ حرام ہونے کی شرط استمتاع یعنی (جنسی لذت کا حصول) ہے اور وہ دیکھنے اور اس طرح ہاتھ لگانے سے بھی حاصل ہے۔ لیکن وجوب فدیہ کے لیے شہوت کے ساتھ مباشرت کرنا (یعنی جسم سے جسم ملانا) شرط ہے، جو صورت بالا میں پوری نہیں ہوتی۔ (پس ایسا فعل کرنا حرام تو ہے لیکن فدیہ واجب نہیں ہوتا)۔ یاد رہے کہ اگر جماع سے حج فاسد ہو جائے تو باقی اعمال حج کا پورا کرنا واجب ہے۔ نیز ایسی باتوں سے بچنا بھی لازم ہے جن سے بچنا حج فاسد نہ ہونے کی صورت میں لازم تھا۔ اگر حج فاسد ہونے کے بعد بھی کوئی ایسا امر ممنوع سرزد ہو گیا جس کا فدیہ ہے تو فدیہ دینا لازم ہے۔ اور وہ حج جو جماع کی وجہ سے فاسد ہوا ہو اس کی قضا فوراً یعنی آئندہ سال ہی واجب ہے، اگرچہ وہ حج جو فاسد ہوا ہے نفلی حج رہا ہو۔ اور فاسدِ حج جماع کا کفارہ ایک اونٹ یا اونٹنی ہے جس میں وہ تمام باتیں پائی جاتی ہوں جو قربانی کے لیے کافی ہوتی ہیں۔ اس کی تفصیل قربانی کے بیان میں بتائی گئی ہے وہاں پر ملاحظہ ہو۔ اگر کوئی شخص (اونٹ کی قربانی دینے سے) عاجز ہو تو گائے کی قربانی دی جائے اور یہ بھی نہ ہو سکے تو سات ایسی بکریوں کی قربانی دے جن کی قربانی جائز ہے۔ اگر اس سے بھی عاجز ہو تو مکہ میں پھر کر اس قربانی کی قیمت کا کھانا حرم کے تین یا زیادہ محتاجوں اور فقیروں میں تقسیم کرے، نقد کی شکل میں نہیں اور کھانے کی چیز وہ ہونی چاہیے جس کا صدقۂ فطر میں دینا جائز ہے۔ اس کی تفصیل روزے کے بیان میں ہو چکی ہے۔ اگر کسی سے یہ بھی نہ ہو سکے تو فی مقدار مُدّ ایک روزہ کفارہ کی نیت سے رکھے اور یوں نیت کرے کہ میں نیت کرتا ہوں کہ کل کفارہ جماع کا روزہ رکھوں گا۔ واضح ہو کہ یہ احکام مرد کے لیے ہیں، عورت پر ایسا کوئی کفارہ واجب نہیں ہے۔ اور اس غلطی سے اس کا حج اس صورت میں فاسد ہوگا جبکہ وہ صاحب تمیز، خود مختار ہو اور قصداً اس کا حرام ہونا جانتے ہوئے اس گناہ میں آلودہ ہو، بصورت دیگر نہ اس پر گناہ ہو ہے اور نہ حج فاسد ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ انسان یا کسی جاندار کی قبل یا دبر میں جماع کرنے سے حج فاسد ہو جاتا ہے جبکہ تحلل اول (یعنی پہلے

Marfat.com

جن باتوں پر فدیہ واجب ہوتا ہے
ان کا بیان اور تحلل کے معنی

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ حاجیوں کے لیے کچھ امور ممنوع ہیں۔ ان میں بعض ایسے ہیں جن سے حج فاسد ہو جاتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ ان کا فدیہ (تاوان) دینا ہوتا ہے، اور بعض کے سرزد ہونے پر کھانا کھلانا ہوتا ہے۔ اب جن امور پر فدیہ دینا پڑتا ہے ان کی تفصیل بموجب مسالک مختلفہ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

درجہ میں حلال ہونے) سے پہلے ایسا کیا گیا ہو۔ اگر تحلل اول کے بعد جماع کیا تو حج فاسد نہ ہوگا جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں۔ حلال ہونے کے تین اسباب ہیں: کنکریاں مارنا، طواف کرنا اور سر منڈوانا، اگر ان میں دو باتیں کر لیں تو تحلل کا پہلا عمل ہو جائے گا جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں، لہٰذا اگر جمرہ عقبہ کر لیا اور سر منڈایا لیکن طواف کرنے سے پہلے جما کر لیا تو حج فاسد نہ ہوگا، لیکن اونٹ کی قربانی واجب ہے۔ یاد رہے کہ احرام کو توڑنے والی بجز جماع مذکور کے اور کوئی شے نہیں ہے۔ لیکن اس طرح حج فاسد ہو جانے کے بعد بھی بدستور حج کو پورا کرنا واجب ہے جس طرح کہ کوئی شخص صحت حج کی حالت میں کرتا۔ اور یہ بھی لازم ہے کہ حج فاسد ہونے سے پہلے جن امور سے پرہیز کرنا چاہیے تھا اب بھی ان سے پرہیز کرے، اور اگر اس کے بعد اس سے کوئی امر ممنوع سرزد ہو تو اس کا فدیہ بھی دینا ہوگا اور **فاعل و مفعول** دونوں پر اس حج کی قضا فوراً یعنی آئندہ سال ہی واجب ہوگی۔

۱۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ جن امور پر فدیہ واجب ہوتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ امور ہیں جن کے فدیہ کے طریقوں میں سے کسی کو کام میں لانے کا اختیار ہے، اور دوسرے وہ امور ہیں جن کا فدیہ مقررہ قاعدے کے مطابق ہی دینا ہوتا ہے۔

وہ امور جن کے فدیہ میں اختیار کو دخل ہے وہ یہ ہیں:

(۱) سلے ہوئے کپڑے کا یا لپیٹو ے کپڑے کا پہننا (یعنی ایسا لباس جو بدن پر لپیٹ کر پہنا جاتا ہے)۔

(۲) خوشبو کا استعمال کرنا۔

(۳) مرد کا سر ڈھکنا یا عورت کا چہرہ ڈھکنا۔

(۴) بدن کے دو بالوں سے زیادہ بال، یا دو ناخنوں سے زیادہ ناخن زائل کرنا۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے تین طریقوں میں سے کسی طریقے سے فدیہ دینے کا اختیار ہے، یعنی یا تو ایک قربانی دے، بھیڑ یا دنبہ ہو تو چھ ماہ کا اور بکرا بکری ہو تو سال بھر کا جانور ہونا چاہیے۔ یا تین دن کے روزے رکھے، یا پھر چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ ہر مسکین کو گندم ہو تو ایک مد یا نصف صاع اور کھجور، کشمش، جو یا پنیر ہو تو دو مد (دینا چاہیے) اور منجملہ ان امور کے جن پر اختیاری فدیہ واجب ہے، شکار کرنا ہے۔ اب شکار یا تو ایسے جانور کا ہوگا جس کا ہم نوع جانور دستیاب ہے، مثلاً کوئی چوپایہ جس کا ہم نوع جانور ہے تو اس کا فدیہ تین میں سے کسی طریقے سے دینے کا اختیار ہے، یعنی اسی جیسے جانور کا ذبح کرنا اور اس کا گوشت حرم کے فقیروں

Marfat.com

میں کسی وقت بھی تقسیم کر دینا۔ یا اس جیسے جانور کی قیمت جو مقام صید پر ہو متعین کی جائے اور اس کی قیمت درہموں (یعنی سکوں میں) لگائی جائے، پھر اسی قیمت کا کھانا، ان اقسام طعام میں سے جن کا ذکر اوپر ہوا، خریدا جائے اور اس میں سے ہر مسکین کو گیہوں ہو تو ایک مد اور دوسری کوئی شے ہو تو دو مد دیا جائے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ یا پھر اتنے دن کے روزے رکھے جائیں جتنے مد وہ جنس ہوتی تا کہ جتنے مسکینوں کو وہ طعام تقسیم کیا جا سکتا ہے، اتنی ہی تعداد میں روزے ہو جائیں۔ اگر کھانا اس حساب سے تقسیم کرنے کے بعد اتنا بچ رہے جو ایک مسکین کی خوراک سے کم ہو تو اس کے عوض بھی پورے ایک دن کا روزہ رکھا جائے۔ اب اگر اس جانور کا کوئی ہم نوع نہ ہو تو اس کا فدیہ مؤخر الذکر دو طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے دیا جائے، یعنی قیمت لگا کر اس قیمت کا کھانا کھلانا یا روزہ رکھنا۔

باقی رہے وہ امور جو علی الترتیب ہیں (یعنی جن کے فدیے مقرر ہیں اور اختیار کو دخل نہیں ہے) وہ یہ ہیں:

حج کے دوران تحلل اول سے پہلے وطی کر لینا، اور تحلل کا مطلب یہ ہے کہ (حج سے فارغ ہونے کی جو) تین باتیں ہیں، یعنی جمرۂ عقبہ پر کنکریاں مارنا، سر منڈانا یا بال کتروانے، اور طواف کرنا۔ ان میں سے دو باتیں کر لی جائیں تو تحلل اول ہو گیا (یعنی ابتدائی درجے میں حج کی پابندیاں ختم ہو گئیں)، یا تحلل سے پہلے انزال کرنا، خواہ بار بار کے دیکھنے سے، یا شرم گاہ کے علاوہ اور جگہ کے مس کرنے سے، یا بوسہ لینے سے۔ اب اگر اس صورت میں وطی (جماع) کر لیا، یا ان حرکات متذکرہ کے کرنے سے انزال ہو گیا تو (اس کا فدیہ) ایک جوان اونٹ جو (کم از کم) پانچ سال کا ہو قربان کرنا ہے۔ اگر اونٹ کی حیثیت نہ رکھتا ہو تو دس دن کے روزے رکھے، جن میں سے تین روزے حج مکمل کرنے سے پہلے اور سات فارغ ہونے کے بعد رکھے۔

وطی یا انزال پر جس میں رغبت کو دخل ہو، جو فدیہ مقررہ عائد ہوتا ہے اس میں مرد اور عورت دونوں کے لیے یکساں حکم ہے۔ اگر جسم سے جسم ملایا جائے، لیکن انزال نہ ہو تو اختیاری فدیہ کے سابقۃ الذکر تین طریقوں میں سے کسی طریقے سے بھی فدیہ دیا جا سکتا ہے، یعنی بھیڑ یا بکری کا ذبح کرنا، چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا یا پھر تین دن کا روزہ رکھنا۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب کہ بار بار شہوت انگیز حرکات کے بغیر انزال ہو جائے، یا تحلل اول سے پہلے وطی کر لی جائے، اس کی تفصیل اوپر ہو چکی ہے۔ اگر کوئی شخص احرام باندھے بغیر میقات سے آگے چلا جائے، یا حج کے واجبات میں سے کچھ مثلاً کنکری مارنا ترک کر دے تو اس کا فدیہ مقرر ہے، یعنی (بھیڑ یا) بکری ذبح کرے۔ اگر نہ ملے تو دس دن روزہ رکھے جن میں سے تین روزے حج کے دوران ہوں اور سات اس کے بعد، جیسا کہ بتایا گیا۔ اور جس صورت میں کھانا کھلانا واجب ہوتا ہے وہ دو یا اس سے کم ناخنوں کا تراشنا یا دو بالوں یا اس سے کم کا کاٹنا ہے، لہٰذا ایک ناخن یا اس کا کچھ حصہ کاٹنے یا ایک بال یا اس کا کچھ حصہ زائل کرنے کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا دینا ہے۔ (اس کی مقدار) گندم ہو تو ایک مد ہے، کوئی اور شے ہو تو نصف صاع ہے، جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔ اگر دو ناخن یا دو بال کاٹے گئے تو (اسی طرح) دو مسکینوں کو کھانا دینا ہے۔ اور یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ حالتِ احرام میں حرم کا درخت یا وہاں کی گھاس کا کاٹنا بجز اس کے جو اس حکم سے مستثنیٰ ہو حرام ہے۔ اگر کسی نے ان باتوں میں سے کچھ کیا، مثلاً کوئی درخت جسے چھوٹا قرار دیا جاتا ہے، کاٹ لیا تو ایک بکری (یا بھیڑ فدیہ میں) دینا ہوگی۔ اگر بڑا یا اوسط درجے کا کوئی درخت کاٹا تو گائے ذبح کرے، اور گھاس یا پتہ توڑا ہو تو اس کی قیمت دے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ہر ایسے فعل ممنوع پر فدیہ واجب ہوتا ہے جس کے کرنے سے احرام حج والے کو آسائش یا لذت

Marfat.com

حاصل ہو، یا گرد وغبار کو دھونا مقصود ہو، مثلاً حمام میں غسل کرنا ہے کہ اگر کوئی شخص حمام میں بیٹھا اور پسینہ آیا، پھر اپنے جسم پر پانی ڈالا، گو جسم کو ملا نہ ہو تب بھی اس پر فدیہ واجب ہوگا، کیونکہ اس میں بھی میل کچیل کے چھوٹ جانے کا گمان ہے۔ اسی طرح ایسی شے کو ہاتھ لگانا جس سے خوشبو حاصل ہو۔ موچھوں کا کتروانا اور لباس پہننا، سر ڈھکنا یا عورت کا چہرے کو یا ہاتھ کو دستانے وغیرہ سے ڈھکنا جو پردے کی غرض سے نہ ہو، اور ناخنوں کا ترشوانا یا بغل کے بال لینا، یا اسی طرح کی اور کوئی بات، مثلاً مہندی کا خضاب لگانا سب اسی میں شامل ہے۔ اور لباس وغیرہ پہننے میں فدیہ اس صورت میں واجب ہوگا جب کہ اس سے غرض گرمی یا ٹھنڈک حاصل کرنا ہو۔ پس اگر کوئی لباس پہنا اور ایسا کوئی فائدہ حاصل کرنے سے پہلے ہی اتار دیا تو فدیہ واجب نہیں ہے۔ واضح ہو کہ خوشبو پر فدیہ اس حال میں واجب ہوتا ہے جب کہ اس سے برابر فائدہ اٹھایا جائے، اگر چہ اس (خوشبو والی) شے کو فوراً دور کر دیا گیا ہو۔ واضح ہو کہ فدیہ کی جن صورتوں میں انتخاب کا اختیار ہے ان کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا، یعنی ہر مسکین کو مد نبی ﷺ کے پیمانے سے دو مد ایسی جنس کا دینا جو شہر میں بیشتر خوراک کے طور پر استعمال ہوتی ہو۔ دو مد کھانے کی چیز دینے کی بجائے دونوں وقت، یعنی صبح وشام کا کھانا بھی کھلایا جا سکتا ہے، بشرطیکہ وہ کھانا دو مد کی مقدار کے برابر ہو، تاہم افضل یہ ہے کہ دو مد کی مقدار میں وہ جنس دے دی جائے۔

دوسری قسم تین دن روزہ رکھنا ہے۔

تیسری قسم ''نسک'' یعنی قربانی ہے۔ اس کے لیے بھیڑ بکری ہو یا اس سے بڑا جانور، جیسے گائے، اونٹ ہو جس کی عمر اتنی ہونی چاہیے جو ہدی (قربانی) کے بیان میں بتائی گئی ہے۔ اس قربانی کے لیے کوئی وقت یا جگہ خاص نہیں ہے، لہٰذا یہ قربانی کسی وقت بھی اور کہیں پر بھی ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر اس کو ''ہدی'' (یعنی دوران حج کی قربانی) قرار دیا جائے تو اسے مکہ یا منیٰ میں ذبح کرنا چاہیے، جیسا کہ ''ہدی'' کی تفصیل میں بتایا گیا ہے۔

اب رہے وہ امور جن میں لپ بھر کر کھانا دینا واجب ہوتا ہے، وہ یہ ہیں:

ا۔ ایک ناخن کا تراشنا جب کہ کسی مرض سے افاقہ یا میل کو دور کرنا مقصود نہ ہو۔ مرض کی صورت، مثلاً یہ ہے کہ ناخن اس لیے کاٹا جائے کہ اس کے نیچے جو زخم ہے اس میں دوا لگائی جا سکے، یا یہ کہ بہت بڑھ جانے کی وجہ سے برے لگتے ہوں اور یا بلا سبب ہی کاٹا جائے۔ اگر ازالۂ تکلیف کے لیے ناخن کاٹا گیا تو فدیہ دینا ہوگا۔

۲۔ ایک بال یا اس سے زیادہ بارہ بال تک کاٹنا۔

۳۔ اپنے اونٹ سے چیچڑی کو دور کرنا یا اسے مارنا۔

ان تمام صورتوں میں لپ بھر کر کھانا دینا ہوگا۔ چیچڑیاں اگر متعدد ہوں تب بھی ایک ہی لپ دینا ہوگا۔ اگر فدیہ یا لپ واجب کرنے والے اسباب متعدد ہوں تو فدیہ یا لپ بھی متعدد ہو جائیں گے۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے لباس پہن لیا اور خوشبو بھی لگالی تو اسے دو فدیے دینے ہوں گے، لباس پہننے کا فدیہ اور خوشبو لگانے کا فدیہ۔ اسی طرح اگر کسی نے ایک ناخن کاٹا اور ایک بال بھی توڑا تو اسے دو لپ دینے ہوں گے۔ بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں متعدد موجبات کے باوجود متعدد فدیے اور متعدد لپ سے مستثنیٰ ہیں، مثلاً:

ا۔ یہ کہ کسی شخص نے ایسی باتوں کا ارتکاب کیا جن کو وہ مباح سمجھتا رہا، بایں خیال کہ حج فاسد ہو چکا ہے یا اس لیے کہ

Marfat.com

اس نے حج ترک کر دیا ہے یا یہ سمجھ کر کہ سب کچھ غلط ہوا ہے، مثلاً کسی شخص نے طواف افاضہ درست سمجھ کر کیا اور اس میں کئی باتیں ایسی کیں جن میں فدیہ یا لپ واجب ہے، اور بعد میں اسے اپنے طواف کی خرابیاں معلوم ہوئیں تو اس صورت میں متعدد کفارے یعنی متعدد فدیے، یا متعدد لپ لازم انہیں ہیں۔

۲۔ یہ کہ ایسے متعدد امور آنافانا میں سرزد ہو جائیں۔

۳۔ یہ کہ پہلی بار کسی امر کا ارتکاب کرتے وقت اسے بار بار کرنے یا متعدد امور کرنے کا ارادہ ہو، مثلاً لباس پہنتے وقت یہ بھی ارادہ تھا کہ خوشبو لگایا کرے گا، تو اب اگر لباس پہنا اور خوشبو بھی لگائی تو اس پر ایک ہی فدیہ واجب ہوگا، بشرطیکہ دوسرا کام کرنے سے پہلے اس نے پہلے کام کا فدیہ نہ دے دیا ہو، ورنہ دو فدیے دینے ہوں گے۔

۴۔ یہ کہ دو کام کیے جن میں سے پہلے کام کا نفع زیادہ ہے، مثلاً لباس پہننے کے بعد پھر پاجامہ پہنا تو (چونکہ لباس کا نفع عام ہے)، ایک ہی فدیہ دینا ہوگا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ ''فدیہ'' بھیڑ بکری وغیرہ کا ذبح کرنا ہے، اور یہ چند امور سے واجب ہوتا ہے:

اول محرکات جماع کا ارتکاب کرنا، مثلاً چمٹنا، لپٹنا بوسہ لینا اور شہوت کے ساتھ مس کرنا، انزال ہو یا نہ ہو، نیز شرم گاہ کو دیکھنا اور ایسے خیالات کا دل میں لانا جس سے انزال ہو جائے۔ اسی طرح کسی جانور کے ساتھ بدفعلی کرنا جس سے انزال ہو جائے۔ اگر جانور کے ساتھ ایسی حرکت سے انزال نہ ہو تو فدیہ عائد نہ ہوگا، لیکن ''تبطین'' (یعنی کپڑا لپیٹ کر جماع کرنے) ''یا تفخیذ'' (یعنی ران پر مسلنے) سے قربانی واجب ہوگی، انزال ہو یا نہ ہو۔

دوم اپنے سر یا ڈاڑھی کے ایک چوتھائی بال کاٹنا، اس سے کم میں قربانی نہیں ہے۔ یہی حکم گردن کے بالوں اور دونوں بغلوں یا ایک بغل کے بالوں، یا موئے زیر ناف کے دور کرنے کا ہے۔ اور بال کٹوانے پر قربانی اسی صورت میں واجب ہوتی ہے جب کہ بغیر کسی معذوری کے ایسا کیا جائے۔ لیکن اگر کسی عذر سے ہو، مثلاً بالوں میں جوئیں وغیرہ پڑ گئی ہوں اور اس سے اذیت ہوتی ہو تو اس صورت میں تین باتوں میں سے ایک بات کرنا ہوگی: جانور ذبح کرنا، تین دن کے روزے رکھنے، چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا، ہر مسکین کو نصف صاع کے حساب سے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''فمن كان منكم مريضاً اوبه اذى من راسه ففدية من صيام او صدقة اونسک''

(یعنی اگر تم میں سے کسی کو مرض لاحق ہو یا سر میں کوئی اذیت دہ شے ہے۔ اور اس لیے بال کٹوانا پڑے تو اس کا فدیہ دے، روزے رکھ کر، صدقہ دے کر، یا قربانی کر کے)۔

سوم یہ کہ مرد سلا ہو کپڑا پہن لے۔ ہاں عورت جو چاہے پہنے، لیکن اپنا چہرہ ایسی شے سے نہ ڈھکے جو چہرے کے ساتھ لگتی ہو، جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ واضح ہو کہ جو چیز ممنوع ہے وہ عام لباس ہے، لہٰذا اگر کسی نے سلے ہوئے کپڑے (پہنے نہیں، بلکہ) اوپر ڈال لیا یا عام طریق لباس کے خلاف اپنے بدن پر رکھ لیا تو اس پر تاوان عائد نہیں ہوتا۔ پھر یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ لباس کسی معذوری کے بغیر پہنا ہو۔ اس کی تفصیل اوپر بتائی جا چکی ہے۔

چہارم یہ کہ سر کو ڈھکنے والی عام شے سے پورے دن سر کو ڈھکا رکھا ہو۔ بالعموم سر جن چیزوں سے ڈھکا جاتا ہے اس کی تفصیل پہلے بتائی جا چکی ہے۔

Marfat.com

پنجم یہ کہ اعضائے انسانی میں سے کسی بڑے عضو پر تمام خوشبو مل جائے، مثلاً ران، یا پنڈلی، یا ہاتھ، یا چہرے، یا سر، یا گردن پر خوشبو کی مذکورہ اقسام میں سے کوئی شے مل جائے۔ البتہ اگر کسی نے کپڑے پر خوشبو لگائی تو قربانی لازم نہیں ہے، لیکن اس صورت میں لازم ہو جائے گی جب کہ وہ کپڑا پورے ایک دن کوئی پہنے رہا، اور وہ خوشبودار شے بذات خود زیادہ مقدار میں ہو یا تھوڑی ہو، لیکن کپڑے کے ایک مربع بالشت حصے پر لگی ہوئی ہو۔ یاد رہے کہ 'حنا' (مہندی) کا شمار خوشبو میں کیا جاتا ہے، لہٰذا اگر اسے سر پر لگایا گیا اور وہ اتنی پتلی تھی کہ اس سے زیریں جلد ڈھک نہ گئی ہو تو اس پر ایک قربانی واجب ہے، ورنہ (اگر سر کی جلد ڈھک گئی تو) دو جانور کی قربانی واجب ہوگی، کیونکہ اس صورت میں دو باتوں کا ارتکاب ہے: خوشبو لگانا اور سر ڈھکنا۔ خوشبو کی چیزوں میں عصفر اور زعفران بھی ہیں، جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔ کسی معذوری سے خوشبو لگانے کی تفصیل اوپر بتائی جا چکی ہے۔ کسی ایک پورے عضو پر روغن زیتون یا تلی کا تیل بغیر کسی عذر کے لگانا بھی خوشبو لگانے کی مانند ہے، علاج کے طور پر لگایا تو اس پر تاوان نہیں ہے۔

ششم ایک پاؤں یا ایک ہاتھ کے ناخنوں کا ترشوانا (موجب فدیہ ہے)، اور دونوں ہاتھوں یا دونوں پیروں کے ناخنوں کو ایک ہی مجلس میں (یعنی بیک وقت و بیک ہیئت کذائی) کاٹنے کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر مختلف مجلسوں میں (یعنی مختلف اوقات یا مختلف جگہوں اور مختلف ہیئت کذائی) میں تمام ناخون کاٹے گئے تو چار قربانیاں، ہر عضو کے لیے ایک قربانی کے لحاظ سے عائد ہوں گی۔

ہفتم یہ کہ طواف قدوم یا طواف صدر کو ترک کیا جائے، یا عمرہ کے پھیروں میں سے کوئی پھیرا ترک ہو جائے، یا مذکورہ سابقہ واجبات حج میں سے کوئی واجب رہ جائے (تو فدیہ واجب ہوگا)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ فدیہ ایسے جانور کی قربانی دینا ہے جس میں قربانی کے جانور کی تمام شرطیں پوری ہوں، یا چھ مسکینوں کو کھانا دینا یا پھر تین دن کے روزے رکھنے۔ (بدوران حج) چند امور کے ارتکاب پر فدیہ واجب ہوتا ہے۔ ان امور میں سے ایک خوشبو لگانا ہے۔ پس جو شخص حج کی حالت میں عطریات (خوشبو) کا استعمال کرے تو اس پر لازم ہے کہ ایک جانور (بھیڑ یا بکری) ذبح کر کے صدقہ کر دے۔

دوسرا امر کرتا، پاجامہ، موزہ، یا عمامہ وغیرہ سلا ہوا لباس پہننا یا جسم کے گرد لپیٹنا۔ اگر کوئی شخص اس طرح کا لباس پہن لے تو اس پر فدیہ دینا واجب ہوگا۔ سلے ہوئے یا لپیٹواں لباس کے پہننے پر فدیہ واجب ہونے کی چند شرطیں ہیں:

اول یہ کہ اس فعل کا حرام ہونا معلوم ہو، اگر ناواقفیت میں ایسا کیا تو فدیہ نہیں ہے۔

دوم یہ کہ فعل تحلل اول سے جس کا بیان اوپر ہوا، پہلے کیا جائے۔

سوم یہ کہ ایسا کرنے والا باتمیز اور اپنے فعل کا مختار ہو۔

چہارم یہ کہ مرد ہو، عورت اپنے لباس ہی میں رہے گی، اس پر چہرہ کھلا رکھنے کے علاوہ اور کچھ واجب نہیں ہے، لہٰذا اگر چہرہ سے لگتا ہوا کوئی نقاب ڈالا تو فدیہ واجب ہوگا۔ ہاں وہ یہ کر سکتی ہے کہ چہرے کو کسی ایسی چیز کی آڑ میں کر لے جو چہرے سے الگ تھلگ ہو۔ مثلاً اس طرح کہ سر کے اوپر کو بڑا سا کھلا ہوا کنگھا لگا کر اس کے اوپر چہرے کے آگے نقاب ڈال کر آڑ کر لے، لیکن وہ نقاب چہرے سے مس نہ ہو، ایسا کرنا درست ہے، اور سر ڈھکنے میں لازمی طور پر کچھ حصہ چہرے کا بھی

Marfat.com

ڈھک جاتا ہے، اس میں مضائقہ نہیں ہے۔ عورت اگر اپنے ہاتھ کو دستانے وغیرہ سے ڈھک لے تو فدیہ دینا ہوگا۔

(موجبات فدیہ میں سے) تیسری بات بال کٹوانا یا ناخن ترشوانا ہے۔ ایسا کرنے پر فدیہ دینا لازم ہوگا۔ بالوں کو دور کرنے کے لیے مونڈنا یا قینچی یا استرے سے کاٹنا، اسے اکھاڑنا، یا جلانا سب کا ایک ہی حکم ہے۔ اسی طرح تمام بال صاف کردینا یا کسی قدر کاٹنا بشرطیکہ تین بال سے زیادہ ہوجائیں۔ بال کو جڑ سے اکھاڑا جائے یا کچھ حصہ کاٹا جائے اور خواہ یہ بال کسی نے خود کاٹے ہوں یا کسی اور سے کٹوائے ہوں سب کے لیے ایک ہی حکم ہے۔ لیکن اس پر فدیہ واجب ہونے کی تین شرطیں ہیں: ایک یہ کہ یہ کام اپنے اختیار سے کیا ہو، لہٰذا اگر (مثلاً) کوئی سو رہا تھا اور اس کی بے خبری میں کسی نے اس کے بال کاٹ دیے یا کہیں سر کو رگڑ لگی اور کچھ بال جھڑ گئے جس کی اسے خبر نہ تھی تو اس پر کوئی تاوان نہ ہوگا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ بال بغیر کسی ضرورت کے زائل کیے جائیں۔ مجبوری سے بال نکلوانے پڑ جائیں مثلاً کسی کی پلکوں میں پڑبال بڑھ گئے جس کی وجہ سے تکلیف زیادہ ہوگئی اور ان تکلیف دہ بالوں کو نکلوا دیا تو اس پر فدیہ نہیں ہے۔ فدیہ واجب ہونے کے لیے سر ہی کے بالوں کا کاٹنا شرط نہیں ہے، بلکہ بدن کے کسی حصہ کے بھی تین بال بے ضرورت نکال دیے جائیں اور یہ اپنے اختیار سے کیا گیا تو فدیہ لازم ہوگا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ بال کاٹنے کے ارادے ہی سے بال کاٹے جائیں، لہٰذا اگر (بال کی بجائے) وہ کھال ہی اتارنا پڑی جس پر بال تھے تو فدیہ نہیں ہے، مثلاً بدن پر کہیں زخم ہوا اور اس پر بال ہوں، اگر اس جگہ کی کھال کو اتارا جائے تو فدیہ نہیں ہے۔

یہ بتایا جا چکا ہے کہ سرمہ لگانے، حمام میں جانے، رگ کھولنے، پچھنا لگوانے اور بال بنانے، کنگھی کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔

چوتھی شرط جماع کے مقدمات (محرکات) کا ارتکاب کرنا ہے جیسے بوسہ لینا، عورت کو مس کرنا جس سے طہر (وضو) ٹوٹ جائے۔ پس جس نے تحلل تام (پورے طور پر حج سے فارغ ہونے) سے پہلے، جس کا ذکر اوپر ہوا، ایسا کیا تو یہ امر حرام ہے، اور اس پر فدیہ واجب ہے۔ لیکن نظر شہوت پڑنے اور کسی حائل (کپڑا وغیرہ) کے اوپر سے بوسہ لینے میں فدیہ نہیں ہے۔

پانچویں شرط ہاتھ سے انزال کرنا ہے۔ یہ امر حرام ہے اور اس پر وہی فدیہ ہے جو اوپر بتایا گیا۔

چھٹی شرط سر کے بالوں، ڈاڑھی اور چہرے کے باقی بالوں میں کسی قسم کا تیل لگانا، خواہ وہ زیتون کا تیل ہو یا جانور وغیرہ کی چکنائی ہو اور خواہ اس میں عطریات کی آمیزش ہو یا نہ ہو۔ اس میں فدیہ واجب ہونے کی چند شرطیں ہیں:

اول یہ کہ وہ عضو ایسا ہو جس پر بال اگتے ہیں، لہٰذا گنج جس پر بال نہیں اگتے تیل لگانے پر فدیہ نہیں ہے۔ یہی حکم اصلع کا ہے یعنی اس شخص کا جس کی پیشانی کے بالائی حصہ سر کے بال جھڑ گئے ہوں اور اس کا نشان باقی نہ رہا ہو۔ ایسے شخص کو جائز ہے کہ اس جگہ پر جہاں بال نہیں ہیں، تیل لگائے۔ اسی طرح وہ بے ریش لڑکا جس کی ڈاڑھی کے بال نہ آئے ہوں، اپنے چہرے اور ٹھوڑی پر تیل لگا سکتا ہے۔ اگر سر میں زخم ہو تو اس میں بھی تیل ڈالنا جائز ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ تیل لگانے کا عمل عمداً کیا گیا ہو، لہٰذا اگر کسی نے بھولے سے تیل سر میں ڈال لیا تو فدیہ نہیں ہے۔

Marfat.com

حالتِ احرام میں شکار کے تاوان کا بیان

احرام کی حالت میں "تحلل سے پہلے" کسی جانور کا شکار کرنا جائز نہیں ہے۔ مختلف مسالک کی رو سے تحلل کی تشریح پہلے کی جا چکی ہے۔

اگر کسی نے (شکار وغیرہ کا) ارتکاب کیا تو اس پر تاوان عائد ہوگا۔ تاوان کی مقدار مقرر کرنے کے متعلق مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ اس عمل کا حرام ہونا جانتا ہو، جو شخص اس حکم سے بے خبر ہو اس پر فدیہ نہیں ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ شخص اس کے کرنے میں مختار ہو، لہٰذا اگر کسی نے اپنی مرضی کے خلاف (مجبوراً) ایسا کیا تو اس پر فدیہ نہیں ہے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ جس نے خشکی کا وحشی (جنگلی) جانور، مثلاً ہرن یا نیل گائے وغیرہ شکار کیا، یا شکاری کو اس کی طرف رہنمائی کی، یا ایسا کوئی جانور قابو میں آ گیا اور اسے مار لیا، یا اسے کسی مرض وغیرہ میں مبتلا کر دیا تو اس کی جزا (یا تاوان) بموجب تفصیل آئندہ دینا ہوگی۔ اس کے لیے دو شرطیں ہیں:

اول یہ کہ وہ جانور مال یا جان کو نقصان نہ پہنچاتا ہو، جیسے بجو (پہنچاتا ہے)۔

دوم یہ کہ اس جانور سے اور قسم کا ضرر نہ پہنچتا ہو، مثلاً یہ کہ اس کی چیزوں کو ناپاک کر جائے، یا کھانا کھا جائے، یا راستے میں چلنے سے حارج ہو مثلاً ٹڈیوں کا دل جو تمام پھیلا ہوا ہو۔ ایسی صورت میں اگر مارا تو فدیہ نہیں ہے اور نہ اس کا معاوضہ ہے۔

جزا (تاوان) کی تفصیل یہ ہے کہ اگر شکار شدہ جانور کا مثل (یا ہم نوع) جانور دستیاب ہو مثلاً چوپائے، کبوتر، گولے (جنگلی کبوتر) اور قمری ایسے جانوروں میں سے کسی ایک کا شکار ہو تو ایک راس بھیڑ یا بکری اور شتر مرغ نر یا مادہ ہو تو اس پر ایک بدنہ یعنی اونٹ اور جنگلی گائے یا جنگلی گدھے کے عوض ایک خانگی گائے، ہرن کے عوض بکرا، ہرنی کے عوض بکری، ہرن کے بچہ پر چھوٹی سی بکری اور خرگوش پر عناق یعنی بکری کا بچہ خاصا قوی سال بھر سے کم کا اور یربوع (خرگوش جیسا ایک افریقی جانور) اور وبر (رومی خرگوش) میں سے ہر ایک پر بکری کا مادہ بچہ جو چار ماہ کا ہو گیا ہو۔ بجو کے مارنے پر ایک مینڈھا اور لومڑ کے عوض ایک بھیڑ یا بکری۔

یہ احکامات شارع کی روایت صحیح سے ماخوذ ہیں، بصورت دیگر دو منصف واقف کاروں سے شکار شدہ جانور کے مشابہ اور صورت میں اس کی مانند ہونے کا فیصلہ کرا کر (فدیہ) دیا جائے۔ اور ضروری ہے کہ فدیہ کے جانور کی شکار کے ساتھ مماثلت کا لحاظ رکھا جائے۔ لہٰذا بڑے جانور کا فدیہ بڑے جانور سے اور چھوٹے کا چھوٹے سے، توانا کا توانا سے، عیب دار کا ویسے ہی عیب دار سے، مثلاً شکار کانا یا اندھا ہو تو اس کا معاوضہ بھی کانا یا اندھا جانور ہے۔ دونوں کے عیب مختلف ہوں تو (فدیہ کے لیے) کافی نہیں ہے۔ اسی طرح لاغری اور فربہی میں بھی یکسانیت ملحوظ رہے، البتہ اگر شکار کے جانور کے پیٹ میں بچہ تھا تو اس کے عوض گیا بھن جانور نہیں کاٹا جائے، بلکہ اس کی قیمت لگائی جائے گی اور اس قیمت سے

Marfat.com

خوراک (اناج وغیرہ) خرید کر صدقہ دے دیا جائے یا اس کی مقدار جتنے مُدبنتی ہے اتنے دنوں کا روزہ (بحساب فی مقدار مدایک یوم) رکھا جائے۔ اگر اس باب میں کوئی حکم وارد نہیں ہے اور نہ دو منصفوں نے اس کی مانند کسی جانور کا فیصلہ کیا تو دو منصف جو قیمت اس کی لگائیں اتنا ہی صدقہ کر دیا جائے۔

واضح ہو کہ فدیہ واجب ان تین امور میں سے کسی ایک طرح سے دیا جا سکتا ہے: یا تو یہ کہ جس چوپائے کا شکار کیا ہے اس کی مانند کوئی جانور ذبح کر کے حرم کے محتاجوں میں تقسیم کر دیا جائے، یا اس کی قیمت میں ایسی غذا خریدی جائے جس کا صدقہ میں دینا جائز ہو، اور پھر وہ محتاجوں میں صدقہ دے دیا جائے۔ یا پھر فی مدایک یوم کے حساب سے روزے رکھے جائیں۔ لیکن یہ احکامات ایسے جانوروں کے باب میں ہیں جن کے مانند جانور دستیاب ہوں، جیسے ٹڈی اور کبوتر کے علاوہ دوسرے پرندے ہیں کہ (ان کا شکار ہو تو) دو باتوں میں سے ایک بات کرنے کا اختیار ہے، یا تو شکار کی قیمت کی خوراک نکال کر صدقہ کیا جائے یا فی مدایک روزہ کے حساب سے روزے رکھے جائیں۔ شکار حرم کے علاقہ میں ہو یا حل (غیر حرم) میں اس سے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا، البتہ مرتکب حالتِ احرام میں ہو۔ اگر کوئی شخص حالتِ احرام میں نہیں ہے (بلکہ حلال ہے) تو یہ حکم صرف علاقۂ حرم کے شکار پر عائد ہوگا اور یہ تمام احکامات اسی صورت میں نافذ العمل ہوں گے جب کہ مرتکب صاحب تمیز ہو، خواہ یہ کام بھولے سے یا ناواقفیت کی بنا پر، یا غلطی سے، یا مجبوری سے سرزد ہوا ہو۔

ایسی ممنوعات میں سے جن کے ارتکاب سے حج فاسد نہیں ہوتا، حدودِ حرم کی گھاس اور اس کے درختوں کو نقصان پہنچانا ہے۔

اس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے۔ پس اگر کوئی بڑا درخت کاٹا گیا تو اس کا فدیہ ایک گائے کی قربانی اور چھوٹا درخت ہو تو ایک بھیڑ یا بکری، اور بہت چھوٹا ہو تو اس کی قیمت ہے۔ اس میں اختیار ہے کہ جو شخص چاہے بہ موجب بالا جانور ذبح کرے اور اس کا گوشت صدقہ میں دے دے یا اس کی قیمت کا کھانا خرید کر صدقہ کر دے یا پھر بحساب فی مدایک یوم روزے رکھے۔ لیکن گھاس کا فدیہ قیمت کی صورت میں اس حال میں دینا ہوگا جب کہ کاٹی ہوئی گھاس پھر نہ بڑھ سکے، اگر کاٹنے پر وہ پھر اگ آئے تو اس کا تاوان یا فدیہ نہیں ہے۔

واضح ہو کہ مفصلہ ذیل امور میں سے کسی کے ترک پر اگر فدیہ واجب ہوا اور جانور کے ذبح کرنے کا مقدور ہو تو وہ جانور ایسا ہونا چاہیے جس کی قربانی ہو سکتی ہو۔ اگر ذبح کا مقدور نہ ہو تو تین دن کے روزے اپنے عزیزوں میں واپس آکر رکھے جائیں۔ جن امور کے ترک پر فدیہ واجب ہے ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ متمتع (حج تمتع کرنے والے) پر جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے، اس لیے کہ اس نے عمرہ سے پہلے حج ترک کیا۔

۲۔ قارن (حج قران کرنے والے) پر جس کا بیان آگے آ رہا ہے، اس لیے کہ اس نے (حج) افراد ترک کیا ہے۔

۳۔ اس پر جس سے رمی جمار میں تین یا زیادہ تعداد میں کنکریاں ترک ہو گئیں۔

۴۔ اس پر جس سے ایام تشریق کی راتوں میں منیٰ کے اندر رہنا ترک ہوا۔

۵۔ اس پر جس سے بغیر عذر کے مزدلفہ میں رات کو رہنا ترک ہوا۔

Marfat.com

۶۔اس پر جس سے بغیر عذر کے میقات پر احرام ترک ہوا۔
۷۔اس پر جس سے طواف وداع بغیر کسی عذر کے ترک ہوا۔
۸۔اس پر جس سے حج کے اندر جو منت مانی تھی وہ ترک ہوگئی، پیدل جانا یا سواری پر جانا یا سر منڈانا یا حج افراد کرنا۔
۹۔اس پر جس سے بغیر کسی رکاوٹ لاحق ہونے کے وقوف بہ عرفات ترک ہوا، یعنی زمین عرفات کے کسی حصہ میں پہنچنے سے پہلے یوم نحر کی فجر طلوع ہوگئی۔

ان تمام باتوں سے قربانی اس پر واجب ہے جس نے حج کے لیے احرام باندھا ہو یا حج قران میں ہو۔

واضح ہو کہ جس سے عرفہ میں وقوف کرنا ترک ہوجائے اس پر واجب ہے کہ عمرہ کر کے حلال ہوجائے (یعنی حج کی پابندیوں سے علیحدہ ہوجائے) بایں طور کہ وقوف بعرفہ کے علاوہ باقی اعمال حج جو رہ گئے ہیں وہ پورا کرے۔ایسے شخص سے مزدلفہ اور منٰی میں شب باش ہونا اور کنکریاں مارنا ساقط ہوجاتا ہے۔وہ صرف طواف اور سعی کرے بشرطیکہ پہلے سعی نہ کی ہو، اور تحلل کی نیت سے بال کٹوالے۔اس پر واجب ہے کہ فوراً یعنی آئندہ سال ہی حج کی قضا کرے، اگرچہ یہ امور کسی عذر کے باعث فوت ہوئے ہوں، اور خواہ حج نفلی رہا ہو اور قطع نظر اس کے کہ اس میں استطاعت ہو یا نہ ہو۔اور اسی سال جس میں (عمل حج) فوت ہوا ہے قربانی دینا درست نہیں ہے، بلکہ اس حج کی قضا پوری کرنے کے وقت قربانی ذبح کی جائے۔اور وہ شخص جسے حج میں رکاوٹ سے سابقہ پڑا ہو اس کے متعلق مسائل آگے بیان ہوں گے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے خشکی کا جانور حرم کے اندر شکار کیا ہو اس پر اس جانور کی قیمت، سابقۃ الذکر پابندیوں کے ساتھ، واجب ہوگی۔اور جس نے حدود حرم میں گھاس کاٹی اس پر بہ موجب سابق اس کی قیمت دینا واجب ہے۔اگر احرام کی حالت میں کسی نے ایسے جانور کا شکار کیا جس کا مارنا جائز نہیں ہے، تو دو منصف اور واقف اشخاص اس کی قیمت لگائیں جو شکار کی جگہ پر یا اس کے قریب کی جگہ پر ہوسکتی ہے۔اگر اس کی قیمت قربانی کے جانور کی قیمت کے برابر ہوجائے تو اب (اس کے فدیہ کی) تین صورتوں میں سے کسی کو اختیار کیا جاسکتا ہے: ایک یہ کہ اس کی قیمت سے کوئی جانور خرید کر حرم میں ذبح کیا جائے۔دوسری یہ کہ اس کا کھانا خرید کر فی کس نصف صاع کے اعتبار سے کسی جگہ پر صدقہ کر دیا جائے۔تیسری یہ کہ ہر فی نصف صاع کے لیے ایک دن کے حساب سے روزے رکھے جائیں۔اس روزے کو لگاتار رکھنا ضروری نہیں ہے۔اگر اس کی قیمت میں قربانی کا جانور نہ مل سکے تو مؤخر الذکر دو امور میں سے کسی پر عمل کرنے کا اختیار ہے، یعنی کھانا کھلانا یا روزہ رکھنا۔اور اس ارتکاب میں ارادہ ہو یا سہو ہو اس سے فرق نہیں پڑتا اور نہ یہ لازم ہے کہ جیسا جانور شکار کیا گیا اسی کی مانند جانور (فدیہ کے لیے) لایا جائے، بلکہ اس کی قیمت ادا کرنا کافی ہے۔اور قرآن کی آیت کریمہ میں جو الفاظ عمداً او "مثل" کے آتے ہیں سو "عمد" اس لیے کہ شکار بیشتر عمداً ہی ہوتا ہے اور مثلیت سے (ظاہری مثلیت نہیں، بلکہ) معنوی مثلیت مراد ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یا أیها الذین آمنوا لا تقتلوا الصید وانتم حرم ومن قتله منکم متعمداً فجزاء مثل ماقتل من النعم، یحکم به ذوا عدل منکم "الآیہ۔(یعنی اے ایمان والو احرام کی حالت میں شکار نہ مارو۔اگر تم میں سے کسی نے دانستہ مارا تو اس کی جزا اس جانور کی مثل ہے جو مارا گیا۔اس کے لیے تم میں سے دو منصف مزاج فیصلہ کریں)۔

واضح ہو کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ اس جانور کا کوئی مالک نہ ہو، اگر اس کا مالک ہے تو اس پر اس جیسے دو

Marfat.com

جانوروں کا فدیہ عائد ہوگا، ایک تاوان کے طور پر اور دوسرا اس کے مالک کے لیے۔ حدودِ حرم میں شکار کرنا مطلقاً حرام ہے اگرچہ شکار کرنے والا حالتِ احرام میں نہ ہو۔ اور اگر شکار کیا جائے اور اسے ذبح کیا جائے تو اس کو کھایا نہ جائے، وہ مردار کی مانند متصور ہوگا، یہاں تک کہ مجبوری کی حالت میں مردار کو اس شکار پر ترجیح دی جائے گی۔ اگر (جانور کا) کوئی عضو مارا جائے، یا بال نچ جائیں یا ایسی ہی کوئی اور خرابی ہو تو اس کا فدیہ وہ قیمت ہے جو اس کی وجہ سے کم ہوگئی۔ اور حشرات مثلاً چیچڑی، کچھوا، (یا گھونگھا)، بھڑ، تتلی، مکھی، چیونٹی اور سیہہ (یا جنگلی چوہا) کے مارنے کا فدیہ نہیں ہے۔ یہی حکم سانپ، بچھو، چوہے، کوے اور پاگل کتے کا ہے۔ حرم کی گھاس کاٹنے پر کٹی ہوئی گھاس کی قیمت دینا واجب ہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

جاننا چاہیے کہ حنفیہ کہتے ہیں کہ نصف صاع کی مقدار میں گندم یا اس کی قیمت کا صدقہ حسب ذیل امور میں واجب ہے: کسی عضو کے کم تر حصہ میں خوشبو لگانا۔ ایک دن سے کم عرصہ تک قمیص پہنے رہنا یا (اتنے ہی عرصہ تک) خوشبو لگا ہوا کپڑا پہنے رہنا، یا اتنے ہی عرصہ تک سر ڈھکا رکھنا، یا سر کے یا ڈاڑھی کے بال ایک چوتھائی سے کم کاٹنا، یا پنڈلی یا بازو کے بال کا صفایا کرنا یا دو ایک ناخون تراشنا، یا حدث کی حالت میں طواف قدوم، یا طواف صدر کرنا، یا طواف صدر کے ایک پھیرے یا ایک سے کم پھیرے کا ترک ہو جانا، کسی دوسرے شخص کے سر کے بال کاٹنا خواہ وہ شخص حالتِ احرام میں ہو یا نہ ہو۔

اور وہ امر جس میں نصف صاع سے کم صدقہ واجب ہوتا ہے ٹڈی کا مارنا ہے کہ اگر ایک ٹڈی ماری ہے تو اس کے عوض جس قدر بھی چاہے صدقہ دے دیا جائے اور دو تین ٹڈیاں ماری ہوں تو لپ بھر کر کھانا دیا جائے، اگر اس سے زیادہ ہو تو نصف صاع دینا لازم ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر حدود حرم میں سے کسی نے شکار کیا تو اس کی جزا بموجب تفصیل آئندہ واجب ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی جانور کی موت کا سبب بن گیا، مثلاً کوئی جانور اسے دیکھ کر ڈر گیا اور گر کر مر گیا تو، یا نیزہ گاڑنے میں کوئی جانور زخمی ہو کر مر گیا تو ان کے مسلک میں اس کو بھی شکار کرنا مانا جائے گا۔ لیکن بعض کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں معاوضہ نہیں ہے، کیونکہ حاجی نے شکار کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اسی طرح حالتِ احرام میں اگر کسی نے کسی کو شکار کا پتہ بتایا تو اس پر معاوضہ نہیں ہے اور محرم کا مارا ہوا شکار کھانا کسی حال میں جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ مردار کی مانند ہے۔ اور اس کے انڈے کا حکم بھی وہی ہے جو گوشت کا ہے اور شکار کا تاوان اس وقت واجب ہوتا ہے جب کہ اسے مارا جائے یا معرضِ تلف میں ڈالا جائے، مثلاً اس کے پر نوچ ڈالے جائیں کہ پھر وہ بچ نہ سکے، یا اسی طرح کا زخم پہنچایا جائے، یا علاقۂ حرم سے اسے بھگا دیا جائے جہاں پر کوئی شکاری اس کا شکار کر لے یا علاقہ حرم سے باہر جا کر واپس نہ آسکے اور وہیں مر جائے۔

واضح ہو کہ شکار کا معاوضہ تین طرح سے دیا جا سکتا ہے، ان میں سے جو چاہے اختیار کیا جائے:

۱۔ شکار شدہ جانور کی مانند کوئی جانور، جو وزن اور شکل میں تقریباً ویسا ہی ہو۔ اگر شکل میں ویسا جانور دستیاب نہ ہو سکے تو وزن میں اسی جیسا جانور دینا کافی ہوگا۔

فدیہ کا جانور اگر چوپایہ ہے تو ایسا ہونا چاہیے جس کی قربانی درست ہے، یعنی غنم (بھیڑ بکری) ہو تو سال بھر کی اور گائے بیل تین سال کے، اور اونٹ پانچ سال کا، جیسا کہ ہدی کے بیان میں ذکر کیا گیا۔

۲۔ اس کی قیمت کی خوارک۔ جانور کی وہ قیمت لگائی جائے جو اس کے تلف والے دن اس جگہ پر تھی جہاں وہ مرا۔

Marfat.com

اگر اس جگہ پر اس کی کوئی قیمت نہ ہو تو اس کے قرب وجوار میں اس کی جو قیمت ہے وہ تسلیم کی جائے گی۔ اور اس کی قیمت اس جگہ کے محتاجوں میں تقسیم کی جائے جہاں وہ مارا گیا۔ فی محتاج ایک مُد نبی ﷺ کے حساب سے دیا جائے۔

۳۔ اتنے دن کے روزے جتنے مد (غلہ وغیرہ) اس شکار کی قیمت میں آتے ہوں۔ ایک مد سے کم کے لیے بھی ایک دن کا روزہ رکھنا چاہیے، کیونکہ روزے کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے۔ اور شکار شدہ جانور جیسا جانور وہ مانا جائے گا جس کو دو منصف اشخاص جو اس کے احکام سے واقف ہوں (اس کے برابر) قرار دیں۔

روزہ رکھنے کی صورت میں بھی اسی طرح (واقف کاروں) سے قیمت کا تعین کرانا ہوگا۔

مکہ کے خانگی یا جنگلی کبوتر اسی جیسے جانور کے حکم سے مستثنیٰ ہیں، اس کے لیے ایک بھیڑ یا بکری دینا ہوگی۔ اس میں کسی سے فیصلہ کرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی جانور دینے کا مقدور نہ رکھتا ہو تو دس دن روزہ رکھے۔

واضح ہو کہ جانور کے عوض جانور کے فدیہ میں مطابقت کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ چنانچہ اگر شکار کے مثل جانور دینے کا ارادہ ہو تو شتر مرغ کے شکار کا فدیہ اسی کے مثل جانور ہونا چاہیے، اور مثل سے یہاں پر مراد اونٹنی یا اونٹ ہے، کیونکہ یہ مقدار اور وضع میں فی الجملہ شتر مرغ کے قریب تر ہے۔ اسی طرح ہاتھی کے شکار میں ایسا اونٹ دیا جائے جس کے دو کوہان ہوں۔ اور جنگلی گدھا یا جنگلی گائے (یا نیل گائے) کے عوض ایک گائے، بجو اور لومڑی کے شکار میں ایک بھیڑ یا بکری۔ اور معاوضہ کا جانور ایسے دو منصفوں کی تشخیص کے مطابق ہونا چاہیے جو شکار کے احکام سے واقف ہوں۔ وہی شکار کے مانند جانور کا، یا اس کی قیمت کا اور روزے کے دنوں کی تعداد کا تصفیہ کریں گے۔

گوہ، خرگوش اور ارنب (ایک قسم کا جنگلی چوہا) نیز علاقۂ حرم وغیر حرم کے پرندوں کی قیمت، بہ استثناء حرم کے خانگی اور جنگلی کبوتروں کے، اس وقت کی لگائی جائے گی جب کہ انھیں مارا گیا ہے۔ یا (قیمت نہ دی جائے تو) پھر دس دن کا روزہ رکھنا ہوگا۔ اس میں اختیار ہے چاہے تو شکار کی قیمت لگوا کر اس کا کھانا دیا جائے، یا جیسا کہ بتایا گیا روزہ رکھا جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے عمل سے حرم میں شکار مارا جائے، یا وہ فعل (جانور کے) تلف ہونے کا سبب بن جائے اور اس جانور کا کوئی مالک ہے تو شکار کرنے والے پر دو امور واجب ہیں: شکار کا فدیہ حرم کے محتاجوں میں تقسیم کرنا، اور اس جانور کے مالک کو اس کی قیمت تاوان میں دینا درآنحالیکہ اس کی مانند جانور نہ ہو۔ ورنہ ویسا ہی جانور خرید کے اس کو مالک کو دینا۔ اگر شکار شدہ جانور کا کوئی مالک نہ رہا ہو تو شکار کرنے والے پر صرف جزا (فدیہ) واجب ہے۔

شکار کے جانور کی دو قسمیں ہیں: اول وہ جس کی نظیر بناوٹ کے لحاظ سے ہو جیسے جنگلی گدھا اور جنگلی بکرا (یا کلھرہ) وغیرہ۔ ان کے متعلق دو قسم کے احکامات ہیں، ایک وہ احکام ہیں جو صحابہؓ سے مروی ہیں دوسرے وہ جن کی کوئی تصریح نہیں آئی۔ اول الذکر احکام میں چند اشیاء کا ذکر ہے:

اول شتر مرغ کہ اگر حدود حرم میں شتر مرغ کا شکار کیا تو ایک بدنہ، یعنی اونٹنی یا اونٹ کی نحر کی جائے۔ حضرات عمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ وغیرہم نے اس کا حکم دیا ہے۔

دوم جنگلی گدھا اور پہاڑی بکرا جسے "وعل" بھی کہتے ہیں، اس کے شکار پر گائے واجب ہے کہ ذبح کر کے حرم کے محتاجوں میں تقسیم کر دی جائے۔

Marfat.com

عمرہ کا بیان

عمرہ کے لغوی معنے ''زیارت'' کے ہیں، چنانچہ جب کوئی شخص کسی کی زیارت کرتا ہے تو کہتا ہے ''اعمرہ'' (یعنی میں اس کی زیارت کرتا ہوں)۔ اصطلاح شرع میں اس سے مراد اس خاص طریقہ سے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے بیت الحرام (خانہ کعبہ) کی زیارت کرنا ہے۔

سوم بجو، اس کے شکار کی جزا مینڈھے کا ذبح کرنا ہے۔

چہارم ہرن یعنی غزال کہ اس کے شکار کا معاوضہ ایک بکری ہے جس کو ذبح کر کے حرم کے محتاجوں میں تقسیم کیا جائے۔ لومڑی کے مارنے پر کچھ واجب نہیں ہے۔

پنجم ''گوہ'' کہ اس کے شکار پر چھ ماہ کا بکری کا بچہ دینا ہوگا۔

ششم خرگوش کہ اس کا شکار کیا تو اس کی جزا ایک 'عناق' (بزغالہ) یعنی بکری کا مادہ بچہ جو چار سال سے کم کا ہو۔

ہفتم ''وبر'' بسکون بائے مُوحدہ، جو ایک کالے رنگ کا چوپایہ ہے جو بلی سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اس کے شکار کی جزا بکری کا بچہ جو چھ ماہ کا ہو چکا ہو۔

ہشتم کبوتر کہ اگر کسی نے کبوتر مارا، یا ایسا ہی کوئی پرندہ مارا جو اس کی مانند ہو، گنگری کرتا ہو اور اپنی چونچ پانی میں ڈال کر پیتا ہو جیسے بکری پیتی ہے۔ اس طرح پینے کو 'عب' (گڑگڑا کر پینا) کہتے ہیں اور اس میں مرغی، کنجشک، قمری وغیرہ جانور شامل ہیں۔ پس اگر ایسا کوئی پرندہ حرم میں شکار کیا جائے تو اس کے عوض ایک بھیڑ یا بکری ذبح کر کے محتاجوں میں تقسیم کی جائے۔ یہ شکار کی ان دو قسموں میں سے ایک ہے جس کی بابت صحابہؓ سے روایات منقول ہیں۔ دوسری قسم کا جانور وہ ہے جس کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہے۔ اگر ایسے کسی جانور کا شکار حرم میں کیا گیا تو اس کی قیمت دو انصاف پسند اشخاص اپنی معلومات کی بنا پر لگائیں گے۔ جائز ہے کہ مارنے والا خود منصفوں سے ایک ہو یا دونوں ہوں درآنحالیکہ وہ اس کام کے حرام ہونے سے واقف نہ رہے ہوں یا ان سے یہ ارتکاب ارادۃً نہیں، بلکہ غلطی سے ہوا ہو یا حصول غذا کے لیے مجبور ہو کر مارا ہو، یعنی اس کے سوا کھانے کی کوئی شے دستیاب نہ ہوئی ہو۔ اور چاہیے کہ تاوان (مثلی) کے تعین میں جانور کے چھوٹے یا بڑے ہونے، تندرست یا مریض ہونے، بے عیب یا عیب دار ہونے وغیرہ میں یکسانیت کا لحاظ رکھا جائے۔

یہ مسائل پہلی قسم کے جانوروں کے متعلق ہیں، یعنی چوپائے جن کی مانند جانور موجود ہوں۔ دوسری قسم کے وہ جانور ہیں جن کی 'نظیر' چوپایہ جانوروں کی طرح نہیں ملتی، ایسے جانور کا شکار ہو تو اس کی قیمت لگائی جائے۔ اس میں مذکورہ پرندوں کو چھوڑ کر دوسرے تمام پرندے ہیں، مثلاً دریائی پرندے بطخ مرغابی وغیرہ۔ اگر جانور سے کوئی پر نوچ لیا یا اس کے بال اور بری اتار لی تو اس پر کچھ عائد نہیں ہوتا، بشرطیکہ جو کچھ تلف ہوا ہو وہ پھر پیدا ہو جائے، کیونکہ اس طرح جو کمی ہوئی ہے وہ پوری ہو جائے گی، اور وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی جانور زخمی ہو جائے اور اس کا زخم اچھا ہو گیا ہو۔ البتہ اگر وہ جانور اس کی وجہ سے بیکار ہو جائے تو اس کا معاوضہ اس قدر ہے جتنا کہ اس کی وجہ سے قیمت میں کمی آ گئی ہو۔

Marfat.com

حکم عمرہ کی حیثیت اور اس کے مسائل

عمر بھر میں ایک بار عمرہ کرنا بھی حج کی طرح فرض عین ہے۔ اس کے فوراً یا بتاخیر ادا کرنے کے متعلقہ مسائل اوپر آ چکے ہیں۔ مالکیہ اور حنفیہ کو اس سے اختلاف ہے، ان کے مسالک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔ [1] اور اس کے فرض ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد: " واتموا الحج والعمرۃ للّٰہ " ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ ان دونوں کو جملہ شرائط وارکان کے ساتھ پورے طور پر انجام دو۔ اس کے فرض ہونے پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا عورتوں پر بھی جہاد فرض ہے؟ " قال نعم، علیھن جھاد لا قتال فیہ: الحج والعمرۃ " (یعنی حضور ﷺ نے فرمایا ہاں! ان پر وہ جہاد فرض ہے جس میں قتل وغارت نہیں ہے، یعنی حج اور عمرہ) اس کو امام احمدؒ اور ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے، اور اس کے بیان کرنے والے ثقہ اصحاب ہیں۔ اور ابو رزین العقیلی سے روایت ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ میرا باپ عمر رسیدہ ہے نہ تو حج کر سکتا ہے اور نہ عمرہ کر سکتا ہے اور نہ سفر کرنے کے قابل ہے تو ارشاد ہوا " حج عن ابیک واعتمر " (یعنی اپنے باپ کی طرف سے تم حج اور عمرہ کر لو)۔ اس حدیث کو پانچ (محدثین) یعنی بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح بتایا ہے۔ ہاں اگر ایک بار سے زیادہ عمرہ کیا جائے تو وہ نفل ہوگا۔

عمرہ کی شرائط کا بیان

عمرہ کی شرطیں وہی ہیں جو حج کی ہیں۔ ان کی تفصیل پہلے بتائی جا چکی ہے۔

عمرہ کے ارکان کا بیان

عمرہ کے تین ارکان ہیں: احرام، طواف، سعی بین الصفا والمروہ۔ یہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے۔ امام شافعی نے دو مزید رکنوں کا اضافہ کیا ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ صرف ایک رکن ہے۔ ان دونوں کے

۱۔ مالکیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ عمر بھر میں ایک بار عمرہ کرنا سنت مؤکدہ ہے، فرض نہیں ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: " الحج مکتوب والعمرۃ تطوع " رواہ ابن ماجہ (یعنی حج فرض ہے اور عمرہ " تطوع " (یعنی رضا کارانہ عبادت یا نفل) ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: " اتموا الحج والعمرۃ للّٰہ " میں شروع کرنے کے بعد اسے پورا کرنے کا حکم ہے۔ اور کوئی بھی عبادت جب شروع کی جائے تو اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے، خواہ وہ نفلی ہی عبادت ہو۔ اس آیت سے (عمرہ کی) فرضیت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح حدیث میں جو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ " علیھن جھاد لا قتال فیہ : الحج والعمرۃ " یہ بھی عمرہ کے فرض ہونے کی دلیل نہیں ہے، کیونکہ لفظ " علیھن " میں وجوب

Marfat.com

مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

عمرہ کے میقات کا بیان

عمرہ کے میقات دو طرح کے ہیں: زمانی اور مکانی۔ زمانی میقات پورا سال ہے، یعنی عمرہ کا احرام باندھنا تمام سال میں کسی وقت بھی بغیر کسی کراہت کے درست ہے، بجز ان حالات کے جن کی تفصیل مسالک مختلفہ کی رو سے ذیل میں مندرج ہے۔ (۲)

واضح ہو کہ عمرہ کے میقات مکانی وہی ہیں جو حج کے میقات ہیں، ان کی تفصیل سابقاً بتائی گئی ہے۔ البتہ جو مکے میں ہو، خواہ وہ مکے کا رہنے والا ہو یا کہیں اور کا، اس کے لیے عمرہ کی میقات (احرام باندھنے کی جگہ) علاقہ ''حل'' ہے، اور ارض حرم کے علاوہ جہاں شکار کو نہیں چھیڑا جا سکتا، باقی تمام جگہ حل ہے۔ اور بیرون حرم (میقات کے لیے) سب سے اچھی جگہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک جعرانہ ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ بیرون حرم افضل جگہ ''تنعیم'' ہے اس کے بعد ''جعرانہ'' ہے۔ جعرانہ مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ اس کے بعد مقام تنعیم فضیلت میں اس کے قریب قریب ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جسے آج کل مساجد عائشہ کہا جاتا ہے۔ پس (عمرہ کا احرام باندھنے کے لیے) چاہیے کہ بیرون حرم جا کر احرام باندھا

اور تطوع (نفل ہونے) دونوں کا احتمال ہے، لہٰذا حج کے لیے یہ لفظ بمعنی وجوب اور عمرہ کے لیے بمعنی تطوع آیا ہے۔ اس کی تائید پہلی حدیث ''العمرة تطوع'' سے ہوتی ہے۔ رہی حج کی فرضیت سووہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ثابت ہے ''ولله على الناس حج البيت'' اس کے علاوہ دوسرے دلائل بھی ہیں جو سابقاً حج کے بیان میں بتائے گئے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ عمرہ کے ارکان پانچ ہیں: احرام، طواف، سعی بین الصفا والمروہ، بال اتروانا اور ان ارکان میں ترتیب کا ملحوظ رکھنا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ عمرہ کا صرف ایک رکن ہے اور وہ طواف کے پھیروں کی بیشتر تعداد ہے، یعنی چار پھیرے۔ رہا احرام سووہ (رکن نہیں بلکہ) شرط ہے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے، جیسا کہ حج کے بیان میں بتایا گیا۔ اور بال منڈوانے یا کتروانے کی بھی وہی حیثیت ہے جو سعی کی ہے، یعنی صرف واجب ہے، رکن نہیں ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ عمرہ کے لیے احرام باندھنا عرفہ کے روز زوال سے پہلے اور بقول راجح اس کے بعد مکروہ تحریمی ہے۔ اسی طرح عید قربان کے روز اور اس کے تین روز بعد تک حرام ہے۔ اور اہل مکہ کے لیے حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھنا مکروہ ہے درآنحالیکہ اسی سال کسی نے حج کا ارادہ کیا ہو، قطع نظر اس کے کہ مکہ عارضی وطن ہو یا وہیں کا رہنے والا ہو۔ تاہم اگر عمرہ کا احرام اوقات حج میں باندھا گیا تو اس کے شروع ہونے کے بعد اس کی ادائیگی لازم ہو جائے گی، لیکن فعل مکروہ تحریمی ہوگا اور یہ واجب ہوگا کہ احرام توڑ دیا جائے تا کہ گناہ نہ ہو اور بعد میں اس کی قضا میں عمرہ کیا جائے۔ اور احرام توڑنے کے عوض اس پر قربانی لازم ہوگی۔ یاد رہے کہ اگر احرام نہیں توڑا تو عمرہ ہو جائے گا، لیکن گناہ کے ساتھ اور قربانی واجب ہوگی۔

Marfat.com

جائے۔ بخلاف حج کے کہ احرام حج کے لیے اہل مکہ کا میقات حرم ہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اگر مکہ کے رہنے والے نے عمرہ کا احرام علاقہ حرم میں باندھا اور احرام کے بعد حرم سے باہر "حل" کے علاقہ میں نہیں گیا تو یہ احرام صحیح ہوگا، البتہ میقات پر احرام نہ باندھنے کی پاداش میں قربانی دینا ہوگی۔ مالکیہ کو اس سے

اسی طرح دوبار عمرہ کا احرام باندھنا بھی مکروہ تحریمی ہے۔ پس اگر کسی نے عمرہ کا احرام باندھا اور اس کے لیے ایک پھیرا (کعبہ کا) کرلیا، یا تمام پھیرے کرلیے، یا کوئی پھیرا نہیں کیا اور دوبارہ پھر احرام باندھ لیا تو دوسری بار کا احرام از خود ٹوٹ جائے گا، اگرچہ اس کی نیت چھوڑنے کی نہ ہو، لیکن اس کی قضا لازم ہوگی اور نیت توڑنے کی قربانی دینا ہوگی۔ اگر پہلے عمرہ کا طواف اور سعی کرلی ہے اور صرف بال کٹوانا باقی تھا کہ دوسرے عمرہ کا احرام باندھ لیا تو دوسرا عمرہ لازم ہوگیا اور اب اس کو چھوڑنا نہ چاہیے۔ البتہ دو احرام جمع کرنے کے باعث قربانی لازم ہوگی۔ اگر دوسرا عمرہ کرنے سے پہلے پہلے عمرہ کے لیے بال کٹوا لیے تو ایک اور قربانی لازم ہوگی۔ البتہ اگر دوسرا عمرہ پورا کرنے کے بعد بال کٹوائے تو دوسری قربانی عائد نہ ہوگی۔ اگر کسی نے حج کی نیت کی اور طوافِ قدوم سے پہلے عمرہ کی نیت بھی کرلی تو اس پر دونوں لازم ہوگئے۔ اب وہ "قارن" (یعنی حج وعمرہ متصل کرنے والا) قرار پائے گا، لیکن یہ طریقہ برا ہے، کیونکہ حج کے بعد عمرہ کرنا مشروع نہیں ہے۔ قران کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھا جائے، یا پھر یہ کہ پہلے عمرہ کا احرام باندھا جائے، پھر حج کا احرام باندھے اور اس عمرہ کے احرام کو توڑنا مستحب نہیں ہے، البتہ اس پر شکریہ کی قربانی واجب ہے۔ اور یہ عمرہ افعال عمرہ کے انجام دینے سے پہلے عرفہ میں وقوف کرنے سے باطل ہوجائے گا، لیکن اگر عمرہ کا احرام حج کے طواف قدوم کرنے کے بعد باندھا تو اب مستحب ہے کہ عمرہ کو ترک کردیا جائے، اس کے عوض قربانی اور اس عمرہ کی قضا لازم ہے۔ اگر عمرہ کو نہ توڑا اور حج وعمرہ دونوں کو انجام دیا تو ایسا کرنے کی تلافی کے لیے قربانی لازم ہوگی، لیکن یہ عمل طریق مستحب کے منافی ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ عمرہ کا احرام باندھنا سال میں کسی وقت بھی درست ہے، بجز اس صورت کے جب کہ کسی نے حج یا عمرہ کا احرام پہلے باندھ لیا ہو تو اس احرام پر پھر عمرہ کا احرام باندھنا درست نہیں ہے جب تک کہ پہلا حج یا عمرہ پورا نہ کیا جائے۔ اور اعمال حج اس وقت پورے ہوتے ہیں جب وقوف بعرفہ، طواف، سعی اور ایام نحر کے چوتھے روز رمی جمار (کنکریاں مارنے) سے فراغت ہو، یا اگر کنکری نہیں ماری تو اس دن زوال شمس ہوجانے کے بعد رمی کا وقت گزر جانے پر حج پورا ہوگا۔ پس عمرہ کے لیے (دوسرا) احرام باندھنے میں اس وقت تک تاخیر کرنا مستحب ہے کہ (ایام نحر کے) چوتھے روز کا آفتاب غروب ہوجائے۔ تاہم اگر اس روز رمی جمار کے بعد ہی سورج غروب ہونے سے پہلے احرام باندھ لیا تو احرام درست، لیکن مکروہ ہے۔

یاد رہے کہ اس عمرہ کے اعمال میں سے کوئی عمل آفتاب غروب ہونے تک نہ کرنا چاہیے۔ اگر کیا، مثلاً غروب آفتاب سے پہلے طواف کرلیا یا سعی کی تو اس کو (اعمال عمرہ میں) شمار نہ کیا جائے گا، اور غروب آفتاب کے بعد دوبارہ کرنا لازم ہوگا۔ واضح ہو کہ عرفہ کے روز، یا ایام تشریق میں، یا کسی اور دن عمرہ کے لیے احرام باندھنا مکروہ نہیں ہے۔ اگر دو حجوں یا دو عمروں کی نیت احرام میں کی تو (وہ ایک ہی حج یا عمرہ کی نیت ہوگی) دوسری نیت فضول ہے، اس کا کچھ اثر نہ ہوگا اور وہ نیت ہی نہ ہو

Marfat.com

اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔[1]

لیکن اگر طواف اور سعی سے (علاقۂ غیر حرم میں) جاکر میقات پر احرام باندھ لیا تو اس پر کچھ عائد نہ ہوگا۔ اور واضح ہو کہ عمرہ کا بکثرت کرنا مستحب ہے اور خاص طور پر ماہ رمضان میں اس کی تاکید ہے۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے، مالکیہ کا مذہب ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔[2] (رمضان میں زیادہ تاکید اس بنا پر ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: "**عمرة فی رمضان تعدل حجة**" یعنی رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے)۔

عمرہ کے واجبات، سنن اور مفسدات کا بیان

عمرہ میں بھی وہی امور واجب ہیں جو حج میں ہیں۔ اسی طرح عمرہ کی سنتیں بھی وہی ہیں جو حج کی ہیں۔ غرض عمرہ (احکام) احرام، فرائض، واجبات، سنن، محرمات، مکروہات اور مفسدات میں حج کی مانند ہے،

گی۔ اگر پہلے حج کا احرام باندھا پھر اس کے پیچھے عمرہ کا احرام باندھا تو یہ عمرہ لغو ہوگا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ عمرہ سال بھر میں کسی وقت بھی کیا جائے درست ہوگا، اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، لیکن اگر حج کا احرام باندھ لیا تھا، پھر اس پر عمرہ کا احرام باندھ لیا تو یہ احرام درست نہ ہوگا اور بے مصرف ہوگا، اور ایسا کرنے سے اسے "قارن" بھی قرار نہ دیا جائے گا۔ اس پر دوسرے احرام کا کوئی عمل لازم نہ ہوگا۔ اگر دو عمروں کے لیے احرام باندھا تو ان میں سے صرف ایک کی نیت بندھے گی اور دوسری نیت رائگاں ہوگی۔ اور یہی صورت دو حجوں کا احرام ایک ساتھ باندھنے کی ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ عمرہ بلا شائبہ کراہت کسی وقت بھی کیا جا سکتا ہے، البتہ اگر کسی نے حج کا احرام باندھا ہے تو اس پر عمرہ کا احرام باندھنا درست نہیں ہے، اگر باندھا تو یہ احرام نہ بندھے گا۔ اسی طرح دو حجوں یا دو عمروں کے احرام باندھنے سے صرف ایک کا احرام بندھے گا اور دوسرا بے کار ہے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی نے حرم میں عمرہ کا احرام باندھا تو اس پر قربانی لازم نہیں ہے، لیکن یہ واجب ہے کہ طواف اور سعی سے پہلے علاقۂ غیر حرام میں جائے، کیونکہ ہر احرام کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ حالتِ احرام علاقۂ حرم و غیر حرم میں اکٹھی کی جائے۔ پس اگر کسی نے عمرہ کا طواف کیا اور سعی کر لی اور پھر "حل" کے علاقے میں میں آ گیا تو وہ عمرہ و طواف شمار میں نہ آئے گا اور قطعی طور پر لازم ہوگا کہ حل میں جانے کے بعد طواف اور سعی دوبارہ کی جائے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ ایک سال میں دو بار عمرہ کرنا مکروہ ہے۔ ہاں وہ شخص جو مکہ میں حج کے مہینوں سے پہلے آئے اور وہ ایسا شخص ہو جسے بغیر احرام کے میقات سے آگے جانا حرام ہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا، تو ایسے شخص کے لیے دوبارہ عمرہ کرنا مکروہ نہیں ہے، بلکہ جب مکہ میں آئے تو عمرہ کے لیے احرام باندھ لے، اگرچہ اس سال عمرہ کر رکھا ہو۔ البتہ (جس نے عمرہ کر رکھا ہو) جب حج کے مہینوں میں مکہ کے اندر داخل ہونے کا ارادہ کرے تو حج کے لیے داخل ہو، عمرہ کے لیے نہیں، کیونکہ ایسی حالت میں حج کا احرام مکروہ نہیں ہے۔ ہاں زمانہ حج سے پہلے یہ احرام مکروہ ہے۔ اور سال گزار کر دوسری بار عمرہ

Marfat.com

تاہم مالکیہ کا مسلک ذیلی حاشیے میں ملاحظہ ہو۔[1] اور احصار (رکاوٹ لاحق ہونے) وغیرہ میں بھی۔ تاہم عمرہ بعض امور میں حج سے مختلف ہے، منجملہ ان کے یہ کہ اس کے لیے وقت مقرر نہیں ہے اور وہ فوت نہیں ہوتا۔ اور عمرہ کے اندر عرفات میں وقوف کرنا اور مزدلفہ میں فروکش ہونا نہیں ہے، اور نہ اس میں کنکریاں مارنا ہوتی ہیں، اور نہ دورانِ حج دو نمازیں اکٹھی پڑھی جاتی ہیں۔ یہ حکم تین اماموں کے نزدیک ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حج کے دوران دو نمازوں کے جمع کرنے کا حکم ہے۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ حج ہو یا عمرہ دونوں میں سے کوئی بھی دو نمازوں کے جمع کرنے کا موجب نہیں ہے، بلکہ اس کا سبب سفر میں ہونا ہے، جیسا کہ اس کے بیان میں بتایا گیا۔ نیز عمرہ میں طواف قدوم اور خطبے بھی نہیں ہیں اور ہر شخص کے لیے غیر حرم کا تمام علاقہ اس کا میقات ہے، بخلاف حج کے کہ مکہ والوں کے لیے حج کا میقات حرم ہے، جیسا کہ احرام کے بیان میں پہلے بتایا گیا۔ اس کے علاوہ عمرہ اس طرح بھی حج سے مختلف ہے کہ وہ سنت مؤکدہ ہے۔ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک فرض نہیں ہے۔

یہ امور ہیں جن میں عمرہ حج سے مختلف ہے۔ حنفیہ نے ان میں دو اور باتوں کا اضافہ کیا ہے، اس کے لیے ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔[2]

حج قران، تمتع اور افراد کے متعلقہ مسائل کا بیان

حج اور عمرہ کا ارادہ کرنے والے کے لیے (حج کی) تین صورتیں جائز ہیں:

کرنا مستحب ہے اور چاہیے کہ اس عمرہ سے اس موسم حج میں اقامت کی نیت ہو، تا کہ وہ عمرہ سب لوگوں کی طرف سے بطور سنت کفایہ ادا ہو جائے۔ کیونکہ عمرہ ہر سال سنت کفایہ ہے جو (کسی ایک کے کرنے سے سب کی طرف سے) ادا ہو جاتی ہے۔ اور عمرہ کے سال کا آغاز محرم سے ہوتا ہے۔ مالکیہ کے نزدیک عمرہ کے باب میں رمضان اور دوسرے مہینوں میں کوئی فرق نہیں، لہٰذا رمضان میں اس کی تاکید نہیں ہے۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ عمرہ کو بھی وہی امور فاسد کرتے ہیں جو حج کو، مثلاً جماع وغیرہ، لیکن یہ امور اس حالت میں فاسد کرتے ہیں جب کہ سعی بین الصفا والمروہ سے پہلے سرزد ہوں۔ اور عمرہ فاسد ہو جائے تو پہلے اس عمرہ کو پورا کرنا اور پھر فوراً ہی اس کی قضا واجب ہے۔ اور اس کی پاداش میں ہدی (اونٹ) کی نحر واجب ہے۔ اس نحر کو قضا کے وقت تک التوا میں رکھا جائے، جیسا کہ حج کے بیان میں بتایا گیا، لیکن اگر جماع وغیرہ سعی بین الصفا والمروہ کے بعد بال منڈوانے سے پہلے سرزد ہوا ہو تو عمرہ فاسد نہیں ہوتا، لیکن قربانی واجب ہے۔ اسی طرح مذی وغیرہ کے خارج ہونے پر بھی قربانی واجب ہے، جیسا کہ حج کے بیان میں بتایا گیا۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ان امور کے علاوہ یہ بھی اختلاف ہے کہ عمرہ کے توڑنے سے بدنہ (اونٹ) کی قربانی واجب

Marfat.com

اول ''حج افراد'' اس سے مراد ہے کہ ایام حج کے اندر اپنے شہر کے مقررہ میقات سے صرف حج کرنے کا احرام باندھا جائے اور اس کے طواف اور ''سعی'' کو جیسا کہ سابقاً عمرہ کے بیان میں بتایا گیا بجالایا جائے۔

دوسری صورت ''قران'' ہے، یعنی ایک ہی احرام میں حج اور عمرہ کا جمع کرنا۔ یہ جمع کرنا حقیقی بھی ہوسکتا ہے اور حکمی بھی (یعنی گو فی الواقع ایک ساتھ دونوں کو نہ کیا گیا ہو، لیکن شرعاً وہ ایک ساتھ کرنا متصور ہوگا)۔

تیسری صورت ''تمتع'' کی ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے عمرہ کیا جائے، پھر اسی سال حج کیا جائے۔ ان میں سے ہر ایک کے متعلق مسالک تفصیل طلب ہیں ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (۱)

ہدی (قربانی کے جانور) کا بیان

ہدی کی تعریف

ہدی سے مراد وہ چوپایہ ہے جس کی قربانی حرم میں کی جائے۔ یہ جانور اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری ہیں۔ ان کی افضلیت بھی اسی ترتیب سے ہے۔ یعنی اول اونٹ، پھر گائے، پھر بھیڑ بکری۔ اونٹ وہ جائز

نہیں ہوتی، اور نہ حالت ناپاکی میں طواف کرنے سے واجب ہوتی ہے، بخلاف حج کے کہ اس میں بدنہ کی قربانی واجب ہے۔ عمرہ میں (اس کی پاداش میں) محض بھیڑ یا بکری کی قربانی واجب ہے۔ اور ایک اضافہ (تفصیل اختلاف میں) یہ ہے کہ حج کی طرح عمرہ میں طواف وداع نہیں ہے۔

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ حج اور عمرہ کے ادا کرنے کی تین صورتیں ہیں: ایک صورت ''افراد'' ہے، یعنی کوئی شخص حج کے مہینوں میں سے کسی مہینے میں حج کا احرام اپنے شہر سے باندھ کر روانہ ہو اور حج کے تمام اعمال سے فارغ ہونے کے بعد عمرہ کا احرام باندھے۔

دوسری صورت ''تمتع'' کی ہے، یعنی حج کے ایام میں عمرہ کا احرام اس میقات سے باندھا جائے جو اس کی راہ میں آتا ہو، گو وہ میقات اس کے شہر والوں کا نہ ہو، پھر اعمال عمرہ انجام دیے جائیں، اس سے فارغ ہونے کے بعد مکہ سے یا اس میقات سے جہاں پر عمرہ کا احرام باندھا تھا یا اتنے ہی فاصلہ پر جا کر وہاں سے، اور یا پھر قریب ترین کسی میقات سے حج کا احرام باندھا جائے۔ اور اگر کسی نے عمرہ کا احرام اس میقات سے گزر کر باندھا جہاں آتے ہوئے اس کا گزر ہوا تھا اور پھر اس عمرہ کو پورا کر کے حج کا احرام باندھا تب بھی ''حج تمتع'' ہو جائے گا، لیکن اس گناہ کی پاداش میں کہ احرام کا ارادہ تھا لیکن میقات سے بلا احرام گزرا ہے، قربانی دینا ہوگی۔ اس (طرح حج کرنے والے) کو متمتع (فائدہ اٹھانے والا) اس لیے کہتے ہیں کہ (اس طرح حج کرنے والا) عمرہ اور حج کے درمیانی عرصہ میں ممنوعات حج سے تمتع کرتا (فائدہ اٹھاتا) ہے۔

تیسری صورت ''قران'' کی ہے اور وہ یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کو ایک ساتھ بجالانے کے لیے میقات حج سے احرام باندھا جائے خواہ وہ میقات اس کے شہر کا ہو یا کوئی اور میقات جو اس کے راستہ میں واقع ہو۔ اگر کوئی شخص مکہ میں

Marfat.com

ہے اور وہیں پر حج اور عمرہ کا احرام باندھے تو اسے قارن (حج قران کرنے والا) قرار دیا جائے گا۔ اس کو عمرہ (کا احرام باندھنے) کے لیے علاقۂ حرم سے باہر جانا لازم نہیں ہے، کیونکہ عمرہ حج میں شامل اور اس کے تابع ادا ہو جائے گا۔ ایک صورت قران کی یہ بھی ہے کہ پہلے عمرہ کا احرام باندھا جائے، خواہ یہ احرام ایام حج میں ہو یا اس سے پہلے۔ پھر ایام حج آجائیں اور عمرہ کا طواف کرنے سے پہلے حج کو بھی عمرہ میں داخل کرلیا جائے۔ اور عمرہ پر حج کو داخل کرنے کی صورت یہ ہے کہ عمرہ کا طواف کرنے سے پہلے حج کی نیت کرلی جائے، جیسا کہ بتایا گیا۔ (واضح ہو کہ عمرہ کی نیت پر حج کا اضافہ تو ہوسکتا ہے) لیکن حج پر نیت عمرہ کا اضافہ درست نہیں ہے، فعل لغو ہے۔

حج کی ان تینوں صورتوں میں سے سب سے افضل صورت ''افراد'' ہے، اس کے بعد ''تمتع'' اور پھر ''قران''۔ اور افراد افضل اس صورت میں ہے جب کہ اس سال عمرہ پہلے کرلیا گیا ہو۔ اگر پہلے عمرہ نہیں کیا تو افراد کی صورت فضیلت میں دوسرے درجہ پر ہوگی، کیونکہ جس سال حج کیا جائے اس سال عمرہ کا حج کے بعد کرنا مکروہ ہے۔

حج قران کرنے والے کو دونوں کے لیے ایک ہی عمل حج کا ادا کرنا لازم ہے؛ لہٰذا حج اور عمرہ دونوں کے لیے ایک طواف اور ایک ہی سعی کافی ہے کیوں کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ''من احرم بالحج والعمرة اجزاه طواف واحد وسعي واحد عنهما حتى يحل منهما جميعاً'' (یعنی جس نے حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھا ہوا سے دونوں کے لیے ایک طواف اور ایک سعی جائز ہے یہاں تک کہ دونوں سے ایک ساتھ حلال ہو، یعنی فراغت حاصل کرے۔) ترمذی نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے

واضح ہو کہ ''حج تمتع'' یا حج قران کرنے والے پر قربانی واجب ہے۔ متمتع پر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''فمن تمتع بالعمرة الى الحج فما استيسر من الهدى فمن لم يجد فصيام ثلاثة ايام فى الحج وسبعة اذا رجعتم''۔

(یعنی جو شخص عمرہ کے بعد حج تک تمتع کرے اس پر قربانی ہے اگر سہولت ہو، یہ نہ ہوسکے تو تین روزے دوران حج میں رکھے اور سات حج سے واپسی پر)۔

قارن پر قربانی کا واجب ہونا اس حدیث کی بنا پر ہے جو بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: '' انه ﷺ ذبح عن نسائه البقر يوم النحر وكن قارنات'' (یعنی آنحضرت ﷺ نے اپنی بیویوں کی جانب سے جو حج قران میں تھیں یوم نحر کو گائے کی قربانی کی تھی) اور قارن و متمتع پر قربانی واجب ہونے کی چند شرطیں ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی شخص حاضرین مسجد حرام (یعنی مسجد حرام میں حاضری دینے والوں) میں سے نہ ہو۔ حاضرین مسجد حرام وہ ہیں جن کا مسکن دوسرے مکینوں کے ساتھ ہو اور ان کی قیام گاہ سے مسجد حرام دو مرحلوں سے کم فاصلہ پر واقع ہو۔ پس اگر اس علاقہ کا کوئی شخص ''تمتع'' یا قران کرے تو اس پر قربانی نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ تمتع کرنے والے نے ایام حج میں عمرہ کرلیا ہو۔ اگر کسی نے ایام حج سے پہلے عمرہ کا احرام باندھا، خواہ وہ عمرہ ایام حج سے پہلے کرلیا یا ایام حج میں کیا تو اس پر ہدی واجب نہیں ہے، کیونکہ یہ حج اور عمرہ کو ایام حج میں جمع

Marfat.com

کرنا نہیں ہوا، لہٰذا وہ ''مفرد'' (یعنی بغیر عمرہ کہ خالی حج کرنے والے کی) مانند ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عمرہ اور حج ایک ہی سال میں کیا جائے۔ اگر کسی نے ایام حج میں عمرہ کرلیا لیکن حج (اس سال نہ کیا، بلکہ) کسی اور سال میں یا سرے سے حج ہی نہ کیا تو اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ تمتع کرنے والا عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنے کے لیے مڑ کر اپنے میقات پر جہاں اس نے پہلے احرام باندھا تھا یا کسی اور میقات پر نہ آیا ہو۔ اور یہ کہ ''قارن'' مکہ میں داخل ہونے کے بعد کسی عمل حج مثلاً وقوف بعرفہ یا طواف قدوم میں شامل ہونے سے پہلے میقات پر واپس نہ آیا ہو۔ پس اگر حج تمتع کرنے والا احرام حج باندھنے کے لیے پھر میقات پر آیا تو اس پر قربانی نہیں ہے۔

یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ کوئی قارن حج وعمرہ کی یکجائی طور پر نیت کرنے کے بعد پھر کسی میقات پر واپس آیا، یا عمرہ میں حج کو داخل کیا، جیسا کہ قران کے بیان میں بتایا گیا، تو اس پر قربانی نہیں ہے، اور ''متمتع'' پر قربانی اس وقت واجب ہوتی ہے جب کہ وہ حج کے لیے احرام باندھے۔ اور صحیح ترین قول یہ ہے کہ اس سے پہلے بھی قربانی دی جاسکتی ہے یعنی عمرہ سے فارغ ہونے پر (احرام حج سے پہلے بھی) قربانی ذبح کی جاسکتی ہے۔ لیکن افضل یہی ہے کہ یوم نحر میں قربانی کو ذبح کیا جائے۔ اس کے لیے آخری وقت کوئی متعین نہیں ہے جس طرح دوسری قربانیوں کے لیے جو تلافی مافات کے طور پر دی جاتی ہیں۔

جو شخص حرم میں قربانی سے عاجز ہو، خواہ جانور دستیاب نہ ہونے یا قیمت نہ ہونے کے باعث یا جانور واجبی قیمت سے زیادہ میں ملتا ہو، یا دام ہوں لیکن اس کی خود کو حاجت ہو، ان تمام صورتوں میں قربانی کے عوض دس دن روزہ رکھنا لازم ہے، جن میں سے تین ایام حج میں رکھے جائیں اور سات وطن واپس آکر اور وہ تین دن کے روزے حج کا احرام باندھنے کے بعد رکھے جائیں۔ اگر متمتع نے حج کا احرام باندھنے سے پہلے روزہ رکھ لیا تو وہ جائز نہ ہوگا۔ اور سنت یہ ہے کہ یہ تین روزے یوم عرفہ سے پہلے رکھ لیے جائیں، کیونکہ اس دن کوئی روزہ نہ رکھنا سنت ہے۔ مگر ایام تشریق کے بعد ان روزوں میں تاخیر کی گئی تو گناہ ہوگا اور یہ روزے قضا شمار ہوں گے۔ لیکن اس تاخیر پر کوئی قربانی واجب نہیں ہے۔ باقی سات روزے وطن واپس آنے پر یا کسی بھی شہر میں جہاں قیام کا ارادہ ہو رکھے جائیں۔ چنانچہ اگر مکہ ہی میں قیام کا ارادہ کیا تو وہیں پر یہ سات روزے رکھے جاسکتے ہیں۔ اور وطن میں آکر سات روزوں کا رکھنا اسی حالت میں جائز ہے جب کہ اعمال حج سے فارغ ہو کر واپسی ہوئی ہو۔ اگر طواف وسعی سے پہلے ہی کوئی شخص وطن واپس آ گیا تو ان روزوں کا رکھنا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر اعمال حج میں سے صرف بال منڈوانا رہ گیا ہو تو یہ روزے وطن پہنچ کر بال منڈوانے کے بعد رکھے جاسکتے ہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ جو شخص حج اور عمرہ کا ارادہ کرتا ہے تو ان کے لیے احرام تین حالتوں میں باندھے جاسکتے ہیں:

پہلی حالت ''افراد'' کی ہے یعنی صرف حج کرنے کا احرام باندھا جائے اور جب حج کے اعمال پورے ہوجائیں اس کے بعد عمرہ کرے۔

دوسری حالت ''تمتع'' کی ہے، وہ یہ ہے کہ پہلے عمرہ کا احرام باندھا جائے اور جب ایام حج میں اس کا کوئی عمل، خواہ کوئی ایک رکن ہو، کرلیا جائے اس کے بعد اسی (سال کے ایام حج میں) حج کیا جائے۔ ایام حج ماہ رمضان کی آخری تاریخ

Marfat.com

کا سورج غروب ہو جانے کے بعد شروع ہو جاتے ہیں۔ پس اگر رمضان کی آخری تاریخ میں عمرہ کا احرام باندھا پھر اس کے اعمال کی بجا آوری عید کی رات تک ہوتی رہی تو اس کو متمتع (حج تمتع کرنے والا) قرار دیا جائے گا، بشرطیکہ اس سال کا حج بھی کر لیا جائے، لیکن اگر عمرے کے اعمال (رمضان کے آخری دن) سورج غروب ہونے سے پہلے ہی پورے کر لیے تو متمتع قرار نہیں دیا جائے گا، خواہ اس سال کا حج بھی کر لیا ہو، کیونکہ (اس صورت میں) ارکان عمرہ میں سے کچھ بھی ایام حج میں سے کسی دن ادا نہیں ہوا۔

تیسری حالت ''قران'' کی ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

اول یہ کہ حج اور عمرہ دونوں کا احرام اکٹھا باندھا جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے عمرہ کا احرام باندھا جائے، پھر عمرہ کے طواف کے بعد کی دو رکعتوں کا رکوع کرنے سے پہلے پہلے اس عمرے میں حج کو داخل (شامل) کر لیا جائے۔ اب یہ حج کی شمولیت خواہ طواف عمرہ شروع کرنے سے پہلے ہو یا شروع کرنے کے بعد، اور ختم ہونے سے پہلے ہو یا ختم کرنے کے بعد لیکن اس کی دو رکعتوں کے پڑھنے سے پہلے، ان تمام صورتوں میں وہ شخص ''قارن'' قرار دیا جائے گا۔ (یعنی حج اور عمرہ کو ملا کر انجام دینے والا) لیکن عمرہ کے طواف کے بعد اور اس کی دو رکعتوں کے پڑھنے سے پہلے اس عمرہ میں حج کو داخل کرنا مکروہ ہے۔ اگر عمرہ کا طواف شروع کرنے کے بعد حج کو شامل کیا تو اس طواف کو بطور نفل کے پورا کرے۔ عمرہ کا مطلوبہ طواف حج کے طواف میں آ جائے گا، کیونکہ ''قارن'' کو دونوں کے لیے ایک طواف اور ایک سعی کافی ہے، جیسا کہ آگے بتایا جا رہا ہے۔ اسی طرح اگر عمرہ کا طواف کرنے کے بعد اور اس کی دو رکعتوں کے پڑھنے سے پہلے حج کو عمرہ میں داخل کیا تو وہ طواف نفلی ہو جائے گا۔ اگر عمرہ کا طواف کرنے اور دو رکعتیں ادا کرنے کے بعد حج کو اس میں داخل کیا تو حج کا احرام باطل ہو جائے گا اور وہ حج نہ ہو گا جیسے اس صورت میں جب کہ عمرہ فاسد ہو جائے اور اس میں حج کو داخل کیا جائے تو حج کا احرام رائیگاں جائے گا۔ ایسی صورت میں واجب یہ ہے کہ فاسد شدہ عمرہ کو پورا کیا جائے اور فوراً اس کی قضا کی جائے جیسا کہ عمرہ کے بیان میں بتایا گیا۔ غرض عمرہ پر حج کو داخل کرنا دو شرطوں پر موقوف ہے:

اول یہ کہ دونوں میں ارداف ہو (یعنی یکے بعد دیگرے واقع ہوں) اور حج کو عمرہ پر طواف کی دو رکعتیں ادا کرنے سے پہلے پہلے داخل کر لیا جائے۔

دوسری یہ کہ جس عمرہ پر حج کو داخل کیا گیا ہے وہ عمرہ درست ہو۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی شرط پوری نہ ہوئی تو دونوں کا ارداف متصور نہ ہو گا اور حج کا احرام نہیں بندھے گا۔

واضح ہو کہ عمرہ کا حج پر داخل کرنا یہ ہے کہ پہلے حج کا احرام باندھا جائے، پھر اس پر عمرہ کو شامل کر لیا جائے۔ ایسا کرنا درست نہیں ہے اور یہ فعل لغو ہے۔ (اس سے) احرام نہ ہو گا، کیونکہ (عمل) ضعیف (یعنی عمرہ کو) (عمل) قوی (یعنی حج) کے اوپر نہیں لایا جا سکتا۔

احرام کی سب سے بہتر صورت افراد ہے (یعنی محض حج بلا شمولیت عمرہ کرنا)۔ اس کے بعد 'قران' (یعنی حج و عمرہ کو ملا کر ادا کرنا)، پھر 'تمتع' (یعنی پہلے عمرہ کر کے پھر حج کرنا)۔ قارن کو حج و عمرہ کے لیے ایک ہی عمل کرنا ہو گا۔ اور وہ عمل 'حج

Marfat.com

افراد کا ہے، یعنی ایک طواف اور ایک سعی اور دونوں کے لیے ایک بار سر منڈانا کافی ہے۔اس میں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ قربانی کرنا پڑتی ہے۔اور اسی طرح متمتع پر بھی قربانی لازم ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فمن تمتع بالعمرة الى الحج فما استيسر من الهدى" اور از روئے سنت یہ ثابت ہے کہ قارن پر قربانی واجب ہے۔قارن اور متمتع دونوں پر قربانی واجب ہونے کی دو شرطیں ہیں:

اول یہ کہ قران اور تمتع کے وقت یعنی حج وعمرہ کی نیت ایک ساتھ باندھنے والا مکہ کا باشندہ نہ ہو یا باشندہ کے حکم میں نہ ہو (یعنی مکہ کا باشندہ ہونے کا اطلاق شرعاً اس پر نہ ہوتا ہو)۔یہ حکم قران کی دو صورتوں میں سے ایک صورت میں ہے۔ قران کی دوسری صورت اور تمتع میں اس شرط کا اطلاق عمرہ کا احرام باندھنے کے وقت ہوگا۔واضح ہو کہ مکہ کے حکم میں (یعنی جس جگہ پر شرعاً مکہ کا اطلاق ہوتا ہے) وہ جگہ ہے جہاں سے آگے جا کر مسافر پر قصر واجب ہوتا ہے، پس اگر کسی شخص کا وطن مکہ ہے یا شرعاً مکہ کا باشندہ قرار دیا جائے، (یعنی مکہ کی ان حدود میں اقامت رکھتا ہو جس میں قصر نہیں ہوتا) اور وہ قران یا تمتع کرے تو اس پر قربانی نہیں ہے، کیونکہ وہ سفر حج یا سفر عمرہ میں سے کسی کے سقوط سے بہرہ مند نہیں ہوا (یعنی اس نے سفر ہی نہیں کیا جسے ساقط کیا جاتا)۔

واضح ہو کہ قران اور تمتع کی قربانی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی بنا پر واجب ہے: "ذالک لمن یکن اهله حاضری المسجد الحرام" (یعنی وہ قربانی ان پر ہے، جو حاضرین مسجد حرام میں نہ ہوں) مالکیہ لفظ "حاضری المسجد الحرام" کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ وہ لوگ جو مکہ کے رہنے والے ہوں یا شرعاً مکہ کے رہنے والے قرار دیے جائیں۔

دوسری شرط (وجوب قربانی کی) یہ ہے کہ (جس حج کی قربانی دی گئی ہے) وہ حج اسی سال کا ہو، لہٰذا اگر قران یا تمتع کے بعد مانع حج پیش آیا، مثلاً کسی دشمن وغیرہ نے روک دیا اور اس رکاٹ کے باعث احرام حج توڑنا پڑا تو قربانی واجب نہیں ہے۔متمتع پر قربانی واجب ہونے کی ایک تیسری شرط بھی ہے کہ وہ شخص عمرہ کے اعمال سے فارغ ہونے اور حج کا احرام باندھنے سے پہلے نہ اپنے شہر میں واپس آیا ہو اور نہ اتنے ہی فاصلہ پر کسی اور جگہ گیا ہو۔

یاد رہے کہ تمتع کی قربانی (عمرہ کے بعد) حج کا احرام باندھنے پر واجب ہوتی ہے، اس واسطے کہ احرام حج باندھنے ہی پر تمتع کا تحقق ہوتا ہے۔اور اس کے واجب ہونے کے وقت میں گنجائش ہے۔یہ گنجائش یوم نحر کو جمرۂ عقبہ پر کنکریاں مارنے تک رہتی ہے۔چنانچہ اگر کوئی متمتع جمرۂ مذکور پر کنکریاں مارنے کے بعد وفات پائے تب ہی اس کے وارثوں پر یہ حکم عائد ہوتا ہے کہ اس کے مال سے قربانی دیں۔اگر اس سے پہلے وفات ہو جائے تو (چونکہ ہنوز اس کے واجب ہونے میں گنجائش تھی اس لیے) اس کے ورثا کو نہ اس کی طرف سے قربانی دینا واجب ہے اور نہ اس کے اپنے مال سے یا اس کے مال کے تیسرے حصہ سے واجب ہے۔اور یہ جائز ہے کہ تمتع کی قربانی عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے پہلے کر دی جائے۔

جو شخص قربانی کی توفیق نہ رکھتا ہو اس پر واجب ہے کہ اس کے عوض دس روزے رکھے، تین روزے حج کے دوران اور سات واپس آنے پر۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فمن لم يجد فصيام ثلاثة ايام في الحج وسبعة اذا رجعتم" قربانی سے معذوری کی یہ صورتیں ہو سکتی ہیں کہ قربانی کا جانور دستیاب نہ ہو، یا اس کے دام پاس نہ ہوں اور قرض

Marfat.com

بھی نہ مل سکتا ہو۔ یا دام ہوں لیکن اس کو اپنے ضروری اخراجات کے لیے درکار ہوں۔

تین دن کے روزوں کا اصل وقت حج کا احرام باندھنے سے شروع ہو کر یوم نحر تک کے دوران ہے۔ اگر یوم نحر سے پہلے پہلے نہ روزہ رکھا تو یوم نحر کے بعد کے متصل تین ایام میں روزے رکھنا واجب ہے، یعنی ایام تشریق میں۔ لیکن ایام تشریق تک بلاوجہ روزے میں تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ اگر ایام تشریق گزر جانے تک روزہ نہ رکھا تو اب جس وقت چاہے روزہ رکھے، خواہ سات روزوں کے ساتھ ملا کر رکھ لے یا الگ الگ۔ بعد کے سات روزے اعمال حج سے فارغ ہونے یعنی رمی جمار ختم کرنے کے بعد رکھے جا سکتے ہیں، خواہ گھر میں واپس آیا ہو یا نہ آیا ہو، کیونکہ آیت کریمہ سابقہ ''سبعة اذا رجعتم'' میں لفظ رجوع جو آیا ہے اس سے مراد اعمال حج سے فارغ ہونا ہے۔ تاہم ان روزوں کا گھر واپس آنے تک ملتوی رکھنا مستحب ہے۔ البتہ اگر اعمال حج سے فارغ ہونے سے پہلے رکھے گئے تو وہ روزے شمار میں نہ آئیں گے، خواہ وقوف بعرفہ کے بعد رکھے جائیں یا پہلے۔ اور ہر اس صورت میں جب کہ حج یا عمرہ میں کسی خرابی کے باعث قربانی لازم ہوئی ہو، مثلاً واجبات احرام میں سے کوئی واجب ترک ہوا ہو کہ بغیر احرام کے میقات سے آگے چلا گیا، یا مذی آ گئی، یا کوئی ایسا ہی فعل سرزد ہوا جس پر قربانی واجب ہوتی ہے جس کی تفصیل جنایات حج کے بیان میں بتائی گئی اور قربانی دینے سے کوئی شخص عاجز رہا تو اس پر قربانی واجب رہے گی یا پھر اس کے عوض بہ موجب تفصیل بالا دس دن کے روزے رکھے جائیں۔ تین دن کے روزے ایام تشریق سے پہلے رکھے جائیں، اگر قربانی واجب کرنے والی بات وقوف بعرفہ سے پہلے سرزد ہوئی تو یہ روزے ایام تشریق ہی میں رکھ لئے جائیں۔ لیکن اگر عین عرفہ کے دن یا اس کے بعد امر موجب قربانی سرزد ہوا تو ایام تشریق کے بعد ہی تین دن روزے رکھے جائیں گے، ان تین دن کے روزوں سے پہلے یا تین دن پورے کرنے سے پہلے قربانی میسر ہو گئی تو مستحب یہ ہے کہ قربانی دی جائے اور وہ ایام جن میں روزہ رکھا تھا ان کو بطور نفلی روزوں کو پورا کر لینا چاہئے اگر تین روزے پورے کرنے کے بعد قربانی میسر ہوئی تو اب مڑ کر قربانی کرنا مستحب نہیں ہے۔ تاہم اگر قربانی کر دی گئی تو جائز ہے آئندہ کے روزے نہ رکھے، کیونکہ اصل کام تو قربانی تھا سو وہ ہو گیا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ ارادۂ حج کرنے والے کو ان تین امور میں سے کسی پر عمل کرنے کا اختیار ہے: تمتع، افراد اور قران۔ ان میں سب سے افضل تمتع ہے، اس کے بعد افراد، پھر قران کا درجہ ہے۔ تمتع یہ ہے کہ ایام حج میں عمرہ کے لیے احرام باندھا جائے، پھر تحلل کے ساتھ اس سے فارغ ہوا جائے۔ پس اگر ایام حج میں (عمرہ کا) احرام نہیں باندھا گیا تو اسے تمتع کرنے والا قرار نہ دیا جائے گا اور تمتع کے لیے یہ شرط ہے کہ بہ موجب ارشاد باری تعالیٰ فمن تمتع الآیہ اسی سال (جس سال عمرہ کیا تھا) حج کرے، اور بظاہر آیت کا منشاء یہ ہے کہ دونوں کو یکے بعد دیگرے (بلافصل) انجام دیا جائے۔

افراد یہ ہے کہ پہلے صرف حج کیا جائے (عمرہ نہ کیا جائے) اور حج سے فارغ ہونے کے بعد عمرہ کیا جائے جو اس پر واجب ہے درآنحالیکہ عمرہ اس کے ذمہ باقی ہو (یعنی کبھی پہلے نہ کیا گیا ہو)۔

قران یہ کہ حج اور عمرہ دونوں ایک ساتھ ادا کیے جائیں (یعنی درمیان میں احرام نہ توڑا جائے)۔ یا پھر یہ کہ عمرہ کا احرام باندھا جائے، پھر عمرہ کا طواف کرنے سے پہلے اس پر حج کو داخل کر لیا جائے۔ لیکن اگر قربانی ساتھ ہے تو اس عمرہ پر ''سعی'' کے بعد بھی حج کو داخل کر لیا جائے۔ ان دونوں صورتوں میں وہ حج قران ہو گا اور عمرہ میں حج کی مداخلت درست

Marfat.com

ہوگی، اگر چہ اس عمرہ کا احرام حج کے علاوہ اور دنوں میں باندھا گیا ہو۔ لیکن (اس کے برعکس) اگر کسی نے حج کا احرام باندھا اور اس پر عمرہ کی مداخلت کی تو عمرہ کی نیت درست نہ ہوگی اور اس لیے یہ "حج قران" نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ قران کرنے والا حج افراد سے زیادہ اور اعمال نہیں کرتا، لہٰذا ایک طواف اور ایک ہی سعی اور اسی طرح اور کام ایک ہی بار کرنا ہوگا۔ اور حج تمتع کرنے والے پر قربانی واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فمن تمتع بالعمرة الی الحج فما استیسر من الهدی" (الآیہ) اور یہ قربانی عبادت کا ایک حصہ ہے، ہدی جبر (تاوان) نہیں ہے۔

ہدی کے واجب ہونے کی سات شرطیں ہیں:

اوّل یہ کہ متمتع مکہ کا رہنے والا یا اس کو عارضی وطن بنانے والا نہ ہو، یا علاقہ حرم کا باشندہ نہ ہو اور یہ کہ اس کے اور اصل حرم کے درمیان مسافتِ قصر سے کم فاصلہ نہ ہو۔ ایسا ہو تو اس پر ہدی واجب نہیں ہے۔

دوم یہ کہ اس نے عمرہ ایام حج میں کیا ہو۔

سوم یہ کہ حج اسی سال کیا جائے (جس سال عمرہ کیا ہے) جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

چہارم یہ کہ حج اور عمرہ کے درمیانی وقت میں مسافتِ قصر کے برابر سفر نہ کیا ہو۔ اگر مسافتِ قصر کے برابر یا اس سے زیادہ سفر کر لیا اس کے بعد حج کا احرام باندھا تو قربانی واجب نہ ہوگی۔

پنجم یہ کہ حج کا احرام باندھنے سے پہلے عمرہ سے حلال ہو جائے (یعنی ممنوعات احرام کی پابندی سے سبکدوش ہو جائے) اگر عمرہ سے حلال ہونے سے پہلے حج کا احرام باندھا تو یہ قران ہو جائے گا تمتع نہ رہے گا۔ اور اب قران کی قربانی لازم ہوگی۔

ششم یہ کہ عمرہ کا احرام اپنے شہر کے میقات سے یا پھر ایسی جگہ سے باندھا جائے جہاں سے مکہ ایک مسافت قصر یا اس سے زیادہ فاصلہ پر ہو۔ اگر اس سے کم فاصلہ پر احرام باندھا گیا تو ایسے شخص کا شمار اہل مسجد حرام میں ہوگا (یعنی وہ شخص جو مکہ یا حرم کا باشندہ ہے) جیسا کہ پہلے بتایا گیا، اور اس پر بغیر احرام کے میقات سے گزر جانے کے باعث قربانی واجب ہوگی، بشرطیکہ وہ بغیر احرام کے میقات سے گزر آیا ہو حالانکہ اس پر احرام واجب تھا۔

ہفتم یہ کہ تمتع کی نیت عمرہ کے آغاز یا دوران عمرہ میں کر لے۔

واضح ہو کہ تمتع اور قران کی قربانی یوم نحر کی صبح طلوع ہونے پر لازم ہوتی ہے۔ اور قارن پر بھی حج کی قربانی لازم ہے بشرطیکہ وہ اہل مسجد حرام میں سے نہ ہو اور قربانی عمرہ یا حج کے فاسد ہو جانے پر بھی ذمہ سے ساقط نہیں ہوتی اور نہ حج کے فوت ہو جانے سے ساقط ہوتی ہے۔ اور جب قارن اپنے فوت شدہ قران کی قضا کرنے لگے تو اسے دو جانور کی قربانی دینا ہوگی۔ ایک قربانی پہلے قران کی (جو فوت ہوا) اور دوسری قربانی دوسرے قران (موجودہ) کی۔

اگر متمتع اپنی قربانی بھیج دے تو اسے عمرہ سے حلال ہونے کا حق نہیں ہے، لہٰذا اس کو چاہیے کہ عمرہ کا طواف اور سعی کرنے کے بعد سر منڈوا کر تحلل سے پہلے حج کا احرام باندھ لے۔ پس جب یوم نحر میں قربانی ذبح کر لی تو حج اور عمرہ دونوں کا ایک ساتھ تحلل ہو گیا۔ عمرہ کرنے والا جب عمرہ سے فارغ ہو جائے تو اسی وقت حلال ہو جائے خواہ وہ عمرہ ایام حج میں کیا

Marfat.com

ہو یا دوسرے ایام میں، یا خواہ اس کے ساتھ قربانی ہو۔ بخلاف تمتع کرنے والے کے کہ اگر اس کے ساتھ قربانی ہے تو اسے مروہ کے قریب نحر کرے، ہر چند کہ یہ جائز ہے کہ علاقہ حرم میں کسی جگہ بھی نحر کیا جائے اور جسے قربانی کا جانور میسر نہ ہو سکے کہ وہ فروخت نہ ہوتا ہو یا اس کی قیمت نہ ادا کر سکتا ہو تو اسے دس روزے رکھنے پڑیں گے جن کے منجملہ تین روزے ایام حج میں اور باقی سات روزے گھر واپس آ کر رکھے، اور افضل یہ ہے کہ تین روزے یوم عرفہ کے آخری تین دنوں میں رکھے جائیں۔ اگر تین روزے یوم نحر سے پہلے نہیں رکھے تو یوم عید کے تین دنوں میں قیام منیٰ کے دوران رکھے۔ اس کے لیے کوئی قربانی نہیں ہے۔ اگر ایام منیٰ میں (تین روزے) نہ رکھے تو پورے دس دن کے روزے رکھے اور چونکہ واجبات حج میں سے ایک واجب میں مقررہ وقت سے زیادہ تاخیر ہوئی ہے اس لیے اس کی قربانی دے اور تین دن کے یہ روزے حج کا احرام باندھنے سے پہلے بھی رکھے جا سکتے ہیں جبکہ عمرہ کا احرام بندھا ہو۔ عمرہ کا احرام باندھنے سے پہلے ان روزوں کا رکھنا جائز نہیں ہے۔ اور ان تین دنوں کے روزے واجب ہونے کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب قربانی واجب ہوتی ہے، یعنی یوم نحر کی صبح کے طلوع ہونے سے۔ باقی سات روزے جو ہیں ان کو حج کا احرام باندھنے اور اس سے فارغ ہونے سے پہلے رکھنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح منیٰ کے دنوں میں بھی اور منیٰ کے ایام گزرنے کے بعد طواف زیارت سے پہلے بھی صحیح نہیں ہے۔ ہاں طواف زیارت اور سعی کے بعد روزے رکھے تو درست ہے۔ اور ان تین روزوں اور سات روزوں کو مسلسل رکھنا واجب نہیں ہے اور نہ یہ واجب ہے کہ جدا جدا رکھے جائیں۔ اور جب یہ روزے (جو قربانی کی بجائے رکھے جاتے ہیں) رکھے جانے کے بعد قربانی میسر ہو جائے تو اب مڑ کر کو قربانی کرنا واجب نہیں ہے۔ ہاں اگر ہنوز روزہ شروع نہیں کیا تو اختیار ہے چاہے تو مڑ کر قربانی کرے یا روزہ ہی رکھ لیا جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ احرام کا ارادہ کرنے والے کو افراد یا قران یا تمتع کا اختیار ہے، البتہ حج قران باقی دونوں سے افضل ہے۔ اور تمتع افراد سے بہتر ہے۔ یاد رہے کہ قران کا افضل ہونا اسی حالت میں ہے جبکہ ممنوعاتِ احرام میں سے کسی امر ممنوع کے سرزد ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو، کیونکہ حج قران میں لمبے عرصہ تک حالتِ احرام میں رہنا ہوتا ہے۔ اگر ایسی بات کے سرزد ہونے کا اندیشہ ہو تو تمتع ہی سب سے افضل ہے، کیونکہ اس میں حالتِ احرام کے اندر تھوڑے ہی دن رہنا ہوتا ہے۔ اور اس میں انسان کے لیے اپنے نفس پر قابو رکھنا آسان ہے۔

افراد یہ ہے کہ صرف حج کے لیے احرام باندھا جائے۔

قران کے معنی لغت میں دو اشیاء کو جمع کرنے کے ہیں اور اصطلاح شرع میں اس سے مرادِ حج اور عمرہ کو جمع کرنے کا احرام ہے، یہ جمع کرنا حقیقی طور پر ہو یا حکمی طور پر۔ حقیقی طور پر جمع کرنا یہ ہے کہ ایک ہی وقت اور ایک ہی احرام میں دونوں (حج وعمرہ) کو جمع کیا جائے اور حکماً جمع کرنا یہ ہے کہ حج کا احرام عمرہ کے احرام کے بعد ہو، پھر ان کے افعال کو اکھٹا بجالایا جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے عمرہ کا احرام باندھا جائے پھر قبل اس کے کہ طواف عمرہ کے چار پھیرے لگائے جائیں حج کا احرم بھی باندھ لیا جائے۔ اگر حج کا احرام طواف عمرہ کے چار چکر لگانے کے بعد باندھا تو اس صورت میں ''قران'' نہ ہوگا، بلکہ یہ حج تمتع ہوگا، وہ بھی اس حالت میں جب کہ عمرہ کا طواف ایام حج میں واقع ہوا ہو۔ بصورت دیگر نہ یہ حج قران ہو گا اور نہ حج تمتع ہو گا۔ ہاں اگر پہلے حج کا احرام باندھا پھر طواف قدوم سے پہلے عمرہ کی نیت کر لی تو وہ بھی قران ہو جائے گا

Marfat.com

لیکن ناقص صورت میں، لہٰذا اس کے لیے طواف قدوم کے بعد قربانی دینا ہوگی، جیسا کہ عمرہ کے بیان میں بتایا گیا۔ قران کا احرام میقات پر باندھا جائے یا اس سے پہلے وہ احرام صحیح ہوگا، لیکن میقات سے بغیر احرام کے آگے بڑھنے پر قربانی لازم ہو گی، بجز اس کے کہ احرام باندھ کر پھر وہاں لوٹ کر آئے (جہاں میقات ہے تو قربانی واجب نہ ہوگی)۔ ہر چند کہ (قارن کا) ایام حج اور اس سے پہلے بھی احرام باندھنا درست ہے لیکن ایام حج سے پہلے احرام باندھنا فعل مکروہ ہے۔ حج وعمرہ کے باقی اعمال کا ایام حج میں واقع ہونا ضروری ہے۔ یعنی عمرہ کا پورا طواف یا اس کے بیشتر پھیرے اور عمرہ وحج کی سعی کا ایام حج کے اندر رہنا لازم ہے۔ اور سنت یہ ہے کہ (حج قران کا احرام باندھنے کے لیے) یہ کہے: ''اللّٰھم انی ارید العمرة والحج فیسر ھما لی وتقبلھما منی '' (یعنی یاالٰہی میں نے عمرہ اور حج کا ارادہ کیا ہے ان کو میرے لیے آسان کر دے اور عمرہ وحج قبول فرمالے) نیز مستحب یہ ہے کہ نیت میں عمرہ کا نام پہلے آئے جیسے اس کو انجام دینے میں عمرہ کو پہلے کرنا واجب ہے، کیونکہ محض اعمال حج عمرہ کے لیے کافی نہیں ہیں، لہٰذا واجب ہے کہ پہلے عمرہ کے لیے سات پھیرے کرے اور ابتدائی تین پھیروں میں رمل کرے (یعنی شانوں کو ہلاتے ہوئے تیز قدم چلے) جب کہ یہ طواف یا اس کے بیشتر پھیرے (لازمی طور پر) ایام حج میں واقع ہوں، جیسا کہ اوپر کئی بار بتایا گیا ہے۔ اگر عمرہ کا طواف کرتے ہوئے حج کے طواف کی نیت کی تب بھی وہ عمرہ ہی کا طواف ہوگا، کیونکہ جب طواف اپنے مقررہ وقت میں کیا جائے تو وہ ہو جاتا ہے نیت ہو یا نہ ہو۔ طواف کے بعد عمرہ ہی کے لیے سعی کی جائے۔ عمرہ کے اعمال یہاں پر ختم ہو جاتے ہیں، لیکن چونکہ حج کا احرام بندھا ہوتا ہے اس لیے تحلل نہ کیا جائے (یعنی سر منڈا کر ممنوعات احرام سے بے نیاز نہ ہو جائے) بلکہ تحلل کو اعمال حج سے فارغ ہونے تک توقف میں ڈال رکھے۔ اگر اس سے پہلے سر منڈا لیا تو دو قربانیاں لازم ہوں گی، کیونکہ دو احراموں کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ غرض اعمال حج کی انجام دہی عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد شروع کی جائے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ پس اگر (عمرہ کا) محض طواف کیا پھر حج کا طواف کر لیا اور حج کا طواف کرنے کے بعد عمرہ کی سعی کی اور پھر حج کی سعی کی تو (قران) صحیح ہو جائے گا، لیکن یہ طریقہ برا ہے تاہم اس پر قربانی واجب نہ ہوگی۔

قران (کے صحیح ہونے) کی سات شرطیں ہیں: اول یہ ہے کہ حج کا احرام عمرہ کا پورا طواف یا اس کے بیشتر پھیرے کرنے سے پہلے باندھا جائے۔ اگر طواف عمرہ کے بیشتر پھیرے کرنے کے بعد احرام حج باندھا تو وہ حج قران نہ ہوگا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ حج کا احرام اس وقت باندھا جائے جب کہ عمرہ فاسد نہ ہوا ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عمرہ کا طواف یا اس کے بیشتر پھیرے وقوف بعرفات سے پہلے کر لیے جائیں۔ اگر عمرہ کا طواف نہ کیا گیا اور زوال آفتاب کے بعد عرفہ میں وقوف کر لیا تو عمرہ جاتا رہا اور قران باطل ہو گیا اور عمرہ کی قربانی جو لازم تھی وہ ساقط ہو گئی۔ ہاں اگر طواف کے بیشتر پھیرے کر لیے گئے اس کے بعد عرفہ میں وقوف کیا تو چاہیے کہ طواف زیارت سے پہلے بقیہ طواف پورے کر لیے جائیں۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں مفسدات سے محفوظ ہوں، لہٰذا مثلاً اگر وقوف بعرفہ سے پہلے فعل جماع سرزد ہو گیا اور ہنوز طواف عمرہ کے بیشتر پھیرے نہ ہوئے تھے تو قران باطل ہو جائے گا اور قربانی ساقط ہو جائے گی۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ عمرہ کا پورا طواف یا اس کے بیشتر پھیرے ایام حج کے اندر انجام پائے ہوں، اگر طواف کے

Marfat.com

بیشتر پھیرے ایام حج آنے سے پہلے کیے گئے تو قران نہ ہوگا۔
چھٹی شرط یہ ہے کہ (قران کرنے والا) مکہ کا باشندہ نہ ہو، لہٰذا کسی اہل مکہ کا قران درست نہ ہوگا جب تک کہ وہ ایام حج سے پہلے مکہ سے کسی اور علاقہ میں نہ چلا گیا ہو۔
ساتویں یہ کہ وہ حج فوت نہ ہو، اگر حج فوت ہوگیا تو وہ قارن نہ رہے گا اور قربانی ساقط ہوجائے گی۔
صحت قران کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ اپنے اہل کے ساتھ لمم (یعنی معمولی اختلاط یا قابل نظر انداز گناہ) بھی نہ ہو، لہٰذا اگر کسی نے عمرہ کا طواف کرلیا اور طواف کے بعد بغیر تحلل کے اپنے وطن واپس آگیا تو ''قران'' باقی رہے گا۔
اصطلاح شرع میں تمتع یہ ہے کہ ایام حج میں احرام باندھا جائے یا اس سے پہلے باندھا جائے لیکن طواف عمرہ کے بیشتر پھیرے ایام حج کے آجانے پر کیے جائیں۔ اس کے بعد حج کا احرام ایک ہی سفر میں باندھا جائے۔ وہ سفر حقیقی معنوں میں ایک ہو یا حکماً (شرعاً) اسے ایک سفر مانا گیا ہو، بایں طور کہ عمرہ کے بعد یا تو قطعاً اپنے شہر میں واپس نہ آیا ہو (یہ حقیقی معنوں میں ہوا) یا اپنے شہر میں آگیا ہو لیکن اس کا پھر مکہ میں دو باتوں کے لیے واپس آنا مطلوب ہو۔ ایک بات یہ ہے کہ اس نے قربانی بھیج دی ہو۔ ایسی صورت میں یوم نحر سے پہلے تحلل ممنوع ہے۔ دوسری یہ کہ وہ سر منڈانے سے پہلے اپنے شہر میں چلا آیا ہو۔ اس حالت میں اسے تکمیل کے لیے پھر حرم میں واپس آنا قطعی ہے، کیونکہ سر منڈوانا علاقۂ حرم ہی میں واجب ہے اور اس طرح اپنے گھر آجانے کو المام غیر صحیح کہا جاتا ہے (یعنی معمولی سا نا قابل گرفت گناہ)۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے ہدی (قربانی کا جانور) روانہ کیے بغیر عمرہ کیا اور سر منڈائے بغیر اپنے شہر میں واپس آگیا تو اس کا احرام باقی رہے گا۔ اب اگر اس نے اپنے شہر میں سر نہیں منڈایا اور حج کے لیے واپس آگیا تو اس کا حج تمتع ہوجائے گا، کیونکہ اس کا اپنے اہل میں آنا صحیح معنوں میں ''لمم'' نہیں ہے۔ البتہ اگر اپنے شہر میں آکر سر منڈالیا تو تمتع باطل ہوجائے گا۔ اگر قربانی کا جانور روانہ کرنے کے ساتھ عمرہ کیا تو اس صورت میں یا تو اس کی قربانی یوم نحر تک ملتوی رکھی جائے گی یا ملتوی نہ رکھی جائے گی۔ اگر یوم نحر تک اسے ملتوی رکھا تو تمتع صحیح ہوگا اور اس جانور کی قربانی کے سوا اور کچھ اس پر واجب نہ ہوگا، خواہ وہ اپنے گھر واپس آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ اور اگر اس نے اپنی قربانی کے ذبح کرنے میں جلدی کی اور اپنے گھر واپس آگیا تو اس پر مطلقاً کچھ واجب نہیں ہے، خواہ اس سال حج کرے یا نہ کرے، لیکن تمتع باطل ہوجائے گا۔ اور اگر اپنے گھر واپس نہیں آیا اور اس سال حج نہ کیا تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔ اور اگر حج کیا تو دو قربانیاں لازم ہیں، ایک تو حج تمتع کی قربانی اور دوسری وقت سے پہلے تحلل کی قربانی۔
واضح ہو کہ تمتع کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ عمرہ کا پورا طواف یا اس کے بیشتر پھیرے ایام حج میں انجام پائیں۔ اور یہ کہ عمرہ کا احرام حج کے احرام سے پہلے باندھا جائے اور یہ کہ طواف عمرہ کے تمام یا بیشتر پھیرے احرام حج سے پیشتر کرلیے جائیں اور یہ کہ عمرہ فاسد نہ ہوا ہو اور یہ کہ حج فاسد نہ ہوا ہو اور یہ کہ اپنے اہل کے ساتھ صحیح معنوں میں المام نہ کیا گیا ہو، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اور یہ کہ حج اور عمرہ ایک ہی سال میں ادا کیے جائیں۔ چنانچہ اگر عمرہ کا طواف ایام حج میں کرلیا گیا لیکن حج دوسرے سال میں کیا تو یہ ''حج تمتع'' نہ ہوگا، اگرچہ وہ گھر میں نہ آیا ہو اور اگلے سال تک احرام ہی میں رہا ہو۔ اور یہ کہ وہ مکہ کا باشندہ نہ ہو، لہٰذا اگر عمرہ کیا پھر مستقل طور پر مکہ میں ٹھہرنے کا ارادہ کرلیا تو تمتع نہ ہوگا۔ اگر ایسا ارادہ نہ کیا ہو تو حج تمتع ہوجائے گا۔ اور یہ کہ ہنوز ایام حج نہ آئے ہوں اور وہ مکہ میں بغیر احرام کے مقیم ہو۔ ایسی صورت میں اہل مکہ کی طرح اس کا حج تمتع نہ ہوگا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ ہنوز ایام حج نہ آئے ہوں اور وہ مکہ میں احرام کے

Marfat.com

ہے جو پانچ سال کا ہوکر چھٹے سال میں داخل ہوگیا ہو۔ اور گائے بیل وہ جائز ہیں جو دو سال پورے کر کے تیسرے میں داخل ہوں۔ اس بارے میں مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ۔[1] اور بھیڑ بکری میں جو جانور جائز ہیں ان کی تفصیل بموجب مسالک مختلفہ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[2]

ساتھ مقیم ہو لیکن طواف عمرہ کے بیشتر پھیرے ایام حج کے علاوہ اور دنوں میں کیے ہوں۔

تمتع کرنے والے کو چاہیے کہ جب عمرہ کے اعمال سے فارغ ہو جائے تو سر منڈوا کر یا بال کترا کر حلال ہو جائے (یعنی احرام کی پابندیوں سے الگ رہے) یہاں تک کہ آٹھویں تاریخ کو حج کا احرام باندھے۔ اس تاریخ کو یوم ترویہ کہتے ہیں، کیونکہ اہل مکہ کے احرام باندھنے کا یہ دن ہے۔ اس احرام میں نویں تاریخ، یعنی یوم عرفہ تک تاخیر کرنا جائز ہے۔ درآنحالیکہ عرفات میں وقوف کرنا اس کے وقت میں ممکن ہو۔

حج قران کرنے والے اور حج تمتع کرنے والے دونوں پر قربانی واجب ہے۔ یہ قربانی جمرۂ عقبہ پر کنکریاں مارنے کے بعد ذبح کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى ، فمن لم يجد فصيام ثلاثة ايام في الحج وسبعة اذا رجعتم تلك عشرة كامله**''۔ اس بارے میں قران اور تمتع دونوں کا ایک حکم ہے، یعنی اگر قربانی میسر ہو تو قران والے پر تمتع والے کی طرح قربانی واجب ہے، اگر قربانی میسر نہ ہو تو تین دن کے روزے واجب ہیں گو متفرق طور پر رکھے جائیں، گو افضل یہی ہے کہ متواتر رکھے جائیں اور ایام حج کے اندر ہوں، بشرطیکہ عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد ہوں۔ احرام سے پہلے ان روزوں کا رکھنا جائز نہیں ہے۔ ان کے علاوہ مزید سات روزے اعمال حج سے فارغ ہونے کے بعد واجب ہیں۔ ان کو بھی مسلسل رکھنا افضل ہے۔ نیز تین روزوں میں یہاں تک تاخیر کرنا افضل ہے کہ عید میں تین دن سے زیادہ باقی نہ رہے ہوں۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ اگر ان ایام سے پہلے قربانی کا جانور میسر ہو جائے تو قربانی کی جائے اور روزہ رکھنے کی ضرورت ہی نہ رہے۔ باقی رہے سات دنوں کے روزے سو وہ حج سے فارغ ہونے کی بعد جب جی چاہے بجز ایام ممنوعہ کے، مثلاً ایام تشریق، رکھے جائیں۔ ان ایام میں روزے رکھے تو وہ جائز شمار نہ ہوں گے۔ اور اگر تین دن کے روزے نہ رکھے گئے اور یوم نحر آ گیا تو اب صرف روزے جائز ہیں، قربانی نہیں کی جا سکتی۔ اگر قربانی کا مقدور نہ ہو تو حلال ہو جائے (یعنی ممنوعات احرام سے سبکدوش ہو جائے)۔ ایسے شخص پر دو قربانیاں رہیں گی: ایک تو قران یا تمتع کی اور دوسری قربانی سے پہلے حلال ہو جانے کی۔ اگر کوئی شخص بال منڈا کر یا کترا کر حلال ہونے سے پہلے قربانی کرنے کے قابل ہو سکے تو اس کا روزہ رائیگاں گیا، اسے چاہیے کہ قربانی کرے۔ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ جو شخص حرم میں رہتا ہے اس کا قران اور تمتع کرنا درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**ذالک لمن لم يكن اهله حاضرى المسجد الحرام**'' حاضرین مسجد حرام وہ لوگ ہیں جو مواقیت حج کے اندر اور حرم کے علاقہ کے رہنے والے ہیں۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ گائے بیل میں اس کی قربانی جائز ہے جو تین سال پورے کر کے چوتھے میں داخل ہوا ہو، خواہ ایک ہی دن زیادہ ہو۔

۲۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ بھیڑ یا دنبہ میں صحیح ترین قول کے مطابق وہ جزع (بزغالہ) جو سال بھر کا ہو گیا ہو جائز ہے۔

Marfat.com

ہدی کی قسموں کا بیان

ہدی (قربانی حرم) کی تین قسمیں ہیں: پہلی قسم: وہ قربانی جو حج اور عمرہ کے اعمال واجب میں سے ہے، جیسے تمتع یا قران کی قربانی۔ حنفیہ اس کو "دم شکر" (یعنی شکرانہ کی قربانی) کہتے ہیں۔ اسی میں وہ قربانی بھی شامل ہے جو واجبات حج میں سے کسی واجب کے ترک ہو جانے پر لازم ہوتی ہے، اس کی تفصیل اوپر آچکی ہے۔

دوسری قسم کی وہ قربانی ہے جس کے کرنے کی نذر مانی گئی ہو۔ یہ بھی واجب ہے جبکہ نذر پوری ہو جائے۔

تیسری قسم تطوع (نفلی قربانی) جو احرام باندھنے والا نیکی سمجھ کر کرے۔

قربانی کے وقت اور قربانی کی جگہ کا بیان

قربانی کے وقت اور جگہ کے بارے میں مسالک مختلفہ تفصیل طلب ہیں: ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (1)

قربانی وغیرہ کے جانور میں سے کچھ کھانے کا بیان

اور چھ ماہ کا اس صورت میں جائز ہے کہ جس کے اگلے دو دانت گر چکے ہوں۔ اور بکری میں ثنی جائز ہے، یعنی وہ بچہ جو دو سال کا ہو گیا ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ بھیڑ کا وہ بچہ جائز ہے جو ایک سال کا ہو کر دوسرے میں داخل ہو گیا ہو، خواہ سال سے ایک ہی دن زیادہ ہو اور بکریوں میں وہ جانور جائز ہے جو ایک سال کا ہو کر دوسرے سال میں واضح طور پر داخل ہو گیا ہو مثلاً ایک ماہ زیادہ ہو گیا ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں بھیڑ وغیرہ چھ ماہ کی اور بکری وغیرہ پورے سال کی ہو تو قربانی جائز ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ بھیڑ ہو یا بکری سال بھر سے کم کا جانور جائز نہیں، البتہ بھیڑ اگر موٹی ہو تو آدھے سال کی بھی جائز ہے بشرطیکہ فربہی میں اس میں اور سال بھر کے جانور میں فرق نہ معلوم ہوتا ہو۔

ا۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ ہر قسم کی قربانی کے ذبح کرنے کا وقت عید کے دن نماز کے بعد سے شروع ہوتا ہے، خواہ ہنوز خطبہ نہ پڑھا گیا ہو، لیکن بہتر یہی ہے خطبہ کے بعد قربانی کی جائے۔ اس کا آخری وقت ایام تشریق کا دوسرا دن ختم ہونے تک ہے جس کو ایام نحر کا تیسرا دن کہا جاتا ہے۔ افضل یہ ہے کہ پہلے ہی دن قربانی کا جانور ذبح کیا جائے۔ اگر وقت آنے سے پہلے ہی کر دی گئی تو جائز نہ ہو گی، اس کے بدلے میں اور قربانی دینا ہو گی۔ وقت نکل جانے پر نفلی قربانی ساقط ہو جائے گی۔ قربانی واجب کی قضا لازم ہے۔ اور ذبح کرنے کی جگہ تمام حرم ہے، لہٰذا علاقہ حرم میں کسی جگہ پر بھی قربانی جائز ہے۔ لیکن عمرہ کرنے والے کے لیے افضل یہ ہے کہ مروہ کے قریب نحر کرے، حج کرنے والے کو منیٰ میں نحر کرنا چاہیے۔ لہٰذا اگر علاقہ حرم کے علاوہ کہیں اور نحر کیا تو جائز نہ ہو گا۔ ہاں اگر جانور تکان کے باعث چل نہ سکے (ناکارہ ہو جائے) تو اسی جگہ

Marfat.com

جہاں وہ ناکارہ ہوگیا ہو ذبح کر دیا جائے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ قربانی کے تین دن مقرر ہیں: عید کا دن اور اس کے بعد کے دو دن۔ یہ دن قران یا تمتع کی قربانی کے ہیں۔ اور اس قربانی کو جمرۂ عقبہ پر کنکریاں مارنے کے بعد ذبح کرنا چاہیے، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔ اگر ان ایام نحر کے بعد ذبح کیا تب بھی قربانی ہو جائے گی، لیکن اس تاخیر کے باعث بھی قربانی لازم ہوگی۔ قران اور تمتع کی قربانیوں کے علاوہ کسی اور قربانی کے ذبح کرنے کے لیے وقت کی کوئی پابندی نہیں ہے، لیکن ذبح بہرحال حرم میں ہونا چاہیے۔ جو قربانی ایام نحر میں ذبح کی جائے اسے منیٰ میں ذبح کرنا سنت ہے۔ اگر منیٰ کے علاوہ کسی اور جگہ ذبح کیا جائے تو اس کے لیے افضل جگہ مکہ ہے۔ البتہ "نذر" کی قربانی اگر بدنہ (اونٹ) ہو تو اسے حرم میں ذبح کرنے کی پابندی نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نذر سے واجب ہونے والی قربانی اس وقت سے واجب ہو جاتی ہے جب نذر مانی جائے اور نفلی قربانی کا وقت عید کے دن آفتاب طلوع ہونے کے بعد اتنی دیر گزر جانے پر شروع ہوتا ہے جس میں عید کی نماز مع دو معتدل خطبوں کے ہو سکے اور یہ وقت ایام تشریق کے آخری دن کا آفتاب غروب ہونے تک رہتا ہے۔ ان اوقات کے درمیان رات یا دن میں سے کسی وقت بھی قربانی ذبح کی جا سکتی ہے، لیکن رات کو ذبح کرنا مکروہ ہے، ہاں کوئی ضرورت لاحق ہو مثلاً قربانی کا گوشت کھانے کے لیے محتاج اشخاص رات کو آ جائیں۔

اگر قربانی کا مذکورہ وقت فوت ہو جائے یعنی ایام تشریق گزر جائیں۔ اور نذر کی قربانی رہ گئی ہے تو اس کی قضا لازم ہے ورنہ وقت تو نکل ہی گیا ہے، اب اگر ذبح بھی کیا تو وہ ہدی (قربانی دوران حج کی) متصور نہ ہوگی۔ صرف گوشت (کا صدقہ) ہوگا۔ اور وہ قربانی جو افعال حج کے دوران کسی امر ممنوع کے سرزد ہونے پر واجب ہوتی ہے، اس کا وقت اس امر کے سرزد ہونے کے بعد ہی شروع ہوتا ہے۔ البتہ امر فوت شدہ کے عوض جو قربانی واجب ہوتی ہے اس کا وقت وہ ہے جب اس فوت شدہ امر کی قضا کی جائے۔ اور متمتع پر جو قربانی واجب ہوتی ہے اس کا وقت حج کا احرام باندھنے کے وقت ہو جاتا ہے۔ اور اگر عمرہ سے فارغ ہوتے ہی احرام حج سے پہلے ہی قربانی کر دی گئی تو جائز ہے۔ اس کا آخری وقت کوئی نہیں ہے۔ افضل یہ ہے کہ یہ قربانی یوم نحر میں کی جائے۔ اس کے ذبح کرنے کی جگہ علاقہ حرم ہے، اس کے علاوہ کسی اور جگہ ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور ہدی کا نحر علاقہ حرم کے کسی بھی حصہ میں کیا جا سکتا ہے۔ البتہ عمرہ کرنے والے کے لیے سنت یہ ہے کہ مکہ میں نحر کرے، کیونکہ عمرہ کے تحلل کی جگہ یہی ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ مروہ کے قریب قربانی کی جائے۔ اور محصر (جسے حج کی راہ میں رکاوٹ ڈال دی گئی ہو) کے لیے ذبح کرنے کی جگہ وہ ہے جہاں پر اس کو روکا گیا ہو۔ اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ قربانی حرم میں بھیج دے۔ حج کرنے والے کے لیے سنت یہ ہے کہ قربانی منیٰ کے مقام پر کی جائے، کیوں کہ حاجیوں کے تحلل کی جگہ وہی ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ہدی کے نحر کا وقت عید کے دن سے شروع ہوتا ہے، اور مستحب یہ ہے کہ رمی جمرۂ عقبہ کے بعد ہو، اور رمی کا وقت یوم نحر کی صبح نمودار ہونے پر آ جاتا ہے۔ اس میں اتنی تاخیر مستحب ہے کہ سورج طلوع ہو جائے، جیسا کہ مستحبات حج کے بیان میں بتایا گیا۔ اس کا وقت عید کے ایام میں سے تیسرا دن ختم ہونے تک رہتا ہے۔ غرض قربانی کے تین دن ہیں: عید کا دن اور اس کے بعد کے دو دن۔ اگر یہ دن گزر جائیں تب بھی ذبح کرنا چاہیے، اور ذبح کرنے کی جگہ منیٰ ہے۔ اس کی تین شرطیں ہیں:

Marfat.com

قربانی کرنے والے کو قربانی میں سے کچھ کھانا جائز ہے۔اس بارے میں مسالک مختلفہ کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (1)

اول یہ کہ اس ہدی کو احرام حج کی حالت میں روانہ کیا گیا ہو۔

دوسری شرط یہ کہ ہدی کے ساتھ یوم نحر کی رات کے کسی حصہ میں عرفہ کے اندر قیام رہا ہو، یا اس ہدی کا قیام عرفہ کے علاوہ حل کے علاقہ، مثلاً تنعیم میں رہا ہو۔ واضح ہو کہ حاجی (اگر کسی کو اپنا نائب بنا دے تو اس) کے نائب کا قیام اس کے اپنے قیام کے قائم مقام ہے۔

تیسری شرط یہ کہ مذکورہ بالا تین دن کے اندر قربانی کا ارادہ بھی رہا ہو۔ اگر ان شرائط میں سے ایک شرط بھی رہ گئی، مثلاً یہ کہ ہدی کو (احرام حج کے دوران نہیں بلکہ) احرام عمرہ کے دوران بھیجا یا اسے مکہ میں خریدا اور یوم نحر کی شب کو نہ وہ خود عرفہ میں ٹھہرا اور نہ اس کا نائب، یا ان تین دنوں کے بعد ذبح کرنے کا ارادہ کیا تھا تو ایسی قربانی کو ذبح کرنے کی جگہ صرف مکہ ہے۔ کسی اور جگہ ذبح نہیں کی جاسکتی۔ اس کو مکہ کے تمام علاقہ میں سے کسی جگہ بھی ذبح کیا جاسکتا ہے، تاہم افضل یہ ہے کہ مروہ کے قریب ذبح کیا جائے۔ اگر شرائط مندرجہ بالا پوری ہونے کے باوجود (منٰی کو چھوڑ کر) مکہ میں ذبح کیا تو قربانی ہو جائے گی لیکن گناہ ہوگا کیونکہ منٰی میں ذبح کرنا جو واجب تھا وہ ترک ہو گیا۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ قران اور تمتع کی قربانی جسے شکریہ کی قربانی کہا جاتا ہے، قربانی کرنے والے کو اس میں سے کچھ کھانا مستحب ہے، جس طرح نفلی قربانی کا گوشت کھانا مستحب ہے۔ لیکن اگر قربانی کا جانور اپنی جگہ پر پہنچنے سے پہلے ناکارہ ہو جائے (یا تھک کر رہ جائے) تو اسے وہیں پر جہاں وہ چلنے سے رہ گیا ہے ذبح کر دینا واجب ہے، اور اس کے گلے کے قلادہ کو اس کے خون میں لتھیڑ کر وہیں پر چھوڑ دیا جائے، تاکہ فقراء کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ نفلی قربانی کا جانور ہے۔ نذر کی قربانی کا گوشت کھانا (قربانی کرنے والے کو) جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ صدقہ ہے اور فقراء کا حق ہے۔ اگر اس کے گوشت میں سے کچھ کھا لیا تو اس قدر گوشت کی قیمت فقیروں کو ادا کرنا چاہیے۔ اور جس قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ اس کے تین حصے کیے جائیں، ایک تہائی کھایا جائے۔ ایک تہائی صدقہ میں دیا جائے اور باقی ایک تہائی ہدیہ کے طور پر دیا جائے، جیسا کہ قربانی کے گوشت میں ہوتا ہے۔ قربانی دینے والے کو چاہیے کہ جانور کی جھول، ہڈی اور کھال سب صدقہ کر دے اور قصاب کو گوشت بنانے کی اجرت میں گوشت نہ دیا جائے۔ ہدی کے جانور کا دودھ جائز نہیں ہے، اگر اس کا دودھ لیا تو اس کی قیمت فقراء کو دے دی جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ حج اور عمرہ کی قربانی، اور شکار کے تاوان کی قربانی اور فدیہ اذی (پابندی احرام کو توڑنے کے تاوان) میں سے کچھ تو وہ ہیں جن کا کھانا جائز ہے اور کچھ وہ ہیں جس میں سے کچھ کھانا (قربانی والے کو) جائز نہیں ہے۔ اب ان کے استعمال میں لانے کے لحاظ سے ان کی چار قسمیں ہیں:

پہلی قسم وہ ہے جس کا کھانا مطلقاً جائز نہیں ہے، خواہ وہ ہدی اس مقررہ جگہ پر جہاں اسے ذبح کیا جانا ہے صحیح سالم پہنچ

Marfat.com

جائے، مثلاً منیٰ یا مکہ، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ یا مقررہ جگہ پر پہنچنے سے پہلے وہ چلنے سے رہ جائے اور اسے راستہ ہی میں ذبح کرنا پڑے۔ یہ تین حالتوں سے خالی نہ ہوگا: یا تو وہ جانور نذر معین کا ہوگا جس کے لیے دل اور زبان سے یہ نیت کی گئی ہو کہ یہ (مخصوص جانور) مسکینوں کے لیے ہے بایں طور کہ قربانی کرنے والا کہے کہ میں اس جانور کو اپنی طرف سے اللہ کی راہ میں مسکینوں کے لیے نذر کرتا ہوں، یا یوں کہے کہ یہ میری طرف سے اللہ کے لیے نذر ہے اور نیت یہ ہو کہ یہ محتاجوں کے لیے ہے۔ یا وہ جانور نفلی قربانی کا ہوگا اور اسے محتاجوں کے لیے خاص کیا گیا ہوگا یا پھر فدیہ اذی ہو جس میں ہدی کی نیت نہ ہوگی۔ ان تینوں صورتوں میں قربانی والے کو اس میں سے کچھ کھانا حرام ہے۔ نذر معین میں سے جس کو مسکینوں کے لیے خاص کیا گیا ہے کھانا اس لیے حرام ہے کہ وہی جانور خصوصیت کے ساتھ مسکینوں کے لیے ذبح کیا جانا تھا۔ اب اگر وہ ناکارہ ہو کر قربانی کی جگہ پر نہ پہنچ سکا تو اس کا بدلہ لازم نہیں ہے، لہٰذا اس میں کھانا جائز ہے۔ ہاں اگر وہ اپنی جگہ پر صحیح سالم پہنچ جاتا تو اس میں سے کھانا جائز نہ ہوتا، کیونکہ اسے محتاجوں ہی کے لیے قربان کیا جانا تھا۔ اسی طرح نفلی قربانی میں سے بھی کچھ کھانا اس امر کے پیش نظر کہ وہ محتاجوں کے لیے تھی مطلقاً حرام ہے۔ اور ہدی اذی جس میں قربانی کا ارادہ نہ ہو وہ اس آسائش کا تاوان ہے جو محرم کو (پابندی احرام توڑ کر) گرد وغبار یا چیکٹ وغیرہ کو دور کرنے سے حاصل ہوتی ہے، اس فدیہ میں سے بھی کچھ کھانا جائز نہیں ہے۔

اور وہ قسم جس کا کھانا جائز ہے وہ جانور ہے جو اپنی (قربانی کی) جگہ پر پہنچنے سے پہلے ازکار رفتہ ہو جائے (اور اسے ذبح کرنا پڑ جائے)۔ نذر غیر معین بھی اسی قسم کی ہوتی ہے جب کہ (جانور کا تعین کیے بغیر) محتاجوں کے لیے قربانی کی نذر مانی ہو، بایں طور کہ کہے میں اللہ کے واسطے محتاجوں کے لیے ایک قربانی کی نیت کرتا ہوں۔ یہ قربانی اور فدیہ اذی میں جب قربانی کی نیت کی جائے اور شکار کے تاوان کی قربانی، ان تینوں صورتوں میں اگر جانور مقام ذبح پر پہنچنے سے پہلے ازکار رفتہ ہو جائے تو اس کو (ذبح کر کے) کھانا جائز ہے، کیونکہ ان صورتوں میں اس کے بدلہ میں قربانی دینا واجب ہے۔ ہاں اگر وہ صحیح سالم (ذبح) پر پہنچ جائے تو اس کا گوشت کھانا جائز نہ ہوگا، کیونکہ (ایسا جانور) بحیثیت نذر ہونے کے مسکینوں کا حق ہے اور بحیثیت تاوان کے وہ راحت طلبی کا معاوضہ ہے اور بحیثیت جزا کے وہ شکار کی قیمت ہے (یعنی کوئی صورت اس کے استعمال کے لیے وجہ جواز نہیں ہے)۔

تیسری قسم وہ ہے جس کا کھانا ذبح کی جگہ پر پہنچنے سے پہلے جائز نہیں ہے۔ مکان ذبح پر پہنچ کر ذبح کیا جائے تو جائز ہے، اور یہ نفلی قربانی اور نذر معین کے ایسے جانور ہیں جن کو پورا غریبوں کے لیے خاص نہ کیا گیا ہو۔ ان دونوں قسموں کے لیے جانوروں کا محل ذبح پر پہنچنے سے پہلے کھانا جائز نہیں ہے، کیونکہ ان کے بدلے جانور قربان کرنا واجب نہیں ہے۔ اگر اس کا کھانا جائز ہوتا تو یہ الزام لگ سکتا تھا کہ ذبح یا نحر کی جگہ پر پہنچنے سے پہلے ان کو ازکار رفتہ ہو جانے کا سبب بنایا گیا ہے، تاکہ ان کا گوشت کھایا جا سکے، ہاں جب وہ اپنی جگہ پر پہنچ جائیں (بعد ذبح) ان کا گوشت کھایا جا سکتا ہے، کیونکہ ان کو مسکینوں کے لیے مخصوص نہیں کیا گیا۔

چوتھی قسم وہ ہے جس کا کھانا قربانی والے کو مطلقاً جائز ہے، خواہ انھیں اپنی جگہ پر پہنچ کر ذبح کیا جائے یا اس سے پہلے۔ قربانی کے یہ جانور متذکرہ سابقہ تین اقسام کے علاوہ ہیں، مثلاً قربانی جو واجبات حج میں سے کسی واجب کے ترک ہو

Marfat.com

جانے پر واجب ہوتی ہے، اور نذر غیر معین کی قربانی جب کہ وہ مسکینوں کے لیے مخصوص نہ کی گئی ہو۔ نیز قران اور تمتع کی قربانیاں، ان تمام قربانیوں کا گوشت کھانا مطلقاً جائز ہے اور جس کا کھانا جائز ہے اس کو بچا کر رکھنا اور امیر وغریب (بلاتفریق) سب کو کھلانا بھی جائز ہے۔ لیکن اگر کوئی قربانی دینے والا ایسی قربانی کا گوشت کھائے جس کا کھانا اسے منع ہے تو لازم ہے کہ اس کھانے کے عوض پوری قربانی دی جائے۔ البتہ اگر نذر معین (کی قربانی) میں سے جو مسکینوں کے لیے مخصوص تھی کھایا تو بقول معتمد جس قدر کھایا ہے اتنا تاوان دینا ہوگا۔ (قربانی کے) جانور کی باگ ڈور اور جھول جو اس پر ڈالی ہوئی ہو اس کا وہی حکم ہے جو اس کے گوشت کا ہے یعنی جسے گوشت کھانا جائز نہیں ہے اسے اس کی رسی اور جھول کا لینا بھی جائز نہیں ہے، بلکہ چاہیے کہ اسے بھی گوشت کی طرح فقراء کو دے دیا جائے۔ اگر کسی نے خود لیا ہے اور ابھی تک باقی ہے تو فقیروں کو دے دے اور ضائع ہو گیا ہو تو اس کی قیمت اس کے ذمہ ہے۔ جسے گوشت کھانا جائز ہے اسے قربانی کے جانور کی باگ دوڑ اور جھول کا لینا بھی جائز ہے۔ اور جب (نشان ہدی کے طور پر) قربانی کے جانور کے گلے میں قلادہ (لٹکن) باندھ دیا جائے یا اس کا شعار کیا جائے (یعنی مخصوص طریقہ سے زخم لگا دیا جائے) تو اب اس کے دودھ کا استعمال میں لانا مکروہ ہے، کیونکہ قلادہ باندھنے اور شعار کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے واسطے دیا جا چکا ہے۔ اور یہ (دودھ نکالنا) مکروہ اس حالت میں ہے جب کہ اس سے اس کے بچے یا خود اس کو نقصان دہ نہ ہو۔ اگر اس سے ضرر پہنچے تو (مکروہ نہیں بلکہ) حرام ہوگا۔ ہدی کے جانور پر بلاضرورت سوار ہونا یا سامان لادنا مکروہ ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ قربانی دینے والے کو نفلی قربانی کا گوشت کھانا، دوسروں کو تحفہ میں دینا اور صدقہ کرنا مستحب ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ تیسرا حصہ کھائے اور تیسرا حصہ یگانوں کو ہدیہ کرے اور تیسرا حصہ محتاجوں کو دے جیسا کہ (عید کی) قربانی میں کیا جاتا ہے۔

اگر سارا گوشت اپنے استعمال میں لایا گیا تو مسکینوں کے حصہ کا تاوان ادا کرے۔ اور وہ ہدی جو واجب ہے اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے، خواہ وہ نذر ماننے سے واجب ہوئی ہو یا خاص کر دینے کے باعث، بایں طور کہ یہ کہا ہو کہ یہ جانور قربانی حج کے لیے ہے یا اسے قلادہ پہنا دیا گیا ہو، یا اس کا شعار کیا گیا ہو۔ اس حکم سے تمتع اور قران کی قربانیاں مستثنیٰ ہیں، ان کا کھانا جائز ہے اگرچہ یہ قربانی واجب ہے۔ اگر ایسی قربانی کا گوشت کھایا جس کا کھانا جائز نہیں تھا تو اس کے عوض اتنا ہی گوشت مسکینوں کو دیا جائے۔ قربانی دینے والے کو قربانی کی کھال اور اس کی جھول کو بیچنا حرام ہے، لیکن اس کا استعمال کرنا جائز ہے۔ اسی طرح قصاب کو اجرت میں دینا حرام ہے۔ ہاں اس کا دودھ لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ دودھ اس کے بچوں سے فاضل ہو۔ اگر فاضل نہ ہو تو اس کا پینا حرام ہے اور جو پیا ہے اس کا تاوان دینا ہوگا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ قربانی دینے والے کو قربانی میں سے کچھ بیچنا جائز نہیں ہے، خواہ وہ قربانی واجب ہو یا نفلی ہو۔ قربانی واجب کو پورے کا پورا مع اس کی کھال کے صدقہ کر دینا واجب ہے۔ اس میں سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر نفلی قربانی ہو تو اس کی کھال کو ذاتی استعمال میں لانا اور اس کی چربی اور کچھ گوشت بچا کر رکھنا اور تحفہ کے طور پر دینا بھی جائز ہے، تاہم گوشت کا کچھ حصہ صدقہ میں دینا واجب ہے، خواہ تھوڑا سا دیا جائے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ایسا نہ ہو جسے گھٹیا خیال کیا جاتا ہے، اور یہ بھی چاہیے کہ کچا گوشت ہو۔ غرض جس جانور کا گوشت کھانا جائز ہے وہ نفلی قربانی ہے اور جس کا کھانا

Marfat.com

ہدی (قربانیٔ حج) کی شرطوں کا بیان

اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اس میں ایسا کوئی عیب نہ ہو جس کے باعث قربانی جائز نہیں رہتی، لہٰذا کانا یا اندھا یا سوکھا ہوا جانور یعنی ایسا دبلا ہو جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو اور نہ ایسا لنگڑا ہو کہ ٹھیک طور سے جیسا کہ اس کے ساتھ کے جانور چلتے ہیں نہ چل سکتا ہو۔ اور نہ اسے کوئی نمایاں مرض لاحق ہو وغیرہ۔ اس کی تفصیل قربانی کے بیان میں آگے آ رہی ہے۔

حج میں رکاوٹ پیش آنے یا اس کے فوت ہو جانے کا بیان

اس کو ''احصار'' اور فوات کہتے ہیں

احصار کے لغوی معنے رکاوٹ کے ہیں اور اصطلاحِ شرع میں اس کے معنے محرم کو رکن حج ادا کرنے سے پہلے ان اعمال (کی بجا آوری) میں رکاوٹ پڑنا جن کی بجا آوری واجب ہے، اور فوات سے مراد عرفہ میں وقوف کرنے سے رہ جانا ہے، اس کے متعلقہ مسائل کی تفصیل بموجب مسالک مختلفہ ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (۱)

جائز نہیں وہ قربانی واجب کا گوشت ہے۔

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اعمال حج کی بجا آوری سے روکنے والے اسباب کی دو قسمیں ہیں: ''شرعی اسباب'' اور ''حسی اسباب'' شرعی اسباب (مثلاً) یہ ہیں کہ عورت اپنے خاوند یا محرم سے احرام باندھنے کے بعد بوجہ طلاق یا موت کے محروم ہو جائے یا ایسی ہی کوئی اور بات مانع حج پیش آ جائے، مثلاً یہ کہ کسی عورت کا خاوند نفلی حج کے بجالانے سے منع کر دے۔ اسی طرح یہ بھی ایک سبب ہے کہ اخراجات حج سے محرومی ہو جائے، اور پیدل سفر کرنے کے قابل نہ ہو۔ اور حسی رکاوٹ کی مثال یہ ہے کہ کوئی دشمن یا اور کوئی شے اعمال حج کی بجا آوری میں احرام والے کی راہ میں آڑ بن جائے یا خود اسے کوئی مرض لاحق ہو جائے یا قید میں ڈال دیا جائے۔

''احصار'' کی صورت میں حکم یہ ہے کہ محصر کو چاہیے کہ (خود نہیں جا سکا تو) تو کوئی قربانی کا جانور یا اس کی قیمت کسی کے ہاتھ بھیج دے کہ اس کی طرف سے حرم کے اندر قربانی کر دے۔ اب اسے قربانی کے ذبح ہونے تک تحلل جائز نہ ہوگا۔ اس کے لیے واجب ہے کہ ذبح کے لیے کوئی خاص دن ذبح کے لیے (ہدی لے جانے والے کے ساتھ) مقرر کر لیا جائے تاکہ (اس دن کے گزرنے پر) قربانی کا ثبوت ہو جائے اور احرام کی مدت طویل نہ ہو۔ اگر اس قربانی کے ذبح ہونے سے پہلے ممنوعات احرام میں سے کوئی امر سرزد ہو جائے تو اس کی پاداش میں اس پر بھی وہی کچھ واجب ہوگا جو غیر محصر احرام باندھنے والے پر واجب ہوتا ہے۔ اگر احیاناً اس گمان میں کہ قربانی ہو چکی ہے اس روز تحلل کر لیا جس روز قربانی کے ذبح کرنے کا وعدہ تھا، بعد میں یہ معلوم ہوا کہ قربانی نہیں ہوئی تو احرام باقی رہے گا، البتہ وقت سے پہلے حلال ہونے کے عوض (ایک اور)

Marfat.com

قربانی لازم ہوگی۔ واضح ہو کہ بھیجی ہوئی قربانی کو وعدہ کے دن سے پہلے ذبح کرنا جائز ہے۔ اور محصر کے لیے تحلل کی خاطر سر منڈانا شرط نہیں ہے، اگر منڈا لے تو اچھا ہے۔ پھر اگر کوئی محصر ہدی بھیجنے کے بعد تحلل کر لے اور اس نے حج افراد کا احرام باندھا تھا تو اگلے سال اس پر حج اور عمرہ (دونوں کی) قضا لازم ہے درآنحالیکہ وہ رکاوٹ اس سال کا حج فوت ہونے سے پہلے دور نہ ہوئی ہو۔ اگر اس نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا تو اس کی بجائے دوسرا عمرہ کرنا اس کے ذمہ رہے گا۔ اگر اسے حج قران کرنا تھا تو (بصورت احصار) اسے دو قربانی دے کر تحلل کرنا چاہیے۔ اس پر دو عمرے اور ایک حج کرنا لازم ہو گا۔ یہ مسائل اس صورت میں ہیں جب کہ قربانی سے تحلل کیا ہو۔ اگر عمرہ کر کے تحلل کیا ہے اور نیت افراد کی تھی تو حج کی قضا کے سوا اور کچھ واجب نہیں ہے۔ اور اگر وہ ''قارن'' تھا تو اس پر صرف حج اور عمرہ کی قضا لازم ہے۔ اگر حج کی رکاوٹ جو پیش آئی تھی ہدی روانہ کرنے کے بعد دور ہوگئی تو اب یا تو یہ ممکن ہوگا کہ جس کے لیے احرام باندھا تھا اسے اور قربانی دونوں کے انجام دینے کا موقع مل جائے گا، یا ان دونوں میں سے کوئی ایک کام کیا جا سکے گا، یا پھر ان دونوں میں سے کوئی عمل نہ ہو سکے گا۔ اگر پہلی صورت امکان میں ہو تو لازم ہے کہ اعمال حج کی تکمیل میں مشغول ہو جائے اور قربانی جو جی چاہے کرے۔ اگر دوسری صورت ممکن ہو اور محض قربانی کا موقع مل سکا ہو تو اب فوت شدہ اعمال حج جس کا ارادہ تھا اس کی طرف توجہ دینا لازم نہیں ہے، اسے چاہیے کہ عمرہ کے بعد تحلل کرے۔ اور اگر اتنا موقع تھا کہ اعمال حج پورے کر سکے تو جائز ہے کہ اسے پورا کرنے میں لگ جائے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ تحلل کر لیا جائے۔ اگر تیسری صورت ہے (کہ نہ حج کے اعمال بجالانے کا وقت ہے نہ قربانی کا) تو عمرہ کر کے تحلل کر لے۔

اگر کسی شخص کا حج فوت ہو جائے، یعنی وقوف بعرفہ کا وقت گزر جانے کے بعد وقوف کیا تو چاہیے کہ طواف اور سعی کر کے تحلل کر لے اور آئندہ سال اس کی قضا کرے، اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے حج کا احرام باندھا اور کسی معذوری سے یا بغیر معذوری کے وقت کے اندر عرفہ میں وقوف نہ کیا، یہاں تک کہ یوم نحر کی صبح طلوع ہوگئی تو اس سال کا حج اس کے ذمہ سے جاتا رہا اور وہ احرام جو اس نے حج کے لیے باندھا تھا وہ عمرہ کا احرام ہو جائے گا بشرطیکہ اس نے یہ نہ چاہا کہ اگلے سال تک حالتِ احرام میں رہے، تاکہ اسی احرام سے اگلے سال حج کرے۔

واضح ہو کہ یہ احرام جو صورت سابقہ میں عمرہ کا احرام بن گیا وہ عمرۂ اسلام (یعنی شرعی عمرہ) کی ادائیگی کے لیے کافی نہ ہوگا (یعنی اس عمرہ کے ادا کرنے سے وہ عمرۂ شرعی جو ہر مسلمان پر واجب کفایہ ہے ادا نہ ہوگا) اور جس شخص کا حج فوت ہو گیا ہو اس پر فوت شدہ حج کی قضا لازم ہے خواہ وہ فوت شدہ حج نفلی رہا ہو۔ اور اس کے فوت ہونے کی پاداش میں اس پر ایک قربانی واجب ہے جسے اُس حج کی قضا کے وقت تک تاخیر میں ڈال دینا چاہیے۔ اگر ہدی واجب ہونے کے وقت یعنی یوم نحر کی فجر طلوع ہونے تک ہدی دستیاب نہ ہوئی تو حج تمتع کرنے والے کی طرح روزہ رکھنا چاہیے۔ اور جس شخص کو بیت الحرام تک پہنچنے میں رکاوٹ پیش آ جائے اسے محصر کہتے ہیں، خواہ وہ رکاوٹ عرفہ میں قیام کے بعد پیش آئی ہو، یا اس سے پہلے یا احرام عمرہ کی حالت میں رکاوٹ پیش آئی ہو (ان صورتوں میں) تحلل کی نیت سے ایک قربانی کا ذبح کرنا واجب ہے۔ اگر قربانی میسر نہ ہو تو تحلل کی نیت سے دس دن روزہ رکھے اور ایسا کرنے پر وہ اپنے احرام کی پابندیوں سے الگ ہو جائے گا۔ اور مجبوری لاحق ہو جائے تو احرام سے تحلل (ممنوعات احرام سے آزادی) مباح ہے۔ (مجبوری کی صورتیں) مثلاً یہ کہ

Marfat.com

(رکاوٹ دور کرنے کے لیے) کسی مسلمان یا کافر کو مال کثیر دینا پڑے، یا لڑنا پڑے، یا کسی کافر کو کچھ مال دینا پڑ جائے۔ مسلمان کو کچھ دے کر کام بن جائے تو مضائقہ نہیں۔ اگر (حالت احصار میں) حج فوت ہونے سے پہلے تحلل کر لیا تو قضا واجب نہ ہوگی۔ یہی حکم اس کا ہے جس پر جنون یا بے ہوشی طاری ہو جائے۔ اگر محصر نے حج کے فوت ہو جانے کے بعد تحلل کیا تو اس پر قضا واجب ہوگی۔ جس شخص کو عرفہ میں وقوف کرنے، کنکریاں پھینکنے اور سر منڈوانے کے بعد طواف افاضہ میں رکاوٹ پیش آئی تو اسے طواف افاضہ نیز سعی کرنے تک، بشرطیکہ پہلے سعی نہ کی ہو، تحلل نہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح وہ شخص بھی جسے صرف سعی کرنے میں رکاوٹ پیش آئی ہو تحلل نہ کرے، کیونکہ شریعت کی رو سے تحلل اس وقت ہوتا ہے جب کہ پورا احرام ہو، یعنی تمام ممنوعات احرام حرام ہوں۔ اور جب صرف سعی باقی رہے (اور باقی امور پہلے انجام پا چکے ہوں) تو اس وقت صرف عورت کے پاس جانا حرام ہوتا ہے (گویا اس وقت احرام پورا نہیں ہوتا)۔ اگر کسی شخص کو امر واجب کی بجا آوری یا رمی جمار میں رکاوٹ پیش آئے تو وہ تحلل نہ کرے۔ اس پر ترک واجب کی وجہ سے ایک قربانی واجب ہے جس طرح بالارادہ ترک کرنے کی صورت میں ہوتی ہے۔ اگر کسی نے حج کا احرام باندھا اور عرفہ میں قیام پر قادر نہ ہوا لیکن مکہ میں پہنچنا میسر ہو گیا تو چاہیے کہ اعمال عمرہ بجا لا کر حلال ہو جائے (یعنی تحلل کر لے)، اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔ اگر وقوف بعرفہ میں رکاوٹ پیش آئی، لیکن اس سے پہلے طواف اور سعی کر چکا ہے تو اب ایک اور طواف و سعی کر کے حلال ہو جائے۔ اگر کوئی شخص مرض لاحق ہو جانے، زاد راہ ختم ہو جانے یا راہ بتانے والا نہ ملنے کے باعث رکا ہوا ہے تو چاہیے کہ حالتِ احرام ہی میں رہے یہاں تک کہ بیت الحرام تک پہنچنے کی سبیل نکل آئے، کیونکہ (سردست) تحلل سے کوئی بہتر صورت نہ پیدا ہوگی۔ اب اگر حج فوت ہو جائے تو عمرہ کر کے تحلل کر لے۔ اگر قربانی کا جانور ساتھ ہے تو اس کا نحر علاقہ حرم کے سوا اور جگہ پر نہ کرے کیونکہ یہ رکاوٹ ایسی نہیں ہے جو دشمن نے ڈالی ہو۔

ان تمام احکامات میں نابالغ اور بالغ کا یکساں حکم ہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اگر کسی نے احرام باندھتے وقت اس طرح نیت کی کہ میں فلاں قسم کے اعمال حج کی نیت کرتا ہوں۔ یا الٰہی اسے مجھ پر آسان کر دے اور میرا یہ عمل قبول فرما۔ اگر کوئی رکاوٹ حج سے مانع در پیش ہو جائے تو میری منزل مقصود وہی ہے جہاں پر تو نے روک دیا، ایسے شخص کو ان تمام صورتوں میں جو اوپر بتائی گئیں احتیاطاً تحلل کر لینا چاہیے، البتہ اس پر قضا واجب رہے گی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر ارض عرفات کے کسی حصے میں پہنچنے سے پہلے یوم نحر کی صبح نمودار ہو جائے تو حج فوت ہو جائے گا۔ اگر محض حج یا قران کا احرام باندھا تھا تو قربانی واجب ہے۔ عرفات میں وقوف کرنا فوت ہو گیا ہو تو چاہیے کہ عمرہ کے اعمال ادا کر کے تحلل کر لے، یعنی عرفہ میں وقوف کے علاوہ باقی اعمال حج تحلل کی نیت سے بجا لائے، لہٰذا طواف کرے اور سعی پہلے نہ کی ہو تو سعی بھی کرے۔ واضح ہو کہ حج کے فوت ہو جانے سے منیٰ اور مزدلفہ میں رات کا قیام اور رمی جمرہ ساقط ہو جاتا ہے۔ (اسی سعی و طواف میں) عمرہ کی نیت کیے بغیر سر منڈا لینا چاہیے۔ یہ عمرہ (اصل) اسلامی عمرہ سے بے نیاز نہیں کرتا (یعنی یہ اعمال عمرہ متصور نہ ہوں گے) اور لازم ہے کہ اس فوت شدہ حج کی قضا فوراً، یعنی اگلے سال ہی کر لی جائے، خواہ وہ حج کسی بھی معذوری سے فوت ہوا ہو، یا نفلی حج رہا ہو، یا وہ شخص صاحب استطاعت نہ ہو، یا اس کے گھر سے مکہ تک دو منزلوں سے زیادہ فاصلہ ہو۔ اس حج کی قضا کے ساتھ قربانی دینا ہوگی جس طرح تمتع میں ہوتا ہے اور اس کی تفصیل بتائی جا چکی ہے۔ اور یہ قربانی (جو واجب ہوئی ہے) اس سال ذبح کرنا جس میں حج فوت ہوا، جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص حج

Marfat.com

قران کا ارادہ رکھتا تھا اور اس سے وقوف بعرفہ فوت ہوگیا تو اس پر تین قربانیاں لازم ہیں۔ایک قربانی حج کے فوت ہونے کی، دوسری قران کی اور ایک مزید قربانی جو قضا میں واجب ہوتی ہے، اگر چہ اس کے ذمے صرف حج کی قضا ہو (یعنی عمرہ کر لیا ہو تب بھی تین قربانیاں دینا ہوں گی) کیونکہ اس نے احرام میں حج قران کرنے کا التزام کیا تھا۔ اگر احصار کی وجہ سے حج فوت ہوا، مثلاً کوئی دشمن حج یا عمرہ کے اعمال بجالانے میں مانع ہوا، یا حاکم نے ظلماً حج سے روک دیا، یا اپنا قرض ادا نہ کر سکا اور اس کے تنگ دست ہونے کا ثبوت نہ مل سکا، اور یہ گمان نہیں ہے کہ ادائیگی حج میں جو رکاوٹ ہوئی ہے وہ وقت حج کے اندر، یا احرام عمرہ کی صورت میں تین دن کے اندر دور ہو جائے گی، ناچار تحلل کا ارادہ ہے تو چاہیے کہ (حج وعمرہ) دونوں کے لیے تحلل کر لے، اس کے لیے جانور ذبح کر کے بہ نیت تحلل سر منڈایا جائے، بشرطیکہ قربانی کا جانور میسر ہو۔ اگر میسر نہ ہو اور نہ افلاس وغیرہ کے باعث کھانا دے سکے تو تحلل کی نیت سے منڈا لے۔

عمرہ سے رکے ہوئے شخص کے لیے بہتر یہ ہے کہ تحلل کے بارے میں صبر سے کام لے۔اسی طرح حج سے رکے ہوئے شخص کو بھی صبر سے کام لینا چاہیے، بشرطیکہ وقت میں گنجائش ہو، گنجائش نہ ہو تو بہتر یہی ہے کہ تعجیل سے کام لے کر مبادا (تحلل نہ ہونے کے باعث) حج فوت ہو جائے۔ البتہ احرام حج کی صورت میں اگر یہ گمان ہو کہ وقت حج کے اندر رکاوٹ دور ہو جائے گی اور حج مل جائے گا تو تحلل منع ہے۔اسی طرح عمرہ میں بھی اگر یہ یقین ہو کہ وہ رکاوٹ دور ہو جائے گی (تو تحلل منع ہے)۔منجملہ ان معذوریوں کے جن کے باعث تحلل جائز ہوتا ہے، مرض کا لاحق ہونا ہے، لہٰذا اگر کسی نے احرام کے وقت تحلل کی شرط لگادی تھی اور یوں نیت کی تھی کہ اگر مریض ہو جاؤں تو حلال (یعنی ممنوعات احرام سے بری الذمہ) ہو جاؤں گا تو مرض لاحق ہوتے ہی وہ حلال ہو جائے گا۔لیکن اگر یوں کہا تھا کہ مریض ہو گیا تو تحلل کرلوں گا۔اور تحلل کے لیے قربانی کی شرط لگادی تھی تو اب جانور ذبح کر کے اور بہ نیت تحلل سر منڈا کر ہی حج یا عمرہ سے حلال ہو سکے گا۔ اگر قربانی کی قید نہیں لگائی تھی اور اس کا ذکر نیت میں نہیں تھا تو صرف سر منڈا کر تحلل کر لے۔حج سے رک جانے کی معذوریوں میں سے ایک راستے کی گم شدگی یا زادراہ کا ختم ہو جانا بھی ہے۔ایسی صورت میں ''محصر'' کو چاہیے کہ جہاں پر رکاوٹ پیش آئی ہے وہیں پر جانور ذبح کر دے، خواہ وہ جگہ حرم سے باہر ہو، یا پھر یہ کرے کہ حرم میں ذبح کیے جانے کے لیے جانور روانہ کرے۔ ایسی صورت میں جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ جانور ذبح ہو گیا ہے تحلل نہ کرے۔ واضح ہو کہ (تحلل کا جانور) ذبح کرنے کے لیے حرم کے علاوہ کہیں اور نہیں بھیجا جا سکتا۔ اگر رکاوٹ حرم ہی کے اندر پیش آئی تو حرم ہی میں ذبح کرنا لازم ہوگا۔اب اگر یہ حج نفلی تھا تو اس کی قضا نہیں ہے، اگر فرض تھا تو بدستور حج اس کے ذمے رہے گا۔ اگر عرفہ جانے میں رکاوٹ ہو اور مکہ تک آنے میں سہولت ہو تو مکہ میں آجانا درست ہے۔ اگر مکہ آنے میں رکاوٹ ہو اور عرفہ کے جانے میں نہ ہو تو عرفہ میں وقوف کر کے تحلل کر لے۔ بظاہر ان دونوں صورتوں میں قضا نہیں ہے۔ اور احصار (رکاوٹ پیش آنے) کی صورت میں ایک بھیڑ یا بکری جس کی قربانی کی جا سکتی ہے، واجب ہوگی۔ اگر اس میں حسی یا شرعی معذوری ہو تو قربانی کی قیمت کے برابر کا وہ کھانا دیا جائے جو فطرہ میں دیا جا سکتا ہو، اور اسے وہیں کے محتاجوں میں تقسیم کیا جائے۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو (قربانی کی) قیمت میں جتنے مد طعام آتا ہے اتنے دن (بحساب ایک یوم فی مد) روزہ رکھے۔ اس پر فدیہ نہیں ہے، کیونکہ اس میں تعدی نہیں ہے۔

Marfat.com

مالکیہ کہتے ہیں کہ ''احصار'' کے معنی اعمال حج کی بجا آوری میں رکاوٹ پیش آجانے کے ہیں، مثلاً یہ کہ عمرہ کرنے والے کو مکہ آنے سے روک دیا جائے، جیسا کہ ''حدیبیہ'' کے مقام پر ہوا تھا جب کہ مشرکین مکہ نے آنحضرت ﷺ کو احرام عمرہ کے بعد (مکہ کی طرف) بڑھنے سے روک دیا تھا اور مکہ میں داخل ہونے سے باز رکھا تھا، یا مثلاً یہ کہ حاجی کو بیت اللہ کے طواف، سعی بین الصفا والمروہ، وقوف بعرفات اور ان تمام باتوں سے روک دیا جائے، خواہ یہ رکاوٹ ظلم سے ہو کہ کفار مسلمانوں کے لیے مکہ جانے سے رکاوٹ بن جائیں، یا خود مسلمانوں میں باہم فتنہ وفساد برپا ہو اور باغی جماعت ارض مقدس، یعنی مکہ یا دوسری عبادت گاہوں تک جانے کی راہ میں حائل ہو جائے، یا رکاوٹ حق پر مبنی ہو، مثلاً کسی شخص کے ذمے قرض ہو اور وہ ادائیگی پر قادر ہونے کے باوجود ٹال مٹول کرتا ہو، جس کے باعث قرض خواہ نے اسے روک لیا کہ پہلے قرض ادا کر کے حج کو جائے۔

حج کا فوت ہونا یہ ہے کہ عرفات میں وقوف نہ کر سکنے کے باعث حج ادا نہ ہو سکا۔ اس کا سبب خواہ کسی مرض کا لاحق ہو جانا یا وقت کے تعین میں غلطی ہوئی ہو، مثلاً ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ کو عرفات میں وقوف کر لیا گیا اور اس غلطی کا علم نہ ہوا یہاں تک کہ وقوف بعرفہ کا (صحیح) وقت، یعنی دسویں تاریخ کی رات جیسا کہ پہلے بتایا گیا، نکل جائے (تو حج فوت ہو جائے گا)۔

واضح ہو کہ حج اس کے علاوہ کسی اور طرح سے فوت نہیں ہوتا، کیونکہ اگر حاجی کو عرفہ میں وقوف کا موقع (وقت کے اندر) مل گیا تو حج پا گیا۔ رہے وقوف کے بعد کے اعمال طواف اور سعی جو ہیں، سو وہ کسی وقت بھی کیے جا سکتے ہیں، ان کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص عمرہ کر رہا ہے اور بجا آوری اعمال عمرہ سے روک دیا گیا، یا کسی نے حج کا احرام باندھا، اور بیت الحرام اور عرفہ کی حاضری سے روک دیا گیا اور یہ رکاوٹ ظلماً ہو تو افضل یہ ہے کہ احرام ختم کر دینے کی نیت سے تحلل کر لے، یعنی احرام توڑ دینے کی نیت کرے۔ اس نیت کے ساتھ ہی وہ حلال ہو جائے گا۔ اب عورت کے پاس جانا، شکار وغیرہ کرنا، خوشبو کا استعمال کرنا اور دوسرے امور جو حالتِ احرام میں منع تھے، حرام نہ رہیں گے۔ اور تحلل کا سنت طریقہ یہ ہے کہ سر منڈا لیا جائے، اور اگر قربانی بھی ساتھ ہو تو جہاں کہیں پر بھی ہو وہیں ذبح کر دے، بشرطیکہ مکہ روانہ کرنے میں سہولت نہ ہو، اگر سہولت ہو تو قربانی کو مکہ بھیج دینا چاہیے۔ اگر قربانی ساتھ نہیں ہے تو ذبح قربانی واجب نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ:

''فان احصر تم فما استیسر من الھدی''

(یعنی اگر تمھیں حج سے روک دیا جائے تو قربانی جو میسر ہو کر دو)۔ میں اس قربانی کا حکم ہے جو رکے ہوئے شخص کے ساتھ ہو، جسے نفلی عبادت کے لیے ہنکا لایا ہو۔

واضح ہو کہ تحلل کے مباح ہونے کی تین شرطیں ہیں:

اول یہ کہ اس پیش آمدہ رکاوٹ کا علم پہلے سے نہ رہا ہو۔ اگر یہ جانتے ہوئے کہ دشمن اس کی تاک میں ہے اور اسے حج یا عمرہ نہ کرنے دے گا، ایسی صورت میں اگر رکاوٹ پیش آئے تو تحلل مباح نہیں ہے، اس کو اپنے احرام کی حالت میں قائم رہنا ہوگا، یہاں تک حج کرے، خواہ اگلے سال اس کا موقع ملے، کیونکہ وہ احرام اگلے سال میں داخل ہو گیا۔

دوسری شرط ہے کہ وہ رکاوٹ ایسی ہو کہ حج کے فوت ہونے سے پہلے اس کے دور ہونے کی توقع سے مایوس ہو چکا

Marfat.com

ہو، یعنی اسے یقین ہو جائے یا گمان ہو کہ وقوف بعرفہ سے پہلے وہ رکاوٹ دور نہ ہوگی، اگر مایوس نہ ہوا ہو تو انتظار کرے کہ شاید وہ رکاوٹ دور ہو جائے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ جس وقت احرام باندھا گیا وقت میں اتنی گنجائش رہی ہو کہ حج کیا جا سکے، یعنی اگر کوئی رکاوٹ نہ پیش آئے تو حج مل جائے۔ اگر احرام کے وقت یہ ممکن ہی نہ رہا تھا کہ رکاوٹ پیش نہ آنے کی صورت میں بھی حج مل جائے، پھر احرام کے بعد رکاوٹ بھی پیش آ گئی تو اس صورت میں تحلل کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ وقت (باقی نہ رہنے پر بھی) جو احرام باندھا گیا تو اس کے یہ معنے ہیں کہ آئندہ سال تک اسے حالتِ احرام میں رہنا ہے۔ اگر کسی شخص کو حج میں رکاوٹ (ظلم سے نہیں بلکہ) حق کی بنا پر پیش آئے، مثلاً قرض خواہ ادائیگی قرض کے بغیر نہ جانے دے اور وہ قرضہ ادا کر سکتا ہے تو اسے تحلل مباح نہیں ہے کیونکہ وہ یہ کر سکتا ہے کہ قرض سے بے باق ہو کر اعمال حج کے لیے روانہ ہو اور ایسا نہیں کرتا تو ماشاء اللہ سے اس کا احرام قائم ہے۔ لیکن اگر ادائیگی قرض سے عاجز ہے تو اسے ایسا شخص قرار دیا جائے گا جسے ظلماً روکا گیا ہو۔ ایسے شخص کے لیے افضل یہ ہے کہ تحلل کی نیت کر کے حلال ہو جائے۔ ہر چند کہ وہ چاہے تو اپنے احرام کو باقی رکھے، لیکن ایسا کرنا خلاف افضل ہے۔ اگر کسی نے عرفہ میں وقوف تو کر لیا، اس کے بعد بیت الحرام میں آنے اور بعد کے اعمال حج کی ادائیگی سے روک دیا گیا، مثلاً مزدلفہ، منٰی اور سعی کے مقامات پر نہ جانے دیا گیا تو حج ہو گیا لیکن جب تک طواف افاضہ اور سعی نہ کر لے، بشرطیکہ پہلے طواف قدوم کے ساتھ نہ کی ہو احرام کھولنا حرام ہے۔ اگر اس رکاوٹ کے باعث مزدلفہ میں اترنا، رمی جمار کرنا اور رمی کی راتوں میں منٰی کے اندر ٹھہرنا رہ گیا تو ان سب (خامیوں) کے لیے ایک قربانی اس کے ذمہ ہوگی اگرچہ ان میں سے ہر عمل اپنی جگہ پر واجب تھا، اور یہ رکاوٹ خواہ قید کے باعث ہو یا کسی اور سبب سے اور ناحق ہو یا برحق ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایسے کا احرام حج کے مکمل کرنے تک باقی رہے گا، خواہ اس کے لیے کئی سال گزر جائیں۔ اور جس شخص کو وقوف بعرفہ سے رکنا پڑا خواہ کیسی ہی رکاوٹ ہو اگر اس کا قیام بیت الحرام میں ہے تو ایسے شخص کو اختیار ہے کہ تحلل کر کے احرام ختم کر دے، یا پھر آئندہ سال تک احرام میں رہے، لیکن افضل یہی ہے کہ مکہ سے دور دراز علاقہ کا رہنے والا تحلل کر لے۔ اس کے لیے (سال بھر تک) حالتِ احرام میں رہنا بہتر نہیں ہے۔ اگر مکہ کے قرب و جوار کا رہنے والا ہو یا وہاں رہائش کر رہا ہو تو اس کے لیے مکروہ ہے۔ اس صورت میں اگر تحلل ہی کرنا ہو تو عمرہ کر کے تحلل کرے درآنحالیکہ مکہ سے فاصلہ پر نہ ہو۔ اگر وہاں سے فاصلہ پر ہو محض تحلل کی نیت کر کے حلال ہو جائے۔ وہ افعال عمرہ بجالانے کا مکلف نہیں ہے۔ پھر اگر عمرہ کر کے تحلل کرنا ہے اور حج کا احرام حرم سے باندھا تھا تو لازم ہے کہ علاقہ غیر حرم میں سے ہو کر عمرہ کا احرام باندھے ہوئے آئے، کیونکہ احرام کے لیے واجب ہے کہ کوئی شخص حالتِ احرام میں علاقہ غیر حرم اور حرم میں رہا ہو۔

واضح ہو کہ جس شخص کو رکاوٹ پیش آئی ہے اس سے حج اور عمرہ کے اسلامی مناسک ساقط نہیں ہوتے، لہٰذا اگر حج اور عمرہ سے رکنا پڑا اور تحلل کر لیا تو اس کے بعد قضائے حج واجب ہے اور قضائے عمرہ سنت ہے، اور فوت ہو جانے کے باعث قربانی واجب ہے، یہ قربانی تاخیر سے قضا کے وقت دی جائے گی۔ اسی طرح نذر غیر معین (جس میں کسی متعین جانور کی نذر نہ مانی گئی ہو) ساقط نہیں ہوتی، البتہ نذر معین (احصار کی صورت میں) ساقط ہو جاتی ہے، چنانچہ اگر رکاوٹ

Marfat.com

کسی کی طرف سے حج کرنے (حج بدل) کا بیان

عبادت کی تین قسمیں ہیں: محض بدنی عبادت جیسے نماز اور روزہ کہ ان دونوں کی غرض اللہ (کی خوشنودی) کے لیے نفس کو عاجزی و فروتنی میں ڈالنا ہے، اس عبادت میں مال کو دخل نہیں ہے۔

محض مالی عبادت جیسے زکوۃ و صدقہ سے غرض خیرات لینے والوں کی مالی امداد ہے۔

دونوں (مالی اور بدنی) کی مرکب عبادت حج ہے کہ اس میں طواف اور سعی وغیرہ (مناسک حج) کی بجا آوری میں جہاں خشوع و خضوع ہے وہاں اللہ کی راہ میں مال بھی خرچ کیا جاتا ہے۔

پہلی قسم کی عبادت میں (اپنی بجائے کسی دوسرے کو عبادت کے لیے) نائب بنانے کی گنجائش نہیں ہے۔ چنانچہ کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنی بجائے کسی اور کو نماز روزہ کرنے کے لیے نائب بنا دے۔ ایسا کرنے سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

دوسری قسم کی عبادت میں نائب بنانے کی گنجائش ہے، لہٰذا مالکِ مال کو جائز ہے کہ وہ مال کی زکوۃ اس کی طرف سے نکالنے یا صدقہ دینے کے لیے اپنا نائب بنا دے۔

پیش آجانے کے باعث وقت کے اندر وہ نذر پوری نہ ہو سکی (یعنی وہ مخصوص جانور ذبح نہ کیا جا سکا) تو اس کی قضا واجب نہیں ہے۔ اگر کسی نے اعمال حج کا احرام باندھنے کے وقت یہ نیت کی کہ رکاوٹ پیش آنے پر تحلل کر لے گا، مثلاً یہ کہا تھا کہ "اللّٰھم محلی حیث حبستنی" (یعنی اے اللہ میری منزل وہی ہے جہاں روک دیا گیا) تو اس کا کچھ اثر نہیں ہے۔ اسے بہر حال رکاوٹ پیش آنے پر نئی نیت کر کے تحلل کرنا ہوگا یا بموجب تفصیل سابقہ عمرہ کر کے تحلل کرنا ہوگا، (یعنی احرام کے وقت کی نیت کافی نہ ہوگی)۔ اگر (حج کی راہ میں) رکاوٹ ڈالنے والا راستہ دینے کے معاوضہ میں مال طلب کرے تو وہ مال دینا جائز ہے، خواہ طلب کرنے والا کافر ہو، کیونکہ مال دینے کی خرابی سے حج سے رہ جانے کی خرابی زیادہ شدید ہے۔ اگر اُس محرم نے جسے رکاوٹ پیش آئی ہے یوم نحر میں جمرہ عقبہ کر لیا ہے تو اس پر وہ تمام امور حلال ہو جاتے ہیں جو حالتِ احرام میں ممنوع تھے، بجز اس کے کہ عورت کے پاس جائے یا شکار وغیرہ کرے کہ یہ دونوں باتیں بدستور حرام رہتی ہیں۔ رہا خوشبو کا لگانا سو وہ مکروہ ہے، گویا یہ تحلل اصغر (یعنی ادھورا تحلل ہے)، تحلل اکبر (یعنی مکمل تحلل) جس کے بعد عورت کے پاس جانا اور شکار بھی حلال ہو جاتا ہے، وہ طواف افاضہ کے بعد ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اس سے پہلے طواف قدوم کے ساتھ سعی کر رکھی ہو، بصورت دیگر افاضہ کے بعد سعی کر کے ہی تحلل ہو سکتا ہے یعنی جب طواف افاضہ اور سعی دونوں امور ہو جائیں تو سب باتیں (جو حالتِ احرام میں ممنوع تھیں) حلال ہو جاتی ہیں، بشرطیکہ سر منڈا لیا ہو اور جمرہ عقبہ پر رمی کر لی ہو۔ اگر اس کا وقت یعنی یوم نحر نکل گیا ہے تو اس صورت میں سر منڈانے اور رمی جمرہ سے پہلے عورت کے پاس جانے سے قربانی لازم ہوگی، ہاں شکار پر کچھ واجب نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کچھ (ممنوعات احرام میں سے) کیا تب بھی کچھ عائد نہیں ہوتا۔

Marfat.com

تیسری قسم کی عبادت یعنی حج کے قابل نیابت ہونے یا نہ ہونے کے متعلق مسالک تفصیل طلب ہیں، ذیلی حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (۱)

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ حج اگرچہ بدنی اور مالی عبادتوں کا مرکب ہے لیکن اس میں بدنی عبادت کا پہلو غالب ہے، اس لیے وہ قابل نیابت نہیں ہے۔ پس جس پر اسلام کی رو سے حج فرض ہے اسے جائز نہیں ہے کہ کسی شخص کو اپنی طرف سے حج کرنے کے لیے نائب بنا دے، خواہ وہ تندرست ہو یا قابلِ علاج مرض میں مبتلا ہو۔ اگر ایسا شخص کسی کو اپنی طرف سے حج فرض ادا کرنے کے لیے اجرت دے تو یہ اجرت فاسد ہوگی۔ اب اگر کسی نے اجرت لے کر حج پورا کر لیا تو اسے واجبی اجرت لینے کا حق ہے۔ لیکن اگر اس نے اعمال حج کی تکمیل نہ کی، مثلاً حاکم کو یہ بات معلوم ہوئی اور اس نے یہ اجارہ منسوخ کر دیا تو اسے مطلقاً اجرت نہ ملے گی۔ اگر کسی نے اپنی طرف سے حج نفل ادا کرنے کے لیے اجرت دی، جیسے کوئی مریض ہو جسے شفا کی امید نہیں، یا جس کسی نے فریضہ اسلام ادا کر لیا ہے تو اس صورت میں اجارہ درست ہوگا لیکن مکروہ ہے۔ اسی طرح کسی کو اجرت دے کر اپنی طرف سے عمرہ کرانا بھی مکروہ ہے تاہم عمرہ ہو جائے گا، کیونکہ عمرہ سنت ہے، فرض نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص حج کرنے سے معذور ہے اور عمر بھر حج کرنے کے قابل نہ ہو سکا تو اس کے ذمہ سے حج قطعاً ساقط ہے، حج اسے لازم نہیں ہے۔ اگر مصارف حج ادا کر سکتا ہے تب بھی اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ اپنی طرف سے کسی اور کو اجرت دے کر حج کرائے۔ اگر اجرت دے کر حج کرایا بھی تو خواہ وہ تندرست ہو یا مریض اور خواہ حج فرض ہو یا نفل اس کے اعمال میں شمار نہ ہوگا۔ البتہ اجرت لے کر حج کرنے والے کا یہ حج نفلی ہو جائے گا، اور اجرت دینے والے کو یہ ثواب ملے گا کہ حج کرنے میں مدد کی، اور اس حاجی کی دعاؤں کی برکتوں سے مستفیض ہوگا۔ اسی طرح جیسے کسی نے اپنی موت سے پہلے کسی کو حج بدل کرنے کی وصیت کی اور اس نے اس کی وفات کے بعد حج کر لیا، یا اس کے ورثا نے اس کی وصیت کے بغیر ہی اس کی طرف سے حج کرایا، کہ اس کی وفات کے بعد اجرت دی کہ اس کی طرف سے حج کرے تو یہ حج میت کے نامۂ اعمال میں مطلق درج نہ ہوگا، نہ فرض، نہ نفل جب کہ اس نے اپنے حین حیات باوجود مستطیع اور قادر ہونے کے حج نہیں کیا، البتہ میت کو اس بات کا ثواب ملے گا کہ اس نے حج کرنے والے کی مالی مدد کی، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔

واضح ہو کہ حج کے لیے وصیت کرنا مکروہ ہے لیکن ورثا پر واجب ہے کہ میت کے مال متروکہ کے تیسرے حصہ میں سے اس کی وصیت کو پورا کریں، بشرطیکہ کوئی اور وصیت پوری کرنے میں جو مکروہ وصیت نہ ہو خلل واقع نہ ہو، مثلاً فقراء و مساکین کو خیرات کرنے کی وصیت ہے۔ پس ایسی صورت میں جب کہ حج کی وصیت دوسری غیر مکروہ وصیت کے لیے رکاوٹ نہ ہو، یعنی متروکہ مال کے تیسرے حصہ میں ایک ہی وصیت پوری کی جا سکتی ہو تو پہلے دوسری وصیت کو (جو مکروہ نہیں ہے) پورا کیا جائے، اور حج کی وصیت نظر انداز کر دی جائے۔ مثلاً ایک شخص نے وصیت کی کہ اس کی وفات کے بعد اس کی طرف سے حج کرایا جائے اور یہ بھی وصیت کی کہ پچاس گنی فقیروں کو خیرات کی جائے۔ ادھر حج کے مصارف بھی پچاس گنی ہوتے ہیں اور متروکہ املاک کا تہائی حصہ بھی پچاس گنی ہے تو اس صورت میں دونوں وصیتوں میں سے ایک ہی پوری کی جا سکتی ہے، یعنی یا تو حج کرایا جا سکتا ہے یا غریبوں کو خیرات کی جا سکتی ہے، تو حج کی وصیت کو چھوڑ دیا جائے، قطع نظر اس سے کہ

Marfat.com

وصیت کرنے والے پر حج فرض تھا یا نہیں تھا۔ اس قول کو ترجیح دی گئی ہے۔ اگر حج کی وصیت کسی دوسری (جائز) وصیت سے نہ ٹکراتی ہو تو بے شک حج کی وصیت کو بھی نافذ کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا، اور متوفی کے خرچ سے جس شخص کو حج کے لیے بھیجا جائے چاہیے کہ وہ شخص اس شہر کا رہنے والا ہو جہاں اس کی وفات ہوئی، بشرطیکہ متوفی نے خود ہی کسی اور جگہ سے حج کرنے کی تعیین نہ کر دی ہو۔ پس اگر کسی نے اپنے شہر کی بجائے کسی اور جگہ کو متعین کر دیا، مثلاً یہ کہا کہ مکہ میں سے کسی کو حج کرایا جائے تو اس شرط کو خصوصیت کے ساتھ پورا کرنا ہوگا اور حج بدل کے لیے وہاں کے کسی شخص کو نہ کہا جائے گا جہاں اس کا انتقال ہوا۔ اب اگر مال ترکہ کے تیسرے حصے میں اتنی گنجائش نہ ہو کہ جہاں سے حج کرانے کو اس نے وصیت کی وہاں سے، یا اگر جگہ کی تعیین نہیں تھی تو اس کے اپنے شہر سے آدمی لیا جا سکے اور یہ احتمال ہو کہ دوسری جگہ کا کوئی شخص اس کا حج بدل کر سکے گا تو حتی الوسع اس کی وصیت کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ متوفی نے حج کے لیے مصارف کی رقم متعین کر دی، مثلاً یہ کہہ دیا کہ تیس گنی حج کے لیے خرچ کی جائے، لیکن اس شہر سے جہاں اس کی وفات ہوئی یا اس جگہ سے جو متوفی نے متعین کی اتنے میں حج کا ہونا ممکن نہیں ہے تو ایسی صورت میں اسی قدر مصارف سے حج کرنا جس جگہ سے ممکن ہو وہیں سے حج کرایا جائے۔ اس کے برعکس اگر یہ صورت ہو کہ مال ترکہ کا تیسرا حصہ یا جو رقم متوفی نے مقرر کی تھی اس میں ایک حج سے زیادہ کی گنجائش ہے تو صرف ایک حج کرایا جائے، باقی مال جو بچ رہا وہ ورثا کا ہے۔ البتہ اگر یوں وصیت کی ہو کہ میرے متروکہ مال کے تیسرے حصہ میں سے یا اتنی رقم مثلاً سو گنی میں حج کرایا جائے تو اس صورت میں ورثا پر لازم ہے کہ وہ یہ رقم ایسے اشخاص کو دیں کہ ان میں سے ہر شخص اتنی رقم میں جو ترکہ کا ایک تہائی ہو یا وہ اس مال میں جو حج کے لیے وصیت میں مخصوص کیا گیا ہو حج کر سکے۔ پس اگر مال مذکور دو حجوں کے لیے مکتفی ہو تو وارثوں کو چاہیے کہ دو حج بدل کرائیں اور یہ حج بقول راجح ایک ہی سال میں ہوں۔ اب اگر اتنے حج کرانے کے بعد بھی مال بچ رہے لیکن بچا ہوا مال ایک حج کے لیے کافی نہ ہو تو وہ ورثہ میں شامل ہو جائے گا۔ اسی طرح اس صورت میں جب کہ ورثہ کے ایک تہائی مال میں یا حج کے لیے خاص کی گئی رقم میں تین حج یا زیادہ کی گنجائش ہو (تو اتنے ہی حج کرائے جائیں)۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ حج ایسی عبادت ہے جس میں نیابت کی گنجائش ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص حج کرنے سے عاجز ہو تو واجب ہے کہ وہ حج کے لیے کسی کو اپنا نائب بنائے جو اس کے بدلے میں حج کرے۔ حج بدل کرانے کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں:

اول یہ کہ کوئی ایسی معذوری لاحق ہو جو بالعموم مرتے دم تک باقی رہتی ہے، مثلاً ایسا مرض ہو جس کے آرام ہونے کی امید نہ ہو، مثلاً نابینا ہو جانا یا کہنہ سال ہونا۔ پس جب کوئی شخص ایسا عاجز ہو کہ مرتے دم تک حج کے قابل ہونے کی امید نہ رہے، اور وہ کسی کو اپنا نائب بنائے کہ وہ اس کی طرف سے حج ادا کرے اور وہ نائب حج ادا کر لے تو فریضہ حج اس معذور کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا، اگرچہ بعد میں وہ معذوری دور ہو جائے اور وہ حج کے قابل ہو جائے۔ لیکن ایسا مریض جسے شفا پانے کی امید ہو یا وہ شخص جو قید میں ہو اگر کسی کو اپنا نائب بنائے اور وہ نائب اس کی جانب سے حج ادا کر لے اور بعد میں اس کی معذوری دور ہو جائے (یعنی شفایاب ہو جائے یا قید سے رہائی مل جائے) تو فریضہ حج اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔

اور (حج بدل کے صحیح ہونے کی) شرطوں میں سے حج کرانے والے کی طرف سے حج کی نیت کرنا ہے، لہٰذا اسے یوں

Marfat.com

کہنا چاہیے کہ فلاں شخص کی طرف سے احرام حج باندھتا اور تلبیہ کرتا ہوں۔ یہ نیت دل میں کر لینا بھی کافی ہے۔ اگر نائب نے حج کی نیت اپنی طرف سے کی تو نائب بنانے والے کی طرف سے حج ادا نہ ہوگا۔

ایک شرط یہ ہے کہ حج کے بیشتر اخراجات وہ ادا کرے جس کی طرف سے حج بدل کیا جائے۔ اگر کسی شخص نے نیکی کے خیال سے اپنا خرچ کر کے کسی اور کی طرف سے حج کیا تو یہ حج درست نہ ہوگا جب کہ کسی شخص نے اپنی طرف سے حج کرنے کی وصیت کی ہو۔ ہاں اگر ایسی کوئی وصیت نہ تھی، بلکہ متوفی کے وارثوں میں سے کسی نے یا کسی غیر شخص نے از خود نیکی کے خیال سے اس کی جانب سے حج کیا تو ان شاء اللہ یہ حج اس کی طرف سے قبول ہو جائے گا۔ اگر چہ حج بدل کرنے والا حج کرانے والے کے مال میں اپنا مال ملا کر حج پر خرچ کرے تو یہ اخراجات بھی حج کرانے والے کی طرف سے جائز ہوں گے۔ پھر اگر وہ خرچ جو حج بدل کرنے والے کو دیا گیا اخراجات حج سے کم ہو تو زیادہ اخراجات کا مطالبہ حج کرانے والے سے کیا جائے گا۔

ایک شرط یہ ہے کہ حج کرنے کی اجرت مقرر نہ کی جائے۔ حج کرانے والے پر عام اخراجات ادا کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ حج کے اخراجات کے لیے جو رقم دی گئی ہے اگر اس میں سے کچھ بچ رہا تو حج بدل کرنے والے کو چاہیے کہ باقی رقم حج کرانے والے کو واپس دے دے۔ ہاں ثواب کے خیال سے حج کرانے والا یا وارث وہ رقم چھوڑ دے تو اور بات ہے۔ لیکن رقم سے دست بردار ہونے کا اختیار اسی کو ہے جس میں یہ صلاحیت یا جسے اختیار ہو، یعنی وہ سن رشد کو پہنچا ہوا ہو۔ اگر کسی نے حج کی اجرت مقرر کی کہ میں تم کو حج بدل کرنے کے عوض اتنی رقم دوں گا تو وہ حج ہی سرے سے جائز نہ ہوگا۔ یہ اس کا حج ہوگا نہ اجرت پر حج کرنے والے کا حج ہوگا اور اس قسم کا معاملہ فضول ہوگا۔ اسی طرح دوسری عبادتوں میں بھی اجرت باطل ہے۔ ہاں بعض ضروریات اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، مثلاً تعلیم دینے، اذان دینے اور امامت کی اجرت کا مقرر کیا جانا۔

ایک شرط یہ ہے کہ حج کرانے والے کی شرائط کے مخالف حج نہ کیا جائے۔ لہٰذا اگر اسے حج افراد کے لیے کہا گیا ہے اور اس نے حج قران یا حج تمتع کیا تو وہ حج کرانے والے کی طرف سے ادا نہ ہوگا، اور اس حج میں جو اخراجات ہوئے ہیں ان کو واپس کرنا ہوگا۔ ہاں اگر عمرہ کے لیے کہا گیا اور اس نے اس کو پورا کیا کہ اس کی طرف سے عمرہ کر لیا پھر اپنی طرف سے حج بھی کر لیا، یا اس کے برعکس حج کے لیے کہا گیا تھا، اس نے حج کر لیا پھر اپنی طرف سے عمرہ بھی کر لیا تو جائز ہے۔ لہٰذا پہلی صورت میں نائب بنانے والے کی طرف سے عمرہ اور دوسری صورت میں حج ادا ہو جائے گا، البتہ پہلی صورت میں ادائیگی حج کے اخراجات اور دوسری صورت میں ادائیگی عمرہ کے اخراجات (نائب کو) اپنے مال سے کرنا لازم ہے۔ غرض وہ عمل جو خاص طور پر کرنے کے لیے کہا گیا تھا جب پورا ہو جائے تب ہی وہ اپنے اعمال کی ادائیگی کے اخراجات کا ذمہ دار ہوگا۔ اگر اس نے اپنے مناسک پہلے انجام دیئے مثلاً اُسے حج کے لیے کہا گیا تھا لیکن (حج سے پہلے) اس نے اپنا عمرہ کر لیا اور اس کے بعد وہ حج بدل کیا تو یہ صحیح نہ ہوگا اور جس قدر بھی اخراجات ہوئے ہیں ان سب کی ادائیگی کا خود (حج بدل کرنے والا) ذمہ دار ہوگا۔

ایک شرط یہ ہے کہ احرام ایک ہی باندھا جائے۔ اگر ایک احرام حج بدل کا اور دوسرا احرام اپنے حج کا باندھا تو اس طرح دونوں میں سے کسی کا حج نہ ہوگا۔ بجز اس کے کہ دوسرے احرام کو توڑ دے (اور کوئی علاج نہیں)۔ اسی طرح اگر دو اشخاص نے کسی کو اپنے اپنے حج کا نائب بنایا اور اس نے دونوں کا احرام باندھا (اور حج کیا) تو وہ حج درست نہ ہوگا اور وہ دونوں کے اخراجات کی واپسی کا ذمہ دار ہوگا۔

Marfat.com

ایک شرط یہ ہے کہ حج بدل کرانے اور حج بدل کرنے والا دونوں مسلمان اور عاقل ہوں، لہٰذا کافر کا کسی کی طرف سے حج کرنا صحیح نہ ہوگا اور نہ دیوانے کا حج صحیح ہے۔ ہاں اگر وہ حج واجب ہونے کے بعد جنون لاحق ہوا تو اسے کسی کو حج کے لیے روانہ کرنا درست ہوگا۔

ایک شرط یہ ہے کہ حج بدل کرنے والا صاحب شعور ہو، لہٰذا کسی لڑکے کا جو سن شعور کو نہ پہنچا ہو حج بدل کرنا درست نہیں ہے: ہاں کم عقل والا انسان (یا قریب البلوغ شخص) حج بدل کر سکتا ہے۔ اسی طرح عورت اور غلام بھی حج بدل کر سکتے ہیں۔ اسی طرح وہ بھی حج بدل کر سکتا ہے، جس نے اپنا فریضہ حج ادا نہ کیا ہو۔

یہ تمام شرائط حج بدل کی اس صورت میں ہیں جب کہ کسی پر حج فرض ہو، کسی کی طرف سے نفلی حج ادا کرنے کے لیے ان کے سوا اور کوئی شرط نہیں ہے کہ دونوں حج بدل کرنے اور کرانے والے مسلمان، عاقل اور صاحب شعور ہوں اور حج کے لیے اجرت نہ لی گئی ہو۔

واضح ہو کہ اگر حج بدل کرنے والے سے کوئی امر ایسا سرزد ہو جو حج کو فاسد کر دے اور یہ امر عرفہ میں وقوف سے پہلے سرزد ہوا ہو تو اخراجاتِ حج کی واپسی کی ذمہ داری (حج بدل کرنے والے پر) عائد ہوگی۔ لیکن اگر وقوف عرفہ کے بعد ایسا اگر سرزد ہوا تو عائد نہ ہوگی، کیونکہ حج کا رکن اعظم یعنی وقوف عرفہ ادا ہو گیا ہے، تاہم تمام غلطیوں کا کفارہ حج بدل کرنے والے کے ذمہ ہے، کیونکہ اس کا سبب وہ خود ہے۔ البتہ احصار (روکے جانے) کی قربانی حج کرانے والے پر ہے، کیونکہ احصار میں حج بدل والے کو کچھ اختیار نہ تھا (بلکہ وہ مجبور تھا)۔

اگر کسی نے وصیت کی کہ وفات کے بعد اس کی طرف سے حج کیا جائے اور اس کے لیے اخراجات کی مقدار اور جگہ (جہاں سے حج کرنا ہے) متعین کر دیا ہے، تو اسی کے مطابق وصیت کو پورا کرنا واجب ہے۔ اگر (یہ دونوں باتیں) متعین نہیں ہیں تو حج بدل کرنے والے کو اس کے شہر سے بھیجا جائے، بشرطیکہ اس کے مال متروکہ کا ایک تہائی حصہ اخراجات حج کے لیے کافی ہو۔ اگر وہ کافی نہ ہو تو جہاں سے حج کرنے میں وہ مال کفایت کرے وہاں سے حج کیا جائے۔ اگر کسی جگہ سے بھی وہ مال اخراجات حج کے لیے مکتفی نہ ہو تو وہ وصیت باطل ہوگی۔

اگر ایک تہائی مال ایک سے زیادہ حج کے لیے کافی ہو اور متوفی نے صرف ایک حج کی وصیت کی ہے تو (ایک حج سے) جو مال باقی بچے وہ وارثوں کا حق ہے۔ اگر ایک ہی حج کا تعین نہیں کیا تو (اس مال میں) جتنے بھی حج ہو سکتے ہیں ان سب متعدد حجوں کو ایک سال ہی کرایا جائے۔ یہ اس سے افضل ہے کہ متعدد سالوں میں متعدد حج کرائے جائیں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ حج ایسے اعمال میں سے ہے جس میں نائب بنایا جا سکتا ہے، لہٰذا جو شخص حج سے معذور ہے اُس پر واجب ہے کہ کسی کو اپنے بدلے حج کرنے کے لیے کہے، خواہ اجرت دے کر یا محض مصارف حج برداشت کر کے۔ یہ معذوری کسی ناگہانی افتاد کے باعث یا کبرسنی کے باعث یا کسی ایسے مرض کے باعث ہو جس کی بابت دو عادل اطبا کہہ دیں، یا اگر وہ خود علم طب سے واقف ہو تو یہ جانتا ہو کہ اس مرض سے آرام ہونے کی توقع نہیں ہے۔ اور یہ معذوری یا عاجزی اس حد تک ہونی چاہیے کہ اتنی سکت نہ رہی ہو کہ نا قابل برداشت صعوبت کے بغیر کوئی سواری پر بیٹھ سکے اور آئندہ بھی اس قابل ہونے سے مایوس ہو چکا ہو۔

اب جاننا چاہیے کہ حج بدل یا تو فوری طور پر واجب ہوگا، یہ اس صورت میں ہوگا جب کہ حج واجب ہوا اور حج پر قادر

Marfat.com

تھا، بعد میں عاجز ہو گیا۔ کبھی حج بدل تاخیر سے واجب ہوگا، یہ اس صورت میں ہوگا جب کہ حج واجب ہونے سے پہلے ہی عاجزی لاحق ہو گئی یا واجب ہوتے ہی ہوئی یا واجب ہونے کے بعد ہوئی لیکن حج کی قدرت نہ رہی۔ اور عاجز قرار دیے جانے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس شخص اور مکہ کے درمیان دو مرحلوں (منزلوں) یا اس سے زیادہ فاصلہ ہو، اگر اس سے کم فاصلہ ہوا یا وہ مکہ ہی کا رہنے والا ہے تو اسے حج بدل کرانا جائز نہیں ہے، بلکہ لازم ہے کہ خود ہی اعمال حج کو انجام دے، کیونکہ اتنی دوری کی مشقت کا وہ متحمل ہو سکتا ہے۔ اگر اس حال میں بھی وہ ادائیگی حج نہیں کر سکتا تو اس کی وفات کے بعد کوئی اور شخص اس کے مال متروکہ کے خرچ سے حج بدل کر لے، تاہم اگر مرض نے اسے اس قدر ناتواں کر دیا ہو کہ اس سے ہلا جلا بھی نہ جا سکے تو (زندگی ہی میں) حج بدل کرانا جائز ہے۔

ایک شرط (حج بدل کی) یہ ہے کہ حج بدل کرنے والے نے اپنا فریضہ حج ادا کر لیا ہو، اگر کسی نے پہلے اپنا فریضہ حج ادا نہیں کیا تو اس کو نائب بنانا جائز نہیں ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ وہ شخص قابل اعتماد اور عادل ہو۔ نیز حج اور عمرہ کے لیے کسی کے ساتھ معاملہ کرنے کی ایک شرط یہ ہے کہ دونوں اصحاب معاملہ حج کے مناسک فرض و اعمال نفل سے واقف ہوں، یہاں تک کہ اگر حج بدل کرنے والے نے حج کی سنتوں میں سے کوئی سنت ترک کر دی تو مصارف حج میں سے اس قدر حصہ ساقط ہو جائے گا۔

اسی طرح ایک شرط یہ ہے کہ مصارف حج لینے والا اس قابل ہو کہ مناسک حج شروع کر سکے، اگر کسی معذوری کے باعث وہ اعمال حج کی بجا آوری شروع کرنے سے قاصر ہو تو ایسے شخص کو حج بدل کے لیے اختیار کرنا صحیح نہ ہوگا۔ حج بدل کا معاملہ کرتے وقت میقات کا متعین کر دینا شرط نہیں ہے، البتہ اجرت حج لینے والے پر یہ واجب ہے کہ جس کی طرف سے حج کر رہا ہو اس کے میقات پر جائے یا اتنی مسافت پر پہنچے جو اتنے فاصلہ پر ہو، درآنحالیکہ اس حج کے لیے کوئی میقات متعین ہو۔ اگر میقات متعین نہیں ہے تو اجرت لینے والے کے لیے جائز ہے کہ اس میقات کے علاوہ کسی اور میقات سے احرام باندھے، خواہ وہ میقات اس کی میقات سے کم فاصلہ پر ہو۔ اور یہ شرط نہیں ہے کہ حج بدل کرنے والا حج کرانے والے کو جانتا ہو، بلکہ صرف یہ شرط ہے کہ حج کی نیت اس کی طرف سے کی جائے۔ اگر کوئی معذور انسان حج بدل کرانے کے بعد معذوری سے نجات پا جائے تو لازم ہے کہ شفا پانے کے بعد خود حج کرے۔ اس سے اجرت پر جو حج کرایا گیا وہ فاسد ہو جائے گا، اور یہ حج اس کے نائب کا ہوگا اور اس کی کوئی اجرت نہ ہوگی، بلکہ جو کچھ دیا ہے واپس لے سکتا ہے۔

واضح ہو کہ جس طرح حین حیات میں حج بدل کرایا جا سکتا ہے اسی طرح فوت شدہ کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے۔ متوفی کی طرف سے حج کرانا اس پر واجب ہے جسے وصیت کی گئی ہو، اس کے بعد یہ کام وارثوں کا ہے اور بعد ازاں حاکم کو چاہیے کہ مال متروکہ کے مصارف سے کسی کو فوراً اس کی طرف سے حج کا نائب بنا دے۔ ہاں اگر مال ترکہ نہ ہو تو نائب بنانا واجب نہیں ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ مرنے والا مرتد ہو کر نہ مرا ہو، اور یہ کہ حج اور عمرہ دونوں اس کے ذمہ واجب رہے ہوں، خواہ نذر ماننے سے۔ اگر دونوں امور واجب نہ تھے تو اس کے ترکہ سے حج نہ کرایا جائے۔ ہاں اس کی جانب سے بطور خود کوئی شخص حج کر سکتا ہے اور اس کی جانب سے کرا بھی سکتا ہے، اگرچہ مرنے والے نے اپنی زندگی میں نہ کہا ہو۔

Marfat.com

یہ تمام مسائل اس صورت میں ہیں جب کہ کسی شخص نے حج کیا ہی نہ ہو۔ اگر کسی نے فریضہ حج ادا کرلیا ہے اور نفلی حج کرانا چاہتا ہے تو اس کی جانب سے اس کی وصیت کے بغیر حج اور عمرہ جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی نائب حج کو فاسد کردے تو اس حج کی قضا کرنا اسے اپنی طرف سے واجب ہے۔ یہ حج اسی کی جانب سے متصور ہوگا، اور اجرت لینے والے کو مال کا واپس کر دینا لازم ہے یا پھر یہ کہ آئندہ سال حج کرانے والے کی جانب سے اس حج کی قضا خود کرے جو اس نے فاسد کیا ہے، یا کسی کو نائب بنائے جو اسی سال اس کی بجائے حج ادا کرے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ حج اور عمرہ میں بھی کسی کو نائب بنایا جاسکتا ہے، پس جس پر حج وعمرہ واجب ہو اور وہ ادائیگی سے عاجز ہو اس پر واجب ہے کہ کسی شخص کو اپنی طرف سے فوراً ادا کرنے کے لیے نائب بنائے۔ عاجز ہونے کے اسباب میں یہ باتیں ہیں: کبرسنی، ناتوانی یا ایسا مرض جس سے آرام ہونے کی توقع نہ ہو، یا جسم کا اس قدر بھاری ہو جانا کہ اپنے وجود کو لے کر کسی سواری پر بغیر سخت دشواری کے نہ بیٹھ سکے، یا اتنا نحیف وناتواں ہو کہ غیر معمولی دشواری کے بغیر سواری پر نہ ٹھہر سکے۔ اور یہ بھی عاجزی ہے کہ عورت کا کوئی محرم نہ ہو جو اسے اپنے ساتھ لے جا کر حج کرائے۔

واضح ہو کہ نائب کے لیے مرد ہونا ضروری نہیں ہے۔ عورت کو بھی نائب بنانا جائز ہے۔ اگر حج سے معذور انسان صحت مند ہو جائے اور خود حج اور عمرہ کرنے کے قابل ہو جائے تو اسے اب حج کا ادا کرنا لازم نہیں ہے، خواہ حج کے قابل اس وقت ہوا ہو جب کہ نائب حج وعمرہ سے فارغ ہو گیا ہو یا نائب کے حج شروع کرنے کے بعد ہوا ہو۔ البتہ اگر نائب نے ہنوز حج اور عمرہ کا احرام نہ باندھا ہو اور وہ معذوری سے نجات پا گیا ہو تو اب اسے خود حج اور عمرہ ادا کرنا ضروری ہے، اور اس کی طرف سے کسی نائب کا حج ادا کرنا جائز نہیں ہے اور نہ عمرہ ادا کرنا جائز ہے، اگرچہ وہ ادا کر چکا ہو۔ اسی طرح وہ شخص جو حج سے عاجز ہو لیکن اس کی یہ عاجزی دور ہو جانے کی امید ہو (تو اسے بھی نائب بنانا درست نہیں ہے)، بلکہ اس پر واجب ہے کہ جب وہ عاجزی دور ہو جائے تو خود حج وعمرہ ادا کرے۔ اگر کوئی مجبور انسان حج بدل کی اجرت برداشت کرسکتا ہو لیکن ایسا شخص دستیاب نہ ہو جو اس کی طرف سے حج کرے تو اس پر حج واجب نہیں ہے۔ اگر بعد میں کوئی ایسا شخص دستیاب ہو اور اب بھی مصارف کی استطاعت ہے تو نائب بنا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص فریضہ حج ادا کرنے سے پہلے وفات پا جائے، خواہ اس نے کسی معذوری سے نہ کیا ہو یا بلا معذوری کے نہ کیا ہو تو واجب ہے کہ اس کے مال متروکہ سے حج بدل کرانے کا خرچ نکالا جائے، اگرچہ اس نے اس کی وصیت نہ کی ہو۔ اور چاہیے کہ کسی کی طرف سے حج کرنے والا وہاں سے حج کو روانہ ہو جہاں اس پر حج واجب ہوا، اس جگہ سے نہیں جہاں اس کی وفات ہوئی۔ ہاں اس کے شہر سے باہر ایسی جگہ سے حج کو روانگی ہو سکتی ہے جہاں سے اس شہر کی مسافت فاصلہ قصر سے کم ہو، اگر زیادہ ہو تو جائز نہیں ہے اور نہ اس طرح حج کرانے والے کی طرف سے حج ادا ہوگا۔ اگر کوئی غیر شخص کسی متوفی کی جانب سے حج کرے تو متوفی کے ذمہ سے حج ساقط ہو جائے گا، اگرچہ ولی کی اجازت کے بغیر کیا ہو۔ اور نائب (حج بدل کرنے والے) کے لیے واجب ہے کہ اس کے ذمہ حج فریضہ اسلام یا حج قضا یا حج نذر واجب نہ ہو، اگر ایسے شخص نے حج بدل کیا تو حج کرانے والے کی طرف سے حج ادا نہ ہوگا۔ ایسی صورت میں حج کے لیے جو خرچ لیا ہے اسے واپس کرنا واجب ہے۔ ان احکام میں حج اور عمرہ یکساں ہیں، لہٰذا اگر کسی نے عمرۂ اسلام نہیں کیا یا اس کے ذمہ عمرہ کی قضا یا نذر کا عمرہ واجب ہے

Marfat.com

نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کا بیان

حضرت مصطفیٰ ﷺ کی قبر کی زیارت بلاشبہ قرب الٰہی کا بہت بڑا ذریعہ ہے اور مہتم بالشان عمل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ارض پاک جہاں پر خیر الرسل سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کا مرقد ہے اللہ کے نزدیک اسے ایسی ایک خاص اہمیت اور برتری حاصل ہے جسے معرض تحریر میں نہیں لایا جا سکتا۔ مزید براں زیارت قبور کا اصل مقصد آخرت کے تصور کا تازہ کرنا ہے چنانچہ احادیث صحیحہ میں قبروں کی زیارت کرنے کی اجازت بہ صراحت آئی ہے، تاکہ انسان اس سے عبرت حاصل کر سکے اور آخرت کی یاد آئے۔ پس اگر زیارت قبر کا مقصد صحیح معنوں میں وہی ہے جو شارع علیہ السلام نے بتایا ہے تو بہر حال وہ امر مستحسن ہوگا۔ اور یہ امر تو ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قبر کی زیارت سے اہل دل پر جتنا اثر ہوتا ہے وہ دوسری عبادتوں سے بہت زیادہ

تو دوسرے شخص کی طرف سے عمرہ کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اور جس نے اپنا حج ادا کر لیا ہو اسے نائب بننا صحیح ہے۔ اگر چہ عمرہ اس کے ذمہ ہو۔ اسی طرح عمرہ کے لیے اس شخص کا نائب بننا درست ہے جس نے حج نہ کیا ہو لیکن عمرہ جو اس پر واجب تھا وہ ادا کر لیا ہو۔ اور یہ بھی واجب ہے کہ نائب وہی کچھ ادا کرے جس کے لیے اسے کہا گیا ہے۔ چنانچہ اگر حج کے لیے کہا گیا تھا اور اس نے عمرہ کیا یا اس کے برعکس عمل کیا تو جائز نہیں ہے اور نہ حج کرانے والے کی طرف سے ادا متصور ہوگا۔ ایسی صورت میں نائب نے جو کچھ لیا ہے وہ واپس کر دے۔

ان احکام کا تعلق زندہ شخص کے حج اور عمرہ سے ہے۔ فوت شدہ کی طرف سے جو کچھ بھی کیا جائے وہی اس کی جانب سے ادا متصور ہوگا، خواہ حج ہو یا عمرہ ہو، اس میں وارث کی اجازت کو دخل نہیں ہے، بلکہ نائب کا یہ نیت کر لینا کافی ہے کہ حج و عمرہ کے یہ اعمال جو کر رہا ہوں وہ اس کی جانب سے ہیں جس نے مجھے اس کے لیے بنایا ہے۔ اس کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ اس شخص کا نام لے کر کہا جائے۔ اور نائب کو اس قدر اخراجات کرنے کا حق ہے جو عام طور پر ایسے حج میں ہوتے ہیں۔ اگر کچھ بچ رہے تو اسے واپس کر دینا چاہیے۔ (حج کے بعد) واپسی از حج کے اخراجات کے مطالبہ کا حق (حج بدل کرنے والے کو) ہے خواہ مکہ میں قیام کی مدت زیادہ ہوگئی ہو۔ البتہ اگر وہاں اپنے لیے گھر لے لیا ہے، خواہ تھوڑے عرصہ مثلاً گھڑی بھر کے لیے ہو تو واپسی کا خرچ حج کرانے والے کے ذمہ نہ ہوگا۔ اگر نائب نے حج فاسد کر دیا تو اس پر حج کی قضا واجب ہوگی اور جو کچھ حج بدل کے لیے لیا ہے اسے واپس کرنا ہوگا، کیونکہ حج کرانے والے کی طرف سے وہ حج ادا نہیں ہوا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ فضول خرچی کے باعث حج بدل سے رہ جائے۔ ہاں اگر حد سے تجاوز نہیں کیا تو مصارف حج کا حقدار ہے۔ اگر نائب حج بیمار ہو کر راستے سے واپس آ جائے تو واپسی کے خرچ کا حقدار ہے۔ قران اور تمتع کی قربانی کا خرچ حج کرانے والے کے ذمہ ہے، بشرطیکہ اس نے اس کی اجازت دی ہو۔ اگر اجازت نہیں دی تو یہ خرچہ نائب کے ذمہ رہے گا۔ اسی طرح حج کی فروگزاشتوں کا کفارہ بھی خود نائب ہی کو دینا پڑے گا۔

Marfat.com

ہے۔ پس جو شخص حضور ﷺ کی قبر کے سامنے پہنچ کر اس امر کا تصور کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت حق دینے اور لوگوں کو شرک کے اندھیرے میں ہدایت کی روشنی دکھانے کی راہ میں کیسے کیسے حالات سے دو چار ہونا پڑا اور کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں اخلاق فاضلہ کے پھیلانے اور دنیا بھر کی برائیوں کو مٹانے اور ایک ایسی شریعت کی تبلیغ کے لیے جس کی بنیاد تمام بنی نوع انسان کی اجتماعی بہبود کے حصول او ربرائیوں کا قلع قمع کرنے کے لیے رکھی گئی ہے کیسی کیسی مشکلات کا سامنا ہوا تو یقیناً دلوں میں اس رسول ﷺ کی محبت جاگزیں ہو جائے گی جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کا حق ادا کیا۔ تو ضرور ہے کہ ایسے اعمال کے بجا لانے کی رغبت ہوگی جن کا حضور ﷺ نے حکم دیا اور لامحالہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی پر شرمسار ہوگا۔ اور اتنا ہو جائے تو اس کو بڑی کامیابی کہنا چاہیے۔

یقیناً آنحضرت ﷺ کی قبر کی زیارت اور نزول وحی کی سرزمین کے مشاہدہ اور ایسے مخلص نکوکاروں کے مزار پر حاضری سے جنھوں نے دین حق کی حمایت میں اپنی جان اور اپنے مال کو اللہ کی راہ میں قربان کیا، بغیر اس کے کہ انھیں حکومت کا شوق ہو یا ان کا دل حیاتِ دنیوی کی لذتوں اور دل فریبیوں کی جانب راغب ہو، بلکہ وہ اپنی دولت فراواں اور عیش بے اندازہ کو ترک کر کے اللہ کی راہ میں اور اس کی خوشنودی کی خاطر اعدائے دین کے مقابلے اور دین کی حمایت کے لیے نکل پڑے، ان کی پائدار یاد تازہ ہوتی ہے اور اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اس سے زیارت کرنے والوں کے دلوں کو ایک کارگر نصیحت حاصل ہوتی ہے اور انسان ان بزرگان دین کے قول و فعل کی پیروی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

اگر مسلمان حقیقی معنوں میں اس طریق عمل کو اختیار کریں جو ان قبروں میں آرام کرنے والوں نے اختیار کیا تھا، جن کے کارناموں نے روم و فارس کی سلطنتوں کو زک پہنچایا، تو انھیں نمایاں تقویت حاصل ہو۔ ہر چند کہ آج مسلمانوں کی مادی قوت دشمنان اسلام کے مقابلہ میں قابل ذکر نہیں ہے تاہم مسلم قوم ایک ایسی اہمیت کی حامل ہے جس کا مقابلہ کوئی قوم نہیں کر سکتی۔

غرض آنحضرت ﷺ کی قبر کی زیارت اور حضور ﷺ کے نکوکار اصحابؓ کے مزارات (پر حاضری) تقرب الٰہی کا ایک بڑا ذریعہ اور خلوص نیت سے عمل کرنے والوں کے دل پر جو خدائے واحد کے پرستار اور خدا اور رسول ﷺ کے احکام پر عمل کرنے اور ممنوعات سے باز رہنے والے بامراد لوگ ہیں، نہایت گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ پس جب کہ قبر آنحضرت ﷺ کی زیارت بجائے خود ایک بہترین پند اور گہرے تاثر کا موجب ہو تو اسے بہترین اعمال صالحہ میں سے قرار دینے کے لیے کافی ہے، اسی لیے دین حنیف نے اس کی

Marfat.com

رغبت دلائی ہے۔ پھر وہ مسلمان جسے حج بیت اللہ کی توفیق ہوئی اور جو قبر نبوی ﷺ پر حاضر ہونے کے قابل ہے، اگر زیارت سے محروم رہے تو اس کے دل کو قرار و سکون کس طرح حاصل ہو سکتا ہے، اور یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک مسلمان مکہ میں یعنی مہبط وحی شہر مدینہ کے قریب ہو اور اس کے دل میں مدینہ پہنچنے اور مزار نبی ﷺ کی زیارت کا شوق رہ رہ کر نہ ابھرتا ہو۔ معہذا سیدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے جو دعا مانگی تھی وہ اہل مدینہ کے حق میں بھی عائد ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ (قرآن حکیم میں) اس کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں:

''ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلواۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون۔''

(یعنی اے میرے پروردگار میں نے اپنی اولاد کو تیرے قابل احترام گھر (بیت اللہ) کے قریب ایک ناقابل زراعت وادی میں بسایا ہے، پروردگار! اس سے غرض یہ ہے کہ لوگ نماز قائم کریں۔ اب لوگوں کے دلوں کو ان بسنے والوں کی طرف مائل فرما اور پھلوں سے انھیں روزی عطا کرتا کہ وہ تیرا شکر بجالائیں)۔

یہ دعا مدینہ، یعنی اس شہر کے رہنے والوں کے لیے بھی ہے جہاں سے اسلام کو فروغ حاصل ہوا اور ان انصارؓ اور مخلص مہاجرینؓ کے لیے جن کی بدولت دین کو استحکام ہوا۔ اور اس امر کی ضرورت ہے کہ لوگ وہاں پر آئیں اور باہمی مفادات کا تبادلہ کریں، لہٰذا اس شہر کی آبادکاری اور وہاں کے لوگوں سے حسن سلوک اور باہمی مفاد کا خیال مقدس ترین اعمال اور اہم فرائض میں سے ہے۔ اور صاحب مقدور کے لیے تو ممکن ہی نہیں ہے کہ مکہ میں حاضر ہو اور مدینہ پہنچ کر نزول وحی کے مقامات اور دین حنیف کے سرچشموں کے مشاہدہ سے بہرہ اندوز نہ ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ ان فوائد و محاسن کے پیش نظر جو دینی نقطۂ نظر سے مسلمہ اور بالعموم شوق کو ابھارنے والے ہیں، بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ احادیث جو مدینہ منورہ کی زیارت (کے فضائل) کے باب میں وارد ہوئی ہیں ان کی سند صحیح ہے یا نہیں ہے؟

واضح ہو کہ فقہاء نے نبی ﷺ کے قبر مبارک اور دوسری مساجد کے لیے مندرجہ ذیل آداب زیارت مقرر کیے ہیں۔ انھوں نے بتایا ہے کہ جب کوئی شخص زیارت نبوی ﷺ کے لیے جانے کا ارادہ کرے تو تمام راستے کثرت سے سلام اور درود پڑھتا ہوا جائے، اور مکہ سے مدینہ کو جاتے ہوئے راستے میں جو مسجدیں آئیں ان میں نماز ادا کرے۔ ان مسجدوں کی تعداد اکیس ہے۔ جب مدینہ منورہ کی فصیل نظر آئے تو حضور ﷺ پر درود و سلام بھیجے اور یوں کہے:

Marfat.com

''اللّٰھم ھذا حرم نبیک فاجعلہ وقایۃ لی من النار واماناً من العذاب وسوء الحساب۔''

(یاالٰہی! یہ تیرے نبی کا حرم ہے، اس کی برکت سے مجھے نار جہنم سے بچالے نیز عذاب اور سختی محاسبہ سے امان میں رکھ) اور چاہیے کہ مدینے میں داخل ہونے سے پہلے اور پھر داخل ہونے کے بعد غسل کرے اور خوشبو لگائے اور اپنا بہترین لباس زیب تن کرے اور مدینے میں عاجزی، سکون اور وقار کے ساتھ داخل ہو اور داخل ہو کر یہ کہے:

''اللّٰھم رب السموات وما اظللن و رب الارضین وما اقللن ورب الریاح وما ذرین۔ اسئلک خیر ھذہ البلدۃ وخیر اھلھا وخیر مافیھا واعوذبک من شرھاو شرما فیھا وشر اھلھا۔ اللّٰھم ھذا حرم رسولک فاجعل دخولی فیہ وقایۃ لی من النار واماناً من العذاب وسوء الحساب۔''

(یعنی اے اللہ اور اے وہ کہ تو آسمانوں کا اور جو کچھ ان کے نیچے ہے، اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے اوپر ہے، نیز ہواؤں کا اور ہواؤں میں جو چیزیں ابھرتی ہیں ان سب کا رب ہے، میں تجھ سے اس شہر کی خیر اور یہاں والوں کی خیر اور جو کچھ بھی اس میں ہے سب کی خیر کا طالب ہوں، اور یہاں کی برائی، یہاں کی بری باتوں اور یہاں کے رہنے والوں کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں۔ یا اللہ یہ تیرے رسول ﷺ کا حرم ہے۔ یہاں کی میری حاضری کو نار جہنم سے بچنے، عذاب سے محفوظ رہنے اور محاسبۂ اعمال کی سختی سے امان میں رہنے کا ذریعہ بنادے)۔ جب مسجد (نبوی) میں داخل ہونے لگے تو وہی کرے جو دوسری مساجد میں داخلہ کے وقت کیا جاتا ہے یعنی یہ کہ پہلے دایاں قدم اندر رکھے اور یوں کہے:

''اللّٰھم صل علٰی محمد و علیٰ آل محمد. اللّٰھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک اللّٰھم اجعلنی الیوم من اوجہ من توجہ الیک واقرب من تقرب الیک وانجح من اعال وابتغی مرضاتک۔''

(یعنی یا اللہ محمد ﷺ پر اور ان کی آل پر رحمت کاملہ نازل فرما۔ یا الٰہی! میرے گناہوں کو معاف فرما اور میرے سامنے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ یا اللہ اس دن کو تیرے طرف متوجہ ہونے والوں میں بہترین توجہ کا دن اور تیرا قرب حاصل کرنے والوں میں بہترین قرب حاصل کرنے کا دن بنادے، جس نے تیری ذات پر بھروسا کیا اور تیری رضا پر چلا نجات پا گیا)۔

Marfat.com

پھر حضور ﷺ کے منبر کے پاس دو رکعت نماز پڑھے۔ (نماز کے لیے) اس طرح کھڑا ہونا چاہیے کہ منبر کا ستون دائیں شانے کے محاذ میں ہو۔ حضور ﷺ اسی جگہ کھڑے ہوتے تھے۔ یہ جگہ قبر شریف اور منبر کے درمیان ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے (یہاں تک پہنچنے کی) توفیق جو عطا فرمائی اس کا سجدۂ شکر بجالائے اور جو دل چاہے دعا مانگے۔ پھر وہاں سے چل کر آنحضرت ﷺ کی قبر کی جانب آئے اور حضور ﷺ کے سرہانے کی طرف قبلہ رو ہو کر کھڑا ہو، پھر قبر کے تین چار ہاتھ کے فاصلے پر پہنچ جائے۔ اس سے آگے نہ بڑھے، اور قبر کی دیوار پر ہاتھ نہ رکھے اور اس طرح آداب سے کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑے ہوتے ہیں، اور وہاں پر حضور ﷺ کی شکل مبارک کا تصور کرے کہ گویا وہ اپنے مرقد میں سو رہے ہیں اور گویا وہ اس کی موجودگی کو جانتے ہیں اور اس کی بات سن رہے ہیں۔ پھر کہے:

''السلام علیک یا نبی اللہ ورحمة اللہ وبرکاته، اشهدانک رسول اللہ فقد بلغت الرسالة وادیت الامانة ونصحت الامة وجاهدت فی امر اللہ حتی قبض اللہ روحک حمیداً محموداً، فجزاک اللہ عن صغیرنا وکبیرنا خیر الجزاء وصلی علیک افضل الصلوٰة وازکاها واتم التحیه: وانماها۔ اللّٰهم اجعل نبینا یوم القیامة اقرب النبیین واسقنا من کاسه وارزقنا من شفاعته واجعلنا من رفقائه یوم القیامة اللّٰهم لا تجعل هذا آخر العهد بقبر نبینا علیه السلام وارزقنا العود الیه یا ذا الجلال والاکرام''

(یعنی السلام علیک یا نبی اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، میں اس امر کا گواہ ہوں کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے حق رسالت پورا کر دیا اور اللہ کی امانت ادا کر دی۔ امت کو نصیحت فرمائی اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ نے آپ کی روح کو پسندیدہ اور محمود طریقہ سے قبض فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب چھوٹے بڑوں کی طرف سے (اس عنایت پر) جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ پر بہترین و پاکیزہ ترین درود (رحمت کاملہ) اور کامل ترین و فائق ترین سلام پہنچے۔ یا الٰہی ہمارے نبی کو قیامت کے دن سب سے زیادہ قرب عطا فرما، ہمیں ان کی شفاعت ہو، قیامت کے روز ہمیں ان کے رفقاء میں شامل فرما۔ یا اللہ قبر نبی علیہ السلام پر ہماری اس حاضری کو آخری موقعہ نہ بنا بلکہ اے ذوالجلال والاکرام ہمیں پھر واپس آنے کی توفیق عطا فرما)۔ اور اس (دعا کے وقت) نہ آواز بہت اونچی کرے اور نہ بالکل دھیمی ہو، اس کے بعد اس کا سلام پہنچایا جائے جس نے اپنا سلام پہنچانے کی درخواست کی ہو۔ اس کے لیے یوں کہنا چاہیے:

''السلام علیک یا رسول اللّٰہ من فلان ابن فلان یستشفع بک الی ربک

Marfat.com

فاشفع له والجميع المؤمنين "(یعنی اے رسول اللہ آپ پر فلاں بن فلاں کی جانب سے سلام ہو۔ وہ آپ کے پروردگار کی بارگاہ میں آپ کی شفاعت کا طالب ہے۔ پس اس کی اور تمام مسلمانوں کی شفاعت فرمایئے) پھر جدھر حضور ﷺ کا چہرہ ہے اس طرف قبلہ کی جانب پشت کر کے کھڑا ہو اور جون سا درود جی چاہے پڑھے اور پھر کوئی ہاتھ بھر ہٹ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر کے سامنے آجائے اور تب یہ کہے:

السلام علیک یا خلیفة رسول اللّٰه السلام علیک یا صاحب رسول اللّٰه فی الغار السلام علیک یا رفیقه فی الاسفار، السلام علیک یا امینه فی الاسرار جزاک اللّٰه عنا افضل ماجزی اماماً عن امة نبیه ولقد خلقتهٔ با حسن خلف وسلکت طریقه ومنهاجه خیر مسلک وقاتلت اهل الردة والبدع ومهدت الاسلام وصلت الارحام ولم تزل قائماً للحق ناصراً لاهله حتی اتاک الیقین السلام علیک ورحمة اللّٰه وبرکاته. اللّٰهم امتنا علیٰ حبه ولا تخیب سعینا فی زیارته برحمتک یا کریم"

(یعنی اے خلیفہ رسول اللہ آپ پر سلام ہو۔ اے غار میں رسول اللہ کا ساتھ دینے والے آپ پر سلام ہو اور حضور ﷺ کے شریک سفر رہنے والے آپ پر سلام ہو۔ اسرار نبوت کے امین آپ پر سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے جو کسی بھی نبی کی امت سے امام قوم کو پہنچی ہو۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی خلافت کا حق بہ طریق احسن ادا فرمایا۔ آپ نے ان کے طریق کار اور منہاج کو اچھی طرح اختیار فرمایا۔ آپ نے مرتدوں اور بدعتیوں سے جنگ کی۔ اسلام کو پھیلایا۔ رشتہ داروں میں میل ملاپ کرایا اور ہمیشہ حق پر قائم اور اہل حق کے معاون رہے، یہاں تک کہ امر ناگزیر (وفات کا وقت) آپہنچا۔ آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔ یا اللہ ان کی محبت میں ہمیں موت آئے۔ اے کرم فرمانے والے خدا ان کی زیارت کے لیے ہماری کوششوں کو رائیگاں نہ فرما) اس کے بعد وہاں سے ہٹ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قبر کی طرف آنا چاہیے، وہاں پر یوں کہنا چاہیے:

"السلام علیک یا امیر المؤمنین ،السلام علیک یا مظهر الاسلام، السلام علیک یا مکسر الأصنام، جزاک اللّٰه عنا افضل الجزاء ورضی اللّٰه عمن اسخلفک فقد نصرت الاسلام والمسلمین حیاً ومیتاً فکفلت الایتام ووصلت الارحام وقوی بک الاسلام وکنت للمسلین اماماً مرضیا وهادیا مهدیا جمعت من شملهم واغنیت

Marfat.com

فقیر هم و جبرت کسر هم السلام علیک ورحمة اللّٰہ وبرکاتہ''۔

(یعنی اے امیر المؤمنین آپ پر سلام ہو۔اے اسلام کے پشت پناہ آپ پر سلام ہو،اے بتوں کو توڑنے والے آپ پر سلام ہو۔اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کو بہترین اجر عطا فرمائے اور اس سے راضی ہو جس نے آپ کو خلیفہ بنایا، بلاشبہ آپ نے اسلام اور مسلمانوں کی حالت حیات وموت میں حمایت کی۔ آپ کی وجہ سے اسلام کو تقویت حاصل ہوئی۔آپ مسلمانوں کے محبوب امام اور ہدایت یافتہ ہادی تھے،ان کے انتشار کو دور فرمایا،ان کے فقیروں کو غنی کر دیا،ان کی خستہ حالی کا علاج کیا۔آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں نازل ہوں)اس کے بعد پھر پہلے کی طرح حضور ﷺ کے سرہانے کھڑا ہو اور یوں کہے:

" اللّٰھم انک قلت وقولک الحق ﴿ولو انھم اذظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللّٰہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللّٰہ توابا رحیما﴾ وقد جئناک سامعین قولک طائفین امرک متشفعین بنبیک ربنا اغفرلنا والاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا، ربنا انک رؤف الرحیم، ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار سبحان ربک رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للّٰہ رب العلمین''۔

(یعنی یاالٰہی! یہ تیرا ارشاد ہے اور تیرا فرمانا برحق ہے کہ اگر(خطا کار)جنھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا(اے رسول)تمھارے پاس آئیں اور اللہ سے مغفرت کے طالب ہوں اور رسول بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کرے تو وہ دیکھیں گے کہ اللہ توبہ قبول کرنے اور رحم کرنے والا ہے،اور(اے اللہ)ہم نے تیرے اس ارشاد کو سنا اور تیرے حکم کو مانا اور تیرے سامنے حاضر ہیں اور اپنے نبی کو شفیع بناتے ہیں۔اب اے ہمارے پروردگار ہماری اور ہمارے بھائیوں کی جو ہم سے پہلے ایمان لائے،مغفرت فرما اور ہمارے دلوں میں ان کی طرف سے جو ایمان لائے خلوص پیدا کردے۔اے پروردگار!بلاشبہ تو مہربانی اور رحم کرنے والا ہے۔اے رب ہمیں خیر دنیا و خیر آخرت عطا فرما،اور نار جہنم سے بچالے۔تیری ذات پاک ہے تو ان خامیوں سے بالاتر ہے جو لوگ تیری طرف منسوب کرتے ہیں۔تیرے رسولوں پر سلام ہو۔تمام تعریفیں اسی ذات کے شایاں ہے جو تمام جہان کا پالنے والا ہے)اس کے بعد جو دعا یاد ہو وہ پڑھے۔پھر حضرت ابولبابہؓ کے ستون کے پاس آئے جس کے ساتھ انھوں نے اپنے تئیں باندھ رکھا تھا، یہاں تک کہ ان کی توبہ قبول

Marfat.com

ہوئی۔ یہ جگہ قبر اور منبر کے درمیان واقع ہے۔ یہاں پر بھی دو رکعت نماز پڑھی جائے اور اللہ کے حضور توبہ کرے اور جو جی چاہے دعا مانگے۔ پھر مقام ''روضہ'' پر آئے، یہ جگہ ایک چوکور حوض کی مانند ہے، وہاں پر بھی ممکن ہو تو نماز پڑھی جائے اور دعا مانگی جائے اور تسبیح وثنا واستغفار کی کثرت کرے۔ اس کے بعد منبر پر آ کر حصول برکت کے لیے ''رمانہ'' (مٹھ) پر ہاتھ رکھے جس پر خطبہ فرماتے ہوئے حضور ﷺ اپنا ہاتھ رکھتے تھے۔ وہاں پھر بھی درود پڑھا جائے اور جو جی چاہے دعا مانگی جائے۔ اور اللہ کے عذاب اور غضب الٰہی سے اس کی رحمت کی پناہ مانگے۔ پھر ستون ''حنانہ'' (رونے والا ستون) یہ وہ جگہ ہے جہاں لکڑی کا ٹھنڈ ہے۔ اس ستون کے سہارے حضور ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ فرمایا کرتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں خطبہ دینا ترک کر کے منبر پر خطبہ دینے لگے تو اس ستون سے رونے کی آواز آتی تھی۔ زیارت قبر نبوی سے فارغ ہو کر (قبرستان) بقیع کی جانب جانا اور قبروں اور مزارات پر حاضر ہونا چاہیے۔ یہاں پر حضرت عباسؓ، حضرت حسنؓ بن علیؓ زین العابدینؒ اور نبی ﷺ کے فرزند ابراہیمؑ اور متعدد ازواج نبی ﷺ اور آپ کی پھوپھی صفیہؓ نیز دوسرے بہت سے صحابہؓ وتابعین بالخصوص امام مالکؒ اور سیدنا نافعؒ کے مزارات کی زیارت کی جائے۔ مستحب یہ ہے کہ جمعرات کے روز شہدائے احد بالخصوص سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار کی زیارت کی جائے اور وہاں پر کہے: ''سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار فسلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون۔'' (یعنی اے اہل قبور وہ صبر واقامت جس کا تم نے مظاہرہ کیا اس پر تمھیں سلام ہو۔ دار آخرت کیسی اچھی جگہ ہے، ایمان والوں کی اس اقامت گاہ پر سلام ہو وہ ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں) یہاں پر آیت الکرسی اور سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ احد) پڑھنی چاہیے اور ہفتہ کے روز مسجد قبا پر آنا مستحب ہے، وہاں پر یہ کہنا چاہیے ''یا صریخ المستصرخین ویاغیاث المستغیثین یا مفرج کرب المکروبین و یا مجیب دعوۃ المضطرین صل علیٰ محمد وآلہ واکشف کربی وحزنی کما کشفت عن رسولک کربہ و حزنہ فی ھذا المقام یا حنان یا منان یا کثیر المعروف و یا دائم الاحسان یا ارحم الراحمین'' (یعنی اے پکارنے والوں کی پکار کو سننے والے! اے فریادیوں کی فریادرسی کرنے والے! اے عاجزوں کی دعائیں قبول کرنے والے! محمد ﷺ اور ان کی آل پر رحمت کاملہ نازل فرما اور میرے غم والم کو بھی اسی طرح دور فرما جس طرح تو نے، اے کرم فرمانے والے اور احسان کرنے والے، اے صاحب خیر کثیر اور اے محسن بے زوال اور اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والے تو نے اس مقام پر اپنے رسول

Marfat.com

ﷺ کے کرب والم کو دور فرمایا)۔
مستحب یہ ہے کہ جب تک مدینہ میں رہنا ہو تمام نمازیں مسجد نبوی ﷺ میں ادا کی جائیں اور جب اپنے شہر میں واپسی کا ارادہ ہو تو دو رکعت نماز وداع مسجد میں ادا کی جائے اور جو مراد ہو اس کے لیے دعا مانگی جائے اور پھر حضور ﷺ کی قبر پر آ کر دعائیں مانگے۔ اللہ دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔

اُضحیہ (قربانی) کا بیان، اس کی تعریف

''اضحیہ''، بضم وبکسر الف ویائے غیر مشدد، اس چوپائے کو کہتے ہیں جو بغرض حصول ثواب، ایام نحر میں ذبح یا نحر کیا جائے، خواہ اعمال حج ادا کرنے والا ذبح کرے یا کوئی اور۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے، مالکیہ کہتے ہیں کہ حج کرنے والا قربانی نہیں کرتا (بلکہ وہ اعمال حج میں سے ایک عمل ہے)۔

حکم قربانی کا ثبوت

قربانی کا حکم دوسرے سنہ ہجری میں ہوا جیسے عیدین، مال کی زکوٰۃ اور فطرہ کی زکوٰۃ (کہ یہ بھی اسی سال مشروع ہوئی)۔ اس کا شرعی حکم ہونا قرآن، حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے'' فصل لربک وانحر '' (یعنی اپنے پروردگار کی نماز پڑھ اور قربانی کر) اور 'مسلم' میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ:'' ضحی النبی ﷺ بکبشین املحین اقرنین ذبحهما بیده وسمی وکبر ووضع رجله علی صفا حهما '' (یعنی نبی ﷺ نے دو مینڈھے املح اور اقرن اپنے ہاتھ سے ذبح کیے اور ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا اور تکبیر کہی اور اپنا پاؤں ان کے پہلوؤں پر رکھا)۔ املح کے معنی خالص سفید رنگ والے (جانور) کے ہیں۔ نیز کہتے ہیں کہ املح وہ ہے جس کا سفید رنگ سیاہی پر غالب ہو، اور اقرن وہ جانور ہے جس کے دو سینگ اوسط درجہ کے ہوں۔ اس کے علاوہ اور احادیث بھی ہیں، اور اس کے شرعی حکم ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔

حکم قربانی کا شرعی حیثیت کا بیان

اس حکم کی حیثیت شرعی 'سنت'' کی ہے، یعنی قربانی کرنا ہر شخص کے لیے سنت عین مؤکدہ ہے کہ اس پر عمل کرنے والا ثواب کا مستحق ہوگا لیکن ترک کرنے والے پر عذاب نہ ہوگا۔
دراصل اس پر سب متفق ہیں لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ سنت مؤکدہ ہے۔ اس کے ترک کرنے والے کو نار جہنم کا عذاب تو نہ ہوگا مگر آنحضرت ﷺ کی شفاعت سے محروم رہے گا، لہٰذا وہ اسے واجب قرار

Marfat.com

دیتے ہیں۔ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ یہ امر گھر میں ایک فرد کے لیے سنت عین ہے، ایک گھر کے تمام افراد کے لیے نہیں ہے۔ ان کے مسلک کی تفصیل ذیل حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۱)

شرائط قربانی کا بیان

قربانی کی شرائط دو گونہ ہیں: ایک اس کے سنت ہونے کی شرطیں، دوسرے اس کے صحیح ہونے کی شرطیں۔ اس کے سنت ہونے کی شرائط کے منجملہ صاحب مقدور ہونا ہے، لہٰذا جو شخص عاجز ہے اس کے لیے قربانی سنت نہیں ہے۔ مقدور ہونے کی تعریف کے بارے میں مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ (۲)

قربانی کے سنت ہونے کی ایک شرط آزاد ہونا ہے، لہٰذا غلام کے لیے یہ سنت نہیں ہے۔ مالکیہ نے قربانی کے سنت ہونے کی شرائط میں یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ شخص حاجی نہ ہو، خواہ مکہ کا باشندہ ہو، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ وہ شخص جو حج کے علاوہ کسی اور سفر میں ہو اس کے لیے بھی قربانی سنت ہے۔ یہ شرط نہیں ہے کہ یہ بالغ اشخاص ہی کے لیے سنت ہو، چنانچہ وہ نابالغ جو مقدور رکھتا ہے اس کے لیے قربانی سنت ہے۔ اس کی

۱۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ قربانی تنہا شخص کے لیے تو سنت عین ہے، لیکن ایک گھر کے تمام افراد یا متعدد گھرانوں کے لیے جن کا نفقہ ایک ہی شخص پر ہو سنت کفایہ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ شخص قربانی کر دے جس کے ذمہ سب کا نفقہ ہے تو دوسروں سے قربانی کا مطالبہ نہ ہوگا، تاہم یہ امر قربانی کو ہر ایک کے لیے سنت قرار دیئے جانے کے منافی نہیں ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ صاحبِ مقدور وہ ہے جس کے پاس دو سو درہم ہوں، اس (مقدار) کی تفصیل زکواۃ کے بیان میں بتائی جا چکی ہے، یا پھر اس قدر مال کا مالک ہو جو رہنے کے مکان، پہننے کے کپڑوں اور ضروری کارآمد اشیا کے علاوہ دو سو درہم کی مالیت کا ہو۔ جس کے پاس سامان تجارت ہو جس سے وہ کام چلاتا ہے اسے بھی قربانی لازم ہے جبکہ اس سے اتنی آمدنی ہو کہ معمولی گذارے کے بعد بقدر نصاب مذکور بچ رہے۔ یہ بھی ایک رائے ہے کہ اس کاروبار سے اگر اتنی آمدنی ہو کہ ایک مہینے کا خرچ خوراک نکل آئے تو قربانی لازم ہے۔ اگر سامانِ خانہ وقف کا ہو تو اس پر بھی قربانی واجب ہے درآنحالیکہ قربانی کے وقت اس کی قیمت بقدر نصاب ہو جائے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ صاحب مقدور وہ شخص ہے جو قربانی کے جانور کی قیمت دے سکتا ہو، خواہ قرض لے کر، بشرطیکہ ادائیگی قرض کا مقدور ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ صاحب مقدور وہ ہے جو جانور کی قیمت میں اتنا دے سکتا ہو جس کی سال بھر ضرورت نہ پڑے۔ اگر اس مال کی ضرورت سال کے دوران لاحق ہوتی ہو تو قربانی اس کے لیے سنت نہ ہوگی۔ اگر کوئی قرض لے کر قربانی کر سکتا ہے تو قرض لے کر قربانی کرے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کے لیے قرض نہ لینا چاہیے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ صاحب مقدور وہ ہے جس کے پاس عید اور ایام تشریق کے ذاتی مصارف اور اہل وعیال کی حاجت سے فالتو اتنا کچھ ہو کہ جانور کی قیمت ادا کر سکے۔ ان مصارف سے مراد وہ اشیا ہیں جو بالعموم (عید کی تقریب پر)

Marfat.com

طرف سے ولی کو قربانی کرنا چاہیے، گو وہ یتیم ہو۔ یہ حکم مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے، اس بارے میں حنفیہ اور شافعیہ کا مسلک ذیل حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

باقی رہیں قربانی کے صحیح ہونے کی شرطیں سوان کے منجملہ ایک یہ ہے کہ (قربانی کا) جانور عیب سے خالی ہو، لہٰذا اگر اس میں ان عیبوں میں سے کوئی عیب ہو جن کی تفصیل مختلف مسالک کے بموجب ذیلی حاشیہ میں بتائی گئی ہے[2] تو قربانی درست نہ ہوگی۔

مطلوب ہوتی ہیں۔ مثلاً کیک، مچھلی، خمیری روٹی اور نقل وغیرہ۔

حنفیہ نے ان شرائط پر یہ شرط زیادہ کی ہے کہ قربانی کرنے والا مقیم ہو۔ چنانچہ مسافر کے لیے قربانی سنت نہیں ہے، البتہ نفلی طور پر اگر قربانی کی جائے تو ثواب ہوگا۔ اگر کوئی بھیڑ بکری قربانی کے ارادہ سے خریدی ہو اور اس کا وقت آنے سے پہلے سفر درپیش ہو جائے تو اس کو بیچا جا سکتا ہے، اس شخص پر قربانی واجب نہیں ہے۔ یہی حکم اس حالت میں ہے جب کہ وقت آنے کے بعد سفر پیش آ گیا تو قربانی واجب نہ ہوگی۔ لیکن ایسے حاجی پر قربانی واجب ہے جو مسافر نہ ہو، یعنی مکہ ہی کا رہنے والا ہو۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ قربانی کے سنت ہونے کی یہ شرط نہیں ہے کہ کوئی بالغ ہو، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اور امام یوسفؒ کے نزدیک نابالغ پر بھی اگر وہ صاحب مال ہے تو قربانی واجب ہے، اس کے ولی کو چاہیے کہ اس کی طرف سے قربانی کرے۔ لیکن امام محمدؒ کے نزدیک بالغ ہونا شرط ہے، نابالغ کے مال سے قربانی واجب نہیں ہے۔

رہا باپ کا اپنے نابالغ لڑکے کی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو قول ہیں اور دونوں (بجائے خود) صحیح ہیں۔ (یعنی اس کو واجب بھی کہہ سکتے ہیں اور نہیں بھی)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ نابالغ کے لیے قربانی سنت نہیں ہے، کیونکہ بالغ ہونا اس کے سنت ہونے کی شرط ہے۔ اسی طرح صاحب عقل ہونا بھی شرط ہے۔

۲۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جانور اندھا یا کانا ہو، یا اتنا دبلا ہو کہ اس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو یا لنگڑا ہو کہ ذبح ہونے کی جگہ تک چل کر نہ جا سکے تو اس کی قربانی درست نہ ہوگی۔ لیکن ایسا لنگڑا جو تین پیروں سے چل سکے اور چوتھے سے بھی چلنے میں سہارا لے لیا کرے تو اس کی قربانی جائز ہے۔ اس جانور کی قربانی نہیں ہو سکتی جس کے کان کٹے ہوئے ہوں یا دم کٹی ہوئی ہو یا ایک تہائی سے زیادہ چکتی غائب ہو، اگر دو تہائی چکتی باقی ہو اور ایک تہائی جاتی رہی ہو تو اس جانور کی قربانی صحیح ہے۔ وہ جانور جس کے دانت ٹوٹ گئے ہوں اس کی قربانی صحیح نہیں ہے، ہاں اگر بیشتر دانت باقی ہوں تو خیر (قربانی ہو سکتی ہے) اور بوچے جانور کی قربانی جس کے کان قدرتی طور پر نہ ہوں اور ایسے جانور کی قربانی جس کے تھن کا سرا کٹا ہوا ہو صحیح نہیں ہے۔ نیز ایسے جانور کی قربانی جس کا دودھ دینا بند ہو گیا ہو اور ایسے جانور کی قربانی جس کی چکتی قدرتی طور پر نہ ہو اور جلالہ کی قربانی درست نہیں ہے، جلالہ وہ چوپایہ ہے جو غلاظت کھانے لگے، ہاں اگر اس کو باندھ رکھا جائے اور ستھری غذا کھلائی جائے تو قربانی درست ہوگی، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ 'جماء' یعنی ایسے جانور کی قربانی جس کے سینگ قدرتی طور پر نہ

Marfat.com

ہوں، درست ہے، اور عظماء کی قربانی بھی درست ہے عظماء وہ جانور ہے جس کا سینگ کسی قدر ٹوٹ گیا ہو، اگر گودے (یعنی جڑ سے) ٹوٹ گیا ہو تو جائز نہیں ہے۔ خارش کے مریض جانور کی قربانی جائز ہے، بشرطیکہ فربہ ہو، لیکن اگر خارش سے وہ دبلا ہو گیا ہو تو درست نہیں ہے۔ چھوٹی عمر کے جانور کی قربانی بھی درست نہیں ہے۔ اس سے مراد وہ بھیڑ بکری ہے جو سال بھر سے کم ہو، البتہ اگر بھیڑ بھاری جسم کی فربہ ہو تو وہ چھ ماہ کی بھی جائز ہے۔ لیکن وہ ایسی ہونی چاہیے کہ سال بھر کے جانوروں میں ملا دیا جائے تو (دبلاپے کے باعث) الگ نہ نظر آتی ہو۔ لیکن بکری جب تک سال بھر کی ہو کر دوسرے سال میں نہ لگ جائے اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔ گائے اور بھینس کی چھوٹی عمر کہ دو سال سے کم کی ہو اور چھوٹی عمر کا اونٹ وہ ہے جو پانچ سال سے کم کا ہو۔ لہٰذا اونٹ جب تک پانچ سال پورے کر کے چھٹے سال میں نہ داخل ہو جائے اس کی قربانی درست نہیں ہے۔ بھیڑ بکری کی قربانی صرف ایک شخص کی جانب سے ہو سکتی ہے لیکن اونٹ اور گائے میں سات اشخاص شریک ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اس کی قیمت میں ہر ایک کا حصہ ساتواں ہو، اگر کسی نے ساتویں حصہ سے کم دیا ہے تو قربانی جائز نہ ہوگی۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اندھے اور کانے جانور کی قربانی درست نہیں ہے۔ اور اندھا یا کانا ہونا یہ ہے کہ آنکھ کی بصارت جاتی رہے اگرچہ آنکھ موجود ہو۔ ایسے مریض جانور کی قربانی جس سے تندرست جانور کی طرح کام نہ لیا جا سکتا ہو صحیح نہیں ہے۔ ہاں معمولی سا کوئی مرض ہو تو مضائقہ نہیں۔ خارش والے جانور کی قربانی صحیح نہیں ہے بشرطیکہ اس کا مرض خارش نمایاں ہو۔ ایسے جانور کی قربانی جو ایسی غذا کھانے لگا ہو جو عام طور پر نہیں کھائی جاتی اور اس سے بدہضمی ہو گئی ہو، جب تک کہ اس کا معدہ دست آ کر صاف نہ ہو جائے درست نہیں ہے۔ وہ جانور جو پورے طور پر پاگل ہو گیا ہو اس کی قربانی صحیح نہیں ہے، ہاں اگر اس کا جنون عارضی ہو تو (قربانی میں) مضائقہ نہیں ہے، چنانچہ تولاء کی قربانی، یعنی ایسا جانور جو پاگل ہو کر ایک ہی جگہ پر چکر کاٹتا رہے اور بھیڑ بکریوں کے ساتھ نہ چلے، جائز ہے۔ اور نہایت لاغر جانور جس کی لاغری نمایاں ہو، یعنی اس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو، یا لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن نمایاں ہو کہ اپنے ساتھی جانوروں کے ساتھ نہ چل سکے، اور نہ وہ جانور جس کے بدن کا کوئی حصہ کاٹ دیا گیا ہو، یا خواہ وہ جز و اصلی ہو یا زائد حصہ ہو، ایسے جانوروں کی قربانی صحیح نہیں ہے۔ جانوروں کے خصی کرانے کی اجازت ہے، لہٰذا خصی شدہ جانور کی قربانی درست ہے، کیونکہ ایسا کرنے سے جانور کا گوشت اچھا ہو جاتا ہے۔ اب وہ جانور پیدائشی طور پر خصی شدہ ہو یا خصی کرایا گیا ہو اس سے فرق نہیں پڑتا۔ اور بوچے جانور، یعنی ایسے جانور کی قربانی جس کے کان سکڑ کر رہ گئے ہوں، نیز دم بریدہ جانور کی قربانی صحیح نہیں ہے، خواہ یہ بوچا پن اور دم کٹا ہونا کوئی قدرتی امر ہو یا بعد میں ایسا کیا گیا ہو۔ اسی طرح گونگے جانور کی قربانی جو اپنی بولی نہ بول سکتا ہو درست نہیں ہے، ہاں اگر عارضی طور پر اس نے اپنی بولی بند کر دی ہو جیسے اونٹنی گیا بھن ہونے کے چند ماہ بعد گونگی ہو جاتی ہے تو اس کی قربانی درست ہوگی۔ گندہ دہن اونٹ جس کے منہ سے بدبو آتی ہو اس کی قربانی درست نہ ہوگی، ہاں اگر وہ بدبو قدرتی ہو جیسا کہ بعض اونٹ پیدائشی طور پر ایسے ہوتے ہیں تو ان کی قربانی میں مضائقہ نہیں ہے۔ اس جانور کی قربانی جس کے تھن خشک ہو گئے ہوں اور تھن پھٹے جانور کی قربانی، جب کہ ایک تہائی حصہ سے زیادہ کان پھٹا ہوا ہو، درست نہیں ہے۔ اگر صرف ایک تہائی حصہ کٹا ہوا ہو تو بقول مشہور جائز ہے۔ جس جانور کے دو یا زیادہ دانت ٹوٹے ہوئے ہوں اس کی قربانی درست نہیں ہے، البتہ ایک دانت ٹوٹا ہوا ہو تو درست ہے۔ اگر کسی جانور کے دانت بڑی

Marfat.com

عمر کا ہو جانے یا تغیر کے باعث گر گئے ہوں تو قربانی درست ہوگی۔ جس جانور کی دم کا تیسرا حصہ جاتا رہے اس کی قربانی صحیح نہیں ہے، لیکن صرف ایک تہائی دم غائب ہو تو صحیح ہے۔ وہ جانور جو جنگلی اور پالتو جانور کے میل سے پیدا ہوا ہو اس کی قربانی صحیح نہیں ہے، چنانچہ ایسا جانور جس کا باپ بھیڑیا یا بکرا ہو اور ماں ہرنی ہو یا اس کے برعکس ہو تو بقول صحیح قربانی جائز نہیں ہے۔ 'جماء' کی قربانی، یعنی ایسے جانور کی جو پیدائشی طور پر بے سینگ کا ہو، درست ہے۔ اگر کسی جانور کے سینگ آگے سے اکھڑے ہوئے ہوں تو اس کے متعلق دو رائیں ہیں (ایک یہ کہ قربانی صحیح ہے دوسری یہ کہ صحیح نہیں ہے)۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ سینگ کے اکھڑنے کی جگہ سے خون نہ نکلا ہو، اگر خون نکلا ہو تو ایک قول کے مطابق اس کی قربانی صحیح نہیں ہے۔ اس جانور کی قربانی صحیح ہے جو فربہی یا چربی بڑھ جانے کی وجہ سے، کسی مرض کے باعث نہیں، کھڑا نہ ہو سکے، بلکہ بیٹھا رہا کرے۔ اور میمنہ (بھیڑ کے بچہ) کی قربانی جو عربی مہینوں کے حساب سے ایک سال کا ہو جائے تو صحیح ہے۔ اس کے (سال پلٹ) ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب وہ کھڑا ہو تو اس کی پیٹھ کے بال لیٹ جائیں۔ اور وہ بچہ جو "ثنی" ہو جائے یعنی دو دنتا ہو (جس کے دو دانت گر چکے ہوں) اس کی قربانی صحیح ہے (دو دنتا وہ ہوتا ہے جو) ایک سال کا پورا ہو کر واضح طور پر دوسرے سال میں داخل ہو گیا ہو۔ مدعا یہ ہے کہ یقینی طور پر سال بھر کا ہو چکا ہو۔ گائے دو دنتی وہ ہوتی ہے جو تین سال کی ہو گئی ہو۔ اور اونٹ دو دنتے وہ ہوتے ہیں جو پانچ سال کے ہوں۔ سال کا شمار قمری (مہینوں کے) اعتبار سے ہوتا ہے، اگر چہ اس کے بعض مہینوں کے دن (تیس سے) کم ہوتے ہیں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ایسے عیب دار جانور کی قربانی صحیح نہیں ہے جس کا گوشت، چربی یا اور چیز کی مقدار جو کھائی جاتی ہے بوجہ اس عیب کے کم ہو گئی ہو۔ کانے اور اندھے جانور کی قربانی صحیح نہیں ہے۔ اس سے مراد آنکھ کی بصارت کا جاتا رہنا ہے۔ یہی حکم اس جانور کا ہے جس کی آنکھ پر سفیدی آ گئی ہو۔ ہاں یہ سفیدی ہلکی ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔ اسی طرح چندھے جانور کی قربانی کرنے میں مضائقہ نہیں ہے جس کی نگاہ کمزور ہو اور بیشتر اوقات آنکھ سے پانی رستا رہتا ہو۔ اور نمایاں طور پر لنگڑے جانور کی قربانی درست نہیں ہے۔ لنگڑا وہ جانور ہے جس کے ساتھی چراگاہ میں اس سے آگے نکل جائیں اور وہ پیچھے رہ جائے۔ اگر چہ لنگڑا پن ذبح کرنے یا گردن کاٹنے یا نرخرہ کاٹنے کے وقت لاحق ہوا ہو۔ ایسے مریض جانور کی قربانی صحیح نہیں ہے جو نمایاں طور پر مرض میں مبتلا ہو جس کے باعث وہ لاغر ہو گیا ہو اور اس کا گوشت خراب ہو گیا ہو۔ ہاں اگر کوئی معمولی مرض ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔ نہایت نحیف جانور ہو جس کی ہڈیوں میں بوجہ لاغر ہونے کے گودا نہ رہا ہو اس کی قربانی درست نہیں اور نہ پاگل جانور کی قربانی درست ہے۔ یہ جانور وہ ہے جو چراگاہوں میں چکر لگائے لیکن چرنے سے باز رہے یا قدرے قلیل چر لیا کرے جس کے باعث لاغر ہو جائے۔ خارش والے جانور کی قربانی بھی صحیح نہیں ہے اگر چہ وہ خارش معمولی ہو کیونکہ اس سے گوشت خراب ہو جاتا ہے۔ کن کٹے جانور کی قربانی بھی درست نہیں ہے۔ خواہ کان پورا کٹا ہوا ہو یا تھوڑا سا۔ چکتی کٹے ہوئے جانور کی قربانی بھی درست نہیں ہے۔ ہاں چھوٹی عمر ہی میں اگر چکتی کے کنارے سے کچھ کٹا ہوا ہو، جس کو تطریف کہتے ہیں تو وہ معاف ہے، کیونکہ جانور موٹا ہو کر اس کمی کو پورا کر لیتا ہے۔ پیدائشی طور پر دم کٹے جانوروں کی قربانی جائز ہے۔ اسی طرح جو جانور پیدائشی بے تھن یا بے چکتی کا ہو اس کی قربانی جائز ہے، لیکن جو جانور پیدائشی طور پر کن کٹا (بوچا) ہو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔ چرے ہوئے کان والے جانور کی قربانی درست نہیں ہے، ہاں کان

Marfat.com

چھدے ہوئے ہوں تو جائز ہے، بشرطیکہ کان کا کچھ حصہ غائب نہ ہو گیا ہو۔ خصی جانور کی قربانی جائز ہے۔ خصی ہونے کی تین شرطیں ہیں: یعنی اس جانور کا گوشت حلال ہو اور یہ کہ چھوٹی عمر میں خصی کیا گیا ہو، اور یہ کہ معتدل وقت میں خصی ہوا ہو۔ ان شرائط کے بغیر خصی کرنا حرام ہے۔ ٹوٹے ہوئے سینگ والے جانور کی قربانی صحیح ہے، اگر چہ جہاں سے سینگ ٹوٹا ہے وہاں سے خون بہا ہو، بشرطیکہ گوشت ناقص نہ ہوا ہو۔ اسی طرح اس جانور کی قربانی جس کا سینگ قدرتی طور پر نہ ہو درست ہے۔ اگر چہ سینگ والا جانور افضل ہے۔ جس جانور کے دانت پیدائشی طور پر نہ ہوں اس کی قربانی درست ہے، لیکن کسی خارجی سبب سے اگر دانت جاتے رہے ہوں تو اس جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔ بھیڑ پورے سال بھر کی ہو یا چھ مہینے کی ہو مگر اس کے اگلے دانت گر چکے ہوں تو قربانی درست ہے، لیکن بکری جب پورے ایک سال کی ہو جائے تب ہی اس کی قربانی صحیح ہوگی۔ قربانی کے لیے گائے اور بھینس پورے دو سال کی اور اونٹ پورے پانچ سال کا ہو تو اس کی قربانی درست ہوگی۔ جنگلی اور خانگی جانوروں کے میل سے جو بچہ پیدا ہو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نابینا جانور کی قربانی درست نہیں ہے، اگر چہ آنکھ قائم ہو۔ جس جانور کی آنکھ بیٹھ گئی ہو اس کی قربانی درست نہیں ہے، ہاں آنکھ پر سفیدی ٹھہر گئی ہو تو قربانی درست ہے۔ ایسا لاغر جانور جس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو، لنگڑا جانور جو اپنے ساتھی جانوروں کے ساتھ چراگاہ کو نہ جا سکتا ہو، نیز استخوان شکستہ جانور یا مریض جانور جس کے گوشت میں نقص پیدا ہو گیا ہو، جیسے خارش کا مریض ہوتا ہے ایسے جانوروں کی قربانی درست نہیں ہے، اور ''عضباء'' یعنی ایسے جانور کی قربانی جس کے کان یا سینگ کا بیشتر حصہ نہ ہو درست نہیں ہے۔ لیکن ایسا جانور جس کے کان کاٹے یا چیرے گئے ہوں، یا نصف یا اس سے کم کٹا ہوا ہو، اس کی قربانی درست، لیکن مکروہ ہے۔ اس بارے میں سینگ کا بھی وہی حکم ہے جو کان کا ہے۔ اور ''جدا'' جس کے تھن خشک ہو گئے ہوں، یا ''ہتماء'' جس کے اگلے دانت جڑ سے اکھڑ گئے ہوں، یا ''عصماء'' جس کے سینگ کا غلاف اتر گیا ہو، ان کی قربانی درست نہیں ہے۔ نیز جس جانور کی چکتی آدھی سے زیادہ جاتی رہی ہو اس کی قربانی درست نہیں ہے۔ ہاں نصف چکتی یا نصف سے کم نہ ہو تو درست ہے اور ''جماء'' پیدائشی بے سینگ کا جانور یا ''صمعاء'' جس کے کان پیدائش ہی سے چھوٹے ہوں یا بے کان کے پیدا ہوا ہو، ایسے جانوروں کی قربانی درست ہے۔ اسی طرح ''بتراء'' (دم بریدہ جانور) جو پیدائشی بے دم کا ہو، یا اس کی دم کاٹ دی گئی ہو، اس کی قربانی درست ہے۔ خصی جانور کی قربانی بھی صحیح ہے لیکن ''مجبوب'' کی قربانی جائز نہیں ہے جس کا آلہ تناسل مع بیضوں کے نکال دیا گیا ہو۔ گیابھن جانوروں کا وہی حکم ہے جو دوسرے جانوروں کا ہے۔ وحشی جانوروں کی قربانی، یا جنگلی اور گھریلو جانوروں کے میل سے پیدا ہونے والے جانور کی قربانی درست نہیں ہے۔ میمنہ یعنی بھیڑ کا بچہ جو چھ ماہ کا ہو گیا ہو، اس کی قربانی صحیح ہے۔ چھ ماہ کا ہونا اس طرح معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ان کے پیٹھ کے بال لیٹے ہوئے ہوں (یعنی کھڑے نہ ہوں)۔ ان کے علاوہ ان جانوروں کی قربانی درست ہے جو ''ثنی'' ہوں، یعنی جن کے دو دانت گر چکے ہوں۔ چنانچہ بکری پورے ایک سال کی ہو کر، گائے پورے دو سال کی اور اونٹ پورے پانچ سال کے بعد جب چھٹے سال میں داخل ہو جائے تو 'ثنی' ہوتے ہیں، اس سے کم کے ہوں تو قربانی درست نہیں ہے۔

Marfat.com

قربانی کی جائے تو درست نہ ہوگی۔ وقت کی تعیین بموجب مسالک مختلفہ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ [1]

ا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ قربانی کا وقت یوم نحر، جس کو عید کا دن کہتے ہیں، کی طلوع فجر کے بعد سے ہوتا ہے اور تیسرا دن ختم ہونے سے کچھ پہلے تک رہتا ہے۔ قربانی کے لیے وقت کا تعین شہر اور قریہ کے لیے بذات خود الگ الگ نہیں ہے، لیکن اہل شہر کے لیے قربانی کے صحیح ہونے کی یہ شرط ہے کہ نماز عید کے بعد قربانی ذبح کی جائے۔ گو خطبہ سے پہلے ہو، تاہم افضل یہی ہے کہ خطبۂ عید ختم ہونے کے بعد قربانی کی جائے۔ شہر کے رہنے والے نے اگر عید کی نماز سے پہلے ذبح کیا تو وہ قربانی نہ ہوگی، اس کا گوشت کھالیا جائے۔ اگر عید کی نماز ہی نہ ہو تو قربانی میں اتنی دیر کرنی چاہیے کہ نماز (عید) کا وقت ختم ہو جائے، نماز کا وقت آفتاب کے بلند ہونے سے زوال آفتاب تک ہے، لہٰذا اس کے بعد ذبح کرنا چاہیے۔ البتہ قریہ کے رہنے والے کے لیے یہ قید نہیں ہے، وہ لوگ یوم نحر کو صبح نمودار ہونے کے بعد ہی قربانی کر سکتے ہیں۔ اگر عید کے دن کے متعلق غلط فہمی ہو اور لوگ نماز پڑھ لیں اور قربانی بھی کر لیں، اس کے بعد یہ پتہ چلے کہ وہ (عید کا دن نہیں) عرفہ کا دن تھا تو وہ نماز اور قربانی دونوں جائز متصور ہوں گی۔ اگر قربانی کا جانور ہے اور اسے ذبح نہیں کیا گیا یہاں تک کہ وقت نکل گیا تو چاہیے کہ اس جانور کو زندہ ہی صدقہ کر دیا جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ قربانی کا وقت امام کے سوا دوسرے اشخاص کے لیے پہلے دن اس وقت ہوتا ہے جب امام اپنا جانور ذبح کر لے اور امام کے لیے ذبح کرنے کا وہ وقت ہے جب کہ نماز عید اور خطبوں سے فارغ ہو جائے۔ اگر امام قربانی نہ کرے تو اتنا وقت گزار کر قربانی کرنی چاہیے جس میں امام قربانی کر لیتا۔ قربانی کا وقت عید کا تیسرا دن ختم ہونے تک باقی رہتا ہے اور آفتاب غروب ہوتے ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اگر دوسرے دن قربانی کرنا ہو تو اس دن اتنی دیر توقف کرنا جتنی دیر میں امام نماز عید پڑھتا ہے لازم نہیں ہے، بلکہ سورج کے چڑھنے کے بعد ہی قربانی کی جا سکتی ہے۔ اگر (اس سے پہلے) ظہور صبح کے بعد ہی ذبح کیا تب بھی جائز ہے۔ امام کے ذبح کرنے سے پہلے قصداً اپنا جانور ذبح کر لینا جائز نہیں ہے، ایسا کیا ہو تو ایک اور قربانی کرے، لیکن اگر کسی کو امام کی قربانی کا علم نہیں ہے اور اس نے تقریباً اتنی دیر تک انتظار کر لیا ہے جس میں امام ذبح کر لیتا اور بایں گمان کہ امام نے ذبح کر لیا ہے کسی نے اپنی قربانی ذبح کر لی لیکن بعد میں پتہ چلا کہ امام سے پہلے اس نے جانور ذبح کر لیا ہے تو یہ قربانی جائز ہوگی۔ اگر امام کسی شرعی مجبوری کے باعث اپنی قربانی نہ کر سکا ہو تو زوال آفتاب کے قریب وقت تک اس کا انتظار کرنا چاہیے، یعنی زوال آفتاب میں صرف اتنی دیر باقی ہو کہ اس عرصہ میں جانور ذبح کیا جا سکے تو ذبح کر لینا چاہیے، اگرچہ امام نے اپنی قربانی ذبح نہ کی ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ قربانی کا وقت عید کی نماز کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے، لہٰذا نماز کے بعد ہی، گو خطبہ سے پہلے ہو، قربانی ذبح کی تو درست ہوگی۔ لیکن افضل یہ ہے کہ نماز اور خطبہ دونوں کے بعد قربانی کا جانور ذبح کیا جائے۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ اتنا انتظار کیا جائے کہ شہر بھر میں جہاں جہاں نماز عید ہوتی ہے ہر جگہ نماز ہو جائے تب ہی قربانی کی جائے، بلکہ اگر کسی جگہ کی نماز ختم ہونے سے پہلے بھی ذبح کر لیا تو جائز ہے۔ اگر کوئی شخص ایسے علاقہ میں ہو جہاں عید کی نماز نہیں ہوئی، مثلاً میدانی علاقے یا خانہ بدوشوں کی بستی جن پر عید واجب نہیں ہے تو ایسی صورت میں قربانی کا وقت اتنا عرصہ گزر جانے پر آجاتا ہے جس میں نماز عید پڑھی جا سکے۔ اگر زوال کا وقت آجانے کے باعث نماز عید فوت ہو جائے تو اس صورت میں

Marfat.com

واضح ہو کہ بعض مسالک میں کچھ اور شرطیں لگائی گئی ہیں، ان کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[1]

واضح ہو کہ قربانی میں شریک ہونا خواہ قیمت میں ہو یا ثواب میں دونوں طرح جائز ہے۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے، مالکیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیل حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[2]

واضح ہو کہ قربانی میں شرکت اونٹ اور گائے (کی جنس) کے جانوروں میں ہو سکتی ہے، لہٰذا اگر سات اصحاب ایک گائے یا ایک اونٹ میں شریک ہو کر قربانی کریں تو درست ہے، بشرطیکہ ان میں سے ہر ایک کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو۔ اگر سات سے زیادہ حصے دار شریک ہوں تو قربانی درست نہ ہو گی۔ سات حصہ داروں سے کم ہوں تو قربانی درست ہو گی اور چوپاؤں میں سے اونٹ، گائے، بھینس اور بھیڑ بکری کے علاوہ کسی اور جانور کی قربانی درست نہیں ہے۔ ان میں سے سب سے افضل ہونے کے باب

زوال کے وقت بھی قربانی کی جا سکتی ہے۔ قربانی کا آخری وقت ایام تشریق کے دوسرے دن تک ہے۔ پس قربانی کے دن حنابلہ کے نزدیک تین ہیں۔ عید کا دن اور اس کے بعد کے دو دن، اور عید کے بعد کے جو دو دن ہیں ان میں رات کو بھی قربانی کرنا جائز ہے، لیکن دن کے وقت ذبح کرنا افضل ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ قربانی کا وقت عید الاضحیٰ کے دن طلوع آفتاب کے بعد اتنا وقت گزر جانے پر ہو جاتا ہے جس میں دو رکعت نماز اور دونوں خطبے پڑھے جا سکیں، اگرچہ سورج بقدر ایک نیزہ نہ چڑھا ہو۔ لیکن افضل یہی ہے کہ آفتاب کے اتنے بلند ہو جانے پر ہی قربانی کی جائے۔ قربانی کا وقت ایام تشریق کے خاتمے یعنی تین دن تک رہتا ہے، اس وقت کے اندر رات یا دن میں کسی وقت بھی ذبح کرنا صحیح ہے، البتہ رات کو بلا ضرورت ذبح کرنا مکروہ ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ مثلاً دن میں کوئی شخص ایسے امور میں مصروف رہا ہو کہ قربانی نہ کر سکے یا کوئی اور مصلحت ہو مثلاً یہ کہ رات کو محتاجوں کے اکھٹے ہونے کی سہولت مدنظر ہو۔

۱۔ مالکیہ نے یہ شرطیں زیادہ کی ہیں کہ قربانی کو دن ہی میں ذبح کرنا چاہیے، رات کو ذبح کیا تو قربانی صحیح نہ ہو گی۔ یہ شرط صرف پہلے دن کے لیے ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ پہلے دن کے علاوہ دوسرے دنوں میں رات کو ذبح کرنے کے مسئلہ میں اختلاف ہے، اور مشہور قول یہی ہے کہ جائز نہیں ہے۔ ایک شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو۔ اگر کسی اہل کتاب نے قربانی کو ذبح کیا تو وہ جائز نہیں ہے، لیکن اس کا گوشت کھایا جا سکتا ہے۔ ایک شرط یہ ہے کہ قربانی میں کوئی اور شریک نہ ہو۔ ثواب میں شریک کرنا تو صحیح ہے لیکن قیمت میں ایسے کسی شخص کو شریک نہ کیا جائے جس کا نفقہ (قربانی کرنے والے کے) ذمہ ہو، بشرطیکہ سب ایک ہی گھر میں رہتے ہوں۔ ایسا کرنے سے قربانی صحیح نہ ہو گی۔ یہی قول مشہور ہے۔ حنفیہ نے یہ شرط زیادہ کی ہے کہ پہلے اور چوتھے روز دن ہی کے وقت ذبح کرنا چاہیے، اگر پہلی رات کو یا چوتھی رات کو ذبح کیا تو قربانی صحیح نہ ہو گی، درمیان کی دو راتوں میں ذبح کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

۲۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ قیمت میں اشتراک صحیح نہیں ہے، ہاں ثواب میں شامل کر لینا بہ شرائط متذکرہ سابقہ صحیح ہے۔

Marfat.com

میں مختلف مسالک تفصیل طلب ہیں، ان کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔ [1]

قربانی ذبح کرنے کے وقت ترک تسمیہ کا بیان

تسمیہ (اللہ کا نام لینا، یا بسم اللہ کہنا) ہر قسم کے ذبیحہ کا گوشت حلال ہونے کی شرط ہے۔ اس پر تین اماموں کا اتفاق ہے، شافعیہ کو اختلاف ہے، ان کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو [2] چونکہ (تسمیہ کی قید) قربانی کے اور دوسرے جانوروں کے لیے بھی ہے لہٰذا اگر قصداً تسمیہ ترک کیا گیا تو اس ذبیحہ کا گوشت کھانا ممنوع ہے۔ ہاں اگر بھولے سے تسمیہ ترک ہو گیا تو کھایا جا سکتا ہے، جیسا کہ ذبح کے بیان میں بتایا جائے گا۔ اور اگر ذبیحہ پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو تو وہ نہ کھایا جائے۔ غیر اللہ کا نام پکارے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ذبح کے وقت کسی بت کا نام لیا جائے اور اس کو ذریعہ ثواب سمجھا جائے، جیسا کہ مشرکین (مکہ) کی عادت تھی کہ جانور کو ذبح کرتے وقت اپنے بتوں کا نام پکار کر لیتے تھے۔

قربانی کے مستحبات اور مکروہات کا بیان

قربانی میں جو امور مستحب اور جو مکروہ ہیں ان کی تفصیل بہ موجب مسالک مختلفہ ذیلی حاشیہ میں

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ایک بکری کی قربانی اونٹ یا گائے وغیرہ کی قربانی کے ساتویں حصہ سے افضل ہے جب کہ گوشت (کی مقدار) اور قیمت میں دونوں برابر ہوں۔ اور مینڈھا (قربانی کے لیے) بھیڑ سے بہتر ہے جب کہ قیمت دونوں کی یکساں ہو، اور بکری بھیڑ سے بہتر ہے جب کہ قیمت میں یکساں ہوں۔ اور اونٹ یا گاؤ مادین ہو تو افضل ہے، درآنحالیکہ قیمتیں (نر و مادہ) کی یکساں ہوں۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ ایک شخص سات بکریوں کو ذبح کرے تو افضل ہے، اس کے بعد اونٹ یا گائے افضل ہے، اور کامل ہونے کی کوئی حد نہیں ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں سب سے افضل اونٹ ہے، پھر گائے جب کہ بلا شرکت غیرے قربانی کی جائے۔ اس کے بعد بھیڑ بکری، پھر ایک اونٹ یا اونٹنی میں سات آدمیوں کا شریک ہونا۔ اس کے بعد گائے میں شریک ہونا۔ اور سب سے بہتر قربانی وہ ہے جو زیادہ فربہ ہو، پھر وہ جس کی قیمت زیادہ ہو۔ اس بارے میں نر اور مادہ برابر ہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ سب سے بہتر مینڈھا ہے، پھر بکری، پھر گائے اور اس کا اونٹ پر مقدم ہونا ظاہر ہے۔ اس کے بعد اونٹ اور بے خصی کا جانور مستحب ہے، بشرطیکہ خصی جانور زیادہ فربہ نہ ہو۔ اگر خصی جانور زیادہ فربہ ہو تو بے خصی کے فربہ جانور سے افضل ہے۔

۲۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ ہر ذبیحہ حلال ہونے کے لیے تسمیہ شرط نہیں ہے، اگر دانستہ نام نہ لیا جائے تب بھی ذبیحہ حلال ہے، لیکن تسمیہ کا ترک کرنا مکروہ ہے۔ اور حرام اس ذبیحہ کا کھانا ہے جس پر ذبح کے وقت اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا جائے۔

Marfat.com

ملاحظہ ہو۔ (۱)

یہ وہ ذبیحے ہیں جو بتوں کے نام پر ہوتے تھے۔

ا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ نماز پڑھنے والے کے لیے قربانی کا اعلان امر مستحب ہے، ایسا نہ کرنا صرف امام کے لیے مکروہ ہے، اور مستحب یہ ہے کہ جس قسم کا جانور ذبح کیا جائے وہ عمدہ اور بہترین چوپایہ ہو اور (جسمانی لحاظ) سے کامل ترین ہو، اور یہ کہ پاک مال سے خریدا گیا ہو اور اس میں کوئی (جسمانی) عیب نہ ہو، تندرست ہو۔ نیز مستحب یہ ہے کہ وہ جانور خرقاء (کان چھدا) نہ ہو، یعنی ایسا جانور نہ ہو جس کے کان میں گول سوراخ کیا گیا ہو اور 'شرقاءُ (کان پھٹا) نہ ہو، یعنی اس کا کان چرا ہوا نہ ہو۔ یا مقابلہ (کان کٹا) نہ ہو، یعنی آگے کی طرف کان کٹا ہوا یا ''مدارہ'' نہ ہو، یعنی جس کا کان پیچھے کی طرف سے کٹا ہوا ہو۔ اور یہ بھی مستحب ہے کہ جانور فربہ ہو اور یہ کہ بقول راجح اس کو فربہ کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ اور یہ کہ نر ہو، دو سینگوں والا اور سفید رنگ کا ہو، اور مستحب یہ ہے کہ بے خصی ہو، بشرطیکہ خصی شدہ جانور اس سے زیادہ فربہ دستیاب نہ ہو، اور بھیڑ کی جنس کے جانور کو فوقیت دینا مستحب ہے، اس کے بعد بکری کا درجہ ہے وعلیٰ ہذا القیاس بموجب تفصیل سابقہ۔ اور قربانی کرنے والے کے لیے مستحب یہ ہے کہ ماہ ذی الحجہ کے ابتدائی عشرہ میں بال کٹوانا یا ناخن تراشنا جب تک قربانی نہ ہو جائے موقوف رکھے۔ قربانی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا مستحب ہے۔ اور فوت شدہ شخص کے وارث کو اپنے مورث کی جانب سے قربانی کرنا مستحب ہے جبکہ اس نے موت سے پہلے اس کے لیے کہا ہو، لیکن وہ نذر کی قربانی نہ ہو، نذر مانی ہوئی قربانی ہو تو اس کی وصیت کو پورا کرنا (محض امر مستحب نہیں بلکہ) واجب ہوگا۔ قربانی کے گوشت کو کھانے، صدقہ کرنے اور ہدیۃً دینے کے لیے مجموعی طور پر کام میں لایا جائے، اس کے لیے کوئی پابندی نہیں ہے جس طرح جی چاہے گوشت کا استعمال کیا جائے۔ اگر ذبح سے پہلے قربانی کے جانور کے بچہ پیدا ہو جائے اس کو زندہ حالت میں ذبح یا نحر کر دینا سنت ہے، اسے زندہ نہ رکھا جائے۔ اس کا گوشت بھی کھایا جا سکتا ہے جب کہ اس کا وجود پورا بن گیا ہو اور جسم پر بال اگ آئے ہوں۔ اگر بچہ ذبح ہونے کے بعد زندہ نکلے تو اسے ذبح یا نحر کرنا (سنت نہیں) بلکہ واجب ہے۔ اور ذبح کرنے سے پہلے قربانی کے جانور کی اون اتارنا دو شرائط کے ساتھ مکروہ ہے: اول یہ کہ خریدنے کے وقت اون اتارنے کی نیت نہ رہی ہو۔ اگر اس وقت اون اتارنے کا ارادہ تھا کہ اسے مباح کام میں استعمال کیا جائے گا تو بلا کراہت جائز ہے۔ غرض فروخت کرنے کی نیت سے قربانی کے جانور کے بال اتارنا مکروہ ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ذبح ہونے سے پہلے اسی قدر یا تقریباً اسی قدر بال کے پھر پیدا ہو جانے کی امید نہ ہو (تو بال اتارنا مکروہ ہوگا) ورنہ کوئی کراہت نہیں ہے۔ نذر کی قربانی کے جانور کی اون اتارنا مطلقاً حرام ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نذر کی قربانی کا بھی وہی حکم ہے جو غیر نذر کی قربانی کا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ قربانی کے گوشت کا کھانا، بچا کر رکھنا اور صدقہ کرنا مستحب ہے، اور افضل یہ کہ ایک تہائی صدقہ کیا جائے ایک تہائی اپنے لیے بچایا جائے باقی ایک تہائی حصہ رشتہ داروں اور احباب کے لیے نکالا جائے۔ تاہم اگر تمام گوشت اپنے ہی استعمال میں لایا جائے تب بھی جائز ہے کیونکہ جہاں تک ثواب کا تعلق ہے وہ صرف خون بہانے (ذبح کرنے) پر موقوف ہے۔ لیکن یہ حکم اس حالت میں ہے جب کہ قربانی نذر کی نہ ہو، نذر کی قربانی ہو تو اس کا کھانا مطلقاً حرام ہے، وہ تمام کا تمام صدقہ کر دینا چاہیے۔ اسی طرح وہ مخصوص جانور جس کی قربانی ایام نحر کے بعد واجب ہو وہ سب کی سب

Marfat.com

صدقہ کی جائے۔ اگر کوئی جانور قربانی کے ارادہ سے خریدا اور اسے باندھ رکھا، یہاں تک کہ ایام نحر گزر گئے تو واجب ہے کہ اسے زندہ ہی صدقہ کر دیا جائے اور اس میں سے کھانا حرام ہے۔ اگر قربانی کے جانور سے کوئی بچہ ذبح کرنے سے پہلے پیدا ہو تو اسے قربانی کے ساتھ ہی صدقہ کیا جائے۔ اس میں سے کچھ کھانا حلال نہیں ہے، اگر کھایا ہو تو اس کی قیمت صدقہ کر دی جائے۔ ایسا بچہ جو زندہ پیدا نہ ہوا ہو اس کے تذکیہ (ذبح) کے بارے میں جو اختلاف مسالک ہے اس کو ذکاۃ کے بیان میں بتایا گیا ہے۔ اسی طرح اس قربانی کا گوشت کھانا بھی حرام ہے جو کسی میت کی طرف سے اس کی وصیت کے مطابق کی جائے۔ یہی حکم اس حال میں ہے جب کہ حصہ داروں میں سے کسی کا حصہ پچھلی قربانی کی قضا کے طور پر ہو۔ ان صورتوں میں پورا گوشت صدقہ میں دینا واجب ہے۔ اور مستحب یہ کہ اگر قربانی کرنے والا زیادہ عیال دار ہو تو قربانی کے گوشت کا صدقہ نہ کرے، بلکہ عیال پر کھل کر صرف کر دے۔ اور جو شخص ذبح کرنا جانتا ہو اسے اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا مستحب ہے ورنہ اسے چاہیے کہ ذبح کے وقت وہاں موجود ہو اور کسی کو ذبح کرنے کے لیے کہے۔ اہل کتاب کا ذبح کرنا مکروہ ہے۔ لیکن مجوسی (آتش پرست) اور بت پرست کا ذبیحہ حلال نہیں ہے، جیسا کہ سابقاً بتایا گیا۔ قربانی کی کھال کا بیچنا یا ایسی شے سے تبادلہ کرنا مکروہ ہے جو خرچ ہو جانے والی شے ہو جیسے گوشت، دودھ یا سرکہ وغیرہ۔ لیکن اس کو ایسی اشیاء سے مبادلہ کرنا حلال ہے جو عرصہ تک باقی رہے، مثلاً چھلنی یا ڈول وغیرہ۔ اور یہ جائز ہے کہ اس کھال کو اسی قسم کے کام میں لایا جائے، مثلاً اس سے چھلنی یا مشکیزہ، یا دسترخوان بنا لیا جائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کھال کا بیچنا صرف مکروہ نہیں، بلکہ امر باطل ہے۔ اور ذبح کرنے سے پہلے اس کی اون کا اتارنا تاکہ اس سے نفع اٹھایا جائے مکروہ ہے۔ اگر اون اتاری گئی ہے تو اسے بھی صدقہ کر دینا چاہیے۔ ذبح کرنے سے پہلے اس کے دودھ کو کام میں لانا مکروہ ہے۔ اور کھال کی قیمت سے قصاب کو اجرت دینا مکروہ ہے۔ نیز (ایام نحر) کی درمیانی دو راتوں میں ذبح کرنا مکروہ تنزیہی ہے، لیکن پہلی اور چوتھی رات کو ذبح کرنا درست نہیں ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ ذبح کے وقت جانور کو قبلہ رخ لٹانا سنت ہے، اور عام جانوروں کے ذبح کی طرح قربانی میں بھی چھری کے تیز دھار دار ہونے اور دوسری باتوں کا خیال رکھنا چاہیے اور بلا ضرورت (ذبح کے علاوہ) اور اذیت نہ دینا چاہیے۔ قربانی کے جانور کا دودھ بیچنا، اس کا پینا، یا کسی کتابی کو قربانی میں سے کھلانا بایں طور کہ اس کے گھر بھیجا جائے مکروہ ہے۔ البتہ اگر کسی کافر کی ضیافت ہوئی یا کھانا کھاتے میں کوئی کافر آ گیا تو بقول راجح اسے کھلا دینا مکروہ نہیں ہے۔ اور قربانی کے جانور کی قیمت بڑھ چڑھ کر دینے یا زیادہ تعداد میں قربانی دینے میں فخر کا اندیشہ ہو تو وہ (قربانی) مکروہ ہے، ہاں اگر زیادہ قیمت کا جانور قربانی کرنے اور زیادہ تعداد میں قربانی کرنے کی غرض زیادہ ثواب حاصل کرنا ہو تو یہ امر مستحب ہے۔ اور فوت شدہ شخص کی طرف سے قربانی کرنا درآنحالیکہ اس کے مال موقوفہ میں قربانی کی کوئی شرط نہ ہو، مکروہ ہے۔ ہاں اگر میت نے ایسی وصیت کر دی ہو تو قربانی واجب ہو گی۔ اور لازم یہ ہے اس کی تمام شرطوں کو پورا کیا جائے، خواہ وہ شرط جائز ہو یا مکروہ ہو۔ اگر کسی نے موت سے پہلے قربانی کا تعین کر دیا ہو تو اس کا نفاذ مستحب ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اور عتیرہ کرنا جو عہد جاہلیت کا ایک طریقہ تھا کہ ماہ رجب میں بتوں کے نام کی بکری ذبح کیا کرتے تھے مکروہ ہے۔ یہ عمل (رجب میں بکری کی قربانی کرنا) ابتدائے اسلام میں جائز تھا پھر قربانی کا حکم آنے کے بعد وہ منسوخ ہو گیا۔ اور قربانی کے جانور کو اس سے کم حیثیت کے جانور سے یا مساوی حیثیت کے جانور سے بدلنا مکروہ ہے جب کہ کسی خاص جانور کو قربانی

Marfat.com

کے لیے مخصوص نہ کیا گیا ہو، اگر کوئی جانور مخصوص کیا گیا ہو تو اس کا بدلنا درست نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ فربہ جانور کی قربانی سنت ہے، خواہ یہ فربہی اس میں قربانی کرنے والے کی کوششوں سے آئی ہو یا کسی اور طرح سے۔ اور یہ بھی سنت ہے کہ اس کے سینگ ٹوٹے ہوئے نہ ہوں یا بے سینگ جانور نہ ہو، اور یہ کہ عید کی نماز کے بعد ذبح کیا جائے اور ذبح کرنے والا مسلمان ہو۔ اور اس کو دن کے وقت ذبح کیا جائے، رات کو بلا ضرورت ذبح کرنا مکروہ ہے۔ ہاں ضرورت لاحق ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ اور یہ کہ جس جگہ قربانی کو لٹایا جائے وہ نرم ہو تا کہ قربانی کو (غیر معمولی) اذیت نہ ہو۔ اور یہ کہ اس کا منہ قبلہ کی جانب ہو اور ذبح کرنے والا بھی قبلہ کی طرف منہ کر کے ذبح کرے۔ اور یہ کہ اللہ کا نام لے (بسم اللہ کہے)۔ قصداً اللہ کا نام نہ لینا مکروہ ہے، جیسا کہ پہلے بتایا گیا۔ اور یہ بھی سنت ہے کہ ذبح کے وقت نبی ﷺ پر درود و سلام پڑھے اور یہ کہ تسمیہ (بسم اللہ) کے بعد تین بار تکبیر کہے اور یوں دعا کرے "**اللّٰھم ھذا منک و الیک فتقبل منی**" (یعنی یا الٰہی! یہ قربانی تیرے حکم کے مطابق اور تیری ہی خوشنودی کے لیے ہے اسے قبول فرما) اور یہ کہ بھیڑ، بکری یا گائے کی جنس کے جانوروں کو 'ذبح' اور اونٹ کا 'نحر' کیا جائے اور یہ کہ سر کو تن سے جدا نہ ہونے دیا جائے اور ودجین (گردن کی جو دو رگیں ہیں ان) کو کاٹا جائے۔ اور نحر کے وقت اونٹ کو کھڑا رکھنا اور بائیں پاؤں کو باندھ دینا سنت ہے۔ بھیڑ، بکری اور گائے کو بائیں پہلو پر لٹا دیا جائے، اور یہ کہ چھرے کو تیز کر لیا جائے اور جانور کے سامنے چھرے کو تیز کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح یہ بھی مکروہ ہے کہ ایک جانور کے سامنے چھرے کو تیز کیا جائے اور دوسرا دیکھے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ قربانی کا ایک تہائی حصہ کھانا، ایک تہائی حصہ ہدیہ کرنا اور ایک تہائی محتاجوں کو صدقہ کر دینا سنت ہے۔ اس حکم میں مقررہ قربانی اور نذر مانی ہوئی قربانی میں فرق نہیں ہے۔ لیکن مقررہ قربانی اور نذر کی قربانی سے کافر کو ہدیہ کرنا جائز نہیں ہے، ہاں نفلی قربانی ہو تو اس میں سے کافر کو ہدیہ دینا جائز ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ جو گوشت سب سے اچھا ہو اس کو صدقہ میں دیا جائے، جو معمولی درجہ کا ہے اسے تحفہ میں دیا جائے اور جو سب سے کم درجہ کا ہے اسے خود کھایا جائے، اگر کسی یتیم کی طرف سے قربانی کی جائے تو اس کے ولی کو اس کی طرف سے صدقہ کرنا یا ہدیہ میں دینا جائز نہیں ہے، بلکہ خود ہی بافراط اپنے صرف میں لائے۔ اور قربانی کرنے والا قربانی کے جانور کا دودھ پی سکتا ہے۔ ہاں اگر اس کا بچہ ہو تو اتنا دودھ استعمال میں لانا کہ جس قدر بچے کی پرورش کے لیے درکار ہے اس میں کمی آ جائے حرام ہے۔ ایسا کیا تو اس دودھ کی قیمت صدقہ میں دینا لازم ہے۔ ہاں اگر بچے کی خوراک سے زیادہ ہو تو وہ بھی پیا جا سکتا ہے۔ اور قربانی کے جانور کی اون اتار لینا جائز ہے، بشرطیکہ اس سے جانور کو فائدہ پہنچے، مثلاً اس کی فربہی میں اضافہ ہو، لیکن اگر اون کا نہ اتارنا ہی اس کے لیے مفید ہو، مثلاً یہ کہ اس سے گرمی یا سردی سے بچاؤ ہوتا ہو تو اس کی اون اتارنا جائز نہیں ہے۔ نیز قربانی سے قصاب کو اجرت دینا جائز نہیں ہے۔ اگر قربانی میں سے کچھ دینا ہو تو بطور صدقہ یا ہدیہ کے (قصاب کو) دیا جا سکتا ہے قربانی کی کھال یا اس کی جھول جس سے جانور کو ڈھکا جاتا ہے، کا بیچنا حرام ہے۔ اسی طرح ذبیحہ میں سے کچھ بیچنا حرام ہے۔ البتہ کھال یا جھول کو ذاتی کام میں لایا جا سکتا ہے، مثلاً اس پر نماز پڑھی جائے یا اس سے چھلنی وغیرہ بنالی جائے، یا ان کو صدقہ میں دے دیا جائے۔ اگر قربانی کے جانور سے بچہ پیدا ہو جائے تو قربانی کے ساتھ اس بچہ کو بھی ذبح کیا جائے، خواہ وہ جانور قربانی کے لیے مخصوص کرنے سے پہلے ہی گیابھن ہوا ہو یا بعد میں۔ اور اس اس بچے کو ذبح کر دینا مستحب ہے جو ماں کے پیٹ سے

Marfat.com

طریق ذبح کا بیان

اس عمل کو ''ذکاۃ'' کہتے ہیں

لفظ ذکات (بہ ذال) کے معنے ہیں کسی جانور کو جس کا گوشت مباح ہے ذبح کرنا یا نحر کرنا (نیزہ مار کر اونٹ کو حلال کرنا) یا عقر کرنا (یعنی زخم لگا کر حلال کرنا)۔ اس (کے صحیح ہونے) کی شرطیں بموجب مسالک مختلفہ ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہوں۔(۱)

مردہ پیدا ہوا ہو یا جس میں حرکت مذبوحی ہو (جو مرنے سے پہلے بے اختیاری میں ہوا کرتی ہے)۔ اور وہ بچہ جس میں دیر پا زندگی ہو اس کا ذبح کرنا واجب ہے اور بچے کی ذکاۃ (ذبح سے پاکیزگی حاصل کرنا) اس کی ماں کے ذبح کرنے سے (از خود) ہو جاتی ہے، خواہ اس کے جسم پر بال اگ آئے ہوں یا نہ اگے ہوں۔ اونٹ کو کھڑا کر کے اور اس کے بائیں پاؤں کو باندھ کر ذبح کرنا سنت ہے۔ نیز ذبح کے وقت ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیے جو عام جانوروں کے ذبح کرنے کے بیان میں آگے بتائی جا رہی ہیں۔

۱۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ ازروئے شرع ذکاۃ کی دو قسمیں ہیں: ذکاۃ ضروری، ذکاۃ اختیاری۔ ذکاۃ ضروری یہ ہے کہ جانور کو کسی جگہ بھی زخمی کر دیا جائے۔ یہ عمل ایسے جانوروں پر کیا جاتا ہے جو پالتو نہ ہوں، یا کوئی بھیڑ بکری یا گائے اونٹ بدک کر بے قابو ہو جائے اور اس کو ذبح کرنے پر قابو نہ پایا جا سکے اور ذبح کرنا دشوار ہو جائے۔ پھر اس پر تیر چلایا جائے اور اس کے جسم کے کسی حصہ پر جا کر لگے اور اس سے خون بہے اور وہ مر جائے تو اس کا کھانا حلال ہے۔ اسی طرح اگر اونٹ بھاگ جائے اور اس پکڑا نہ جا سکے جب تک کہ بہت سے لوگ نہ ہوں تو جائز ہے کہ اس کو تیر سے زخمی کیا جائے اور اس سے خون بہے اور اسی زخم سے وہ مر جائے تو اس کا گوشت حلال ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ جانور کسی پر حملہ کر دے اور وہ شخص اپنی حفاظت کے لیے اس پر وار کر کے اسے مار دے تو وہ بھی حلال ہے، بشرطیکہ وہ زخمی ہو گیا ہو اور اس کے زخم سے خون بہا ہو۔ اسی طرح اگر کوئی جانور کنوئیں میں گر گیا اور اسے ذبح کرنا دشوار ہو اور اس پر تیر چلا کر اسے زخمی کر دیا اور یہ معلوم ہوا کہ اسی زخم سے وہ مرا یا یہ نہ معلوم ہوا کہ وہ زخم سے مرا یا کسی اور طرح تب بھی اس کا کھانا حلال ہے۔ ہاں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اس کے زخم سے نہیں مرا بلکہ کسی اور طرح سے مرا ہے تو وہ حلال نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی گائے کے بچہ پیدا ہونے اور کسی نے اپنا ہاتھ ڈال کر اس بچہ کو ذبح کر دیا یا اگر ذبح نہ کیا، بلکہ اسے زخمی کر دیا تب بھی وہ حلال ہو گا، اگر نہ ذبح کیا اور نہ زخمی کیا تو وہ بچہ حلال نہ ہوگا، خواہ اس کی ماں کو حلال کر دیا جائے کیوں کہ ماں کی ذکاۃ (حلال) کرنے سے بچے کی ذکات نہیں ہو جاتی۔ امام ابو یوسفؒ اور محمدؒ کہتے ہیں کہ اگر بچہ پورا بن گیا ہے تو ماں کے حلال کرنے سے وہ بچہ بھی حلال ہو جاتا ہے کیوں کہ حدیث میں آیا ہے: ''ذکاۃ الجنین ذکاۃ امه'' (یعنی پیٹ کے بچے کی ذکاۃ ماں کی ذکاۃ ہے) اس حدیث کو امام صاحب نے تشبیہ پر محمول فرمایا ہے اور مطلب یہ لیا ہے کہ پیٹ کے بچہ کی ذکاۃ (ذبح) کا طریق وہی ہے جو اس کی ماں کی ذکاۃ (ذبح) کا ہے۔

Marfat.com

(دوسری قسم ذبح کی) ذکاۃ اختیاری یہ ہے کہ گردن کو اس کی ابتداء سے لے کر سینے کی ابتداء تک کسی جگہ سے کاٹا جائے بایں طور کہ ''ودجین'' (گردن کی دونوں شہ رگیں) کٹ جائیں۔ گردن میں سامنے کی طرف جو دو بڑی بڑی رگیں ہوتی ہیں انھیں ودجین (شہ رگیں) کہتے ہیں، اسی طرح ''نرخرہ'' جس سے سانس لیا جاتا ہے اور مریٔ (کھانے پینے کی نالی) بھی کٹ جانی چاہیے۔ ان (چاروں یعنی ودجین، نرخرہ اور خوراک کی نالی) میں تین کے کاٹنے سے بھی جانور حلال ہو جاتا ہے، کیوں کہ اکثر کو کل قرار دیا جاتا ہے، لہٰذا اگر سانس کی نالی یا خوراک کی نالی کے ساتھ دونوں شہ رگیں کٹ جائیں یا دونوں شہ رگوں کے ساتھ سانس یا خوارک کی نالی کٹ جائے تو فعل ذبح ہو جائے گا۔ بعض اصحاب کے نزدیک سانس اور خوراک کی دونوں نالیوں اور ایک شہ رگ کا کٹنا ضروری ہے۔ غرض جب اس طرح سے گلا کٹ جائے تو شرعی لحاظ سے اس کو ذبح کرنا کہیں گے۔ ذبح کیے ہوئے جانور کا کھانا حلال ہے، خواہ گردن کو گھنڈی کے اوپری حصہ سے کاٹا جائے یا اس کے نیچے کے حصے سے۔

ذبح کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں: اول یہ کہ ذبح کرنے ولا مسلمان ہو یا اہل کتاب یعنی یہودی یا نصرانی ہو۔ یورپ کا باشندہ ہو یا کہیں اور کا۔ صابی (ستارہ پرست) کو نصاریٰ میں شمار کیا جاتا ہے، کیوں کہ یہ لوگ حضرت عیسٰی کو مانتے ہیں۔ اور یہودی قوم میں سامری بھی داخل ہیں کیوں کہ وہ لوگ شریعت موسوی کے پیرو ہیں۔ ان سب کا ذبیحہ حلال ہے۔ ان کے علاوہ اور لوگوں مثلاً بت پرست، مجوسی (آتش پرست) اور مرتد (جو اسلام سے پھر گیا ہو) کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ اسی طرح دوزیوں کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے جو کسی الہامی کتاب کو نہیں مانتے۔ اور وہ کتابی جو ذبح کے وقت مسیح کا نام لیتا ہے اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ ذبیحہ علاقہ حرم کا شکار شدہ نہ ہو، کیوں کہ علاقہ حرم کا شکار کیا ہوا جانور ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوتا گو ذبح کرنے ولا احرام میں نہ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ ذبح کے وقت تسمیہ (بسم اللہ کہنا) قصداً نہ ترک کیا گیا ہو، ہاں سہواً تسمیہ رہ جائے تو ذبیحہ حلال ہوگا۔ اور تسمیہ (کے صحیح ہونے) کی شرطیں یہ ہیں:

۱۔ یہ کہ تسمیہ سے خالص اللہ کا نام لینا مقصود ہو، بایں طور کہ اللہ کے ناموں میں سے کوئی سا نام لیا جائے، خواہ نام کے ساتھ اللہ کی کوئی صفت بھی ہو جیسے اللہ اعظم کہنا، یا کوئی صفت نہ ہو جیسے محض اللہ یا الرحمٰن کہہ دینا، یا تسبیح و تہلیل (یعنی سبحان الله اور لا الٰہ الا الله) کہہ کر اسے یاد کیا جائے (جائز ہے)۔ لیکن اللہ کا نام دعا کے ساتھ ہو جیسے یوں کہا جائے کہ ''اللّٰھم اغفر لی'' (یعنی اے اللہ میری مغفرت فرما) تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔ مستحب طریقہ یہ ہے کہ بسم الله الله اکبر کہے۔

۲۔ یہ کہ ''تسمیہ'' ذبح کے وقت خود ذبح کرنے والے نے، شکار کرنے والے نے تیر چلانے کے وقت اور شکاری کتے کو چھوڑنے والے نے کتے کو شکار پر چھوڑتے وقت خود کیا ہو۔ اگر ذبح کرنے والے کے سوا کسی اور نے تسمیہ کیا تو اس کا کھانا حلال نہ ہوگا۔ اور یہ کہ ذبح کے لیے تسمیہ (بسم اللہ کہنے) کے بعد اس جگہ سے ہٹے بغیر وہیں پر جانور کو ذبح کیا جائے، لہٰذا اگر کوئی شخص تسمیہ کے بعد کھانے پینے میں لگ گیا اور اس میں دیر لگ گئی تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا، زیادہ دیر نہ لگے تو حلال ہے۔ دیر لگنے سے مراد اتنی تاخیر ہے جسے دیکھنے والا زیادہ دیر تصور کرے۔ نیز یہ بھی شرط ہے کہ اللہ کا نام لینے سے (ذبح کے علاوہ) کوئی اور مقصد جیسے برکت کے لیے کام شروع کرنے سے پہلے کیا جاتا ہے نہ ہو۔ اگر ایسا کیا یا کسی اور ارادہ سے اللہ کا

Marfat.com

نام لیا تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔ ہاں اگر بسم اللہ کہنے کے وقت کوئی نیت ذہن میں نہ تھی تو ذبیحہ حلال ہے، ایسے بچے کا حلال کیا ہوا جانور جو بسم اللہ کہنا تو جانتا ہو مگر قطعی طور پر اس امر سے واقف نہیں ہے کہ 'اللہ کا نام لینا' ذبیحہ کے حلال ہونے کی شرط ہے، نیز وہ انسان جو نشہ میں ہو لیکن تسمیہ کو سمجھتا ہو یا ایسا ہی کوئی جنون والا ہو، ایسے تمام اشخاص اگر پورے طور پر جانور کو ذبح کریں اور اللہ کا نام انھوں نے لیا ہو تو ذبیحہ حلال ہے۔ گونگے اور غیر ختنہ شدہ شخص کا ذبیحہ بھی بلا کراہت حلال ہے۔

واضح ہو کہ ہر ایسی شے سے ذبح کرنا درست ہے جو ان رگوں کو کاٹ دے جن کا کٹنا (صحت ذبیحہ کی) شرط ہے، لہٰذا چھری سے یا نیلے بانس کے چھلکے سے جس کو 'غاب' کہتے ہیں اور 'مروہ' وغیرہ سے جو ایک سفید پتھر چھری کی مانند تیز ہوتا ہے، ذبح کرنا جائز ہے۔ لیکن دانت سے یا ناخن سے جب کہ پیوست ہو ذبح کرنا حلال نہیں ہے، ہاں اگر جسم سے علیحدہ ہو تو ان سے ذبح کرنا حلال مگر مکروہ ہے، کیوں کہ اس سے (ذبح کرنا) جانور کو اذیت دے کر مارنا ہے، اسی طرح کھنڈی چھری سے، جس میں تیز دھار نہ ہو، ذبح کرنا مکروہ ہے۔

اگر کسی بزرگ کے نام پر اس کا قرب حاصل کرنے کی غرض سے جانور ذبح کیا یا اس کی بزرگی کے خیال سے نحر کیا تو وہ ذبیحہ نہ کھایا جائے کیوں کہ اس طرح ذبح کرنا غیر اللہ کے نام پر پکارنا ہے۔ لیکن اگر کسی مہمان کی آمد پر اس کی تکریم کی غرض سے جانور ذبح کیا جائے تو جائز ہے، اگرچہ کھانے کے وقت ذبیحہ کے علاوہ اور چیز پیش کی جائے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ شرعی ذکاۃ (ذبح کرنا) بری جانور کے حلال ہونے کا ایک اختیاری ذریعہ ہے۔ ذکاۃ کی چار قسمیں (طریقے) ہیں: ذبح کرنا، نحر کرنا اور عقر کرنا یا کوئی اور عمل جو زندگی کو ختم کردے۔

پہلی قسم ذبح کرنا ہے۔ یہ عمل گائے، بھینس، بھیڑ، بکری، پرندہ اور جنگلی جانور کے لیے ہے جس پر قابو پایا جا سکے۔ اس حکم سے زرافہ مستثنیٰ ہے، اس کو نحر کیا جائے گا۔ ذبح کرنے کی تعریف یہ ہے کہ سامنے سے حلقوم کو اور دونوں شہ رگوں کو کسی دھاردار آلہ سے بہ نیت ذبح کاٹا جائے۔ اس کے لیے 'مریٔ' (غذا کی نالی) کا کاٹنا شرط نہیں ہے۔ ذبح کی شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والا صاحب تمیز اور مسلمان ہو یا اہل کتاب ہو۔ اور یہ کہ ذبح کرنے کے لیے جب ہاتھ ڈالے تو جب تک ذبح نہ کر لے بغیر کسی مجبوری کے زیادہ دیر کے لیے ہاتھ نہ اٹھائے۔ کتابی کا ذبیحہ حلال ہونے کی چند شرائط ہیں: کہ وہ ایسا جانور ذبح کرے جو ہماری شرع میں حلال ہے اور یہ کہ ذبح کے لیے غیر اللہ کا نام نہ لیا جائے۔ اہل کتاب کے ذبح کرنے کی تفصیلات قربانی کے بیان میں پہلے بتائی جا چکی ہیں۔ اور یہ کہ وہ جانور کسی مسلمان کی موجودگی میں جو ذکاۃ کے مسائل کو بخوبی جانتا ہو ذبح کیا جائے۔ یہ شرط اس صورت میں ہے جب کہ وہ اہل کتاب مردار کا گوشت کھانا حلال جانتا ہو۔ اور ناخون والا جانور جس کو یہودی ذبح کرے وہ حلال نہیں ہے۔ اس سے وہ جانور مراد ہیں جن کی انگلیاں باہم پیوستہ ہوتی ہیں، کیوں کہ یہودیوں کے نزدیک ہر ناخون والے جانور کا کھانا حرام ہے، اور ہماری شریعت میں بتایا گیا ہے کہ یہ جانور ان کی شرع میں حرام ہیں، لہٰذا ان جانوروں کو اگر یہودی ذبح کرے تو وہ حلال نہ ہوگا۔ ایسے جانور جو ان کی شریعت میں حلال ہیں جیسے کبوتر اور مرغی وغیرہ اگر ان کو یہودی ذبح کر لے تو حلال ہے۔

ذکاۃ کی دوسری قسم نحر ہے۔ یہ طریقہ شتر، زرافہ اور فیل کے ذبح کرنے کا ہے، گائے بھینس کو نحر کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح گھوڑے، خچر اور جنگلی گدھے کا نحر کرنا مکروہ ہے۔ نحر کی تعریف یہ ہے کہ ذبح کے ارادہ سے ایک مسلمان صاحب شعور یا کوئی

Marfat.com

اہل کتاب جانور کی دھگدگی پر برچھے سے زخم لگائے اور جب تک وہ مرنہ جائے اس برچھے کو زیادہ عرصہ کے لیے نہ ہٹائے۔

تیسری قسم ''عقر'' ہے اور یہ طریقہ ایسے جنگلی جانور کے لیے ہوتا ہے جس کو قابو میں لا کر ذبح کرنا دشوار ہو۔ اس میں پرندہ ہو یا کوئی اور جانور۔ اور عقر اس کو کہتے ہیں کہ کوئی ذی شعور مسلمان کسی وحشی جانور کو دھار دار آلہ سے، یا سدھائے ہوئے شکاری جانور کے ذریعہ ذبح کرنے کی نیت سے اللہ کا نام لے کر زخم لگائے۔ پس کافر کا عقر کرنا صحیح نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اہل کتاب عقر کر لے تو صحیح ہے جس طرح اس کا ذبح کرنا صحیح ہے۔ نابالغ لڑکا، مجنون یا مخمور کرے تو درست نہ ہوگا۔ پالتو جانور اگر بدک کر قابو سے باہر ہو جائے تو اس کا عقر کرنا صحیح نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی گائے یا بھیڑ یا اونٹ بھر جائے تو اسے ''عقر'' کرنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی جانور جو کنوئیں میں جا پڑے جسے عقر کے سوا ذبح نہ کیا جا سکے اور اسے ''عقر'' کیا تو اس کا کھانا حلال نہ ہوگا۔ اور ایسی لکڑی یا پتھر سے جس میں دھار نہ ہو عقر کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور گولی سے زخمی کرنا درست ہے کیونکہ یہ دھار دار آلے سے زیادہ طاقت ور ہے۔ اور ان جانوروں کو جن میں خون نہیں جیسے ٹڈی اور کیڑے، کو کسی طرح بھی مار ڈالنا حلال کرنے کے برابر ہے، خواہ آگ میں جلا کر یا دانت سے کاٹ کر یا لاٹھی سے مار کر (کسی طرح بھی مارا جائے) لیکن ذکات کی نیت کرنا شرط ہے اور ان چاروں طریقوں میں سے ہر طریقہ میں حتی المقدور اللہ کا نام لینا شرط ہے۔ ہاں اگر کوئی بھول جائے یا نام نہ لے سکے جیسے کوئی گونگا ہو تو اس کا ذبیحہ حلال ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ شریعت کی رو سے حلقوم اور نرخرے کو ایک ساتھ کاٹنے کا نام ذکاۃ ہے۔ اگر ان دونوں میں سے کچھ باقی رہا تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔ اور اس صورت میں جبکہ جانور کسی ہلاکت آفریں سبب سے دوچار ہو جائے حلال کرنے کی شرط یہ ہے کہ اس میں ذبح سے پہلے حیات مستقرہ باقی ہو (یعنی زندگی ٹکی ہوئی ہو) اگر یہ صورت نہ ہو تو زندگی کا موجود ہونا شرط نہیں ہے، لہٰذا ایسا مریض جانور جو کسی (خارجی) سبب کے بغیر قریب المرگ ہو اور زندگی کی آخری رمق باقی ہو اور اسے ذبح کر لیا جائے تو حلال ہے، اگرچہ اس سے خون نہ نکلے اور اس میں شدید تڑپن نہ ہو۔ حیات مستقرہ سے مراد یہ ہے کہ اس کی حرکات دیکھ کر یہ امر قرین قیاس ہو جائے کہ اس میں زندگی باقی ہے۔ اس کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ حلق اور نرخرہ کاٹنے پر خون بہہ کر نکلے یا شدید تڑپن ہو۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ حلقوم اور نرخرہ کو کنٹھی کے نیچے کی مقررہ جگہ سے کاٹا جائے یا کنٹھی کے اوپر کی جگہ سے، لیکن یہ شرط ضرور ہے کہ مقام ذبح کے اوپر اور نیچے دونوں طرف سے گردن کی پوری گولائی باقی رہے ورنہ ذبیحہ حلال نہ ہوگا، بلکہ اس صورت میں اسے ''مزع'' (تومنا) کہا جائے گا، ذبح کرنا نہ کہا جائے گا۔ رہا دونوں شہ رگوں کا (ذبح میں) کاٹنا سو وہ (شرط نہیں بلکہ) سنت ہے۔ اگر پورا سر کاٹ کر الگ کر دیا جائے تو وہ ذبح ہو جائے گا لیکن یہ امر بقول معتمد مکروہ ہے۔

واضح ہو کہ اس طرح ذبح کرنا ایسے جانوروں کے لیے شرط ہے جو پالتو مانوس جانور ہوں اور ایسا کرنا بس میں ہو، اگر جانور مانوس نہ ہو جیسے کوئی بھیڑ یا گائے بدک گئی ہو یا اونٹ بھر گیا ہو یا جنگل کا ہرن ہو یا کوئی جانور کنوئیں میں گر پڑا ہو اور اب اسے (باقاعدہ) ذبح کرنا ممکن نہ ہو تو ایسے جانور کی ذکاۃ یہ ہے اس کے جسم پر کسی جگہ ایسی شے سے مارا جائے جو زخم کر دے اور اسی زخم سے اس کی جان جاتی رہے۔ لہٰذا کھریا ٹاپ سے زخم لگانا یا ہلکی سی خراش آ جانا سودمند نہیں ہے۔ اور ذبیحہ کے حلال ہونے کی چند شرطیں ہیں:

اول یہ کہ ذبح کے وقت ذہن میں کسی خاص جانور یا کسی خاص جنس کا تعین ہو، چنانچہ اگر تیر چلایا اور (نشانہ کے

Marfat.com

متعلق) یہ تعین نہ تھا کہ یہ پتھر ہے یا کوئی جانور ہے تو اس (تیر سے شکار ہونے والے) جانور کا گوشت نہ کھانا چاہیے، ہاں اگر یہ تعیین ہو جائے کہ وہ حیوان ہے تو اس کا کھانا حلال ہے کیونکہ ذبح کے وقت اس کی جنس کا تعین ذہن میں تھا۔ اسی طرح اگر ہرن کی ڈار پر تیر چلایا اور وہ ان میں سے کسی کو لگا، یا جس خاص ہرن کے شکار کا ارادہ کیا اس کے علاوہ کی دوسرے کو جا لگا تو جس پر بھی تیر لگا وہ حلال ہوگا کیونکہ اس میں جنس کا تعین ہو گیا تھا۔ اگر نہ کسی متعین جانور کا ارادہ اور نہ جنس کا تعین ذہن میں تھا (اور تیر چلانے سے کوئی جانور مار لیا) تو وہ جانور حلال نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر ہاتھ سے چھری گر پڑی اور کوئی جانور اس سے زخمی ہو کر مر گیا یا تلوار سے کسی پر وار کیا اور اس وار سے کوئی جانور ذبح ہو گیا تو وہ ذبیحہ حلال نہیں ہے، کیونکہ اس کا ارادہ نہ تھا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ محض حلقوم اور نرخرہ کاٹ کر جانور کی جان جلدی سے نکل جانے دے۔ اگر کوئی شخص گردن کاٹنے لگا اور دوسرے نے انتڑی نکالنی شروع کر دی یا پیٹ پھاڑنے لگا تو ذبیحہ حلال نہ رہے گا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اگر کوئی امر موجب ہلاکت لاحق ہو جائے تو ذبح سے پہلے دیکھ لینا چاہیے کہ اس میں حیات مستقرہ باقی ہے؟ پس اگر کسی جانور کو زخمی کر دیا یا اس پر کوئی چھت وغیرہ آن پڑی اور اس میں ہنوز حیات مستقرہ باقی تھی کہ اسے ذبح کر لیا تو حلال ہے۔ اور حیات مستقرہ اس کے تڑپنے یا خون کے بہنے سے معلوم ہوتی ہے، اور یہ یقین ہونا چاہیے کہ (وہ ابھی نہیں مرا بلکہ) گھڑی بھر بعد مرے گا۔ اگر یہ یقین نہ ہو تو (ذبح کرنے سے) وہ جانور حلال نہ ہوگا، کیونکہ ایسا امر موجود ہے جسے اس کی موت کا سبب قرار دیا جا سکتا ہے، یعنی زخمی ہونا یا چھت کا گرنا۔ یاد رہے کہ اس باب میں حیات مستقرہ کا یقین ہونا شرط نہیں ہے بلکہ صرف یہ گمان ہونا کافی ہے کہ اس میں حیات مستقرہ باقی ہے۔ اگر کسی جانور میں مرض یا بھوک کے باعث ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ اس کی بینائی یا اختیاری حرکت سلب ہو جائے اور اسی حالت میں اسے ذبح کر لیا جائے تو وہ حلال ہے اگرچہ خون نہ بہا ہو۔ لیکن اگر کسی جانور نے ایسی کوئی چیز کھا لی جس سے اس کا بدن پھول گیا اور وہ مرنے کے قریب پہنچ گیا پھر اس کو ذبح کر لیا گیا تو بقول معتمد وہ حلال نہ ہوگا درآنحالیکہ اس میں شدید تڑپن نہ ہو یا خون نہ بہا ہو۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ ذبیحہ جانور ایسا ہونا چاہیے جس کا کھانا حلال ہے، لہٰذا حرام جانور کا ذبح کرنا جائز نہیں ہے، خواہ اس (کے ذبح کا) مقصد اس جانور کو زندگی کی مصیبت سے نجات ہی دلانا ہو۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ کسی دھار دار شے سے ذبح کیا جائے، خواہ وہ شے بانس کی ہو یا لکڑی یا سونے یا چاندی کی۔ ہاں دانت، ناخون یا کسی اور ہڈی کی نہ ہو۔ ان چیزوں سے حلال کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر دھار دار شے کے بغیر جانور کو مارا مثلاً گولی ماری یا تیر سے مارا جس میں پیکان یا دھار نہ ہو یا کسی تسمہ سے گلا گھونٹ دیا او جانور مر گیا تو ان تمام صورتوں میں وہ جانور حرام ہوگا۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے (گردن کاٹنے) میں پھرتی سے کام لیا جائے، یعنی ایک دم کاٹ دیا جائے، لہٰذا اگر گردن کو تھوڑا سا کاٹ کر چھوڑ دیا اور پھر پورے طور پر ذبح کیا تو اب دیکھنا چاہیے کہ دوسری بار جب کاٹنا شروع کیا تو آیا اس دوران اتنا وقفہ تو نہیں ہوا جسے بالعموم اس عمل کو پہلے عمل (کا سلسلہ نہیں بلکہ اس) سے جداگانہ حیثیت قرار دی جا سکتی؟

Marfat.com

ایسی صورت میں شرط صحت یہ ہے کہ دوسرا عمل شروع کرنے کے وقت جانور میں حیات مستقرہ باقی ہو۔ اگر دوسرا عمل ذبح پہلے عمل سے جداگانہ حیثیت نہ رکھتا ہو (بلکہ اسی سلسلہ میں ہو) تو صحت ذبح کے لیے (عمل ثانی کے وقت) حیات مستقرہ باقی ہونے کی شرط نہیں ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ چھری (ذبح کے لیے) چلائی، لیکن اس خیال سے کہ اس سے کاٹا نہ جا سکے گا اس کو الگ ڈال دیا اور دوسری چھری فوراً لے لی، یا یہ ہوا کہ چھری ہاتھ سے گر گئی پھر اسے اٹھا لیا یا اور کوئی چھری جلدی سے لے لی یا اسی چھری سے پلٹ کر دوسری طرف سے وہ حصہ جو کاٹنے سے رہ گیا تھا اسے کاٹا، یہ سب باتیں جائز ہیں کیونکہ ان صورتوں میں پہلے اور دوسرے عمل کے درمیان فاصلہ نہیں ہے۔

ساتویں شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والا حالتِ احرام میں نہ ہو اور وہ جانور بری جانور کا شکار نہ ہو، ایسا ہوا تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔

آٹھویں شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان یا اہل کتاب ہو، مجوسی، بت پرست یا مرتد نہ ہو، یعنی یہودی اور نصرانی کا ذبیحہ مسلمان کے ذبیحہ کی طرح حلال ہے۔ مجنون، مخمور اور ایسے لڑکے کا جو صاحب شعور نہ ہو ذبیحہ حلال نہیں ہے، خواہ وہ ایسے جانور کو ذبح کرے جو قابو میں نہ آ سکتا ہو۔ وہ بھی بقول راجح (حلال نہیں ہے) مکروہ ہے۔ اسی طرح اندھے کا ذبیحہ مکروہ ہے۔ اور اللہ کا نام لینا شرط صحت نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ اگر اللہ کے ساتھ غیر اللہ کا نام لیا مثلاً کہا بسم اللہ واسم محمد ﷺ (یعنی اللہ نام سے اور محمد ﷺ کے نام سے) تو اگر اس سے ارادہ شرک ہے تو ذبیحہ حرام ہے۔ اللہ کو شریک کرنا مقصود نہیں تھا تو ذبیحہ حلال ہے تاہم مکروہ ہے، بشرطیکہ محض تبرک کے طور پر وہ نام لیا ہو۔ اگر بغیر کسی خاص مقصد کے یونہی غیر اللہ کا نام لے لیا تو چونکہ اس میں بھی شرک کا ابہام ہے، لہٰذا ایسا کرنا مکروہ ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ شرع کی اصطلاح میں ذکاۃ کہتے ہیں ایسے جانور کے ذبح کرنے کو جو قابو میں ہو اور حلال ہو۔ اور وہ جانور خشکی یا کا ایسا ہی کوئی جانور ہو، بجز ٹڈی وغیرہ کے جس کو نہ ذبح کیا جا سکے اور نہ نحر کیا جا سکے۔ اور شرعاً حلال ہونا اس وقت مانا جائے گا جب کہ حلقوم اور نرخرے کو کاٹ دیا جائے، حلقوم وہ نالی ہے جس سے سانس لیا جاتا ہے اور مرئی (نرخرہ) کھانے پینے کی نالی ہے۔ اور نحر کرنے میں نیزہ لبہ پر (اس گڑھے پر) لگایا جاتا ہے جو گردن کی جڑ اور سینے کے درمیان ہوتا ہے (اس کو دگدگی کہتے ہیں)۔ اور ذبح کرنے میں ودجین (دو شہ رگوں) کا کٹنا شرط نہیں ہے۔ یہ رگیں حلقوم کے گرد ہوتی ہیں۔ ذبح میں ان کا کاٹنا افضل ہے۔ اگر کسی جانور کا ذبح کرنا یا نحر کرنا دشوار ہو تو اس کا عقر کیا جا سکتا ہے، یعنی تیر وغیر چلا کر کسی جگہ پر زخم لگایا جا سکتا ہے۔ اس طرح زخمی کر کے مارا جائے تو اس کا کھانا شکار کے جانور کی طرح حلال ہے۔ چنانچہ مثلاً اگر اونٹ بپھر جائے اور اس پر قابو پانا ممکن نہ ہو یا کوئی جانور کنوئیں میں جا پڑے جس کو ذبح نہ کیا جا سکے تو اسے حلال کرنے کی نیت سے 'عقر' کیا جائے (یعنی زخم لگایا جائے) اور وہ (اس زخم سے) مر جائے تو اس کا کھانا حلال ہے۔ اگر اس کی موت زخم لگائے بغیر واقع ہو جائے تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے گو وہ زخمی ہو کر ہی مرا ہو۔ اور اس کے حلال ہونے کی یہ بھی شرط ہے کہ جس نے تیر چلایا ہے، وہ ان شرطوں کو پورا کرتا ہو جو ذبح کرنے والے کے لیے لازمی ہیں۔ چنانچہ اگر کسی مجوسی نے تیر مارا تو اس جانور کا کھانا حلال نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ ذبیحہ کے حلال ہونے کی چار شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ (ذبح کرنے والا) جب ذبح، نحر یا عقر کے لیے ہاتھ اٹھائے تو بسم اللہ پڑھے اور اس کی جگہ کچھ اور نہ کہا جائے، چنانچہ اگر سبحان اللہ کہہ کر ذبح کیا تو جائز نہیں ہے۔ البتہ عربی الفاظ کے علاوہ اور کسی زبان میں اللہ کا نام لینا

Marfat.com

جائز ہے گو عربی میں تسمیہ کرسکتا ہو۔ سنت یہ ہے کہ تسمیہ کے ساتھ تکبیر بھی کہے، یعنی "بسم الله الله اکبر" کہہ کر ذبح کرے۔ اگر ذبح کرنے والا گونگا ہو تو اپنے سر سے آسمان کی جانب اشارہ کرے اور اشارہ ایسا ہو جیسے تسمیہ کر رہا ہے، یعنی اس کے اشارہ سے یہ مترشح ہوتا ہو کہ اس کا مقصد بسم اللہ کہنا ہے۔ گونگے آدمی کے لیے اس طرح کرنا (صحت ذبیحہ) کے لیے کافی ہے۔ اگر دانستہ یا نادانی سے تسمیہ نہ کیا تو ذبیحہ مباح نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لا تاکلوا مما لم یذکر اسم الله علیه" (یعنی جس پر اللہ کا نام نہ لیا اس کا گوشت نہ کھاؤ)۔ ہاں اگر بھول کر تسمیہ رہ جائے جیسا کہ شداد بن سعدؓ نے آنحضرت ﷺ سے روایت کا کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "ذبیحة المسلم حلال و ان لم یسم اذا لم یتعمد" (یعنی مسلمان اگر بغیر اللہ کا نام لئے ذبح کرے تو حلال ہے، بشرطیکہ عمداً ترک تسمیہ نہ کیا ہو) اور شرط یہ ہے کہ جس جانور کو ذبح کرنا ہے اسی پر اللہ کا نام لیا ہو، چنانچہ اگر مثلاً کسی بکری کے ذبح کرنے کو بسم اللہ کہا لیکن اس بکری کو ذبح نہ کیا، بلکہ کسی دوسری بکری کو ذبح کیا تو وہ دوسری بکری مباح نہ ہوگی۔ بسم اللہ کہنے اور ذبح کرنے کے درمیان معمولی سا فاصلہ ہو جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔ مثلاً اگر بسم اللہ کہنے کے بعد کچھ بول لیا اور پھر ذبح کیا تو حلال ہے۔ اگر کسی بکری کو ذبح کے لیے گرایا اور بسم اللہ کہا پھر اس چھری کو الگ ڈال کر دوسری چھری سے ذبح کیا تو جانور حلال ہے۔ اسی طرح اگر بسم اللہ کہنے کے بعد سلام کا جواب دیا یا پانی مانگ کر پیا (اور پھر ذبح کیا تب بھی حلال ہے)۔

واضح ہو کہ (ذبح کے باب میں) اہل کتاب کا وہی حکم ہے جو مسلمان کا ہے۔ لیکن اگر ذبح کے وقت (اللہ کی بجائے) مسیح کا نام لیا گیا تو ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ اگر یہ علم نہ ہو کہ ذبح کرنے والے نے اللہ کا نام لیا یا نہیں لیا، یا یہ (علم نہ ہو) کہ اللہ کا نام لیا یا کسی اور کا تو ذبیحہ حلال ہوگا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ذبح، یا نحر یا عقر کرنے والا اس کام کا اہل ہو، یعنی وہ عاقل ہو اور حلال کرنے کی نیت بھی ہو، لہٰذا اگر اچانک چھری بکری کے حلق پر گر پڑی اور وہ ذبح ہو گئی تو حلال نہ ہوگی کیونکہ اس وقت حلال کرنے کی نیت نہ تھی۔ اور یہ کہ (ذبح کرنے والا) مسلمان یا اہل کتاب ہو گو اہل کتاب حربی ہو۔ (جس سے مسلمانوں کی جنگ ہو رہی ہو) یا بنی تغلب کا عیسائی ہو۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ مرد ذبح کرے یا عورت، غلام ہو یا آزاد، ناپاکی کی حالت میں ہو یا حیض و نفاس کی حالت میں، نابینا ہو یا فاسق ہو۔ البتہ مجنون، مخمور اور ایسے لڑکے کا ذبیحہ جو ہنوز شعور کو نہ پہنچا ہو، درست نہیں ہے، کیونکہ ان میں (حلال کرنے کا) قصد نہیں پایا جاتا۔ اگر لڑکا صاحب شعور ہو تو اس کا ذبیحہ حلال ہے، خواہ وہ دس سال سے کم کا ہو۔ مرتد، مجوسی، بت پرست، زندیق (لامذہب) دروزی اور ہر ایسا شخص جس کا ایمان کسی کتاب (الہامی) پر نہیں ہے ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ "وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم" (یعنی جو لوگ اہل کتاب ہیں ان کا کھانا تمھیں حلال ہے)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ (اہل کتاب) نہیں ہیں انکا کھانا حلال نہیں ہے۔

تیسری شرط آلۂ ذبح کا ہونا ہے، یعنی ذبح کرنے کے آلہ سے ذبح کیا جائے جو تیز ہو اور کاٹنے یا پھاڑنے کی صفت اس میں موجود ہو۔ اس کا کاٹنا یا پھاڑنا بھاری ہونے کی وجہ سے نہ ہو۔ اس میں مضائقہ نہیں کہ دھار دار آلہ لوہے کا ہو جیسے چھری، تلوار بھالا وغیرہ، یا پتھر، لکڑی یا ہڈی کا ہو۔ البتہ دانت یا ناخن نہ ہو، ان سے حلال کرنا درست نہیں ہے، خواہ یہ بدن

Marfat.com

واضح ہو کہ اونٹ کا نحر کرنا سنت ہے، اس بارے میں مالکیہ کا مسلک ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔[۱] اسی طرح ایسے جانور کا نحر کرنا بھی درست ہے جن کی گردن لمبی ہو۔ ان کے علاوہ دوسرے جانور مثلاً گائے، بھیڑ بکری وغیرہ کو ذبح کرنا چاہیے۔ اور سنت یہ ہے کہ آلہ ذبح چھری وغیرہ کو تیز کرلیا جائے اور یہ کہ اس کو ذبح ہونے والے جانور کی نظر سے ہٹ کر تیز کیا جائے۔ اور یہ بھی نہ ہونا چاہیے کہ ایک جانور ذبح ہو رہا ہو اور دوسرا اسے دیکھ رہا ہو۔ اور یہ کہ اگر بھیڑ بکری یا گائے ہے تو اسے بائیں پہلو پر (ذبح کے لیے) لٹایا جائے اور کہے کہ "اللّٰهم هذا منك واليك" (یعنی یا الٰہی یہ تیرا ہی عطیہ ہے اور تیرے ہی لیے ہے) پھر وجهت وجهي تا آخر آیت وان صلاتي ونسكي تا آخر آیت (پڑھی جائے) پھر بسم الله الله اکبر کہہ کر ذبح کیا جائے۔ اور جب تک کہ جانور کی جان نہ نکل جائے اور تڑپنا ختم نہ ہو گردن کو جدا کرنا، کھال اتارنا یا کسی عضو کو کاٹنے لگنا مکروہ ہے، اور جان نکلنے سے پہلے اس کی اون اتارنا بھی مکروہ ہے۔ اسی طرح قبلہ کی طرف سے اس کے رخ کو ہٹانا اور بلا وجہ ذبیحہ کو اذیت دینا بھی مکروہ ہے۔

واضح ہو کہ جس جانور کا گوشت کھانا جائز ہے اور جس کا جائز نہیں ہے اور جن چیزوں کا پہننا جائز ہے اور جن کا جائز نہیں ہے۔ ان سب کی پوری تفصیل اس کتاب کے دوسرے حصہ میں بیان کردی گئی ہے، چاہیے کہ وہاں پر ملاحظہ کیا جائے۔ والله ولي التوفيق.

سے پیوست ہوں یا علیحدہ ہوں۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ حلقوم اور نرخرہ کٹ جائے، اس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے۔ اگر کتابی ایسا جانور ذبح کرے جو اس کے مذہب میں حرام ہو اور ہماری شریعت سے بھی یہ ثابت ہو کہ یہ ان کے مذہب میں حرام ہے تو اس کا کھانا حلال ہے، مثلاً اونٹ، چوپائے اور بط جن کی انگلیاں باہم پیوستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بتادیا ہے کہ اللہ نے ہر ناخن والا جانور ان پر حرام کردیا ہے (ایسا جانور وہ ذبح کریں تو حلال ہوگا)۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ ایسا جانور ذبح کیا جائے جس کے پھیپھڑے پہلو کے ساتھ پیوست ہوتے ہیں۔ یہودیوں کا خیال ہے کہ پھیپھڑا حرام ہے۔ اس کو وہ لازقہ (پیوستہ) کہتے ہیں۔

۱۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ شتر اور زرافہ نیز فیل کا نحر کرنا بھی واجب ہے، کیونکہ وہ کھایا جاتا ہے۔ اگر (نحر کی بجائے) ذبح کیا جائے تو اسے نہ کھانا چاہیے۔ ان کے علاوہ دوسرے تمام وحشی چوپاؤں اور پرندوں کا ذبح کرنا واجب ہے، لہٰذا اگر ان کو نحر کیا جائے تو نہ کھایا جائے۔ گائے بھینس گھوڑے خچر اور جنگلی گدھے کا ذبح کرنا اور نحر کرنا دونوں جائز ہیں لیکن افضل یہی ہے کہ ذبح کیے جائیں، تاہم یہ احکام اسی حالت میں ہیں جب کہ ذبح کرنے پر قابو اور اختیار ہو لیکن مجبوری کی حالت میں مثلاً (مناسب) آلہ موجود نہ ہو یا جانور کسی گڑھے میں جا پڑے اور ذبح کرنا یا نحر کرنا جو واجب ہے نہ ہو سکے تو اس حالت میں برعکس عمل کرنا جائز ہے کہ ذبح کی بجائے نحر اور نحر کی بجائے ذبح کیا جائے۔ واللّٰه اعلم وصلى الله وسلم على صاحب الشريعة محمد وآله وصحبه۔

Marfat.com